

ساجلوں کے گیت



رُخ چوہدری

انتساب

اپنی پیاری بہنوں اور دونوں بھابیوں کے نام......!

اللہ تعالٰی کے فضل و کرم کے بعد جن کی محبت، خلوص، تعاون اور دعاؤں سے آج میں ناول نگار کا اعزاز حاصل کر پائی

''بے بی! چندا اٹھ جاؤ ناں' کتنا سوؤ گی۔ دیکھو تو سات بج رہے ہیں۔ اٹھ جاؤ جان' بے بی! بھئی اٹھ جاؤ شاباش! اتنا سونا ٹھیک نہیں۔''

وہ گزشتہ پندرہ منٹ سے اسے جگا رہی تھیں۔ وہ تو ٹس سے مس نہیں ہو رہی تھی۔ فاطمہ نے کمرے میں بکھری اس کی چیزیں سمیٹیں۔ پردے سرکائے تاکہ سورج کی شفاف کرنیں اسے جگانے میں کامیاب ہو جائیں۔

''بہت گندا بچہ ہے یہ ہمارا۔ دیکھو تو دودھ کا گلاس جوں کا توں پڑا ہے۔ بے بی...... بجیلہ...... جان اٹھ جاؤ...... اٹھ جاؤ سات بج رہے ہیں۔''

فاطمہ چیزیں سمیٹ کر پھر اس کی طرف آ گئیں۔ پیار سے اس کے چہرے پر آئے بال درست کرتے ہوئے کہا۔

''کیا ہے بجو!'' قسم سے آپ تو سونے بھی نہیں دیتیں۔ کہاں سات بج رہے ہیں' پورے تین منٹ باقی ہیں' سونے دیں۔''

بجیلہ نے وال کلاک پر نظر ڈالی اور پھر چادر تان کر لیٹ گئی۔

''بجیلہ جان! جب رات کے بے شمار منٹ تمہاری نیند پوری نہیں کر سکے تو یہ تین منٹ کہاں نیند کی پیاس کو بجھا سکیں گے۔'' فاطمہ نے پھر چادر سرکا دی۔

''بجو پلیز!'' بجیلہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔ یوں نیند میں بے حال منت کرتی چھوٹی بہن پر فاطمہ کو پیار آ گیا۔

''بجو! تمہیں معلوم ہے کہ پپا جی کو دیر تک سونا پسند نہیں۔''

یہ کہتے ہوئے فاطمہ کی نظروں میں پپا جی کا چہرہ گھوم گیا۔ انہوں نے کتنا غضبناک ہو کر کہا تھا۔ ''جاؤ بے بی کو بلا کر لاؤ۔'' وہ ایک منٹ بھی ادھر ادھر نہیں ہونے دیتے تھے۔

''بجو! پپا جی کو تو ہمارا سانس لینا بھی پسند نہیں مگر یہاں آ کر وہ خدا سے مات کھا جاتے ہیں کہ زندگی دینا اور لینا سب اس کے اختیار میں ہے۔''

صبح ہی صبح اس نے تلخیوں کا زہر اندر انڈیلتے ہوئے دراز بالوں کا جوڑا بنایا اور اٹھ بیٹھی۔

فاطمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ ایسی ہی تھی۔ ذرا سی بات پر تلخ ہو جاتی تھی۔ بغاوت پر اتر آتی۔ کبھی کبھی تو فاطمہ لرز جاتیں وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئیں۔

''ہیں...... ہیں بجیلہ...... یہ کیا بات ہوئی جانو جیسے ہمارے پپا جی ہیں' مما جان ہیں۔ کسی کے

ایسے نہ ہوں گے' ایسے نہیں کہتے۔"

"ہاں واقعی بجو! یہاں میں آپ سے متفق ہوں کہ جیسے ہمارے والدین ہیں ناں ایسے کسی اور کے نہ ہوں گے۔" بجیلہ نے ایک اور کڑوا گھونٹ حلق میں اتارا تو تلخی فاطمہ کو محسوس ہونے لگی۔ یہ بجیلہ ایسی کیوں ہے۔ وہ اسے دیکھنے لگیں۔

"بری بات چندا! ایسے نہیں کہتے ہیں' اب جلدی سے تیار ہو جاؤ' یونیورسٹی کا پوائنٹ بھی تو آنے والا ہے۔"

"اوہ ہاں! آج تو لیب بھی ہے۔"

بجیلہ پھرتی سے اٹھی اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

"باجی! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ پپا جی ناشتے پر انتظار کر رہے ہیں اور آپ بھی آ کر بیٹھ گئیں۔۔ وہاں پپا جی خفا ہو رہے ہیں۔"

آمنہ حسب عادت تیز لہجے میں بولتے ہوئے آ گئی تو فاطمہ اس کی طرف بڑھیں۔

"ہاں ہاں! ہم آ رہے ہیں۔ وہ بے بی رات دیر تک پڑھتی رہتی ہے ناں تو آنکھ دیر سے کھلی' اب وہ باتھ روم میں ہے' ہم ابھی آتے ہیں' تم جاؤ پپا جی کو بتا دو۔"

"کیا ضرورت تھی رات دیر تک پڑھنے کی' پتا بھی ہے پپا جی وقت کے معاملے میں کتنے سخت ہیں۔ یہ دلیلیں' تاویلیں وہ پسند نہیں کرتے۔ بے بی جلدی کرو ابھی کتنی دیر لگاؤ گی؟"

آمنہ نے زور سے آواز دی تو فاطمہ جلدی سے بولی۔

"آمنہ! ہم آتے ہیں' اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ بے بی ابھی بچی ہے اس پر یوں ناراض ہونا مناسب نہیں' تم چلو ہم آتے ہیں۔"

فاطمہ طبعاً بے حد حلیم اور حد درجہ حساس تھیں اور ویسے بھی بجیلہ گھر میں سب سے چھوٹی تھی اور فاطمہ کو اس سے زیادہ ہی پیار تھا اور آمنہ جس قدر اکھڑ مزاج تھی' اسی قدر لہجہ اور انداز گفتگو اکھڑ تھا۔

"بجو! تمہیں خیال رکھنا چاہئے' وہ ابھی بچی ہے تم ابھی سے اسے سمجھاؤ کہ ہمیں اس گھر میں کس طرح زندگی بسر کرنی ہے۔ ہمیں پپا جی کے اصول و قوانین کی کس طرح پابندی کرنا ہے۔"

"یہ کیا صبح ہی صبح اصول و قوانین کی گردان شروع کر دی ہے' آ رہی ہوں۔"

بجیلہ نے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے تیز نظروں سے آمنہ کو دیکھا۔ بجیلہ اور آمنہ کی ویسے بھی کم ہی بنتی تھی۔

"بے بی! اب تم اتنی بھی بچی نہیں ہو کہ سمجھ نہ سکو' اچھی طرح جانتی ہو کہ ....."

"اچھا پلیز! صبح سویرے ہی لیکچر دینا نہ شروع کر دینا' سارا موڈ غارت ہو جاتا ہے۔ ہماری زندگی میں سوائے اصول و قوانین کے ہے ہی کیا۔ صبح کا ناشتہ ہو یا رات کا کھانا بس اصول' پابندیاں اور سختیاں۔"

بالوں میں برش کرتے ہوئے بجیلہ نے ترش لہجے میں کہا تو فاطمہ پریشان ہو گئیں کیونکہ انہیں خوف تھا کہ آمنہ اور بجیلہ میں تکرار نہ شروع ہو جائے۔

"اچھا .... اچھا بے بی! اب صبح سویرے کوئی موڈ تو آف نہیں کرنا ناں' اللہ بہتر کرے گا۔ چلو

اب چلتے ہیں نیچے۔"

فاطمہ نے ایک نظر برہم سی کھڑی آمنہ پر ڈالی اور پھر بجیلہ کے قریب آ کر بولیں۔

"ہونہہ!" آمنہ نے مزید کچھ کہنا شاید ضروری نہ جانا اور دھم دھم کرتی سیڑھیاں اتر گئی۔

آج اسے اٹھنے میں واقعی دیر ہو گئی تھی اور پھر تیاری میں وقت لگ گیا۔ اتنا کہ یونیورسٹی کے پوائنٹ کا وقت ہو گیا تھا۔ ناشتہ کرنے کا وقت ہی نہیں بچا۔

"سوری پپا! آئی ایم لیٹ۔"

بجیلہ نے کرسی کھسکاتے ہوئے پپا کو دیکھا' جو اسے خشمگیں نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"وائے؟" انہوں نے بھاری لہجے میں وضاحت طلب کی۔

"وہ اس کے امتحان ہو رہے ہیں ناں تو یہ رات کو دیر تک پڑھتی رہی۔ پپا جی' اس لئے دیر سے سوئی اور دیر سے آنکھ کھلی۔"

بجیلہ کے بجائے فاطمہ نے جواب دیا تو فاروق احمد نے اتنی تیز نظروں سے اسے دیکھا کہ فاطمہ کے ہاتھوں میں چائے کا کپ لرز گیا۔

"فاطمہ! آئندہ ایسا نہ ہو' جس سے پوچھا جائے' وہی جواب دے' انڈرسٹینڈ!"

"سوری پپا جی! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

فاطمہ نے چھلک جانے والی چائے کو ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہوئے عہد کیا کہ آئندہ یہ گستاخی نہ ہو گی۔

"بے بی! تمہارے پپا نے تم سے کچھ پوچھا تھا!" صوفیہ بیگم نے بجیلہ کی طرف دیکھا' جو اتنی معمولی بات کو اتنی اہمیت دیئے جانے پر کڑھ رہی تھی۔

"جی' بجو نے درست کہا ہے کہ امتحان کی وجہ سے دیر تک پڑھتی رہی اس لئے۔"

اس نے لہجے کو بمشکل نارمل کرتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"کیا ضرورت تھی اتنی دیر پڑھنے کی؟"

"بجیلہ بی بی! آپ کی بس آ گئی ہے' میں نے ڈرائیور کو روکا ہے' جلدی سے آ جائیں۔"

اس سے قبل کہ وہ راحیل بھائی کے سوال کا جواب اور ہی انداز میں دیتی' رشید نے پوائنٹ کی آمد کی اطلاع دی تو اس نے بیگ شانے سے لٹکایا اور فائل ہاتھوں میں پکڑ کر تیزی سے طویل لان کو عبور کرتے ہوئے پوائنٹ کے پچھلی طرف سے پچھلی سیٹ پر بیٹھی اور پھر...... ایک طویل گہرا سانس فضا میں خارج کیا اور کچھ دیر کیلئے آنکھیں بند کر کے آزاد فضا کا احساس دل میں اتارنے لگی۔

دنیا کتنی خوبصورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی حسین کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ کتنا حسن ہے۔ یہاں روز ہی جب وہ گھر سے یونیورسٹی جانے کیلئے نکلتی تو اسے کائنات کے حسن اور خالق کائنات' خدائے واحد پر بے اختیار پیار آ جاتا۔

اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ زور سے جھٹکا لگا' اس کی کمر میں ٹوٹے پھوٹے پوائنٹ کی سیٹ کی پشت زور سے لگی تو اسے تکلیف کے بجائے ایک سکون محسوس ہوا۔

خستہ حال اور ٹوٹے پھوٹے یونیورسٹی کے اس پوائنٹ میں بیٹھ کر وہ خود کو دنیا کی خوش نصیب

ترین لڑکی سمجھتی' جو راحت اسے اس بس میں بیٹھ کر ملتی' وہ تو اپنی انتہائی قیمتی ایئر کنڈیشنڈ گاڑی میں بھی نہیں ملتی تھی۔ حالانکہ پپا نے بارہا اسے اپنی گاڑی پر یونیورسٹی جانے کی ہدایت کی تھی' مگر وہ پوائنٹ کی لذتوں سے محرومی کہاں برداشت کر سکتی تھی۔ اس نے ایک نظر سرخ بدحال پوائنٹ پر ڈالی۔ سیٹیں اکھڑی ہوئیں' پکڑنے والا ڈنڈا ندارد' انجن کھڑ کھڑ کرتا ہوا' بس یہ تو قدرت کے سہارے چلتے ہیں۔ اس نے مسکرا کر سوچا۔

پھر اس کی نظر کچھ کھڑے' کچھ بیٹھے اپنے طالب علم ساتھیوں پر پڑی۔ کتنے خوش و خرم اور مطمئن سے تھے۔ تمام چہرے کھلے کھلے اور بے فکرے...... نہ جانے ان کے گھروں کے ماحول بھی میری طرح ہوتے ہیں' ان کی زندگیاں بھی...... پابند سلاسل ہوتی ہیں' یہ بھی اصول و قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوتے ہیں یا پھر یہ اور طرح کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ نہ جانے کسی کے گھر کا کیسا ماحول ہوتا ہے' جیسا بھی ہوتا ہو کم از کم میرے گھرانے سے تو بہتر ہو گا۔ وہ مختلف چہروں کو دیکھتے ہوئے پس منظر میں اپنے گھر کے ماحول کو دیکھ رہی تھی۔

''السلام علیکم!''

نہ جانے کب سٹاپ آیا' کب پوائنٹ رکا اور کب حنا اس کی بہترین دوست اس کے برابر آ کر دھم سے بیٹھ گئی۔

''السلام علیکم بھئی! مجھے تو پتا بھی نہیں چلا کہ کہاں کھڑی تھیں' میں نے تو تمہیں نہیں دیکھا۔''

وہ حنا کو روز ہی دیکھ کر اسی طرح خوش ہوا کرتی۔ گویا مدتوں بعد مل رہی ہو۔

''میں وہیں کھڑی تھی۔ آپ کو دیکھ کر ہاتھ بھی ہلایا تھا مگر جناب جانے کہاں گم تھیں۔'' حنا مسکرائی تو جمیلہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

یہ اس کی مخصوص ہنسی تھی وہ کھل کر ہنستی تھی۔ بات بات پر بے بات زوردار قہقہہ لگا کر ہنستی اور اتنی باتیں کرتی کہ پورے ڈیپارٹمنٹ میں باتونی مشہور تھی۔

''السلام علیکم رمضان صاحب!''

سب سے پہلے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے چپڑاسی کو سلام کرنا' حال احوال پوچھنا' تمام ملازمین کی خیریت معلوم کرنا اس کے اخلاق اور روز کے معمولات میں شامل تھا۔ ہر ایک سے اتنے خلوص سے پیش آتی کہ اگلا اپنے آپ کو معتبر سمجھنے لگتا۔

''ٹھیک ہوں بیٹی مگر......!''

''ہائے مگر کیا رمضان صاحب؟'' اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔

''کچھ نہیں' کئی روز سے بچہ بیمار ہے۔''

''اوہو تو آپ نے اسے ڈاکٹر کو دکھایا کہ نہیں...... اور ابھی تو آپ کو تنخواہ بھی نہیں ملی ہو گی' آپ یہ رکھ لیجئے۔''

اس نے جھٹ سو روپے نکال کر رمضان بابا کے ہاتھ پر رکھ دیئے تو وہ نادم سے ہو گئے۔

''بیٹی! میں نے اس لئے تو نہیں بتایا تھا کہ ''

''آپ رکھئے' سر آ رہے ہیں' میں بعد میں آپ سے بات کروں گی۔''

جمیلہ اور حنا سر محسن کو آتے ہوئے دیکھ کر جلدی سے آگے بڑھ گئیں تو رمضان بابا اسے دعائیں دیتے رہے' مگر وہ اس وقت سن نہیں رہی تھی' لیکن جب وہ اس کے سامنے اسے ہمیشہ خوش رہنے کی دعائیں دیتے...... تو وہ اتنے زور سے ہنستی کہ بابا حیران رہ جاتے۔ نہ جانے کیوں ان کو اس کی ہنسی بہت مایوس اور کھوکھلی سنائی دیتی۔

''ہیلو آصف کیسے ہو؟''

وہ دونوں سر کو سلام کرنے کے بعد آگے بڑھیں تو کلاس فیلو آصف سے ملاقات ہو گئی۔

''ہیلو یار! کہاں تھیں تم دونوں؟ تم دونوں تو ایسے غائب ہو جاتی ہو' جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔''

''ہوں تو گویا ہم دونوں تمہارے سینگ ہیں جن کے غائب ہو جانے سے لوگوں کو تم سینگوں کے بغیر لگنے لگتے ہو' وہی جس کا تم نے ابھی نام لیا تھا۔''

جمیلہ کی شوخ بات پر آصف سر کھجا کر رہ گیا اور حنا ہنسنے لگی۔

''یار! تم تو کبھی بھی سنجیدہ نہیں ہوتیں۔'' آصف زچ ہو گیا۔

''ارے بھئی آصف! کون سی ایسی آفت ٹوٹی ہے' جس نے تمہیں اس حد تک سنجیدہ کر دیا ہے؟'' حنا نے شانے سے بیگ اتار کر برآمدے کے فرش پر رکھا اور جمیلہ کے ساتھ ہی فری سٹائل میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

''وہ اپنے سر سجاد ہیں ناں!''

''ہوں۔'' دونوں نے شوخی سے اسے مزید تنگ کیا۔

''ارے بابا میں!'' آصف زچ ہو کر ان کے قریب بیٹھ گیا۔

''ارے بھئی اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ وہ تو گزشتہ چالیس برس سے ہیں اس دنیا میں اور خدا کرے کہ مزید ایک سو چالیس سال تک رہیں' اس لئے کہ مجھے بے حد پسند ہیں۔'' جمیلہ نے کمال اطمینان سے فائل نکالی اور کل کا لیکچر دیکھنے لگی۔

''لڑکیو! پلیز بی سیریس! وہ ایک میٹنگ میں شرکت کیلئے اسلام آباد جا رہے ہیں۔''

''تو آصف چندا! میرے بھیا اب وہ مجھے اتنے بھی عزیز نہیں' پسند نہیں کہ ان کے پاؤں پڑ کر التجا کروں کہ سر خدا کیلئے نہ جائیں' رک جائیں۔''

''ٹھیک ہے' آپ ان کے پاؤں پکڑ کر ان کو روکیں یا نہ روکیں' وہ آپ کے سر پر سوار ہو کر اپنا پیپر ایک دو روز میں لے لیں گے۔''

دونوں اونچی آواز میں اتنے زور سے چلائیں کہ ڈیپارٹمنٹ کے ایم ایس سی کے افلاطون پڑھاکو علیم الدین جن کو یہ سب چوری چھپے منشی فاضل کے نام سے پکارا کرتے تھے بے چارے تھے بھی ذرا دھان پان سے خواتین سے ویسے بھی ان کو ایک قسم کا...... بیر تھا اور دوسرے ان کو تیز لڑکوں نے لڑکیوں سے پرہیز ہی بتایا تھا۔ جمیلہ اور حنا وغیرہ سے تو ویسے بھی ان کو خدا واسطے کا بیر تھا۔ اب جو ان دونوں کی طوفانی چیخ ان کی نازک سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ جو بڑی تیزی سے سیڑھیاں اتر رہے تھے ایک دم جو گھبرائے تو اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکے اور سیڑھیوں سے لڑکھڑاتے ہوئے عین جمیلہ کے قریب آ کر رک

گئے۔ ہاتھ میں پکڑی فائل دور جا گری تو وہ جلدی میں اٹھے تا کہ فائل اٹھا لیں مگر برا ہو اس صفائی کرنے والے کا' آج تو گویا اسے خبر ہو گئی تھی کہ آج علیم الدین صاحب گریں گے۔ گرد کا ایک ایک ذرہ صاف کر دیا تھا۔

فرش ایسا پھسلنے والا ہو رہا تھا کہ وہ دوبارہ اٹھے' تا کہ فائل اٹھا لیں مگر دونوں مرتبہ دھڑام سے فرش پر ڈھیر ہو گئے اور اب تو غالباً چوٹ بھی لگی تھی۔ بے چاری لڑکیاں اس قدر مجبور کہ کھل کر نہ ہنس پا رہی تھیں اور ہنسی بھی ایسی منہ زور کہ آئے چلے جا رہی تھی۔ کچھ رکی' کچھ گھٹی سی ہنسی ہنستی لڑکیاں علیم الدین کو زہر لگ رہی تھیں۔

''ایک تو ہمارے معاشرے کا اخلاق اس حد تک بگڑ چکا ہے کہ ایک انسان پے در پے گرتا چلا جاتا ہے اور دوسرے ہنسے چلے جاتے ہیں۔''

آصف نے اس بار علیم الدین کو پکڑ کر کھڑا کیا تو وہ جمیلہ اور حنا پر برس پڑے' جن سے ہنسی ضبط کرنا محال ہو رہا تھا۔

''چھوڑیے فاضل صاحب! آج کل کی لڑکیاں تو بس ہیں ہی ایسی۔ نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ۔'' آصف نے فائل ان کی طرف بڑھائی۔

''میں فاضل نہیں ہوں' والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔''

علیم الدین نے فائل لے کر جھاڑتے ہوئے خفگی سے آصف کو دیکھا اور پھر عینک کی اوٹ سے لڑکیوں کو دیکھا۔ ان کی ہنسی کے سیلاب کا اب زور ٹوٹ چکا تھا۔

''ارے کہاں جا رہے ہیں علیم الدین صاحب؟ یہ پن تو جیب میں رکھ لیجئے۔''

انہیں آگے بڑھتے دیکھ کر جمیلہ ان کے پیچھے اپنا بال پوائنٹ لے کر لپکی۔

''جی وہ کس لئے؟'' وہ خاصے بیزار لہجے میں بولے۔

''آپ بھی نرے احمق ہیں علیم الدین' دیکھ نہیں رہے کتنی تیز ہوا چل رہی ہے' رکھ لیجئے جیب میں۔ وہ محاورہ تو آپ نے سنا ہو گا کہ اڑتے ہوئے علیم الدین کو پین کا سہارا!''

''آپ...... آپ انتہائی......''

''حسین ہیں...... یہ جملہ تو ہر روز مجھے کئی بار سننا پڑتا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے بھی تسلیم تو کیا کہ......''

''آپ لوگ انتہائی بدتمیز جونیئرز ہیں۔'' وہ سر سے پاؤں تک سلگ اٹھے تھے۔

''تھینک یو سینئرز آں...... آں...... آگے دیکھئے۔''

اور جب تک علیم الدین صاحب آگے دیکھتے...... چیئرمین آف دی ڈیپارٹمنٹ سے ٹکرا چکے تھے اور پھر رحیم صاحب نے ان کی خاطر و خدمت شاندار الفاظ میں کی تو وہ لوگ دم دبا کر وہاں سے بھاگ آئے۔

''ہیں...... ہیں یہ آفتاب تو میرے ساتھ ہے پھر تمہارے پیچھے کون لگا ہوا ہے' جو یوں سرپٹ بھاگ رہے ہو؟''

سامنے سے آفتاب اور ساجد مل گئے تو جمیلہ نے علیم الدین کے گرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز

میں سنایا کہ دونوں کو اس سین کے مس کر دینے کا ملال ہونے لگا۔

''یار آصف! گرا تو وہ تھا ہی۔ اوپر سے ایک دو اور جڑ دینی تھیں نہ جانے خود کو سمجھتا کیا ہے' مچھر کہیں کا۔ اس کی ساری کلاس تنگ ہے اس سے۔ وہ خالد بتا رہا تھا کہ جیسے ہی سر کلاس میں داخل ہوتے ہیں' اس کے سوالات شروع ہو جاتے ہیں۔ سر لیکچر کم دیتے ہیں اور اس کے سوالات کے جوابات زیادہ دیتے ہیں۔''

''خدا کا شکر ہے کہ یہ ہمارا کلاس فیلو نہیں۔''

حنا نے شکر ادا کیا۔

''ہائے کاش ہمارا کلاس فیلو ہوتا تو کتنا مزہ آتا۔ ہر روز ساری کلاس کو انجوائے کرواتی میں علیم الدین صاحب کے ذریعے۔''

جمیلہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ اسے ایسے کردار بہت پسند تھے جو نہ صرف اپنے لئے مسئلہ ہوتے ہیں بلکہ دوسروں کیلئے بھی دلچسپ مسائل پیدا کرتے ہیں۔

''جی مجھے علم ہے' آپ اس بے چارے کا کیا حشر کرتیں۔ سنا نہیں تھا کیا کہہ رہا تھا' میں فاضل نہیں ہوں' اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہوں۔''

آصف نے علیم الدین کے انداز میں کہا تو وہ سب ہنس پڑے' مگر سب سے نمایاں کھنکتی ہنسی جمیلہ کی تھی۔

''یہ حسن اور ماریہ تو ابھی تک آئے نہیں' تب تک چل کر چائے پیتے ہیں' رمضان بابا ہم لوگ کیمسٹری کے کیفے ٹیریا جا رہے ہیں ماریہ اور حسن آئیں تو ان کو وہیں بھیج دیا جائے۔''

جمیلہ نے رمضان بابا کو پیغام دیا اور کیفے کی طرف چل پڑے۔ اپنے ڈیپارٹمنٹ سے کیفے تک جمیلہ ہر کسی پر دلچسپ ریمارکس دیتی رہی' بات کر کے کسی کو چھیڑ کے وہ خود ہی اتنے زور سے ہنستی کہ اس کی دلکش ہنسی کے جلترنگ آس پاس آتے لوگوں کو اس کی جانب دیکھنے پر مجبور کر دیتے اور کچھ قدرت نے اسے دیکھنے اور سننے والی چیز بنایا تھا اور جب خدا نے دولت حسن سے بھی مالا مال کیا ہو اور سونے کا چمچ منہ میں دے کر ایک کامیاب ترین صنعت کار کے گھر میں پیدا کیا ہو تو وہ خواہ مخواہ ہی لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاتا ہے۔

اس کے پپا اور ممی دونوں کا تعلق وادی کشمیر کی وادی سے تھا' جس کو قدرت نے حسن بڑی فیاضی سے عطا کیا تھا۔ اس کی ممی صوفیہ احمد بے حد حسین تھیں اور یہی حسن خدا کی طرف سے تینوں بیٹیوں کو ورثے میں ملا تھا' مگر جمیلہ نے خود کو کافی بنا سنوار کر رکھا ہوا تھا جبکہ دوسری دونوں انتہائی سادہ لڑکیاں تھیں۔ سیاہ جین پر سیاہ اور سرخ پرنٹ کا ڈھیلا سا کرتا دراز بالوں کی ڈھیلی سی چوٹی جس سے شوخ لٹیں چوٹی کے بالوں سے آزاد ہو کر چہرے پر جھول رہی تھیں۔ ہلکے سے میک اپ میں بات بے بات ہنستی' قہقہے بکھیرتی لاپرواہ سی جمیلہ' دوسری لڑکیوں کیلئے رشک یا حسد کا باعث بن جاتی اور لڑکوں کیلئے ایک خواہش' ایک حسرت کہ کاش یہ لڑکی ہماری ہو جائے یا ہمارے ساتھ دوستی ہی کر لے' ہمارے ساتھ ایک قدم ہی چل پڑے' مگر اس کے قریب رہنے والے جانتے تھے کہ وہ اندر سے کیا ہے۔

البتہ لڑکوں سے وہ کچھ اس قسم کا رویہ اختیار کرتی کہ وہ کسی قسم کی غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار نہ

ہونے پائیں۔

''بچو! تم لوگوں نے منشی فاضل کو خفا کر دیا ہے اور وہ ہیں سر سجاد کے چچے۔''

''سووات!'' آفتاب نے چائے کا مگ نیچے رکھتے ہوئے کہا۔

''احمق آدمی! اگر علیم الدین ناراض نہ ہوتے تو ان کے ذریعے سر سجاد کو منایا جا سکتا تھا کہ وہ پیپر اسلام آباد سے واپسی پر لے لیں۔''

''ارے بھئی پیپر کو کیا تم لوگوں نے مسئلہ بنا لیا ہے' دے دیں گے؟''

بجیلہ کسی بھی مسئلے کو سنجیدگی سے نہیں لیتی تھی اور نہ کسی کو سنجیدہ ہونے دیتی۔

''لڑکی ایک تو تم میری سمجھ سے بالاتر ہو۔ کلاس میں سارا وقت شرارتیں کرتی رہتی ہو۔ دھیان سے کبھی تم نہیں پڑھتیں' پھر بھی مزے سے پاس ہو جاتی ہو۔''

ساجد درست کہہ رہا تھا' وہ کبھی بھی پڑھائی کیلئے سنجیدہ نہیں رہی تھی بلکہ اسے تو پڑھنے کا کوئی ایسا خاص شوق بھی نہیں تھا۔ وہ تو بس آزاد فضا میں سانس لینا چاہتی تھی' اسی لیے وہ یونیورسٹی کی ان گھڑیوں کو خوب انجوائے کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس آزاد فضا میں بے شمار اضافی سانس لینا چاہتی تھی تاکہ گھر کی گھٹی فضا میں کام آ سکیں۔ وہ تو پاس ہونا بھی نہیں چاہتی تھی' مگر یہ قدرت کی بخشی ہوئی ذہانت تھی کہ لیکچر پر ہی وہ پیپر دے دیا کرتی اور پاس ہو جاتی جبکہ دوسرے خوب سر کھپاتے پڑھائی میں تب جا کر پاس ہوتے۔

''ارے بھئی! اس میں بسورنے کی کیا ضرورت ہے بھلا' ہم لوگ اس روز غائب ہو جائیں گے اور سر سجاد کا تو تمہیں پتا ہی ہے کہ ایک بھی سٹوڈنٹ غائب ہو تو پیپر نہیں لیتے۔ چلو حسن اور ماریہ بھی آ گئے' مشورہ کر لیتے ہیں۔''

اور پھر حسن اور ماریہ کے ساتھ مل کر پیپر کے بارے میں پروگرام بنتے رہے' اسی دوران کلاسز بھی ہوتی رہیں۔

''اللہ جلدی کریں سر! پوائنٹ نکل جائے گا۔''

سر لیکچر دے رہے تھے اور حنا' ماریہ کو جلدی پڑی تھی پوائنٹ کی' حالانکہ ایک کا پوائنٹ چلنے میں بیس منٹ باقی تھے۔

''یہ تم لوگوں کو گھر جانے کی اتنی جلدی کیوں ہوتی ہے ماریہ۔''

بجیلہ نے عجیب سی نظروں سے ماریہ کو دیکھا جو اس کی بات کے جواب میں حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی' یوں جیسے اس نے انتہائی انہونی بات کہہ دی ہو۔

''ارے بھئی' گھر ہی تو ایسی جگہ ہوتی ہے' جہاں ہر انسان کو جلدی جانے کی خواہش ہوتی ہے' تمہیں گھر جانے کی جلدی نہیں ہوتی کیا؟''

لیکچر ہو رہا تھا' مگر وہ تینوں سب سے آخر میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ ماریہ کی بات پر وہ چپ سی ہو گئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ گھر واپسی کے خیال سے اس کے دل کی بستی ویران ہونے لگتی ہے' دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا ہے۔

''ہاں کیوں نہیں' تم نے خود ہی تو کہا تھا گھر جانے کی جلدی کسے نہیں ہوتی۔''

اس نے اپنے دل میں اترتی ویرانی لفظوں کی آڑ میں چھپاتے ہوئے کہا۔

وقت کا کام تو آگے بڑھنا ہوتا ہے' کوئی اس کے ساتھ چلے یا نہ چلے یہ بڑھتا چلا جاتا ہے' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ایک کے پوائنٹ سے گھر واپسی کیلئے بیٹھ گئی تھی۔ پوائنٹ وہی تھا ٹوٹا پھوٹا' لرزتا' بے رنگ' اجڑا ہوا مگر صبح تو یہی پوائنٹ بہت اچھا لگ رہا تھا' شاید اس لئے کہ یہ اسے قید سے قفس سے آزاد فضا میں لاتا ہے' کتنے انمول ہوتے تھے' یہ چند گھنٹے جن میں وہ زندگی کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتی تھی۔

''نجو! کیا بات ہے' چپ چپ ہو۔''

حنا محسوس کر رہی تھی' وہ خاصی چپ سی ہے۔

''ہوں...... نہیں تو بس سر میں درد ہے۔''

کتنے مہربان ہو جاتے ہیں ایسے چھوٹے موٹے درد جو دل کی ٹیسوں کو چھپانے کا بہانہ بن جاتے ہیں۔

حنا اس کی اچھی اور مخلص دوست ضرور تھی مگر ابھی دوستی اس حد تک آگے نہیں بڑھی تھی کہ وہ دل کے داغ اسے دکھاتی۔

''کیا روز واپسی پر تمہارے سر میں درد ہوتا ہے؟''

حنا کی کھوجتی ہوئی نگاہیں اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ چونک پڑی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ تم روز واپسی پر اسی طرح ہو جاتی ہو۔ یونیورسٹی سے خاصی مختلف لگتی ہو یوں جیسے...... اچھا خیر میرا خیال ہے میرا اسٹاپ آنے والا ہے' گیٹ تک پہنچ جاؤں رش بھی بہت ہے۔''

حنا نے خود ہی محسوس کیا کہ وہ کچھ پرسنل ہونے لگی ہے' فوراً کھڑی ہو گئی۔

یونیورسٹی سے اس کے گھر تک کا فاصلہ پوائنٹ گھنٹے یا پون گھنٹے میں طے کرتا تھا' مگر اسے روز ہی ایسا محسوس ہوتا پوائنٹ اڑتا ہوا آیا ہے' تب ہی تو اتنی جلدی گھر آ گیا۔

اس کے سٹاپ پر کافی لوگ اترے تھے اور ان سب سے اس کی ہائے ہیلو تھی۔ ان میں کچھ تو صرف پوائنٹ فیلو تھے اور کچھ کلاس فیلو یا ڈیپارٹمنٹ فیلو' وہ سب کو خدا حافظ کہتی اپنے گیٹ پر پہنچ گئی۔

''سلام بی بی!'' چوکیدار نے گیٹ کھولتے ہی سلام جھاڑا۔

''ہوں' اس کا مطلب ہے پپا' راحیل' عدیل اور نبیل آ چکے ہیں۔''

اس نے چوکیدار کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پپا' عدیل' راحیل اور نبیل کی الگ الگ کھڑی گاڑیوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

اس وقت تقریباً دو بجے کا وقت تھا اور حسب معمول گھر میں ہو کا عالم تھا۔ کھانا ان کے ہاں ایک بجے کھا لیا جاتا تھا اور اس وقت بھی سب کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے۔ سکوت اس قدر تھا کہ سوئی بھی گرتی تو گھر گونج اٹھتا اور اسے ان ہی سناٹوں سے خوف آتا تھا۔

''ارے بے بی! تم آ گئیں آج کچھ دیر نہیں ہو گئی۔''

حسب سابق اس نے فاطمہ باجی کو منتظر پایا۔ وہ روز ہی اس کیلئے اپنا آرام برباد کیا کرتیں۔

''ہونہہ! گھر ہے کہ قبرستان' ایمان سے بجو اتنی خاموشی' سناٹا تو وہاں بھی نہیں ہوتا۔''

اس نے زور سے بیگ فرش پر پٹخا' جس سے خاموش فضا میں خاصا شور ہوا۔

''آہستہ بے بی جان! پاپا جی اور مما جان سو رہے ہیں اور بھائی لوگ بھی آرام کر رہے ہیں۔''

''یہ ابھی شور کیسا ہوا تھا؟'' آمنہ کی سماعت خاصی حساس تھی۔ تب ہی تو اوپر آواز سن لی تھی اس نے۔

''بیگ گرا تھا فرش پر' بم نہیں پھٹا تھا۔'' جمیلہ نے خاصا چلا کر کہا۔

''تم سے تو بات کرنا گناہ ہے۔'' آمنہ کو غصہ آ گیا۔

''تو برائے مہربانی مت کیا کیجئے یہ گناہ آپ۔''

آمنہ کی آواز تو دبی ہوئی تھی لیکن جمیلہ کی آواز خاصی بلند تھی۔

''یہ کیا مچھلی بازار گرم کر رکھا ہے تم لوگوں نے...... تمیز نہیں تم لوگوں کو کہ سب آرام کر رہے ہیں اور جاہل عورتوں کی طرح لڑ رہی ہو' کیا ہوا' کیا مسئلہ ہے؟''

راحیل بھائی کی نیند خراب ہو گئی تو وہ باہر آ گئے۔ فاطمہ اپنی جگہ سہم گئیں کہ اب بڑا ہنگامہ نہ ہو جائے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''کچھ بھی تو نہیں ہوا راحیل بھیا! آپ آرام کریں یہ تو دونوں بچیاں ہیں۔ یوں ہی الجھ پڑتی ہیں۔'' فاطمہ نے جلدی سے صفائی پیش کی۔

''فاطمہ ان دونوں کو سمجھا دو کہ گھر میں کس طرح رہنا چاہئے۔ یہ کوئی تک ہے کہ آرام کے وقت اودھم مچایا جا رہا ہے۔''

راحیل کی اپنی بھاری آواز سے گہرے سکوت میں جو شگاف پڑے تھے اس کا اسے احساس نہیں تھا شاید۔

''ہاں...... ہاں بھائی! میں سمجھا دوں گی۔ آپ آرام کریں جا کر۔''

فاطمہ کی یقین دہانی پر راحیل نے ایک تیز نگاہ آمنہ اور...... جمیلہ پر ڈالی اور دروازہ بند کر لیا۔

جمیلہ بیگ وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ اے سی آن کیا اور منہ پر چھینٹے مار کر بیڈ کے بجائے قالین پر اوندھی لیٹ گئی۔ آنکھوں میں جلن سی ہو رہی تھی۔ پھر اس نے کتنے...... آنسو بے مقصد ہی قالین میں جذب کر دیئے۔ کیا نہیں دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے۔ ماں باپ' بہن بھائی۔ اتنی پرآسائش زندگی۔ اس کا کمرہ تھا کہ آسائشات کی آماجگاہ تھا۔ اپنا ذاتی ٹیلی فون' اے سی' قیمتی دبیز قالین' بیش قیمت ساز و سامان' کئی ہزار کا تو اس کے کارنر پر رکھا چھوٹا سا شوپیس تھا مگر نجانے خلا کہاں تھا۔ کس چیز کی کمی تھی جو اسے ہر وقت بے چین رکھتی۔ اس کے خیال میں وہ لوگ نارمل لوگ نہیں تھے۔ ایب نارمل لوگ تھے' کیونکہ نہ تو ان کی زندگی عام لوگوں جیسی تھی اور نہ عام لوگوں جیسے مسائل تھے۔ مسائل تو سارے پیسے کے ہوتے ہیں مگر ان کے ہاں تو دولت کے انبار لگے تھے۔ ایسی دولت کے جس سے سکون خریدا نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن بے سکون تو فقط وہ تھی باقی سب تو نارمل تھے' پرسکون تھے۔ ممی' پپا' بھائی لوگ حتیٰ کہ فاطمہ' آمنہ...... بھی پھر اسے ایسی کیا بے چینی تھی کہ کسی کل قرار نہیں تھا۔

''بے بی!'' فاطمہ نے ہلکے سے دستک دی تو اس نے جھٹ بھیگی پلکیں رگڑیں اور دروازہ کھول دیا۔

''ارے تم سو گئی تھیں جمیلہ؟''

فاطمہ نے اس کی بوجھل آنکھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جی بس ذرا آنکھ لگ گئی تھی۔''

''تو کھانا کس نے کھانا تھا۔ چلو کھانا کھاؤ۔ میں گرم کر کے لگا کر آئی ہوں۔''

فاطمہ کبھی بھی اس کے کاموں میں ملازم پر اعتبار نہیں کرتی تھیں۔ خود ہی اس کے کام کرتی تھیں۔

''سوری بجو! میں تو کھانا کھا کر آئی ہوں یونیورسٹی سے۔ سچ بجو یونیورسٹی میں کھانا اتنا لذیذ بنتا ہے۔ خصوصاً بریانی کل لے کر آؤں گی آپ کیلئے بھی۔''

وہ چٹخارے لے کر یونیورسٹی کے کھانے کی تعریف کر رہی تھی اور فاطمہ حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

''ہائے جمیلہ! چندا تم نے یونیورسٹی کا کھانا کھایا۔'' فاطمہ بے ہوش ہونے کو تھیں۔

''ہاں بجو اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ اتنا لذیذ ہوتا ہے کہ کیا بتاؤں۔'' وہ پھر یونیورسٹی کی گرلز کینٹین میں پہنچ گئی۔

''ٹھیک ہے بے بی لذیذ ہوتا ہوگا مگر تمہیں خبر ہے۔ کتنا مضر ہوتا ہے صحت کیلئے۔ جراثیم سے بھرپور نہ صفائی کا خیال نہ کسی اور بات کا۔ تمہیں اسی لیے کھانا ساتھ دیا جاتا ہے کہ یونیورسٹی سے تم گندی چیزیں نہ کھاؤ۔

تمہیں کچھ احساس ہے کہ کتنا گندا ہوتا ہے باہر کا کھانا۔ اگر پپا جی یا ممی کو خبر ہو گئی تو مانو قیامت آ جائے گی۔ جانتی ہو ناں کہ پپا جی کتنا خلاف ہیں بازار کی بنی چیزوں کے۔''

فاطمہ تو ایسے کہہ رہی تھیں گویا جمیلہ سے کوئی بہت بڑا گناہ سرزد ہو گیا ہے۔

''اوہو کچھ بھی نہیں ہوتا بجو! ساری دنیا تو کھاتی ہے۔ اتنے بے شمار سٹوڈنٹ کھانا کھاتے ہیں۔ پتا ہے تمام کینٹینوں پر اتنا رش ہوتا ہے کہ کتنا انتظار کرنا پڑتا ہے اور پھر آپ کو کیا خبر کہ وہاں صفائی کا کتنا خیال رکھا جاتا ہے۔ ذرا کوئی گند نظر آ جائے تو لڑکے ہنگامہ کر دیتے ہیں۔ آپ چلنا میرے ساتھ کسی روز خود دیکھ لینا کتنی صفائی ہوتی ہے گرلز کینٹین میں۔''

جمیلہ پوری دلیلوں کے ساتھ یقین دلا کر ساتھ چل کر دیکھنے کی دعوت تو دے بیٹھی تھی۔ مگر اب خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔ کیونکہ اگر فاطمہ بجو ایک بار چل کر دیکھ لیتیں تو شاید یونیورسٹی جانا ہی بند ہو جاتا کیونکہ جس انداز میں تنور پر بندے روٹیاں لگا رہے تھے کہ شلواروں پر بنیان پہنے پہلے ان کے ہاتھوں سے پسینہ پونچھتے ان ہی ہاتھوں سے روٹیاں لگاتے۔ اگر وہ ایک بار دیکھ لیتیں تو قیامت آ جاتی اور جس انداز میں برگر بن رہے تھے یا جس طرح بریانی بنتی اور کھائی جاتی اگر وہ دیکھ لیتیں تو یقیناً اسے وہاں سے اٹھوا لیا جاتا کہ کوئی ضرورت نہیں یونیورسٹی جانے کی۔

''کیا روز وہاں سے کھانا کھاتی ہو؟'' فاطمہ کو وہم ہی پڑ گیا تھا۔

''نہیں تو۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں اتنی ہی پیٹو ہوں کہ وہاں بھی کھا آتی ہوں اور گھر پر

آ کر بھی کھاتی ہوں۔ وہ تو آج حنا کے کہنے پر۔"

اس نے ہنس کر بات کو ٹالنا چاہا۔ اب وہ ان کو کیسے بتاتی کہ وہ اس سے کتنی بدعہدی کرتی ہے۔ اپنا کھانا دوسروں کو دے دیتی ہے اور خود یونیورسٹی کے کچن کے کھانے کھاتی ہے۔ اسے ایک طرح کا سکون ملتا تھا۔ یوں سب میں مل بیٹھ کر یہ محسوس کر کے وہ خاص نہیں ہے' ان ہی میں سے ہے اور وہ بھی سب کچھ کھا پی سکتی ہے۔

"اچھا اب بھولے سے بھی پپا جی کے سامنے یہ ذکر نہ کرنا کہ تم نے یونیورسٹی سے کھانا کھایا تھا۔"

"اوہو بجو! آپ تو یوں خوفزدہ ہو رہی ہیں گویا میں نے زہر کھا لیا ہو۔"

"ہائے بے بی خدا نہ کرے کیسی بدفال منہ سے نکال دی تم نے۔"

فاطمہ نے یکدم اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بجو! کیا ہی اچھا ہوتا کہ ہم لوگ بہت غریب ہوتے۔ ہمیں چھوٹی چھوٹی خواہشات کیلئے ترپنا سسکنا پڑتا اور جب دعاؤں سے ہماری کوئی خواہش بڑی مشکل سے پوری ہو جاتی تو...... تو ہمیں کتنی خوشی ہوتی۔ ہم بھی عام لوگوں کی طرح رہتے۔ ہمارا گھر پتھروں سے بنا ہوتا۔ ٹاٹ کا پھٹا ہوا پردہ لگا ہوتا۔ ہم سب بہن بھائی میلے کچیلے ہوتے۔ ممی سر پر پٹی باندھے لکڑیوں کا چولہا بھی جلاتیں اور ہمیں گالی گلوچ سے بھی نوازتیں اور پپا تھکے ہارے سائیکل پر کام پہ آتے جاتے تب۔ تب کتنا مزہ آتا بجو! وہ زندگی ہماری اپنی ہوتی۔ سوچیں ہماری اپنی ہوتیں۔ ہم...... ہم...... بجو میرا دل اس کیسل میں گھبرانے لگا ہے۔ بجو کیوں ہیں ہم اتنے امیر۔ کہاں سے آ گیا پپا کے پاس اتنا پیسہ۔ کیا سارے پیسے والے ہماری ہی طرح ادھورے نامکمل اور بے سکون نا آسودہ حال ہوتے ہیں۔ ہماری طرح وہ بھی کھوکھلے ہوتے ہیں یا بھرپور زندگی بسر کرتے ہیں۔"

وہ بولتے بولتے عجیب سی ہو جاتی۔ بہت تنہا' بہت دکھی۔ یوں جیسے اسے دنیا جہان کے غم لاحق ہوں۔ کتنی مختلف اور عجیب سی سوچیں تھیں اس کی۔ کچھ باغیانہ سی۔ ایسا سوچنے کی بھلا کب اجازت دی تھی اس کے ممی پپا کی تربیت نے۔

"بجیلہ! جان تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ایسی باتیں نہ کیا کرو کتنی بری بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کر رہی ہو۔ ذرا ان لوگوں کے بارے میں سوچو جو ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کتنی دشوار ہے ان کی زندگی تمہیں خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اتنی پر آسائش زندگی عطا کی۔"

"میں خدا کی ناشکری نہیں کر رہی بجو! صرف انسانوں کے رویے پر رو رہی ہوں جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو درست طور پر استعمال نہیں کرتے۔ اچھا بجو! چائے تو پلوا دیں۔"

"وہ بیڈ پر دراز ہوتے ہوئے بولی۔"

"ہاں تم لیٹو...... میں بناتی ہوں چائے۔ اب سو نہ جانا۔"

فاطمہ اٹھ کر چلی گئی تو وہ میگزین دیکھنے لگی۔ چائے بھی پی لی گئی' مگر رات کو اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ معدے میں نہ جانے کیسا انفیکشن ہوا کہ اس کی طبیعت خاصی خراب ہو گئی۔ الٹیاں ہونے لگیں۔ گھر میں ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ کئی ڈاکٹرز سے رابطہ کیا گیا تو پتا چلا کہ فوڈ پوائزن ہوا ہے۔

"کیا کھایا تھا بے بی نے۔ احتیاط نہیں ہوتی آپ لوگوں سے۔"

پپا کی گونجدار آواز سے گھر بھر ہل رہا تھا۔ فاطمہ چور سی بنی کھڑی تھیں۔ گویا سارا قصور انہی کا ہو۔

"فاروق صاحب! بے بی نے کچھ بہت تیز مسالے والی چیزیں کھائی ہیں۔ جن کو اس کا کمزور معدہ قبول نہیں کر سکا۔" ڈاکٹر احسان اس کے معدے کو کھنگالنے کے بعد بولے۔ تو فاروق احمد نے فاطمہ' آمنہ پر ایسی نگاہ ڈالی کہ رگوں میں ان کا خون منجمد ہونے لگا۔

"گھر میں تو کبھی تیز مسالے والی چیز نہیں بنی پھر اس نے کیا اور کہاں سے کھایا ہے۔" پپا کے تفتیشی انداز سے فاطمہ سب کچھ بتانے پر مجبور ہو گئی۔

"وہ پپا جی! بے بی بتا رہی تھی کہ اس نے یونیورسٹی سے بریانی کھائی تھی۔ ہو سکتا ہے اسی سے ہوا ہو۔" اس نے کانپتے لہجے میں سب کچھ بتا دیا۔

"واٹ...... یونیورسٹی سے۔" وہ غصے میں لرزتے ہوئے کھڑے ہوئے۔ فاطمہ نے سانس روک لیا۔ بھائی بھی انہیں اور بے ہوش بجیلہ کو تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔

"کس نے اجازت دی اسے کہ یہ یونیورسٹی سے کھانا کھاتی پھرے۔ پتا بھی ہے تم لوگوں کو کہ باہر کی چیزیں کس طرح تیار ہوتی ہیں۔ کتنے گندے طریقے سے بنتی ہیں پھر بجیلہ کو کس نے اجازت دی۔"

"اوہو فاروق صاحب یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے۔ یہی انسانی معدہ کبھی تو بہت کچھ ہضم کر جاتا ہے اور کبھی معمولی سی چیز بھی برداشت نہیں کر پاتا اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

ڈاکٹر احسان تو یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ بیٹی کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہو رہے ہیں۔ مگر یہ بات...... فاطمہ سمیت سب جان رہے تھے سمجھ رہے تھے کہ اصل غصہ ان کو اس بات پر آ رہا تھا کہ ان کی حکم عدولی کی جرأت کیونکر ہوئی بجیلہ کو۔

"فاروق! آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں' بجو ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جائے گا۔ آپ مت سوچیں زیادہ۔"

صوفیہ بیگم کو بجیلہ سے زیادہ شوہر کی فکر لاحق ہو گئی۔

"بیگم فاروق بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ فاروق صاحب آپ پرسکون رہیں اب میں چلتا ہوں کوئی پریشانی کی بات نہیں۔ بے بی انشاء اللہ صبح ہی ٹھیک ہو جائے گی۔"

"حد ہو گئی۔ یہاں تو پرواہ ہی نہیں کسی کو کہ باپ نے جس بات سے منع کیا ہے وہ نہ کی جائے۔ تم لوگوں کو من مانی کی جرأت کیونکر ہوئی۔ آج اس نے اس بات میں من مانی کی ہے کل نجانے۔"

"پپا! آپ کو یاد ہے میں نے کتنی مخالفت کی تھی۔ بجیلہ کے یونیورسٹی ایڈمیشن کی مگر اس وقت بھی یہ فاطمہ صاحبہ کو ہمدردی چڑھی ہوئی تھی کہ نہیں یہ یونیورسٹی ضرور جائے گی۔ نہیں گئی تو گویا قیامت ہی تو آ جائے گی۔"

راحیل بھائی کو تو بس بہنوں کے خلاف بولنے کا موقع چاہئے تھا۔ فاطمہ بے چاری نظریں جھکائے سر نیچے کیے واقعی مجرم بنی کھڑی تھیں۔

''بس کل سے اس کا یونیورسٹی جانا بند' کوئی ضرورت نہیں کہ یہ ایم ایس سی کرتی پھرے۔ اسے کوئی نوکری نہیں کرنی۔ فاطمہ اور آمنہ باجی نے بھی بی اے کر رکھا ہے۔ یہ بھی کرے اور ختم بس' اب یہ نیورسٹی نہیں جائے گی۔''

عدیل اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل گیا۔ اسی طرح آمنہ اور نبیل کا بھی یہی فیصلہ تھا کہ بجیلہ چونکہ من مانی کرنے لگی ہے اس لئے یہ یونیورسٹی نہیں جائے گی۔

''ٹھیک ہے فاطمہ! بجیلہ کو بتا دو کہ اب وہ یونیورسٹی نہیں جائے گی۔ میں دیکھ رہا ہوں یہ خودسر ہوتی جا رہی ہے اور مجھے لڑکیوں کی خودسری اور ہٹ دھرمی قطعی پسند نہیں۔ بیگم میری طبیعت خراب ہو رہی ہے دوا دے دو۔''

فاروق احمد اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ساتھ ہی صوفیہ بیگم بھی اٹھ گئیں۔

''نجانے کیسی اولاد ہے کہ یہ نہیں دیکھتی کہ بات بے بات باپ کا بلڈ پریشر ہائی ہو جاتا ہے تب بھی یہ اپنی من مانی کریں گی۔ فاطمہ' بے بی کی اس خودسری میں تمہارا زیادہ ہاتھ ہے۔ ٹھیک ہو جائے تو اسے بتا دینا جو باپ بھائیوں نے کہا ہے۔''

جاتے جاتے پلٹ کر صوفیہ بیگم نے تیز نظروں سے فاطمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر ممی کہہ دوں گی۔''

بجیلہ اس وقت کچھ تو نقاہت کی وجہ سے اور کچھ دوا کے زیر اثر بے ہوش تھی۔ اسے خبر ہو جاتی کہ اس سے آزادی کے وہ چند گھنٹے جن میں وہ زندگی کو بھرپور انداز میں انجوائے کرتی ہے۔ چھین رہے تو وہ ایسا ہنگامہ کرتی کہ سب کو پریشان کر کے رکھ دیتی۔ اس کے سرہانے بیٹھی فاطمہ بھی سوچ رہی تھیں کہ وہ کس طرح بجیلہ کو پپا اور بھائیوں کا فیصلہ سنائیں گی۔

فاروق احمد خاندانی رئیس تھے۔ قیام پاکستان سے قبل ان کے آباؤ اجداد بے شمار جاگیر کے مالک تھے۔ نوابانہ زندگی تھی مگر پاکستان بنا تو وطن کی محبت میں سب کچھ چھوڑ چھاڑ آئے۔ یہاں ان کو جو کچھ ملا وہ ان کی اصل جاگیر کے تو پاسنگ بھی نہیں تھا مگر پھر بھی اتنا تھا کہ معاشرے میں سر اٹھا کر چل سکتے تھے...... اور جب خدا مہربان ہو تو سب کچھ حق میں ہوتا چلا جاتا ہے۔ فاروق احمد کے والد قسمت کے کچھ اتنے دھنی تھے کہ مٹی کو بھی ہاتھ ڈالتے تو سونا بن جاتی تھی۔ اور انہوں نے جو بزنس شروع کیا اس میں اتنی ترقی ہوئی کہ ان کے نوابانہ ٹھاٹ بھی لوٹ آئے۔ فاروق احمد دو ہی بہن بھائی تھے۔ والد صاحب نے اپنی زندگی میں دونوں کو حصہ دے دیا تاکہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔

والد کے انتقال کے بعد فاروق احمد نے کاروبار کو مزید چمکایا اور معاشرے کی اپر کلاس میں داخل ہو گئے۔ فاروق احمد فطری طور پر بہت سخت اور اصول پرست واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنی ذات کیلئے' بیوی کیلئے اور بچوں کیلئے بہت سخت اصول بنائے تھے۔ کوئی بات ان کے حکم کے خلاف ہو جائے یہ تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتے تھے۔

صوفیہ بیگم سے ان کی چونکہ پسند کی شادی تھی اس لئے دونوں ایک دوسرے پر جان دیتے' ان کے تین بیٹے تھے۔ راحیل' عدیل اور نبیل جبکہ تین ہی بیٹیاں فاطمہ' آمنہ اور بجیلہ تھیں۔ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود فاروق احمد بہت روایتی اور قدرے تنگ سوچ رکھتے تھے۔ بیٹوں اور بیٹیوں میں وہ خاصا فرق رکھتے

تھے' ان کے مطابق بیٹے تو مان ہوتے ہیں' ان ہی سے تو نام چلتا ہے تو ان ہی کی قدر کرنی چاہئے لیکن عجیب بات تھی کہ صوفیہ بیگم بھی شوہر کی ہم خیال تھیں۔

کلفٹن جیسے علاقے میں تین ہزار گز پر عالی شان کوٹھی تیار کر کے جدید آسائشوں سے مزین کر کے بیٹیوں کے کمروں کو ہر آسائش سے سجا کر وہ یہ سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنا حق ادا کر دیا۔ لہٰذا اب ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں' کوئی طلب نہیں اور نہ ہی ان کو کچھ کہنے کا حق ہے' جب بن کہے ہر خواہش پوری کر دی جاتی ہے تو پھر ان کو کیا حق ہے کہ وہ زبان چلائیں یا ان کے حکم کے خلاف کام کریں۔ فاطمہ' آمنہ کو واقعی کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی جو پپا جی اور ممی نے کہہ دیا جی بہتر جیسا حکم کہہ کر سر جھکا لیا۔ البتہ بجیلہ چونکہ سب بہن بھائیوں میں چھوٹی تھی اسے سب کی طرف سے بہت پیار و محبت ملا تھا۔ وہ اس کا فائدہ بھی حاصل کر لیتی تھی اور کچھ وہ فطری طور پر کچھ انقلابی سوچ اور انحراف کرنے کا حوصلہ رکھتی۔ وہ کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ وہ اپنے گھر کے ماحول کا دوسرے گھروں کے ماحول سے موازنہ کرتی تو اسے اپنے گھر کا ماحول ایب نارمل لگتا۔ سب ہی کچھ تو جداگانہ تھا بھلا ایسا کہاں ہوتا تھا جیسا ان کے ہاں ہوتا تھا کہ ماں کو اپنے بچوں سے زیادہ شوہر سے پیار ہو' وہ شوہر کی خوشنودی کیلئے بچوں کی جائز خواہشات کا بھی گلا گھونٹ دے' یہ حقیقت تھی کہ نہیں یا صرف بجیلہ کے محسوسات تھے کہ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھی بہت محسوس کرتی تھی' جبکہ آمنہ اور فاطمہ کو تو لگتا تھا کسی سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ کتنی خاموش...... اور صابر تھیں' یا وہ اس ماحول کا حصہ بن چکی تھیں۔ اسے تو اس گھر کے ماحول سے کوفت ہوتی اس کا خیال ہی نہیں یقین تھا کہ اتنا سخت ماحول اتنی سخت پابندیاں تو کسی ملٹری اکیڈمی میں بھی نہیں ہوتی ہوں گی۔ وقت پر کھاؤ پیو' یہاں جاؤ وہاں نہ جاؤ' جس سے ان کا حکم ہو اس سے بات کرو' جس سے نہیں اس کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں' جیسا ممی نے کہہ دیا ویسا ہی فیشن کرنا ہے' ویسے ہی کپڑے پہننے ہیں۔ اپنی ذاتی پسند ناپسند کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ ساری پابندیاں یہ باتیں فاطمہ' آمنہ کی فطرت کا حصہ ضرور بن گئی تھیں مگر بجیلہ کی اکھڑ طبیعت سے اکثر گھر میں چھوٹا موٹا ہنگامہ ہو جاتا مگر چھوٹا ہونے کا اسے بہرحال فائدہ ضرور ہو جاتا۔ اسی لئے تو ایف ایس سی کرنے کے بعد اس نے ضد پکڑی کہ وہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔ پہلے تو اسے یوں دیکھا گیا گویا اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہے۔ یا اس نے کسی ایسی جگہ جانے کی خواہش کی ہے جو بہت بری ہو...... داخلے شروع ہو چکے تھے۔ اور فارم لینے کی تاریخ میں ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ راحیل بھائی نے پپا کو جانے کیا پڑھا دیا تھا کہ وہ مان کر ہی نہیں دے رہے تھے مگر اس نے بھی رو رو کر زمین آسمان ایک کر دیا۔ یوں فاطمہ اور ممی کے بے حد اصرار پر اسے اجازت دے دی گئی۔ یا یوں بھی کہ خدا کو اس کی آزادی کے چند گھنٹے منظور تھے لیکن اس وقت بیہوش پڑی بجیلہ...... کو کچھ خبر نہیں تھی کہ اس کے یونیورسٹی نہ جانے کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔

☆......☆......☆

''امی! امی جلدی چلئے ماموں جان فرخ کو وحشیوں کی طرح پیٹ رہے ہیں۔'' زیب بدحواس سی...... بھاگتی ہوئی آئی اور ماں کا شانہ ہلا کر کہا۔ مگر وہ ویسے ہی بیٹھی رہیں۔

''امی! کچھ سنا ہے آپ نے چھوٹے ماموں بری طرح پیٹ رہے ہیں فرخ کو' آپ کو آوازیں نہیں آ رہیں فرخ کے تڑپنے کی۔ امی کیا ہو گیا ہے آپ کو۔''

زیب نے ساکن بیٹھی ماں کو جھنجھوڑا تو وہ آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں۔

"جاؤ دفع ہو جاؤ یہاں سے' خدا کرے مر جاؤ تم سب' کہہ دو جا کر اپنے تینوں ماموؤں سے تم سب بہن' بھائیوں کو لائن میں کھڑا کر کے شوٹ کر دیں نہیں مرا جاتا مجھ سے پل پل...... میری ممتا کو کانٹوں پر نہ گھسیٹا کریں۔"

نسیمہ بیگم فرش پر بیٹھ کر بری طرح رونے لگیں تو دکھی ماں کو یوں روتے دیکھ کر اور کچھ چھوٹے بھائی کو پٹتا دیکھ کر زیب کمزور پڑ گئی' اس کا جی چاہا ابھی جا کر ماموں کی بھی ویسے ہی پٹائی کرے جیسے وہ روز ہی کسی نہ کسی بات پر فرخ کی یا اس کی کسی چھوٹی بہن کی پٹائی کر دیا کرتے تھے۔ یا پھر ان ماموں کا گلا دبا دے جن کو ان کی ماں سمیت سب بھائی بہنوں کا وجود چبھتا تھا۔ جن کی شکائتوں پر ماموں کسی بھی بات کی تصدیق کیے بغیر ان کو پیٹنا شروع کر دیتے تھے۔ یہ جانے بغیر کہ ان کا قصور کیا ہے لیکن شاید ان کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ تقدیر نے ان کے در پر لا پھینکا تھا۔

"امی! یہ پانی پی لیں۔" زیب پانی کا گلاس لے آئی تھی ماں کیلئے۔

"اس بدنصیب کو دیکھا کہاں ہے وہ؟"

نسیمہ بیگم نے بھیگی آنکھوں سے فرخ کے بارے میں پوچھا۔

"پتا نہیں امی باہر نکل گیا ہے۔"

"باہر نکل گیا ہے۔ اسے باہر کیوں جانے دیا زیب؟"

"میں تو آپ کے پاس تھی' امی پتا نہیں کب باہر نکل گیا۔"

"اسے دیکھو جا کر زیب کہاں نکل گیا ہے وہ' پوچھو کسی سے۔ بڑا بدنصیب بھی ماموں سے پٹنے کے بعد ایسا گھر سے نکلا کہ میرے بچے کو گھر کی چوکھٹ دوبارہ دیکھنا نصیب نہیں ہوئی۔ میرا بچہ کہاں در بدر ہو رہا ہو گا۔ صدیاں ہی بیت گئیں میرے شہزادے کو بچھڑے ہوئے' یا رب اب دوسرا بھی کہیں چلا گیا تو کس کے آسرے پر زندہ رہوں گی۔ میرے مولا' میری خطائیں بخش دے۔"

نسیمہ بیگم بڑے بیٹے کو یاد کر کے بری طرح دکھی ہو گئیں۔

"امی یہ تو کوئی تک نہیں کہ ہمیں پاس رکھنے کی اتنی بڑی قیمت وصول کر رہے ہیں۔ بے دام کے غلام ہیں ہم ان کے' سارا وقت ملازموں کی طرح کام کرو ذرا جو حکم عدولی ہو جائے تو وحشی بن جاتے ہیں اور ماموں کے ماتھے کے بل تو کبھی اترتے ہی نہیں۔"

"خدا کی ذات سب سے بڑی منصف ہے...... وہ دیکھ رہا ہے میرے تو کچھ بھی اختیار میں نہیں!" نسیمہ بیگم کی آواز پھر رندھ گئی۔

"امی! آپ آخر کچھ کہتی کیوں نہیں چاہے کچھ کہیں یا مامی بے عزتی کر دیں آپ بس خاموشی سے سنتی رہتی ہیں۔ آپ ان سے کیوں نہیں کہتیں کہ میرے بچوں کو مت مارا کرو' میرے بھائی فرخ کو کیوں وحشیوں کی طرح مارتے ہیں...... میری معصوم بہنیں غلام بنی رہتی ہیں تب بھی؟" وہ سسک اٹھی۔

"اس لئے میری جان کہ ہم ان کے ٹکڑوں پر پل رہے ہیں۔ ان کے دستر خوان پر تین وقت بیٹھ کر کھاتے ہیں تو پھر جو انسان کھلائے گا۔ اس کو حق حاصل ہے کہ وہ اس کی قیمت بھی وصول کرے' خواہ کسی بھی انداز میں اور جب ہمارا رزق اللہ پاک نے ان کے رزق میں شامل کر دیا ہے تو ہم ان سے لڑ

نہیں سکتے۔ ان کے چھت کے نیچے رہتے ہوئے ان کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے۔ اٹھائیں گے بھی تو در و دیوار اپنے مالکوں کا ساتھ دیں گے اور میں تو اتنی مجبور و بے کس ہوں کہ بیٹا کھو گیا مگر کچھ نہیں کر سکی۔ وہ میرا بیٹا' میرا عمیر' سب سے بڑا بیٹا والدین کا سہارا ہوتا ہے مگر میرا یہ سہارا قسمت نے بچپن ہی میں چھین لیا تھا مجھ سے' آج اگر یہاں ہوتا' تو نجانے کہاں ہے میرا بیٹا؟"

نسیمہ بیگم کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔

"تو امی! کیا بھیا کو تلاش نہیں کیا گیا تھا۔"

"ہونہہ! بقول تمہارے ماموؤں کے ہم نے شہر کا ہی نہیں ملک کا چپہ چپہ چھان مارا ہے' لیکن نجانے کہاں چلا گیا ہے؟ میرے بچے پر ایسے ایسے الزامات دھرے کہ میں نے خود بھی اس کی واپسی کی دعائیں کرنا چھوڑ دیں کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو گا اپنی مرضی سے تو سانس لے رہا ہو گا ناں۔ بس میری رب عظیم سے یہ ہی التجا ہے کہ زندگی میں ایک بار میرا بچہ ضرور ملا دے۔"

وقتی طور پر وہ فرخ کو بھول چکی تھیں اور عمیر کی یادیں تازہ ہو گئی تھیں۔

"کاش بھیا ہوتے تو۔ تو امی آج ہم ماموؤں کے در پر اتنے ذلیل نہ ہو رہے ہوتے' اپنے الگ گھر میں رہ رہے ہوتے لیکن شاید ہماری قسمت ہی خراب ہے۔" زیب ماں کی گود میں سر رکھ کر رو پڑی۔

"ہاں بچی خراب نہ ہوتی تو تمہارے ابو ہی کیوں ہمیں ہمیشہ کیلئے چھوڑ جاتے وہ زندہ تھے تو کتنے مان تھے ان کی ذات کے ساتھ' بڑا نہ سہی اپنا گھر تھا۔ اپنی حکمرانی تھی مگر آہ موت۔ جب کسی انسان کو لینے آ جاتی ہے تو وہ یہ نہیں دیکھتی کہ وہ جسے لینے آئی ہے وہ کتنا قیمتی ہے۔ کسی کیلئے اس کی کتنی ضرورت ہے۔ موت بھی تو اللہ کے حکم کی تابع ہوتی ہے۔ آتی ہے لے جاتی ہے چاہے ہم جیسے پل پل جئیں یا مریں۔"

رات کے ساڑھے گیارہ کا وقت ہو چلا تھا۔ فرخ ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ گھر بھر میں سکون تھا۔ کسی کو کوئی فکر یا پریشانی نہیں تھی مگر ان ماں بیٹیوں کی جان پر بنی ہوئی تھی۔ نسیمہ کی نہ تو اتنی حیثیت تھی اور نہ جرأت کہ وہ بھائیوں سے اس کم نصیب کا جرم تو پوچھتیں جو ابھی صرف تیرہ برس کا تھا۔ اس کا قصور کیا تھا۔ کون سا اس نے کسی کی شان میں گستاخی کر دی تھی۔ وہ پتھرائی آنکھوں سے فرخ کے انتظار میں بیٹھی تھیں' الٹے سیدھے وسوسے ناگ بن کر ڈس رہے تھے۔ آنکھوں میں ماضی کنکر بن کر چبھنے لگا۔

وہ لوگ تین بھائی اور یہ اکلوتی بہن تھیں۔ والد اوسط درجے کے بزنس مین تھے۔ گھر میں سکون تھا۔ رزق تھا۔ بڑی خوشحال زندگی بسر ہو رہی تھی۔ بڑے بھائی شوکت حسن تھے پھر نسیمہ تھیں اس کے بعد مشتاق اور سب سے چھوٹے فیاض تھے' شوکت حسن اپنے تایا کے گھر شادی کرنا چاہتے تھے۔ آسیہ ان کو بہت پسند تھیں جبکہ آسیہ کے بڑے بھائی نسیمہ کو از حد چاہتے تھے لیکن خود نسیمہ نے زندگی کے سارے خواب اپنے ماموں زاد مراد کے حوالے سے دیکھے تھے اور شوکت کے تایا بھی ادلے بدلے کی شادی کرنا چاہتے تھے۔ نسیمہ کے والد شمس الدین بھی یہ ہی چاہتے تھے جبکہ نسیمہ کی والدہ اپنے اکلوتے بھائی کی خواہش پوری کرتے ہوئے نسیمہ اور مراد کی شادی کرنا چاہتی تھیں۔ یہی بات خاندان میں تنازع کا باعث بن گئی۔ بڑے ہنگامے ہوتے رہے۔ نسیمہ اور مراد تو پل پل ڈول جاتے تھے' پل پل صورتحال تبدیل ہوتی تھی۔

''نسیمہ! اگر تم مجھے نہ ملیں تو میں کیا کروں گا۔ میں زندہ نہیں رہوں گا۔ میں تمہارے بغیر زندہ رہ ہی نہیں سکتا۔''

مراد نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام رکھا تھا۔

''ہم کر بھی کیا سکتے ہیں مراد! ہوگا تو وہی جو خدا کو منظور ہوگا۔''

نسیمہ سے مراد کی حالت دیکھی نہیں جاتی تھی۔

''نسیمہ! میں تمہارے تایا کے بیٹے سے خود بات کرتا ہوں' وہ اچھا بھلا آدمی ہے سمجھ لے گا ہو سکتا ہے خدا اسے ہی وسیلہ بنا دے۔''

''خدا تو ہر بات پر قادر ہے مراد! وہ چاہے تو اسے ہی وسیلہ بنا سکتا ہے لیکن ڈرتی ہوں کہ کہیں وہ غلط معنوں میں نہ لے لے۔''

''جب خدا پر بھروسہ کیا ہے تو ڈرنا کیسا۔ ویسے بھی یہ...... بات تو سارے خاندان کو معلوم ہے' میں اس سے بات کروں گا آگے جو خدا کو منظور۔''

خدا کے بھروسے پر جو کام کیا جائے ناممکن ہے کہ انسان اس میں ناکام ہو' مراد نے نسیمہ کے تایا زاد ظہیر سے بات کی تو انہوں نے فراخ دلی سے پیچھے ہٹ جانے ہی میں سب کی بہتری جانی۔ ویسے بھی وہ نسیمہ کو سچے دل سے چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ نسیمہ کی چاہت بھی سچی ہو کھوٹ سے پاک ہو مگر جب اس کے دل میں مراد کی چاہت تھی تو وہ اس سے شادی کیوں کرتے۔ چنانچہ انہوں نے خود شوکت اور آسیہ کا رشتہ کیا۔ یوں مراد اور نسیمہ بھی جیون ساتھی بن گئے۔

زندگی بہت حسین ہو گئی تھی۔ ساتھی من پسند ہو تو زندگی اور بھی خوبصورت ہو جاتی ہے۔ مراد ایک فیکٹری میں ملازم تھے۔ ان کا اپنا گھر تھا جسے نسیمہ کی چاہت اور سلیقے نے جنت بنا ڈالا تھا۔ پھر جب خدا نے دو بیٹے اور تین بیٹیاں بھی عطا کر دیں تو دونوں خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے۔

''نسیمہ! کوئی ہم سا خوش نصیب ہوگا جو چاہا اللہ نے عطا کر دیا۔ سوچو ذرا اگر ہم لوگ...... جدا ہوتے تو کیا اتنے خوش رہ سکتے تھے' میں نے کہا تھا کہ میں تو تمہارے بغیر رہ نہیں سکتا۔ میری ترقی ہو جائے گی' دیکھنا انشاء اللہ ہم پھر بڑا گھر لیں گے۔ نیا خوبصورت سا...... اپنے خوابوں کا مسکن خود بنائیں گے۔''

اور وہ جو خوابوں کا مسکن بنانے جا رہا تھا اپنی محبوب بیوی کیلئے نیا خوبصورت گھر تعمیر کرنا چاہتا تھا اتنا بدعہد نکلا کہ نسیمہ سے گھر تو کیا سر سے سہاگ کی چادر بھی چھین کر لے گیا اور ویران جگہ پر صرف اپنا دو گز پر مشتمل گھر بنا کر خود غرضی سے اکیلا اس میں آرام کرنے لگا۔ اس منحوس دن فیکٹری میں بجلی نہیں تھی۔ مراد نے سوچا جب تک بجلی آئے' تب تک مشین میں آئل وغیرہ ڈال دیا جائے اور کچھ صفائی بھی کر دی جائے مگر...... قسمت کہ مراد نے جیسے ہی ہاتھ ڈالا اسی وقت بجلی بحال ہو گئی اور وہ چیخ جس نے کام کرنے والوں کو دہلا کر رکھ دیا مراد کی آخری ہچکی میں بدل کر ختم ہو گئی۔ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ارمانوں سے بیاہی گئی سہاگن آج اجڑے روپ کے ساتھ بیوہ بنی بیٹھی تھی۔ پانچوں بچے ماں سے لپٹے ہوئے تھے اور وہ سکتے کی سی حالت میں صرف مراد کی تصویر کو دیکھ رہی تھیں۔ یہ تصویر انہوں نے شادی سے پہلے بطور خاص نسیمہ کیلئے بنوائی تھی۔ اور نسیمہ نے بھی اسے ہمیشہ جان کے ساتھ لگا کر رکھا تھا۔

''اتنا بدعہد تو کوئی بھی نہیں ہوتا مراد کتنے دعوے کیے تھے آپ نے لیکن سب جھوٹے۔ آپ

نے تو کہا تھا کہ آپ میرے بغیر جی نہیں سکتے...... میں تو ابھی تک زندہ ہوں۔ مراد پھر آپ کیوں مر گئے' کیوں چھوڑ گئے ہیں مجھے زمانے کی تپتی دھوپ میں تنہا' سچ ہے کہ دعویٰ کرنے والے کچھ نہیں کرتے جھوٹے ہوتے ہیں اور جو دعوے وعدے نہیں کرتے' وہ نبھاتے ہیں سب کچھ کرتے ہیں' مراد میں کیونکر یہ منزل طے کر پاؤں گی مراد یہ کیا کیا آپ نے۔''

مراد کے اور بہن بھائی تو تھے نہیں کہ نسیمہ سسرال میں رہتیں چنانچہ ماں اپنے پاس لے آئیں گو کہ ان کا یوں بچوں سمیت آ جانا اور وہ بھی تمام عمر کیلئے بھلا کس بھابی کو یہ سودا گوارا تھا۔ چنانچہ کسی نے برملا کسی نے چھپ کر ان کی آمد پر احتجاج کیا۔

''ہونہہ! میرے بھائی سے شادی کر لی ہوتی تو آج یوں برباد نہ ہوتی۔''

آسیہ بیگم کو تو موقع مل گیا تھا بات کرنے کا۔

''ایسی باتیں نہ کرو آسیہ! موت و زندگی بلکہ سارے فیصلے خدا کے اختیار میں ہیں اگر نسیمہ کی ظہیر بھائی کے ساتھ لکھی ہوتی تو ضرور ہو جاتی' موت تو ہر ذی روح کو آنی ہی ہے۔'' شوکت بھائی تھے نسیمہ کے۔

''اچھا خیر اب کیا کرنا ہے پانچ بچے اس کے ہیں۔ ہمارے اپنے بھی اب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ۔''

''اوہو! آسیہ سر پر پڑ جائے تو جیسے تیسے گزارا کرنا ہی پڑتا ہے اور پھر نسیمہ ہم تینوں بھائیوں کی ذمہ داری ہے۔ اب تین بھائیوں کے ہوتے ہوئے بیوہ بہن کو کہاں دھکا دیں۔''

''اسے الگ سے گھر لے کر دے دیں۔'' آسیہ بیگم کم از کم نسیمہ کو برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔

''الگ گھر لے کر دیں' پھر خرچہ دیں۔ یہ ڈبل ڈبل ذمہ داریاں کہاں سے آئے گا اتنا۔''

مشتاق اور ان کی بیگم زاہدہ اس بات پر متفق تھے۔ چنانچہ کافی بحث کے بعد یہی طے ہوا کہ نسیمہ بچوں سمیت یہیں رہیں گی۔ کہنے کو وہ حصے دار اور گھر کی بیٹی تھیں۔ مگر ان کی حیثیت ملازمہ سے کم نہیں تھی۔ بھائیوں اور بھابیوں کا رویہ ایسا ہوتا کہ وہ دل تھام کر رہ جاتیں۔ شوہر کے گھر راج کرنے والی نسیمہ کو آج جب چھوٹی چھوٹی ضرورت کیلئے بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلانا پڑتا تو ان کی روح تڑپ جاتی۔ جب تک ماں باپ زندہ رہے تھے کچھ لحاظ تھا' مگر جب سے ان کا انتقال ہوا تھا۔ نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ بھائیوں اور بھابیوں کے رویوں میں' ان لوگوں کے بچے ان کے بچوں کو دھن ڈالتے مگر مجال ہے جو ماں یا باپ اپنے بچوں کو تنبیہ کر جائیں۔ شوکت بھائی کا بڑا بیٹا جو عمیر کا ہم عمر ہی تھا۔ انتہائی اکھڑ اور بدتمیز تھا اور ماں کے بہکائے میں آ کر عمیر اور اس سے چھوٹی زیب کو...... تنگ کرتا۔ بلاوجہ مارتا۔ اگر وہ مزاحمت کرتے یا عمیر بھی غصے میں آ کر ایک آدھ ہاتھ جڑ دیتا تو گھر میں ایسا ہنگامہ ہوتا کہ خدا کی پناہ۔

''حد ہو گئی ہمارے ہی ٹکڑوں پر پلنے والے ہمارے ہی بچوں کا جینا دوبھر کر دیں۔''

آسیہ بیگم نے خود تو عمیر کو مارا ہی تھا اب مشتاق سے (جو ویسے ہی نسیمہ اور ان کے بچوں سے خار کھائے بیٹھے تھے) سے شکایت کر دی تو مشتاق نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور عمیر کو دھن ڈالا۔

''مشتاق خدا کے واسطے بس کرو' اس میں سراسر شعیب کا قصور ہے' اس نے خود میرے سامنے عمیر کو نیچے گرایا اور مارنے لگا۔

نسیمہ آخر ماں تھیں' کہاں تک برداشت کرتیں انہوں نے بھائی کا ہاتھ روک دیا۔

"ہاں قصور تو سراسر ہمارا ہے کہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے بچوں کیلئے عذاب خریدا ہے نسیمہ' اگر تم نے بچوں کی غلطیوں پر یوں ہی پردہ ڈالا ناں تو ایک روز چور ڈاکو بن جائیں گے۔"

"خدا نہ کرے بھابی! کیسی باتیں کرتی ہیں' آپ ان کو کھلاتے ہیں۔ سر چھپانے کو چھت دی ہوئی ہے' جو چاہے آپ ان کے ساتھ سلوک روا رکھیں۔"

اور پھر نسیمہ نے اپنی تڑپتی ممتا کے سینے پر صبر کی سل رکھی دی' اب تو عمیر بھی ڈھیٹ اور خودسر ہوتا جا رہا تھا۔ جو ماموں' مامی کہتے الٹ کرتا۔ وہ کچھ بھی تھا مگر بغیر پوچھے اس نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ کجا پیسے چراتا۔ ایک روز آسیہ نے اپنے پیسے چوری کرنے کے الزام میں خود بھی اور پھر فیاض سے عمیر کی اتنی پٹائی کروائی کہ وہ ایسا گھر سے بھاگا کہ ماں کی آنکھیں پتھرا گئیں مگر وہ نہیں پلٹا۔ کیا ستم تھا کہ وہ حرف شکایت تک لبوں تک نہیں لا سکیں۔ وہ تیرہ برس کا تھا۔ جب جدا ہوا تھا۔ فرخ ایک برس کا تھا۔ آج فرخ تیرہ سال کا تھا اور تیرہ سال ہو گئے تھے عمیر کو جدا ہوئے۔

"امی! فرخ!" زیب کی چیخ پر نسیمہ کی نگاہیں دروازے پر جم گئیں۔

☆......☆......☆

"امی فرخ۔" زیب کی چیخ پر نسیمہ کی نظریں سامنے اٹھیں تو لگا جیسے کلیجہ مسل ڈالا ہو کسی نے' فرخ شعیب کی بانہوں میں بیہوش پڑا تھا۔ سر پر پٹی بندھی تھی' اور پٹی سے خون ابھی بھی نکل رہا تھا۔ ان میں ہمت ہی نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اسے ساتھ لگاتیں۔

"فرخ! میری جان! میرے بھیا! کیا ہوا ہے تمہیں؟"

زیب تڑپ کر بھائی کی طرف بڑھی۔ وہ اسے چھونا چاہتی تھی مگر شعیب نے ڈپٹ دیا۔

"ہٹو پیچھے!" شعیب نے فرخ کو بیڈ پر لٹایا پھر نسیمہ کی طرف متوجہ ہوا۔

"پھپھو! آپ کا ذرا بھی کنٹرول نہیں ہے بچوں پر۔ پتا ہے ٹرک کے نیچے آتے آتے بچا ہے۔ سر پر چوٹ تو سڑک پر گرنے سے لگی ہے۔ شکر کریں ٹرک سے بچ گیا۔" شعیب ساری تفصیل بتا رہا تھا۔ نسیمہ آہستگی سے چلتی بے دم ہو پڑے فرخ کے قریب آ گئیں۔

"اچھا تھا ٹرک کے نیچے ہی آ گیا ہوتا۔ ایک ہی بار مرتا ناں' ایک ہی بار رونا پڑتا ناں' بار بار تو' فرخ میری جان میرے بچے!"

"نسیمہ نے فرخ کا سر گود میں رکھ لیا اور بری طرح رونے لگیں۔"

"امی جان! اس طرح اسے گود میں لٹا کر مت روئیں۔ یہ ہماری امید ہے امی! خدا ہماری امید کو سلامت رکھے۔ میں اس کیلئے دودھ لے کر آتی ہوں۔"

زیب آہستگی سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"پھپھو' ایک بات تو ہے کہ فرخ بہت بدتمیز ہو گیا ہے۔"

"کیوں آپ کی مونچھوں کے بال نوچنے لگا ہے فرخ۔"

زیب سے چھوٹی شنذرا جواب تک خاموش کھڑی خود پر کنٹرول کر رہی تھی۔ انتہائی بدتمیزی سے بولی تو شعیب تپ کر رہ گیا۔

"دیکھ رہی ہیں آپ پھپھو' شنذرا کی زبان بے لگام ہوتی جا رہی ہے۔ پتا ہے فرخ کو انکل مشتاق نے کیوں مارا؟ کیا حرکت کی تھی اس نے۔"

"کوئی حرکت کی ہو یا نہ کی ہو' بیٹا حق ہے تم لوگوں کا جو چاہو ان کے ساتھ رویہ روا رکھو' میں نے کب اعتراض کیا ہے' یہ لوگ ابھی نا سمجھ ہیں جانتے نہیں کہ جن کے ٹکڑوں پر پلتے ہیں ان کے غلاموں کی غلامی کرنی پڑتی ہے۔"

نسیمہ نے بولتے بولتے زیب کی طرف دیکھا جو خالی ہاتھ لوٹ آئی تھی۔

"وہ امی! دودھ تو شام کو ہی ختم ہو گیا تھا۔ بڑی مامی کہہ رہی ہیں۔"

"خوامخواہ میں ختم ہو گیا۔ دو کلو دودھ میں خود فرج میں رکھ کر آئی ہوں۔" اور پھر اس سے قبل کہ نسیمہ اسے روکتیں شذرا تیزی سے باہر نکلی۔

"خدایا خیر' یہ لڑکی کہیں میرا سائبان بھی نہ چھین لے۔"

نسیمہ بیگم دل میں خدا سے خیریت کی دعائیں مانگنے لگیں۔ کیونکہ شذرا انقلابی سوچ کی حامل تھی۔ وہ حق مانگنے کی نہیں چھیننے کی قائل تھی۔

"مامی! آپ کو معلوم ہے ناں کہ فرخ کے چوٹ آئی ہے سر پر۔ اسے دودھ کی ضرورت ہے۔ اس کیلئے دودھ کا ایک گلاس چاہئے۔"

اس نے ٹی وی دیکھتے شوکت حسین کو سنانے کی غرض سے کہا۔ کیونکہ وہ سارا دن تو فیکٹری میں رہتے تھے۔ ان کو نہیں معلوم تھا' گھر میں کیا ڈرامے ہوتے رہتے ہیں۔

"چوٹ فرخ کو چوٹ آئی ہے' کیسے کب؟"

شوکت حسین جو پروگرام میں بہت منہمک تھے' فرخ کی چوٹ کا سن کر شذرا کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور اس سے قبل کہ شذرا ساری تفصیل سے آگاہ کرتی' آسیہ بیگم بول پڑیں۔

"شوکت! آپ تو سارا دن باہر گزارتے ہیں۔ اور ویسے بھی گھر میں آپ کی دلچسپی نہ ہونے کے برابر ہے۔ آپ کو کیا پتا گھر میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔ شام کو مشتاق نے نہ پڑھنے پر دو ہاتھ لگا دیئے فرخ کو تو وہ گھر سے بھاگ گیا۔ ابھی گھنٹہ بھر پہلے شعیب اسے پکڑ لایا ہے۔ سر پہ چوٹ لگی ہے گر گیا تھا غالباً۔"

آسیہ بیگم نے فرخ کی چوٹ کی کہانی ایسے مختلف انداز میں سنائی کہ حقائق کی اس طرح موت پر شذرا تلملا کر رہ گئی۔ جبکہ واقعات کچھ اور تھے' اور گھر کے سربراہ کو مختلف انداز میں ان سے باخبر کیا گیا تھا۔ مگر وہ بولی کچھ نہیں کیونکہ آسیہ بیگم بہت خطرناک چیز تھیں اور دوسرے اسے اپنی ماں کا خیال آ گیا تھا۔ باتیں تو ان کو سننا پڑتیں۔

"اوہو بھئی فرخ کو چوٹ لگی ہے۔ پٹی وغیرہ بھی کرائی ہے یا نہیں؟ شذرا بیٹے! تم دودھ لے کر آؤ میں دیکھتا ہوں فرخ کو۔"

شوکت حسین نے باقی کسی بات پر توجہ نہیں دی۔ ان کیلئے تفصیل کا باعث فرخ کی چوٹ تھی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتے' انیکسی کی طرف بڑھے جو نسیمہ کو عنایت کی گئی تھی۔

کیا حال ہے فرخ کا؟ نسیمہ لاپروائی مت برتا کرو بچوں کی طرف سے' کیسے چوٹ آئی فرخ کو۔" شوکت حسین نے بے چینی سے فرخ کے ماتھے کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہوئی بھیا! بس بدتمیز بھی تو بہت ہو گیا ہے' اچھا ہے چند روز آرام سے تو بیٹھے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔"

نسیمہ نے ممتا کی چیخوں کو دباتے ہوئے نارمل سے لہجے میں کہا۔

ارے بھئی' بچے اگر شرارتیں یا بدتمیزیاں نہ کریں تو بچے کیسے کہلائیں۔ شوبی بیٹے کیا بتاتے ہیں ڈاکٹر چوٹ زیادہ تو نہیں؟" اب وہ شوبی سے تفصیل پوچھ رہے تھے۔

"نہیں ابو کوئی خاص بات نہیں۔ ڈاکٹر نے پٹی کر دی ہے۔ کل پھر لے جاؤں گا۔ ویسے بھی کوئی خاص چوٹ نہیں کہ پریشان ہوا جائے۔"

شوبی نے شانے اچکا کر لاپروائی سے کہا۔ اب خدا جانے وہ جان کر چوٹ کی سنجیدگی چھپا رہا تھا کہ کہیں پھپھو کے دل پر اور اثر نہ ہو' یا پھر اس کی چوٹ کو اہمیت ہی نہیں دینا چاہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"پانی۔" تجلی کی نحیف سی آواز پر فاطمہ تڑپ کر آگے بڑھی۔

"لو پانی تجلی۔ اٹھو شکر ہے' تمہاری آواز تو سنی' یہ لو پانی۔" فاطمہ نے سہارا دیتے ہوئے اٹھایا اور ساتھ لگا کر پانی پلایا۔

"اب طبیعت کیسی ہے مری جان کی؟"

فاطمہ نے بڑے پیار سے چہرے پر آئے اس کے بال پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں بجو؟"

"شکر ہے بے بی کہ خدا نے تمہیں زندگی عطا کی ہے' ورنہ ہم لوگ تو ایسے فکرمند ہو گئے تھے کہ کیا بتاؤں۔ پتا ہے پپا جی اور مما جان ایسے گھبرائے کہ ڈاکٹر احسان کو فوراً بلایا۔ رات بھر پپا اور مما پریشان رہے' کئی بار انہوں نے آ کر تمہیں دیکھا۔"

فاطمہ نے صاف جھوٹ بولا۔ کہ پپا دوسری بار اسے دیکھنے ہی نہیں آئے تھے۔

"اوہو بجو! اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات تھی۔ معمولی سا فوڈ پوائزن ہوا تھا۔ ہمارے گھر میں تو بس تماشا بنا لیا جاتا ہے۔ معمولی سی چھینک بھی آ جائے تو ڈاکٹروں کی قطاریں بندھ جاتی ہیں۔ بجو! ہمارے پپا ہمارے جسموں کے علاج ہی کو کافی سمجھتے ہیں۔ نظر آنے والے زخموں پر تو مرہم رکھتے ہیں مگر روحوں کے گھاؤ ان کو نظر کیوں نہیں آتے۔ کوئی ایسا ڈاکٹر بلائیں جو ہماری روحوں کے گھاؤ بھر دے۔"

تجلی کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

"اوہو بے بی جانو! ذرا سی تمہاری عمر ہے اور باتیں تم اتنی بڑی کرتی ہو۔ کیا ہوا ہے ہماری روحوں کو۔ بالکل ٹھیک ہیں ہم لوگ۔ بس سو جاؤ اور فضول باتیں مت سوچا کرو دیکھو تو آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے سیاہ!"

فاطمہ نے اس پر کمبل درست کرتے ہے کہا۔

"میں ان حلقوں ہی کو تو مٹانا چاہتی ہوں بجو۔"

تجلی نے باہر نکلتی فاطمہ کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ کافی دیر لیٹی رہی' پھر سوچا کہ غسل کر لے۔ مگر اب اٹھی تو سر چکرا گیا۔

"بسم اللہ تجلی! ابھی گر جاتیں تو کیا ہوتا۔ لیٹ جاؤ کیا چاہئے تھا۔ مجھے بتاؤ۔" فاطمہ بروقت کمرے میں آئی اور اسے تھام لیا۔

"ارے کچھ نہیں ہوا بجو! بس ذرا کمزوری ہے۔ دور ہو جائے گی ممی پپا گھر پر ہیں یا۔"

"ہاں ہاں گھر پر ہیں' بس چائے پی کر اوپر آ رہے ہیں۔" فاطمہ نے جلدی سے اسے تسلی دی تاکہ وہ کچھ اور نہ سوچ بیٹھے۔

"ہیلو بے بی! کیسی طبیعت ہے اب؟ تم نے تو ہم سب کو پریشان کر دیا تھا۔"

نبیل اندر آ کر پیار سے اس کی پیشانی چھوتے ہوئے بولے تو وہ ان کا ہاتھ تھام کر ہنس پڑی۔

"بیماری کتنا اہم بنا دیتی ہے انسان کو' سب لوگ اگلی پچھلی باتیں بھلا کر بیمار کا حال پوچھتے ہیں۔ سچ میرا تو دل چاہتا ہے بیمار ہی رہوں تا کہ۔"

"شٹ اپ! جیسی الٹی سیدھی باتیں کرتی ہو ویسی الٹی سیدھی چیزیں بھی کھا کر آتی ہو یونیورسٹی سے" نبیل بھائی نے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گئی' یہ تو وہ بھول ہی گئی تھی۔ وہ یونیورسٹی کے کھانے کی وجہ سے بیمار ہوئی ہے اور یہ غلطی اس کیلئے خطرہ بھی ہو سکتی ہے۔

"سوری بھائی! آئندہ آپ لوگوں کو شکایت نہیں ہو گی۔"

وہ آزادی کے چند گھنٹوں کے عوض سب کچھ کر سکتی تھی۔

"آئندہ بجو۔ آئندہ بجو۔"

نبیل نے سوالیہ نظروں سے فاطمہ کو دیکھا۔ ان نظروں کا مطلب صرف فاطمہ ہی سمجھ سکتی تھی تجل نہیں۔

"ہاں نبیل! ہماری بے بی اب اتنی خراب بچی بھی نہیں کہ بار بار منع کرنے کے باوجود گندی چیزیں کھائے میں سب کچھ سمجھا دوں گی' لیکن ابھی اس کی طبیعت خراب ہے ناں اس لئے۔"

فاطمہ نے نبیل کا ہاتھ دبا کر اسے منع کیا کہ جب تک اس کی طبیعت خراب ہے اسے شاک پہنچانے والی باتوں سے گریز ہی بہتر ہے اور یونیورسٹی اس کا جنون تھا یہ فاطمہ ہی جانتی تھی۔

"ہیلو سویٹ ہارٹ کیسی ہو اب؟" نبیل کے جانے کے بعد فاروق احمد اور صوفیہ بیگم آ گئے۔

"ٹھیک ہوں پپا میں صبح سے آپ کو مس کر رہی ہوں' اور آپ کو فرصت اب ملی ہے۔" اس کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"سوری جان! تمہیں تو خبر ہے کہ آج کل ہم امریکہ میں اپنے بزنس کی شاخیں پھیلا رہے ہیں تو اس سلسلے میں مصروفیت رہی۔"

انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"پپا! یہ ڈنر صرف میری خاطر ہے یا کسی بزنس میں کوئی بڑی کامیابی ہوئی ہے؟" تجل نے گہری نظروں سے پپا کو دیکھا۔

"او یو آر ویری انٹیلی جینٹ گرل مائی چائلڈ ہاں یہ ڈنر بھی۔"

"سوری پپا میں اپنے معدے کو بہتر محسوس نہیں کرتی۔ آج کا ڈنر پھر کسی بزنس کامیابی کیلئے اٹھا رکھئے۔" اس کا دل بجھ گیا اس نے منہ بنا کر کہا۔

"او کے جب ہماری بیٹی کہے گی تب سہی۔ چلو صوفیہ دیر ہو رہی ہے کریم صاحب وقت کے کتنے پابند ہیں تم جانتی ہو؟"

پپا بہت اچھے موڈ میں تھے اور کہیں جانے کو تیار بھی ورنہ شاید اس کی بات کا وہ برا بھی مان جاتے۔

"جی مما جان؟" فاطمہ جلدی سے بولی۔

"میں نے ڈاکٹر احسان سے بے بی کی کنڈیشن کے بارے میں فون پر بات کی تھی۔ ابھی اسے نرم غذا ہی دی جائے گی۔ میں نے رشید کو ہدایت تو کر دی ہے اب تم خود بھی جا کر دیکھ لینا۔"

"جی بہتر دیکھ لوں گی۔" فاطمہ نے ماں کو حکم کی بجا آوری کا یقین دلاتے ہوئے کہا تو ممی پپا باہر چلے گئے۔ فاطمہ نے کھڑکی سے ممی پپا کی وائٹ کرولا کو جاتے ہوئے خدا حافظ کہا اور پھر تجل کی طرف آ گئی جو پپا کے لائے ہوئے پھول دیکھ رہی تھی۔

"بے بی! اگر بہتر محسوس کر رہی ہو تو نیچے لان میں چلتے ہیں۔ موسم بھی بہت خوشگوار ہے' ذرا جھانک کر تو دیکھو باہر موسم کس قدر خوشگوار اور سہانا ہو رہا ہے۔"

فاطمہ بچوں کی طرح خود بھی خوش ہو رہی تھی اور اس کی توجہ بھی خوشگوار موسم کی طرف دلانا چاہ رہی تھی مگر وہ کسی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔

"میرے لئے باہر کا موسم کوئی اہمیت نہیں رکھتا بجو! خوشگوار ہو یا ناخوشگوار جب انسان کے اندر ہی مایوسیوں کی گھٹائیں چھائی رہیں تو... تو۔"

وہ روہانسی ہو گئی۔

"ارے جان تجل! ایسی بڑی باتیں تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتیں جو تم کر ڈالتی ہو' خدا نہ کرے ہم مایوس کیوں ہونے لگیں' آخر کمی کیا ہے ہماری زندگی میں۔"

"ہاں چھا کوئی کمی نہیں ہماری زندگی میں واقعی۔"

تجل نے استہزائیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ فاطمہ نظریں کترا کر رہ گئی۔

"ارے بھئی تجل! تین روز سے کمرے میں بند ہو' باہر نکلو' کتنا خوبصورت موسم ہو رہا ہے۔ چلو میں نے رشید سے کہہ دیا ہے' ہماری چائے لان میں لے آئے' چلو اٹھو دل بہل جاتا ہے۔"

آمنہ اپنے مخصوص انداز میں بولتی آ گئی۔ اس نے کمرے کے پردے سرکائے' دونوں بڑی بہنوں کے اصرار پر تجل نیچے آ گئی۔ وسیع لان مالی کی محنت کا منہ بولتا ثبوت پیش کر رہا تھا۔ گھاس تو دبیز قالین کی طرح بچھی ہوئی تھی۔ قطار در قطار قیمتی گملوں میں ملکی اور غیر ملکی قیمتی پودے لہرا رہے تھے۔ اس وقت آسمان پر ہلکے بادل چھائے تھے۔ اور قدرے تیز ہوا خواہ مخواہ بگڑے موڈ درست کر رہی تھی۔

"اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا کتنی خوبصورت بنائی ہے۔ ہے ناں بجو!"

تجل کہاں تو آنے کو تیار نہ تھی۔ آئی تو موڈ فطرت کے حسن نے بحال کر دیا۔

"اوہو بھئی۔ تم تینوں یہاں ہو' وہاں کچن کا حال دیکھو' رشید وہاں اکیلا ہے کوئی چیز ادھر ادھر ہو گئی تو چلاؤ گی۔ مالی کو اب چھٹی کراؤ' رشید نے کھانا تیار کر لیا ہے تو اسے کوارٹر بھیج دو۔" راحیل کہتا ہوا ان کی طرف آیا۔

"لیکن بھائی! ابھی تو نہ رشید اور نہ ہی مالی کی چھٹی کا وقت ہوا ہے پھر۔"

آمنہ کا دل اتنا دلفریب موسم چھوڑ کر اندر جانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"معلوم ہے ابھی چھٹی کا وقت نہیں ہوا۔ مگر ہم تینوں بھائی جا رہے ہیں۔ ایک دوست نے ڈنر

پرانوائٹ کیا ہے۔ میں نے خود ان کو جلدی جانے کو کہا۔"

راحیل نے آمنہ کو فہمائشی نظروں سے گھورا تو وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"نہیں بھائی اتنا اچھا موسم ہے ہم ابھی انجوائے کرنا چاہتے ہیں۔ آپ جائیں کچھ نہیں ہوتا۔"

تجل اتنے دنوں بعد باہر نکلی تھی۔ کھلی فضا میں سانس لینا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"بی بی چائے۔" حکم کے مطابق رشید چائے ٹرالی میں سجا کر لان ہی میں لے آیا۔

"نہیں رشید یہاں نہیں ٹی وی لاؤنج میں لے چلو ہم بھی وہیں آ رہے ہیں۔" فاطمہ اور آمنہ نے اندر کی طرف قدم بڑھا دیئے کیونکہ تابعداری کا تقاضا یہی تھا۔

"لیکن میں چائے یہیں پیوں گی۔" تجل نے ٹرالی سے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں چائے نہیں پیو گی' چلو رشید چائے ٹی وی لاؤنج میں لگاؤ جا کر' فاطمہ ذرا احتیاط سے رہنا ہے تم لوگوں کو آج کل اس علاقے میں ڈاکے بہت پڑ رہے ہیں۔"

"جی بہتر' آپ فکر نہ کریں' اللہ بہتر کرے گا۔"

راحیل اور فاطمہ سمجھو اور سمجھانے کے مراحل طے کر رہے تھے' تجل کی شریانوں میں خون تیزی سے گردش کرنے لگا تھا۔

"ہونہہ' اگر ڈاکو آ بھی گئے تو جیسے ہم تین نازک لڑکیاں ان کا مقابلہ کر ہی تو لیں گی اور ان کی کروڑوں' لاکھوں کی جائیداد کو بچا لیں گی ..... خدا کرے کہ ڈاکو آئیں اور سب کچھ لوٹ کر لے جائیں۔"

تجل دونوں ہاتھوں کو زور سے آپس میں جکڑے جنونی انداز میں سوچ رہی تھی۔ وہ تھی ہی ان سب سے مختلف بس اسے اپنے گھر والوں کی ہر بات سے اختلاف ہوتا۔ شاید اس لئے کہ ان کا ہر عمل خود کو بہت کچھ ظاہر کرتا تھا اور دوسرے کی وہ عزت کرنا نہیں جانتے تھے۔ وہ ان کی کون کون سی بات کو نظر انداز کرتی اس کی اور گھر والوں کی سوچ میں زمین آسمان کا فرق تھا۔

"بے بی! کن سوچوں میں گم ہو اٹھو بیٹا! اندر چلو' سوری اگر تم نے میری بات کو مائنڈ کیا ہے تو۔"

راحیل کو خود ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ابھی بیماری سے اٹھی ہے۔ اور اس نے اسے ڈانٹ دیا۔

وہ تو ان سب کو بے حد عزیز اور پیاری تھی مگر کبھی کبھی جب وہ پٹڑی سے اتر جاتی' ان کے ازلی اصول و قوانین سے منحرف ہونے لگتی تو ان لوگوں کو غصہ آ جاتا۔

"نہیں بھائی مائنڈ کیوں کرنے لگی' آپ جائیں ہم اندر چلتے ہیں آؤ بے بی۔"

فاطمہ نجانے کس مٹی سے بنائی گئی تھی کہ ہر ایک کی طرف سے خود ہی وضاحتیں پیش کرتی اسے کبھی کسی کی بات بری نہیں لگتی تھی' بس ہر وقت جی حضوری میں لگی رہتی۔

"یہ تابعداریاں یہ ریاضتیں کچھ صلہ نہیں دیں گی بجو۔"

فاطمہ کے ساتھ لاؤنج میں آتے ہوئے تجل نے سوچا' ہدایات کے مطابق فاطمہ' آمنہ نے گھر کے تمام دروازے کھڑکیاں بند کر دیئے' پردے گرا دیئے گئے۔ گھر کی تمام لائٹیں آف کر دی گئیں۔ ماسوائے لاؤنج کے جہاں وہ تینوں تھیں۔ ٹی وی پر بھی بور سا پروگرام چل رہا تھا۔ گھر میں ایک طرح سے خوف اور ہو کی سی کیفیت تھی۔ تجل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ فاطمہ کی حسیات ایسے میں دوگنی تگنی تیز

ہو جایا کرتی تھیں۔ وہ چوکنا نظروں سے ماحول پر نظر رکھے ہوئے تھی۔ البتہ آمنہ سدا کی مطمئن پرسکون تھی گویا کہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت رکھتی ہو وہ تھی بھی اکھڑ مزاج' بس اپنی بات کہہ دینے والی' لیکن ایک حد تک اور وہ حد والدین کے حکم تک اور بھائیوں کی تابعداری تک جا کر ختم ہو جاتی تھی۔

وہ دونوں بڑی تھیں اور گھر ماحول حالات اور والدین اور بھائیوں کے مزاجوں کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھیں جبکہ تجل ایسے تمام اندیشوں' پابندیوں سے آزاد تھی' لیکن اس آزادی کی بھی ایک حد مقرر تھی۔

"یا وحشت یہ گھر ہے کہ جیل۔ اپنے ہی گھر کے دوسرے حصے میں نہیں جا سکتے' بجو میں لان میں جا رہی ہوں۔ باہر مین گیٹ پر دو دو چوکیدار ہیں' کچھ نہیں ہوتا۔"

تجل کو عجیب سی وحشت ہو رہی تھی۔ وہ دروازے کی طرف بڑھی۔

"ارے بے بی جان' یہ کیا کر رہی ہو' پتا بھی ہے' بھائی کتنے خفا ہوں گے۔" فاطمہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ "تو ان کو خبر ہو گی تو خفا ہوں گے ناں' میں دس منٹ میں آ جاؤں گی۔"

تجل نے کنڈی کھولی' ہینڈل گھمایا مگر وکٹورین طرز کا خوبصورت دروازہ جو لاؤنج سے لان کی طرف کھلتا تھا لاکڈ تھا۔ وہ برا سا منہ بنا کر کاؤچ پر آ کر لیٹ گئی۔ اسی وقت فون کی بیل گونجی فاطمہ کا دل مٹھی میں آ گیا اور اخبار میں پڑھا ہوا واقعہ یاد آ گیا کہ ڈاکو پہلے فون کر کے دھمکیاں دیتے ہیں اور پھر۔

"ہیلو جی ہاں یہ ہی نمبر ہے۔" ریسیور پر آمنہ تھی۔

"آمنہ کون ہے' ایسے ہی بات نہ کرو۔" فاطمہ اندیشوں کے ساتھ بولی۔

"بابا تجل کی دوست ہے۔ بے بی تمہاری یونیورسٹی کی فرینڈ ہے حنا' بات کرو۔"

"حنا!"

تجل کو توقع ہی کب تھی کہ حنا کا فون آئے گا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑی اور تیزی سے فون کی طرف بڑھی۔

"لگتا ہے کوئی اچھی دوست ہے بے بی کی تب ہی تو اتنا خوش ہو رہی ہے' اچھا ہے ناں ذرا فریش ہو جائے گی' موڈ بھی اچھا ہو جائے گا۔"

فاطمہ کو اطمینان کے ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی کہ تجل کا موڈ اچھا ہو جائے گا۔

"ہائے حنا کیسی ہو تم؟ فون لگ گیا کیا تمہارے ہاں' سچ پتا ہے میرے تو کان ترس گئے تھے تم جیسے اپنوں کی آوازیں سننے کو۔ اور ہاں باقی سب کا کیا حال ہے' کتنے بے مروت ہیں یہ سب کہ پانچ دن ہو گئے کسی نے فون تک نہیں کیا اور تم سناؤ کیا حال چال ہے؟"

تجل تو حنا کی آواز سنتے ہی نان سٹاپ شروع ہو گئی اس کی سنی نہیں۔

"میں تو ٹھیک ہوں' تجل اتنے روز ہو گئے تم آئیں نہیں ہمارا گروپ ہی نہیں پورا ڈیپارٹمنٹ تمہیں مس کر رہا ہے۔ رہا فون کا سوال تو اپلائی تو کیا ہوا ہے لگا نہیں آنٹی کے گھر صرف تمہیں فون کرنے آئی ہوں' اچھا بتاؤ آ کیوں نہیں رہیں' رمضان بابا کئی بار پوچھ چکے ہیں۔"

"بس یار ذرا سا فوڈ پوائزن ہو گیا تھا۔ شامت ہی تو آ گئی۔ دو روز ہی میں بھلی چنگی ہو گئی تھی مگر گھر والے ہیں ناں ذرا زیادہ ہی نچی ہیں میرے معاملے میں' اب میں بالکل ٹھیک ہوں تم مجھے یونیورسٹی

کا حال سناؤ' یونیورسٹی کی دلکش فضائیں کیسی ہیں۔ سڑکیں ویسی ہی چمکتی ہیں' پھول پودے ویسے ہی لہراتے ہیں ناں' ٹیچرز کا سینئر جونیئر کا کیا حال ہے' اور منشی فاضل صاحب کیسے ہیں؟"

تجل اتنے دنوں بعد بول رہی تھی آج جی چاہ رہا تھا کہ حنا سے گھنٹوں باتیں کرتی رہے۔ وہ ایک سانس میں مستقل بولے جا رہی تھی۔

"سب ٹھیک ہیں' تمہیں تو ہر کوئی مس کرتا ہے اور وہ منشی فاضل صاحب نے جو جنرل پیشل میں پیپر دیئے تھے ناں۔"

"ہاں۔ ہاں خدانخواستہ پاس تو نہیں ہو گئے۔"

تجل کا سانس اٹک گیا۔

"ارے نہیں بھئی' وہ بڑے روایتی قسم کے بندے ہیں' بھلا اپنی ہی قائم کی ہوئی روایت کو کیسے توڑ سکتے ہیں اپنی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے بڑے اعزاز کے ساتھ فیل ہو گئے ہیں۔ آج کل اساتذہ سے نالاں اور یونیورسٹی سے گریزاں سے پھرتے نظر آتے ہیں۔ بس تم آ جاؤ تو وہ ایوارڈ لائیں گے ان کا۔

حنا نے اسے ساری تفصیل سے آگاہ کیا تو وہ مچل گئی کہ کس طرح صبح ہو اور وہ یونیورسٹی جائے' جبکہ وہ قطعی بے خبر تھی کہ اس کے یونیورسٹی نہ جانے کے احکامات جاری ہو چکے ہیں۔

"ہائے حنا! کتنا مزہ آیا ہوگا۔ خیر انشاء اللہ میں کل سے یونیورسٹی آنا شروع کر دوں گی' پھر وہی مزے ہوں گے اور ہم ہوں۔ ہاں۔ ہاں کل میں ضرور آؤں گی۔"

تجل فون پر حنا کو یونیورسٹی آنے کی یقین دہانی کرا رہی تھی' فاطمہ اور آمنہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"باجی! آپ نے بے بی کو ابھی تک پپا جی اور بھائیوں کے فیصلے سے آگاہ کیوں نہیں کیا۔"

آمنہ نے خاصے سرزنش کے انداز میں فاطمہ کو دیکھا' جو خود میں ہمت ہی پیدا نہیں کر پائی تھی کہ اسے بتا دے کہ آزادی کے جن گھنٹوں کے عوض وہ اپنی جان بھی دینے کو تیار ہو جاتی تھی' وہی اس سے چھینے جا چکے ہیں۔

"تم فکر نہ کرو اور نہ اس سے ذکر کرنا' میں خود بات کر لوں گی' دیکھو تو کتنے دنوں بعد وہ ہنسی ہے' ورنہ کتنی مرجھا گئی تھی۔ میں پپا جی سے درخواست کروں گی کہ اس سے یونیورسٹی نہ چھڑائی جائے۔"

فاطمہ کو امید تو بہت کم تھی' پپا کے ماننے کی' مگر پھر بھی اس نے سوچ لیا تھا کہ پپا جی سے بات ضرور کرے گی۔ وہ تجل کو خوش دیکھنا چاہتی تھی' ہر وقت ہر لمحہ اس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور ہنسی دیکھنا چاہتی تھی۔

"میرے خیال میں بے سود کوشش ہو گی' آپ جانتی ہیں کہ پپا اور بھائیوں کے فیصلے اٹل ہوا کرتے ہیں' جن میں صرف خدا کی ذات ہی ترمیم پیدا کر سکتی ہے۔"

آمنہ نے میگزین ایک طرف رکھا اور کھانا لگانے چلی گئی۔ کیونکہ تجل بھی فون سے فارغ ہو چکی تھی اور بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔

☆......☆......☆

شوکت ہاؤس زمین کے ایک وسیع رقبے کو گھیرے ہوئے تھا۔ مگر بیوہ بہن کیلئے اس گھر میں شاید

جگہ نہیں تھی۔ یا پھر دلوں ہی میں جگہ نہیں تھی۔ تب ہی تو کوٹھی سے ملحق ایک تین کمروں کی انیکسی عنایت کر رکھی تھی' کوٹھی کی جگمگاتی زمین اور انیکسی کی اداس زندگی میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ مگر نسیمہ نے یہ سب تقدیر کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ بیوگی کی چادر کو حوادث زمانہ سے بچانے کیلئے انہوں نے دل کو مار لیا تھا۔ لب سی لئے تھے' بڑے بیٹے کی گمشدگی' باقی جو چار تھے ان کی اپنے میکے میں تذلیل' وہ بڑے ضبط اور حوصلے سے برداشت کر رہی تھیں' انہوں نے نہ صرف اپنا آپ مار لیا تھا بلکہ بچوں کو بھی ہر ستم سہہ کر خاموش رہنے کا درس دیا تھا۔ زیب اور چھوٹی صدف تو ان کی تربیت کے عین مطابق تھیں البتہ شذرا کے اندر بغاوت کا مادہ جانے کہاں سے آ کر اس کی رگوں میں گردش کرنے لگا تھا۔ وہ اکثر اوقات اپنی زبان کی وجہ سے ڈانٹ کھاتی تھی۔ آسیہ تو مارنے سے بھی گریز نہ کرتیں۔ تب وہ اسے کبھی ڈانٹ کر کبھی پیار سے سمجھاتیں۔

"شذرا! میری جان سمندر میں رہنا جب زندگی کی مجبوری ٹھہرے تو پھر اسے مگرمچھ سے بیر نہیں لینا چاہئے اور پھر کتنے احسانات ہیں ان لوگوں کے ہم پر' کون رکھتا ہے اس زمانے میں ہمیشہ کیلئے اپنے پاس۔"

وہ اس کا سر گود میں رکھے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار سے سمجھا رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ شذرا ڈانٹ ڈپٹ سے مان کر دینے والی نہیں۔

"امی جان ہم یا آپ کوئی اور تو نہیں' آپ کا حق ہے اس گھر میں کیا نانا جان کی دولت و جائیداد پر آپ کا کوئی حق نہیں۔"

وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی تو نسیمہ بیگم اسے گھورنے لگیں۔

"بکو مت خبردار جو آئندہ ایسی باتیں کی ہوں۔ تمہارے نانا کوئی بہت بڑے جاگیردار یا دولت مند آدمی نہیں تھے کہ اولاد کیلئے اتنا کچھ چھوڑ کر جاتے' عزت سے زندگی بسر ہو جاتی تھی' یہ ہی بہت تھا اور یہ جو ٹھاٹھ تمہارے ماموؤں کے ہیں' یہ خدا کا فضل اور ان کی ذاتی محنت کا ثمر ہے۔ اس میں تم لوگوں کا یا پھر میرا حصہ کہاں سے آ گیا۔ یہ بھی ان لوگوں کی مہربانی ہے چار بچوں سمیت مجھے یوں رکھا ہوا ہے کہ کسی چیز کی کمی کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ تمہاری زبان خاصی دراز ہے' میں جانتی ہوں' مگر جان لو..... اب میں نے سنا اگر تم نے کسی کے ساتھ بدتمیزی کی ہے تو زبان کاٹ کر ہتھیلی پر رکھ دوں گی' میری نرمی سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔"

نسیمہ بیگم کا چہرہ سخت ہو گیا اور لہجہ اتنا اجنبی کہ شذرا حیران نظروں سے ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

"امی جان سوری میری وجہ سے آپ کو دکھ پہنچا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے جو ہمارا حقیقی خالق و مالک ہے' اس نے ہمارا رزق ہمارے باپ بھائیوں کے بجائے ماموؤں کے رزق میں شامل کر دیا ہے تو کوشش کروں گی کہ ہر زیادتی برداشت کر جاؤں' لیکن عزت نفس پر حملہ شاید میں برداشت نہ کر سکوں۔" شذرا نے آہستگی مگر مضبوط لہجے میں کہا اور باہر نکل گئی۔

"خدا تمہیں ضبط کی توفیق عطا فرمائے میری بچی۔" صبح بڑی بھابی کتنی نفرت سے شذرا کو ڈانٹ رہی تھیں۔ زبان کاٹنے کی دھمکیاں تو ہر ہر پل ہی دیا کرتی تھیں مگر کیا کروں' کہاں...... جاؤں اپنی معصوم بچیوں کو لے کر۔ صبح سے شام تک روئی کی طرح دھنکی جاتی ہیں' اتنے بڑے گھر میں اتنے افراد کی موجودگی کے باوجود صرف دو ملازم تھے' جو باہر کا کام کرتے' اس کی وجہ آسیہ بھابی نے کتنی نخوت سے بیان

کی تھی۔

"ملازموں کو رکھ کر فضول کا خرچ بڑھانا ہے' پہلے کیا کم خرچ ہیں' اتنی ڈھیر ساری لڑکیاں کیا اچار ڈالنے کو پال رہے ہیں۔ کیا کریں ناں کام خود۔"

"بھابی جان آپ درست کہہ رہی ہیں بھلا لڑکیوں والے گھر میں ملازموں کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ ماشاء اللہ گھر میں اتنی تو لڑکیاں ہیں زیب بیٹا چلو مشین لگاؤ کپڑے کافی ہو گئے ہیں دھونے والے۔"

نسیمہ بیگم خود ہی اٹھ کر مشین لگانے لگیں' کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ کپڑے بہت زیادہ ہیں اور زیب ہے بھی دھان پان اور نازک سی' یہ سارے کام صرف ان ہی کی لڑکیوں کیلئے تھے' ورنہ ان کی اپنی تو برائے نام ہی کام کیا کرتیں۔ کچن میں آج بڑی اور چھوٹی بھابی تھیں' جبکہ گھر کی صفائی پر شنزرا' صدف اور فائزہ وغیرہ لگی ہوئی تھیں۔

"احتیاط سے بہت قیمتی پتھر کا ہے۔"

مشتاق ماموں کا تین بہنوں کا اکلوتا بیٹا اسد' شنزرا کے عین سامنے آ کر بولا جو کارنس پر رکھے ایک ڈیکوریشن پیس کو صاف کر رہی تھی۔

"ایک سنگ تراش پتھر ہی کی قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے' ہیرے کی قیمت کا نہیں۔" شنزرا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور پیس واپس اس کی جگہ پر رکھ دیا۔

"ہونہہ تو گویا محترمہ خود کو ہیرا سمجھے ہوئے ہیں۔" اسد نے طنزیہ لہجے میں اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"اگر کبھی سنگ باری اور سنگ تراشی سے فرصت ملے تو یہ بھی آزما لینا۔" شنزرا اور اسد تقریباً ہم عمر تھے۔ دونوں گویا ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اسد والدین کا اکلوتا ہونے کی وجہ سے اکثر منہ پھٹ اور بے لحاظ قسم کی چیز تھا' جو منہ میں آتا کہہ جاتا جبکہ شنزرا کیلئے اس کی بات کو برداشت کر جانا ناممکن ہوتا۔ اسی لئے شنزرا اسد کی والدہ کو کچھ زیادہ ہی چبھتی۔

شوکت حسین کے دو بیٹے اور ایک بیٹی تھی فائزہ اور شعیب اور عیب بیٹے تھے' پھر مشتاق حسین کی تین بیٹیاں' صائمہ سب سے بڑی پھر اسد اور پھر ہما اور صبا تھیں جبکہ چھوٹے ماموں فیاض کی ایک بیٹی انیلا اور بیٹا نعمان تھا۔ سارے بچے ایک ساتھ پل کر بڑے ہوئے۔ بچوں کی مائیں اپنے اور نسیمہ کے بچوں میں ایثار و محبت کے جذبات پیدا کر کے ایک دوسرے کے درمیان یگانگت پیدا کر سکتی تھیں' مگر جب انہوں نے خود ہی...... نسیمہ بیگم کو اپنی ذمہ داری یا فرض نہیں سمجھا تو وہ بچوں میں محبت کیسے پیدا کر سکتی تھیں۔

"بھائی جان کل میری ایک کزن آ رہی ہے' اپنے بیٹے کیلئے صائمہ کو دیکھنے کیلئے۔ دعا کریں صائمہ ان کو پسند آ جائے۔"

زاہدہ بیگم نے بریانی دم پر رکھتے ہوئے اطلاع دی۔

"تو حد کرتی ہو تم بھی' کل مہمان آ رہے ہیں اور بتا آج رہی ہو' چند روز قبل نہیں بتایا جا سکتا تھا۔ کل تو میں نے ظہیر بھائی کے ہاں جانے کا پروگرام بنایا ہے۔"

آسیہ بیگم کو یہ بروقت اطلاع کوئی خاص اچھی نہیں لگی تھی اسی لیے ان کی تیوریوں پر بل آ گئے۔

"پہلے کیسے بتا دیتی۔ فون ہی رات کو آیا تھا اور ویسے بھی یہ بات صرف اپنے تک رکھنے گا' میں

نہیں چاہتی نسیمہ کو معلوم ہو اور ہاں اس روز زیب کو ادھر ادھر کر دیجئے گا۔ کم بخت میں جانے کیا بات ہے کہ ہر آنے والے کی نظریں اس پر ہی جم جاتی ہیں۔ یاد ہے آپ کو فائزہ کیلئے جو لوگ آئے تھے' زیب ایسی پسند آئی کہ پیچھا ہی پکڑ لیا۔ کریں گے تو اسی سے کریں گے' ورنہ اس گھر کی کسی لڑکی سے نہ کریں گے۔"

زاہدہ بیگم نے آسیہ بیگم کو وہ والا واقعہ یاد دلا کر اس بات پر پکا کر دیا کہ زیب کو غائب کرنا ہے۔

"اے بس تم اس کی فکر نہ کرو' میں اسے دیکھ لوں گی۔ ویسے وہ لوگ تو مجھے ذرا بھی نہیں بھائے تھے' لڑکا دیکھا تھا۔ لڑکا کیا مرد تھا پکی عمر کا۔ وہ تو تمہارے شوکت بھائی نہ مانے میں نے تو سوچ لیا تھا کہ اگر ان کا اصرار بڑھا تو نسیمہ سے کہہ کر زیب کا رشتہ کروا دیں گے' مگر ماموں کی محبت نے جوش مارا کہ اگر میں اس لڑکے کو اپنی بیٹی کے لئے پسند نہیں کر سکا تو بھانجی کیلئے کیسے کروں۔ خیر میں تو ویسے بھی باہر نہ کروں اپنی بیٹی کا۔ ظہیر بھائی کا بڑا بیٹا ہے ناں طلال اس کے بارے میں سوچا ہے میں نے اور شوکت نے۔"

آسیہ بیگم اور شوکت کے درمیان چند روز قبل ہی یہ بات طے ہوئی تھی کہ فائزہ اور طلال کا رشتہ طے کر دیا جائے' تب ہی وہ بڑی خوش اور مطمئن تھیں۔

"اچھا چلیں مبارک ہو' اللہ مبارک کرے' ویسے بھابی جان طلال سے چھوٹا بلال بھی تو ہے۔" خیال تو پہلے بھی کئی بار ظہیر بھائی کے لڑکوں بلال اور طلال کی طرف گیا مگر اس خیال سے کہ ظہیر بھائی آسیہ کے سگے بھائی ہیں جب ان لوگوں میں ابھی تک بات نہیں ہوئی تو وہ کیسے اپنے لئے کہہ سکتی تھیں۔

"ہاں...... ہاں خیر سے بلال بھی شعیب کے ساتھ سول انجینئرنگ کر رہا ہے۔ ماشاء اللہ بہت قابل بچے ہیں میرے بھائی کے۔" آسیہ بیگم نے احساس تفاخر سے زاہدہ کو دیکھا۔

"تو پھر بھابی جان طلال کو تو آپ بیٹا بنا ہی رہی ہیں۔ بلال کو بھی بنا لیجئے ناں' صائمہ بھی تو آپ ہی کی بیٹی ہے ناں اس کا...... بھی تو آپ ہی نے دیکھنا ہے۔"

زاہدہ نے جھٹ صائمہ کیلئے کہہ دیا۔ جس کی آسیہ بیگم کو نہ تو توقع تھی اور نہ ہی ان کو یہ بات پسند آئی تھی کہ اس گھر کی دوسری لڑکی بھی اسی گھر میں جائے' جہاں ان کی عزیز از جان نازوں سے پلی فائزہ جائے گی مگر رشتہ ایسا تھا کہ وہ ناپسندیدگی کا اظہار بھی نہیں کر پائیں۔

"ہاں بھئی ایک کی تو رسم ہو جانے دو پھر دوسری کا رشتہ بھی ڈال دیں گے' ویسے کل جو مہمان آ رہے ہیں ان کو بھی دیکھ لینے میں کوئی حرج تو نہیں۔"

آسیہ بیگم نے لہجے کو نارمل بناتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ان کو بھی دیکھ لیں گے' مگر بھابی میں نے...... لڑکا دیکھا ہوا ہے مجھے ذرا پسند نہیں۔ اب اس نے خود آنے کو کہا تھا تو میں انکار نہیں کر سکی' لڑکا ایویں سا ہے۔"

"ہونہہ! اپنی بیٹی تو گویا ملکہ حسن ہے۔"

آسیہ بیگم نے گرم چولہے پر سے اتارتے ہوئے جل کر سوچا مگر زاہدہ بیگم تو خیالوں میں بلال اور صائمہ کو ایک ساتھ دیکھ رہی تھیں۔

"یہ بشریٰ کہاں چلی گئی' روٹیاں پکا لے آ کر' ہما بیٹے آؤ تم سلاد بنا لو۔ مرد آنے ہی والے ہیں۔ کھانے میں ذرا دیر ہو جائے تو ہنگامہ مچا دیتے ہیں۔"

زاہدہ بیگم کے خوش کن خیالوں سے بے نیاز آسیہ بیگم نے چھوٹی دیورانی بشریٰ کو پکارا تا کہ روٹیاں بنالیں اور ہما سلاد کی تیاری کر لے۔

ابھی دو روز تو ہوئے تھے' کپڑے دھلے مگر آج اتنے زیادہ تھے کہ دونوں ماں بیٹی تھک گئی تھیں مگر کپڑے ابھی بھی باقی تھے۔

"امی جان! اب آپ جائیں بہت ہو گیا میں خود دھولوں گی اور پھر صدف بھی اپنے کام سے فارغ ہو گئی ہے' وہ آجاتی ہے میرے ساتھ' جائیے آپ جا کر آرام کریں۔"

زیب کہہ تو کافی دیر سے رہی تھی مگر نسیمہ بھی ماں تھیں۔ اتنا بوجھ کانچ کا پیکر رکھنے والی بیٹی پر نہیں لاد سکتی تھیں' مگر اب تو خود ان کی ہمت بھی جواب دینے لگی تھی۔

"اچھا میں ابھی جا کر صدف کو بھیجتی ہوں۔"

نسیمہ بیگم ہاتھ دھو کر باتھ روم سے باہر آ گئیں۔ راہداری سے ہو کر ابھی وہ صدف تک نہیں پہنچی تھیں کہ بشریٰ مل گئیں۔

"نسیمہ باجی ایک کام تو کر دیں پلیز۔"

"ہاں کہو بشریٰ اس میں جھجکنے کی کیا بات ہے۔"

"وہ نومی کی طبیعت خراب ہے اور وہ مجھے پاس سے ہلنے نہیں دے رہا آپ روٹیاں پکا لیں گی۔"

بشریٰ کی بات پر نسیمہ۔ جو تھکن سے چور ہو چکی تھیں اور اب صرف لیٹنا چاہتی تھیں' چپ سی ہو کر رہ گئیں کچھ تو وہ فطری طور پر ہی صابر تھیں اور کچھ وقت نے یہ دن دکھائے تھے کہ وہ کسی حیل و حجت یا انکار کا حق نہیں رکھتی تھیں۔ نومی بھی فرخ کا ہم عمر تھا۔ معمولی سے بخار پر اتنے چونچلے ہو رہے تھے اور وہ بدنصیب تھا کہ اتنی زبردست چوٹ کے باوجود کوئی خیال نہیں رکھا گیا اس کا' خود وہ بھی گھر کے کاموں میں اتنی الجھی رہتیں کہ اسے توجہ دینے کا وقت ہی نہ تھا۔

"میں خود پکا لیتی باجی' یہ نومی تو اٹھنے دیتا ہی نہیں۔"

ان کو خاموش دیکھ کر بشریٰ نے دوبارہ شرمندہ لہجہ بناتے ہوئے کہا۔

"ہاں اللہ سلامت رکھے اس کے باپ کو بچے تو ماں باپ ہی کو لاڈ دکھاتے ہیں ناں تم جاؤ اس کے پاس۔ میں پکا لیتی ہوں روٹیاں۔"

نسیمہ بیگم کی آنکھوں کے کنارے اس خیال سے بھیگ گئے کہ آج اگر فرخ کا باپ بھی زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے ہی نخرے کرتا۔ وہ تھیسیں دباتی کچن میں آ گئیں' آسیہ اور زاہدہ آہستہ آہستہ نجانے کیا باتیں کر رہی تھیں کہ ان کو دیکھ کر خاموش ہو گئیں۔

"ارے باجی آپ رہنے دیں ناں بشریٰ پکا لیتی ہے روٹیاں۔" زاہدہ نے ناگواری نظروں سے نسیمہ کو دیکھا جو توا رکھ رہی تھیں۔

"مجھے اسی نے بھیجا ہے' نومی کی طبیعت خراب ہے اس لیے۔"

نسیمہ بیگم نے ایسے لہجے میں کہا گویا کہہ رہی ہوں کہ مجھے معلوم ہے' میں تم لوگوں کی پرائیویسی میں مخل ہوئی ہوں۔ مگر آئی نہیں' بھیجی گئی ہوں' گھر بھر کیلئے روٹیاں پکانا آسان کام تو نہیں تھا۔ ویسے تو وہ اکثر ہی پکایا کرتی تھیں مگر آج تو کپڑے بھی دھوئے تھے' ان سے کھڑا نہیں ہوا جا رہا تھا۔ بس یہ ہی دل

چاہ رہا تھا کہ بس لیٹ جائیں۔

"امی! آپ روٹیاں پکا رہی ہیں' اتنے ڈھیر سارے کپڑے دھوئے ہیں اور اب۔" شذرا کسی کام سے کچن میں آئی تو ماں کو روٹیاں پکاتے دیکھ کر تڑپ اٹھی۔

"لڑکی آہستہ بولا کرو' اتنی تیز آواز میں بولتی ہے کہ گویا اگلا بہرہ ہو۔" آسیہ بیگم کو تو خدا واسطے کا بیر تھا۔ اس سے' مگر اس نے مامی کی بات سنی ان سنی کر دی۔

ہٹئے امی میں پکاتی ہوں' جائیں آپ آرام کریں جا کر۔"

پھر اس نے زبردستی ماں کو وہاں سے ہٹایا اور خود روٹیاں اتارنے لگی۔

"ذرا ڈھنگ سے پکانا لڑکے ذرا پسند نہیں کرتے تمہارے ہاتھ کی پکی روٹیاں' اس روز بھی تم نے بنائی تھیں تو اسد نے کھانا نہیں کھایا تھا کہ روٹی موٹی ہے جلی ہوئی ہے۔"

زاہدہ بیگم نے تیز سی نظر شذرا پر ڈالی تو دل میں تو ایسا کرارا جواب آیا تھا۔ مگر ماں کے لحاظ سے چپ رہی اور نسیمہ بیگم وہاں سے اسی لیے نہیں جا رہی تھیں کہ وہ زبان درازی نہ کرے۔

"امی! پلیز جا کر آرام کریں' چپ رہوں گی' نہیں بولوں گی بس۔" اس نے آہستگی سے ماں کی منت کی تو وہ بے یقینی سی کیفیت سے وہاں سے اٹھ گئیں۔

"ارے بھئی خواتین کھانے کا کیا پروگرام ہے' اوہو آج تو ہماری شذرا بیٹی روٹیاں پکا رہی ہے....." شوکت حسین سیدھے کچن میں چلے آئے۔

"آداب ماموں جان!"

"جیتی رہو بیٹے! واہ آج تو کھانے کا مزہ آ جائے گا۔ ہماری بیٹی تو بہت اچھی روٹیاں پکانے لگی ہے۔" شوکت حسین شذرا کی پکائی چپاتی اٹھا کر دیکھتے ہوئے بولے اور پھر ایک نوالہ توڑ کر آدھا اپنے منہ میں رکھا اور آدھا شذرا کے منہ میں ڈال دیا۔

"شکریہ ماموں جان!"

"ہونہہ چونچلے دیکھو ذرا ماموں بھانجی کے۔"

بھانجی سے لاڈ کرتے شوکت حسین اس وقت بیوی اور بھاوج کے جذبات سے بے خبر تھے جو جل جل کر کباب ہو رہی تھیں۔ ان کے التفات سے۔

"چلو بھئی کھانا لگاؤ۔" شوکت حسین کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔

پھر صبا' ہما مل کر کھانا لگانے لگیں۔ شذرا نے الگ ڈونگے میں سالن نکالا اور روٹیاں رومال میں لپیٹ کر رکھ لیں۔

"یہ کس کی ہیں۔" آسیہ بیگم نے خونخوار نظروں سے اسے گھورا۔

"یہ صدف اور زیب کیلئے ہیں مامی جان۔ الگ اس لئے کر کے رکھ دی ہیں کہ اس روز بھی جب میں اور زیب کپڑے دھو رہے تھے تو ہمارے لئے کھانا نہیں بچا تھا اور تھکن کے بعد اپنے لئے کھانا پکانا بہت مشکل ہوتا ہے اس لئے۔"

شذرا ان کی نظروں سے متاثر ہوئے بغیر بولے گئی تو آسیہ بیگم کا جی چاہا اس کا منہ نوچ لیں مگر وہ اس سے کچھ خوفزدہ بھی رہتیں کیونکہ شذرا جھٹ ہر بات شوکت حسین کے گوش گزار کر دیتی تھیں۔ بچپن

میں بھی جب کبھی یہ ان کے ساتھ زیادتی کرتی تھیں باقی سب تو چھپا جاتے تھے' مگر یہ حرف بہ حرف بتا دیا کرتی تھی اور انہیں ڈانٹ پڑا کرتی تھی۔

''ارے بھئی یہ لڑکیاں پوری نہیں اسد بیٹا ذرا گنتی کر کے بتاؤ' کتنی ہیں اور کتنی غائب ہیں اور کون کون غائب ہے اور کہاں ہے۔'' کھانے پر شوکت حسین سب کو موجود دیکھنا چاہتے تھے اس وقت سب ہی موجود تھے سوائے صدف اور زیب کے۔

''تایا ابو خاندان کی ساری لڑکیاں غائب ہو جائیں مگر ایک لڑکی ان سب کی کمی پوری کرتی ہوئی نظر آتی ہے' وہ ہے آپ کی چہیتی شنذرا مراد۔''

اسد نے چہک کر کہا تو شنذرا کا نوالہ جو منہ کی طرف بڑھ رہا تھا وہیں رک گیا۔

''بہت سارے لوگوں کی کمی کو پورا کرنا معمولی بات نہیں ہوتی اسد مشتاق' اپنے اندر بھی ایسی خصوصیات پیدا کرو کہ کسی ایک کی کمی ہی پوری کر سکو۔''

شنذرا اور تو کسی کی بات برداشت کر سکتی تھی مگر اسد کی بات تو جیسے تپتے پر حملہ کرتی ...... وہ تلملا کر رہ جاتی۔ اس کے منہ توڑ جواب پر مزید کوئی ہنگامہ ہوتا مگر شوکت حسین قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔

''بھئی واہ کیا خوب کیا کباب بنائے ہیں۔ کس نے بنائے ہیں' زاہدہ خوشبو تمہارے ہاتھوں کی لگ رہی ہے۔''

شوکت حسین سراہنا تو شنذرا کو چاہتے تھے مگر پوزیشن کی برہمی کا خیال کر کے بات کا رخ کبابوں کی طرف موڑ دیا۔

''نہیں تو بھائی جان یہ تو آسیہ بھابی نے بنائے ہیں۔'' زاہدہ بیگم نے کبابوں کا سہرا آسیہ بیگم کے سر باندھ کر ان کی مہربانیاں اپنے نام کیں۔

''بھئی یہ صدف اور زیب کہاں ہیں' کھانے پر کیوں نہیں آئیں۔'' شوکت حسین کو چین نہیں پڑتا تھا جب تک وہ بہن اور بھانجیوں کو سامنے نہیں دیکھ لیتے تھے۔

''آپ تسلی سے کھانا کھائیے' ان کیلئے کھانا رکھ لیا گیا ہے۔'' آسیہ بیگم کو تب سے آگ لگی ہوئی تھی۔ جب سے شنذرا نے ان کیلئے کھانا رکھا تھا۔

''تو پھر میری دانشمندی دیکھئے کہ کھانا رکھ لیا تھا ورنہ یہاں تو سارا کھانا ختم ہو گیا اور۔'' اس سے قبل کہ شنذرا مزید کچھ کہتی' نسیمہ بیگم نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ باقی بات کا گلا گھونٹ کر رہ گئی۔

''اس چنڈال کا تو علاج کرنا ہی پڑے گا۔ کمبخت کی زبان کے آگے تو گویا خندق ہے۔'' آسیہ بیگم دانت پیس رہی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو اسے اٹھا کر باہر پھینک دیتیں۔ کھانے کے بعد سب آرام کیلئے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ زیب اور صدف بھی دھلائی سے فارغ ہو گئی تھیں۔

''ارے بھئی زیب سنو مشین بند کر دی کیا!'' شعیب نے پوچھا۔

''جی!'' زیب نے مری ہوئی آواز میں کہا بھوک اور تھکن سے وہ بے ہوش ہونے کو تھی۔

''تو میرے کپڑے کس نے دھونے تھے میرے کمرے میں تو جھانکنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتیں تم سب کے سب میلے ہیں کپڑے روز یونیورسٹی جانا ہوتا ہے مجھے۔'' وہ خفگی سے اسے ڈانٹ رہا تھا۔

''آپ کا کمرہ آپ کی عدم موجودگی میں لاکڈ رہتا ہے شوبی بھیا ورنہ ہم نے تو سب کے

کمروں سے ان کے کپڑے نکال لئے تھے۔'' زیب کے بجائے صدف نے غصہ ضبط کرتے ہوئے...... آہستگی سے کہا تو شوبی چپ سا ہو گیا۔

''اگر کام کرنے کی نیت ہو تو کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے۔ ایک چابی فائزہ کے پاس تھی اس سے لے لی ہوتی۔ اب نکال لو کپڑے اور شام تک مجھے دھلے ہوئے کپڑے چاہئیں' یہ لو چابی۔''

شوبی نے چابی زیب کی طرف بڑھائی' جو اب گری تب گری والی حالت میں کھڑی تھی۔

صدف نے چابی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

''کھانا کھا کر دھو دوں گی۔''

''میں نے تم سے نہیں زیب سے کہا ہے اور جسے کام کہا جائے وہی کیا کرے۔''

شوبی نے چابی زیب کی طرف اچھالی اور آگے بڑھ گیا۔ اب تو یہ زندگی کے معمولات بن گئے تھے اور پھر بچپن ہی سے ایسا ہی سلوک روا رکھا گیا کہ وہ لوگ عادی ہو گئی تھیں۔ یہ دونوں کچھ تو ماں کی طرح تھیں ہی صابر شاکر اور کچھ حالات کی سنگینی بھی پیش نظر رہتی تھی کہ عزت کے ساتھ سر چھپانے کو سائبان ملا ہوا ہے تو گنوائیں کیوں؟

☆......☆......☆

سندھ بورڈ نے انٹر سائنس کے نتائج کا اعلان کر دیا۔ ٹی وی پر پانچ بجے کی خبروں کی چوتھی خبر یہ ہی تھی۔ شنذرا کا دل سینے کے اندر اچھلنے لگا۔ اس نے آواز آہستہ کر دی اور خود ٹی وی کے قریب چلی گئی تا کہ کوئی یہ خبر نہ سننے پائے۔ اس وقت سب ہی لان میں جمع تھے۔

''اللہ میاں جی مجھے پاس کر دیجئے گا ورنہ امی تو کہیں گی کہ میں نے نہ کہا تھا مت پیسہ برباد کرو پڑھنے کے قابل نہیں اور اسد اسے تو ذلیل کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کتنا مذاق اڑایا تھا اس نے جب اس نے بتایا تھا وہ بھی ڈاکٹر بننا چاہتی ہے۔''

''ہونہہ یہ منہ اور ڈاکٹری ارے مس ڈاکٹر ہم جیسے لائق فائق لوگ ہی بن سکتے ہیں۔ دیکھنا میرٹ پر آؤں گا۔''

پورے خاندان میں شنذرا اور اسد ہی نے تو ایف ایس سی کا امتحان دیا تھا مگر شنذرا کو تو ہزار ہا کام ہوتے تھے کرنے والے' اسے پڑھائی کا موقع ہی کم ملتا تھا اور دوسرا امی کا ہر وقت کا جملہ تھا۔

''پتا بھی ہے ڈاکٹر پر کتنا خرچ آتا ہے۔''

''شنذرا میری جان اس قسم کے شوق اور ارمان باپ بھائی پورے کیا کرتے ہیں اور تم لوگوں کے باپ بھائی۔''

امی کے آنسوؤں میں ڈاکٹر بننے کا خواب مٹ گیا تھا۔ اب تو وہ صرف پاس ہونے کی دعائیں کر رہی تھی کیونکہ جب کیمسٹری کا پیپر تھا تو اسے پڑھائی کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

''بس اللہ پاک مجھے پاس کر دے' کمپارٹ نہ آ جائے کہیں۔''

اور اللہ پاک نے اس کی دعا قبول کر لی تھی اور وہ بڑے اچھے نمبروں سے پاس تو ہو گئی مگر نمبر اتنے نہیں آئے تھے کہ میرٹ پر آتی۔ البتہ اسد نے ہمیشہ اچھے سول کالج میں پڑھا تھا۔ تھا بھی بہت ذہین' بہت ہی اچھے نمبروں سے کامیاب ہو کر میرٹ لسٹ میں پہلے نمبر پر آ گیا تھا اور اب اس کی اتراہٹ تھی کہ

دیکھنے کے لائق۔

''اسے کہتے ہیں ذہانت اور محنت' چلی تھیں محترمہ ڈاکٹر بننے۔''

وہ مستقل شذرا کو تنگ کر رہا تھا۔ غم و غصے سے شذرا کا چہرہ تپ رہا تھا۔

''ذہانت خدا...... نے مجھے بھی عطا کی ہے' محنت اس لئے نہیں کی کہ میری میڈیکل کی تعلیم کا خرچ برداشت کرنے والے باپ بھائی نہیں ہیں۔''

خواب ٹوٹ کر جب بکھرتے ہیں اور ان کی کرچیاں آنکھوں میں چبھنے لگتی ہیں تب ہر شے دھندلانے لگتی ہے۔ اس کی آواز بھی لرز گئی۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے تھے۔ اسد آہستگی سے چلتا اس کے قریب آ گیا۔

''رو لو مت ظلم کرو آنکھوں پر برس جانے دو دل ہلکا ہو جائے گا ویسے بھی آنسو عورت کا ہتھیار اور کمزوری ہوتے ہیں۔''

''کیوں روؤں میں' آنسو میرا ہتھیار نہیں' خدا نے مجھے اتنا ضبط عطا کر رکھا ہے کہ ہر بات برداشت کر جاؤں۔''

شذرا کچھ دیر قبل غالب آ جانے والی کمزوری پر قابو پاتے ہوئے تلخ لہجے میں بولی۔

''اچھا تو اب تک آپ ضبط ہی کا مظاہرہ کرتی رہی ہیں۔''

اسد نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔ قریب تھا کہ وہ بھی کوئی ویسا ہی جواب دیتی۔ ظہیر صاحب پوری فیملی کے ساتھ آ گئے' پھر ہلہ گلا ہوتا رہا۔ مبارک سلامت کا شور ہوتا رہا' آسیہ بیگم اور زاہدہ بیگم تو بچھی جا رہی تھیں۔ آسیہ بیگم کا تو حق بنتا تھا مگر ان کو زاہدہ بیگم کا یوں ظہیر اور بیگم ظہیر کے سامنے بچھنا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ کبھی طلال بلال کو ساتھ لگاتیں' کبھی ان کی بیٹیوں نادیہ نازیہ کو لپٹاتیں۔

''ہونہہ مطلب پرست مری جا رہی ہیں ورنہ اس سے قبل جب یہ لوگ آتے تھے کیسے ناک بھوں چڑھاتی تھیں' میں بھی صائمہ کو اپنی فائزہ کی دیورانی نہیں بننے دوں گی' کہاں میرا بلال چاند کا ٹکڑا اور کہاں صائمہ۔''

آسیہ بیگم نے جل کر زاہدہ بیگم کو دیکھا' جو بار بار بلال کو کچھ نہ کچھ کھانے کو پیش کر رہی تھیں' سب بچے آپس میں لگے ہوئے تھے بلال کی بے چین نظریں زیب کو تلاش کر رہی تھیں۔ بالآخر گوہر مقصود ایک کونے میں نادیہ سے باتوں میں مصروف نظر آ گیا۔ تیکھے نقوش والی پیاری سی یہ لڑکی جانے کب دل کے نہاں خانوں میں آ بسی تھی کہ اسے خود بھی اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ ایک ٹک اسے دیکھتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شوبی بھی اس کی نظروں کا زاویہ پا چکا ہے اور اسے یہ حرکت انتہائی بری لگی تھی اس نے ایک ناگوار سی نظر بلال پر ڈالی اور دوسری زیب پر۔

''زیب تم یہاں کیا کر رہی ہو' وہاں کچن میں پھپھو اکیلی ہیں' کچھ خیال ہے تمہیں ان کا۔'' سب کے سامنے یوں شوبی نے زیب سے کہا تو وہ خاموشی سے باہر آ گئی اور کچن میں ماں کا ہاتھ بٹانے لگی۔

''یہ نسیمہ پھپھو کہاں ہیں؟'' جب لوگوں کا دھیان بٹ گیا تو بلال اٹھ کر کچن کی طرف آ گیا۔۔

☆......☆......☆

''باجی میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ اسے بتاؤ کہ وہ اب یونیورسٹی نہیں جا سکتی مگر آپ تو۔'' آمنہ کو بڑی کوفت ہو رہی تھی جب تجل یونیورسٹی جانے کیلئے کپڑے تیار کر رہی تھی۔ اپنی بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

''اچھا میں بات کرتی ہوں جا کر۔'' فاطمہ اٹھ کر اوپر جمیلہ کے کمرے میں آ گئی۔

''آئیں بجو وہ میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ اس روز جو میرے ٹیلر سے نئے کپڑے آئے تھے وہ کہاں رکھے ہیں' میں نے تو ساری وارڈ روب چھان ماری مل کر نہیں دیے۔'' تجل نے الماری کا پٹ بند کرتے ہوئے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ جو کچھ کہنے کیلئے مناسب الفاظ تلاش کر رہی تھی۔

''وہ تو میری الماری میں رکھے ہیں' مگر بے بی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔''

فاطمہ نے خود میں بڑی ہمت پیدا کی تھی کہ پیا سے بات کرے کہ تجل سے یونیورسٹی نہ چھڑائی جائے مگر وہ ہمت پیدا نہیں کر سکی۔ اب تجل کو روکنے کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

''ارے بجو کہیں ناں' یہ تامل کیوں کیسی ہچکچاہٹ کہیں؟''

تجل سارے کام چھوڑ کر فاطمہ کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''وہ بے بی تم میرا مطلب ہے کہ یونیورسٹی۔''

''یونیورسٹی۔'' یونیورسٹی کے نام پر تجل کی تمام حسیات جاگ جایا کرتی تھیں' اس وقت بھی وہ پوری کی پوری ہمہ تن گوش ہو گئی تھی۔

''وہ بے بی! تم آج یونیورسٹی نہ جاؤ تو بہتر ہے۔'' ہزار کوشش کے باوجود فاطمہ اصل بات نہ بتا سکی۔

''کیوں بجو میں جاؤں گی' اتنے دن تو ہو گئے ہیں' کیا ہوا ہے' آپ کیوں منع کر رہی ہیں۔'' تجل پریشان ہو کر فاطمہ کے قریب آ گئی۔

''بس بے بی نہ جاؤ۔'' فاطمہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

''کیوں آخر؟'' تجل مزید پریشان ہو گئی۔

''بس میں نے رات کو خواب بہت برا دیکھا ہے اس لئے۔'' اس وقت اس سے بہتر بہانہ کوئی نہ لگا فاطمہ کو۔

''وہم ہے سب' کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو ویسے ہی وہم آتے رہتے ہیں۔'' تجل کو کچھ تسلی ہوئی کہ خواب کی وجہ سے منع کر رہی ہیں۔

''وہم نہیں ہے جان یہ حقیقت ہے کہ۔''

''فاطمہ بی بی! نیچے کوئی آپ سے ملنے آیا ہے؟'' باہر سے منور کی آواز پر فاطمہ تیزی سے نیچے آئی۔

''یہ لیجئے کارڈ۔''

☆......☆......☆

''السلام علیکم فاطمہ بی بی! یہ کارڈ ہے آپ کیلئے۔''

''وعلیکم السلام غفور بھائی! کس کی شادی کا کارڈ لے کر آ گئے آپ؟''

فاطمہ نے غفور کے ہاتھ سے گہرے رنگ کا شادی کارڈ لیتے ہوئے پوچھا۔

''بس جی ڈاکٹر صاحب کی آخری بیٹی فرحانہ کی شادی کا کارڈ ہے جی۔''

غفور نے ایسے لہجے میں کہا جیسے ڈاکٹر جبار کی بیٹیوں کی شادیوں کے کارڈ تقسیم کر کر کے تھک گیا ہو۔

''اچھا...... اچھا! مگر فرحانہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔ ہماری بے بی سے بھی ایک سال چھوٹی ہے۔ اچھا خیر' تم مبارکباد دینا گھر والوں کو...... ہم انشاء اللہ ضرور آئیں گے شادی میں۔''

فاطمہ کو فوراً ہی اس بات کا احساس ہوا کہ اسے نوکر کے سامنے یہ بات نہیں کہنا چاہئے تھی کہ فرحانہ کی شادی اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔

''اچھا ہے چند روز محلے میں رونق رہے گی' مزہ آئے گا۔''

فاطمہ کارڈ لئے اوپر آ گئی۔

''ارے یہ کس کی شادی کا کارڈ آ گیا؟'' آمنہ نے راستے میں فاطمہ کے ہاتھ سے وہ کارڈ لے کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

''اوہو! تو ڈاکٹر صاحب نے آخری پیس کو بھی بیاہ ڈالا۔ اب اتنی بھی کیا جلدی تھی۔ ہماری بے بی سے بھی چھوٹی ہے۔ پھنس گیا ہوگا کوئی ہم پلہ مرغا' تب ہی تو جلدی کر رہے ہیں' ورنہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ خیر ہمیں کیا۔''

''اوہو آمنہ! ایسے نہیں کہتے بھئی۔ اچھا ہے ناں لڑکیوں کی شادیاں جلدی ہو جانی چاہئیں' ورنہ...... خیر لاؤ دو کارڈ۔''

ورنہ کے آگے ایک ایسا تپتا صحرا تھا' جس کی کوئی حد تھی نہ کنارا۔ وہ کارڈ لئے تجل کے کمرے میں آ گئی' جو چاہنے کے باوجود محض فاطمہ کے وہم کی وجہ سے یونیورسٹی نہیں جا سکی تھی۔ اب منہ بنائے قالین پر آڑی ترچھی لیٹی ہوئی تھی۔

''بے بی! بور ہو رہی ہو۔ میرے پاس ایسی چیز ہے' تمہاری ساری بوریت ختم ہو جائے گی۔'' فاطمہ نے کارڈ پیچھے چھپاتے ہوئے کہا۔

مگر تجل بدستور منہ پھلائے رہی۔ فاطمہ نے کارڈ اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیا تو تجل نے کارڈ اچک لیا۔

''کون خوش نصیب ہے؟ کس کے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی رنگ لا رہی ہے' بہت خوبصورت اور قیمتی کارڈ ہے۔ لگ رہا ہے کہ والدین کتنی خوشی اور ارمانوں سے بیٹی کی شادی کر رہے ہیں۔''

تجل نے کارڈ کھولا نہیں' بس باہر سے اس کی خوبصورتی اور آرائش سے اندازہ لگاتی رہی اس ہستی کی خوش نصیبی کا۔

''ارے بے بی! دیکھو تو' ہے کس کی شادی؟ وہ تمہاری دوست ہے ناں فرحانہ اس کی۔''

فاطمہ نے باقاعدہ کارڈ پڑھ کر سنایا تو گویا تجل کے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔

وہ کتنی ہی دیر عجیب سی نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر فاطمہ کا خوبصورت حلیم چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا جس کا رنگ اب مدھم پڑنے لگا تھا۔

ہلکی ہلکی جھریاں بھی جھانکنے لگی تھیں۔ اس حسین چہرے پر صبر' ضبط' والدین کی اطاعت کی داستانیں رقم تھیں' جو صرف وہ خود پڑھ سکتی تھی یا پھر اس کی بہنیں' دوسرا کوئی نہیں جان سکتا تھا کہ اتنے حسین چہرے کے پیچھے کتنے غم' کتنے دکھ' کتنی محرومیاں چھپی ہیں۔

''بے بی! ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟'' فاطمہ نظریں چرا گئی۔

''بجو! فرحانہ ڈاکٹر جبار کی سب سے چھوٹی بیٹی ہے۔ مجھ سے ایک سال چھوٹی ہے۔ انیس سال کی عمر میں اس کی شادی ہو رہی ہے۔''

تجل خود کلامی کے سے انداز میں بولی' مگر فاطمہ کی سمجھ میں آ گیا۔

''ہاں تو پھر؟''

فاطمہ نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹا کر اپنے ہاتھوں میں تھام لئے۔

''آپ بتا رہی تھیں کہ فرحانہ کی سب سے بڑی بہن آپ کی ہم عمر تھیں' ان کی شادی پچیس سال کی عمر میں ہوئی تھی' اب ان کی شادی کو انیس سال ہو گئے ہیں پتا ہے ان کا ایک بیٹا سیکنڈ ایئر میں اور بیٹی فرسٹ ایئر میں ہے' اگر آپ کی شادی ہو گئی ہوتی تو آپ کے بچے بھی تو اتنے ہی بڑے ہوتے ناں۔''

تجل کے لہجے میں عجیب سا دکھ اور تشنگی کا احساس تھا۔ اس کی بات نے فاطمہ کے زخموں کو گویا اپنے نوکیلے ناخنوں سے نوچ ڈالا تھا۔ اس طرح کہ وہ کراہ اٹھی۔

''ایسی باتیں نہیں سوچتے بے بی' میری جان! یہ خوشیاں نصیبوں سے ملتی ہیں۔ اس میں بھلا کسی کا کیا قصور ہے۔'' فاطمہ ٹیسوں کو دباتی کھڑی ہو گئی۔ تجل ان کے سامنے آ گئی۔

''بجو! ہم لوگ اتنے بدنصیب ہیں کہ ہماری زندگی میں ایسی خوشی کا دخل ہی نہیں ہے۔ ہماری قسمت میں ایسی خوشیاں کیوں نہیں؟''

وہ سراپا سوال بنی فاطمہ کے سامنے کھڑی تھی۔ ایسا سوال جس کا جواب فاطمہ کے پاس نہیں تھا۔

''بے معنی سوال مت کیا کرو بے بی!'' فاطمہ کے سدا کے حلیم لہجے میں ہلکی سی تلخی کا عنصر حلول

ہو گیا۔

"بے معنی! یہ بے معنی سوال نہیں ہے بجو۔ انسانی خوشیوں اور انسانی زندگی کا سوال ہے۔ کوئی تو مجھے بتائے کہ ہماری زندگی میں یہ قبرستان جیسے ویرانی کیوں ہے؟ کیوں محروم تمنا ہیں ہم سب؟ ہمارے گھروں میں خوشیوں کے شادیانے کیوں نہیں بجتے؟ ہمارے گھر میں ارمان دلہن کیوں نہیں بنتے؟ کس چیز کی کمی ہے ہم میں' حسن ہے' دولت ہے پھر......؟"

وہ فاطمہ کو جھنجھوڑتے ہوئے سراپا سوال بنی ہوئی تھی اور ایک ایک کر کے فاطمہ کے زخم ادھڑنے لگے تھے' مگر اس کا فطری تحمل غالب آ گیا۔ اس نے نجل کو ساتھ لگایا' پیار کیا۔

"بے بی! میری جان! ابھی بہت کم عمر ہو' بہت چھوٹی ہو' میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا جان حسن اور دولت پر کبھی بھروسہ نہ کرنا' اس لئے کہ حسن تو ڈھلتی دھوپ ہوتا ہے' ڈھل کر ختم...... ہو جاتا ہے اور دولت سے تم وقتی اور عارضی خوشیاں خرید سکتی ہو۔ حقیقی اور پائیدار نہیں اور میرے خیال میں تو دولت سے خوشیاں کم اور غم زیادہ ملتے ہیں خیر! ایسی باتیں مت سوچا کرو جان! تمہارے چہرے کا یہ گلاب کھلا ہی رہنا چاہئے۔ اتنی سی عمر میں اتنی بڑی باتیں تمہارے منہ سے اچھی نہیں لگتیں۔"

فاطمہ محرومیوں کے تپتے صحرا میں بڑے ضبط سے سفر کر رہی تھی۔ اس نے نجل کے چہرے پر آئی لٹوں کو پیار سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہوں میں چھوٹی' مجھے حساب چاہئے خوشیوں کا' غموں کا' محرومیوں کا' تشنگیوں کا' خوشیاں کیوں دور بھاگتی ہیں ہم سب سے بولو بجو! آئے دن کسی دوسرے گھر کسی کی بیٹی کی کسی کے بیٹے کی شادی ہوتی ہے' مگر ہمارے گھر میں ایسا کوئی رواج کیوں نہیں ہے' کیوں نہیں ہیں خوشیاں ہماری قسمت میں۔ دل چاہتا ہے ہر شادی والے گھر میں آگ لگا دوں' چھین لوں سب سے ایسی خوشیاں جن کو پا کر زندگی سے پیار ہو جاتا ہے۔"

وہ ہذیانی انداز میں چلائی اور واقعی وہ جلن محسوس کرنے لگی تھی۔ دوسروں کی خوشیوں سے وہ بھی چاہتی تھی کہ اس کی کسی بہن کی' کسی بھائی کی شادی ہو' مگر یہاں تو لگتا تھا گویا شادی کرنا تو کیا گھر میں کسی کی شادی کا ذکر کرنا بھی گناہ عظیم یا ایسا جرم ہے' جس کی سزا موت یا عمر قید سے کم نہیں ہو سکتی تھی۔"

بری بات ہے بے بی! کسی کی خوشیوں سے حسد نہیں کرتے بلکہ دعا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اور خوشیاں دے۔ یہ تو مقدر کی بات ہے جان! ہم کسی سے کیوں جیلس ہوں۔ اٹھو بے بی اب میں نیچے جاؤں لنچ ٹائم ہو گیا ہے' پپا بھی آنے والے ہیں۔"

فاطمہ کو معلوم تھا...... اس وقت وہ بپھری ہوئی ہے' اس کے پاس مزید ٹھہرنا اس کے اور اپنے لئے خطرناک ہے لہٰذا وہ بہانا بنا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ زخم ہرے ہو گئے تھے۔ سارے دکھ اور اذیت کے اور وہ بے حال ہو گئی۔ آنکھوں میں برسات اترنا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"ارے باجی! آپ کمرے میں اندھیرا کر کے لیٹی ہیں' نیچے ڈائننگ ٹیبل پر انتظار ہو رہا ہے' پپا جی اور بھائی آ چکے ہیں' چلو آؤ۔"

آمنہ نے آتے ہی اس کے کمرے کی لائٹ آن کر دی' جس کے دبیز پردوں نے سورج کی

کرنوں کو اندر آنے سے روکا ہوا تھا۔

فاطمہ کی آنکھوں میں کنکر چبھنے لگے۔ اسے ذرا بھی بھوک نہیں تھی' مگر وہ جانتی تھی کہ پپا جی کے سامنے حاضری سانس لینے سے زیادہ ضروری ہوتی ہے۔

"ہاں...... ہاں آمنہ تم چلو میں آتی ہوں' یونہی ذرا لیٹ گئی تھی۔"

فاطمہ سلگتی آنکھوں پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مار کر ٹیسوں کو دباتی نیچے آئی تو ٹیبل پر فرحانہ کی شادی زیر بحث تھی۔ اس نے آواز نکالے بغیر کرسی باہر نکالی اور بیٹھ گئی۔ آنکھیں جل رہی تھیں' دل کی بستی میں عجیب گھٹن کی سی کیفیت تھی۔ اتنی کہ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"بھئی یہ جبار صاحب کو لگتا ہے اپنی بیٹیوں سے ذرا بھی پیار نہیں۔ یوں بیاہ دیں سب جیسے گھر میں کھانے کی کمی ہو۔"

فاروق احمد نے فرحانہ کی شادی پر ریمارکس دیتے ہوئے اپنی تینوں بیٹیوں کو یوں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں دیکھو ہمیں تم لوگوں سے کتنا پیار ہے' تب ہی تو تم لوگوں کی شادیاں ابھی تک نہیں کیں۔

"ویسے میرے خیال میں تو واقعی لڑکیوں کی شادیاں جلدی ہی کر دینا چاہئیں بلکہ میرے خیال میں تو ہم لوگ خاصے لیٹ ہو گئے ہیں نہ راحیل بھائی کی ہوئی نہ فاطمہ باجی اور......"

نبیل جانے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کیا کہتا کہ فاروق احمد کی تیز نظروں نے باقی بات کا گلا دبا دیا' مگر کھانے میں مگن نجل نے نبیل کی بات سن لی تھی اور خاصی خوش بھی ہوئی تھی' مگر پپا کی نظروں سے بے خبر چہک کر بولی۔

"کسی لڑکی کو چھوڑیں پپا جان! ہم راحیل بھائی کی شادی کرتے ہیں۔ لڑکی ڈھونڈیں گے پھر رشتہ طے ہو گا۔ دوسرے لوگوں کا نئے رشتے داروں کا آنا جانا ہو گا۔ ہمارے گھر میں بھی خوشی کے شادیانے بجیں گے۔ ہمارے گھر میں بھی خوشیاں بہاروں کی صورت میں اتریں گی...... ہے نا راحیل بھائی! کیا خیال ہے آپ کا؟ ڈھونڈ لیں آپ کیلئے کوئی لڑکی' اچھا آپ خود ہی بتا دیں' اپنی پسند کی لڑکی' بعد میں مت کہئے گا کہ......"

آج تو نجل کی پسند کا موضوع چھڑ گیا تھا۔ وہ خوب شوخی سے...... چہک کر راحیل کو دیکھ رہی تھی۔

"بے بی! اس موضوع پر بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اس سے قبل کہ خوشیوں کی اس خوشگوار گفتگو میں راحیل بھی کوئی شوخ پھلجڑی چھوڑتا' فاروق احمد نے نجل کو ایسی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ مارے گھبراہٹ کے نوالہ اس کے ہاتھ سے پلیٹ میں گر گیا۔

"فاطمہ! یہ تم کن خیالوں میں گم ہو' میں دیکھ رہی ہوں' تم کھانا بہت کم کھا رہی ہو' کیا بات ہے؟"

صوفیہ بیگم نے فاطمہ کو دیکھا۔ فاطمہ کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

حالانکہ اس وقت طبیعت اتنی بوجھل ہو رہی تھی کہ ایک نوالہ بھی حلق سے اترنا محال تھا۔ حلق میں تو آنسوؤں کا گولا پھنسا ہوا تھا' جو پلکوں کا نازک بند توڑنے پر مصر تھا' مگر فاطمہ کا ضبط ہمیشہ اس کی

کمزوریوں پر غالب آیا تھا۔

"کچھ نہیں ممی! کوئی بات نہیں' میں لے رہی ہوں جی کھانا' کھا رہی ہوں۔"

ضبط کے پل صراط سے گزرنا کتنا مشکل اور جان لیوا ہوتا ہے۔ یہ کوئی فاطمہ سے پوچھتا۔

"تجل بی بی! آپ کی سہیلی حنا کا فون ہے۔"

"ہیں' ہائے حنا! کتنا خیال ہے اسے میرا' بے چاری جانے کہاں سے فون کرتی ہے۔"

تجل بولتی ہوئی فون سننے آ گئی۔ سن کر واپس آئی تو چہرہ بہت کھلا ہوا تھا۔

"کون ہے یہ حنا؟" راحیل بھائی نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا' جیسے حنا کے روپ میں کوئی مرد ہو۔

"وہ جی یونیورسٹی کی دوست ہے میری' حنا بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"کہہ کیا رہی تھی؟" فاروق احمد نے ایسے پوچھا' جیسے ان کو حنا کی اچھائی' برائی سے کوئی غرض نہ ہو۔

"جی پوچھ رہی تھی کہ تم یونیورسٹی کیوں نہیں آئیں؟"

"واٹ...... کیا مطلب ہے کہ یونیورسٹی نہیں آئیں۔ تم نے ابھی تک اسے بتایا ہی نہیں کہ تم یونیورسٹی چھوڑ چکی ہو......؟"

پہلا دھماکہ تجل نے کیا تھا حنا کی بات بتا کر اور دوسرا دھماکہ فاروق احمد نے کیا۔

"جی پپا! کیا کہا آپ نے؟ میں یونیورسٹی چھوڑ چکی ہوں؟"

"اسے اپنی ہی آواز دور کہیں صحراؤں سے آتی سنائی دی۔

اس کی یہ حیرانی یہ انجان پن صاف بتا رہا تھا کہ وہ ہر بات سے بے خبر ہے۔ فاروق احمد کیلئے یہ بات انتہائی ناقابل برداشت تھی کہ ان کی بات کو یوں نظر انداز کیا جائے۔ وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کر کے کھڑے ہو گئے تھے۔

"فاطمہ......!" بڑے سے ڈائننگ روم میں ان کی کرخت آواز گونجی تو فاطمہ کی رگوں میں خون جیسے منجمد ہونے لگا۔

"جی پپا!"

"جب میں نے کہہ دیا تھا کہ بے بی آئندہ یونیورسٹی نہیں جائے گی تو اسے بے خبر کیوں رکھا گیا' کیا میرے حکم کی تمہارے نزدیک کوئی وقعت نہیں ہے؟"

فاروق احمد کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ یوں لگ رہا تھا' جیسے وہ ابھی ہنٹر سے فاطمہ کی چمڑی ادھیڑ دیں گے۔ باقی سب کو تو سانپ سونگھ گیا تھا' مگر فاطمہ کی یہ حالت تھی کہ اب گری کہ تب گری۔

"فاطمہ! پپا کیا پوچھ رہے ہیں؟" راحیل بھی تند لہجے میں بولا۔

"وہ...... دراصل جی! بے بی کی حالت کے پیش نظر نہیں بتایا کہ مبادا اس کی طبیعت مزید بگڑ جائے۔" فاطمہ نے رکتے ہوئے اصل بات بتا دی۔

"خدانخواستہ بے بی کی حالت اتنی خطرناک نہیں تھی اور نہ ہی یہ ایسی جان لیوا خبر تھی کہ اس سے چھپائی جاتی۔ دوسرے یہ کہ باپ بھائیوں نے کیا کہا' تمہارے نزدیک اس بات کی اہمیت ہی نہیں ہے۔"

یہ صوفیہ بیگم تھیں۔ ان تینوں صابر شاکر بیٹیوں کی ماں جن کو قدرت نے ضبط اور صبر کے بیش بہا خزانے سے نوازا تھا' مگر اس زیادتی پر آمنہ شاکی نظروں سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔ گویا کہہ رہی ہو کہ من مانی ہم مجبوروں نے کیا کرنی ہے۔ اپنی مرضی سے سانس تو لے نہیں سکتے۔

وہ دکھ کا احساس لئے وہاں سے ہٹ گئی۔ اس نے تجل کے بے رونق چہرے پر ایک نظر ڈالی اور سیڑھیاں چڑھ گئی۔

تجل کو تو گویا سکتہ سا ہو گیا۔ وہ تو اپنے جرم کو بھی فراموش کر بیٹھی تھی' جس کی پاداش میں اس سے آزادی کے چند گھنٹے چھینے جا رہے تھے۔ ابھی تو فاطمہ سے پوچھ گچھ جاری تھی۔

"فاطمہ مجھے وضاحت چاہئے اس کوتاہی کی۔"

فاروق احمد اس بات کو اتنی اہمیت دے رہے تھے جیسے اس کی اس کوتاہی سے کسی کی جان پر بن آئی ہو۔

"سوری پپا جان! آئندہ کوتاہی نہیں ہو گی۔" (مجھے اسی روز بے بی کو بتا دینا چاہئے تھا کہ ہمیں جینے کا کوئی حق نہیں' خوشیاں ہم پر حرام ہیں اور حرام کو منہ لگانا کتنی گناہ والی بات ہے)

فاطمہ نے باپ سے فوراً معافی مانگ لی' لیکن جو کچھ درحقیقت کہنا چاہتی تھی' وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

"او کے! جا کر آرام کرو اور آئندہ خیال رکھنا۔"

فاروق احمد نے اس کے کانپتے وجود کو دیکھتے ہوئے معافی قبول کرتے ہوئے کہا تو اس کا جی چاہا بھاگ کر اپنے کمرے میں چلی جائے۔ چھپ جائے جلدی سے باپ بھائیوں کی نظروں سے مگر درمیان میں وسیع لاؤنج تھا۔ اس کے بعد ڈھیر ساری سیڑھیاں اور قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ بمشکل وہ اپنے کمرے میں آ پائی۔

بار بار اس کی جلتی آنکھوں کے سامنے پپا جان کا غصے میں تپتا ہوا چہرہ آ رہا تھا۔ جانے کب گلے میں اٹکا ہوا نمکین پانی...... کا گولا پلکوں کے بند توڑتا ہوا دامن بھگونے لگا۔

گھٹی گھٹی سسکیوں کی آوازیں دروازوں سے ٹکرا کر واپس اپنی سماعتوں سے ٹکرانے لگیں۔

آج کوئی خاص بات تو نہیں ہو گئی تھی۔ یہ تو نارمل رویہ تھا۔ پپا کا یوں ہی ذرا سی غلطی پر دار پر چڑھانے کی دھمکی دی تھی' مگر آج دل تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ وہ رونے لگی' روئے گئی' محرومیاں نوکیلے کانٹے بن کر چبھ رہی تھیں دل میں' اس کا جی چاہا آج وہ در و دیوار سے پردوں سے کمرے کی ہر شے سے لپٹ کر اتنا روئے کہ اس کا وجود ختم ہو جائے۔

☆......☆......☆

"پپا پلیز! معاف کر دیں' میں آئندہ کینٹین میں کوئی چیز نہیں کھاؤں گی' مجھے یونیورسٹی جانے دیں۔"

فاروق احمد کے پاس ڈاکٹر احسان آئے ہوئے تھے۔ تجل نے موقع غنیمت جانا اور اندر آ گئی۔ اسے یقین تھا کہ پپا ڈاکٹر احسان کے سامنے اسے کچھ نہیں کہیں گے۔ اس نے اتنی لجاجت سے کہا

تھا کہ ڈاکٹر احسان نے چونک کر دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے فاروق' یہ بے بی اتنی پریشان کیوں نظر آ رہی ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں ڈاکٹر صاحب' وہ اس روز بے بی کو جو فوڈ پوائزن ہو گیا تھا تو وہ یونیورسٹی کی بریانی کھانے سے ہوا تھا تو بس پپا نے کہا یونیورسٹی جانا بند' اب یہ بے بی جانا چاہتی ہے۔"

نبیل نے جلدی سے ساری بات بتا دی تو فاروق احمد اسے قہر آلود نظروں سے گھورتے رہ گئے۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ ہو کیا چیز' فاروق احمد! یہ دنیا ہے یہاں بہت کچھ ہوتا ہے' باہر نجانے لوگ کیا کچھ کھاتے پھرتے ہیں' ان کو تو کچھ نہیں ہوتا۔ تم امیر لوگوں کے بچوں کو چھینک بھی آ جائے تو قیامت آ جاتی ہے' حد ہو گئی۔ اتنی سی بات پر لڑکی پر تعلیم کے دروازے بند کئے جا رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے بے بی نے کتنی مشکلوں سے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کی اجازت حاصل کی تھی تم سے' میرا مشورہ ہے کہ اسے یونیورسٹی جانے سے نہ روکو۔ آگے تمہاری مرضی' کیونکہ تم ہمیشہ یا تو اپنی انا کے غلام رہے یا پھر......؟"

ڈاکٹر احسان' فاروق کے دیرینہ دوست تھے۔ سارے حالات ان کے سامنے تھے اور وہ فاروق احمد کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ اسی لئے ایک نظر انہوں نے فاروق احمد پر اور دوسری مسز فاروق پر ڈالی اور باہر نکل گئے۔

نجل کی اس حالت کا اثر ہوا تھا یا پدرانہ شفقت میں ابال آیا تھا یا ڈاکٹر احسان کی باتوں کا پاس رکھا تھا۔

"ٹھیک ہے بے بی! کل سے تم یونیورسٹی جا سکتی ہو۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا لیکن نجل کی خوشی سے سانس رکنے لگی تھی۔

☆......☆......☆

بلال...... سب کی نظریں بچا کر کچن میں چلا آیا تھا' جہاں نسیمہ بیگم چائے بنا رہی تھیں اور زیب کیک' بسکٹ اور مزید لوازمات ٹرالی میں سجا رہی تھی۔ نسیمہ بیگم کی دروازے کی جانب پشت تھی' اسی کا فائدہ اٹھا کر بلال کتنی ہی دیر سرخ دوپٹے کے ہالے میں کچھ چھپے' کچھ ظاہر زیب کے حسین روپ کو دیکھتا رہا۔ نظروں کی حدت کو چہرے پر محسوس کر کے زیب چونک گئی۔

"آداب پھپھو!" نسیمہ بیگم کے مڑنے پر بلال نے جھٹ سلام جھاڑا۔

"جیتے رہو بیٹے! کیا حال ہے' بڑے دنوں بعد آئے' خیریت تو تھی ناں؟"

نسیمہ بیگم نے اس کے جھکے شانے پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ پھپھو! آپ کے علاوہ تو کسی نے پوچھا ہی نہیں کہ اتنے دن کہاں رہے' ہم نے مس کیا یا......؟"

بلال نے دوپٹے میں سے جھانکتی زیب کی دراز چوٹی کو دیکھتے ہوئے شکوہ کیا' جیسے اسی کو سنا رہا ہو مگر وہ بدستور اپنے کام میں مگن رہی۔

"ٹھیک ہے پھپھو! اپنی اپنی مصروفیات ہوتی ہیں' مگر انسان اگر کسی کو اہمیت دے تو پلٹ کر اسے دیکھ ہی سکتا ہے۔ زبان سے نہ سہی نظروں ہی نظروں میں حال پوچھ سکتا ہے' اتنے دن کہاں رہے؟ کبھی یاد بھی آئی کہ نہیں' ملنے کو دل چاہا کہ نہیں وغیرہ۔"

"بس بیٹا! ہر ایک کی اپنی مصروفیات ہیں۔"

نسیمہ بیگم باہر نکل گئی تھیں۔ بلال واش بیسن پر برتن دھوتی زیب کے قریب آ کر آہستگی سے دھیمی آواز میں شکوہ کناں اس کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر رہا تھا۔ کسی کے آ جانے کے خوف سے زیب کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ آ گئی۔ وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ کر الماری سے برتن نکالنے لگی۔

"زیب!"

وہ ہمیشہ ہی اس سے کتراتی تھی اور بلال اس کے قریب ہونا چاہتا تھا۔ وہ اسے حال دل سنانا چاہتا تھا مگر اس کی نامہربانوں کی اس بستی میں اس کا موقع ہی کب میسر آتا تھا۔ اب بھی اس نے نسیمہ بیگم کی وقتی غیر حاضری کو غنیمت جانتے ہوئے اسے آواز دی۔

عین اسی وقت شوبی نازل ہو گیا۔ کچن میں صرف بلال اور زیب تھے۔ یہ بات شوبی کو غضبناک کرنے کیلئے کافی تھی۔ خوف کی سرد لہر زیب کی ریڑھ کی ہڈی کو منجمد کر گئی۔

"بھئی تم کمال کرتے ہو بلال! یعنی وہاں تمہیں مس کیا جا رہا ہے اور تم یہاں......؟"

غصہ تو شوبی کو جس قدر آیا تھا اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ بلال کو دھکے دے کر باہر نکال دے اور زیب کا تو گلا ہی دبا دے۔

"سوری یار! ہے تو یہ اپنی کلاس کے خلاف' مگر نسیمہ پھپھو سے ملے کافی دن ہو گئے تھے۔"

بلال نے کن انکھیوں سے گھبرائی ہوئی زیب کو دیکھا۔ خوف کے سائے اس کے چہرے پر لرزاں تھے۔

"پھپھو تو خیر اب ڈرائنگ روم میں ہیں' جاؤ مل لو اور زیب! میں نے شام کو تمہیں کپڑے استری کرنے کو دیئے تھے' مگر وہ جوں کے توں پڑے ہیں۔ دھیان دو کسی کام پر تو کام ہو ناں۔"

تیز نظروں سے زیب کو دیکھتے ہوئے شوبی نے زہر خند لہجے میں سارا غصہ اس پر اتارا تو زیب کی ٹانگوں میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

"جی سوری! میں استری کرنے جا رہی تھی کہ بڑی امی نے کہا پہلے چائے وغیرہ بنا لو پھر کر لینا استری' آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں۔"

یوں تو شوبی کا یہ لب و لہجہ' یہ حاکمانہ رویہ روز کا معمول تھا' مگر آج بلال کے سامنے شوبی کا یہ حقارت بھرا لہجہ' مشکوک انداز سے پانی پانی کر گیا۔

"گھر میں ڈھیروں لڑکیاں ہیں اور غالباً سب کو چائے بنانا آتی ہے یا تمہارے ہاتھوں میں کوئی خاص بات ہے یا تمہارے علاوہ کوئی اچھا کام کر ہی نہیں سکتا؟"

وہ مستقل بلال کے سامنے اس کی توہین کیے جا رہا تھا۔ احساس ذلت سے اس کی ٹانگیں لرزنے لگیں' آنکھوں کے گوشے تر ہونے لگے۔

"خدانخواستہ مجھے ایسی کوئی بیماری نہیں ہے شوبی بھائی کہ میں خود کو کچھ سمجھوں۔" وہ کہنے لگی۔

"جو کچھ ہوتے ہیں' وہ اپنے گھروں میں اپنے باپ بھائی کے ساتھ آباد ہوتے ہیں' جن پر خدا مہربان ہوتا ہے۔ ہم تو دوسروں کے ٹکڑوں پر پلنے والے ہیں' ہم کیا ہو سکتے ہیں۔"

اسے طیش آ گیا۔ ابھی تو اس نے صرف زیب کی زبان کے الفاظ سنے تھے۔ سوچ پڑھ لیتا تو شوبی سے ضرور الجھتا' مگر اس طرح وہ زیب کی حمایت کر کے زیب کیلئے مشکلات پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ راہداری سے جاتے ہوئے بلال نے سنا' وہ کہہ رہا تھا۔

"زیب! میں نے تمہیں کہہ رکھا ہے کہ میرے کام صرف تم کیا کرو گی...... سمجھیں...... کوئی اور لڑکی میرا کوئی کام نہیں کرے گی۔"

"ہونہہ! چیپٹر!" بلال نے زمین پر پیر پٹخا اور آگے بڑھ گیا۔

آنکھوں میں لبالب آنسو بھرے زیب سوچ رہی تھی کہ شوبی سے پوچھے اس حکم کا مطلب کیا ہے؟ کیا وہ اس کی زر خرید لونڈی ہے یا منکوحہ کہ اس کا ہر کام اسی پر واجب ہے' مگر یہاں تو حکم و زبان بندی تھا۔ زبان کھولنے پر زبان تو نہیں کاٹی جاتی تھی مگر تنک حرامی اور ٹکڑوں پر پلنے اور پھر گستاخی کا جو طعنہ دیا جاتا وہ نہ تو نسیمہ بیگم سے برداشت ہوتا اور نہ ہی زیب سے...... باقی تینوں تو چھوٹے تھے۔

"زیب! ابھی تک چائے نہیں لگی تمہاری' آج کل لڑکیاں تو اس قدر سست ہو گئی ہیں' چلو یہ تو اپنے گھر کے لوگ ہیں اگر کوئی اور مہمان آیا ہو تو...... اور شوبی! تم یہاں کیا کر رہے ہو سب کو چھوڑ کر؟"

آسیہ بیگم جو چائے جلدی نہ تیار کرنے پر زیب کو ڈانٹ رہی تھیں شوبی کو وہاں دیکھ کر خاصی مشکوک نظروں سے پہلے شوبی کو اور پھر زیب کو دیکھا' جو شوبی کے ہاتھوں ملنے والی ذلت ہی ہضم نہیں کر پائی تھی کہ مزید تازیانہ پڑا۔

"امی جان! گھر میں ڈھیروں لڑکیاں ہیں' چائے بنانے کو یہ ہی رہ گئی تھی۔ اسے کپڑے استری کرنے کو دیئے تھے' وہ محترمہ نے کیے ہی نہیں' چائے بنانے چلی آئیں۔"

شوبی نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

اس کے لہجے کی چبھن زیب نے دل میں محسوس کی اور اس کے کپڑے استری کرنے چلی گئی۔

"ارے میاں لڑکیوں کی خوب کہی تم نے۔ فائزہ تو خیر ٹھہری اپنی ممانی کی لاڈلی۔ وہ اسے لپٹائے بیٹھی ہیں دوسری لڑکیاں ذرا ہنس بول رہی ہیں۔ بہنیں کافی دنوں بعد ملی ہیں' اور بھیا! شنزرا بی بی تو باری کے کام سے ایک کام بھی زیادہ کر کے نہیں دیتیں۔ کوئی کام کہو فوراً کہہ دیں گی' میں اپنی باری کا کام کر چکی ہوں' یہ سب تمہارے باوا کا قصور ہے۔ سر پہ چڑھایا ہے بھانجیوں کو' یہ شنزرا تو مجھے لگتا ہے' ضرور ناک کٹوائے گی۔

آسیہ بیگم کو تو شنزرا کے خلاف بولنے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ قصور کسی کا ہو ڈانٹ ساری اسی کے نام ہو گی۔ بیٹیاں جوان ہو جائیں تو ماؤں کی نظریں اچھے اور قابل لڑکوں کی تلاش کرتی رہتی ہیں اور نظر آ جائیں تو جلدی سے قابو کر لینا چاہتی ہیں۔

زاہدہ بیگم کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ ایک تو بلال خاندان بھر کا سمارٹ اور خوبرو لڑکا تھا' دوسرے سول انجینئر بن رہا تھا' پھر زاہدہ بیگم کیسے نہ فدا ہوتیں۔

"صائمہ...... او صائمہ......!"

زاہدہ بیگم نے کمرے سے نکل کر آہستگی سے صائمہ کو پکارا۔

"جی امی خیریت؟" صائمہ آنکھوں میں سوال لئے کھڑی تھی۔

"ہاں کمرے میں جاؤ ڈھنگ کے کپڑے پہنو اور ایسا میک اپ کرو کہ محسوس نہ ہو کہ کیا ہوا ہے۔ میں کچن میں جا رہی ہوں...... تیار ہو کر وہیں آ جانا اور تم خود چائے سب کو سرو کرنا اور سنو بلال کا خاص خیال رکھا کرو۔

پہلے تو صائمہ کی سمجھ میں ماں کی بات نہیں آئی تھی' مگر جب بلال کا ذکر آیا تو دل دھڑک اٹھا اور جی چاہا کہہ دے کہ امی آپ کیا جانیں اس کے...... علاوہ خیال ہی کس کا آتا ہے۔ بس جی اچھا کہہ کر بھاگ گئی۔

"خیریت بھابی جان! آپ خود کاموں میں لگی ہوئی ہیں' یہ نسیمہ باجی اور لڑکیاں کہاں ہیں؟ میں نے تو زیب کو چائے کا کہا تھا' پھر آپ کیوں؟"

کام سارا ہو چکا تھا آسیہ بیگم بس دیکھ رہی تھیں کہ زاہدہ بیگم اپنی محبتیں لٹاتی آن موجود ہوئیں۔ آسیہ بیگم نے ایک ناگوار سی نگاہ ان پر ڈالی' جو بلال کی وجہ سے ان کے پاؤں کی جوتی بنی جا رہی تھیں' جبکہ ان کو بلال جیسے خوبرو لڑکے کیلئے صائمہ جیسی سانولی سی رنگت اور معمولی نقوش والی لڑکی قطعی پسند نہیں تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ یہ بات برداشت کر ہی نہیں سکتی تھیں کہ اس گھر کی کوئی لڑکی ان کی فائزہ کے مقابل اس گھر میں جائے۔

"ہاں بس کام تو ہو ہی چکا ہے اب فائزہ یا کسی اور لڑکی کو بلاؤ' چائے لے آئیں' اتنی دیر ہو گئی۔ بھابی جان ویسے ہی ذرا امزاج کی تیز ہیں۔ جانے کیا سے کیا سوچ ڈالیں۔"

"فائزہ...... فائزہ بیٹے! آؤ چائے لے جاؤ۔"

آسیہ بیگم نے وہیں سے فائزہ کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ فائزہ ماموں مامی کی نظروں میں پیش پیش ہو۔

"ارے بھابی جان! فائزہ کو بیٹھا رہنے دیں رابعہ بھابی کے پاس' صائمہ لے جاتی ہے چائے۔"

ادھر زاہدہ بیگم نے صائمہ کو آواز دی۔ وہ بوتل کے جن کی طرح حاضر ہو گئی۔

ہلکے گلابی رنگ کے لباس پر مدھم سا میک اپ تھا۔ یہ تیاری دیکھ کر آسیہ بیگم نے ایک چبھتی سی نگاہ اس پر ڈالی۔

"ہونہہ! یہ مقابلہ کرے گی میری بیٹی کا۔"

آسیہ بیگم کی نظروں میں اپنی خوبصورت اور سرخ و سفید رنگت والی فائزہ گھوم گئی۔

ہال کمرے میں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ بزرگ اپنی باتوں میں لگے ہوئے تھے اور بچوں نے ایک ہڑبونگ مچائی ہوئی تھی۔

"آپ یہ کباب لیجئے ناں بلال۔"

ماں نے نظروں سے اشارہ کیا تو صائمہ نے جھٹ کبابوں والی پلیٹ بلال کی طرف بڑھائی۔

بلال حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا' جو ایک دم ہی بلال بھائی سے صرف بلال پر آ گئی تھی۔

"نہیں شکریہ' اس وقت کسی چیز کی طلب نہیں۔"

زیب کی بے عزتی کے بعد تو وہ ایک پل بھی یہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا' مگر مجبوری تھی۔

فائزہ الگ طلال کو نخرے دکھا رہی تھی۔ خواہ مخواہ ہی مامی سے لپٹے جا رہی تھی جبکہ رابعہ بیگم کی کسی بات سے پسندیدگی کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"طلال بیٹے! ہاؤس جاب کے بعد کیا ارادے ہیں' پرائیویٹ کلینک کرو گے یا......؟"

شوکت حسین نے طلال سے پوچھا جو آج کل ہاؤس جاب کر رہا تھا۔

"انکل میری اور ابو کی خواہش تو ہے کہ آرمی جوائن کرلوں اور پکا ارادہ بھی ہے' اگر خدا کو منظور ہوا تو یقیناً آپ مجھے کیپٹن ڈاکٹر کے روپ میں دیکھیں گے انشاء اللہ۔"

آرمی میڈیکل طلال کا خواب تھا۔ اب اس کی تعبیر کا وقت آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ روشن ہو گیا تھا۔

"انشاء اللہ' اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے بیٹا۔" شوکت حسین نے دعا دی تو آسیہ بیگم نے نظروں ہی نظروں میں اس کی بلائیں لیں۔ فائزہ کو تو اپنی قسمت پر رشک آنے لگا تھا کہ ایک خوبرو مستقبل کا آفیسر اس کا ہو جائے گا۔ اس نے اترا کر باقی کزنز کو دیکھا جن کے چہروں پر اسے خواہ مخواہ ہی حسد اور رشک کے سائے لہراتے نظر آئے۔

"نسیمہ!" ظہیر احمد نے سب سے الگ تھلگ خاموش بیٹھی نسیمہ بیگم کو پکارا۔

"جی ظہیر بھائی۔" نسیمہ بیگم چونک کر مڑیں۔

"اتنا شور ہنگامہ ہے' سب ہنس بول رہے ہیں' میں دیکھ رہا ہوں کہ تم بہت چپ چپ ہو' ہنسا بولا کرو۔ کیا بات ہے' کچھ کمزور بھی لگ رہی ہو؟"

نسیمہ بیگم کو کسی زمانے میں ظہیر احمد نے شدت سے چاہا تھا۔ اور پہلی محبت تو ہمیشہ ہی عزیز رہتی ہے۔ اس وقت وہ انتہائی افسردہ سی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو۔ ایک بیٹا جیتے جی مر چکا ہو' جس کی کوئی خیر خبر نہ ہو' جیتا ہے کہ مرتا ہے۔ تین بیٹیوں اور ایک بیٹے کا ساتھ' بھائیوں اور بھابیوں کے در پر ہو اور ہر وقت ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ ملتا ہو تو وہ بھلا خوش کیسے رہ سکتی ہے۔

"ارے نہیں ظہیر بھائی! ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ نے کافی دنوں بعد دیکھا ہے ناں شاید اس لئے محسوس کر رہے ہوں' میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

"دیکھو نسیمہ! میرے اور تمہارے درمیان ایک اور بھی رشتہ ہے۔ کزن ہیں ہم دونوں حق ہے تمہارا اور تمہارے بچوں کا مجھ پر' کوئی ایسی بات ہو' ضرورت ہو ضرور بتایا کرو۔ آج تک تم نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی' کوئی سکھ یا دکھ کی بات...... اس کا مطلب ہے' والدین کے مرنے کے ساتھ ہی ہمارا تعلق بھی ختم ہو گیا۔"

ظہیر احمد نے دھیمی آواز میں بولتے ہوئے نسیمہ بیگم کے چہرے کو دیکھا' جس پر دکھ کے سائے منڈلا رہے تھے' جو اتنی رونق اور اتنے لوگوں کے ہجوم میں بھی بالکل تنہا لگ رہی تھیں۔

"کیسی بات کرتے ہیں ظہیر بھائی! میں نے تو کبھی ان تینوں میں اور آپ میں فرق محسوس نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے بھائی لاکھوں میں ایک ہیں۔ انہوں نے کبھی کسی کمی یا ضرورت کا احساس ہی نہیں ہونے دیا اور ہو گا تو آپ لوگوں کے پاس ہی تو آؤں گی اور کہاں جانا ہے مجھے؟ کون ہے میرا......؟" نسیمہ بیگم کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔

"کتنے رو رہی ہوں گی اپنے ...... ذلیل کر کے رکھ دیں گی یہ ہمیں بھیا کی نظروں میں۔ پ

ہے اس روز بھی جب ظہیر بھائی اور بھابی ہو کر گئے تھے جب میں ان کے یہاں گئی تو ظہیر بھائی کہنے لگے کہ نسیمہ تم لوگوں پر بوجھ نہیں' فرض ہے تم لوگوں کا اسے اور اس کی اولاد کو اچھی خوشحال زندگی دو۔ یقیناً انہوں نے دکھڑے روئے ہوں گے' تب ہی تو وہ کہہ رہے تھے' ورنہ ان کو الہام ہوتا تھا۔"

ظہیر احمد اور نسیمہ سے کافی فاصلے پر بیٹھیں آسیہ اور زاہدہ بیگم کڑھ رہی تھیں۔ ان دونوں کو یقین تھا کہ نسیمہ بیگم ان ہی کی شکایات کر رہی ہوں گی۔

"سو فیصد درست کہہ رہی ہیں آپ' یہ نسیمہ باجی تو ہیں ہی فسادی۔ آپ ہی تو بتایا کرتی تھیں کہ کتنی گڑبڑ کی تھی شادی کے معاملے میں۔ پہلے تو ظہیر بھائی کو قبول نہیں کیا اور اب ہونہہ! معصوم صورت بنا کر پیش ہو جاتی ہیں ان کے سامنے۔ اول درجے کی مکار لگتی ہیں اور بیٹیاں بھی خیر سے ماں پر ہی گئی ہیں۔ صدف اور زیب تو گھنی ہیں۔ خاموش رہ کر اپنا کام کرتی ہیں مگر بھابی جان خدا بچائے اس شذرا سے مجھے تو خوف آتا ہے اس چنڈال سے۔ ضرور کچھ نہ کچھ کر کے دکھائے گی میرے اسد کے تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑی رہتی ہے۔ بھائی جان نے سر چڑھایا ہوا ہے اسے۔ اس وقت مشتاق نے کہا تھا کہ الگ گھر لے کر خرچ دے دیا کریں گے مگر بھائی جان ہی نہیں مانے۔ ان کو تو کچھ زیادہ ہی بہن سے محبت ہے۔"

زاہدہ بیگم کو بھی دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا تھا۔

"بچوں جیسی بات نہ کرو زاہدہ! ابھی بھی ہے الگ گھر لے کر دینے میں کتنا خرچ اٹھتا۔ مکان کا کرایہ دیتے' دیگر اخراجات اور پھر لڑکیوں کا ساتھ۔ اب کم از کم کچھ کام ہی ہو جاتا ہے۔"

"ارے بھئی زاہدہ! آسیہ! ایسی کون سی راز داریاں ہیں کہ چھپکے چھپکے باتیں ہو رہی ہیں۔"

رابعہ بیگم پہلے تو فائزہ اور صائمہ کے ساتھ لگی رہیں' چونکہ دونوں کے ذہنوں میں یہ بات ڈال دی گئی تھی کہ یہ تم دونوں کی ساس ہیں لہٰذا ان کا دل بہلانا ہے' اس لئے وہ سارا وقت ان کے آگے پیچھے ہوتی رہیں۔ بالآخر رابعہ بیگم بور ہو کر خود ہی اٹھ کر ان دونوں خواتین کے پاس آ گئیں تو دونوں یوں احتراماً کھڑی ہوئیں جیسے کوئی آفیسر آ گیا ہو۔ یہ پروٹوکول ان کو کچھ عرصہ قبل ہی دیا جانے لگا تھا' ورنہ اس سے قبل تو یہ صورت حال نہیں تھی۔

"ارے بھئی بیٹھو' کھڑی کیوں ہو گئیں۔" رابعہ بیگم کچھ سوچ کر مسکراتے ہوئے بولیں تو دونوں جھٹ بیٹھ گئیں۔ گویا ذرا دیر ہو گئی تو سزا مل جائے گی۔

آج کی اس محفل میں سب سے زیادہ بور بلال ہو رہا تھا۔ اس کا موڈ آتے ہی خراب ہو گیا تھا۔ اسے رہ رہ کر شعیب پر غصہ آ رہا تھا جو زیب پر یوں حکم چلاتا تھا' گویا وہ اس کی زر خرید غلام ہو۔ ان کا تو جانے کب اٹھنے کا موڈ بنے' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں بلال بیٹے' کھڑے کیوں ہو گئے؟" زاہدہ ایک دم تڑپ کر اٹھیں۔

"بس آنٹی ایک تو ابھی مجھے ایک دوست سے بھی ملنا ہے۔ نوٹس کے سلسلے میں اور دوسرے صبح یونیورسٹی بھی جانا ہوتا ہے پھر مسئلہ ہو جاتا ہے۔" وہ برا سا منہ بنا کر بولا۔

"چلو' میں بھی چلتا ہوں مجھے بھی ایک جگہ جانا ہے۔" طلال بھی کھڑا ہو گیا تو فائزہ' صائمہ اور ان کی مائیں بجھ کر رہ گئیں۔

"اتنی جلدی کیوں' چاند؟ کسی اور جگہ پھر کبھی چلے جانا' آج تو تم لوگ یہیں رہو۔ بھیا' بھابی

بھلے چلے جائیں۔" آسیہ بیگم نے بلال کا ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا۔

"چلیں جی ہماری نند تو ہمیں ایک رات رکھنے کو تیار نہیں' چلئے ظہیر چلتے ہیں۔"

رابعہ بیگم پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ مذاق سمجھتی بھی تھیں اور کرنا بھی جانتی تھیں۔ انہوں نے ازراہ مذاق کہا تو زاہدہ بیگم جلدی سے آگے بڑھیں۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں بھابی جان' یہ آپ لوگوں کا اپنا گھر ہے جم جم رہیں یہاں۔"

زاہدہ بیگم نے انہیں اپنے ساتھ لپٹا کر کہا تو وہ مسکرا کر رہ گئیں اس تبدیلی پر۔

"ارے نہیں زاہدہ! میں تو مذاق کر رہی تھی' اب چلتے ہیں۔ جمال پڑھ کر آ گیا ہو گا۔ سب کو غیر حاضر پا کر پریشان ہو جائے گا۔"

رابعہ بیگم کو جمال سے جو نادیہ سے چھوٹا تھا' کچھ زیادہ ہی پیار تھا۔ وہ بی کام کے فرسٹ ایئر میں تھا۔

"مامی! ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ جمال کو جا کر بھیج دیں۔ آج رات ہمارا رت جگے کا پروگرام ہے۔"

منیب اور جمال کی خاصی دوستی تھی اس لئے وہ اس کو مس کر رہا تھا۔

"جی مامی! آج رات ہم بھیا کے پاس ہونے کی خوشی میں رت جگا کریں گے' جشن منائیں گے۔"

ہما نے پیار سے اسد کو دیکھا جو اترائے جا رہا تھا۔

"ارے واہ! میری اتنی نمایاں کامیابی اور میڈیکل میں ایڈمیشن کا جشن اتنا معمولی ہو گا' کیوں ابو!"

اسد نے شکایتی لہجے میں کہا تو وہ ولار سے اس کی طرف بڑھنے لگے مگر انہوں نے نیچے دیکھا نہیں اور پاؤں چائے کے برتنوں سے بھری ٹرالی میں الجھ گیا۔ وہ خود بھی گرتے گرتے بچے اور برتن بھی لڑھک کر زمین پر آ رہے۔

"گھنٹہ ہو گیا ہے چائے پیے ہوئے' مگر برتن وہیں دھرے ہیں۔ شنذرا کبھی ہاتھ پاؤں ہلا لیا کرو تم بھی۔"

مشتاق احمد کو اتنی ڈھیر ساری لڑکیوں میں شنذرا ہی مجرم نظر آئی۔ شنذرا کو یوں لگا جیسے کسی نے اسے تھپڑ مار دیا ہو۔ مہمان کیا سمجھیں گے کہ یہ لڑکیاں اتنی نکمی ہیں کہ کوئی کام نہیں کرتیں' مگر یہ تو مشتاق ماموں کا وطیرہ تھا۔ مہمانوں کے سامنے ان کو ذلیل کرنا۔ نسیمہ بیگم کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا کہ کہیں شنذرا کچھ بک نہ دے مگر وہ چپ رہی' لیکن اپنی جگہ سے اٹھی بھی نہیں۔

"توبہ کریں جی! شنذرا اپنی باری کے علاوہ کام نہیں کیا کرتیں۔ آج ان کی باری نہیں تھی' تو کیوں کسی کام کو ہاتھ لگاتیں یہ۔"

زاہدہ بیگم نے جلتی پر تیل ڈالا تو شنذرا کا جی چاہا کہ مہمانوں کے سامنے چیخ پڑے کہ یہ باری کا رواج تمہاری ہی بیٹیوں نے ڈالا ہوا ہے وہ ایک کام کرنے کے بعد دوسرے کو ہاتھ نہیں لگاتیں۔ باری نہ ہونے کے باوجود صبح سے ہزاروں کام نمٹا چکی ہوں۔

ماں کی سانس رکی ہوئی تھی اور اس میں ضبط کا یارانہ رہا تھا۔ وہ باہر نکل گئی۔

"نجانے یہ لڑکی کس پر گئی ہے۔ صدف چلو بیٹا! تم اٹھاؤ برتن۔"

آسیہ بیگم کے کہنے پر صدف برقی انداز میں اٹھی اور برتن سمیٹ کر لے گئی۔ ویسے بھی بھری محفل میں بہن اور ماں کی بے عزتی پر وہ وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ نسیمہ بیگم کا بس چلتا تو زمین میں گڑ جاتیں۔ کتنے بڑے الزامات لگا دیئے تھے بھابیوں نے ان کی معصوم بیٹیوں پر۔ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی تھیں مگر بدنصیبی نے ان سے کسی بھی احتجاج' کسی بھی جواب کا حق چھین لیا تھا۔ وہ لب سیے تماشا دیکھتی رہتیں۔ آج تو ان کیلئے غنیمت تھا کہ شنذرا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"چلو بھئی لڑکیو! کافی دیر ہو گئی۔" ظہیر احمد دانستہ نسیمہ بیگم اور ان کی بچیوں کی طرف داری نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنی بہن اور زاہدہ بیگم کی کم ظرفی کو بڑی اچھی طرح جانتے تھے۔ طلال اور بلال تو پہلے سے ہی اٹھ چکے تھے۔ باپ کے حکم پر لڑکیاں بھی تیار ہو گئیں' تو سب پر اوس پڑ گئی۔ انہوں نے بہت سے پروگرام بنائے تھے' آج کی رات کیلئے...... سب ختم ہو گئے۔

"یہ سب لوگ ہیں ہی منحوس' ہر کام میں گڑبڑ کر دیتی ہیں۔"

باہر نکلتے ہوئے نسیمہ نے خود اپنے کانوں سے سنا' مگر وہ صرف سننے کا حق رکھتی تھیں' بولنے کا نہیں' کیونکہ بدقسمتی نے ان کے ہونٹ مقفل کر دیئے تھے۔

"اچھا بھئی اب چلتے ہیں' جشن کا پروگرام پھر بنا لینا۔"

"پھر نہیں انکل! میں کل ہی آؤں گا آپ لوگوں کو انوائٹ کرنے۔"

"جی ہاں بھائی صاحب! کوئی معمولی خوشی تو نہیں خدا نے دی۔ ہمارا اکلوتا بیٹا ہے۔ ہم دھوم دھام سے خوشی منائیں گے۔"

زاہدہ بیگم نے اسد کو ساتھ لگا لیا' جو بہت خوش تھا۔

"اچھا بھئی جیسی تم لوگوں کی مرضی۔"

وہ لوگ چلے گئے تو یک دم سناٹا چھا گیا۔ لڑکیاں لڑکے خاصے بے مزہ سے ہو گئے۔

☆......☆......☆

"شنذرا! کیا ہوا کیوں روئے جا رہی ہو۔"

شنذرا آ کر مستقل روئے جا رہی تھی اور زیب جو شوبی کے کام سے فرصت پانے کے بعد اس کے کمرے میں آ گئی تھی۔ شنذرا کو روتے دیکھ کر قریب آ کر پوچھ رہی تھی۔

"یہاں کوئی لمحہ کچھ ہوئے بغیر گزر سکتا ہے' خدا کرے مر جائیں یہ سب لوگ۔ ان کی اولادیں بھی دربدر ہوں' یتیم ہوں۔ دوسرے لوگوں کے سامنے خوار ہوں' تب...... تب ان کو پتا چلے کہ کسی بے آسرا کو ذلیل کس طرح کیا جاتا ہے۔ مہمانوں کے سامنے کس طرح رسوا کیا جاتا ہے' مر جائیں' کوئی بھی باقی نہ رہے۔"

شنذرا کا دل بہت دکھا ہوا تھا۔ وہ جذباتی لڑکی تھی۔ برداشت کا مادہ اس میں نہ ہونے کے برابر تھا اور اس کے کچھ اختیار میں نہیں تھا' سو وہ انہیں کوسے چلی گئی۔

"بری بات ہے شنذرا پتا بھی ہے جن کو تم بددعائیں دے رہی ہو وہ ہمارے ماموں ہیں' مامیاں

ہیں' اگر ان کو کچھ ہو گیا تو کیا ہمیں دکھ نہیں ہو گا؟ دیکھو ناں کون کرتا ہے اتنا' اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے' یہ بھی کم نہیں ہے۔ اتنے ڈھیر سارے لوگوں کی ذمہ داری کم نہیں ہوتی' مت بددعائیں دیا کرو ان کو۔"

"اپنی نصیحتیں اپنے پاس ہی رکھو بجو! نفرت ہے مجھے ان سب سے۔ خدا کی قسم جتنی انا ہماری یہاں مجروح ہوتی ہے' اگر ہماری ماں فٹ پاتھ پر بھیک مانگ کر ہمیں پالتی ناں تو شاید اس میں بھی اتنی بے عزتی نہ ہوتی۔ جتنی یہاں ہوتی ہے۔ صبح سے رات تک کاموں میں جتے رہتے ہیں' محترمہ مامی آسیہ صاحبہ فرما رہی تھیں' کہ یہ باری کے علاوہ کام نہیں کرتیں۔ مہمانوں کے سامنے یوں ذلیل کرتی ہیں' اب ان کو کون بتائے کہ تین دن سے جمعدار نہیں آ رہا تو باتھ روم اور لیٹرین کون صاف کرتا ہے۔ ان کی اپنی لاڈلیاں کیا کرتی ہیں' اگر کبھی جھاڑ پونچھ کر لیں تو اتنے ہی میں وہ لوگ تھکن سے چور ہو جاتی ہیں۔ ماما کیا صدقے واری ہو جاتی ہیں کہ بیٹیاں تھک گئیں' وٹامن دیئے جا رہے ہیں' دودھ کے گلاس بھر...... بھر کے دیئے جا رہے ہیں' اس لئے ناں کہ ان کے باپ زندہ ہیں' بھائی سلامت ہیں۔ ہمارا کون ہے' جس کے سہارے ہم نخرے دکھائیں۔ باپ تو قدرت نے چھین لیا اور بھائی بھی خودغرض' خود کو بچا کر لے گیا اس جہنم سے...... اے اللہ پاک' باپوں کو موت نہ دیا کر...... اور دیا کر تو ان کے بیوی بچوں کو بھی اٹھا لیا کر۔"

"بس کرو میری جان! میری شذرا ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔"

نسیمہ بیگم شذرا کے پیچھے ہی چلی آئی تھیں۔ دروازہ کھلا تھا' مگر ان دونوں بہنوں کی دروازے کی جانب پشت تھی۔ وہ دونوں کی باتیں سن رہی تھیں' جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو آگے بڑھیں اور دونوں کو ساتھ لگا لیا۔ وہ ماں تھیں' اپنی اولاد بھی سامنے تھی' اپنی مجبوریاں بھی اور گھر والوں کا رویہ بھی' وہ کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں سوائے صبر کے۔

"میری بچیو! خدا واحد ہے' وہی سب کا خالق ہے اور رازق ہے' اسے اپنے بندوں سے بے حد پیار ہے۔ وہ چاہے تو سب کو یکساں خوشیاں اور یکساں غم دے سکتا ہے تاہم کوئی کسی کو کچھ نہ کہہ سکے' مگر وہ عادل بادشاہ انسان کو آزماتا ہے۔ کسی کو نواز کر اور کسی سے چھین کر تو میری بچیو! خدا ان کو اور ہم کو آزما رہا ہے کہ کون اس آزمائش میں پورا اترتا ہے' خدا پر بھروسہ رکھو انشاء اللہ اچھے دن بھی آ جائیں گے۔"

انہوں نے دونوں کی پیشانیوں کو چومتے ہوئے سمجھایا تو شذرا کو اپنی صابر ماں پر شدت سے پیار آ گیا۔

"امی! کاش آپ جتنا صبر' برداشت مجھ میں بھی ہوتا' مگر کیا کروں غلط بات برداشت نہیں ہوتی۔" وہ ماں سے لپٹ گئی۔ کتنی ٹھنڈی' کتنی پرسکون جگہ تھی ماں کی گود۔

"زیب بیٹی! جاؤ ذرا صدف کی مدد کرو' ڈھیر سارے برتن لے کر بیٹھی ہے۔ بھابی نے صبا اور ہما سے کہا تھا' مگر صبا کے ہاتھ میں درد نکل آیا اور ہما کو نیند آ رہی تھی اور فائزہ تو......"

"دیکھا...... دیکھا امی! ایسی ہی باتوں پر غصہ آتا ہے مجھے' ان لڑکیوں کو سرخاب کے پر لگے ہیں۔ پتا ہے آپ کو' بڑی اور چھوٹی مامی اپنی لڑکیوں سے کپڑے اور برتن اس لئے نہیں دھلواتیں کہ ہاتھ خراب ہوتے ہیں' مگر دیکھا میرے اللہ کا انصاف کہ ان کے ہاتھوں سے بڑھ کر کسی کے ہاتھ خوبصورت ہیں' جو زیادہ تر کپڑے اور برتن ہی دھوتے ہیں۔"

شذرا نے زیب کے خوبصورت نرم و ملائم ہاتھوں کو پہلے چوما پھر بھیگی آنکھوں سے لگا لیا۔

"جب خدا کے انصاف پر اتنا ایمان ہے تو پھر یہ آنسو' یہ واویلا' یہ بے صبری' یہ ناشکری کس لئے؟" نسیمہ بیگم نے اس کے چہرے پر آنسوؤں سے چپک جانے والے بال ہٹاتے ہوئے کہا۔

"انسان ہوں ناں امی جان۔"

"انسان بھی ہو اور پاگل بھی ہو۔"

زیب نے مسکرا کر شذرا کو دیکھا جو بچی بنی ماں کی گود میں سمٹی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

گو کہ کجل کو دوبارہ یونیورسٹی جانے کی اجازت ڈاکٹر احسان کے توسط سے مل چکی تھی' مگر وہ ابھی تک اس دھچکے سے نہیں نکل پائی تھی کہ اتنی معمولی بات پر اس سے یونیورسٹی چھڑوائی بھی جا سکتی ہے۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"واہ ری زندگی! تیرے کھیل بھی کتنے نرالے ہیں۔ بے چاری بجو! یہ بات مجھے نہیں بتا سکتی تھیں' تب ہی تو اس روز کہا تھا کہ یونیورسٹی نہ جاؤ' برا خواب دیکھا ہے۔ مائی سویٹ بجو!"

اسے فاطمہ کی عدم موجودگی میں اس پر پیار آ گیا۔ بہرحال وہ خوش تھی کہ وہ پھر کل سے یونیورسٹی جائے گی۔

"پپا کو تو تھینکس کہا ہی نہیں' ابھی جا کر کہہ آتی ہوں۔"

وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے آئی۔

ممی پپا لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

"ہیلو پپا ممی!"

وہ زور سے بولتے ہوئے فاروق احمد کی کرسی کے قریب ہی نیچے گھاس پر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو ڈیئر؟" فاروق احمد نے اخبار سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔

"آئی ایم ویری فائن پپا اور تھینک یو سو مچ۔"

وہ کھڑی ہوئی اور ان کے گلے میں بازو ڈال کر شکریہ ادا کرنے لگی۔

"بے بی آئندہ تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ اب کوئی گڑبڑ نہیں ہونی چاہئے' ورنہ......؟"

"نو...... نو پپا! ہرگز نہیں' اب آپ کو کم از کم یونیورسٹی کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ملے گی' پرامس۔"

اس نے پپا کے بھاری ہاتھ میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ دے کر وعدہ کیا اور ان کے رخسار پر پیار کرتے ہوئے اندر بھاگ گئی۔

"آج بے بی کو کافی دنوں کے بعد فریش دیکھا ہے' ورنہ تو مرجھا کر رہ گئی تھی۔"

صوفیہ بیگم' کجل کو آج اتنے دنوں بعد خوش اور فریش دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں۔

"تم نے بے بی میں ایک بات نوٹ کی' وہ اب ہر معاملے میں اپنی بات منوانے لگی ہے اور تمہیں معلوم ہے' اپنی کسی اولاد میں خصوصاً لڑکیوں میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتا۔"

فاروق احمد کے لہجے میں غصہ بھی تھا اور آئندہ کیلئے تنبیہ بھی کہ آئندہ ایسی بات نہ ہو' ورنہ ان کی بھی خیر نہیں۔

"ارے نہیں فاروق! سب سے چھوٹی ہے ناں' شروع ہی سے سب کی لاڈلی رہی ہے۔ اس نے ہمیشہ ہماری محبتوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی ضد پوری کروائی ہے۔"

صوفیہ بیگم نے فاروق احمد کے پرجلال چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صوفیہ بیگم! اسے باور کروا دو کہ نہ تو وہ اب چھوٹی رہی ہے اور نہ ہی آئندہ ایسی کوئی ضد پوری کی جائے گی جس سے مجھے اختلاف ہو۔ سمجھا دینا اچھی طرح۔" فاروق احمد کا لہجہ قطعی تھا۔

"اوہو آپ' بے بی میں الجھ گئے' میں آپ کو آمنہ کے بارے میں بتانا چاہ رہی تھی۔"

"کیوں کیا ہوا؟ کیا کیا ہے آمنہ نے؟" فاروق احمد چونک پڑے۔

"اسے کیا ہونا ہے؟ وہ مسز فیض نے ضد پکڑی ہوئی ہے آمنہ کیلئے...... ان کا بیٹا امریکہ سے انجینئرنگ کر کے آیا ہے اور آمنہ ان کو پسند ہے لہٰذا ہم ہاں کریں۔"

"واٹ! یہ سلسلہ ابھی تک چل رہا ہے' تم نے انکار نہیں کیا۔"

مسز فیض کے نام پر فاروق احمد بھڑک اٹھے۔

"کوئی ایک بار' مگر وہ ڈھیٹ بنی ہوئی ہیں کہ......"

"شٹ اپ! یہ تمہاری کمزوری ہے' کہ وہ ابھی تک پیچھے پڑی ہوئی ہے۔ اسے بتا دو نہیں کرنی ہم نے شادی نو دولتیے چار پیسے کیا ہاتھ آ جاتے ہیں' خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگتے ہیں۔ آئندہ نہ نام سنوں میں مسز فیض کا۔"

فاروق احمد نے اخبار زور سے میز پر پٹخا اور لاؤنج میں آ گئے۔ صوفیہ بیگم سہم سی گئیں۔

مسز فیض بھی ڈھیٹ نمبر ون تھیں۔ کسی زمانے میں اپنے بڑے بیٹے کیلئے فاطمہ کے پیچھے پڑی رہیں۔ اب اس کے بچے بھی بڑے بڑے تھے' اب چھوٹے کیلئے آمنہ کے پیچھے پڑ گئی تھیں۔ چڑ ہو گئی تھی۔ ان دونوں میاں بیوی کو ان سے۔

☆......☆......☆

"ہیلو نبیل سپیکنگ۔"

وہ اپنے بیڈ پر لیٹا ڈوبتے سورج کا نظارہ کر رہا تھا کہ فون کی بیل بجی...... اس وقت جب کہ وہ اپنے پسندیدہ قدرتی منظر کو دیکھ رہا تھا' بور ہو گیا...... وہ بوری آواز میں بولا۔

'ہاں امجد! کیسے ہو یار؟ اچھا ہوا تم نے فون کر لیا۔ قسم سے بڑا بور ہو رہا تھا۔"

وہ امجد کی آواز پر واقعی خوش ہو گیا تھا۔

"اچھا بوریت محسوس کر رہے تھے تو شادی کر ڈالو۔" امجد نے فوراً مشورہ داغ دیا۔

"کیوں جان جلاتا ہے یار! شادیاں تو یہاں اپنے بڑوں کی نہیں ہوئیں' ہماری کہاں سے ہو گی۔ اصل میں ہمارے ہاں شادیوں کا رواج نہیں۔ پتا نہیں پپا نے خود اپنی کیسے کر لی۔"

نبیل نے گہرا سانس لے کر فون بیڈ پر رکھا اور لیٹ گیا۔

"ویسے یار! تمہارے ہاں کا تو واقعی باوا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں تو ممی نے میرے لئے کئی لڑکیاں دیکھ ڈالی ہیں۔" امجد بہت خوش ہو کر بتا رہا تھا۔

نبیل ایک طرح کا احساس کمتری محسوس کرنے لگا تھا۔

"لکی ہو یار۔" نبیل کے لہجے میں انجانی سی حسرت تھی۔

"یار! اب اتنا بھی مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے پپا اگر شادی نہیں کرتے تو نہ کریں' تمہاری بوریت ختم کرنے کا ایک اچھا نسخہ ہے میرے پاس۔"

"کون سا...... کون سا یار! جلدی بتاؤ۔"

نبیل یوں بولا جیسے کسی مریض کو اس کا مرض ختم کرنے کی دوا کی خبر مل گئی ہو۔

"اطمینان رکھو پیارے' ممی کمرے میں آ گئی ہیں' چلی جائیں تو بتاتا ہوں۔"

امجد نے آہستگی سے کہا پھر تھوڑی دیر دونوں طرف خاموشی رہی۔

"ہاں تو نبیل بات یہ ہے کہ......"

"یار کیوں آتش شوق کو بھڑکا رہے ہو۔" نبیل کو غصہ آنے لگا۔

"یار اب ایسی بھی کیا بے قراری ہے۔ سنو تمہاری بے قراری اور بوریت کا حل بیگم جان کے پاس ہے۔" امجد نے بات اب بھی گھما کر کی۔

"یہ محترمہ کون ہیں؟" نبیل زچ ہو کر بولا۔

"بیگم جان دراصل وہ جن ہیں' جن کے قبضے میں کوہ قاف کی حسین و جمیل پریاں ہیں' جو تمہارے جیسے دل جلوں...... کا دل بہلاتی ہیں اور زندگی کی طرف بلاتی ہیں اور ہم جیسے امیر زادے ہی ان کے نخرے اٹھا سکتے ہیں اور وہ ہمارے بس...... اتنی سی بات ہے۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ......" نبیل اب سب کچھ سمجھ گیا تھا اور نہ صرف سمجھ گیا تھا' بات دل کو ایسی لگی کہ وہ آج ہی اسے عملی جامہ پہنانے پر تیار ہو گیا۔

"ہاں یہی بات ہے۔" امجد شوخی سے ہنسا۔

"پھر کب لے جاؤ گے پرستان؟" نبیل بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

"اپنے ممی' پپا کے ٹائمنگ کو دیکھتے ہوئے وقت اور دن مقرر کر لو تو بتا دینا' لیکن یہ احتیاط رہے کہ نہ اپنے گھر خبر ہونے دینا اور نہ میرے ہاں کسی کو پتا چلے۔"

امجد نے اسے احتیاطی تدابیر کے بارے میں ہدایات دیں۔

"ارے تم فکر نہ کرو ڈیئر! کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی' مگر اتنی اچھی بات اتنی دیر میں کیوں آئی تمہارے ذہن میں؟" نبیل بہت خوش تھا کہ زندگی میں کچھ رنگینی آئے گی' خواہ کسی ذریعے سے۔

"چلو دیر آید درست آید' سمجھ لو تو آئندہ تیار رہنا۔"

"ہائے۔" نبیل نے مسکرا کر ریسیور رکھ دیا' ورنہ تو وہ اس مشینی زندگی سے اکتا گیا تھا۔ کوئی خوشی' کوئی رنگینی نہیں تھی زندگی میں۔

☆......☆......☆

پورے پندرہ دن کے بعد نجل یونیورسٹی آئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے پندرہ دنوں بعد اس نے سانس لیا ہو۔ کتنی گھٹن تھی اس شیش محل میں۔ سب سے وہ یوں مل رہی تھی' گویا صدیوں بعد مل رہی ہو۔

رمضان بابا سمیت سب نے اس بات کو محسوس کیا تھا کہ وہ خاصی کمزور ہو گئی ہے۔

''بس بابا جان! نہ جانے کیسا بخار تھا کہ چپک کر رہ گیا تھا' اسی لئے تو یونیورسٹی نہیں آ رہی تھی' آپ سنائیں' آپ کیسے ہیں' گھر میں سب کا کیا حال ہے؟''

''تجل بڑے خلوص سے ان سے حال احوال پوچھ رہی تھی اور وہ بڑی تفصیل سے اسے بتا رہے تھے۔

''او ہیلو تجل! ویلکم بیک...... ہاؤ آر یو؟''

آصف' ماریہ' حنا اور حسن وغیرہ ایک ساتھ آ گئے۔ اسے دیکھ کر سب بے حد خوش ہوئے' وہ تو حنا اور ماریہ سے لپٹ گئی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں' تم لوگ تو ٹھیک ہو ناں' پورے کے پورے ہو ناں۔ ارے آف تمہارا دایاں کان کہاں رہ گیا؟''

''یار! گھر سے تو دونوں ساتھ تھے' کہیں ابا کے ہاتھ میں تو نہیں رہ گیا۔''

تجل نے جتنی بے ساختگی سے کہا تھا' آصف نے بھی اسی انداز میں بے ساختگی سے دونوں کانوں کو چھو کر کہا تو سب ہنس دیئے۔

''یار بڑے دنوں کے بعد ہنسنے میں آج مزہ آ رہا ہے۔ ویسے کون سی بیماری لاحق ہو گئی تھی تمہیں' اتنی کمزور ہو گئی ہو؟'' حسن نے بڑی گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا تو وہ نظریں چرا گئی۔

اب وہ کس کس کو اس کمزوری اور بیماری کا سبب بتاتی' یہ دکھ تو اس کی روح کے تھے اور روحوں پر لگے زخم کسی کو دکھائے نہیں جاتے۔

''اوہو بھئی' دفع کرو بیماری کو' بیچ میں تو ترس گئی تھی تم سب کیلئے۔ آج ہم کوئی کلاس نہیں لیں گے سارا دن گھومیں گے پوری یونیورسٹی میں۔''

وہ یونیورسٹی میں گھر سے متعلق ایک بات بھی سننا گوارا نہیں کرتی تھی۔

''سوری بھئی جمیلہ فاروق! ہمیں کیا خبر تھی کہ تم آج آؤ گی' ہم تیج نہ رکھتے' آج ہمارا میچ ہے' کل انشاءاللہ تمہاری صحت یابی کو سیلیبریٹ کریں گے' ابھی اجازت دو۔''

لڑکے جو پہلے ہی سفید کپڑوں میں کرکٹ کے کھلاڑی بن کر آئے تھے' ہاتھ ہلاتے آگے بڑھ گئے۔

''دفع ہو جاؤ ذلیلو! اتنے دنوں بعد آئی تو؟'' تجل کو غصہ آ گیا۔

''چلو آؤ تمہاری صحت یابی پر آج میری طرف سے جوس ہو جائے۔''

''ہیں سچ!'' ماریہ کے کہنے پر حنا اور تجل اچھل پڑیں۔

اپنے ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر وہ لوگ جغرافیہ اور جیالوجی سے ہوتے ہوئے مین روڈ پر آ گئیں۔ جوس کارنر سے ابھی...... وہ لوگ خاصی دور تھیں کہ تیز رفتار نیرو تجل کے انتہائی قریب سے گزری۔ اتنی قریب سے کہ وہ لڑکھڑا کر ساتھ چلتی حنا پر گری۔ دونوں لڑکیاں کچے پر جا گریں۔ کچھ دیر کیلئے تو دونوں کے دل دھڑکنا ہی بھول گئے۔

''تجل! حنا! [illegible]

تجل...... تجل!'' ماریہ نے گھبرا کر تجل کو اٹھایا' جس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔

''بدتمیز! جاہل! یہ ہوں گے سیاسی بدتمیز' یونیورسٹی میں غنڈہ گردی کرنے آتے ہیں۔''

حنا کپڑے جھاڑتے ہوئے اٹھی اور ان بدتمیزوں کو کوسنے لگی۔

''تجل' حنا وہ پھر آ رہے ہیں۔''

ماریہ نے اسی نیرو کو ریورس گیئر لگا کر پیچھے آتے دیکھا تو چلا پڑی' مگر اب تجل کے حواس بحال ہو گئے تھے اور وہ ان کو سنانے کیلئے خود کو تیار کر چکی تھی۔

نیرو اسی رفتار سے آئی اور ان کے قریب آ کر رک گئی۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھلا' ایک لمبا چوڑا سا بندہ سفید کلف شدہ شلوار سوٹ میں آہستگی سے چلتے ہوئے ان کے قریب آیا۔ ان تینوں کا تو جی چاہا' شہزادوں کی سی آن بان رکھنے والے اس خوبرو بندے پر چیلوں کی طرح جھپٹ پڑیں مگر یہ یونیورسٹی تھی جہاں اخلاقیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔

''سوری مس! میرے دوست کی شرارت کی وجہ سے آپ کو تکلیف ہوئی۔''

''مسٹر! یہ یونیورسٹی ہے' کوئی سٹیج یا کسی فلم کا سیٹ نہیں' بہت پرانا حربہ ہے کہ لڑکیوں سے لطف لینے کے چکروں میں ایک دوست بدتمیزی کرتا ہے' دوسرا ہیرو بننے کے چکر میں سوری کرنے چلا آتا ہے۔ ہم ایڈمن میں آپ کی شکایت کریں گے۔''

تجل تو جیسے پھٹ پڑی۔

''مس آپ غلط بیانی سے کام لے رہی ہیں' یہ محض ایک شرارت تھی۔ میرا دوست ذرا شوخ واقع ہوا ہے۔''

دوست تو گاڑی میں بیٹھا مزے سے گانے سن رہا تھا اور وہ وضاحتیں پیش کر رہا تھا۔ اس سے لڑکیوں کو مزید تپ چڑھ گئی۔

''تو اپنے دوست کو یونیورسٹی کے بجائے کسی سرکس میں لے جائیے' حد ہو گئی' کسی کی جان گئی اور ان کے دوست کی شرارت ٹھہری...... جو کرنہ ہوں تو......''

''مس! آپ زیادتی کر رہی ہیں میرے دوست کے ساتھ۔'' وہ بندہ اپنے دوست کیلئے کچھ زیادہ ہی نرم گوشہ رکھتا تھا۔

''اتنے ہی انصاف پسند ہیں تو روکا ہوتا اپنے دوست کو اس شرارت سے۔'' تجل نے غصے سے اسے دیکھا۔

''گاڑی کا اسٹیئرنگ اس کے ہاتھ میں تھا' میرے ہاتھ میں ہوتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔''

''یار تیمور! کیا وضاحتیں دے رہے ہو' کہہ کیوں نہیں دیتے' حسیناؤں سے شرارتیں کرنا ہمیں اچھا لگتا ہے۔'' اب دوسرا بھی باہر نکل آیا تھا۔

''شٹ اپ!'' تجل کا ہاتھ اٹھا' مگر تیمور نے بڑھ کر تجل کا اٹھا ہوا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

☆......☆......☆

"چھوڑو میرا ہاتھ جنگلی۔"

تجل نے تمتماتے چہرے اور سلگتی نگاہوں سے تیمور حیدر کو دیکھا' جس کے مضبوط ہاتھوں میں اس کی نازک کلائی چرمرا گئی تھی۔ تکلیف سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے لڑکیوں کی نازک کلائیاں تھامنے کا' اگر یہ ہاتھ میرے دوست پر نہ اٹھتا' تو ایسی حرکت ہرگز نہ کرتا۔"

تیمور حیدر نے ایک تیز نگاہ اس پر ڈالی اور جھٹکے سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

تجل نیلوں کو دباتی سفید کلائی کو دیکھنے لگی' جس کو تیمور نے اتنی مضبوطی سے پکڑا تھا کہ انگلیوں کے نشان باقی رہ گئے تھے۔ احساس توہین سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"دوست کیلئے آپ اتنے مخلص ہیں' تو دوست کو غلط حرکتوں سے باز رہنے کا مشورہ کیوں نہیں دیتے.....؟"

حنا نے تجل کی کلائی اپنے ہاتھ میں لے کر غور سے انگلیوں کے نشان دیکھے اور پھر تیمور کی طرف گھومی تو وہ بولا کچھ نہیں۔

ایک معذرتی نگاہ تجل پر ڈال کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"آپ کا کیا خیال ہے' کہ ہم پیشہ ور لفنگے ہیں' یا یوں لڑکیوں کو چھیڑنا' لفٹ دینا ہمارا مشغلہ ہے؟" علی کو بھی حنا کی بات پر غصہ آ گیا' تو وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر تیز آواز میں بولا۔

"پھر......؟"

ماریہ نے تجل کے بیگ میں سے گری ہوئی چیزیں ڈالتے ہوئے علی کو دیکھا۔

"پھر یہ کہ یہ حرکت' یہ حادثہ یا شرارت آپ سے تعارف حاصل کرنے کی کوشش تھی۔ میڈم! اڑھائی سال سے آپ دل جلا رہی ہیں' اب تو تعارف ہمارا حق بنتا ہے۔"

علی نے ایک نظر تیمور پر ڈالی' جو کافی میرلیس ہو رہا تھا اور پھر تجل کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا' تو رکے ہوئے آنسو تجل کے رخساروں پر پھیل گئے۔

تیمور حیدر چونک گیا۔

"تعارف حاصل کرنے کا انتہائی گھٹیا طریقہ اختیار کیا ہے آپ نے۔"

حنا نے تجل کو ساتھ لگاتے ہوئے غصے سے تیمور اور علی کو دیکھا۔

"ارے مس تجل فاروق احمد! اتنی سی بات پر اتنے قیمتی آنسو ضائع کر رہی ہیں۔ ارے آپ کیا جانیں' کہ کیا قیمت ہے کسی کے دل میں ان کی۔"

علی نے شوخ نظروں سے تیمور کو دیکھا اور جیب سے سفید رومال نکال کر تجل کی طرف بڑھایا۔

تیمور کو یہ سب بہت عامیانہ اور گھٹیا پن لگا۔

"سٹاپ اٹ علی! چلو اب یہاں سے۔"

تیمور حیدر نے علی کا بازو پکڑا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

یہ تو غنیمت تھا کہ کوئی آس پاس نہیں تھا۔ یہ تو یونیورسٹی کے ماحول میں عام بات تھی کہ لڑکے' لڑکیاں کہیں بھی کھڑے ہو کر بات کر سکتے تھے' لیکن شکر یہ تھا کہ کسی نے نہ تو گاڑی کو آگے پیچھے جاتے دیکھا اور نہ ہی تجل اور حنا کو گرتے ہوئے۔

"سٹوپڈ' ایڈیٹ' ہمیں ان کی شکایت کرنی چاہئے۔"

حنا نے ان کو لائبریری کے سامنے سے گزرتے ہوئے دیکھا۔

"نہیں حنا! تمہیں معلوم ہے' یہ لوگ سیاست سے تعلق رکھتے ہیں اور ہمارے ہاں کی سیاست کیسی ہے تم بھی جانتی ہو اور تم نے سنا نہیں تھا' وہ بدتمیز کیا کہہ رہا تھا کہ میڈم اڑھائی سال سے آپ دل جلا رہی ہیں' تو کیا مطلب ہوا اس کا' کہ وہ ہمیں بہت پہلے سے جانتے ہیں' ہمیں ٹریس کرتے رہے ہیں۔ تجل کا پورا نام جانتے ہیں اور کیا نہیں جانتے ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے منہ نہیں لگنا چاہئے۔ خدانخواستہ تجل کو انہیں کچھ ہو جائے...... پکڑے جائیں تو...... نہیں ہم لڑکیاں ہیں حنا! اور ہم ان کی دشمنی افورڈ نہیں کر سکتے' جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ یہاں تو ذرا سی بات ہو جائے تو اخبار میں رپورٹ آ جاتی ہے۔ کہیں ہمارا نام آ گیا تو...... قسم سے والدین جان سے مار دیں گے۔"

ماریہ متحمل مزاج واقع ہوئی تھی اور جلد بازی میں کوئی قدم اٹھانا حماقت سمجھتی تھی۔

"نہیں ماریہ' نہیں' ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔" تجل ماریہ کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی۔

اس واقعہ نے اس کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔

"کم آن تجل! ایسی کوئی خطرناک بات نہیں ہوگئی اور یہ کیا حرکت ہے' دیکھو' تمہارے رونے سے لوگ مڑ مڑ کر دیکھ رہے ہیں۔"

حنا اور ماریہ نے اس کی توجہ سامنے جاتے ایک لڑکی اور لڑکے کی طرف کرائی' جو جوس کے پیکٹ لئے لان میں ایک درخت کی چھاؤں میں بیٹھ رہے تھے اور تجل کو کئی بار دیکھ چکے تھے۔

"حنا! اگر ان لوگوں نے کوئی حرکت کر ڈالی تو...... ہمیں ایڈمن میں شکایت کی دھمکی نہیں دینی چاہئے تھی۔" تجل اندر تک کانپ گئی تھی۔

"اوہ کچھ نہیں ہوتا' اللہ مالک ہے۔ سنو تین مینگو جوس کے گلاس وہاں لے آنا۔"

ماریہ نے پہلے تجل کو دلاسا دیا اور پھر تجل کا ہاتھ پکڑ کر لائبریری کے سامنے لان میں گرلز کینٹین کی طرف گھنے درخت کی چھاؤں کی طرف جاتے ہوئے دکان کے ملازم کو آرڈر اور پیسے دیتے ہوئے کہا اور آ کر بیٹھ گئیں۔

"جانے بھی دو تجل! کیوں لوگوں کو متوجہ کر رہی ہو' کچھ نہیں ہوگا' کہہ جو دیا اللہ مالک ہے۔"

اس نے سرسری کرتی تجل کو ٹوکا۔ تجل نے بھی بھیگی آنکھوں کے ساتھ ارد گرد دیکھا۔

لان بھرا پڑا تھا۔ لڑکے لڑکیوں سے جو گروپس کی صورت میں اپنی اپنی پسند کے جوس اور کولڈ ڈرنک لے کر خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

"ماریہ! اس نے میرا پورا نام لیا اور کہا کہ وہ..... اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ ہمیں ایڈمیشن کے زمانے سے جانتے ہیں۔" تجل کیلئے یہ بات کوئی معمولی نہیں تھی کہ ایسے لڑکے اس کے بارے میں جانتے تھے' جن کے اپنے کردار مشکوک تھے' وہ کیونکر اس بات کو نظر انداز کر سکتی تھی۔

"اوہو بابا! یہ یونیورسٹی ہے۔ یہاں کسی کے بارے میں جاننا کیا مشکل ہے اور پھر لڑکوں کیلئے کوئی بھی بات مشکل نہیں ہوتی۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ ہمارے بارے میں کوئی نہیں جانتا۔ محترمہ سب لڑکے' جس لڑکی کے بارے میں چاہیں معلومات حاصل کر سکتے ہیں' اس میں اتنا خوش فہم ہونے کی ضرورت ہے' نہ پریشان ہونے کی۔"

ماریہ اسے نارمل کرنے کیلئے بہت ہلکے پھلکے انداز میں سمجھا رہی تھی' مگر وہ تجل کی پریشانی کو جان ہی نہیں سکتی تھی کہ آزادی کے ان چند گھنٹوں کی حفاظت اس کیلئے کتنی مشکل ہے' اگر کسی بات کی بھنک بھی گھر والوں کو پڑ گئی تو سب کچھ چھن جائے گا مگر یہ وہ ان کو نہیں بتا سکتی تھی۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" حنا نے گلاس گھاس پر رکھتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔

"ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں۔" تجل نے جلدی سے کہا۔

"نہیں بھئی مجھے تو انگلش ڈیپارٹمنٹ میں کام ہے۔ اب سر احسان کی کلاس تو مس ہو گئی۔ چلو انگلش ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں۔" ماریہ کپڑے جھاڑتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی تو تجل ان سے متفق نہ ہوتے ہوئے بھی ساتھ چل دی۔

ایڈمنسٹریشن بلاک سے آرٹس لابی کی طرف جاتے ہوئے تجل نے کتنی ہی بار خوفزدہ..... نظریں گھمائیں کہ وہ لوگ تو موجود نہیں۔ آرٹس لابی کے سامنے قطار در قطار بیٹھے ہوئے لڑکوں کو اس نے کن انکھیوں سے دیکھا' شکر تھا کہ وہ نظر نہیں آئے۔

☆......☆......☆

کائنات کے واحد خالق و مالک کے فیصلے حتمی اور اٹل ہوتے ہیں۔ نسیمہ بیگم بیوہ ہوئیں تو اسے قدرت کا امتحان سمجھ کر صبر کر لیا' مگر اب جب قدم قدم پر ان کو آزمائش میں ڈالا جاتا تو وہ اندر ہی اندر ٹوٹ کر بکھر جاتیں۔ ان کی کلیوں سے زیادہ حسین اور نازک بیٹیاں وقت کی راہوں میں دھول ہو گئی تھیں۔ کیا کیا خواب دیکھے تھے مراد نے اپنی اولاد کے بارے میں' عمیر کو سی ایس ایس آفیسر بناؤں گا' زیب کو ڈاکٹر بناؤں گا' فرخ کو پائلٹ اسی طرح شنذرا اور صدف کیلئے ڈھیروں خواب دیکھے تھے انہوں نے لیکن خدا کو منظور ہی نہ ہوا اور وہ بیوگی کی چادر اوڑھے بھائیوں پر بوجھ بن کر آ گئیں۔ اس بوجھ کو اپنی خدمت اور تابعداری سے کم کرنے کی کوشش کرتیں۔ بھائیوں اور بھابیوں حتیٰ کہ بچوں تک کے آگے جی جی کرتیں۔ ہر کام میں پیش پیش ہوتیں تاکہ ایک تو سر پر سائبان قائم رہے اور دوسرے ان کی بیٹیاں عتاب سے محفوظ رہیں۔

اس وقت بھی وہ ناشتے کے ڈھیروں برتن لیے دھو رہی تھیں۔ شنذرا اور صدف گھر بھر میں جھاڑو پونچھا کر رہی تھیں۔

زیب کی طبیعت رات سے خراب تھی' کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ وہ تھی ہی اتنی نازک اور کمزور۔

"ارے بھئی یہ زیب ابھی تک سو کر نہیں اٹھی' مشین لگانی ہے۔ صبا! جاؤ اسے جگاؤ' دس بج رہے ہیں اور...... نسیمہ! لڑکیوں کو جلدی اٹھنے کی عادت ڈالو۔ اب کوئی طریقہ ہے کہ دس بج رہے ہیں' لڑکی پڑی سو رہی ہے۔"

آسیہ بیگم فریج سے سبزیاں نکالتے ہوئے بولیں تو ممتا کی ماری نسیمہ بیگم بیٹیوں پر لگائے گئے الزام کی تردید بھی نہ کر سکیں یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ میری ہی بیٹیاں نماز فجر کے بعد کاموں میں جت جاتی ہیں' کیونکہ ان کے لب تو مجبوریوں نے سیئے ہوئے تھے۔ یہ بھی نہ کہہ سکیں کہ وہ رات سے بخار میں بھن رہی ہے۔

"مشین میں لگا لوں گی بھابی جان! زیب کو بخار ہے رات سے۔ میں بس یہاں سے فارغ ہو کر مشین لگا لیتی ہوں۔"

نسیمہ بیگم کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے تاکہ وہ بھابی کی مزید باتوں سے قبل ہی مشین لگا لیں۔ کپڑوں کے بھی انبار لگ جاتے تھے۔

"نسیمہ! تمہاری بیٹیاں تو کچھ زیادہ ہی نازک ہیں۔ ذرا سی چھینک بھی آ جائے تو......"

آسیہ بیگم نے کریلے کاٹتے ہوئے کہا۔ نسیمہ بیگم چپ رہیں کہ وہ صرف سن ہی سکتی تھیں۔

"فائزہ باجی!"

"کیا ہے؟" ناخنوں پر نیل پالش لگاتی فائزہ گویا کاٹ کھانے کو دوڑی۔

"نیل پالش بعد میں لگا لیجئے گا' پہلے مشین لگا لیجئے' صائمہ باجی کو بھی ساتھ لگا لیں۔"

"کیا ہم لوگ کپڑے دھوئیں گے؟ زیب کہاں ہے؟"

فائزہ یوں چونکی جیسے شنذرا نے کوئی انہونی...... بات کہہ دی ہو۔

"پہلی بات تو یہ کہ زیب نے گھر بھر کی میل دھونے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا۔ دوسری بات یہ کہ رات سے زیب بجو کو سخت بخار ہے۔ میں اور صدف صفائی کر رہے ہیں' لہٰذا کپڑے تو آپ دونوں ہی کو دھونے پڑیں گے۔" شنذرا نے ایک طرح سے فیصلہ سنا ڈالا۔

"کیا...... کیا تم ہم پر رعب ڈالو گی۔ بات تو یوں کرتی ہو جیسے تم نہیں' ہم تمہارا کھاتے ہیں۔"

فائزہ کو شاک لگا تھا۔ ایک تو کپڑے دھونے کا' اوپر سے شنذرا کا بات کرنے کا انداز۔

"کھاتے تو سب ہی خدا کا ہیں فائزہ باجی! یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا رزق ایسے لوگوں کے رزق میں شامل کر دیا ہے' جن کا ظرف بہت چھوٹا ہے۔"

"شنذرا! تم انتہائی بدتمیز لڑکی ہو۔" غصے سے فائزہ کے نتھنے پھول گئے۔

"اکھڑ' بدتمیز' منہ پھٹ' ہٹ دھرم' چنڈال' نکمی' کام چور...... ہونہہ! یہ سارے خطابات پرانے ہو چکے ہیں فائزہ باجی! کوئی نیا خطاب دیجئے' کسی نئے القاب سے نوازیئے تو بات بنے۔"

شنذرا نے طنزیہ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''شذرا! تم ایسے باز نہیں آؤ گی' امی کو بتاتی ہوں۔''

فائزہ غصے میں اٹھ کر آسیہ بیگم کے پاس چلی گئی تو شذرا کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ آ گئی۔ اپنی بے چارگی' کم مائیگی پر یا فائزہ کی بات اور بے حسی پر۔

''کیا یہ سب شذرا نے تم سے کہا ہے؟ یہ شذرا ہے ہی فساد کی جڑ' میں پوچھتی ہوں اس سے۔''

فائزہ نے ایک کی چار لگائیں تو عزیز از جان بیٹی کی توہین کا سن کر آسیہ بیگم بولتی ہوئی آ گئیں۔

''شذرا!''

''جی مامی!'' شذرا نے اطمینان سے آسیہ بیگم کو دیکھا' جو غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''فائزہ سے کیا کہا ہے تم نے۔''

شذرا نے سکون سے گہرا سانس لیا۔ دونوں ماں بیٹی کو دیکھا اور جھاڑ پونچھ میں مصروف ہو گئی۔

''مامی! آپ کو اعتبار تو اسی پر آئے گا ناں جو فائزہ باجی نے کہا ہے' تو پھر میں کیا بتاؤں؟''

شذرا جانتی تھی کہ فائزہ نے جا کر ہر بات الٹ کی ہو گی۔ لہٰذا اس نے وضاحت ضروری نہیں جانی۔

''شذرا تم...... تم ایک دن اپنی ماں کو تارے ضرور دکھاؤ گی۔''

ایک تو بیٹی کی بے عزتی' اوپر سے شذرا کا دل جلانے والا رویہ' ان کا دل چاہا' زور سے تھپڑ مار دیں اسے۔

''میری ماں بہت دکھی ہے۔ مامی' دکھی لوگوں کو نیند نہیں آتی تو وہ تارے دیکھتے اور گن کر رات گزارتے ہیں' کوئی نئی بات تو نہیں۔''

شذرا ان کی بات سمجھ تو گئی' مگر بات کو گھما کر اس طرح سے کہا کہ آسیہ بیگم کا بس چلتا تو اسی وقت ماں بیٹیوں کو گھر سے نکال دیتیں۔

''احسان فراموش تم جیسے لوگ ہی ہوتے ہیں' جس تھالی میں کھاتے ہیں' اسی میں چھید کرتے ہیں۔''

وہ اور بھی بے شمار احسانات گنواتی رہیں' مگر وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہی یوں جیسے اسے کچھ سنائی نہ دے رہا ہو۔ وہ وہیں موجود تھیں کہ وہ لاؤنج میں آ گئی' جہاں غیب اور اسد کچھ دیر قبل ہی آئے تھے اور گندے جوتوں سمیت قالین پر چڑھے ہوئے تھے۔

''جنگلی کہیں کے' نظر نہیں آ رہا' سارا قالین مٹی مٹی کر دیا' ابھی صفائی کی تھی۔'' شذرا چیخ ہی تو پڑی۔

''اوہ سوری یار! یہ لو۔'' غیب کو احساس ہوا' تو اس نے جلدی سے جوتے اتار کر ایک طرف رکھ دیئے مگر اسد اسے جلانے کیلئے...... قالین پر جوتے گھسنے لگا۔

''اسد......!'' وہ احتجاجاً چلائی۔

''آواز کو دھیما رکھا کرو شذرا! قالین ہمارا ہے' ہم جیسے چاہیں رہیں' تم کون ہوتی ہو ٹوکنے والی؟''

اسد جوتوں سمیت صوفے پر لیٹ گیا۔ اسے شذرا کو تنگ کرنے میں بڑا لطف آتا تھا۔

''میں قالین پر اپنے حق کا دعویٰ دائر نہیں کر رہی...... یہ سب کچھ تمہارا ہی ہے' لیکن جان تو ہماری ہے' جو صفائیوں میں ختم ہو رہی ہے اور......''

''اچھا زیادہ شور نہ کرو اور پانی پلاؤ' بہت پیاس لگی ہے۔''

درمیان سے اس کی بات کاٹ کر اسد نے کچھ حقارت سے کہا تو شذرا کا دماغ الٹ گیا۔

''میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں' میں پانی نہیں زہر پلاؤں گی تمہیں۔''

شذرا نے وہ کپڑا جس سے گھر بھر کی صفائی کی تھی' وہ اسد کو دے مارا جس سے ساری گرد اس کی سفید شرٹ اور منہ پر گری' وہ بھنا اٹھا۔ اکلوتا ہونے کے باعث خاندان کا چہیتا تھا اور اکھڑ اور بدتمیز تو پیدائشی تھا۔ وہ شذرا کی طرف جھپٹا۔

''یو ایڈیٹ گرل! تمہاری حیثیت میری ملازمہ کی سی بھی نہیں۔ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والی آج ہم لوگ نکال باہر کریں تو در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرو۔ احسان فراموش ہو تم لوگ۔ امی اور تائی جان بالکل درست کہتی ہیں۔''

''پھپھو آپ؟'' غیب کی آواز پر اسد نے دروازے کی جانب دیکھا' جہاں نسیمہ بیگم ہاتھ میں دھلے مگر گیلے کپڑوں کی ٹوکری...... لیے باہر ڈالنے جا رہی تھیں کہ اس شور پر ادھر آ گئیں اور کانوں میں اسد کا انڈیلا ہوا سیسہ اترنے لگا۔

''پھپھو آپ...... دیکھیے۔''

اسد...... شذرا کے بازو جن کو مضبوطی سے پکڑ کر وہ جھنجوڑ رہا تھا چھوڑ کر نسیمہ بیگم کی طرف بڑھا تاکہ اپنی صفائی پیش کر سکے۔

''مر جاؤ...... خدا کرے اسد مر جاؤ۔''

شذرا نے چیخ کر اسد کو بددعا دی۔ وہ جب بہت ہرٹ ہوتی تو ایسے ہی چیخا کرتی۔

وہ ابھی کمرے سے نکلی نہیں تھی' نہ ہی اسد نے گم سم کھڑی پھپھو کو کوئی وضاحت پیش کی تھی کہ اس کی دی ہوئی بددعا زاہدہ بیگم نے سن لی۔ انہوں نے دل تھام لیا۔

''ہائے میں مر جاؤں' تمہارے منہ میں خاک شذرا' خدا تمہیں غارت کرے۔ میرے اکلوتے بیٹے کو بددعا دیتی ہو۔ ٹھیک ہے بی بی! ہمیں یہ ہی صلہ ملنا چاہیے' محبتیں لٹانے کا' پیسہ لٹانے کا۔ نسیمہ باجی! آپ نے شذرا کو یوں آزادی دے رکھی ہے' میری بیٹی ایسا کرتی تو میں تھپڑوں سے اس کا منہ سرخ کر دیتی۔ اسد میری جان! تم اس ذلیل لڑکی کے منہ ہی کیوں لگتے ہو' میں اس جیسی ہزاروں تمہارے صدقے میں وار دوں۔''

زاہدہ بیگم بھی ماں تھیں۔ اکلوتے بیٹے کو کوئی بددعا دے تو یہ کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ وہ نسیمہ بیگم کی خاموشی کو شذرا کی حمایت قرار دے رہی تھیں' مگر کوئی اس عورت کے دل سے پوچھتا کہ اس وقت وہ ضبط کی کس منزل سے گزر رہی ہے۔ ان کا بس چلتا تو یا تو شذرا کو ختم کر دیتیں یا خود کو مار ڈالتیں۔

''زاہدہ! میں مجبور و بے کس ہوں اور میری بیٹی تمہاری مجرم ہے' اسے دار پر چڑھا دو یا دھکے دے کر گھر سے نکال دو' میں اف تک نہ کروں گی۔ کاش! میں اس کی زبان کاٹ سکوں۔'' نسیمہ بیگم کی

آواز رندھ گئی۔

زاہدہ بیگم نے اسد کو بازو سے پکڑا اور باہر لے گئیں۔

مگر اسد کو سخت ملال ہو رہا تھا۔ شذرا کو تو چڑانے کیلئے اس وقت غصے میں اس نے یہ الفاظ کہہ دیئے تھے مگر پھپھو کے ہرٹ ہونے کا اسے دکھ ہو رہا تھا۔

زاہدہ بیگم نے اس بات کو اتنا طول دیا کہ بات شوکت حسین کی عدالت تک پہنچ گئی۔

نسیمہ بیگم اور شذرا مجرموں کی حیثیت سے حاضر تھیں۔

اور زاہدہ اور آسیہ بیگم آج دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں۔

مشتاق احمد بھی خوب لال پیلے ہو رہے تھے۔ وہ تو شروع دن سے بیوی کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ ہر الزام پر شذرا اور نسیمہ بیگم دل تھام لیتیں۔ شذرا کا دل چاہا پھٹ پڑے اور سب کو اتنی سنائے کہ ہوش ٹھکانے آ جائیں۔

''اس وقت اگلی پچھلی باتوں کو چھوڑو منیب! تم موقع کے گواہ ہو بتاؤ آج کیا ہوا؟''

شوکت حسین نے ایک نظر نسیمہ بیگم اور ایک شذرا پر ڈالی جو واقعی مجرم ہی بنی بیٹھی تھیں۔ ان کے دل پر چوٹ سی پڑی تو انہوں نے منیب کو بیچ کیلئے بلایا' تو اس نے جو کچھ ہوا وہ من وعن سنا دیا۔

''ہوں' تو منیب کے بیان کے مطابق تو اسد کی غلطی تھی۔ اس نے کیوں اس قسم کی باتیں کیں کہ شذرا کو غصہ آیا۔ اسد تمہیں شذرا سے سوری کرنی پڑے گی۔''

شوکت حسین نے ایک مدبر منصف کی طرح فیصلہ سنا دیا' تو مشتاق احمد اور زاہدہ بیگم بگڑ گئے۔

''واہ بھائی صاحب' واہ! ہم تو انصاف کیلئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے ہمیں ہی مجرم بنا ڈالا۔ واہ کیا خوب انصاف کیا ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ میرے بچے کو یہ کلموہی دن رات بددعائیں دیتی ہے اور معافی بھی میرا بچہ ہی مانگے۔ نہیں بھائی صاحب! یہ نہیں ہوگا۔ میرا بچہ سوری کیوں کرے؟''

سارے ادب' لحاظ بالائے طاق رکھ کر زاہدہ بیگم نے بے لحاظی سے کہا۔

''زاہدہ بالکل درست کہہ رہی ہے بھائی جان! اسد سوری نہیں کرے گا۔''

مشتاق احمد نے بھی حتمی سے انداز میں کہا تو شوکت صاحب کو غصہ آ گیا۔

''اسد سوری ضرور کرے گا اسے کیا حق ہے کہ وہ شذرا کو ملازمہ کہے یا اس سے بھی کمتر حیثیت دے اور ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دے۔ یہ میری بہن ہے اور یہ میری بیٹیاں کسی پر بوجھ نہیں ہیں' حق ہے ان لوگوں کا اس گھر پر...... خبردار! جو آئندہ کسی نے ایسی ویسی بات منہ سے نکالی۔ چلو اسد شاباش جس طرح تم نے اس کی توہین کی ہے' اسی طرح اسے عزت دو' معافی مانگ کر......'' شوکت حسین نے اسد کی طرف دیکھا۔

''بات کو بڑھانے کی کوشش نہ کریں بھائی جان! کہہ جو... اسد سوری نہیں کرے گا۔''

مشتاق احمد کا لہجہ خاصا گستاخانہ اور تلخ تھا...... دونوں بھائی ایک دوسرے سے الجھنے کیلئے تیار تھے۔

نسیمہ بیگم کیلئے یہ صورتحال تکلیف دہ تھی۔

''نہیں شوکت بھیا! اس میں سراسر شذرا کی غلطی ہے' یہ بھی حد درجہ گستاخ اور منہ پھٹ ہے' اسد نے جو کیا' جو کہا' بہت اچھا کیا' اسد کیوں اس سے معافی مانگے۔ یہ اسد سے معافی مانگے گی۔ چلو شذرا! اسد سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگو' ہاتھ باندھ کر پاؤں کو چھو کر معافی مانگو۔ اسد سے' زاہدہ سے' مشتاق سے' سب سے' گھر کے ایک ایک فرد سے معافی مانگو ورنہ میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔''

نسیمہ بیگم ہذیانی انداز میں شذرا کی طرف لپکیں اور تھپڑوں کی بارش کر دی اس پر۔

''امی جان!'' نسیمہ بیگم بے ہوش ہو کر شذرا کے بازوؤں میں گر گئیں' تو سب ان کی طرف بڑھے۔ سب سے آگے اسد تھا۔

☆......☆......☆

''کیا دیکھ رہے ہو تیمور حیدر! کیا ہاتھ پر کلائی کا نقش ابھر آیا ہے؟''

کتاب پر سے نظریں ہٹا کر علی نے تیمور کو دیکھا' جو واقعی کافی دیر سے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا' جس سے اس نے نجل کی کلائی پکڑی تھی۔ اس کی نازک کلائی کا احساس جیسے ہاتھوں کی لکیروں میں اتر آیا ہو۔

''فضول باتیں مت کرو۔'' تیمور نے جھینپ کر اس کو تکیے کے نیچے کر لیا اور علی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

علی سیاست پر لکھی گئی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دونوں کا تعلق یونیورسٹی میں موجود سیاسی تنظیم سے تھا۔ تیمور تو اتنا انوالو نہیں تھا' مگر علی ضیاء کو سیاست سے عشق تھا۔ وہ سیاست میں بہت آگے جانا چاہتا تھا اور سیاست میں ہر اچھے برے کام کو جائز سمجھتا تھا' جبکہ تیمور حیدر محض وقت گزاری اور اس کی دوستی میں سیاست میں انوالو ہوا تھا۔

''علی!'' تیمور خاصی آہستہ آواز میں بولا۔

''ہوں۔'' علی نے نظریں اٹھائے بغیر جواب دیا۔

''علی! تمہیں احساس ندامت نہیں کہ آج ہم لوگوں نے کتنی نازیبا' غیر اخلاقی چیپ حرکت کی ہے؟''

تیمور کو رہ رہ کر ملال ہو رہا تھا کہ ایسے نہیں ہونا چاہئے تھا۔

''تمہاری سوئی ابھی تک وہی اٹکی ہوئی ہے۔''

اب علی کتاب ایک طرف رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''دیکھو یار! سیاست اور عشق میں کوئی حرکت نازیبا' غیر اخلاقی یا چیپ نہیں ہوتی' سب جائز ہوتی ہیں۔ اچھا بتاؤ' نجیلہ فاروق احمد تمہیں پسند ہے کہ نہیں اور تم اس کی طرف بڑھنا چاہتے تھے کہ نہیں' اس سے تعارف حاصل کرنا چاہتے تھے کہ نہیں۔ ارے احسان مانو میرا' گرو مانو مجھے کہ ایک ہی ملاقات میں تعارف بھی کروا دیا اور اس کا ہاتھ بھی تمہارے ہاتھ میں دے دیا اور کیا چاہتے ہو؟''

علی نے مسکرا کر اسے چھیڑا تو وہ بیڈ سے اٹھ کر نیچے کارپٹ پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

''مانا علی! میں یہ سب چاہتا تھا' چاہتا ہوں' مگر ایسے نہیں کہ میرا اس پر امپریشن ہی ایسا پڑے کہ وہ مجھے غنڈہ سمجھنے لگے۔ تمہیں معلوم نہیں فرسٹ امپریشن......''

''اوکم آن یار تیمور! کوئی فرسٹ ورسٹ امپریشن نہیں ہوتا۔ فرسٹ امپریشن تو بعض اوقات بناوٹ اور تصنع کی نذر بھی ہو جاتا ہے۔ ڈونٹ وری...... کچھ نہیں ہوگا۔''

علی نے بچوں کی طرح اس کے گال پر پیار کر کے پچکارا' مگر وہ مطمئن نہیں تھا۔

''کچھ بھی ہو...... ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا یار! وہ کیا سوچے گی کہ ہم عورت کی عزت نہیں کرتے۔ سیاست میں آنے کے بعد تو انسان کا کردار ویسے ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔ کجا ایسی حرکت کر کے کوئی اچھی امید رکھنا۔''

تجل پر برا امپریشن پڑنے کا تیمور کو سخت ملال تھا۔

دیکھو یار! اللہ سے اچھی امیدیں وابستہ رکھو انشاء اللہ پوری ہوں گی۔''

''یہ تو ٹھیک ہے علی! ہمیں ان لڑکیوں سے ایکسکیوز ضرور کرنا چاہئے۔ عورت کی عزت کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے۔''

تیمور نے ذرا ڈرے ہوئے لہجے میں کہا' کیونکہ علی کا موڈ آف ہونے لگا۔

''مانگ لوں گا بابا ان سے معافی۔ حکم ہوگا تو پاؤں بھی پکڑ لیں گے میڈم کے اور صرف لڑکی پر نظر رکھو لڑکیوں پر نہیں۔''

علی ۔نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ تیمور کو ہنسی آ گئی اور وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا اور آنکھوں میں آج سے اڑھائی سال قبل والا زمانہ گھوم گیا' جب یونیورسٹی میں داخلوں کا میلہ لگا تھا۔ گویا یونیورسٹی میں بہاریں اتر آئی تھیں۔ زندگی سے بھرپور چہرے انہیں لئے چہروں پر کچھ حاصل کرنے کی انجانی سی چمک تھی۔ کچھ گھبرائے' کچھ شرمائے یہ سماں بہت خوبصورت تھا۔ جب تمام طلباء تنظیموں نے اپنی اپنی تنظیم کی جانب سے سٹال لگائے تھے اور اپنے نئے طالب علم ساتھیوں کی مدد میں پیش پیش تھے۔ ہر کسی کو جامعہ کے بارے میں معلومات فراہم کر رہے تھے۔ کم نمبر حاصل کرنے والوں کی بھی ہمت افزائی کی جا رہی تھی کہ انہیں داخلہ مل سکتا ہے۔ نیز نئے لوگوں کو اپنی اپنی سیاسی تنظیم میں شامل ہونے کا فائدہ دے کر ایڈمیشن کی یقین دہانی کرائی جا رہی تھی۔ ہر طلباء سٹال اور تنظیم کی کوشش تھی کہ نئے آنے والے زیادہ سے زیادہ ان کے سٹال پر آئیں۔ تیمور اور علی بھی اپنی تنظیم کی جانب سے سٹال پر بیٹھے تھے۔ علی کی چرب زبانی کی بدولت بہت سے لڑکے' لڑکیاں ان کے سٹال سے فارم وغیرہ حاصل کر چکے تھے۔

''ایکسکیوزمی! ہمیں ایڈمیشن فارم مل جائے گا ناں؟''

اس شوخ کھنکتی جلترنگ پر تیمور حیدر اور علی ضیاء نے چونک کر برابر والے سٹال پر دیکھا۔ وہ سفید چکن کے کرتے اور سیاہ جینز میں حسین چہرے پر بے چینی اور آنکھوں میں عجیب سی چمک لئے قمر ابرار سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں جی کیوں نہیں' ہم یہاں بیٹھے کس لئے ہیں۔ آپ کس ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہیں؟'' قمر ابرار نے متاثر ہونے والے انداز میں کہا۔

''کیمسٹری ڈیپارٹمنٹ میں۔''

تجل نے جلدی سے اپنے کاغذات کی فائل قمر ابرار کے حوالے کر دی تو وہ بغور مطالعہ کرنے لگا۔ وہ تجسس اور بے قراری سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''مجھے ایڈمیشن مل جائے گا ناں؟'' تجل بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

''کیوں نہیں مس تجیلہ فاروق احمد! آپ کے تو ایف ایس سی میں بہت اچھے مارکس ہیں' ذرا سی کوشش کرتیں تو آپ کو میڈیکل میں ایڈمیشن مل جاتا۔''

قمر ابرار نے فائل اپنے پاس محفوظ کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

''جی مل جاتا' لیکن مجھے ڈاکٹر بننے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ مجھے انسان اور انسان کے مطالعے سے خوف آتا ہے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''اچھا خیر' یہ لیجئے آپ کا فارم' یہ رہی پراسپیکٹس اور بیس تاریخ کو پہلی لسٹ لگے گی۔ انشاء اللہ اللہ کو منظور ہوا تو پہلی لسٹ میں آپ کا نام آ جائے گا۔ یہ کارڈ رکھئے' آپ کو اس جامعہ میں کسی بھی قسم کی پرابلم کا سامنا ہو تو ضرور رابطہ کریں۔''

قمر ابرار بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس نے جھٹ اپنا ذاتی کارڈ اس کی طرف بڑھایا۔

''اوہ...... تھینک یو سو مچ۔ میں تو بہت ڈر رہی تھی کہ نہ جانے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا کتنی مشکل بات ہے۔ مگر یہاں تو چٹکیوں میں کام ہو جاتے ہیں' ہے ناں بجو!''

تجل نے کتنی ہی دیر بعد ساتھ آئی فاطمہ کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے اسے دیکھا۔ وہ بے حد خوش ہو رہی تھی۔

''ارے نہیں مس تجیلہ! ایسی تو کوئی بات نہیں' تعلیم سب کیلئے ہے۔ جامعہ کے دروازے تو سب پر کھلے ہیں۔ یہ ہماری تنظیم کی جانب سے شائع ہونے والا کتابچہ ہے' جس میں جامعہ کے بارے میں اور اس تنظیم کے بارے میں معلومات ہیں' آپ اس کا مطالعہ ضرور کیجئے گا۔''

قمر ابرار نے موقع پا کر اپنی تنظیم کا تعارفی کتابچہ بھی اسے تھما دیا' جسے اس نے بڑی خوشی اور اشتیاق سے وصول کیا۔

''بے بی چلیں' اب کافی وقت ہو گیا ہے۔'' فاطمہ نے تجل کو یاد دلایا کہ گھر بھی جانا ہے۔

''ہاں چلیں۔''

لحن یہ حسن و آواز کا سحر اس وقت ٹوٹا جب اس کی سفید اکارڈ مین گیٹ سے باہر نکل گئی۔

''بھائی صاحب! وہ جا چکی ہے' لہٰذا اب آپ بھی واپس آ جائیے۔''

علی نے اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ جھینپ کر سیدھا ہو گیا۔

تجل کے سحر خیز حسن میں کچھ ایسی بات تھی کہ تیمور حیدر کے دل پر چوٹ پڑی تھی۔ وہ اسے صرف اچھی ہی نہیں بلکہ اس حد تک پسند آئی تھی کہ ان اڑھائی سالوں میں وہ اسے ہی سوچتا رہا۔ اس کے بارے میں ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔

''کب تک اس آگ میں جلتے رہو گے' اسے بتاؤ گے تو اسے پتا چلے گا ناں۔ مرد بنو اور آگے بڑھو۔'' علی اسے اکثر آگے بڑھنے کو کہتا۔

مگر وہ اس کی اور اپنی کلاس کے فرق کو اچھی طرح سمجھتا تھا' اس لئے آگے نہیں بڑھتا تھا اور پھر اس روز علی نے تعارف کرانے کی غرض سے وہ حرکت کر ڈالی جس سے اس کا امپریشن یقیناً خراب ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

تجل جب سے یونیورسٹی سے آئی تھی' گم صم اپنے کمرے میں بند تھی' جو کچھ یونیورسٹی میں ہوا تھا' وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا' جسے نظر انداز کر دیا جاتا۔ تیمور حیدر کا اس کا ہاتھ پکڑنا' علی ضیاء کی باتیں... دل میں طرح طرح کے وہم آ رہے تھے۔ اڑھائی سال کا دل جلانا' آپ سے تعارف' حق بنتا ہے۔ کتنی الجھی ہوئی اور معنی خیز باتیں کر رہا تھا علی ضیاء...... کیا مقصد تھا ان کا ایسی باتوں سے' اگر خدانخواستہ پاپا جی کو یا گھر میں کسی کو خبر ہو گئی تو......؟

وہ بری طرح پریشان ہو رہی تھی اور مستقل اپنی کلائی ہاتھ میں لئے بیٹھی دیکھ رہی تھی' جس پر تیمور کی انگلیوں کے نشان اب مدھم پڑ گئے تھے' مگر اس کیلئے سوچوں اور تفکرات کے در کھول گئے تھے۔

''بے بی! کیا سوچا جا رہا ہے؟''

فاطمہ نے اندر آ کر اس کے چہرے پر سوچوں کا جال بچھا دیکھا تو بولی' مگر وہ اپنے خیالوں میں مستغرق رہی۔ فاطمہ کو حیرت ہوئی۔ وہ اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

''بے بی! کیا بات ہے بازو میں تکلیف ہے کیا؟''

فاطمہ نے اسے کلائی تھامے دیکھ کر پوچھا تو وہ جیسے ہوش و حواس کی دنیا میں لوٹ آئی۔

''ہوں..... ہاں...... اوہ! بجو آپ کب آئیں؟''

تجل کو فاطمہ کے وجود کا احساس ہوا تو وہ چونک کر سیدھی ہو گئی۔

''ابھی آئی ہوں' تم نہ جانے کن سوچوں میں گم تھیں کہ میری بات کا جواب بھی نہیں دیا۔ بازو کو کیا ہوا ہے؟'' فاطمہ نے اس کی کلائی اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے پوچھا تو تجل اندر تک کانپ گئی۔

''کک...... کک...... کچھ نہیں ہوا بجو! وہ آج کافی دنوں بعد یونیورسٹی گئی تھی ناں تو تھکن ہو گئی ہے اور آج پوائنٹ میں اتنا رش تھا کہ سیٹ نہیں ملی بیٹھنے کو' تو کھڑا ہونا پڑا پائپ پکڑ کر' اس وجہ سے بازو میں ذرا درد ہو گیا ہے۔''

تجل کی بات ابھی ادھوری تھی کہ آمنہ آندھی کی طرح اندر داخل ہوئی۔ اس کا جیسا گرم اور تیز مزاج تھا ویسے ہی اطوار بھی تھے۔

''باجی! آپ تو بس بے بی کے کمرے میں آ کر بیٹھ ہی رہتی ہیں۔''

''کیا ہوا آمنہ؟ خفا کیوں ہو رہی ہو؟ آرام سے' تحمل سے بات کرتے ہیں۔''

فاطمہ اپنے فطری حلیم لہجہ میں بولتے ہوئے اس کی طرف بڑھی۔

''وہ فرحانہ کی بڑی بہن رومانہ جو آپ کی دوست ہے' آئی ہیں۔''

''ارے تو کیا آ گئی امریکہ سے؟ بے بی! تم بھی فریش ہو کر آ جاؤ۔''

رومانہ بڑی گہری دوست تھی فاطمہ کی۔ اس کی آمد پر وہ بے حد خوشی سے نیچے اترتے ہوئے تجل کو آنے کیلئے کہہ گئی۔

دونوں کافی عرصے بعد ملی تھیں۔ تین سال قبل جب رومانہ پاکستان آئی تھی تو فاطمہ' مما کے ساتھ اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔

''رومانہ! تمہیں تو بہت جلد آنا چاہئے تھا' بہن کی شادی ہے۔''

''ہاں فاطمہ! کیا کروں' سب ہی ناراض ہیں کہ دن کے دن آئی ہو۔ بچوں کے ایگزام ہو رہے تھے۔ اب بھی صرف میں اور بڑی بیٹی ہی آ سکے ہیں اور سناؤ کیا حال احوال ہیں۔ بھئی میں تو بہت مصروف ہو گئی ہوں نئی زندگی میں۔ تم تو فارغ ہو' کیسی گزر رہی ہے؟''

رومانہ نان سٹاپ بولے چلے گئی۔

''بس گزر رہی ہے خدا کا شکر ہے' اچھی گزر رہی ہے' تم سناؤ کیا کھاتی ہو کہ ماشاء اللہ جوان بچوں کی ماں ہو کر بھی جوان لگ رہی ہو؟''

فاطمہ نے رومانہ کو دیکھا۔ زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی اس کے چہرے پر' کسی محرومی' کسی تلخی کا گزر تک نہ تھا۔

''ہاں' میں بھی یہ ہی کہنے والی تھی کہ بچے خیر سے میرے جوان ہوئے ہیں اور بوڑھی تم نظر آ رہی ہو۔ وہ خوبصورت چہرہ وہ سیاہ بالوں کی چمک دار چوٹی' کیا ہوا یہ سب؟''

رومانہ کو بہت دکھ ہوا تھا فاطمہ کو دیکھ کر۔ کتنی حسین اور فریش ہوا کرتی تھی...... یہ فاطمہ' مگر اب تو اپنی عمر سے بھی چند برس بڑی ہی دکھائی دے رہی تھی۔

''ہاں ٹھیک کہہ رہی ہو رومانہ! تمہیں بوڑھا ہونا بھی نہیں چاہئے' اس لئے کہ جوان بچوں کی مائیں کبھی بھی بوڑھی نہیں ہوتیں۔ انہیں دیکھ کر' ان کی خوشیاں دیکھ کر سدا جوان رہتی ہیں۔''

''یہ بتاؤ کہ اب تو رہو گی ناں زیادہ دن؟''

فاطمہ نے اپنے مثالی ضبط سے اپنے کرب' اپنی محرومیوں کو چھپاتے ہوئے کہا۔

''نہیں فاطمہ! عورت کی زندگی بھی عجیب ہوتی ہے۔ مجھے شکیل کی طرف سے کوئی مسئلہ نہیں' مگر بچوں کی وجہ سے کہیں رہ ہی نہیں سکتی۔ ماشاء اللہ! اتنی مصروفیات اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں بچوں کی کہ...... لیکن جو مزہ ان ذمہ داریوں کو نبھانے میں ہے ناں' وہ فارغ رہنے میں نہیں۔ میرے خیال میں تو تم نے شادی نہ کر کے اچھا نہیں کیا۔ سچ! اگر میں یہاں ہوتی ناں تو دیکھتی کہ کیسے تم شادی نہیں کرتیں۔ زبردستی پکڑ کر نکاح پڑھوا دیتی کسی اچھے سے شریف بندے سے۔''

''نہیں رومانہ تم اگر یہاں بھی ہوتیں تو کچھ نہیں کر سکتی تھیں بلکہ کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ جب میرے ہاتھ میں قدرت کی طرف سے ایسی کسی خوشی کی لکیر ہی نہیں تو...... تم یا کوئی اور یہ لکیر کیونکر بنا سکتا تھا۔''

فاطمہ نے ایک اذیت ناک گہرے سانس کا گلا سینے ہی میں گھونٹتے ہوئے کہا جو ٹیسوں کے احساس سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔

''رہنے دو فاطمہ! تم نے اپنے ساتھ یہ ظلم اپنے ہاتھوں کیا ہے۔ حارث کی محبت میں عمر بھر کا جوگ لے لیا اور وہ بے وفا' ہرجائی' خودغرض' لالچی آدمی۔''

''رومانہ پلیز!'' فاطمہ ان جھوٹے الزامات پر تڑپ اٹھی جو حارث پر لگائے گئے تھے' لیکن یہ صرف وہ جانتی تھی کہ یہ الزامات جھوٹے ہیں کیونکہ لوگوں کو ایسی ہی کہانیاں' فرضی من گھڑت قصے سنا کر مطمئن کر دیا جاتا تھا تاکہ کوئی ان کو مورد الزام نہ ٹھہرائے۔

''اور نہیں تو کیا خبردار جو اس کی حمایت کی ہو تو۔ آنٹی بتا رہی تھیں کہ وہ لوگ تو اس کی تمام

شرائط پوری کرنے کو تیار تھے' مگر بعد میں تم نے انکار کر دیا۔"

"ہاں میں نے انکار کر دیا تھا' بھلا میں ایک اکھڑ آدمی کے ساتھ کس طرح زندگی گزار سکتی تھی۔" فاطمہ نے اپنے اندر اٹھنے والی چیخوں کو بمشکل روکا۔

"خیر' یہ تو تمہارا اچھا فیصلہ تھا' پھر اس کے روگ کو جان سے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ آنٹی ! یہ بھی بتا رہی تھیں کہ اور بھی اچھے اچھے رشتے آئے تھے...... تمہارے' مگر تم نے انکار کر دیا۔"

رومانہ کو قطعی احساس نہیں تھا کہ وہ نادانستگی میں ہر حقیقت سے انجان اس کے زخموں پر مسلسل نمک پاشی کر رہی ہے کہ ضبط کے بل پر کھڑی فاطمہ کے پاؤں ڈگمگانے لگے تھے۔

"ہاں...... ہاں رومانہ ! مما جان درست کہتی ہیں۔ بہت رشتے آئے تھے' مگر میں کسی پر اعتبار نہ کر سکی اور انکار کرتی رہی۔ جب قدرت کی طرف سے یہ خوشی نصیب میں نہیں تھی تو کیونکر مل سکتی تھی۔ میرا خیال ہے اس موضوع کو اس باب کو اب بند کر دینا چاہئے۔ کوئی اور بات کرو۔" فاطمہ نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے آواز کو لرزشوں کی زد میں آنے سے بچایا۔

"ہاں ظاہر ہے' اب تو اس کتاب کو بند کرنا ہی پڑے گا' ویسے تم نے اچھا نہیں کیا اپنے ساتھ۔" رومانہ نے ایک نظر اس پر ڈال کر بیگ میں کچھ ٹٹولتے ہوئے کہا تو پھیکی سی...... مسکراہٹ فاطمہ کے لبوں پر ابھر کر رہ گئی۔

"ہیلو فاطمہ بیگم ! یہ تم کہاں کھو گئیں ؟"

اپنے پرس سے چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنی لپ اسٹک دوبارہ درست کرتی ہوئی رومانہ نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک گئی۔

"کیا ہوا کھڑی ہو گئیں ؟" فاطمہ اسے کھڑا ہوتا دیکھ کر خود بھی کھڑی ہو گئی۔

"میں کھڑی ہی نہیں ہوئی بلکہ جا رہی ہوں' تم بھی تیار ہو کر آ جاؤ تمہارے ساتھ شاپنگ کیے مدت گزر گئی' پرانی یادیں تازہ ہو جائیں گی۔"

کتنا آسان ہے رومانہ کیلئے ہر بات کر لینا' کوئی فکر' کوئی پریشانی' کوئی پابندی نہیں تھی خیال و اظہار پر...... یہاں تو سوچنا بھی گناہ تھا۔

"رومانہ' تم جانتی ہو کہ......"

"اونہوں ! کسی پس و پیش کی ضرورت نہیں۔ میں آنٹی سے اجازت لے چکی ہوں اور ویسے بھی جس عمر سے میں اور تم گزر کر رہے ہیں ناں' اس عمر میں پابندیاں نہیں ہوتیں۔"

"ہاں تم ایسا کہہ سکتی ہو' اچھا میں ابھی آئی۔"

فاطمہ نے بکھر...... جانے والے وجود کے سنگریزوں کو سمیٹا اور لاؤنج میں آ گئی' جہاں صوفیہ بیگم رشید کو لنچ میں تیار ہونے والے کھانے کے بارے میں ہدایات دے رہی تھیں۔

"وہ جی آمنہ بی بی کہہ رہی تھیں کہ آج قیمہ بھرے کریلے بنیں گے۔"

صوفیہ بیگم سے ہدایت سن کر رشید نے ڈرتے ڈرتے آمنہ کی خواہش کا اظہار کیا۔

"کیا آمنہ کون ہوتی ہے یہ کہنے والی' کریلے فاروق کو سخت ناپسند ہیں۔ وہ نہیں پکیں گے' جو تم سے کہا گیا ہے وہ کرو۔"

صوفیہ بیگم نے کڑک دار آواز میں آمنہ کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا تو سیڑھیوں کے بیچوں بیچ کھڑی آمنہ کے ہاتھوں میں کٹی ہوئی پیاز سے بھری پلیٹ لرز گئی۔

"کریلے اسے بے حد پسند تھے۔ خاص کر بھرے ہوئے تو آج اس نے سوچا تھا کہ پکا لے گی مگر رشید کے بچے نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ وہ خاموشی سے کٹی کٹی ہوئی پیاز فریج میں رکھی اور آ گئی۔

"مما جان !" فاطمہ نے آہستگی سے پکارا۔

"ہوں کیا بات ہے ؟" وہ اخبار پر نظریں جمائے ہوئے بولیں۔

"وہ رومانہ......"

"ہاں' اس کے ساتھ چلی جاؤ اور جلدی آ جانا۔"

وہ گویا اس کے آنے اور بات کرنے کا مطلب سمجھ گئی تھیں۔

فاطمہ کا جی چاہا انکار کر دے۔ اس کا رومانہ کے ساتھ جانے کو قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ایک تو اس کو شادی کی شاپنگ کرنا تھی' دوسرے وہ شوہر اور بچوں کی باتیں کر کے اسے محرومیوں کا مزید احساس دلا دیتی تھی۔

وہ دو بجے کی گئی تھیں اور اب چھ بج رہے تھے' مگر واپس نہیں پلٹی تھیں۔

فاروق احمد اڑھائی بجے...... گھر آ چکے تھے۔ ایک تو ان کو رومانہ کے ساتھ اس کا جانا بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"بیگم ! آپ کو خود احساس ہونا چاہئے کہ حالات کیسے ہیں۔ کیوں جانے کی اجازت دی فاطمہ کو ؟"

گو کہ وہ اپنی بیگم کو بہت عزیز رکھتے تھے لیکن اگر وہ بھی کوئی کام ان کی مرضی کے خلاف کرتیں تو ان کو بھی سنا دیتے۔

اس وقت صوفیہ بیگم بھی بہت پریشان اور مجرم بنی کھڑی تھیں۔

"رومانہ نے تو واقعی حد کر دی۔ اس نے تو کہا تھا کہ دو گھنٹوں میں آ جائیں گی۔ مجھے کیا خبر تھی۔ آپ زیادہ فکر نہ کریں' آ جائیں گی' آپ کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہو جائے۔"

صوفیہ بیگم کو یہ بھی فکر تھی کہ کہیں ان کا بلڈ پریشر ہائی نہ ہو جائے اور فاروق احمد مستقل ٹہل رہے تھے۔

"اب پتا بھی نہیں کہ کہاں ہوں گی' میں گاڑی لے کر چلا جاؤں...... مما ! آپ آئندہ کسی کو اس طرح جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔ پریشان کر کے رکھا ہوا ہے۔"

راحیل کو بھی غصہ آ رہا تھا۔ عجیب ماحول تھا اس گھر کا۔ ذرا ذرا سی بات کو اتنی سنجیدگی سے لیا جاتا کہ وہ بات ایک گناہ یا جرم کی حیثیت اختیار کر لیتی۔ ساڑھے چھ بجے فاطمہ ڈری سہمی آئی تو سب کو خصوصاً فاروق احمد کو اپنے لئے یوں منتظر پا کر وہ مجرم سی بن گئی۔

"اتنی دیر کیوں ہوئی ؟" فاروق احمد غصے میں دانت پیس کر یوں بولے گویا وہ اپنی مرضی سے کہیں گئی تھی یا کوئی غلط کام کر کے آئی ہو۔

"پپا جی ! وہ رومانہ کے ساتھ گئی تھی' مما جان نے خود اجازت دی تھی' حالانکہ میں جانا بھی نہیں

چاہ رہی تھی۔" فاطمہ کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"میں پوچھ رہا ہوں' دیر کیوں ہوئی؟"

"وہ جی رومانہ کو شادی کی شاپنگ کرنی تھی' اسے تو کوئی احساس ہی نہیں رہا وقت کا۔"

"اسے احساس ہوتا یا نہ ہوتا' تمہیں احساس ہونا چاہئے تھا واپسی کا' مگر تمہیں گھر والوں کی پریشانی کا احساس ہوتا تب ناں۔"

"پاپا جی! میں اس سے بار بار کہہ رہی تھی' مگر اس نے بہت شاپنگ کرنی تھی' اس لئے اس نے بات ہی نہیں سنی۔ پھر میں کیا کرسکتی تھی۔"

اس کی آواز لرز گئی اور آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔ وہ سب کچھ برداشت کرسکتی تھی' مگر پاپا کی ناراضگی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ ان کا یہ مشکوک انداز' تلخ لہجہ' بے قصور ہو کر بھی وہ مجرم بنی کھڑی تھی۔

"ٹھیک ہے' اب جاؤ اندر' آئندہ تمام لوگ محتاط رہیں۔ کوئی بات ڈسپلن کے خلاف برداشت نہیں کرسکتا میں۔" فاروق احمد کو گویا اس کی بات پر اعتبار آ گیا تو آئندہ کیلئے تنبیہ کرتے ہوئے وہ اندر چلے گئے۔ ان کے پیچھے صوفیہ بیگم بھی چلی گئیں۔

فاطمہ بے جان قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

"بجو! یہ پانی پی لیں۔" نجل' فاطمہ کے پیچھے ہی چلی آئی تھی' جو سارے دن کی بھوکی تھی۔ اس نے رومانہ کے اصرار پر بھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا۔ کیونکہ مما پاپا کو باہر سے کچھ کھانا پینا قطعی پسند نہیں تھا۔ وہ چونکہ مما کی اجازت سے گئی تھی' اس لئے اسے توقع نہیں تھی کہ پاپا ایسے رویے سے اس کا استقبال کریں گے۔

"پاپا جی کا موڈ کیسا ہے بے بی؟" فاطمہ نے گلاس پکڑ کر پہلا سوال کیا۔

"معلوم نہیں' کھانا لاؤں آپ کیلئے؟" نجل نے اس کا مرجھایا ہوا' اترا ہوا چہرہ تھام کر پوچھا۔

فاطمہ نے جلدی سے خود کو نارمل کرلیا۔

"نہیں بھئی' میں خود کھالوں گی' تم تکلیف کیوں کرتی ہو' تم بتاؤ یونیورسٹی میں دن کیسا گزرا؟"

فاطمہ جلدی سے اس اذیت ناک احساس کی تکلیف سے نکلنا چاہتی تھی' جو اس پر گزر چکا تھا۔

"پتا نہیں بجو! ہماری قسمتوں کو کیا ہے کہ آزادی کے چند سانس بھی ہم سے ایسا خراج وصول کرتے ہیں کہ پھر سانس لینے کو جی نہیں چاہتا۔"

آج ہونے والے واقعے نے نجل کو بھی خاصا بددل کر دیا تھا۔ وہ اپنے یونیورسٹی کے مستقبل سے بھی مایوس سی ہو گئی تھی۔ اگر ذرا بھی گھر میں اس بات کی بھنک پڑ گئی تو باقی کچھ نہیں بچے گا۔

"بے بی! ارے جان! تم کیوں ایسی بات کر رہی ہو مایوسی کی۔ گھروں میں ایسی باتیں تو ہو ہی جایا کرتی ہیں اگر اچھے برے پر ہمارے والدین ہمیں نہ روکیں گے تو کون روکے گا۔ چلو شاباش' میرے اور اپنے لئے...... اور ہاں آمنہ کیلئے چائے بنا کر لاؤ۔ آج ہم تینوں بہنیں ٹیرس پر بیٹھ کر چائے پئیں گے اور ہاں فرحانہ کی مہندی اور مایوں جمعہ کو ہیں' پروگرام بناتے ہیں مل کر تینوں۔"

فاطمہ بات کر رہی تھی کہ آمنہ بھی آ گئی۔ اس نے نجل اور آمنہ کو ساتھ لگایا تو اک گونہ سا سکون محسوس ہوا فاطمہ کو' اس بھری دنیا میں تینوں ہی تو تھیں۔ ایک دوسرے کی گو کہ آمنہ بھی اکثر اوقات

مخالف پارٹی کی طرف ہو جاتی تھی بہرحال وہ تھی تو انہی میں سے۔

☆......☆......☆

"ہیلو......"

"اوہ! ہیلو امجد کیسے ہو یار؟" امجد کی آواز پر نبیل جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کیا عجیب گاڈدی ہو۔ یار میں نے بیگم جان سے تمہارا غائبانہ تعارف بھی کروا دیا ہے اور تم نے کوئی جواب نہیں دیا۔" امجد چھوٹتے ہی اس سے ناراض ہونے لگا۔

"یار! میری مجبوری تو تم جانتے ہو۔ سو طرح کے سوالوں کے جواب دینے پڑتے ہیں پپا' مما کو تب جا کے اجازت ملتی ہے۔"

نبیل اس ماحول سے فرار چاہتا تھا۔

"یار نبیل! تمہارے گھر کا ماحول تو ساری دنیا سے مختلف ہے۔ نجانے کس سیارے سے تعلق ہے تم لوگوں کا۔ دیکھو نبیل! جب تک تم اس سحر کو نہیں توڑو گے' اسی میں قید رہو گے اور ایک وقت آئے گا کہ دم گھٹ کر مر جاؤ گے۔ نبیل تمہیں اس قید کی سلاخوں کو توڑنا ہوگا۔ اس سحر سے نکلنا ہوگا۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ آج رات نو بجے آ جانا' ورنہ پھر شکوہ نہ کرنا۔"

امجد کی باتیں دل کو لگ رہی تھیں۔ واقعی آخر ایسا کب تک ہوگا۔ اس سحر کو توڑنے کیلئے' اس قید سے آزاد ہونے کیلئے بغاوت کے ہتھیار استعمال کرنے ہی پڑیں گے۔ یہ والدین کی سخت تربیت کا اثر تھا یا وہ لوگ تھے ہی اچھے فرمانبردار کہ جس سانچے میں ڈھالا گیا ڈھل گئے' ورنہ معاشرے کے جس طبقے سے ان کا تعلق تھا وہاں تو کسی قسم کی پابندی کا رواج ہی نہیں ہوتا ہے' مگر یہاں تو معاملہ ہی الٹ تھا۔

"نہیں یار امجد! میں آ جاؤں گا' نو بجے تک میرا انتظار کرنا۔"

نبیل نے ریسیور رکھا اور سوچنے لگا کہ آج پپا اور ممی نے کہاں جانا ہے' مگر دونوں اطمینان سے پہلے لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے' پھر ٹی وی لاؤنج میں آ گئے۔ آج تو ایسا لگ رہا تھا وہ کہیں جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ وہ اللہ کا نام لے کر تیار ہو کر نیچے آیا۔

"کہاں کی تیاری ہے صاحبزادے؟" فاروق احمد نے سر سے پیر تک جائزہ لے کر پوچھا تو نبیل کے ارادے ڈانواڈول ہونے لگے۔

"جی وہ امجد ہے ناں' اس کی منگنی ہونے والی ہے۔ ہم دونوں نے اس سے ٹریٹ مانگی تو وہاں جا رہا ہوں۔"

بروقت اس سے مناسب بہانا اور کیا ہو سکتا تھا۔

☆......☆......☆

''اس سے پہلے بتایا ...... تھا ہمیں؟'' تیز لہجے میں انہوں نے تفتیشی انداز میں اسے دیکھا۔

''نہیں جی، آپ گزشتہ ایک ہفتے میں اتنا مصروف رہے کہ آپ سے ملاقات ہی نہیں ہو پائی تھی۔''

اور یہ حقیقت تھی کہ وہ اپنے بزنس میں بعض اوقات اتنا مصروف ہو جاتے کہ بچوں سے ملاقات بھی نہیں ہو پاتی تھی۔

''او کے، لیکن تمہاری مما تو کسی بزنس میں مصروف نہیں تھیں، ان کو بتا ...... دیا ہوتا۔'' فاروق احمد نے ایک اور تیر چلایا تو نبیل نے ایک نظر صوفیہ بیگم پر ڈال کر نظریں نیچے کر لیں۔

''سوری سر!'' نبیل نادم سے لہجے میں بولا۔ پھر تھوڑی دیر فضا میں سکوت رہا۔ نبیل جز بز ہو رہا تھا۔

''پھر پپا! میں جاؤں کہ نہیں؟'' نبیل کچھ ہمت کر کے بولا۔

''ٹھیک ہے جاؤ۔'' فاروق احمد نے دیکھے بغیر کہا۔

''نبیل یوں وہاں سے نکلا اگر ایک سیکنڈ بھی دیر ہو گئی تو شاید اپنا ارادہ بدل دیں اور اس کو واپس نہ بلا لیں۔''

''صوفیہ بیگم! یہ کیا ہو رہا ہے گھر میں؟ میری تربیت میں اور رویے میں کہاں کمی یا لچک رہ گئی ہے کہ یہ لوگ اپنی مرضی کے مالک بننے لگے ہیں، جس کا جس وقت جہاں جانے کو جی چاہتا ہے بے لگام اونٹ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اس میں بچوں ہی کا نہیں، تمہارا بھی قصور ہے۔ تم کیوں ان کو ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہو۔ اب کل کلاں کو یہ لوگ کوئی بڑا مطالبہ کر دیں گے۔ میں یہ سب ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ کوئی لڑکا، لڑکی میری مرضی کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتا، سمجھیں تم؟''

پائپ میں تمبا کو بھرتے ہوئے فاروق احمد نے تیز نگاہوں سے بیگم کو دیکھا۔ ان کا خیال تھا کہ صوفیہ بیگم کے رویے میں لچک آ گئی ہے، جواب بچے من مانی کرنے لگے ہیں۔

''آپ ناحق ناراض ہو رہے ہیں فاروق! اللہ کا شکر ہے، بچے ہمارے فرمانبردار ہیں۔ مسز شکور بتا رہی تھیں کہ ان کے بیٹے نے خود اپنی پسند سے لڑکی منتخب کی حالانکہ گھر میں کسی کو پسند نہیں تھی، مگر بیٹا ایسا اڑا کہ شادی کر کے ہی دم لیا۔ ان کو بھی بات ماننا پڑی۔ ہمارے بچوں نے تو آج تک ہماری بات مانی ہے، کبھی کسی معاملے میں تنگ نہیں کیا۔''

آج ماں کی محبت جانے کیسے بیدار ہو گئی تھی کہ ان کو اپنے بچے سعادت مند نظر آ رہے تھے۔

''ذرا کر کے تو دیکھیں تنگ، میں نے اس اولاد کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ معاشرے میں بلند مقام دلانے کے لیے دن رات محنت کی ہے۔ یہ دولت، یہ جائیداد کس کی ہے، ان ہی لوگوں کی ہے ناں اور یہ راحیل کہاں ہے؟'' بات کرتے کرتے فاروق احمد کو اچانک راحیل کا خیال آ گیا۔

''اپنے کمرے میں ہو گا، اگر کہیں تو بلاؤں؟''

صوفیہ بیگم جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔ وہ یہ ہی چاہ رہی تھیں کہ موضوع بدلے اور ان کا غصہ ختم ہو۔

راحیل سے ویسے بھی ان کی انڈراسٹینڈنگ بہت تھی۔ بزنس کے سارے معاملات وہ زیادہ تر راحیل ہی سے ڈسکس کیا کرتے یا پھر عدیل سے، دونوں اچھے بزنس مین تھے۔ ان کی طرح البتہ نبیل کو بزنس سے دلچسپی کم تھی اور چھوٹا ہونے کا فائدہ بھی حاصل تھا کہ زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا تھا، اسی لیے اس کا دھیان فضول باتوں کی طرف جانے لگا تھا۔

''نہیں رہنے دو، رات ڈنر پر ملاقات ہو جائے گی تب بات کر لوں گا۔''

والدین اور بچوں کی ملاقات زیادہ تر ڈائننگ ٹیبل پر ہی ہوا کرتی تھی، ورنہ سب اپنے اپنے کمروں میں اپنی اپنی دنیا میں آباد زندگی گزار رہے تھے یا زندگی ان کو گزار رہی تھی۔

☆......☆......☆

نسیمہ بیگم کی طبیعت کافی دن خراب رہی۔ اسد نادم نادم سا ان کی تیمارداری کرتا رہا۔ اس دوران پتا چلا کہ نسیمہ بیگم شوگر کی مریضہ بھی ہیں۔ اس کو شدید تاؤ آ گیا شنذرا پر۔ اس کے خیال میں وہ ہی ان کی بیماری کی ذمہ دار تھی۔

''شنذرا!'' اگر میری پھپھو کو کچھ ہوا تو میں تمہیں خود مار ڈالوں گا۔''

اس نے سارا غصہ شنذرا پر اتارا۔

''اسد مشتاق! تمہاری پھپھو میری ماں ہیں۔ ہم لوگ مریں یا جئیں، تم لوگوں کو غرض نہیں ہونی چاہیے۔ اور جس دن ہم لوگ مر جائیں، اس روز گھی کے چراغ جلانا۔''

شنذرا ایک تو ماں کی بیماری کا سن کر اور دوسرے اس روز سے نسیمہ بیگم نے شنذرا سے بات نہیں کی تھی اور اس کا سبب اسد تھا۔ سب گھر والے تھے، جن سے اسے نفرت تھی۔

''ہاں جلاؤں گا گھی کے چراغ، تمہارے لیے ...... صرف تمہارے مرنے پر۔''

اسد دھیمی آواز مگر سخت لہجے میں کہتا باہر نکل گیا۔

شنذرا کتنی ہی دیر محو خواب نسیمہ بیگم کو دیکھتی رہی ...... آنکھوں میں اتر آنے والی دھند میں ان کے دلکش نقوش چھپ گئے۔

''امی ...... امی جان! مجھے معاف کر دیں۔''

شنذرا نے نسیمہ بیگم کے ہاتھوں کو اپنے رخسار سے لگاتے ہوئے کہا۔

''امی کو آرام کرنے دو شنذو! اور میری بات دھیان سے سنو۔''

زیب نے شنذرا کے آنسو اپنے آنچل میں جذب کرتے ہوئے کہا اور اس کا ہاتھ تھام کر

بالکونی میں لے آئی۔

''دیکھو شنذرا! ہم کیا ہیں، ہمارے حالات کیا ہیں، یہ سب تمہارے سامنے ہے۔ ہمارا اس دنیا میں سوائے ہماری ماں کے کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری ماں کا سایہ ہم پر سلامت رکھے۔ شنذو ورنہ ہمارا کوئی پرسان حال نہیں۔ یہاں ماموؤں کے گھر میں ہم لوگ ملازموں سے گری ہوئی حیثیت میں رہتے ہیں۔ امی نہ جانے کیا کیا برداشت کرتی ہیں، اس لیے کہ ہمیں عزت کے ساتھ سائبان چاہئے، ورنہ تمہیں اندازہ نہیں کہ ایسی عورتوں کو ہمارا معاشرہ جینے نہیں دیتا۔ جن کے سر پر شوہر کا سایہ نہ ہو اور باپ بھائی نہ ہوں، تمہیں احساس ہے کہ امی تمہاری وجہ سے کتنی باتیں برداشت کرتی ہیں، مامیوں کی، تم ہو کہ سمجھتی نہیں ہو۔''

آج پہلی بار زیب نے بڑی بہن بن کر اسے ساتھ لگا کر سمجھایا تو وہ اکھڑ، بدتمیز سی شنذرا شدت سے رو پڑی۔

''مانتی ہوں میں بجو! کہ یہ سب میری وجہ سے ہوتا ہے مگر...... بجو مجھ سے یہ ناانصافی برداشت نہیں ہوتی۔ مامی آسیہ اور مامی زاہدہ کا بس چلے تو، ہمیں دھکے دے کر گھر سے نکال دیں۔ ایسی ایسی باتیں کرتی ہیں کہ میری رگیں کٹنے لگتی ہیں۔ میں ہر بات برداشت کر سکتی ہوں، مگر جب اسد بکواس کرتا ہے تو خدا کی قسم دل چاہتا ہے اس کا منہ نوچ لوں، جان سے مار دوں، نفرت ہے مجھے اس کمینے سے۔

''کوئی بات نہیں شنذو! اگر ہماری اس گھر میں ملازم سے بھی کمتر حیثیت ہے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ ہو سکتا ہے ہم اسی قابل ہوں۔ اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ شنذو آج ہم پر برا وقت ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ انسان کو برے وقت میں صبر اور نماز سے مدد مانگنی چاہئے۔ تم باقاعدگی سے نماز نہیں پڑھتیں ناں، اسی لیے تم میں صبر اور ضبط کا مادہ کم ہے۔ پابندی سے نماز پڑھا کرو۔ آج نہیں تو کل ہمارے حالات بھی اللہ تعالیٰ بدلے گا۔ مجھے خدا کی ذات سے پوری امید ہے کہ عمیر بھیا ایک روز اچانک آ جائیں گے ہمارا معتبر سا سائبان بن کر۔''

زیب دھیمی آواز میں بولتی، آنکھوں میں...... آنے والے دنوں کی چمک لیے نہ جانے شنذو کو سمجھا رہی تھی کہ خود کو بہلا رہی تھی۔

''بڑا اچھا اختتام سوچا ہے آپ نے اپنی زندگی کے دکھوں کا۔ ایک دم فلمی سا، کہ ایک روز اچانک عمیر بھیا آ جائیں گے۔ ہمارے نجات دہندہ بن کر اور پھر ہم ہنسی خوشی رہنے لگیں گے اور پھر سکرین پر لکھا ہوگا اختتام......!''

شنذرا نے عجیب ٹوٹے لہجے میں بھیگی پلکوں کے ساتھ امید کا دامن چھوڑتے ہوئے کہا۔

''مایوسی کفر ہے شنذو! مسلمان خدا کی ذات پاک سے مایوس نہیں ہوا کرتے، بری بات ہے۔''

زیب نے اسے ٹوکا تو وہ آنسو ہاتھوں سے صاف کر کے واپسی کے لیے مڑی۔

''ٹھیک ہے بجو! میں نماز کی پابندی کروں گی، یہ میرا وعدہ رہا۔''

''ایک وعدہ اور کرو شنذو! زیب اس کے سامنے آ کر بولی۔

''کیا؟''

''دیکھو! اسد ماموں جان کا اکلوتا بیٹا ہے، اس سے تم نہیں لڑو گی اور نہ ہی اسے بددعا دو گی،

اسی بات سے سارا فساد پھیلتا ہے۔''

''سوری باجی! میں نہ یہ وعدہ کر سکتی ہوں اور نہ نبھا سکتی ہوں۔ میں تو اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی، لڑتی تو اس کی باتوں پر ہوں۔ وہ ہے ہی فسادی دنیا جہان کا، اور دعائیں خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہیں۔ کم از کم وہ میری دعاؤں کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ نفرت ہے مجھے اس سے، گرگٹ کہیں کا۔''

شنذرا نے تلخ لہجے میں کہا اور باہر نکل گئی۔

زیب نے ماں کو بھی سمجھایا اور شنذرا کو بھی۔

اس لیے نسیمہ بیگم نے شنذرا کی خطائیں معاف کر دی تھیں اور وہ بھی اب نماز کی پابندی کے ساتھ زبان پر کنٹرول رکھنے لگی تھی۔ وہ بدزبان تو ہرگز نہیں تھی۔ بس گھر میں جو ان کے ساتھ سب کا رویہ تھا، جو بے انصافی ہوتی تھی، اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی تو چیخ پڑتی تھی۔

''بھابی جان! کیا سوچ رہی ہیں، لیجئے چائے۔ تیز پتی اور زیادہ دودھ والی اپنے ہاتھوں سے بنا کر لائی ہوں۔

زاہدہ بیگم نے آسیہ بیگم کو متفکر دیکھ کر چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے اپنے ہاتھوں پر زیادہ زور دیا۔ گویا اب تم بھی خیال رکھنا۔

''میں یہ سوچ رہی ہوں زاہدہ کہ کل کو قمر سے طلال نے آفیسر بن جانا ہے۔''

''ہائے بھابی یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے، پریشانی کی تو نہیں۔''

زاہدہ کی عادت تھی کہ بات پوری ہونے سے قبل بول پڑتی تھیں۔

''کون کہہ رہا ہے، میں پریشان ہوں، سوچ رہی ہوں کہ فائزہ کو بی اے تو کروا ہی دیا جائے مگر کیا کروں اس لڑکی کا پڑھائی میں تو دل لگتا ہی نہیں۔ انٹر بھی بڑی مشکلوں سے کروایا تھا۔ وہ بھی تھرڈ ڈویژن میں، اب آفیسر کو تو زیادہ پڑھی لکھی لڑکی چاہئے ہو گی، جو اس کے ساتھ سوسائٹی میں ہم قدم ہو کر چل سکے۔''

''ارے بھابی جان! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ فائزہ بچی ہے، آپ اسے زمانے اور طلال کی مجبوری بتا کر مزید تعلیم پر آمادہ کر سکتی ہیں۔ سمجھ دار بچی ہے، خود ہی سمجھ جائے گی۔ آپ کہیں تو میں اسے سمجھا دوں۔''

زاہدہ اب تو...... آسیہ بیگم کی ہر بات پر نثار ہو جانے کو تیار تھیں۔

''نہیں زاہدہ! میں خود اس سے بات کر لوں گی۔ اچھا اب اس موضوع کو بدلو۔ نسیمہ آ رہی ہے۔ اس کے کانوں میں بھنک بھی نہیں پڑنی چاہئے، ہر جگہ پہلے اپنی بیٹیوں کا رونا لے کر بیٹھ جاتی ہے۔''

''آپ درست کہہ رہی ہیں بھابی جان! نسیمہ باجی جلتی ہیں ہماری خوشیوں سے۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ ان کو خبر نہ ہونے پائے کہ ہم لوگ کیا سوچ رہے ہیں۔ برا مت مانئے گا ظہیر بھائی کی تو اب بھی منظور نظر ہیں یہ...... اور ان کی بیٹیوں کو تو وہ بہت چاہتے ہیں۔''

دراصل دونوں خواتین ان دونوں لڑکیوں سے خائف تھیں اور نہیں چاہتی تھیں کہ نسیمہ بیگم یا ان کی بیٹیاں ظہیر احمد یا ان کے بیٹوں کے سامنے آئیں۔

''ہاں میں خوب سمجھتی ہوں ظہیر بھیا، تو آج بھی نسیمہ کا دم بھرتے ہیں۔ یہ تو رابعہ بھابی اعلیٰ

ظرف ہیں کہ ظہیر بھائی کی باتوں کو نظرانداز کر دیتی ہیں۔ میں تو خود پریشان رہتی ہوں۔ یہ جو زیب ہے ناں، بڑی گھنی ہے۔ اوپر سے خاموش رہتی ہے مگر ہے پوری...... خیر سے نسیمہ بیگم پہلے ہی کیا کم تھیں کہ اب بیماری کی وجہ سے مزید منہ لٹکائے رہتی ہیں۔ جہاں بھائیوں کے آنے کا وقت ہوا، ان کا منہ لٹک گیا۔"

آسیہ بیگم ان دکھوں کے احساس سے عاری تھیں، جو ایک بیوہ عورت پر گزرتے ہیں، جو اپنے بھائیوں کے سر پر بوجھ ہو اور اس کے دن رات کے طعنوں تشنوں میں بسر ہوتے ہوں۔ جس ماں کے سامنے تین جوان بیٹیاں ہوں، جن کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھیں۔ کچھ سوچ نہیں سکتیں تھیں، کچھ بنا نہیں سکتی تھیں ان کے لیے۔

"بھابی جان! رات کھانے میں کیا بنایا جائے؟ تاکہ میں چڑھا دوں۔"

نسیمہ بیگم جانتی تھیں کہ ان کی دونوں بھابیاں جب مل بیٹھیں تو موضوع گفتگو ان کی بیٹیاں ہوتی ہیں۔

"ارے نسیمہ باجی! آج تو کچھ نہیں پکے گا۔ وہ ظہیر بھائی اور رابعہ بھابی نے رات اپنے گھر بلایا ہے سب کو۔" اچانک ہی زاہدہ بیگم کو رابعہ بھابی کی دعوت یاد آ گئی۔

"لیکن نسیمہ تم اور بچے تو یہیں ہو ناں۔ تو دوپہر کا کھانا ہوگا، بچا ہوا گزارا ہو جائے گا ناں۔"

آسیہ بیگم نے جلدی سے وضاحت کر دی کہ کہیں یہ لوگ بھی تیار نہ ہو جائیں۔

"جی ہاں بھابی جان گزارا کرنا ہو تو ہو جاتا ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

نسیمہ بیگم خاموشی سے واپس آ گئیں۔ وقت نے کتنا ذلیل اور بے بس کر دیا تھا۔ لوگوں کے سامنے وہ انیکسی میں آ گئیں۔

"کیا بتایا مامی نے رات کے کھانے کے لیے؟" زیب حکم کی منتظر تھی جیسے۔

"نہیں بیٹا! وہ سب تو ظہیر بھائی کے ہاں جا رہے ہیں اس لیے رات کو کھانا وہیں ہوگا۔"

"امی جان! ہم لوگ نہیں جائیں گے؟" فرخ نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا تو انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"یہ لوگ ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ ہمیں بھی نہیں لے کر جاتے۔ خود مزے کرتے پھرتے ہیں۔" فرخ بچہ تھا اسے بھی شوق ہوتا سب کے ساتھ جانے کا۔

"ارے فرخ بھیا! میری جان! جاتے ہیں تو جائیں۔ مریں، دیکھنا آج ہم خوب مزا کریں گے۔ آج رات ایک بجے تک ہماری صرف ہماری حکمرانی ہوگی۔ مزے مزے کی چیزیں پکائیں گے کھائیں گے۔ پتا ہے آج میں تم لوگوں کو چکن کڑھائی بنا کر کھلاؤں گی۔"

شذرا تو اس طرح خوش ہوئی ان کے جانے کا سن کر گویا کوئی خزانہ ہاتھ لگ گیا تھا۔

"ہاں شذرا آپی! بہت مزا آئے گا۔ آج ہم آزادی سے گھومیں پھریں گے گھر میں اور میں نومی کی سائیکل بھی چلاؤں گا ورنہ تو کوئی ہاتھ نہیں لگانے دیتا اور میں آج ٹی وی کے ریموٹ کنٹرول سے خود ٹی وی لگاؤں گا اور قالین پر کشن رکھ کر لیٹ کر ٹی وی دیکھوں گا۔"

فرخ کے دل میں جو حسرتیں تھیں وہ ایسے موقعوں پر جب سب گھر والے کہیں جاتے، تب

پوری کیا کرتا تھا اور سب گھر والے شاذ و نادر ہی کہیں جاتے۔ آج تو سب خوش تھے کہ اپنی مرضی سے کچھ کر سکیں گے۔

"شذرا! تمہارے لیے اطلاع ہے کہ بڑی مامی فریزر لاک کر کے جاتی ہیں جہاں گوشت وغیرہ رکھا ہوتا ہے۔" زیب نے اسے بتایا تو شذرا اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھوم گئی۔

"ارے بجو ڈیئر، لگایا کریں لاک اپنے فریزر پر۔ اللہ کی رحمت پر تو کوئی لاک نہیں لگا سکتا ناں۔ میڈم یہ دیکھئے اللہ کی رحمت، سب سے چپکے چپکے مجھ پر برستی رہتی ہے۔"

شذرا نے الماری کے جانے کس کونے سے اپنا پرس نکال کر ان کے سامنے کھول دیا۔

"اتنے پیسے کہاں سے آئے؟"

زیب نے دس دس اور پانچ پانچ کے کئی نوٹ دیکھ کر پوچھا۔

"جناب چرائے نہیں ہیں جب بڑے ماموں جان مجھ سے پاؤں دبواتے ہیں یا سر میں مساج کراتے ہیں تو تھوڑا سا دبوانے کے بعد وہ چپکے سے میرے ہاتھ میں دس پانچ روپے رکھ دیتے ہیں۔ وہ سب میں جمع کرتی ہوں اور آج ہم ان ہی پیسوں سے عیش کریں گے۔"

"کاش بڑے ماموں کی طرح مشتاق ماموں اور چھوٹے ماموں بھی ہمارے ہوتے۔" صدف نے حسرت ناک لہجے میں کہا۔

"تب بھی کچھ فرق نہ پڑتا۔ ان سب کی بیگمات جو ہیں ناں۔ فساد نرا فساد۔"

شذرا کے دل میں تو سب کے لیے نفرت بھری ہوئی تھی۔ وہ سب لوگ تیار ہو کر جا چکے تھے ساتھ ہی شذرا نے لسٹ بھی تیار کر لی تھی۔

"فرخ! جاؤ تم یہ چیزیں جلدی سے لے آؤ۔" شذرا نے اسے لسٹ تھمائی۔

"سائیکل پر جاؤں گا۔" فرخ نے شرط رکھی۔

"ہاں جان لے جاؤ۔" شذرا نے فراخ دلی سے اجازت دی۔

"شذرا بیٹے یہ سب فضول خرچی ہے۔"

نسیمہ بیگم خود بھی چاہتی تھیں کہ آج ان کے بچے اپنی پسند کا کھانا کھائیں، پھر خیال آیا کہ جو پیسے یہاں برباد کرنے ہیں، کسی اہم کام کے لیے رکھ دیے جائیں۔

"گستاخی معاف امی جان! آج آپ اور بجو یہاں بیٹھ کر صرف حکم چلائیں گی۔ بڑی مامی کی طرح اور ہم کام کریں گے آؤ صدف۔"

شذرا نے زیب اور نسیمہ بیگم کو اس تخت پر بٹھا دیا جس پر بیٹھ کر آسیہ بیگم سب پر حکم چلایا کرتی تھیں اور صدف کو حکم ملا کہ وہ گھر کی صفائی کرے۔ خود اس نے کچن سنبھال لیا اور ڈیڑھ گھنٹے میں اس نے تینوں چولہے جلا کر چکن کڑھائی، بریانی اور ٹرائفل تیار کر لیا۔ فرخ تو بس تب سے سائیکل چلا رہا تھا۔ کتنا شوق...... تھا اسے جب نومی سائیکل چلاتا تھا۔ کبھی منت کر کے وہ نومی سے لے لیتا تو چھوٹی مامی جھٹکے سے اس سے چھین لیتیں۔

"امی جان، بجو آ جائیں کھانا تیار ہے۔"

شذرا اور صدف نے قالین پر دسترخوان سجا رکھا تھا۔ سلاد سمیت ہر چیز بہت خوبصورت انداز

میں سجائی گئی تھی۔ نسیمہ بیگم خوش تھیں کہ اللہ نے ان کو باسلیقہ بیٹیاں عطا کی تھیں۔ وہ شذرا کو دیکھ رہی تھیں۔ کتنی معصوم اور پیاری لگ رہی تھی، مگر جب ان سب کے سامنے ہوتی تو شعلہ بنی ہوتی۔

"باجی! میں مرغ کی ٹانگ لوں گا۔ مجھے کبھی بھی مرغ کی ٹانگ نہیں ملی۔"

"میری جان تم دونوں ٹانگیں لے لو مرغ کی۔" شذرا نے مرغی کی ٹانگیں فرخ کی پلیٹ میں ڈال دیں۔ ابھی سب نے پہلا لقمہ توڑا ہی تھا کہ بیل چیخ پڑی۔ نسیمہ بیگم سمیت سب کے سانس رک گئے۔

"یہ شوبی بھائی ہوں گے۔ وہ تو ان کے ساتھ نہیں گئے۔ کسی دوست کے ساتھ گئے تھے، آ گئے ہوں گے۔" زیب کو یقین تھا کہ یہ شوبی ہی ہے۔

"اچھا ہوتے ہیں تو ہوں، ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

شذرا نے زبان سے تو کہہ دیا مگر دل میں ڈرتی ہوئی گئی اور دروازہ کھول دیا۔

"او خدا تیرا شکر ہے کہ بلال بھائی آپ ہیں۔"

شذرا نے کسی بھی ناپسندیدہ ہستی کی آمد کے خوف سے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولا تو سامنے بلال کو دیکھ کر خوش ہو گئی۔ وہ بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگا کیونکہ اس وقت شذرا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے، کچھ خوف، کچھ خوشی کے ملے جلے۔

"لڑکی! بات کیا ہے؟ اتنی بدحواس کیوں ہو رہی ہو۔ میرے آنے پر خوش ہوئی ہو، حیران یا خوفزدہ، اس لیے کہ اس وقت تمہارے چہرے پر تینوں کیفیات یکجا ہیں۔"

بلال نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے کہا۔ وہ کنڈی اچھی طرح چڑھا کر اس کی طرف گھومی۔

"آپ تو میرے بہت ہی اچھے سے بھیا ہیں۔ بلال بھیا آپ کے آنے سے ہمیشہ خوشی ہی ہوئی ہے مجھے۔ اس وقت بھی میں بہت خوش ہوں۔ باقی جو دو کیفیات ہیں، ان کی وجہ بھی بتاتی ہوں اندر تو چلیے۔"

کوریڈور میں اس سے آگے آگے چلتے ہوئے شذرا تیز تیز بولتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھی۔

"فکر کی کوئی بات نہیں، بلال بھیا آئے ہیں۔"

شذرا کو معلوم تھا کہ بیل کی آواز پر سب کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں کہ خدانخواستہ شعیب نہ آ گیا ہو، جو کسی دوست کے ہاں گیا ہوا تھا، اسی لیے باقی سب کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ شذرا نے کوریڈور سے تیز آواز میں کہا تو باقی سب نے خدا کا شکر ادا کیا۔

زیب کا دل زور زور سے دھڑکا اور ڈھلکا ہوا دوپٹا درست کرنے لگی۔

"شذرا! آج تم خاصی پراسرار سی لگ رہی ہو۔ گھر میں غیر معمولی خاموشی، یہ میرے آنے کی اطلاع دینا، بات کیا ہے، کہیں باقی سب کو ہضم تو نہیں کر گئیں؟"

بلال نے رک کر، مسکرا کر شذرا کو دیکھا، جو آج خلاف معمول گہرے میک اپ میں اچھے سے کپڑوں میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔ آج شذرا نے خود بھی خوب اہتمام کیا تھا اور باقی زیب اور صدف کو بھی خوب میک اپ کر کے تیار کیا تھا۔

"کاش ایسا کر سکتی۔ ارے ہاں بھیا! وہ سب تو آپ کے ہاں گئے ہیں اور آپ یہاں؟"

کافی دیر بعد شذرا کو خیال آیا کہ گھر والے تو بلال کے ہاں گئے ہیں، مگر بلال تو لاعلم لگ رہا تھا ان سے۔

"ہمارے ہاں، کیا سب کے سب؟" بلال کچھ پریشان ہو گیا تھا۔

"جی نہیں، وہ سب کے سب گئے ہیں، ہم سب کے سب گھر پر ہیں۔ چوکیدار ہیں ناں ہم لوگ، دوسرا ہم ان کے ساتھ کہیں جانے آنے کے قابل...... ارے بھیا! چھوڑیے آج ہم آزادی کے ان لمحات کو کسی منحوس ذکر سے بے مزا نہیں کریں گے۔ آپ اندر ڈرائنگ روم میں چلیے، میں ابھی آئی۔"

شذرا جو تلخ ہونے لگی تھی، مگر پھر فرخ کی سالگرہ کا خیال کر کے بات بدل دی اور کچن میں بلال کے لیے برتن لینے چلی گئی۔

بلال، زیب کا دلکش تصور لیے اندر آ گیا، تو ڈرائنگ روم خاصا سجا ہوا تھا۔ کھانے کا پرتکلف اہتمام، لیکن سب کو یوں تیار اور پرسکون دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔

ان لوگوں کو خوشیاں بھی تو سسک سسک کر ہی ملتی تھیں۔ اس نے پیرٹ گرین سوٹ اور میک اپ میں سجی زیب پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔ اس طرح اہتمام سے اسے تیار آج پہلی بار دیکھا تو نگاہوں نے اس منظر سے ہٹنے سے انکار کر دیا مگر اسے ناموس حسن زیادہ عزیز تھی، وہ نسیمہ بیگم کی طرف بڑھا۔

"آداب پھپھو! وہ بھٹک گیا۔"

"جیتے رہو بیٹا! تمہاری آمد ہم سب کے لیے حیران کن ہے، باقی سب تو......"

نسیمہ بیگم نے اس کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ ان کے برابر ہی بیٹھ گیا۔ عین سامنے زیب بیٹھی تھی اس نے کن اکھیوں سے زیب کو دیکھا اور گلاس میں پانی نکالنے لگا۔

"آں...... ناں...... ناں بلال بھیا بن بلائے سہی، لیکن اب آپ مہمان خصوصی ہیں۔ ہماری اس چھوٹی سی تقریب کے، پانی سے پیٹ بھر لیں گے تو باقی چیزیں کہاں جائیں گی، تھوڑا صبر کر لیں۔"

شذرا نے اس کے ہاتھ سے پانی کا بھرا گلاس لے کر ایک طرف کرتے ہوئے کہا۔

"جی پھپھو! میں اپنے ایک دوست کے ہاں گیا تھا۔ اس نے میرا کیمرہ لیا ہوا تھا، وہ لینے گیا تھا۔ واپسی پر سوچا آپ سے ملتا ہوا جاؤں۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ وہ سب ہمارے ہاں گئے ہیں۔ خیر شکر ہے کہ آپ لوگ مل گئے، ورنہ بہت بے مزا ہوتا۔"

بلال نے چپکے سے ایک نظر زیب پر ڈالی، جو گود میں رکھے اپنے ہاتھوں کو آپس میں الجھائے جانے کن سوچوں میں گم تھی۔

"بھیا! میں بہت خوش ہوں کہ آپ آئے ہیں میری برتھ ڈے پر۔"

فرخ واقعی خوش ہو گیا کہ چلو اپنی ماں، بہنوں کے علاوہ بھی اس کی برتھ ڈے میں کوئی اور شریک ہے۔

"اوہو! تو یہ ہمارے فرخ کی برتھ ڈے ہے۔ بھئی میں تو ناراض ہوں، بن بلایا مہمان ہوں۔ بتایا ہوتا تو گفٹ وغیرہ...... لے کر آتا۔ خیر یہ تو ادھار رہا۔ انشاءاللہ پسند کا گفٹ لے کر دوں گا، لیکن یہ ناراضگی رہے گی کہ برتھ ڈے پر انوائٹ نہیں کیا۔"

بلال نے مصنوعی خفگی سے فرخ کو دیکھا۔

"ارے بلال بیٹا! یہ پروگرام ارینج تو نہیں، بس سب گھر والے گئے تو شنذرا نے یہ اہتمام کر لیا۔ اگر وہ لوگ تم لوگوں کے ہاں نہ جاتے تو ایسا ممکن کہاں ہوتا اور پھر ویسے بھی یہ سب فضول ہی تو ہے۔"

نسیمہ بیگم واقعی اسے پیسے کا زیاں سمجھ رہی تھیں۔

"ایسے ہی خواہ مخواہ امی جان! یہ ہماری اپنی خوشیاں ہیں، ان پر صرف ہمارا حق ہے۔ ہمارے پاس کون سے خوشیوں کے انبار لگے پڑے ہیں۔ ہر وقت تو ڈانٹ پھٹکار ملا کرتی ہے۔ آج اتنے عرصے بعد ہمیں سکون کی یہ چند گھڑیاں میسر آئی ہیں۔ پلیز ہمیں کھل کر انجوائے کرنے دیں، کیوں بلال بھیا؟"

موم بتیاں جلاتے ہوئے شنذرا بلال کو دیکھ رہی تھی، جو اس وقت دکھ اور کرب کی کیفیت سے گزر رہا تھا۔ ان سب کی محروم اور نارسا زندگی پر اس کا دل کڑھ رہا تھا۔

"پھپھو! شنذرا بہت سمجھ دار لڑکی ہے اور بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔ خوشی کی گھڑیاں جب میسر آئیں انہیں دامن میں سمیٹ لینا چاہئے تاکہ محرومی کے وقت ان گھڑیوں کے احساس کا لمس محرومی کی شدت کو کم کر سکے۔ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو ایسی بے شمار خوشیاں نصیب کرے۔"

بلال نے گمبھیر لہجے میں کچھ اتنے جذبے اور خلوص سے کہا کہ پہلی بار زیب نے نظریں اٹھا کر اس مخلص سے بندے کو دیکھا۔ نظریں ایک لحظہ کو ملیں اور جھک گئیں۔ نہ جانے زیب کی نگاہوں میں کون سی ایسی تحریر پڑھ لی تھی کہ ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"لو بھئی، فرخ میاں! کیک کا گلا کاٹو۔ سچ بڑی بھوک لگی ہے اور آج تو لگتا ہے شنذرا بی بی نے اپنی ہنرمندی کے وہ جوہر دکھائے ہیں، کھانے میں کہ واہ خوشبو ہی لذیذ ہے، چلو فرخ کیک کاٹو۔"

بلال نے فرخ کو چھری تھما کر...... کھانے کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو فرخ چھری سنبھال کر کیک کی طرف بڑھا۔

"ایک منٹ ارے یار! میرے پاس کیمرہ ہے، ابھی ریل ڈلوا کر لایا ہوں۔ یاد ہی نہیں رہا، چلو آج تمہاری سالگرہ کو ہم اپنے کیمرے میں مقید کر لیں۔"

اچانک ہی بلال کو کیمرے کا خیال آ گیا پھر شنذرا اور بلال کی ہلکی پھلکی باتوں اور فوٹوگرافی کے دوران وقت کی شاہراہ پر گزرنے والے یہ حسین رنگ برساتے لمحے ان سب کے لیے یادگار بن گئے۔ بلال نے ڈھیر ساری تصویریں اتاریں، وہ زیب کی ایک تنہا تصویر لینا چاہ رہا تھا جب کہ وہ گروپ تصویر میں بھی آنے سے ہچکچا رہی تھی۔

بھئی شنذرا! یہ تو کوئی دوستی نہ ہوئی کہ دوست کی معمولی سی خواہش بھی پوری نہ ہو سکتی ہو۔"

شنذرا بہت بولڈ اور سمجھ دار لڑکی تھی اور مخلص بھی۔ اسی لیے بلال نے اشاروں کنائیوں سے اپنے دل کا راز اس پر عیاں کر دیا تھا۔ شنذرا کو بے حد خوشی ہوئی تھی۔ بلال ویسے بھی ان سب کو بے حد پسند تھا۔ یہ جان لینے کے بعد شنذرا خاصی شوخ ہو گئی۔

"یہ بات نہ کہیں بلال بھیا! ہم دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔ دوستی میں جان بھی دینے کا ظرف رکھتے ہیں، چلئے اتاریئے تو ہماری ایک اچھی سی تصویر۔ ہم دونوں بہنوں کی خوبصورت

سی تصویر۔"

اور پھر شنذرا، زیب کے قریب آ کر بیٹھ گئی، مگر ایک منٹ کہہ کر فوراً وہاں سے ہٹ گئی اور زیب کا دلکش سراپا بلال کے کیمرے میں مقید ہو گیا۔ زیب کو اتنا پتا چل گیا تھا کہ تصویر اس کی اکیلی کی کھنچی گئی ہے مگر یہ نہیں جان پائی تھی کہ یہ بلال اور شنذرا کی ملی بھگت ہے۔ ورنہ وہ دونوں سے خفا ہو جاتی، لیکن وہ فکرمند ضرور تھی کہ اگر کبھی وہ تصویر باقی گھر والوں کے سامنے آ گئی تو کیا قیامت نہیں آئے گی۔ اس خوف سے وہ افسردہ سی ہو گئی۔ خصوصاً شوبی کی باتیں، تیز نگاہیں، اسے اندر تک جھلسا دیا کرتی تھیں اور ہر گزرنے والا لمحہ یہ اندیشہ لے کر آ رہا تھا کہ شعیب آ جائے گا۔ وہ خوفزدہ ہو رہی تھی کہ اگر وہ...... آ گیا اور اس نے بلال کو یوں یہاں ہنستے بولتے دیکھ لیا، خود تو جو کیچڑ اچھالے گا ہی باقی گھر والوں کو بھی نمک مرچ لگا کر بتائے گا۔

"اف میرے خدا...... پھر کیا جواز پیش کریں گے ہم لوگ۔ جب ثبوت سامنے موجود ہے۔ میرے رب یہ کیسی زندگی ہے کہ ایک خوشی کو ترس رہے ہیں، اگر کبھی کوئی خوشی مل ہی جائے تو اس کے عوض ملنے والے دکھ کا احساس ہی خوشی کے احساس کو ختم کر دیتا ہے۔"

وہ ان ہی پریشان کن خیالوں میں گم تھی اور صدف، شنذرا اور فرخ کے ساتھ باتوں اور شرارتوں میں گم بلال کی نگاہیں بار بار اس کے حسین چہرے پر تفکرات کے اترتے سائے دیکھ رہی تھیں۔ وہ جان رہا تھا کہ وہ کن تفکرات میں گھری ہوئی ہے۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ کانچ کا پیکر رکھنے والی اس پیاری سی لڑکی کو اپنے پیار اور خلوص کے حصار میں لے کر تمام تفکرات سے آزاد کرے، مگر ایسا اتنی جلدی ممکن نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس پر ایک نظر عنایت کی قیمت زیب کیا، سب کو چکانی پڑے گی۔ اسی لیے وہ کھل کر سامنے نہیں آ رہا تھا۔

"بلال بھیا! آپ کے آ جانے سے ہماری محفل سج گئی ہے۔ سچ ہمیں یقین نہیں تھا کہ ہم اتنا انجوائے کریں گے۔"

"جی ہاں بالکل بھیا! یہ ہماری زندگی کی پہلی خوشی ہے جس میں ہم نے اتنا انجوائے کیا ہے۔"

صدف، شنذرا اور بلال بے حد خوش تھے۔ اسی قسم کی خوشی کا اظہار نسیمہ بیگم نے بھی کیا تھا۔ جو اب نماز عشاء کے لیے اٹھ چکی تھیں۔

"بھئی آپ لوگوں کے اس خلوص کا شکریہ کہ سب نے میری آمد پر خوشی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ میرے آنے سے خوشی دوبالا ہو گئی، مگر زیب تو خاصی ڈسٹرب لگ رہی ہے۔ یوں جیسے میرا آنا ناگوار گزرا ہو۔"

بلال نے براہ راست زیب کا نام لیا تو زیب نے گھنیری پلکیں اٹھا کر شکوہ کناں نظروں سے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر جلدی سے برتن سمیٹنے لگی۔

"ارے نہیں بلال بھیا! بجو کی بس عادت ہے، کم گوئی فطرت ہے ان کی کسی بات کا اظہار نہیں کرتیں نہ خوشی کا نہ غم کا۔" صدف فوراً زیب کی ڈھال بن گئی۔

"ٹھیک ہے بندہ نہ کرے اظہار، مگر خاموشی کی بھی اپنی ایک زبان ہوتی ہے۔ بندہ کہنا چاہے تو خاموشی کی زبان کے ذریعے پوری داستان کہہ سکتا ہے۔"

بلال نے بھی شکوہ کرتی نظروں سے زیب کو دیکھا، جو اپنے کام میں یوں مصروف تھی گویا کمرے میں دوسرا بندہ ہی نہیں اور اس کی یہی بے حسی بلال کو مایوس کر دیتی۔

''اب ایسی بھی کوئی بات نہیں بلال بھیا، ہماری بجو دل کی بہت اچھی ہیں۔''

شذرا نے مسکرا کر زیب کو دیکھا۔

''بہت مشکل مقام کا نام لے لیا ہے تم نے شذرا۔ اب وہاں تک رسائی کہاں ممکن ہے، ہم جیسوں کے لیے۔''

بلال کی اس بات پر زیب کے چلتے ہاتھ رک گئے، مگر اس نے پلٹ کر بلال کو دیکھا نہیں۔

''صدف! فرخ! چلو، برتن کچن میں رکھ کر آؤ وہ لوگ آنے والے ہیں۔''

اس نے برتن سمیٹ کر صدف اور فرخ کو پکڑائے۔

''ارے بھئی، بچو! کیمرے میں ایک آخری تصویر رہ گئی ہے۔ چلو سب کا گروپ فوٹو ہو جائے تاکہ یادگار رہے کہ کبھی ہم نے اس طرح فرخ کی سالگرہ میں شرکت کی تھی۔''

بلال نے پھر کیمرہ سنبھالا۔ زیب تو تیار نہیں تھی، مگر سب کے اصرار پر زیب کو کھڑا ہونا پڑا۔ اس کا دل کسی بھی انجانے خدشے سے دھڑک رہا تھا، ذرا سی آہٹ پر لگتا کہ کوئی آ گیا ہے۔ اور پھر بلال نے ان سب بہن بھائیوں کا گروپ فوٹو بنا دیا۔

اس وقت نسیمہ بیگم کو عمیر بڑی شدت سے یاد آ رہا تھا۔ وہ ہوتا تو حالات کتنے مختلف ہوتے۔

''خدایا! میرے بچے کو زندگی اور صحت کے ساتھ مجھ سے ملا دے۔''

ماں کی ممتا کو خدا کے گھر سے پوری امید تھی کہ کبھی نہ کبھی ایک دن اچانک عمیر آ جائے گا اور وہ اسی دن کی آس میں جیئے جا رہی تھیں۔

''بھئی صدف! اب تو اچھی سی چائے پینے کو جی چاہ رہا ہے۔''

زیب جتنا چاہ رہی تھی کہ وہ شعیب کی آمد سے پہلے چلا جائے، وہ اتنا ہی پھیل رہا تھا۔ اب قالین پر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹتے ہوئے اس نے چائے کی فرمائش کر دی۔

''جی ابھی بنا کر لائی۔'' صدف جلدی سے اٹھ گئی۔

''نہیں صدف! میں خود بناتی ہوں چائے۔''

نسیمہ بیگم ماں تھیں، آج بچوں کو یوں خوش اور مطمئن دیکھ کر خوش تھیں اور چاہتی تھیں، جتنا انجوائے یہ لوگ کر سکتے ہیں کر لیں۔

''واہ! پھر تو چائے کا مزہ آ جائے گا بلال بھیا! آپ امی کے ہاتھوں کی چائے پئیں گے۔ ایسی چائے آپ نے کبھی نہیں پی ہو گی۔ اتنی مزے کی چائے بناتی ہیں امی جان...... صدف! تم امی کے ساتھ جاؤ۔ برتن وغیرہ دھو کر دینا۔'' شذرا ابھی اپنی جگہ پر بیٹھی بھی نہیں تھی کہ دوسرے کمرے سے فرخ کی آواز آئی۔

''شذرا باجی! دیکھئے تو کیسٹ وی سی آر میں پھنس گئی ہے۔''

''بدتمیز لڑکا ہے، پتا بھی ہے وی سی آر پہلے ہی خراب ہے، کیسٹ پھنسا دی، اب سارا الزام امی پر آئے گا۔'' شذرا بولتی ہوئی دوسرے کمرے کی طرف بھاگی۔

ڈرائنگ روم میں صرف زیب اور بلال رہ گئے تھے۔ پہلی بار یوں تنہائی میسر آئی تھی کہ کچھ کہہ سن لیا جا سکتا تھا۔ بلال اور کچھ نہیں چاہتا تھا وہ صرف زیب سے اس کی بے رخی کی وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اس نے زیب کو دیکھا جو صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔ یوں جیسے زبردستی اسے بٹھایا گیا ہو۔ وہ اٹھ کر بھاگ جانا چاہتی تھی۔ دل تھا کہ خوف سے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ بلال کی گہری نگاہوں یا موجودگی کا لطیف احساس کسی کے آ جانے کے خوف میں دب کر رہ گیا تھا۔ بلال بس اسے دیکھتا رہا۔ وہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا، مگر اب جب کہ موقع ملا تو الفاظ گونگے ہو گئے۔ زبان اظہار کی قوت کھو بیٹھی، بس اس کا یوں سامنے رہنا بھی غنیمت تھا۔ تھوڑی دیر بعد زیب جانے کے ارادے سے کھڑی ہوئی، تو بلال بھی کھڑا ہو گیا۔

''زیب پلیز! ابھی نہ جانا، ایک بات کرنی ہے تم سے۔''

بلال اس کی طرف بڑھا۔ عین اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی، تو زیب نے خوفزدہ نظروں سے بلال کو دیکھا اور اس سے قبل کہ زیب باہر نکلتی شعیب سر پر سوار ہو گیا اور اس خشمگیں نظروں سے زیب اور بلال کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت نسیمہ بیگم اور صدف چائے لے کر آ گئیں۔

''ارے شوبی بیٹا! آ گئے...... صدف! جاؤ بھائی کے لیے کھانا گرم کرو۔''

نسیمہ بیگم بھی اندر سے دہل گئی تھیں۔ ویسے تو کوئی بات نہیں تھی، مگر بلال کی موجودگی ہمیشہ ہی شعیب کو گراں گزرا کرتی تھی اور آج تو سب کی عدم موجودگی میں وہ یہاں تھا ان کے پاس۔

''نہیں پھپھو! کھانا میں دوست کے ہاں سے کھا کر آیا ہوں۔ آپ لوگ تو لگتا ہے، کسی تقریب سے فارغ ہوئے ہیں، باقی سب کہاں ہیں۔''

اس نے بکھری ہوئی چیزوں اور چند تحائف کو دیکھ کر طنزیہ سے لہجے میں کہا۔ زیب پر تو خاصی چبھتی ہوئی نگاہ ڈالی تھی اس نے، وہ سر تا پا کانپ گئی۔

''بیٹا! سب لوگ تو ظہیر بھائی کے ہاں گئے ہیں۔ آج چونکہ فرخ کی برتھ ڈے تھی لڑکیوں نے یہ ہلا گلا کر لیا، بس میں تو ایسا نہیں چاہتی تھی۔''

نسیمہ بیگم، شعیب کی حیثیت جانتی تھیں، اسی لیے چور سے لہجے میں وضاحتیں پیش کر رہی تھیں۔ یوں جیسے وہ ان کا کوئی بزرگ ہو۔ لڑکیوں کو خصوصاً شذرا کو ماں کا یوں وضاحت کرنا اچھا تو نہیں لگا تھا، مگر وہ خاموش رہی۔

''تم اچھے میزبان ہو بلال کہ اتنے ڈھیر سارے مہمان گھر پر گئے اور تم......''

شوبی کو اور کسی بات سے دلچسپی نہیں تھی، سوائے اس بات کے کہ بلال یہاں تھا اور بلال بھی اس کے طنز کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

''ہاں ہے تو یہ غلط بات، لیکن اتفاق سے یہ لوگ یہاں سے ہمارے گھر گئے، مگر میں ان کی آمد سے قبل ہی اپنے دوست کے ہاں جا چکا تھا۔ واپسی پر سوچا سب سے ملتا چلوں۔ یہاں آ کر پتا چلا کہ سب لوگ ہمارے ہاں گئے ہوئے ہیں اور فرخ میاں اپنی سالگرہ منا رہے ہیں۔ میں بھی شریک ہو گیا۔ بغیر تحفے کے۔''

شعیب کے آ جانے سے ماحول، جو بوجھل ہو گیا تھا، بلال اسے ختم کرنے کی کوشش میں فرخ

کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"یہ سارے حسین اتفاقات، اتفاق سے تمہارے ہی ساتھ کیوں ہوتے ہیں۔"

شوبی نے ذرا کٹیلے لہجے میں کہا۔

"یہ میرے خدا کی مہربانی ہے بھائی! شکرگزار ہوں اس کی ذات کا۔"

بلال بھی اسے خاص اہمیت نہیں دے رہا تھا، مگر زیب اور نسیمہ بیگم کی جان پر بنی ہوئی تھی، جن کو جواب دینا تھا اب نجانے شوبی خود سے کیا اضافے کرے۔

"زیب! چلو جاؤ میرے کپڑے استری کرو، بہت ہو گیا انجوائے منٹ۔"

شعیب نے یوں حقارت سے کہا، جیسے وہ اس کی زرخرید لونڈی ہو۔ بلال کا خون کھول گیا، اس کے اس انداز پر مگر وہ کچھ بھی تو نہیں کہہ سکتا تھا۔

"شلوار قمیص کروں ناں؟"

زیب خود جلدی سے اس جگہ سے ہٹ جانا چاہتی تھی، وہ بلال کے سامنے ذلیل ہونا نہیں چاہتی تھی۔

"ظاہر ہے رات کے وقت میں پینٹ شرٹ پہننے سے رہا۔"

شعیب نے ..... کھا جانے والے اکھڑ انداز میں کہا تو زیب دروازے کی طرف بڑھی۔

"اوہو تو گویا فوٹو گرافی بھی ہوئی ہے۔ چلو فرخ تمہاری سالگرہ کی فلمی رپورٹ ہم اس کیمرے کی بدولت دیکھ لیں گے۔"

شعیب نے صوفے پر پڑا ہوا کیمرہ اٹھا کر دیکھتے ہوئے ایک طنزیہ سی نظر بلال پر ڈالی تو زیب کے قدم جہاں تھے، وہیں تھم گئے، اس لیے وہ تصویریں کھنچوانے کے خلاف تھی۔

"افسوس کہ ایسا ممکن نہیں شعیب! اس لیے کہ میں یہ کیمرہ اپنے دوست سے لینے گیا تھا، لیکن مجھے کیا خبر تھی، یہاں فرخ اپنی برتھ ڈے منا رہا ہے، میں ریل بھی ڈلوا لاتا اور اس موقع کو یادگار بنا لیتا۔"

بلال چونکہ ریل شعیب کے آنے سے قبل ہی نکال کر جیب میں رکھ چکا تھا اب اس نے اتنے اعتماد اور خوبصورتی سے بات بنائی کہ زیب کا رکا ہوا سانس بحال ہو گیا۔ کیسے بروقت اس نے بات سنبھال لی تھی۔ شعیب کو بھی گویا اس کی بات پر اعتبار سا آ گیا۔

"اچھا پھپھو! میں اب چلتا ہوں۔"

"اچھا بیٹا جاؤ، خدا کی امان میں، ظہیر بھائی اور بھابی کو میرا سلام کہنا۔"

نسیمہ بیگم خود یہ چاہتی تھیں کہ وہ اب چلا جائے۔ وہ تو اب آئندہ کے حالات کے لیے خود کو تیار کر رہی تھیں۔ شعیب کے لیے یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی، جسے وہ ہضم کر جاتا۔ اچھے خاصے فساد کی بنیاد پڑ گئی تھی۔ بلال کے یہاں آنے سے، اگر شعیب، بلال کو یہاں نہ دیکھ لیتا، تو یہ بات کسی کو معلوم ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ بلال ان کی عدم موجودگی میں یہاں آیا تھا۔

"کھانا بہت مزے دار تھا۔ فرخ کا گفٹ ادھار رہا اور شنذرا اس احمق لڑکی کو بھی سمجھایا کرو کہ صرف خدا سے ڈرا کرے۔ انسانوں سے نہیں، انسان کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

دروازے تک خدا حافظ کہنے کے لیے ساتھ آئی ہوئی شنذرا کو وہ سمجھا رہا تھا۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا، اپنا اپنا سا، بالکل عمیر بھیا کی طرح۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟" بلال نے شنذرا کے سر پر چپت لگائی۔

"بھیا! آپ..... آپ ہمیشہ کے لیے ہمارے نہیں ہو سکتے، کوئی تو ہو جو ہماری ڈھال بن کر ہمارے سامنے آ جائے اور..... ہمیں ان ستمگروں سے آزاد کرائے۔"

نجانے کیوں بلال کو دیکھ کر شنذرا کو آج شدت سے عمیر بھیا کی یاد آ رہی تھی۔ وہ ہوتا تو بلال کی طرح، جوان اور مضبوط سہارا ہوتا ان لوگوں کا، تب کسی کی کیا مجال تھی کہ ان کو کچھ کہہ جائے یا یہ لوگ سسک سسک کر زندگی بسر کرتے۔

"ارے لڑکی! میں تو تمہیں بہت دلیر اور نڈر..... سمجھتا تھا..... انقلابی لڑکی..... یہ بے بسی، یہ آنسو تمہاری آنکھوں میں اچھے نہیں لگتے اور پھر خدا سے دعا کرو کہ میں واقعی تم لوگوں کی ڈھال بن جاؤں اور دل چھوٹا نہیں کرنا۔ آئندہ کبھی نہیں! تم تو بڑی آئیڈیل قسم کی لڑکی ہو۔ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں سے گھبرانا تمہیں زیب نہیں دیتا اور ہاں تین چار روز بعد تصویریں لے کر آؤں گا، دیکھ کر مجھے دے دینا، میں اپنے پاس رکھ لوں گا..... اگر یہاں رہیں تو کبھی نہ کبھی یہ راز افشا ہو سکتا ہے اور یہ لوگ کتنے کم ظرف ہیں، اس کا اندازہ تم لوگوں کو زیادہ ہے، ٹھیک ہے ناں؟"

"جی بالکل، آپ درست کہہ رہے ہیں، آپ اپنے پاس ہی رکھیے گا، تصویریں۔ پتا نہیں کب ہمیں آزادی نصیب ہوگی۔"

"ضرور ہوگی، ان شاء اللہ! سب ٹھیک ہو جائے گا، او کے میں چلتا ہوں۔ اور سنو! اس کا خیال رکھا کرو۔ اس کا یوں شعیب کا حکم ماننا مجھے قطعی پسند نہیں۔" بلال نے ناگواری سے کہا۔

"ہمیں کیا یہ سب بھاتا ہے بھیا! امی کہتی ہیں کہ یہ سائبان چھن گیا تو کہاں جائیں گے، ہمیں اس سائبان کا کرایہ اپنی غلامی کی صورت میں دینا پڑتا ہے، کیا کریں؟"

"ہاں، میں بھی اسی لیے خاموش ہوں کہ ابھی کچھ نہیں کر سکتا، اپنے پیروں پر اچھی طرح کھڑا ہو جاؤں، تو زیب تو کیا، سب کو یہاں سے لے جاؤں گا، اچھا خدا حافظ۔"

رات کے بارہ بجے کے قریب سب لوگ واپس آئے۔ فائزہ اور صائمہ کے منہ بنے ہوئے تھے کیونکہ بلال تو گھر سے پہلے ہی غائب تھا اور طلال کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر کسی ضروری کام کا بہانہ بنا کر جو غائب ہوا تو ان کی واپسی تک نہیں لوٹا تھا۔ وہ لوگ بڑی بے مزا ہوئی تھیں۔ یہ بناؤ سنگھار یہ ناز و ادا سب ہی دھرا رہ گیا تھا۔

نسیمہ بیگم خوفزدہ ہو رہی تھیں۔ جانے کب بم پھٹ جائے۔ وہ شنذرا کو وہاں سے لے جانا چاہتی تھیں کیونکہ اس میں برداشت کا مادہ بالکل نہیں تھا۔ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا اپنا حق سمجھتی تھی۔

وہاں سے ندا اور جمال وغیرہ ساتھ آئے تھے اور وہ ظہیر بھائی کے بچوں کے سامنے کوئی تماشا نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں۔

"یہ زیب کہاں ہے، اس سے کہو کہ چائے بنائے، سب تھکے ہوئے ہیں۔"

آسیہ بیگم تخت پر پان دان سامنے رکھ کر یوں تھکے ہوئے لہجے میں بولیں، گویا پیدل چل کر آئی

ہوں۔

''میں بناتی ہوں، بھابی جان چائے سب ہی پئیں گے ناں؟''

نسیمہ بیگم جانتی تھیں کہ زیب کپڑے استری کر کے جا کر لیٹ گئی ہو گی۔ اس لیے فوراً کچن میں آ گئیں۔

اوہو! برتن ابھی تک گندے پڑے ہیں۔ زاہدہ یا آسیہ بھابی ادھر آ گئیں تو کتنا بولیں گی۔'' وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر جلدی سے باہر آئیں تاکہ صدف یا شندرا کو برتن دھونے کا کہیں، ورنہ تو ہنگامہ کر دیں گی یہ دونوں خواتین۔

''ارے بھئی، تم لوگوں نے فرخ کو ہیپی برتھ ڈے نہیں کہا۔''

ہال میں سب موجود تھے اور شعیب کہہ رہا تھا۔

نسیمہ بیگم کے قدم دروازے کی دہلیز کے باہر ہی رک گئے، جس ہنگامے سے وہ خوفزدہ ہو رہی تھیں، اس کی ابتدا ہو گئی تھی۔

''اوہو! تو کیا آج فرخ میاں کی برتھ ڈے تھی اور ہمیں خبر ہی نہیں ہوئی کہ دنیا کی سب سے بڑی فسادی کے برادر عزیز کی سالگرہ ہے۔''

اسد نے چبھتی ہوئی نظروں سے شندرا کو دیکھا۔ وہ اس واقعے کے بعد اس سے خصوصی عناد رکھنے لگا تھا۔

''ہونہہ! یہ بہت خاص بات تھی۔ دنیا کے سب سے بڑے حاسدی اور اہم لوگوں کے لیے ہی یہ اہم خبر تھی۔'' شندرا نے بھی زہر میں بجھا تیر اس کی طرف اچھالا۔

''ہاں اور وہ اہم لوگ اس آج کی ارینج سالگرہ پارٹی کے گیسٹ آف آنر تھے۔ مستقبل کے سول انجینئر بلال ظہیر۔''

''کیا...... کیا بلال یہاں تھے۔ آنٹی تو کہہ رہی تھیں کہ اپنے کسی دوست کے ہاں گئے ہیں۔''

صائمہ کو گویا کرنٹ لگا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

''ہاں، یہاں بھی تو ان کے دوست ہی ہیں، دشمن تو نہیں۔ ان ہی دوستوں کا کہا ہو گا ناں۔''

شعیب بڑے برے انداز میں بات کر رہا تھا۔

نسیمہ بیگم وہاں سے ہٹ گئیں۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں شندرا جھگڑا نہ کر دے۔

''ہوں تو پھر طلال بھی یقیناً یہیں ہوں گے، ابھی امی کو بتاتی ہوں۔''

فائزہ بھی طیش میں کھڑی ہو گئی، مگر شوبی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

''نہیں بھئی، ان گناہ گار آنکھوں نے صرف بلال صاحب کو دیکھا ہے، طلال کو نہیں۔''

اور بات کوئی معمولی نہ تھی کہ دب جاتی یا ختم ہو جاتی، ویسے تو شاید اتنی اہمیت نہ رکھتی یہ بات، مگر ساری گڑبڑ بلال کے آنے سے ہو گئی تھی کیونکہ ان سب کے لیے نہ فرخ اہم تھا نہ اس کی برتھ ڈے اور یوں چوری چھپے سالگرہ منانے کی خطا بھی معاف ہو سکتی تھی مگر اہم بات اور سنگین جرم...... تو بلال کی آمد تھی اور سب چھوٹے بڑے اس بات پر متفق تھے کہ بلال کو پہلے سے پتا تھا اور یہ سالگرہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت منائی گئی ہے اور بلال کو باقاعدہ مدعو کیا گیا ہے۔

''یہ نسیمہ تو ہے ہی جادوگرنی۔ جانے کیا ہے اس کے پاس کہ جس مرد کو چاہتی ہے اپنا بنا لیتی ہے...... بیٹیوں میں بھی وہی گر ہیں۔ بتاؤ بھلا، کوئی تک ہے کہ گھر بھرا ہوا ہے مہمانوں سے اور بلال میاں یہاں ہیں۔ نہیں بھابی جان! ہمیں اس بارے میں کوئی قدم اٹھانا پڑے گا ورنہ تو یہ ہماری اور ہمارے بچوں کی خوشیوں کو نگل جائے گی۔

زاہدہ بیگم کے تو تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی یہ جان کر......

''ہاں، سوچ میں تو میں بھی پڑ گئی ہوں۔ ارے بابا اس عورت میں تو واقعی جادو ہے۔ دیکھو ناں، ظہیر بھائی ابھی تک اس کے عشق میں روز اول کی طرح مبتلا ہیں، تو بیٹیوں کو بھی تو وہی تربیت دے گی ناں، مگر کریں کیا۔ گھر کے سارے مرد تو جان دیتے ہیں اس پر اور اس کے بچوں پر۔'' آسیہ بیگم اپنے شوہر کی طرف سے مایوس تھیں، کیونکہ وہ بیوہ بہن کے خلاف ایک بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔

''خیر بھابی، یہ بات نہ کریں۔ میرے مشتاق اور فیاض تو ایسے نہیں، جو بات کروں فوراً اعتبار کر لیتے ہیں۔ وہ دونوں بھی ان کو رکھنے کے حق میں نہیں، مگر کہاں دھکا دیں ان کو۔ اب تو لڑکیاں بھی جوان ہو گئی ہیں اور لڑکیاں بھی ایسی کہ خدا کی پناہ اور یہ جو طوفان ہے ناں شندرا! یہ تو دیکھنا، دن میں تارے نہ دکھائے ماں کو تو کہنا، ابھی تو اسے باہر نکلنے کا موقع نہیں مل رہا۔ ادھر باہر نکلی تو ادھر ناک کٹوائے گی خاندان بھر کی۔''

''تو ہے اصل نسیمہ پر۔ اوپر سے کیسی معصوم اور مظلوم بنی رہتی ہے۔''

ہونہہ بھابی جان! [illegible] ہے پوری، مجھے تو طلال اور بلال کی فکر لاحق ہو گئی ہے۔ ظہیر تو پہلے ہی نسیمہ کے دیوانے ہیں، لڑکے بھی اس کی لڑکیوں کے دیوانہ ہو گئے، تو ہم کہاں جائیں گے بھلا؟''

دونوں دیورانی اور جیٹھانی نند اور نند کی بیٹیوں سے خوفزدہ بیٹھی زہر اگل رہی تھیں، لیکن شاید وہ اس حقیقت سے ناآشنا تھیں کہ جن کا کوئی نہیں ہوتا، ان کا خدا...... ہوتا ہے۔ اب بات کا دائرہ بچوں اور عورتوں سے پھیل کر مردوں تک جا پہنچا۔

''نسیمہ باجی! آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا؟ مشتاق احمد نے بڑی بہن کو گھور کر یوں دیکھا گویا انہوں نے جانے کیا کر دیا ہے۔''

''مشتاق! میرے بھائی! یہ۔ یہ ان لڑکیوں نے ایسا کیا ورنہ میں کب ایسا چاہتی تھی۔'' وہ مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی مجرم بن گئیں۔

''حد ہوتی ہے نسیمہ! اب ٹھیک ہے، ظہیر بھیا میرے بھائی ہیں۔ بلال کوئی غیر نہیں مگر پھر بھی سو پردے ہوتے ہیں، انسان کے، تم نے یوں چوری چھپے فرخ کی سالگرہ ارینج کر ڈالی اور بلال کو بلا لیا۔''

اس بے بنیاد الزام پر نسیمہ بیگم ماہی بے آب کی طرح تڑپ کر رہ گئیں۔

''نہیں بھائی جان! خدا گواہ ہے، یہ پروگرام لڑکیوں نے اچانک ہی بنا لیا۔ بلال تو اتفاقاً آ گیا ورنہ میری کیا مجال یا حیثیت کہ یہ سب کروں یا بلال کو بلاؤں۔''

نسیمہ بیگم نیچے قالین پر گر سی گئیں، اس کے اپنے ہی چھوٹے بڑے ان کو یوں مشکوک نظروں سے دیکھ رہے تھے، گویا انہوں نے واقعی جانے ایسا کون سا گناہ کر دیا ہے جس کی کوئی معافی، کوئی توبہ نہیں۔

"یہ تو اور بھی بری بات ہے باجی کہ جیسے ہی ہم لوگ نکلے آپ لوگوں نے پروگرام شروع کر دیا۔ اچانک بلال نے آکر دیکھا ہوگا تو کیا رائے قائم کی ہوگی، ہمارے بارے میں کہ ہم لوگ اتنے ہی برے ہیں اور آپ لوگوں کو کچھ نہیں دیتے کہ آپ ہماری عدم موجودگی میں سالگرہ مناتی پھریں۔ اب کل کو ہم نے بلال اور طلال کو اپنی بیٹیاں دینی ہیں، کیا سوچیں گے وہ لوگ۔"

مشتاق احمد نے منہ بناتے ہوئے کہا اور زاہدہ بیگم نے سر ہلا کر شوہر کی تائید کی۔

"ضرور میرے بھائی ضرور۔ بلال اور طلال کو بیٹیاں دو۔ تم لوگوں کی اولاد میری اپنی ہے۔ میں ان کی خوشیوں کے لیے دعا کرتی ہوں۔ بھائی مگر خدا کے لیے مجھے اور میری بیٹیوں کو غلط نہ سمجھو۔"

نسیمہ بیگم نے ملتجیانہ لہجے میں کہا تو فیاض ایک تیز نگاہ ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

"گستاخی معاف باجی! آپ کی بیٹیاں بہت تیز ہو گئی ہیں۔ خصوصاً شنذرا۔ آپ خود سمجھا لیں گی یا میں اپنے انداز میں سمجھاؤں۔ ان لوگوں کو کیونکہ بدتمیزی میں برداشت نہیں کر سکتا۔"

یہ فیاض تھے جنہیں نسیمہ بیگم نے گود میں کھلایا تھا۔ کتنے ناز نخرے وہ اٹھایا کرتی تھیں ان کے۔ آج وقت نے ان کے در پر لا پھینکا تو کتنی بے وقعت ہو گئی تھیں۔ وہ اور ان کی بیٹیاں جن کو وہ اور تیز کہہ رہے تھے اور اپنے انداز میں سمجھانے کو کہہ رہے تھے۔

"ٹھیک ہے بھیا! وقت اسی کا ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں اس کی لگام ہو، اور میرے ہاتھ سے یہ لگام چھوٹ چکی ہے۔ جو تم لوگوں کے جی میں آئے کرو میں لب نہ کھولوں گی۔"

نسیمہ بیگم ٹیسوں کو دباتی وہاں سے اٹھ کر آ گئیں۔

"شنذرا! صدف! فرخ! چلو بیٹا، رات بہت ہو گئی۔ سو جاؤ آ کر۔" اب ہال کمرے میں صوفے بچھے ہی رہ گئے تھے۔ شنذرا صدف اور فرخ بھی۔ موجود تھے، نسیمہ بیگم نے جیسے ہی کہا، تینوں کھڑے ہو گئے۔

"ارے نہیں پھوپھو! آپ آرام کریں جا کر آج ہمارا پروگرام رت جگے کا ہے، خوب انجوائے کرنے کا موڈ ہے۔ آپ آرام کریں، ان لوگوں کو یہیں رہنے دیں۔"

جمال اور ندا نے بڑھ کر شنذرا اور صدف کو روک لیا تو ایک آہ نسیمہ بیگم کے لبوں پر آ گئی۔

"خوش رہو بیٹا! خوشیاں تم لوگوں کا ہی مقدر ہیں۔ ہمیں تو یہ راس ہی نہیں آتیں تھوڑا سا ہنس لیں تو اتنا رونا پڑتا ہے کہ۔"

"پھپھو پلیز، ان دونوں کو یہیں رہنے دیں۔"

ندا نے ضد کی تو وہ واپس آ گئیں مگر ان کو شنذرا کی طرف سے دھڑکا ہی لگا رہا کہ کہیں اسد کے ساتھ الجھ نہ پڑے۔

"ہاں تو ساتھیو! آج ہم یہاں جمع ہیں۔ ہم سارے کزنز مل کر رت جگا منائیں گے اور بغیر کسی دنگا فساد کے خوب انجوائے کریں گے۔ شنذرا اور اسد خاص طور پر اس ہدایت پر عمل کریں گے۔" منیب نے بلند آواز میں بولتے ہوئے اسد اور شنذرا کو خاص طور سے مخاطب کیا۔

"او کم آن موبی یار۔ کیا بے تکی بات کی ہے، ہم اسٹینڈرڈ کے لوگوں سے دشمنی اور دوستی رکھتے ہیں۔ ان چھوٹے کیڑے مکوڑوں سے کیا دوستی کیا دشمنی!" اسد نے حقارت بھری نظروں سے شنذرا کو

دیکھا۔

"شاید موصوف نہیں جانتے کہ بھاری بھرکم اسٹینڈرڈ رکھنے والا ہاتھی بے وقعت سی بے حیثیت سی چیونٹی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔"

"بھئی یہ فضول ہے شنذرا، اسد"

"اوبجیکشن پلیز جمال میرا نام شنذرا کے ساتھ نہیں لیا جائے، میں قطعی پسند نہیں کرتا اس بات کو۔"

جمال نے جیسے ہی شنذرا، اسد کہا۔ اسد ہاتھ اٹھا کر احتجاجاً کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی اپنے نام کی توہین برداشت نہیں کروں گی۔ کہ اس کے نام کے ساتھ میرا نام لیا جائے۔" شنذرا نے بھی اسی نفرت اور حقارت سے کہا۔

"سوچ لو، دونوں کہیں ایسا نہ ہو ایک وقت ایسا آئے کہ دونوں ایک دوسرے کے نام کے ساتھ نام لینا خوش نصیبی سمجھو۔"

منیب نے شوخ نظروں سے شنذرا اور اسد کو دیکھا۔

"خدا نہ کرے۔" دونوں بیک زبان بولے۔

"تو چلو بھئی۔ ہم لوگ اپنی نیند کیوں خراب کر رہے ہیں۔ جب کسی میں بھی برداشت نہیں تو ہم یہاں جمع کس لیے ہوئے ہیں یار اسد اسی تماشے کو دکھانے کے لیے تم یہاں لائے تھے۔' جمال اور ندا سب سے خفا ہو کر الگ بیٹھ گئے۔ اسد کو احساس ہوا تو اس نے اپنا موڈ بحال کر لیا۔

"او کے ساتھیو! آج ہم خوب انجوائے کریں گے اور کل تم سب کو میں اپنے پاس ہونے اور میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کی...... ٹریٹ دوں گا، کسی بھی اچھے سے ہوٹل میں۔"

"ہپ ہپ ہرے۔"

جیسے ہی اسد نے یہ کہا، ہال کمرہ خوشی کی تالیوں اور نعروں سے گونج اٹھا۔

"ارے ہاں دوستو ہماری ڈیئر کزن شنذرا مراد بھی تو پاس ہوئی ہیں، کیا ہوا جو میڈیکل میں بیچاری نالائقی ایڈمیشن نہیں مل سکا مگر پاس تو ہوئی ہیں ناں۔ اسی لیے ہم ان سے بھی ٹریٹ لیں گے۔ پرسوں ہم شنذرا کے مہمان ہوں گے کسی اچھے سے ہوٹل میں۔ کیوں شنذرا! دو گی ناں ہمیں ٹریٹ۔"

اسد اپنی بدتمیزی سے کب باز آ سکتا تھا۔ وہ شوخی سے شنذرا کی طرف جھکا تو اس کا جی چاہا ایک ہاتھ جڑ دے مگر اب اسے خود پر بہت کنٹرول کرنا پڑتا تھا۔

"ہاں، میں ٹریٹ دوں گی، لیکن صرف تمہیں، وہ بھی قبرستان میں، آؤ گے ناں۔"

شنذرا کے اگر ہاتھ بے بس تھے بندھے ہوئے تھے، مگر لفظوں کے تیر تو آزاد تھے۔ اور یہ ہی اچھال کر وہ کچھ مطمئن ہو جایا کرتی تھیں۔ اسد چاہتا تو اس بات کا جواب ایسا دیتا کہ سارا گھر جمع ہو جاتا مگر وہ بھی کنٹرول میں آ گیا۔ یوں تو اسے سب گھر والوں کی سپورٹ حاصل تھی اور اجازت بھی، جتنا چاہے برا سلوک کر سکتے ہو، ٹکڑوں پر پلنے والی پھپھو کی بیٹیوں سے مگر جانے کیوں اسے پھپھو کا خیال آ جاتا تھا۔ سو اب بھی ان ہی کا خیال کر کے وہ چپ کر گیا۔

☆......☆......☆

آزاد قید خانے کے مقید پنچھی نے قید خانے سے رہائی کے لیے جو سرنگ نکالی تھی۔ وہ بیگم جان کے گھر جا کر ختم ہوئی تھی جہاں بیگم جان کی منہ بولی یا سگی یا لے پالک حسین بیٹی نے استقبال کیا تھا۔ اس سحر خیز حسن اور اداؤں نے نبیل کو مبہوت سا کر دیا۔ وہ اس کے حسن اور ناز و انداز میں کھو سا گیا۔ بیٹی کے ناز و ادا اور ماں کی محبت نے نبیل احمد کو دیوانہ کر دیا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اتنی زندگی جوان سے دور رہا، وہ زندگی اکارت گئی۔

"یار امجد! اس سے قبل تم مجھے اس جنت میں کیوں نہ لائے، میں ویران اور بور زندگی گزارتا رہا۔" نبیل احمد نے آہستگی سے امجد سے شکوہ کیا۔

"چلو۔ دیر آید درست آید اور دیکھو، بیگم جان کے ساتھ اس دیوانگی کا ہرگز اظہار نہ کرنا۔ وہ قیمت ہی دیوانگی کی لگاتی ہے۔ اس کے سامنے نارمل رہنے کی کوشش کرنا ویسے میں تمہیں اتنا کورا نہیں سمجھتا تھا کہ کسی حسین کی ایک جھلک ہی۔"

امجد ان سارے مراحل سے گزر چکا تھا۔ اس لیے اسے سمجھا رہا تھا۔

"یار امجد! تم نہیں جانتے کہ میری زندگی کتنی ویران، کیسی خشک ہے، کسی تپتے صحرا کی مانند اور مہوش پھر کیوں نہیں آئی۔ بس دس پندرہ منٹ بیٹھی تھی ہمارے پاس۔"

"یہ آپ کی دیوانگی ہے جناب ورنہ مہوش پورا ایک گھنٹہ اداؤں کے خزانے لٹاتی رہی ہے۔ تمہیں صرف دس پندرہ منٹ لگ رہے ہیں۔ اچھا اب سنبھل کر بیگم جان آ رہی ہے۔ بڑی ہوشیار اور مکار عورت ہے۔ سنبھل کر قدم رکھنا۔ اس دلدل میں۔ ٹھیک ہے میں نے تمہاری بوریت دور کرنے کے لیے تمہیں یہ راستہ ضرور دکھایا ہے مگر ایک مخلص دوست کی حیثیت سے نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتا ہوں۔ سنبھل کر قدم اٹھانا۔

امجد تو ہر لحاظ سے دوستی نبھا رہا تھا۔ سمجھا رہا تھا مگر نبیل کچھ نہیں سن رہا تھا۔ اس کے لیے یہ سب بہت نیا اور دلکش تھا۔ اتنا دلفریب کہ وہ اس فریب سے نکلنا نہیں چاہتا تھا؟ اب اسی لیے وہ امجد کی کسی بات پر دھیان نہیں دے رہا تھا۔

"ارے نبیل صاحب، آپ تو پہلی بار ہمارے ہاں آئے ہیں، بوریت تو نہیں ہو رہی۔" زیورات زرق برق لباس اور گہرے میک اپ میں پچاس پچپن کی بیگم جان خاصی دلکش تھی اور ادائیں تو لڑکیوں والی دکھاتی تھی۔

"ارے نہیں بیگم جان! آپ میزبان ہوں اور مہمان بور ہو، یہ کہاں لکھا ہے بھلا۔ یہ مہوش تو پھر نظر ہی نہیں آئیں۔"

امجد نبیل کے خیال سے مہوش کا پوچھ رہا تھا۔ جس کی نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ نبیل خوش ہو گیا کہ امجد نے اس کے جذبات کی ترجمانی کر دی۔

"ہاں، وہ بس چلی گئی، لیٹ گئی جا کر، نازک بہت ہے ناں، ذرا باتیں کر لے تو تھک جاتی ہے۔ ابھی میں اسے سیب کا جوس دے کر آئی ہوں، بہت نازوں سے پالا ہے میں نے اسے۔ یہ میری اپنی بیٹی تو نہیں مگر اپنی ہی اولاد سے بڑھ کر نخرے اٹھائے ہیں اس کے۔ بس چاہتی ہوں کہ ارے نبیل میاں، آپ نے یہ کباب تو لیے ہی نہیں، رات وشی کا، میں مہوش کو وشی کہتی ہوں، موڈ اچھا تھا اور پھر امجد میاں کا

فون آ گیا کہ آپ کل ان کے ساتھ آ رہے ہیں۔ تو وشی نے خود یہ کباب بنا ڈالے۔ تب ہی تو آج تھکی تھکی سی ہے۔ میں تو کچن کا کوئی کام اس سے نہیں کراتی۔ ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں۔ میری بیٹی کے، رنگت پر اثر پڑتا ہے اور میں اپنی بیٹیوں کے رنگ روپ پر بہت زیادہ توجہ دیتی ہوں۔"

بیگم جان نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی۔

"اچھا تو پھر بیگم جان اب ہمیں اجازت ہے ناں۔" امجد نے نبیل پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"جیسے تمہاری مرضی امجد میاں! ورنہ تم تو جانتے ہو کہ اس جگہ مہمان آنا بھی اپنی مرضی سے ہے اور جانا بھی اپنی مرضی سے ہے، بابا! ہم کوئی گناہ اپنے سر نہیں لیتے ویسے میں امید کرتی ہوں کہ اب نبیل بیٹا آتے جاتے رہیں گے کیوں نبیل بیٹا! میں درست کہہ رہی ہوں ناں۔" مصنوعی لٹ سے کھیلتے ہوئے بیگم جان نے اک ادا سے نبیل کی طرف دیکھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"جی، جی ہاں، کیوں نہیں روز آیا کروں گا بلکہ یہیں رہوں گا۔"

وہ بوکھلاہٹ میں وہ بھی کہہ گیا، جو نہیں کہنا چاہتا تھا۔ امجد نے گھور کر اسے دیکھا۔

"ارے امجد بیٹا! اسے مت گھورو۔ اچھا لگتا ہے بھولا بھالا سا بچہ مجھے اور اس کی معصوم حرکتیں اور باتیں کتنی اچھی ہیں، لگتا ہے، دنیا دیکھنے پہلی بار نکلا ہے۔"

بیگم جان بڑی خوش ہو رہی تھی نبیل کو دیکھ کر، اس سے مل کر، اس سے بیگم جان کو بہت سی امیدیں وابستہ ہو گئی تھیں۔

"جی ہاں، یہ ہی سمجھئے۔ یہ ابھی تک ماں کی گود میں ہمکنے والا بچہ ہے۔ اسے تو انگلی پکڑ کر چلنا سکھانا پڑے گا آپ کو۔ امجد نے قدرے برہمی سے کہا۔

"ارے چندا تو سکھا لیں گے چلنا بھی۔ یہ اگر بچہ ہے تو کیا ہوا ہم تو سمجھدار ہیں۔ بڑے ہیں، بزرگ ہیں اس کے۔ ہم نہیں سکھائیں گے تو اور کون سکھائے گا۔ بھلا نبیل بیٹا میں آنٹی ہوں تمہاری، یہ تمہارا اپنا گھر ہے جب دل گھبرائے تو آ جایا کرو، کوئی پابندی یا رکاوٹ نہیں ہے تم پر۔ تم بلا اجازت آ جایا کرو۔"

بیگم جان اٹھ کر نبیل کے صوفے پر اس کے قریب آ کر پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"واہ بیگم جان! اتنا عرصہ ہو گیا آپ کے ہاں آتے ہوئے مگر میں نے آپ کو آج تک کسی پر اتنا مہربان ہوتے نہیں دیکھا۔" امجد نے مسکرا کر بیگم جان کو دیکھا۔ جو بڑی وارفتگی سے نبیل کو دیکھ رہی تھی۔

"اور میں نے بھی اتنا پیارا اور بھولا بھالا سا بچہ نہیں دیکھا۔ اگلے ماہ وشی کی سالگرہ ہے میں تم دونوں کو ایک ماہ قبل ہی انوائٹ کر رہی ہوں۔ یہ نہ ہو عین وقت پر بہانے بنا لو۔ آؤ گے ناں؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں ضرور آئیں گے۔" نبیل نے ایسے کہا جیسے کہنا چاہ رہا ہو کہ ہم ابھی سے آ جاتے ہیں۔

"ہم وشی کی برتھ ڈے بھول سکتے ہیں بھلا۔ بیگم جان اب تو اجازت دیں۔ نیند آ رہی ہے زبردست۔ ایک بج رہا ہے۔ مجھے تو خیر چور دروازے سے گھر میں گھسنے کی اچھی خاصی پریکٹس ہو چکی ہے۔

نبیل کچا ہے پہلا دن ہے پکڑا نہ جائے چلو میاں اٹھو اب۔"

امجد نے نبیل کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ امجد کا اندازہ درست تھا۔ اسے تو کوئی طریقہ ہی نہیں آتا تھا۔ اندر جانے کا بڑے چھوٹے تمام گیٹ بند تھے۔ اب تو چوکیدار اپنی کرسی پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ اس نے باہر سے جائزہ لیا۔ فاطمہ باجی کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی جس کا مطلب تھا وہ اس کے انتظار میں جاگ رہی ہیں۔ جانے کیا بہانا بنایا ہوگا۔ ممی، پپا کے سامنے جو وہ لوگ یوں مطمئن ہو کر سو رہے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ فاطمہ نے کوئی جان دار سا بہانا بنایا ہوگا، تب وہ لوگ سو رہے ہیں۔

"اب رات کہاں بسر کی جائے؟" نبیل اب پریشان ہونے لگا تھا کیونکہ محلے کا چوکیدار اسے مشکوک انداز میں گھور رہا تھا۔ یہ غنیمت تھا کہ وہ جانتا تھا کہ وہ کون ہے۔

"چلو نبیل میاں، آج فضل کے مہمان بنتے ہیں۔" بہت سوچ کر وہ فضل ڈرائیور کے کوارٹر کی طرف آ گیا۔ ملازم تو ہر وقت مالک کا غلام رہتا ہے۔ فضل کے لیے یہ بات حیران کن تھی کہ وہ اس وقت آیا۔ پریشانی اس بات کی تھی کہ اسے کہاں سلائے اور اگر صاحب کو خبر ہو گئی۔

"چھوٹے صاحب! میں تو ہر طرح کی خدمت کے لیے حاضر ہوں، کہیں تو چوکیدار سے گیٹ کھلوا دوں۔ ہم دونوں میں یہ بات رہے گی۔ بڑے صاحب کو بھی خبر نہیں ہوگی۔"

وفادار ملازم نے اپنی خدمات حاضر کر دیں تو نبیل متاثر ہو گیا۔

"نہیں فضل شکریہ! ایک گیٹ کھل بھی گیا تو کیا ہوگا، میرے کمرے تک کئی گیٹ دروازے ہیں۔ جو تمہیں معلوم ہے کہ رات دس بجے ہی لاکڈ ہو جاتے ہیں۔ دس بجے کے بعد آنے والے کو تفتیشی مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ اب تو ڈیڑھ بج رہا ہے۔"

"تو پھر صاحب! میرا بستر جیسا بھی ہے، حاضر ہے سو جائیے، میں بڑے صاحب کے اٹھنے سے قبل آپ کو جگا دوں گا۔ آپ اندر چلے جائیے گا۔"

فضل نے اندر اس کے لیے اپنا بستر لگا دیا جو اس کے پاس میسر تھا دے دیا۔

"اور تم کہاں سوؤ گے فضل؟" بستر پر لیٹ کر نبیل کو اس کا خیال آیا۔

"ارے چھوٹے صاحب! آپ میری فکر نہ کریں۔ اللہ پاک نے ہم غریبوں کو اتنی صلاحیت عطا کر رکھی ہے کہ ہر قسم کے حالات سے سمجھوتہ کر لیتے ہیں۔ گزر کر لیتے ہیں۔ تب ہی تو زندہ رہتے ہیں آپ بے فکر ہو کر سو جائیں، میں چوکیدار خان بابا کے کوارٹر میں چلا جاتا ہوں۔"

فضل نے اپنا کھیس اٹھایا اور خان بابا کی طرف آ گیا جو اب ٹہل رہا تھا۔

"ارے فضل داد خانہ خراب تم سوئی نہیں اے۔" خان بابا ڈنڈا لے کر اس کی طرف بڑھا۔

جواب میں فضل نے ساری بات اسے بتا دی۔

"فضل یارا! مارا جوانی یہاں گزرا۔ اب بڑھاپا آ رہا ہے مگر ام اس صاب بیگم صاب کو اور ان کے طریقوں کو نہیں سمجھ سکا۔ یہ کیسا آدمی ہے فاروق صیب کسی بچے کا شادی نہیں بناتا، سارا بچہ بڈھا ہو رہا ہے۔"

پرانے اور وفادار ملازم نہ صرف مالک کے ہمراز ہوتے ہیں بلکہ ان کے بارے میں نرم گوشہ بھی رکھتے ہیں اور ان کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ خان بابا سب جانتا تھا۔ فاروق صاحب کے

بارے میں مگر وہ ملازم تھا کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

"میں کون سا نیا ہوں بابا! میرے باپ نے تمام عمر اس کی ڈرائیوری کی۔ اب میں کر رہا ہوں۔ کیا کچھ نہیں معلوم مگر کیا کریں، صاحب کو تو بس دولت عزیز ہے، شاید تب ہی کسی کی شادی نہیں کرتے۔ حد تک تو یہ ہے کہ بیگم صاحبہ بھی صاحب کے ساتھ ملی ہوئی ہیں ان کو سمجھاتی نہیں کہ لڑکیوں کی شادی کریں فاطمہ بی بی تو بس۔"

"ارے یارا! فاطمہ بی بی تو خدا قسم بالکل فرشتہ کی مانند ہے۔ خانہ خراب کے بچے نے بیڑا غرق کر دیا اتنی اچھی لڑکیوں کا۔ دولت کا ایسا لالچی باپ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ لعنت ہے ایسی دولت پر یارا! جو اولاد کی خوشیاں نہ خرید سکے۔ خدا قسم ام کو بڑا دکھ ہوتا ہے۔ یہ امارا بچی ..... ہوتا تو اُدر امارا وطن میں لڑکی ذرا بڑا ہوتا ہے تو اس کی شادی بنا دیتا ہے مگر اِدر شہر میں تو امارا سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔ اللہ پاک ایسے باپ کو کیسے معاف کرے گا۔ توبہ توبہ!"

خان بابا نے کانوں کو ہاتھ لگائے، اپنے اپنے کمروں میں سکون اور بے فکری کی نیند سوتے ہوئے فاروق احمد اور بیگم فاروق سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے ملازم ان کا نمک کھانے والے کیسی کیسی باتیں بنا رہے ہیں۔ مگر فاروق احمد اور بیگم فاروق کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو صرف اپنے آپ کو، اپنی سوچ کو اہمیت دیتے ہیں۔ زمانہ خواہ کچھ کہتا رہے پروا نہیں کرتے۔

"دولت ہی تو ساری فساد کی جڑ ہے بابا! یاد ہے ایک بار آمنہ بی بی کی بات کہیں ٹھہر گئی تھی۔ مگر وہ کم بخت بھی ان ہی کی طرح دولت کے پجاری نکلے۔ شادی سے پہلے بولنے لگے کہ ہمیں جائیداد میں لڑکی کا حصہ چاہئے اور اپنے صاحب کی تو جان ہے دولت جائیداد میں۔ جھٹ انکار کر دیا۔ لڑکیاں تو لڑکیاں، لڑکوں کی شادی نہیں کرتا، یہ لالچی انسان۔ میرا ایک چاچا بڑے راحیل بھیا کی عمر کا ہے اس کے بچے جوان ہیں۔ ویسے خان بابا ایک بات ہے صاحب کے بچے سارے شریف ہیں، ورنہ اتنے دولت مندوں کے بچے تو اس قدر بگڑے ہوتے ہیں کہ حد نہیں۔"

"تم بالکل درست بولا فضل بچے! یہ آدمی بڑا نصیب والا اے۔ اگر اس کا بچے بگڑے ہوتے تو تو یہ آدمی کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہتا۔ ارے ایسے خانہ خراب کو خدا کبھی معاف نہیں کرے گا جس نے اس کے رسول پاک کی سنت کو جھٹلایا۔ خدا دوزخ نصیب کرے ایسے ماں باپ کو جو اللہ اور اس کے رسول پاک کا حکم نہ مانے۔"

گھر کے مالک بے خبری کی نیند سو رہے تھے۔ نہ اولاد جانتی تھی کہ ملازم ان کے لیے کیا سوچتے ہیں اور نہ والدین ہی جانتے تھے کہ وہ احکام الٰہی سے منحرف ہو کر زمانے بھر کی لعن طعن سمیٹ رہے ہیں۔

"یا اللہ! نبیل ابھی تک نہیں آیا، کہیں کوئی حادثہ نہیں خدا نہ کرے منہ میں خاک، کیا کروں، کس کو بتاؤں، مما، پپا سے تو جھوٹ کہہ دیا کہ اس کا فون آ گیا تھا کہ وہ شاید امجد کے ہاں رات رک جائے مگر میں کیا کروں۔"

فاطمہ رات بھر جاگتی..... رہی تھی۔ پریشانی سے برا حال تھا۔ مگر کسے اپنا ہمراز بناتی۔ کس کو بتاتی۔

..........وہ آہستگی سے چلتی آمنہ کے کمرے میں آ گئی۔

''آمنہ، آمنہ!'' اس نے گہری نیند سوئی آمنہ کا شانہ ہلایا۔

''ہوں، ہاں کیا بھئی، باجی رات کو تو آرام کرنے دیا کرو۔'' گہری نیند خراب ہو جائے تو کسی کو بھی غصہ آ سکتا ہے۔ یہ تو آمنہ تھی تیز مزاج۔

''آمنہ، وہ نبیل ابھی تک نہیں آیا۔ ساڑھے چار بج رہے ہیں۔''

''ابھی نہیں آیا، رات تو آپ کہہ رہی تھیں کہ اس کا فون آیا تھا کہ۔''

''جھوٹ بولا تھا۔ مما پپا سے تا کہ وہ لوگ آرام سے سو جائیں، فکر نہ کریں، تمہیں پتا ہے کہ دونوں اکثر بیمار رہتے ہیں۔''

فرمانبرداری فاطمہ کو ہر کسی کا خیال تھا۔

''بجو! مت جھوٹ بول بول کر اپنی عاقبت خراب کرو، ہمیں کیا حاصل ہوتا ہے، ان قربانیوں کے عوض، کسی بھائی نے آج تک ہماری حمایت کی۔ ہمارے لیے کچھ کیا۔ پھر ہمیں کیا پڑی کہ ان کے لیے یوں راتوں کی نیندیں حرام کریں۔ جاؤ سو جاؤ جا کر، آ جائے گا، اللہ خیر کرے گا۔''

''خودغرضی کی باتیں نہ کرو۔ آمنہ محبتیں صلہ نہیں مانگتیں، یہ جذبہ بے لوث ہوتا ہے اور خون کے تعلق میں کسی صلے کی گنجائش ہی کب ہوتی ہے۔ تم کیسی بہن ہو، کیا اس کے لیے تمہارا دل پریشان نہیں ہوا۔ یہ تو سوچو کہ خدانخواستہ اسے کوئی حادثہ نہ پیش آ گیا ہو۔''

دونوں بہنیں اس بھائی کے لیے پریشان ہو رہی تھیں، جو فضل کے بستر پر آرام سے بے خبر ہو کر رنگین سپنوں میں گم تھا۔ صبح ساڑھے پانچ بجے فضل نے نبیل کو جگا دیا تو وہ دبے قدموں اندر آیا، فاطمہ اور آمنہ وضو کر کے نیچے آ رہی تھیں۔ اسے دیکھ کر دونوں کی جان میں جان آئی۔

''نبیل تم۔ خیریت سے تو ہو نا؟ کہاں رہے رات، کیا ہو گیا تھا۔''

فاطمہ نے فرطِ محبت سے چھوٹے بھائی کو ساتھ لگا کر تشویشناک نظروں سے اس کا جائزہ لیا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

''وہ باجی امجد کے ہاں سب دوست جمع ہو گئے تھے، باتوں میں وقت کا احساس ہی نہ رہا۔ ایک بجے واپس آیا تو سب سو چکے تھے، میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ فضل کے ساتھ سو گیا۔'' نبیل نے ساری بات بتا دی۔

''کیا تم فضل کے ساتھ اس کے بستر پر سوئے، کچھ احساس نہیں تمہیں اپنی حیثیت کا۔ پپا مما کو پتا چل جاتا تو قیامت آ جاتی اور کیا ضرورت تھی۔ امجد کے ہاں اتنی دیر رکنے کی، اور اگر ذرا احساس ہوتا تو دیکھ لیتے کہ بہنوں پر کیا بیت رہی تھی۔ مما پپا کو تو باجی نے یہ جھوٹ بول دیا کہ تمہارا فون آ گیا تھا کہ تم امجد کے ہاں رات رہو گے، وہ آرام سے سوئے رہے اور خود یہ تمام رات پریشانی سے ٹہلتی رہیں۔''

آمنہ نے تو اچھی خاصی خبر لے ڈالی نبیل کی۔ اس کی چونکہ غلطی تھی اس لیے وہ سر جھکائے سنتا رہا۔

''آمنہ! چلو چھوڑو، اب اس طرح ہو جاتا ہے کبھی کبھی۔ نبیل! آئندہ خیال رکھنا بھائی! بہت پریشانی ہوتی ہے۔ جاؤ، اب آرام کرو اور مما پپا کو وہی بتانا جو میں نے بتایا تھا...... آؤ آمنہ ہم نماز پڑھ

لیں......''

فاطمہ نے نبیل کے شانے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور خود دونوں نماز پڑھنے چل دیں۔ نبیل ان مہربان بہنوں کے بارے میں سوچتا ہوا آ گیا جن کے بارے میں سوچنے کی نہ بھائیوں کو فرصت تھی نہ والدین نے ضرورت محسوس کی تھی۔

فرحانہ کی مایوں مہندی تھی اور رومانہ نے کئی بار ملازم کو بھیجا۔ فاطمہ وغیرہ کو بلا لائے بجیلہ تو روز ہی فرحانہ کے ہاں جا رہی تھی۔ اسے شادی کے ہنگامے بہت اچھے لگتے تھے۔ شادی والا گھر کتنا اچھا لگتا تھا۔ ہر کوئی خوش اور مطمئن تھا ہر کسی کے چہرے پر خوشیوں کی بارات اتری ہوئی تھی۔ ایسے میں ان کا کتنا دل چاہتا کہ ان کے گھر میں بھی کسی کی شادی ہو، کسی کی ڈولی اٹھے، کوئی دلہن لے کر آئے۔ خوشیوں کے شادیانے بجیں تو کتنا مزا آئے مگر یہاں تو ارمان حسرتوں میں بدل چکے تھے، مگر کوئی خوشی ان کے گھر کی دہلیز پار نہیں کر پائی تھی، کتنے مصروف تھے سب لوگ فرحانہ کتنی خوش تھی۔ شرمائی لجائی سی، ہونٹوں پر خوشیوں بھری مسکراہٹ لیے آنکھوں میں آنے والے حسین دنوں کے خواب سجائے معمولی سے نقوش رکھنے والی فرحانہ اسے دنیا کی حسین ترین لڑکی لگ رہی تھی۔ شاید ساری لڑکیاں ہی ایسی حسین لگتی ہیں جن کی شادی ہو رہی ہوتی ہے۔

میرے نیہر سے آج مجھے آیا یہ پیلا جوڑا یہ ہری ہری چوڑیاں

ڈھولک پر بیٹھی لڑکیاں چیخ چیخ کر گا رہی تھیں۔ اور پیلے قدرے میلے جوڑے میں جس پر بڑے ارمانوں سے گوٹا لگایا تھا وہ شرما رہی تھی، بجل کے لیے یہ سب تکلیف دہ بھی تھا۔ اور اچھا بھی لگ رہا تھا۔ آمنہ اور فاطمہ بھی ایک کونے میں لگی بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر بعد آمنہ کو اس کی سہیلی..... اپنے ساتھ لے گئی۔ فاطمہ ہونٹوں پر مہربان سی مسکراہٹ لیے دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ مہندی کی رسم ہو رہی تھی۔ سات سہاگنیں فرحانہ کو مہندی لگا رہی تھیں۔

''ارے بھئی، آپ بھی آئیے ناں، فری کو، مہندی لگائیے۔''

جانے یہ کون...... خاتون تھیں یقیناً محلے سے باہر کی ہوں گی۔ تب ہی اسے مہندی لگانے کی آفر کر دی تھی۔ فاطمہ سرتا پا لرز گئی۔ اب وہ انہیں کیسے بتاتی کہ وہ کتنی بے مراد ہے کہ جس کے اپنے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی نہ سج سکی۔ وہ کسی اور کو لگانے کا حق کہاں رکھتی ہے۔ ظاہر ہے اس کی عمر کی کوئی عورت بھی غیر شادی شدہ نہیں ہو سکتی، تو اسے کیسے سمجھ لیا جائے مگر وہ کیسے بتائے کہ اس کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جن کے نصیب میں ایسی خوشیاں نہیں ہوتیں۔

''کیا سوچ رہی ہیں، آپ سے کہہ رہی ہوں، آئیے ناں۔''

وہ عورت بھی جیسے اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔

''مجھے رہنے دیں، آپ لگائیے پلیز۔''

فاطمہ نے بمشکل کہا اور وہاں سے اٹھ کر دوسری جگہ آ گئی۔ یہ بجل اور آمنہ جانے ہنگامے میں کہاں کھو گئی تھیں۔ اس عورت نے گویا سوئے ہوئے جذبوں کو جگا دیا تھا۔ ورنہ تو اس نے ان سب باتوں کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ آج پھر اس نے محرومیوں کو جگا دیا تھا۔ وہ جلدی گھر جانا چاہتی تھی۔ جانے گھر والے بھی کہاں تھے۔ کوئی بھی تو جان پہچان کا بندہ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ارے آپ یہاں بیٹھی ہیں، آپ رومانہ کی دوست ہیں ناں۔"

میک اپ اور زیورات سے لدی پھندی عورت اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"جی میں رومانہ کی دوست ہوں، ہم بچپن کے دوست ہیں۔"

فاطمہ نے نرمی سے کہا اور شکر کیا کہ اب اس کے ذریعے وہ رومانہ کو بلا سکتی ہے۔

"جی بھابی نے بھی بتایا ہے ابھی ابھی کہ آپ ان کی دوست ہیں، لہٰذا آپ کا خاص خیال رکھا جائے۔ میں نند ہوں رومانہ بھابی کی، کیا کرتے ہیں آپ کے شوہر کتنے بچے ہیں آپ کے؟"

وہ عورت اس کے اندر ہوتی تباہ کاریوں سے بے خبر بولے چلی گئی۔

"اوہو! مسرت تم یہاں کہیں ہانک رہی ہو اور تمہارا بیٹا تمہیں ڈھونڈ رہا ہے جاؤ۔" رومانہ جلدی سے اپنی نند کو بتاتے ہوئے آگے بڑھی، مگر فاطمہ پر نظر پڑی تو رک گئی۔

"ارے فاطمہ! تمہیں کیا ہوا، یہ رنگ کیوں اترا ہوا ہے۔"

رومانہ نے اس کا بے رنگ چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر پوچھا تو فاطمہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو روک پائی۔

مسرت کی باتیں تیر بن کر اتری تھیں دل میں۔

"کچھ نہیں رومانہ! اب میں جانا چاہتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"باجی! آپ کہاں، گھر چلیں جلدی سے۔"

آمنہ بوکھلائی ہوئی اندر آئی۔

☆......☆......☆

"آمنہ! خیریت تو ہے ناں؟"

فاطمہ جو توڑ پھوڑ کے عمل سے گزر رہی تھی، آمنہ کی پریشان صورت دیکھ کر تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"نہیں ناں، حمید آیا ہے۔ کہہ رہا ہے پپا جان کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے، جلدی چلو۔"

"اچھا! ٹھہرو...... میں بے بی کو بلا لاؤں۔"

فاطمہ جلدی سے اندر کی طرف بھاگی، جہاں نجل، فرحانہ کے ساتھ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف تھی۔ اس کی خوشیوں کے رنگوں میں اپنے لیے کوئی دلکش رنگ تلاش کر رہی تھی۔

"بے بی! جلدی چلو، پپا کی طبیعت......"

"اوہو بجو! آپ تو خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہیں بلڈ پریشر ذرا ہائی ہو گیا ہو گا، ٹھیک ہو جائیں گے۔ میں نہیں جاؤں گی، آپ کو جانا ہے تو جائیں۔"

نجل بہت بے مزا ہوئی اس کی بات پر۔ کتنی اچھی باتیں کر رہی تھیں۔ فرحانہ اور رخسانہ اسے دعا دے رہی تھیں کہ خدا تمہیں بھی ایسی خوشیاں نصیب کرے۔ وہ ابھی آمین بھی نہیں کہہ پائی تھی کہ فاطمہ آ گئی۔"

"بے بی کیسی باتیں کرتی ہو، چلو جلدی کرو پھر آ جانا، حمید بلانے آیا ہے تو خاص بات ہی ہو گی۔"

"ہونہہ! پھر آ جانا، جیسے اس قید خانے سے نکلنا اتنا ہی تو آسان ہے۔"

نجل بہت بے مزا ہوئی تھی۔ یہ سن کر وہ بڑبڑاتی ہوئی ساتھ آ تو گئی، مگر اس کا موڈ آف رہا اور پھر فاروق صاحب کو خیریت سے دیکھ کر وہ تپ گئی۔

"آپ ٹھیک ہیں پپا جان؟" فاطمہ اور آمنہ ایک ساتھ ان کی طرف بڑھیں۔

"آئی ایم آل رائٹ بیٹا! بس تمہاری مما پریشان ہو جاتی ہیں۔ انہوں نے ہی تم لوگوں کو بلوا لیا۔"

فاروق احمد نے ان کے متفکر چہروں کو دیکھ کر کہا، تو نجل نے شکایت بھری نظروں سے مما کو دیکھا۔

"مما! کبھی تو ہمیں بھی انجوائے کرنے دیا کریں بے فکر ہو کر۔"

اسے چھوٹی ہونے کی جو رعایت حاصل تھی، وہ اس سے بھرپور فائدہ اٹھاتی تھی۔

"کیا مطلب ہے بے بی تمہارا؟ کبھی سے کیا مراد ہے تمہاری، جتنی آرام و آسائش تم لوگوں کو حاصل ہے میرے خیال میں کسی اور کی ایسی لائف نہیں ہوگی، پھر بھی...... تم لوگ تنگ ہو۔"

بیگم فاروق احمد نے تجل کو تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کٹیلے لہجے میں ڈانٹا تو تینوں لڑکیاں اس آرام و آسائش جیسے لفظ کو سن کر، کڑھ کر رہ گئیں۔ آمنہ کا جی چاہا کہہ دے ممی پلیز، ہمیں آسائشوں کے اس شیش محل سے آزاد کر دیں، جس میں ہم سانس بھی اتنی احتیاط سے لیتے ہیں کہ کہیں یہ شیش محل ٹوٹ نہ جائے۔

"کم آن بے بی! خفا نہیں ہوا کرتے۔ بھئی، آپ کی مما کو ہم سے بہت محبت ہے ناں، اس لیے ہماری ذرا سی تکلیف پر بے تاب ہو جاتی ہیں۔"

فاروق احمد نے شوخ نظروں سے بیگم کو دیکھا۔

"آپ تو بس بنانے میں ماہر ہیں، آمنہ! چلو کھانا لگواؤ، لڑکے بھوکے پھر رہے ہیں۔"

"مگر ممی! ہمارا کھانا تو فرحانہ کے گھر ہے۔ اس کی ممی نے بہت اصرار کیا تھا...... ہم تو آپ کے بلانے پر دوڑے چلے آئے۔" آمنہ نے جلدی سے یاد دلایا۔

"ہاں بیگم! آمنہ درست کہہ رہی ہے، لیکن ہم تو جا نہیں سکتے۔ فاطمہ، آمنہ اور بے بی! تم لوگ جاؤ، کھانا کھا لینا، ڈاکٹر صاحب کو شکایت نہ رہے۔"

"فاروق صاحب نے جانے کی اجازت دی تو تجل خوش ہو گئی۔

"نہیں فاروق! اب یہ لوگ آ گئی ہیں، اب محض کھانے کے لیے جائیں گی تو اچھا نہیں لگے گا۔"

"جی پپا! مما درست کہہ رہی ہیں اب ہم جاتے اچھے نہیں لگتے۔ ویسے بھی رسم ہو چکی ہے۔ صرف کھانے کے لیے جائیں گے تو اچھا نہیں لگے گا۔"

فاطمہ تو اب وہاں قطعی جانا نہیں چاہتی تھی اور آمنہ کو بھی جانے سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، اس لیے وہ دونوں مما سے متفق ہو گئیں، پھر تجل کو تاؤ آ گیا۔

"لیکن میں جانا چاہتی ہوں...... فرحانہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ اس نے واپس آنے کو کہا تھا، اس لیے میں جاؤں گی۔ ویسے بھی وہاں شہر کا مشہور میوزیکل گروپ آ رہا ہے۔ میں جاؤں ناں پپا؟"

اس نے بہنوں کو تیز نظروں سے گھورا، پھر فاروق احمد کے گلے میں لاڈ سے بانہیں ڈال کر پوچھا۔

"ہاں جاؤ، لیکن میرے خیال میں میوزیکل پروگرام ساری رات جاری رہے گا مگر بیٹا آپ کو جلدی آنا ہوگا۔ جب بھی حمید آئے فوراً آ جانا۔"

"تھینک یو۔" اس نے پپا کی پیشانی پر پیار کیا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔

میک اپ جو ممی کی ہدایت پر ہلکا کیا تھا، اسے درست کیا اور تیزی سے باہر آ گئی۔ اس طرح کہ ممی کی نگاہ نہ پڑ جائے۔

"فاروق! اب دھیان میں رکھیے، خود ہی آپ ڈھیل دے دیتے ہیں۔ جب بچے اپنی من مانی کرتے ہیں تو مجھے کوستے ہیں۔ میری تربیت کو برا بھلا کہتے ہیں، جبکہ میں نے آج تک آپ کی حکم عدولی نہیں کی۔"

تجل کے جانے کے بعد بیگم فاروق نے شکوہ کر ڈالا، تو فاروق صاحب اچھے موڈ میں تھے، مسکرا دیے۔

مگر آمنہ کو غصہ آ گیا۔ جی میں آیا پوچھے کہ آپ کی اولاد نے کون سی من مانی کی ہے، کہاں گستاخی کی ہے۔

مگر وہ خاموشی سے کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

پھر اس نے وقت گزاری کے لیے فلم لگائی اور فاطمہ کو بلانے چلی آئی۔

"باجی! آ ئیں میں نے بڑی اچھی فلم لگائی ہے۔"

"لیکن آمنہ! میں بہت تھکن محسوس کر رہی ہوں۔ سر میں بھی درد ہے۔ سوری، میں اس وقت تمہیں کمپنی نہیں دے سکتی۔"

اس نے بوجھل آنکھوں سے آمنہ سے معذرت کر لی۔

"او کے! آپ آرام کریں آنکھیں بہت بوجھل ہو رہی ہیں آپ کی۔"

آمنہ نے آہستگی سے دروازہ چھوڑا اور مڑ گئی۔

فاطمہ نے دروازہ اچھی طرح لاک کر لیا اور بستر پر گر گئی۔ اس کے اعصاب بری طرح تنے ہوئے تھے، دماغ کی رگیں پھٹ جانے کی حد تک تنی ہوئی تھیں۔

"آپ بھی مہندی لگائیے ناں۔"

"آپ کے شوہر کیا کرتے ہیں؟"

"آپ کے بچے بھی بھابی کے بچوں جتنے ہوں گے۔"

لفظوں کی بازگشت کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں۔

"مما...... پپا! دیکھیے ہم نے آپ کی حکم عدولی نہیں کی، کبھی کچھ نہیں کہا مگر...... مگر یہ دنیا والے جینے نہیں دیتے۔ قدم قدم پر ہمیں آزماتے ہیں۔ وہ عورت کہہ رہی تھی کہ میں رخسانہ کو مہندی لگا دوں، بھلا میں کوئی سہاگن تھی کہ فرحانہ کے ہاتھوں میں سہاگ کی مہندی لگاتی۔ میں رومانہ کی نند کو کیسے بتاتی کہ جن خوشیوں کا وہ ذکر کر رہی ہے، وہ ہمارے نصیب میں لکھی ہی نہیں گئیں تو...... تو...... اللہ پاک کیوں...... ستاتے ہیں لوگ نامرادوں کو...... کیوں؟ کیوں؟"

اپنے کمرے کی تنہائی سے لپٹ کر روتی فاطمہ جانے کب ماضی کی گلیوں کی طرف نکل گئی۔

تجل واپس فرحانہ کے گھر آئی تو عجیب ہنگامہ بدتمیزی جاری تھا۔ خوب بنے سنورے چہرے اجلے جھلملاتے لباس کی پروا کیے بغیر ہر کوئی ایک دوسرے پر مہندی اور ابٹن اچھال رہا تھا۔ ایسی رنگین چھیڑ چھاڑ تجل نے پہلی بار دیکھی تھی۔ کتنا مزا آ رہا تھا ان سب کو دیکھ کر جو آپس میں گتھم گتھا تھے۔ شوخ جملوں کی جنگ سی جاری تھی۔ تجل کا جی چاہنے لگا۔ وہ بھی ان میں شامل ہو جائے۔ کاش ان کے گھر میں

بھی خوشیوں کی برسات ہو۔ کاش ایسا ہو سکتا، مگر وہاں تو مستقل خزاں کا موسم تھا۔ وہ ہال کمرے ہی سے یہ ہنگامہ دیکھتی رہی۔ فرحانہ تک رسائی مشکل ہو رہی تھی۔

"راستہ دیجئے پلیز۔"

اس نے لڑکوں کے انتہائی شوخ گروپ کے قریب سے گزرتے ہوئے راستہ مانگا کیونکہ وہی راستہ روکے کھڑے تھے۔

"وائی ناٹ مس؟"

ایک شوخ و چنچل سراپے جس کے لمبے چوڑے وجود کے سامنے وہ گڑیا سی لگ رہی تھی، اس کی طرف پورے کا پورا گھوم گیا۔ اب وہ اس طرح کھڑا تھا کہ راستہ ہنوز رکا ہوا تھا اور وہ اسے دیکھے جا رہا تھا۔ سبز جھلملاتے کپڑوں اور گہرے میک اپ میں بہت اچھی لگ رہی تھی، وہ جز بز ہونے لگی۔

"پلیز!" تجل نے گویا پھر یاد دہانی کرائی کہ وہ جانا چاہتی ہے۔

"پلیز! لڑکا سینے پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے جھکا اور اسے راستہ دے دیا۔

وہ تیزی سے فرحانہ کی طرف بڑھی۔ اس کا بھی انہوں نے حشر خراب کیا ہوا تھا۔ اس کے کزنز اور بھتیجے، بھانجے سب اس کے پاس جمع تھے۔ کوئی فرحانہ کو چھیڑ رہا تھا، کوئی تصویریں بنا رہا تھا اور کوئی لاڈ پیار سے کھلا پلا رہا تھا۔

"کتنی خوش نصیب ہو فرحانہ تم، کتنے نارمل اور خوش نصیب گھرانے میں تمہاری آنکھ کھلی ہے۔"

تجل حسرت کے ساتھ فرحانہ کو دیکھ رہی تھی۔

"فری آنٹی! ہوشیار دانی آ رہا ہے۔"

ٹینا کی آواز پر فرحانہ ابھی سنبھلی بھی نہیں تھی کہ دانی نے مہندی اور ابٹن سے بھرا ہاتھ فرحانہ کے منہ پر لیپ دیا۔

"دانی کے بچے! اس کے منہ پر کیوں لگائی ہے مہندی، چہرے پر سارا رنگ آ جائے گا۔"

فرحانہ کی سب سے بڑی بھابی نے دانی کو دھکا دے کر پیچھے کیا، ورنہ وہ شاید اور لگا دیتا۔

"اوہ نو ممی، فری آنٹی کو بھلا کسی میک اپ کی کیا ضرورت ہے۔ اتنی پیاری تو ہیں ہماری فری آنٹی کہ دولہا میاں دیکھتے ہی ڈر کر بھاگ جائیں گے۔"

دانی نے فرحانہ کو ساتھ لگایا تو اس دیو قامت جوان کے ساتھ لگی فرحانہ بالکل بچی لگی۔

"شرم کرو دانی کے بچے! لوگ کیا سوچیں گے۔"

فرحانہ نے اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹایا۔

"حد ادب فری آنٹی! میں آپ سے چھوٹا ہوں، بھتیجا ہوں تو کیا ہوا، ایک سال بڑا بھی تو ہوں...... یور گڈ نیم پلیز!"

وہ فرحانہ کو ساتھ لگائے گھوما تو تجل پر نظر پڑی، جھٹ نام پوچھ لیا۔

"یہ میری دوست ہے تجل، بدتمیز لڑکے...... اور تجل یہ میرے سب سے بڑے بھیا ہیں ناں جو نائجیریا میں ہوتے ہیں ان کا بیٹا ہے، ایک سال بڑا ہے مجھ سے اور اکڑتا ایسے ہے، جیسے ایک صدی بڑا ہے۔"

فرحانہ نے عدنان اور تجل کا تعارف کرایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔"

عدنان نے خوش دلی سے ہاتھ آگے بڑھایا۔ تجل نے بھی تھوڑا سا جھجک کر ہاتھ بڑھا دیا۔

"می ٹو۔"

"چلئے اس نئی دوستی کا جشن مناتے ہیں۔"

عدنان نے مہندی سے بھرا تھال تجل کی طرف بڑھایا۔

تجل کچھ دیر سوچتی رہی۔

پھر اس نے مہندی ہاتھ میں بھری اور عدنان کے منہ پر لیپ دی۔

عدنان جس کو کوئی بندہ مہندی نہیں لگا سکا تھا، اس لڑکی نے لگا دی تھی۔ جواباً اس نے بھی تجل کو مہندی لگانے کے لیے ہاتھ میں بھری تجل نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور چہرے پر ہاتھ رکھ لیے۔

اس وقت وہ عدنان کو بہت اچھی لگی۔

"مس تجل! آنکھیں کھول دیں، خدا نے جس چہرے کو اتنا خوبصورت بنایا ہے، میں اسے کیسے بگاڑ سکتا ہوں؟"

عدنان نے مہندی والا ہاتھ دھو ڈالا۔

پھر تجل ان سب میں گھل مل گئی۔ اس نے محسوس کیا تھا۔ عدنان کی شوخی کا نشانہ وہ بن رہی تھی۔ تجل کے لیے یہ سب نیا تھا، اس لیے اسے اچھا لگ رہا تھا۔ کچھ دیر کے لیے وہ بھول ہی گئی تھی کہ وہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ اس لیے وہ ابھی رکنا چاہتی تھی، مگر حمید لینے کے لیے آ گیا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے رکیے ناں، آپ چلی گئیں تو محفل سونی ہو جائے گی۔ پلیز رک جائیے۔ ابھی تو پروگرام شروع ہوا ہے۔ ہمارا تو رت جگے کا پروگرام ہے۔ چلئے میں خود آپ کو آپ کے گھر چھوڑ آؤں گا، پرامس۔"

عدنان اٹھ کھڑا ہوا، وہ تو یقیناً جانے کو بھی تیار ہو جاتا۔

"نہیں پلیز، تھینک یو پہلے ہی کافی دیر ہو گئی ہے، مما، پپا خفا ہوں گے۔"

جانے کو تو اس کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، مگر اسے معلوم تھا کہ حمید آیا ہوا ہے، اس کا مطلب تھا، اسے ہر حال میں واپس چلنا ہے۔

"ارے تجل! اس میں خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ ارے بھئی شادی کے ہنگاموں میں تو ایسا ہوتا ہی ہے، چلو میں تمہارے پپا سے بات کرتا ہوں، اجازت لے آؤں گا، رات یہاں رہنے کی۔"

عدنان اتنی سی دیر میں تمام تکلفات کی دیوار گرا چکا تھا۔ وہ تو بالکل تیار تھا، اس کے ساتھ جانے کے لیے۔ وہ اس کے ارادے دیکھ کر سرتاپا کانپ گئی اس کے ساتھ یوں جا کر آئندہ کے لیے دروازے بند کرنے ہیں آمد و رفت کے۔

"نہیں عدنان، پپا کی طبیعت بھی خراب ہے، میں اس لیے بھی جانا چاہتی ہوں۔ ویسے مجھے بھی اپنی نیند بہت عزیز ہے، کچھ بھی ہو۔"

وہ دوپٹا سنبھالتی کھڑی ہو گئی۔

"کاش! میں آپ کی نیند ہوتا۔"

عدنان نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ نجل کو ذرا بھی اچھا نہ لگا۔

"او کے فرحانہ! میں صبح تو یونیورسٹی جاؤں گی، واپسی پر آؤں گی۔"

نجل نے جھک کر فرحانہ سے ہاتھ ملایا اور باہر آ گئی۔

عدنان گیٹ تک اس کے ساتھ آیا۔ وہ اتنے سے عرصے میں کافی حد تک فری ہو چکا تھا۔ خاصا بے باک لڑکا تھا۔

"او کے عدنان! خدا حافظ۔"

نجل نے جلدی سے اسے خدا حافظ کہا اور باہر آ گئی۔

رات بستر پر لیٹ کر وہ ساری باتیں یاد کرتی رہی، فرحانہ کے گھر گزرا ہوا وقت بہت پر کیف تھا۔ وہ اپنے گھر میں بھی وہ مناظر دیکھنا چاہتی تھی، پھر عدنان کی باتیں یاد آ گئیں کہ گو کہ اسے عدنان برا نہیں لگا تھا، مگر اس کی صرف بے باکی پسند نہیں آئی تھی۔

"شاید ایسا ہی ہوتا ہو گا نارمل ماحول میں۔ ہمیں کیا خبر کہ نارمل زندگی کیسے بسر کی جاتی ہے۔"

پھر وہ خود ہی یہ بات سوچ کر مسکرا پڑی۔

اگلے روز اس نے حنا کو سب کچھ بتا دیا، کیونکہ وہ حنا سے کچھ بھی چھپا نہیں سکتی تھی۔

"ہوں، تو کہیں کیوپڈ کا تیر تو نہیں چل گیا؟" حنا شوخ ہو گئی۔

"اوہ نو حنا! ایسی کوئی بات نہیں، میں تو صرف یہ بتا رہی ہوں کہ وہ فرحانہ کا بھتیجا ہے اور اس سے بھی ایک سال بڑا ہے اور میرے ساتھ خواہ مخواہ ہی فری ہونے کی کوشش کر رہا تھا، جانے کیوں؟"

پھر نجل کھلکھلا کر ہنس دی۔ حنا بغور اسے دیکھنے لگی۔

"تم ہو ہی ایسی چیز نجل! یوں ہی ہنستی رہا کرو، بہت اچھی لگتی ہے ہنسی تمہارے ہونٹوں پر۔"

"بنایا مت کرو، وہ دیکھو علیم الدین آ رہے ہیں، بڑے بدحواس سے لگ رہے ہیں، آؤ پتا تو کریں، معاملہ کیا ہے؟"

"ارے علیم بھیا! کیا ہوا آپ کو، خیریت تو ہے ناں!"

"اجی بھاڑ میں گیا علیم بھیا! جہاں سے گزرتا ہوں سب انگلیاں اٹھانا شروع کر دیتے ہیں، اوپر سے ان کی کھی کھی، زہر لگ رہے ہیں سب لوگ مجھے۔"

ایک تو انگلیاں اٹھنے کا خوف، اوپر سے نجل کا بھیا کہہ دینا قیامت ڈھا گیا۔

"ارے بھیا! اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھئے ناں، آپ کی صحت کے حساب سے صرف آپ پر انگلیاں ہی اٹھائی جا سکتی ہیں، پورا ہاتھ تو نہیں اٹھایا جا سکتا ناں، ویسے یہ آپ کی پشت پر کچھ چسپاں ہے۔"

نجل اور حنا نے سٹیکر پڑھا اور ہنس پڑیں۔ جس پر لکھا تھا۔

"مجھ پر انگلیاں اٹھاؤ، منجانب آصف گروپ۔"

"یہ...... یہ تم لوگ مجھ پر انگلیاں کیوں اٹھا رہی ہو؟"

"اس لیے کہ آپ سر اظہر کے سبجیکٹ میں بڑی تیاری کے ساتھ ایک بار پھر فیل ہو گئے ہیں اور سر کا خیال ہے کہ آپ کبھی ان کو اپنے پاس ہونے کی خوشی نہیں دیں گے اور یہ کہ آپ کبھی بھی ان کے سوالات کے وہ جواب نہیں دیں گے جو کتابوں میں موجود ہیں یا جن سے وہ متفق ہوں...... سر اظہر ہی نہیں تمام ٹیچرز کی آپ کے بارے میں یہی رائے ہے۔"

نہلے پہ دہلا یہ ہوا کہ علیم الدین کے ایک کلاس فیلو نے رزلٹ کے بارے میں بتا کر ہمت توڑ دی تھی۔

"یہ...... یہ زیادتی ہے ٹیچرز کی۔ میں دن رات ایک کر دیتا ہوں، پڑھائی میں اور ٹیچرز کے مزاج ہی نہیں ملتے ہیں...... میں احتجاج کروں گا اس ناانصافی پر۔" علیم الدین نے آستینیں اوپر چڑھا لیں۔

"نہ...... نہ علیم الدین بھائی نظر لگ جائے گی، دیا سلائیوں کو۔"

ساجد نے آگے بڑھ کر علیم الدین کی آستینیں نیچے کر دیں۔

مگر اس وقت وہ تپے ہوئے تھے۔ جھٹکے سے پیچھے ہٹ گئے۔ ان کو اپنی رات رات کی محنت رائیگاں جانے کا دکھ تھا۔

"مت کرو ساجد! یہ ہے تو زیادتی کہ علیم بھیا اتنی جان توڑ محنت کریں اور ٹیچرز ان کو بلا حیل و حجت فیل کر دیں۔ یہ تو زیادتی ہے ناں، وہ آخر کتنی صدیوں تک یونیورسٹی میں رہیں گے۔ ویسے شکیل بھائی وجہ کیا ہے ان کے فیل ہونے یا یوں کہہ لیں کہ ٹیچرز کے فیل کرنے کی۔"

"بھئی یہ وجہ ہے کہ اگر ان سے ان کا نام پوچھا جائے تو پورے خاندان کا نام بتا دیں گے، اپنا لکھنا بھول جائیں گے، اسی طرح جو سوال پوچھا جائے، اسی کا جواب نہیں لکھیں گے تو پاس کیونکر ہوں گے۔"

شکیل نے آج علیم الدین کے بار بار فیل ہونے کی وجہ بتا ہی دی۔

"تو اتنے دن رات لگا کر جو کتاب رٹی جاتی ہے، وہ ضائع جائے، سر تو چھوٹا سا سوال کرتے ہیں، جس کا جواب اتنا آسان ہوتا ہے۔"

علیم الدین نے اپنا دفاع خود کیا۔

"اور بڑے بھیا! وہی آسان جواب آپ نہیں لکھتے۔"

پھر شکیل اور علیم میں کتنی دیر بحث ہوتی رہی۔ وہ دونوں کھسک لیں۔

"سنو بچے! دو گلاس جوس لے آؤ۔"

حنا اور نجل نے ایک گھنیرے درخت کی چھاؤں میں بیٹھتے ہوئے جوس کارنر کے ملازم لڑکے کو آرڈر دیا۔

"تیمور...... یار تیمور...... کہاں گم ہو؟ اوہ اب سمجھا، لیلیٰ پر نظر پڑ گئی ہے۔"

علی ضیا نے تیمور کی نگاہوں کا تعاقب کیا تو نظر ان میں بیٹھی حنا اور نجل پر ٹھہر گئی۔

"کافی دنوں کے بعد نظر آئی ہے تمہاری لیلیٰ۔"

"ہوں...... ہاں...... کون لیلیٰ؟" تیمور حیدر چونک سا گیا۔

"وہی لیلیٰ جسے آپ اتنی محویت اور عالم شوق میں غرق ہو کر اس طرح دیکھنے میں گم تھے کہ میرا جوس بھی چڑھا گئے۔"

"نہیں یار!" تیمور نے حیران نظروں سے علی کو دیکھا۔

"ہاں یار۔ یہ دیکھو۔" علی نے اپنا خالی گلاس دکھایا تو وہ شرمندہ ہو گیا کہ وہ واقعی تجل کی طرف اتنا محو ہو گیا تھا کہ ہوش میں نہیں رہا۔

"استاد! دو گلاس جوس بنا دو، وہ لڑکیاں مانگ رہی ہیں۔"

وہ لڑکا جس نے تجل سے آرڈر لیا تھا، آ کر مالک کو بتایا، مگر اس نے انکار کر دیا۔

"جاؤ پہلے پیسے لے کر آؤ، اب میں اعتبار نہیں کر سکتا۔ کئی بار جوس کے پیسے نہیں دیئے۔"

"ان لڑکیوں نے استاد! وہ لڑکیاں۔"

"ہاں، وہ جو سفید اور جامنی رنگ کے کپڑوں میں بیٹھی ہیں، انہوں نے پیسے نہیں دیئے۔"

علی اور تیمور کو جانے کیوں جوس کارنر کے مالک کی بات اچھی نہیں لگی۔

"ارے نہیں صاحب! یہ تو اکثر آتی ہیں اور خود پیسے دے کر جاتی ہیں۔ وہ اور ہی گروپ ہے، بڑا تنگ کرتی ہیں، اس لیے میں دیکھ بھال کر دیتا ہوں۔"

"تو استاد! ان ہی لڑکیوں نے تو جوس مانگا ہے۔"

لڑکے نے جو گرمی اور تھکن سے چڑچڑا ہو رہا تھا، منہ بنا کر کہا۔

"چلو استاد! ہمارے لیے اور ان کے لیے جوس بنا دو، یہ لو پیسے۔"

علی نے جیب سے اپنے اور ان کے جوس کے پیسے نکال کر کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے کہا اور تیمور کو دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"یہ کیا حرکت ہے یار علی، میں جتنا چاہتا ہوں کہ اس پہلی ملاقات اور امپریشن کا اثر زائل کیا جائے تم اتنا ہی۔" تیمور کو علی کی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔

"اور میں جتنا چاہتا کہ تم زیادہ سے زیادہ اس کی نظروں میں آؤ تم اتنا ہی...... چلو اٹھاؤ گلاس...... ارے بابا ان سے راہ و رسم بڑھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرنا پڑے گا ناں۔"

"اور تمہارا کیا خیال ہے کہ اس طرح تم نے جو ان کے جوس کی ادائیگی کر دی ہے۔ آپ کی اس حرکت سے خوش ہو کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے گی اور محبت دوستی کا ہاتھ بڑھا دے گی۔"

تیمور کو یہ انداز...... پسند نہیں آیا تھا...... مگر علی کا کیا کرتا جو ان لوگوں میں سے تھا جو کر گزرنے کے بعد سوچتے ہیں۔

"بڑھانا تو چاہیئے، دیکھو جس کلاس سے وہ تعلق رکھتی ہے وہاں یہ باتیں معیوب نہیں سمجھی جاتیں۔"

"لیکن علی! وہ بہت مختلف ہے۔"

تیمور نے آگے بڑھتے ہوئے تجل کے سفید آنچل کو دیکھا۔

"السلام علیکم!"

قریب پہنچ کر علی نے بلند آواز میں سلام کیا تو دونوں جو باتوں میں گم تھیں ان دونوں کو اتنے

قریب دیکھ کر...... چونک کر کھڑی ہو گئیں۔

تجل کے ہاتھوں میں گھبراہٹ سے نمی اتر آئی تھی۔

"یہ آپ لوگوں کا جوس؟" علی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے گلاس ان دونوں کی طرف بڑھائے۔

"جی نہیں تھینکس، ہم نے آرڈر دیا ہوا ہے۔" حنا ٹھنک کر بولی۔

"جی، آپ ہی کا دیا ہوا آرڈر ہے، لیجئے۔"

علی نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"اور پیسے؟" تجل نے آہستگی سے پوچھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ہم دیکھنے میں فقیر نظر آتے ہیں، تو جیب کے بھی فقیر ہیں، پکڑیئے میرے ہاتھ بھی تھک گئے ہیں۔"

علی نے زبردستی دونوں کی طرف گلاس بڑھائے تو مجبوراً ان کو لینے پڑے۔

"لیکن آپ نے ہمارے پیسے کیوں دیئے؟" تجل کو یہ بات بری لگی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"پلیز مس تجل! بیٹھ جائیے۔ اس یونیورسٹی میں ہماری اور آپ کی ایک ہی حیثیت ہے، یعنی ہم طالب علم ہیں۔ اس طرح خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

تیمور نے حنا اور تجل سے کہا تو دونوں بیٹھ گئیں۔

"جی فرمایئے، کون سی معذرت کرنی ہے آپ کو؟"

حنا نے اسٹرا کے ساتھ گلاس میں برف کو ہلاتے ہوئے علی کو دیکھا، جس نے ایک ہی سانس میں آدھا گلاس چڑھا لیا تھا۔

"آپ کو بے چینی کیا ہے؟ آپ سے معذرت نہیں کرنی ہے مس تجل، آپ سے کرنی ہے۔"

علی نے حنا کو ڈپٹ کر کہا اور تجل کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ ضرور گڑبڑ کرے گا، لڑکیوں کو بدظن کرے گا۔"

تیمور نے گھور کر علی کو دیکھا۔

"جی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، فوراً کہیئے۔"

"جی میں خوب سمجھ رہا ہوں، انداز دیکھا ہے آپ نے اپنا، جی کہیئے، دوسرے لفظوں میں بکو اور دفع ہو جاؤ۔ بہر حال وہ جو ہماری پہلی ملاقات ہوئی تھی ناں، خیر، وہ پہلی ملاقات تو آپ لوگوں کے لیے تھی ہم تو آپ کو ایک عرصے سے جانتے ہیں۔ ہاں تو اس روز جب آپ ہماری گاڑی کے نیچے آتے آتے بچ گئی تھیں، میں اس سلسلے میں معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ معذرت کی بات تو نہیں، مگر معاملہ چونکہ دل کا آ گیا تو......"

جانے وہ اپنی دھن میں...... کیا کہہ جاتا، تیمور نے اسے زور سے کہنی ماری۔

"مس تجل اور مس حنا! اس کی عادت ہی ایسی ہے، اس کی باتوں میں مت آیئے گا۔ دراصل اس روز جو کچھ ہوا، اسے اس کی شرارت سمجھ کر درگزر کریں...... ہم خواتین کا احترام کرتے ہیں اس روز بھی

اس طرح کرنے کا ہمارا دانستہ ارادہ نہ تھا۔ اسے صرف علی کی شرارت سمجھئے۔ ہم دونوں معذرت خواہ ہیں۔ ہم طالب علم ساتھی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کا احترام کرنا چاہئے۔ امید ہے کہ آپ ہم لوگوں کی معذرت قبول کریں گی۔"

تیمور نے انتہائی مہذب انداز میں معذرت کی تو وہ دونوں کچھ نرم پڑ گئیں۔

"دیکھئے مس تجل! اسے ضرور قبول کرلیں۔ میرا مطلب ہے اس کی معذرت ضرور قبول کرلیں، ورنہ اس بندے کا سانس درمیان میں ہی اٹکا رہے گا۔"

تیمور نے پھر گھور کر علی کو کوئی بھی بات کہنے سے روک دیا۔

"آپ کچھ کہنے کا موقع دیں گے تو ہم کہیں گے ناں۔" حنا نے چڑ کر کہا۔

"اجی آپ کہئے تو ہم ہمہ تن گوش ہیں۔" علی نے کان حنا کے قریب کر دیا۔

"تیمور صاحب! اس روز جو کچھ ہوا، اس کا ہمیں بہت غصہ اور ملال ہے۔ کم از کم تعلیمی ادارے میں تو ایسی گھٹیا فلمی سچویشن نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن آج آپ نے ہمارا وہ شکوہ دور کر دیا۔ اب ہمیں آپ سے کوئی خفگی یا ناراضگی نہیں۔"

حنا نے علی کو نظر انداز کرتے ہوئے تیمور کو مخاطب کر کے اعتماد سے کہا۔

"یہ الفاظ مس تجل کو کہنے چاہئیں تھے، آپ تو مجھے ان کی دوست سے زیادہ پرائیویٹ سیکرٹری لگتی ہیں۔"

"علی صاحب! حنا کو آپ نہ میری دوست سمجھئے اور نہ سیکرٹری، اسے آپ میری جان سمجھ سکتے ہیں۔" تجل نے پیار سے حنا کو دیکھا، جو اس کی مخلص دوست اور ساتھی تھی۔

"لو سن لو اور اس بات کو جیب میں رکھ لو، یہ حنا ان کی جان ہیں، لہٰذا کسی خوش فہمی کا شکار نہ ہونا۔" علی نے پھر تیمور کو چھیڑا۔

"چلیے مس تجل! اور حنا اب جبکہ ہماری ناراضگی دور ہو گئی ہے تو ہم دوستی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہیں، خلوص دل کے ساتھ۔"

تیمور نے تیز دھوپ میں تجل کے چمکتے چہرے پر لرزاں پلکوں کے سائے کو دیکھتے ہوئے کہا، مگر وہ خاموش رہی۔

"اگر یہ آپ کے دوست نہ ہوتے تو ہمیں آپ سے دوستی کر کے یقیناً خوشی ہوتی۔" حنا نے گھور کر علی کو دیکھا۔

نہیں مس حنا! ایسا مت کہئے، یہ میرے نزدیک وہی حیثیت رکھتا ہے، جو آپ مس تجل کے لیے رکھتی ہیں۔" تیمور نے جاں نثار قسم کے دوست علی کو دیکھا۔

"خیر چھوڑیئے...... چلئے ہم دوستی کی جانب پہلا قدم اٹھاتے ہوئے آپ کو دعوت دیتے ہیں کل ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں...... سٹوڈنٹ کچھ پروگرام کر رہے ہیں، آپ دونوں بھی ضرور آیئے گا۔"

"پہلی کام کی بات کی ہے۔" تیمور نے علی کو شاباش دیتی نظروں سے دیکھا۔

"ارے آپ دونوں کس سوچ میں پڑ گئیں۔ یہ ہمارے ڈیپارٹمنٹل پروگرامز ہیں، کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوگی۔ آپ لوگ ضرور آیئے گا، انجوائے کریں گے۔" ان دونوں کو خاموش دیکھ کر پرزور انداز میں علی نے کہا۔

"جی ضرور کوشش کریں گے۔"

دونوں نے مسکرا کر کہا اور کھڑی ہو گئیں۔

"دیکھئے، کل یاد سے آ جایئے گا، ایسا نہ ہو کہ انتظار میں ہماری آنکھیں پتھرا جائیں۔"

علی نے پھر شوخی سے تیمور کو دیکھا۔

"جی ضرور آئیں گے، اگر آج آپ نے جانے دیا تو، پوائنٹ بھی چلنا شروع ہو گئے ہیں چلو تجل! او کے تیمور حیدر، خدا حافظ۔"

حنا نے جان بوجھ کر صرف تیمور کو خدا حافظ کہا۔ تجل نے بھی دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ علی اور تیمور کو خدا حافظ کہا اور آگے بڑھ گئیں۔

"اب تو خوش ہو نا، میرے مجنوں۔"

واپس آرٹس لابی کی طرف آتے ہوئے علی نے تیمور کو دیکھا، جو بہت خوش اور مطمئن لگ رہا تھا۔

"ہاں، لیکن علی! یہ تم جو بار بار پٹڑی سے اتر جاتے ہو ناں، یہ خطرناک ہے۔ اسے شبہ بھی ہو سکتا ہے۔"

"شبہ! عجیب گاؤدی آدمی ہو۔ میں اسے یقین دلانا چاہتا ہوں کہ تم اسے کس حد تک چاہتے ہو۔"

"نہیں علی! میں تمہیں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔ اسے کبھی بھی یہ معلوم نہیں ہونا چاہئے۔ میں اپنے جذبوں کی تشہیر نہیں چاہتا۔"

تیمور لابی کے ٹھنڈے فرش پر بیٹھ گیا۔ ایک عجیب سا احساس تھا اس کے چہرے پر۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے کہ وہ اتنی اللہ والی ہے کہ اسے الہام ہو گا کہ جناب تیمور حیدر صاحب اس سے افلاطونی قسم کا عشق فرما رہے ہیں۔ احمق آدمی اسے بتاؤ گے تو اسے خبر ہو گی ناں۔"

"خبر کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے یار علی! کیا خبر کہ جب اسے خبر ہو تو...... تو باقی کچھ نہ بچے۔

تیمور حیدر نے آنکھیں موند کر سر ستون سے ٹکا دیا۔

☆......☆......☆

"آپ اپنی بہن کے اشارے کنایوں کو سمجھ رہے ہیں ناں ظہیر؟"

رابعہ بیگم نے چائے کا کپ ان کو تھماتے ہوئے پوچھا۔

"اشارے کیا بیگم، اس نے تو واضح طور پر کہہ دیا ہے کہ فائزہ آپ کی بیٹی ہے اسے طلال بے حد پسند ہے۔"

"آسیہ کو طلال پسند ہو نہ ہو، مجھے وہ چیٹا پرزہ فائزہ قطعی پسند نہیں، کسی کام کا سلیقہ نہیں اسے، ہر وقت اپنے کمرے میں لیٹی ناول پڑھا کرتی ہے، مجھے تو اپنے بیٹوں کے لیے بہت پڑھی لکھی، سلیقہ شعار اور با اخلاق لڑکیاں چاہئیں۔"

رابعہ بیگم نے گویا ایک طرح سے اپنا حتمی فیصلہ سنا ڈالا تو ظہیر احمد پریشان سے ہو گئے۔

"لیکن رابعہ اس سے قبل تو تم نے کبھی اتنی ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ فائزہ کے ساتھ تمہارا رویہ بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ تم اسے پسند کرتی ہو، ویسے بھی میرے خیال میں فائزہ میں کوئی کمی تو نہیں۔ بس ذرا اکلوتی ہونے کی وجہ سے۔"

"دیکھئے ظہیر! آسیہ ہے آپ کی بہن، آپ کی ہوگی، اس سے محبت اور لحاظ میں آپ کو آج صاف صاف بتا دوں کہ فائزہ مجھے قطعی پسند نہیں اور ان کے ساتھ خصوصاً فائزہ کے ساتھ میرا رویہ غیر معمولی نہیں ہوتا۔ شاید آپ نے اندازہ نہیں لگایا کہ میں نسیمہ کی لڑکیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی رویہ رکھتی ہوں، لیکن وہ بچیاں تو موم کی بنی ہوئی گڑیا ئیں ہیں...... جدھر چاہو موڑ دو، مجال ہے اف کر جائیں، دل سے پسند ہیں نسیمہ کی بیٹیاں مجھے خصوصاً زیب لیکن بہو میں اس کو بھی نہیں بناؤں گی۔"

رابعہ بیگم نے اٹل لہجے میں فیصلہ سنایا تو ظہیر احمد بغور ان کو دیکھنے لگے۔

"اس لیے کہ وہ نسیمہ کی بیٹی ہے اور نسیمہ......"

ظہیر احمد نے چور نظروں سے بیگم کو دیکھا، مگر وہ گہرا سانس لے کر مڑیں اور ان کے پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

"بہت افسوس ہوا ہے ظہیر! آپ کی ایسی سوچ ہے۔ میں نے آج تک کبھی آپ کو کوئی بات جتائی۔ میں پڑھی لکھی عورت ہوں ظہیر! اور جذبوں کے وجود کو تسلیم کرتی ہوں۔ میں نسیمہ کی کسی بھی بیٹی کو پسند کرنے کے باوجود اس لیے بہو نہیں بناؤں گی...... کہ آپ نسیمہ کو چاہتے تھے یا چاہتے ہیں بلکہ اس لیے کہ اگر میں آسیہ یا زاہدہ کی لڑکیوں کو نظر انداز کر کے نسیمہ کی کسی بیٹی کو بہو بنانا چاہوں تو آپ کے خیال میں یہ ممکن ہوگا۔ ارے آپ کی بہن اور زاہدہ، دھکے دے کر گھر سے نکال باہر کریں گی۔ نسیمہ اور اس کی بیٹیوں کو۔ پہلے ان کے ساتھ کون سا اچھا سلوک ہوتا ہے، اب خود دیکھیں، اس روز ہمارے ہاں سب لوگ آئے، مگر نسیمہ بچوں سمیت گھر پر رہی۔ ملازموں سے بدتر ان کی حالت ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو اس قدر دکھ ہوتا ہے ان کی حالت دیکھ کر کہ کیا بتاؤں۔ کاش میں اس کے لیے کچھ کر سکتی۔"

رابعہ بیگم نے پر ملال لہجے میں کہا تو ظہیر احمد شرمندہ سے ہو گئے۔

"آئی ایم سوری رابعہ! مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شبہ نہیں۔ بس یوں ہی کہہ دیا تھا لیکن رابعہ آسیہ میری اکلوتی بہن ہے۔ اسے انکار بھی کس طرح کیا جائے گا۔"

ظہیر احمد نے کچھ نادم سے لہجے میں معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ اس سلسلے میں فکرمند نہ ہوں۔ ابھی طلال پڑھ رہا ہے جب بھی بات کریں ٹال دیں کہ ابھی طلال نہیں چاہتا۔ بات ختم۔ اپنی اولاد پر ہر کسی کو حق ہوتا ہے اور میرا نہیں خیال کہ طلال، فائزہ کو پسند کرتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں تھا۔ اس روز وہ لوگ جیسے ہی گھر میں داخل ہوئے، کچھ دیر ان کے پاس بیٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ نہیں ظہیر! خدا کو منظور ہوا تو اپنے بیٹوں کی شادی وہیں کروں گی، جہاں وہ کہیں گے، خواہ رشتے داروں سے رشتے داری رہے یا نہ رہے۔"

رابعہ بیگم پڑھی لکھی، مضبوط ارادوں کی مالک تھیں جو کہتی تھیں، کر گزرتی تھیں۔

اپنی نند اور رشتے داروں سے بڑے اخلاق سے ملتی تھیں تاکہ کسی کا دل نہ دکھے، آسیہ بیگم کی بہت سی غلط باتوں کو وہ نظر انداز کر جاتیں کہ وہ واجبی سی تعلیم رکھنے والی روایتی عورت ہیں لیکن اب معاملہ

ان کی اولاد کا تھا، جن کی تعلیم و تربیت میں انہوں نے دن کا سکون اور راتوں کی نیندیں حرام کی تھیں۔ ان کی ہر خوشی کا خیال رکھا تھا تو اب زندگی کے اتنے بڑے فیصلے میں اتنی بڑی خوشی میں بھی وہ اولاد کی خوشی اور مرضی کو اولیت دینا چاہتی تھیں۔ جبکہ آسیہ بیگم تو اپنے تئیں فائزہ اور طلال کا رشتہ جوڑ چکی تھیں اور وہ اب فائزہ کے پیچھے لگی رہتیں کہ کسی طرح بی اے تو کر لے۔

"شعیب میرے بچے! چندا! ہزار ہا بار کہہ چکی ہوں، فائزہ کے داخلے کا کچھ کرو، کسی کالج میں داخل کرا دو، پڑھ جائے۔ رابعہ بھابی خود بھی ایم اے ہیں، اپنے افسر بیٹے کے لیے بھی تو پڑھی لکھی بہو کو پسند کریں گی۔"

وہ کئی روز سے شعیب کے پیچھے پڑی ہوئی تھیں۔

"امی! حد کرتی ہیں آپ بھی، آپ کی بیٹی انتہائی کند ذہن اور نالائق ہے، چار سال میں اس نے انٹر آرٹس کیا ہے اور صرف پاسنگ نمبرز لے کر، تو بتایئے بھلا اسے کہاں داخلہ ملے گا۔ میرا تو مشورہ ہے کہ طلال کے ساتھ اس کی شادی کا خیال ہی چھوڑ دیں۔ انتہائی جاہل، اجڈ لگتی ہے، ان سب کے سامنے تو اور وہ بھی اسے پسند نہیں کرے گا۔"

"ارے خاموش رہ لڑکے! خدا نہ کرے جو ایسا ہو۔ یہ طلال ہوتا کون ہے میری بیٹی کو ناپسند کرنے والا۔ بڑا آیا کہیں سے۔ تمہیں اس کے داخلے کا کچھ کرنا ہے تو کرو، ورنہ میں بلال سے کہہ کر کروا لوں گی۔ پھر غیرت آئے گی کہ میری بہن ہے۔"

آسیہ بیگم نے شوبی کو غیرت کا طعنہ دیا تو شوبی زچ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"خدا کے واسطے بلال سے کچھ مت کہیے گا، اسے تو بہانا چاہیے ہمارے گھر کے چکر لگانے کا اور اس کا آنا جانا میں قطعی پسند نہیں کرتا۔"

یہ جملہ شعیب نے صفائی کرتی زیب کو دیکھ کر بلند آواز میں کہا تو ایک لمحے کے لیے زیب کے ہاتھ رک گئے، اسے یقین تھا کہ شعیب کی تیز نگاہیں اسی پر ہوں گی۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

"اوہو امی جان! انٹر کافی ہوتا ہے لڑکی کے لیے، مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔ روز کالج جاؤ، پڑھائی کرو امتحان دو اور فیل ہو جاؤ تو باتیں سنو۔ نہیں امی، میں اب پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع نہیں کر سکتی۔"

آسیہ بیگم جتنا فائزہ کو سمجھاتیں کہ وہ پڑھے، وہ پڑھائی سے اتنی ہی بددل تھی۔

"فائزہ! میری جان! آخر سمجھتیں کیوں نہیں، بھابی جان خود پڑھی لکھی ہیں اور پڑھی لکھی لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں۔"

"امی! پسند تو وہ مجھے اب بھی کرتی ہیں، ویسے بھی فی الحال ایسی کوئی بات نہیں، اگر ہو بھی جائے تو رشتے داروں میں کہاں ایسی باتوں کو اہمیت دی جاتی ہے کہ...... بس مجھ سے نہیں پڑھا جاتا۔"

فائزہ نے برا سا منہ بنا کر نہ پڑھنے کا اعلان کیا...... تو آسیہ بیگم سر پکڑ کر بیٹھ گئیں، مگر زاہدہ بیگم اتنی بے اختیار نہیں تھی، صائمہ پر پورا اختیار تھا...... نالائقی میں صائمہ بھی کچھ کم نہیں تھی، فائزہ سے مگر وہ راز جو فائزہ نہیں سمجھ پائی، صائمہ جان گئی۔

"صائمہ! ایک طرح سے یہ ایک مقابلہ شروع ہو گیا ہے اور ہمیں اس مقابلے میں اول آنا

ہے۔ سب سے بڑھ کر اپنی تعلیم پر توجہ دو، بلال اور رابعہ بیگم کوٹھی میں کرتا ہے، تو تم نے...... میں سب سمجھتی ہوں۔ آسیہ بیگم قطعی طور پر یہ نہیں چاہتیں کہ اس گھر کی کوئی اور لڑکی ظہیر احمد کی بہو بن کر ان کی بیٹی کا مقابلہ کرے، لیکن میں نے بھی اس کا پتہ نہ کاٹا تو میرا نام نہیں اور یوں سر جھاڑ، منہ پھاڑ نہ رہا کرو، بلکہ میرا خیال ہے کہ تم بال کٹوالو، تمہارے چھوٹے سے چہرے پر یہ بچکی ہوئی چوٹی اچھی نہیں لگتی۔"

"جی امی! میں بھی یہ ہی کہنا چاہتی تھی، مگر آپ سے ڈر لگتا تھا۔ آپ چلیں گی ناں بیوٹی پارلر۔"

صائمہ کی تو گویا من کی مراد بر آئی۔

"ہاں لیکن ذرا صبر کرو، تمہارے باپ سے بھی مشورہ کرلوں۔"

لیکن اس معاملے میں آسیہ اور فائزہ نے پھرتی دکھائی اور آسیہ بیگم اور فائزہ جو ڈاکٹر کے پاس جانے کا بہانا کر کے بیوٹی پارلر گئی تھیں۔ واپسی پر فائزہ کے شاٹ باب دیکھ کر سب نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

"ہونہہ! بڑی ملکہ حسن لگ رہی ہے ناں، پہاڑی بھیڑ لگ رہی ہے پوری۔"

"زاہدہ بیگم نے فائزہ کو ایک نظر دیکھا، جس کے گہری بال باب اسٹائل میں آ کر اس کی گوری رنگت پر بہت اچھے لگ رہے تھے، مگر زاہدہ بیگم کو زہر لگی۔

"ارے بھابی جان! یہ فائزہ کو خدانخواستہ ایسا کون سا مرض لاحق ہو گیا ہے کہ ڈاکٹر نے اس کے بال کاٹ دیئے؟"

عمرانہ جوان لوگوں کے درمیان ہونے والے ڈرامے اور رسہ کشی سے ناواقف تھیں، فائزہ کو حیرت سے دیکھتی ہوئی آگے بڑھیں۔

"اے خدا نہ کرے عمرانہ کہ میری بچی کی کوئی موذی مرض ہو، وہ تو اس کی گردن پر دانے نکل آئے تھے، میں نے خود ہی اس کے بال کٹوائے ہیں کیوں نسیمہ تم بتاؤ، کیسی لگ رہی ہے فائزہ، ایسے بالوں میں؟"

آج نہ جانے کیسے آسیہ بیگم نے نسیمہ سے کسی معاملے میں رائے لی تھی، انہوں نے حیرت سے پہلے آسیہ بیگم کو دیکھا اور پھر فائزہ کو ساتھ لگالیا۔

"ماشاء اللہ! میری فائزہ تو ہے ہی چاند کی طرح، کسی بھی انداز میں رہے، پیاری ہی لگتی ہے، اللہ نظر بد سے بچائے۔"

انہوں نے فائزہ کی پیشانی چوم لی۔

"ہونہہ! مکار، چاپلوس کہیں کی۔" زاہدہ بیگم نے جل کر سوچا۔

"واقعی فائزہ تو بہت پیاری لگ رہی ہے۔ یہ صائمہ بھی ایک سال سے پیچھے لگی ہے کہ بال کٹوانے ہیں، مگر میں نے ہی منع کیا تھا کہ آسیہ بھابی سے اجازت لے کر کٹواؤں گی۔ بھابی جان! آپ اجازت دیں تو صائمہ بھی بال کٹوا لے؟"

زاہدہ بیگم بڑی چالاک قسم کی خاتون تھیں، دشمن کے کندھے پر بندوق چلانے کا فن اچھی طرح سے جانتی تھیں۔

"اے لو تو اس میں میری اجازت کی کیا ضرورت ہے، بھلا بچی کی خواہش تھی تو پوری کر دی ہوتی۔" آسیہ بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

"ہونہہ! بڑی اچھی لگے گی ناں بکری بال کٹوا کر۔ ہر معاملے میں میری بیٹی کا مقابلہ کرنا چاہتی ہے، شکل نہیں دیکھی اپنی اور اس کی۔"

آسیہ بیگم نے ایک کڑی نظر زاہدہ اور صائمہ پر ڈال کر سوچا۔

"زیب، ارے صدف! نسیمہ! یہ لڑکیاں کہاں ہیں؟ کیا وقت ہو گیا ہے اور کھانے کا کوئی بندوبست نہیں، ندا اور جمال آئے ہوئے ہیں۔ اپنا نہیں کچھ مہمانوں کا خیال کرلیا کرو، آسیہ بیگم کو اچانک ہی کھانے کی فکر لاحق ہوگئی۔

"آپ فکرمند کیوں ہوتی ہیں بھابی جان رات کے کھانے کا اہتمام میں کر چکی ہوں۔ زیب اور صدف کباب بنا رہی ہیں۔ صائمہ ضد کر رہی تھیں کہ ماموں جان کے بچے رہنے کے لیے آئے ہوئے ہیں، اس لیے بریانی پکائے گی۔"

"مہمانوں کو بھگانے کے لیے۔ برا مت مانئے گا چچی جان! صائمہ اتنا خراب کھانا پکاتی ہے کہ حد نہیں۔ اس کے ہاتھ کی پکی ہوئی بریانی کھا کر تو جمال اور ندا کے پیٹ خراب ہو جائیں گے۔"

فائزہ نے منہ بناتے ہوئے بالوں کو ایک جھٹکا دے کر یوں کہا، گویا خود تو ہر کام میں ماہر ہے۔

"کرلو باتیں بی بی، ایسا بنا کر صائمہ کو رابعہ کی بہو بناؤں گی کہ تم جیسی تو پانی بھریں گی میری بیٹی کے سامنے۔" زاہدہ بیگم نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے، مگر کھا جانے والی نظروں سے فائزہ کو گھورا، جس کے کٹے بال بہت سوٹ کر رہے تھے۔

"شنذرا! یہ کہاں مرگئی؟ اتنی کام چور لڑکی ہے...... زاہدہ کہو ذرا اسے یہ اپنے ماموں کے کپڑے دھو دے۔" آسیہ بیگم نے وہیں سے شنذرا کو آواز دی۔

"لیجیے شنذرا کی بھی آپ نے خوب کہی بھابی جان، وہ تو اپنی باری کا کام کرتی ہے، اس کے علاوہ کہو تو جھٹ کہہ دیتی ہے، میں اپنی باری کا کام کر چکی ہوں، ابھی کچھ دیر قبل ہی میں نے کہا کہ یہ کچھ برتن دھو دو، جھٹ بہانا بنا ڈالا کہ میرا ہاتھ زخمی ہے۔"

زاہدہ بیگم نے اس کی بے بس ماں کا بھی خیال نہیں کیا اور بے بنیاد الزام دھر دیا۔

"ارے نہیں زاہدہ، وہ بدتمیز گستاخ ضرور ہے، جھوٹی نہیں، دوپہر میں سبزی بناتے ہوئے اس کی انگلی پر بڑا گہرا زخم آ گیا تھا۔ اسی وجہ سے اسے حرارت بھی ہوگئی، لائیے کپڑے میں دھو دیتی ہوں۔"

وہ ماں تھیں، مائیں تو اولاد کے ان دیکھے زخم بھی دیکھ لیتی ہیں۔ ان کا درد اپنے دل میں محسوس کرتی ہیں۔ شنذرا کو تو ان کے سامنے اتنا گہرا زخم آیا تھا۔ وہ اسے کیسے نظرانداز کر سکتی تھیں بھلا۔

"نسیمہ! برا نہ ماننا، تم نے تو لڑکیوں کو ہتھیلی کا پھپھولا بنا رکھا ہے۔ ارے بھئی آ گیا ہوگا زخم مگر اب ایسا بھی کیا کہ کام چھوڑ چھاڑ کر بیٹھ جائیں۔ اب نہ لڑکیاں کام کریں نہ ہی ہم۔ کوئی ایسے لینڈ لارڈ ہیں کہ ملازم رکھتے پھریں اور آج کل...... نوکرانیاں کون سا آسانی سے مل جاتی ہیں اور پیسے اتنے مانگتی ہیں کہ بابا! اپنے پلے تو اتنا نہیں نوکروں کو لٹاتی پھروں۔"

آسیہ بیگم نے نخوت بھری نظروں سے نسیمہ کو دیکھا، تو وہ گہرا سا سانس لے کر کھڑی ہو گئیں۔

"نوکر کیوں رکھنے ہیں بھابی جان! آخر ہم ماں بیٹیاں کس لیے ہیں، لائیے کون کون سے کپڑے دھونے ہیں؟"

نسیمہ بیگم کپڑے اٹھا کر باہر آ گئیں۔

"بہت گھنی ہیں یہ نسیمہ باجی! بھابی جان اس روز آپ نے دیکھا، کیسے دھوم دھام سے فرخ میاں کی سالگرہ منائی گئی، جیسے سالگرہ منائے بغیر تو وہ جی ہی نہیں سکتا۔ اوپر سے حد یہ کہ بلال کو بھی بلا لیا۔ آپ مانیں یا نہ مانیں، انہوں نے بلال کو خاص طور پر بلایا ہوگا۔ میں سب جانتی ہوں ان ماں بیٹیوں کو بڑے گر آتے ہیں مردوں کو پھانسنے کے، لیکن یہ ذرا بلال پر نظر تو رکھ کر دیکھیں، چٹیا سے پکڑ کر باہر نکلوا دوں گی بھائیوں ہی سے ماں، بیٹیوں کو۔"

انتقامی شعلے زاہدہ بیگم کی آنکھوں سے نکل کر ان کے وجود کو چیرنے لگے۔

"میرا بھی یہ ہی خیال ہے کہ لڑکوں کو ان کے سائے سے بھی دور رکھا جائے، لڑکیاں بھی آفت ہیں۔ خدا نے حسن بھی دل کھول کر دیا ہے۔ اوپر سے رونی معصوم صورتیں بنا کر مردوں کو مائل کرتی ہیں۔ ارے مرد تو ہوتے ہی سدا کے بے وقوف ہیں۔ جہاں ذرا عورت کی رونی صورت دیکھی جھٹ موم ہو گئے۔ اب کچھ نہ کچھ سوچنا پڑے گا۔ ہمیں ورنہ بازی یہ عورت جیت جائے گی۔ اپنی حسین ناگنوں کے ساتھ۔"

یہ ایک معاملہ ایسا تھا، جہاں دیورانی اور جیٹھانی کا اتفاق رائے ہوتا ہے۔

"میں آپ کو ایک بات بتاؤں بھابی جان! اپنے شوبی کو بھی اس زیب کے اثر سے دور ہی رکھیے گا۔"

زاہدہ بیگم کی نظر چونکہ دوسری بیٹی کے لیے شعیب پر تھی اس لیے وہ خود اس پر کڑی نظر رکھتی تھیں اور شعیب کا زیب پر عتاب کے ساتھ نازل ہونا بھی ان کو اس کی محبت ہی نظر آتا تھا۔

"نہیں...... خیر شوبی میرا بیٹا ہے، وہ اس کی بیٹی پر ملتفت نہیں ہو سکتا۔ دیکھتی نہیں اتنا تو ذلیل کرتا رہتا ہے ہر وقت زیب کو۔"

آسیہ بیگم بس شعیب کے اسی رویے سے مطمئن تھیں۔

"ارے بھابی جان! ایسی کسی خوش فہمی میں نہ رہیے گا یہ لڑکے بڑے عجیب ہوتے ہیں، ان کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کس کروٹ بیٹھیں گے۔"

"اچھا خیر دیکھی جائے گی، مجھے شعیب کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں۔"

آسیہ بیگم تو لاپروا تھیں، اس معاملے میں کیونکہ ان کو خبر نہیں تھی کہ زاہدہ بیگم کیا چاہتی ہیں، اگر ان کو خبر ہو جاتی کہ وہ اپنی بیٹی شعیب سے منسوب کرنا چاہتی ہیں تو شاید دکھاوے کا میل جول بھی ختم ہو جاتا۔

"امی...... امی! یہ اس وقت آپ کس کے کپڑے دھو رہی ہیں؟"

شذرا کے ہاتھ میں تکلیف تھی۔ وہ کوئی ٹیبلٹ لینے آئی تو نسیمہ بیگم کو کپڑے دھوتے دیکھ کر تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"اوہو بابا، کسی کے نہیں، تمہارے بڑے ماموں نے خود مجھ سے کہا تھا کہ شذرا بیٹی سے کہو کہ

دھو دے مگر میں نے کہا کہ تمہارے ہاتھ میں زخم ہے، میں خود دھو دیتی ہوں۔"

اس طرح کے جھوٹ بول کر بات لپیٹ لینے کا ہنر بھی نسیمہ بیگم سیکھ گئی تھیں، کہیں...... گھر میں فساد نہ ہو، ان کی بیٹیاں دکھی نہ ہوں۔

"حد ہو گئی۔ گھر بھرا پڑا ہے۔ عورتوں اور لڑکیوں سے، کیا سب کے ہاتھ ٹوٹ گئے ہیں۔ یہ فائزہ تو لگتا ہے اسے شوکیس میں سجائیں گی بڑی ممانی لائیے میں دھو دیتی ہوں۔"

پھر وہ منع ہی کرتی رہ گئیں۔ شذرا نے ایک نہیں سنی۔

ہاتھ کا زخم زیادہ گہرا تھا، دوبارہ کھل گیا، درد سے اس کی چیخیں نکل گئیں۔

اس نے بمشکل کپڑے نچوڑ کر تار پر ڈالے اور لاؤنج میں آ گئی۔ اس وقت لاؤنج خالی تھا، اس نے شکر کیا۔

"شذرا! کیا ہوا تمہیں، یہ خون افوہ! تمہیں تو لگتا ہے، بہت گہرا زخم آیا ہے۔"

وہ بالکل نہیں چاہتی تھی کہ کسی کو پتا چلے، جمال ادھر آیا تو اس کی نظر پڑ گئی۔ اب وہ اس کا ہاتھ پکڑے دیکھ رہا تھا۔

"ارے کچھ نہیں جمال رہنے دو۔ اس سے بڑے بڑے زخموں کے ناز اٹھا رہے ہیں ہم، جو ہر پل روحوں پر لگائے جاتے ہیں۔ یہ زخم تو بہت معمولی زخم ہے۔"

مارے ضبط کے شذرا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ ضبط کے باوجود آنسوؤں سے چہرہ تر ہو گیا۔

"احمق لڑکی، اتنا بڑا زخم ہے، رکو میں اسد کو بلاتا ہوں...... اسد یار ذرا جلدی سے اندر آؤ، شذرا کو زخم آ گیا ہے۔"

جمال وہیں سے بلند آواز میں بولا۔ شذرا چیخ پڑی۔

"نہیں جمال! مجھے کسی کی ضرورت نہیں، تم بھی جاؤ اور اسد، اس کے توسط سے تو مجھے زندگی بھی ملے تو میں ہرگز نہ لوں اور اللہ پاک سے موت مانگ لوں۔"

شذرا نے انتہائی نفرت سے اسد کو دیکھا، جو جمال کی آواز پر تقریباً بھاگتا ہوا آیا تھا اور اب...... دروازے پر کھڑا گہرے سانس لے رہا تھا۔ شذرا کی بات وہ سن چکا تھا۔

"یار! وہاں کھڑے کیا کر رہے ہو، آ کر دیکھو اس کے زخم کو۔"

جمال نے اسد کو گھورا، جو وہیں کھڑا ہو گیا تھا۔

اس کے زخم کو کسی علاج، کسی دوا، کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں، جمال کچن میں جاؤ، مرچ اور نمک کی ایک مٹھی اس کے زخم میں بھر دو، یہ ہی اس کا علاج ہے کیونکہ زہر ہی زہر کو کاٹتا ہے۔"

اسد نے بھی زہر خند لہجے میں کہا اور پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم لوگ بھی بہت عجیب ہو، چلو، میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

اور پھر شذرا منع ہی کرتی رہ گئی۔ آسیہ اور زاہدہ نے گھورا بھی مگر جمال نے کسی کی ایک نہیں سنی۔

"بیٹا! رہنے دو، خود ہی بھر جائے گا بڑے بڑے زخم اس وقت نے بھر دیے ہیں تو یہ تو معمولی زخم ہے۔"

نسیمہ بیگم بھی اس بات کے حق میں نہیں تھیں کہ شذرا بائیک پر جمال کے ساتھ جائے۔

''ارے پھپھو! آپ بھی حد کرتی ہیں، اتنا گہرا زخم ہے، مجھے یقین ہے کہ ٹانکے لگیں گے، چلو شذرا اٹھو شاباش۔''

''شذرا بیٹے، جمال درست کہہ رہا ہے جاؤ۔''

پھر شوکت حسین کے کہنے پر وہ جمال کے ساتھ بائیک پر بیٹھ گئی۔

اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا اسد یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

''ہونہہ مکار! یہ ہی تو چاہتی تھی۔''

اسد نے زور سے کھڑکی بند کی اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ وہ مستقل ...... جمال اور شذرا کے کہے ہوئے جملے پر تپ رہا تھا۔

''بھاڑ میں جائے، مائی فٹ شذرا اینڈ جمال، مجھے کیا پڑی ہے کہ فضول سوچوں ان کے بارے میں۔''

اس نے زور سے کرسی کو ٹھوکر ماری اور بالوں کو ہاتھوں سے درست کرتا ہوا باہر آ گیا۔

''زیب!''

''جی چھوٹی مامی! کیا بات ہے، کیا کام ہے؟''

ادھر عمرانہ نے آواز دی، ادھر وہ جلدی سے تابعدار غلام بن کر حاضر ہو گئی۔

''ارے بھئی، کام تو کوئی نہیں! یہ بتاؤ اب فارغ ہو؟''

''جی اب تو فارغ ہوں۔ رات کا کھانا بنانے میں تو کافی دیر ہے آپ کام بتائیں۔''

''کام تو نہیں، ذرا میرے ساتھ طارق روڈ تک چلو گی؟ شاپنگ کرنی ہے۔ زاہدہ بھابی اور بڑی بھابی تو جل کر کباب ہی ہو جاتی ہیں میری شاپنگ سے، میرا اچھا پہننے، اوڑھنے سے، دونوں کی جان جاتی ہے۔ اس لیے سوچا ہے کہ اب تمہارے ساتھ ہی شاپنگ کر آیا کروں گی۔''

عمرانہ نے یوں کبھی ان لوگوں کو منہ نہیں لگایا تھا۔ خود کو انہوں نے اپنے کمرے تک محدود رکھا ہوا تھا مگر اب مطلب پڑا تو کیسے زبان شیرے میں بھیگ گئی۔

''چلئے، میں ذرا اندر سے چادر لے آؤں۔''

زیب نے اندر آ کر نسیمہ بیگم کو بتایا اور چکن کی سفید چادر اچھی طرح لپیٹ کر باہر آ گئی۔

''کہاں کی تیاری ہے؟ سامنے سے آتے شعیب کی تیکھی نظریں اسے جلا گئیں۔

''عمرانہ مامی کے ساتھ جا رہی ہوں۔''

''واپسی کب تک ہوگی؟''

وہ اس سے یوں پوچھ رہا تھا، گویا وہ ہی اس کے ہر فعل کا ذمہ دار ہے۔ وہ ہی اس کا مالک ہے۔

''یہ آپ مامی سے ہی پوچھئے۔''

وہ مستقل چلتی رہی۔ وہ بھی اس کے برابر چلتا ہوا عمرانہ کے کمرے تک آ گیا۔

''چچی جان! اس کو لے جانا ضروری تو نہیں فائزہ کو لے جایئے ناں؟''

''کیوں تمہیں کیا اعتراض ہے بھئی؟ تم کیوں اپنے آپ کو اس کی زندگی کی ناؤ کے ناخدا سمجھنے لگے ہو۔ شعیب میاں! انسان کو وہ بات کرنی چاہئے، جو مناسب ہو، چلو زیب پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔''

عمرانہ نے شعیب کو جھاڑ دیا تو وہ پیر پٹختا ہوا واپس آ گیا۔

''نہ جانے یہ عمرانہ چچی خود کو سمجھتی کیا ہیں۔''

چار گھنٹے ہو گئے تھے۔ عمرانہ چیزیں خرید خرید کر ڈھیر لگا رہی تھیں۔ ایک سے ایک قیمتی کپڑا انہوں نے اپنے لیے اور بیٹی کے لیے خریدا تھا۔ وہ چیز کی قیمت لگا رہی ہوتیں اور زیب اپنے دل میں اٹھتے درد کو دباتی ہوئی سوچ رہی ہوتی کہ خودمختاری کتنی بڑی نعمت ہے۔ آج روپیہ پانی کی طرح بہا رہی ہیں۔ اس روز امی نے فرخ کی فیس کے لیے کچھ پیسے مانگے تو صاف انکار کر دیا کہ ہمارے پاس نہیں ہیں، پھر نسیمہ بیگم کو ڈھیٹ بن کر مشتاق احمد سے پیسے لینے پڑے تھے۔ اس طرح جب ان کی ماں ان کی ضروریات کے لیے اپنے ہی بھائیوں کے آگے ہاتھ پھیلاتیں تو دل خون کے آنسو روتا۔ انا اس قدر مجروح ہوتی کہ دل چاہتا اپنے گلے گھونٹ لیے جائیں مگر ان لوگوں سے کچھ نہ مانگا جائے۔

''ہائے تھک گئے، آؤ کہیں بیٹھ کر کچھ کھا پی لیں۔''

وہ کیا کہتی، خاموشی سے ایک چاٹ کی دکان میں آ گئی۔ تھکن اور بھوک سے تو اس کا بھی برا حال تھا وہاں جو بیٹھے تو نیند سی آنے لگی۔ عمرانہ بار بار اپنی خریدی ہوئی چیزیں دیکھ رہی تھیں۔

''چلو بھئی، اب چلتے ہیں، کافی دیر ہو گئی ہے۔ یلو کیب لے لیتے ہیں، دو سو روپے ہی تو لگیں گے اور اس سے قبل کہ وہ یلو کیب رکواتیں سامنے سے طلال آ گیا۔

''ارے آنٹی، زیب آپ لوگ؟''

''ہاں بھئی شاپنگ کرنے آئے تھے، اب تو واپس جا رہے ہیں۔''

''اور زیب کیا حال ہیں؟ طلال نے خاموش کھڑی زیب کو دیکھا۔

''جی ٹھیک ہوں۔''

''چلئے آنٹی، گھر چلیے، اتنی قریب آ کر گھر نہ جائیں، یہ زیادتی ہوگی۔ چلو زیب، تمہیں تو کبھی توفیق ہی نہیں ہوئی ہمارے ہاں آنے کی، سب آئیں گے مگر تم...... چلو آج تو انتہائی قریب آ گئی ہو۔''

طلال بھی صرف زیب کی وجہ سے اصرار کر رہا تھا ورنہ اسے عمرانہ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔

''ارے جانے دو طلال! بہت دیر ہو گئی ہے۔''

حالانکہ زیب کا دل چاہ رہا تھا، طلال کے ہاں جانے کو، مگر وہ خاموش تھی۔

''ناممکن آنٹی! چلئے کہاں یلو کیب میں اتنے پیسے دیں گی۔ میں آپ کو اپنی گاڑی پر چھوڑ آؤں گا آؤ زیب۔''

طلال جو کام کرنے آیا تھا، اسے چھوڑ دیا، وہاں جانے کے خیال سے جانے کیوں زیب کا دل دھڑک اٹھا۔ بلال کی گہری نگاہیں حصار کرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

زیب کو یوں اچانک اپنے گھر دیکھ کر سب کو ازحد خوشی تھی۔ بلال گھر پر نہیں تھا۔ زیب بجھ سی گئی۔

''عمرانہ آج کیسے دل بڑا کیا؟'' رابعہ بیگم نے بڑھ کر زیب کو گلے سے لگایا۔

"دل کہاں بڑا کیا ہے، میں نے اغوا کیا ہے ان دونوں خواتین کو۔"

"بہت اچھا کیا تم نے، زیب بیٹے یہاں آؤ میرے پاس۔"

ظہیر احمد نے زیب کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"امی! یہ بلال کہاں ہے، کب سے نہیں آیا۔"

طلال..... فریج سے بوتلیں نکال کر خود ہی سرو کرنے لگا، کیونکہ باقی سب تو ان ہی کے گھر گئے ہوئے تھے۔

"ارے طلال بھیا، لائیے میں کرتی ہوں۔"

طلال کو کام کرتے دیکھ کر زیب آگے بڑھی۔

"کوئی بات نہیں لڑکی! مگر..... ضروری نہیں کہ تم ہی کام کرو، کبھی خدمت کروا لینی چاہیے۔"

"لیکن بھیا! مجھے یہ اچھا نہیں لگتا کہ میں بیٹھی رہوں، لائیے آپ بیٹھ جائیں۔"

رابعہ بیگم اور عمرانہ باتوں میں مصروف تھیں، زیب نے سب کو گلاس تھمائے اور اپنا گلاس لے کر ایک کونے میں پڑے موڑھے پر ٹک گئی۔

"کاش! خدا نے تم لوگوں کے نصیب بھی اتنے ہی اچھے لکھے ہوتے، جتنی اچھی صورتیں بنائی تھیں۔"

ظہیر احمد مستقل نسیمہ بیگم اور ان کی بیٹیوں کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

"لائیے انکل گلاس میں رکھ آؤں۔"

ظہیر احمد جیسے ہی گلاس رکھنے کے لیے اٹھے تو زیب جلدی سے آگے بڑھی، پھر اس نے ٹرے میں خالی گلاس رکھے اور کچن میں آ گئی۔ اسی وقت بلال آ گیا۔

"یہ عمرانہ آنٹی ہمارے گھر کیسے نظر آ رہی ہیں، کیا چکر ہے؟"

بلال نے ڈرائنگ روم میں جھانک کر دیکھا تو سامنے عمرانہ ہی نظر آئیں، مگر وہ اندر نہیں گیا۔ اسے یہ بناوٹی لوگ پسند ہی نہیں تھے۔

"ان کو چھوڑو اور ذرا کچن سے ایک گلاس پانی تو لے کر آؤ۔"

طلال معنی خیز نظروں سے بلال کو دیکھتے ہوئے بولا۔

بلال کچھ نہ سمجھتے ہوئے کچن کی طرف بڑھا، مگر کچن سے زیب باہر نکل رہی تھی۔

"زیب..... تم"

بلال کی آنکھیں حیرت، خوشی اور بے یقینی سے چمک اٹھیں۔

☆.....☆.....☆

"زیب..... زیب یہ تم یہاں کیسے؟"

بلال کی آنکھوں میں قندیلیں روشن ہو گئیں۔ اسے اپنی بصارت پر اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو دل کے نہاں خانوں کی مکین ہے وہ یوں اس کے گھر بھی مہمان ہو گی اور واقعی زیب جب سے بڑی ہوئی تھی کبھی بھی یہاں نہ آئی تھی آج بھی عمرانہ مامی کے سبب یہاں نظر آ رہی تھی۔

"آداب" زیب نے خوشی سے تمتماتے چہرے کو دیکھا۔

"اوہ، السلام علیکم میں تو سارے ادب آداب بھول گیا تھا تمہیں روبرو دیکھ کر ویسے آج تمہارا دل کیسے چاہا یہاں آنے کو۔"

وہ پرشوق نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"وہ عمرانہ مامی کے ساتھ آئی ہوں۔"

"یعنی کہ عمرانہ آنٹی کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا کہ آپ کو ہمارا بنایا۔ لیکن مہمان تو یہاں بھی میزبان ہی لگ رہا ہے۔" بلال اسے کچن سے دیکھ کر بولا۔

"کیوں آپ کو میرا میزبان بننا پسند نہیں آیا اپنے گھر میں؟"

وہ گلاس دھو کر ایک طرف رکھتے ہوئے بولی تو وہ اس کی پشت پر لہراتی دراز چوٹی کو دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

"زیب! میں تو تمہیں ہمیشہ کیلئے اس گھر کی میزبان بنانا چاہتا ہوں" اور اس کی آواز کی گھمبیرتا زیب کی سماعتوں سے ہوتی ہوئی دل کے تاروں کو چھیڑتی چلی گئی تو وہ گھبرا کر واپسی کیلئے مڑی مگر وہ دروازے میں ایستادہ تھا وہ بے بسی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"جانے دیں پلیز"

"رک جائیں پلیز۔" شوخ مسکراہٹ کے ساتھ بلال نے بھی اسی انداز میں کہا تو وہ ملتجی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بلال پلیز' جانے دیں' مامی کو ذرا بھی خبر ہو گئی تو۔"

"تو کیا ہو گا ہاں کیا ہو گا۔"

وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس سے پوچھ رہا تھا۔ زیب نے شاکی سی نظر سے اسے دیکھا۔ "آپ' آپ کچھ نہیں جانتے بلال! کہ کیا ہو گا انجان ہیں آپ' آپ کو کچھ نہیں معلوم کہ کیا ہو جائے گا۔"

زیب کا شاکی لہجہ بھیگ گیا تو بلال اس کے قریب آ گیا۔

''زیب! مجھے سب معلوم ہے بلکہ وہ کچھ معلوم ہے جو تم لوگوں کو معلوم نہیں مگر دیکھو زیب! تم لوگوں نے ان کے خوف کا ایک حصار اپنے گرد کھینچ لیا ہے اور یہ حصار روز بروز تم لوگوں کے گرد تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ تم لوگ اسے توڑنے کی کوشش کرنے کے بجائے اسے تنگ کر رہے ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم سب اس خوف کے حصار سے نکل آؤ اور میں ان شاء اللہ تم سب کو اس پریشانی سے باہر نکالنے کی کوشش کروں گا۔ اپنائیت بھرے لہجے میں بولتا کتنا اپنا سا لگ رہا تھا۔

''لاحاصل کوشش مت کریں بلال! ہمیں اسی حصار میں زندہ رہنا ہے اور وہیں مرنا ہے یہ ہی ہماری تقدیر ہے۔''

اس کے ٹوٹے لہجے میں ڈھلے الفاظ بلال کو تڑپا گئے۔ آج پہلی بار وہ روبرو تھی تو کوئی اچھی اور خوش کن بات نہیں ہو رہی تھی۔

''تقدیر بدل بھی سکتی ہے انسان کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرے تو بہتر بھی ہو سکتا ہے۔ اور دیکھنا ایک دن ان شاء اللہ سب کچھ بدل جائے گا۔'' بلال اسے مایوسی کے اندھیرے سے نکالنا چاہتا تھا۔

''میری آنکھیں خواب دیکھنے کی عادی نہیں ہیں بلال! اور نہ ہی میں ان کو یہ عادت ڈالنا چاہتی ہوں پلیز۔ کوئی خواب مت سجائیں میری آنکھوں میں اس لیے کہ ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں انسان کی بینائی چھین لیا کرتی ہیں اور میرے اندر اتنی ہمت نہیں کہ۔''

''زیب! میں تمہاری آنکھوں میں تعبیر نہ پانے والے خواب نہیں سجاؤں گا۔ دیکھنا ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا ایک میں اور تم۔''

''بلال! مجھے جانے دیں۔''

زیب نے محسوس کیا..... کہ وہ خوابوں کی رہ گزر پر چل پڑا ہے۔ اس کا ہاتھ تھامے اور وہ کوئی ایسا خواب دیکھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

''پلیز زیب! یہاں تو مت کتراؤ مجھ سے تم ہمیشہ مجھ سے کترا کر گزر جاتی ہو۔ وہاں تو وجہ سمجھ میں آتی ہے مگر یہاں تو ایسا نہ کرو۔ یہ تو میرا گھر ہے جو ایک روز تمہارا بھی ہو گا۔''

بلال نے پراعتماد لہجے میں کہا تو وہ کچھ دیر کیلئے اس کی روشن آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ کر رہ گئی۔ کتنے خواب، کتنے ارمان جگمگا رہے تھے اس کی آنکھوں میں۔ جی چاہا کہ آگے بڑھتے بلال کو روک دے۔ کہہ دے کہ تم بھی مت ایسے خواب دیکھو جن کی کوئی تعبیر نہیں۔ ان کے مقدر نے ان کو اتنی اجازت ہی کب دی ہے کہ وہ کوئی خواب آنکھوں میں سجائیں۔

''میں چلوں۔ مامی اب اٹھنے والی ہوں گی۔''

وہ اس کے ایک سائیڈ سے راستہ بناتی ہوئی آگے بڑھنے لگی تو وہ..... سامنے سے ہٹ گیا۔

''تم میرے پاس ٹھہرنا نہ چاہو یا اپنی موجودگی کی خوشی نہ دینا چاہو تو الگ بات ہے ورنہ وہ تو اپنے میکے والوں کی تعریفوں میں مگن ہیں اور جب وہ اس کام میں مصروف ہوں تو اور کسی بات کا ان کو ہوش نہیں ہوتا تم جانا چاہتی ہو تو جاؤ اور اگر تمہیں گوارا نہیں تو میں کبھی تمہاری راہوں میں نہیں آؤں گا۔''

وہ روٹھے روٹھے لہجے میں بولا تو وہ چونک کر مڑی۔ وہ اس سے خفا خفا سا کھڑا تھا جس کا تصور ہی گلشن میں بہار کے لطیف جھونکے کی مانند..... ہوتا تھا جو غیروں کی اس دنیا میں اپنا تھا وہی خفا ہو گیا تھا۔

''بلال! آپ تو خفا نہ ہوں۔''

اس نے آہستگی سے کہا تو بلال نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی خفگی کے خیال سے پریشان سی زیب اسے بہت اچھی لگی۔

''طلال! یہ بلال کہاں رہ گیا ہے؟ پتہ کرو کہاں گیا ہے۔''

اس سے قبل کہ بلال کچھ کہتا رابعہ بیگم کی آواز گونجی تو وہ زیب کو دیکھتا باہر نکل گیا۔ اس طرح کہ کسی کو اس کے گھر آنے کا پتہ ہی نہ چلے۔ زیب نے گیٹ سے باہر نکلتے بلال کو دیکھا اور ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''زیب! تم کہاں تھیں اتنی دیر سے؟''

عمرانہ کو اسے دیکھتے ہی اس کی موجودگی کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

''یہیں تھی کچن میں۔ گلاس دھو رہی تھی۔''

زیب نے قالین پر نظر جماتے ہوئے کہا مبادا وہ کچھ بھانپ لیں۔

''ارے بیٹا! رہنے دیتیں۔ بس کام ہی تمہارے نصیب میں لکھے ہیں دو چار گلاس ہی تو تھے۔'' رابعہ بیگم نے پیار سے اسے دیکھا۔

''کوئی ایسا بڑا کام نہیں کیا میں نے آنٹی! بیکار بیٹھنا بھی۔ اچھا نہیں لگتا۔''

''ہاں عادت جو نہیں آرام کرنے کی ہر وقت بس کام کام اور صرف کام ہوتا ہے۔ تم لوگوں کے ہاں تو۔''

رابعہ بیگم نے تیکھی نظروں سے عمرانہ کو دیکھا جو اب اپنا خریدا ہوا سامان سمیٹ رہی تھیں۔

''اچھا بھابی! اب اجازت دیں۔ باتوں میں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا کہاں گیا یہ طلال۔ ارے بھئی طلال میاں! جیسے لے کر آئے تھے اب چھوڑ کر بھی آؤ۔ اپنی گاڑی میں۔''

عمرانہ وہیں سے بیٹھ کر بلند آواز میں بولیں۔

''آداب آنٹی!'' اسی وقت بلال اندر داخل ہوا۔

''جیتے رہو، کیسے ہو بلال؟ ہم تو اتنی دیر سے آئے ہوئے ہیں تم نظر نہیں آئے۔''

''جی آنٹی! میں اپنے دوست کے ہاں گیا ہوا تھا۔ ابھی آیا ہوں اور یہ کیا، آپ تو جانے کو تیار نظر آ رہی ہیں۔''

بلال نے ایک گہری نظر زیب پر ڈال کر یہ ہی احساس دلایا کہ وہ ابھی گھر آیا ہے۔

''ہاں بیٹا! بڑی دیر ہو گئی ہم تو شاپنگ کر رہے تھے کہ طلال ہمیں اغوا کر لایا اور اب جانے کہاں چھپا ہوا ہے۔''

''چھپا ہوا نہیں ہوں، آنٹی! تیار ہو رہا ہوں جانے کو۔''

طلال پیلی ٹائی کی گرہ درست کرتا ہوا آ گیا۔

"طلال بھائی! آپ واقعی ان لوگوں کو چھوڑنے جارہے ہیں۔"
بلال نے طلال کو کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ طلال سمجھ کر شوخی سے مسکرادیا۔"
ہاں بھئی میں ہی لے کر آیا ہوں' چھوڑنے بھی میں ہی جاؤں گا' کیوں زیب۔"
طلال نے شوخی سے زیب سے پوچھا۔ وہ تو بس دونوں کو دیکھ کر رہ گئی۔
"جی نہیں' آپ ان لوگوں کو چھوڑنے نہیں جارہے۔ ویسے بھی آپ کی تیاری بتارہی ہے کہ آپ کہیں اور جارہے ہیں۔ آنکھوں کی چمک بڑھ جانے؟
بلال بھی سمجھ گیا کہ وہ کہاں جارہا ہے محض اسے تنگ کرنے کیلئے جملے بازی کررہا تھا۔
"بڑے سمجھدار ہو گئے ہو مجھے راستے میں کہیں ڈراپ کردینا اور ان لوگوں کو گھر چھوڑ آنا۔"
طلال نے ایک نظر زیب پر ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئے۔
"چلو جلدی کرو بلال بیٹے! نومی نے باپ کو پریشان کررکھا ہوگا۔"
عمرانہ اپنا آپ سمیٹ کر بلال کی طرف بڑھیں۔ زیب نے بھی اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔
"زیب بیٹا! دو چار دن رک جاؤ' بھئی آخر ہم بھی تمہارے کچھ لگتے ہیں۔"
ظہیر صاحب نے زیب کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا بلال ایک دم خوش ہوگیا اور پرامید نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ جیسے فیصلہ کرنا اسی کے اختیار میں ہو۔
"اس بیچاری سے کیا کہہ رہے ہیں۔ ظہیر! عمرانہ سے بات کریں کیوں عمرانہ چھوڑ جاؤ۔ اسے چند روز کیلئے۔ ایک عرصے کے بعد تو آئی ہے۔
رابعہ بیگم بھی شوہر سے پوری طرح متفق تھیں۔ انہوں نے ساری ذمہ داری عمرانہ پر ڈال دی۔
"واہ بھابی! یہ کیسے ہوسکتا ہے میں اسے چھوڑنے والی کون ہوں۔ آسیہ بھابی اور زاہدہ بھابی سے بھی تو اجازت نہیں لی ویسے بھی زیب کے بغیر سارے کام رک جاتے ہیں۔"
"ہوں کام رک جاتے ہیں۔ ملازمہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔"
بلال نے غصہ سے عمرانہ کو دیکھتے ہوئے سوچا پھر زیب کو دیکھنے لگا جو عمرانہ کی بات پر سوچ رہی تھی کہ اس کی ماں کا نام ہی نہیں گویا آسیہ اور زاہدہ ہی اس کی مالک تھیں۔ وہی اجازت دے سکتی تھیں۔
"اچھا بیٹے! زیب! خداحافظ' میں تو نماز پڑھنے جارہا ہوں پھر کبھی موقع ملے تو ضرور آنا۔" ظہیر احمد اسے پیار کرکے مسجد جانے کیلئے باہر نکل گئے۔ عمرانہ گیراج میں کھڑی گاڑی میں اپنا سامان رکھنے لگیں۔
"بلال ذرا ڈگی کھولو' یہ سامان رکھنا ہے۔"
"لائیے میں رکھتا ہوں۔ ڈگی میں پہلے ہی کچھ سامان پڑا ہے۔"
بلال نے ان کا سامان پچھلی سیٹ پر رکھتے ..... ہوئے کہا۔
"ارے بھئی' زیب کہاں بیٹھے گی۔ ساری سیٹ پر تو سامان ہی آگیا۔"
"اوہو یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں' چلیں زیب آگے بیٹھ جائے گی۔
بلال نے زیب کو آگے بٹھانے کی اس دانستہ کوشش کو اس طرح چھپایا کہ زیب کو ہنسی آگئی۔
"میڈم! تشریف رکھئے۔" بلال دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کا کہہ رہا تھا وہ بیٹھنے کو تو بیٹھ گئی مگر

ایک خیال تیر کی تیزی سے آیا اور دل میں پیوست ہوگیا۔ کہ اگر شوبی نے دیکھ لیا تو وہ اس کی طنزیہ باتوں کو کس طرح برداشت کرپائے گی۔ شوبی اور تو سب کو معاف کرسکتا تھا مگر بلال کے ساتھ اسے دیکھ کر تو وہ جنونی ہوجایا کرتا۔
"مامی: آپ آگے آجاتیں تو اچھا تھا۔"
اس نے چوری نظر بلال پر ڈالی اور آہستگی سے کہا مگر بلال نے انتہائی تیز نگاہ اس پر ڈالی اور ایک جھٹکے سے ریورس گیئر لگا کر گاڑی فل اسپیڈ میں چھوڑ دی۔ زیب سمجھ گئی تھی کہ اسکا موڈ کس بات پر آف ہوا ہے۔ تمام راستہ بلال نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا بھی نہیں۔ بس خفا خفا سا گاڑی ڈرائیو کرتا رہا اور وہ جلتی رہی۔ بلال بھی تو سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بچہ بنا ہوا تھا۔ اس سے خفا ہو رہا تھا۔ ایک تو شوبی کا خوف تھا دوسرے بلال کی خفگی کا احساس وہ بس ان ہی دو احساسات کے ساتھ سفر کرتی رہی اور عین ان کے گیٹ کے سامنے جب گاڑی کے بریک چرچرائے تو وہ حواسوں میں لوٹ آئی۔ غنیمت تھا کہ سامنے کوئی نہیں تھا۔ خصوصاً شوبی اس نے شکر کیا عمرانہ نیچے اتر کر سامان اتار رہی تھیں زیب بھی اترنے لگی مگر بلال نے آہستگی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ سرتاپا کانپ گئی کسی نے دیکھ لیا تو قیامت آجائے گی۔
"زیب! میں جانتا ہوں تم کیوں خوف زدہ ہو تمہارا خوف بھی بجا ہے لیکن اگر سمجھو تو میں تمہارا ہوں صرف تمہارا۔"
بلال..... خفگی بھرے لہجے میں اسے اپنے مخلص ساتھ کا یقین دلا رہا تھا جس کے بارے میں وہ سوچتے ہوئے بھی ڈرتی تھی وہ جس سے بچ کر گزر جاتی تھی وہی ہر قدم پر ہر گام پر اپنے خلوص کی بانہیں پھیلائے اس کا منتظر تھا لیکن کیا ستم ظریفی تھی کہ چاہنے کے باوجود اسے مثبت جواب نہیں دے سکتی تھی۔ اس لئے کہ وہ جانتی تھی۔ زاہدہ بیگم اور صائمہ کیلئے بلال کیا حیثیت رکھتا ہے اگر گھر میں کسی کو بھنک بھی پڑ گئی تو بہت رسوائی ہوگی اوپر سے شوبی کے طنز' اُف یہ سب کچھ تو وہ کبھی بھی برداشت نہیں کرسکتی تھی۔
"بلال! آپ تو بہت سمجھدار ہیں میں آپ سے کہہ چکی ہوں مت خواب دیکھیں اور دکھائیں۔ ہمارے خوابوں کی راہگزر بہت پرخار ہے۔ آپ کے پاؤں بھی زخمی ہوجائیں گے۔ اور میری روح تو پہلے ہی زخمی ہے۔"
اور وہ جو کسی..... لطیف بات کا منتظر تھا اس کی بات پر بے مزا ہوگیا۔ اس نے زور سے دروازہ کھولا باہر نکلا اور زور سے بند کرکے آگے بڑھ گیا۔
"بلال! یہ ہی تو ہماری کم نصیبی ہے کہ کوئی ہمیں نہیں سمجھتا۔ کوئی ہماری مجبوریوں کو نہیں سمجھتا۔ بس اپنی من مانی کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔
زیب دکھ کا احساس لئے عمرانہ کا سامان اٹھا کر اندر آگئی۔ وہ شکر ادا کررہی تھی کہ کسی نے نہیں دیکھا تھا اندر آئے تو گھر بھر کو فکرمند پایا۔
عمرانہ تم نے تو حد کردی کہاں رہ گئی تھیں تم لوگ خیریت تو تھی؟"
"سوری بھابی جان! طارق روڈ پر طلال مل گیا تھا وہ ضد کرکے ساتھ گھر لے گیا پھر رابعہ بھابی کا تو آپ کو پتہ ہے۔ اتنے اخلاق سے ملتی ہیں کہ بندے کا اٹھنے کو جی نہیں چاہتا' بس وہیں دیر ہوگئی۔"
تو عمرانہ ظہیر بھائی کے گھر سے فون کردیا ہوتا۔ خدا جانتا ہے بہت برا حال ہوا ہے۔ کیسے کیسے

وہم نہیں آئے اس دوران۔"
نسیمہ بیگم نے زیب کو دیکھا تو ان کی جان میں جان آئی۔
"میں بتا رہی ہوں ناں۔ باتوں میں احساس ہی نہیں رہا۔ شذرا! یہاں آؤ یہ سامان میرے کمرے تک لے جاؤ اور یہ نوی کہاں ہے نظر نہیں آ رہا۔"
وہ سامان کے پیکٹ شذرا پر لادتی ہوئی ادھر ادھر دیکھ کر نوی کا پوچھ رہی تھیں۔
"ماموں کو بہت پریشان کر رہا تھا۔ الٹی سیدھی ضدیں کر رہا تھا۔ حسب عادت ماموں نے شعیب بھائی کے ساتھ باہر بھیجا ہے۔"
"اور خود کہاں ہیں فیاض؟"
"بڑے ماموں کے کمرے میں میٹنگ ہو رہی ہے وہیں ہیں تینوں ماموں۔"
شذرا ان کے سامان کو ناگواری سے دیکھتے ہوئے ساری تفصیل بتا رہی تھی۔
"ہونہہ اپنے لئے ہر اوٹ پٹانگ چیز کیلئے پیسے آ جاتے ہیں اور ہم ضرورت کیلئے بھی مانگیں تو کورا جواب اللہ سمجھے گا بے انصاف لوگو۔"
شذرا نے سامان ان کے کمرے میں پٹخنے کے انداز میں رکھا اور جلدی سے باہر آ گئی۔ مبادا چار چھ کام اور بتا دیئے جائیں اور اس وقت وہ کسی کام کے موڈ میں نہیں تھی۔
"ارے شذرا! تم کہاں چلیں؟ ہم لوگ تو آئس کریم کھانے جا رہے ہیں؟"
جمال اور منیب وہیں...... مل گئے وہ ابھی جواب دے بھی نہ پائی تھی کہ اسد بھی کمرے سے باہر آ گیا۔
"احمق لڑکو۔ محلے بھر کو انوائیٹ کرنے کی ضرورت نہیں۔ گاڑی میں جگہ کہاں ہوگی۔ کوئی فضول بندہ نہیں جائے گا۔"
اسد نے ازلی دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شذرا کو دیکھا۔
"پھر تو تم بھی نہیں جا رہے ہو گے اسد احمد۔"
شذرا نے دانت پیس کر کہا تو جمال اس کے جملے پر منیب کو دیکھ کر مسکرا دیا اور پھر ان دونوں نے کتنا ہی زور لگایا مگر شذرا کو نہ جانا تھا نہ گئی۔
زیب نے شکر کیا تھا کہ شعیب گھر سے باہر ہے تو اسے بلال کے ساتھ آنے اور اس کے ساتھ بیٹھنے کی خبر نہیں ہوئی ہوگی۔ اسی لئے وہ دبے پاؤں کچن میں آ کر نسیمہ بیگم کے ساتھ کام میں مصروف ہو گئی۔
"امی! پتا ہے مامی نے آج کتنی شاپنگ کی ہے۔ ایک سے ایک مہنگا کپڑا' جوتے گھر کی چیزیں پتا نہیں کیا کیا جن چیزوں کی ضرورت بھی نہیں تھی وہ بھی انہوں نے خریدیں وہ روٹی توے پر ڈالتی تفصیل بتا رہی تھی نسیمہ بیگم نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"زیب! میری جان! تم تو بہت صبر والی ہو پھر یہ باتیں کیوں؟"
امی جان! میں ان سے حسد نہیں کر رہی مگر دکھ ہو رہا تھا کہ صدف کے اسکول میں پارٹی تھی۔ آپ نے پہلے بڑی مامی کو کہا پھر چھوٹی مامی کو کہا مگر یہ سننا پڑا کہ نسیمہ بیٹیوں کے نخرے کم کرو' ہم سے یہ

فضولیات پوری نہیں ہوتیں۔ عمرانہ مامی نے بہت تیر مارا اور مارکیٹ کا سب سے گھٹیا کپڑا اسے لا کر دیا۔ امی کیا یہ اپنے بچوں کیلئے ایسی شاپنگ کر سکتی ہیں؟"
زیب صبر و شکر میں ماں پر گئی تھی مگر آج جانے کیوں دل بوجھل ہو رہا تھا۔ اس ناانصافی پر بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ آج تو بہت سی باتیں غیر معمولی ہوئی تھیں۔ شاپنگ اور مامی کی بے انصافی پر دل کڑھ رہا تھا پھر بلال کی سنگت میں گزرے چند لمحے پھر اس کی ناراضگی تو یہ تمام دکھ وہ کس سے کہتی ماں ہی اس کی دوست دمساز تھی۔
قسمت کی بات ہوتی ہے بیٹا! جب ہمارے مقدر میں ہی اللہ پاک نے یہ کچھ لکھا ہے تو پھر ہم کیونکر اسے بدل سکتے ہیں۔ چلو نارمل ہو جاؤ۔ تم تو میری بہت صابر بیٹی ہو میں تمہاری طرف سے تو مطمئن رہتی ہوں اور صدف کی طرف سے بھی ورنہ شذرا کی طرف سے تو مجھے دھڑکا ہی لگا رہتا ہے۔ چلو شاباش ایسا نہیں سوچتے۔ اللہ کی پاک ذات پر بھروسا رکھتے ہیں۔ ایک دن آئے گا کہ وقت کی لگام ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ انشاء اللہ وقت بدلے گا۔
ان...... ماں بیٹیوں کی یہ ہی عادت تھی جب بیٹیاں اپ سیٹ ہوتیں تو ماں ہمت کی دیوار بن جاتیں اور جب بھی ماں ہمت ہارتی تو بیٹیاں ڈھال بن جاتیں اور ایک دوسرے کو تسلی دے کر خوش آئند وقت کی جھلک دکھا کر خوش ہو جاتیں۔
"امی! اب آپ بس کریں صبح سے لگی ہوں گی کاموں میں۔ اب میں کر لیتی ہوں آپ جائیں آرام کریں۔"
نسیمہ بیگم خود بھی بہت تھکن محسوس کر رہی تھیں اسے دعائیں دیتی اپنے کمرے میں آ گئیں۔
زیب اپنے دھیان میں گم روٹیاں پکاتی رہی مگر اپنے کام میں مصروف وہ نہیں جانتی تھی کہ شعیب کب سے آ کر کھڑا اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے اچانک ہی مڑ کر دیکھا تو اسے دیکھ کر...... چونک سی گئی۔
"کب آئیں سیریں کر کے؟" وہ مخصوص چبھتے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"میں سیریں کرنے نہیں گئی تھی عمرانہ مامی کے ساتھ شاپنگ کیلئے گئی تھی۔ اسے لفظ سیریں بہت برا لگا تھا۔
اور پھر شاپنگ کے بعد؟ وہ جانے کیا اگلوانا چاہ رہا تھا۔
"پھر طلال بھائی مل گئے۔ وہ زبردستی اپنے گھر لے گئے۔" وہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے تھی۔
"طلال یا بلال مل گیا تھا۔ شعیب کے شکی لہجے میں زہر گھل گیا۔
"مجھے غلط بیانی کی ضرورت نہیں۔ طلال بھائی لے کر گئے تھے۔"
وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔ یوں مجرمانہ سی تفتیش پر اسے شدید تاؤ آ گیا تھا۔
"اگر طلال لے جا سکتا تھا تو گھر بھی تو چھوڑنے آ سکتا تھا۔"
وہ خالصتاً وکیلوں والا انداز اختیار کئے ہوئے تھا اور اسے انتہائی بے عزتی محسوس ہو رہی تھی۔
"یہ مجھے نہیں معلوم بہرحال ان کو کسی دوست کے ہاں جانا تھا۔ اس لئے انہوں نے۔" وہ اس شنگر کے سامنے طلال کا نام تک نہ لے سکی۔

زیب کا جینا دوبھر کرے گی اور وہ زیب پر اپنی حاکمیت جتاتا رہے گا۔ وہ مسکراتا ہوا باہر آ گیا۔ زیب تو ایسی گئی کہ پھر نہیں آئی بلال کی نظریں اسے ڈھونڈتی ہی رہیں مگر وہ نہیں تھی اس کا کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''بلال بیٹے! تم بہت چپ چپ ہو۔ کچھ کھاؤ ناں۔''

زاہدہ بیگم تو بچھ بچھ جاتیں جب بھی وہ آتا۔

''ارے نہیں آنٹی! ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل میں بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ صبح یونیورسٹی گیا پھر ایک دوست کے ہاں چلا گیا مگر آیا تو آتے ہی طلال بھائی نے کہا کہ آنٹی عمرانہ کو چھوڑ آؤ تو ادھر آ گیا۔ آرام کا موقع ہی نہیں ملا اس وجہ سے کچھ طبیعت مضمحل سی ہے۔''

بلال نے کچھ یوں اکتائے ہوئے لہجے میں سب کچھ کہا۔ گویا اسے یہ سب ناگوار گزرا ہو۔ وہ شعیب کو یقین دلانا چاہتا تھا کہ زیب اور اس کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی یوں تو وہ زیب کے لئے سارے زمانے سے لڑ سکتا تھا مگر یہاں حالات ایسے تھے کہ وہ اس کا نام بھی محتاط انداز میں لیتا تھا۔ اس کی اس بات پر صائمہ تو مطمئن ہو گئی تھی کہ گویا بلال صرف اسی کا ہے۔ لیکن شعیب کو اس کی بات پر قطعی اعتبار نہیں آیا تھا۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر بیٹھ کر بلال واپسی کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔

''بلال بیٹے! طلال کا کیا حال ہے' اسے تو پھوپھو کا خیال آتا ہی۔ پورا ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔ وہ نہیں آیا۔''

''پھوپھو! میں بھیا کو آپ کا پیغام دے دوں گا۔ تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔ ندا' جمال۔''

بلال نے مسکرا کر ندا اور جمال...... کی طرف دیکھا جو ابھی واپس جانے کے موڈ میں نہیں تھے۔

''ان کا فی الحال یہیں رہنے کا پروگرام ہے۔ چھٹیاں ہیں بلال بھائی عیش کرنے دیں بچوں کو ابھی تو ہم نے پروگرام بنانے ہیں انجوائے منٹ کے۔''

ان دونوں کے بجائے اسد بولا تو بلال نے میز پر سے چابیاں اٹھائیں اور باہر آتے ہوئے اس نے ایک نظر زیب کے کمرے میں ڈالی۔ لائٹ جل رہی تھی پھر اسے اپنے پیچھے قدموں کی چاپ سنائی دی وہ چونک کر مڑا تو شنذرا کھڑی تھی۔

''شنذرا! یہ تمہارے منہ پر بارہ کیوں بجے ہیں۔''

''آپ جو خفا ہیں ہم سے۔''

''خفا تم سے؟ کس نے کہا زیب نے۔ ارے نہیں شنذرا' وہ تو بس یوں ہی ذرا غصہ آ گیا تھا ورنہ میں تم لوگوں سے خفا ہو سکتا ہوں بھلا۔ تم بتاؤ کچھ پریشان ہو۔ اپنے بھیا کو نہیں بتاؤں گی۔''

بلال نے بڑے بھائیوں کے سے انداز میں کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟''

''دیکھ رہی ہوں بلال بھیا کہ اگر ہمارے عمیر بھیا ہوتے تو آپ کی طرح ہوتے ناں۔''

اس کے لہجے میں حسرتوں کا کرب تھا۔ وہ ہمیشہ ہی یہ سوچا کرتی تھی کہ اگر عمیر بھیا ہوتے تو وہ کبھی بھی ان کم ظرفوں کے پاس نہ رہتے۔ ان کا اپنا گھر ہوتا' اپنی حکومت ہوتی۔

''شنذرا! میں نے تو تمہیں ندا اور ردا سے کم نہیں جانا۔ عمیر ہی بننے کی کوشش کی ہے مگر تم لوگ

کم ظرف لوگوں کے درمیان میں ہو کہ میں چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا لیکن تم کیوں پریشان ہو۔''

بلال نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو بے ساختہ کتنے ہی آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

''ارے یہ کیا۔ تم تو بہت باہمت اور مقابلہ کرنے والی لڑکی ہو پھر یہ کم ہمتی کیوں؟ لگتا ہے کوئی خاص بات ہے۔ اپنے بھیا کو نہیں بتاؤ گی۔''

بلال نے اس کا چہرا دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''بھیا! میں پہلے تو ڈاکٹر بننا چاہتی تھی مگر بڑی مامی نے کہا کہ پہلے خرچ کم ہے۔ تمہاری تعلیم کا خرچ کون اٹھائے گا میں نے صبر کر لیا مگر میں اب ہومیو پیتھک میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہوں اور گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں میں چاہتی ہوں کہ آپ ساری انفارمیشن مجھے لا دیں تو میں وہاں ایڈمیشن لے لوں۔''

''بس اتنی سی بات ہے میں خود تمہیں لے کر جاؤں گا۔ ساری انفارمیشن لے کر آؤں گا۔ تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں اسی لئے تو کہتا ہوں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان نہ ہوا کرو اور اپنے بھیا کو بتا دیا کرو۔ میں انشاءاللہ جلد ہی تمہیں سب کچھ بتاؤں گا۔ چلو جاؤ۔ آرام کرو۔ اور سنو اپنی بقراط باجی سے کہہ دینا میں سب کچھ جانتا ہوں۔ اس کے خوف اس کے خدشے میں بھی سمجھتا ہوں لیکن وہ تو مجھے اپنا جانے اپنا سمجھے اچھا چلو۔ اب جاؤ میں کل تو نہیں پرسوں آؤں گا ساری انفارمیشن لے کر۔''

''خدا حافظ بھیا! شنذرا پرسکون ہو کر واپس آ گئی۔

آج شوکت حسین نے اپنے کمرے میں کاروباری میٹنگ طلب کی تھی اور خواتین کو اس لئے شامل کیا گیا تھا کہ وہ صرف بجٹ کو ضروریات تک محدود رکھیں۔

''مشتاق! اور فیاض تم دونوں بزنس میں سنجیدہ نہیں ہو۔ معلوم ہے کتنا نقصان ہوا ہے۔ اس بار ہمیں' میں اکیلا کیا کروں۔ تم دونوں کی عدم دلچسپی کاروبار کو نقصان پہنچا سکتی ہے۔ میں نے تم لوگوں کو اسی لئے بلایا ہے کہ اسکا حل سوچا جائے۔''

شوکت حسین نے باری باری دونوں بھائیوں کو دیکھا جن کا رویہ اب بھی غیر سنجیدہ تھا گویا ان کو پرواہ تھی کسی بات کی۔

''یہ ہمارا مشترکہ کاروبار ہے۔ بھائی جان! نفع و نقصان ہمارا یکساں ہے۔ آپ تو سارا وقت آفس میں رہتے نہیں آپ کو کیا خبر کہ بزنس کیا کیسے جاتا ہے۔ ساری محنت میں اور فیاض کرتے ہیں پھر بھی آپ جانے کیا توقع رکھتے ہیں۔''

شوکت حسین دل کے مریض تھے اور دوسرے ان سے بڑے تھے۔ اس لئے سارے انتظامی امور انہوں نے ہی سنبھالے ہوئے تھے۔ دوسرے الفاظ میں مشتاق نے کہہ دیا تھا کہ کرتا دھرتا آپ ہیں محنت ہم کرتے ہیں شوکت بھی ہر بات سمجھتے تھے کہ بھائی کیا چاہتے ہیں اور ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں مگر وہ بڑے تھے اور ویسے بھی صبر و ضبط ان میں زیادہ تھا۔

''ٹھیک ہے ہم لوگوں کو آئندہ بھی مل کر چلنا ہے اگر کوئی شکایت ہے تم لوگوں کو تو بتاؤ۔ بہرحال ہمیں جو کچھ کرنا ہے مل کر کرنا ہے۔ مل کر رہنا ہے کیونکہ اس دنیا میں اتحاد و اتفاق سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں اور جب تک یہ موجود رہتی ہے کوئی باطل قوت انسان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی لیکن جہاں یہ طاقت

کمزور پڑی وہیں گھر برباد ہوئے۔"

شوکت صاحب تو کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتے کہ ان کے چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ ان سے کوئی زیادتی ہو مگر ان دونوں کے دلوں میں اب بال آچکا تھا' وہ ساتھ نہیں رہنا چاہتے تھے۔ فی الحال دونوں خاموش تھے۔

"کیوں فیاض! بہت خاموش ہو۔ تمہاری کیا رائے ہے؟" شوکت صاحب نے فیاض کی طرف دیکھا جو اتنی دیر کی گفتگو میں بالکل خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے۔

"آپ دونوں بڑے ہیں۔ بھائی جان جو فیصلہ کریں گے بہتر ہی ہوگا۔ ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ شعیب اب ماشاءاللہ جوان ہے کاروبار کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے' اسے تعلیم کے ساتھ بزنس پر بھی توجہ دینی چاہئے آپ تو اکثر بیمار رہتے ہیں بزنس پر خاص توجہ نہیں دے پاتے تو شوبی کو ادھر دھیان دینا چاہئے۔

فیاض نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو شوکت صاحب چپ سے ہو گئے۔ وہ شوبی کو دوران تعلیم ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتے تھے مگر اب بھائی بھی لگ رہا تھا کہ گریز کر رہے ہیں۔

"اچھا بھئی۔ دیکھو اس کی تعلیم کا ایک سال ہی تو رہ گیا ہے۔ پھر وہ تم لوگوں کے ساتھ آجائے گا۔ ہاں بھئی۔ خواتین اب آپ لوگوں سے گزارش ہے کہ گھریلو بجٹ کم کرنے کی کوشش کریں کیونکہ اب ہمارے بزنس کی وہ پوزیشن نہیں جو پہلے تھی فضولیات سے پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔"

شوکت صاحب نے پہلے بڑے تحمل سے فیاض کی بات کا جواب دیا اور پھر آسیہ اور زاہدہ عرف بیگم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو ان کی بات پر ناک بھوں چڑھا رہی تھیں۔

"ہمیں ہی خرچ کم کرنے کی ہدایات دیتے رہا کریں اور وہ جو پوری فوج کا خرچ اٹھتا ہے۔ ماں بیٹیاں عیش کر رہی ہیں مزے سے نہ کھانے کی فکر نہ اور کسی کا غم ان کو تو بس ضرورت پوری کرنے کیلئے پیسے چاہئیں۔ جوان کو حیل وحجت کے بغیر مل جاتا ہے۔"

"آسیہ بھابی بالکل درست کہہ رہی ہیں پورے پانچ انسانوں کا سارا خرچ کھانا' پینا' پہننا اوڑھنا ان لوگوں کو تو ہاتھ ہلائے بغیر ہی سب کچھ مل جاتا ہے اور پابندیاں ہم پر لگائی جاتی ہیں کہ خرچ کم کرو' یہ نہ کرو' وہ نہ کرو۔"

دونوں خواتین کم ظرفی کی انتہا پر کھڑی تھیں۔ شوکت صاحب نے انتہائی دکھ سے بیوی اور بھاوج کو دیکھا۔

"آسیہ بیگم! خدا کسی انسان کو دوسرے انسان کا محتاج نہ کرے کیونکہ ہم انسان بے حد کم ظرف ہیں اگر خدا نے ہماری بہن کو بیوہ کر کے ہمارے رزق میں ان مظلوموں کا رزق بھی شامل کر دیا ہے تو اتنا ذلیل وکم تر نہ سمجھو ان لوگوں کو۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اور زاہدہ! میری بہن تم نے کہا کہ ہاتھ بھی ہلائے بغیر۔ میں کیا اندھا ہوں نہیں دیکھتا نسیمہ اور اس کی بیٹیاں دن رات کولہو کے بیل کی طرح جتی رہتی ہیں۔ کیسی کیسی باتیں نہیں سننا پڑتیں ان لوگوں کو۔ عمیر بھی جانے کہاں کھو گیا وہ ہوتا اب تک جوان ہو چکا ہوتا میں خود ان لوگوں کو الگ کر دیتا مگر اب کیسے ان کو الگ کروں جوان لڑکیاں ہیں اور زمانہ ہم پر ہی تھو تھو کرے گا ایک ہی بہن تھی بیوہ تھی اس کو بھی دو وقت کی روٹی نہ دے سکے۔"

شوکت صاحب کے دل میں تو خوف خدا بھی تھا اور بہن کی چاہت بھی' اس لئے وہ تو بہن کا ساتھ چھوڑنے کو تیار نہیں تھے جب کہ دوسرے ان سے قطعی متفق نہیں تھے۔

"ہونہہ! ان کے دل میں کچھ زیادہ ہی بہن کی محبت ہے دوسروں کو پروا بھی نہیں وہ اب تمام عمر ہی ہمارے سینے پر مونگ دلے گی۔ آسیہ بیگم جل کر سوچتی ہوئی باہر آگئیں ان کو اپنے شوہر سے یہ ہی شکایت تھی کہ وہ بہن بھانجیوں کے ہمدرد تھے۔ ان کی طرف داری کرتے تھے۔

"مامی! کوکنگ آئل ختم ہو گیا ہے رات کا کھانا پکانا ہے منگوا دیں۔"

آسیہ بیگم پہلے ہی تپی بیٹھی تھیں شنذرا کی بات پر ابل پڑیں۔

"میری ہڈیوں سے نکال لو کوکنگ آئل۔ بی بی! یہ گھر ہے کوئی ہوٹل نہیں کہ اندھا دھند پکایا اور برباد کیا۔ ابھی پرسوں ہی تو آئل آیا تھا۔ اتنی جلدی کیوں کر ختم ہو گیا۔ تم ماں بیٹیوں کے ہاتھوں میں تو گویا سوراخ ہیں مجال ہے کسی چیز میں برکت ہو۔ مہنگائی نے الگ کمر توڑ رکھی ہے اوپر سے میاں صاحب فرماتے ہیں کہ میری بہن مظلوم ہے حد ہوتی ہے کسی بات کی آج کے دور میں اتنے ڈھیر سارے لوگوں کو پالنا' کھلانا اور پھر نام نہ نیکی برائی مفت کی نہیں ہے میرے پاس کوئی پائی پیسہ۔" آسیہ بیگم تو آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑیں۔ اور بے نقط۔ سنا ڈالیں وہ جانتی تھیں کہ کچن میں بیٹھی نسیمہ بیگم سب کچھ سن رہی ہیں۔ وہ تو سدا سے سنتی اور جانتی تھیں مگر مجبوریوں نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالی ہوئی تھیں۔ انہوں نے شنذرا کو سختی سے گھورا کہ کوئی جواب نہ دے۔ شنذرا بھی کمال ضبط کا مظاہرہ کر گئی مگر رگوں میں اترتا ذلت کا احساس تڑپا گیا۔ "آپ خفا نہ ہوں بھابی! میرے پاس کچھ پیسے ہیں میں منگوائے لیتی ہوں۔"

نسیمہ بیگم ذلت وتوہین کے احساس کے ساتھ آہستگی سے آگے بڑھیں تو بجائے نادم ہونے یا تکلفاً منع کرنے کے انہوں نے نخوت سے منہ موڑا اور آگے بڑھ گئیں۔

"اسد بیٹا! یہ پیسے لو اور کوکنگ آئل لے آؤ جا کر۔"

نسیمہ بیگم نے اپنے پرس سے دو سو روپے اسد کو نکال کر دیئے تو وہ کچھ دیر پیسوں کو دیکھتا رہا پھر اپنی مجبور بے بس پھوپھو کو دیکھا۔

"پھوپھو! اس گھر سے ابھی رحمت اتنی رخصت نہیں ہوئی کہ آپ۔ رکھیں ان کو اپنے پاس یہ بتائیں آپ کی دوائیں ہیں یا ختم ہو گئی ہیں؟" اس نے نسیمہ بیگم کے ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

"ہیں بیٹا! تم فکر نہ کرو۔ مجھے ان پیسوں کا کرنا بھی کیا ہے۔ کھانا پینا سب کچھ تو ملتا ہے پھر انکی ضرورت کیا ہے۔ میں بھی گھر کے حالات کو سمجھتی ہوں۔ میرے بھائیوں کا کاروبار اچھا نہیں رہا۔ اس لئے مجھے خود ہی سوچنا چاہئے لے لو چاند اور لے آؤ جا کر۔"

نسیمہ بیگم نے...... اسکی پیشانی پر پیار کیا جو بڑی عجیب سی طبیعت کا مالک تھا منہ پر ہوتا تو ان ہی کا ہوتا ورنہ کئی باتیں جو اس نے شنذرا سے کی تھیں انہوں نے سنی تھیں اور اب وہ بالکل ان کا اپنا بنا پوچھ رہا تھا۔

نہیں پھوپھو! میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔ بلکہ آپ کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔ تائی جان تو بس ایسے ہی جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتی ہیں۔"

"نہیں بیٹے! کسی نے کچھ نہیں کہا۔ اپنی جگہ پر تو پتھر بھی بہت وزنی ہوتا ہے اور بے جگہ تو ہیرا

بھی بے وقعت ہوتا ہے۔ مجھے کسی سے کوئی شکوہ نہیں جس کا جو جی چاہے کہے۔"

نسیمہ بیگم نے اس ذلت اور توہین کو بڑے حوصلے سے اندر اتارتے ہوئے کہا وہ تو اسے یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھیں آسیہ بیگم تو کیا خود تمہاری ماں کیا کم کرتی ہے ذلیل کرنے کا کون سا موقع ہوتا ہے جو وہ ہاتھ سے جانے دیتی ہیں مگر انہوں نے اپنے ہونٹوں پر ضبط کا قفل لگا رکھا تھا پھر وہ اصرار کرتی ہی رہ گئیں مگر اسد نے پیسے نہیں لئے اور خود ہی بازار جانے کیلئے نکلا شذرا کو پتا چلا تو وہ پیسے لے کر اس کی طرف بھاگی۔

"پیسے لے کر جاؤ۔" اس نے اس کا نام لئے بغیر مخاطب کیا اور پیسے آگے بڑھائے تو اسد کو اتنا غصہ آیا کہ دل چاہا پیسے اٹھا کر اس کے منہ پر مارے مگر فی الحال ضبط کر گیا۔

"الحمدللہ کنگلا نہیں ہوں میں' ہیں میرے پاس پیسے۔"

اسد نے بائیک پر پیر مارتے ہوئے کہا۔

"ہم بھی اتنے فقیر نہیں ہیں کہ اتنی ذلت کے بعد بھی کچھ نہ نکال سکیں یہ لو امی کے پیسوں سے آئل لاؤ۔" شذرا نے رعونت بھرے انداز میں اسے دیکھا۔

"اچھا تم امیر۔ ہوگئی ہو کہ ہمارے ہی دیئے ہوئے پیسوں کا رعب جما سکو۔ کہاں سے لئے ہیں تم نے یا تمہاری امی نے یہ پیسے؟ بتاؤ کہاں سے لئے ہیں بڑی باتیں بنانی آتی ہیں تمہیں۔"

اسد نے پیسے اس کے ہاتھ سے چھینے اور پھر اس کے منہ پر مار کر بائیک اڑا کر لے گیا اور وہ اس کے تیروں سے زخمی دل لئے اندر آ گئی۔ واقعی کتنی بڑی بھول ہوئی تھی اس سے کہ ان ہی کے دیئے ہوئے پیسوں کا اسی پر رعب جمایا تھا۔

"یارب کسی کو اتنا بے وقعت نہ کر کہ وہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے۔"

☆......☆......☆

فاروق احمد نے زندگی کو جس انداز میں لیا تھا بچوں کو جس طرح راہ پر چلنے کی ہدایت تھی اس پر اب تک سب ہی چل رہے تھے۔ بقول ان کے انہوں نے اپنی اولاد کو کیا نہیں کیا تھا۔ قابل رشک زندگی تھی لیکن اولاد کو سونے کے پنجرے میں حیات قبول نہیں تھی۔ اس لئے تو نبیل ان سلاخوں کو توڑ کر بیگم جان کے گھر جا پہنچا تھا۔ جہاں مہوش کے سحر خیز حسن نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ مہوش کے حسن اور اداؤں میں نبیل کو اپنی منزل مل گئی تھی۔ خزاں رسیدہ زندگی میں گویا بہار سی آ گئی تھی وہ بہت خوش رہنے لگا تھا۔

"یار! یہ وشی نے تو تمہاری کایا ہی پلٹ دی ہے۔ بہت خوش رہنے لگے ہو۔ کسی دن گھر والوں کو خبر ہوگئی تو چھترول ہو جائے گی۔"

امجد محسوس کر رہا تھا کہ وہ کتنا آگے جا چکا ہے حالانکہ وہ بحیثیت دوست اسے سمجھاتا رہتا تھا۔

"یار امجد! اب تو کچھ بھی ہو جائے میں وشی کو چاہنے لگا ہوں' اتنا کہ اس کے بغیر زندگی کا تصور کرتا ہوں تو دم گھٹنے لگتا ہے۔" یار تم نے دیکھا نہیں' وہ کتنی حسین ہے۔ اس کے بات کرنے کا انداز بچ میرا تو دل چاہتا ہے وہ بولتی رہے اور میں سنتا رہوں۔"

نبیل حسن و عشق کے نشے میں چور ہوئے جا رہا تھا۔

"حواسوں میں رہو نبیل! میں نے تمہیں صرف وہاں دل بہلانے کیلئے جانے کو کہا تھا دل

لگانے کو نہیں۔ بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ اب بھی وقت ہے لوٹ آؤ۔" امجد تو واقعی پریشان ہو گیا تھا۔ اسے کیا خبر تھی کہ نبیل کھیل کھیل میں اتنا سنجیدہ ہو جائے گا۔

"ناممکن۔ اب واپسی ناممکن ہے امجد۔" نبیل نے بے بسی سے کہا۔

"ہاں' جب اسے چاہا ہے تو شادی بھی کروں گا۔"

"کیا تم اس سے شادی کرو گے؟ احمق شادی کرنی ہے تو کسی ہم پلہ لڑکی کا خاندان دیکھو ویسے بھی تمہارے ہاں شادیوں کا رواج تو ہے نہیں اور یہاں کیا ہی...... پپا مان جائیں گے تمہارے یار! میری بات مانو کھیل کو کھیل ہی رہنے دو دل بہلاؤ اور لوٹ جاؤ بس ختم۔" امجد نے اسے ہر طرح سے سمجھانا چاہا۔

"نہیں امجد! میں وشی سے شادی کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ آندھی آئے یا طوفان اب ممی' پپا ہمیں خوشیاں حاصل کرنے سے روک نہیں سکتے۔ بڑے بہن بھائیوں کا انجام سامنے ہے۔ میرا اور تمہارا کیا خیال ہے کہ میں ان سے اجازت مانگوں گا تو وہ دے دیں گے۔ ہرگز نہیں میں وشی سے شادی ضرور کروں گا خواہ دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے۔ ساری دنیا کے والدین خود اپنے ہاتھوں اولاد کی شادیاں کرتے ہیں اور ہم' ہماری بہنیں بھی بیٹھی رہ گئیں اور بڑے بھائی بھی مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔"

یوں تو جیل میں بے گناہ اور بے قصور قیدی بھی ہوتے ہیں مگر جیل کاٹ کر بھاگنے کا حوصلہ کسی کسی ہی میں ہوتا ہے۔ اور یہ جرأت وہی قیدی کرتا ہے جو اپنی آزادی کو حاصل کرنے کی ہمت رکھتا ہو اور نبیل کو یہ جرأت' یہ ہمت حسن و عشق نے دے دی تھی کہ وہ سب کچھ کرنے پر تیار تھا اور پختہ عزم کے ساتھ فیصلہ کر چکا تھا۔

"سوچ لو نبیل۔" امجد اسے بار بار سمجھا رہا تھا۔

"سب کچھ سوچ کر کہہ رہا ہوں اگر تمہیں میرا ساتھ دینا ہو تو بتاؤ ورنہ۔"

آئندہ حالات کے مقابلے کیلئے نبیل کو امجد جیسے مخلص اور ہمراز دوست کی ضرورت تھی۔

"ٹھیک ہے اگر ایسا ہے تو میں تو تمہارا ہر طرح سے ساتھ دینے کو تیار ہوں مگر میں تمہیں سوچنے کا اس لئے مشورہ دے رہا ہوں کہ مہوش' بیگم جان کا انمول ہیرا ہے اسکی قدر و قیمت بھی اتنی ہی ہوگی۔" امجد نے نبیل کو اپنی دوستی کا ثبوت دیتے ہوئے کہا۔

"میں جانتا ہوں امجد! کہ بیگم جان کیا چاہتی ہے لیکن مجھے بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی دولت دی ہے کہ اس کی ہر ڈیمانڈ پوری کر سکوں۔" نبیل نے پختہ لہجے میں کہا۔

کنول اور حنا کو علی نے بڑے اصرار سے انوائٹ کیا تھا صرف تیمور کی خاطر جو آج سفید کلف شدہ لباس میں بہت جچ رہا تھا اور علی اسے شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ آئیں گی۔" علی نے چھیڑنے کی غرض سے کہا۔

"تو نہ آئیں۔ یہاں کون ان کا منتظر ہے۔ تیمور کی نگاہیں بھی دروازے پر لگی تھیں قدرے بے زاری سے کہا۔

"آ گئیں۔ تیمور وہ دیکھو لیکن یہ لنگور ساتھ میں کون ہے۔؟"

☆......☆......☆

واقعی یار! یہ ہے کون؟ آج سے قبل تو نہیں دیکھا؟"

تیمور نے براؤن کڑھائی کے سوٹ میں ملبوس نجل کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس اجنبی کو دیکھا جس نے دونوں کو چونکا دیا۔

"ہاں نمونہ پہلی بار دیدار کرا رہا ہے مگر دیکھنا حشر کیا کرتا ہوں اس کبوتر کا۔" علی نے آستینیں اوپر چڑھائیں۔

"یار! تم تو ایویں خفا ہو رہے ہو نہ جانے کون ہو کس لے آیا ہو مگر تم ایسے جل رہے ہو جیسے وہ تمہارا رقیب ہو۔"

تیمور اسے آستینیں چڑھاتے دیکھ کر مسکرایا۔

"عجیب گاؤدی آدمی ہو یار! فدا وہ نجل پر ہو رہا ہے۔ رقیب اسے تم میرا بنا رہے ہو۔ قسم سے تمہاری عقل ماتم کرنے کے لائق ہے۔ رقیب وہ تمہارا ہے۔ خیر رقیب وہ تمہارا ہو یا میرا آج پورے دانتوں کے ساتھ گھر تو جائے گا نہیں۔"

علی کے بڑے جارحانہ تیور تھے جبکہ تیمور بس مسکرا اٹھا گیا۔

"قسم سے تم اتنے ڈیسنٹ عاشق ہو کہ تمہارے سامنے کوئی اسے بیاہ کر لے گیا ناں تو تم یوں ہی مسکراتے رہ جانا جی تو یہ چاہتا ہے کہ اس سے قبل تمہیں بے دانت کر دوں۔"

"نادان دوست! اسے قریب تو آنے دو پتا تو چلے کہ وہ کون ہے؟ کیا حیثیت ہے اس کی خوامخواہ ہوا میں تیر چلائے جا رہے ہو اور پھر کیا خبر وہ کس کا رقیب ہے۔"

تیمور نے تحمل سے کہا۔ حالانکہ وہ خود بھی مضطرب تھا کیونکہ وہ خوبرو اور اسمارٹ بندہ مستقل نجل سے محو گفتگو تھا' مگر وہ نارمل رہا۔

علی پیچ و تاب کھا رہا تھا اور وہ قریب آ رہے تھے۔

"رقیب تمہارا ہو یا میرا' دیکھ لوں گا۔ ہائیں یہ میرا رقیب کس حساب میں کہا تم نے......؟"

بات کو سمجھ کر علی چونکا۔ قبل اس کے کہ وہ کوئی جواب دیتا وہ لوگ قریب آ چکے تھے۔

"ہیلو...... ہیلو! کیسے ہیں آپ لوگ؟" حنا اور نجل خوش دلی سے آگے بڑھیں۔

"فائن! تھینکس فار کمنگ!"

تیمور نے مسکراہٹ کے ساتھ دونوں کا استقبال کیا وہ ساتھ آنے والے بندے سے ہاتھ ملا رہا

تھا جبکہ علی رقیب جان کر کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا۔

"میرا خیال ہے تیمور صاحب ہم لوگ وقت پر آ گئے ہیں یعنی نو بجے ہم پہنچ گئے مگر یہاں تو بارہ بج رہے ہیں۔" حنا نے علی کو دیکھا۔

"جی نہیں' بارہ نہیں یہاں رقیب بج رہا ہے۔" علی اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"ہائیں' تو کیا آپ بھی رقیب رکھتے ہیں؟"

حنا نے خاصے چڑانے والے انداز میں کہا حالانکہ وہ اسکے موڈ کی خرابی کی وجہ قطعی نہیں جانتی تھی۔

"کیوں کیا مطلب ہے آپ کا میں کسی کو پسند نہیں کر سکتا ہزاروں رقیب ہیں میرے۔"

علی کچھ منہ پھلا کر یوں بولا کہ نجل سمیت سب ہنس پڑے۔

"ہوں تو کہیں کسی رقیب نے صبح ہی صبح ہاتھ تو نہیں دکھا دیا۔"

نجل نے ہنس کر علی کو دیکھا۔

"جی ہاتھ تو میں اسے ایسے دکھاؤں گا کہ پھر نظر نہیں آئے گا۔"

نجل کے برابر میں کھڑے راحد کو دیکھ کر علی نے دونوں ہاتھ آپس میں مسلے۔

ارے مس حنا! کس کی باتوں میں آ رہی ہیں' یونیورسٹی بھری پڑی ہے ان کے رقیبوں سے مگر یہ کسی کے محبوب نہیں ہیں۔"

تیمور نے نجل کے ساتھ کھڑی حنا کو دیکھا۔

"کسی خوش فہمی میں مت رہیے آپ ہی محبوب رکھتے ہیں...... میں نہیں؟"

علی نے جل کر ایک نظر نجل اور دوسری تیمور پر ڈالی جو سنجیدہ سا ہو کر دوسری جانب مڑ چکا تھا۔

ارے تیمور! آپ تو اچھے خاصے عقل مند ہیں اور عاقل لوگ دیوانے کی بڑ کا برا نہیں منایا کرتے حنا نے مسکرا کر علی کو دیکھا۔

"نہیں بھئی ایسی کوئی بات نہیں' میں تو عادی ہوں ان فضولیات کا۔ آپ نے ان سے تعارف تو کرایا ہی نہیں" تیمور راحد کی طرف دیکھ کر بولا جو مستقل نجل سے باتوں میں مصروف تھا۔

"اوہو! سوری یہ راحد ہیں اور راحد! یہ تیمور حیدر اور علی ضیا ہیں ہمارے یونیورسٹی فیلو۔

"ہیلو" حنا کے تعارف کرانے پر تیمور نے گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا پھر راحد نے علی کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"ارے بھئی' آپ تو ہماری مہمان ہیں نجل اور راحد صاحب! کیا یاد کریں گے کہ کس کے مہمان بنے تھے۔"

علی نے معنی خیز نظروں سے ان تینوں کو دیکھنے کے بعد تیمور کو دیکھا' جو اس سے کسی بھی الٹی سیدھی حرکت کی توقع کر سکتا تھا۔

"الٰہی خیر' عزت رکھنا" برگر کارنر کی طرف علی کو بڑھتے دیکھ کر سوچا۔

"میرے خیال میں ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ راحد صاحب! ہم یونیورسٹی والوں کا یہ ہی ڈرائنگ روم [illegible]

عادی ہیں ان اذیت ناک سیٹوں پر بیٹھنے کے۔ کیوں حنا؟"

تیمور نے برگر کارنر کے سامنے پتھروں پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ایک قدرے ہموار اور مناسب پتھر مہمان ہونے کی حیثیت سے راحد کو پیش کیا۔ جس پر وہ اپنی کسی ہوئی جینز کیساتھ بمشکل بیٹھ پایا۔

"ارے تیمور! یہ کیا جانیں کہ یہاں بیٹھ کر کیا لطف حاصل ہوتا ہے۔"

"ان جھاڑیوں میں ان تکلیف دہ پتھروں پر بیٹھ کر آپ لوگوں کو لطف آتا ہے؟"

راحد نے حیرت سے ان تینوں کو دیکھا اور بیزاری سے اس جھاڑی کو پیچھے ہٹایا جو اس پر جھکی جارہی تھی۔

"اجی بندر کیا جانے ادرک کا مزا۔ ہم یونیورسٹی کے متوالوں سے پوچھئے کیا مزا ہے یہاں بیٹھ کر برگر کھانے میں۔"

علی جو آرڈر دینے گیا تھا' واپس آ کر شامل گفتگو ہوا۔

"یہ درست کہہ رہے ہیں راحد! ان کو یونیورسٹی سے اور اس جگہ سے اتنا پیار ہے کہ مدتیں گزر گئیں ٹیچرز کے بے حد اصرار پر بھی یہ یونیورسٹی چھوڑنے کو تیار نہیں۔"

حنا خوب نکرتی تھی علی کو وہ اسے گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"ابھی آ کر ادھار چکاتا ہوں۔"

"علی صاحب' کس کس کا ادھار چکائیں گے۔ پتا چلا کہ خود بھی ادھار میں اٹھ چکے ہیں۔"

تجل' تیمور اور راحد ان دونوں کی باتوں سے محظوظ ہو رہے تھے۔

"سن چھوٹے! ایک برگر میں مٹھی بھر مرچیں ڈالنا اور کوئی دس بارہ ہری مرچیں بھی رکھ دینا۔"

علی نے برگر اور بوتلوں کے پیسے دیتے ہوئے ہدایت دی تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

"آپ تو بہت کم مرچیں کھاتے ہیں پھر آج......"

"احمق! اپنے مہمان کے لئے بنوا رہا ہوں اور سنو یہ برگر وہ جو بندہ بیٹھا ہے ناں ستون سے ٹیک لگا کر اس کے سامنے رکھنا میں سمو سے لے کر ابھی آیا۔"

چھوٹا ہدایت پر عمل کرتے ہوئے برگر راحد کے سامنے رکھ کر چلا گیا۔

"آپ لوگ کیسے یہاں بیٹھے ہیں' دیکھیں تو کیا کر رہا ہے۔"

کسی پرندے کی وجہ سے راحد پر چند تنکے اور مٹی آ گری تو وہ پریشان ہو گیا۔

"اوہو بھئی' یہ تو ہمارے ڈرائنگ روم کی بدنامی ہو رہی ہے آپ یہاں آ جائیں۔ اس طرف کوئی جھاڑی نہیں ہے۔" تیمور نے اپنے قریب اسے جگہ بنا دی اور راحد کی چھوڑی ہوئی جگہ پر علی آ بیٹھا۔

"چلو بھئی' بسم اللہ پڑھو۔" علی نے مسکرا کر راحد کی طرف دیکھا اور برگر دانتوں سے کاٹا۔

"ہائے مر گیا مرچیں۔"

بدقسمتی سے وہ برگر جو راحد کیلئے بنوایا گیا تھا جگہ تبدیل ہونے کی وجہ سے علی کے حصے میں آ گیا تو پہلے ہی لقمے پر وہ اچھل پڑا۔

"ان کی دم پر کس نے پاؤں رکھ دیا۔"

سے پانی بہہ رہا تھا۔

"ان کو رقیب فوبیا ہو گیا ہے' بیٹھ جاؤ علی! اس عہد کے ساتھ کہ آئندہ کسی کیلئے گڑھا نہیں کھودنا ہے تیمور سمجھ چکا تھا کہ علی نے کیا حرکت کی ہے۔

"ہائے قسم سے زبان جل گئی۔ دل تو جلا ہی تھا' زبان بھی جل گئی۔ کمبخت چھوٹے نے اتنی زیادہ مرچیں ڈال دیں منحوس کو صرف ایک مٹھی ڈالنے کو کہا تھا اس نے تو لگتا ہے پاؤ بھر ڈال دیں۔ اف زبان جل گئی......اف۔ اف!"

علی سی' سی کرتے ہوئے بولے جا رہا تھا' پھر ایک ہی سانس میں وہ پوری کولڈ ڈرنک چڑھا گیا۔

وہ تینوں بالکل بھی نہیں سمجھ سکے' مگر تیمور سب سمجھ گیا تھا۔

"کیا' کیا جائے' رقابت رشتہ ہی ایسا ہے جلن کا۔"

"ٹشو پیپر پکڑو اور منہ صاف کرو' انتہائی ڈراؤنے لگ رہے ہو۔"

تیمور نے ٹشو نکال کر علی کی طرف بڑھایا مگر اس کے تو حواس ہی ٹھکانے پر نہیں آ رہے تھے پوری ہری مرچ چبا گیا تھا۔

"حیرت ہے' ہمارے برگرز تو بہت اچھے ہیں' نارمل ہے سب کچھ' پھر ان کا برگر ایسا...... کیوں ہے تجل باجی؟" راحد نے حیرت سے علی کو دیکھا۔

"کیا...... کیا...... با...... باجی! آپ تجل کے بھائی ہیں؟"

علی ایک بار پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"جی نہیں' یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور تجل کو بھی باجی کہتا ہے۔ آج کسی کام سے یونیورسٹی آیا تھا ہم یہاں لے آئے' حنا نے اطمینان سے برگر کھاتے ہوئے کہا تو علی کا دل چاہا کہ بوتل اٹھا کر یا اپنے سر میں مارے یا تیمور کو جو معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے زہر لگ رہا تھا۔

"اب بتا رہی ہیں" پہلے بتا دیا ہوتا تو مرچیں میری زبان کی چولیں تو نہ ہلاتیں۔ السلام علیکم بڑی خوشی ہوئی چھوٹے بھائی آپ سے مل کر کوئی خدمت ہو تو بتائیں" علی نے ...... ہاتھ سے بوتل ایک طرف رکھ کر اس سے باقاعدہ مصافحہ کیا۔

"فی الحال تو خدمت یہ ہے کہ آپ اپنا چہرا مبارک صاف کر لیں' ورنہ ہم سب کا کھایا پیا باہر آ جائے گا۔" حنا نے اپنے بیگ سے ٹشو نکال کر علی کی طرف بڑھایا۔

وہ تینوں آپس میں لگے تھے اور تیمور کی نظریں تجل پر ٹھہری تھیں' جو نہ جانے کس گہری سوچ میں غلطاں تھی۔

ہم تیرے قرب کے احساس میں شاداں
اور تو کسی رقیب سوچ میں غلطاں
ہرجائی تجھ کو کہیں یا دیوانہ خود کو

تجل کو دیکھ کر تیمور کو یہ چھوٹی سی آزاد نظم یاد آ گئی۔

"مس تجل! اس جلی زبان کی قسم! یہ پتھر مقامی ہے۔ یونیورسٹی کا اپنا ہے۔ امپورٹڈ نہیں اور نہ ہی

اتنا اہم کہ اتنے سارے لوگوں پر اس کو ترجیح دی جائے کہ ساری توجہ کا حقدار تو یہ پتھر ٹھہرا یعنی کہ رقیب روسیا ہو گیا یہ پتھر...... کیوں تیمور؟"

علی بڑی تیز نگاہ رکھتا تھا۔ وہ تجل کو بھی دیکھ رہا تھا اور تیمور کو بھی۔ اس نے یوں کہا کہ تجل خجل سی ہو گئی اور ہاتھ میں پکڑا پتھر پھینک دیا' پھر خوامخواہ ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

وہ تو رات گھر میں ہونے والے ہنگامے میں ایسی گم ہو گئی کہ اردگرد کے ماحول کا احساس ہی نہ رہا۔

"ارے نہیں' میں اللہ کی قدرت دیکھ رہی تھی کہ کتنا خوبصورت اور گول شیپ کا ہے۔"

تجل نے بڑی خوبصورتی سے اندر کے دکھ کو چھپا کر مسکراتے ہوئے کہا

"محترمہ! اگر آپ اسی طرح پتھروں کی خوبصورتی اور شیپ دیکھتی رہیں ناں تو کچھ لوگوں کے چہروں کی خوبصورت شیپ بگڑ جائے گی۔"

علی نے شوخی سے تیمور کی طرف دیکھا جو اسے گھورتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ تینوں ان کے تمام پروگرامز میں ان کے شریک رہے۔

علی کی شوخی اور معنی خیز باتیں تیمور کے دل کی ترجمانی بھی کرتی رہیں اور وہ اس کو گھورتا بھی رہا۔ تمام وقت اس کے ساتھ کے احساس کے جلو میں گزر گیا۔ وہ ہمسفر ہو اور سفر زندگی بھر کا ہو۔ ایسے ہی خوش کن خیالوں کی ہمراہی میں تیمور خاموش لبوں کے ساتھ آنکھوں کے دریچوں سے دل کے نہاں خانوں میں محفوظ کرتا رہا۔

آج کا سارا دن بہت مصروف اور رنگین گزرا تھا۔ تجل گھر آ کر دیر تک ساری باتیں...... یاد کرتی رہی اس کے پاس اور مصروفت ہی کیا ہوتی تھی گھر کی کوئی فکر کوئی ذمہ داری تو تھی نہیں نہ کام کاج' نہ ذمہ داری اس کی زندگی کی واحد خوشی اور مصروفیت تو یونیورسٹی اور اس سے وابستہ باتیں تھیں یوں تو یونیورسٹی میں گزرا ہر پل دل پر نقش ہو جایا کرتا مگر آج علی اور تیمور کی سنگت نے انوکھی سی خوشی بخشی تھی خصوصاً علی کی پرمزاح حرکتیں اور باتیں یاد کر کے وہ دیر تک مسکراتی رہی۔

"ہائیں بے بی! یہ کس بات پر مسکرایا جا رہا ہے پتا ہے مما یا پپا نے تمہیں یوں دیکھے...... مسکراتے دیکھ لیا تو فوراً کسی سائیکاٹرسٹ سے رجوع کریں گے کہ ہماری بے بی نفسیاتی مریض بن گئی ہے۔"

آمنہ جو اسے رات کے کھانے کیلئے بلانے آئی تھی' اسے یوں بیڈ پر لیٹے مسکراتے دیکھ کر بولی تو وہ جھٹ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دراز بالوں کا جوڑا بنایا اور واش روم میں گھس گئی۔ اب وہ اسے اپنی مسکراہٹوں کی کیا وجہ بتا سکتی تھی۔

"پپا! آپ نے گلاس فیکٹری کیلئے پلان تیار کرنے کو کہا تھا' وہ میں نے تیار کروا لیا ہے آپ دیکھ لیں تو کام شروع کر دیا جائے۔"

"یہ کام تمہیں آج سے دو ماہ قبل کرنا چاہئے تھا۔ اب تک تو فیکٹری پر کام شروع ہو جانا چاہئے تھا اور یہ کام میں چند روز میں کر سکتا تھا مگر میں تم لوگوں کو دیکھنا چاہتا تھا کہ کتنے ایکٹو ہو۔ اینی وے...... کھانے کے بعد تینوں میرے کمرے میں آ جاؤ پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔"

کھانے کی میز پر اکثر بزنس پر باتیں ہوتیں اور وہ تینوں سر جھکائے کھانے میں مصروف رہتیں۔

"یہ فیکٹری ہو گی کس کے نام؟" صوفیہ بیگم نے مسکرا کر شوہر اور بیٹوں کو دیکھا۔

"ظاہر ہے ان ہی تینوں کی ہے' یہی وارث ہیں' سب کچھ ان ہی کا ہے۔"

فاروق احمد نے یوں کہا گویا بیٹیوں کا وجود ہی نہ ہو۔ تینوں بے حیثیت اور بے وقعت تھیں سب کچھ تو ان کے بیٹوں کا تھا۔ ان کیلئے جب زندگی کے پاس کوئی خوشی' کوئی حصہ نہیں تھا تو پھر ان کے وجود کی ضرورت ہی کیا تھی۔

آمنہ نے تلخ سوچ کے ساتھ کھانے میں مصروف باپ کو دیکھا' جس کیلئے ان کا ہونا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا مگر...... زبان...... پر ایسی پابندی تھی کہ وہ سوچ کو لفظوں میں کبھی ملبوس نہیں کر سکتیں شاید مگر ان سب سے مختلف نبیل کسی اور ہی سوچ میں ڈوبا تھا۔ اسے نہ تو بزنس سے کوئی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی اس وقت اور نہ فیکٹری کو اپنے نام لکھوانے کی طلب۔

اس کے حواسوں پر تو وشی کا قبضہ تھا۔ وہ مستقل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ چند روز بعد جس کی سالگرہ تھی اور وہ اس کیلئے کوئی گفٹ لینا چاہتا تھا۔ اور بقول بیگم جان کے مہوش ان کی ہیروں جیسی بچی ہے...... گفٹ بھی اس کے معیار کا ہونا چاہئے۔ ویسے بھی وہ اب تک وشی کی اداؤں پر ہزاروں روپے لٹا چکا تھا مگر جب انسان کے سر پر عشق کا بھوت سوار ہوتا ہے' تو ہر ناجائز' جائز نظر آتا ہے۔

کھانے کے بعد حسب معمول میٹنگ فاروق احمد کے کمرے میں طلب کی گئی تو نبیل نے کھسکنا چاہا۔

"تم کہاں چلے نبیل؟"

"پپا! وہ امجد ہے ناں اسی کے ساتھ چند دوست جمع ہو رہے ہیں بس یوں ہی گیٹ ٹو گیدر کیلئے......" نبیل نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھ رہا ہوں کہ امجد کچھ زیادہ ہی تمہارے حواسوں پر سوار ہونے لگا ہے۔ ہر دوسرے روز اس کے ساتھ گیٹ ٹو گیدر ہو جاتی ہے۔ کوئی ضرورت نہیں جانے کی' فون کر دو۔"

پپا کے قطعی فیصلے پر نبیل کو غصہ آ گیا۔ اس کے اندر جو ایک سرکش بچہ تھا' اب بڑا ہونے لگا تھا۔ مگر ابھی اتنی سرکشی دکھانے کا وقت نہیں آیا تھا اس لئے وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔

"پلیز پپا! آپ کو معلوم ہے' میں کہیں اور نہیں جاتا اور امجد کے ہاں آج تو دوسرے دوست بھی جمع ہو رہے ہیں اور پھر آپ لوگ بڑے ہیں بزنس کو اب تینوں زیادہ سمجھتے اور کرتے ہیں' میں...... کیا کروں گا۔"

"تم تمام عمر بچہ ہی رہنا چاہتے ہو جب تک سیکھو گے نہیں کیسے سمجھ آئے گی بزنس کی۔"

"چلئے پپا! جانے دیں فی الحال عیش کرنے دیں ہم خود ہی اس پر ابھی ذمہ داری نہیں ڈالنا چاہتے جاؤ نبیل!"

راحیل اور عدیل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نبیل کو جانے کی اجازت دیدی۔

نبیل کو یہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی کہ بھائیوں نے یہ اجازت کیوں دی کیا سوچ کر دی اسے

تو بس جانا تھا۔ اس کی دوستی اس کی منتظر تھی۔ وہ اس طرح بھاگا گویا پیچھے مڑ کر دیکھ لیا تو پتھر کا ہو جائے گا۔ امجد کے بجائے وہ سیدھا بیگم جان کے ہاں پہنچا' جہاں وشی کے بجائے وہ خود لان میں بے قراری سے ٹہل رہی تھیں اسے دیکھ کر وہ ایک دم خفا ہونے لگیں۔

''یہ وقت ہے تمہارے آنے کا نبیل میاں! میری وشی انتظار کرنے کی نہیں' کرانے کی عادی ہے اور تمہیں تو وہ پسند کرنے لگی ہے۔ شام ہی سے تیار ہو کر خوشی خوشی پھر رہی تھی کہ آج تم اسے شاپنگ کرانے لے جاؤ گے اور تم اب آئے ہو۔'' بیگم جان تو نان سٹاپ شروع ہو گئیں۔

''سوری بیگم جان! وہ ذرا پپا سے اجازت لینے میں دیر ہو جاتی ہے لیکن آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔''

وہ اب کیا کہتا' اپنی تاخیر کی اصل وجہ بتانا ہی بہتر جانا۔

''تم دودھ پیتے بچے ہو کہ ابھی تک پپا کی اجازت کے بغیر باہر قدم نہیں نکال سکتے۔ اگر آئندہ بھی یہی حال رہا تو...... تمہیں بھئی نبیل میاں تم ابھی سے پیچھے ہٹ جاؤ۔ میری وشی بہت نازک ہے' مجھے پہلے خبر ہوتی تو میں تمہارا اس سے تعارف ہی نہ کراتی۔ تم تو ابھی تک باپ کی انگلی پکڑ کر چلتے ہو۔ میری وشی تو۔''

''بیگم جان! پلیز آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔ آپ کو شکایت نہیں ہوگی' وشی ہے کہاں؟''

بیگم جان نے جس مقصد کیلئے نبیل کو ساڑا تھا وہ پورا ہو گیا۔ وہ بے قراری سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

''وہ تم سے بہت خفا ہے اور جب وہ روٹھی ہوئی ہو تو اسے منانا مشکل ہوتا ہے۔''

بیگم جان' وشی کی ناراضگی کی بھی قیمت وصول کرنا چاہ رہی تھیں۔

''میں اسے ہر قیمت پر منالوں گا بیگم جان' وہ ہے کہاں۔''

نبیل اندر کی طرف بھاگا۔

مہوش کیا کم تھی' نبیل کو دیکھتے ہی کلائیوں میں پہنے موتیے...... کے گجروں کو زور سے کھینچ کر توڑا اور بیڈ پر اوندھی لیٹ کر رونے لگی۔

یہ خاص ہدایت تھی بیگم جان کی طرف سے کہ عورت کے آنسو مرد کی کمزوری ہوتے ہیں خواہ مصنوعی ہی ہوں اور وشی تو ہر بات بیگم جان کی مانا کرتی اور پھر جب عورت کو یہ احساس ہو جائے کہ مرد اس کی زلف کا اسیر اور سحر خیز حسن میں گرفتار ہو کر مبتلائے عشق ہو چکا ہے تو وہ ناز و انداز زیادہ دکھانے لگتی ہے۔

''مہوش!'' نبیل ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔

''مر گئی مہوش!'' وہ تیز آواز میں بولی۔

''خدا نہ کرے وشی تم...... تم تو میری زندگی ہو تمہیں میرے مرنے کی دعا کرنے کی تو اجازت ہے مگر خود کو کوسنے کی نہیں۔ پلیز وشی! تم نہیں جانتیں' تم میری زندگی ہو' جان بہار ہو' تم نے میری خزاں رسیدہ زندگی میں بہاروں کے قافلے اتارے ہیں' میں تمہیں خفا نہیں کر سکتا پلیز مان جاؤ ناں۔''

وہ اسکے قریب بیٹھا ملتجیانہ لہجے میں بولے جا رہا تھا۔ وہ خفا تھی تو لگ رہا تھا دم نکل جائے گا۔

''آپ کو میرا ذرا بھی خیال ہوتا تو پورا دن انتظار نہ کرواتے یہ گجرے' یہ تیاری میں نے انتظار کی گھڑیوں کیلئے تو نہیں کی تھی آپ کیلئے کی تھی اور آپ کو دوسروں کا اتنا خیال ہے میرا ذرا بھی نہیں۔''

وشی! میری جان! تم مجھے...... اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو تو پھر کسی کی کیا اہمیت ہے تمہارے سامنے' بس چند مجبوریاں ہیں۔''

''ہونہہ! آپ مرد لوگ یوں ہی کرتے ہیں۔ دل کہیں بہلاتے ہیں اور شادیاں وہاں کرتے ہیں جہاں والدین کر دیں وہی عزت دار بیویاں ہوتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک روز تم بھی اپنی شادی کا کارڈ مجھے دیتے ہوئے کہو گے کہ وشی! سوری میں مما پپا کی وجہ سے مجبور تھا۔''

حسین آنکھوں کے کٹوروں کو مصنوعی آنسوؤں سے لبالب بھرتے ہوئے عین دکھتی رگ پر خنجر چلایا تو نبیل تڑپ اٹھا۔

وشی تو اس کی زندگی میں آنے والی پہلی اور آخری لڑکی تھی اس کو کھونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا وہ۔ وشی...... وشی اور ذلیل مت کرو مت کراؤ مجھے اپنی نظروں میں۔ تمہارے علاوہ کوئی لڑکی میری زندگی میں نہیں آ سکتی اور تمہیں اپنی محبت پر بھروسا نہیں۔ میں ان مردوں میں سے نہیں جو گھٹیا پن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ دل کہیں بہلاتے ہیں' شادی کہیں اور کرتے ہیں۔ خدا کی قسم وشی! میں نے تمہیں ہی چاہا ہے اور اپنی دلہن بھی تمہیں ہی بناؤں گا۔ یہ ایک خاندانی مرد کا وعدہ ہے کیا تمہیں اپنے نبیل پر اعتبار نہیں اگر نہیں تو میری آنکھوں میں جھانک کر ایک بار کہو کہ تمہیں نہ تو مجھ سے محبت ہے اور نہ مجھ پر بھروسا ہے۔''

نبیل نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھمایا اتنی دیر میں وشی بھی سوچ چکی تھی کہ بس اتنے نخرے ہی کافی ہیں باقی آئندہ سہی۔ اس نے گھنیری بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

''سوری نبیل! میں نے آپ کو تنگ کیا مگر آپ سوچئے ناں' گلہ بھی اپنوں ہی سے ہوتا ہے' ہمیں تو آپ پر خود سے بڑھ کر اعتبار ہے۔ آپ...... آپ کو کیا خبر کہ آپ بھی ہمارے دل کا چین و قرار ہیں۔ ہمارے دل کی دنیا آپ ہی نے آباد کی ہے تو ہم آپ کو دکھی کیونکر دیکھ سکتے ہیں۔

بیگم جان کے سکھائے ہوئے طریقے ایسے ہی وقتوں کیلئے تو تھے' نبیل تو سو جان سے نثار ہو گیا۔ اس نے اس کے مرمریں ہاتھ تھام لئے۔

''سچ وشی! قسم سے تم نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔''

''تو پھر چلیں'' مہوش نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے! اپنا میک اپ درست کرتے ہوئے پوچھا۔

''کہاں؟'' اس کی چاہت پا کر تو وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔

''شاپنگ نہیں کرنی؟'' وشی نے اٹھلا کر یاد دلایا۔''

''اوہو سوری! تمہاری چاہت پا کر تو میں سب کچھ بھول جاتا ہوں۔'' وہ شاد ہوا جا رہا تھا۔

''تو اس خوشی میں مجھے ہی نہ بھول جائیے گا۔'' وہ مسکراہٹوں کے خزانے لٹا رہی تھی۔

''یہ تو خود فراموشی والی بات ہو گئی۔''

پھر دونوں مسکراتے ہوئے باہر نکل گئے۔ بیگم جان نے مسکرا کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے دیکھا نبیل پورے کا پورا مہوش کے قبضے میں تھا اور وہ کوئی معمولی آسامی تو تھا نہیں کہ آسانی سے اسے

چھوڑ دیا جائے۔ مہوش کے نازک مزاج پر کوئی معمولی چیز تو پوری نہیں اتر سکتی تھی۔ نبیل کی جیب بھی اتنی ہلکی نہ تھی کہ وہ اس کی پسند کی ہوئی چیز خرید نہ سکتا۔ بڑی مشکل سے مہوش کو ایک بہت نازک اور خوبصورت طلائی نیکلس پسند آیا۔

وہ نیکلس مہوش کو اس قدر پسند آیا تھا کہ اس کی دس ہزار قیمت بھی نبیل کو کم لگ رہی تھی۔ وہ تو ہر قیمت پر مہوش کو خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

''ممی! دیکھئے تو نبیل نے کتنا خوبصورت نیکلس دلایا ہے مجھے۔''

واپس آ کر مہوش نے نیکلس بیگم جان کے سامنے رکھ دیا تو انہوں نے اس پر ایک طائرانہ سی نگاہ ڈالی یوں جیسے کوئی خاص قیمت نہ رکھتا ہو۔

''ہوں اچھا ہے وشی! تمہاری پسند ہے اس لئے ورنہ تم جانتی ہوں ایسے بے شمار نیکلس میں تم پر سے وار کر پھینک دوں۔ خیر اچھا ہے اب تم جاؤ' آرام کرو اور ہاں دو دروازہ بند کر سونا' میں ذرا نبیل سے بات کرلوں۔''

''جی اچھا!'' مہوش نے سعادت مندی سے ڈبا اٹھایا اور باہر نکل گئی۔

بیگم جان' نبیل کے سامنے سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ نبیل گھبرا گیا۔ اب جانے کیا کہہ دیں اس وقت وہ کچھ اور بات کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مہوش کے ساتھ گزرا ہوا وقت انجوائے کرنا چاہتا تھا۔

''نبیل میاں! میں نے تمہیں خاص مقصد کیلئے روکا ہے' کب لا رہے ہو اپنے والدین کو میرے پاس؟''

''جی والدین کو؟'' نبیل تو اس مسئلے کیلئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اس کا حلق خشک ہو گیا۔

''ہاں والدین کو نہیں لاتا؟ کیا مطلب ہے تم تو یوں چونکے ہو جیسے میں نے انہونی بات کہہ دی ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ تم سنجیدہ نہیں ہو فلرٹ کر رہے ہو وشی کے ساتھ؟''

بیگم جان نے اس کی معصومیت اور گھبراہٹ سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا' تو وہ بڑ بڑا گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ عورت ایسی بات کہہ دے گی۔

''بیگم جان! یہ آپ نے کیسے جانا' کیا میری حرکتیں غلط ہیں' میرے خلوص پر شبہ ہے آپ کو میں اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں' عورت کا احترام کرتا ہوں اور وشی کو میں نے شادی کرنے کیلئے چاہا ہے۔ نبیل میں بھی خاندانی جلال آ گیا۔

''تو پھر اس تاخیر کی وجہ کیا ہے آخر؟ تم جانتے نہیں کہ وشی کے کتنے پرپوزل آئے ہوئے ہیں اب میں کس کس کو منع کروں گی اور میں اہمیت تمہیں اس لئے دے رہی ہوں کہ وشی میری جان تمہیں پسند کرتی ہے ورنہ میں کب کا اس کا رشتہ طے کر چکی ہوتی رئیس جمیل کے ساتھ۔''

نبیل تو پریشان ہی ہو گیا اس صورتحال سے۔

''بیگم جان! اب ایسی بھی کیا جلدی' میں آپ کو سوچ کر بتاؤں گا۔''

وہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا گھر میں تو بات کرنا قیامت خیز ہنگامے کو دعوت دینا تھا اور امجد سے مشورہ کئے بغیر وہ کیا جواب دے سکتا تھا۔ یہ تو طے تھا کہ اسے شادی صرف مہوش ہی سے کرنی ہے۔

''سوچ لو میاں! لیکن سوچ کا دورانیہ اتنا طویل نہ ہو کہ میں کچھ اور سوچنے پر مجبور ہو جاؤں۔''

ایسی باتیں کرتے ہوئے بیگم جان اسے زہر لگ رہی تھیں۔

''نہیں بیگم جان! ایسی نوبت نہیں آئے گی۔'' نبیل اٹھ کھڑا ہوا اور سیدھا امجد کے ہاں پہنچا۔

''یار نبیل! مجھے خبر ہوتی ناں کہ تم ضرورت سے زیادہ احمق اور عورت کے معاملے میں اتنے کمزور ہو تو میں ہرگز تمہیں بیگم جان کے گھر کا پتا نہ بتاتا کیا ضرورت تھی اتنا مہنگا نیکلس خرید کر دینے کی۔'' امجد کو ساری بات پتا چلی تو وہ اسے ڈانٹنے لگا۔

''اس بات کو چھوڑ دیار! نیکلس اس کی خوشی سے زیادہ اہم نہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ وہ تو مما' پپا کو لانے کی ضد کر رہی ہے اس کا کیا کروں؟''

''کوئی ضرورت نہیں مما' پپا کو لانے لے جانے کی۔ اس سے شادی کا خیال چھوڑ و اور اپنے اسٹینڈرڈ میں شادی کا سوچو۔ اول تو اپنے بڑوں سے عبرت پکڑو کہ ان کی شادیاں نہیں ہوئیں تو......''

امجد نے بڑے خلوص سے اسے سمجھانا چاہا مگر نبیل کو غصہ آ گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''امجد! میں تمہیں دوست کم اور بھائی زیادہ سمجھتا تھا اور اسی لئے تمہارے پاس آیا تھا کہ درست مشورہ دو گے یہ بھی حقیقت ہے میرے بڑوں کی شادیاں نہیں ہوئیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مما' پپا بیگم جان کے ہاں پرپوزل لے کر ہرگز نہیں جائیں گے۔''

''پھر......؟'' امجد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''پھر بھی میں اس سے شادی کروں گا۔ خواہ کوئی بھی شریک نہ ہو اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر بیگم جان کی ڈیمانڈ پوری کر دی جائیں تو وہ ممی پپا کا مطالبہ ہرگز نہیں کرے گی۔''

''تو اس کا مطلب ہے تم کورٹ میرج کرو گے؟''

''ظاہر ہے اور مجھے یقین ہے وشی اور بیگم جان کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ وہ حتمی فیصلہ کرتے ہوئے بولا۔'' ہاں ان کو اعتراض کیوں ہونے لگا لیکن افورڈ کر لو گے والدین کے بغیر کورٹ میرج اور بیگم جان کی ڈیمانڈز انکل کی سپورٹ کے بغیر......!''

ہاں' ہاں امجد! میں سب کچھ کرلوں گا' تم کیسے دوست ہو۔ مشورہ' تسلی دینے کے بجائے پریشان کر رہے ہو۔''

نبیل واقعی بہت اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ اس نے سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا تو امجد کو اس پر ترس آ گیا۔

میں تمہارا دوست ہوں اسی لئے تو سب کہہ رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم مہوش کے لئے کس حد تک سنجیدہ ہو وہ کتنی قلاش ہے۔ یہ میں نہیں جانتا لیکن یہ بتاؤ کہ تم شادی افورڈ کر لو گے۔ امجد نے اس کے پریشان بال ہاتھوں سے سنوارتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں امجد! میرے ذاتی بینک میں اتنی رقم ہے کہ میں بیگم جان کی ابتدائی ضروریات پوری کرسکوں۔ رہا بعد کا مسئلہ تو جب میں شادی کے بارے میں بتاؤں گا تو پپا سے اپنا حصہ لوں گا اور پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔ نبیل نے گویا خود کو تسلی دی۔

''تم جب بھی اپنی شادی ظاہر کرو گے تمہارے گھر والے اسے قبول کرلیں گے؟''

امجد اسے ہر بات سمجھا دینا چاہتا تھا تاکہ بعد میں وہ کوئی شکوہ نہ کرے۔ ویسے بھی اس وقت

وہ جذباتی ہو رہا تھا اور جذبات کے دھارے میں عقل بہہ جاتی ہے۔

"نہ کریں تو نہ کریں' مجھے اپنی زندگی گزارنے کا حق ہے' شادی میرا حق ہے گھر بسانا میرا حق ہے اگر ممی پپا نے باقی اولاد کو اس حق سے محروم رکھا تو میں نہیں رہ سکتا میں اپنی ذات کی تکمیل چاہتا ہوں وہ تمام حقوق جو اللہ نے دیئے ہیں وہ حاصل کرنا چاہتا ہوں بس...... !

وہ اٹل اور پختہ لہجے میں بول رہا تھا اور اس کا پس منظر امجد اچھی طرح جانتا تھا اس لئے اس نے دوست کا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔

"تو تمہارا یہ اٹل فیصلہ ہے؟"

"قطعی اٹل اور آخری...... اور کچھ؟" نبیل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"تو میرے دوست! پھر تیرے لئے دوست کی جان بھی حاضر ہے جہاں تم وہاں ہم...... کبھی مجھے پیچھے نہیں پاؤ گے......"

"مجھے تمہاری یاری سے یہی توقع تھی۔" پھر دونوں دوست بغل گیر ہو گئے۔

"چل یار! آج سے میں ہی تیرا بڑا چھوٹا کل ہی جا کر بیگم جان سے بات کروں گا کہ جلدی سے مہوش بیگم کو ہماری بھابی بنا دو ورنہ میرا یار بچ نہ سکے گا۔"

امجد نے شوخی سے کہا تو نبیل جھینپ گیا۔ خوشی کی بے شمار کرنیں اس کے چہرے پر رقصاں تھیں۔

☆......☆......☆

شوکت حسین نے جب سے بزنس کے بارے میں خبردار کیا تھا شامت نسیمہ بیگم اور لڑکیوں کی آگئی تھی۔ بات بات پر مہنگائی کا رونا رویا جاتا۔ مزید یہ کہ یہ لوگ خرچ بہت کرتے ہیں۔

"ساری مصیبتیں ہمارے ہی لئے تو ہیں لوگ اپنی اپنی فیملی کے ساتھ خوشحال زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں کئی کئی فالتو خرچ پورے کرنے ہوتے ہیں۔ زاہدہ کچن کا کام تم اور عمرانہ سنبھال لو ان ماں بیٹیوں کے ہاتھوں میں تو گویا سوراخ ہیں' ادھر چیز منگواؤ ادھر ختم بس ان ماں بیٹیوں کو گھر کے دوسرے کاموں پر لگاؤ اور ہاں یہ جو ماسی آتی ہے اس کی بھی چھٹی کردو چار سو مفت کے لے جاتی ہے یہ مفت خوریاں اتنا کھاتی ہیں تو کوئی کام تو کیا کریں؟"

یہ آسیہ بیگم تھیں' گھر کی بڑی جن کا کام صرف احکامات جاری کرنا تھا۔

میں تو خود بڑی فکرمند ہو رہی ہوں بھابی جان! مشتاق بتا رہے تھے کہ بزنس تو دن بہ دن ٹھپ ہوتا جا رہا ہے اور یہاں یہ حال ہے کہ بیٹیوں کیلئے کچھ بھی نہیں بنایا اور نسیمہ باجی اور ان کی لڑکیاں تو یہ سمجھتی ہیں کہ گویا قارون کا خزانہ نکلا ہوا ہے۔ آپ کا انتہائی درست فیصلہ ہے۔ کچن میں اور عمرانہ سنبھال لیں گے اور دوسرا کام وہ لوگ کیا کریں گی۔ صفائی وغیرہ اور آپ کو تو اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی حکمرانی کیلئے کیا ہے۔"

زاہدہ بیگم مکھن لگانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں بھابیوں کے یہ نادر خیالات صدف کے ذریعے نسیمہ بیگم تک پہنچ گئے تھے وہ بس آہ بھر کر رہ گئی تھی۔

"اچھا بیٹا! جو رب عظیم نے ہماری قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ملے گا ناں' کوئی بات نہیں

نصیب اچھے ہوتے تو...... خیر اس کا ذکر شنذرا کے سامنے ہرگز نہ کرنا' بغاوت پر ہر دم تیار رہتی ہے۔ نہ جانے کس پر گئی ہے۔ نسیمہ بیگم نے اسے شنذرا کو نہ بتانے کی تاکید کی۔ اس وقت وہ بھی اندر آگئی۔

"کیا بات ہے امی آپ کچھ پریشان ہیں؟"

شنذرا کی تیز اور ذہین آنکھیں ماں کی پریشانی کو فوراً بھانپ لیا کرتی تھیں۔

"وہی پریشانی ہے فرخ کے داخلے کی' لیٹ فیس کی تاریخ بھی ختم ہونے والی ہے اور کسی بھائی سے کہنے کی ہمت نہیں پڑتی۔ آج کل ویسے بھی بزنس کے ٹھپ ہونے کا کہہ رہے ہیں۔"

بکواس! سب جھوٹ ہے امی! ڈرامہ ہے ہمیں ہراساں کرنے کا ہم پر احسان جتانے کا' ورنہ ایسی کیا بات ہے کہ اتنی جلدی چلتا ہوا کاروبار اتنا ڈاؤن ہو جائے۔"

شنذرا حسب عادت اس بات کو ماننے سے انکاری تھی۔

"شنذو! تمہاری یہ باتیں مجھے انتہائی ناپسند ہیں اگر کوئی اور کہتا تو شاید شبہ ہوتا مگر خود شوکت بھیا نے بتایا ہے تو وہ تو ہم سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔"

ماں کی بات وزنی تھی۔ واقعی شوکت ماموں تو ان سے کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے تھے۔

آپ کو برا تو لگے گا امی مگر میں آپ کو بتا دوں کہ جو حقداروں کا حق کھاتا ہے ماں اسکے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے اور اگر ان کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے تو بہت اچھا ہو رہا ہے۔ اللہ کرے سب کچھ ٹھپ ہو جائے۔"

شنذرا کہتے ہوئے جلدی سے باہر نکل گئی۔ نسیمہ بیگم سر تھام کر رہ گئی۔

"ارے فرخ! میری جان تم یہاں اکیلے کیا کر رہے ہو؟"

شنذرا خود بھی اپ سیٹ تھی۔ لان میں آئی تو فرخ کو وہاں سر جھکائے بیٹھا دیکھ کر وہ تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔

"کچھ نہیں باجی! پریشان ہوں' امی کی مجبوریاں بھی سمجھتا ہوں' مگر کیا کروں' داخلے کی لیٹ فیس کی تاریخ بھی ختم ہونے والی ہے اور کوئی بندوبست نہیں ہوسکا۔ سارے سال کی محنت رائیگاں چلی جائے گی۔"

نہیں فرخ! تمہاری محنت رائیگاں نہیں جائے گی۔ میں بڑے ماموں سے بات کروں گی' اب اتنے کنگلے بھی نہیں ہوئے وہ لوگ کہ تمہاری فیس نہ دے سکیں۔ چلو اٹھ کر اندر جاؤ کافی ٹھنڈ ہوگئی ہے چلو شاباش۔"

اسے انیکسی میں بھیج کر وہ دبے پاؤں شوکت صاحب کے کمرے میں آگئی۔ ذرا سا جھانک کر دیکھا وہ کمرے میں اکیلے تھے۔ اور کسی کتاب کے مطالعے میں محو تھے۔ اس نے گلا صاف کر کے انہیں متوجہ کیا۔

"ارے شنذرا! بیٹے تم اور اس وقت خیریت تو ہے ناں؟" انہوں نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔

"ماموں جان آپ مجھ سے خفا ہیں؟" وہ ان کے قریب آکر بیٹھ گئی۔

"ارے بھئی' خدا نہ کرے کہ میں بیٹیوں سے خفا ہوں تم سے کس نے کہا؟"

شوکت صاحب ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئے۔

کہا کس نے تھا' کتنے دنوں سے آپ نے نہ تو پاؤں دبوائے اور نہ ہی سر دبوایا میں بھی آپ مجھ سے خفا ہیں شاید اس لئے۔"

شنذرا نے نظریں چرا کر جھوٹ گھڑا تو شوکت صاحب چونک گئے۔

یہ لڑکی اتنی مضبوط اور بہادر تھی کہ معمولی بات سے اس کی آنکھوں میں نمی نہیں تیرا کرتی تھی انہوں نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنی طرف کر لیا۔

شنذرا بیٹا! کیا بات ہے بات وہ نہیں جو تم کہہ رہی ہو بات وہ ہے جو تمہاری آنکھوں میں تیر رہی ہے۔ بتاؤ اپنے ماموں کو نہیں بتاؤ گی۔" وہ بولتی تو کیا بولتی' اپنے ہمدرد ماموں کے سینے سے لگ کر بری طرح رو پڑی۔

شوکت حسین اپنی بیوی اور دیگر گھر والوں کے رویئے سے واقف تھے وہ سمجھے کسی نے کچھ کہہ دیا ہوگا۔

"شنذرا بیٹے! بتاؤ تو سہی کسی نے کچھ کہا ہے؟" انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو صاف کئے تو دل کا غبار نکال کر وہ بھی پر سکون ہوگئی۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا ماموں جان! میں کچھ...... کہنا چاہتی ہوں۔"

"تو کہو ناں بیٹے! ہچکچانے کی کیا بات ہے؟"

"میں جانتی ہوں ماموں جان کہ ہم لوگ آپ لوگوں پر بوجھ ہیں اور آپ کا بزنس بھی ٹھیک نہیں چل رہا مگر ماموں جان! ہم کیا کریں کہاں جائیں کس سے اپنی ضروریات کا کہیں۔"

ایک بار پھر اسکی آواز رندھ گئی۔

"شنذرا بیٹی! ٹھیک ہے جو بھی ہے مگر یہ باتیں تمہارے سوچنے کی نہیں اور خبردار جو آئندہ خود کو بوجھ کہا ہو تو' تم لوگ ہمارا فرض ہو' کہو کیا بات ہے؟"

"وہ ماموں جان! فرخ کی داخلہ فیس جانا ہے۔ میٹرک کی لیٹ فیس کے ساتھ' امی کئی بار آپ کے پاس آئیں۔ مشتاق ماموں سے کہا' فیاض ماموں سے دبے دبے لفظوں میں کہا' مگر سب نے انکار کر دیا اور کہا کہ ضرورت ہی کیا ہے پڑھانے کی' کسی ورکشاپ میں ڈال دو' چار پیسے کما کر لائے گا۔ ماموں جان! میں جانتی ہوں آپ کے حالات ایسے ہیں مگر...... مگر ماموں جان! ہم فرخ کو پڑھانا چاہتے ہیں تاکہ جتنی جلدی ہو سکے ہم......"

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہو شنذرا تم! فرخ کی فیس ابھی تک نہیں گئی تو کیا دو تین بار نسیمہ میرے پاس اسی غرض سے آئی تھی اور میں بے خبر کہانیاں سنانے بیٹھ گیا۔ اف میرے خدا! ہمیں معاف فرما کہ ہم تین بھائی ایک بیوہ بہن کا...... کتنی بڑی بھول ہوگئی مجھ سے وہ تو بے چاری شرماتی ہی رہی کہہ نہ پائی...... مشتاق اور فیاض سے تو کوئی توقع رکھنا بھی عبث ہے اور تم بھی تمہید باندھتے جا رہی ہو آتے ہی کیوں نہ بتایا کہ اب ہم اتنے بھی کنگلے نہیں ہوئے کہ بچے کا داخلہ نہ بھیج سکیں تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ خیر وہ دراز میں میرا پرس ہے نکال کر لاؤ۔"

شنذرا پرس لینے کیلئے اٹھی تو شوکت حسن کی نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا۔ جب نسیمہ بیگم ان کے

پاس آئیں کتنی ان کہی باتیں ان کہے سوال تھے۔ دامن خالی تھا مگر خودداری نے لبوں پر مہر لگا دی تھی شاید اور کم فہم تو وہ تھے کہ ان سے پوچھنے کے بجائے اپنی مجبوریوں کا رونا رونے بیٹھ گئے تھے۔

"یہ لیجئے ماموں جان پرس!" شنذرا نے پرس آگے کیا تو وہ چونک گئے۔

"یہ لو فرخ کو دینا فیس وغیرہ بھی دے دے اور دیگر ضروریات بھی پورے کرے اور خبردار جو آئندہ مجھے کسی بات سے بے خبر رکھا ہو تو۔"

شوکت صاحب نے ہزار روپے کا نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھا تو شنذرا نے ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگا لئے۔

"ماموں جان! میرا اللہ پاک بہت مہربان ہے رحمٰن ہے اگر ایک مہربان سہارا چھن جاتا ہے تو دوسرا پیدا کر دیتا ہے۔ آپ تو اس کڑی دھوپ میں ہمارا سایہ ہیں ماموں جان اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے۔" اس نے عقیدت سے ان کے ہاتھ چوم لئے جو اس بچی کی بات پر مزید نادم ہو رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تو یتیم کے بہت حقوق رکھے ہیں ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اپنی بیوہ بہن اور تم یتیموں کیلئے۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور اسد پھرتی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ وہ بھی شوکت صاحب کے پاس کسی کام سے آیا تھا' مگر شنذرا کو اندر جاتے دیکھ کر رک گیا اور پھر چھپ کر باتیں سننے لگا۔

کوریڈور میں ٹیوب لائٹ کی روشنی میں اس نے دیکھا' شنذرا کا چہرا خوشی سے تمتما رہا تھا وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔

شنذرا واپس آئی تو سب ہی سو چکے تھے۔ اس نے جھک کر فرخ کی پیشانی پر پیار کیا جو آج بہت ہی دل برداشتہ ہو رہا تھا۔ اس نے سوچا صبح جب وہ اسے فیس کیلئے پیسے دے گی تو کتنا خوش ہوگا وہ...... اے اللہ! میرے ماموں کو سدا خوش رکھنا۔ صحت اور زندگی عطا کرنا۔ وہ ماموں کو دعائیں دیتی نسیمہ بیگم کے پہلو میں آ کر لیٹ گئی جو بظاہر سوئی ہوئی لگ رہی تھیں مگر وہ جانتی تھیں کہ وہ کہاں سے آئی ہے اور اتنی خوش کیوں ہے۔ وہ بھی مطمئن ہو گئیں اور بے شمار دعائیں بھائی کو دے ڈالیں جس نے بھی ان کے بچوں کا مان نہیں توڑا تھا۔

رات دیر تک جاگنے کی وجہ سے شنذرا کی آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ فرخ اٹھ کر آیا تو اسد نے اسے اپنے پاس بلایا جو کالج جانے کو تیار کھڑا تھا۔

فرخ یار! آج ایک کام کرنا ہے۔"

ابھی فرخ نے اس کی بات کا جواب بھی نہیں دیا تھا کہ شنذرا جو ابھی ابھی اٹھ کر آئی تھی' اپنے دوپٹے سے منہ صاف کرتی ہوئی تیز آواز میں بولی۔

قطعی نہیں آج فرخ کہیں نہیں جائے گا۔

شنذرا تو اس لئے روکنا چاہ رہی تھی کہ آج اسے فیس جمع کرانا تھی ویسے بھی اسد کا اسے یوں کام کہنا اچھا نہیں لگا تھا۔

دیکھو فرخ! میری بائیک ذرا خراب ہے تم میرے ساتھ چلو مجھے کالج چھوڑ کر بائیک کو ورکشاپ لے جانا اور اپنی نگرانی میں ٹھیک کرانا یہ لوگ بڑا اپھیا کر دیتے ہیں۔

اسد نے نہ تو شنذرا کی جانب دیکھا اور نہ ہی اس کی بات کو اہمیت دی اور فرخ کو احکام دینے لگا۔

''میں کہہ چکی ہوں فرخ کہیں نہیں جائے گا' چلو فرخ تم تیار ہو جاؤ۔''

شنذرا نے فرخ کا ہاتھ پکڑ کر اسے پیچھے کیا جو اسد سے چابی لینے کیلئے بڑھا تھا۔

''فرخ یہ چابی پکڑو اور بائیک نکالو۔''

اسد شنذرا کو پھر نظر انداز کئے فرخ پر رعب جمار ہا تھا' ایسے میں وہ شنذرا کو ہمیشہ سے زیادہ زہر لگا۔ فرخ بے چارا دونوں کے درمیان پھنس کر رہ گیا' کبھی اسد کو دیکھتا اور کبھی شنذرا کو وہ ابھی اسی تذبذب میں تھا کہ مشتاق احمد کمرے سے برآمد ہوئے وہ کھڑکی سے ساری صورتحال دیکھ چکے تھے۔

''فرخ سنا نہیں تم نے کتنی دیر سے اسد کہہ رہا ہے اور شنذرا! تم خود تو بدتمیز ہو ہی دوسروں کو بھی بنانے کی کوشش کرتی ہو فرخ جاؤ اسد کے ساتھ اور بائیک اچھی طرح ٹھیک کروا کر لانا۔''

مشتاق احمد کی غصیلی' کڑک دار آواز پر فرخ نے فوراً چابی تھام لی اور اسد فاتحانہ نظروں سے شنذرا کو دیکھتا ہوا زیر خند مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے فرخ کے پیچھے بیٹھ کر جا چکا تھا وہ بس زور سے زمین پر پاؤں مار کر رہ گئی۔

''یہ...... یہ لوگ کبھی بھی ہمارا بھلا نہیں چاہ سکتے مر جاؤ اسد تم۔''

وہ اچھی جا واپس آ گئی۔ اس نے بھی قسم کھائی تھی کہ آج کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی اس کا بس چلتا تو اسد کا کچومر نکال دیتی۔

''بس فرخ! یہاں رکو ذرا۔''

ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے اسد نے فرخ کو رکنے کیلئے کہا تو اس نے فوراً تعمیل کی۔

بائیک ایک سائیڈ پر کھڑی کر دی پھر دونوں الگ کرسیوں پر آ بیٹھے۔

صبح کا وقت تھا' ناشتے کا' ایسے لوگ ناشتہ کر رہے تھے جن کے گھر میں کوئی ناشتہ بنا کر دینے والا نہیں تھا یا جلدی نکل آنے والے تھے۔

خنکی' ہلکی ہلکی دھوپ اور چائے سے اٹھتی مہم بہت اچھا لگ رہا تھا اسد نے دو ناشتے کا آرڈر دیدیا۔

''اسد بھیا! ناشتہ تو...... !'' فرخ کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا آج کیا ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے مجھے معلوم ہے تم نے ناشتہ نہیں کیا اسد نے اس کے آگے پراٹھا اور انڈہ رکھا۔

''لیکن آپ...... !''

''ارے بابا! ڈبل ناشتہ کر لینے میں حرج ہی کیا ہے اوہو بھئی یہ انڈہ تو بالکل بھی میری پسند کا نہیں تم ہی کھاؤ پیسے تو برباد نہ ہوں۔''

اسد نے کئی بار' فرخ کو نسیمہ بیگم سے انڈا کھانے کی فرمائش کرتے سنا تھا۔ وہ بھی دو انڈے مگر ان کو حق ہی کہاں تھا اپنے بچوں کی فرمائشیں پوری کرنے کا اس لئے اس نے اپنے بہانے فرخ کیلئے ڈبل ناشتہ منگوالیا تھا اور فرخ کیلئے یہ سب بہت اجنبی اور پریشان کن تھا گھر جا کر جانے اسد کیا کہہ دے کہ اس نے ضد کی تھی یا کچھ بھی جھوٹ بول سکتا تھا۔

''فرخ! جلدی کرو بھئی پہلا پریڈ تو مس ہو ہی گیا ہے اب دوسرا نہ ہو جائے۔''

پھر کچھ حیرانی' کچھ پریشانی اور کچھ خوشی کے احساسات کے تحت فرخ نے ناشتہ کیا۔ کتنا مزے کا ناشتہ تھا پسند کے انڈے پراٹھے' گرم گرم چائے' کاش! ایسا ناشتہ روز مل جایا کرے۔

''چلیں اسد بھیا!''

اسد نے بل ادا کیا تو فرخ کھڑا ہو گیا مگر اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھالیا۔

''مفت میں ناشتہ نہیں کروایا تھا کچھ باتیں کرنی ہیں تم سے۔''

''جی کریں اسد بھیا! فرخ کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

''دیکھو فرخ رشتہ میں ہم لوگ بھائی تو ہیں ہی لیکن آج سے میں تمہارے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں پکی اور سچی جس میں کوئی کھوٹ اور جھوٹ نہ ہو۔ ایک دوسرے کے اعتبار کو توڑا نہ جائے بولو بنو گے میرے دوست...... ؟''

فرخ کی سمجھ سے بالکل بالاتر تھیں اسد کی باتیں۔ وہ جو عمر میں اس سے اتنا بڑا تھا اور پچھلے رویے کے مطابق یہ تمام باتیں تو خوفزدہ کرنے والی تھیں مگر اسد کے لہجے میں آنکھوں کی چمک میں اتنا خلوص اور سچائی تھی کہ کمسن فرخ کو بھی اس پر اعتبار آ گیا۔

اگر ایسا ہے اسد بھیا! تو آپ دوستی کے معاملے میں مجھے کبھی کمزور نہیں پائیں گے ثابت قدم ہی پائیں گے۔''

''ڈن...... !'' فرخ نے اسی طرح خلوص اور گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا پھر کتنی ہی دیر اسد اس سے گھر کی باتیں کرتا رہا اپنی نوبیاہتیوں کا ذکر بھی کرتا رہا۔

وہ باتیں کر رہا تھا اور فرخ کو اعتبار ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی اسد ہے جو اس کی بہن سے ہمہ وقت لڑتا رہتا تھا۔ ماں کے کہنے میں آ کر پھپھو کی گستاخی اور ان کی حق تلفی بھی کر جایا کرتا تھا۔

اسد بھیا! باتوں میں پتا ہی نہ چلا' آپ کو تو بہت دیر ہو گئی ہے۔ آج تو آپ کی چھٹی ہو جائے گی۔''

فرخ کو ایک دم ہی اس کے کالج کا خیال آ گیا۔

مجھے آج کالج جانا ہی نہیں تھا۔ یہ رات ہی کو طے کر لیا تھا۔ آج کا دن تو تمہارے نام کرنا تھا ناں اس لئے اب تمہیں یہ کرنا ہے کہ...... اور تمہارا فارم وغیرہ کہاں ہے؟''

''یہ رہا' یہ تو ہر وقت میں جیب ہی میں رکھتا ہوں۔'' فرخ نے جلدی سے فارم نکال کر دکھایا۔

''ہوں گڈ! تو چلو پہلے تمہاری فیس وغیرہ جمع کرائی جائے لیکن وعدہ یاد رکھنا ہے۔''

''کون سا وعدہ اسد بھیا؟''

''چلو تم ابھی سے بھول گئے' یہ کہ تم نے گھر میں کسی کو ہوا نہیں لگنے دینی کہ تمہاری فیس کس نے جمع کرائی ہے نہ پھپھو نہ زیب باجی کو اور شنذرا کو تو ہرگز نہیں' ورنہ میں ناراض ہو جاؤں گا۔ سوچ لو یہ تمہارا امتحان ہے اگر اس میں کامیاب ہو گئے تو آئندہ بھی اعتماد کروں گا۔ ورنہ میرا دوستی پر سے اعتماد اٹھ جائے گا۔''

میں یہ تو وعدہ کرتا ہوں بھیا کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ آپ کے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں لگنے دوں گا

مگر جب وہ پوچھیں گی کہ فیس کہاں سے جمع ہوئی تو......؟"

او ہو کہہ دینا تمہارا ایک دوست بہت اچھا ہے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق ہے۔ جب فیس جمع نہیں ہوسکی تو اسنے کروادی اور یہ بھی کہنا کہ اس کے والد نے اپنے بیٹے کیلئے نیوٹر رکھا ہے تو تمہیں بھی کہا ہے کہ پڑھ لیا کرو اور نام پتا پوچھیں اور یہ شذرا کو جو بال کی کھال اتارنے کی عادت ہے وہ ضرور پوچھے گی تو کہنا کہ اس دوست نے دوستی کی قسم دے کر منع کیا ہے کہ گھر والوں کو اس کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے ورنہ وہ خفا ہوجائے گا ٹھیک اب بھی بات سمجھ میں آئی کہ نہیں۔"

اسد نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے جو حیرت اور خوشی کی چمک آنکھوں میں لئے اسے دیکھے جارہا تھا "جی آ گئی" وہ جیسے حسین خواب سے چونکا۔

"تو چلو پہلے فیس جمع کرالی جائے۔"

گھر میں شذرا کا کڑھ کڑھ کر برا حال تھا۔ اسد کو کوسنے دے دے کر اس کی زبان بھی خشک ہوگئی تھی۔

'خدایا' کیا کروں...... دیکھا امی آپ نے ایسے حسد نکالتے ہیں یہ لوگ۔ اس منحوس کو پتہ تھا کہ اسے سکول جانا ہے پھر بھی لے گیا۔ شیطان کہیں کا خود ہی تو قسمت اچھی ہے ڈاکٹر بن جائیں گے ہمارے بھائی کا مستقبل برباد کررہا ہے پھر امی کہتی ہیں ان کو بد دعائیں نہ دو۔ رات ماموں سے اس کیلئے بھیک مانگی اتنے اچھے ہیں کہ فوراً نکال کر دے دیئے۔" شذرا مستقل بول رہی تھی۔

بس کرو شذرا! کیا کرلوگی بول کر۔ ہماری قسمت میں جو لکھا ہے وہی ملے گا ناں مت بولو اب۔"

زیب نے اسے خاموش کیا۔

اسی وقت اسد اور فرخ آ گئے۔ فرخ کا چہرا مطمئن تھا۔ شذرا کو دیکھ کر اسد نے دل جلانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائی اور گنگناتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں پتا بھی ہے لیٹ فیس کی بھی تاریخ آخری تھی۔ تم ہو ہی نالائق پڑھنے کا کچھ کرنے کا اور آگے بڑھنے کا شوق ہی نہیں یہیں رہنا جوتے کھانے کیلئے۔"

وہ اسد کا سارا غصہ فرخ پر اتار رہی تھی ویسے فرخ پر بھی کم غصہ تو نہیں تھا۔

"او ہو شذرا باجی خفا نہ ہوں فیس جمع ہوگئی ہے۔"

"فیس جمع ہوگئی ہے کیسے..... کہاں سے؟"

زیب شذرا اور نسیمہ بیگم اس کے قریب آ گئیں۔

"ظاہر ہے ڈاکا تو ڈالا نہیں ہوگا اور نہ ہی بھیک سے ایک دن میں اتنی رقم جمع ہوسکتی ہے۔"

اسد اسے چڑانے کیلئے پھر باہر آ گیا۔

"تم چپ رہو ببول کے درخت فرخ بتاؤ تم۔"

اور جواباً گھڑی ہوئی کہانی فرخ نے ماں اور بہنوں کو سنا کر مطمئن کردیا۔

"ہائے ایسے اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں دنیا میں کہ نیکی کرتے ہیں مگر نام ظاہر نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے آمین۔" نسیمہ بیگم اور زیب اس کے اس دوست کو دعائیں دے رہی تھیں۔

امی جان! اعلیٰ ظرف لوگوں کی کمی نہیں ہے اس دنیا میں۔ فرخ اب تم نے دن رات ایک کردینا اور معاشرے میں ایسا مقام حاصل کرنا ہے کہ ان لوگوں کو نیچا دکھا سکو۔ جو ہمیں اپنے قدموں کی خاک سمجھتے ہیں تم ایسے بن جاؤ کہ وہ تمہارے قدموں کی خاک کے برابر ہوجائیں۔"

وہ اسد کو سنانے کی غرض سے چبا چبا کر بول رہی تھی۔ نسیمہ بیگم اور زیب تو جا چکی تھیں' اسد بڑی تیکھی نظروں سے دیکھتا ہوا شذرا کے قریب آ گیا اتنا کہ اسے پیچھے ہٹنا پڑا۔

"ذرا خیال سے بولا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ اسی خاک کو مانگ میں سجانا پڑ جائے۔"

وہ بھی اسی انداز میں دانت پیس کر بولا اور آگے بڑھ گیا اور وہ غصے میں اس کے الفاظ پر بھی غور نہ کرپائی لیکن اس بات سے وہ بے حد خوش ہوگئی تھی کہ ماموں نے جو پیسے دیئے تھے وہ بچ گئے تھے ان سے وہ ہومیو پیتھک میں ایڈمیشن لے سکتی تھی وہ ہر صورت میں اسد کا مقابلہ کرنا چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

"ڈاکٹر صاحب! ڈاکٹر طلال بڑی دیر سے آپ کا انتظار کررہے ہیں۔"

نرس نے دوسری بار بتایا تھا مگر ڈاکٹر سحر اتنی محو تھی اور پھر مریض چھوڑ کر ذاتی ملاقات کرنا کہاں کا اخلاق تھا اور پھر ڈاکٹر تو ہوتے ہی مریضوں کی خدمت کیلئے اس لئے وہ مریض دیکھتی رہی۔

طلال جانتا تھا کہ انکی آمد سحر کیلئے بھی اہم ہے مگر مریض اس سے زیادہ اہم تھے اور ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے طلال بھی اس کی مجبوری سمجھ رہا تھا' اسی لئے ایک گھنٹے سے ان کا انتظار کررہا تھا۔ وہ میڈیسن پر لکھے رسالے کی ورق گردانی کرنے لگا۔

سحر آئی تو تھکن سے چور تھی مگر اسے نیم دراز اپنا منتظر پایا تو ساری تھکن کافور ہوگئی۔ یہ احساس کتنا معتبر اور تسکین آمیز ہوتا ہے کہ کوئی آپ کو چاہ رہا ہے آپ کیلئے آیا ہے۔

"السلام علیکم! سحر نے دوراَل ایک طرف رکھتے ہوئے کہا' تو وہ سیدھا ہوگیا۔

"ہوگئیں فارغ آپ؟" طلال نے اس کے تھکے تھکے سے چہرے پر نگاہ ڈالی۔

"سوری طلال! آپ کو انتظار کرنا پڑا۔" وہ نارمل ہونے لگی۔

"جی نہیں اس انتظار میں جو لذت ہے وہ' خیر اب کیا ارادے ہیں یہیں بیٹھنا ہے یا باہر چلیں۔"

"میرا خیال ہے کہیں باہر ہی چلتے ہیں یہاں تو دواؤں کی فضا میں صبح سے بیٹھ بیٹھ کر دم گھٹنے لگتا ہے۔"

پھر دونوں ایک اچھے سے ہوٹل میں آ گئے۔

"ہوں اب بتاؤ کیا حال چال ہیں؟" طلال نے اس کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"الحمدللہ! بالکل ٹھیک ہوں تم اتنے روز سے کہاں تھے ڈھیر ساری باتیں ہیں خبریں ہی سنانے کیلئے اور ہم سنانے کو بے چین اور جناب کا فون تک نہیں آیا۔"

سحر اتنے دنوں کی غیر حاضری کا سبب پوچھ رہی تھی دونوں ایک ہی کالج سے پڑھتے تھے اور دونوں ایک ساتھ ہی چاہت کے سفر پر گامزن ہوئے تھے اور اب منزل قریب تر تھی۔

کافی کا سپ لیتے ہوئے طلال مسکرایا' مگر سحر نے برا سا منہ بنالیا۔

''طلال! تمہارا کیا خیال ہے میں اپنی اہمیت جتانے کیلئے تمہیں اپنے پرپوزلز کے بارے میں بتاتی ہوں یا اس لئے بتاتی ہوں کہ تم کوئی قدم اٹھاؤ۔ ایسا ہرگز نہیں چونکہ ہمارا تعلق ہی ایسا ہے اس لئے میں تمہیں اپنے بارے میں بتادیتی ہوں ورنہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔''

طلال نے تو یوں ہی چھیڑنے کی غرض سے کہا تھا مگر سحر کو جانے کیوں اس کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

''ڈاکٹر سحر صاحبہ! میں تم ..... کو اچھی طرح جانتا ہوں تب ہی تمہارے سامنے نظر آرہا ہوں۔ میرے تو سر پر خود کزن کی تلوار لٹک رہی ہے اسی لئے چاہتا ہوں کہ اب ہمیں مل بیٹھ کر کچھ سوچنا چاہئے کوئی فیصلہ کرنا چاہئے۔''

طلال کی بات پر سحر کافی دیر خاموش رہی غصہ ٹھنڈا کرتی رہی سوچتی رہی۔

''دیکھو طلال! جب بھی میں تمہیں اپنے کسی پرپوزل کے بارے میں بتاتی ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اپنی اہمیت جتاؤں یا تمہیں جلدی کرنے پر اکساؤں۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ کوئی بات فائنل ہوجائے تاکہ بات کنارے لگے۔ اس لئے طلال کہ ہمارا تعلق جس معاشرے سے ہے ناں وہاں اگر کسی خاندان میں کوئی لڑکی یا لڑکا کچھ بن جائے تو خاندان بھر کی نظریں اس پر ہوتی ہیں اور میرے خاندان میں جہاں لڑکیوں کی زیادہ تعلیم ہی کو معیوب سمجھا جاتا ہے وہاں جب میں آگے بڑھی ڈاکٹر بنی تو پہلے باتیں بنانے والے اب میرے طلب گار ہیں جس گھر میں بھی پڑھا لکھا لڑکا موجود ہے وہ میرے طلب گار ہیں جب کہ خاندان میں اور بھی بہت سی لڑکیاں ہیں مگر ان کو ڈاکٹر بہو چاہئے جیسا کہ تم جانتے ہو کہ میرے والدین کھلے دل و دماغ کے ہیں اور انکو مجھ پر اعتماد بھی ہے اس لئے انہوں نے فیصلہ میرے اوپر چھوڑا ہوا ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی آیا رہتا ہے جس سے گھر کا ماحول ڈسٹرب ہوجاتا ہے۔

سحر نے انگلیوں سے سر دباتے ہوئے نرم لہجے میں جو اس کی خاصیت تھی کہا۔

گرم کافی کی بھاپ سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کی اوٹ میں طلال کتنی ہی دیر سحر کو دیکھتا رہا جو اپنی سادگی اور پروقار شخصیت کی وجہ سے صرف اسے ہی نہیں سب کو پسند تھی۔ اور وہ طلال کی زندگی میں اتنی اہمیت کچھ اس نامحسوس طریقے سے اختیار کرگئی تھی کہ اب اس کے بغیر زندگی کا تصور بھی مشکل تھا۔

بلاشبہ فائزہ حسن میں سحر سے کئی گنا زیادہ حسین تھی مگر سحر کی شخصیت میں جو وقار' سادگی اور شائستگی تھی اس نے حسین فائزہ کو مات دے ڈالی تھی۔ اور پھر یہ تو کھیل ہی جذبوں کا تھا اور طلال نے اپنے تمام جذبے بے سحر ہی کے نام کردیئے تھے۔

''ڈاکٹر صاحبہ! آپ تو خفا ہوگئیں۔ وہ تو محض مذاق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سات سالوں کی رفاقت میں ہم ایک دوسرے کو بڑی اچھی طرح سمجھ چکے ہیں۔ میں تمہیں بھی جانتا ہوں' اپنے معاشرے کی سطحی سوچ بھی جانتا ہوں کہ انسان کی اہمیت نہیں اچھی ڈگری کی اہمیت ہے۔ خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ میں خود اس سلسلے میں خاصا پریشان ہوں اور سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچ کر کوئی حتمی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں اس سے قبل کہ پھپھو کوئی ہنگامہ کردیں میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں مگر فائزہ جیسی بناوٹی لڑکی میری

میری امی پڑھی لکھی اور شعور رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا اور پھر آپ کا کام یوں ہوگا۔'' اس نے چٹکی بجائی۔

''میرے خیال میں چلنا چاہئے کافی وقت ہوگیا ہے۔''

طلال شوخ ہونے لگا تو سحر ایک دم کھڑی ہوگئی۔

☆ ... ☆ ... ☆

''فائزہ! میرا خیال ہے کہ تم چند روز ظہیر بھیا کے ہاں رہنے کو چلی جاؤ۔''

''کیوں امی! تقریباً سب ہی کا آنا جانا تو لگا رہتا ہے؟''

فائزہ ماں کی مصلحت سمجھ نہیں پائی تھی۔

''نری احمق رہنا کمی لڑکی! رابعہ بھابی بڑی گھنی ہیں' ان کو سمجھنا آسان نہیں۔ دیکھتی نہیں تم کتنا تمہیں چاہتی ہیں۔ ساتھ چپٹا چپٹا کر پیار کریں گی مگر آج تک یہ نہیں پوچھیں کہ میں تمہیں بہو بناؤں گی۔ مجال ہے جو ایک بار کہا ہو مجھ سے۔ بعض پوری اور پکی ہیں اور طلال کو کب یہاں زیادہ آنے دیتی ہیں۔ یہ بلال تو جانے کن چکروں میں ہے کہ چلا آتا ہے۔ بس میں چاہتی ہوں کہ تم زیادہ سے زیادہ ان کی نظروں میں رہو۔''

آسیہ بیگم طلال اور بھاوج کے اطوار دیکھ رہی تھیں اور ان کو ان تلوں میں تیل کم ہی نظر آرہا تھا جبکہ وہ طلال پر صرف اور صرف فائزہ کا حق سمجھتی تھیں۔

''اچھا امی! چلی جاتی ہوں مگر یہ کام وام مجھ سے نہیں ہوتے۔ میرے ہاتھ خراب ہوجاتے ہیں اور میرے ناخن تو آپ کو پتا ہے بہت نازک ہیں فوراً ٹوٹ جاتے ہیں اور لمبے ناخنوں پر کوئی نیل پالش اچھی لگتی ہے۔''

فائزہ نے اپنے سفید خوبصورت ہاتھوں پر گہرے رنگ کی نیل پالش لگا کر خود ہی ستائشی نظروں سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔

''ارے چندا! خدا نہ کرے کہ تم کام کرو۔ ویسے رابعہ بھابی نے کام کرنے والی رکھی ہوئی ہے اور تمہارے پھول سے نازک ہاتھ کوئی کام کرنے کیلئے ہیں۔ ویسے بھی طلال خیر سے آفیسر بن گیا ہے اسے ایک چھوڑ کئی کئی ملازم ملیں گے۔ میری مہارانی کو تو اللہ نے راج کرنے کیلئے بنایا ہے۔ تیار ہوجانا رات کو چھوڑ آؤں گی۔ ہاں طلال کا کہنا نہ ٹالنا یاد! آخر تمہیں اسی کے ساتھ رہنا ہے اور ہونے والا۔''

آسیہ بیگم بیٹی کی قصیدہ گوئی اور تربیت میں مصروف تھیں کہ زاہدہ بیگم نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی گو کہ وہ تمام باتیں سن چکی تھیں پھر بھی انجان بن کر بولیں۔

''کہاں جانے کی تیاری ہورہی ہے فائزہ بیٹی؟'' انہوں نے پیار سے فائزہ کے بالوں کو چھوا۔

جواباً مجبوراً آسیہ بیگم کو بتانا پڑا۔

''خدا آپ کا بھلا کرے بھابی جان! میں بھی یہی سوچ رہی تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کو رابعہ بھابی کے ہاں چند روز کیلئے بھیج دیا جائے تو بہتر ہے۔ فائزہ تو عادی نہیں۔ ویسے بھی کلیوں کی طرح نازک ہے کیا کام کرسکے گی صائمہ کو ساتھ بھیج دیتی ہوں۔ وہ تو کام کرنے میں بڑی ہوشیار ہے گھر سنبھال لے گی اور فائزہ کو تو ویسے بھی رابعہ بھابی اپنے قریب سے ملنے نہیں دیتیں۔ صائمہ کام وغیرہ کرے گی۔''

مسکا پالش میں تو زاہدہ بیگم کا ثانی مشکل تھا۔ صائمہ کو ساتھ بھیجنے کیلئے کیا عمدہ ترکیب ڈھونڈی تھی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ رابعہ بھابی کام کرنے والی پھرتیلی لڑکیوں کو پسند کرتی ہیں یوں صائمہ ان کی نظروں میں اچھی بن جائے گی۔ فائزہ کوئی بھی حیثیت اختیار کرے اس سے ان کو غرض نہیں تھی ان کو اور ان کی بیٹی کو تو بلال دل و جان سے عزیز تھا اور اسکی خاطر تو سب کچھ قبول تھا۔ گوارا تھا۔

''چلو یہ بھی ٹھیک رہے گا' دونوں چلی جائیں۔''

آسیہ بیگم نے بھی بہت کچھ سوچ کر کہا۔

یہ لوگ کہیں نہیں جائیں گی۔

اس آواز پر تینوں کی نظریں دروازے کی جانب اٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

''کیوں نہیں جائیں گی؟'' آسیہ بیگم نے تیکھی نظروں سے شوبی کو گھورا جو اخبار ہاتھ میں لیے اندر ہی چلا آیا۔

''اس لیے امی حضور کہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن شروع ہو چکے ہیں اور فائزہ اپنے ڈاکومنٹس وغیرہ نکال کر مجھے دو تاکہ میں اپلائی تو کروں۔'' شعیب نان اسٹاپ بولے چلا گیا۔

''اونہہ! مجھے نہیں لینا ایڈمیشن۔ لو اور جاؤ۔ امتحان دو۔ اتنی مشکل سے تو انٹر پاس کیا ہے اور......'' فائزہ قطعی طور پر یونیورسٹی میں ایڈمیشن کے لیے راضی نہیں تھی۔

''میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم جیسی کاہل اور نالائق کیسے یونیورسٹی میں پڑھ سکتی ہے جہاں سمسٹر سسٹم ہے اور باقاعدگی سے پڑھنا اور امتحان دینا پڑتا ہے۔ یہ امی ہی کو شوق ہو رہا ہے تمہیں پی ایچ ڈی کرانے کا۔'' شعیب نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے ماں کو دیکھا۔

''ہاں۔ ہاں۔ یہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن ضرور لے گی۔ لو حد ہو گئی۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ کب داخلے کھلیں۔

شوبی بیٹا! تم فارم وغیرہ لے آنا اور فائزہ فی الحال وہاں جانے کا پروگرام ملتوی۔ یونیورسٹی جانے کی تیاری کرو۔''

آسیہ بیگم فائزہ کی تعلیم پر اس لیے بھی توجہ دے رہی تھیں کہ رابعہ بھابی خود ایم اے تھیں۔ وہ زیادہ تعلیم یافتہ لڑکیوں کو پسند کرتی تھیں اور اپنے آفیسر بیٹے کے لیے یقیناً پڑھی لکھی لڑکی پسند کریں گی۔

''امی! آپ کو خبر نہیں۔ یونیورسٹی میں پڑھنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔ میری ایک دوست آنرز کر رہی ہے۔ ہر وقت پڑھتی رہتی ہے۔ کبھی ٹرم ہیں تو کبھی...... نہیں امی! مجھ سے نہیں پڑھا جائے گا۔ اور آپ کو خبر بھی ہے کہ یونیورسٹی میں آئے دن ہنگامے ہوتے رہتے ہیں۔ مجھے نہیں مرنا بے موت۔ اور خود سوچئے، میں آپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔''

فائزہ پرلے درجے کی نالائق اور بہانہ باز لڑکی تھی۔ ماں کے بے جا لاڈ پیار نے رہی سہی کسر پوری کر دی تھی۔ وہ نت نئے فیشن تو کر سکتی تھی مگر پڑھ نہیں سکتی تھی۔ اسی لیے اس نے ہنگاموں کی بیخ لگا کر ماں کو جذباتی کرنا چاہا۔

''کچھ نہیں ہوتا لڑکی، موت زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے، موت تو گھر بیٹھے بھی آ جاتی ہے۔ شوبی تم اس کا کسی طرح سے داخلہ کرا دو پڑھانا میرا کام ہے۔ نجانے اس کم عقل کی سمجھ میں یہ بات کیوں

نہیں آتی کہ جتنی زیادہ تعلیم ہو گی اتنی نکھرے گی۔ ادب آداب آئیں گے۔ سوسائٹی میں رہنے کا سلیقہ آئے گا۔"

"بالکل درست کہہ رہی ہیں بھابی جان۔ فائزہ بیٹی! زیادہ تعلیم اور پڑھے لکھوں کا ماحول لڑکی کو نکھار دیتا ہے۔ تم لوگ تو بچیاں ہو۔ نہیں جانتیں مگر ہم جانتے ہیں کہ لڑکی کو آج کل کیسا ہونا چاہیے۔ شوبی بیٹے۔ صائمہ کے لیے بھی فارم لے آنا۔ دونوں بہنیں جایا کریں گی یونیورسٹی۔"

زاہدہ بیگم نے پہلے تو اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ صائمہ کو یونیورسٹی میں داخلہ دلائے مگر اب فائزہ لے رہی تھی تو وہ پیچھے کیوں رہتیں۔ زاہدہ بیگم کی یہ بات آسیہ بیگم کو پسند نہیں تھی کہ ہر بات میں صائمہ کو آگے کر دیتی تھیں مگر وہ اپنی بیٹی کو بھی جانتی تھیں۔ یہ سوچ کر خاموش رہیں کہ اچھا ہے، صائمہ اکیلو لڑکی ہے۔ ساتھ جایا کرے گی تو فائزہ کو بھی شوق ہو گا۔ بس وہ یہ چاہتی تھیں کہ فائزہ میں ایسی کوئی کمی نہ رہ جائے جسے بنیاد بنا کر رابعہ بھابی انکار کر سکیں۔

"بڑی گھنی ہیں یہ رابعہ بھابی۔ لپٹاتی رہیں گی فائزہ کو مگر مجال ہے بہو کہیں، خیر میں بھی دیکھتی ہوں۔ کیسے نہیں کرتیں میری فائزہ کے ساتھ طلال کی شادی۔ ذرا فائزہ یونیورسٹی میں سیٹ تو ہو جائے۔ پھر ظہیر بھیا سے بات کروں گی۔ رابعہ کو لفٹ کرانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔"

آسیہ بیگم کو طلال، فائزہ کے لیے اس قدر پسند تھا کہ وہ کسی صورت اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھیں مگر چونکہ فائزہ میں تعلیمی کمی تھی۔ وہ پوری کرنے کے بعد ہی ان سے بات کرنا چاہتی تھیں۔

"سچ امی! میں بھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لوں گی۔ ہائے قسم سے امی! کتنی بڑی خوشخبری سنائی ہے آپ نے۔" صائمہ کو جب ماں کی زبانی پتا چلا کہ وہ یونیورسٹی جا رہی ہے تو خوشی سے اچھل پڑی۔ پڑھائی میں صائمہ اور فائزہ ایک جیسی تھیں۔ دو سال سے سیکنڈ کلاس میں انٹر کر کے اپنی طرف سے فارغ ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔ گو کہ آگے پڑھنے کی لگن صائمہ کو بھی نہیں تھی مگر چونکہ اب معاملہ ہی اور تھا۔ بلال جیسے خوبرو انجینئرز بندے کے لیے وہ سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔

"شکر ہے تمہیں تو یہ بات پسند آئی۔ فائزہ نے تو ناک بھنویں یوں چڑھائیں گویا کہ کوئی جرم کروا رہے ہوں اس سے۔"

زاہدہ بیگم اسے خوش دیکھ کر مطمئن ہو گئیں۔

"ارے امی جان! فائزہ تو احمق ہے۔ مجھے تو یونیورسٹی میں پڑھنے کا کریز تھا۔ سچ اتنی رنگین زندگی ہے یونیورسٹی کی کیا بتاؤں؟"

"وہ خیالوں ہی خیالوں میں فائزہ کی طرح باب ہیئر اسٹائل میں نت نئے فیشن کے ملبوسات میں کاندھے پر بیگ لٹکائے یونیورسٹی میں گھوم رہی تھی۔ جہاں کئی منچلے اس کی توجہ کے طالب تھے۔ بھلا وہ کسی کو لفٹ کیسے کرا سکتی تھی کہ اس کے خوابوں میں شعیب کے بعد بلال آن بسا تھا۔

"میں وہاں تمہیں رنگین دنیا میں کھو جانے کے لیے نہیں بھیج رہی بلکہ خاص مقصد کے لیے بھیج رہی ہوں۔ دل لگا کر پڑھنا اور کچھ نئے ڈھنگ بھی سیکھ لینا۔"

"ارے امی جان! آپ فکر ہی نہ کریں۔ میں سب جانتی ہوں۔ سمجھتی ہوں۔ آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔ اچھا امی اب تو یونیورسٹی جانا ہے۔ اب تو بال کٹوانے کی اجازت دے دیں ناں۔ سچ آپ کو پتا نہیں یونیورسٹی میں تو ایسی لانبی چوٹی والی سیدھی سادھی لڑکیوں کو تو لڑکے چھیڑتے ہیں، میرا مطلب ہے لڑکیاں لڑکے مذاق اڑاتے ہیں، فول بناتے ہیں۔"

صائمہ نے اپنی سیاہ ریشمی بالوں کی چوٹی کو آگے کر کے ناگواری سے دیکھتے ہوئے کہا تو زاہدہ بیگم بھی سوچتی نظروں سے اس کی چوٹی کو دیکھنے لگیں۔ اس کے بالوں پر انہوں نے خصوصی توجہ دی تھی۔ بہت ریشمی بال تھے۔ سیاہ، چمکدار ان کا دل تو ہول گیا مگر وقت کے تقاضوں کو پورا کرنا بھی دانشمندی ہے اور ایسی دانشمندی سے وہ گریز کیسے کر سکتی تھیں۔

"ہاں، اگر کٹوانے ہیں تو ابھی کٹوا لو۔ اگر یونیورسٹی جانے کے بعد کٹوائے تو سب یہ ہی کہیں گے کہ یونیورسٹی جاتے ہی پر کٹوا ڈالے اور نہ ہی فائزہ یہ کہہ سکے گی کہ میری نقل کی ہے۔ یہ ماں بیٹی پوری ہیں اندر سے۔ یہ آسیہ بھابی جتنی باہر ہیں، اس سے کہیں زیادہ اندر ہیں۔ بس ذرا مطلب پورا ہو جائے۔"

زاہدہ بیگم نے آسیہ بیگم کے پستہ قد کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئیں اور صائمہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کتنی ہی دیر وہ اپنے پرکشش سراپے کو ہر زاویے سے دیکھتی رہی اور ربن کی مدد سے بالوں کو باب کٹ بنا کر دیکھتی رہی کہ اس پر باب اسٹائل سوٹ کرے گا یا ادھوری کی طرح کے اسٹیپ سوٹ کریں گے۔

"ہاں میرے خیال میں باب مجھ پر سوٹ نہیں کر رہا۔ اسٹیپ کٹنگ زیادہ جچے گا اور فائزہ سے مختلف اسٹائل بھی ہو جائے گا۔ ہائے! کاش اللہ میاں آپ نے اتنے اچھے نقوش تو عطا کر دیے۔ ذرا رنگ بھی گورا کر دیا ہوتا۔ فائزہ کی طرح چٹی چٹی ہوتی۔ جو رنگ بھی پہنتی ہے، وہ اس قدر جچتا ہے کہ حد نہیں۔ فائزہ تو فائزہ، زیب کو تو اللہ نے دنوں فرصت میں بنایا ہے کہ۔ خیر مقابلہ میرا اور فائزہ کا ہے۔ زیب ہمارے مقابلے کی تھوڑی ہے کہ اس سے خوفزدہ ہوا جائے۔"

وہ جو اتنی دیر سے اپنے ملگ وروپ اور فائزہ کے ساتھ مقابلہ بازی میں مصروف تھی۔ زیب کا خیال کسی کانٹے کی طرح چبھا۔ شعیب کی بات بھی یاد آئی لیکن پھر یہ خیال کر کے اس کی کیا حیثیت جو ہمارا مقابلہ کر سکے، مطمئن ہو گئی۔ ابھی وہ باہر نکل ہی رہی تھی کہ باہر ہونے والے شور سے اندازہ ہوا کہ بلال آیا ہے۔

"اوہو تو جناب آئے ہیں۔" اس نے کھڑکی سے لاؤنج میں داخل ہوتے بلال کو دیکھا اور الماری میں تیار شدہ سوٹ جو وہ ایسے ہی ہنگامی وقت کے لیے تیار کر کے رکھتی تھی، اٹھایا اور واش روم میں گھس گئی۔

"آداب پھپھو!" بلال نے ایک گہری نظر لاؤنج میں صفائی کرتی زیب پر ڈالی جو اسے دیکھ کر بھی بالکل اجنبی بنی اپنے کام میں مصروف رہی۔

"جیتے رہو بیٹا! کیا طلال بھی آیا ہے؟"

آسیہ بیگم نے اس کے سر پر بے دلی سے ہاتھ رکھتے ہوئے طلال کے بارے میں پوچھا۔

"نہیں پھپھو! ان کے کسی دوست کی شادی تھی، وہاں گئے ہیں۔"

"طلال کو تو کبھی اپنی پھپھو کی یاد آتی ہی نہیں۔ مجال ہے جو کبھی حال پوچھنے آ جائے۔ تمہارا دل بھی نہ جانے کیسے چاہتا ہے پھپھو کے گھر آنے کو۔"

آسیہ بیگم کا موڈ خاصا آف ہو رہا تھا۔ ان کے لہجے سے صاف عیاں تھا کہ...... بلال کی آمد اہمیت نہیں رکھتی جتنی طلال کی۔

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ ہر کوئی اپنی اپنی مجبوریوں کا قیدی ہوتا ہے۔ وہ نہیں آئے تو ان کی مجبوری ہوگی۔ میں چلا آتا ہوں تو۔ یہ میری مجبوری ہے۔''

بلال نے شاکی نظروں سے زیب کو دیکھا جس کے بارے میں اس کا خیال تھا کہ نظرانداز کرنے اور کترانے کا فن وہ بخوبی...... جانتی ہے مگر بلال کی گہری بات اسی کے پلے پڑی تھی جس کو اس نے سمجھانا چاہا تھا۔ آسیہ بیگم تو حال احوال پوچھ کر اٹھ گئیں۔

''آپ ذرا دوسرے کمرے میں چلے جائیے۔ گرد اڑ رہی ہے۔ آپ کے کپڑے سفید ہیں، خراب ہو جائیں گے۔'' وہ کپڑا ہاتھ میں لیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔ زرد ملگجے کپڑوں میں وہ عجب چپ چپ اور دکھی لگ رہی تھی۔

''اور تمہاری بے رخی سے جو دل خراب ہوتا ہے میرا، اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ نہ سلام نہ دعا، زیب ایسی بھی بے رخی کیا۔''

بلال نے شکوہ کناں لہجے میں کہا تو زیب کچھ بھی بولے بغیر ایک خاموش نظر اس پر ڈال کر گلدان وغیرہ صاف کرنے لگی۔ بلال بس اسے دیکھ کر رہ گیا۔

اوہ ہیلو بلال آپ کب آئے؟''

صائمہ ہلکے سے میک اپ کے ساتھ زلفوں کو شانوں پر پھیلائے بلال کی طرف بڑھی۔

''بس ابھی آیا ہوں۔'' بلال نے ایک اچٹتی سی نظر صائمہ پر ڈالی اور میز پر رکھا اخبار دیکھنے لگا۔ یوں جیسے اسے اس کا آنا ناگوار گزرا ہو۔ صائمہ نے ماحول کا جائزہ لیا۔ اسے اپنے اور بلال کے ساتھ کمرے میں زیب کا وجود کسی خار سے زیادہ چبھا۔

''زیب! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ کچن میں جاؤ۔ امی کا ہاتھ بٹاؤ۔ یہ صفائی رہنے دو، میں کر لیتی ہوں۔''

صائمہ نے اس کے ہاتھ سے ڈسٹر لیتے ہوئے جیسے کہا کہ دفعان ہو جاؤ یہاں سے...... مگر زیب کا جی چاہا کہہ دے کہ تمہیں تو ڈسٹ الرجی ہے۔ آج تک تو یہی بہانا بناتی رہی ہو پھر آج۔ مگر وہ زبان بندی کے اصولوں پر سختی سے کاربند تھی۔ یہ بھی نہ کہہ سکی کہ تمہاری ہی ماں نے کچن کے کاموں پر پابندی لگائی ہے۔ وہ خود بھی وہاں بلال کے سامنے رہنا نہیں چاہتی تھی۔ فوراً وہاں سے ہٹ گئی۔ بلال بظاہر اخبار میں مشغول تھا مگر اس کی نظریں زیب کے حزیں چہرے اور کان صائمہ کی تیز آواز کی طرف تھے۔ زیب کے جانے کے بعد صائمہ کا خیال تھا کہ وہ بلال کے ساتھ بیٹھ کر کچھ باتیں کرے گی، کچھ کہے سنے گی مگر بلال نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ زیب کے جانے کے کچھ ہی دیر بعد کھڑا ہو گیا۔

''شعیب کہاں ہے، باقی سب بھی نظر نہیں آ رہے۔ شعیب میری کتاب لے کر آیا ہوا ہے اور مجھے ضرورت ہے۔'' بلال بولتا ہوا آگے بڑھ گیا اور وہ منہ بنا کر پیر پٹخ کر رہ گئی۔ کتنے اہتمام سے وہ تیار ہوئی تھی مگر اس نے نگاہ غلط بھی ڈالنا گوارا نہیں کیا۔

''ہونہہ! میں سب جانتی ہوں بلال احمد! تم کس کے سحر میں گرفتار ہو۔ شعیب درست کہتا ہے

لیکن اب تم میری پسند ہو اور اپنی پسند کی تو بال پن بھی میں کسی کو نہیں دیتی۔ بلال تو بلال ہے۔ دیکھ لوں گی، زیب تمہیں بھی۔''

صائمہ کی زہریلی سوچوں نے کس طرح اس کے پرکشش چہرے کو خوفناک بنا دیا تھا۔ اگر وہ اس وقت خود کو دیکھ لیتی تو شاید اپنی سوچوں پر عمل نہ کرتی۔

''آ جاؤ۔'' دروازے پر دستک ہوئی تو شعیب نے کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

تم میرے کمرے میں، خیریت!'' شعیب، صائمہ کو اپنے کمرے میں دیکھ کر حیران رہ گیا...... گو کہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ جب صائمہ کے خوابوں میں وہ بسا ہوا تھا۔ وہ آنے بہانے سے آ جایا کرتی تھی مگر جب سے بلال پر نظریں ٹھہری تھیں یہ سلسلہ بند ہو چکا تھا۔

''ہاں! میں بلال کو دیکھنے آئی تھی۔ یہاں نہیں آیا وہ؟''

صائمہ کو اندیشے گھیرنے لگے کہ کہیں وہ زیب کے پاس نہ چلا گیا ہو۔

''اوہو تو بلال صاحب آئے ہیں۔ مگر وہ میرے کمرے میں کیوں آنے لگا۔ رنگین نظارے چھوڑ کر۔'' شعیب معنی خیز نظروں سے اس کی تیاری دیکھ کر بولا۔

''مجھ سے تو یہی کہہ کر آیا تھا کہ شعیب کے پاس جا رہا ہوں کوئی کتاب لینی ہے۔'' وہ اس کی بات اور اس کے معنی خیز جملے کو نظرانداز کر گئی۔

''اچھا تو تمہاری اتنی حیثیت ہو گی اس کی نظروں میں کہ تمہیں بتا کر آنے جانے لگا۔'' شعیب کا لہجہ بڑا کٹیلا اور ہونٹوں پر دل جلانے والی مسکراہٹ تھی جو صائمہ کو اس کی کم مائیگی کا احساس دلا رہی تھی مگر وہ بھی زاہدہ بیگم کی بیٹی صائمہ تھی آسانی سے مات نہیں کھا سکتی تھی۔

''میری تو بلال کی نظروں میں جو حیثیت ہے، سو ہے۔ اور اگر نہیں بھی ہے تو ایسی ہو جائے گی کہ تم جیسے دانتوں میں انگلیاں داب کر رہ جائیں گے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمہاری خود زیب کی نظروں میں کیا حیثیت ہے۔ کبھی غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہے۔ چہرے کو پڑھا ہے کہ نگاہوں میں عکس اور دل پر کس کے نام کی داستان رقم ہو رہی ہے۔''

شعیب کے طنز کے جواب میں صائمہ کو اپنی بساط کا سب سے بہترین یہی پتا لگا جو اس نے شعیب کی طرف اچھالا تو واقعی کچھ دیر کے لیے وہ سوچ کر رہ گیا۔ زیب تو شاید اس کے سائے سے بھی کتراتی تھی۔ وہ اسے پسند ضرور کرتا تھا مگر کبھی اس قابل نہیں جانا تھا کہ اس کے ناز اٹھائے یا اس کی نظروں میں اپنی حیثیت کو جانے وہ تو زیب کو اپنی ملکیت سمجھتا تھا۔

''مجھے زیب کی نظروں میں جھانکنے اور چہرہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ میری دسترس میں ہے جب چاہوں اپنا سکتا ہوں۔''

شعیب شاید اپنی حیثیت کے مطابق کہ وہ جس گھر میں رہتا ہے۔ وہ اس کا اپنا ہے اور زیب ان کی دست نگر ہے دوسرے الفاظ میں وہ اس کی ملکیت تھی جب چاہتا اپنا سکتا تھا۔

''خوش فہمی ہے شعیب صاحب آپ کی۔ عورت مرد کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اس کی عزت، اس کی محبت بننا پسند کرتی ہے کیا سمجھے اور پھر تم نے تو ڈانٹ پھٹکار کے علاوہ اس سے آرام سے بات ہی نہیں

کی۔ اس طرح تو اس کے دل میں تمہارے لیے نفرت ہی پیدا ہو سکتی ہے محبت یا عزت نہیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' سرے سے شعیب کی سمجھ میں صائمہ کی باتیں نہیں آ رہی تھیں کہ وہ کیا چاہتی ہے اور ان ساری باتوں کی آڑ میں کیا کہنا چاہ رہی ہے۔''

''مطلب یہ کہ اگر تم اسے پسند کرتے ہو تو اس پر توجہ دو۔''

''توجہ۔'' اس وقت صائمہ سراپا معمہ بنی کھڑی تھی اس کے سامنے۔''

''ہاں ویسی ہی توجہ جو تم اپنی دیگر گرل فرینڈز کو دیتے ہو۔ مگر چھوٹا سا سہی، تحفہ تحائف کا تبادلہ کیا کرو۔ چونکہ زیب تمہاری کزن بھی ہے اس لیے کچھ زیادہ خیال رکھا کرو۔ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ کبھی حال چال پوچھ لیا کرو۔ کبھی اظہار محبت کر دو۔ بھئی اگر اس سے شادی کرنے کا ارادہ ہے تو اس کے دل میں جگہ بناؤ'' وہ اسے مفت مشورے پر مشورہ دیے جا رہی تھی اور وہ حیران کن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بائی داوے تمہیں یہ اطلاع کس نے دی کہ میں زیب کو اس حد تک پسند کرتا ہوں کہ شادی اسی سے کروں گا۔'' شعیب نے جھینپی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں تم جیسے فلرٹی آدمی کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ باہر کی بے شمار لڑکیوں کو بے وقوف بنانے کے بعد اپنے گھر کی لڑکی خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہو، شادی اسی سے کرو گے...... اور زیب تو ہے بھی ایسی لڑکی کہ ہر کوئی اسے چاہے اور پسند کرے۔''

''حیرت کی بات ہے، کچھ عرصہ قبل تو ہزاروں عیب تھے زیب میں مگر اب وہ چاہنے اور پسند کیے جانے کے لائق کیسے ہوگئی۔'' شعیب کے معنی خیز انداز نے اسے وہ وقت یاد دلایا جب صائمہ کی مہربانیوں کا مرکز وہ خود تھا۔

''ہاں، وقت وقت کی بات ہے۔ عقل کسی وقت بھی آ سکتی ہے۔'' صائمہ نے بھی شرمندہ ہوئے بغیر ڈھٹائی سے کہا۔

''یہ تم مجھے زیب کے قریب ہونے کے لیے کیوں کہہ رہی ہو'' شعیب سینے پر ہاتھ باندھے اس کے قریب آ گیا۔

اس لیے کہ تم نے اس روز مجھے زیب سے محتاط رہنے اور بلال کے قریب ہونے کو کہا تھا۔'' صائمہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اعتماد کے ساتھ کہا اور باہر نکل گئی۔

''ہوں!'' شعیب نے پرخیال انداز میں ٹہلتے ہوئے پردے کو دیکھ کر ہوں کہا پھر کسی خیال کے تحت انیکسی میں چلا آیا۔

''ہوں تو بلال! تم یہاں ہو، مجھے اطلاع ملی تھی کہ تم میرے پاس آ رہے ہو، کافی دیر کمرے میں انتظار کرتا رہا پھر سوچا تم یہیں ہو گے اس لیے سیدھا یہیں چلا آیا۔''

شعیب نے ایک نظر میں کمرے کا جائزہ لیا اور بائیں ہاتھ میں چائے کا وہ مگ اچک لیا جو زیب، بلال کو دے رہی تھی اور دایاں ہاتھ مصافحے کے لیے بڑھا دیا۔ اس کی اچانک آمد پر بلال سمیت وہ سب کچھ پریشان سے ہو گئے۔

''ہاں۔ میں نے سوچا پہلے پھپھو کی خیریت معلوم کر لوں۔'' بلال نے فوراً بات بنائی۔ حالانکہ

وہ شنذرا کو یہ بتانے آیا تھا کہ اس کا ایڈمیشن ہو گیا ہے۔

''اچھا ہاں۔ پھپھو! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ دوا وغیرہ تو لے رہی ہیں۔ واہ، چائے یقیناً زیب نے بنائی ہو گی ذائقہ ہی بتا رہا ہے۔''

شعیب نے پہلے شگفتہ لہجے میں نسیمہ بیگم کا حال پوچھا پھر چائے کے سپ لیتا ہوا زیب کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کا یوں انیکسی میں چلے آنا اس طرح بات کرنا۔ وہ سب سمجھ رہے تھے۔ زیب تو اندر ہی اندر دہل رہی تھی کہ اب وہ اسے نجانے کتنے تیروں کا نشانہ بنائے۔ نسیمہ بیگم الگ خوفزدہ تھیں۔ شعیب کی فطرت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔

''ٹھیک ہوں شوبی بیٹا! تم بتاؤ، کوئی کام تھا۔''

''کام۔ جی کام تھا زیب سے۔''

وہ بار بار زیب کو گہری نظروں سے دیکھ بھی رہا تھا اور اس کا نام بھی لے رہا تھا۔ بلال کے لیے ایسی سچویشن اذیت ناک ہو جایا کرتی تھی جب شعیب، زیب پر اپنا حق دھونس کے انداز میں جتاتا۔

''زیب! تم فارغ ہو؟'' اب وہ براہ راست زیب سے مخاطب تھا۔

''جی میں تو ہر وقت فارغ ہی ہوتی ہوں۔'' زیب کا لہجہ ہلکا سا طنز لیے ہوئے تھا۔

''تو ایک کام کرو پلیز، یہ میری شرٹ ہے۔ اس کے بٹن دھوبی نے توڑ دیے ہیں۔ انہیں ابھی لگا دو پلیز۔''

عام معمول سے ہٹ کر انتہائی دوستانہ اور نرم لہجے میں اس نے زیب کے سامنے وہ شرٹ بڑھا دی جس کے بٹن وہ پہلے بھی ٹانک چکی تھی مگر وہ بولی کچھ نہیں۔ اس کے رویے اور بدلتے ہوئے لب و لہجے کے بارے میں سوچتے ہوئے شرٹ پکڑ لی۔ وہ تو اس کے...... تحکمانہ لب و لہجے کی عادی تھی۔ آج لہجے میں جانے کہاں سے شیرینیاں بھر لایا تھا۔

''اور ہاں اس کے بٹن میرے کمرے میں الماری کی دراز میں ہیں۔ جاؤ ذرا جلدی اور ہاں اس کے بعد ذرا پانی گرم کر کے واش روم میں رکھ دینا، گیزر جانے کب ٹھیک ہو گا اور وہ میری بلیک پینٹ پر استری بھی کر دینا۔''

شعیب نے ایک سانس میں اس پر اپنی حاکمیت ثابت کرتے ہوئے اتنے کام بتا دیے کہ بلال کی موجودگی تک وہ اس کے سامنے نہ آ سکے۔ بلال کے لیے یہ سب برداشت سے باہر تھا مگر مجبور تھا۔ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ضبط کر کے بیٹھا رہا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شعیب یہ سب کیوں کر رہا ہے۔

''ہاں شنذرا! میں تمہیں یہ بتانے آیا تھا تمہارا ایڈمیشن ہو گیا ہے اور بیس تاریخ سے کلاسز شروع ہو جائیں گی۔ یہ تمہارے کاغذات ہیں۔''

بلال، نہیں جانتا تھا کہ وہ شعیب کے سامنے بات کر کے ایک بڑے ہنگامے کی بنیاد ڈال رہا ہے۔

''ایڈمیشن، کہاں لیا ہے تم نے ایڈمیشن؟''

شعیب جو کچھ دیر قبل بہت بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ ایک دم پرانی روش پر آ گیا اور انتہائی تیکھی نظروں سے اس نے شنذرا کو دیکھا، جو واقعی سہم گئی تھی اور بلال کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا کہ اسے

شعیب کے سامنے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔

"وہ شوبی بھیا! ہومیو پیتھک کالج میں۔" اس نے دبی دبی آواز میں بتایا۔

"کیا ضرورت تھی اس کی؟" شعیب نے قہر آلود نظروں سے شنذرا کو دیکھا۔

"ہاں۔" میں نے بھی یہ ہی کہا تھا کہ ضرورت ہی کیا ہے مگر تم اس کی ضدی فطرت سے واقف ہو۔ اس روز بلال کے سامنے تذکرہ ہوا تو اس نے ایڈمیشن ہی کروا دیا۔"

نسیمہ بیگم آنے والے وقت کے خوف سے آہستگی سے وضاحت کرنے لگیں۔

"ضرورت کیوں نہیں پھپھو! آپ کو پتا ہے ناں زمانے کے حالات اور فی زمانہ ہر لڑکی کے ہاتھ میں ایسی ڈگری ضروری ہے جو کسی بھی آڑے وقت میں اس کے کام آ سکے۔ اچھے برے وقت کا کچھ پتا تو نہیں ہوتا کہ کب آ جائے۔ اس لیے انسان کو ہر وقت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ شنذرا نے تو مجھ سے صرف انفارمیشن لانے کو کہا تھا۔ اتفاق سے ایڈمیشن کھلے ہوئے تھے۔ میں نے کروا دیا۔ اس میں حرج ہی کیا ہے۔ شنذرا میری بھی بہن ہے۔"

بلال ساری صورتحال سمجھ گیا تھا۔ اس لیے اس نے بڑے مناسب الفاظ میں ایڈمیشن کی کہانی سنا دی۔ شعیب نے کچھ نہیں کہا۔ وہاں سے اٹھ گیا پھر شنذرا کے اس ایڈمیشن نے اچھے خاصے ہنگامے کی شکل اختیار کر لی تھی۔

"نسیمہ! کچھ تو بھائیوں کی عزت کا خیال کر لیا کرو۔"

نسیمہ بیگم شنذرا سمیت صاحب اقتدار کی عدالت میں مجرم بن کر کھڑی تھیں۔

"نسیمہ باجی! کیا کیا باتیں نہ بنائیں گے لوگ کہ سگے بھائیوں نے شاید تنگ رکھا ہوا ہے تب ہی دوسرے رشتے داروں سے مدد لیتی ہیں ماں بیٹیاں، ظہیر بھائی کیا سوچیں گے کہ ہم آپ لوگوں کی ضروریات پوری نہیں کرتے" مشتاق احمد کو تو غصہ نکالنے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔

"نجانے کیا کچھ لیتی دیتی رہتی ہیں۔ کیا عزت رہ گئی ہے ہماری رابعہ بھابی کی نظروں میں۔ کل کو ہم نے وہاں بیٹیاں دینی ہیں۔ نسیمہ باجی! کچھ تو خیال کر لیا کریں۔"

زاہدہ بیگم نے زہرخند لہجے میں کہا۔ نسیمہ بیگم تو یوں مجرم بنی ہوئی تھیں جیسے واقعی ان سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو گیا ہے۔

"خدا گواہ ہے بھائی! کہ آپ سب کی عزت ہی میری عزت ہے۔ خدا کی گواہی کے بعد بھی تم لوگوں کو یقین نہ آئے تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ کہ میں نے آج تک ظہیر بھائی اور رابعہ بھابی سے کچھ نہیں کہا اور جب تم لوگ میری ہر خواہش، ضرورت پوری کرتے ہو تو مجھے کسی اور سے کہنے کی کیا ضرورت ہے اور جہاں تک اس کے ایڈمیشن کا سوال ہے تو اس نے بلال سے صرف انفارمیشن لانے کو کہا تھا، اس نے ایڈمیشن ہی کروا دیا۔"

"جی پھپھو! یہ تو آپ درست کہہ رہی ہیں کہ بلال کو تو موقع ملنا چاہیے آگے بڑھنے کا۔ پھپھو اس کی مہربانیوں کا مطلب میں اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ جو وہ چاہتا ہے وہ کبھی نہیں ہو سکتا اس لیے آپ محتاط رہیے اور شنذرا! خبردار جو تم کالج گئیں۔"

شعیب نے زہریلی سی نگاہ زیب پر ڈالی اور پھر شنذرا کو حکم صادر کر دیا۔ کالج نہ جانے کا۔ شنذرا

مارے غم و غصے کے سر سے پیر تک تپ گئی۔ شدت ضبط سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر نسیمہ بیگم نے اس کا ہاتھ اتنی سختی سے دبا کر خاموش رہنے کو کہا کہ اس کے اندر کا لاوا اندر ہی اندر کھول کر اسے ختم کرنے لگا۔ جب وہ دونوں ماں بیٹی باہر نکل رہی تھیں۔ اسی وقت شوکت صاحب اندر داخل ہوئے۔ ماحول اور سب کے چہرے پر لکھی تحریریں بتا رہی تھیں کہ کچھ ہوا ہے، ان کے استفسار پر آسیہ بیگم نے صورتحال سے آگاہ کیا۔

"آپ کی بہن اور بھانجیوں نے گویا، ذلیل کر کے رکھ دیا ہے ظہیر بھائی اور بھابی کے سامنے۔" آسیہ بیگم کو تو سدا کی چڑ تھی۔ بس موقع ملنا چاہیے تھا۔ نسیمہ بیگم نے مزید وضاحت فضول سمجھی، خاموش رہیں۔

"ہونہہ! ایسی کیا قیامت آ گئی ہے۔ ظہیر بھائی کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ اگر انہوں نے کچھ کر دیا ہو تو، رشتے میں بھائی ہیں۔ حق ہے ان کا اور اگر بات صرف ایڈمیشن کی ہے تو اس کے لیے میں نے بلال سے کہا تھا اور اس کے لیے میں نے شنذرا سے پیسے بھی دیے تھے۔

"آپ نے؟"

شوکت صاحب کے اس غیر متوقع اعتراف پر ماحول پر سناٹا سا چھا گیا۔ کچھ کے چہروں پر خفگی اور کچھ کے چہروں پر ہلکی سی ندامت بھی چھائی مگر شنذرا اور نسیمہ بیگم کے چہرے ایک دم کھل اٹھے تھے۔ یوں جیسے بھری عدالت میں شوکت صاحب کی گواہی نے ان کو بے گناہ ثابت کر دیا ہو۔

"جی ہاں! میں نے۔"

شوکت صاحب شنذرا کو عظمت کی بلندی پر نظر آئے۔ وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"ہاں بیٹے! اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ تمہارا شوق ہے اور میں تمہارا کوئی شوق ادھورا کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔"

"ماموں جان! ماموں جان! شنذرا ان سے لپٹ گئی اور جتنے ضبط کیے ہوئے آنسو تھے وہ شوکت صاحب کے سینے میں جذب ہو گئے۔ نسیمہ بیگم کا رواں رواں اس بھائی کو دعائیں دینے لگا جس کو خدا تعالیٰ نے ان کی ڈھال بنایا تھا۔

"ہونہہ! یہ شخص تو تمام عمر بہن کو ہی پالے گا اور ہم پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں کہ خرچ کم کرو۔ ضروریات مت بڑھاؤ۔"

آسیہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی کچن میں آ گئیں۔

"لو بھیا! حد ہو گئی۔ یہ شوکت بھیا تو ہمیں اور ہماری اولاد کو بے دخل کرتے جا رہے ہیں۔ فائزہ اور صائمہ نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا تو انہوں نے فوراً اعتراض کیا کہ کیا ضرورت ہے مزید پڑھنے کی اور اس چھیتی کو بتائے بغیر ایڈمیشن دلوا دیا۔"

زاہدہ بیگم بھی تپی ہوئی وہاں سے اٹھ گئیں۔ شوکت صاحب کے اس اقدام پر سب ہی بھرے بیٹھے تھے۔ خاص کر اسد اس بات کو بہت اچھال رہا تھا۔

"بھئی۔ اب تو ہومیو پیتھی کی دنیا میں انقلاب آ جائے گا۔ ڈاکٹر شنذرا مراد ایسی ایسی دوائیں، ایسے ایسے علاج ایجاد اور دریافت کریں گی کہ شرح اموات بڑھ جائے گی۔ کیوں ہومیو ڈاکٹر شنذرا مراد؟"

وہ کٹیلے لہجے میں بولتا ہوا بڑی چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''طب کی دنیا میں تو انقلاب آئے یا نہ آئے لیکن خدا نے چاہا تو تمہاری زندگی میں انقلاب ضرور لاؤں گی ڈاکٹر اسد مشتاق'' شذرا نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

''اچھا زیادہ مت بولا کرو۔ جاؤ، فرخ کو بھیجو۔''

اسد نے انتہائی برے انداز میں کہا اور فرخ کو بھیجنے کا حکم دیا۔

''وہ ہرگز نہیں آ سکتا۔''

''کیوں اس کے پیروں میں مہندی لگی ہے۔'' اسد کاؤچ پر نیم دراز ہوتا ہوا بولا۔

''کل اس کا انگلش کا پیپر ہے اور وہ پڑھ رہا ہے۔'' شذرا کہہ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی۔

''اوہو بھیجو اسے، میٹرک پاس کر کے اس نے کوتوال نہیں بن جانا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے اسے میٹرک کی۔ میں اسے کوئی نوکری دلا دوں گا۔ یا کسی ورکشاپ پر بٹھا دوں گا۔ چار پیسے لے کر آئے گا۔ آخر کب تک تم لوگ ہمارے سروں پر سوار رہو گے۔''

شذرا کو چڑانے میں جانے کیوں اسے مزہ آتا تھا اور اس وقت بھی وہ اسے تنگ کرنے کے موڈ میں تھا۔

''تم...... اسد مشتاق! اول درجے کے ذلیل، کم ظرف انسان ہو۔ ورکشاپ میں کام کرو تم۔ لوگوں کی جوتیاں پالش کرو تم، میرا بھائی انشاءاللہ کوتوال شہر ہی بنے گا۔ میرا اللہ پاک اسے اتنا بڑا آفیسر بنائے گا کہ تم جیسے پانی بھریں گے اس کے آگے۔'' شذرا کی آنکھوں سے گویا شعلے برس رہے تھے۔

''ہیں۔ ہیں لڑکی کیا زبان کے آگے خندق ہے۔ ذرا لحاظ شرم نہیں تمہیں۔ ایک ہی میرا بچہ ہے۔ ڈائن اسے ہی ہر وقت چمٹی رہتی ہے۔ وہی بات کہ نیکی برباد گناہ لازم۔''

زاہدہ بیگم نے شذرا کو جو اسد سے الجھتے دیکھا تو فوراً لپکیں اور دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع شذرا نے خود ہی فراہم کر دیا۔

''مامی! آپ اسد سے بھی تو پوچھیں۔ اس نے کیا بات کی ہے۔'' وہ ایک دم ہی روہانسی ہو گئی۔

''کوئی کوئی نہیں ماری ہو گی تمہیں اور اسد چاند تمہیں کتنی بار منع کیا ہے کہ اس چڑیل کے منہ نہ لگا کرو۔ بدلحاظ۔ احسان فراموش۔''

''شذرا! شذرا نے جواب کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ زیب نے زور سے پکارا۔ ''تم واقعی بدلحاظ اور احسان فراموش ہو۔ اتنے احسانات ہیں ہمارے ماموؤں کے کہ یہ لوگ جان بھی مانگیں تو حاضر ہے اور تم......''

زیب کو آج شذرا پر واقعی غصہ آیا تھا جسے خود پر ذرا بھی کنٹرول نہیں تھا۔

''اس میں اس کا بھی اتنا قصور نہیں زیب یہ ساری کمزوری تمہاری ماں کی ہے جو اس کی ہر جا و بے جا ضد یوں پوری کرتی ہیں گویا اکلوتی ہے اگر اس کی خودسری کا یہ حال رہا تو جانے کیا دیکھنا پڑے۔''

''چھوڑیں امی! کس فضول موضوع پر بحث کر رہی ہیں۔ ہما اور صبا سے کہہ دیں کہ تیار ہو جائیں۔ انکل ظہیر کے ہاں جانا ہے۔ ندا کی برتھ ڈے ہے۔''

اسد نے دانستہ ماں کو ٹوک دیا ورنہ تو آج ان کا لمبا پروگرام تھا شذرا کی کھنچائی کرنے اور احسانات جتانے کا۔

''ہائیں ندا کی برتھ ڈے ہے اور گھر میں کسی کو خبر بھی نہیں۔''

صائمہ کے کان فوراً کھڑے ہو گئے۔ ندا کی برتھ ڈے کا سن کر۔

''یہ خبر گھر والوں کے لیے ہے بھی نہیں صائمہ آپی! اس لیے کہ ندا سلیبریٹ نہیں کر رہی۔ یوں ہی فون کر دیا تھا کہ صبا، ہما کو لے کر آ جانا۔ ہلا گلا کر لیں گے۔''

وہ شذرا اور صدف کا نام حذف کر گیا حالانکہ ندا نے شذرا اور صدف کے لیے اصرار کے ساتھ کہا تھا۔

''ارے واہ! میں تو ضرور جاؤں گی۔ اچھا سا گفٹ بھی دوں گی ندا کو۔'' صائمہ کو آگے بڑھنے کے تمام راستے معلوم تھے۔

''ہاں۔ ہاں اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ ذرا تفریح ہو جائے گی اور صائمہ وہ سوٹ جو میں تمہارے لیے لائی تھی ناں۔ وہ لے جاؤ اپنی طرف سے ندا کے لیے۔''

شذرا اور زیب وہاں سے جا چکی تھیں کیونکہ ان سب کی توجہ ندا کے برتھ ڈے پر ہو گئی تھی۔

''فائزہ! تمہیں معلوم ہے کہ آج ندا کی برتھ ڈے ہے؟''

صائمہ سمجھ رہی تھی کہ یہ خبر صرف اسے ہی معلوم ہے فائزہ نے ایک عجیب سی نظر اس پر ڈالی اور ایک انداز تفاخر سے بولی۔

''جی ہاں، مجھے کل ہی آنٹی نے فون پر بتا دیا تھا کہ ندا کی برتھ ڈے ہے اور میں ضرور آؤں۔''

''اچھا تم کیا گفٹ کر رہی ہو ندا کو۔''

صائمہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کیا دے رہی ہے۔ پھر اسی حساب سے وہ بھی فیصلہ کرے۔

''ندا کو میری یہ رنگ بہت پسند ہے۔ سوچ رہی ہوں یہ ہی گفٹ کر دوں۔''

فائزہ نے اپنے بائیں ہاتھ کی انگلی میں خوبصورت اور نازک سی رنگ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جو خود اسے بھی بہت پسند تھی اور اس کے خوبصورت ہاتھ پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔

صائمہ تو سوچ میں پڑ گئی کہ کہاں تین سو کا معمولی سوٹ اور کہاں یہ قیمتی رنگ۔ اہمیت تو فائزہ کی بڑھے گی اور اس نے اپنے رنگ کی طرف دیکھا۔

''نہیں میرا کوئی دماغ خراب ہے کہ حتمی بات سے قبل خود کو لٹاتی پھروں۔''

صائمہ دل سے نہیں دماغ سے سوچتی تھی۔ اپنی ماں کی طرح اور اس وقت بھی اس نے فوراً دماغ کا کہا مان لیا۔

''اچھا میں تو سوٹ لے کر جا رہی ہوں اس کے لیے''؟

یہ فنکشن خالصتاً بچوں کا تھا اس لیے بڑوں نے کوئی دخل نہیں دیا۔ خاندان کے سارے بچے جمع تھے۔ ظہیر صاحب کی خواہش تھی کہ زیب وغیرہ بھی ہوتیں مگر دونوں میاں بیوی ان کی حیثیت اس گھر میں

جانتے تھے اس لیے انہوں نے ان کا نام بھی نہیں لیا۔

صائمہ اور فائزہ مقابلے پر تیار ہوئی تھیں اور دونوں اچھی لگ رہی تھیں۔ صائمہ کو ذرا اپنے رنگ کا احساس تھا اور یہ کمی وہ ہونے والے سسرال والوں کے سامنے اخلاق سے پوری کر رہی تھی۔

''واہ ندا! تمہاری بر تھ ڈے پہلے تو کبھی اتنی رنگین نہیں ہوئی جتنی اب ہے۔''

طلال نے کچھ شوخ اور کچھ معنی خیز لہجے میں فائزہ اور صائمہ کی بھرپور تیاری کو دیکھتے ہوئے کہا۔ طلال بھرپور انداز میں اس خوشی میں شریک تھا جبکہ بلال خاصا چپ چپ تھا۔ فائزہ تو اپنے حسن کے غرور میں طلال کے سامنے ادائیں دکھا رہی تھی جبکہ صائمہ، رابعہ بیگم کے ساتھ کاموں میں لگی ہوئی تھی۔

''ارے آنٹی! کچن میں کباب بناتی ہوں۔ میں آ گئی ہوں آپ بس اب آرام کریں۔ میں سب سنبھال لوں گی۔'' اس نے اپنا جھلملاتا دوپٹا ایک طرف رکھ دیا اور اپنی تیاری کا خیال کیے بغیر رابعہ بیگم کو کرسی پر بٹھا کر کاموں میں جت گئی کیونکہ یہ امی کی ہدایت تھی۔ ساس کے دل میں اترنا ہے تو اس کے ہاتھوں سے کام چھین کر خود لگ جاؤ۔''

''جیتی رہو بیٹی! میں ذرا اندر کی خبر لوں۔ کیا ہو رہا ہے۔''

رابعہ بیگم اٹھ کر باہر آ گئیں۔

''امی۔ امی جان'' بلال، امی کو پکارتا ہوا کچن میں آیا۔

''اوہ!'' وہ صائمہ کو دیکھ کر، واپس پلٹنے لگا۔

''بلال، کیا بات ہے، آنٹی کو میں نے آرام کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ سب ہو رہے ہیں تو پھر وہ کام کیوں کریں۔ آپ مجھے بتائیے۔ کیا کام ہے۔''

صائمہ نے دوپٹا شانوں پر پھیلاتے ہوئے جلدی سے کہا تو بلال کا دل چاہا کہہ دے نسیمہ پھپھو بھی تو بزرگ ہیں وہ بھی تو تھک جاتی ہیں ان کو بھی آرام کی ضرورت ہے۔ مگر ان کے آرام کا تو کبھی تم نے خیال نہیں رکھا۔ اپنی ماں سے اس کی ہمدردی کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اپنے گھر میں تو ہل کر پانی پینا بھی دشوار ہوتا ہے۔

''نہیں تھینکس۔ کوئی کام نہیں۔ بات کرنی تھی۔''

وہ بے رخی سے اسے دیکھے بغیر آگے بڑھ گیا۔

''ہونہہ۔ بلال احمد! میں سب جانتی ہوں۔ اگر میری جگہ یہاں زیب ہوتی نا پھر تو کچن سے چپک جاتے مگر یاد رکھو بلال، شعیب میری حماقت تھا اور تم میری چاہت ہو اور آسانی سے میں تمہیں اس چڑیل زیب کا ہونے نہیں دوں گی۔''

صائمہ نے زہریلی سوچوں کے ساتھ کباب فرائی پین میں رکھا مگر اس طرح کہ گرم گرم گھی اس کی انگلی جلا گیا مگر یہ جلن زیب سے حسد کی جلن سے کہیں کم تھی۔

''چلو بھئی ندا! اب کیک کو قربان کر ڈالو۔ بار بار منہ میں پانی آ رہا ہے۔'' منیب نے کیک کو للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ لو ٹشو۔ رال صاف کرو۔ کیوں ہونے والی سسرال والوں کی نظروں سے گرنا ہے۔ پتا ہے اس وقت کیا لگ رہے ہو۔''

ظہیر صاحب کا گھرانہ ان سب کے لیے آئیڈیل گھرانہ تھا۔ اسی لیے کچھ رشتے تو والدین نے اپنے طور پر اس گھرانے سے وابستہ کر لیے تھے اور خود بچوں نے خود جوڑ لیے تھے۔ منیب کو ندا بہت پسند تھی اور یہ بات صرف اسد کو معلوم تھی۔

''میرا خیال ہے ندا کیک کاٹ ڈالو۔ مجھے ایک دوست سے ملنے جانا ہے۔''

طلال کو سعد کے والد نے بلایا تھا اسے فوراً جانا تھا اور اسی لیے وہ خاص طور پر تیار ہو کر آیا تھا۔ سفید کلف شدہ شلوار سوٹ میں بہت اچھا لگ رہا تھا۔ فائزہ نے توصیفی نظروں سے طلال کو دیکھا اور دل میں سراہا بھی مگر خود اپنے سراپے پر نگاہ ڈال کر سوچا کہ میں کوئی اس سے کم ہوں جو اس کی تعریف کروں یا پیچھے جاؤں۔ وہ اس دوست کے بارے میں یہ ضرور سوچ کر رہ گئی جس کے لیے اتنا اہتمام ہوا تھا اور وہ اتنی اہم تقریب کہ جس میں وہ شریک تھی، چھوڑ کر جا رہا تھا۔

''بلال بھائی! آپ کا فون ہے۔ انکل شوکت آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' جمال نے آ کر بتایا تو بلال فوراً اٹھ کر آ گیا۔

''السلام علیکم۔''

''جیتے رہو بیٹے! یہ بتاؤ کہ کوئی آس پاس تو نہیں؟''

''آس پاس تو سب ہیں۔ خیریت تو ہے ناں۔ چلئے میں فون کمرے میں لے جاتا ہوں، وہاں بات کرتے ہیں۔'' بلال اسی وقت فون اٹھا کر کمرے میں آ گیا۔

''بلال میاں! میں تمہارے نام پر ایک جھوٹ بول چکا ہوں اور تمہاری فرمانبرداری سے امید رکھتا ہوں کہ تم میرے اس جھوٹ کا بھرم رکھو گے۔''

''انکل میں کچھ سمجھا نہیں۔'' وہ الجھ گیا۔

''بیٹا! تم نے شنذرا کا ایڈمیشن کرایا ہے ناں۔ اس پر ان ماں بیٹیوں کی شامت آئی ہوئی تھی کہ انہوں نے تم سے مدد لے کر ان کی ناک کٹوائی ہے۔ میں نے عین وقت پر کہہ دیا کہ شنذرا کے ایڈمیشن کے لیے میں نے بلال کو کہا تھا۔ تب کہیں جا کر ان کی جان بخشی ہوئی۔ میں نے تمہیں اس لیے انفارم کر دیا ہے کہ اگر بات نکل آئے تو تم سنبھال لینا۔ گھر والے تو میرے ہیں سب مگر بہت کم ظرف ہیں۔ بس بیٹا! میرے اس جھوٹ کا بھرم رکھ لینا۔''

شوکت صاحب بات تو کر چکے تھے مگر اب خوفزدہ تھے کہ اگر حقیقت معلوم ہو گئی تو ان کا اعتبار تو اٹھ ہی جائے گا۔ ان بے چاریوں کی شامت پھر آ جائے گی۔

''یہ آپ نے بہت اچھا کیا انکل کہ مجھے بتا دیا۔ اس روز شعیب بھی بہت خفا ہو رہا تھا اس بات پر کہ یہ ایڈمیشن میں نے کیوں کروایا ہے۔ نسیمہ پھپھو اور شنذرا وغیرہ سے۔ ہمارا بھی تو تعلق ہے۔ اگر ہم ان کے لیے کچھ کرتے ہیں تو سب لوگوں کو اعتراض کیوں ہوتا ہے؟''

بلال کو بھی اس بات کا غصہ تھا۔ اس نے بھی شکایت کر دی۔

''بس بیٹا! یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہماری آزمائش ہے جس پر ہم پورے نہیں اتر پا رہے۔ تمہاری پھپھو آسیہ تو خصوصاً۔ خیر تم لوگ انجوائے کرو۔ میں بور نہیں کروں گا۔ اچھا بیٹا ندا کو میری طرف سے دعائیں دینا۔ خدا حافظ۔''

بلال نے غصے سے صائمہ کو دیکھا جو سب کے سامنے بچھی جا رہی تھی۔ بلال کچھ دیر سوچتا رہا پھر اس نے نمبر ملایا کہ شاید زیب سے بات ہو جائے اور پھر واقعی جذبوں کی صداقت رنگ لگائی۔ فون ریسیو کرنے والی زیب ہی تھی۔

"ہیلو زیب! کیسی ہو؟"

"آپ۔"

"ہاں زیب! میں بلال ہوں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ تم لوگ کیوں نہیں آئے لیکن اگر آ جاتے تو...... خیر بتاؤ شعیب تو گھر پر نہیں؟"

"ہیں تو گھر پر مگر لان میں کسی دوست کے پاس بیٹھے ہیں۔ آپ جلدی کریں۔ مجھے چائے تیار کرنی ہے، ندا کو میری طرف سے مبارکباد دے دیجیے گا اور۔"

اس سے قبل کہ اس کی بات مکمل ہوتی۔ ریسیور شعیب سنبھال چکا تھا۔

"ہیلو۔ زیب۔ ہیلو زیب سنو کہاں چلی گئیں زیب؟" بلال مسلسل زیب زیب پکار رہا تھا۔

"ہوں تو یہ سلسلہ بھی ہے زیب مراد!"

ریسیور کریڈل پر پٹخ کر شعیب نے قہربار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا...... جس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ یہ تو پہلا اتفاق ہوا تھا کہ بلال کا فون اس نے ریسیور کر لیا۔ وہ اس سلسلے کا کیا جواب دیتی۔ مگر وہ تو اسے مشکوک نظروں سے دیکھتا، تفتیشی انداز اپنائے ظالم تھانیدار لگ رہا تھا۔ اس کے لیے اپنے قدموں پر کھڑا ہونا مشکل ہو رہا تھا۔

"شعیب بھائی! یہ محض اتفاق ہے پہلا اتفاق کہ......"

احساس توہین سے اس کی آواز بھرا گئی۔ اسے یقین تھا کہ اسے اس کی سچائی پر ہرگز اعتبار نہیں آئے گا۔

"یہ ایسے اتفاقات تم دونوں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں کیوں؟ میرے سامنے جھوٹ بولنے کی کوشش مت کرو زیب! یہ بتاؤ یہ سلسلہ کب سے جاری ہے۔" شعیب نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

"خدا گواہ ہے شعیب بھائی! یہ محض اتفاق تھا۔ اس سے پہلے نہ انہوں نے کیا اور نہ میں نے وہ ذلت کے احساس کے ساتھ رو پڑی۔

"ہونہہ! بلال کو تو بہت اچھی طرح جانتا ہوں میں اور اس معصومیت کے پیچھے تمہارے کیا عزائم ہیں۔ یہ بھی خوب اچھی طرح جانتا ہوں مگر یاد رکھو۔ میں تم دونوں کو کامیاب ہونے نہیں دوں گا۔" شعیب غصے میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔

چھوڑیں مجھے۔ ہم بدنصیبی کے تحت آپ لوگوں کے دست نگر ضرور ہیں شعیب بھائی! مگر اپنی غیرت اور خودداری نہیں بیچی آپ کے ہاتھوں کہ آپ یوں میری کردار کشی کریں۔ آپ کو کوئی حق نہیں اس انداز میں میرے بارے میں سوچنے کا۔"

وہ بھی انسان تھی۔ کہاں تک برداشت کرتی۔ وہ اس پر ظلم چلا کر وقت بے وقت کام کرا سکتا تھا۔ وہ اسے برا نہیں لگتا تھا مگر یوں وہ اس کے کردار کی دھجیاں بکھیرے، یہ حق وہ اس کو نہیں دے سکتی

تھی۔

"واہ کیا بات نکالی ہے۔ تمہارے گن تو اب سامنے آ رہے ہیں۔ کان کھول کر سن لو۔ یہ زبان جو بلال نے لگائی ہے میں کاٹ بھی سکتا ہوں۔ رہا سوال حق کا تو۔ تو یاد رکھو کہ آنے والے وقت میں تم پر صرف میرا ہی حق ہو گا۔ سمجھیں اور میری اور تمہاری منگنی میں بلال کو شرکت کی دعوت بھی تم ہی دو گی۔ اس کا خیال دل سے نکال دو اور جاؤ چائے بناؤ۔"

شعیب نے اسے جھٹکے کے ساتھ چھوڑ دیا۔ اتنی توہین اتنی ذلت، اتنا شک، اتنی تحقیر کے ساتھ اپنی حاکمیت کی مہر ثبت کر دی تو وہ بے دم ہو کر صوفے پر گر گئی۔ بے بنیاد الزام، منگنی، اف میرے خدا، یہ کیسی آزمائش ہے کہ ختم ہونے کے بجائے عمر قید میں ڈھل جائے گی۔ نہیں، میرے خدایا میری مدد فرما۔" وہ بے حال ہوئے جا رہی تھی۔ ایک عجیب طرح کے کرب نے آ گھیرا تھا۔ بات ہی ایسی تھی کہ وہ بے حوصلہ ہو رہی تھی ورنہ وہ تو اپنی ماں کی طرح صابر، پہاڑ جیسا حوصلہ رکھنے والی تھی۔

"باجی، کیا ہوا ہے آپ کو؟"

شذرا نے یوں زیب کو دیکھا تو تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔ کیا ستم تھا کہ وہ اپنی بہن کو زخم بھی نہیں دکھا سکتی تھی جو ابھی ابھی شعیب لگا کر گیا تھا۔

"بتاؤ ناں۔ باجی کیا ہوا ہے؟" شذرا نے اپنے آنچل سے اس کے آنسو پونچھے۔

"کچھ نہیں شذو، جو ہونا تھا وہ ہمارے باپ کی موت اور بھائی کی گمشدگی کے ساتھ ہی ہو چکا ہے۔ اب کیا ہونا ہے۔" وہ شذرا کو ہوا بھی لگنے دینا نہیں چاہتی تھی ورنہ تو وہ ہنگامہ کر دیتی۔ شذرا کو کبھی انجام کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ وہ بس پھٹ پڑتی تھی اور زیب کو اسی بات کا خوف تھا۔

"باجی! نہ تو ابو کی موت نیا حادثہ ہے اور نہ بھائی کی گمشدگی نیا سانحہ کہ آپ یوں بے حال ہوں۔ نئی کیا بات ہوئی ہے؟" شذرا کو بہلانا بھی آسان بات نہیں تھی۔

"کچھ نہیں شذو! شعیب سے تلخ کلامی ہو گئی۔ چائے بنانے میں ذرا دیر ہو گئی تو؟۔" وہ بڑی مشکل سے آنسوؤں کے سیلاب کو روک پائی۔

"یہ شعیب اور اسد تو کمینی فطرت کے مالک ہیں۔ آپ کیوں اتنا اثر لے رہی ہیں۔ بھاڑ میں جائیں یہ سب۔ صرف بڑے ماموں کو نکال کر۔ آپ جا کر آرام کریں۔ چائے میں بنا دیتی ہوں۔ کاش کہ زہر ملا سکوں۔"

زیب کے منع کرنے کے باوجود شذرا نے اسے بھیج دیا اور خود چائے بنانے کچن میں آ گئی۔

☆......☆......☆

"آمنہ باجی! کچن میں سامان ختم ہو گیا ہے۔ بڑی بیگم صاحبہ نے کہا ہے کہ آپ آج ہی جا کر لے آئیں۔ آپ تیار ہو جائیں میں ڈرائیور سے کہتا ہوں گاڑی نکالے۔"

آمنہ کچھ دیر کے لیے آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اشرف لسٹ ہاتھ میں تھامے اسے تیار ہونے کا کہنے آ گیا۔ آمنہ کو ایک دم ہی تاؤ آ گیا۔

"تمہیں کوئی ضرورت نہیں اتنی کارکردگی دکھانے کی مجھے معلوم ہے کب کیا کرنا ہے۔ اب ملازم بھی حکم دیا کریں گے ہمیں۔"

"ریلیکس..... آمنہ ریلیکس۔ کیا ہو گیا ہے، ایسے بات کرتے ہیں۔ اشرف! تم جاؤ۔ آمنہ کی طبیعت آج اچھی نہیں۔ فی الحال تم ہی لے آؤ۔"

فاطمہ کو آمنہ کا رویہ ملازم کے ساتھ اچھا نہیں لگا۔ وہ بھی اپنے ساتھ پلے بڑھے ملازم کے ساتھ۔ اشرف اپنا سامنہ لے کر نیچے آ گیا۔

"آمنہ! یہ انتہائی غلط بات ہے۔ ملازم بھی انسان ہوتے ہیں۔"

"ہمارے علاوہ سب انسان ہیں باجی اس دنیا میں۔ مگر وہ ملازم ہے تو ہم کیا ہیں۔ ہماری کیا حیثیت ہے اس گھر میں۔ کسی ملازم سے کم نہیں۔ ملازمائیں وہ بھی مفت کی، ارے بابا! ہمارے والدین کو کیا فکر ہے۔ گھر میں بیٹیوں کی صورت میں ملازمائیں موجود ہیں نہ لینا نہ دینا۔ کچھ نہیں کرنا مجھے، کہہ دو جا کر مما سے اپنا گھر خود سنبھالیں۔"

آمنہ پر پورے گھر کی ذمہ داری تھی۔ فاطمہ اور آمنہ نے تو گھر کو سنبھال رکھا تھا یوں کہ مما پپا کو گھر کی طرف سے کوئی فکر تھی ہی نہیں مگر آج آمنہ کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ اسی لیے اس نے اشرف کو ڈانٹ دیا۔

آمنہ! ایسے نہیں کہتے۔ یہ گھر ہمارا ہے ہم سب کا ہے۔ ہمیں ہی اس کا خیال رکھنا ہے۔ ہنس کر بھی اور رو کر بھی تو پھر کیوں نہ ہنسی خوشی ہر کام ہو اور زندگی کا سفر آسان ہو جائے۔

فاطمہ آمنہ کو اپنے مخصوص، نرمی بھرے لہجے میں سمجھانے لگی۔

"پلیز باجی! مت بہلایا کرو ایسی باتوں سے خود کو اور مجھے۔ ہمارا کوئی گھر نہیں۔ کوئی نہیں۔ کسی خوش فہمی میں مت رہو۔ یہاں ہماری حیثیت ملازم سے بھی بدتر ہے۔"

"فاطمہ، آمنہ بھئی کیا ہو رہا ہے اندر۔"

آمنہ نہ جانے کب تک اپنا غصہ نکالتی کہ باہر سے راحیل کے بولنے کی آواز آئی۔

"آمنہ فار گاڈ سیک۔ راحیل بھائی کے سامنے کچھ نہ کہنا۔ اتنا لمبا لیکچر دیتے ہیں کہ چلو شاباش موڈ درست کرو، جب اپنی قسمت ہی ایسی ہے تو۔ راحیل بھیا آ جائیے۔ ہم لوگ ذرا سیاست پر بات کر رہے تھے۔ آئیں آپ اندر آ جائیں، کوئی کام تھا؟" فاطمہ نے اٹھ کر جلدی سے دروازہ کھولا اور زبردستی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے وضاحتی بیان دیا۔

"ہاں میں یہ کہنے آیا تھا کہ۔ یہ آمنہ کا موڈ کیوں آف ہے؟"

راحیل اپنی بات کہتے کہتے آمنہ کے موڈ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ آمنہ ہنوز خاموش رہی۔

"نہیں تو بھیا! موڈ آف کیوں ہونا ہے۔ اس کے سر میں درد ہے۔ آمنہ میں ابھی ڈسپرین لے کر آتی ہوں۔"

فاطمہ نے آمنہ کو زبردستی لٹا دیا اور اوپر کمبل ڈالتے ہوئے کہا۔

"اگر سر درد ہے تو لیٹ جاؤ۔ آرام کرو اور شام کو سات بجے بالکل تیار ہو جانا۔ بے بی میرے خیال میں سو رہی ہے۔ اسے جا کر جگاؤ اور جلدی تیار ہو جانا۔" ان لوگوں کو اسی طرح کے آرڈر ملا کرتے تھے، کہیں جانے کے لیے۔

"مگر بھائی جانا کہاں ہے؟" فاطمہ نے واپس پلٹتے راحیل سے پوچھا۔

"پپا کے ایک دوست کے بیٹے کا ولیمہ ہے۔ اسی لیے کہہ رہا ہوں۔ تینوں تیار ہو جانا۔ اب دوبارہ نہ کہنا پڑے۔" راحیل نے مڑے بغیر تنبیہی انداز میں کہا۔

"نہیں۔ ایسا نہیں ہو گا۔ بھائی! ہم تیار ہو جائیں گے۔"

فاطمہ نے جلدی سے یقین دہانی کرائی۔

"آمنہ! اٹھ جاؤ۔ تیاری کر لو۔ بال شیمپو کرنے ہوں تو کر لو۔"

"باجی پلیز، مجھے کہیں نہیں جانا، اب دوبارہ مجھے جانے کو نہ کہنا۔" آمنہ نے قطعی اور حتمی لہجے میں کہا۔

"آمنہ! پپا جی اور راحیل بھیا خفا ہوں گے۔"

"تو ہوا کریں مجھے کہیں نہیں جانا۔ آپ جائیں جا کر بے بی کو جگائیں۔ یونیورسٹی سے آ کر تو وہ گھوڑے بیچ کر سو جاتی ہے نہ کوئی سوچ نہ فکر۔"

آمنہ نے آج غصے میں نجل کو بھی گھسیٹ لیا۔

"آمنہ! تمہیں کیا ہوا ہے جو آج بے بی پر خفا کیوں ہو رہی ہو؟ وہ تو ابھی بچی ہے۔ خدا نہ کرے کوئی سوچ، فکر اسے اپنے چنگل میں جکڑے۔ تمہیں، نہیں جانا نہ جاؤ۔ آرام کرو اور غصہ ختم کرنے کی کوشش کرو۔ اس لیے کہ بے معنی باتوں سے کیا حاصل۔"

فاطمہ نے نرمی سے کہا اور نجل کے کمرے میں آ گئی۔ وہ رائٹنگ ٹیبل پر بیٹھی لیکچر دیکھ رہی تھی۔

"ارے بے بی! تم تو پڑھ رہی ہو۔ ہم تو سمجھے کہ سو رہی ہو!"

"نہیں بجو! آج تو ذرا بھی نہیں سوئی۔ پرسوں ٹیسٹ ہے۔ اسی کی تیاری کر رہی ہوں۔ ساڑھے چار بج رہے ہیں چائے نہیں بنی۔ سچ بڑی طلب ہو رہی ہے اس وقت چائے کی۔ تھک گئی پڑھ پڑھ کر۔ نیند بھی آ رہی ہے۔"

نجل نے جمائی لیتے ہوئے فاطمہ کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"بس بے بی! چائے کو آج دیر ہو گئی۔ میں اور آمنہ باتوں میں لگ گئے تھے ناں۔ چائے تو میں ابھی بھجواتی ہوں مگر تم تیار ہو جانا۔ سات بجے پپا جی کے دوست کے بیٹے کا ولیمہ ہے۔"

"اوہ نو بجو! ہرگز نہیں۔ میں پڑھوں گی۔ سخت بوریت ہوتی ہے مجھے دوسروں کے شادی ولیموں میں۔ میں نہیں جاؤں گی۔"

اس نے صاف انکار کر دیا جانے سے۔ اسے اب دوسروں کی شادی وغیرہ سے چڑ ہونے لگی تھی۔ اسے احساس کمتری سا ہونے لگتا جب وہ کسی کی شادی یا ولیمے میں جاتی تو۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے تو تم بڑے شوق سے ایسی تقریبات میں جایا کرتی تھیں۔"

"بس اب مجھے حسد ہونے لگتا ہے، دوسروں کی ایسی خوشیاں دیکھ کر۔"

"بری بات ہے بے بی۔ دوسروں کی خوشیوں سے جیلس نہیں ہوا کرتے بلکہ دعا کرتے ہیں کہ۔"

"ہم ہی دوسروں کو ایسی خوشیوں کی دعا دیں۔ کوئی تو ہمیں بھی ...... ایسی خوشیوں کی دعا دے۔ اور اللہ میاں جی ہمیں بھی کوئی ایسی خوشی دیکھنا نصیب کرے۔"

ناتمام خوشیوں کے سوگ میں ڈوبی آواز نے فاطمہ کو بھی کرب میں مبتلا کر دیا مگر اس نے اپنے اندر ہوتی شکست و ریخت کے باوجود جس طرح اپنے جسم کی عمارت کو سنبھال کر رکھا تھا۔ وہ اب اس میں کوئی دراڑ آنے دینا نہیں چاہتی تھی۔

"ہوگی بے بی! ہماری قسمت میں ایسی خوشیاں ضرور آئیں گی۔ اللہ پاک ہمیں یہ خوشیاں تمہاری صورت میں دے گا۔ ہم۔ ہم تمہاری شادی کریں گے، سارے ارمان پورے کریں گے۔"

فاطمہ نے بڑی حسرت سے مگر آنکھوں میں امید کی قندیلیں روشن کر کے تجل کو پیار کیا۔

"چھوڑیں بجو! مجھے اپنا انجام بھی معلوم ہے اور میں نے خود کو اسی انجام کے لیے تیار کر رکھا ہے کہ مجھے بھی اپنی ناتمام خواہشات کے ساتھ صبر و ضبط کی قبر میں دفن ہونا ہے۔ آپ دونوں کی طرح لیکن اس قبر میں اترنے سے قبل میں مما، پپا کو حسرتوں، ارمانوں کی عدالت میں ضرور بلاؤں گی اور۔۔۔"

"ناؤ اسٹاپ تجل۔ فضول باتیں مت کیا کرو۔ بھائی نے جانے کو کہا ہے، تیار ہو جاؤ۔"

تجل کی رگوں میں پیدائشی بغاوتی مادہ موجود تھا۔ اس کا اظہار وہ کرتی رہتی تھی لیکن آج اس نے ایسی بات کہہ دی کہ فاطمہ کو اسے نہ چاہتے ہوئے بھی ڈانٹنا پڑا۔

فاطمہ خود ساڑھے چھ بجے تیار ہو گئی۔ آمنہ نے ایک بار کہہ دیا تو بات ختم ہو گئی کہ وہ نہیں جائے گی۔ وہ تیار بھی نہیں ہوئی البتہ تجل، فاطمہ کی خفگی کا خیال کر کے تیار ہو گئی۔

"ماشاء اللہ۔ چشم بددور۔ ہماری بے بی کو آج کسی کی نظر نہ لگے۔"

سرخ پشواز پر سرخ لائٹ شیڈ کے میک اپ میں تجل اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ فاطمہ کی ساری خفگی دور ہو گئی۔ یوں وہ تجل سے کب ناراض تھی یا ہو سکتی تھی۔

"آپ مجھ سے خفا تو نہیں باجی؟" تجل نے آف وائٹ سادہ سوٹ میں ہلکے سے میک اپ میں فاطمہ کو دیکھا جو بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

"میں بھلا اپنی جان سے خفا ہو سکتی ہوں۔ بس تم ایسی باتیں نہ کیا کرو جن سے حاصل کچھ نہ ہوتا ہو اور دکھوں کی تعداد میں اضافہ ہو جائے۔ چلو نیچے راحیل بھیا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

وہ دونوں نیچے آ گئیں تو راحیل عین وقت پر تیار دیکھ کر خوش ہو گیا۔

"یہ نبیل اور آمنہ کہاں رہ گئے۔ نبیل جلدی کرو۔"

راحیل آج فل تیاری میں تھا۔ دونوں بہنوں نے اس کی خصوصی تیاری کو دیکھا۔

"نبیل...... تو نہیں جا رہا...... کہہ رہا ہے کہ اس کی اپنی کوئی گیدرنگ ہے۔"

عدیل ٹائی کی ناٹ درست کرتا اپنے کمرے سے باہر آتے اطلاع دے رہا تھا۔

"او کے۔ مما پپا وہاں پہنچ چکے ہیں اور دو بار ان کا ہوٹل سے فون آ چکا ہے۔"

یہ لوگ ہوٹل پہنچے تو خود دولہا کے والدین ان کے استقبال کے لیے آئے۔ ساتھ میں ان کی اٹھارہ انیس سال کی شوخ و شنگ بیٹی شیری تھی۔ جس نے گرم جوشی سے ان کو ویلکم کیا۔ پھر سارا وقت وہ ان کے ساتھ رہی۔ اس کی تمام تر توجہ کا مرکز راحیل تھا اور راحیل بھی اس پر فدا ہو رہا تھا۔ دونوں بہنیں کچھ نہ سمجھتے ہوئے بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ جاتیں۔

"آپ لوگ بیٹھیں میں ابھی آئی۔" شیری اٹھلاتی ہوئی اٹھ کر چلی گئی۔ راحیل کی نگاہوں نے

دور تک اس کا پیچھا کیا۔

"بھئی فاطمہ اور تجل بیٹے! یہ شیری کیسی لگی تم لوگوں کو؟"

پپا! اپنا سگار سنبھالے ان کی طرف آ کر ان کی رائے پوچھ رہے تھے۔ دونوں بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ گویا کہہ رہی ہوں کہ ہماری رائے کی اہمیت ہی کیا ہے جو پوچھ رہے ہیں۔

"جی پپا! بہت پیاری اور اچھی لڑکی ہے۔" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"گڈ! تو تم لوگوں کو خوش ہونا چاہئے کہ میں نے اسے راحیل کے لیے منتخب کیا ہے۔"

فاروق احمد نے گہرا سا کش لیتے ہوئے کہا تو اس سے برآمد ہونے والے دھوئیں سے گویا ان دونوں کا دم گھٹنے لگا۔ کتنے عجیب ہیں ان کے والدین کہاں وہ معصوم بچی اور کہاں چوالیس سالہ راحیل آدھے سے بھی زیادہ فرق۔

"مگر پپا! شیری تو بہت چھوٹی ہے۔ اگر اسے نبیل کے لیے پسند کرتے تو۔"

فاطمہ نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ کہیں یہ بات بھی ان کو گراں نہ گزر جائے۔

"کم آن فاطمہ! ہماری سوسائٹی میں یہ بڑی ثانوی باتیں ہیں۔ ہمارے ہاں شادیاں کم اور بزنس زیادہ ہوتا ہے اور شیری اور راحیل کی شادی بھی ایک بزنس ڈیل ہے اور پھر تم نے دیکھا، لڑکی کتنی خوش ہے۔ راحیل کو وہ بہت پسند آئی ہے تو۔"

"چلئے پپا! گھر میں کسی کی شادی تو ہو گی ناں۔ چاہے کاروبار ہی کیوں نہ ہو۔ کاش کچھ ایسے ہی کاروبار آپ نے اس سے قبل کر لیے ہوتے۔"

تجل کی بات خاصی کڑوی تھی مگر فاروق احمد اس کی طرف متوجہ ہوتے تو جواب دیتے۔ وہ اٹھ کر کسی دوست کی ٹیبل پر چلے گئے تھے۔ وہ دونوں بس ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"انتخاب دیکھا آپ نے باپ بیٹے کا؟ یہ تو سراسر زیادتی ہے۔ لڑکی اتنی کم عمر اور۔"

"بے بی" ہمیں کیا لینا دینا۔ ہمارا معاملہ تھوڑی ہے اور جب خود لڑکی کو اعتراض نہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے خون جلانے کی۔"

فاطمہ کے اندر کتنی ہی توڑ پھوڑ کیوں نہ ہو رہی ہوتی۔ وہ سمندر کی طرح سطح اتنی پرسکون رکھتی کہ کسی کو گہرائیوں میں اٹھتے جوار بھاٹے کا احساس تک نہ ہوتا۔

"کچھ بھی ہو بجو میں آپ کو بتا دوں اس شادی کا انجام اچھا نہیں ہوگا اور نہ ہمارے مما، پپا کا۔"

تجل کو تاؤ آ رہا تھا یہ سن کر کہ اس باپ نے ہمیشہ بیٹوں کی خوشیوں کو اہمیت دی تھی۔ آخر ان معصوموں نے کیا قصور کیا تھا کہ ان کو محرومیوں کی دلدل میں دھکیل دیا گیا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ جانے کب تک کڑھتی کہ ایک خاتون ان کی طرف بڑھیں۔ فاطمہ نے بڑی خوش دلی سے ویلکم کیا۔ خاتون نظروں ہی نظروں میں تجل پر نثار ہو رہی تھی۔

"ماشاء اللہ آپ کی بیٹی بہت پیاری ہے۔ مجھے بہت پسند آئی ہے۔"

"بیٹی۔" خاتون نے تجل کو فاطمہ کی بیٹی کہا تو دونوں ایک دوسرے سے نظریں کترا کر رہ گئیں۔

تجل کو غصہ آ گیا کہ کس طرح لوگ حقیقت جانے بغیر منہ پھاڑ کر رشتے جوڑ بیٹھتے ہیں۔

"میں ان کی بیٹی نہیں چھوٹی بہن ہوں میڈم!" تجل نے دانت پیس کر کہا۔

"اچھا کتنے بہن بھائی ہیں آپ لوگ۔"

خاتون نے حیرت سے دونوں بہنوں میں عمر کے فرق کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ تجل اور فاطمہ میں واقعی اتنا گیپ تھا کہ وہ بہن کے بجائے اب تو فاطمہ کی بیٹی ہی لگتی تھی۔

"ہم لوگ جتنے بھی بہن بھائی ہیں، نن آف یور بزنس پلیز۔"

تجل نے بمشکل غصے کو دباتے ہوئے کہا تو وہ خاتون بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بجو! یہ ہماری دنیا۔ ہماری دنیا کے سارے لوگ بہت برے ہیں۔ دولت کے انبار تلے دب کر ان کے احساسات مردہ اور دل پتھر کے ہو گئے ہیں۔ کسی کا دل توڑتے وقت ذرا بھی خیال نہیں کرتے۔" وہ خاموش بیٹھی فاطمہ کا ہاتھ پکڑ کر روہانسی ہو گئی۔

"نیور مائنڈ بے بی! اس طرح تو ہوتا ہے۔ ہر انسان کی اپنی سوچ، اپنے محسوسات ہوتے ہیں۔ ہم کسی کو اپنی سوچ کے مطابق نہیں ڈھال سکتے اور پھر اس میں مائنڈ کرنے کی کیا بات ہے۔ بڑی بہنیں ماؤں کی طرح ہی تو ہوتی ہیں۔"

فاطمہ نے کرب کو چھپاتے ہوئے نرمی سے اسے سمجھایا۔

"ہماری تو ماں بھی ماؤں جیسی نہیں ہے بجو ہم کسی کو کیا کہیں۔"

تجل کا دل بہت اداس ہو گیا تھا۔ وہ فاطمہ کے احساسات سمجھ رہی تھی۔ اس کے زخموں سے اٹھنے والی ٹیسوں کو وہ اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔

جیسے ہی علی اور تیمور حیدر ہال میں داخل ہوئے ان کی نظریں براہ راست تجل پر پڑیں۔ دولہا کسی زمانے میں ان کا دوست رہا تھا۔ پھر امریکہ چلا گیا تو آ کر پھر ملنے لگا تھا۔ اس لیے وہ دونوں بھی یہاں مہمان تھے، لیکن ان کو کیا خبر تھی کہ یہاں وہ بھی مہمان ہو گی۔

"یار تیمور! لگتا ہے اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے تم پر۔ ایمان سے مانگ لو ان ہی دنوں میں۔ جھٹ نواز دے گا۔"

علی نے تجل کو دیکھتے ہوئے تیمور کو چھیڑا۔

"میں خدائے پاک کا مشکور ہوں کہ وہ ہمیشہ مہربان رہا ہے مجھ پر لیکن آج تجل کو یہاں دیکھ کر تو....."

تیمور نے جان کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا ورنہ علی تو جان کو آ جاتا۔

"چلیں" ہائے ہیلو کر آئیں۔"

"نہیں علی! ہو سکتا ہے اس کے گھر والے بھی ہوں۔ وہ مائنڈ نہ کریں۔"

"بات سنو۔ جس ہائی کلاس سے اس کا تعلق ہے ناں وہاں ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کے بارے میں سوچنا وقت کا زیاں سمجھا جاتا ہے۔" پھر کچھ ہی دیر بعد دونوں تجل کے پاس تھے۔

"ارے آپ لوگ؟" تجل کو انہیں دیکھ کر واقعی خوشی ہوئی۔ وہ کھڑی ہو گئی۔

"جی اتفاق سے دولہا ہمارا دوست ہے تو اسی لیے ہم بھی۔"

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ ان سے ملئے، یہ میری بڑی بہن فاطمہ باجی ہیں اور باجی یہ میرے

کلاس فیلو تو نہیں یونیورسٹی فیلو ہیں علی اور تیمور....."

تجل نے جلدی سے فاطمہ کا تعارف کرایا۔ مبادا وہ بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائیں۔

"آداب!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"جیتے رہیے۔ بیٹھئے ناں کھڑے کیوں ہیں؟" فاطمہ نے خوش اخلاقی سے بیٹھنے کو کہا۔ تو دونوں بیٹھ گئے۔

"او کے بے بی! تم اپنے فرینڈز سے باتیں کرو۔ میں ذرا مما کو دیکھ لوں۔"

فاطمہ اٹھ کر چلی گئی تو علی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"سچ آپ لوگوں کو یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے۔"

تجل کو انہیں دیکھ کر یوں لگا جیسے ڈھیروں اجنبیوں میں کوئی اپنا آ گیا ہو۔

"مس تجل، آپ ہماری خوشی کا اندازہ کر ہی نہیں سکتیں۔ آپ کو دیکھتے ہی دل کی رفتار میں اچانک اتنا اضافہ ہوا کہ مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں نکل کر بھاگ نہ جائے۔ بڑی مشکل سے پنا ڈالا۔"

"کس کو؟ خود کو یا دل کو؟" تجل نے مسکرا کر کہا۔

"خود کو... ہائیں کیا مطلب ہے آپ کا؟ میڈم میں نہ اپنی بات کر رہا ہوں نہ اپنے دل کی۔ جس کی بات ہے وہ دانتوں میں شاید کسی کا ادھار چھپائے بیٹھا ہے۔" علی نے تیمور کو گھورا۔ وہ اس کی ترجمانی کرتا اور وہ خاموش رہتا۔

"تجل! اسے تو زیادہ بولنے کا مرض لاحق ہے۔"

تیمور بہت کم اور موقع کی مناسبت سے بات کرتا تھا۔

"جی جو مرض آپ کو لاحق ہے ناں۔ خدا مجھے اس سے دور رکھے کہ آگے پیچھے تڑپتے رہنا اور سامنا ہو تو بے زبان بن جانا۔ ہم سے نہیں ہوتا یہ ڈھکوسلا پن۔ مجھے جب کوئی لڑکی اچھی لگے گی تو اعلانیہ کہہ دوں گا لڑکی مجھے تم سے محبت ہے۔ اپنے والدین کو میرے گھر بھیجو۔"

"آپ واقعی باتیں دلچسپ کرتے ہیں۔ بوریت دور ہو جاتی ہے۔" سارے دن کی کلفت دور ہو گئی تھی علی کی باتوں سے۔

"انتہائی کم نصیبی ہے میری کہ دلچسپ باتیں میں کرتا ہوں اور شکار ان کی خاموشی کر لیتی ہے۔ ہے ناں کم نصیبی۔"

کتنی ہی دیر تیمور اور تجل، علی کی باتوں سے محظوظ ہوتے رہے۔ پھر علی اٹھ کر کسی اور دوست کی طرف چلا گیا۔ اب تجل اور تیمور اکیلے رہ گئے۔ تجل کو گھبراہٹ ہونے لگی کہ کہیں راحیل بھائی نہ دیکھ لیں۔ وہی ایسی باتوں کو مائنڈ کرتا تھا۔ تیمور نے خاموش نگاہوں سے اس کے پریشان روپ کو کئی بار دیکھا۔ جب دل میں چور ہو تو انسان ہر بات کہتے ہوئے ڈرتا ہے۔ دل کی بات تو لبوں تک لانا ممکن ہی نہیں تھا اور نہ ہی تیمور اظہار کا قائل تھا۔ اس کے نزدیک جذبات کو صرف محسوسات کی زبان سے سمجھا جا سکتا ہے۔ اور پھر تجل اس کی چاہت ضرور تھی۔ منزل نہیں کہ وہ اس راہ پر اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیتا۔ اور کچھ اسے خود پر کنٹرول بھی بہت تھا۔ وہ مہ جبیں اس کے روبرو تھی اور خاموشی کے درمیان بس رسمی سی یونیورسٹی کی باتوں کے علاوہ کوئی بات نہ ہوئی تھی، لیکن اتنا ضرور ہوا تھا کہ تجل نے آج تیمور کی نظروں میں اپنا عکس

......دیکھ لیا تھا۔

"یہ علی نجانے کہاں چلا گیا؟ آپ بور ہو رہی ہوں گی۔ اصل میں مجھے صرف علی ہی برداشت کرسکتا ہے ورنہ تو ہر کوئی میری کمپنی میں بور ہوتا ہے۔"

تیمور نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں دیکھا۔

"جی نہیں۔ میں بور تو نہیں ہو رہی۔ ویسے تیمور صاحب! آپ کی اور علی کی دوستی عجیب ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ دوستی کس طرح ہوئی۔"

تجل نے چور نظروں سے ماحول کا جائزہ لیا۔ عدیل اور سپا کا تو اسے معلوم تھا۔ شیری کے والد کے ساتھ نکل گئے تھے اور راحیل کو اس عمر میں کم عمر لڑکی مل رہی تھی۔ وہ اس میں گم تھا۔ وہ مطمئن ہو گئی۔

"چھوڑیں مس تجل! شاید آپ اس فلسفے کو نہ سمجھ سکیں۔ یہ جذبے بھی بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ خودرو پودوں کی طرح انسان کے اندر پھیلتے چلے جاتے ہیں اس کی ہستی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ کبھی علی کی دوستی کی صورت میں اور کبھی۔"

تیمور نے جملہ ادھورا چھوڑ کر اسے دیکھا، تجل نے ایک نظر اسے دیکھا۔ پھر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ پھر کتنے ہی لمحات خاموشی کی نذر ہو گئے۔

"تجل آپ۔" تیمور جانے کیا کہنے جا رہا تھا کہ پیچھے سے تیز آواز آئی۔

"بے بی"

☆......☆......☆

ابھی تو وہ واردات ہوئی نہیں کہ جس کے سحر میں گرفتار ہوتی اور نہ ہی خود فراموشی کی کوئی کیفیت طاری ہوئی تھی اور تیمور حیدر نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی کہ وہ اتنی مدہوش ہو جاتی کہ قریب آتے راحیل بھائی اسے نظر نہ آتے۔

"جی...... جی بھائی!" وہ یوں چونک کر کھڑی ہوئی...... جیسے محفل کے آداب کے خلاف کوئی حرکت کر بیٹھی ہو یا بہت غلط لوگوں کے ساتھ بیٹھی پائی گئی ہو۔ اس وقت جو اس کی حالت تھی وہ تیمور سے چھپی نہ رہ سکی۔ گلابی چہرے پر زردیاں پھیل گئیں۔

"فاطمہ کہاں ہے؟" راحیل نے فہمائشی نظروں سے تیمور کو دیکھتے ہوئے فاطمہ کی بابت پوچھا۔

"جی، وہ ابھی انجم کرہما کے پاس گئی ہیں۔ بھائی یہ میرے یونیورسٹی فیلو ہیں تیمور حیدر اور تیمور حیدر! یہ میرے بڑے بھائی راحیل ہیں۔"

اس وقت جو اس کی حالت تھی کہ اسے دونوں کے سامنے اپنی پوزیشن کو بچانا تھا۔ ایک اس کا بھائی تھا، جس کی آنکھوں میں شکوک کے سائے لہرانے لگے تھے اور دوسرا تیمور تھا، جس کے سامنے یوں ذلت کا احساس اسے خوفزدہ کر گیا اور اس کی آواز میں چھپا خوف اور کرب تیمور کو پریشان کر گیا۔

"ہیلو!" تیمور نے تعارف کے بعد ہاتھ آگے بڑھایا تو مجبوراً راحیل کو بھی ہاتھ آگے کرنا پڑا۔

تجل نے شکرانے کے طور پر آنکھیں بند کر کے خدا کا شکر...... ادا کیا۔ راحیل سے کیا بعید تھا کہ تیمور کا بڑھا ہوا ہاتھ احساس ندامت کے ساتھ پلٹ آتا۔

"ارے تیمور صاحب! آپ لوگ کب آئے؟ بھائی آپ کا کئی بار پوچھ چکے ہیں اور وہ چڑیا کس کہاں ہیں علی صاحب؟"

"شیری بڑی بے تکلفی سے تیمور سے مخاطب تھی۔

راحیل حیران...... نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"شیری! تم بھی جانتی ہو ان کو؟"

"ہاں کیوں نہیں۔ یہ شکیل بھیا کے دوست ہیں تیمور حیدر اور علی ضیاء پرانے دوست ہیں۔ اس وقت بھیا ان ہی کا تو پوچھ رہے تھے۔"

شیری نے تعارف کرایا تو شکوک کے بادل چھٹ گئے اور تیمور جو کچھ دیر قبل انتہائی مشکوک اور غلط لگ رہا تھا، اب شیری کی گواہی پر اس محفل کا سب سے معزز بندہ نظر آنے لگا۔

"اوہ آئی سی! بیٹھیے ناں، پلیز آپ کھڑے کیوں ہیں۔ شیری! تمہیں معلوم ہے کہ یہ تیمور صاحب نجل کے یونیورسٹی فیلو ہیں۔"

تیمور کو شکیل کی دوستی بہت معتبر کر گئی تھی ...... راحیل نے خوش دلی سے بتایا۔

"اوہ! تو یہ بات ہے راحی! تو پھر ہم یہاں کیا کر رہے ہیں، چلو چلتے ہیں۔ او کے تیمور اور نجل! انجوائے یور سیلف۔"

وہ معصوم سی کم عمر لڑکی اپنی عمر سے دگنے مرد کا بازو تھامے اجنبیت کے تمام فاصلے مٹاتی ہوئی راحیل سے راحی تک پہنچ کر بڑے معنی خیز انداز میں نجل اور تیمور کو دیکھتی آگے بڑھ گئی۔ نجل اس کے بارے میں سوچتی رہ گئی، جس کی گواہی پر اس کی اور تیمور کی جان بخشی ہوگئی تھی۔

وہ اپنی سوچوں میں الجھی میز پر انگلی سے دائرے بناتی چلی گئی، جس سے تیمور اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔ وہ بغور اس کا چہرہ پڑھتا رہا۔ جہاں سمجھ میں نہ آنے والی تحریر درج تھی۔ "مس نجل!" تیمور نے بہت دھیرے سے پکارا۔

"ہوں ...... ہاں ...... اوہ آپ!"

وہ چونکی گویا گہرے خواب میں ہو اور تیمور کے پکارنے پر جیسے وہ جاگ گئی ہو۔

"یہ علی جانے کہاں رہ گئے؟" وہ اس کی پوچھتی، سوال کرتی، گہری نظروں سے گھبرا کر ادھر ادھر علی کو دیکھنے لگ گئی تھی۔

وہ صاف سمجھ رہا تھا کہ وہ اس لیے کترا رہی ہے کہ کہیں وہ کوئی سوال نہ کر ڈالے۔ لیکن وہ جو کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی بہت کچھ سمجھ گیا تھا ...... کچھ پوچھ کر کوئی سوال کر کے اس کی انا مجروح کرنا اسے ہرگز مقصود نہیں تھا اور یوں بھی وہ یہ سب پوچھنے کا حق بھی کہاں رکھتا تھا۔

"اس کی عادت کو آپ جانتی ہیں، ویرانے میں بھی انجمن سجا بیٹھتا ہے اور یہاں تو پہلے ہی انجمن سجی ہوئی ہے۔" تیمور نے اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"ہاں بے رونق، بے جان، مصنوعی چمک رکھنے والے تاروں کی انجمن، جو کسی کی روح کی تیرگی کو بھی نہیں مٹا سکتی۔"

انجانے دکھوں کے کرب میں ڈوبی اس کی آواز کی لرزش تیمور سے چھپی نہ رہ سکی۔

"مس نجل! یہ شیری آپ کے بھائی کی فیانسی وغیرہ تو نہیں؟"

"تیمور نے بات کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا تو اک دھیمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ گئی۔

"پتا نہیں، میں نے تو پہلی بار دیکھا ہے، ویسے بھی ......"

اس سے قبل کہ وہ بات پوری کرتی، علی آ گیا۔

"مس نجل! ذرا اٹھیے گا اپنی کرسی سے۔"

وہ آتے ہی بولا تو وہ بڑبڑا کر رہ گئی۔

"کیوں؟" وہ ایک دم گھبرا گئی۔

اس کا انداز ہی ایسا تھا۔

"میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہاں کرسیوں پر کوئی ایلفی وغیرہ قسم کی چیز تو نہیں لگی ہوئی کہ بندہ

ایک بار بیٹھ کر اٹھ ہی نہ سکے۔"

علی کی شوخ چوٹ کے نشانے پر تیمور تھا، جو میز پر کہنی ٹکائے زیر لب مسکراہٹ لیے علی کے شوخ جملوں سے انجوائے کر رہا تھا۔

"مس نجل! حد ہوتی ہے چپکنے کی بھی، گھنٹہ ہوگیا ہے موصوف کو آوازیں دیتے۔ کئی بار متوجہ کرنے کے لیے شی ...... شی کیا۔ جواباً کئی لڑکیوں نے مڑ کر کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔ میں مسکرا دیا پھر ان کے ہاتھ جوتوں کی طرف بڑھے۔ میں گھبرا گیا اور جلدی سے اشاروں کی زبان استعمال کرنے لگا۔ سب ہی متوجہ ہوئے، مگر آفریں ہے ان صاحب پر، یہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ میں نے آخری کوشش کے طور پر اشارے سے اپنی طرف بلایا، مگر ایک خاتون سمجھیں کہ میں نے ان کی بیٹی کو اشارا کیا ہے۔ پھر کیا تھا چوہے بلی والا کھیل شروع ہوگیا۔ وہ میری طرف لپکیں میں اٹھ کر بھاگا۔ پھر میں ان کے پیچھے ...... اوہوں میں ان کے پیچھے کیوں بھاگتا۔ وہ میرے پیچھے میں ان کے آگے، پھر وہ گر پڑیں۔ میں ہنس پڑا۔ پھر بالآخر انہوں نے مجھے آن دبوچا۔ میری گردن ان کے مضبوط ہاتھوں میں چرمرا گئی۔ بولیں، تم میری بیٹی کو اشارے کرتے ہو میں تمہاری بتیسی توڑ دوں گی۔ میں ہنستا چلا گیا۔ ہنستے ہنستے اتنی دور چلا گیا کہ میڈم کا زنانے دار تھپڑ واپس لے کر آیا۔ میں نے کہا میڈم! شوق سے بتیسی توڑیے، میں تو اپنی بتیسی گھر چھوڑ آیا ہوں۔ قسم سے بڑی مشکل سے جھوٹ بول کر بتیسی بچا کر لایا ہوں اور اسے دیکھیے، کیسے انجان بنا مسکرا رہا ہے۔ ایک ہاتھ لگاؤں تو پتا چلے۔"

علی بڑے بے ساختہ اور پرمزاح انداز میں بات کر رہا تھا۔

نجل سب کچھ بھول کر اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ تیمور دلچسپی سے اس کے نکھرے ہوئے چہرے کو دیکھنے لگا، جس پر کچھ دیر قبل انجانے کرب کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ علی کی باتوں سے چھٹ گئے تھے۔

"ویسے علی! ہم بھی تو اسی ہال میں تھے۔ ہم نے تو کوئی ایسا مظاہرہ نہیں دیکھا۔" نجل نے یوں ہی کہا تو وہ اسے خفگی سے دیکھنے لگا۔

"محترمہ! یہ سب اس ہال میں نہیں میرے خیالوں میں ہوا کہ اگر اس محفل میں بیٹھ کر میں شی شی کروں تو کیا ہوگا اور اگر اشارہ کیا تو دانت ٹوٹنے کا خطرہ مول لینا ہوگا یا بغیر ٹانگوں کے گھر جانا پڑے گا۔ یہ آپ کا قصور نہیں اور بیٹھیے اس بور ترین آدمی کے پاس۔ شکل دیکھیے، یوں لٹکائی ہوئی ہے جیسے میرے سوئم پر آیا ہوا ہے۔" علی نے خاموشی سے مسکراتے ہوئے تیمور کو دیکھا۔

"خوش فہمی ہے جناب کی کہ میں آپ کے سوئم پر منہ لٹکا کر بیٹھوں گا۔" تیمور، علی کو چھیڑنے کی غرض سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی ...... جی مجھے معلوم ہے، وہ دن تو آپ کی زندگی کا حسین ترین دن ہوگا۔ باچھیں پھیل کر کانوں تک پہنچ جائیں گی اور ...... !"

ایکسکیوزمی!" علی کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ نجل، فاطمہ کے اشارے پر اٹھ کر چلی گئی۔

"یہ بوم تھا جو کچھ دیر قبل آیا تھا؟"

تجل کے جاتے ہی علی اس کی کرسی پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

"کون بزم؟" کبھی کبھی تو علی کی بات تیمور کے اوپر سے گزر جاتی۔ اس کی اپنی ہی اصطلاحیں ہوا کرتی تھیں۔

"وہی تمہارے ہونے والے...... خیر وہ جو کچھ دیر قبل یہاں آئے تھے، خوفناک سے، ہیبت ناک سے...... تجل کے بڑے بھائی تھے کہ نہیں۔"

"ہاں" تمہیں کیسے پتا چلا؟" تیمور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"تو پھر ہوئے ناں بزم...... دیکھو میری اصطلاح میں" ان کے بڑے بھائی کو جن کی عزت بھی کرنے کو دل نہ چاہے اور کرنا بھی مجبوری ہو ان کی خوشی کی خاطر تو بزم کہہ لو یا جو مرضی کہہ لو۔ رہا سوال پتا چلنے کا تو میں یہیں بیٹھا تھا، کوئی کوہ قاف نہیں چلا گیا تھا کہ تجل کے چہرے کے تاثرات اور بزم کا اعلان نظر نہ آ سکتا۔"

"ہاں یار! میں خود اس وقت سے الجھا ہوا ہوں کہ جس سوسائٹی سے تجل کا تعلق ہے، وہاں تو ایسی باتوں کو قابل اعتنا سمجھا ہی نہیں جاتا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس کے بھائی کو میرا تجل کے پاس بیٹھنا پسند نہیں آیا اور تجل کا رنگ بھی ایک دم بدل گیا تھا۔ لیکن بعد میں شکیل کی بہن شیری آ گئی تو اس نے تعارف کروا کر میری پوزیشن کلیئر کی مگر تجل کے چہرے پر انجانے کرب کی دھند چھائی رہی۔ سمجھ میں نہ آنے والا خوف تھا۔ اس کی آنکھوں میں۔ اس کے بعد سے وہ بجھی رہی۔ وہ تو تمہاری آمد نے اسے چہکنے پر مجبور کر دیا۔" تیمور اسے ساری تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔

"پھر مانتے ہو ناں کرو؟" علی اترایا۔

"یار علی! یوں تو وقت کی شاہراہ پر آگے پیچھے بھاگتے سارے لمحے ایک جیسے ہوتے ہیں مگر بعض لمحات انسان کی زندگی میں اتنے اہم، اتنے معتبر ہو جاتے ہیں کہ دل سے بے ساختہ ان کے امر ہو جانے کی دعا نکلتی ہے۔ یہاں جب آ کر ملے تھے تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تجل سے ملاقات ہو جائے گی اور اس کی قربت کے اتنے لمحات میسر آ جائیں گے۔"

تیمور، تجل کے ساتھ گزرے لمحات کے احساس میں ڈوبا سحر آگیں لہجے میں بولا۔

"اوہ! بھائی ان ہی لمحات کو کیش کرنے کے لیے تمہیں تنہا چھوڑا تھا اس کے پاس چھوٹے منہ سے کہتے تو سہی، میں کیا چاہتا ہوں۔"

"نہیں علی! تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں نہ کبھی اس سے کچھ کہوں گا اور نہ سنوں گا۔"

"ہاں کبھی بھی اس سے کچھ کہنا ہے نہ سننا ہے۔ بس میری جان کھانی ہے۔ ٹھنڈی آہیں بھر بھر کے قسم سے مجھے تو اندیشہ ہے کہ کسی روز میں ہی برف کا پہاڑ نہ بن جاؤں۔ تمہاری سرد آہوں سے خبردار جو آئندہ مجھے کچھ کہا ہو تو، بھاڑ میں گئے تم اور تمہارا اندھا بہرا عشق۔"

علی کی جان ہی تو جل گئی تھی۔ یہ جان کر کہ تیمور نے اس موقع سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا۔ وہ خفا ہو بیٹھا تھا اور تیمور بڑی سی سنجیدہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"یار! اب کیا کہوں، مجھ سے زیادہ تم جانتے ہو پھر بھی ایسی بات کر رہے ہو تو میں کیا کر سکتا ہوں۔" تیمور نے سنجیدگی سے گہرا سانس لے کر ماحول کا جائزہ لیا۔

شہر بھر...... کی ہائی سوسائٹی یہاں موجود تھی اور خوب سے خوب تر نظر آنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

"ہاں تو کس احمق نے کہا تھا اس سے عشق فرمانے کو؟" علی تپا بیٹھا تھا۔

"علی! یہ جذبات خود رو پودے ہوتے ہیں نہ تو ان کو خود اگایا جاتا ہے اور نہ ہی انسان ان کی آبیاری کرتا ہے۔ پھر بھی یہ انتہائی گہرائیوں میں خود بخود پھیل کر اس وقت ظاہر ہوتے ہیں جب وسیع و عریض رقبے لپیٹ میں لے چکے ہوں...... ایسے میں انسان کیا کر سکتا ہے۔" تیمور کی نظریں فاطمہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تجل پر تھیں۔

"ایسے میں انسان جھک مار سکتا ہے۔ دوسروں کی جان کھا سکتا ہے، دماغ خراب کر سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ نچا کر بولنے لگا۔

"دیکھیے مسٹر! حد ہوتی ہے برداشت کی۔ میں کافی دیر سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ اشارے کر رہے ہیں۔"

علی کے ہاتھ ہلانے کا انداز ایسا تھا کہ ایک خاتون غلط فہمی کا شکار ہو گئیں کہ وہ ان کو اشارہ کر رہا ہے۔

"اشارہ اور آپ کو میڈم! اتنا تو بدذوق نہیں ہوں میں۔"

علی نے مسکین سی صورت بنا کر گہرے میک اپ میں ڈوبی ادھیڑ عمر خاتون کو دیکھا۔

"جھوٹ مت بولیے، آپ مستقل اشارے بازی کر رہے ہیں۔" خاتون بضد تھیں۔

"اچھا تو اشارے کر رہا تھا، ضرور کر رہا تھا لیکن آپ کو نہیں آنٹی! وہ جو نیلے کپڑوں میں ہیں ان کو۔" علی کو بھی غصہ آنے میں کون سی دیر لگتی تھی۔

"واٹ، ان کو...... آپ کو معلوم ہے، وہ میری بہن ہے چھوٹی۔"

"ہائے او ربا!" خاتون نے چلا کر اطلاع دی تو وہ سر تھام کر رہ گیا۔ اب وہ صفائیاں پیش کر رہا تھا مگر وہ بضد تھیں۔

"خاتون! اگر آپ مجھے اشارے باز ثابت کرنے پر تلی ہیں تو سن لیجیے میں وہ ریڈ کپڑوں والی کو اشارہ کر رہا تھا اب خوش۔" اب علی کو بھی چڑانے میں مزہ آ رہا تھا۔

"کیا...... کیا تم میری معصوم بچی کو اشارے کر رہے تھے، میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔" اب کی بار تو خاتون کو پتنگے ہی لگ گئے۔

"خاتون! صاف کیوں نہیں کہتیں کہ سارا ہوٹل آپ نے بک کروا رکھا ہے۔ ہر طرف آپ کی آل اولاد بکھری پڑی ہے۔"

"علی! چپ رہو۔" تیمور مستقل اس کا ہاتھ دبا کر اسے خاموش کرا رہا تھا۔

"تم انتہائی بدتمیز ہو۔ میں پوچھتی ہوں شکیل سے...... کیسے کیسے لوگوں کو انوائٹ کر رکھا ہے اس نے۔" خاتون طیش میں آ گئیں۔

"جی ہاں، یہی شکایت میں بھی اس سے کروں گا۔" علی بدستور ان کو تپائے جا رہا تھا۔

"میں ابھی جا کر شکایت کرتی ہوں۔" وہ آگے بڑھیں۔

"جایئے شوق سے شکایت کیجئے ہم شکیل کے دوست ہیں۔"

وہ اترایا تو وہ غصے سے مڑیں۔

"اور میں اس کی سگی خالہ ہوں، سمجھے؟"

"جی...... کیا کہا سا...... سگی خالہ۔"

علی بے ہوشی کی اداکاری کرتا ہوا پیچھے گرنے لگا کہ بیرے سے ٹکرا گیا جس کے ہاتھ میں پانی کا بھرا ہوا جگ تھا۔ علی کا ہاتھ لگنے سے پانی اچھل کر کچھ بیرے پر پڑا اور کچھ خاتون پر۔

"تیمور! بھاگ، آنٹی چڑیل کا میک اپ اترنے والا ہے۔"

علی نے تیمور کا ہاتھ پکڑا اور شکیل کے پاس پہنچ گیا۔ مگر شکیل رشتے داروں میں گھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں الگ کھڑے ہو گئے۔

"یہ تجل نظر نہیں آ رہی۔" علی نے ہال پر طائرانہ سی نگاہ ڈالی۔

"وہ جا چکی ہے۔" تیمور نے اطمینان سے جواب دیا۔ علی خاتون سے الجھا ہوا تھا، تجل اپنے گھر والوں کے ساتھ جا رہی تھی۔ اس کی نگاہوں نے دور تک اس کی پشت پر لہراتے بالوں کو دیکھا تھا کہ شاید وہ پلٹ کر ایک نگاہ ڈالے اور الوداع کہہ دے مگر اس کی نگاہیں اس کی بیگانگی کی سند لیے پلٹ آئیں۔

"مگر یہ بزم تو ابھی تک یہیں منہ ماری کر رہا ہے۔"

علی نے راحیل اور شیری کو ایک ساتھ دیکھتے ہوئے کہا۔

"چلو اٹھو! ہم بھی چلتے ہیں۔" تیمور کے لیے اب یہاں کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

"نہیں، میں نہیں جاؤں گا۔" وہ بچوں کی طرح ٹھنکا۔

"اوہ! آداب دادی جان، آپ شکیل کی دادی جان ہیں۔"

علی جلدی سے اٹھ کر خاتون کی طرف بڑھا۔

"ارے ٹھہرو، بدتمیز لڑکے، میں...... میں شکیل کی وہی خالہ ہوں، بس ذرا میک اپ...... اتر گیا، آنٹی سے دادی بنا دیا۔ ٹھہرو ذرا، ابھی پوچھتی ہوں۔"

اور پھر اس سے قبل کہ وہ بھاری بھرکم خاتون اپنا بوجھ سنبھالتے ہوئے ان تک پہنچتیں، تیمور نے اس کا ہاتھ پکڑا، اور شکیل کو خدا حافظ کہتے ہوئے باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

"کیسا رہا فنکشن؟" آمنہ کو کوئی خاص دلچسپی تو تھی نہیں، یوں ہی پوچھ لیا۔

"بہت اچھا رہا۔ آمنہ تم جاتیں تو انجوائے کرتیں اور ہاں تمہیں پتا ہے، بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔"

"کیا؟ راحیل بھائی کی شادی ہو رہی ہے؟"

یہ خبر آمنہ کے لیے غیر متوقع بھی تھی اور حیرت انگیز بھی۔ اسے دکھ ہوا۔

"ہاں شادی ہو رہی ہے اور وہ بھی اٹھارہ سال کی کمسن لڑکی کے ساتھ۔"

تجل کاٹن اور لوشن کی مدد سے میک اپ صاف کرتی ہوئی شریک گفتگو ہوگئی۔

"کیا الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہو تم لوگ۔ میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

آمنہ کمبل کھسکا کر بستر سے اٹھ بیٹھی۔ بڑی حیران کن خبریں مل رہی تھیں۔

"جی ہاں، ہم سچ کہہ رہے ہیں۔ وہ انکل کریم کے بھائی کی بیٹی ہے شیری، اور جلد ہی شادی بھی ہو جائے گی۔"

"مگر بے بی! پتا ہے بھائی کی عمر کیا ہے اور وہ اتنی کم عمر، ہر کام ہی الٹا ہوتا ہے ہمارے گھر والوں کا تو۔" آمنہ الجھ گئی۔

"آمنہ دیکھو، یہ جو ہماری سوسائٹی ہے ناں یہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ رشتے کم اور بزنس زیادہ ہوتا ہے اور پھر ہمیں اس سے کیا۔"

ہاں فاطمہ بجو! ٹھیک کہہ رہی ہو، ہمیں اس سے کیا۔ بھلا کسی بھی خوشی سے ہمارا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ خیر پھر میں چونک گئی۔ اچھی خبر ہے۔ بڑی قسمت والے ہوتے ہیں یہ مرد بھی۔ خود خواہ کتنی ہی عمر کے کیوں نہ ہوں لڑکی ان کو کمسن مل جائے گی اور اگر لڑکی ذرا عمر کی ہو جائے تو اس کے ہم عمر بھی قبول نہیں کرتے۔" آمنہ جلے دل سے بول رہی تھی۔

"کم آن آمنہ! ایسے نہیں کہتے ہمیں تو خوش ہونا چاہئے کہ گھر میں......"

"گھر والی آ جائے گی، اس میں ہمارے لیے خوش ہونے والی بات نہیں ہے۔ بجو فکر کی بات ہے پتا ہے گھر والی کو پھر ہماری موجودگی کھلا کرے گی تب ہم کہاں جائیں گے۔ بولو بجو!"

آمنہ بہت حقیقت پسندانہ سوچ رکھتی تھی وہ موجودہ حالات کو سرسری نہیں دیکھتی تھی بلکہ آنے والے حالات کا تجزیہ کرتی تھی۔

"آمنہ! ہماری شادیاں نہیں ہوئیں اس میں ہمارا کیا قصور؟ ساری بات تو قسمت کی ہوتی ہے جب۔"

"قسمت کو تم جیسے بے عمل لوگ کوستے ہیں بجو! میں کم از کم قسمت کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتی۔ قسمت تو بارہا ایک سے ایک رشتہ لے کر ہمارے در پر آئی، مگر اسے ٹھکرا دیا گیا اور اب...... ویسے اس عمر میں مما پاپا کو کیا سوجھی بہو لانے کی، اور بھائی مان جائیں گے کیا۔"

"واہ آمنہ آپی! کمال کرتی ہو۔ بھائی تو ایسے اٹھلاتے پھرتے رہے تھے، جیسے نوعمر ہوں، ذرا دیکھتیں تو سہی آپ، اس بچی کے ساتھ بچے بنے ہوئے تھے۔ خیر کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ کچھ تو تبدیلی آئے گی گھر میں، ویسے ایک بات ہے۔ شیری بہت تیز ہے۔ قابو کرنے والی۔ پہلی ہی ملاقات میں وہ اچھی فرینک ہو رہی تھی کہ حد نہیں۔ راحیل بھائی تو راضی بن چکے ہیں۔ کاش ایسی مہربان گھڑی آئے کہ میری بہنیں بھی دلہن بن کر۔"

"بے بی! فضول باتیں نہیں کرتے، چلو جاؤ منہ دھو لو۔"

فاطمہ نے اسے درمیان ہی میں ٹوک دیا جسے بھائی کی شادی سے زیادہ بہنوں کو دلہن بنا دیکھنے کا ارمان تھا۔

گھر میں کیا ہو رہا تھا۔ کیا منصوبے بن رہے تھے۔ کون سی تبدیلیاں ظہور پذیر ہونے والی تھیں۔ نبیل ان سے قطعی لاعلم تھا۔ وہ تو اپنی ہی دنیا میں گم تھا۔ بیگم جان سے سودے بازی میں مصروف تھا۔

"بیگم جان! کسی معمولی خاندان سے تعلق نہیں رکھتا کہ آپ کو میری بات پر اعتبار ہی نہیں آ رہا۔ میں نے آپ کو ساری صورتحال بتا دی ہے پھر بھی آپ۔"

وہ بیگم جان کا مسلسل انکار، جو کہ صرف اپنی بات منوانے کے لیے تھا۔ سن سن کر زچ ہو گیا تھا۔

"ہاں میاں! اسی لیے تو میں فکر مند ہوں کہ اگر تمہارے گھر میں شادیوں کا رواج نہیں تو تم جو سب سے چھوٹے ہو، اس خودسری کو کیونکر برداشت کر پائیں گے اور اگر تم نے شادی کر بھی لی تو میرا خیال نہیں کہ وہ تمہاری اس گستاخی کو معاف کریں گے اور عین ممکن ہے کہ عاق کر دیئے جاؤ تو کیا ملے گا ورثے میں تمہیں اور میں اپنی وشی کی شادی اتنی متنازعہ جگہ نہیں کر سکتی، جہاں وہ لاوارثوں کی طرح پڑی رہے۔"

امجد کے مشورے سے نبیل نے سارے حالات بیگم جان کو بتا دیئے تھے۔ وہ ابھی خاصی بدک رہی تھیں۔ نبیل پریشان ہو کر امجد کو دیکھنے لگا جو شروع ہی سے اس کے حق میں نہیں تھا کہ وہ ادھر...... شادی کرے لیکن نبیل کی خوشی کی خاطر سب کچھ کر رہا تھا۔

"آپ نے بہت غلط اندازہ لگایا ہے بیگم جان! میں اتنا بھی بے مایا، لاوارث اور بے حیثیت نہیں کہ مہوش کو خوش نہ رکھ سکوں۔ آپ فائنل بات کریں کیا چاہتی ہیں؟"

بیگم جان کی باتیں نبیل کی مردانگی پر چوٹ بن کر لگی تھیں۔ اس نے یوں فائنل کہا گویا کسی بے جان چیز کا سودا کر رہا ہو۔

"کیا سوچ رہی ہیں بیگم جان؟ بات کریں کیا چاہتی ہیں۔"

امجد، نبیل کی جذباتی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلی بار بولا

بیگم جان نے عجیب سی دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور تمسخرانہ انداز سے دونوں کو دیکھنے لگیں پھر اٹھ کر نبیل کے قریب بیٹھ گئیں۔ شریف فطرت، معصوم سا یہ لڑکا ان کو پسند آیا تھا اور مہوش بھی دل ہار بیٹھی تھی مگر وہ دونوں اپنی توجہ کی پوری قیمت وصول کرنا چاہتی تھیں۔

"ناراض کیوں ہو رہے ہو جانو! میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ اس روز تم خود ہی کہہ رہے تھے کہ تمہارے پپا نئی فیکٹری لگا رہے ہیں، وہ کس کے نام ہے؟"

"جی ہاں لگا رہے ہیں، کس کے نام ہے، یہ ابھی فیصلہ نہیں ہوا؟!"

نبیل الجھ سا گیا۔ فیکٹری کا سن کر کیا خبر پپا اور بڑے بھائی مانتے بھی ہیں یا نہیں۔

"لیکن بیگم جان! آپ کو خود سوچنا چاہئے کہ فی الحال تو ہم نے اس شادی کو بھی راز میں رکھنا ہے تو فیکٹری مہوش کے نام کیسے ہو سکتی ہے؟"

امجد نے لالچی بڑھیا کے میک اپ زدہ چہرے کو گھورا تو وہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ اور بری لگنے لگی۔

"امجد چندا! تم تو بہت پرانے مہربان ہو ہمارے پھر بھی ایسی باتیں کرتے ہو۔ مانا کہ تمہیں اپنے دوست سے بہت پیار ہے، مگر کچھ حق تو ہمارا بھی ہے ناں۔ میری بات تم دونوں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ ارے بابا! میں کب کہہ رہی ہوں کہ ابھی سے فیکٹری میری وشی کے نام کرو۔ فی الحال نبیل اپنے نام کروائے، بعد میں وشی کے نام کر دے۔ اس رشتے کی منظوری کے لیے یہ ہی میری شرط ہے۔ منظور ہے تو

ٹھیک ہے، ورنہ پھر میں مجبور ہوں، میری طرف سے صاف انکار ہے۔"

بیگم جان انتہائی بے مروت بن گئی تھیں۔ نبیل کی حالت بری تھی۔ وہ جذبات کی اس منزل پر تھا جہاں انکار وہ افورڈ کر ہی نہیں سکتا تھا جبکہ امجد چاہتا تھا اچھا ہے، اسی بہانے اس کی جان چھوٹ جائے گی۔ نبیل خاموشی سے دونوں ہاتھوں میں سر تھامے تانے بانے بن رہا تھا۔ وہ کسی صورت بھی وشی سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"م...... مجھے منظور ہے بیگم جان!"

نبیل کی آواز نے گہرے سکوت کو توڑا تو امجد سمیت بیگم جان حیرت کے ساتھ اسے دیکھنے لگیں پھر ان کے چہرے پر بڑی دل فریب مسکراہٹ دوڑ گئی۔ آنکھوں میں کامیابی کی ایک عجیب سی چمک آ گئی۔

"واقعی بیٹا جی!" بیگم جان کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جی ہاں، یہ ایک مرد کا وعدہ ہے بیگم جان، لیکن میری بھی شرائط ہیں۔"

نبیل بھی بہت سے فیصلے کر چکا تھا اسی لیے مضبوط لہجے میں شرائط پیش کرنے کو کہا۔

"حکم کرو بیٹا جی۔" بیگم جان وار دیے والے لہجے میں بولیں۔

"وہ یہ کہ میری اور مہوش کی شادی اس وقت تک راز رہے گی جب تک میں گھر میں اس کے لیے جگہ نہیں بنا لیتا اور دوسرا فی الحال فیکٹری میں اپنے نام ہی کراؤں گا اور حالات سازگار ہوتے ہی تو وشی کے نام کر دوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ جلد از جلد ایسا کرنے کی کوشش کروں گا...... میرا خیال ہے، میں نے اب تک آپ سے کوئی بدعہدی نہیں کی اور آپ کو میری اس بات پر بھی اعتبار کرنا چاہئے۔"

"ارے چندا! تو تم پر کس کافر کو بے اعتباری ہے، تم نے کہا اور ہم نے مان لیا۔"

بیگم جان، نبیل کو اچھی طرح جان چکی تھیں۔ وہ جو کہتا تھا پورا کرتا تھا۔ اب اسے مزید تنگ کرنا بھی مناسب نہیں تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی رضامندی دے دی تو وہ خوش ہو گیا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" نبیل خود...... بات کرتے ہوئے شرما رہا تھا۔ اس نے امداد طلب نظروں سے امجد کو دیکھا کہ وہ بات کرے۔

"ہاں بیگم جان! جب ساری باتیں طے ہو گئی ہیں تو شادی کی تاریخ بھی دے دیں تا کہ تیاری کر لیں۔"

"اللہ مبارک کرے، میں ذرا دلہن رانی سے تو بات کر لوں۔ میری وشی اتنی شرمیلی ہے کہ مجال ہے سامنے آ جائے، میں ابھی آئی۔"

بیگم جان کو آتش شوق بھڑکانے میں ملکہ حاصل تھا۔ وہ نبیل کی بے قراریوں سے خوب لطف اندوز ہوا کرتیں۔ اسی لیے اسے بے تاب چھوڑ کر اندر آ گئیں۔

وشی چلمن سے لگی کھڑی تھی۔

"کیوں میں نے نبیل سے درست کہا ہے ناں؟"

بیگم جان داد طلب نظروں سے مہوش کو دیکھ رہی تھیں۔

"ارے ممی! آپ نے پہلے کبھی کوئی بات غلط کی ہے، بس آپ نبیل کو جلدی کی کوئی تاریخ

دے دیں بہت بے قرار ہیں وہ۔" مہوش نے ذرا سا پردہ سرکا کر نبیل کو دیکھا۔

"ویسے وہ تمہیں جان دینے کی حد تک چاہتا ہے۔ لگتا ہے فیکٹری تمہارے نام ہو جائے گی۔"

"جی ہاں، میں جانتی ہوں، اسے بہت اچھی طرح جانتی ہوں، بہت شریف اور ٹوٹ کر چاہنے والا مرد ہے اور شریف خاندانی مرد جان ہار دیتے ہیں قول نہیں ہارتے۔ صرف فیکٹری تو کیا آپ دیکھئے گا، کیا کیا کچھ اپنے نام کرواتی ہوں۔"

مہوش کو بیگم جان نے پالا تھا۔ اپنی تمام سوچ بھی منتقل کر دی تھی اس میں اور وہ بھی ان کی طرح مادہ پرست ہو گئی تھی، لیکن نبیل میں ایسا کچھ ضرور تھا کہ وہ اسے چاہنے لگی تھی اور اس کے لیے نبیل کے پاس دولت اور محبت کے بے شمار کبھی ختم نہ ہونے والے ذخائر تھے۔ پھر وہ جلدی کیوں نہ کرنے کو کہتی۔

"تو میں تاریخ دے دوں۔ میرے خیال میں اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ مناسب رہے گی۔ کیا خیال ہے تمہارا؟"

"جو آپ کی مرضی ممی! میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" آنچل کا کونہ دانتوں میں داب کر مہوش مصنوعی انداز میں شرما گئی تو بیگم جان مسکراتی باہر آ گئیں۔

"لو میاں مبارک ہو، میری بچی نے تو رضامندی دے دی ہے۔ میری طرف سے تو اگلے ماہ کی پندرہ تاریخ ہے، اگر تم لوگوں کو اپنی کوئی رائے ہو تو..."

"نہیں، نہیں بیگم جان! یہی مناسب ہے۔"

نبیل نے جلدی سے کہا کہ کہیں ان کا ارادہ نہ بدل جائے۔ امجد صرف اسے گھور کر رہ گیا، لیکن وہ چونکہ اس کے گھر کے حالات جانتا تھا، اس لیے اس کی خوشی میں اس کا بھرپور ساتھ دینا چاہتا تھا۔

"ٹھیک ہے بیگم جان! بارات میں، میں اور دو چار دوست ہوں گے۔"

"بارات کی فکر نہیں بیٹا! سارا جگ باراتی بنا لانا، لیکن پہلے مجھے نبیل میاں فیکٹری کے کاغذات جو تمہارے نام ہوں، دکھا دینا، کیونکہ میں کچی باتیں پسند نہیں کرتی۔"

"جی...... جی! آپ اس سلسلے میں فکر نہ کریں، میں چند روز میں آپ کو کاغذات دکھا دوں گا۔" نبیل، نے پرعزم لہجے میں یقین دہانی کرائی۔

"لو بیٹا! پھر شادی مبارک ہو۔" بیگم جان نے ایک لڈو امجد اور نبیل کے منہ میں ڈال دیا نبیل، مہوش سے ملنا چاہتا تھا مگر بیگم جان نے اس کی اجازت نہیں دی۔

رات گئے وہ دونوں گھر آئے، لیکن خلاف توقع گھر والے جاگ رہے تھے۔ یہاں بھی ایک نئی فلم چل رہی تھی۔ زیر بحث موضوع راحیل کی شادی تھا اور شیری کے بارے میں بات ہو رہی تھی، سب ہی خوش نظر آ رہے تھے۔

"نبیل بیٹے! تم کہاں رہتے ہو؟ گھر کی بھی کچھ خبر رکھا کرو۔ کچھ پتا ہے ہم جلد ہی تمہارے راحیل بھائی کی شادی کر رہے ہیں۔" صوفیہ بیگم بے حد خوش تھیں۔ بیٹے کی شادی پر ہر ماں کی طرح وہ بھی بچوں کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھیں، مگر جانے کون سی رکاوٹیں تھیں جو روکے ہوئے تھیں۔

"اوہ! اچھا! کیسی ہیں ہماری بھابی؟" وہ جو اپنی شادی کی تاریخ طے کر کے آیا تھا۔ بڑے

پرشوق اور سرشار لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

"بہت خوبصورت ہے، بہت کم عمر، صرف اٹھارہ سال کی۔" نجل نے ذرا تلخ لہجے میں کہا۔

"اوہ! یہ تو بڑی اچھی خبر ہے، تاریخ طے ہو گئی کہ نہیں۔"

"مجھ سے کیا پوچھ رہے ہو، صاحب اقتدار لوگوں سے پوچھو، ہمارا کیا تعلق کسی بات سے؟"

نجل نے جو اس سے تاریخ کا پوچھا تو آمنہ آہستگی سے جلے دل سے کہتے ہوئے اوپر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"تاریخ بھی طے ہو جائے گی، فی الحال ان کی فیملی امریکہ سے پاکستان سیٹل ہو رہی ہے، اس میں مصروف ہیں، ذرا فرصت ہو تو شادی کی بات کریں گے اور شاید تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے پپا ان کو بہت سپورٹ کر رہے ہیں اس سلسلے میں، اسی لیے۔"

"اسی لیے تو وہ اپنی کمسن بیٹی کا رشتہ دے رہے ہیں۔ یہ شادی کم اور بزنس زیادہ ہے۔"

"بے بی، بی ہیو یور سیلف!" راحیل نے نجل کی بات پر تنبیہی نظروں سے نجل کو گھورا۔ عجیب لوگ تھے یہ سب عجیب سی باتیں تھیں نہ کسی کا لحاظ نہ کسی کے جذبات کا احساس۔ راحیل کو نجل کی بات بہت بری لگی تھی۔ اس عمر میں ایک تو ان کو کم عمر لڑکی مل رہی تھی اور کوئی انہیں کچھ کہہ کر بدمزا کرے، یہ تو وہ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔

"بے بی! چلو شاباش کمرے میں چلو تم بتا رہی تھیں تمہارا ٹیسٹ ہے، تیاری کر لو جا کر۔"

فاطمہ کو اندیشہ تھا، نجل پھر بک بک نہ کرے، کیونکہ نجل کو جب سے پتا چلا تھا وہ مستقل سب کے خلاف بول رہی تھی۔ شیری تو اسے زہر لگ رہی تھی

"فاطمہ! نجل تمہاری ٹریننگ میں رہی ہے، اسی لیے اتنی بدتمیز ہو گئی ہے۔ جو منہ میں آتا ہے، بک دیتی ہے۔ اسے سمجھاؤ کہ کس وقت کیا بات کرنی ہے، اور کیا نہیں کوئی تمیز ہی نہیں رہی اسے۔"

راحیل نے چائے بھی درمیان میں چھوڑ دی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

نجل کی بدتمیزیوں کا کریڈٹ فاطمہ اپنے کھاتے میں ڈالے خاموشی سے اٹھ کر آ گئی۔

"ہونہہ! سب کو اپنی اپنی خوشیوں سے غرض ہے۔"

نجل نے نیپکن اتار کر دور پھینکا اور اٹھ گئی۔

اس تمام عرصے میں صوفیہ بیگم بس تکتی رہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، وہ بولیں یا نہ بولیں۔ آیا یہ لوگ درست کہہ رہے ہیں یا غلط۔ نتیجتاً وہ چپ رہیں۔ البتہ اس ماحول کا پورا فائدہ نبیل نے اٹھایا۔ وہ مما کے قریب آ گیا۔ ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ اپنے مطلب پر آ گیا۔

"مما! وہ نئی فیکٹری کے بارے میں کیا طے ہوا ہے کہ کس کے نام ہو گی؟"

وہ موقع پاتے ہی اصل مقصد پر آ گیا تو وہ حیران نظروں سے اسے دیکھنے لگیں کیونکہ نہ تو اس نے آج تک بزنس وغیرہ میں دلچسپی لی تھی اور نہ ہی یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی تھی کہ کون سی چیز کس کے نام ہے۔

"تمہیں کیا ضرورت پیش آ گئی یہ جاننے کی؟"

"پھر بھی مما! میرے نالج میں ہر بات ہونی چاہیے، آخر میں بھی حقدار ہوں اور اس گھر میں

رہتا ہوں۔" اس نے اپنا حق جتاتے ہوئے کہا۔ صوفیہ بیگم کو اس کی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"اس سے پہلے تو تمہیں اپنے حق، اپنی حیثیت کا احساس نہیں ہوا پھر اب کیوں؟"

مما کی سوالیہ نگاہیں اس پر ٹھہر گئیں، تو وہ کچھ دیر کے لیے ڈگمگایا۔ نظریں جھکا لیں۔

"کوئی خاص بات نہیں مما! میں نے محسوس کیا ہے کہ سب کچھ بڑے اور چھوٹے بھیا کے نام ہے، میرے نام تو کچھ بھی نہیں۔ امجد کے پپا ایک فیکٹری اس کے نام کر رہے ہیں تو کہہ رہا تھا کہ تمہارے نام کیا ہے۔ اب میں کیا بتاتا، بس اتنی سی بات تھی۔"

وہ انتہائی معصوم صورت بنائے مسکین انداز میں کہہ رہا تھا کہ صوفیہ بیگم کو بے ساختہ اس پر پیار آ گیا۔ آخر بھی بھی تو ممتا کے سمندر میں جوش آ ہی جایا کرتا ہے۔

"تو اس میں بسورنے کی کیا بات ہے، جان! میں تمہارے پپا سے بات کروں گی اور میرا خیال ہے کہ تمہارے بھائیوں کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔"

مما اتنی جلدی راضی ہو جائیں گی۔ یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کی تسلی پر وہ خوش ہو گیا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ پپا، مما کی بات قطعی نہیں ٹالتے۔

"مما! ایسا ہو جائے گا...... پپا اور بھائی تو مان جائیں گے ناں؟"

اس نے بے یقینی سے ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں مانیں گے، یہ دولت، جائیداد سب تم تینوں بھائیوں ہی کی تو ہے۔ نام کسی کے بھی ہو، کیا فرق پڑتا ہے۔ ویسے بھی سب کچھ تینوں کے نام برابر ہونا چاہیے، میں بات کروں گی تمہارے پپا سے، ڈونٹ وری۔"

صوفیہ بیگم نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"تھینک یو سو مچ مما یو آر گریٹ۔"

نبیل کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اتنی ناممکن سی بات اتنی آسانی سے ہو جائے گی اور پھر رات کھانے کی میز سے نبیل جلدی اٹھ گیا تو صوفیہ بیگم نے فیکٹری کی ملکیت کا ذکر چھیڑ دیا اور ساتھ ہی نبیل کی شکایت بھی پہنچا دی کہ اسے ابھی تک بچہ ہی سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اسے کسی ذمہ داری کے لائق نہیں جانا جاتا۔

"بلاؤ نبیل کو۔" وہ فاروق احمد کے حکم پر بھاگا بھاگا آیا۔

"جی پپا!" وہ ان کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر لیے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ فاطمہ کو خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں ڈانٹ نہ دیں۔

"نبیل! مجھے خبر ملی ہے کہ آپ بڑے ہو گئے ہو۔" وہ مسکرائے۔

جی پپا! افسوس تو اس بات کا ہے کہ مجھے یہ بات خود بتانا پڑی ہے۔ یہ پوائنٹ آؤٹ کرنا پڑا ہے کہ میں بھی کسی قابل ہوں۔ اگر مجھ پر بھی ذمہ داری ڈالی جائے تو آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" وہ بڑے اعتماد سے بول رہا تھا۔ راحیل اور عدیل نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"گڈ اور ویری گڈ بیٹا جی، یہ بات اگر براہ راست مجھ سے کرتے تو زیادہ خوشی ہوتی مجھے۔ میں کسی ایک ایسے ہی وقت کا منتظر تھا کہ تم خود احساس کرو کہ تمہیں کچھ کرنا چاہیے۔ خود ذمہ

دار ہونا چاہیے، کیوں راحیل؟"

راحیل باپ کا دست راست تھا۔ وہ ہر بات، ہر کام اسی کے مشورے سے کیا کرتے تھے۔

"جی پپا! ہم بھی یہ ہی چاہتے ہیں کہ اس میں احساس ذمہ داری پیدا ہو۔ یہ مقابلے کا زمانہ ہے اور اس تیز رفتار وقت کے ساتھ جو نہیں چلتا اس کے تقاضوں کو نہیں سمجھتا وہ زمانے کے قدموں تلے آن کر پس جاتا ہے۔ یہ ذمہ داری اگر ہم اس پر ڈالتے تو یہ اسے زیادتی سمجھتا۔ مگر اب اسے خود احساس ہوا ہے تو میرے خیال میں اس کی اہلیت کو آزمانا چاہیے۔"

"جی پپا! راحیل بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

عدیل نے راحیل کی بات کی تائید کی۔ تو نبیل خوش ہو گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو کام وہ اس قدر ناممکن سمجھ رہا تھا وہ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔

"تو پھر میں ان تمام گواہان کی موجودگی میں فیکٹری نبیل کے نام کرتا ہوں۔ کسی کو اعتراض تو نہیں۔ کیوں آمنہ، فاطمہ؟"

ایسا ہونا تو نہیں چاہیے تھا مگر جانے کیوں اتنے اہم معاملے میں فاروق احمد نے بیٹیوں کی رائے کو اہمیت دی تو وہ لوگ حیران رہ گئیں۔

"ارے نہیں پپا! ہمیں بھلا اعتراض کیوں ہونے لگا۔ جب ہماری کوئی حیثیت نہیں، کوئی تعلق نہیں تو اعتراض کیسا۔ یہ گھر بھی آپ کا، دولت جائیداد بھی آپ کی اور بیٹے بھی آپ کے، پھر ہم اعتراض کیسے کر سکتے ہیں۔" آمنہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

اس کے اندر آج کل عجیب سی تپ رہی تھی اور وہ کچھ منہ زور ہو گئی تھی۔ پپا سمیت اور تو کسی نے توجہ نہیں دی البتہ مما نے گھور کر ضرور دیکھا۔ فاطمہ نے آمنہ کا ہاتھ دبا کر خاموش رہنے کی تاکید کی۔

"آمنہ کا مطلب ہے پپا کہ اس میں اعتراض والی کون سی بات ہے۔ یہ سب ہمارے بھائیوں کا تو ہے اور سارے بھائی ہمارے لیے ایک جیسے ہیں بلکہ یوں خوشی کی بات ہے کہ اس طرح نبیل میں احساس ذمہ داری پیدا ہو گی۔ مبارک ہو نبیل! اللہ تعالیٰ مزید برکت دے۔"

فاطمہ نے نبیل کو دعائیہ انداز میں مبارک باد دی۔ نبیل بے حد خوش تھا۔ اسے امید کب تھی کہ اتنی جلدی یہ مشکل منزل آسان ہو جائے گی۔

"اب تو اس ! اچھی بڑھیا کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"نبیل، امجد کو کاغذات دکھاتے ہوئے پوچھنے لگا۔"

"بڑھیا بڑی جوہر شناس ہے، میرے دوست، اعتراض تو اسے پہلے بھی نہیں...... تھا بس اپنی قیمت بڑھا رہی تھی۔ خیر چھوڑو۔ یہ بتاؤ کہ شادی کے بعد مہوش کو رکھو گے کہاں؟ تمہارے گھر والے تو اسے قبول کرنے سے رہے۔"

"جناب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میں نے فلیٹ خرید لیا ہے۔"

نبیل نے خوشی سے چمکتی آنکھوں کے ساتھ اطلاع دی۔

"چلئے مان لیا آپ کو عقلمند، لیکن یہ سوچا ہے تم گھر سے کس طرح الگ رہ سکتے ہو۔ ایک رات تو تم باہر رہ نہیں سکتے...... نہیں یار تمہیں اس شادی کو ظاہر کرنا پڑے گا۔ ورنہ بہت گڑ بڑ ہو جائے گی۔"

امجد کی باتیں وقتی طور پر تو اسے بہت بری لگتی تھیں مگر ہوتی درست تھیں۔ وہ سوچ میں پڑ گیا۔ واقعی یہ تو مسئلہ ہو جائے گا۔ وہ گھر سے الگ کیسے رہ سکے گا۔

"پھر یار امجد! کیا کروں؟" وہ بے بسی سے پھر اس سے مشورہ طلب کر رہا تھا۔

"پھر یہ کرو کہ پندرہ بیس دن کے لیے آؤٹنگ کا پروگرام بناتے ہیں۔ تمہارا ہنی مون بھی ہو جائے گا اور ہم گھوم پھر لیں گے اور واپس آ کر پھر کچھ سوچ لیں گے۔ فی الحال تو اس سے بہتر کوئی پروگرام نہیں میرے ذہن میں۔"

تجویز تو امجد کی اچھی تھی مگر یہ وقتی حل تھا اس مسئلے کا مگر وہ آئندہ کے لیے زیادہ فکرمند تھا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ شادی تو ہو پھر دیکھا جائے گا۔ میں کوئی جرم تو نہیں کر رہا کہ سزا بھگتنی پڑے گی..... چلو بیگم جان کے ہاں، اسے کاغذات بھی دکھا دیں اور مزید معاملات بھی طے کر لیں۔"

نبیل گویا خود کو تسلی دیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا مگر اس کا دماغ مسلسل مصروف تھا۔ وہ آئندہ آنے والے حالات کے لیے خود کو تیار کر رہا تھا۔ بیگم جان کاغذات دیکھ کر کھل اٹھیں اور بڑی خوشی سے مہوش کو نبیل کے ساتھ شادی کی شاپنگ کرنے کے لیے بھیج دیا۔

نبیل اپنی دنیا میں مگن تھا اور راحیل کو اس عمر میں کم سن لڑکی مل رہی تھی تو وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اسی دوران شیری کی سالگرہ آ گئی۔ وہ تو منانے کا ارادہ نہیں رکھتی تھی مگر راحیل کا اصرار تھا کہ وہ خود منائیں گے اس کی سالگرہ۔ اس کے لیے اسے خود شاپنگ کرائی اور دعوت کا انتظام ہوٹل میں کیا۔

"ارے بھئی، بے بی، آمنہ پرسوں تیار ہو جانا، شیری کی برتھ ڈے ہے۔"

"مگر بھائی! اس نے تو ہمیں انوائٹ نہیں کیا۔" آمنہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"اوہو بابا! وہ سلیبریٹ کب کر رہی ہے۔ میں کر رہا ہوں اور میں انوائٹ کر رہا ہوں۔ بات ختم۔" تینوں بہنوں نے اس بات کے اختتام پر ایک دوسرے کو دیکھا اور شیری کے بارے میں سوچنے لگیں، جو اتنی خوش نصیب تھی، اتنی اہم تھی اور ان کا تو وجود ہی بے کار تھا۔ کسی کے لیے اہمیت ہی نہیں رکھتا تھا۔

"جی اچھا۔" کہہ کر تینوں اوپر آ گئیں۔ اب تک تو نبیل نے چوری چھپے جو کر لیا سو کر لیا تھا آج جبکہ اس کی شادی تھی تو وہ..... بہت افسردہ ہو رہا تھا کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ یہ کام اس کے والدین کے ذریعے طے پاتا۔ اس کے بہن بھائی اس خوشی میں شریک ہوتے، لیکن کیا ستم تھا کہ وہ کسی کو اپنی خوشی میں شریک تو کیا بتا بھی نہیں سکتا تھا وہ سرِشام ہی تیار ہو کر کسی دوست کے ولیمے کا بہانہ بنا کر امجد کے گھر آ گیا۔

امجد نے نبیل کے سیاہ کوٹ میں گلاب کی ادھ کھلی کلی لگا کر اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"یار اتنے گھبرا کیوں رہے ہو، حوصلے سے کام لو۔"

"پتا نہیں یار! بڑی گھبراہٹ ہو رہی ہے۔" نبیل نے ٹشو سے پیشانی صاف کی۔

"کم آن یار! اس کے شانے تھپتھپائے۔ پھر چھ سات ارکان پر مشتمل بارات شیرٹن پہنچ گئی جہاں بیگم جان پہلے سے موجود تھیں۔ ہار پہنا کر انہوں نے بارات کا استقبال کیا۔ دولہا کے گلے میں ہار ڈال کر مہوش کے برابر میں لا بٹھایا جو اس وقت دلہن کے روپ میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔ نبیل کا دل

اس وقت کسی بھی پیش آنے والے واقعے کے خوف سے دھڑکتا رہا جب تک نکاح نہیں ہو گیا کیونکہ اسے بیگم جان کی طرف سے مسلسل دھڑکا ہی لگا تھا، کہیں عین موقع پر کوئی گڑبڑ نہ کر دے۔

"مبارک ہو نبیل۔" امجد نے اسے ساتھ لگا کر مبارکباد دی۔ اس طرح سب نے اسے مبارکباد دی۔

"نبیل میاں، میں نے اپنی بیٹی کو بہت نازوں سے پالا ہے، اس کا بہت خیال رکھنا۔" بیگم جان آنسو بہاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"سر! آپ کو ہوٹل کے منیجر صاحب بلا رہے ہیں۔"

بیرے کی اطلاع پر نبیل جلدی سے اٹھا۔

"یہ ہیں اتار دو، اچھا نہیں لگتا، میں بھی چلتا ہوں تمہارے ساتھ۔"

امجد نے نبیل کے گلے سے ہار اتار کر مہوش کی گود میں رکھے اور دونوں نیچے آ گئے۔ ہال میں سامنے ہی نبیل پر راحیل اور شیری کے ہمراہ کنل، فاطمہ اور آمنہ اور عدیل بیٹھے تھے۔ بڑا سا کیک شیری کے سامنے رکھا تھا جو خوب چمک رہی تھی۔ نبیل کا جیسے اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ اسی طرح ایک پاؤں اوپر کی سیڑھی پر اور دوسرا نیچے کی سیڑھی پر جم گیا۔ امجد بھی پریشان ہو گیا۔

"یار امجد! اب کیا ہو گا۔" نبیل کی آواز جیسے دور سے آئی۔

"کچھ نہیں ہو گا۔" کھیلتے تم طوفانوں سے ہو اور حوصلہ ذرا بھی نہیں..... شکر کرو، میں نے ہار اتار دیے تھے ورنہ۔"

"ارے بھائی! وہ دیکھئے نبیل بھائی!" کنل کی نظر اس پر پڑی تو وہ چیخ پڑی۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے تو نبیل کے ہاتھوں میں پسینہ آ گیا۔

☆.....☆.....☆

فائزہ اور صائمہ یونیورسٹی کے ماحول میں خوب رچ بس گئی تھیں۔ فائزہ تو نت نئے فیشن اور اداؤں میں مصروف رہتی اور پڑھائی کی طرف کم ہی توجہ دیتی جبکہ صائمہ بناؤ سنگھار پر بھی توجہ دیتی اور پڑھائی پر بھی..... وہ آگے نکل جانے کا شوق رکھتی تھی اور ہمت بھی۔ یہ ہی وجہ تھی کہ فرسٹ ٹرم میں وہ امتیازی نمبروں سے پاس ہو گئی تھی جبکہ فائزہ بمشکل پاس ہو پائی یا یوں کہہ دینا بہتر ہو گا کہ فیل ہوتے ہوتے بچی تھی۔

صائمہ فطرتاً خاصی تیز اور چالاک تھی۔ دوستی میں..... اس نے لڑکے اور لڑکی میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی بلکہ زیادہ تر لڑکوں سے دوستی تھی جبکہ فائزہ کا وہی لیے دیے والا انداز تھا۔ اپنے آپ میں گم رہنے والا۔ یوں بھی فطرتاً وہ سادہ اور معصوم تھی۔ زیادہ چالاکی، عیاری اسے نہیں آتی تھی البتہ وہ اپنے حسن کے زعم میں..... رہتی۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

"صائمہ! یہ تمہاری کزن اتراتی کس بات پر ہے؟"

محمود جس نے فائزہ سے لفٹ لینے کی خاصی کوشش کی تھی۔ ناکامی پر چڑنے لگا۔

"بھئی! اترانے کے لیے اسے اللہ نے بہت کچھ عطا کیا ہے، حسن اور اس پر بناؤ سنگھار پھر اترائے کیوں نہ۔" صائمہ کے بجائے رافعہ بولی جو ان کی کلاس فیلو تھی۔

"ارے نہیں بھئی، اس کی عادت ہی ایسی ہے۔ فطرتاً تھوڑی سی خود پسند ہے ورنہ تو اچھی ہے۔" صائمہ نے کزن کی تعریف یوں کی جس میں برائی کا پہلو نمایاں تھا۔

"موضوع تبدیل کرو۔ ادھر ہی آ رہی ہے وہ۔ ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا، صائمہ کہ تم اپنے پاس ہونے کی ٹریٹ کب دے رہی ہو؟"

محمود نے فائزہ کو آتے دیکھ کر موضوع کا رخ صائمہ کی ٹریٹ کی طرف موڑ دیا۔

"کسی بھی وقت بھئی۔ جب تم لوگ کہو، کیوں فائزہ کس روز ٹریٹ دیں ان کو؟"

صائمہ کو اپنی ہوشیار ماں کی ہدایات روز ملتی تھیں۔ اس لیے وہ فائزہ کی رائے کے بغیر کچھ نہیں کرتی تھی۔

"ارے بھئی، کسی روز بھی کر دو۔ مجھ سے کیا پوچھ رہی ہو۔"

فائزہ نے اپنے مخصوص کھردرے لہجے میں کہا۔

"تو چلو محمود! ہفتے کو ڈن۔ اور ہاں وہ سلیم اور ندیم وغیرہ کو بھی فون کر دینا۔ اب روز روز تو میں ٹریٹ دینے سے رہی۔ او کے۔ سی یو۔"

صائمہ نے اپنے تراشیدہ بالوں کو اک ادا سے جھٹکا دیا۔ بیگ شانے سے لٹکایا اور فائزہ کا ہاتھ تھام کر ٹرمینل کی جانب بڑھنے لگی۔

"فائزہ! آج انکل ظہیر کے ہاں نہ چلیں۔ وہاں جا کر گھر فون کر دیں گے کہ ہم یہاں ہیں۔ پھر طلال یا بلال ہم لوگوں کو چھوڑ دیں گے؟ کیا خیال ہے؟"

چلتے چلتے صائمہ نے تجویز پیش کی تو فائزہ رک کر اسے دیکھنے لگی۔

"مگر کیوں؟"

"ارے بھئی، دیکھو۔ طلال بھائی کتنے روز سے ہمارے ہاں نہیں آئے۔"

صائمہ نے یوں کہا گویا طلال کا نہ آنا فائزہ کے لیے دنیا کا سب سے بڑا دکھ ہو۔

"کیا ہوا، نہیں آئے تو۔" فائزہ نے انتہائی عام اور لاتعلق سے انداز میں کہا۔

"فائزہ...... فائزہ تم بہت سیدھی ہو، اس طرح کرتی رہیں تو تم کبھی بھی طلال کے قریب نہیں جا سکتیں اور نہ ان کی توجہ حاصل کر سکتی ہو۔ امی کہہ رہی تھیں کہ تم دونوں اکثر یونیورسٹی سے انکل ظہیر کے ہاں چلے جایا کرو۔"

صائمہ نے اسے ڈھیلا دیکھ کر ماں کی طرح اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اوہو بھئی صائمہ! میں تو یہ سب فضول سمجھتی ہوں۔ جب کوئی ایسا تعلق ہوگا طلال سے تو انڈر اسٹینڈنگ بھی ہو جائے گی اور ویسے بھی مجھے طلال کے آگے پیچھے پھرنے کی کیا ضرورت ہے اور پھر مجھے یہ باتیں پسند نہیں۔"

فائزہ نے حسب عادت منہ بنا کر کہا اور چیونگم نکال کر ایک طرف پھینکتے ہوئے اسے دیکھا جو سوسائٹی جانے والے پوائنٹ کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"تو آج تم نے طے کر لیا ہے کہ انکل ظہیر کے ہاں جا کے ہی دم لینا ہے۔"

"ہاں وہ ندا اور بلال بھی تو کئی روز سے نہیں آئے ناں۔ پتا تو کریں کہ کیا بات ہے۔ کہیں خفا

نہ ہوں۔" وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی تو فائزہ اسے دیکھ کر خاموشی سے اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"ارے آپ لوگ، امی! دیکھیے کون آیا ہے۔"

ندا، فائزہ اور صائمہ کو دیکھ کر خوشی سے چلائی تو جانے کس خوش فہمی میں بلال نے کھڑکی سے جھانکا کہ شاید پھر خوبصورت اتفاق ہو جائے اور زیب کسی کے ہمراہ ان کے گھر آ جائے مگر وہاں فائزہ اور صائمہ کو دیکھا تو زور سے اس نے کھڑکی کے پٹ بند کر کے دروازہ بھی بند کر لیا تاکہ وہ ادھر نہ آ نکلیں۔

"آداب آنٹی!" دونوں رابعہ بیگم کی طرف بڑھیں مگر صائمہ کی کوشش تھی کہ وہ پہلے نظروں میں آئے۔

"جیتے رہو بیٹا! یونیورسٹی سے آئے ہو۔"

رابعہ بیگم نے اپنی قمیص جس پر ترپائی کر رہی تھیں ایک طرف رکھتے ہوئے دونوں کو ساتھ لگایا۔

"جی آنٹی! اتنا دل چاہ رہا تھا ناں آپ کو دیکھنے کو۔ تو ہم نے سوچا کہ آج تو یونیورسٹی ہی سے آپ کا پتا کرنے چلیں گے۔ فائزہ تم گھر فون کر دو۔ ہم یہاں ہیں۔ ورنہ وہ لوگ پریشان ہوں گے اور کچھ بعید نہیں امی اسد کو یونیورسٹی بھیج دیں۔"

صائمہ خود تو رابعہ بیگم کے قریب بیٹھ گئی اور فائزہ کو فون کرنے کی ہدایت کر دی۔

"ہاں بیٹا! پہلے گھر فون کر دو۔ وہ لوگ پریشان نہ ہوں اور ندا! ردا بیٹے! کھانا لگاؤ۔ بہنیں یونیورسٹی سے آئی ہیں۔"

دونوں بہنیں کھانا لگانے لگیں۔ فائزہ اخبار دیکھنے لگی۔

"آنٹی! یہ کیا ہو رہا تھا۔" صائمہ نے ادھ سلی قمیص اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"ارے بیٹا قمیص ہے میری۔ یہ لڑکیاں خود تو اپنے اسٹائل سے کپڑے سی لیتی ہیں مگر میرے ان کی سمجھ میں نہیں آتے اور نہ ہی ان کی سلائی مجھے پسند آتی ہے۔ اس لیے میں خود ہی اپنی سلائی کر لیتی ہوں۔" رابعہ بیگم نے دانتوں سے دھاگا توڑا۔

"ہائے آنٹی جان! آپ مجھ سے کہا کریں بالکل آپ کی پسند کے کپڑے نہ سی کر دوں تو پھر کہیے گا۔ لائیے بس۔ اپنے سارے بغیر سلے کپڑے مجھے دے دیجیے۔ میں دو دن میں سی کر دے جاؤں گی۔"

"ارے نہیں چندا! تم پڑھنے والی بچی ہو۔ میں فارغ ہوتی ہوں، سی لوں گی۔"

"ایسے ہی خود سی لوں گی۔ میں آج کل بالکل فارغ ہوں اور ہاں ہم نے آپ کو بتایا ہی نہیں کہ ہم دونوں فرسٹ ٹرم میں پاس ہو گئی ہیں۔"

وہ لاکھ انکار کرتی رہیں مگر صائمہ نے کپڑے شاپر میں ڈالتے ہوئے اپنے پاس ہونے کی خوشخبری سنا ڈالی۔

"ارے مبارک ہو۔ اتنی اہم خبر تم نے اب سنائی ہے۔ مبارک ہو بہت بہت۔ فائزہ بیٹے! تمہیں بھی مبارک ہو۔"

رابعہ بیگم نے فائزہ کو بھی مبارکباد دی۔ جو ماحول سے بالکل لاتعلق بیٹھی تھی۔

"شکریہ آنٹی، لیکن آپ کو گھر آنا چاہیے مبارکباد کے لیے۔" فائزہ اٹھ کر کھانے کی میز کے قریب آتے ہوئے بولی۔

"ہاں بھئی کیوں نہیں۔ ضرور جائیں گے۔ اپنی بیٹیوں کو مبارکباد دینے۔" ظہیر احمد نے بات اچک لی اور دونوں کے سروں پر ہاتھ پھیر کر شفقت کا اظہار کیا۔

"آداب انکل۔"

"جیتے رہو بیٹا! ویسے آج ہماری بیٹیاں کیسے راستہ بھول گئیں۔"

"انکل! ہم تو بھول ہی پڑے مگر آپ لوگ تو اتنے دنوں سے آئے ہی نہیں۔ نہ بلال آئے اور نہ ہی طلال بھائی نے چکر لگایا۔"

صائمہ شکوہ کناں نظروں سے سب کو دیکھ رہی تھی۔

"صائمہ بیٹے! شکوہ تو تم لوگوں کا بجا ہے۔ طلال کی جاب ہی ایسی ہے فل ٹائم جاب اور بلال کا فائنل ایئر ہے۔ ہر وقت پڑھائی میں لگا رہتا ہے۔ ابھی بھی کمرے میں بند پڑھ رہا ہے۔"

"اچھا تو بلال گھر پر ہیں۔ وہ میرا مطلب ہے کہ کھانے پر نہیں آئے۔"

وہ اپنی بے ساختہ ایکسائٹمنٹ پر خود ہی شرمندہ سی ہوتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"ان کو تو میں کھانا ان کے کمرے میں دے آؤں گی، آپ یہ بتایئے کہ اپنے پاس ہونے کی ٹریٹ کب دے رہی ہیں۔" ندا اس کی طرف ڈش بڑھاتے ہوئے بولی۔

"لو بس تم لوگوں کو تو ایک دوسرے سے ٹریٹ لینے کا موقع چاہیے، ویسے تو فرسٹ ٹرم ہے۔ فائنل ایگزام میں پاس ہو جائیں گی تو دیکھی جائے گی۔" رابعہ بیگم نے ٹوک دیا تو ندا نے منہ پھلا لیا۔

"اوہو آنٹی! آپ نے میری اتنی پیاری بہن کو خفا کر دیا۔ ٹریٹ ہو گی اور ضرور ہو گی۔ یہ چھوٹے چھوٹے بہانے اور خوشیاں ہی تو مل بیٹھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔"

اس کی بات جاری تھی کہ طلال آ گیا۔ فائزہ نے ایک نظر اس پر ڈالی مگر پھر توجہ کھانے پر مرکوز کر لی۔

"اوہو! بڑے بڑے مہمان آئے ہیں۔ السلام علیکم۔"

طلال نے کیپ اتار کر دونوں کو سلام کیا۔

"جی ہاں۔" مہمان حاضر اور میزبان ہمیشہ غائب۔ یہ کیا بات ہوئی۔"

صائمہ نے ایک نظر انجان سی فائزہ پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے شکوہ کیا۔

"ارے بھئی، میزبانوں کو قطعی الہام نہیں ہوتا کہ مہمان کب ٹپک پڑیں گے۔" طلال نے کیپ ردا کے سر پر جماتے ہوئے کہا اور اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

کھانے کے بعد صائمہ نے چائے بنائی۔ وہ تو باتوں اور کاموں میں مصروف تھی مگر فائزہ کو سخت بوریت ہو رہی تھی۔

"صائمہ اب چلنا چاہیے۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"ہاں۔ میرا خیال ہے اب اجازت لینی چاہیے۔ آنٹی ہم کو اب اجازت ہے۔"

"ہاں۔ بیٹا کافی دیر ہو گئی ہے۔ اب کہاں دین پر دھکے کھاؤ گی، طلال تو پھر کہیں نکل گیا

ہے۔ جمال بھی کسی دوست کے ہاں گیا ہوا ہے ابھی تک نہیں آیا، بلال سے کہتی ہوں کہ تم لوگوں کو چھوڑ آئے۔ ذرا ریسٹ بھی مل جائے گا۔"

رابعہ بیگم نے گویا صائمہ کے دل کی بات کی اور بلال کے کمرے میں آ گئیں۔

"سوری امی جان! گستاخی معاف، اس وقت بہت تھکن محسوس کر رہا ہوں۔ پھر وہاں جا کر وقت بھی بہت برباد ہوتا ہے اور اب تو میرا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ابھی جمال آ جاتا ہے تو چھوڑ آئے گا۔"

صائمہ اور فائزہ قریب ہی کھڑی تھیں۔ دروازے سے صاف آواز سنائی دے رہی تھی۔ صائمہ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر رہ گئی کہ اگر زیب ہوتی تو پیپر چھوڑ کر بھی چھوڑنے چلا جاتا۔

"رہنے دیجئے آنٹی! ان کا حرج کیوں کرتی ہیں۔ ابھی جمال آ جائے گا تو چلے جائیں گے۔"

صائمہ کا سارا پلان ہی فیل ہو گیا تھا۔ وہ بدمزا سی ہو گئی پھر ندا کے پاس آ گئی۔

"ویسے صائمہ باجی! آپ پر یہ ہیئر سٹائل بہت سوٹ کر رہا ہے۔ بالکل مادھوری اسٹائل، ویسے آپ کی کچھ کچھ شکل مادھوری سے ملتی بھی ہے۔"

"ہیں واقعی!" وہ ندا کی تعریف پر خوش ہو گئی اور ساری بدمزگی جو بلال کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی ختم ہو گئی۔

"بالکل واقعی۔" ندا نے اسے پر یقین لہجے میں یقین دلایا۔

"السلام علیکم۔ صائمہ باجی آئی ہیں؟" جمال اسی وقت بائیک کھڑی کر کے اندر آیا۔

"جی ہاں۔ فائزہ باجی بھی آئی ہیں اور آپ کی منتظر ہیں کہ آپ آئیں اور چھوڑ کر آئیں۔"

"وہ پہلے ہی تھکا ہوا تھا۔ آتے ہی ندا نے کہا تو وہ بس دل ہی دل میں جل کر رہ گیا۔ اس کے باوجود کھانا کھاتے ہی گاڑی نکال لایا۔ گھر آ کر صائمہ نے ساری روئیداد ماں کے گوش گزار کر دی۔

"اور امی میں رابعہ آنٹی کے کپڑے لے آئی ہوں سلائی کرنے کے لیے اور ہاں وہ ندا وغیرہ پاس ہونے کی ٹریٹ بھی مانگ رہی ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں کیوں نہیں۔ ضرور ٹریٹ دو۔ خیر سے میری بیٹی اتنے اچھے نمبروں سے پاس ہوئی ہے اور یہ تم نے بہت اچھا کیا جو رابعہ بھابی کے کپڑے لے آئیں۔ میں خود سی دوں گی۔ ویسے یہ فائزہ کیسی رہی وہاں؟"

زاہدہ بیگم نے رازدارانہ انداز میں اس کے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دم بور امی! کسی بات میں حصہ نہیں لیا۔ بس منہ بنا کر بیٹھی رہی۔ رابعہ آنٹی مجھے بہت پوچھ رہی تھیں ہر کام مجھے ہی بتا رہی تھیں۔"

"وہ کچھ جھوٹ کچھ سچ ملا کر ماں کو خوش کر رہی تھی۔ زاہدہ بیگم خوش اور مطمئن تھیں، ورنہ وہ سوچا کرتی تھیں کہ صائمہ کے لیے..... اچھا رشتہ کہاں سے مل سکتا ہے۔

"ارے آج آپ اتنی جلدی آ گئے۔ آپ اسی طرح کرتے رہے ناں تو لے اڑیں گے آپ کے بھائی سب کچھ۔"

وہ شوہر کو دیکھتے ہی چلا پڑیں تو وہ اطمینان سے بیڈ پر لیٹ گئے۔

"اری نیک بخت! اب اس دیگ میں دھرا کیا ہے جو کوئی لے اڑے گا۔ بزنس بالکل ختم ہو کر

رہ گیا ہے۔ میں نے تو الگ ہونے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"شکر ہے آپ کو بھی عقل آئی ورنہ میں تو کہہ کہہ کر ہاری مگر آپ کو اثر کہاں ہوتا تھا۔"

زاہدہ بیگم تو ازل سے یہ ہی چاہتی تھیں۔ مراد پوری تو ہوئی مگر ذرا دیر سے۔

"اور فیاض نے کیا سوچا ہے؟"

"فیاض کا بھی یہ ہی فیصلہ ہے بس اب بھائی صاحب کو مطلع کرنا رہ گیا ہے۔ انشاء اللہ ہم جلد ہی الگ ہو جائیں گے، انفرادی طور پر اپنا اپنا کام کریں گے۔"

"اور اس فوج کا کیا کریں گے جو ہمیں سسرال کی طرف سے بری میں ملی ہے۔ نسیمہ بیگم اور چار بچے وہ بھی جوان لڑکیاں۔" زاہدہ بیگم نے انتہائی نخوت بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ ہی تو اصل مسئلہ ہے۔ میں اور فیاض بہت پریشان ہیں اور بھائی صاحب ہیں کہ ان کی سرپرستی سے سبکدوش ہونا نہیں چاہتے ہیں۔ کئی بار کہا ہے، فرخ اب کام کرسکتا ہے کچھ وہ بھی کمائے، لیکن زمانہ بھی تو نہیں بخشتا ناں کہ تین بھائیوں نے بیوہ بہن اور جوان لڑکیوں کو بے سہارا چھوڑ دیا۔ اس کا حل تو یہ سوچا ہے کہ یا تو ان سب کو بانٹ دیا جائے کچھ کو ہم رکھ لیتے ہیں کچھ فیاض کے پاس اور کچھ بھائی صاحب کے پاس۔"

مشتاق احمد نے یوں ان سب کی تقسیم کی جیسے کوئی ڈاکے میں لوٹا ہوا مال تقسیم کرتا ہے۔

"یہ مصیبتیں جانے کب تک چمٹی رہیں گی جونک کی طرح۔ میں آسیہ بھابی سے بات کرتی ہوں کہ لڑکیوں کی تو شادیاں کروا دیتے ہیں۔"

"ہونہہ! شادیاں تو جیسے مفت میں ہو جائیں گی ناں۔"

مشتاق احمد نے سگریٹ سلگایا۔

"ہم رشتے ہی ایسے تلاش کریں گے کہ جہاں لینا دینا نہ پڑے۔ وہ رفیق بھائی کو تو آپ جانتے ہیں دو سال ہوئے ان کی بیوی فوت ہوگئی۔ وہ ضرورت مند ہیں۔"

"چار بچے ہیں ان کے اور تقریباً میری عمر کے ہیں اور زیب، صائمہ سے چھوٹی ہے۔" مشتاق احمد کو یہ بات بھائی نہیں۔

"اوہو تو کیا ہوا۔ کہہ رہے ہیں، ان کو صرف گھر اور بچے سنبھالنے والی چاہیے اور کسی چیز سے ان کو کوئی غرض نہیں۔ ہمارا کوئی خرچ بھی نہیں ہوگا اور بوجھ بھی اتر جائے گا۔"

زاہدہ بیگم ماں تھیں۔ جوان بیٹیوں کی ماں لیکن صرف اپنی بیٹیوں کی۔ دوسروں کے لیے تو وہ پتھر دل عورت تھیں۔

"بھئی، میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ تم عورتوں کا شعبہ ہے۔ ہمارے لیے اور..... فکریں بہت ہیں۔" مشتاق احمد نے انتہائی لاتعلقی سے کہا۔

"بس آپ اس معاملے میں فکرمند نہ ہوں۔ میں آسیہ بھابی سے بات کر کے رفیق بھائی سے بات طے کرلوں گی۔ نسیمہ باجی کو بھلا کیوں اعتراض ہوگا۔ وہ تو اس بڈھے کے ساتھ بھی تیار ہوگئی تھیں۔"

زاہدہ بیگم نہیں جانتی تھیں کہ نسیمہ بیگم وقت اور حالات کی چکی میں اس طرح پسی جا رہی تھیں کہ ان کی قوت فیصلہ سلب ہو کر رہ گئی تھی ورنہ وہ اپنی کلیوں، جیسی بیٹیوں کے لیے کیسے کیسے خواب دیکھتی

تھیں مگر ان کی تعبیر ان کے اختیار میں کہاں تھی۔

"خدا کے لیے امی انسانیت کے درجے سے اتنی مت گریں کہ خود انسانیت شرما جائے۔"

اسد نے ماں کی ساری بات سن لی تھی اور دکھ کے شدید احساس نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ سیدھا انیکسی کی طرف آیا۔

"فرخ! فرخ!"

فرخ کے پیپرز تو ہو چکے تھے۔ اب پریکٹیکل کی تیاری وہ بڑی شدومد سے کر رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ پڑھ رہا تھا اور شنذرا اس کے قریب بیٹھی اپنی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی۔ اسد کی آواز پر چڑ گئی۔

"آ گیا منحوس۔"

"شنذرہ! ایسا مت کہا کرو۔ وہ اکلوتا ہے اپنی ماں کا۔" نسیمہ بیگم نے ٹوکا۔

"امی! اس کی طرفداری مت کیا کریں۔ اول درجے کا بخیل ہے۔ یہ..... ذرا فرخ کو پڑھتا دیکھ لیتا ہے تو جل بھن جاتا ہے۔ فوراً آ جاتا ہے۔ آوازیں لگاتے یہ کردو وہ کردو۔"

پھر وہ بولتی ہوئی خود ہی باہر آ گئی۔

"کیا کام ہے، فرخ پڑھ رہا ہے۔"

"بلاؤ اسے، آیا کہیں سے پڑھنے والا۔" اسد نے مخصوص انداز میں کہا۔

"کام کیا ہے؟" شنذرا دروازے پر جمی رہی تا کہ وہ اندر نہ جائے۔

"جوتے پالش کروانے ہیں۔" اسد نے چیونگم چباتے ہوئے کہا تو شنذرا کا دل چاہا اس کا منہ ہی توڑ دے۔

"وہ پڑھ رہا ہے۔ نہیں آ سکتا۔" وہ ماں کی وجہ سے ضبط کرگئی۔

"تو تم کردو۔" وہ ہونٹوں پر چڑانے والی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

"میں وہی جوتے تمہارے سر پر ماروں گی۔ اگر آئندہ ایسا کہا تو۔"

"فرخ تم سن نہیں رہے، جلدی سے آؤ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔"

اسد زور سے چلایا تو فرخ باہر آ گیا۔

"فرخ! اگر تم اس کے ساتھ چلے گئے تو میں تمام عمر تم سے بات نہیں کروں گی۔" شنذرا نے فرخ کو اپنی قسم دی۔

"فرخ! تمہیں میں بلا رہا ہوں۔"

اسد نے میں پر زور دے کر کہا تو وہ بچہ شش و پنج میں گرفتار دونوں کو دیکھ کر رہ گیا۔ پھر کچھ دیر اس نے سوچا اور اسد کے ساتھ چلا آیا۔

"اسد! مر جاؤ تم!"

شنذرا غصے اور دکھ سے پاگل ہو گئی کہ سگے بھائی کو بھی اسد نے چھین لیا۔ اس نے پتھر اٹھا کر اسد کی طرف اچھالا!!

☆......☆......☆

پتھر اُچھالتے ہوئے شذرا کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ پتھر جو اُس نے مارا تو واقعی بے حد غصے میں تھا' مگر یہ نہ ارادہ تھا اور نہ خواہش اور نہ اندازہ تھا کہ پتھر سیدھا جا کر اسد کے سر کے پچھلے حصے میں اس طرح لگے گا کہ خون کا فوارہ پھوٹ پڑے گا۔ وہ سر پر ہاتھ رکھ کر زمین پر گرسا گیا۔

فرخ چونک کر مڑا۔

''ارے اسد بھائی! آپ کو کیا ہوا ہے؟ اُف خدا! اتنا خون' یہ کیسے ہوا؟'' فرخ نے غالباً شذرا کو پتھر مارتے نہیں دیکھا تھا۔

''پتا نہیں یار! یوں لگا جیسے پتھر لگا ہو۔ تم... تم... فوراً جاؤ' شعیب بھائی یا منیب کو بلا کر لاؤ۔''

اسد شدید تکلیف میں تھا۔

سفید شرٹ پر خون پھیل گیا تھا۔ دونوں ہاتھ خون میں لت پت تھے۔

''پتھر....؟'' اسد اسے کسی کو بلانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اور فرخ پتھر کے بارے میں سوچتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا' تو اپنی جگہ حیران ساکت کھڑی شذرا پر نظر پڑی۔ وہ ساری بات سمجھ گیا۔ اور اس کی طرف تیزی سے بڑھا' بجائے اس کے کسی کو بلانے' وہ غصے سے بھنا گیا۔

''شذرا باجی! آپ... آپ انتہائی ظالم اور خودغرض ہیں۔ کیوں مارا آپ نے اسد بھائی کو پتھر' اگر یہی پتھر میرے لگ جاتا تو.... ان کی جگہ میں تڑپ رہا ہوتا... آپ بہت ظالم ہیں... آپ جانتی ہی نہیں کہ اسد بھیا وہ نہیں جو نظر... نہیں... امی... امی جان جلدی سے باہر آیئے' دیکھئے اسد بھیا کو چوٹ لگ گئی ہے۔''

فرخ کو غصہ تو اتنا آ رہا تھا' جی میں آیا کہ اسد کے بارے میں حقیقت سے اُسے آشنا کر دے مگر پھر اسد کی دھمکی یاد آ گئی کہ اگر کبھی یہ راز فاش ہوا تو وہ دوستی ختم ہو جائے گی اور وہ اس کے ساتھ دوستی ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے خاموش ہو گیا اور نسیمہ بیگم کو آوازیں دینے لگا۔

''کیا بات ہے فرخ... ہائے... میں مر جاؤں' اسد میرے بچے یہ کیا ہوا؟''

جیسے ہی نسیمہ بیگم کی نظر اسد پر پڑی' وہ تڑپ کر تیزی سے... اس کی طرف بڑھیں۔

بات اگر صرف اسد اور فرخ کے درمیان رہتی تو اسد پتھر کی چوٹ کے بجائے ٹھوکر لگ کر گرنے کا بہانا بنا دیتا' تاکہ بات آگے نہ بڑھتی' مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسد کی چوٹ نے گھر میں ہنگامے کی سی فضا پیدا کر دی تھی۔ سارا گھر اُس پر اُمڈ پڑا تھا۔

زاہدہ بیگم نے جو اپنے لاڈلے بیٹے کو اس حال میں دیکھا' تو وہ بے ہوش ہو گئیں۔ بہنوں کا رو

رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ مشتاق احمد کے ہاتھ پاؤں بھی ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

شعیب گھر پر تھا۔ وہ جلدی سے گاڑی نکال لایا اور اس افراتفری میں دو تین گاڑیاں اسد کے ساتھ روانہ ہوئیں کہ شذرا کی طرف کسی کا دھیان ہی نہیں گیا اور وہ تو گویا پتھرائی ساکت آنکھوں سے سارا تماشا دیکھ رہی تھی۔ یوں جیسے سکتہ طاری ہو گیا ہو۔ سکتہ تو اس وقت ٹوٹا جب نسیمہ بیگم کا زنانے دار تھپڑ رُخسار پر پڑا۔

''تو... تو بدنصیب' نامراد! مجھے کہیں کا نہیں رکھے گی۔ وہ لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ تم لوگ ہو ہی نمک حرام۔ جہاں کھایا... وہیں چھید کیا' اگر اسد کو کچھ ہو گیا' شذرا تیرا گلا میں خود گھونٹ دوں گی۔ اب تک تو زبان چلتی تھی تیری۔ زبان کے گھاؤ میں اپنے دل پر برداشت کرتی رہی ہوں۔ کمبخت! اب ہاتھ چلانا بھی شروع کر دیے ہیں... تو مجھے اس گھر ہی نہیں' اس جہاں سے بھی نکالے گی ذلیل لڑکی۔''

نسیمہ بیگم کو بہت غصہ تھا' ان کا جی چاہ رہا تھا اسے مار ہی ڈالیں۔

''امی! بس کریں' خدا کے لیے' یہ تو ہے ہی بدزبان' بدلحاظ' منہ پھٹ' آپ کیوں ہلکان ہو رہی ہیں؟'' زیب نے آگے بڑھ کر ماں کو پرے کیا' جو شذرا کو مارے جا رہی تھیں۔

''باجی آپ... آپ بھی مجھے ہی غلط سمجھ رہی ہیں؟''

شذرا نے شاکی دھندلائی نظروں سے زیب کو دیکھا' وہ بھی سخت غصے میں تھی۔

''تمہیں غلط نہ سمجھوں تو کیا سمجھوں۔ بہت پارسا ہو۔ کچھ احساس ہے' تم نے کیا کر دیا ہے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ تم نفرت اور انتقام میں اس قدر اندھی بھی ہو سکتی ہو کہ ان کے تمام احسانات کو یوں اسد کے خون میں رنگ دو گی۔''

''باجی! خدا کی قسم میں نے جان بوجھ کر اسد کو نہیں مارا۔ میں نے تو پتھر ہوا میں اُچھالا تھا۔'' وہ رو پڑی۔

''ہاں تمہاری تو ہوائیں بھی نفرت کرتی ہیں اسد سے' نمک حرام لڑکی! ابھی تو وہ سب اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ زاہدہ کو ہوش میں آنے دو' چٹیا پکڑ کر باہر نکال دے گی وہ مجھے... بدنصیب ایک تو قسمت ہی ایسی ہے اوپر سے کرتوت نامرادوں کے ایسے ہیں کہ...!''

نسیمہ بیگم سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئیں۔ انہوں نے کتنا چاہا تھا کہ وہ بھی اسد کے ساتھ اسپتال جائیں' مگر آسیہ بیگم نے صاف کہہ دیا۔

''کیا ضرورت ہے آپ کی' خود ہی گھاؤ لگاتی ہیں اور خود ہی... کوئی ضرورت نہیں ہے جانے کی۔''

آسیہ بیگم نے ہاتھ پکڑ کر اُن کو الگ کر دیا تھا۔ وہ اپنا سا منہ لے کر واپس آ گئیں۔ گھر میں ایک قیامت سی برپا تھی۔ زاہدہ بیگم کی تو حالت غیر تھی۔

''ہائے میرا بچہ! اگر میرے بچے کو کچھ ہوا تو... تو...!''

''خدا نہ کرے زاہدہ! ایسی کوئی بات نہیں اسد ٹھیک ہے۔ ابھی شوبی کا فون آیا ہے۔'' آسیہ بیگم نے اُن کو دلاسا دیا۔

اسی وقت ظہیر صاحب اور رابعہ بیگم بھی آ گئیں۔ طلال اور بلال تو اسپتال ہی چلے گئے تھے۔

''زاہدہ! ہوش میں آؤ' اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو [illegible]''

"بھائی! میرا بچہ... میرا اکلوتا بچہ بھی خار کی طرح کھٹکتا ہے دشمنوں کو' میں کیا کروں گی؟"
زاہدہ بیگم' رابعہ بیگم کے گلے... لگ کر رونے لگیں۔
"حوصلے سے کام لو زاہدہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ صائمہ..... صبا! ارے بچیو! بری بات ہے۔ اللہ سے بھائی کی زندگی مانگو' امی کو حوصلہ دینے کے بجائے خود بھی..."
رابعہ بیگم نے صائمہ' صبا اور ہما کو ٹوکا تو صائمہ ان کی توجہ حاصل کرنے کے لیے مزید بلند آواز میں رونے لگی۔
"آنٹی! ہماری تو دنیا ہی ہمارے بھائی کے ساتھ ہے۔ ہم نے کسی کے ساتھ کیا برا کیا کہ ہمارے اکلوتے بھائی کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں یہ لوگ۔"
صائمہ نے نفرت سے زیب اور نسیمہ بیگم کی طرف دیکھا' جو مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ صائمہ کا بس چلتا تو شنذرا کے بجائے اپنی رقیبہ زیب کو مار ڈالتی۔
شنذرا کو اسد کی چوٹ کا دُکھ تھا یا گھر میں جو اس پر لعن طعن ہو رہی تھی' جانے کیا وجہ تھی کہ وہ تکیے میں منہ دیے مستقل روئے گئی۔ حالانکہ وہ خود کو مجرم بھی نہیں کہہ رہی تھی اور نہ خود کو ملامت کر رہی تھی' بلکہ اسد کو زخمی کر کے ایک طرح سے سکون ملا تھا۔ پھر یہ رونا کس بات پر تھا کہ وہ روئے جا رہی تھی۔
"بلال! آ گئے تم' کیا حال ہے اسد کا؟"
بلال اسپتال سے آیا تو سب بے قراری سے اس کی طرف بڑھے۔
"خدا کا شکر ہے کہ اسد بالکل ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں چوٹ معمولی ہے' کوئی فکر کی بات نہیں۔" بلال نے چوٹ کو مزید معمولی بنا کر پیش کیا۔
ویسے بھی تین ٹانکے لگنے کے باوجود ڈاکٹرز نے اسے زیادہ خطرناک چوٹ قرار نہیں دیا تھا۔ اس لیے سب مردوں کی رائے تھی کہ خواتین کو بتایا ہی نہیں جائے گا کہ اسد کو ٹانکے لگے ہیں۔
"میرا بچہ ہوش میں تو ہے ناں؟" زاہدہ بیگم بے قراری سے پوچھ رہی تھیں۔
"کیسی باتیں کرتی ہیں آنٹی..... بالکل ہوش میں تھا اسد' کوئی خاص بات نہیں' بس رگ کٹ گئی ہے۔ اس کی وجہ سے خون زیادہ بہہ گیا۔"
"اُسے خون کی ضرورت تو نہیں' اگر ہے تو میں اپنے بدن کا ایک ایک قطرہ اپنے بھائی کو دینے کو تیار ہوں۔ بلال پلیز آپ مجھے اس کے پاس لے چلیے۔"
صائمہ جذباتی پن میں کچھ اوور سی ہو گئی۔ بلال نے عجیب سی نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُسے یہ لڑکی شروع ہی سے ناپسند تھی۔
"خواہ مخواہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں' اگر خون کی ضرورت ہوتی تو ہم سب لوگ وہاں موجود تھے اور اسپتال جانے سے سب کو منع کیا ہے انکل شوکت نے' لہٰذا کوئی اسپتال نہیں جائے گا... صدف! پانی پلاؤ۔"
بلال نے خاصے اکھڑ پن سے صائمہ کو ٹوکا اور پانی کے لیے صدف کو کہہ کر زیب کی طرف دیکھا' جو زاہدہ بیگم کے پاؤں دبا رہی تھی۔
"... بلال بھیا!"

"صدف! یہ شنذرا کہاں ہے؟" گلاس لیتے ہوئے بلال نے آہستگی سے پوچھا۔
"شنذرا واقعی بہت بری ہیں بھیا' وہیں ہیں اپنے کمرے میں۔"
سب کی طرح صدف کو بھی شنذرا پر غصہ تھا۔
"ایسے نہیں کہتے صدف! آؤ میں اس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس نے ایسا کیوں کیا؟"
پھر وہ اس کو لے کر انیکسی میں آ گیا۔ شنذرا اسی طرح تکیے میں سر دیے رو رہی تھی۔
"شنذرا!" بلال نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑی۔
"بلال بھیا! آپ... آپ بھی مجھے ڈانٹنے آئے ہیں؟"
اس نے بھرائی ہوئی آواز میں دُھندلائی آنکھوں سے بلال کو دیکھا تو اُس نے شنذرا کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنے رومال سے اس کے آنسو صاف کیے۔
"نہیں' میں بھلا اپنی بہن کو غلط کیوں سمجھوں گا' اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ ہر عمل کا ردعمل ہوتا ہے اور اسد کی چوٹ بھی کسی ردعمل کا نتیجہ ہے۔"
بلال نے نرم لہجے میں کہا تو وہ اس سے لپٹ کر رو پڑی۔ اس نے ہمیشہ بلال میں اپنے عمیر بھیا کو پایا تھا۔
"ستم تو یہ ہے بلال بھیا کہ میرا ردعمل سب کو نظر آ جاتا ہے' مگر وہ جو.... مرضی کرتا رہے' کسی کو نظر نہیں آتا۔"
"شنذرا! اس بار تمہارا ردعمل شدید ثابت ہوا ہے۔ پتا ہے چوٹ کتنی گہری آئی ہے۔ تین ٹانکے لگے ہیں۔ خون زیادہ بہہ جانے کے باعث اُسے ابھی تک ہوش نہیں آیا۔"
وہ سچ جو باقی خواتین سے مصلحتاً اس نے چھپایا تھا۔ وہ شنذرا کو تنبیہاً بتانا پڑا تھا۔
"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی بلال بھیا کہ اسے ایک جسمانی چوٹ لگ گئی تو قیامت آ گئی' گھر بھر میں اور وہ جو پل پل زخمی کرتا رہتا ہے' ہماری رُوحوں کو' طعنوں کے کچوکے لگا لگا کر' اس کی کوئی سزا نہیں' اس کی کوئی پکڑ نہیں۔"
وہ ہچکیوں کے دوران شکوہ کناں نظروں سے بلال کو دیکھ رہی تھی۔
"نہیں شنذرا! یہ دُنیا فانی ہے اور اس دُنیا کا قانون جسم کو تحفظ دیتا ہے۔ یہاں صرف جسم کے قاتل کو سزا ملتی ہے' روح کے زخموں کا حساب صرف اللہ کی بڑی اور آخری عدالت میں ہوگا' جہاں کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوگی۔ وہاں حق و باطل کو جزا اور سزا مل کر رہے گی۔ دیکھو میری بہن! تم لوگوں کو یہیں رہنا ہے اور جس طرح انہوں نے رکھنا ہے' اسی طرح رہنا ہے اور ویسے بھی اسد اتنا برا نہیں' جتنا تم اسے سمجھتی ہو۔"
بلال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا۔
"نہیں بھیا! وہ کتنا برا ہے' آپ کو خبر نہیں ہے۔ ہر وقت طعنے دیتا ہے ٹکڑوں پر پلنے کے اور ہم پر اور فرخ پر رُعب ایسے جماتا ہے' جیسے ہم زرخرید غلام ہوں۔ مجھے شدید نفرت ہے اُس سے۔"
وہ جو اُس کی چوٹ کی سنگینی کا سن کر کچھ نرم پڑ گئی تھی' بلال کی بات پر اس کی نفرت عود کر آئی۔
"شنذرا! میں بڑا بھائی ہونے کے باوجود تم سے درخواست کروں گا کہ برداشت اور ضبط سے کام لیا کرو۔ وقت ایک سا نہیں رہتا اور یہ معمولی حادثہ نہیں ہے' نہ ہی اس کے اثرات معمولی ہوں گے۔

تمہیں خاموش رہنا ہوگا جو بھی کچھ کہے' بس چپ رہنا۔"

بلال اسے اچھی طرح سمجھا کر آ گیا۔ راہداری میں زیب سے مڈبھیڑ ہوگئی۔

"زیب! میں نے شذرا کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے۔"

"کتنا ہی سمجھا لیں' اس پر اثر نہیں ہوگا..... بہت ڈھیٹ اور ضدی لڑکی ہے۔ اب خود تو چھپی بیٹھی ہے' سن لیا ناں آپ نے' کتنا ذلیل کررہی ہیں بڑی اور چھوٹی مامی۔ زاہدہ مامی تو بار بار بے ہوش ہورہی ہیں۔ جب وہ ہوش میں آئیں گی تو پتا تو تب چلے گا ناں۔ اس لڑکی نے رُسوا کرکے رکھ دیا ہے ہمیں زمانے بھر میں۔"

زیب کی پلکیں بھیگنے لگیں تو بلال کا دل چاہا' اس لڑکی کو جسے وہ شدت سے چاہتا ہے' کہیں چھپا لے۔

"تم لوگوں نے اپنی دنیا کو صرف اس گھر تک محدود کرلیا ہے۔ زیب! اس گھر کے باہر کی دنیا بھی تم لوگوں کی اپنی ہے' مگر تم لوگوں نے کبھی اسے اپنا سمجھا نہیں۔"

"زیب! یہ تم امی کے لیے دودھ لینے گئی تھیں ناں؟"

صائمہ کی تیز نگاہیں زیب کے جسم کے آر پار ہوگئی تھیں۔ لہجے کی کاٹ نے دل زخمی کردیا۔ وہ جلدی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ صائمہ بلال کے قریب آ گئی۔

"بلال پلیز' مجھے اسپتال لے چلیں' میں جب تک خود اسد کو نہ دیکھ لوں گی' قرار نہیں آئے گا اور میں دیکھ کر آؤں گی تو امی کو بھی تسلی ہوگی۔"

بلال نے تیکھی نظروں سے صائمہ کا جائزہ لیا' جو کچھ دیر قبل چیخوں پکوں رو رہی تھی' اب لائٹ سے میک اپ میں اس کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھی۔

"آنٹی کو تو خیر چھوڑو ان کی بے قراری کا مجھے علم ہے' لیکن سوری' میں نہیں لے جاسکتا۔" بلال نے رُوکھے سے لہجے میں صاف انکار کردیا۔

"کیوں؟" وہ سراپا احتجاج بن گئی۔

"اس لیے کہ میرے پاس گاڑی نہیں بائیک ہے۔"

بلال نے بائیک خاصا چبا کر کہا۔

"تو کیا ہوا' میں بائیک پر بڑی آسانی سے بیٹھ جاتی ہوں۔"

وہ ڈھٹائی کا سمبل بنی اُس کے ساتھ جانے پر مُصر تھی۔

"لیکن میں خواتین کو ساتھ بٹھا کر بائیک آسانی سے نہیں چلا سکتا۔"

بلال نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

"ہونہہ! سب سمجھتی ہوں' لیکن بلال تم میرے نہ ہوئے تو اپنی زیب رانی کے بھی نہ ہوسکو گے۔ ابھی زیب فرمائش کردیتی تو سر پر سوار کرلیتا' مجنوں کہیں کا۔"

صائمہ پاؤں پٹختی آ گئی۔

رات کو اسد کو گھر لے آئے تھے' وہ ہوش میں تھا' مگر کمزوری بہت محسوس کررہا تھا۔

"میں صدقے ..... میں قربان! میرا بچہ!! یااللہ میرے بچے کو کس کی نظر لگ گئی۔ دشمن ہروقت

گھات لگائے رہتے ہیں۔ مولا تو ہی بچانا میرے بچے کو... میں واری' کیسا رنگ ہوگیا ہے میرے چاند کا' گویا ہلدی ڈال دی گئی ہو چہرے پر۔ خون جو اتنا بہہ گیا ہے' میں صدقے۔"

زاہدہ بیگم ماں تھیں۔ اسد کو لپٹا کر شدت سے رو پڑیں۔ بہنیں بھی آ گئیں۔

"اسد میری جان! کیسے ہو اب؟" صائمہ نے اسد کا ہاتھ ہونٹوں سے لگایا۔

"آپی' امی! میں بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کے سامنے ہوں' اب تو مت روئیں۔ مجھے دُکھ ہوتا ہے آپ کے آنسو دیکھ کر۔"

اسد نے ماں اور بہنوں کے آنسو صاف کرتے ہوئے نحیف سی آواز میں کہا۔

"ہاں..... ہاں بند کرو یہ رونا' شکر ادا کرو خدا کا کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کی جان بخش دی' ورنہ شذرا بیگم نے تو جان سے مارنے کی پوری کوشش کی تھی۔"

مشتاق احمد نے بڑی بہن کا ذرا بھی خیال کیے بغیر کچوکا لگایا تو وہ مجرموں کی طرح سر جھکا کر رہ گئیں۔

"اسد بیٹا! اب کیسا محسوس کررہے ہو' خدا تمہیں میری اور ان بدنصیبوں کی عمر دے۔" نسیمہ بیگم بڑی ہمت کرکے اسد کے پاس گئیں۔

"خدا کے لیے بخشیں اب نسیمہ باجی! کوئی ضرورت نہیں اب ان چونچلوں کی۔ یہ سب آپ ہی کی تربیت کا نتیجہ ہے' کہ ہمارے احسانات کا یہ صلہ دیا جارہا ہے۔ حد ہوتی ہے برداشت کی بھی' مگر یہاں تو انتہا ہوگئی۔ شذرا کو آپ نے اس حد تک سر چڑھا رکھا ہے کہ جو اس کے جی میں آتا ہے' کرتی ہے۔"

مشتاق احمد کا کٹیلا لہجہ نسیمہ بیگم کے دل کو چیرتا ہوا گزر گیا۔ انہوں نے واضح طور پر ان کو اور ان کی تربیت کو نشانہ بنایا تھا۔

"مشتاق' میرے بھائی! کچھ بھی کہہ لو' مار ڈالو شذرا کو' مگر مجھے احسان فراموشی کی گالی تو نہ دو' میرا تو پور پور تم لوگوں کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔"

"نسیمہ باجی! پلیز میرے بیٹے کے سرہانے سے ہٹ جایئے۔ اب کسر ہی کیا رہ گئی ہے۔ مت روئیں میرے بیٹے کے سرہانے کھڑی ہوکر۔"

زاہدہ بیگم نے بہت برے انداز میں کہا تو وہ دوپٹے میں چہرہ چھپائے وہاں سے ہٹ گئیں۔

زیب بھی اُٹھنے لگی۔

"زیب کہاں چلیں اب' پتا بھی ہے' سب لوگ جمع ہیں' کھانے کا بھی کچھ کیا ہے' یا آرام ہی فرمایا گیا ہے؟"

آسیہ بیگم کی پاٹ دار آواز نے زیب کو رُکنے پر مجبور کردیا۔

"وہ جی اسد کی پریشانی کی وجہ سے کچھ نہیں کیا' اب آپ بتائیں کیا بنانا ہے' جلدی سے بنا لیتی ہیں' آؤ صدف۔"

"اسد کی پریشانی..... تم لوگوں کو اسد کی کیا پریشانی ہوسکتی ہے؟ ہونہہ! چور بھی اور چتر بھی.... کوئی ضرورت نہیں ہے' میں خود کھانا بنا لیتی ہوں۔"

صائمہ نے نخوت سے زیب کو دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ نہیں چاہتی تھی' زیب' بلال کی موجودگی میں یہاں رہے' اُسے سارا کام کرنا منظور تھا' اسی لیے اس نے اسے انیکسی میں بھیج دیا۔

یہ سب نہ صرف بلال کے لیے' بلکہ پوری ظہیر فیملی کے لیے ناقابل برداشت تھا' مگر کوئی بھی ان کی حمایت میں نہیں بولا' مبادا ان کو ہی بھگتنا پڑے۔ البتہ بلال کسی کام کا بہانا بنا کر گھر واپس آ گیا۔

☆......☆......☆

"امجد! اب کیا ہوگا؟" نبیل کے ماتھے پر خنکی کے باوجود پسینہ اُبھر آیا۔

"ہوگا تو کچھ بھی نہیں' مگر تمہاری بدحواسی کوئی گل نہ کھلا دے۔ نارمل رہو۔ ارے راحیل بھائی! آپ لوگ بھی یہیں ہیں۔" امجد بڑی گرمجوشی سے راحیل کی طرف بڑھا۔

"ہاں بھئی' یہ شیری کی سالگرہ تھی جو میں نے سیلیبریٹ کی ہے۔ تم لوگ....."

راحیل نے امجد اور نبیل کو دیکھا۔

"جی وہ ولیمہ ہے ناں' ہماری دوستی کا۔" نبیل کی زبان لڑکھڑا گئی تو سب مسکرا دیے۔

"ارے بھائی! صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ کی کسی گرل فرینڈ کا ولیمہ ہے' چلئے ہمیں بھی دلہن دکھلا دیجیے۔ آؤ شیری... چلیں باجی۔" نجل فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں... ہاں کیوں نہیں آؤ۔" بدحواسی میں نبیل کو کچھ خیال نہ رہا۔ وہ فوراً تیار ہوگیا..... مگر امجد نے زور سے اُس کے پاؤں پر پاؤں مارا۔

"دماغ خراب ہے تمہارا' دلہن دکھانے لے جا رہے ہو پتا بھی ہے' جنہیں وہ لوگ کس قسم کے ہیں' مائنڈ بھی کر سکتے ہیں کہ انوائٹ ایک بندے کو کیا اور یہ پوری فیملی کو اٹھا لائے۔ نجل! آپ کو دلہن دکھائیں گے' لیکن آج نہیں۔"

نبیل کو تنبیہی انداز میں گھورتے ہوئے امجد نے اس موقع کو ٹالا تو نبیل کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا کہ وہ کیا کرنے جا رہا تھا۔

"اوہو بھئی! ہم کون سا کھانے میں شریک ہو رہے تھے' بس دلہن کو دیکھ کر آ جاتے۔ خیر نبیل! میری برتھ ڈے ہے' تم ہمیں جوائن نہیں کرو گے؟"

شہرین ان سب سے چھوٹی تھی' مگر راحیل کے حوالے سے وہ سب کو خود سے جونیئر سمجھ رہی تھی۔

"سوری جی! اللہ نے چاہا تو آیندہ برتھ ڈے پر حاضر ہو جاؤں گا۔ فی الحال تو....." نبیل نے جیب سے رومال نکال کر چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ راحیل بھائی اور فاطمہ باجی! آپ سے ایک اجازت بھی لینی ہے۔"

"کیسی اجازت؟" راحیل اور فاطمہ نے یک زبان ہو کر امجد کو دیکھا۔

"وہ یہ ہے جی کہ آج رات ہم نے اپنے دوست کی شادی کی خوشی میں ہلے گلے کا پروگرام بنایا ہے' سارے دوست جمع ہوں گے۔ نبیل نہیں ہوگا تو رتی برابر مزا نہیں آئے گا۔ اس لیے آج رات ہم دوستوں کے پاس نبیل کو رہنے دیں...... آپ لوگ انکل اور آنٹی کو سمجھا دیجیے گا۔"

امجد نے لگے ہاتھوں رات کی بھی اجازت طلب کی۔

"رات..... مگر امجد ابھی دو روز بعد تم لوگ غالباً سیر و تفریح کے لیے لمبے ٹور پر جا رہے ہو تو آج

رات ضروری نہیں کہ گھر سے باہر گزاری جائے۔"

راحیل نے پس و پیش سے کام لیا تو نبیل کا دل بیٹھنے لگا' مگر امجد نے ہمت نہیں ہاری۔

"مس شہرین! آپ تو ہماری ہونے والی بڑی بھابی ہیں کچھ سفارش کر دیں۔"

امجد نے راحیل کی کمزوری پر ہاتھ رکھا۔

"کم آن راحی! انجوائے کرنے دیں بچے ہیں' چلو جاؤ' نبیل خوب انجوائے کرنا' میں مما' پپا کو سمجھا دوں گی۔"

شہرین بڑی معتبر بنی اجازت دے رہی تھی۔ آمنہ' فاطمہ اور نجل نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فی الحال تو رشتے کی بات بھی پکی نہیں ہوئی تھی اور اتنے اختیارات کی مالک بن بیٹھی تھی وہ۔ کتنی خوش نصیب ہوتی ہیں بعض لڑکیاں کہ بن مانگے بن چاہے سب کچھ مل جاتا ہے۔ خوشیوں کے بے شمار پھول آپ ہی آپ ان کے قدموں میں آ گرتے ہیں۔

فاطمہ نے چہکتی ہوئی شیری کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"ارے بھئی اب کیا دیکھ رہے ہو جاؤ انجوائے کرو۔ اب شہری' مما پپا کو سنبھال لے گی۔"

راحیل نے وارفتہ نظروں سے شہری کو دیکھا۔ ان کو تو خوشی ہو رہی تھی کہ شہری اپنا حق استعمال کر رہی تھی۔

"تھینک یو..... تھینک یو سوئیٹ بھابی جان۔"

نبیل خوشی سے کھل اُٹھا..... بہنوں کو نظر انداز کرتا ہوا شہری سے ہاتھ ملا کر بولا..... تو وہ تینوں یوں بے وقعت سی ہو کر رہ گئیں گویا ان کا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ آمنہ کا جی چاہ رہا تھا کہ وہاں سے اُٹھ جائے۔

امجد کی مخلص دوستی نے نبیل کا ہر آڑے وقت میں ساتھ دیا تھا۔ اسی کا تعاون تھا کہ وہ اپنی عزیز از جان دلہن مہوش کے ساتھ ہنی مون منانے چلا گیا تھا۔

"بھئی اس لڑکے کے اپنے ہی پروگرام ہوتے ہیں۔ ابھی کیا ضرورت تھی سیر سپاٹے کرنے کی۔ وہ سجاد صاحب کا اصرار ہے کہ جلد ہی شہرین اور راحیل کی شادی کی جائے۔ نبیل صاحب ہیں کہ ان کا گھر میں ٹکنا ہی محال ہے۔"

اُس روز بھی سجاد صاحب نے شہری اور راحیل کی شادی پر زور دیا تو فاروق صاحب جھنجلا گئے۔

"فاروق! اتنی سی بات کو سر پر سوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ نبیل اب ایک ماہ سے قبل تو آنے سے رہا۔ امجد بتا رہا تھا کہ ان کے پورے گروپ کا لمبا چوڑا پروگرام ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ فی الحال منگنی کی رسم ادا کر دیتے ہیں' جیسے ہی نبیل لوٹے گا' شادی کی تاریخ رکھ دیں گے۔ کیوں بچو کیا خیال ہے تم لوگوں کا؟"

مسز فاروق نے تجویز پیش کر کے رائے کے لیے سب کی طرف دیکھا۔

"عدیل! فاطمہ' آمنہ میں نے کچھ پوچھا ہے؟"

ان کی خاموشی پر انہوں نے پھر پوچھا۔

"جی..... جی مما جان!! جیسے آپ لوگ مناسب سمجھیں۔ ویسے آپ نے ٹھیک کہا ہے کہ ابھی منگنی کر دیتے ہیں تاکہ لڑکی والوں کی تسلی ہو جائے۔"

فاطمہ نے جلدی سے اپنی رائے دے دی۔

"بے بی! تم بہت خاموش ہو کیا خیال ہے۔ تمہاری تو بڑی خواہش تھی کہ ہمارے گھر میں بھی خوشی کے شادیانے گونجیں، ڈھولک بجے اور....."

"جی مما! میں بے حد خوش ہوں کہ ہم بہن بھائیوں میں سے کسی کے ارمانوں کے پھول تو کھلنے ہی چاہئیں۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی تجل کا لہجہ تلخ ہو گیا۔ وہ اپنے والدین کو سمجھ نہیں پائی تھی کہ انہوں نے بیٹیوں کی پرورش اور آرام و آسائش میں کبھی کمی نہیں آنے دی تھی، مگر پھر بھی ہر اہم موقع اور خوشی پر صرف اپنے بیٹوں کا حق جانا تھا۔

"بے بی! تمہارے لہجے میں خاصی کاٹ ہوتی ہے۔ ذرا دھیان سے بولا کرو۔"

عدیل نے چبھتی نظروں سے تجل کو دیکھا، مگر تجل..... سنی ان سنی کرتے ہوئے پپا کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"پپا! میں اپنے کلاس فیلوز یا یونیورسٹی فیلوز کو بلا سکتی ہوں، بھائی کی منگنی پر؟" زندگی میں پہلا موقع ہی تو آیا تھا خوشی کا کہ وہ بھی کسی کو بتا سکتی تھی کہ اس کے گھر میں بھی کسی کی منگنی یا شادی ہو رہی ہے۔ اور وہ تیمور علی اور اپنے گروپ کے لوگوں کو بلانا چاہتی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کو بلانے کی، میں جانتا ہوں سب ایویں ہیں۔ تمہاری تو ہر بات ہی نرالی ہے۔ دوستیاں بھی اپنے اسٹینڈرڈ سے ہٹ کر کی ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں کوڑا کرکٹ کو بلانے کی۔"

"بھائی پلیز! آپ کو کوئی حق نہیں میرے دوستوں کی توہین کرنے کا۔ وہ کوڑا کرکٹ آپ جیسے چھوٹی ذہنیت رکھنے والوں سے ہزار گنا بلند اسٹینڈرڈ رکھتے ہیں۔" وہ جیسے پھٹ سی پڑی۔

"کول ڈاؤن بے بی!" فاطمہ نے تجل کا ہاتھ دبایا۔

"کیوں..... کیوں انہوں نے میرے دوستوں کی انسلٹ کی، کیا سمجھتے ہیں خود کو پپا، کیوں انسلٹ کی میرے دوستوں کی؟"

وہ فاروق احمد کے شانے سے لگ کر رو پڑی۔ اپنا لاڈلے اور چھوٹا ہونے کا فائدہ وہ ایسے ہی مواقع پر اٹھایا کرتی تھی۔ فاروق احمد کو بھی عدیل کی بات ناگوار گزری تھی۔ انہوں نے تجل کے آنسو صاف کرتے ہوئے تنبیہی نظروں سے عدیل کو دیکھا۔

"عدیل! بے بی درست کہہ رہی ہے۔ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان کی توہین کرنے کا حق نہیں اور وہ بھی ہماری بیٹی کے دوستوں کی، بے بی! چاہو تو ساری یونیورسٹی کو انوائٹ کر لو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"تھینک یو پپا!" اس نے نکھری مسکراہٹ کے ساتھ پپا کی پیشانی پر پیار کیا۔

"تجل بی بی! آپ کی سہیلی آئی ہیں۔"

"میری سہیلی کون ہو سکتی ہے۔" تجل سوچتی ہوئی گیٹ تک آ گئی۔

"ارے حنا! تم میری جان! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ہو سکتی ہو۔"

حنا کو یوں اچانک اپنے گھر دیکھ کر حیرت اور خوشی سے تجل بے حال ہو کر اس سے لپٹ گئی۔

"آج..... آج کیسے راستہ بھول پڑیں؟" وہ حنا کا ہاتھ پکڑے طویل لان عبور کر رہی تھی۔

"تم نے ہی مجبور کیا ہے، نہ یونیورسٹی آ رہی تھیں، نہ فون کیا، کیا آفت ٹوٹ پڑی تھی تم پر؟"

حنا چاروں طرف تجل کی زندگی پر پھیلی امارت آسائش کو دیکھ رہی تھی۔

"بس کیا بتاؤں حنا، ایک ہفتے سے بے حد مصروف ہوں۔"

"ہوں، لگتا ہے، کوئی خوشگوار تبدیلی رونما ہونے والی ہے، ہے ناں؟"

حنا نے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے رُک کر تجل کو دیکھا۔

"ہاں، تم چلو تو سہی اندر۔"

بڑا سا..... دروازہ عبور کرتے ہوئے تجل، حنا کو لاؤنج میں لے آئی۔

"حنا! یہ میرے پپا ہیں، یہ مما اور یہ فاطمہ اور آمنہ باجی ہیں اور یہ حنا ہے اور میرے لیے کیا ہے آپ لوگ جانتے ہیں۔" تجل نے سب سے حنا کا تعارف کرایا، مگر عدیل کا نہیں کرایا۔ اسے اس پر غصہ جو تھا اس لیے۔

"ہونہہ! دوست!!!" عدیل برا سا منہ بنا کر اُٹھ گیا۔

"آداب انکل..... آداب آنٹی!" حنا نے محبت سے جھک کر دونوں کو آداب کیا۔

"جیتی رہو بیٹی! آؤ بیٹھو بلکہ تم لوگ بیٹھو ہم چلتے ہیں۔"

وہ دونوں کھڑے ہو گئے

"ارے نہیں مما! آپ لوگ یہیں بیٹھے رہیں، میں حنا کو اپنے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔"

"ہاں، میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر رہے گا بے بی! تم حنا کو لے جاؤ، ہم ابھی آتے ہیں۔"

تجل، حنا کو لے کر اندر آ گئی۔ پھر آمنہ اور فاطمہ بھی چائے کے دوران شریک گفتگو ہو گئیں۔ حنا بڑی معصوم اور سادہ سی لڑکی تھی۔ ان دونوں کو بہت پسند آئی۔

"حنا! آپ لوگ کتنے بہن بھائی ہو؟"

"جی..... فاطمہ باجی، ہم چار بہنیں اور تین بھائی ہیں۔ ایک بھائی اور تین بہنیں شادی شدہ ہیں۔ اب میں اور چھوٹے بھائی ہیں۔"

تم جلدی جلدی آیا کرو حنا! اچھا لگتا ہے۔ یہ لو کباب۔ میں نے بنائے ہیں۔"

آمنہ کا موڈ صبح سے آف تھا۔ تجل نے خدا کا شکر ادا کیا کہ حنا کے ساتھ موڈ درست کر لیا تھا۔

"جی بہت لذیذ ہیں۔ میں پہلے ہی دو لے چکی ہوں۔ اب چائے پیوں گی۔"

حنا نے چائے کا سپ لیتے ہوئے ان دونوں لڑکیوں کو دیکھا، جو کافی خوش شکل تھیں، مگر نصیب اب تک نہیں کھلے تھے۔

"آمنہ، فاطمہ۔" نیچے سے عدیل کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"چلو آمنہ! چلتے ہیں بھئی۔ اب آپ دونوں دوست باتیں کریں۔ ہم ذرا رات کے کھانے کی تیاری کر لیں۔" وہ دونوں چلی گئیں تو حنا بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کتنی پیاری ہیں دونوں، کاش کوئی ان کو سراہنے والا مل جاتا۔"

"چھوڑو حنا! میں تمہیں سب کچھ بتا چکی ہوں پھر کیا فائدہ ایسی لاحاصل باتوں سے۔"

تجل کے چہرے پر دُکھ کے سائے نمایاں ہو گئے۔ اسے اپنی بہنوں کا بہت خیال رہتا تھا۔

"ہاں' ہیں تو اب یہ باتیں لاحاصل لیکن تجل! میں اکثر سوچتی ہوں کہ آخر ایسی کون سی بات ہے جس کی وجہ سے تمہارے والدین نے ان دونوں کی شادیاں نہیں کیں۔ بظاہر تو کسی چیز کی کمی نظر نہیں آتی۔ کیوں ایسا ہوا؟"

حنا کو بڑی کوفت ہوتی تھی یہ سوچتے ہوئے' کیونکہ ہمارے مذہب اور معاشرے میں لڑکیوں کو وقت پر رخصت کردینا والدین اپنا فرض عین سمجھتے ہیں' پھر ان کے ساتھ ایسا کیا معاملہ ہوا کہ دونوں باپ کی دہلیز پر بالوں میں چاندی اُتار رہی ہیں۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہمارا گھرانہ ایب نارمل گھرانہ ہے۔ یہاں کچھ بھی نارمل نہیں اور اس کیوں کا جواب تو سوالیہ نشان کی صورت میں اتنی بڑی دیوار بن کر کھڑا ہے کہ اس کو پاٹنا ہمارے اختیار ہی میں نہیں۔"

"تم نے کبھی پوچھا اپنی مما سے؟"

"ہونہہ! کیسی باتیں کرتی ہو حنا۔ ہمارے والدین نے ہمارے اختیارات کی حد مقرر کر رکھی ہے اور ہمیں اس حد کو پار کرنے کی اجازت نہیں۔ خیر چھوڑو۔ اچھی خبر سنو۔ راحیل بھائی کی منگنی ہو رہی ہے۔ اسی ماہ کے وسط میں۔"

"ہیں واقعی مبارک ہو۔ لڑکی کیسی ہے۔ کس ایج میں ہے۔"

حنا نے چھوٹتے ہی کئی سوال داغ دیے تو تجل گہرا سا سانس لے کر رہ گئی..... اور کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا ناں کہ ہمارا گھرانہ ابنارمل ہے۔ یہاں کچھ بھی نارمل نہیں۔ لڑکی مجھ سے بھی تین سال چھوٹی ہے یعنی اٹھارہ سال کی ہے۔"

"ہائے یہ تو زیادتی ہو گی اس کے ساتھ۔ تمہارے راحیل بھائی تو....."

"کوئی زیادتی نہیں حنا بی بی! اس لیے ہماری دنیا ہی اور ہے۔ وہ بے حد خوش ہے۔ اتنی کہ بھائی سے زیادہ اسے شادی کی جلدی ہے۔" تجل نے بے دلی سے بتایا۔

"اچھا تو ہم بھی تمہاری اس خوشی میں شریک ہو سکتے ہیں کہ نہیں؟"

"واہ! کیوں نہیں' جس خوشی میں تم لوگ جیسے میرے دوست..... شریک نہیں۔ وہ خوشی میرے لیے بے معنی ہے۔ سب لوگ آئیں گے۔"

"وہ لوگ بھی؟" حنا نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

"کون لوگ؟" تجل جان بوجھ کر بات گول کر گئی۔

"اللہ رے..... یہ بے نیازی۔ وہ نجانے عشق کی کون سی منزل پر ہے اور یہ فرما رہی ہیں کہ وہ کون۔ میں تیمور اور علی کی بات کر رہی ہوں۔"

"پلیز حنا! مت خواب دکھاؤ مجھے۔ میں تو اپنی بہنوں کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیوں ہی سے زخم زخم ہو گئی ہوں۔ اپنے خواب ٹوٹ گئے تو مر ہی جاؤں گی۔ میں ایسا کوئی خواب دیکھنا نہیں چاہتی' کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میرا انجام بھی میری بہنوں سے مختلف نہیں ہو گا۔"

خوابوں کے ٹوٹ جانے کے خیال سے ہی بہت مایوس اور بکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

"خدا نہ کرے تجل! کہ تمہارا انجام بھی ویسا ہو' اللہ کی ذات بہت مہربان ہے۔ مجھے امید ہے۔ تمہارا انجام مختلف ہو گا۔ میرا وہم ہی نہیں مجھے یقین ہے کہ تیمور تمہیں پسند کرتا ہے بہت زیادہ۔"

تیمور کے نام پر بے ساختہ تجل کا دل دھڑک اُٹھا۔ جب سے شکیل کی شادی پر تیمور سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے بارہا تیمور کو سوچا تھا۔ سوچا کیا تھا۔ وہ خود بخود سوچوں کے دریچوں سے اپنی..... پروقار شخصیت کے ساتھ دھیمی سی مسکراہٹ زیرلب لیے لبوں پر خاموشی اور آنکھوں میں اَن کہی باتیں لیے چلا آتا تھا' تب اس کے پاس موقع نہیں ہوتا تھا کہ دل کے کواڑ بند کرلے یا پلکوں کی چلمن گرا دے۔ وہ تو بلا اجازت چلا آیا تھا اور وہ روک بھی نہیں سکی تھی۔

"یہ تم کن سوچوں میں کھو گئیں۔ ویسے تو ہر لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ ہاں ذرا مار کھا رہا ہے تو اسٹینڈرڈ سے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے اس کے بارے میں؟"

حنا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی تو وہ نظریں چرا گئی۔

"حنا... حنا! میں بہت خوفزدہ ہوں۔ آنے والے وقت سے۔ مجھے بہت خوف آ رہا ہے۔ میں بہت وحشت محسوس کر رہی ہوں۔" وہ اپنی دوست' اپنی ہمراز کے سامنے روہانسی ہو گئی۔

"کس سے خوفزدہ ہو' تیمور سے؟"

"نہیں حنا! خود اپنے آپ سے خوفزدہ ہوں۔ ان جذبوں سے خوفزدہ ہوں جو میرے دل کی پتھریلی زمین سے سر اُبھار رہے ہیں۔ میں خوفزدہ ہوں ان دھڑکنوں سے' جو تیمور کا نام لینے لگی ہیں۔ میں خوفزدہ ہوں ان خوابوں سے جو تیمور کے حوالے سے میری آنکھوں میں سجنے لگے ہیں۔ حنا... حنا ایسے نہیں ہونا چاہیے' ورنہ بہت برا ہو گا۔"

تجل اپنے دل پر گزرتی واردات سے پریشان سی ہو گئی' گزشتہ دنوں اسے تیمور کا اتنا خیال آیا تھا کہ وہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا تجل اللہ پاک پر بھروسا رکھو انشاء اللہ۔ تم زندگی کی ساری خوشیاں دیکھو گی۔ اچھا یہ بتاؤ کل تو یونیورسٹی آؤ گی ناں؟" حنا اس کے دونوں ہاتھ تھامے پیار سے سمجھا رہی تھی۔

"نہیں حنا! کل تو نہیں۔ کل تو راحیل بھائی کی منگنی کی ڈیٹ رکھنے جائیں گے۔ پرسوں انشاء اللہ ضرور آؤں گی۔"

"اچھا تو پھر میں چلوں۔" حنا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"رکو' میں ڈرائیور سے کہتی ہوں' وہ تمہیں چھوڑ آئے۔"

"جی نہیں۔ کوئی ضرورت نہیں اس کی۔ بی بی! ہم جیسے لوگ ڈرائیوروں کے رحم و کرم پر نہیں ہوتے کہ ڈرائیور ملے تو کہیں نکلنا ہے۔ یہاں سے سیدھی ویگن جاتی ہے اور ہمارے اسٹاپ پر رُکتی ہے چلی جاؤں گی۔ بس تم..... اپنا خیال رکھا کرو۔ میرے لیے اور....." حنا شوخی سے مسکرائی۔

"اور....." تجل نے گھورا۔

"اور..... اور تیمور کے لیے۔"

"اچھا اب زیادہ پھیلو مت۔ تیمور کے لیے جان نہ پہچان میں تیرا مہمان۔"

کافی دنوں بعد تجل اپنے موڈ میں بولی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ارے تم جا رہی.... ہو حنا' رات کا کھانا کھا کر جاتیں۔ ڈرائیور چھوڑ آتا ناں۔" فاطمہ نے بڑی محبت سے کہا۔

"نہیں شکریہ باجی! بہت دیر ہو گئی ہے۔"

"اچھا تو جلدی جلدی آیا کرو۔ بہت اچھا لگا تمہارا آنا۔"

آمنہ اور فاطمہ زیادہ بیٹھی نہیں تھیں' مگر پھر بھی کسی اور کا گھر میں آنا بہت اچھا لگا تھا۔

حنا کے ساتھ تجل کا کچھ وقت خوشگوار گزر گیا تھا۔ حنا سوچ کے نئے راستے کھول گئی۔ جذبوں کو ہوا دے گئی تھی وہ خوش کن خیالوں کی وادی میں کھو گئی۔ فاطمہ اور آمنہ ٹیرس پر ٹہلنے لگیں۔

"آمنہ! کیا سوچ رہی ہو۔ میں نے کتنی باتیں کی ہیں' مگر تم نے جواب ہی نہیں دیا۔" فاطمہ نے چلتے ہوئے کئی باتیں کہیں' مگر آمنہ جانے کن خیالوں میں تھی کہ جواب نہیں دیا تو وہ رُک کر پوچھنے لگی۔

"میں سوچ رہی ہوں باجی! کہ آئندہ ہمارا کیا مستقبل ہوگا؟"

آمنہ ٹیرس پر رکھی کین کی کرسی پر گر سی گئی۔

"کیوں کیا ہونے لگا ہمارے مستقبل کو؟ بس جیسا ہے ویسا ہی رہے گا۔"

"باجی! یا تو آپ واقعی بہت بڑے دل گردے کی مالک ہیں یا پھر واقعی حالات کی سنگینی کو نہیں سمجھتی ہیں۔ سوچا ہے آپ نے کہ اب بھائی کی شادی ہو جائے گی۔ ہمارا کیا مقام ہوگا گھر میں۔ ہر لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔ شہرین اپنے شوہر کے گھر میں آ جائے گی تو ہمارا وجود اسے کانٹے کی طرح چبھے گا۔ شہرین تو ہے بھی پٹاخہ۔ سچ باجی آج سے پہلے کبھی میں اپنے مستقبل کے لیے اتنا پریشان نہیں ہوئی جتنا اب ہونے لگی ہوں۔ کیا ہوگا ہمارا۔ تمام عمر ہم اسی طرح گزار دیں گے۔ اس گھر کی حفاظت اور اس کے مکینوں کی خدمت میں۔" آمنہ کا شکستہ لہجہ حسرتوں سے ٹوٹ رہا تھا۔

"دیکھو آمنہ! میں انسان ہوں۔ پتھر نہیں ہوں۔ فرق صرف یہ ہے کہ میں نے اپنی تقدیر سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ جن خوشیوں کے ہم لائق نہیں تھے۔ وہ ہمیں نصیب نہیں ہوئیں۔ تو جن کے مقدر میں ایسی خوشیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے۔ یہ گھر بھی ہمارا ہے اور اس کے لیے اگر ہم کچھ کرتے ہیں تو کسی پر کیا احسان اور اس کے مکینوں کی اگر ہم خدمت کرتے ہیں تو یہ لوگ کوئی غیر تو نہیں ہمارے اپنے ہیں۔ اور رہا شہرین کا سوال تو خاصی تیز لڑکی ہے' لیکن ہمارا اس کا مقابلہ ہی کیا۔ جیسے رہے گی' ویسے ہم لوگ رہیں گے۔ بس ساری بات یہ ہے کہ انسان کو اپنی نیت درست رکھنی چاہیے۔ اللہ بہتر کرے گا۔ فکر مند کیوں ہوتی ہو۔"

فاطمہ نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں اسے سمجھایا' مگر آمنہ کے سامنے ان کا مستقبل ایک عبور نہ ہونے والی دیوار کی مانند تھا جس کے آگے پیچھے کچھ نہیں تھا۔

آج کتنے دن بعد وہ یونیورسٹی آئی تو فضا بہت نکھری ہوئی تھی۔ ہر شے پر بہار ہو رہی تھی۔ قطار در قطار پھولوں کی کیاریاں بہت دلکش لگ رہی تھیں۔ ہلکے ہلکے بادلوں کے ساتھ قدرے تیز ہوا بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ہر طرف قدرت کے نظارے بکھرے ہوئے آج اسے ہمیشہ سے زیادہ اچھے لگ رہے تھے۔ وہ ہر چیز میں نیا پن محسوس کر رہی تھی۔ واقعی کچھ بدل گیا تھا یا وہ اندر سے بدل گئی تھی۔ سوچوں کی کئی

راہیں کھل گئی تھیں۔

"یہ ہماری یونیورسٹی بھی کتنی خوبصورت جگہ ہے حنا۔ سچ میرا بس چلے تو تمام عمر یہیں بسر کر دوں۔" وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ کے لان میں گھاس پر بیٹھتے ہوئے گہرا سانس لے کر بولی۔

"یونیورسٹی کی دیوانی۔ صبح سے پیریڈ لے لے کر حشر خراب ہو گیا۔ کچھ کھانا پینا نہیں' جو یہاں پھسکڑا مار کر بیٹھ گئی ہو۔ چلو اٹھو۔"

حنا کو سخت بھوک لگ رہی تھی۔ ویسے بھی صبح سے مسلسل پیریڈ ہو رہے تھے۔

"کہاں کی تیاری ہے بھئی؟" آصف' حسن اور ماریہ بھی آ گئے۔

"جہنم میں۔ چلئے گا؟" حنا کو اس وقت ان کی آمد زہر لگی۔

"جی نہیں! آپ جائیے وہاں اپنے رشتہ داروں کو میرا اسلام کہیے گا۔ میں تو چلا اپنی جنت یعنی اردو ڈیپارٹمنٹ۔" حسن نے بائیک کی چابی انگلی پر گھماتے ہوئے شوخی سے کہا' تو تجل اس کے قریب آ گئی۔

"بائی دا وے اردو ڈیپارٹمنٹ کی ترقی کب ہوئی؟ جنت کب سے ہو گیا؟"

"بھئی جب سے وہاں حوریں آئی ہیں تب سے۔" حسن مستقل مسکرا رہا تھا۔

"یہ چکر کیا ہے۔" تجل کو کھد بد ہونے لگی۔ کیونکہ وہ حسن اور آصف کو اچھی طرح جانتی تھی۔ بہت اچھے اور سلجھے ہوئے لڑکے تھے۔ فلرٹ نہیں' البتہ وہ کسی کے لیے سنجیدگی سے ضرور سوچ سکتے تھے۔ اور وہ یہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔

"چکر کیا ہونا ہے تجل۔ ایک روز ہم انگلش ڈیپارٹمنٹ جا رہے تھے۔ تمہیں پتا ہے راستے میں اردو بھی آتا ہے تو بس ہمارا گزر وہاں سے ہوا تو ڈاکا پڑ گیا۔ اس ڈاکے میں بے چارا حسن لٹ گیا۔"

"آپ تو بچ گئے ناں؟"

"ہاں خدا کا احسان ہے کہ میں پورے کا پورا بچ گیا۔"

"اچھا باتیں نہ بناؤ۔ یہ بتاؤ۔ چور کا تاریخ جغرافیہ کیا ہے۔ نام و نسب کیا ہے۔ کیا چور واقعی اس قابل ہے کہ اس کی خاطر مجنوں بنا جائے؟" تینوں لڑکیاں متوجہ ہو گئیں۔

"ہائے اللہ مجھ سے نہ پوچھو۔ مجھے تو لاج آئے جا رہی ہے۔ آصف تم ہی بتاؤ ناں۔"

حسن نے جیب سے رومال نکال کر اس کا کونا دانتوں میں دبایا۔

"بھئی لڑکیو! چور کا نام فائزہ شوکت ہے اور بلاشبہ حسین لڑکی ہے لیکن خاصی مغرور ہے۔ ان موصوف کو خاصی محنت کرنا پڑے گی۔" آصف نے مختصراً سب کچھ بتا دیا۔

"خیر حسن' اگر مغرور نہ ہو تو ادھورا رہتا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میرے سچے جذبے اس کے غرور کا سر قلم کر دیں گے اور.... وہ...."

"حسن! تم صرف اس کی انا کی خودداری کو ختم کرنا چاہتے ہو یا واقعی اس کے لیے سیریس ہو؟" جانے کیوں تجل کو یہ خیال آیا کہ عام طور پر لڑکے کسی لڑکی کو پسند کرتے ہیں۔ اگر وہ لفٹ نہ کرائے تو اسے جھکانے کے لیے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں اور یہ بات اسے قطعی پسند نہیں تھی۔

"بہت افسوس ہوا تجل یہ سن کر۔ کیا تین سال کی دوستی میں تم ہمیں اس حد تک سمجھ سکی ہو۔ میں ان چھچھوری حرکتوں سے نفرت کرتا ہوں۔ کہا خود کروں گا میرے لیے عورت محترم ہے۔ خواہ وہ تجل ہو' حنا

ہو یا فائزہ۔"

حسن کا اچھا خاصا موڈ آف ہو گیا۔ اسے واقعی افسوس ہوا تھا کہ تجل نے اس کے بارے میں اس انداز سے سوچا ہے۔

"آئی ایم سوری حسن! تم لوگوں کو کیا سمجھتی ہوں کیسا سمجھتی ہوں۔ کیا تم لوگوں سے میری دوستی اس بات کی دلیل نہیں کہ میرے دل میں تم لوگوں کا کیا مقام ہے۔ میں نے یونہی ازراہِ مذاق پوچھ لیا تھا۔ تمہیں برا لگا تو ویری سوری۔" تجل شرمندہ لہجے میں بولی۔

"ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ ہماری ایک بھابی کا انتخاب ہو چکا ہے۔ ہمیں دیدار کب کرائے جائیں گے۔" حنا اور تجل، حسن کا موڈ درست کر رہی تھیں۔

"فی الحال تو مشکل ہے۔ پتا ہے وہ محترمہ بہت اکڑو ہیں۔ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتیں۔"

"تو نہ بیٹھنے دے مکھی کو۔ ہم مکھا بٹھا دیں گے اس کی پیاری سی نکیا پر۔ کیوں حسن بھائی۔" تجل نے کچھ ایسے کہا کہ حسن ہنس پڑا۔

"اچھا بابا اپنے اپنے دھندے پر لگو۔ جاؤ اپنی ہیروں کو مناؤ۔ میرے تو پیٹ میں چوہوں کا میچ ہو رہا ہے۔ آؤ تجل چلیں اس سے قبل نہ کسی اور کا عشق نمودار ہو۔" حنا تجل کا ہاتھ پکڑ کر بھاگی۔

"مس تجل۔ مس حنا۔ میری بات سنئے۔"

پیچھے سے علیم الدین کی آواز آئی تو دونوں مڑ کر انہیں دیکھنے لگیں۔

"علیم الدین صاحب! آپ کو پتا ہے پیچھے اس طرح کون بھاگتا ہے اور زبان اندر کریں۔ بالکل وہی لگ رہے ہیں۔" حنا کو اس وقت علیم پر ٹوٹ کر غصہ آیا۔

"دیکھئے مس تجل! یہ مجھے کتا کہہ رہی ہیں۔"

علیم الدین نے پھولی سانسوں کے دوران تجل سے حنا کی شکایت کی۔

"جھوٹ مت بولیے۔ میں نے آپ کو ہرگز کتا نہیں کہا۔ ویسے بھی مجھے کتے سے کوئی دشمنی نہیں۔" بھوک کی لہر حنا کے دماغ میں چڑھ گئی تھی۔ وہ بولے گئی۔

"ویسے علیم الدین اس نے آپ کو کتا کہا تو نہیں۔" تجل نے بھی حنا کی تائید کی۔

"مس تجل! میں بہت ذہین ہوں۔ دیکھ لیجئے انہوں نے نام بھی نہیں لیا اور میں سمجھ گیا۔" علیم الدین اپنی ذہانت پر اترائے۔

"یہی ذہانت اگر گزشتہ دس برسوں میں سے کسی ایک برس میں آپ نے استعمال کی ہوتی تو شاید یہ عذاب ہم پر نازل نہ ہوتا۔"

"آپ تو ناحق خفا ہوئی جا رہی ہیں۔ میں تو ایک اچھی خبر سنانے آیا تھا آپ لوگوں کو۔"

"ارے اسے چھوڑیے علیم الدین مجھے بتائیے۔ کیا خبر ہے؟" تجل کو ان کی اتری ہوئی شکل پر ترس آ گیا۔

"وہ.... وہ ناں میری بات پکی .... لاحول ولاقوۃ... میرا مطلب ہے میری بات پکی ہو گئی ہے۔" علیم الدین کی زبان لڑکھڑا گئی۔

"ذرا دھیان سے بدن کی ٹہنی چٹخ نہ جائے۔ ویسے وہ بدنصیب ہے کون؟" حنا نے اس جلے

بھنے انداز میں کہا۔

"وہ میری خالہ زاد ہوتی ہیں۔" وہ ایک بار پھر شرما گئے۔

"پھر تو ٹھیک ہے۔ اس قسم کی قربانیاں رشتے دار ہی دیا کرتے ہیں، پھر بھی بیچاری۔"

بھوک سے حنا کا برا حال تھا اور علیم الدین کمبل ہوئے جا رہے تھے۔

"اب ایسی بھی بات نہیں۔ آپ ان کو دیکھیں گی تو مجھے بے چارا کہیں گی۔"

"ویسے تو آپ نے درست کہا..... کہاں ہے ہماری ٹریٹ۔"

"یہ رہی۔ میں اسی لیے تو آپ لوگوں کے پیچھے آیا تھا کہ آپ دونوں کو ٹریٹ دے سکوں۔ یہ دیکھئے اس کا بندوبست بھی کر کے آیا ہوں۔"

علیم الدین نے جیب سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر دکھایا تو حنا کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اللہ جی! اتنا بڑا نوٹ جیب میں رکھ کر آپ فوت نہیں ہوئے۔ آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا چلئے کیفے ٹیریا چلتے ہیں۔ قسم سے اتنی بھوک لگی ہے کہ حد نہیں۔"

علیم الدین، تجل اور حنا لائبریری کے سامنے لان میں بیٹھ گئے۔

"یار علی! تم بھی وہی دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں۔"

تیمور کی نگاہیں کاہی کلر کے سوٹ میں ملبوس تجل پر جمی تھیں۔ کتنے دنوں بعد دیکھا تھا اسے۔

"ہاں یار! بڑی مظلوم مخلوق ہیں یہ گدھے بھی۔ دیکھو ناں کتنا مار رہا ہے اس کا مالک اسے۔"

علی کی نظریں دور جاتے گدھے گاڑی والے پر تھیں۔

"کبھی تو اپنی برادری پر سے نظریں ہٹا لیا کرو۔ وہ ادھر دیکھو۔" تیمور نے ہاتھ سے اس کا سر لان کی جانب کیا۔

"اچھا تو یہ بات ہے۔ کتنا خیال ہے اپنی برادری کا۔ لیکن یہ مچھر تمہاری برادری میں کب سے شامل ہو گیا۔"

علی نے تجل کے پاس بیٹھے علیم الدین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"علیم الدین ہے۔ وہی بھول گئے۔"

"اوہ نہیں یار! یاد آیا چلو آؤ ذرا تھوڑا سا شغل ہی ہو جائے۔"

علی کے شوخ ذہن میں ڈھیروں شرارتیں کلبلانے لگیں۔ دونوں مسکراتے ہوئے انکی طرف بڑھے۔

☆.....☆.....☆

طلال بیٹے! میں شرمندہ ہوں کہ تمہیں خود بلایا۔ حالانکہ یہ کام تمہارا تھا اور تمہیں خود یہ سوچنا چاہئے تھا، لیکن میں نے مجبور ہو کر اس لیے بلایا تاکہ بات آر پار ہو جائے۔"

سحر کی والدہ نے طلال کو بلا تو لیا تھا بات کرنے کے لئے لیکن اب ان کو خود اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسی لیے انہیں تھوڑا سا غصہ آ گیا۔ طلال سر جھکائے نادم سا بیٹھا تھا۔

"میں آپ کی کیفیت کو خوب سمجھ رہا ہوں اور میں نادم ہوں کہ جاننے کے باوجود میں پہل نہ کر سکا، لیکن میں آپ پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں سحر کے لیے بے حد سیریس ہوں۔"

''وہ بھی تمہارے لیے سیریس ہے بیٹا! اسی لیے تو میں چاہتی ہوں کہ کوئی فیصلہ ہو جائے۔ دراصل ہم ان والدین میں سے نہیں کہ جو اپنی خودداری اور بے جا انا پر اولاد کی خوشیاں قربان کردیں۔ جبکہ اولاد بھی لائق اور فرمانبردار ہو۔ مجھے اس لیے بھی جلدی..... ہے کہ سحر گھر میں بڑی ہے اور اس کے تایا اپنے بیٹے کے لیے خالہ ماموں اپنے بیٹوں کے لیے' بس بیٹا جس گھر میں جوان لڑکا ہے' ان کی خواہش ہے۔ ڈاکٹر لڑکی ان کی بہو بنے۔ اب یہ ایسے گھرانے ہیں کہ کسی ٹھوس وجہ کے بغیر انکار بھی نہیں کرسکتے اور سحر کیا چاہتی ہے۔ یہ بھی میں جانتی ہوں۔ اس لیے بیٹا مجھے جلد ہی کوئی نہ کوئی جواب چاہیے تاکہ میں ان لوگوں کو انکار کرسکوں۔''

بیگم زمان نے بڑے واضح الفاظ میں صورت حال واضح کردی۔ وہ کیا کرتیں۔ وہ بھی تو مجبور تھیں۔ رشتے داری کا معاملہ تھا۔ کیسے بے وجہ انکار کرتیں۔ طلال بھی اچھا لڑکا تھا اور سب سے بڑھ کر سحر کی پسند تھا' اس لیے وہ ان کو موقع دینا چاہتی تھیں۔

''ٹھیک ہے آنٹی! میں انشاء اللہ جلد ہی آپ کو اس سلسلے میں جواب دوں گا' لیکن پلیز آپ جلدی مت کریں۔ میں انشاء اللہ جلد امی کو لے کر آؤں گا اور اللہ نے چاہا تو آپ کو اپنے رشتے داروں کے سامنے میرے سلسلے میں شرمندہ نہیں ہونا پڑے گا۔''

طلال اُٹھ کھڑا ہوا۔

''ارے نہیں بیٹا! ماشاء اللہ تم قابل جوان ہو' سعادت مند بیٹے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میری بچی کا انتخاب ایسا نہیں کہ جس کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے ہم ہچکچائیں یا پچھتائیں۔ ہاں اگر میری کوئی بات ناگوار گزری ہو تو......!''

طلال نے سحر کو دیکھا' جو اس تمام عرصے میں اب آئی تھی اندر۔ تمام راستہ طلال خود کو کوستا رہا۔ اب تک اس نے اس سلسلے میں ٹھوس قدم کیوں نہیں اٹھایا۔ واقعی پریشانی تو لڑکی اور لڑکی کے گھر والوں کو ہوتی ہے۔ اس نے آتے ہی سارا احوال رابعہ بیگم سے کہہ دیا۔

''لیکن بیٹا! تم نے اس سے قبل کبھی سحر کے بارے میں کچھ نہیں جتایا۔''

''لیکن امی میں نے کبھی فائزہ کے لیے بھی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا۔ ویسے بھی میری اور فائزہ کی سوچ میں ہم آہنگی نہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ شادی صرف ذہنی ہم آہنگی سے کامیاب ہوسکتی ہے اور رہی بات سحر کے بارے میں بتانے کی۔ تو میں ایک تو جھجکتا رہا۔ دوسرا یہ بھی خیال تھا کہ دونوں پڑھ لیں۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تو اس بات کو اوپن کیا جائے۔ اب جو صورتحال ہے' وہ میں نے آپ کو بتادی ہے کہ میں اور سحر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ ہم میں بہت ذہنی ہم آہنگی ہے۔ میں سحر ہی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

اس نے ہچکچاتے ہوئے سب کچھ کہہ دیا تو رابعہ بیگم چپ سی ہوگئیں۔ کیونکہ وہ آسیہ بیگم کا جھکاؤ جانتی تھیں کہ وہ فائزہ کے لیے طلال کا رشتہ چاہتی ہیں۔

''امی! آپ کو فائزہ بہت پسند ہے کیا؟''

طلال اُٹھ کر ان کے قریب آ گیا۔ وہ ماں کو بھی ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا۔

''ہاں بیٹا! فائزہ مجھے بحیثیت بیٹی بہت پسند ہے' پیاری ہے مگر بحیثیت بہو نہیں' کیونکہ وہ اپنے

آپ میں رہنے والی لڑکی ہے اور جو لڑکی خود پسند ہو' وہ گھر کا خیال کیسے رکھ سکتی ہے اور کچھ آسیہ بیگم نے اس کی تربیت اس طرح کی ہے۔ خیر چھوڑو جب کرنا ہی نہیں تو باتیں بنانے سے کیا فائدہ۔''

''پھر امی!'' طلال ماں کے شانے دبانے لگا۔

''پھر یہ کہ میں انشاء اللہ جلد ہی سحر کے گھر جاؤں گی۔''

رابعہ بیگم نے پیار سے اپنے قابل بیٹے کو دیکھا۔

''اوہ تھینک یو امی جان! میں تو سمجھ رہا تھا کہ نجانے اس سلسلے میں مجھے کتنے پاپڑ بیلنے پڑیں گے۔ یا اللہ تیرا شکر ہے۔''

طلال نے ہاتھ اُٹھا کر خدا کا شکر ادا کیا' ورنہ وہ بہت دباؤ کا شکار ہو رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس کی چوٹ کے بعد حالات بہت سنگین ہوگئے تھے۔ مشتاق احمد اور فیاض احمد کا حتمی فیصلہ تھا کہ اب ہم ایک ساتھ نہیں رہیں گے۔ شوکت صاحب خاموش ہوگئے اور بھائیوں کے مطالبے پر بزنس بھی الگ الگ کردیا اور گھر جس میں برسوں سے ایک ساتھ رہ رہے تھے' مشتاق احمد کے اصرار پر بیچ دیا۔ سب نے اپنے اپنے گھر الگ لے لیے تھے۔ اب مسئلہ نسیمہ بیگم اور ان کے بچوں کا تھا۔ شوکت احمد کے بس میں ہوتا تو وہ تمام عمر اُن کو اپنے پاس رکھتے' مگر آسیہ بیگم ساتھ رکھنے کی روادار نہیں تھیں۔

''تو پھر یہ ہی ہوسکتا ہے کہ نسیمہ بیگم اور بچے ایک ایک یا دو دو ماہ ہر کسی کے ہاں رہیں۔'' یہ تجویز شوکت صاحب کی تھی۔

''ہرگز نہیں! ہمارے پاس اتنا فالتو پیسہ نہیں کہ لٹاتے رہیں۔ ایک نہ دو اکٹھے پانچ لوگ ہیں۔ ہم سے تو یہ ذمہ داری نہیں نبھ سکتی۔'' زاہدہ بیگم انتہائی سفاکی سے بول رہی تھیں۔

''تو پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہے۔ اب جوان لڑکیوں کے ساتھ باجی کو تنہا بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔''

وقت نے نسیمہ بیگم کو دوسروں کے سروں پر اس طرح مسلط کردیا تھا کہ لوگ ان سے بیزار ہوگئے تھے۔ نسیمہ بیگم گھر میں ہونے والی تبدیلیوں اور اپنے بارے میں ہونے والی باتوں' بےزاریوں سے بھی آگاہ تھیں مگر کیا کرتیں۔ خاموشی کا قفل لبوں پر لگائے فیصلے کی منتظر تھیں۔

''میرا خیال ہے کہ اس بوجھ کو بانٹ لیا جائے' تاکہ کسی پر زیادہ بوجھ نہ پڑے۔''

''یعنی!'' سب تجویز کنندہ زاہدہ بیگم کی طرف متوجہ ہوگئے۔

''یعنی یہ کہ سب ایک دو افراد کو اپنے پاس رکھ لیں۔ اسی طرح توازن رہ سکتا ہے۔''

''ویسے یہ بھی مناسب بات ہے۔ ٹھیک ہے۔ ایسا ہے تو شذرا اور نسیمہ بیگم میرے ساتھ رہیں گی۔'' شوکت صاحب نہیں چاہتے تھے کہ شذرا ان دونوں میں سے کسی کے پاس رہے۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں تو شذرا کو ایک پل بھی ساتھ رکھنے کو تیار نہیں۔''

آسیہ بیگم نے شذرا کو رکھنے سے صاف انکار کردیا۔

''شذرا اور فرخ ہمارے ساتھ رہیں گے۔''

اس آواز پر سب دروازے کی طرف متوجہ ہوگئے۔

☆......☆......☆

اس آواز پر مڑ کر سب نے دیکھا تو اسد اپنے فیصلے کی سختیاں چہرے پر لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ مشتاق صاحب اور زاہدہ بیگم کو بیٹے کی یہ بات قطعی پسند نہیں آئی۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو اسد بیٹا! میں اسی سے تو چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ ڈائن ہے پوری' اور میری جان کے پیچھے تو ہر وقت پڑی رہتی ہے' نہیں چندا! میں اس چیز کو رکھنے پر تیار نہیں' ہاں کہو تو صدف یا زیب کو رکھ لیتے ہیں۔ یہ لوگ پھر قابو میں آجاتی ہیں' لیکن شنذرا نہیں۔''

زاہدہ نے یوں کہا جیسے وہ تینوں بے جان چیزیں ہوں' جن کو وہ اپنی پسند یا مرضی سے رکھ لیں یا دھتکار دیں۔

''اسد تمہاری امی درست کہہ رہی ہیں' ہم اس ذلیل لڑکی کو ہرگز نہیں رکھیں گے۔ یہ شوکت بھیا کی لاڈلی ہے۔ ان ہی کے پاس رہے۔''

مشتاق صاحب نے بھی بیٹے کو سمجھانے کی کوشش کی' مگر اسد اڑا رہا۔

''امی' ابو! آپ لوگوں نے ہمیشہ میری ضد پوری کی ہے اور یہ بھی میری ایک ضد ہے' آپ لوگوں کو پوری کرنا پڑے گی۔ بس شنذرا ہمیں ہمارے پاس رہے گی' اور فرخ بھی۔''

اسد نے بچپن والے اٹل اور ضدی لہجے میں کہا تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے' کیونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ اپنی ضد کا کتنا پکا ہے' چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں کو اسد کے اس فیصلے پر راضی ہونا پڑا۔

''چلئے جی فیصلہ..... ہوا کہ شنذرا اور فرخ ہمارے پاس رہیں گے۔ زیب اور نسیمہ باجی شوکت بھیا کے پاس اور فیاض کے پاس صدف رہے گی۔''

اعلانیہ انداز میں بولتے ہوئے مشتاق صاحب نے یوں بٹوارا کیا گویا نیلامی میں پسندیدہ من چاہا سامان اٹھایا جاتا ہے' اس طرح نسیمہ بیگم اور ان کے جگر گوشوں کی تقسیم ہو رہی تھی۔

''ہاں..... میرے خیال میں یہ انتہائی مناسب ہے' اس طرح ہم تینوں میں سے کسی پر زیادہ بوجھ بھی نہیں پڑے گا اور فرض کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔''

فیاض کو یہ تقسیم بہت پسند آئی تھی' ویسے بھی صدف کی ٹھنڈی طبیعت کی وجہ سے سب ہی اسے پسند کرتے تھے اور عمرانہ کو بھی صدف پسند تھی' اس لیے وہ صدف کی ذمے داری قبول کرنے پر خوشی سے رضامند ہو گئے۔

''تو پھر ایسا کریں نسیمہ باجی کو بلا کر صورتحال سے آگاہ کر دیں۔''

فیاض' نسیمہ بیگم کو بلانے کے لیے اُٹھے' مگر شوکت صاحب' جن کو اس ساری صورتحال نے بہت مایوس اور بددل کر دیا تھا' وہ تو اس گھر میں سب کے ساتھ رہنا چاہتے تھے' مگر حالات نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ ان کو باپ کی نشانی یہ گھر بیچنا پڑا۔ بیوہ بہن کی بربادی پر وہ سب سے زیادہ دلبرداشتہ تھے اور اب تو مزید ہو گئے تھے۔

''رہنے دو اس بدنصیب کو کیا بتانا ہے۔ اس نے کیا انکار کرنا ہے' بس اسے اس کی اولاد کی تقسیم کے بارے میں بتا دو۔ اس کی کیا مجال کہ کچھ کہہ سکے۔ تم لوگوں کے فیصلے سے انحراف کر سکے۔'' شوکت صاحب غصے میں اُٹھ کر باہر چلے گئے۔ ان کی بات پر سب کا منہ بن گیا۔

''ہونہہ! شوکت بھائی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم دشمن ہیں باجی کے اور ان کے بچوں کے' وہ ہم سب کی ذمہ داری ہیں اور ہم سب نے ان کا خیال رکھا ہے ہمیشہ۔'' مشتاق صاحب کو شوکت صاحب کی بات بہت بری لگی۔

''بھاڑ میں جائیں ایسی ذمہ داریاں' جو بوجھ بن جائیں' ناگوار بوجھ۔''

زاہدہ بیگم نے نفرت سے انتہائی برا سا منہ بنا کر کہا۔ ان کو تو اس بات پر غصہ تھا کہ اسد نے شنذرا اور فرخ کو اپنے پاس رکھا ہے۔ نسیمہ بیگم کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ وہ دل تھام کر بے بسی سے بیٹیوں اور بیٹوں کو دیکھ کر رہ گئیں کہ وقت نے آج یہ دن دکھایا کہ ان کی اولاد جیتے جی بانٹی جا رہی تھی۔ گوشت کو ناخنوں سے جدا کیا جا رہا تھا۔

''کاش مراد! میں بھی آپ کے ساتھ ہی مر گئی ہوتی' تو آج یوں میری آنکھوں کے سامنے میرے بچے مجھ سے جدا نہ ہوتے۔ یا اللہ! یہ میں نے ایسی کون سی خطا کی تھی' جس کی اتنی کڑی سزا مل رہی ہے مجھے۔''

ممتا کتنی ہی صابر اور ضبط کیوں نہ رکھتی ہو' اولاد کی جدائی اس کے لیے سوہانِ رُوح ہوتی ہے اور وہ تو شروع سے محروم ماں نصیب رہی تھیں۔ پہلے شوہر کی جدائی' پھر بیٹے کی' جو اگر اب ہوتا تو وہ یوں بیٹیوں کے ساتھ بھائیوں پر بوجھ نہ بنتیں۔ آج وہ بہت دلگیری ہو رہی تھیں۔ زیب ان کے قریب آ گئی۔

''امی! یہ کیا کر رہی ہیں آپ۔ خود ہی تو کہا کرتی ہیں کہ یہ ہمارا امتحان ہے۔ آزمائش کا دور ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے' تو اب خود کیوں بے حوصلہ ہو رہی ہیں۔''

''کیسے بے حوصلہ نہ ہوں میں' میرے بچے محض روٹی کے ٹکڑے اور چھت کے سائے کی خاطر مجھ سے چھینے جا رہے ہیں۔ بٹوارا ہو رہا ہے میری اولاد کا۔ کیا کوئی ماں اپنی زندگی میں اپنی اولاد کو یوں بکھرا ہوا دیکھ سکتی ہے؟''

''خدا کے لیے امی! اس طرح مت کریں۔ ہم لوگ تو زندہ ہی آپ .... کے حوصلے پر ہیں۔ اگر آپ نے بھی ہمت ہار دی تو.....اور پھر ظاہر ہے' ہم لوگ اتنے سارے ہیں۔ کوئی ایک تو ہمارا بوجھ اٹھانے سے رہا۔ بوجھ بانٹ لیا جائے تو زندگی آسان ہو جاتی ہے اور پھر ہم پر پابندی تھوڑی ہوگی کہ ہم مل نہیں سکیں گے۔ ہم روز ملا کریں گے' صدف تو چھوٹے ماموں کے پاس رہے گی۔ ان کا گھر تو بڑے ماموں کے قریب ہی ہے' اب رہا شنذرا اور فرخ کا سوال تو دونوں بہن بھائی آجایا کریں گے' بس میں بیٹھ

کر۔"

امی کا سر ساتھ لگائے زیب ان کو تسلیاں دے رہی تھی' مگر خود اپنے آنسو بڑی خاموشی سے پی رہی تھی۔ اُسی وقت دروازہ دھماکے سے کھلا اور شنذرا آندھی طوفان کی طرح اندر آئی۔

"ہرگز نہیں! قطعی نہیں!! میں مر جاؤں گی مگر امی میں مشتاق ماموں کے گھر نہیں رہوں گی' یہ اسد.... میں جانتی ہوں اس نے یہ فیصلہ کیوں کیا ہے۔ صرف مجھے جلانے کے لیے۔ ہر وقت ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دے کر اپنے آپ کو خوش کرنا چاہتا ہے' نہیں امی میں نہیں رہوں گی ان کے ہاں۔" شنذرا جنونی انداز میں چیخ رہی تھی۔

"پھر کہاں رہو گی میری بچی؟ یہ ذلت تو ہمارے مقدر میں لکھی گئی ہے۔" ایک عرصہ بعد نسیمہ بیگم نے شنذرا کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔

"امی! ہم بڑے ہو گئے ہیں۔ ہم الگ رہیں گے۔ اپنا گھر لے کر۔ ہم سب جاب کر لیں گے' مگر ان کے ساتھ نہیں رہیں گے.... پلیز...." شنذرا نے بھیگی پلکوں سے ماں کا تر چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"شنذرا! ہم سب کہاں یہ چاہتے ہیں' مگر میری جان یہ بھی ممکن نہیں جو تم کہہ رہی ہو۔ پتا ہے ہمارے پاس نہ اچھی تعلیم ہے نہ ٹھکانا۔ تمہارا کیا خیال ہے کہ جاب کال جانا آسان ہے' ارے آج کل تو اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو جاب نہیں ملتی' کون دے گا جاب۔ اور پھر ہماری ماں میں اتنی ہمت نہیں کہ مر[illegible] کے بغیر ہمیں لے کر الگ رہیں اور لوگوں کی باتوں کے طوفان سے محفوظ رکھیں۔ ہمیں یہ زہر ہر حال [illegible] ہے شنذرا۔ ہر حال میں۔"

زیب کی باتوں سے شنذرا خاموش ہو گئی' مگر اس کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ اس نے سختی سے اپنے آنسو صاف کیے اور کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہے باجی! یہ زہر پینا ہی ہمارا مقدر ہے تو پھر ٹھیک ہے' میں بھی ہر قسم کے حالات کے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔"

شنذرا کی آنکھوں میں عجیب سی [illegible] اور لہجے میں عجیب سی پختگی اور سختی تھی۔ انداز بڑے جارحانہ تھے۔ اس سے قبل کہ زیب یا نسیمہ بیگم اسے کچھ سمجھاتیں' وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ شام کو جب سب الگ الگ سمتوں کی طرف روانہ ہو رہے تھے تو سب ہی خاموش تھے۔ شوکت صاحب بہت افسردہ نظر آ رہے تھے۔ البتہ ان سب کی بیگمات از حد خوش تھیں' جو ایک عرصے سے چاہ رہی تھیں' وہ یوں اچانک ہو گیا۔ نسیمہ بیگم کا دل تو درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ انہوں نے دو روز سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ اب قدم اُٹھانا محال ہو رہا تھا۔ صدف اور فرخ ماں سے لپٹ کر رو دیئے' مگر شنذرا قریب نہیں گئی اور نہ ہی اس نے امی کی طرف دیکھا۔ وہ چہرے پر سختی لیے مضبوطی سے کھڑی تھی۔ وہ ان کھلے لوگوں پر خاص کر اسد پر اپنی کوئی کمزوری ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"شنذرا میری جان! تو اپنی امی سے نہیں ملے گی۔ [illegible] بیٹے! اصل امتحان تو اب شروع ہوا ہے ہمارا۔"

نسیمہ بیگم [illegible] کی طرف بڑھیں اور اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے اسے ساتھ لگا لیا۔ شنذرا کے اندر ایک طوفان سا اُٹھا' اس کا جی چاہا پھٹ پڑے' آتش فشاں کی طرح بکھر جائے اور اس

لاوے میں یہ کم ظرف لوگ بھی بہہ جائیں' مگر اس کی کوئی بھی جنونی سوچ پوری نہیں ہو سکتی تھی۔

"ارے باجی! آپ تو یوں رو رہی ہیں' گویا ہمیشہ کے لیے جدا ہو رہی ہوں۔"

"خدا نہ کرے زاہدہ! کہ کسی ماں کے بچے ہمیشہ کے لیے اس سے جدا ہوں۔" زاہدہ بیگم نے زہر خند لہجے میں کہا تو نسیمہ بیگم تڑپ اٹھیں۔ شنذرا نے آہستگی سے ماں کو الگ کیا۔

"جی امی! ہم لوگ کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ ہمیشہ کے لیے تو۔"

شنذرا نے ایک نظر زاہدہ اور ساتھ کھڑے اسد پر ڈالی' جو جیبوں میں ہاتھ ڈالے لاپروائی سے چیونگم چباتا ہوا اسے زہر لگ رہا تھا۔ پھر اس نے ماں کے ہاتھ چومے۔ زیب کو دیکھا' جو صبر و ضبط کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ شنذرا ڈگمگانے لگی' مگر اس نے فرخ کا ہاتھ پکڑا اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ زیب نسیمہ بیگم کو پکڑ کر دوسری گاڑی کی طرف لے آئی۔

"سیدھا اپنے گھر چلنا ہے ناں؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر شعیب نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ زیب نے فوراً منہ دوسری طرف کر لیا۔ وہ مسکرا پڑا۔

"نہیں بیٹا! رابعہ بھابی نے کھانا بنایا ہوگا' وہاں چلنا ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پہلے زیب اور پھپھو کو گھر چھوڑ دیتے ہیں۔ اتنا سامان پھیلا ہوا ہے کچھ تو جگہ بنا لیں گی بیٹھنے کھڑے ہونے کے لیے۔" دراصل شعیب نہیں چاہتا تھا کہ زیب ظہیر انکل کے گھر جائے' جہاں بلال پہلے سے اس کا منتظر ہوگا۔

"ہرگز نہیں! زیب اور نسیمہ بھی ہمارے ساتھ ہی جائیں گی اور واپس بھی ساتھ آئیں گی۔" شوکت صاحب کے لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ شعیب سمیت کوئی بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

"بلال سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

لان عبور کرتے ہوئے شعیب دانستہ پیچھے رہ کر زیب کو بلال سے بات کرنے سے منع کر رہا تھا۔ وہ صرف اسے دھندلائی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"زیب.... ان کے ساتھ.... ہوں تو شعیب نے زیب کو دانستہ اپنے ساتھ رکھا ہوگا۔ رعب جمانے کے لیے۔ ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دینے کے لیے۔ لیکن شعیب جس دن زیب میری ہو گئی' اس روز میں اس کا نام بھی تمہاری زبان پر آنے نہیں دوں گا۔"

اپنے کمرے کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بلال نے زیب کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے کتنا کچھ سوچ ڈالا' پھر اُٹھ کر باہر آ گیا۔

ظہیر صاحب اور رابعہ بیگم کو بھائیوں کی یوں تقسیم پسند تو نہ آئی تھی' مگر وہ اس معاملے میں بولنا فضول سمجھتے تھے' کیونکہ خود ان کی بہن کا کیا دھرا تھا یہ سب۔ اس لیے خاصی خاموش فضا تھی۔ بلال دانستہ کترا رہا تھا۔ حالانکہ زیب سے بات کرنے کو دل مچل رہا تھا۔ وہ اس کے سارے دُکھ جو اس کے چہرے پر چھائی خاموشی اور آنکھوں کی گہرائی سے عیاں تھے' سننا چاہتا تھا۔ مگر شعیب نے تو اس پر یوں قبضہ جما رکھا تھا' جیسے وہ اس کی جائیداد ہو اور کوئی اسے چھین لینا چاہتا ہو۔ کھانے کے بعد وہ دانستہ طور پر بائیک لے کر باہر نکل آیا۔

"جی بھائی!" ندا جلدی سے بھاگ آئی۔

"دیکھو ندا! مجھے زیب سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔ تم ایسا کرو کہ زیب کو لے کر چھت پر آ جاؤ۔ میں بائیک دوسری طرف کھڑی کر کے آتا ہوں۔"

بلال بائیک لے کر نکل گیا تو شعیب مطمئن ہو گیا کہ وہ گھر سے چلا گیا ہے' اسے تھکان ہو رہی تھی' طلال کے کمرے میں جا کر لیٹ گیا۔ ندا زیب کو چھت پر لے آئی۔ تھوڑی دیر بعد بلال بھی دوسری طرف سے آ گیا۔ پورے چاند کی اُداس فضا میں زیب بلال کو دیکھ کر خود پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہی تو تھا جو اس بھری دنیا میں ان کا سچا دوست اور ہمدرد تھا۔ جس کو دیکھ کر ارادے مضبوط ہونے لگتے تھے' جس کی ہمت افزا باتیں مخالفتوں کے طوفان کے آگے بند بن جایا کرتی تھیں۔ آج اتنی بڑی زیادتی پر دل پانی ہو گیا...... بلال بھی خاموش نظروں سے اس عزیز ہستی کو روتا دیکھتا رہا۔

"زیب باجی! پلیز خاموش ہو جائیں۔ کاش! ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا۔ ہم تو ذرا آپ لوگوں کی حمایت میں بولتے ہیں تو ان سب کو ناگوار گزرتا ہے۔ پلیز اب مت روئیں۔"

ندا کی آواز بھی بھرا گئی۔ اس نے اپنے دوپٹے سے زیب کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو بلال نے اسے پانی لانے کو کہا۔

"زیب! بس کرو اب۔ میں اس سے زیادہ برداشت نہیں کر سکتا تمہارے آنسو۔" بلال کو بہت دکھ ہو رہا تھا اور غصہ بھی آ رہا تھا۔

"بلال.... بلال! میرا دل پھٹ رہا ہے۔ ان خود غرض لوگوں نے اپنے اپنے مفادات کی خاطر ہم سب کو جدا کر دیا ہے۔ صدف چھوٹے ماموں اور شذرہ اور فرخ مشتاق ماموں کے ہاں رہیں گے اور ہمیں آسیہ ممانی نے اپنی خدمت کے لیے رکھ لیا ہے۔ پتا ہے آپ کو اتنا اچھا کھانا ہونے کے باوجود امی نے ایک نوالہ نہیں لیا کہ میرے بچوں نے کھایا ہو گا کہ نہیں۔ اس سے بہتر تھا کہ ہم کسی یتیم خانے میں ہوتے' نہ ٹکڑوں پر پلنے کے طعنے ملتے اور نہ۔"

اتنے دنوں سے ضبط کیا ہوا لاوا اب بہہ نکلا۔

"زیب! میں نے فائنل ایگزام دے دیا ہے۔ انشاء اللہ جاب بھی جلد ہی مل جائے گی پھر..... پھر زیب ہم زندگی کی اس دوڑ میں ہم قدم ہوں گے۔ میرے گھر والے تو تمہارے لیے تیار ہیں اور تمہارے ماموؤں کی مجھے پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنی ہمت عطا کی ہے کہ تمہارا ساتھی بن کر تمہارے سارے دکھ ساری ذمہ داریاں اپنا سکتا ہوں۔ میں پہلے خود پھپھو سے بات کروں گا' پھر باقاعدہ ابو کو بھیجوں گا تمہارے ماموؤں کے پاس۔ پھر زیب کسی دکھ کی کوئی پرچھائیں تمہارے قریب نہیں پھٹکنے دوں گا۔ تمہیں پتا ہے تمہارے میرے علاوہ بھی بہت سے چاہنے والے ہیں۔"

بلال کی گمبھیر آواز میں چمکتے جگنو فضا کو خوبصورت بنانے لگے۔ اداس چاندنی مسکرانے لگی۔ کتنا سکون تھا۔ کتنا تحفظ تھا بلال کی رفاقت میں۔ زیب بلال کے ساتھ خوابوں کی راہ گزر پر بہت دور نکل گئی۔ چونکی اس وقت جب ندا بولتی ہوئی آئی کہ شعیب اس کا پوچھ رہا ہے۔

"ہائے اللہ ندا! کہیں ان کو کچھ پتا تو نہیں چل گیا۔" وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"تو چل جائے پتا' میں بھی دیکھ لوں گا۔ اسے کیا حق ہے تم سے ایسی بکواس کرنے کا۔" بلال کو

ایک دم غصہ آ گیا' زیب کے گھبرانے پر۔

"بلال! آپ کو خبر تو ہے کہ وہ انتہائی پستی میں اتر جاتے ہیں اور پھر....."

"آپ گھبرائیے نہیں زیب باجی! ردا نے کہہ دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ چھت پر ٹہل رہی ہیں۔ پھر انہوں نے بلال بھیا کا پوچھا تو اس نے کہہ دیا کہ آپ کے سامنے تو گئے ہیں' دوست کے پاس......تب کہنے لگے زیب کو بلاؤ۔ اب گھر چلنا ہے۔"

"ہونہہ! پتا نہیں خود کو کیا سمجھتا ہے خبیث آدمی۔" بلال نے غصے سے دیوار پر مکا مارا۔ زیب خاموشی سے نیچے آ گئی۔

☆......☆......☆

تیمور اور علی سیدھے لان میں تجل اور حنا کے پاس آ گئے۔ علیم الدین بھی سنبھل گئے۔ ان کو دیکھتے ہی علی کی آنکھوں میں شرارت چمکنے لگی۔

"ہیلو مس تجل! ہیلو مس حنا!! آداب انکل! ارے آج آپ لوگ اپنے انکل کو بھی ساتھ لے آئیں.....آداب انکل!"

علی نے مسکرا کر لڑکیوں کو ہیلو کہا اور شوخ انداز سے علیم الدین کو انکل کہہ کر آداب کیا۔ مگر وہ لاپرائی سے بیٹھے رہے' وہ دونوں مسکرا پڑیں۔

"ہیلو انکل! میں نے آداب کیا ہے۔"

علی نے ان کا شانہ ہلایا تو وہ بڑبڑا سے گئے۔ آگے پیچھے دائیں بائیں دیکھا اور علی کو گھورنے لگے۔

"تو کیا آپ نے مجھے انکل کہا؟" برہمی سے علیم الدین کی رگیں...... پھول گئیں۔

"جی تو ظاہر ہے۔ اب میں ان لڑکیوں کو تو انکل کہنے سے رہا۔"

علی بدستور شرارت کے موڈ میں تھا۔

"مس تجل! ان کو بتائیے میں کون ہوں ورنہ....." علیم الدین غصے میں کھڑے ہونے لگے' مگر درخت کی بڑھی ہوئی شاخ سے زور سے سر ٹکرایا۔

"بیٹھ جائیے صاحب! کیا آج ہی دی اینڈ ہونے کا ارادہ ہے؟"

علی نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر نیچے بٹھایا۔ دوسری طرف خود ہی پاؤں سے پتھر سرکا دیا اور علیم الدین جو سمجھ رہے تھے پتھر ہے۔ بیٹھے تو ایک دم گر سے گئے۔ تیمور سمیت دونوں لڑکیاں بمشکل ہنسی دبا پائیں۔

"ارے علی! آپ کیا کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے کلاس فیلو ہیں علیم الدین۔"

"کیا.... کیا یہ کلاس فیلو ہیں.....اوہ سوری شاک میں میں گر جایا کرتا ہوں۔"

علی کو جیسے ہی حنا نے بتایا کہ یہ کلاس فیلو ہیں۔ علی چیخ کر بولا اور علیم الدین پر گر گیا تو وہ کراہ اُٹھے۔

"سوری.... سوری.... دراصل ایسے بڑے صدمات اکثر میرے لیے نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں۔ اب یہ بات صدمے کی ہے کہ نہیں آپ.... یعنی کہ آپ ان بچیوں کے کلاس فیلو ہیں۔ اب بتائیں' ننھا سا میرا حوصلہ اور اتنی بڑی بات کیسے برداشت کرتا' زیادہ چوٹ تو نہیں آئی ہڈیوں پر".... علی علیم الدین

کا شانہ دبانے لگا' مگر وہ خفگی سے الگ ہو گئے۔

"علیم الدین صاحب! آپ مائنڈ نہ کریں' اس کی عادت ہی شوخ سی ہے۔"

تیمور حسب سابق علی کی شوخیوں کی وضاحت کرتے ہوئے بولا' تو علی ایک دم بول پڑا۔

"دیکھو لڑکیو! زیادتی میں نے علیم الدین کے ساتھ کی ہے' یا یہ شخص کر رہا ہے۔ یعنی کہ ان کو وہ چیز استعمال کرنے کو کہہ رہا ہے' جو سرے سے ان کے پاس ہے ہی نہیں' ہونہہ مائنڈ... خیر.... علیم الدین صاحب آپ کسی انوار صاحب کو جانتے ہیں؟"

علی نے انتہائی بے تکا سا سوال کیا۔

"جی ہاں! وہ میرے بہت اچھے دوست ہیں۔" شاید کوئی انوار نامی شخص علیم الدین کا دوست تھا' وہ جھٹ بول پڑے۔

اچھا.... اچھا انکل انوار آپ کے اچھے دوست ہیں۔ اصل میں ان کا بیٹا میرا بڑا اچھا دوست ہے' کلاس فیلو بھی ہے۔"

علی نے تیمور اور لڑکیوں کو دیکھ کر علیم الدین کی طرف دیکھا جو بے چارے انوار کو دوست کہہ کر پھنس گئے تھے۔

"میں کسی ایسے بڈھے انوار کا دوست نہیں ہوں' جس کا بیٹا آپ کا دوست ہے۔"

علیم الدین نے چڑ کر علی کو سر سے پیر تک دیکھا اور پھر کھڑے ہو گئے تھے' پھر زور سے ٹوٹی ہوئی شاخ لگی' وہ سر پکڑ کر رہ گئے۔

"دیکھا.... کہا بھی تھا کہ غصہ آپ کی صحت کے لیے موافق نہیں' بیٹھیے۔ میں آپ کے لیے کولڈ ڈرنک لے کر آتا ہوں۔" علی اٹھا تو تجل اور حنا ایک ساتھ بول پڑیں۔

"ارے رہنے دیں علی۔ علیم الدین نے ہمیں ٹریٹ دی ہے۔"

"چوٹ لگنے کی خوشی میں۔" علی دوبارہ بیٹھ گیا۔

"جی نہیں۔ ان کی منگنی ہوگئی ہے۔"

"کیا.... کیا دیکھو لڑکیو! میں بہت بے حوصلہ آدمی ہوں' اتنے صدمات کیسے برداشت کر پاؤں گا۔ کیا یہ سچ ہے انکل؟ میرا مطلب ہے علیم الدین صاحب؟"

علی دل پر ہاتھ رکھے تھوڑا سا جھک کر علیم الدین سے تصدیق کر رہا تھا۔

"جی وہ.... بس ہوگئی خالہ کی بیٹی سے۔" علیم الدین بری طرح لجا گئے۔

"اچھا.... اچھا تو یوں کہیے ناں کہ رشتے داروں میں ہوئی ہے۔ اصل میں رشتے دار ہی قربانیاں دیا کرتے ہیں۔"

"آپ کے بھی تو رشتے دار ہوں گے ہی' لہٰذا آپ کو بھی مایوس نہیں ہونا چاہیے۔"

علیم الدین نے جانے یہ بات کیسے کہہ دی کہ سیدھی علی کے دل پر لگی۔ تیمور' تجل اور حنا ہنسنے لگے۔ علی ان کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"جی ہاں.... لیکن آپ جائیے گا مت.... اب میں آپ کو آپ کی منگنی کی خوشی میں ٹریٹ دوں گا۔" علی اٹھ کر جوس کارنر کی طرف بڑھ گیا۔

"الٰہی خیر!" تجل نے مسکرا کر حنا اور تیمور کی طرف دیکھا۔ علی جب لوٹا تو اس کے ہاتھ میں سب کے لیے ٹیم کی بوتلیں تھیں' سب نے شکر کیا۔

"لیجیے علیم الدین صاحب! یہ آپ کے لیے۔"

علی نے اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑی ٹیم علیم الدین کی طرف بڑھائی۔ پیاس لگی تھی انہوں نے جھٹ منہ سے لگائی' مگر پھر فوراً برا سا منہ بنالیا۔

"علی صاحب! یہ تو بے ذائقہ ہے' بالکل سادہ پانی کی طرح لگ رہی ہے۔"

"ارے نہیں علیم الدین صاحب! یہ کوئز بوتل ہے' ذائقہ آپ کو تلاش کرنا ہے۔ اصل میں نئی کمپنی نکلی ہے۔ انہوں نے ابھی اپنی اس نئی پروڈکٹ کا نام نہیں رکھا' فیصلہ عوام پر چھوڑا ہے کہ جو اس میں سے ذائقہ تلاش کر کے نام رکھے گا' اسی کو انعام ملے گا' کیا خبر کہ انعام کے حقدار آپ ہی ہوں۔ چلیے جلدی سے چڑھا جائیے اور چھوٹے صاحب کے لیے نلکا کمپنی کی چار بوتلیں اور لے آؤ۔"

علی نے وہیں سے ہانک لگائی تو سب کے ساتھ علیم الدین بھی سمجھ گئے کہ ان کو نلکے کا سادہ پانی پلایا گیا ہے' وہ تپ کر رہ گئے' ابھی وہ اپنے غصے کا اظہار کر نہیں پائے تھے کہ پٹ سے سر پر کوئی چیز گری۔ پتا چلا کہ چڑیا کے گھونسلے سے دو تین انڈے ان کے سر پر گر کر ٹوٹ چکے تھے اور انڈے بہتے ہوئے ان کے چہرے اور کانوں کی طرف بڑھنے لگے۔

"سن تجل اور حنا! آپ لوگوں کو ٹریٹ پھر کسی دن دوں گا.... میں.... میں آپ کو سمجھ لوں گا اچھی طرح۔" علیم الدین علی کو گھورتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

"ارے بابا! انڈے میرے نہیں چڑیا کے ہیں' اس سے سمجھئے جو ابھی گاتی آئے گی کہ "دکھ جھیلیں بی چڑیا اور کوا انڈے توڑے۔"

"ہونہہ! ذرا گزریے ہمارے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے سے۔"

علیم الدین بہتے ہوئے انڈے کو.... ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے' علی کتنی ہی دیر ہنستا رہا۔

"چلو بس کرو اب' اس طرح کسی کو بیوقوف نہیں بنایا کرو۔"

"یار تیمور! خوف خدا کرو میں کسی کو کچھ کہاں بنا سکتا ہوں۔ بابا یہ تو خدائی کام ہیں' اور خدائی کاموں میں مداخلت' استغفار ناممکن ہے۔"

علی نے دونوں کان کھینچتے ہوئے کہا۔

"آپ نے ہمارا ٹریٹ کا اچھا خاصا چانس مس کردیا۔" حنا علی کو گھور رہی تھی۔

"ویسے اگر آج آپ لوگ نہ آتے تو ہم آپ کے ڈیپارٹمنٹ آنے والے تھے۔"

"واقعی...." تیمور نے چونک کر بے یقینی سے تجل کو دیکھا۔ انجانی خوشیوں کا عکس اسکے خوبصورت چہرے پر مسکرا رہا تھا۔

"اپنے نصیب.... وہ بنیں ہمارے مہمان.... اللہ اللہ.... چلو یار تیمور! اپنے ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں۔ تم جھاڑو لگانا' پھول لگانا' میں کچرا.... صاف.... اونہوں ایک تو زبان کے بل ذلیل کرتے ہیں۔ ہاں میں کلیاں چنوں گا۔ تم کہکشاں بکھیرنا اور گانا۔"

"گھر آنے والا ہے' ایک انجانا
دیکھا نہ بھالا ہے' ماہی بے گانہ
چوڑی کھنکنے لگی' پائل چھنکنے لگی
ہائے مینوں کی ہو گیا..."

علی نے ترنگ میں گاتے ہوئے چیرا اور پر کیا' تو چڑیا کا گھونسلہ شاید ٹوٹ چکا تھا۔ کئی انڈے علی کے چہرے پر آ کر گرے۔ ان تینوں کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔

"دیکھ لو اللہ نے علیم الدین کا بدلہ لیا ہے' یہ لو رومال۔"

تیمور نے مسکراتے ہوئے جیب سے رومال نکال کر علی کی طرف بڑھایا۔

"دیکھ لوں گا تمہیں احسان فراموش۔" علی نے رومال جھپٹتے ہوئے تیمور کو گھورا۔

"علی صاحب! انڈے چڑیا کے ہیں تیمور کے نہیں' جو ابھی گانا گاتی آئے گی۔"

"چپ رہئے۔" ہنستی ہوئی حنا علی کو زہر لگی۔

"چھوڑیے ان کو... تیمور... ہم نے آپ لوگوں کو انوائٹ کرنے آنا تھا... اصل میں... منگنی ہے تجل..." حنا نے شوخ نظروں سے تجل کو پھر تیمور کو دیکھتے ہوئے جملہ ادھورا چھوڑا' علی کے تیزی سے چلتے ہاتھ رُک گئے۔

"خدانخواستہ کہیں تجل آپ کی تو نہیں؟" علی نے تیمور کی طرف دیکھا' جس کے چہرے پر ویرانی اور سنجیدگی چھا گئی تھی۔ ایک دم وہ گھاس پر رکھی بوتلوں کو دیکھنے لگا۔

"جی نہیں! بڑے بھائی ہیں ناں راحیل... ان کی منگنی ہے۔"

"اوہ خدا کا شکر ہے۔" علی نے رکا ہوا سانس بحال کرتے ہوئے کہا۔ تیمور کے چہرے کا تناؤ بھی ختم ہو گیا اور یہ واضح اظہار تھا اس کے اندر چھپے احساسات کا' جو وہ تجل کے لیے دل میں رکھتا تھا۔ مگر اظہار نہیں کرتا تھا۔ اس ایک لمحے نے تجل کو خوشیوں کے کتنے نئے احساس بخشے تھے۔ ان سے شاید تیمور بے خبر تھا۔ ایک عجیب طرح کا نشاط آگیں احساس رگ و پے میں سرایت کر گیا۔

"آپ دونوں ضرور آیئے گا۔" حنا نے ضرور پر زیادہ زور دیتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ اتنی شوخ کیوں ہو رہی ہیں' منگنی تجل کے بڑے کی ہے' آپ کے بڑ... بڑ..." علی کو احساس ہو گیا کہ وہ غلط کہہ گیا ہے' وہ دونوں سمجھ نہ سکیں۔

☆......☆......☆

"فاروق! بیگم سجاد نے بڑی عجیب بات پوچھی ہے مجھ سے۔"

صوفیہ بیگم چائے کا کپ لے کر شوہر کے پاس آ گئیں' تو وہ اخبار ایک طرف رکھ کر ان کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

"کیا؟"

"کہہ رہی تھیں کہ میرے رشتے دار پوچھتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ شہرین کی نندوں کی شادیاں نہیں ہوئیں۔" صوفیہ بیگم نے چور نظروں سے شوہر کو دیکھا' تو ان کا چہرا ایک دم تن گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ... لوگوں کو اس بات سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ہمارا پرسنل معاملہ

ہے' کریں نہ کریں۔ ہم کوئی جواب دہی کے پابند نہیں کہ بتاتے پھریں کہ ہم نے بیٹیوں کی شادیاں کیوں نہیں کیں۔ بھئی مرضی ہماری نہیں کیں۔"

فاروق صاحب ایک دم جلال میں آ گئے۔

"فطرت سے ہٹ کر جو بات ہو گی' وہ تنقید کا نشانہ تو بنے گی۔"

صوفیہ بیگم بھی لوگوں کی باتیں سن سن کر تنگ آ گئی تھیں۔

"ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ خود لڑکھڑانے لگی ہیں' کیا چاہتی ہو تم؟"

فاروق صاحب کی رگیں تن گئیں' چہرا سرخ ہو گیا۔ صوفیہ بیگم گھبرا گئیں۔

"میں کچھ نہیں چاہتی فاروق' کچھ نہیں... آپ ریلیکس ہو جائیں پلیز۔ اچھا بتائیں منگنی پر کیا کرنا ہے' دو دن تو رہ گئے ہیں۔" صوفیہ بیگم جلدی سے خوشگوار موضوع کی طرف آ گئیں۔ مگر باہر کھڑی فاطمہ اور آمنہ' جنہوں نے تمام باتیں سن لی تھیں' دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دبائے وہاں سے ہٹ گئیں۔

"دیکھ لیا ناں فاطمہ یہ... یہ ماں باپ ہیں ہمارے' جن کو ہماری خوشیوں سے چڑ ہے' نفرت ہے ہمارے موضوع پر تیخ پا ہو جاتے ہیں اور بیٹوں کی خوشیوں پر۔"

آمنہ بولتی رہی' آگ اگلتی رہی' مگر فاطمہ خاموشی سے آنسو پیتی رہی۔ راحیل کی منگنی تھی' سب خوش تھے۔ پپا' ممی دل کھول کر ارمان نکال رہے تھے۔ راحیل تو ہواؤں میں اڑ رہے تھے۔ تجل نے اس دن کے لیے بہت خوبصورت جوڑا بنوایا تھا۔ اسے اپنے سب دوستوں کو بلانے کی اجازت مل گئی تھی' ورنہ شاید وہ ایسا نہ کرتی اور ویسے بھی تیمور کا خیال اس کی خاموشی کی زبان' بولتی نظریں' بار بار دل کے ساز کو مضطرب کر دیتی تھیں۔ ریسپشن پر کھڑی وہ مسکرا مسکرا کر سب کا استقبال کر رہی تھی۔ مگر نظریں بے تابی سے تیمور اور علی کی منتظر تھیں۔

"ہیلو... ہیلو کہاں ہو؟" حنا نے اس کی سوچتی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا۔

"اوہ شکر ہے تم آ گئیں' بجو! اب آپ بیٹھ جایئے۔ میں اور حنا مہمانوں کو ریسیو کر لیتے ہیں۔"

تجل جھلملاتا ہوا دوپٹہ سنبھالتے ہوئے بولی تو فاطمہ مما کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

"حنا! وہ لوگ تو ابھی تک آئے نہیں۔ خدا خیر کرے۔" تجل پریشان ہو گئی۔

"اوہو' یہ بے قراری... آ جاتے ہیں گھبرانے کی کیا ضرورت۔ لیجئے مبارک ہو' تھا جس کا انتظار۔"

"چپ رہو' حنا! خدا کے لیے۔"

حنا ابھی بات کر رہی تھی کہ تیمور اور علی آ گئے۔ دل دھڑک اٹھا۔ تیمور کی نظریں بھی اس پر ٹھہر سی گئیں۔

"کرنا ہو تو مجھے بتا دینا۔" علی نے تیمور کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے سرگوشی کی تو وہ جھینپ کر سیدھا ہو گیا۔

"ویسے تیمور بھائی! یہ زیادتی ہے' اتنی دیر کر دی آپ نے کہ ہمیں منگنی کی رسم لیٹ کرنا پڑی۔"

"مان لیا مس حنا کہ جھوٹ بولنے میں ہمارے بھی استاد موجود ہیں' ویسے مس تجل ایک مقتول تو میرے پہلو میں ہے اور کتنوں کے قتل کا ارادہ ہے؟"

علی تجل کے قریب آ کر آہستگی سے بولا۔

"آپ کو قتل کرنا ہے صرف۔" تجل اس کی بات پر جھینپی، مگر شوخی سے اسے ڈانٹتی آگے بڑھ گئی، پھر سارا وقت وہ مہمانوں میں لگی رہی۔ تیمور اور علی کی ٹیبل کو دانستہ نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتی۔ حالانکہ دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے قریب بیٹھ جائے۔ اس سے ڈھیر ساری باتیں کرے، مگر یہ اس کے دل کا ہی تو چور تھا کہ وہ اس کے قریب نہیں جا رہی تھی۔

"صرف دیکھنے سے کام نہیں چلے گا، یہاں کچھ کرنا بھی ہوگا۔" علی نے تیمور کو ٹوکا، جس کی نظریں دور کھڑی تجل پر تھیں۔

"کیا کرنا ہوگا؟" وہ گہری سی سانس لے کر بولا۔

"دیکھو! ان ٹھنڈی سانسوں سے مجھے منجمد کرنے کی ضرورت نہیں۔ کچھ سوچو کہ آئندہ کیا کرنا ہے اب خیالی عشق سے تو آپ کو منزل ملنے سے رہی۔"

"جو منزل میری دسترس سے بہت دور ہو، میں اسے کیونکر پا سکتا ہوں؟" تیمور نے خالی گلاس میں پانی بھرا، اور ہونٹوں سے لگا کر تجل کی طرف دیکھا۔

"میرے یار! ہر منزل انسان کی دسترس سے دور ہوتی ہے اس کو بہت کوشش کرنا پڑتی ہے اس منزل تک پہنچنے کے لیے۔"

"یار علی! مت کیا کرو ایسی باتیں، تم میرے فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں سب کچھ جانتے ہو، میں تمام عمر کوشش کر کے بھی ان کے اسٹینڈرڈ تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"یار! اللہ کی ذات پر بھروسا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ اس کی پاک ذات مہربان ہو جائے۔"

"ہاں... یہ ہی تو دین ایمان ہے کہ اللہ کی پاک ذات مہربان ہو جائے تو کچھ بھی معجزہ ہو سکتا ہے۔ وہ دیکھو تمہاری آنٹی ہی ہیں ناں۔"

تیمور کی نظریں اس ٹیبل پر پہنچ گئیں، جہاں شکیل کی وہی آنٹی اپنی فیملی کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ علی کی آنکھوں میں شوخی ناچنے لگی۔ اور پھر تیمور روکتا ہی رہ گیا۔ مگر علی سر پر ہاتھ پھیرتا ان کے عین سامنے والی ٹیبل پر جا بیٹھا۔

"لوگ اکیلے ہیں، جاؤ کمپنی دو جا کر۔"

حنا نے تیمور کو اکیلے دیکھ کر تجل سے کہا کہ وہ جا کر بیٹھے۔ مگر وہ ہچکچا کر رہ گئی۔ مگر حنا اس کا ہاتھ پکڑ کر لے آئی۔

"ارے تیمور بھائی! آپ اکیلے بیٹھے ہیں۔" دونوں بیٹھ گئیں۔

"جی ہاں۔ علی کی پرانی واقف کار مل گئی ہیں۔ ان سے ہائے ہیلو کرنے گیا ہے۔" تیمور نے کھوئی ہوئی سی تجل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ آپ لوگ باتیں کریں میں ذرا فاطمہ باجی کے پاس جا رہی ہوں۔"

تیمور تو نہیں جانتا تھا، مگر تجل کو پتا تھا، یہ حنا کی بچی دانستہ طور پر اسے بٹھا کر چلی گئی ہے اب دونوں کے بیچ خاموش لمحات سفر کر رہے تھے۔ لفظوں کی بلاغت ان دونوں کے درمیان موجود خاموشی کے سامنے بے وقعت تھی۔ حالانکہ تجل وہ لڑکی تھی، جو ہر احساس کا چیخ کر اعلان کر دیا کرتی تھی۔ مگر اب لفظ بے

وقعت ہو گئے تھے اور تیمور کے اظہار کے سامنے بے شمار مصلحتوں اور مجبوریوں کی کھائی تھی، جس کو وہ عبور نہیں کر سکتا تھا۔ لہٰذا خاموشی کی بکل مارے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ جو آج اتنے اہتمام سے صرف اس کے لیے تیار ہوئی تھی۔ اس کے سامنے موجود تھی، اور وہ اس کے بارے میں ایک لفظ بھی کہنے کا متحمل نہیں تھا۔

"آپ کے بھائی بہت خوش ہیں اور بھابی بھی۔ ویسے زندگی بھر ساتھ رہنے والے دونوں ساتھیوں کی پسند اور رائے ایک ہو تو اچھی بات ہوتی ہے۔ آپ کے بھائی کی شادی کو لو میرج بھی کہہ سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا؟" بالآخر تیمور نے ایک غیر ضروری بات سے خاموشی کے پردے کو چاک کیا۔ تو وہ گھنیری پلکیں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"جی، کہہ نہیں سکتے۔ ہے ہی لو میرج۔ جذبے بھی تو اندھے ہوتے ہیں۔ اب دیکھیے ناں کتنا فرق ہے بھائی اور شہرین کی عمروں میں، مگر کتنی خوش ہے شیری۔ ظاہر ہے محبت ہے تو خوش ہے ناں۔" وہ ناخن سے میز پر دائرے بناتے ہوئے بولی۔

"درست کہا آپ نے، مگر تجل! محبت وہاں پر آ کر اس موڑ پر پہنچ کر بے دم اور بے بس ہو جاتی ہے، جہاں سے دولت اسٹیٹس اور اسٹینڈرڈ کی دوڑ شروع ہوتی ہے۔ فرض کریں شہرین ایک غریب اور متوسط طبقے کی لڑکی ہوتی تو کیا آپ کے بھائی اور گھر والے پھر بھی اسے قبول کر لیتے۔ اسی طرح خوشی سے اسے اپنا لیتے۔ بولیں پھر بھی ایسا ممکن ہوتا جو اب ہو رہا ہے؟"

وہ اپنے اس سوال کی آڑ میں نجانے کیا پوچھنا چاہ رہا تھا۔ شاید یہ کہ اسے آگے بڑھنے کا کوئی راستہ نظر آئے۔ وہ اس کے جواب کا منتظر اسے دیکھتا رہا۔ تجل نے پلکیں اٹھائیں، پھر اس کی بولتی، سوال کرتی، آنکھوں میں زیادہ دیر نہ دیکھ سکی۔

"نہیں، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تیمور صاحب! ہماری دنیا مادیت پرستی سے گندھی ہے، ہماری دنیا میں ہر کوئی اپنی اپنی ذات کے گنبد میں مقید تو رہ سکتا ہے، تمام عمر مگر کھوکھلی دیواروں کو نہیں پاٹ سکتا۔" اپنی رو میں بولتی تجل سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ لفظوں کے طوفان میں وہ جو پہلے ہی ڈر ڈر کر اس کی طرف بڑھ رہا تھا، اسے کتنی دور کر دیا ہے اس نے، تیمور نے ایک زخمی سی نظر اس پر ڈالی۔ وہ جو انجانی دھند میں دھندلا گئی تھی۔

"ارے مس تجل، آپ تو اداس ہو گئیں۔ میں نے تو یوں ہی آپ کی رائے لی تھی۔ خیر یہ ضروری بھی نہیں کہ جسے چاہا جائے، اسے پایا بھی جائے۔ تب ہی زندگی خوشگوار گزر سکتی ہے۔ بعض اوقات تو انسان نارسائی کے احساس کے ساتھ بھی مطمئن رہ سکتا ہے۔"

تیمور نے دکھ کے احساس کے ساتھ گمبھیر لہجے میں کہا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں اگر نارسائی کا زہر ایک بار پینا پڑے، تب لیکن جن کی زندگی ہی محرومیوں، نارسائیوں سے عبارت ہو، وہ کیا کریں....." تجل کی آواز بھیگ گئی۔

"آپ تو ایسی باتیں نہ کریں۔ محرومیوں اور نارسائیوں سے بھلا آپ کا کیا ناتا؟"

تیمور کی بات پر تجل کی آنکھیں دھندلا گئیں، مگر وہ کمال ضبط سے خود پر کنٹرول کر گئی۔

"آپ تو چمکتی چیز کو سونا نہ سمجھیں۔" تجل نے آہستگی سے کہا اور اٹھ کر دوسری طرف چلی گئی

اور تیمور کے دل میں اداس سی شام اتر آئی۔ اس کا دل چاہا۔ رنگ و خوشبو برساتی محفل سے دور چلا جائے۔ عجیب سی کیفیت ہونے لگی تھی۔ اس نے تھک کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔ جانے وہ کب تک کرب کے احساس سے دوچار رہتا کہ نظریں علی پر پڑیں' جو شکیل کی خالہ سے لگا ہوا تھا۔

''ہیلو آنٹی!'' علی یوں شکیل کی آنٹی کی طرف بڑھا۔ گویا بڑے اچھے مراسم ہوں۔

''ہیلو بیٹا! یہ تم کہیں وہی تو نہیں۔'' آنٹی نے اپنے پرس سے عینک نکال کر علی کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں آنٹی' میں وہ نہیں۔ تھوڑا مختلف ہوں۔ وہ آپ کی بہنیں نہیں آئیں۔ ویسے آج تو ماشاءاللہ آپ غضب ڈھارہی ہیں۔ ویسے کتنا وزن ہوگا۔''

علی آنٹی کو الجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

''کس کا وزن؟'' آنٹی نے برہمی سے پوچھا۔

''ارے آپ خفا نہ ہوں آنٹی' میں نے آپ کا وزن تو نہیں پوچھا' آپ کا تو معلوم ہے' بارہ من سے تو کیا کم ہوگا۔ میں میک اپ کا وزن پوچھ رہا ہوں' جو آپ نے تھوپ رکھا ہے۔ میں یہاں بیٹھ جاؤں....'' علی آنٹی کی بیٹی کی برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تم...تم وہی اسٹوپڈ بوائے.... بیرا.... بیرا۔''

آنٹی نے ایک جھٹکے سے اسے کھڑا کردیا اور بیرے کو بلانے لگیں تاکہ علی کی خدمت خاطر کروائی جائے۔

''ارے آنٹی! یہ ہوٹل تو بہت بڑا ہے' مگر انتظام انتہائی خراب ہے۔ دیکھئے ناں اتنے ڈھیر سارے بیرے مگر سب کے سب بہرے' کوئی آپ کی بات سن ہی نہیں سکتا۔ ٹھہریں میں بلاتا ہوں۔ بیرا! آنٹی کے لیے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے کر آؤ۔''

علی نے قریب آتے ہوئے بیرے کو روک کر کہا' تو وہ ''یس سر'' کہہ کر چلا گیا۔ آنٹی تلملا کر رہ گئیں۔

''ممی! یہ وہی اسٹوپڈ ہے' اسے زور زور سے گدگدیاں کریں۔'' بیٹی کے مشورہ دینے کی دیر تھی' آنٹی نے اسے گدگدی کرنا شروع کی اور وہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگیا اور اسی وقت بیرا بھی پانی لے کر آگیا اور علی کا ہاتھ لگنے سے پانی کا جگ آنٹی اور بیٹی پر گرگیا۔ پہلی ملاقات والا سین دوبارہ ہوگیا۔ وہ لوگ اپنا میک اپ درست کرنے میں لگ گئیں وہ دم دبا کر تیمور کے پاس آگیا۔

☆......☆......☆

رابعہ بیگم کو خود بھی فائزہ' طلال کے لیے پسند نہیں تھیں' اس لیے وہ وہاں کرنا چاہتی تھیں' جہاں خود طلال کی مرضی تھی اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے ظہیر صاحب سے اس سلسلے میں بات کرلی۔

''رابعہ! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ آسیہ فائزہ کے لیے....''

''میں تو سب کچھ جانتی ہوں ظہیر' مگر آپ کو کچھ خبر نہیں' فائزہ قطعی طور پر بھی ہماری طرف مائل نہیں۔ آسیہ کو بس اپنی بات منوانے کی عادت ہے' جو بات منہ سے نکل گئی۔ سو پوری کرنی ضروری ہے' لیکن ظہیر! میں اپنے بچوں کے مستقبل برباد نہیں کروں گی۔ سب بچوں کی شادیاں وہاں کروں گی' جہاں وہ

لوگ چاہیں گے۔ اس لیے کہ شادی ایک دو دن کا کھیل تو ہوتا نہیں کہ جس کے ساتھ چاہو اٹھا کر کردو۔ یہ عمر بھر کا بندھن ہوتا ہے' اور بندھن میں دونوں فریقین کی خوشی اور رضا شامل ہونی چاہئے اور پھر ماشاءاللہ میرے بچے سمجھدار ہیں' طلال ڈاکٹر ہے' ڈاکٹر سحر اس کی کلاس فیلو ہے' دونوں پسند کرتے ہیں ایک دوسرے کو' کم از کم اس معاملے میں۔ سوری میں آپ کی ہم خیال نہیں ہوسکتی۔''

رابعہ بیگم پڑھی لکھی خاتون تھیں اور بہت اچھے گھرانے سے تعلق تھا.... جس احسن طریقے سے انہوں نے زندگی کا ساتھی بن کر ان کی خوشیاں اور غم شیئر کیے تھے' جس طرح انہوں نے ظہیر صاحب کی کمزوریاں برداشت کی تھیں' بیوی کی حیثیت سے جو کچھ برداشت کیا تھا۔ اس نے ظہیر صاحب کو بیوی کا گرویدہ بنادیا تھا۔ چنانچہ کچھ رابعہ بیگم کے دلائل کی وجہ سے اور کچھ وہ خود بھی حقیقت پسندی سے سوچ رہے تھے۔

''ٹھیک ہے رابعہ! مگر ہمیں آسیہ کو بتادینا چاہئے۔'' ان کو پھر بھی بہن کا خیال آرہا تھا۔

''ظہیر! وہ آپ کی بہن ہے تو اس کی خوشی کا کتنا خیال ہے آپ کو۔ اور طلال میرا بیٹا ہے' میرا لخت جگر ہے' اور یہ اس کی خوشی کا خیال ہے' عمر بھر کی خوشی کا۔ میں اسے کیونکر ناخوش دیکھ سکتی ہوں اور پھر جب طلال' فائزہ کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ سحر اس کی اولین پسند ہے۔ والدین کے لیے ان کی اولاد کی خوشی ہی سب کچھ ہونی چاہئے' اور ویسے بھی آسیہ اور ہمارے درمیان کبھی اس رشتے پر نہ تو باضابطہ بات ہوئی اور نہ کوئی اقرار ہوا' اس لیے ہم پابند نہیں ہیں۔''

رابعہ بیگم نے ظہیر صاحب کو اچھی طرح قائل کرلیا تو وہ سحر کے گھر جانے کو تیار ہوگئے اور پھر نہ صرف ان کو سحر بے حد پسند آئی' بلکہ سب گھر والے بھی بے حد پسند آئے' سادہ سے پرخلوص سے لوگ دونوں کو بہت پسند آئے۔

''بیگم ظہیر! میں اس بات پر نادم ہوں کہ میں نے خود طلال کو کہا کہ گھر والوں کو لے کر آئے۔ اصل میں آج کل ہمارے بچے ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں۔ میں اپنی بیٹی کی پسند کو بھی جانتی تھی اور طلال بیٹا یوں بھی ہم لوگوں کو پسند آیا تھا۔ لیکن میری اصل مجبوری یہ ہے کہ سحر ہے ڈاکٹر اور ہر آنے والے کی نظر میری کسی اور بیٹی پر جاتی ہی نہیں۔ سب ڈاکٹر پر نظر گاڑ لیتے ہیں۔ خواہ ان کا بیٹا اس قابل ہو یا نہ ہو' غیروں کو تو میں جواب دے دیتی ہوں' مگر میں رشتے داروں کی باتوں سے بچنا چاہتی ہوں' اس لیے میری خواہش ہے کہ جلد ہی کوئی بات طے ہوجائے' تاکہ میں آنے والوں کا منہ بند کرسکوں۔ آخر مجھے اور بھی بیٹیوں کے رشتے کرنے ہیں۔''

سحر کی والدہ نے بڑے اچھے طریقے سے اپنی بات کی وضاحت کی اور صاف لفظوں میں بتادیا کہ وہ کیا چاہتی ہیں۔

''آپ بالکل درست کہہ رہی ہیں۔ میں آپ کی مجبوری کو سمجھتی ہوں' مگر کیا کریں۔ ہمارے ہاں مادیت پرستی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ اس نے انسان کی وقعت ہی ختم کرڈالی ہے۔ لیکن یہ محض اتفاق ہے کہ میرا بیٹا بھی ڈاکٹر ہے اور آپ کی بیٹی بھی ڈاکٹر ہے' تو ہم سحر کے لیے آئے ہیں۔ لیکن اگر میرے بیٹے کی کوئی اور لڑکی پسند ہوتی' خواہ وہ کچھ بھی نہ ہوتی' کم تعلیم یافتہ بھی ہوتی تو میں اپنے بیٹے کی خوشی ضرور پوری کرتی۔ بہرحال ہمیں سحر بیٹی دے دیں۔ میں اسے بہو بنا کر نہیں' بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ اور یہ

وقت ثابت کرے گا کہ میں نے ٹھیک کہا ہے یا غلط۔"

سحر کے والد اور والدہ نے ایک دوسرے کو دیکھا' پھر سحر کے والد نے مٹھائی کی پلیٹ ظہیر صاحب کی طرف بڑھائی۔

"بیٹیوں کو اچھے گھر مل جائیں' یہ ہی والدین کے لیے سب سے بڑی خوشی ہوتی ہے ظہیر صاحب! ہمیں یہ رشتہ منظور ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اسے...... اور مضبوطی فرمائے' مبارک ہو آپکو۔" اور پھر مبارک سلامت کے شور میں طلال اور ڈاکٹر سحر جیون ساتھی چن لیے گئے' مگر اس بات کو فی الحال رشتے داروں سے راز میں رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا۔

☆......☆......☆

فائزہ اور صائمہ کی ملاقات اب یونیورسٹی ہی میں ہوتی تھی۔ صائمہ ویسے بھی بڑی چالاک قسم کی لڑکی تھی۔ جبکہ فائزہ اپنے آپ میں رہتی اس کی خوبصورتی اور منفرد سٹائل کی وجہ سے کئی ہاتھ اس کی جانب بڑھے' مگر وہ نظرانداز کرتی آگے بڑھ جاتی۔ لیکن حسن کی شخصیت میں کچھ ایسی بات ضرور تھی کہ وہ ایک نگاہ ضرور ڈالتی اس پر..... حسن اور آصف یوں تو بہت بولڈ اور شوخ تھے' مگر ایسے معاملے میں نہیں تھے' یہ ہی وجہ تھی کہ فائزہ کو اتنا پسند آنے کے باوجود حسن آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔

"تم نے منہ میں اسی طرح گھنگنیاں ڈالے رکھیں تو محترمہ ایم اے کرکے چلی جائیں گی اور تم رہ جانا ڈھڑے بجاتے۔" سیمینار میں بیٹھے آصف نے حسن کو ڈانٹا' جس کے سامنے فائزہ کتاب کھولے فائل پر کچھ لکھ رہی تھی' صائمہ بھی ساتھ ہی تھی اور وہ ان دونوں کو مشکوک نظروں سے گھور رہی تھی۔

"کیا کروں یار! مجھے تو ڈر لگتا ہے۔ جھاڑ ہی نہ دے..... اور یوں بھی اگر میرے جذبوں میں صداقت ہوگی تو خود ہی مائل بہ کرم ہو جائے گی ان شاء اللہ۔"

وہ دونوں کھسر پھسر کر رہے تھے کہ صائمہ ان کے قریب آ گئی۔

"ایکسکیوزمی' آپ لوگ اسی ڈیپارٹمنٹ کے ہیں؟"

"جی نہیں!" آصف نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تو پھر ہر روز کیا کرنے آتے ہیں یہاں؟" صائمہ تفتیش کے انداز میں پوچھ رہی تھی۔ گویا وہ ہی مالک ہو۔

"دیکھئے محترمہ! ایک تو یہ کہ ہم یہاں اپنے دوست سے ملنے آئے ہیں۔ اتفاق سے وہ آج نہیں آیا۔ دوسری بات یہ کہ یونیورسٹی والوں نے کسی پر یہ پابندی عائد نہیں کی کہ وہ ایک ڈیپارٹمنٹ سے دوسرے ڈیپارٹمنٹ نہیں جاسکتے۔" آصف نے بھی بڑے کٹیلے انداز میں جواب دیا' تو وہ ان کو گھورنے لگی۔

"ہونہہ! مجھے سب پتا ہے' تاڑنے آتے ہیں لڑکیوں کو۔" صائمہ خاصی بدتمیز ہو گئی۔

"محترمہ! اگر ایسا بھی ہو تو آپ کو کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہئے' ہم آپ کو تاڑنے نہیں آتے۔"

"صائمہ! کیا بات ہے۔ تم ادھر آؤ۔ ہمیں کیا کوئی کچھ بھی کرتا پھرے۔"

فائزہ نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اسے بلایا تو وہ اونہہ کرکے آگے بڑھ گئی۔

"فائزہ! آج ہم انکل ظہیر کے ہاں نہ چلیں؟" صائمہ ہر دوسرے روز انکل ظہیر کے ہاں جانے کو مچل جاتی۔

"نہیں صائمہ! ابھی پرسوں تو گئے تھے' مجھے اچھا نہیں لگتا روز روز جانا۔ فضول میں جا کر کرنا بھی کیا ہے۔" فائزہ اکتائے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تمہارے تو وہ سگے ماموں ہیں اور پھر عنقریب سسرال بھی بن جائے گا وہ گھر۔"

صائمہ نے بھونڈے انداز میں اسے چھیڑا' مگر فائزہ نے منہ بنالیا۔

"مت کیا کرو ایسی باتیں۔ مجھے نہیں پسند۔"

"اچھا نہ سہی۔ آج چلو تو سہی۔" صائمہ جانے کیوں مصر تھی۔ انکل ظہیر کے گھر جانے پر۔

"نہیں بھئی۔ میرا تو قطعی موڈ نہیں۔ تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔ پوائنٹ چلنے والے ہیں' چلو جاؤ۔"

"میں بھی نہیں جاتی۔ جس دن تم چلو گی' اسی دن چلیں گے' اچھا خدا حافظ۔"

صائمہ اپنا بیگ شانے سے لٹکائے..... تیزی سے سیڑھیاں اترتی ٹرمینل کی طرف جانے لگی۔

گھر آئی تو زیب آئی ہوئی تھی۔ اس نے برا سا منہ بنالیا..... وہ خواہ مخواہ ہی زیب کو اپنا رقیب سمجھنے لگی تھی' حالانکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ محبوب بھی اس کا نہیں۔

"اوہو زیب صاحبہ! آئی ہیں۔ بلال کے ساتھ آئی ہوگی' کیونکہ دنیا میں وہی ایک تو ہمدرد ہے تم لوگوں کا' باقی سب تو دشمن ہیں۔"

نہ سلام نہ دعا نہ حال احوال پوچھا۔ چھوٹتے ہی طنز کرنے لگی۔ اس سے قبل کہ زیب.... کوئی جواب دیتی شعیب وہاں آ گیا۔

"ہیلو سڑیل! یہ بلال کے ساتھ نہیں میرے ساتھ آئی ہے' کہو قرار آ گیا جیلس دل کو۔"

شعیب صائمہ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا تمسخرانہ سی مسکراہٹ لبوں پر لیے ہوئے بولا۔ زیب کچن میں چلی آئی۔

"تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ اس میں صرف میرا ہی مفاد نہیں تمہارا بھی ہے۔ زیب تم کو پسند ہے کہ نہیں اور پھر کیسے مرد ہو کہ جس لڑکی کو چاہتے ہو۔ اس پر کسی دوسرے مرد کو مہربان دیکھ کر بھی کچھ نہیں کر رہے۔"

صائمہ اسے کسی بھی اقدام پر اکسانے والے انداز میں بولی۔

"مجھے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں میڈم! زیب میرے اختیار میں ہے۔ جب چاہوں نئے رشتے کی زنجیر میں جکڑ سکتا ہوں۔" شعیب اپنے اختیارات کے زعم میں بولا تو وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔

"وہ تمہارے گھر میں ضرور ہے شعیب صاحب! مگر تمہارے اختیار میں نہیں۔" وہ اسے چڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"امی کیسی ہیں باجی؟ ان کو دیکھے کتنے دن ہو گئے ہیں۔ صدف جانے کیسی ہو گئی ہے' کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ہم سب زندگی ہی میں یوں بچھڑ جائیں گے۔ ایک شہر میں رہ کر ایک دوسرے کی شکلوں کو ترس جائیں گے۔ زندگی ہم سے کیا کیا خراج وصول کر رہی ہے۔ یہ آزمائش' یہ امتحان کبھی ختم ہوگا بھی

نہیں۔"

تقریباً ایک ماہ بعد بہنیں ملیں' تو دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں سے چھلک پڑا۔ شذرا زیب کے ساتھ لگی روتی رہی۔

"شذو میری جان! تم تو بہت بہادر ہو' دیکھنا اللہ پاک ہمیں کتنا اچھا انعام دیں گے' ان آزمائشوں کا کہ ہم تمام عمر اللہ تعالیٰ کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے یہ سب کچھ بھول جائیں گے۔" زیب نے محبت سے شذو کے بال سنوارے۔ کتنی کملا گئی تھی۔

"فرخ کہاں ہے۔ آنکھیں ترس گئی ہیں اس کے لیے؟"

"ہونہہ' آپ لوگوں کی تو وہ نظروں سے دور ہے ہی' میرے پاس ہوتے ہوئے نہیں ملتا۔ جو منحوس مارا اسد ہے ناں۔ ہر وقت فرخ کو ساتھ رکھتا ہے۔ میں نے تو محسوس کیا ہے کہ وہ فرخ کو کسی غلط کام پر لگا رہا ہے' فرخ بھی تو بہت بدلتا جا رہا ہے' میری بات تو سنتا ہی نہیں۔ پرسوں پتا ہے یہ اس ذلیل کے ساتھ ایک بجے آیا تھا واپس' میں نے پوچھا تو ٹال گیا۔"

"ارے پرسوں تو اسد اور فرخ ادھر آئے ہوئے تھے۔ فرخ کو امی نے روک لیا تھا۔ کھانے کے بعد بھی آنے نہیں دے رہی تھیں' پھر مجبوراً اسد اٹھ گیا تو امی خاموش ہو گئیں۔"

"دیکھا باجی! کتنا ذلیل ہو گیا ہے فرخ' میں اتنے دن سے آپ کے لیے اور امی کے لیے تڑپ رہی تھی اور کہہ رہی تھی لے چلے' مگر یہ اس منحوس کے ساتھ چلا گیا۔"

شذرا کو ایک دم سے غصہ آ گیا۔

"غصے میں مت آیا کرو شذو! یہ غصہ عقل کا دشمن ہوتا ہے اور جب عقل ہی کام نہ کرے تو انسان سے اچھے کام نہیں ہو سکتے۔ ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ آزمائش میں صبر اور نماز سے مدد لینی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ خود ہی کرم فرماتا ہے' خوشخبری سناؤں؟" زیب نے اس کا ترچہرا تھامتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"خوشخبری اور ہمارے لیے ناممکن۔ بہرحال بتائیے کیا بات ہے؟"

"وہ بلال ہیں ناں۔" زیب رُک کر شرما گئی۔

"جی کیا کیا بلال بھائی نے؟" شذرا سب کچھ بھول کر ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ جلد ہی وہ امی سے بات کر کے ماموں لوگوں سے بات کریں گے اور پھر..... پھر ہم الگ رہیں گے اپنے گھر میں' اپنی شناخت کے ساتھ۔ ہمارا اپنا گھر ہو گا' اپنی حکومت ہو گی ان شاء اللہ دیکھنا شذو کتنے اچھے دن آئیں گے۔"

زیب کی آواز کے جگنو شذرا کی ویران آنکھوں میں چمکنے لگے۔ مستقبل کے خوش آیند خوابوں کے دلوں کی روشنی سے دونوں بہنوں کے چہرے روشن ہو گئے تھے۔ مگر وہ لوگ نہیں جانتی تھیں کہ ان کی خوشیوں پر مستقل دشمن نقیب لگائے بیٹھا ہے۔ صائمہ جو شذرا کو چائے بنانے کا کہنے آئی تھی۔ بلال کے نام پر دروازے کے باہر ہی رُک کر سننے لگی۔

"ہوں تو یہ سلسلہ ہے بلال صاحب! میں دیکھ لوں گی تم کیسے زیب کے ساتھ شادی کرتے ہو' تم اگر میرے نہیں ہو سکتے تو زیب کے بھی نہیں ہو سکتے۔"

صائمہ کے تن بدن میں آگ بھڑک گئی تھی۔ وہ سیدھی شعیب کے پاس آئی۔ شعیب نے اخبار ایک طرف رکھا اور اسے دیکھنے لگا۔

"کیوں کوئی نیا فتنہ جاگا ہے ذہن میں..... یہ تمہاری سوچیں تمہیں کبھی قرار سے نہیں بیٹھنے دیں گی۔" شعیب اس کی فطرت کو اچھی طرح جانتا تھا۔

"مجھے قرار آئے نہ آئے۔ سکون تمہیں بھی نہیں مل سکتا اور اس روز میں تم سے پوچھوں گی' جب تمہارے گھر سے زیب رخصت ہو کر بلال کی دلہن بن کر اس کے ساتھ چلی جائے گی۔" صائمہ نے الفاظ چبائے تو شعیب کھڑا ہو گیا۔

"کیا بکواس ہے یہ.....؟"

"یہ ہی بکواس میں ابھی زیب صاحبہ کے منہ سے سن کر آ رہی ہوں کہ بلال صاحب زیب کو باقاعدہ پرپوز کرنے والے ہیں۔ میں نے کہا تھا ناں۔ زیب تمہارے گھر میں ضرور رہتی ہے' مگر تمہارے اختیار میں نہیں۔ اب دیکھتے رہ جانا۔"

صائمہ کا انداز صاف چڑانے والا تھا۔

"ہونہہ! میں تمہیں بتاؤں گا کہ میرے کیا اختیارات ہیں۔"

شعیب کو ایک تو اس خبر ہی سے شاک لگا تھا۔ دوسرے وہ اسے بے اختیاری کا طعنہ دے رہی تھی وہ بھنا اٹھا۔

"اگر ان اختیارات کا استعمال بلال کے پرپوز کرنے سے قبل ہو جائے تو زیادہ مناسب ہے ورنہ..."

"تم اپنی چونچ بند رکھو۔" شعیب طیش میں آ گیا۔

"چلو دیکھیں گے' کیا تیر مارتے ہو تم۔"

صائمہ کو اس کے چہرے کے تاثرات سے اپنی کامیابی صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ دیر تک مسکراتی رہی۔ اسے یقین تھا کہ اب شعیب ہنگامہ ضرور کرے گا اور وہی ہوا۔ شعیب نے پہلے بات شوکت صاحب سے کرنے کی ٹھانی' کیونکہ آسیہ بیگم سے اس سلسلے میں بات کرنا فضول تھا۔

"ابو وہ..... میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"خیریت ہے! ایسی کون سی بات ہے جو تم کہتے ہوئے ہچکچا رہے ہو۔ ورنہ تمہاری والدہ کی تربیت نے تو تم لوگوں کو اس حد تک بے باک کر دیا ہے کہ....."

شوکت صاحب سب کچھ جانتے تھے کہ آسیہ بیگم کا رویہ ان کی بیوہ بہن اور بچوں کے ساتھ کیسا ہے اور شعیب بھی اپنی ماں کے نقش قدم پر چلتا رہا ہے' اس لیے وہ اس سے خائف ہی رہتے تھے۔

"ابو! میں جانتا ہوں۔ آپ مجھ سے خفا ہیں۔ لیکن یہ ایسی بات ہے کہ میں صرف آپ ہی سے کر سکتا ہوں' امی سے نہیں۔" وہ ابو کے رویے سے خوفزدہ سا ہو گیا۔

"اچھا کیا میری بھی کوئی حیثیت ہے کسی کی نظروں میں۔"

شوکت صاحب گزرنے والے حالات اور بیوہ بہن کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی وجہ سے بہت بددل ہو گئے تھے۔

"ابو! آپ تو بہت خفا ہیں۔ ٹھیک ہے۔ میں بات ہی نہیں کرتا۔" شعیب کی طبیعت کا اکھڑپن عود آیا۔

"نہیں کہو۔" شوکت صاحب نرم پڑتے ہوئے بولے۔

"ابو وہ.... وہ میں زیب سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"کیا...." شوکت صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"تم اپنے حواسوں میں تو ہو؟ یا پھر ماں بیٹے نے کوئی نئی چال چلی ہے۔"

شوکت صاحب نے مشکوک نظروں سے بیٹے کو گھورا۔ تو وہ نظریں چرا کر رہ گیا۔ ٹھیک ہے' وہ زیب کو چاہتا ضرور تھا۔ مگر اب اسے اتنی اہمیت بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ تو صائمہ کی بھڑکائی ہوئی آگ تھی۔

"آپ کو یہ بات پسند نہیں ابو....؟" الٹا اس نے سوال داغ دیا۔

"نہیں...." شوکت صاحب نے بغیر کسی ہچکچاہٹ اور لحاظ کے انکار کر دیا۔

"اس لیے شعیب کہ میں نہیں چاہتا کہ وہ معصوم بچیاں تمام عمر آگ میں' نفرتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے گزار دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان لڑکیوں کی شادیاں ایسے گھرانوں میں کروں' جہاں سے ان کو عزت اور محبت ملے' تمہارے ساتھ کر کے تو تمام عمر کے لیے اس کو غلام بنانے والی بات ہو گئی اور یہ مجھے گوارا نہیں۔"

شوکت صاحب کے انکار کے بعد شعیب تلملا کر رہ گیا۔ صائمہ کی مکروہ ہنسی اسے قریب ہی سنائی دینے لگی۔ ساتھ ہی بلال اور زیب کی شادی کا منظر اسے بے کل کر گیا۔ یہ تو وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ زیب بلال کی ہو جائے' چنانچہ اس نے پینترا بدلا۔

"ٹھیک ہے ابو! آپ میرے گزشتہ رویے کی وجہ سے ایسا کہہ رہے ہیں' تو میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں زیب کو خوش رکھوں گا۔ اپنی پچھلی تمام خطاؤں کا ازالہ کر دوں گا۔ آپ کے سامنے ہو گا' جو بھی ہو گا۔ جہاں آپ مجھے غلط پائیں ٹوک دیں۔ دیکھیں ابو! زیب مجھے بہت پسند ہے اور میں نے سنا ہے کہ وہ بھی...."

وہ جھوٹ بولتے بولتے ایک دم چپ ہو گیا۔ مگر شوکت صاحب سوچ میں ضرور پڑ گئے تھے۔ اگر واقعی شعیب راضی ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اور پھر اطمینان کی بات تو یہ تھی کہ زیب سامنے رہے گی۔ تب وہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دیں گے۔ وہ اندر ہی اندر بہت کچھ سوچ کر فیصلہ کر چکے تھے۔ تاہم وہ شعیب کو اتنی جلدی ہاں میں جواب دینا نہیں چاہتے تھے۔

"ٹھیک ہے' اتنے بڑے فیصلے اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں ہو جاتے۔ میں خود بھی سوچ لوں۔ پھر بات کروں گا نسیمہ سے۔ اگر وہ دونوں تیار ہوئیں تو تب یہ بات آگے بڑھے گی' اگر نسیمہ کو یہ بات پسند نہ ہوئی تو پھر اس سلسلے کو ختم سمجھنا۔"

شوکت صاحب نے ساری بات نسیمہ بیگم کی پسند و ناپسند پر ڈال کر اسے اور پریشان کر دیا تھا' مگر پھر کچھ سوچ کر وہ مسکرا دیا۔

مہوش سے شادی کرتے وقت نبیل کو مشکلات کا اندازہ تو تھا' مگر اتنی مشکلات کا نہیں تھا۔ وہ ہنی مون منا کر واپس آ گیا تھا۔ مہوش کو ذاتی فلیٹ خرید کر دیا تھا۔ مگر مہوش کا تقاضا تھا کہ وہ گھر میں سب کے ساتھ رہے گی اور یہ کہ وہ اس شادی کو منظر عام پر لائے۔

"وشی! تم اب میری جیون ساتھی ہو۔ تمہیں ہر بات کو سنبھالنا چاہئے۔ ابھی وقت نہیں آیا کہ میں تمہیں منظر عام پر لاؤں۔"

"نبیل! میں نے تم سے شادی کی ہے۔ کوئی گناہ نہیں کیا کہ ہم یوں چوروں کی طرح چھپتے چھپاتے تمام عمر گزار دیں۔ تقریباً ایک ماہ ہو گیا ہے ہمیں وہاں سے واپس آئے۔ آپ بتائیں کس ڈھنگ سے آپ میرے ساتھ رہے ہیں۔ آتے ہیں مہمانوں کی طرح تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ آخر میرا کیا قصور ہے کہ یہ تنہائیاں میرا مقدر بنا دی جائیں۔" مہوش روتی چلی گئی۔ نبیل کچھ دیر اسے روتا دیکھتا رہا۔

"دیکھو' مجھے اندازہ ہے تمہاری تکلیف کا۔ تنہائی کا' مگر تم میرے گھر کے ماحول اور گھر والوں کو نہیں جانتیں.... تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ اس شادی کو ظاہر کر دیا گیا' تو کتنی بڑی قیامت آئے گی۔"

"اگر اپنے گھر والوں کا اتنا ہی خیال تھا تو کیا ضرورت تھی مجھے برباد کرنے کی۔ شادی کرنے کی۔ اپنی جھوٹی محبت کی زنجیروں میں جکڑنے کی۔"

"نبیل! میں کچھ نہیں جانتی مجھے میری شناخت چاہئے' گھر چاہئے' آزادی چاہئے کہ میں تمہاری بیوی ہوں' اس بڑی فیملی کی بہو ہوں' جس کا معاشرے میں بہت بلند مقام ہے' حیثیت ہے۔" مہوش اس کی مجبوریوں کو سمجھنے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔

"او کے وشی! جہاں اتنا عرصہ انتظار کیا ہے' وہاں چند روز اور انتظار کر لو۔ راحیل بھائی کی شادی ہو جائے تو میں خود تمہیں سب کے سامنے لے جاؤں گا۔ مما' پپا سے کہوں گا۔ شہرین کی طرح یہ بھی آپ کی بہو ہے' اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا شہرین کا۔" نبیل نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے تسلی دی' مگر وہ مطمئن نہ ہوئی اور ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہو گئی۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ کے گھر والے مجھے شہرین والی حیثیت سے قبول کر لیں گے' جس کو انہوں نے خود پسند کیا۔ جو ان کے اسٹینڈرڈ کے لوگوں کی بیٹی ہے۔ اس کے مقابلے میں میری کیا حیثیت ہو گی۔ ہرگز نہیں.... کوئی حیثیت نہیں دیں گے وہ لوگ مجھے۔ وہ تو شاید ملازمہ کی حیثیت سے بھی قبول نہ کریں۔"

"نہیں وشی! ایسی بات نہیں۔ ٹھیک ہے' مما' پپا سخت ہیں اور زندگی کے انہوں نے کچھ اصول بھی بنا رکھے ہیں' جس پر وہ سختی سے عمل پیرا رہتے ہیں۔ مگر بہنیں فاطمہ' آمنہ باجی بہت اچھی ہیں۔ بالکل دوستوں کی طرح ہے' میری بہنیں بہت اچھی ہیں۔"

"ہاں.... اچھی ہیں تو اب تک بیٹھی ہوئی ہیں نا' ورنہ ایسے والدین اولاد کو ہونہہ۔"

"وشی! خدا پر بھروسا رکھو وہ.... بہتر کرنے والا ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں' راحیل بھائی کی شادی کی وجہ سے بہت مصروفیت ہے' فکر نہ کرنا' خدا حافظ۔"

نبیل اسے تسلیاں دیتا باہر نکل گیا' اسی وقت بیگم جان آ گئیں۔

"کوئی بات بنی؟"

"نہیں ممی! وہ کہہ رہے تھے کہ راحیل کی شادی ہو جائے تو پھر کوئی حتمی فیصلہ کریں گے۔"

"بی بی! اگر تم اس کی باتوں میں یوں ہی آتی رہیں ناں تو ہو چکیں کامیاب۔ وہ اسی طرح گولیاں فٹ کرتا رہے گا اور تم بس اس کی چاہتوں کے دیپ ہی جلاتی رہنا' اپنے ارمانوں کی قبر پر۔" بیگم جان نے عیار نظروں سے اسے دیکھا۔

"پھر کیا کروں ممی...؟" وہ روہانسی ہوگئی۔ وہ چونکہ نبیل کو چاہتی تھی' اس لیے بیگم جان کی ہدایات کے باوجود نبیل کی بات مان لینے پر مجبور تھی۔

"اب تم نے کچھ نہیں کرنا۔ میں نے کرنا ہے۔" بیگم جان نے پختہ لہجے میں کہا۔

"لیکن ممی! جو کچھ بھی کرنا ہے' راحیل کی شادی کے بعد کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ رنگ میں بھنگ پڑ جائے اور نبیل مجھ سے متنفر ہو جائے۔"

"ہونہہ! کتنا خیال ہے تمہیں اس شریف زادے کا۔ لیکن چلو' تمہاری خاطر راحیل کی شادی کے بعد ہی کوئی قدم اٹھائیں گے ہم۔"

نبیل تو ڈرتا ہی رہا' مگر شکر ادا کیا اس نے اس وقت جب راحیل کی شادی خیریت کے ساتھ ہوگئی۔ اور کوئی بدمزگی نہیں ہوئی۔ اس بات نے اس کے دل میں مہوش کی قدر بڑھادی۔ شادی کے بعد راحیل' اور شہرین ہنی مون کے لیے ملک سے باہر جا چکے تھے۔ اس روز فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ کوئی بھی نہیں تھا۔ صوفیہ بیگم کو خود ہی آنا پڑا۔

"ہیلو...!"

"ہیلو جی.... آپ نبیل کی مما بات کر رہی ہیں...؟" دوسری طرف سے آواز آئی۔

"جی ہاں!" صوفیہ بیگم نے حیرت سے کہا۔

"آپ کون بات کر رہی ہیں؟"

"جی میں نبیل کی ساس بات کر رہی ہوں۔"

"جی...!!"

☆......☆......☆

"واٹ نان سینس کون ہو تم اور یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟"

صوفیہ بیگم جھٹکے سے کھڑی ہوگئیں۔ ان کے کانوں میں گویا پگھلا سیسہ انڈیل دیا تھا اس آواز نے۔

"یہ مانا بیگم صاحبہ کہ آپ بہت پڑھی لکھی اونچے گھر کی بیگم صاحبہ ہیں اور اتنی حیثیت والی ہیں کہ منٹوں میں کسی کو بے حیثیت کر سکتی ہیں لیکن اتنی جاہل اور بے حیثیت تو میں بھی نہیں۔ آپ کی اس بات کے جواب میں شٹ اپ تو میں بھی کہہ سکتی ہوں۔ آپ کو مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ بیٹی کی ماں ہوں ناں۔ اور لڑکی والوں کو یوں ہی جھک کر رہنا پڑتا ہے۔ آپ میری بیٹی مہوش کی ساس ہیں اور آپ کی عزت میرا فرض ہے۔"

طیش اور غصے میں آنے کے بجائے بیگم جان بے انتہا تحمل سے کام لیتے ہوئے سرد اور نرم لہجے میں بات کر رہی تھی جبکہ صوفیہ بیگم مارے غصے کے کانپ رہی تھیں۔

"مما جان! کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے ناں؟ کس کا فون ہے۔"

فاطمہ نے ماں کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھا اور کانپتے ہاتھوں سے ریسیور کریڈل پر رکھ کر ماں کو بٹھا کر پانی پلایا جن کے کانوں میں بیگم جان کے الفاظ گونج رہے تھے۔ ان کی سانس تیز تیز چلنے لگی۔ بھلا یہ کوئی معمولی بات تھی کہ ایک نامعلوم عورت خود کو ان کے بیٹے کی ساس کہہ رہی تھی اور اپنی بیٹی کو ان کی بہو قرار دے رہی تھی۔ بھلا ایسے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

"نہیں وہ...... وہ بکواس کر رہی تھی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔"

صوفیہ بیگم جیسے خود سے بڑبڑائیں۔ فاطمہ پریشان ہوگئی۔

"مما پلیز' کچھ بتائیں۔ کون کیا کہہ رہی تھی؟"

فاطمہ نے ماں کی پیشانی سے پسینے کو پونچھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ...... وہ اسٹوپڈ عورت نجانے کون تھی۔ کہہ رہی تھی کہ میں تمہارے بیٹے کی ساس بات کر رہی ہوں' نبیل کی ساس۔"

صوفیہ بیگم نے بڑے خوفزدہ انداز میں فاطمہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی مما! یہ کہا اس عورت نے۔"

فاطمہ کو خطرے کی گھنٹیاں قریب سنائی دیں مگر وہ اپنا کوئی خدشہ ظاہر کر کے ان کو مزید پریشان

کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"ہاں...... فاطمہ! اس نے یہ ہی کہا تھا کہ میں نبیل کی ساس بول رہی ہوں۔"

"اوہ تو مما! ایسا نہیں ہو سکتا۔ ممکن ہے رانگ نمبر ہو۔ میں آپ کو بتاؤں کہ ایک روز ہماری بیل ہوئی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو کوئی خاتون تھیں۔ کہنے لگیں بیٹی تم حیدر آباد کب جا رہی ہو۔ میں پریشان ہو کر بولی۔ آپ کون ہیں اور کس نمبر پر رنگ کیا ہے تو انہوں نے نمبر بتایا جو نمبر ہمارا نہیں تھا۔ بس یوں ہی لائن مل گئی تھی۔"

فاطمہ نے رانگ نمبر کی آڑ لے کر ماں کو مطمئن کرنا چاہا۔

"نہیں فاطمہ بیٹے! میرا دل خوفزدہ ہے۔ کوئی بات ہے ضرور ورنہ وہ اتنے پر اعتماد لہجے میں کیوں کہتی کہ میں نبیل کی ساس بول رہی ہوں۔ یہ رانگ نمبر نہیں ہو سکتا۔"

وہ ماں تھیں اور ماں کے دل کو خدشات نے گھیر لیا تھا۔

"مما! کیا نبیل صرف ہمارے ہی نبیل کا نام ہے۔ بے شمار لڑکوں کے نام نبیل ہیں۔ آپ کیوں سمجھ بیٹھی ہیں کہ یہ ہمارے ہی نبیل کا ذکر ہے۔ آپ خود سوچئے کہ بھلا ایسا ممکن ہے کہ...... بس آپ ریلیکس ہو جائیں۔ آپ کو معلوم ہے ناں' ڈاکٹر نے آپ کو ٹینشن لینے سے منع کیا ہے۔ پلیز مما! آپ اس کو رانگ نمبر سمجھ کر بھول جائیں۔ میں آپ کی تسلی کرا دوں گی۔ ذرا نبیل آ تو جائے۔ چلئے پلیز' آپ اپنے کمرے میں چلئے۔" فاطمہ ابھی ابھی سی صوفیہ بیگم کو ان کے کمرے میں لے آئی۔

"مما! اے سی آن کر دوں یا۔" اس نے اے سی کی طرف بڑھتے ہوئے مڑ کر پوچھا۔

"نو بیٹا! ایک کپ چائے اچھی سی بنا لاؤ۔ دماغ پھٹ رہا ہے درد سے۔ جانے کیوں......"

صوفیہ بیگم بہت ڈپریس ہو رہی تھیں۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ فاطمہ خود پریشان ہو رہی تھی۔ اسے مما کی بہت فکر ہو رہی تھی۔ ایک تو وہ ہائی بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں۔ پپا کی طرح اور دوسرے ان کو ایک بار ہارٹ اٹیک بھی ہو چکا تھا اور بقول ڈاکٹر معمولی سا ڈپریشن بھی ان کیلئے خطرناک ہو سکتا تھا۔

"مما پلیز' آپ ریلیکس ہو جائیے میں ابھی نبیل کو آفس سے فون کر کے آپ کے سامنے بات کرتی ہوں۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ مما! ڈونٹ وری پلیز۔"

فاطمہ ہر صورت میں ان کو پرسکون کرنا چاہ رہی تھی۔

"فاطمہ! اگر یہ سچ ہوا تو...... تو تمہارے پپا...... تمہارے پپا مجھے جو باتیں سنائیں گے میری تربیت پر جو حرف آئے گا اس سے قبل میں... میں جان دے دوں گی۔"

صوفیہ بیگم کے دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھیں۔

"خدا نہ کرے مما! جو ایسا ہو۔ بس آپ آرام سے لیٹ جائیں۔ میں ابھی چائے لے کر آئی۔"

فاطمہ متفکر چہرہ لئے مما کو لٹا کر باہر آ گئی۔ آمنہ کچن میں تھی۔ فاطمہ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر جلدی جلدی چائے بنانے لگی۔ آمنہ نے بغور بہن کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"خیریت! کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟"

فاطمہ نے مڑ کر اسے دیکھا۔ مگ میں چائے انڈیلی اور باہر کی طرف آ کر پھر پلٹی۔

"ہاں' بہت خاص۔ تم اپنے کمرے میں چلو میں آتی ہوں اور سنو بے بی کو کچھ خبر نہ ہو کہ کوئی خاص بات ہے۔"

آمنہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے رشید کو ہدایات دے کر کمرے میں آ کر فاطمہ کا انتظار کرنے لگی جو مما کو چائے پلا کو ٹیبلٹ دے کر خاموشی سے آئی۔

"فاطمہ! آپ بتائیں ناں۔ آخر بات کیا ہے؟" آمنہ نے پھر بے چینی سے پوچھا۔

اندر آ کر فاطمہ کا کمرے کو اچھی طرح لاک کرنا اور اس کا خاموش' پریشان چہرہ آمنہ کو پریشان کر گیا۔

"یہاں بیٹھو آمنہ اور تحمل سے میری بات سنو۔"

اور پھر فاطمہ نے اسے قریب بٹھا کر ساری بات سنا دی تو کچھ دیر کیلئے آمنہ کے چہرے کا رنگ بدلا پھر وہ نارمل ہو گئی۔

"نہیں' یہ نہیں ہو سکتا۔ میں یقین نہیں کر سکتی۔" آمنہ نے سخت لہجے میں کہا۔

"ہاں آمنہ! میں نے بھی مما سے یہ ہی کہا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ مان لینے والی بات ہے کوئی۔"

"دیکھو باجی! میں اس لئے اس بات کو نہیں مان سکتی کہ قیدی جب قید میں ہوتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے۔ جیل کے قواعد کی خلاف ورزی کرنے کی' فرار ہونے کی کیا سزا ہو سکتی ہے۔ سزا حد سے تجاوز کر جائے تو موت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور زندگی تو سب کو پیاری ہوتی ہے اور میرا خیال ہے کہ انسان زندگی پر فرار کو فوقیت نہیں دے سکتا۔"

آمنہ کا لہجہ اور انداز انتہائی بے گانہ اور تلخ تھا۔ فاطمہ کو غصہ آ گیا۔

"آمنہ! تم نہ جانے کیوں اتنی تلخ رہتی ہو۔ معلوم بھی ہے کہ مما کتنی ڈپریس ہیں۔"

"مما نے کبھی دوسروں کی ڈپریشن کا خیال کیا ہوتا تو آج یوں ایک فون پر اتنی ڈپریس نہ ہوتیں بجو۔"

"آمنہ۔" فاطمہ نے اسے ڈانٹا۔

"کیا آمنہ۔ آمنہ لگا رکھی ہے آپ نے۔ اول تو نبیل ایسا نہیں کر سکتا۔ اگر کر بیٹھا ہے تو وہ حق بجانب ہے۔ شادی انسان کا حق ہے۔ جب۔"

"آئی ایم سوری آمنہ! مجھے تم سے بات کرنا ہی نہیں چاہئے تھی۔ تمہیں احساس ہی نہیں کہ اگر یہ بات سچ ہوئی تو کتنی بڑی قیامت آئے گی' کیا کیا تباہیاں ہوں گی۔"

"تو مجھ پر خفا کیوں ہو رہی ہیں۔ میں نے تو جیل کے قواعد کی خلاف ورزی نہیں کی جس نے کی ہے اسے پکڑیں۔"

"آمنہ!" فاطمہ' آمنہ کو کچھ کہنا چاہتی تھی مگر پھر چپ ہو گئی۔ مما کے کمرے میں جھانکا وہ سو رہی تھیں۔ اس نے آہستگی سے دروازہ بند کیا اور لاؤنج میں آ گئی۔ میگزین پکڑے وہ خالی نگاہوں سے کھڑکی سے باہر لان کا منظر دیکھ رہی تھی۔ اسے صرف نبیل کا انتظار تھا۔ وہ ساری باتوں پر غور کر رہی تھی کہ ایک عرصے سے امجد کے ساتھ اس کی دوستی بہت گہری ہو گئی تھی اور پھر رات رات بھر باہر رہنا عجیب پراسرار سا

ہو گیا تھا۔ نبیل کی گزشتہ باتوں کے حوالے سے آج کے فون کا کوئی نتیجہ حاصل کرنا چاہ رہی تھی کہ نبیل جو عام طور پر شام کو آیا کرتا تھا۔ انگلی پر گاڑی کی چابی گھماتا آ گیا۔

''نبیل!''

''جی!'' وہ جو تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا مڑ کر فاطمہ کو دیکھنے لگا۔ فاطمہ بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''یہاں آؤ اور اطمینان سے میری بات سنو اور جواب دو۔''

''خیریت باجی! آج آپ کچھ زیادہ سیریس نہیں ہو رہیں۔''

وہ ٹھٹکا ضرور تھا لیکن اصل بات کیا ہے' یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''آج ایک فون آیا تھا اور مما نے ریسیو کیا تھا۔''

اور پھر فاطمہ نے ساری بات بتا دی تو نبیل کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ مارے گھبراہٹ کے ہاتھوں اور پیشانی پر پسینہ آ گیا۔ اسے بیگم جان کی اس حرکت پر تاؤ آ گیا تھا۔ ابھی تو اس نے ذہنی طور پہ خود کو تیار بھی نہیں کیا تھا کہ وہ گھر میں بات کرے۔ فاطمہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''نبیل! چپ کیوں ہو؟ دیکھو کوئی دھماکہ مت کرنا۔ مما کی حالت تو یہ سنتے ہی خراب ہو گئی ہے اگر کوئی۔''

''ڈیم اٹ باجی! ایک رانگ کال کو آپ لوگوں نے اتنا اہم ایشو بنا لیا کہ۔ کیا دنیا میں صرف میرا نام نبیل ہے اچھا اور کیا کہا اس عورت نے؟''

الٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والا حساب کیا تھا نبیل نے۔ فاطمہ کو اس کے یوں طیش میں آ جانے سے تسلی ہوئی۔

''تو...... تو نبیل ایسی کوئی بات ہے تو نہیں ناں۔ میں...... مما کو یقین دلا دوں کہ وہ کوئی رانگ کال تھی۔ ہو سکتا ہے کسی نے ہمارے ساتھ شرارت کی ہو۔''

''جی...... جی بالکل آپ ان کو مطمئن کر دیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ او کے میں آفس واپس جا رہا ہوں اور ہو سکتا ہے' آج دیر ہو جائے۔ آپ کو معلوم تو ہے کہ فیکٹری کا سٹارٹ ابھی نیا ہے تو بہت کام ہے۔ میں لیٹ آؤں گا۔''

وہ نظریں چراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا کہ فاطمہ کو اس کی بات پر اعتبار آیا بھی ہے کہ نہیں۔ اس نے گاڑی فل سپیڈ پر چھوڑ دی۔ بیگم جان پر تو غصہ اس قدر آ رہا تھا کہ جی چاہتا تھا اس مکار ہوس پرست عورت کا گلا دبا دے۔

''کہاں ہیں تمہاری چہیتی ممی؟'' وہ آتے ہی مہوش پر برس پڑا۔

''تحمل سے نبیل! کیا ہو گیا ہے آخر؟ کیوں خفا ہو رہے ہیں؟''

مہوش نے آج پہلی بار اسے یوں غصے میں دیکھا تھا۔

''کیا خاک تحمل سے کام لوں۔ کیا تمہیں یا تمہاری ممی کو میری وفاؤں پہ شبہ تھا یا ہے۔'' نبیل بری طرح آگ بگولہ ہو رہا تھا۔

''نہیں...... نہیں نبیل! کیا بات ہوئی ہے؟ آپ کی وفاؤں پر ہمیں کیوں شبہ ہونے لگا۔''

''تو پھر تمہاری ممی نے میرے گھر فون کیوں کیا۔ کچھ پتا بھی ہے میری مما ہارٹ پیشنٹ بھی ہیں اور ان کا بلڈ پریشر معمولی سی پریشانی پر ہائی ہو جاتا ہے اور پپا کا بھی یہ ہی حال ہے۔ وہ تو غنیمت ہے کہ فاطمہ باجی نے معاملہ سنبھال لیا ورنہ۔''

''ورنہ...... ورنہ کیا ہو جاتا تمہاری ممی کو ہارٹ اٹیک ہو جاتا یا تمہارے پپا کو؟''

''بیگم جان اسٹاپ اٹ۔'' نبیل زور سے دھاڑا تو بیگم جان جو بڑے غصے میں تھیں مگر وہ اپنے غصے کو اور ہی انداز میں اتارنے کی قائل تھیں وہ آگے بڑھیں۔ جلتا ہوا سگریٹ ایش ٹرے میں مسلا اور نبیل کو غور سے دیکھنے لگیں۔

''تو تمہیں بولنا بھی آتا ہے' وہ بھی اتنی بلند آواز میں...... میرے سامنے۔''

''ممی پلیز آرام سے دونوں بیٹھ کر بات کریں۔ نبیل بخدا مجھے نہیں معلوم کہ ممی نے آپ کے گھر فون کیا ہے ورنہ۔'' مہوش نہیں چاہتی تھی کہ کوئی ہنگامہ ہو۔

''ورنہ کیا تم مجھے روک دیتیں۔ لڑکی میں تمہارے حقوق کی جنگ لڑ رہی ہوں۔ وقت کی لگام آہستہ آہستہ ہمارے ہاتھ سے کھسک رہی ہے۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں' یہ صاحبزادے صرف زبانی باتیں کرتے ہیں۔ ایک وہ بہو شہرین ہے اس گھر کی۔ ہنی مون منانے ورلڈ ٹور پر نکلی ہوئی ہے۔ وہ اس گھر کی باعزت ہے جو تمہاری جوتی کے برابر بھی نہیں اور ایک بہو تم ہو' اس گھر کی کہ گمنامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو۔ سال ہونے والا ہے ناں تمہاری شادی کو؟ اس نے کیا کیا ہے؟ تمہارے لئے کتنی جگہ بنائی ہے گھر میں؟ اور دیکھ لینا تم بھی شہرین والی حیثیت نہیں اختیار کر سکتیں۔ بالآخر یہ صاحب والدین کی پسند کی شادی کر لیں گے اور تم۔''

''پلیز بیگم جان! میرے بارے میں اتنا غلط مت سوچیں۔ آپ تھوڑا سا تعاون کریں میرے ساتھ۔ میں نے اب تک کون سا آپ لوگوں سے جھوٹا وعدہ کیا ہے جو آپ لوگ بے اعتبار ہو رہی ہیں۔ دیکھ لیجئے میں شہرین والی حیثیت والا کر رہوں گا مہوش کو گھر میں۔''

''ہونہہ! کب تک ان ہی بہلاووں میں عمر بیت جائے گی میری نازوں پلی بیٹی کی۔''

''ممی درست کہہ رہی ہیں۔ مجھے تو خود یقین ہے کہ آپ کچھ نہیں کریں گے اور میں یہیں زنداں میں زندگی گزار دوں گی۔''

مہوش نے بھی ممی کے خیالی مفروضے پر اپنی یقین دہانی کی مہر ثبت کر دی تو وہ سر تھام کر رہ گیا۔

''وشی! خدا کیلئے تم تو میری جیون ساتھی ہو' تم تو ایسی باتیں نہ کرو۔''

نبیل نے بے چارگی سے مہوش کو دیکھا تو دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ٹھیک ہے ہم تمہیں چند ماہ کی مہلت اور دے رہے ہیں' اس کے بعد میں خود وشی کو تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے گھر چھوڑ کر آؤں گی۔''

بیگم جان نے فیصلہ کن لہجے میں مہوش کو یقین دلایا اور نبیل کو یقین تھا کہ اگر اب تاخیر کی گئی تو یہ دونوں وہ کچھ کر گزریں گی جو کہتی ہیں۔

''نہیں آنٹی! اس کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ میں خود وشی کو اپنی بیوی کی حیثیت سے لے کر

گھر جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے نبیل! اب کی بار ہم اعتبار کر رہے ہیں۔ اگر آپ نے بدعہدی کی تو ممی پھر کچھ بھی کارروائی کرنے میں حق بجانب ہوں گی۔ سوچ لیں آپ۔"

کبھی کبھی تو مہوش بھی بالکل بیگم جان والے انداز میں بات کرتی جو کہ نبیل کو بہت برا لگتا مگر اس نے بھی بہت کچھ سوچ رکھا تھا گھر میں جگہ بنانے کے بعد وہ بیگم جان سے مستقل چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تھا۔ فی الحال تو وہ ان کی ہر شرط مان لینے کا پابند تھا۔

☆......☆......☆

"یار! یہ فرسٹ پراف تو لگتا ہے جان لے کر رہے گا۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کتابوں کو اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ یہ ڈاکٹری کا شوق بھی بس میرے ابو کو ہے ورنہ میں تو......" اسد کے دوست شہزاد نے جو پڑھتے پڑھتے اکتا گیا تھا کتابوں کو گھورا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ ڈاکٹر بننا ہی نہیں چاہتا تھا' مگر ابو کا اصرار تھا کیونکہ اس کی امی کا انتقال ہو چکا تھا اور اس کے ابو کہتے تھے کہ اگر اس وقت گھر میں کوئی ڈاکٹر ہوتا تو شاید بیماری کا جلدی پتا چل جاتا۔ اسی لئے وہ شہزاد کو ہر صورت میں ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے۔ ان کا یہ فلسفہ تھا کہ بے شک ڈاکٹر خدا کی بخشی ہوئی زندگی کو کم یا زیادہ تو نہیں کر سکتے مگر بروقت دیکھ کر' دوا دے کر تکلیف تو کم کر سکتے ہیں اور آج کل چونکہ ان کا فرسٹ پراف ہونے والا تھا اس لئے وہ اسد کے ساتھ مل کر اس کے گھر میں کمبائن سٹڈی کرنے آ جایا کرتا تھا۔

"معاشرے میں باعزت مقام حاصل کرنے کیلئے محنت تو کرنا پڑتی ہی ہے شہزاد صاحب! تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر تم انجینئرنگ کرتے یا سی ایس ایس کرتے تو جواب میں کوئی شہزادی آن کر ان کی ڈگری تھما جاتی۔ جناب عزت محنت مانگتی ہے۔ محنت کرو پھر عزت پاؤ۔ لگتا ہے فلاسک میں چائے ختم ہو گئی ہے جب ہی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ لاؤ ادھر اور بنوا لاتا ہوں۔"

اسد نے فلاسک اٹھائی کیونکہ اسے معلوم تھا شیراز چائے کے بغیر پڑھ ہی نہیں سکتا تھا۔

"چھوڑو یار! ایک بج رہا ہے۔ سب سو چکے ہوں گے کیوں ڈسٹرب کرتے ہو۔"

"تمہیں کسی کی فکر میں گھلنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں چائے مل جائے گی خواہ خود بنا کر لاؤں۔"

اسد فلاسک اٹھا کر کچن کی طرف آ گیا مگر کچن کے دروازے کے باہر ہی قدم جم گئے۔ شذرا تمام کاموں سے فارغ ہونے کے بعد کچن کے فرش پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ بند آنکھوں سے گرم پانی کا چشمہ ابل رہا تھا اور ہونٹ دھیرے دھیرے مل رہے تھے۔

"اے خدائے لاشریک ہمیں معاف کر دے ہم بہت کمزور اور کم ظرف ہیں۔ ایسی آزمائش کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اے ہمارے خالق ہم کہاں تک برداشت کریں۔ باپ کو تیری پاک ذات نے پہلے بلا لیا۔ بھائی لاپتا ہے اور ماں بہنیں جدا ہیں۔ ایک شہر میں رہتے ہوئے بھی مل نہیں پاتے۔ یہ کیسی آزمائش ہے ہمارے ضبط کی' ہمارے صبر کی۔"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔ الفاظ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہے تھے لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس کی آنکھوں سے بہتے نمکین پانی کا نمک اسد کو اپنے دل کی ... پتھریلی چٹان کاٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ کتنی ... کتنی تنہا لگ رہی تھی وہ' مگر دوسرے ہی پل اس سے ازلی بیر اور چڑ جاگ

اٹھی۔

اس نے ٹرے پٹخنے کے سے انداز سے رکھی۔ شذرا شور سے ایک دم سیدھی ہو گئی۔ سامنے اسد کو دیکھ کر اس نے دوپٹے سے سختی سے چہرہ رگڑ ڈالا۔

"یہ اس وقت آنسوے بہا کر کسے دکھا رہی تھیں؟" وہ زہرخند لہجے میں بولا۔

"ہونہہ! جسے دکھا رہی تھی۔ اس کی پاک ذات نے دیکھ بھی لیا ہے اور سن بھی لیا ہے۔"

وہ اسی طرح تڑ سے بولی تو وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

"اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور چائے بناؤ اور چائے بنا کر دروازے پر دستک دے دینا' خود نہ اندر آ جانا۔" وہ جلدی سے بولتا نکل گیا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا نہیں' اسے معلوم تھا شذرا کا مارے غصے کے برا حال ہو گا اور شدرہ کو اتنا غصہ چائے بنانے کے آرڈر پر نہیں آیا تھا' جتنا غصہ اندر نہ آ جانا کہنے پر آیا تھا۔

"ذلیل کمینہ' اللہ میاں جی! آپ اس ذلیل انسان کو بہت کڑی سزا دیں' ہر پل رلاتا ہے مجھے۔"

جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ سب کچھ توڑ دے۔ خاص کر گرم گرم چائے اسد پر انڈیل دے' مگر اسے بڑے ماموں کی باتیں یاد آ گئیں۔ اس نے دروازے پر دستک بھی نہیں دی۔ ٹرے دروازے کے قریب رکھ کر آ گئی۔ چائے کا کہے کافی دیر ہو گئی تھی۔ شہزاد دوبار پوچھ چکا تھا۔ اسد اس کی دستک کا منتظر تھا' مگر جب دستک نہیں ہوئی تو وہ خود اٹھا' دروازہ کھولا تو ٹرے موجود تھی۔ وہ کچھ جھنجلایا' کچھ غصہ آیا اور کچھ نادم بھی ہوا۔

"احمق لڑکی نہ جانے کب سے رکھ کر گئی ہے اور بتایا بھی نہیں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا چائے اٹھا لایا۔

"یار بڑی اچھی بہنیں ہیں' اتنی رات گئے چائے بنا کر دے دی اور تم پھر بھی بڑبڑا رہے ہو۔"

شہزاد ایک دم چائے دیکھ کر خوش ہوتے ہوئے اٹھ بیٹھا۔

"بہنیں کہاں یار! وہ تو سب سو رہی ہیں۔"

"تو چائے کسی پری نے بنا کر دی ہے؟" شہزاد ہنسا۔

"نہیں یار! کزن ہے۔"

"کزن؟ واہ جب ہی۔" شہزاد شوخ ہوا' مگر اسد اسے گھورنے لگا۔

"بکومت! چائے ٹھونسو اور کتاب کھولو۔"

جانے کیوں اسد کو شہزاد کا یوں بات کرنا اچھا نہیں لگا۔

☆......☆......☆

"امی...... امی جان! صائمہ باجی! کہاں ہیں آپ سب؟"

"اسد! کیا ہو گیا ہے؟ کیوں ہنگامہ مچا رہے ہو' توبہ ہے' اتنی اچھی نیند آ گئی تھی۔"

صائمہ یونیورسٹی سے آ کر لیٹ گئی تو پتا ہی نہیں چلا کب گہری نیند کے حوالے ہو گئی۔ اسد کے شور پر آنکھیں ملتی باہر آ گئی' جہاں اسد ہاتھ میں شرٹ لئے کھڑا تھا جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔

"باجی! آپ کو تو بس دن رات سونے سے فرصت نہیں۔ یہ دیکھئے' میری نئی شرٹ صرف ایک

بار پہنی ہے میں نے اور یہ حشر ہو گیا ہے اس کا۔"

اسد نے شرٹ غصے سے زمین پر پٹخی' جو وہ چند روز قبل لایا تھا' قیمتی بھی تھی اور اسے پسند بھی۔

"ہاں واقعی! یہ تو نئی شرٹ تھی' مگر یہ اس طرح کیسے پھٹ گئی؟"

صائمہ نے ہاتھ سے جمائی روکتے ہوئے شرٹ زمین پر سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس شور میں زاہدہ بیگم بھی آ گئیں۔

"کیا ہوا؟ کیسا شور ہے؟"

"یہ دیکھئے' نئی شرٹ کا حال' نہ جانے کیسے کپڑے دھوتی ہیں آپ لوگ۔"

اسد کو بے حد غصہ آ رہا تھا سب پر' اتنی اچھی شرٹ خراب کر دی تھی۔

"ہائے اللہ یہ ابھی چند روز پہلے تو تم لائے تھے' کپڑے تو ہمیشہ شنذرا دھوتی ہے۔ ٹھہرو ابھی خبر لیتی ہوں اس کی۔ شنذرا...... شنذرا...... ! فرخ! کہاں ہے یہ شنذرا؟"

زاہدہ بیگم بولتی ہوئی کوریڈور میں آ گئیں جہاں فرخ مل گیا۔

"امی! وہ تو لیٹی ہوئی ہیں۔" فرخ سہم گیا کہ اب ہنگامہ ہوا۔

"جاؤ بلا کر لاؤ' مہارانی پڑی سو رہی ہیں۔"

"جی اچھا۔"

اور پھر کچھ ہی دیر بعد شنذرا عدالت میں کھڑی تھی' مگر چہرے پر نہ کسی خطرے کی جھلک تھی اور نہ ہی کردہ یا ناکردہ جرم کی سزا پانے یا ملنے کا خوف۔

"جی!" وہ لٹھ مار انداز میں بولی۔

"یہ اس شرٹ کا کیا حشر کیا ہے پتا بھی ہے کتنی قیمتی شرٹ ہے میرے بچے کی' اسے پہننی بھی نصیب نہیں ہوئی چار دن۔"

زاہدہ بیگم نے شرٹ اس کی طرف اچھال دی۔

"کئی بار تو آپ کو بتا چکی ہوں کہ واشنگ مشین خراب ہے' کئی کپڑے خراب ہو چکے ہیں۔"

اس نے کمال ڈھٹائی اور اعتماد سے جھوٹ بولا۔

"مگر یہ مشین سے پھٹی ہوئی نہیں۔ باقاعدہ قینچی سے کترا گیا ہے اسے۔"

اسد شرٹ لے کر اس کی طرف خونخوار انداز میں بڑھا مگر وہ متاثر نہیں ہوئی۔ وہ دوسرے کمرے میں گئی اور فرخ کی وہ شرٹ لے آئی جو اس روز مشین میں آ کر پھٹی تھی۔

"یہ دیکھئے ماموں جان! یہ فرخ کی شرٹ ہے' جو اس روز مشین میں آ گئی تھی' آپ ہی بتائیں' دونوں میں کیا فرق ہے؟"

شنذرا نے خاموش کھڑے مشتاق احمد کو منصف کے عہدے پر فائز کرتے ہوئے دونوں شرٹس ان کے سامنے رکھ دیں' تو وہ حیران نظروں سے دیکھنے لگے۔ دونوں ایک ہی طرح کی کٹی تھیں۔ انہوں نے خیال کیا چونکہ شنذرا اور اسد کی بنتی نہیں' اس لئے اسد اس پر قینچی سے کاٹنے کا الزام لگا رہا ہے۔

"اوہو! کیا بچوں والی باتیں کر رہے ہو تم دونوں۔ شرٹ ہی ہے نا' پھٹ گئی' آ گئی ہو گی مشین میں۔ شنذرا! لے جاؤ یہ شرٹ اور اسد بیٹے! تم اور لے آنا ایسی کئی شرٹس۔"

اور یوں شرٹ والا معاملہ جلد ہی نمٹ گیا' لیکن اسد کو یقین تھا کہ شنذرا جھوٹ بول رہی ہے۔ شرٹ اس نے دانستہ کاٹی ہے اور حقیقت بھی کچھ یہ ہی تھی۔

اس رات جب اسد نے اسے ڈانٹا اور چائے بنانے کو کہا تھا اور اگلے روز جب وہ کپڑے دھو رہی تھی اور اسد نے یہ شرٹ بطور خاص احتیاط سے دھونے کی تاکید کی تھی۔ مامی تو کسی مہمان کے آجانے سے ہٹ گئیں اس نے دانستہ طور پر اس کی شرٹ مشین کے چکر میں پھنسا کر بٹن آن کر دیا تھا۔ اس وقت تک خالی مشین چلائے رکھی' جب تک شرٹ کا حشر نشر نہیں ہو گیا اور جب شرٹ خراب ہو گئی تو کتنی خوشی ہوئی تھی اسے' کتنا سکون ملا تھا اور اب بھی وہ فاتحانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔ اسد پاؤں پٹخ کر رہ گیا۔

☆......☆......☆

شنذرا کا امی سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا اور کئی دن سے وہ کافی پریشان تھی کیونکہ اسے امی کے بارے میں پریشان کر دینے والے خواب بھی آ رہے تھے۔ اس روز بھی اس نے امی کے بارے میں خواب دیکھا تو صبح ہی زاہدہ بیگم سے کہہ دیا۔

"مامی! آج میں بڑے ماموں کی طرف چلی جاؤں؟"

ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے شنذرا نے کہا تو زاہدہ بیگم چائے کا کپ رکھ کر اسے گھورنے لگیں۔ یہ لڑکی تو ایک آنکھ بھی نہیں بھاتی تھی ان کو' مگر اسد کی ضد کی وجہ سے برداشت کرنا پڑ رہی تھی۔

"چلی جانا' میں نے کوئی بیڑیاں تو نہیں ڈالی ہوئیں پیروں میں۔"

شنذرا نے جلدی جلدی کام نمٹائے اور تیار ہو کر آ گئی۔

"فرخ! چلو آج امی سے ملنے جانا ہے۔"

"شنذرا باجی! آج جانا کیا ضروری ہے؟" فرخ نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"ہاں' بہت ضروری ہے' اتنا دل چاہ رہا ہے امی سے ملنے کو۔ خود تو تم ہو آتے ہو۔ قیدی تو میں ہوں کہ خود نہ نکل سکتی ہوں اور نہ جا سکتی ہوں' مگر تمہیں انکار کیوں ہے؟" شنذرا نے تیکھی نظروں سے فرخ کو دیکھا تو وہ جزبز ہو گیا۔

"وہ شنذرا باجی! ذرا اسد بھیا!"

"بکو مت! یہ اسد تم پر بھوت کی طرح سوار ہو گیا ہے۔ ہر کام اس کی پسند سے کرتے ہو۔ زر خرید غلاموں کی طرح۔ وہ تو یہ ہی چاہتا ہے۔ تمہارا مستقبل برباد کر دے اور میں سب سمجھتی ہوں کہ کھلا پلا دیتا ہو گا' اپنے کام نکلوانے کیلئے اور سن لو میں امی سے تمہاری شکایت کروں گی۔"

اسد کا نام آتے ہی اس نے فرخ کو بے نقط سنا ڈالیں اور وہ سنتا رہا' کھولتا رہا' مگر اسد کی طرف سے سختی سے ہدایت تھی کہ اصل صورت حال جس دن تم نے بتا دی' اسی روز وہ دوستی والا رشتہ ختم ہو جائے گا۔ اب اتنی کڑی شرط وہ نہیں توڑ سکتا تھا' لہٰذا شنذرا کی باتوں کے باوجود وہ خاموش رہتا۔ اس وقت بھی سو باتیں سن کر وہ خاموش کھڑا تھا کہ اسد تیار ہو کر آ گیا۔

"ہاں بھئی فرخ! تیار ہو جاؤ' جلدی کرو' ایک تو تم سست بہت ہو۔"

شنذرا کے سامنے اسد فرخ کے ساتھ خواہ مخواہ ہی سخت لہجے میں بات کرتا۔

"فرخ کہیں نہیں جائے گا۔" شنذرا نے فرخ کا بازو پکڑ کر اپنی طرف گھسیٹا۔

"کیوں فرخ کے پیروں میں مہندی لگ گئی ہے کیا؟" اسد اسے چڑانے والے انداز میں بولا۔

"اس لئے کہ یہ میرے ساتھ جا رہا ہے امی سے ملنے۔" شنذرا نے اسی طرح سخت لہجے میں کہا۔

"کیوں؟" اسد نے عجیب سا سوال کیا تو اسے تاؤ آ گیا۔

"ماؤں سے کیوں ملا جاتا ہے' اس لئے کہ ان سے ملنے کو دل چاہتا ہے۔"

وہ ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

وہ بائیک کے آئینے میں بال سیٹ کرتے ہوئے اس کی طرف مڑا۔

"لڑکی! اپنے دل پر کنٹرول کرنا سیکھو۔ دل کنٹرول سے باہر ہو جائے تو ذلیل کر دیتا ہے زمانے بھر میں' چلو فرخ دیر ہو رہی ہے۔"

وہ اسے تپاتا ہوا' اس کی کسی بات کو خاطر میں لائے بغیر بولا تو وہ سلگ اٹھی۔

"میں نے بتایا ہے ناں کہ فرخ میرے ساتھ جا رہا ہے۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

"ارے تو اس میں اتنا خفا ہونے کی کیا بات ہے۔ پھپھو سے ملنے کو دل چاہ رہا ہے ناں' میرا دل بھی چاہ رہا ہے پھپھو سے ملنے کو۔ چلو فرخ! تم آج گھر پر رہو' آؤ میں تمہیں پھپھو سے ملانے کیلئے لے جاتا ہوں۔"

وہ مستقل جلتی پر تیل ڈال رہا تھا۔ اس بات پر تو شنذرا کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ہونہہ! میں اور تمہارے ساتھ' وہ بھی بائیک پر۔"

اس کی زبان سے گویا شعلے نکل رہے تھے۔

"مجبوری ہے کیونکہ اب میں تمہارے لئے اکارڈ تو لانے سے رہا' آؤ بیٹھو فرخ! کافی دیر ہو گئی اس جھک جھک میں۔"

اس نے تپانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ سیاہ چشمہ آنکھوں پر لگایا اور بائیک کو کک مار کر فرخ کو بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی بیٹھ گیا۔

فرخ نے ڈرتے ڈرتے شنذرا کی طرف دیکھا' جس کا چہرہ مارے غصے کے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بھی کیا کرتا مجبور تھا۔

"فرخ!" شنذرا چلائی' مگر اسد بائیک اڑاتا ہوا لے گیا۔

"مر جاؤ اسد! خدا کرے تم......"

آخر میں اس کے پاس اسد کیلئے یہی بددعا رہ جاتی۔

وہ پیر پٹختی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ کتنی ہی دیر روتی رہی' اسد کو کوستی رہی...... پھر کچھ سوچ کر اسد کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اس وقت میدان صاف تھا۔ صائمہ یونیورسٹی گئی تھی' ہما صبا کالج اور مامی کچن میں تھیں۔ اس

نے احتیاط سے اسد کے جرنل جو اس نے بڑی محنت سے دن رات ایک کرنے کے بعد امتحانات کیلئے تیار کئے تھے' بے دردی سے پھاڑے اور ردی کے کاغذات میں ڈال دیئے۔

"ایسے تو ایسے ہی سہی۔"

شنذرا نے مڑ کر کارنر پر رکھی اسد کی مسکراتی ہوئی تصویر کو حقارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کتنا سکون ملا تھا اس حرکت کے بعد۔ راحت کا لطیف احساس لئے وہ کچن میں آ گئی۔ اس نے اسد سے انتقام لے لیا تھا' امی سے نہ ملنے دینے کا۔

☆......☆......☆

"امی! پلیز کھانا کھا لیں' ورنہ میں بھی نہیں کھاؤں گی۔"

زیب تیسری بار کھانا گرم کر کے لائی تھی مگر آج نسیمہ بیگم بہت دکھی ہو رہی تھیں اور یوں بھی جب سے بچے بکھرے تھے ان کا زندگی پر سے اعتبار اٹھ گیا تھا۔ کھانا بھی زیب بڑی منتیں کر کے کھلاتی۔ اس وقت بھی زیب تیسری بار آئی تھی۔ کھانے کا کہنے' مگر نسیمہ بیگم کی آنکھوں میں ماضی گھوم رہا تھا' جب وہ شوہر کے گھر تھیں' پھر برباد ہو کر بھائیوں کے گھر آنا۔ شنذرا' صدف اور فرخ کے چہرے بار بار نگاہوں میں گھوم رہے تھے۔ ان کو زیادہ تر خیال شنذرا کا رہتا۔

"پتا نہیں زیب! میری شنذرا نے کھانا کھایا ہوگا کہ نہیں۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بولیں۔

"کھا لیا ہوگا امی! کیوں نہیں کھایا ہوگا۔" زیب خود بھی دکھی تھی۔

"نہیں کھایا ہوگا۔ زیب تمہیں پتا تو ہے کہ وہ ذرا کسی سے خفا ہو جاتی ہے تو انتقام اپنے پیٹ کو بھوکا رکھ کر ہی لیا کرتی ہے۔ مجھے خبر ہے اسے اپنی زبان پر کنٹرول نہیں ہے اور جواباً ڈانٹ پھٹکار کے بعد کھانا چھوڑ دیتی ہوگی...... پھر کون اس کو کھانا دیتا ہوگا۔ منتیں کر کے کھلاتا ہوگا' کوئی بھی نہیں۔ وہ...... وہ بھوکی رہتی ہوگی۔"

نسیمہ بیگم جواب تک بیوگی کی چادر اوڑھے بڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھیں حتیٰ کہ عمیر کی گمشدگی کا دکھ بھی صبر کی سل تلے دبا رہا تھا۔ اب یوں بچوں کے بکھر جانے پر ٹوٹ پھوٹ گئیں۔ ان کو سب سے زیادہ شنذرا کا خیال آ رہا تھا' وہ اس کی عادات سے واقف تھیں۔ فرخ کی طرف سے وہ یوں بھی بے فکر تھیں کہ اسد اور اس کا دوست فرخ کا خیال رکھتے تھے اور عمرانہ مامی' صدف پر مہربان تھیں۔ یوں بھی شنذرا کے سوا سب ہی بچے ان پر گئے تھے۔ صابر اور شاکر تھے' مگر شنذرا کو برداشت چھو کر نہیں گزری تھی اور یہی بات نسیمہ بیگم کو پریشان رکھتی تھی۔ سب سے زیادہ یہ بات کہ اگر کسی نے کچھ کہہ دیا تو وہ کھانا نہیں کھاتی ہوگی۔

"امی جان! شنذرا بدل گئی ہے۔ بہت ضبط کرتی ہے اور کھانا بھی کھاتی ہے' آپ فکر مت کیا کریں' ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ آپ کی شوگر ٹینشن کی وجہ سے ہائی ہو جاتی ہے' چلئے اٹھئے کھانا کھا لیجئے۔ امی پلیز! میری خاطر' آپ اس طرح کیوں کرتی ہیں۔ کیا میرا دل نہیں دکھتا کہ میں آپ کے پاس ہوں تو آپ مجھے ان کی باتیں کر کے رلاتی ہیں اور جو اداس سامنے نہیں' ان کو یاد کرتی ہیں' بتایئے میرا کیا قصور ہے اس میں؟"

زیب کا دل بھی بھرا ہوا تھا۔ وہ وہیں نیچے بیٹھ کر امی کے گھٹنوں پر سر رکھ کر رو پڑی۔ نسیمہ بیگم

بے حسی سے اسے روتا ہوا دیکھتی رہیں۔

"یا الٰہی! میرے ضبط میرے صبر کی یہ کون سی منزل ہے۔ زندگی کیسا خراج وصول کر رہی ہے مجھ سے کہ میرے اپنے بھائیوں ہی نے اپنے احسانات کا بدلہ مجھ سے یوں لیا کہ میرے گلشن میں انتشار برپا کر دیا۔ میرے بچوں کو مجھ سے یوں چھینا' گویا دکان سجی ہو اور جس کو جو کھلونا پسند آیا' اس نے اٹھا لیا۔"

نسیمہ بیگم دکھوں کے سیلاب میں بہہ گئیں تو زیب نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"اور جو کھلونا آپ کے پاس ہے' آپ اسے توڑ دینا چاہتی ہیں۔"

"زیب میری بچی! ایسا مت کہو' اپنی مجروح ماں کو طعنے نہ دو' میں بہت دکھی ہوں۔"

پھر کافی دیر دونوں دل کا غبار نکالتی رہیں۔ جب غبار چھٹ گیا تو دل ہلکے ہو گئے۔

"زیب! اٹھو بیٹا! کھانا نکالو' بہت بھوک لگی ہے۔"

زیب اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو معلوم ہوا کہ صائمہ یونیورسٹی سے سیدھی ادھر ہی آ گئی ہے۔ فائزہ تو واش روم میں تھی۔ البتہ صائمہ' شعیب کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھی۔

"یہ آج تم یہاں کیسے نظر آ رہی ہو؟" شعیب نے غور سے اسے دیکھا۔

"یوں ہی سب سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا آ گئی' کوئی پابندی ہے کیا؟ خیر' یہ بتاؤ کہ تمہارا پروگرام کیا ہے؟ اگر تم نے کچھ نہ کیا تو محترمہ کسی اور کی بنا دی جائیں گی۔"

"کوئی اور تم سے بچ پائے گا تو زیب کا ہو گا ناں۔"

شعیب نے آس پاس جھانکا' پھر سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"میں بلال کی بات نہیں کر رہی۔ کسی اور سے مراد دوسرے رشتے سے ہے کیونکہ امی کہہ رہی تھیں کہ چونکہ یہ لڑکیاں ہماری ذمہ داری ہیں۔ لہٰذا وہ زیب کیلئے رشتہ تلاش کر رہی ہیں۔"

"ہونہہ! میں جانتا ہوں وہ کیسا رشتہ تلاش کریں گی۔ اس کیلئے لیکن اب اس کی نوبت نہیں آئے گی کیونکہ میں نے ابو سے بات کر لی ہے۔"

"رئیلی.....!" شعیب کو چڑانے ہی کیلئے تو اس نے جھوٹ بولا تھا۔ اب اس اطلاع پر وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر شعیب کے قریب آ بیٹھی۔

"زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں میں نے ابو سے بات کر لی ہے' لیکن اس میں تمہیں خوش ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ بلال پھر بھی تمہارا نہیں ہو سکتا۔" شعیب کھڑا ہو گیا۔

"ہونہہ! دیکھ لینا کون کس کا ہوتا ہے اور ہیلو زیب کیسی ہو بھئی؟" شعیب کو جواب دے کر وہ زیب کو دیکھنے لگی' جو فرج سے پانی لینے آئی تھی۔

"ٹھیک ہوں تم کیسی ہو؟ ماموں ممانی کیسے ہیں؟ اور..... اور شذرا فرخ کیسے ہیں؟" زیب پانی کی ٹھنڈی بوتل لئے قریب آ گئی۔

"باقی سب تو ٹھیک ہے البتہ شذرا اور فرخ کا کچھ کہہ نہیں سکتی۔"

"کیوں کیا ہوا؟ شذرا اور فرخ کو۔" صائمہ نے منہ بنا کر کہا تو زیب پریشان ہو گئی کہ نجانے کیا بات ہو گئی ہے۔

"ہونا ہوانا کیا ہے اچھے بھلے ہیں۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"پھر تم نے ایسے کیوں کہا شذرا اور فرخ کا پتا نہیں۔"

"اس لئے کہ تمہیں اور پھپھو کو یہ ہی غم ہو گا کہ نجانے شذرا اور فرخ پر کتنے ظلم توڑے جا رہے ہیں۔" صائمہ بہت بدتمیزی سے بول رہی تھی۔

"نہیں صائمہ! میں نے یا امی نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔ ظلم کون توڑے گا' سب ہی تو اپنے ہیں۔"

"امی..... امی..... زیب! یہ امی کہاں ہیں؟"

فائزہ تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے آ گئی۔

"میں یہاں ہوں بیٹا! کیا بات ہے؟" آسیہ بیگم بیٹی کی آواز پر فوراً اندر آ گئیں۔ زیب باہر نکل گئی۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔ یہ پوچھ رہی ہوں کہ آج رابعہ آنٹی کا فون آیا تھا؟" فائزہ نے تولیہ کو تولیہ سٹینڈ پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں چندا! فون تو صبح سے خراب پڑا ہے' کیوں کوئی خاص بات؟"

"یہ صائمہ بتا رہی ہے کہ رات بلال ان کے ہاں گیا تھا۔ بتا رہا تھا کہ آج وہ لوگ ہمارے ہاں آئیں گے جب لوٹ میں سمجھی کہ گھر پر فون آ گیا ہو گا۔"

اس اطلاع پر شعیب جاتے جاتے پلٹ آیا مگر ماں کی موجودگی کی وجہ سے کچھ بولا نہیں۔

"اچھا تو بلال یہاں کیوں نہیں آیا؟" آسیہ بیگم نے ناگواری سے صائمہ کو دیکھا۔

"پتا نہیں جی..... شاید اس لئے کہ ہمارا گھر زیادہ قریب ہے ان کے گھر سے۔"

"اچھا خیر' تم لوگ باتیں کرو میں دیکھوں' زیب کیا کر رہی ہے۔ کھانا تیار کرنا ہے۔ ایک تو مصیبت ہے فون خراب ہو جائے تو گویا زندگی معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔"

آسیہ بیگم بولتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ فائزہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"ہوں تو اب سمجھا کہ محترمہ آج ہمارے گھر تشریف کیوں لائی ہیں۔" شعیب اسے چبھتی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"خیر' ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں تو اس خیال سے آ گئی کہ لوگ زیادہ ہوں گے۔ کام وغیرہ میں فائزہ کا اور تائی اماں کا ہاتھ بٹا دوں گی۔"

صائمہ ڈھٹائی سے بولی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ سارا کام نسیمہ بیگم اور زیب کرتی ہیں۔"

"اچھا واقعی!" وہ ہنستا ہوا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

"ایک بات تو بتاؤ کزن! کہ بلال نے کبھی گھاس بھی ڈالی ہے' یا ابھی تک خالی منہ ہی جگالی کر رہی ہو۔"

شعیب صائمہ کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا۔ بڑی تیز اور بدتمیز لڑکی تھی۔ خود اس پر ایک زمانے میں فریفتہ رہی تھی۔ اس لئے اس سے وہ بڑی بدلحاظی سے بعض اوقات بات کر جاتا مگر وہ بھی کم نہ تھی۔

"ہاں اتنی ہی گھاس ڈالی ہے' جتنی شاید زیب تمہیں تمام عمر نہ ڈالے۔"

''زیب کی بات نہ کرو......زیب تو......''

''زیب کو اس روز میں تمہاری مانوں گی' جس روز اس کی انگلی میں تمہارے نام کی انگوٹھی دیکھوں گی۔'' صائمہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی' مگر شعیب سامنے آ گیا۔

''یہ تو خیر تم انشاءاللہ دیکھ ہی لوگی مگر میں تمہیں تب مانوں گا جب تم بلال سے شادی کرلو گی۔''

جواباً صائمہ نے کچھ کہنے کیلئے لب کھولے ہی تھے کہ فائزہ آ گئی۔ آسیہ بیگم بہت خوش تھیں' وہ شاید اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ وہ فائزہ اور طلال کے رشتے کی بات طے کرنے آ رہے ہیں کیونکہ پچھلی بار وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں کہہ آئی تھیں اور رابعہ بیگم نے بھی کہا تھا کہ وہ ان سے کوئی بات کرنا چاہتی ہیں۔

''شوکت! میرا تو خیال ہے کہ آج بھائی یہ ہی بات کرنے آ رہے ہیں۔ طلال تو مجھے بچپن ہی سے اچھا لگتا ہے۔ آپ بات شروع کیجئے گا۔''

آسیہ بیگم' نسیمہ بیگم اور زیب کو ہدایات دے کر اب شوہر کے پاس بیٹھی تھیں۔

''تمہارے خیال میں اگر وہ ایسی کسی بات کیلئے آ رہے ہیں تو پھر مجھے بات شروع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ لڑکے والے ہیں اور رشتہ ہمیشہ لڑکے والے مانگا کرتے ہیں۔''

شوکت صاحب نے ایک نظر بیگم پر ڈالی اور پھر مصروف مطالعہ ہو گئے کیونکہ وہ بھی سمجھدار آدمی تھے اور ان کو اندازہ تھا کہ ظہیر صاحب یا ان کی بیگم ان کی بیٹی کیلئے سنجیدہ نہیں۔ وہ یہ بات آسیہ بیگم کو بھی سمجھا چکے تھے مگر ان کو ایک تو اپنے اکلوتے پن پر بہت گھمنڈ تھا' دوسرا اپنی اکلوتی بیٹی کے حسین ہونے کا زعم اور پھر طلال کو وہ بچپن ہی سے فائزہ کیلئے پسند کرتی تھیں اور اب یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ طلال سے دستبردار ہو جاتیں۔

''رہنے بھی دیں' شوکت! آج کل یہ سب کہاں دیکھا جاتا ہے بس لڑکا اچھا ہو تو لڑکی والوں کو خود بات کر لینی چاہئے۔ آج تو غیروں میں ایسے ہی ہو رہا ہے' تو یہ تو میرے اپنے ہیں۔ طلال ماشاءاللہ افسر ہے۔ خوبرو ہے اگر وہ لوگ پہل نہیں کرتے تو ہمیں کر لینی چاہئے۔ لوگ تو اپنی بیٹیوں کیلئے ایک سے بڑھ کر ایک لڑکا دیکھتے ہیں۔ جہاں اس طرح کا قابل رشتہ آ گیا فوراً بات کر لی۔''

''ایک منٹ آسیہ بیگم۔'' شوکت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے روکا اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''ایک رشتہ تو آپ نے زیب کیلئے بھی پسند کیا تھا۔ میری عمر کا چار بچوں کا باپ' اس وقت آپ کو طلال کا یا بلال کا خیال کیوں نہیں آیا۔''

شوکت صاحب کو بڑا ملال تھا اس بات کا کہ آسیہ اور زاہدہ بیگم نے زیب کیلئے ایسا رشتہ تلاش کیا تھا جو کسی طور بھی موزوں نہیں تھا۔

''ہونہہ! میں جانتی تھی کہ آپ ضرور ایسی بات کریں گے۔ آپ کے حواسوں پر تو بہن اور بھانجیاں ہی سوار رہتی ہیں۔''

''ہاں' اس لئے کہ میں نے کبھی فائزہ اور زیب میں فرق محسوس نہیں کیا۔ میرے لئے سب برابر ہیں۔ میری بیٹیاں ہیں۔''

''اچھا تو کر دیجئے زیب بیگم کا طلال کے ساتھ۔''

آسیہ بیگم جو فائزہ کے مقابلے میں زیب کے سائے کو بھی برداشت نہیں کرتی تھیں اس کے نام پر سلگ ہی تو اٹھیں۔

''طلال کے ساتھ تو نہیں' البتہ شعیب کے ساتھ۔''

''کیا......کیا آپ کو معلوم ہے' آپ کیا کہہ گئے ہیں کہ زیب اور شعیب کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔ کم از کم میری زندگی میں تو یہ ممکن نہیں۔''

آسیہ بیگم ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ شعیب اور زیب کی شادی ہو سکتی ہے۔

''مجھے نہیں معلوم یہ کام تمہاری زندگی میں ہو سکتا ہے یا نہیں بہر حال یہ خواہش میری نہیں' تمہارے اپنے بیٹے شعیب کی ہے۔''

''کیا شعیب کی خواہش؟'' آسیہ بیگم پر دوسرا حملہ ہوا کہ کہاں تو شعیب' زیب سے اتنی نفرت کرتا ہے اور کہاں شادی کیلئے تیار۔

''ہاں پوچھ لو جا کر......خود آیا تھا میرے پاس کہ میں زیب کو پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور آپ نے جھٹ ہاں کر دی ہو گی۔ من کی مراد جو بر آئی۔''

آسیہ بیگم نے بدگمان نظروں سے شوہر کو دیکھا تو وہ ان کو غصے سے گھورنے لگے۔

''قطعی نہیں......میں اتنا ظالم نہیں ہوں کہ تمام عمر جہنم میں جھونکنے کا کوئی فیصلہ کروں' اس معصوم لڑکی کو میں نے صاف انکار کر دیا تھا مگر موصوف سیریس ہو گئے۔ میں ہرگز ایسا نہیں چاہتا مگر وہ بضد ہے۔''

چند دن سوچنے کے بعد شوکت صاحب شعیب پر اعتبار نہ کر سکے تھے اور نہ زیب سے اس کی شادی کا فیصلہ کر سکے تھے کیونکہ شعیب کا سابقہ ریکارڈ ایسا نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اس پر اعتبار کر لیتے۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میرا بیٹا شعیب ایسی بات سوچ بھی سکتا ہے۔ شوکت صاحب آپ بھی سن لیجئے' اور بیٹے کو بھی سمجھا دیجئے کہ میں نسیمہ کی کسی بیٹی کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گی۔ مر کر بھی نہیں۔''

آسیہ بیگم نے قطعی اور حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا۔

''تو بیگم صاحبہ! اپنا یہ فیصلہ اپنے بیٹے کے گوش گزار کر دو لیکن میری بات بھی ذرا غور سے سن لو کہ اگر شعیب درست ہو گیا' اپنے اس فیصلے میں مخلص ہوا تو میں شعیب کی شادی زیب سے ضرور کروں گا۔ زیب کو بہو بنانا میری اولین خواہش ہے۔''

شوکت صاحب نے بھی حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا ڈالا۔

''ہوں' میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی۔ ورنہ یوں ہی شعیب نہیں مان گیا۔ جانے کیا کیا دھمکیاں دے کر میرے بچے کو اپنی طرف کر لیا ہے' مگر میں بھی دیکھ لوں گی۔'' آسیہ بیگم فائزہ والی بات تو بالکل ہی بھول گئیں۔

''آسیہ بیگم! میری طرف سے اجازت ہے تم بھی ایسی ہی دھمکیاں دے کر شعیب کو اپنی طرف

کرلو۔ میں بھی اسے آزمائے بغیر پرکھے بغیر زیب کا ہاتھ نہیں دوں گا۔ ان ہی باتوں سے اس کی آزمائش بھی ہو جائے گی کہ وہ کیا چاہتا ہے۔"

شوکت صاحب نے واپس پلٹتی آسیہ بیگم کو دیکھا جو ان کی بات پر واپس مڑیں' مگر نخوت سے ہونہہ کہہ کر باہر نکل گئیں۔ باہر آتے ہی انہوں نے زیب کو قہر آلود نظروں سے دیکھا جو سبزی بنا رہی تھی۔ آج سے قبل زیب ان کو اتنی بری نہیں لگی تھی' مگر آج تو وہ معصومیت کا لبادہ اوڑھے کوئی چڑیل لگی' جو ان سے ان کی مرضی کے خلاف ان کا بیٹا چھین لینا چاہتی تھی۔

"زیب......!" وہ ہزار ضبط کے باوجود اپنا قہر غصہ دبا نہ سکیں۔

"جی مامی!" زیب نے خوفزدہ نظروں سے آسیہ بیگم کو دیکھا۔ ان کا برہم سا انداز اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اب تو غصے والی کوئی بات نہیں کی۔ دونوں ماں بیٹی نوکرانیوں کی طرح کام میں لگی رہتی تھیں۔

"یہ سب چھوڑو اور اپنے کمرے میں جاؤ۔ صائمہ اور فائزہ سنبھال لیں گی سب کچھ...... صائمہ' فائزہ کہاں ہو تم دونوں؟" آسیہ بیگم نے وہیں کھڑے ہانک لگائی۔

"مامی! کیا بات ہے' مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی......" زیب مامی کا یہ رویہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

"نہیں بی بی! غلطی تو ہم سے ہوئی ہے اس دنیا میں آ کر' تم ماں بیٹیاں تو فرشتہ سمان ہو۔"

"مامی پلیز! آپ میری خطا بتائیں تو میں ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔"

زیب کو کوفت ہونے لگی کیونکہ اسے اپنی کوئی غلطی یاد نہیں آ رہی تھی کہ مامی اتنی تپ گئی ہوں۔

"یہ بھی بتا دوں گی' فی الحال جاؤ...... میرا دماغ خراب ہو رہا ہے۔"

آسیہ بیگم انتہائی حقارت سے بولیں تو وہ خاموشی سے کمرے میں آ گئی۔ آج بلال کتنے عرصے بعد آ رہا تھا۔ وہ کتنی خوش تھی مگر مامی کو جانے کون سی بات ناگوار گزر گئی تھی کہ وہ اس کا وجود ہی گوارا نہیں کر رہی تھیں۔ مغرب کی نماز کے بعد وہ کمرے کی لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔ نسیمہ بیگم کو اس نے یہ ہی بتایا کہ اس کے سر میں شدید درد ہے۔ مامی نے کہا تم آرام کرو صائمہ اور فائزہ کام کر لیں گی۔

"امی! آپ جائیں ورنہ انکل ظہیر جانے کیا سمجھیں۔ آپ کو معلوم تو ہے وہ کتنا چاہتے ہیں ہمیں۔ آپ بھی نہ گئیں تو وہ کچھ مامی سے پوچھ نہ بیٹھیں اور مامی تو......"

اس نے بمشکل سسکی کو دبایا۔ نسیمہ بیگم باہر آ گئیں۔ فائزہ نے کیا کام کرنا تھا۔ اوپر اوپر کے دو چار کام کر کے کمرے میں آ گئی البتہ صائمہ بہت ایکٹو تھی۔ تمام کام اس نے کئے اور پھر خود بھی تیار ہو گئی۔ فائزہ کا لیمن کلر کا سوٹ اس پر خوب سج رہا تھا۔ تیکھے نقوش پر میک اپ بہت اچھا لگتا تھا۔

"پتا نہیں آخر یہ بلال چاہتا کیا ہے' زیب میں جانے کون سے سرخاب کے پر نظر آئے ہیں جو مجھ میں نہیں۔" اچھا ہی ہوا کہ تائی جان نے اسے کمرے میں بھیج دیا۔"

آئینہ دیکھ کر صائمہ نے سوچا اس کے نزدیک محبت صورت سے ہوتی ہے' وہ جذبوں کو کبھی سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ سطحی سوچ رکھنے والی دوسروں کے سامنے خود کو پیش کر دینے والی کمزور سی لڑکی تھی' جس کی عزت نفس تھی ہی نہیں۔ شعیب نے بڑی جھنڈی دکھائی تو نظر کرم بلال پر ٹھہر گئی۔

"میرے خیال میں وہ لوگ آ گئے ہیں۔"

باہر شور ہوا تو صائمہ ایک بار اور آئینے پر نظر ڈال کر باہر آ گئی۔ اتفاق سے سب سے پہلے بلال ہی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"ہیلو بلال!" وہ جلدی سے آگے بڑھی۔

"ہیلو کیسی ہو صائمہ؟" بلال کی متلاشی نظریں اطراف میں جس کو تلاش کر رہی تھیں' وہ جانے کہاں تھی۔ پھر سارا وقت صائمہ ہی چپکتی رہی۔ آسیہ بیگم کا موڈ بھی شوکت صاحب کی باتوں کی وجہ سے آف ہو چکا تھا۔

"ندا! زیب کہاں ہے؟" بلال نے آہستگی سے ندا سے پوچھا۔

"پتا نہیں بھیا! نظر تو نہیں آ رہیں۔ حالانکہ ہونا تو ان ہی کو چاہئے تھا کام کرنے کیلئے' مگر یہ صائمہ باجی نظر آ رہی ہیں' کہیں کوئی پھڈا نہ ہوا ہو۔"

ندا خود دو تین مرتبہ گھر کا چکر لگا چکی تھی مگر جانے کہاں تھی زیب۔

"جاؤ ندا اسے دیکھو' مجھے بھی کوئی گڑبڑ لگ رہی ہے۔ چھت پر دیکھو یا پچھلی طرف دیکھو وہیں ہو گی۔"

ندا اور بلال آپس میں باتیں کر رہے تھے مگر شعیب اور صائمہ کی نظریں ان پر جمی ہوئی تھیں۔ کان گو آواز اور بات سننے سے قاصر تھے' مگر انداز ے ہی ان کی رہنمائی کر رہے تھے۔

"اور نسیمہ! تم ٹھیک تو رہتی ہو نا..... اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ کمزور لگ رہی ہو۔" رابعہ بیگم نے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھی خاموش سی نسیمہ بیگم کو دیکھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں رابعہ بھابی! وہ بس۔"

"بھابی جان! یہ طلال پھر نہیں آیا۔ ہم سے تو اسے نفرت ہے۔ سب ہی آتے ہیں مگر وہ تو کبھی پلٹ کر خبر نہیں لیتا۔ جتنا مجھے اچھا لگتا ہے وہ ہم سے اتنا ہی دور رہتا ہے۔" آسیہ بیگم نے بات کاٹ دی۔

"ارے نہیں آسیہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ دراصل آج ڈاکٹرز کی کوئی میٹنگ تھی' اسی میں مصروف تھا' ورنہ ایسی کیا بات ہے۔"

رابعہ بیگم کچھ کچھ شرمندہ بھی تھیں آسیہ بیگم سے' کیونکہ وہ ان کی نیت اچھی طرح جانتی تھیں مگر اب وہ محض ان کی خوشی کی خاطر اپنے بیٹے کی خوشی پامال نہیں کر سکتی تھیں۔ یوں بھی فائزہ ان کو اس لحاظ سے قطعی پسند نہیں تھی۔ وہ زبردستی کے سودے کرنے کی قائل ہی نہیں تھیں۔

"فائزہ! صائمہ بیٹے! کھانا لگاؤ اب۔"

وہ دونوں کھانا لگانے لگیں۔ اس تمام وقت میں صائمہ کی کوشش یہ رہی کہ وہ بلال اور رابعہ بیگم کی نگاہوں کے سامنے رہے اور ان کی توجہ کا مرکز بنی رہے لیکن بلال...... شعیب کے ساتھ۔ یونیورسٹی اور ایگزام کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ ندا' زیب کی تلاش میں نکل گئی۔ لان میں گلاب کے تختوں کے قریب وہ گھاس پر گھٹنوں پر سر رکھے خالی نگاہوں سے جانے اداس کر دینے والی چاندنی میں کیا تلاش کر رہی تھی۔ ندا آہستگی سے اس کی طرف بڑھی۔

"ارے زیب باجی! آپ یہاں ہیں۔ سارے گھر میں تلاش کیا ہے آپ کو' السلام علیکم۔"

ندا اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی تو پھیکی سی مسکراہٹ زیب کے لبوں پر آ گئی۔

''کیسی ہو ندا؟''

''بالکل ٹھیک...... آپ کیسی ہیں......'' ندا بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔

''میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کہاں ٹھیک ہیں آپ' اتنی کمزور لگ رہی ہیں اور لگتا ہے' بہت روئی ہیں آپ۔ کوئی خاص بات ہوئی ہے۔''

ندا نے اس کی سوجی آنکھوں کو دیکھا۔ اب وہ کیسے بتاتی کہ بے عزتی ان کا مقدر تو ہے مگر آج آسیہ مامی نے جس انداز سے اسے بے عزت کیا ہے وہ اسے چین نہیں لینے دے رہا تھا لیکن وہ ندا سے کیا کہتی' شندرا کے برابر کی تھی چھوٹی سی۔ اسے کیوں پریشان کرتی۔

''نہیں ندا! کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ ہماری زندگی میں کسی خاص بات کی گنجائش نہیں...... سب روٹین ہے۔'' وہ گہرا سانس لے کر گھاس کے تنکے توڑتی رہی۔

''اچھا تو آج کچن میں نظر کیوں نہیں آ رہیں۔ صائمہ باجی بڑی ایکٹو ہیں۔''

''شاید اس لئے ندا! کہ ہر خوشی پر فائزہ اور صائمہ کا حق ہے۔''

''ایسے ہی خواہ مخواہ میں۔ آپ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھیں زیب باجی! ان لوگوں کی خوشیاں چند روزہ ہیں' اور آپ کو اللہ میاں بھی دائمی خوشیاں عطا کرے گا' انشاءاللہ۔''

''اچھا......'' وہ صائمہ کی محبت پر اس کے گال تھپتھپا کر آہستگی سے بولی۔

''جی ہاں' پتا ہے آپ کو کہ بھیا کتنے پریشان ہیں آپ کیلئے۔''

''ندا! ان سے کہہ دو پلیز! ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ ہمارے لئے پریشان نہ ہوا کریں۔''

زیب ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ بلال یا ان لوگوں کی ہمدردیوں کی قیمت ان ماں بیٹیوں کو طعنوں تشنوں کی صورت میں ادا کرنا پڑتی تھی۔

''سوری ندا! میں اپنی پریشانیوں میں اپنے ہمدردوں کا دل بھی دکھا بیٹھی سوری۔''

زیب کو احساس ہوا کہ اس نے ندا کے خلوص کو یوں ٹھکرایا ہے تو خود ہی اس کے قریب آ کر پیار سے اس کے ہاتھ تھام کر معذرت کرنے لگی۔

''ارے نہیں زیب باجی لیکن آپ...... اچھا خیر چھوڑیں۔''

ندا ابھی اور رکتی مگر اندر سے جمال کی آواز آئی' تو وہ تیزی سے اندر چلی گئی۔ زیب زرد زرد چاندنی میں کھو گئی۔ شعیب اور بلال کسی بحث میں الجھے ہوئے تھے' مگر پھر شوبی کا کوئی دوست آ گیا تو وہ اس کے ساتھ ہی کہیں نکل گیا۔ ندا نے موقع ملتے ہی ساری بات بلال کو بتا دی تو وہ اس سے ملنے کو بے چین ہو گیا۔ یقیناً کوئی بڑی بات ہوئی ہے کہ زیب اس حد تک تلخ ہو رہی ہے مگر اندیشہ تھا کہ کسی کو پتا نہ چل جائے' اس کیلئے اور مصیبت ہو جائے' صائمہ اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھی۔ وہ سب کی نظر بچا کر ان کی طرف آنے لگا تو صائمہ عبث سامنے آ گئی۔

''کھانا اندر لگ چکا ہے بلال صاحب!''

وہ اسے کوئی کرارا جواب دینا چاہتا تھا مگر اس کی بدتمیزی کا خیال کر کے خاموش رہا اور اندر چلا گیا۔

''نسیمہ! یہ آج زیب بیٹی نظر نہیں آ رہی کیا کہیں گئی ہوئی ہے۔''

ظہیر صاحب محسوس کر رہے تھے کہ ماحول خاصا کثیف ہو رہا ہے۔ زیب کی عدم موجودگی اور صائمہ' فائزہ کا کام کرنا معمولی بات نہیں تھی۔

''جی اس کی طبیعت صبح سے خراب ہے' بخار ہے۔ جبھی تو یہ بچیاں کام کر رہی ہیں ورنہ۔''

''ہونہہ گویا یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ سارے کام زیب ہی کرتی ہے۔'' نسیمہ بیگم نے آہستگی سے کہا تو آسیہ بیگم ان کو گھورتے ہوئے سوچ کر رہ گئیں۔ کھانے کے بعد صائمہ اور ندا چائے بنانے لگیں۔ ندا نے صائمہ کو خاصا مصروف کر لیا۔ باتوں میں' بلال آہستگی سے باہر آ گیا۔ زیب ابھی تک لان میں تھی' خاموش اور اداس فضا ہی کا ایک حصہ لگ رہی تھی۔ بلال آہستگی سے اس کی طرف بڑھا۔ زیب کی نظر پڑ چکی تھی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''یہ سچ ہے کہ جب انسان کو اپنی اہمیت کا احساس ہو جاتا ہے تو اسی طرح چھپتا ہے نا کہ۔''

بلال کو اس کی بات پر غصہ تو تھا مگر اس وقت وہ اتنی دکھی اور تنہا لگ رہی تھی کہ اس نے اس سے خفا ہونے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

''جی ہاں...... اس ساری دنیا میں ہم ہی تو اہم ہیں۔ ہماری ہی تو سب کو ضرورت ہے' اور......'' آنسوؤں کا گولا حلق میں اٹک گیا تو بات ادھوری رہ گئی۔ زیب کو خود پر بہت کنٹرول تھا مگر جانے کیا بات تھی کہ جب بھی بلال سامنے آتا سارے زخم آپ ہی سسکنے لگتے' اور وہ کچھ بھی اس سے چھپا نہ پاتی۔

''اچھا اب زیادہ میرے سامنے تلخ ہونے یا اجنبی بننے کی ضرورت نہیں اور یہ کیا حرکت ہے' اپنے بھیا سے کہہ دو کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔ ہمارے لئے پریشان نہ ہوا کریں کیوں کہا تھا ناں تم نے۔ اگر کہا تو یہ بتاؤ کہ کیا یہ اتنا ہی آسان ہے کہ جتنی آسانی سے تم نے کہہ دیا۔ زیب مراد! تم سے تو سانسوں کے تار جڑے ہیں' اگر یہ بات نہ بھی ہوتی تو میں یا میرے گھر والے سچائی اور حق کی بات ضرور کرتے۔ محترمہ آپ ہیں کن ہواؤں میں؟ یہ چند روز کی بات ہے پھر انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

زیب نے سب کچھ اسے بتا دیا۔

''ہوں یہ ہوئی ناں بات۔ اپنوں سے کچھ چھپایا نہیں کرتے کیونکہ اپنے ہی زخموں پر مرہم رکھتے ہیں تم سے تو اچھی شندرا ہے کہ جیسے ہی ملاقات ہوتی ہے سب کچھ بتا دیتی ہے۔ ایک تم ہو کہ......''

بلال نے شاکی نظروں سے زیب کو دیکھا تو اسے اپنی کہی ہوئی بات کی بدصورتی کا احساس ہوا۔

''سوری بلال! پتا نہیں آج کیوں میرا دماغ اتنا خراب ہو گیا۔ مجھے مامی کا رویہ کبھی بھی اتنا ہتک آمیز نہیں لگا جتنا آج' جانے کیا بات تھی۔''

وہ ابھی تک آسیہ بیگم کے لہجے کی حقارت میں کھوئی ہوئی تھی۔ جس نے اسے رلا رلا دیا تھا۔

''کوئی جو کچھ بھی کرے' زیب کرنے دو' بالآخر فتح تو حق کی ہوتی ہے ناں۔ یہ سب دیکھتے رہ

جائیں گے جب میں تمہیں یہاں سے اپنا بنا کر لے جاؤں گا۔"

زیب کے دکھوں کی شدت کو کم کرنے کیلئے بلال کو ایسی باتیں کرنی پڑتی تھیں۔ وہ اسے دکھوں کی وادی سے خوابوں کی راہ گزر پر ڈال کر خوش دیکھنا چاہتا تھا۔

"ہوں تو یہ ہو رہا ہے...... میں نے بھی قسم کھائی ہے بلال کہ تم میرے نہ ہو سکے تو کوئی بات نہیں لیکن میں تمہیں زیب...... کا ہونے نہیں دوں گی۔"

ندا کے ذریعے چائے اندر بھجوا کر صائمہ بلال کی ٹوہ میں دوسری طرف سے لان میں آ گئی اور آخری بات سنی جو سیدھی اس کے دل پر جا لگی تھی۔

"بلال! اب آپ جائیں کوئی آ نہ جائے اور آپ کو پتا ہے کہ کس طرح افسانے تیار ہوتے ہیں یہاں پر۔" زیب نے خوف زدہ آواز میں کہا۔

"جاتا ہوں ایک اور خبر سناؤں تمہیں۔"

"کون سی خبر؟" زیب بلال کے ساتھ ہم قدم ہو کر چلتے ہوئے خود کو بہت محفوظ سمجھ رہی تھی۔ یوں جیسے اللہ تعالیٰ نے ابر رحمت کر دیا ہو۔

"خبر یہ ہے کہ طلال بھائی کی منگنی ہو رہی ہے۔ زیب لگتا ہے کوئی ہے۔" بلال بات کرتے کرتے رک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

شہرین بہت تیز لڑکی تھی۔ اس نے گھر بھر کو اپنے کنٹرول میں کر لیا تھا۔ اسے ساس سسر اور شوہر کی حمایت حاصل تھی۔ اس لئے وہ اپنی من مانی کرتی' اس نے گھر کا سارا انتظام اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کیا تھا۔ آمنہ اور فاطمہ کو یوں ہدایات دیتی گویا وہ اس سے بہت چھوٹی ہوں۔ فاطمہ تو اپنی فطرت کے باعث برداشت کر جاتی مگر آمنہ کو یہ سب پسند تھا نہ گوارا کہ کل کی لڑکی اٹھ کر ان کے کاموں میں خامیاں نکالے۔

"آمنہ! دیکھو ہمیں یہ سب برداشت کرنا ہے۔ اگر تم بات بے بات شہری کی باتوں کو تنقید کا نشانہ بناؤ گی تو...... تو بھائی کو پیا کو یہ بات اچھی نہیں لگے گی۔ اس لئے ڈیئر ہمیں سب برداشت کرنا ہے۔"

"کیوں برداشت کرنا ہے' ہم نے کیا گناہ کیا ہے۔ ہمارا گھر ہے۔ ہم اپنے سٹائل میں رہنے کے عادی ہیں۔ ویسے ہی رہیں گے ہم کسی کے پابند نہیں ہیں۔"

آمنہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ یوں بھی اس کی طبیعت میں برداشت کم تھی۔

"اس لئے کہ یہ ہمارا گھر نہیں شہرین ہی کا گھر ہے۔ اس کے شوہر کا ہے اور لڑکی کا اصل گھر اس کے شوہر کا گھر ہوتا ہے۔"

فاطمہ اسے ہر دلیل دے کر سمجھانا چاہتی تھی۔

"اچھا تو پھر باجی بتاؤ ہمارا اصل گھر کہاں ہے۔ بیٹیوں کے اصل گھر ان کے والدین ہی بناتے ہیں ناں۔ ہمارے والدین نے ہمارے لئے کون سے گھر بنائے ہیں' کہاں ہیں ہمارے گھر؟"

آمنہ کی آواز بہت بلند اور لہجہ بہت سخت تھا۔ اچانک دروازہ کھلا اور دونوں کی نگاہیں دروازے پر جم گئیں۔

☆......☆......☆

آمنہ فاطمہ کی آنکھیں اور منہ کھلتے ہوئے دروازے کو دیکھ کر کھلے رہ گئے۔ دل خوف سے بری طرح دھڑک اٹھے کہیں مما نہ ہوں۔ اس خیال سے آمنہ کا دل بھی خوف سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔ ماتھے پر بوندیں گرنے لگیں۔

"ارے...... بے ...... تت...... تت تم ہو آؤ...... آؤ۔ ہم تو بس یوں ہی باتیں کر رہے تھے آؤ......" نگل کو دیکھ کر دونوں کی جان میں جان آ گئی۔ فاطمہ نے اٹھ کر بیڈ پر اس کیلئے جگہ بنائی جو چہرے سے خاصی خوش اور فریش لگ رہی تھی۔

"باجی...... کتنے بد ہو آپ لوگ باہر اتنا زبردست موسم ہو رہا ہے اور آپ لوگ کمرے میں گھسے بیٹھے ہو۔"

نگل نے آگے بڑھ کر کھڑکیاں کھول دیں تو آمنہ اور فاطمہ نے واقعی حیرت سے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا پھر باہر دیکھا کراچی میں ایسا موسم تو قسمت سے ملتا ہے...... سیاہ گھٹائیں گھر گھر کر آ رہی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا نے موسم کو اور خوبصورت بنا دیا تھا۔

"ارے...... باجی ہم بھی کتنے احمق ہیں اتنا زبردست موسم ہو رہا ہے اور اندر بور ہو رہے ہیں۔ چلیں ٹیرس پر چلتے ہیں۔"

آمنہ نے جلدی سے سلیپر گھسیٹے اور ٹیرس کی طرف بڑھی۔

"ٹھیک ہے آپ دونوں موسم کو انجوائے کرو۔"

"کیوں...... زندگی کی کسی خوشی کسی انجوائے منٹ پر آپ کا حق نہیں۔" جاتے جاتے نگل نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑ لیا تو فاطمہ نے اسے پیار کر لیا۔

"ہے...... ہے کیوں نہیں مگر میری گڑیا ایسے موسم کو لذیذ سی چائے اور گرما گرم پکوڑے اور حسین بنا دیتے ہیں آپ لوگ چلو میں ابھی آتی ہوں...... گو اینڈ انجوائے۔"

ماؤں کی سی ممتا رکھنے والی فاطمہ دونوں چھوٹی بہنوں کو ٹیرس پر چھوڑ کر نیچے چلی گئی۔

"پتہ ہے...... باجی آج ناں یونیورسٹی میں بہت مزا آیا ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں کام ہو رہا تھا۔ مزدور لگے ہوئے تھے وہاں پتہ ہے سامان چھوڑنے گدھا گاڑی آئی تو...... تو معلوم ہے میں نے اس پر سواری کی۔ سچ باجی بہت مزا آیا۔ موسم بھی اتنا حسین ہو رہا تھا سب نے بہت انجوائے کیا۔"

نگل دونوں بڑی بہنوں کو یونیورسٹی کے قصے سنایا کرتی پھر تینوں بہنیں چائے اور پکوڑوں کے

ساتھ موسم کو انجوائے کرتی ہوئی نیچے آ گئیں۔

☆......☆......☆

شنذرا فطرتاً بہت اچھی لڑکی تھی مگر وقت اور حالات کے گدھ نے اس کے اندر کی ساری اچھائیاں ختم کر دی تھیں۔ وہ مظلوم ماں کی بیٹی تھی جس کو غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی اولاد کا بٹوارا کرنا پڑا تھا۔ نسیمہ کے جگر گوشے تین گھروں میں بٹے ہوئے تھے باقی سب تو ٹھیک ہی تھے مگر زاہدہ بیگم کے رویے اور اسد کی بدتمیزیوں نے شنذرا کو بھی مقابلے پر مجبور کر کے تلوار اس کے ہاتھ میں تھما دی تھی تو وہ دل کی بھڑاس اسی طرح اسد کو نقصان پہنچا کر نکال لیا کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اس کے قیمتی کاغذات پھاڑ کر ایک عجیب طرح کا سکون محسوس کر رہی تھی۔ جب اسد کا نقصان ہوتا وہ الجھتا پریشان ہوتا تو جیسے شنذرا کے دل میں لگی آگ پر ٹھنڈی ٹھنڈی پھوار پڑنے لگتی...... وہ اچھی طرح جانتی تھی یہ فائلیں اسد کی دن رات کی محنت تھیں اور اسے امتحانات کی تیاری کرنا تھی اور یہ ہی بات تو اس کیلئے باعث سکون تھی کہ وہ کتنا تڑپے گا سلگے گا۔

''مزا آ جائے گا...... اسد صاحب آپ کو بھی تو محرومی کا ذائقہ چکھنا چاہیے۔ پھر سے محنت کریں گے......''

وہ چشم تصور میں اسد کو پریشان اور دوبارہ محنت کرتے دیکھ کر خوش ہو رہی تھی۔

''قید! ہی قرار کے رستوں کی ماں ہے اسد صاحب یہ بات آپ کی امی اور میری مامی کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔''

شنذرا...... شنذرا باجی۔'' وہ ان ہی خوش کن سوچوں میں مگن تھی کہ فرخ گھبرایا سا اندر آیا۔ وہ تڑپ کر اس کی طرف لپکی۔

''کیا ہوا فرخ خیریت تو ہے ناں امی...... امی تو ٹھیک ہیں ناں ان کی شوگر تو ہائی نہیں ہو گئی ذرا بھی تو احتیاط نہیں کرتیں ان کو کچھ احساس بھی ہے کہ ان کے سوا ہم لوگوں کا کون ہے۔'' وہ ایک ہی سانس میں بولے جا رہی تھی۔

''اوہو! شنذرا باجی امی خدا کے فضل سے ٹھیک ہیں یہ بتائیں آپ کو اسد بھائی کے جرنل کا پتہ ہے کہاں رکھے ہیں۔''

فرخ کی پریشانی کے آئینے میں شنذرا کو اسد نظر آ رہا تھا۔ ڈھیر سارا سکون شنذرا کے اندر تک اتر گیا۔

''جرنل اوہ تو یہ بات ہے۔'' وہ چہرہ موڑ کر کھڑی ہو گئی۔

فرخ کو شک ہونے لگا تھا کہ کہیں اسد کی چڑ میں شنذرا نے کوئی گڑبڑ نہ کر دی ہو۔

''شنذرا باجی آپ کو معلوم ہے کہاں ہیں جرنل وہ جرنل ان کے بہت قیمتی تھے اور امتحان قریب ہیں دوبارہ بنانے کا وقت نہیں پلیز بتا دیں اگر۔''

''فرخ! میں دیکھ رہی ہوں اسد کی صحبت میں رہ کر تمہاری سوچ بھی ویسی ہی ہوتی جا رہی ہے۔ بھلا مجھے اس ذلیل شخص کی کسی چیز سے کیا لینا دینا۔ بھاڑ میں جائے وہ اور اس کی چیزیں اور تم بھی زیادہ اس کی صحبت میں مت رہا کرو امی اور ہم لوگ کوئی کم دکھی نہیں ہیں کہ تم اس کے ساتھ مل کر۔''

شنذرا نے کچھ اس انداز میں فرخ کو ڈانٹا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یقین کرنا پڑا کہ وہ جرنل کے بارے میں کچھ نہیں جانتی...... اور پھر جرنل کا جو ڈھنڈیا پڑی تو سارا گھر اتھل پتھل ہو گیا۔ گھر کا ہر فرد اپنے لاڈلے اسد کے جرنل تلاش کرنے میں لگا ہوا تھا۔ شنذرا انجان و بے پروا بنی خود بھی اس تلاش میں شریک رہی۔ مامی اور صائمہ نے بارہا مشکوک نظروں سے اسے گھورا تھا مگر وہ اگنور کر گئی تھی اسد کو شک ہی نہیں یقین تھا اور یہ ہی یقین اسے ڈسٹ بن کی طرف لے گیا جہاں اس کی دن رات کی محنت ٹکڑے ٹکڑے پڑی تھی تو اس وقت جو اس کی حالت تھی' کیفیت تھی' احساسات و جذبات تھے وہ صرف اللہ ہی جانتا تھا۔

''شنذرا......'' وہ خنکی میں بھی پسینے میں نہا گیا۔ غصے سے اس کی رگیں پھٹنے والی ہو گئیں۔ اس کا بس چلتا تو آج واقعی شنذرا کو جان سے مار ڈالتا۔

''تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ یہ میں نے کیا ہے۔''

وقت اور حالات نے شنذرا کو اتنا ڈھیٹ بنا دیا تھا کہ وہ ہر برے وقت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے لگی تھی۔ اسے معلوم تھا یہ ہو گا اس کے کارنامے کا پھول کھلے گا اس لیے وہ تیار تھی اور اس وقت غم و غصے اور شدت ضبط سے جو اسد کی حالت تھی وہ اسے کتنا سکون پہنچا رہی تھی۔ اس بات کا اندازہ تو خود اسد کو بھی تھا تب ہی تو اس نے چور پر یقین کے ساتھ ہاتھ ڈالا تھا۔

''ثبوت...... ہونہہ...... تمہاری نفرت اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ یہ حرکت تمہاری ہے ورنہ میری ماں بہنیں تو یہ کرنے سے رہیں...... خدا کی قسم اگر مجھے پھپھو کا خیال نہ ہوتا ناں تو تمہیں اپنے ہاتھوں سے دھکے دے کر نکال دیتا اپنے گھر سے۔'' اسد شدید غصے میں بول بھی نہیں پا رہا تھا مگر وہ کب اس کی کسی بات سے متاثر ہو رہی تھی۔

''اور اگر مجھے بھی ماموں کا خیال نہ ہوتا ناں تو کاغذات کے بجائے تمہارے ٹکڑے پڑے ہوتے ڈسٹ بن میں۔'' وہ بھی اسی طرح دانت پیس...... پیس کر بولی تو سارا غصہ اسد کے دماغ کو چڑھ گیا۔

''شنذرا...... اس کا ہاتھ فضا میں بلند ہو کر اس کے سرخ و سفید بے داغ چہرے پر نشان چھوڑنا چاہ رہا تھا کہ فرخ تڑپ کر آگے بڑھا۔

''اسد بھیا پلیز معاف کر دیں۔'' فرخ نے اس کا ہاتھ پکڑ تو وہ کچھ دیر کیلئے شرمندہ ہو گیا مگر اس کا ہاتھ اٹھانا جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔

''چھوڑ دو فرخ مارنے والے دو وقت کی روٹی دیتا ہے ناں تو ان لوگوں کو ہمیں مارنے کا دھکے دے کر گھر سے نکال باہر کرنے کا پورا حق ہے...... ہاں مارو...... آؤ مارو مجھے۔''

شنذرا بری طرح روتے گئی چلاتے گئی۔ اسد کو اپنی بات اور حرکت پر افسوس ہونے لگا۔ وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا مگر ایک تو شنذرا کی حرکت دوسرا اس کی ڈھٹائی نے اس کے ضبط کے بند توڑ ڈالے تھے۔ فرخ کو شنذرا کی غلطی پر شرمندگی تھی اور اسد کی بات اور ہاتھ اٹھانے کا دکھ بھی مگر وہ ابھی اس قابل نہیں تھا کہ اپنی مظلوم ماں بہنوں کو ایک الگ چھت تلے لے کر چلا جاتا۔ وہ اسد سے پہلے کمرے سے نکل گیا...... شنذرا قالین پر بیٹھی بری طرح رو رہی تھی۔ اسد کا دل بہت خراب ہوا اس کی بھی عجیب حالت ہو

رہی تھی۔ ایک اپنا نقصان دوسری طرف شذرا سے بد زبانی...... اور...... وہ چیزوں کو ٹھوکریں مارتا باہر نکل گیا...... اور اپنی بات اور ہاتھ اٹھانے والی حرکت کا ازالہ اس نے یوں کیا کہ ماں بہنوں کو کچھ نہیں بتایا کہ اصل واقعہ کیا تھا۔

''نہیں ! امی وہ دراصل شہزاد کی فائلوں کے ساتھ میرے جرنل بھی چلے گئے تھے اور میں سمجھا کہ گھر پر ہیں...... میری شہزاد سے بات ہو گئی ہے...... میرے جرنل اس کے پاس ہیں۔''

نظریں جھکا کر اس نے شذرا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دی تاکہ مخالفت کی آندھی اس تک نہ پہنچے۔ اس کی اس ادا پر فرخ اس سے لپٹ لپٹ گیا...... وہ شذرا کو اسد کے بارے میں بتانا چاہتا تھا مگر اس کی ناراضگی کے خوف سے چپ رہتا...... ان دنوں گھر میں بڑی خوشگوار تبدیلی رونما ہوئی اور جرنل والا واقعہ اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔ جب زاہدہ بیگم کو خبر ملی کہ ان کی بہن جو کہ لندن میں مقیم تھیں ان کا بیٹا جواد پاکستان آ رہا تھا اور اس کا قیام ان کے ہاں ہی تھا۔ زاہدہ بیگم تو جیسے ہواؤں میں اڑنے لگی تھیں۔ ایک طرف وہ اپنی بیٹیوں کو ہدایات دے رہی تھیں کہ ایسے رہنا ویسے رہنا تاکہ دونوں ہی سے کوئی ایک پسند کر لی جائے۔ دوسری طرف شذرا کے حسن سے خوف زدہ تھیں مگر جواد چونکہ خالصتاً ان کا بھانجا تھا اور اس پر ان کی بیٹیوں کا حق تھا یہی سوچ کر وہ خوش اور مطمئن تھیں اور اسی لیے وہ بیٹیوں کو ہدایات دے رہی تھیں۔

☆......☆......☆

''ارے ! بلال یہاں کوئی نہیں آتا سوائے میرے کون ہو سکتا ہے...... یوں بھی۔'' بلال اٹھ کر دائیں بائیں جھانکنے لگا تو زیب نے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

''بلال جانے دیں وہم ہو گا آپ کا۔''

''اچھا! حیرت ہے آج کل وہم بھی بڑے خوبصورت رنگین لباس پہننے لگے ہیں۔ محترمہ آپ کو معلوم ہے وہ وہم کون تھا صائمہ بیگم۔''

چونکہ بلال نے صائمہ کو اس لباس میں دیکھا تھا اور اب بھی اسی لباس کی جھلک اس نے دیکھی تھی۔ اس لیے اس کو یقین تھا یہ صائمہ ہی تھی۔

''صائمہ تھی...... اوہ......'' زیب سنجیدہ سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''بلال اب آپ جائیے اگر وہی تھی تو پھر سمجھ لیجئے بلال اب ڈھیروں افسانے بنیں گے اور...... پلیز بلال آپ جائیے امی اب بہت بیمار رہنے لگی ہیں اور مامی تو ہر وقت انگارے چباتی رہتی ہیں جس میں ہم ماں بیٹی جلتے رہتے ہیں۔'' زیب خوف زدہ ہو گئی تھی۔ صائمہ کا سن کر بلال سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔ کتنی مجبور تھیں یہ ماں بیٹیاں بلال کے دل میں دکھ کی گہری شام اتر آئی۔

''ارے...... لڑکی یہ کیا بات ہوئی اب ہماری پھپھو اتنی بھی بہادر نہیں کہ انگارے چباتی ہوں...... معلوم بھی ہے ان کے دانت بہت کمزور ہو گئے ہیں روٹی چبا کر نہیں کھا سکتیں تو انگارے...... اف اللہ توبہ اتنے گرم ہوتے ہیں...... کبھی چبائے ہوں تو تمہیں اندازہ ہو ناں۔''

اس وقت زیب کتنی ہراساں اور پریشان تھی اس نے بلال کو تڑپا کر رکھ دیا۔ وہ اسے محض ہنسانے کیلئے بولا تو اک ہلکی سی جھجکتی ہوئی مسکراہٹ کی کرن ابھری اور ڈوب گئی۔

''سوری...... بلال مجھے آپ کے سامنے آپ کی پھپھو کے بارے میں نہیں کہنا چاہئے تھا۔''

''زیب...... زیب میں تو صرف مذاق کر رہا تھا...... ورنہ کیا حقائق میں نہیں جانتا...... اچھا ٹھیک ہے میں چلتا ہوں پھر صائمہ اپنی عادت سے مجبور ہو کر نہ آ جائے......'' بلال کو اپنی تو خیر کیا پروا ہوتی وہ نہیں چاہتا تھا زیب پر کوئی بات آئے۔ اسی لیے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑا ہو گیا۔

''اور سنو...... میں ان خوبصورت آنکھوں میں صرف اپنا عکس دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے خواب دیکھنا چاہتا ہوں خوف کے سائے نہیں۔''

جاتے جاتے وہ پلٹ کر آیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا تو اک خوف زدہ سی مسکراہٹ زیب کے لبوں پر آ کر دم توڑ گئی۔

''جی ! لیکن اب آپ جائیے۔'' کسی کے آ جانے کے خوف نے بلال کو دھکا دیا تو وہ پلٹ پلٹ کر اسے دیکھتا ہوا آگے بڑھ گیا...... پھر جانے کب تک وہ رہے وہ باہر نہیں گئی البتہ جب وہ سب چلے گئے تو مامی کے حکم پر وہ باہر آئی...... کھانا کھایا اور ڈھیروں کام سنبھال کر بیٹھ گئی۔ سب کچھ روٹین کے مطابق چل رہا تھا۔ سب کے رویے بھی ویسے تھے اور ان کی زندگی بھی بے منزل راستوں کی طرف بڑھ رہی تھی۔ البتہ ان دنوں حالات نے کروٹ لی تھی۔ فائزہ کی...... زندگی میں حسن آ گیا تھا۔ حسن بہت اچھا لڑکا تھا اور بڑی اچھی فیملی سے تھا مگر فائزہ کو تو اپنی پروقار شخصیت کے باعث بہت اچھا لگا تھا اور پھر دھیرے دھیرے دونوں کی اتفاقی...... ملاقاتیں محبت میں بدل گئیں تو فائزہ کو ایک بہت ہی اچھی اور مخلص دوست کی ضرورت پڑی۔ خاندان بھری لڑکیوں کو سوچا تو سب ہی جیلس اور بے اعتبار لگیں جن سے وہ اپنا یہ راز شیئر نہیں کر سکتی تھی۔

''زیب!'' ایک اچانک اسے اس حیثیت سے زیب سو فیصد فٹ لگی جو اس کی بات سن کر اپنے تک رکھ سکتی تھی اور اسے بہترین مشوروں سے بھی نواز سکتی تھی مگر اب زیب سے اپنے مطلب کیلئے دوستی کی جائے تو وہ کیا سوچے گی کہ اپنے مطلب کیلئے دوستی کا ہاتھ بڑھا رہی ہے...... زیب سے دوستی کے ساتھ ہی فائزہ کو اپنی وہ زیادتیاں یاد آنے لگیں جو وہ اس کے ساتھ کر چکی تھی مگر مجبوری یہ تھی کہ اس معاملے میں زیب سے بڑھ کر کوئی مخلص نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اس روز اس نے حسن کو انتہائی شرمندگی کے ساتھ سب کچھ بتا دیا تو اس نے بھی زیب سے دوستی کرنے کو کہا تو فائزہ نے سارے خوف بالائے طاق رکھ کر زیب کو گلے لگا کر نہ صرف معافی مانگی بلکہ اس سے دوستی کی درخواست کی تو زیب جسے اپنی قسمت پر یقین نہیں آ رہا تھا رو دی۔

''کیسی...... باتیں کرتی ہیں فائزہ ارے یہ سب تو قسمت کا لکھا ہے جو کچھ اسے ملتا ہے...... خیر چھوڑو پرانی باتوں کو وہ جو کہتے ہیں ناں کہ صبح کا بھولا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے...... آئندہ پرانی باتوں کا ذکر نہ کرنا اور ہاں صرف ایک التجا ضرور کروں گی۔''

زیب ملتجی لہجے میں بولی تو فائزہ نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ فائزہ کی ہر ہر بات اور حرکت سے ندامت کی جھلک تھی۔

''ہاں...... کہو ناں زیب......''

''بس اب بدلنا نہیں فائزہ کیونکہ...... کیونکہ اب۔''

"زیب...... میں جانتی تھی کہ تم یہ ہی سمجھو گی کہ میں اپنے مطلب کیلئے...... ہاں تمہیں ایسا سمجھنا بھی چاہیے کیونکہ اس سے پہلے مجھے تمہاری طرف بڑھنے کا خیال جو نہیں آیا...... یہ درست ہے زیب کہ میری تمہاری دوستی کی وجہ حسن بن رہا ہے مگر اس کا ملنا میرا نصیب ہے مگر میں پوری کوشش کروں گی اور اللہ سے دعا کروں گی کہ مجھے ہدایت دے کہ پھر پہلے والا رویہ نہ دہراؤں۔ دیکھو پلیز ایک بار مجھ پر اعتماد کر کے دیکھو۔ مجھے معاف کر دو۔" اب فائزہ اسی کے ہاتھوں میں چہرہ چھپائے رو رہی تھی اس کے آنسوؤں کی بارش سے زیب کی خفگی اور بدگمانی کے بادل چھٹ گئے۔ یوں اس روز سے فائزہ اور زیب کے درمیان دوستی اور محبت کا رشتہ قائم ہو گیا تو زندگی خوبصورت ہونے لگی تھی۔ دونوں ہی خوش اور مطمئن تھیں۔

☆......☆......☆

وقتی جذبات کا بہاؤ سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے۔ اس وقت تو انسان کو خبر ہوتی ہے نہ ہی احساس ہوتا ہے مگر جیسے جیسے طوفان کا زور ٹوٹ جاتا ہے تب اسے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کیا کر گزرا ہے۔ نبیل کا تعلق ایک ایسے گھرانے سے تھا جہاں انسانی جذبات اور احساسات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ نبیل کی مہوش کے ساتھ شادی بھی گھر کے ایب نارمل ماحول کا نتیجہ تھی جہاں والدین کو صرف اپنی اپنی پروا تھی یا پھر دولت اور اسٹیٹس کی۔ ان کے بیٹے یا بیٹیاں کیا چاہتے ہیں کیا نہیں ان کو اس سے غرض نہیں تھی۔ نبیل کو مہوش پسند آ گئی اور پسند ہزار پابندیوں اور خدشات کے باوجود شادی میں بدل گئی...... اور اب وہ چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا تھا نہ تو گھر میں اپنی خفیہ شادی کو بے نقاب کرے۔ مہوش کو گھر لے جا سکتا تھا اور نہ ہی اب بیگم جان جس نے جب دیکھا کہ نبیل بہت بڑی آسامی ہے جھٹ قابو کر لیا اور دونوں کا نکاح کر کے ہی چھوڑا اور نہ نبیل اتنا کمزور نہیں تھا کہ والدین اور بہن بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی خود سے نکاح کر لیتا مگر اب جبکہ حالات کا شکنجہ اس کی گردن پر سخت ہو رہا تھا کہ وہ جھنجلا کر رہ گیا تھا گھر میں اس سے کہیں مظلوم اور بے بس بہنیں تھیں وہ کیا کرتا کس سے کہتا لہٰذا اسے یہی حل نظر آتا کہ جب تک اس بات کو چھپا سکتا ہے چھپاتا۔ اس وقت بھی وہ ماں بیٹی کی عدالت میں سر جھکائے بے سمت سوچوں کے ساتھ بلاوجہ ہی سوچ رہا تھا۔ مہوش گو کہ بیگم جان جیسی خودغرض اور موقع پرست عورت کی بیٹی تھی مگر اس نے نبیل سے سچی محبت کی تھی اس لیے اس وقت نبیل کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر نرم پڑ گئی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ماں کو دیکھا جو بری طرح نبیل کو گھورے جا رہی تھیں۔

"نبیل! بیٹے دیکھو تم سمجھنے کی کوشش کرو اگر وقت اور آگے بڑھ گیا تو نہ تمہارے ہاتھ کچھ آئے گا اور نہ ہی......"

"اوہو! ممی بس بھی کریں بہت ہو گیا کہہ تو رہے ہیں نبیل کہ چند ماہ کی مہلت دے دیں...... آپ بھی ناں ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کر رہی ہیں آپ جایئے آرام کیجئے۔"

یہ بات تو مہوش نے نبیل کو سنانے کیلئے کی تھی مگر نظروں ہی نظروں میں التجا کی تھی کہ اب جاؤ اسے مزید پریشان نہ کرو اور بیگم جان نے بھی دھمکی آمیز نظروں میں اسے تنبیہ کی تھی کہ اگر اب ایسا نہ ہوا تو تمہاری یہ شادی ختم کر دی جائے گی اور مہوش کو اس بات کا خوف تھا کہ بیگم جان واقعی اتنی ہی اوچھی ہے کہ ایسا کر بھی گزرے گی اور وہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

"نبیل! پلیز ممی کی باتوں کو مائنڈ نہ کیا کریں ماں ہیں ناں تو میرے مستقبل سے خوف زدہ ہو

کر انہوں نے ایسا کہا ہے۔"

ممی کے جانے کے بعد مہوش نبیل کو دلاسا دے رہی تھی۔ جس کے چہرے پر سوچوں کا جال بچھا تھا اور اپنی اس غلطی کا خمیازہ اسے کس سزا کی صورت بھگتنا پڑے گا اس خوف کی گہری دھند میں وہ آگے کا راستہ ہی گنوا بیٹھا تھا۔

"نہیں! مہوش کیا خفا ہونا اور کیا مائنڈ کرنا دراصل کبھی کبھی انسان کی خطا ہی اس کی سزا بن جایا کرتی ہے...... اور یہ شادی ہی میری خطا ہے میرا قصور اور سزا ہے۔" وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو کر آسمان پر آزاد پرندوں کو دیکھنے لگا۔ اسے اک حسد اک جلن ہونے لگی ان پرندوں کی آزادی سے کتنے آزاد تھے وہ اپنے فیصلوں میں وہ جہاں چاہیں جس سمت چاہیں اڑ سکتے ہیں ان کو کسی سے کچھ چھپانا نہیں کوئی جواب نہیں دینا...... مگر ایک وہ تھا گھر والوں کے سامنے جواب دہ 'دنیا کے سامنے جواب دہ' بیگم جان اور مہوش کے سامنے جواب دہ...... وہ سوچ کی ان ہی لہروں کے ساتھ ساحل سے بہت دور نکل گیا کہ اچانک مہوش کی ہچکیاں اس کی سماعتوں کے آسمان پر دھند بن کر چھا گئیں وہ چونک کر پلٹا اور جھٹکے سے وہ حقیقت کی دنیا میں آ گیا اور بری طرح روتی مہوش کے قریب آ گیا۔

"مہوش...... مہوش یہ...... یہ تمہیں کیا ہوا' کیوں رو رہی ہو؟"

وہ انجان بنا کنارے پر کھڑا تھا اس درد کے سمندر کے جس میں وہ ڈوب رہی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں...... نبیل مجھ سے محبت آپ کی خطا' مجھ سے شادی آپ کی خطا کی سزا...... اور میں انجان یہ سمجھ رہی تھی کہ میں آپ کی محبت ہوں' اعزاز ہوں اور خوشی ہوں...... ہوں ناں کتنی احمق کہ عزت کے سارے ستارے آپ ہی اپنی مانگ میں بھر لیے...... اب...... اب مجھے نہ آپ کی زندگی میں جگہ چاہیے اور گھر تو آپ ہی کا ہے...... ناں مجھے...... مجھے کچھ نہیں چاہیے نبیل پلیز آپ جایئے اور اپنی مما اور بہنوں کا وہم دور کر دیں کہ آپ نے کوئی شادی نہیں کی...... ہونہہ...... میں...... میں ایک وہم ہی تو ہوں...... دور کر دیجئے' جھٹک دیجئے' وہم جھٹک دینے سے اپنی حیثیت اہمیت کھو دیتے ہیں...... آپ...... آپ بھی۔"

مہوش بری طرح ہرٹ ہوئی تھی وہ جھٹکوں سے رو رہی تھی۔ اب تک تو وہ سب کچھ برداشت کر رہی تھی اک آس پر وہ اپنی پلکوں سے اپنی راہوں کے خار چن رہی تھی کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے گھر اپنے گلشن میں مہکے گی ضرور مگر ایک سال بعد ہی نبیل کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا تھا تو وہ مخالفتوں...... کی آندھیوں میں اس کی ڈھال کیسے بنے گا...... اپنی کم مائیگی کا احساس آنکھوں میں بہہ رہا تھا حلق میں پھندا بن کر اٹک رہا تھا...... اور وہ جس سے اتنی بدگمان ہو رہی تھی اس کے دل میں سوراخ کر رہے تھے اس کے آنسو۔

"مہوش...... مہوش یہ...... یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ بس اتنا ہی جانا ہے مجھے اتنا ہی سمجھا ہے مجھے...... میں...... میں تو اس بدگمانی میں تھا کہ کوئی اور مجھے سمجھے نہ سمجھے مگر تم تو سمجھتی ہو اور میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتا ہے...... مگر تمہاری باتیں سن کر لگ رہا ہے تم تو میری محبت میری سمجھ کے دریا میں اتری ہی نہیں۔ کنارے پر کھڑی ہو کر محض قیافے لگاتی رہی ہو۔ میرے ظرف کی گہرائی کے...... بہت دکھ دیا ہے وشی تم نے بہت دکھ دیا ہے میں کرچی کرچی ہو کر بکھر گیا ہوں۔ لفظ لفظ بکھر گیا پچھتا رہا ہوں کہ مجھے باقاعدہ

باعزت طریقے سے تمہارا تعارف گھر والوں سے کرانا چاہئے تھا اعلانیہ جنگ کرنی چاہئے تھی تمہاری خاطر ان لوگوں کو منانا چاہئے تھا۔ پھر بھی نہ مانتے تو پھر میں اپنی مرضی سے تم سے شادی کر لیتا تو حق بجانب تھا کسی کو کیا اعتراض۔ اس طرح اب میں تمہیں دھونس کے ساتھ گھر لے جا سکتا تھا...... مگر میں نے پہلا قدم بھی غلط اٹھایا نہ گھر والوں کو ان کی عزت اور مان دیا اور نہ تمہیں...... تمہارا مقام۔ میں تو اس لیے اسے اپنی غلطی کہہ رہا تھا پچھتا رہا تھا...... مگر تم...... وشی تم نے تو بہت بلندی سے یقین واعتماد کی بلندی سے مجھے نیچے پٹخا ہے۔"

بولتے بولتے نبیل کی آواز دب گئی اور جب بدگمانی کی دھند چھٹی تو مہوش نبیل کو ڈھونڈتی رہ گئی وہ جا چکا تھا وہ بستر پر گر کر شدتوں سے رو دی۔

"میں...... بہت بری ہوں سچ ہی تو کہہ رہے تھے نبیل میں بھی بس ممی کی باتوں میں آ کر ان سے بدگمان ہو جاتی ہوں...... وہ...... اب مجھ سے خفا ہو گئے ہیں اب تک انہوں نے جو کہا پورا کیا۔ پھر مجھے یا ممی کو ان پر شک نہیں کرنا چاہئے...... ممی کی تو خیر تھی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ سوری...... سوری نبیل ویری سوری۔"

وہ جانے کب تک سسکتی رہی اور خیالوں میں اس سے معافی مانگتی رہی۔ نبیل آج کل شدید قسم کے ڈپریشن زون میں تھا۔ مہوش کو چھوڑ وہ نہیں سکتا تھا اور گھر والوں کو منا نہیں سکتا تھا گھر میں فاطمہ باجی ہی تھیں جن سے وہ دل کی بات کر سکتا تھا مگر اس روز اس نے بڑے یقین سے اپنی شادی والی حقیقت کو وہم اور بے بنیاد شک قرار دیا تھا...... مما کی طبیعت الگ خراب چل رہی تھی وہ ساری ساری رات سگریٹ پھونک کر گزار دیتا۔ وہ مہوش سے دانستہ طور پر خفا تھا اسی لیے اپنا موبائل آف کر رکھا تھا۔ تب ہی بیچاری مہوش پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ اسی دوران راحیل اور شہرین بھی ہنی مون سے لوٹ آئے تو نبیل کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ان دونوں کی ارینج میرج تھی اور زندگی کی ہر خوشی پر ان کا حق تھا۔ شہرین اپنی بدتمیزی اور رویے کے باوجود گھر کی بہو ہونے کا اعزاز حاصل کر چکی تھی کسی کو خاطر میں نہیں لاتی تھی کیونکہ وہ ان کے برابر کی حیثیت رکھتی تھی۔ اسی لیے اکڑ کر رہنا ان لوگوں کو خاطر میں نہ لانا اپنا حق سمجھتی تھی۔ اسی روز نبیل نے موبائل دانستہ طور پر آن کر دیا مگر کئی روز گزر گئے مہوش کا فون نہیں آیا تو وہ تڑپ گیا اور اس کے پاس جانے کیلئے نیچے اترا تو راحیل اور شہرین بھی آؤٹنگ کیلئے کہیں جا رہے تھے۔ وہ کترا کر نکل جانا چاہتا تھا کہ راحیل نے روک دیا۔

"کہاں بھئی۔" راحیل اور شہرین بڑی کھوجتی نظروں سے اس کا مطالعہ کر رہے تھے وہ اندر تک سن ہو گیا۔ چور کو ہر وقت پکڑے جانے کا خوف پریشان رکھتا ہے۔

"جی! کہیں نہیں بس ذرا فیکٹری جاؤں گا کچھ کام نمٹانے ہیں پھر دوستوں سے ذرا گپ شپ ہو گی...... آ...... آپ لوگ کہاں جا رہے تھے؟"

"بھئی! ہم لوگ ذرا اپنے سسرال جائیں گے پھر ڈنر باہر کریں گے ہمارا تو خیال تھا تم بھی ہمیں جوائن کرتے۔"

"تھینکس! آپ لوگ جائیں۔" وہ نظر چرا کر بولا اور جلدی سے گاڑی نکال کر لے گیا۔

"کچھ! محسوس کیا آپ نے......" شہرین کی بات کا مطلب کچھ اور تھا مگر راحیل نے اس کا مطلب ہی بدل دیا۔

"ہاں...... تمہاری محبت تمہارا ساتھ۔"

"کبھی! میرے سحر سے نکل بھی آیا کریں۔" شہرین ادا سے مسکرائی۔

"جس دن تمہارے سحر سے نکل آیا اسی دن مر جاؤں گا۔"

راحیل بھی دلبرانہ انداز میں بولا۔ دونوں ہنستے ہوئے نکل گئے۔ نبیل سیدھا مہوش کے پاس گیا۔

"آ...... آپ نے فون ریسیو کیوں نہیں کیا تھا نبیل میں تو مر جاتی آپ تو آگ لگا کر کنارے جا کھڑے ہوئے اور میں کتنی تڑپی ہوں جھلسی ہوں میرا خدا جانتا ہے یا پھر میں......"

مہوش اس کے ساتھ لگی مسلسل روئے جا رہی تھی اور وہ اسے منا رہا تھا۔ اسی وقت بیگم جان اندر آئیں کھا جانے والی نظروں سے نبیل کو گھورا۔

"میاں! اب یہ سب نہیں چلے گا میری نازوں پلی بیٹی کو یوں رلاؤ گے تو۔"

وہ تو اور بھی بہت کچھ سنانا چاہتی تھیں اور اسی واقعے کو کیش کرانا چاہتی تھیں مگر مہوش نے ماں کو ٹوک دیا۔

"ممی! پلیز میں جانتی ہوں آپ میری محبت میں یہ سب کہتی ہیں مگر آپ...... آپ نبیل کو کچھ مت کہئے۔"

"پھر تم خود ہی۔"

"جی...... جی ممی میں خود بات کر لوں گی آپ جائیے آرام کیجئے۔"

ماں کا ہاتھ تیز انداز میں دبا کر مہوش نے ان کو جانے کو کہا تو وہ نبیل کو گھورتی باہر نکل گئیں۔

"وشی...... سوری...... سوری...... دیکھو میں...... میرا مطلب یہ تھا کہ کہیں میں پھر کوئی ایسی بات نہ کر جاؤں کہ تم پھر ہرٹ ہو جاؤ۔"

نبیل مسلسل اسے منا رہا تھا اور جب منانے والا اتنا مہربان ہو تو روٹھنے والا مزید نخرے دکھانے لگتا ہے اور مہوش کا بھی یہی حال تھا نبیل کے روٹھ جانے پر وہ کتنی پریشان ہوئی تھی۔ نماز پڑھ کر اللہ سے اس کے مان جانے کی دعائیں بھی کی تھیں مگر اب نخرے دکھانا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"آپ...... بہت خراب ہیں نبیل بس میں آپ سے خفا ہوں آپ...... آپ......"

"اوکے! چلو ایسا کرتے ہیں ہم ذرا گھومنے جاتے ہیں باہر ذرا گھومیں پھریں گے تو تو جناب کا موڈ ٹھیک ہو جائے...... اور پھر ہم شاپنگ کریں گے پھر ڈنر باہر کر کے آئیں گے...... چلیں۔"

وہ ماحول کی کثافت کو مٹاتا ہوا بولا اور ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا تو مہوش نے ایک خفا سی نظر اس پر ڈالی اور ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور کچھ دیر بعد دونوں گاڑی میں سوار تھے۔ خوب گھومے پھرے اور نبیل نے آج اسے دل کھول کر شاپنگ کرائی تھی۔ بیگم جان کے لالچ کو بھی اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔ ان کیلئے بھی ڈھیر ساری شاپنگ کی اور اب تھک ہار کر وہ ڈنر کیلئے فائیو سٹار ہوٹل میں بیٹھے تھے اپنی طرف سے بہت خاموش اور تنہا گوشہ چنا تھا مگر قیامت کی نظر رکھنے والی شہرین جو راحیل کا ہاتھ پکڑے آ رہی تھی پہلی نظر نبیل اور مہوش پر پڑی۔

☆......☆......☆

راحیل کا ہاتھ پکڑ کر اوپر آتے ہی شہرین کی پہلی نظر نبیل پر پڑی، جو روٹھی ہوئی مہوش کو منانے کیلئے یہاں لے آیا تھا۔

"ہاں" واقعی یہ لڑکی کون ہے؟" راحیل بھی بغور مہوش کو دیکھنے لگا جو بڑی مشکلوں سے مانی تھی۔ "کوئی گرل فرینڈ ہوگی۔ ویسے بڑی خوبصورت ہے بڑا چھپا رستم نکلا یہ نبیل۔" شہرین خود نارمل سی شکل وصورت کی تھی، اسے مہوش اچھی لگی۔

"واقعی حیرت مجھے بھی ہو رہی ہے۔ نبیل کسی لڑکی کے ساتھ، وہ بھی رات کے اس وقت۔ خاصا نامناسب وقت ہے گرل فرینڈ کے ساتھ گھومنے کا۔ پپا کو پتا چل گیا تو برا ہوگا۔ چلیں اس کے پاس یا رہنے دیں۔ شرمندہ ہو جائے گا۔"

راحیل کو نبیل کے ساتھ ایک لڑکی کو دیکھ کر عجیب سا تو لگا مگر اسے مناسب نہیں لگا کہ نبیل کے قریب جائے مگر شہرین یہ بہترین موقع کیونکر کھو سکتی تھی ذلیل کرنے کا۔

"چلیں۔ دیکھتے ہیں۔ لڑکی تو اچھی خوبصورت ہے۔ اس میں شرمندہ ہونے کی کیا بات ہے۔ اس عمر میں تو یہ کام ہوتے ہی ہیں۔ آئیں۔"

اور اس سے قبل کہ راحیل کوئی جواب دیتا شہرین نے اس کا ہاتھ پکڑا اور عین نبیل اور مہوش کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔

"ہیلو نبیل!" شہرین نے شوخی سے کہا تو نبیل یوں اچانک ان دونوں کو سامنے دیکھ کر بری طرح گھبرا گیا۔

"آ۔ آ۔ آ۔" نبیل تو...... اس بری طرح گھبرایا کہ کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ وہ بات بھی مکمل نہ کر سکا حیرت اور خوف سے آنکھیں اور منہ کھلا رہ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یوں مہوش کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا جائے گا۔

"ہاں، ہم لوگ فریش ہونے آئے تھے ساحل پر۔ ویسے حیرت ہوئی تمہیں بھی یہاں دیکھ کر۔ روز آتے ہو کیا یہاں؟"

شہرین نے مہوش کو سر سے پیر تک دیکھتے ہوئے بڑے معنی خیز لہجے میں پوچھا، جو اس صورت پر پہلے تو کچھ پریشان ہوئی مگر پھر اس کے چہرے پر اطمینان چھا گیا۔ البتہ نبیل بری طرح بوکھلا گیا۔

"جی۔ جی ہاں۔ میرا مطلب ہے۔ جی نہیں۔"

نبیل گھبراہٹ میں اقرار و انکار کرنے لگا تو شہرین اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہونے لگی۔

"خیر روز آنے میں بھی کوئی قباحت نہیں، لیکن کسی گرل فرینڈ کے ساتھ اس وقت کوئی مناسب بات نہیں۔ کیوں راحی؟"

شہرین نے مہوش کو بغور دیکھتے ہوئے راحیل سے اپنی بات کی تائید چاہی۔ گرل فرینڈز کے نام پر مہوش کے تن بدن میں آگ لگ گئی مگر وہ نبیل کے جواب تک خاموش رہنا چاہتی تھی جس کی حالت دیدنی تھی۔ کبھی شہرین اور راحیل کو دیکھتا اور کبھی اسے۔

"شیری درست کہہ رہی ہے نبیل! ٹھیک ہے پپا نے ہم تینوں بھائیوں کو ہر طرح کی آزادی دی ہے مگر وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتے کہ تم رات کے اس وقت کسی گرل فرینڈ....."

"کیا گرل فرینڈ..... گرل فرینڈ لگا رکھی ہے آپ لوگوں نے۔ نبیل! بتاتے کیوں نہیں کہ میں آپ کی فرینڈ ہوں کہ بیوی...."

راحیل نے بھی گرل فرینڈ کہا تو مہوش چیخ پڑی۔ اب حیرت سے راحیل اور شہرین کے منہ اور آنکھیں کھل گئیں۔ نبیل کا تو یہ حال تھا کہ بدن میں کاٹنے سے بھی خون کی بوند نہ نکلتی۔

"بیوی..... نبیل یہ سب کیا ہے اگر مذاق ہے تو انتہائی بھونڈا ہے اور حقیقت ہے تو انتہائی خطرناک ہے۔"

"بولو خاموش کیوں ہو۔" راحیل آواز اور غصے پر قابو پاتے ہوئے دھیمے مگر سخت لہجے میں بولا۔

نبیل مجرموں کی طرح سر جھکا کر رہ گیا۔

"نبیل کی خاموشی اور جھکا ہوا سر ہی اس حقیقت کی سچائی کا ثبوت ہے؟" شہرین نے بڑے نخوت بھرے انداز میں مہوش اور نبیل کو گھورا۔

"نبیل! تمہاری خاموشی ان کو شک میں اور مجھے ذلت کے کنویں میں اتار رہی ہے، بتاؤ اپنے بھائی صاحب اور بھابی جان کو کہ میں تمہاری قانونی اور شرعی بیوی ہوں۔"

مہوش نے گم سم کھڑے نبیل کو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا جس کے حواس اس نئی اچانک افتاد نے معطل کر دیئے تھے۔ مہوش کے ساتھ یوں سرعام گھومتے ہوئے اس نے کب سوچا تھا کہ یہ حادثہ بھی پیش آ سکتا ہے۔

"اس کا ثبوت۔؟" راحیل نے کھا جانے والی نظروں سے مہوش کو گھورا۔

"ہونہہ ثبوت! افسوس کہ مجھے یہ خبر نہیں تھی کہ میرے جیٹھ جی اور جٹھانی جی یوں سر راہ مجھ سے شادی کا ثبوت مانگیں گے ورنہ میں نکاح نامہ ساتھ رکھتی۔ یہ بھی خبر نہیں تھی کہ میرا شوہر میری گواہی دینے کے معاملے میں گونگا ہو جائے گا تو۔ خدا حافظ۔"

مہوش نے گنگ کھڑے نبیل کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی چھینی اور آگے بڑھ گئی۔

نبیل اس قدر بوکھلایا کہ اسے روک بھی نہ سکا۔

"آپ کی بیگم گاڑی لے کر جا چکی ہیں نبیل! اب ہمارے ساتھ چلو گے یا۔"

شہرین کی باتیں، اس کا لہجہ دماغ خراب کرنے کیلئے کافی تھے۔ غصہ تو نبیل کو بھی آ رہا تھا مگر فی الحال وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ اس کی کسی بات کا جواب دیتا۔ خاموشی سے پچھلی طرف کا دروازہ کھول

کر بیٹھ گیا اور راستے میں اس نے اپنے اور مہوش کے ملاپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کیونکہ اس کے سوا چارہ بھی نہیں تھا۔

''ہوں۔ تو یہ ٹھاٹ ہیں موصوف کے۔ سال بھر ہو گیا شادی کو اور گھر میں کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔ اتنی جرأت تمہیں دی کس نے؟ پتا ہے مما، پپا کا کیا حال ہوگا یہ جان کر کہ تم۔ اف میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ۔''

راحیل بڑے ہونے کا سارا رعب اس پر جھاڑ رہا تھا، بہرحال نبیل کی شادی، وہ بھی چوری چھپے۔ کوئی معمولی بات تو نہیں تھی کہ آسانی سے درگزر کر دی جاتی۔

''نبیل کو چھپا رستم میں نے یوں ہی تو نہیں کہہ دیا اور ان محترمہ کے مزاج ملاحظہ کیے تھے آپ نے۔ چوری چھپے شادی رچائی اور اترا یوں رہی تھیں کہ گویا ہزار براتیوں کے ساتھ آئی ہوں۔'' شہرین جلتی پر تیل ڈال کر بھڑکانے کا فن خوب اچھی طرح جانتی تھی۔

''میں نے آپ لوگوں کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ میری گرل فرینڈ نہیں، بیوی ہے۔'' نبیل قدرے سخت لہجے میں بولا۔

''کون لوگ ہیں یہ؟ کہاں رہتے ہیں اس کے والد، بھائی؟''

راحیل تفتیشی انداز اختیار کرتے ہوئے بولا۔

''جی، اس کے نہ والد ہیں نہ بھائی۔''

''تو کیا آسمان سے ٹپکی ہیں حور بیگم......'' شہرین کا انداز جلانے والا تھا

جواب تو نبیل بھی دے سکتا تھا، مگر مصلحت کا تقاضا تھا کہ خاموش رہا جائے مگر راحیل کے سوال کے جواب میں اس نے بتا دیا تھا کہ مہوش کا تعلق کس خاندان سے ہے۔ تفصیل سن کر ایک بار تو گاڑی کے بریک بری طرح چرچرائے۔

''کوئی ڈھنگ کے لوگ نہیں مل سکتے تھے تمہیں، تم نے تو سوسائٹی میں ہماری ناک کٹوا کر رکھ دی ہے۔ نیور۔ نیور دیکھو نبیل! اس سے قبل کہ یہ بات مما پپا تک پہنچے یا ہم سوسائٹی میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں۔ اس رشتے کو ختم کر دو۔ جتنی جلدی ممکن ہو۔ اس بات کا علم صرف مجھے اور شہرین کو ہے۔ ہم دونوں اس کو ہضم کر جائیں گے تم اس لڑکی کو کچھ رقم دے کر ختم کرو اس قصے کو۔''

راحیل نے یوں کہا۔ گویا معمولی بات ہو۔ جیسے کوئی چیز خریدی ہو اور ناپسند ہونے پر واپس کر دی جائے۔ راحیل کی بات سن کر گاڑی کے ہینڈل پر نبیل کی گرفت اتنی سخت ہو گئی کہ اسے اپنے ہاتھ میں درد محسوس ہونے لگا مگر یہ تکلیف اس تکلیف سے کہیں کم تھی، جو غیرت پر چوٹ پڑنے سے ہوئی تھی۔

''غیرت اور عزت کی کوئی قیمت ابھی تک مقرر نہیں ہوئی راحیل بھائی! مہوش میری بیوی ہے۔ میری عزت اور غیرت ہے۔'' وہ شدید غصے کے باوجود بھی ضبط کر گیا۔

ہونہہ! ایسی عزت، ایسی بیوی کو جسے تم سوسائٹی میں متعارف نہیں کروا سکتے۔'' شہرین کا لہجہ مستقل آگ لگانے والا تھا۔

''کرواؤں گا متعارف اور سوسائٹی تو کیا آپ سب کو اسے قبول کرنا ہوگا۔ میری بیوی کی حیثیت سے، میں خود پپا سے بات کروں گا، میں نے کوئی گناہ تو نہیں کیا۔''

نبیل نے باہر نکل کر زور سے دروازہ بند کیا اور آگے بڑھنے لگا۔

''نبیل۔'' راحیل کی کڑک دار آواز پر وہ وہیں رک گیا...... مگر مڑا نہیں۔

''تم پپا یا مما سے کچھ نہیں کہو گے۔ میں خود مناسب وقت آنے پر بات کر لوں گا۔''

نبیل آگے بڑھ گیا۔

''یہ سارا کیا دھرا اس امجد کے بچے کا ہے۔ ورنہ اسے کہاں ہوش تھا۔ ایسی باتوں کا، اور لے کر بھی کہاں گیا غلط جگہ پر۔'' راحیل کو شدید غصہ آ رہا تھا اس نے ٹائی اتار کر دور پھینکی اور موزے کسی دوسری طرف اچھال دیئے۔

''کم آن راحی! آپ یوں اتنا پریشان ہو رہے ہیں۔ نبیل کا ذاتی مسئلہ ہے۔ شہرین نے یوں کہا جیسے کوئی تعلق نہ ہو راحیل کا کسی سے۔

''نہیں شہری! تم نہیں جان سکتیں کہ قیامت آ جائے گی گھر میں، اس انکشاف کے بعد، مما اور پپا دونوں دل کے مریض ہیں اور سوسائٹی میں ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ ٹھیک ہے۔ یہ لو میرج کرتا مگر خاندان اچھا نام والا ہوتا۔ ہمارے اسٹینڈرڈ کا ہوتا تو شاید معاملہ دب جاتا مگر اب۔''

راحیل نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''مائنڈ نہ کرنا راحی! آپ کی تو ساری فیملی ہی ابنارمل ہے، ہر کسی کی دنیا الگ ہے۔ الگ سوچ ہے، نخرے ہیں کہ...... توبہ ہے۔ خیر چھوڑیں۔ آپ اب ریلیکس ہو جائیں، فی الحال اس بات کو بھول جائیں، میں خود ہی مناسب وقت میں سب کو بتا دوں گی۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔''

اور پھر شہرین کی حوصلہ افزا باتوں سے راحیل چپ ہو گئے۔

☆......☆......☆

شہرین نے درست کہا تھا کہ اس گھر میں سب کی اپنی اپنی دنیائیں تھیں۔ ہر کوئی اپنی دنیا میں گم تھا۔ خواہ خوش تھا یا ناخوش۔

نجل کمرے کی لائٹ آف کیے کھڑکی سے اندر جھانکتے چاند کو دیکھتے ہوئے کتنی ہی دیر سے تیمور کے بارے میں سوچ رہی تھی اچانک اس نے وال کلاک پر نظر ڈالی۔ دس بج رہے تھے۔ وقت تو نامناسب تھا مگر وہ حنا کو بتائے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے نمبر ملا دیا حنا کا۔

''ہیلو ہاں حنا! میں ہوں نجل۔!'' خوش قسمتی سے دوسری طرف ریسیور حنا کے ہاتھ ہی میں تھا نجل نے شکر ادا کیا۔

''خیریت، اس وقت'' حنا کو حیرت ہوئی جواب میں نجل نے ساری بات اسے بتا دی۔

''ہاں۔ بس یوں ہی بہت دل بوجھل ہو رہا تھا۔ تم سے بات کر کے ہی میرا بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ تم نے مائنڈ تو نہیں کیا اس وقت فون کرنے پر۔''

''کیسی غیروں والی بات کر دی تم نے۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں نجل!

خبردار جو آئندہ غیروں جیسی بات کی تو...... اور تمہارا جب جی چاہے، دل بوجھل ہو، فون کر لیا کرو خواہ رات ہو یا دن۔ اب کہو، کیا بات ہے؟''

حنا اس کے گھر کے ماحول کو بڑی اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔ دم گھٹنے والی فضا تھی۔ ان کے گھر

میں۔ ایک جگہ رہتے ہوئے کسی کو کسی کا خیال نہیں تھا، نہ احساسات کا خیال تھا نہ حال احوال کی خبر تھی۔

نجل نے اس روز والی ملاقات اور تیمور کے بگڑے ہوئے تیور کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔

''اچھا، اس نے یہ بات کہی مگر کیوں؟ تم دونوں کے درمیان تو کبھی بات بھی نہیں ہوئی تو پھر اس خودساختہ خفگی کے کیا معنی ہو سکتے ہیں؟''

''پتا نہیں حنا! کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ میں ایک طرف جذبوں کے جنگل میں...... اکیلی ہی بھٹک رہی ہوں اور ایک وقت آئے گا کہ میں اسی جنگل میں کھو جاؤں گی۔ بھٹک جاؤں گی۔ وہ سسک سی پڑی۔ اس کی زندگی میں کچھ بھی رونق نہیں تھی۔ نیا پن نہیں تھا جینے کی کوئی امنگ نہیں تھی۔ بڑی بہنوں کا انجام ہروقت سامنے رہتا۔

''نجل! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں خود بات کروں گی تیمور سے پوچھوں گی اس سے کہ اس نے یہ بات کیوں کی؟

بھلا یہ بھی کوئی تک ہوئی۔ حنا! کیا تم اپنی نجل کو اس کی نظروں میں گرانا چاہتی ہو، جس نے اشارتاً بھی کسی بات کا اظہار نہیں کیا۔ اسے تو پروا بھی نہیں اور میں اس کی خفگی کو اتنی اہمیت دے رہی ہوں۔ بس تم کچھ نہیں کہو گی۔ وہ تو یوں ہی دل بوجھل ہو گیا تھا۔ تو تم سے حال دل کہہ لیا۔ ورنہ میں جانتی ہوں، میرا انجام میری بہنوں سے مختلف تو نہیں ہو گا۔''

نجل پلیز، مت کرو ایسی باتیں، خدا نہ کرے کہ تمہارا انجام ایسا ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر امید رکھنی چاہئے ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا حنا نے نجل کو تسلی دی۔

''حنا! اچھے دوست بھی اللہ تعالیٰ نے کتنی بڑی نعمت بنائے ہیں کہ جن سے بات کر کے جی کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے......... سچ تمہاری باتیں تو میرے لئے وٹامن کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نجل سب کچھ حنا سے کہہ دینے کے بعد اور اس کی ہمت افزا باتیں سننے کے بعد اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔

''اچھا تو میں نے آپ کو یہ وٹامن کی ڈوز پتا ہے اس لئے دی ہے کہ کل آپ یونیورسٹی آئیں، کل لیب ہے؟''

''ہاں۔ ہاں کیوں نہیں او کے پھر میں نے تمہارا بہت وقت لیا خدا حافظ۔''

نجل نے مسکرا کر کہا اور ریسیور رکھ کر جیسے ہی اٹھی دروازے میں شہرین کو کھڑا دیکھ کر ایک بھربھری سی آ گئی اسے شہرین کے چہرے پر تحریر ہی ایسی تھی مشکوک سی۔

''کس کا فون تھا اس وقت؟'' وہی چہرے پر تناؤ، لہجہ مشکوک

''حنا کا تھا۔ پوچھ رہی تھی۔ کل یونیورسٹی آؤ گی یا نہیں۔''

نجل اس کے انداز سے متاثر ہوئے بغیر نارمل انداز میں بولی۔

''حنا کا فون تھا۔ واقعی ساڑھے گیارہ بجے؟''

شہرین نے وال کلاک پر نظر ڈال کر کچھ اس انداز سے کہا کہ وہ تلملا کر رہ گئی مگر ضبط کر گئی کیونکہ سمجھداری کا یہی تقاضا تھا۔

''جی ہاں، حنا ہی کا فون تھا۔ اس نے نہیں، میں نے کیا تھا۔ ورنہ وہ وقت کا بہت خیال رکھتی

ہے۔'' نجل نے بھی اسی انداز میں تیکھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم لوگ بھی وقت کا خیال رکھا کرو۔ ماں باپ سمیت وقت سے لاپروا ہیں سب یہاں۔ اگر وقت کی پروا کی ہوتی تو...... شاید بہت پہلے اس گھر کی خلاصی ہو چکی ہوتی۔''

شہرین نے آمنہ اور فاطمہ کو ایک ساتھ اندر آتے دیکھ کر زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر کہا تو آمنہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''شہرین۔! اگر ہمیں اور ہمارے والدین کو وقت کا احساس نہیں تو احساس تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو بھی نہیں کہ وقت سے پہلے ہی تمہیں تمہاری عمر سے تگنی عمر کے شخص کے ساتھ بیاہ دیا۔''

ہر قسم کے جذبات احساسات کے برداشت کرنے کی ایک حد ہوتی ہے اور جب برداشت کا پیمانہ بہت زیادہ بھر جائے تو چھلک ہی پڑتا ہے۔ آمنہ اور شہرین کی تو شروع دن ہی سے نہیں بنی تھی اور اس وقت بھی اس کی نامناسب بات پر آمنہ چپ نہ رہ سکی، جبکہ فاطمہ بری طرح گھبرا گئی۔ وہ کبھی پریشان ہو کر شہرین کو دیکھتی اور کبھی آمنہ کو۔

''میری اور راحیل کی شادی ایک بزنس ڈیل ہے۔ شاید آپ لوگوں کو اندازہ نہیں کہ اس شادی سے آپ کے پپا کو کتنا فائدہ ہوا ہے۔'' شہرین ایک ایک لفظ چبا کر بولی۔

''ہاں، ہمارے پپا نے تو تمام عمر بزنس ہی کیا ہے لیکن گھاٹے کا سودا پہلی بار کیا ہے۔'' آمنہ نے بھی بڑی کاری ضرب لگائی، جس کے نتائج خطرناک تھے۔ اس نے شہرین کو گھاٹے کا سودا کہا تھا۔ کوئی معمولی غلطی نہیں کی تھی۔ اس کی سنگینی کا اندازہ فاطمہ اور نجل کو بھی ہو گیا۔ فاطمہ جلدی سے درمیان میں آ گئی۔

ارے بھئی، کیا بچوں کی طرح لڑ رہے ہو، آمنہ! تمہیں تو بے وجہ غصہ آ جاتا ہے۔''

''یہ مانا کہ میں عمر میں آپ تینوں سے چھوٹی ہوں مگر رشتے میں سب سے بڑی ہوں۔ اس لئے مجھے سب بھابی جان کہا کرو۔ رہی بات گھاٹے کی تو یہ بھی پتا چل جائے گا کہ گھاٹے کا سودا ہوا یا۔ شہرین نے نخوت سے آمنہ کو سر سے پیر تک دیکھا۔

''ہونہہ! جان آپ صرف اپنے سے تگنی عمر بڑے شوہر کی ہیں بھابی صاحبہ۔''

''آمنہ۔ آمنہ! تم بہت بول رہی ہو، چلو اپنے کمرے میں اگنور کیا کرتے ہیں۔ چلو شاباش، بری بات ہے۔ جھگڑا نہیں کیا کرتے۔ شہرین۔ سوری بھابی جان! آپ بھی درست کہتی ہیں، بھلا عمروں سے کیا ہوتا ہے۔ اصل بات تو رشتے کی ہے اور آپ رشتے میں ہم سب سے بڑی ہیں۔ آمنہ! چلو اب۔''

فاطمہ نے آمنہ کو اس کے کمرے کی طرف دھکیلا وہ کسی صورت بھی جھگڑا پسند نہیں کرتی تھی۔

ہونہہ بے چاریاں! شہرین سیڑھیاں اترتے ہوئے بڑبڑائی۔

''آمنہ! ایسا نہیں کرتے وہ اس گھر کی بہو ہے اور......''

''اور ہم اس گھر کی باندیاں...... ہے ناں فاطمہ بجو! اب میں کچھ برداشت نہیں کروں گی۔ مما پپا کو انصاف کرنا ہو گا ہمیں ہمارا حق چاہئے۔ محرومیاں سہنے کیلئے ہم اور عیش کرنے کیلئے بہو، بیٹے میں اب کسی کو اپنی حق تلفی کرنے نہیں دوں گی۔

جب سے شہرین گھر میں آ گئی تھی اور اس کا رویہ دیکھا تھا۔ آمنہ نے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ وہ شروع ہی سے جارحانہ عزائم کی مالک رہی تھی۔ فاطمہ بے بسی سے اسے دیکھتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی کیونکہ کسی

کو سمجھانا اس کے اختیار سے باہر تھا۔ اسکے اپنے اختیار میں تو اس کا اپنا آپ تھا۔ اپنے احساسات تھے۔

حنا سے بات کر کے تجل کچھ دیر کے لئے پر سکون ہوگئی تھی، مگر اب پھر دل بوجھل ہوگیا تھا مگر یونیورسٹی جانے کا خیال خوشگوار جھونکا بن کر پر سکون کر گیا۔ وہ صبح کیلئے کپڑے استری کرنے لگی۔

شروع کے تین پیریڈ فری تھے۔ آج صرف لیب تھی۔ حنا اور تجل نے سوچا کہ کینٹین سے ہو آئیں۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" آصف اور حسن بھی کسی کونے سے برآمد ہوئے۔

"ہم تو خیر ذرا کینٹین تک جا رہے ہیں۔ البتہ لگتا ہے کہ حسن صاحب کہیں اسپیشل میٹنگ پر جا رہے ہیں۔" تجل نے حسن کو دیکھا جو آج خوب ڈریس اپ ہو کر آیا تھا۔

"ارے تم لوگوں کو نہیں پتا؟ تم نے ان کو نہیں بتایا۔"

آصف نے حیران نظروں سے پہلے ان کو پھر حسن کو دیکھا جسکے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

"ارے بھئی۔ کیا ہوا ہے جلدی بتاؤ۔" دونوں بے قرار ہوگئیں۔

"خوش خبری یہ ہے کہ حسینہ مان گئی ہے۔"

"نہیں۔" دونوں چلائیں۔ حسن جھینپ گیا۔

"ہاں بھئی، سو فیصدی مان گئی ہے۔" آصف نے ساری تفصیل سے ان کو آگاہ کیا۔

"بدتمیز! اتنی اچھی خبر اب سنا رہے ہو، باسی ہونے کے بعد۔ بہرحال حسن! مبارک ہو۔ بہت بہت مبارک اب اللہ کرے۔ آغاز محبت کا انجام بھی بہت خوشگوار ہو، تم دونوں جیتے رہو۔"

حنا اور تجل کو بہت خوشی ہوئی تھی یہ سن کر۔ دونوں نے خلوص دل سے مبارکباد دیتے ہوئے پر خلوص دعائیں بھی دیں۔

"بہت بہت شکریہ۔ بہنوں کی دعائیں بہت قیمتی ہوتی ہیں۔"

"بھائی صاحب! خالی خولی دعاؤں کا شکریہ ادا کرنے کی نہیں ہو رہی۔ پہلے ہم اپنی ہونے والی بھابی کو دیکھیں گے، پھر ٹریٹ لیں گے۔"

"ہاں حسن! ہم پہلے فائزہ کو دیکھیں گے" تجل نے بھی حسن کی تائید کی۔

"میں بھی دیکھوں گی، میں بھی دیکھوں گی۔" ماریہ جو ابھی پوائنٹ سے اتری تھی۔ اس کے کانوں میں بس دیکھنے کی آواز پڑی تھی۔ وہ دیکھنے کا اشتیاق لئے آگے بڑھی۔

"جی کوئی ایسی دلچسپ فلم نہیں چل رہی کہ آپ دیکھیں گی۔"

کل کی ان بن کی وجہ سے آصف نے ماریہ کو دیکھ کر منہ بگاڑا۔

"آصف! خدا کے واسطے منہ مت بگاڑا کرو، قسم سے کئی کئی دن تک مجھے نیند نہیں آتی۔"

"اور ہر وقت آئینہ جو دیکھتی رہتی ہو، اس سے کچھ نہیں ہوتا۔" آصف نے پھر اسی انداز میں منہ بگاڑا۔

"ارے بھئی لڑو مرو نہیں ماریہ! میں بتاتی ہوں بات کیا ہے۔"

پھر حنا نے ساری بات بتا دی، تو ماریہ بھی خوش ہوئی۔

"مبارک ہو حسن! اب تو ٹریٹ پکی۔"

"ہاں ضرور، لیکن میں ذرا ان سے تو بات کرلوں۔"

او ہو ان سے...... ان سے بات کرلوں، کیا بات کریں گے ان سے۔"

وہ تینوں اس کا مذاق اڑانے لگیں تو وہ شوخی سے ہاتھ ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ ماریہ بھی پوائنٹ پر چڑھ گئی موسم بڑا اچھا ہو رہا تھا، گھنے بادلوں کے ساتھ نرم نرم پھوار سی دل میں عجیب سا احساس جگا رہی تھی لان میں ادھر ادھر تجل کی متلاشی نظریں جسے ڈھونڈ رہی تھیں وہ کہیں نظر نہیں آیا۔ البتہ حسن اور فائزہ نظر آئے۔ دونوں ہاتھ ہلا کر کینٹین میں آگئیں۔ اتنے اچھے موسم میں بھی پردے گرائے ہوئے ہیں۔ کیا سوچ رہی ہو تجل۔" حنا چائے کا کہہ کر آئی اور کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں حنا! سوچ رہی ہوں کہ بعض اوقات اندر اور باہر کا موسم ایک جیسا ہو جاتا ہے۔ بھیگا بھیگا سا ابر آلود۔" تجل نگاہوں کی تلاش بے سود ثابت ہونے پر تھک کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولی۔ تو حنا نے بغور اس کا چہرہ دیکھا، دل کا کرب چہرے پر عیاں تھا۔

"بری بات ہے، اتنی جلدی مایوس نہیں ہوتے۔ موسم ابھی نکھر جائے گا۔ چائے پیو۔"

حنا نے شوخی سے کہا، پھر دونوں لائبریری آگئیں تو دونوں کی پہلی نظر سامنے ہی ٹیبل پر بیٹھے تیمور اور علی پر پڑی۔

"دیکھا، موسم نکھر گیا ہے ناں؟" حنا نے اسکا ہاتھ دباتے ہوئے آہستگی سے کہا اور خود تیزی سے ان کی طرف بڑھی۔

"ارے آپ اور لائبریری میں یہاں تو پڑھنے والے آتے ہیں۔"

تیمور کچھ لکھ رہا تھا اس نے ایک نظر تجل پر ڈالی اور پھر لکھنے میں مصروف ہوگیا۔

"اچھا یہاں پڑھنے والے آتے ہیں تو پھر آپ کا یہاں کیا کام؟" علی کب ادھار رکھنے والوں میں سے تھا تڑ سے بولا۔

"تیمور! دوستی کے معاملے میں آپ بڑے بدذوق واقع ہوئے ہیں۔" حنا نے علی کو چڑانے والے انداز میں کہا۔

"ارے واہ مس حنا! میرے اور آپ کے خیالات اکثر مل جاتے ہیں میں بھی تجل سے کہنے ہی والا تھا کہ آپ جیسی باذوق لڑکی کا انتخاب ایسی دوست۔"

"اچھا زیادہ باتیں نہ بنایا کریں...... خوامخواہ میں بداخلاق تو اتنے ہیں کہ بیٹھنے تک کو کہا نہیں، بیٹھو تجل۔"

ایک کرسی پر خود سیٹ ہوتے ہوئے دوسری حنا نے تجل کیلئے نکالی، مگر وہ کھڑی رہی۔ تیمور مستقل ان لوگوں کو نظر انداز کر کے بے نیازی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ تجل کو یہ کب گوارا تھا کہ وہ نظر انداز بھی کی جائے اور آگے بھی بڑھے۔

"نہیں حنا! ہم نوٹس تیار کرنے آئے ہیں اور یہ لوگ بھی غالباً نوٹس تیار کر رہے ہیں۔ چلو آؤ۔ ہم اپنے سیکشن چلتے ہیں۔"

دانستہ تو نہیں مگر اتفاقاً تجل کی نظر تیمور کی فائل پر پڑی۔ وہ غالباً کسی شانی کو خط لکھ رہا تھا۔ اس نے صرف ڈیر شانی ہی پڑھا تھا، جانے کیوں دل بھر آیا تھا۔ یہ جذبے ہوتے ہی ایسے ہیں۔ کہ بظاہر کوئی تعلق نہ ہوتے ہوئے بھی...... خود ساختہ سفر طے کرتے ہوئے جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہے۔ بندہ یہ

جانے بغیر کہ جن کیلئے وہ یہ سب کر رہا ہے محسوس کر رہا ہے وہ ہمراہ ہے بھی کہ نہیں۔ تیمور بظاہر اپنے کام میں مصروف تھا مگر اس کے کان اور توجہ ان ہی کی طرف تھی۔

"تیمور! آپ پر تو صحبت کا بہت اثر ہوا ہے، نہ سلام نہ دعا۔ بے نیازی سے...... مصروف ہیں اپنے کام میں۔ مجھے لگتا ہے آپ کچھ خفا ہیں ہم لوگوں سے۔"

حنا کی بات پر تیمور نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور حنا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ایسی کوئی بات نہیں حنا! دراصل ایک بہت ضروری لیٹر لکھ رہا تھا۔ رہا سوال آپ لوگوں سے خفا ہونے کا تو...... تو میں سمجھتا ہوں کہ خفگی وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی تعلق ہو۔" تیمور نے ایک خاموش نظر نجل پر ڈالی، جو اسے ہی دیکھ رہی تھی مگر پھر جلدی سے دوسری طرف دیکھنے لگی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی بات کسی کے دل کے آر پار ہو گئی ہے۔

"واہ تیمور! یہ کیا بات ہوئی کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی تعلق ہی نہیں۔" حنا لڑاکا انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی مگر تیمور اب بھی ویسے ہی دھیمی سی مسکراہٹ لئے سنجیدہ تھا۔

"ہاں حنا! ہم لوگوں کا تعلق اس وقت تک ہے جب تک ہم یہاں ہیں۔ اپنی اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ڈگریاں لیں گے اور گھر جائیں گے، پھر اتنی سی دیر کے تعلق میں کیسا غصہ اور کیسی خفگی۔ ارے آپ ابھی تک کھڑی ہیں نجل! بیٹھئے ناں۔"

تیمور کی سنجیدگی، اس کا انداز سر سے پیر تک نجل کو توڑ گیا۔ آنکھوں کے کنارے بھیگنے سے پہلے وہ وہاں سے جانا چاہتی تھی مگر حنا بیٹھی ہوئی تھی۔

"میں آپ سے قطعی اتفاق نہیں کرتی تیمور! کہ ڈگریاں لے کر ہم اپنی اپنی راہ لیں گے اور سب ختم ہو جائے گا۔ جناب! ہم لوگوں کا یہ تعلق مضبوط بھی ہو سکتا ہے۔ بات صرف خلوص اور نیک نیتی کی ہے کیوں علی۔"

حنا نے اپنی بات کی تائید کیلئے علی کی طرف دیکھا جو تیمور کو گھور رہا تھا۔ مگر نجل کی حالت کوئی نہیں جانتا تھا۔

"حنا! یہ سب فضول کتابی باتیں ہیں، خلوص، محبت، چاہت سب فضول ہیں۔ میں تو بالکل بھی اعتبار نہیں کرتی کہ ان جذبوں کا کوئی وجود ہے۔ چلو اٹھو ہمیں بہت کام کرنا ہے آج۔"

نجل نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ تو تیمور اٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ میں علی بھی حیران کن نظروں سے نجل اور تیمور کو دیکھتا کھڑا ہو گیا۔

"نجل بالکل درست کہہ رہی ہیں حنا! واقعی یہ کتابی اور افسانوی باتیں ہیں۔ حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں چلو علی! خط پوسٹ کرائیں ڈاک نہ نکل جائے آج کی۔"

تیمور نے ایک گہری نظر خفا خفا سی نجل پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ نجل بس اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

زیب اور فائزہ میں دوستی کیا ہوئی تھی دونوں بے حد خوش تھیں۔ فائزہ کو تو زیب کے روپ میں مخلص دوست مل گئی تھی۔ وہ حسن کی تمام باتیں اسے بتاتی اور زیب کے دیئے ہوئے مشورے اتنے اچھے

اور باوقار ہوتے کہ جس سے حسن کی نظروں میں فائزہ کے وقار میں اضافہ ہوتا۔

"تو پھر انکار کر دوں زیب!"

وہ ہر روز ایک نئے مشورے کیلئے زیب کے پاس موجود ہوتی۔

"ہاں۔ بالکل صاف انکار کر دو۔ دیکھو فائزہ! کسی خاص تعلق کے بغیر یوں لڑکے، لڑکی کا گھومنا، ہوٹلنگ کرنا، تفریح گاہوں پر جانا انتہائی غلط اور نامناسب بات ہے۔ ایسی لڑکیوں کے بارے میں دوسروں کی رائے تو غلط ہوتی ہی ہے خود لڑکے کی نظروں میں لڑکی کی عزت نہیں رہتی۔ پہلے تو لڑکے انجوائے کر لیتے ہیں، پھر بعد میں خود ہی لڑکی کو طعنے دیتے ہیں کہ تم تو وہ ہو کہ شادی سے پہلے ہر جگہ گھومتی رہیں، میرے ساتھ گھومی ہو تو جانے کس...... نہیں فائزہ! میں تمہیں قطعی مشورہ نہیں دوں گی۔ تم کہیں باہر اس کے ساتھ گھومنے جاؤ۔ بلکہ میرا تو مشورہ ہے کہ تم یونیورسٹی میں بھی اس سے روزانہ نہ ملا کرو اور نہ فون پر زیادہ بات کیا کرو۔ لڑکی کو ہر قیمت پر اپنا وقار برقرار رکھنا چاہئے۔ تب ہی یہ لوگ عزت کرتے ہیں۔"

"اور اگر نہ ملنے پر یا ساتھ نہ جانے پر وہ خفا ہو گیا تو؟"

فائزہ کا اپنا یہ ہی ارادہ تھا کہ اس کے ساتھ نہیں جانا۔ مگر زیب سے مشورے کے بعد وہ پرسکون تو ہو گئی مگر حسن کی خفگی کا بھی خیال تھا۔

"نہیں فائزہ! جس طرح وہ اب تک ثابت ہوا ہے اس کو مائنڈ کرنے کے بجائے تمہارے انکار پر خوش ہونا چاہئے اور ممکن ہے، وہ تمہیں آزما رہا ہو۔ بہر حال تم انکار کر دو کہ میں کسی تعلق کے بغیر تمہارے ساتھ کہیں گھومنے نہیں جا سکتی۔ اچھا میں اب چلوں۔ پتا ہے مامی اب یوں بھی مشکوک ہو گئی ہیں کہ میں تمہارے کمرے میں زیادہ کیوں آنے لگی ہوں۔" زیب چائے کے برتن اٹھاتے ہوئے بولی۔

"زیب! یہ میں تمہارے لئے لائی تھی۔"

فائزہ نے ایک خوبصورت سا سوٹ پیس زیب کی طرف بڑھایا تو زیب حیران نظروں سے پہلے فائزہ کو، پھر بڑھتے ہوئے سوٹ پیس کو دیکھنے لگی۔ اسے بچپن کی ایک تلخ یاد آ گئی جب فائزہ کا ایک بہت ہی خوبصورت فراک دیکھ کر اس نے بھی امی سے ضد کی تھی۔ شاید پہلی اور آخری ضد تھی کہ وہ بھی فائزہ جیسا فراک پہنے گی مگر مامی نے اس کی دھنائی کر ڈالی تھی کہ تم میری اکلوتی بیٹی کا مقابلہ کرتی ہو۔

"ارے نہیں فائزہ! میرے پاس بہت کپڑے ہیں۔"

زیب کترا کر آگے بڑھنے لگی، مگر فائزہ سامنے آ گئی۔

"ہاں، بہت کپڑے ہیں، تم لوگوں کے پاس ہم سب کی اترن۔ دیکھو زیب! ہو سکتا ہے تمہارے ذہن میں یہ بات ہو کہ شاید میں اپنے مطلب کیلئے۔ تو ایک اعتبار سے یہ بھی درست ہے کہ ایسے اچھے، مخلص دوست کہاں سے ملتے ہیں لیکن یقین کرو، محبت نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب مجھے سب اچھے لگتے ہیں۔"

وہ اس کے گلے لگ گئی تو زیب کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ کتنی محرومیاں تھیں ان کی زندگیوں میں۔

"ایسی باتیں نہ کرو فائزہ! بہنوں کی بھی کوئی اترن ہوتی ہے۔ تمہاری خوشی ہے تو میں یہ سوٹ ضرور سیوں گی اور پہنوں گی۔ تم شرمندہ نہ ہوا کرو۔ میرا تو ایمان ہے کہ نفرت کی فولادی فصیلیں کتنی مضبوط کیوں نہ ہوں محبت کی نرم پھوار بھی ان میں شگاف ڈال سکتی ہے اور فصیل میں شگاف تو پڑ ہی گیا ہے اب

یہ فصلیں بھی گر جائیں گی۔"

خوشی اور طمانیت کے ڈھیر سارے آنسو زیب کے رخساروں پر پھیل گئے۔ فائزہ نے اپنے ہاتھوں میں جذب کر لئے۔

"ان شاء اللہ!" اس نے خلوص سے کہا زیب باہر آئی تو آسیہ بیگم ادھر ہی آ رہی تھیں۔

"یہ تم فائزہ کے کمرے میں اتنی دیر تک کیا کرتی رہتی ہو؟"

"امی! اسے کچھ نہ کہیں میں نے روکا ہوا تھا۔ الماری اتنی گندی ہو رہی تھی وہ صاف کروائی ہے کپڑے استری کروائے ہیں ہاں زیب کل میرے دو سوٹ کاٹ دینا۔"

زیب کے کچھ کہنے سے قبل ہی فائزہ نے کمرے سے سر نکال کر کہا اور پھر اندر چلی گئی۔ زیب ممنون نظروں سے بند دروازے کو دیکھتی اپنے کمرے میں آ گئی اور سب کچھ نسیمہ بیگم کو بتا دیا۔

اچھا، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں بھی عزت دی۔ ویسے فائزہ کی طبیعت تو شروع سے اچھی ہے لیکن تم نے اس مہربانی کی وجہ تو پوچھی ہوتی کہیں۔"

زیب چونکہ دوستی کی اصل وجہ چھپا گئی تھی اس لئے نسیمہ بیگم کو کچھ شک سا گزرنے لگا۔

"ارے نہیں امی! ایک روز میں اسکی الماری صاف کر رہی تھی پہلے مجھے خاموشی سے دیکھتی رہی پھر خود اس نے دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔ بھلا مجھے اور کیا چاہئے تھا۔ آج وہ میرے لئے یہ سوٹ بھی لے کر آئی ہے دیکھئے کتنا خوبصورت اور قیمتی ہے۔"

"ہاں ماشاء اللہ، بہت خوبصورت ہے۔ اب اللہ کرے وہ اسی طرح رہے۔"

نسیمہ بیگم کو کپڑے سے زیادہ فائزہ کی دوستی کا خیال تھا۔

"امی! ان شاء اللہ وہ ایسی ہی رہے گی۔"

"خدا تم لوگوں کو یوں ہی خوش رکھے۔ دائمی خوشیاں دے میرا رحمٰن۔ میرا فرخ اتنے اچھے نمبروں سے پاس ہوا ہے، اور میں اس قابل بھی نہیں کہ اسے انعام میں اچھا سا کوئی کپڑا ہی دلا دوں۔"

نسیمہ بیگم نے زیب کے روشن چہرے کو دیکھا، جب سے فائزہ کی دوستی ملی تھی وہ بھی بہت خوش رہتی تھی۔ زیب نے الماری کھول کر سوٹ رکھا اور کوریڈور میں جیسے ہی آئی سامنے سے آتے بلال پر نظر پڑی جو بائیک لاک کر کے چابی گھماتا پہلے تو اندر جانے لگا مگر جب اس پر نظر پڑی، شوخی سے مسکراتا ہوا ادھر ہی آ گیا۔ اس نے کترا کر اندر جانا چاہا مگر بلال نے راستہ روک لیا۔

اب کترا کر کہاں جایئے گا۔ محترمہ..... السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔ گھر میں سب کیسے ہیں۔ آنٹی، انکل، طلال بھائی، ندا، ردا اور جمال سب کیسے ہیں؟ وہ بری طرح گھبرا رہی تھی۔

"جب سب کے نام آتے ہی سب کے حال سے غرض ہے۔ اپنے بیمار کا حال بھی پوچھ لیا ہوتا مگر اس کی تو محترمہ کو پروا ہی نہیں۔

بلال نے منہ پھلا کر شکوہ کیا۔

"اس لئے کہ میرا بیمار خدا کے فضل سے ٹھیک ٹھاک میرے سامنے ہے"

وہ اس کی شوخ اور گہری نگاہوں سے بچتے ہوئے بولی۔

"قسم سے بہت ہی ظاہر پرست ہو۔ بس ٹھیک نظر آ رہا ہوں ناں..... بائی دا وے، آج چہرے پر کرنیں مسکرا رہی ہیں کیا بات ہے۔" بلال نے آج پہلی بار اسے یوں آسودہ اور پرسکون دیکھا تھا۔ سرخ شرٹ اور دوپٹے میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"بس ہے ایک بات بتاؤں گی لیکن ابھی نہیں۔"

وہ اسے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھی تو وہ پھر اس کے سامنے آ گیا۔

"ایسی کیا بات ہے؟ کہیں شعیب۔"

"بلال۔!"

زیب نے بلال کی بات پوری ہونے سے قبل ہی غصے سے کہا اور تیزی سے کچن کی طرف چلی گئی بلال اس کے پیچھے جانا چاہتا تھا مگر آسیہ بیگم آ گئیں۔

"آداب پھپھو!"

"جیتے رہو۔ کب آئے؟"

"جی ابھی۔ ابھی بائیک لاک کر کے ادھر ہی آ رہا ہوں، کیسی ہیں آپ! اور یہ شعیب وغیرہ کہاں ہیں؟ فائزہ بھی نظر نہیں آ رہی، انکل تو ٹھیک ہیں ناں۔"

وہ دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ زیب وہاں سے ہٹ گئی تھی ورنہ دونوں کی شامت آ جاتی۔ وہ ایک ہی سانس میں ڈھیر سارے سوال کر گیا۔

"اطمینان سے بیٹا! کیا ہو گیا ہے؟ سب ٹھیک ہیں۔ بیٹھو، تم سناؤ، بھیا بھابی کا کیا حال ہے، میرا بیٹا طلال کیسا ہے؟"

آسیہ بیگم کے لہجے میں طلال کا نام لیتے ہوئے شیرینی گھل جایا کرتی تھی۔ انہوں نے ہمیشہ طلال کو فائزہ کے دولہا کے روپ میں دیکھا تھا۔

"جی سب ٹھیک ہیں، طلال بھائی کی تو ٹرانسفر ہو گئی ہے کوئٹہ۔"

بلال کرسی کھینچ کر ان کے قریب بیٹھتا ہوا بولا۔

"تو ٹرانسفر ہو گئی اور بھابی نے کچھ بتایا بھی نہیں۔"

آسیہ بیگم کو بھائی، بھاوج پر غصہ آ گیا۔ ایک تو اب تک ان کی خاموشی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور ان کی یہ بات بلال کی بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"جی پھپھو! کیا کچھ نہیں کہا۔"

"بیٹا! تمہاری ماں نہیں سمجھ سکیں، تو تم کیا سمجھو گے۔ خیر تمہارے پیپر تو اچھے ہو گئے ہیں۔"

آسیہ بیگم نے پاندان گھسیٹ کر قریب کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی بہت اچھے ہو گئے ہیں، دعا کریں پاس ہو جاؤں۔ یہ شعیب کب تک آ جائے گا، کام تھا اس سے مجھے۔"

پتا نہیں چندا! دونوں بھائی نکلے ہوئے ہیں آتے ہی ہوں گے۔ زیب! زیب!

..... ایک تو یہ لڑکی کانوں میں روئی ڈالے رہتی ہے۔ مجال ہے جو ایک دو آواز میں سن لے۔ عمر بھر کا عذاب ہے۔ سوچا تھا شادی ہو جائے کچھ تو سکھ کا سانس لوں گی۔ وہ باپ بیٹا تو۔"

آسیہ بیگم غصے میں جانے کیا کیا کہہ دیتیں، اسی وقت زیب دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی آ گئی۔

"جی مامی۔!"

"لڑکی! کچھ ادھر ادھر کا بھی دھیان رکھا کرو۔ کچن میں گھس کر وہیں کی ہو جاتی ہو، یہ بھی خیال رکھا کرو کہ کوئی آیا ہے تو چائے پانی پوچھنا ہوتا ہے۔"

آسیہ بیگم نے پان منہ میں رکھتے ہوئے کہا تو بلال نے زیرلب مسکراتے ہوئے زیب کو دیکھا، جو صبیح چہرے پر خفگی اور برہمی لئے وہ بہت اپنی اور اچھی لگی۔ اس کا جی چاہا، اسے منا لے، لیکن کیا ستم تھا کہ جو اس کے دل کے نگر کی مہارانی تھی وہ ان سب کے حکم کی غلام تھی۔

"جی مامی! ابھی بنا کر لے آتی ہوں چائے۔" زیب جانے کیلئے مڑی۔

"صرف چائے مامی؟" بلال نے خفا خفا سی زیب کو دیکھا۔

"ارے تو چندا بتا دو ناں کیا کھانا ہے، بنا لیتی ہے۔" مامی نے محبت سے کہا۔

"موسم بڑا زبردست ہو رہا ہے بارش ہونے والی ہے پکوڑے یا گلگلے بنا سکتی ہو زیب؟" بلال براہ راست اس سے مخاطب ہوا۔

"جی!" وہ مڑے بغیر بولی اور تیزی سے کچن کی طرف بڑھ گئی۔ بلال اسے منانا چاہتا تھا اور موسم کا تقاضا بھی یہ ہی تھا کہ اپنے روٹھے سجن کو منایا جائے۔

"پھپھو! فرج بنا دیا یہاں سے، پانی پینا تھا۔"

بڑی سوچ بچار کے بعد یہ بہانا ہاتھ آیا تھا، کچن میں جانے کا۔

"ہاں بیٹا! بڑی مشکل ہوتی تھی، یہاں سے کچن تک خاصا فاصلہ ہے اس لئے پرسوں کچن میں رکھوا دیا ہے۔ رکو، میں زیب سے کہتی ہوں تمہیں پانی دے جائے۔"

آسیہ بیگم نے جیسے ہی زیب کو آواز دینے کیلئے منہ کھولا بلال کھڑا ہو گیا۔

"ارے رہنے دیں پھپھو! کام کر رہی ہے، ویسے ہی کام دیر سے کرتی ہے، میں خود پی آتا ہوں۔"

بلال کو بہانا مل گیا تھا وہ آہستگی سے کچن میں چلا آیا زیب دروازے کی طرف پشت کئے پکوڑے بنا رہی تھی۔ دوسرے چولہے پر چائے رکھی تھی وہ اس خفا خفا سی زیب پر ایک نگاہ ڈال کر ایک دم اس کے سامنے کھڑا ہوا۔ زیب نے ایک نظر دیکھا اور پھر رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

"بہت خفا ہو زیب؟ بلال نے اس کے ہاتھ سے برتن لے کر الگ رکھے اور اسکے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لئے تو وہ موسلا دھار بارش کی طرح برس پڑی۔

"آپ کے پاس اس سے بری کوئی گالی نہیں تھی میرے لئے۔"

"خدا گواہ ہے زیب! کہ میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ محض تمہیں چھیڑنے کیلئے میں نے کہہ دیا اور یوں بھی موسم ایسا ہو رہا ہے تو ایسے میں تو اپنے پیارے کو منانا بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے سوچا کیوں نہ پہلے ناراض کیا جائے پھر منایا جائے۔ چلو، اب معاف کر دو ناں ایسا نہ ہو کہ قربت کی گھڑیاں جو اتنی دعاؤں کے بعد نصیب ہوئی ہیں رائیگاں چلی جائیں۔ چلو اب آنکھوں کی برسات ختم

کرو۔ قدرتی برسات کا لطف ختم ہو رہا ہے۔ میرے ابا جان کی بھی توبہ! جو آئندہ کبھی شعیب کا نام لوں۔"

بلال اسے کتنی دیر تک مناتا رہا۔

"چلئے اب تو اس موسم کا تقاضا پورا ہو گیا کہ پہلے ناراض کیا، پھر منا لیا۔ اب جائیں۔"

وہ ڈر رہی تھی کہ شعیب کے آنے کا وقت بھی ہو رہا تھا کوئی بھی آ سکتا تھا۔

"اچھا! واہ خوانخواہ میں جاؤں۔ اتنی محنت کی منانے میں اور اب جاؤں میں تو یہیں رہوں گا۔ چلو گرم گرم پکڑے نکالو۔ ارے واہ تم بڑے مزے کے پکوڑے بنا لیتی ہو۔ چلو زندگی مزے دار پکوان کھانے میں گزرے گی ان شاء اللہ۔

وہ وہیں کرسی گھسیٹ کر گرم گرم پکوڑا منہ رکھتے ہوئے اسے شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا!

"بلال پلیز، چلے جائیں۔ وہ زچ ہو کر ملتجی لہجے میں بولی۔

"قطعی نہیں۔ آپ کے اس انداز پر میں جان تو دے سکتا ہوں مگر یہاں سے جاؤں گا نہیں ایک مدت کے بعد تو یہ موقع ہاتھ لگا ہے۔" وہ ضدی بنا بیٹھا تھا۔

"زیب چائے۔"

"بلال پلیز جائیے۔ شعیب آ گیا" زیب کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ شعیب کی آواز پر۔

"جاتا ہوں شعیب آ گیا ہے یہ رقیب روسیاہ جانے کب پیچھا چھوڑے گا۔ ایک دفعہ تم میری ہو جاؤ پھر دیکھوں گا کیسے تمہارا نام لیتا ہے۔"

بلال نے ہاتھ میں پکڑا پکوڑا ابھی واپس رکھ دیا تو زیب دل مسوس کر رہ گئی۔ ابھی کچھ دیر پہلے کتنا خوش اور فریش لگ رہا تھا وہ بڑبڑاتا ہوا جیسے ہی باہر نکلا شعیب سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"اوہو، تو بلال صاحب آئے ہوئے ہیں لیکن سب تو اندر ہیں۔"

شعیب کے لئے اس کا کچن سے برآمد ہونا ہی ہر راز کھول دینے کی مترادف تھا۔

"پانی۔ پانی چاہئے تھا۔ فائزہ اپنے کمرے میں ہے۔ زیب کام کر رہی ہے، میں نے سوچا خود ہی پانی پی آؤں۔" بلال کیلئے ایسے لمحات ......اذیت ناک ہوتے، جب اسے لفظوں کے ہیر پھیر سے زیب کو محفوظ رکھنا پڑتا۔

"پی لیا پانی یا۔؟" شعیب نے چبھتے لہجے میں پوچھا تو بلال کا جی چاہا، کہہ دے کہ تم اس طرح چھان بیان کرنے والے کون ہو، مگر اسے اپنی پروا کب تھی۔ وہ تو زیب کا کردار بے داغ دیکھنا چاہتا تھا۔

"میں تمہارے پاس آیا تھا۔ کچھ نوٹس تمہارے پاس رکھے ہیں فائنل ایئر کے یا نہیں۔" بلال اس کی بات کو نظرانداز کرتا ہوا بولا۔

"نہیں، میں نے سب دے دیئے۔ چلو چائے اندر پیتے ہیں، میرے کمرے سے بارش کا موسم اور زیادہ اچھا اور خوشگوار لگتا ہے۔"

شعیب نے ایک تیز نظر زیب پر ڈالی جو ٹرالی سجائے اندر لے جا رہی تھی۔ شعیب کی نظریں وہ اپنے وجود کے آر پار محسوس کر رہی تھی۔ بعد میں جو اسے کچوکے لگنے تھے، ان کی اذیت وہ ابھی سے محسوس کر رہی تھی۔

"نہیں یار! میں اب چلوں گا۔ رات کو وہ لڑکا نوٹس لینے آئے گا۔ او کے۔ اچھا پھپھو جان!

خدا حافظ۔" وہ شعیب سے ہاتھ ملانے کے بعد آسیہ بیگم کے سامنے جھکا۔

"خدا حافظ بیٹا! بھائی بھابی کو سلام کہنا اور...... اچھا خیر رہنے دو۔ میں خود ہی بات کرلوں گی۔ جاؤ، اللہ کی امان میں۔"

اس کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ کچھ کہنے تو لگیں، مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہوگئیں۔

زیب شوکت صاحب کو چائے دے کر آئی تو بلال بائیک اسٹارٹ کرچکا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی یہ شخص جو اس کا سب کچھ تھا وقت کے ہاتھوں اتنا مجبور تھا کہ اس کو اپنا کہہ نہیں سکتا تھا پھر اس کی باتیں یاد آنے لگیں۔

"وہ جاچکا ہے زیب مراد صاحبہ۔"

شعیب نے آکر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونک کر سیدھی ہوگئی۔ تمہارے کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گئی۔ وہ ان راہوں سے کترا کر گزرتی جہاں شعیب ہوتا مگر شعیب کو اس کی خوشی کیسے بھا سکتی تھی۔ بلال کے نام کی ہر خوشی وہ زیب سے چھین لینا چاہتا تھا۔ اس لئے وہ اسکے پیچھے کچن میں چلا آیا اور اسی کرسی پر براجمان ہوگیا جس پر کچھ دیر قبل بلال بیٹھا تھا۔

"ہوں۔ تو آج خوب موسم انجوائے کیا گیا ہے۔ کیا کیا باتیں ہوئیں۔ ہجر وصال کی باتیں۔ عہد و پیمان کی باتیں ایک ساتھ مرنے جینے کی باتیں۔"

"شعیب بھائی پلیز۔ آپ کو کوئی حق نہیں اس طرح میری انسلٹ کرنے کا۔"

وہ جو بڑے صبر اور ضبط کے ساتھ اس کی ہر بدتمیزی برداشت کرتی تھی لیکن اتنی غلط باتیں وہ برداشت نہ کرسکی تو چیخ پڑی۔ وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم اور میرے سامنے اتنی اونچی آواز میں بات کرو یہ ہمت اسی کی دی ہوئی ہے تمہیں۔ عادی نہیں ہوں میں اس قسم کے لہجوں کا اور رہی بات حق کی تو اب تمام حقوق لے کر ہی تم سے بات کروں گا اور پھر کسی اور کو کوئی حق نہیں ہوگا تمہارا نام لینے کا۔"

شعیب نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا اور سیدھا شوکت صاحب کے کمرے میں آیا۔

زیب دل ستم زدہ کو تھامے آنے والے وقت سے ہراساں اپنے کمرے میں آگئی۔

"آداب ابو!" وہ موڈ بہت فریش کرکے اندر آیا تھا۔

"جیتے رہو، آؤ بیٹا!" جب سے اس نے زیب کا نام لیا تھا اس نے خود کو باپ کے سامنے خوب اچھا ثابت کرنا شروع کردیا تھا تاکہ وہ انکار نہ کریں۔ یہی وجہ تھی کہ شوکت صاحب اب اس سے بہت خوش بھی تھے۔ اس نے بزنس بھی سنبھال لیا تھا۔

"ابو!" اتنا زبردست موسم ہورہا ہے اور آپ اندر بند ہیں۔"

شعیب نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھولتے ہوئے کہا۔ تو شوکت صاحب مسکرا پڑے۔

"ارے بیٹا!" اس قسم کے موسم تو جوان لوگوں کیلئے ہوتے ہیں...... دن، موسم تم لوگوں کے ہیں تم لوگ انجوائے کرو لیکن لگتا ہے تم کچھ کہنا چاہتے ہو۔"

شوکت صاحب نے خود ہی پوچھ کر اس کی مشکل آسان کردی۔ وہ صوفے پر بیٹھا کچھ جز بز ہورہا تھا کہ بات کیسے کرے۔

"ابو!" وہ آپ سے زیب کے بارے میں بات ہوئی تھی کیا سوچا ہے آپ نے۔"

"اوہ ہاں......" شعیب کی بات پر شوکت صاحب جو نیم دراز تھے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اس معاملے پر جتنا انہوں نے سوچا تھا شاید ہی کسی مسئلے پر سوچا ہو۔ ان کو شعیب کی یا اس کی جذبات کی پروا نہیں تھی۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ ان کی مظلوم بہن کا دل نہ دکھے اور زیب جو انکو سب بچوں سے زیادہ عزیز تھی وہ ہرٹ نہ ہو۔ سدا خوش رہے۔

"ابو!" لگتا ہے آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں آیا حالانکہ میں ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ آپ کو شکایت نہ ہو مگر پھر بھی۔" شعیب نے شاکی لہجہ اختیار کیا۔

"بات تم پر اعتبار کی نہیں ہے، بیٹے! تمہاری ماں بھی تو راضی نہیں ہے اس رشتے پر۔"

"اس بات کا مجھے بھی اندازہ ہے ابو لیکن آپ تو راضی ہیں ناں۔ آپ پھپھو سے بات کریں۔ امی اگر نہ مانیں تو میں شادی کے بعد زیب کو لے کر الگ ہوجاؤں گا اور آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔"

وہ اٹھ کر ان کے قریب آبیٹھا۔ شوکت صاحب سوچ رہے تھے کہ اس طرح زیب نظروں کے سامنے بھی رہے گی، پرائے گھر کا کیا بھروسا کس طرح رکھیں اور پھر شعیب کی نمایاں تبدیلی نے اور بھی ہمت بڑھادی تھی۔

"بیٹا" انسان کو بس نیت اچھی رکھنی چاہئے۔ مجھے تمہاری ماں کی بھی خاص پروا نہیں۔ اگر نسیمہ مان گئی تو جلد ہی کوئی رسم ادا کرکے میں زیب کو اپنی بہو بنالوں گا۔ بس تم اسے خوش رکھنا۔" شوکت صاحب مصمم ارادہ کرچکے تھے نسیمہ بیگم سے بات کرنے کا۔

"ارے ابو! آپ بھروسا رکھیں ان شاء اللہ میں زیب کو خوش رکھوں گا۔ اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔

شعیب کی نگاہوں کے سامنے وہ منظر لہرانے لگا جب زیب اس کی دلہن بن جائے گی اور بلال محرومیوں، حسرتوں کی تصویر بنا کھڑا دیکھتا رہ جائے گا۔ تب کتنا مزا آئے گا۔ بلال کو نامراد دیکھ کر کتنا سکون ملے گا۔ یہ شاید کوئی نہیں جانتا۔

"اچھا بیٹے! تم فکر نہ کرو۔ میں جلد ہی نسیمہ بیگم سے بات کروں گا۔"

اور پھر اگلے ہی روز نسیمہ بیگم ان کے کمرے میں تھیں۔ آج ان کا وہ بھائی ان کی بیٹی کا سوالی بنا کھڑا تھا، جس نے مخالفت کے طوفانوں کے باوجود ان ماں بیٹیوں کا ساتھ دیا تھا۔ وہ تو کبھی جان بھی مانگتے تو وہ انکار نہیں کرتیں مگر انہوں نے اپنے اس بیٹے کیلئے ان کی جان سے بڑھ کر بیٹی کو مانگا تھا۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ شعیب جس نے ہمیشہ ماں کے کہنے میں آکر کیا کچھ نہیں کہا، ان لوگوں کو اور...... اور یہ ...... شعیب ہی تو تھا جس نے انکے بیٹے عمیر کو گھر سے نکالا تھا۔ زیب کو رلایا تھا۔ اب عمر بھر کیلئے اس کا طلب گار بن رہا تھا۔

"نسیمہ! میں سمجھ رہا ہوں کہ تم سوچ میں کیوں پڑ گئی ہو۔ اگر شعیب یا اس کی ماں کا رویہ درست رہا ہوتا، یا اس گھر سے خوشیاں ملی ہوتیں تو تمہارا چہرا خوشی سے روشن ہوجاتا۔ یوں سوچوں کی تاریکیوں میں نہ ڈوب جاتا۔" نسیمہ بیگم کو سوچتا دیکھ کر شوکت صاحب نے خود ہی کہا۔

''نہیں بھیا! یہ بات نہیں۔ دراصل بھابی شاید اس رشتے کو پسند نہ کریں اور پھر شعیب بھی تو۔''

''تمہارا کترانا اور گھبرانا بجا ہے نسیمہ! ٹھیک ہے۔ میں آسیہ کا کچھ نہیں کہہ سکتا مگر یہ شعیب کی اپنی خواہش ہے۔ میں نے خود تو خواہش ہونے کے باوجود اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ مگر شعیب نے خود اصرار کیا تو میں نے تمہارے سامنے بات کی ہے۔ آگے تمہاری مرضی۔ میں تمہیں کسی بھی فیصلے کیلئے مجبور نہیں کروں گا۔''

''شعیب نے خود زیب کیلئے اصرار کیا ہے۔''

نسیمہ بیگم کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ جو بات بے بات مخالفت کیا کرتا تھا۔ زیب کو تنگ کرتا تھا۔ اب اس کا طلب گار بن رہا تھا۔ نسیمہ بیگم کیلئے یہ صورتحال خوش کن بھی تھی اور پریشان کن بھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھیں۔ ایک طرف باپ جیسا شفیق بھائی تھا جس نے ہمیشہ ان کی حرماں نصیب بیٹیوں کا مان رکھا۔ خاص کر شذرا کو انہوں نے بہت چاہا تھا۔

''ہاں نسیمہ! وہ زیب کو بہت پسند کرتا ہے۔ جب اس نے پہلی بار مجھ سے اس بات کا اظہار کیا تھا میں بھی تمہاری طرح پریشان ہو کر سوچ میں پڑ گیا تھا۔ کیونکہ خدا گواہ ہے۔ میں نے زیب اور فائزہ میں کبھی فرق محسوس نہیں کیا۔ اگر میں فائزہ کیلئے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتا تو زیب شذرا اور صدف کیلئے کیونکر کر سکتا ہوں۔ شعیب بہت بدل گیا ہے۔ اس کے رویئے میں نمایاں تبدیلی آئی ہے اور اس نے یقین دلایا ہے کہ وہ ہمیں شکایت کا موقع نہیں دے گا اور پھر اس نے جانا کہاں ہے۔ ہمارے سامنے رہے گا۔ دیکھو نسیمہ! دباؤ نہیں، بس گزارش ہے کہ میری اس درخواست پر غور ضرور کرنا۔ میری زیب بیٹا میری نگاہوں کے سامنے رہے گی۔ میرا خیال رکھے گی تو زندگی کے باقی دن خوشی اور سکون سے گزر جائیں گے۔ تم جو فیصلہ بھی کرو اپنی مرضی سے کرنا تمہارا انکار بھی میرے لئے اقرار کی طرح اہم ہوگا۔''

شوکت صاحب نے بڑے خلوص سے دامن پھیلایا تھا۔ نسیمہ بیگم بہت کچھ سوچ چکی تھیں۔ یوں بھی شعیب اب قدرے سنبھل گیا تھا اور آئندہ اور بھی سدھر سکتا تھا اور سب سے بڑھ کر زیب اپنے ماموں کے قریب رہے گی پھر بھی وہ ہچکچا کر بولیں ''لیکن بھیا! بھابی شاید۔''

''بھاڑ میں جائے بھابی۔ اس نے زندگی کا ایک لمحہ بھی سکون سے نہیں جینے دیا مجھے۔ یہ میرے دل کی خوشی ہے نسیمہ! اس معاملے میں صرف مجھے تمہاری پروا ہے کسی اور کی نہیں جو تم فیصلہ کرو، اپنے بھائی کو سامنے رکھ کر کرو جو دل کا پہلے ہی مریض ہے اور......''

شوکت صاحب نے اس در بے اطمینان دلایا تو وہ قدرے مطمئن ہوئیں۔

''بھیا! میں آئندہ چند روز میں آپ کو جواب ضرور دے دوں گی۔ آپ فکر نہ کریں ان شاء اللہ ایسا فیصلہ ہوگا جو آپ کو خوش کر دے گا۔''

نسیمہ بیگم مسکراتے ہوئے باہر آ گئیں۔

☆......☆......☆

جواد کیا آ رہا تھا زاہدہ بیگم کے ہاتھ پیر پھول رہے تھے صبا اور ہما کو خوب ہدایات مل رہی تھیں کہ کس طرح ان کو بن سنور کر رہنا ہے۔

''امی! کیا خبر اس کی کیا پسند ہو۔ اور پھر وہ پاکستان دیکھنے آ رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ لڑکی پسند

کرنے آ رہا ہے۔'' ہما کو چڑ سی ہونے لگی تھی۔ مستقل جواد کے ذکر اور اس کے سلسلے میں ملنے والی ہدایات سے۔

''تم سب تو ہو ہی احمق! ارے...... جو لوگ ملک سے باہر سیٹل ہوتے ہیں ناں، اور جب شادیاں کرنی ہوتی ہیں تو اسی طرح لڑکیوں والے کسی رشتہ دار کے ہاں یہ کہہ کر آتے ہیں کہ ملک دیکھنے کو جی چاہ رہا ہے اور پھر اگر لڑکی پسند آ جائے تو بات آگے بڑھ جاتی ہے اور......''

زاہدہ بیگم جواد کے آنے کے دوہرے مقصد سے واقف تھیں۔ اس لئے بیٹیوں کو بھی سمجھا بجھا رہی تھیں۔

''امی! ہو سکتا ہے آپ کی یہ عام سی بیٹیاں آپ کے لندن پلٹ بھانجے کو پسند نہ آئیں پھر۔'' صبا نے الماری میں لگے آئینے میں اپنے سانولے رنگ اور معمولی نقوش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس تم تو اچھی طرح ایسی ہی باتیں کرنا۔ منحوس قسم کی۔''

صائمہ چڑ کر وہاں سے اٹھ گئی۔

''بدفال منہ سے نہیں نکالتے بیٹا! اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ انسان کو کوشش تو کرنی چاہئے ناں۔''

''ہاں امی! یہ شذرا صاحبہ کو بھی بلا کر کچھ سمجھا دیں۔ زبان ذرا کم ہی چلائے۔ ان کے سامنے نہ ہی اس کے ساتھ فری ہونے کی کوشش کرے۔''

صائمہ جاتے جاتے پلٹ کر ماں کو ہدایات دے رہی تھی۔

''ہاں، اس منحوس کا تو ہر وقت دھڑکا ہی لگا رہتا ہے لیکن میں بھی دیکھوں گی، کیسے بدتمیزی کرتی ہے۔ ذرا بات کر کے تو دیکھے جواد کے ساتھ، چوٹی سے پکڑ کر نکال باہر کروں گی۔ بہت ہو گیا رشتہ داری کا خیال۔''

اور پھر شذرا کی خاصی کلاس لی گئی۔ اسے ہدایات دی گئیں کہ کس طرح اسے جواد سے دور رہ کر ہر وقت الرٹ رہنا ہے۔...... اس کے منہ سے نکلنے سے قبل ہی کام کر دیا کرنا۔ شذرا کا خون کھول رہا تھا...... مگر اب اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ زبان سے کچھ کہہ کر برا نہیں بننا۔ اندر ہی اندر کچھ کر کے دل کی بھڑاس نکالنی ہے۔ اس لئے وہ جی۔ جی کرتی رہی۔

''سمجھ گئی ناں...... اب پرائے لڑکے کے سامنے مجھے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔''

زاہدہ بیگم نے حیرت سے اسے یوں سعادت مندی سے جی جی کرتے ہوئے اور قدرے ڈرتے ہوئے دیکھا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ شذرا پرخیال انداز میں مسکراتی لیٹ گئی۔

''مامی! آپ فکر نہ کریں آپ کے اس ولایتی بندر کا تو میں خوب خیال رکھوں گی۔ آخر آپ کے ٹکڑوں پر پلنے کا حق بھی تو ادا کرنا۔''

شذرا سامنے سے آتے فرخ کو دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے، میرا منا بھیا بہت خوش ہے۔''

''ہاں باجی! وہ اسد بھیا ہیں۔ میرا مطلب ہے، ان کا جو دوست میرا تعلیمی خرچ اٹھا رہا ہے اس نے کوشش کر کے میرا ایڈمیشن ڈی جے سائنس کالج میں کروا دیا ہے۔''

فرخ کی اولین خواہش تھی کہ ڈی جے میں ایڈمیشن ہو مگر میرٹ پر پورا اترنے کے باوجود

خاموش تھا کہ پسند و ناپسند پر ان لوگوں کو اختیار نہیں تھا، مگر اسے خبر بھی نہیں ہوئی، کب اسد نے اپنے تعلقات استعمال کر کے کالج...... میں اس کا ایڈمیشن کروادیا۔

"ہیں بچ...... اللہ اس نیک دل انسان کو سدا خوش رکھے، جو ہماری اس طرح مدد کر رہا ہے کہ ان دشمنوں کی مخالفت کے باوجود تم پڑھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسے زندگی کے ہر میدان میں، ہر امتحان میں کامیابی عطا کرے۔"

"آمین۔ آج کل اسے دعاؤں کی بہت ضرورت ہے۔ امتحان جو ہونے والے ہیں۔"

اسد نے اس کی ساری باتیں اور دعائیں سن لی تھیں۔ آخر میں آمین کہہ کر ہاتھ منہ پر پھیرے، تو شنذرا منہ بنا کر کھڑی ہوگئی۔

"شنذرا باجی! آپ میرے اس مہربان کیلئے خوب دعائیں کیا کریں، وہ بہت اچھا انسان ہے۔" فرخ اسد کو دیکھ کر مسکرایا۔

"حیرت ہے، نیک اور اچھے انسان کی دوستی۔ ہونہہ! لگتا ہے دوستی کے معاملے میں اس کا معیار اچھا نہیں گرا ہوا ہے۔"

شنذرا نے نخوت سے اسد کو دیکھا۔ اس کا جملہ اسے آگ لگا گیا۔

"ہاں گرا ہوا ہے، لیکن تم سے زیادہ نہیں۔ چلو فرخ! ایک تو تم سب بہن بھائی احسان فراموش بہت ہو، اس نے کہا تھا کہ آجانا ذرا۔"

اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی۔ اسد، فرخ کا ہاتھ پکڑے باہر نکل گیا۔ اگلا دن تو گویا روز عید تھا۔ سارے گھر کو دھویا گیا صاف ستھرا کیا گیا۔ شام ہی کو ماں کی ہدایت پر ہما، صبا تیار ہو کر بیٹھ گئیں۔

"اور یہ بڑی بوڑھیوں کی طرح دوپٹے نہیں اوڑھے رکھنے۔ دوپٹے سائیڈ میں ڈالنا اور۔"

"امی! میرا خیال ہے ان کے بال بھی سیٹ کروا دیئے جائیں۔ یہ کیا چوہے کی دم کی طرح چٹیا لٹکائی ہوئی ہیں۔"

"ہائے نہیں امی! میری چٹیا تو اچھی خاصی ہے موٹی سی۔" ہما نے جلدی سے اپنی چوٹی پکڑ لی۔"

"ہاں، بڑی اچھی لگتی ہے ناں۔ چڑیل لگتی ہے۔ خبردار جو چوں چراں کی تو۔" صائمہ نے ڈپٹ کر بٹھا دیا۔"

"امی! تیاری مکمل ہے پھر چلیں۔ گاڑی نکالوں۔"

اسد نے لاؤنج سے بلند آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں جان! نکالو، کہیں دیر نہ ہو جائے۔"

زاہدہ بیگم نے اپنی شوخ رنگ ساڑی کی فال درست کرتے ہوئے اپنا پرس اٹھا کر شانے سے لٹکایا۔

"چلو اسد! کیا یہ فرخ صاحب بھی جا رہے ہیں؟"

صائمہ نے لپ اسٹک کی ایک اور تہہ جماتے ہوئے فرخ کو دیکھا جو فوراً چور سا بن گیا۔

"جی ہاں، وہ جو آپ کے کزن ڈھیروں سامان لائیں گے وہ میں اٹھا کر گاڑی میں رکھوں

گا۔" اسد نے کہا چلو فرخ! گاڑی پر کپڑا مارو، مفت کی توڑتے رہتے ہو۔"

اسد نے فرخ کی اس خواہش کو کہ وہ ایئرپورٹ دیکھنا چاہتا ہے۔ یوں پورا کر دیا اور ایک طرف ماں بہن کو پرسکون کر دیا۔ اسے ملازم کی حیثیت دے کر لے جا رہا تھا اور دوسری طرف شنذرا کو آگ لگا دی۔ اب وہ مسکراتا ہوا شاہانہ انداز میں گاڑی کی طرف بڑھا اور یوں بھی فرخ کے بغیر وہ خود کو ادھورا سا محسوس کرتا۔ فرخ نے اس کے چھوٹے بھائی کی کمی پوری کر دی تھی جواد کا جہاز موسم کی خرابی کی وجہ سے ایک گھنٹہ لیٹ ہو گیا تھا۔ رات کے تقریباً دو بجے جواد آ گیا۔ تصویر کی وجہ سے پہچاننے میں وقت نہیں ہوئی۔ جواد بہت خوش اخلاق اور شوخ سا نوجوان تھا۔ زاہدہ بیگم اور صائمہ تو نثار سی ہو گئیں۔ خوبرو بھی تھا اور دولت مند بھی اور ان ماں بیٹیوں کو...... اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے تھا۔"

"اور چندا! میری بہن کیسی تھی' ابو کیسے ہیں۔ اور۔"

"آنٹی! سب ٹھیک ٹھاک ہیں۔ اب کس حال میں ہوں، یہ خبر نہیں اور آپ کیا کر رہی ہیں صائمہ باجی؟"

جواد نے خاص کر صائمہ کو مخاطب کر کے کہا۔ باجی کہنے پر وہ بے مزا تو ہوگئی مگر مجبوری تھی، مسکرا پڑی۔

"میں ایم اے کر رہی ہوں یونیورسٹی سے۔"

اور پھر وہ اسد کے ساتھ لگ گیا۔ گھر آ کر زاہدہ بیگم اس کے آگے بچھی جا رہی تھیں۔ جواد سے صبا اور ہما کا تعارف کچھ یوں کروایا کہ بس دونوں میں سے کسی ایک کو تو ضرور منتخب کر ہی لو۔

"مامی! کھانا لگا دوں، یا ٹھہر کر۔"

شنذرا نے نگاہ غلط بھی جواد پر نہیں ڈالی، براہ راست زاہدہ بیگم سے پوچھا۔

"اور آپ کی تعریف؟" جواد شوخی سے شنذرا کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ...... یہ ہماری ملازمہ......"

"اسد۔!"

☆......☆......☆

"اسد بیٹا! بری بات ہے۔" زاہدہ بیگم نے سرزنش کی۔ "نہیں۔ جواد بیٹے! یہ شذرا ہے۔ اس کی پھپھو کی بیٹی۔ چونکہ اس کے والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے یہ ہمارے پاس ہیں۔"

اسد کو کسی بھی غلط بات سے روکنے کے زاہدہ بیگم کے دو مقاصد تھے کہ ایک تو یہ کہ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اسد کوئی ایسی بات کرے اور شذرا اپنے انداز میں جواب دے اور جواد پر فرسٹ امپریشن ہی غلط پڑے اور دوسرے یہ بتانا مقصود تھا کہ شذرا ہمارے ٹکڑوں پر پلی ہے۔ اس کی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں۔

"او ہیلو۔ ہاؤ آر یو۔" جواد نے بڑی بے تکلفی سے شذرا کو مخاطب کیا۔ مگر شذرا نے اُک نظر اس پر ڈالی اور خاموش رہی۔

"شذرا صاحبہ! اتنی سی انگریزی سمجھ میں نہیں آئی۔ جواد نے حال احوال پوچھا ہے۔"

اسد نے چڑانے والے انداز میں کہا۔ مگر شذرا نے اس کی طرف دیکھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔

"اسد! لگتا ہے تمہاری کزن کوئی بھی زبان نہیں سمجھتیں۔"

جواد کی توجہ کا مرکز اس وقت شذرا ہی تھی مگر شذرا کے چہرے پر نو لفٹ کا بورڈ لگا ہوا تھا جو کسی کو بھی آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

"شذرا! تم جاؤ! جب کھانا لگانا ہو گا تو میں بلا لوں گی۔ کچھ دیر آرام کر لو...... اور ہاں تم اور فرخ کھانا چاہو تو کھا لو......"

زاہدہ بیگم نہیں چاہتی تھیں کہ شہابی رنگت اور تیکھے نقوش رکھنے والی خوبصورت سی شذرا زیادہ دیر جواد کی نظروں کے سامنے رہے۔ انہوں نے اسے یوں کہا گویا وہ ملازم ہو۔

شذرا کو جواد ایک آنکھ نہیں بھایا تھا۔ اس لئے وہ مزید کوئی فرمان جاری ہونے سے قبل وہاں سے بھاگ لی۔ اور فرخ کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"ہونہہ! نقلی انگریز، بھورا بندر۔"

براؤن بال، براؤن آنکھوں والا جواد اسے اچھا نہیں لگا تھا۔

"شذرا باجی! رہنے دیں آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے کچھ کہنے کی۔ کسی نے سن لیا تو۔ آپ کو پتا ہے جواد بھائی کتنے اہم ہیں ان لوگوں کے لئے۔" فرخ چھوٹا تھا مگر سمجھدار تھا۔ وہ ڈرتے ڈرتے اسے

سمجھاتا ضرور رہتا۔

"ہونہہ ہوا کرے اہم۔ دیکھ لینا، اس مامی اور صائمہ صاحبہ کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ چمکنے والی ہر چیز کو سونا سمجھ لینے والے لوگوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔"

"شذرا باجی! مت کریں ایسی باتیں۔ ہر کوئی اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ہمیں کیا کوئی کچھ بھی کرتا پھرے۔" اسد فرخ کے ساتھ اچھا تھا تو وہ اسد کے صدقے میں سب کی خطائیں معاف کرنے کا ظرف رکھتا تھا۔

"فرخ! کتنے خوش ہوتے ہیں ناں وہ لوگ جو اپنے گھروں میں چین سکون سے رہتے ہیں۔ ایک دن ہمارا بھی الگ سے گھر ہو گا۔ ہماری اپنی حکومت ہو گی۔ کوئی ہم پر حکم نہیں چلائے گا۔ ہم سب ہوں گے اپنی امی کے ساتھ۔ ہے ناں فرخ ایسا ہی ہو گا ناں۔"

شذرا کو بہت حسرت تھی کہ وہ لوگ اپنے گھر میں الگ رہیں۔ کوئی ان پر حکم چلانے والا نہ ہو۔

"انشاء اللہ باجی! ایسا ہی ہو گا۔ لیکن اس کے لئے آپ لوگوں کو انتظار کرنا پڑے گا۔ میں ذرا بی ایس سی کر لوں تو اسد بھیا۔ میرا مطلب ہے کہ ان کے دوست سے کہہ کر اچھی سی جاب ......"

"نہیں فرخ! تم بی ایس سی کرنے کے بعد سی ایس ایس کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں کامیاب کرے۔ ایک بار اس خاندان کو کامیاب ہو کر دکھا دو۔ تم کو ان سب کو نیچا دکھانا ہے۔ خاص کر اس منحوس اسد کو کچھ بن کر دکھا دو۔ فرخ میرے بھائی۔ تم ہمارا مان ہو۔ مرکز ہو۔ ہماری تمام خوشیوں کا، تمناؤں کا۔ بولو پورے کرو گے ناں ہمارے ارمان؟"

شذرا کبھی کبھی بہت حساس اور جذباتی ہوتی تو ایسی ہی باتیں کرتی۔

"ہاں، ہاں کیوں نہیں شذرا باجی! انشاء اللہ۔ میں اپنی ماں بہنوں کے سارے خواب پورے کروں گا۔ اللہ کے حکم سے۔ آپ بس دعا کیا کریں اور......"

فرخ نے شذرا کے ہاتھ تھام کر بڑے خلوص سے کہا۔ جواد کے آنے سے شذرا پر کام کا بوجھ کم ہو گیا تھا۔ کیونکہ زاہدہ بیگم صبا اور ہما کو آگے آگے رکھتیں کام کرنے کے لئے۔

"امی! آپ بھی کمال کرتی ہیں۔ وہ لندن میں پیدا ہوا۔ پلا بڑھا۔ اسے بھلا عورت کے سلیقے سے کیا غرض۔ ان کو کچھ ماڈ بنائیں۔ کچھ طور طریقے سکھائیں کہ لندن پلٹ بندہ پسند کرے۔ انگریزی ان لوگوں کی۔ اف توبہ امی! وہ اپنی عادت کے مطابق انگلش میں بات کر جاتا ہے اور ان محترماؤں کے سر پر سے گزر جاتی ہے بات۔ ہونق بنی ہڑ بڑا سے دیکھے جاتی ہیں۔" صائمہ نے کہا۔

"اچھا باجی! رہنے دیں آپ کو بھی تو بات سمجھ میں نہیں آتی۔"

صبا نے ادھار رکھنا مناسب نہ جانا۔ جھٹ منہ پر بات مار دی۔ تو وہ کھسیانی سی ہو گئی۔

"اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ اور یہ تم سے کس نے کہہ دیا کہ گھر میں یوں فل میک اپ میں رہو۔ جاؤ میک اپ اتارو۔" صائمہ کو بھی بدلہ لینے کا موقع مل گیا تھا۔

"کیا مشکل ہے۔ امی کہتی ہیں میک اپ کرو۔ میں لکھ کر دیتی ہوں وہ کسی کو پسند نہیں کرے گا۔" صبا کو منہ دھونا اس وقت اچھا نہیں لگا تھا۔

"اے ہے صائمہ! کیا بچیوں کی جان کو آ گئی ہو۔ میک اپ کر کے نقوش نکھر جاتے ہیں۔ لڑکی اچھی لگنے لگتی ہے۔ خیر چھوڑو ہما چندا! جاؤ۔ رات کے کھانے کا انتظام کرو۔ اسد اور جواد گھوم پھر کر آتے ہی ہوں گے۔"

"امی! یہ اسد بھیا ہمیں تو کہیں ساتھ لے کر ہی نہیں جاتے۔ حالانکہ جواد بھائی کہہ بھی رہے تھے اس لومڑ فرخ کو لے گئے اور ہمیں۔" ہما صبح سے خفا تھی کہ اسد فرخ کو لے گیا اور ان لوگوں کو چھوڑ گیا۔

"ارے رہنے دو بیٹے! یہ فرخ اور شنذرا تو عمر بھر کا عذاب ہیں' سہنا تو ہے۔ چلو جاؤ اور ذرا جواد کے سامنے ہی رہا کرو۔"

"ہونہہ! میں بھی دیکھوں گی جب وہ ٹین کا بندر تمہاری کسی بیٹی کو دلہن بنا کر لے جائے گا۔" میز پر برتن لگاتی شنذرا نے نفرت سے زاہدہ بیگم کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

جب سے جواد آیا تھا۔ شنذرا بہت محتاط ہو گئی تھی۔ بہت کم اس کے سامنے جاتی اور یوں بھی اس کی ڈیوٹی اب صفائی تک محدود ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی وہ صفائی کے بعد ڈسٹنگ میں مصروف تھی کہ جواد باتھ ٹاول میں آ گیا۔ شنذرا کو غصہ تو بہت آیا کہ سنا دے کہ یہ تمہارے مینرز ہیں مگر اس نے کچھ کہنے سے بہتر چلے جانا سمجھا۔ وہ جیسے ہی جانے لگی جواد سامنے آ گیا۔

"اوہ ہیلو! سویٹ گرل!" جواد دونوں بازو پھیلائے کہہ رہا تھا۔ شنذرا کا ضبط جواب دے گیا۔

"مسٹر جواد! یہ لندن نہیں ہے کہ اس طرح کا رویہ برداشت کر لیا جائے۔ اور میرا نام شنذرا ہے اور اگر کبھی مجھے اس نام کے علاوہ پکارا یا کوئی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔"

مارے غصے اور ضبط کے شنذرا کا چہرا سرخ ہو گیا۔ پیچھے سے آتے اسد کو آج پہلی بار شنذرا اچھی لگی۔ جواد کو اس کا یہ انداز بہت برا لگا۔ وہ کب عادی تھا ایسی باتوں کا۔ وہاں تو ماحول ہی اور تھا اور یہاں زاہدہ آنٹی اور صبا' ہما بچھی جاتیں۔ غصے سے شنذرا باہر نکلنے لگی تو اسد پر نظر پڑی۔

"ہونہہ جیسے میزبان ویسے مہمان۔" اس نے کہا ہی اتنی آواز میں تھا کہ وہ سن لے اور سن کر اسد کو پھر غصہ آ گیا۔

"کیوں جواد! خیریت تو ہے ناں اس بدتمیز لڑکی نے بدتمیزی تو نہیں کی۔" وہ بھی اتنی بلند آواز میں بولا کہ تیزی سے باہر جاتی وہ سن لے۔

"ہاں یار! یہ تو خاصی ال مینرڈ قسم کی لڑکی ہے۔ بھلا میں اسے کھانے لگا تھا۔" جواد کو بھی بھڑاس نکالنے کا موقع مل گیا۔

"ارے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ یہ سب ان لوگوں میں سے ہیں کہ جس تھالی میں کھاتے ہیں۔ اسی میں چھید کرتے ہیں اور یہ تو انتہائی بدتمیز قسم کی لڑکی ہے میرا مشورہ ہے اسے منہ نہ لگایا کریں۔"

اسد نے بھی خوب بلند آواز میں صرف اسے سنانے کے لئے اس کی برائیاں کیں مگر وہ سوائے پاؤں پٹخنے کے کچھ بھی نہ کر سکی۔

☆......☆......☆

"نہیں نبیل! حد ہو گئی۔ یہ۔ یہ بات کوئی بیوی برداشت کر سکتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کی بیوی کے بجائے گرل فرینڈ کہلائے۔ میں یہ بات برداشت نہیں کر سکتی۔"

مہوش آخر بیوی تھی۔ وہ گرل فرینڈ کہلوانا کس طرح برداشت کر سکتی تھی۔ اس نے تو رو رو کر زمین آسمان ایک کر دیا۔ اور یوں بھی وہ حق پر تھی اس احتجاج کے لئے۔

"مہوش! تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں نے ابھی گھر میں بتایا نہیں۔"

نبیل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اپنا دفاع کس طرح کرے۔ وہ تو دو طرف سے پھنس گیا تھا۔ شہرین تو ایسی نظروں سے اب اسے دیکھتی گویا اس نے کوئی گناہ کر دیا ہے۔

"ہاں۔ گھر میں تو تم کبھی بھی نہیں بتاؤ گے۔ نبیل! مجھے کوئی شکایت نہ ہوتی۔ اگر تم ایک بار اپنی بھابی جان کے سامنے کہہ دیتے کہ یہ میری گرل فرینڈ نہیں بیوی ہے مگر۔ مگر تم تو۔" یہ دکھ مہوش کو مارے دے رہا تھا کہ نبیل نے اس کی بے عزتی کی ہے۔

"ہاں' میں مانتا ہوں وشی کہ میری غلطی ہے مگر اس وقت اتنا حواس باختہ ہو گیا تھا کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ لیکن پلیز' اس بار معاف کر دو میں جلد ہی تمہیں اس گھر میں لے کر جاؤں گا۔ تمہیں تمہارا مقام' تمہاری شناخت دلاؤں گا۔"

"بس میاں! بہت ہو گئے جھوٹے وعدے۔ میں پوچھتی ہوں اس دن کے لئے تم نے شادی کی تھی۔ غضب خدا کا۔ برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ ڈیڑھ سال ہو گیا شادی کو اور تم بیوی کو ابھی تک گرل فرینڈ کہلوا رہے ہو۔ بس۔ بس ختم کرو یہ ڈراما بازی۔"

بیگم جان کمرے میں آ کر تیکھے انداز میں بولیں۔

"آنٹی! پلیز میری مجبوری سمجھئے۔ وہ لوگ اتنی اچانک سامنے آ گئے تھے کہ۔"

"کہ..... کہ تم سچ بات کہہ نہ سکے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں نبیل! تم اسی طرح ٹال مٹول سے کام لے رہے ہو۔ تم نے تو وہی کنگھار کمینوں والی حرکت کی ہے جو۔"

"بیگم جان پلیز۔"

"خاموش رہو۔ ارے اس کٹ کھنی بندریا کو سرخاب کے پر لگے ہیں جو تمہارے گھر میں بیوی' بہو کی حیثیت سے سب کی مالکہ بنی بیٹھی ہے۔ اور میری نازوں پلی حسین بیٹی یوں اپنی پہچان کے لئے دکھی ہو رہی ہے۔ نجانے میری عقل پر پتھر کیوں پڑ گئے تھے کہ اتنے بڑے رئیس زادے کا رشتہ ٹھکرا دیا جس نے ساری جائیداد کے کاغذات تیار کروا رکھے تھے وشی کے لئے مگر وشی کو تم جیسا کنگلا بزدل پسند آ گیا جو کسی کے سامنے اسے بیوی نہیں کہہ سکتا۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں بس شرافت سے وشی کو طلاق۔"

"آنٹی۔" نبیل سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ بیگم جان اتنی بڑی بات کہہ دیں گی۔ اس کی بنیادیں ہلا دیں گی۔ اس نے تو......

"چلاؤ مت۔ ابھی بھی بہت طلب گار ہیں اس کے۔ ایک سے ایک جان دینے والا اور تم نے کیا کیا ہے۔"

"بیگم جان! غلط باتیں مت کریں۔ مہوش میری بیوی ہے۔"

"اور یہ ہی ایک جملہ آپ سے اپنے بھائی' بھابی کے حضور نہیں کہا جا سکتا تھا۔"

مہوش جو اتنی دیر سے چپ تھی پھر بولی۔

"سوری بابا سوری۔" وہ مہوش کی طرف بڑھا۔

"کوئی ضرورت نہیں وشی! ہمیں اس کی معافی تلافیوں کی۔ یہ سوائے سوری کے تمہارے لئے...... کچھ نہیں کر سکتا۔" بیگم جان تو آج سارے حساب بے باق کرنے کو تیار تھیں۔

"آنٹی! ایسی باتیں کیوں کر رہی ہیں آپ۔ میں نے کیا نہیں کیا۔ فیکٹری میرے نام تھی۔ اس کے نام کردی میں نے۔ فلیٹ اس کے نام کیا ہے اور۔"

"اتنی کم جائیداد تو نہیں تمہارے باپ کی۔ اتنا حصہ تو نہیں تمہارا کہ اسے یوں جھونگے میں دے رہے ہو۔ ارے لوگ تو نجانے کیا کچھ کرتے ہیں۔ یہ تو وشی کا دماغ خراب ہوا تھا تمہیں پسند کرنے لگی تھی۔ ورنہ کیسے کیسے قدر دان لوگ تھے۔"

"بس بیگم جان! ختم کریں یہ فضول باتیں۔ قدر دان قدر دان' میں اب نہ سنوں۔ میں جلد ہی وشی کو لینے آؤں گا اور وشی میں کوئی بہانا نہیں سنوں گا۔ تمہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے کر جاؤں۔ حد ہوتی ہے ہر بات کی' مگر یہ تو......"

نبیل شریف خاندانی مرد تھا۔ اس نے وشی کو پسند کر کے اپنایا تھا تو چھوڑنے کے لئے نہیں۔ وہ مہوش کو طلاق دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے کاروباری ذہنیت رکھنے والی بیگم جان کو گھورا اور مہوش کو ایک طرح سے حکم دیتا ہوا نکل گیا۔ وہاں سے وہ سیدھا امجد کے یہاں آیا۔

"یار! میں نے تمہیں پہلے ہی منع کیا تھا۔ یہ لوگ ٹھیک نہیں مگر تمہارے سر پر تو عشق کا بھوت سوار تھا......"

امجد' بیگم جان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ تو نہیں چاہتا تھا کہ نبیل' مہوش سے شادی کرے مگر وہ بضد تھا اسی لئے وہ جب بھی امجد سے مشورہ طلب کرتا وہ اسے منع کر دیتا۔

"امجد! تم تو میری مجبوری سمجھتے ہو۔ وشی کو کبھی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اب گھر میں اپنی شادی کا اعلان کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ وشی یہی چاہتی ہے۔"

نبیل اب مصمم ارادہ کر چکا تھا کہ مہوش کو اس کی حیثیت گھر میں دلوا کر رہے گا۔

"اچھا پھر ایسا کرو کہ خود کو انکل' آنٹی کی عدالت میں پیش کر دو۔ اقبال جرم کچھ اس انداز میں کرو کہ وہ تمہیں کوئی سزا دینے کے بجائے تمہیں اور مہوش کو معاف کر دیں۔"

اور بھی بہت مفید مشورے دیئے امجد نے لیکن ان پر عمل کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ شہرین کی تند مزاجی کی وجہ سے گھر کا ماحول بہت کشیدہ رہنے لگا تھا۔ ہر کسی پر اعتراض اور نکتہ چینی اس کی عادت تھی۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں تو چلتی ہی رہتیں' مگر اس وقت ہنگامہ ہو جاتا جب آمنہ کسی بات سے اختلاف کرتی اور اس دن تو حد ہو گئی۔ شہرین نے گھر کے فرنیچر کو جو دو سال قبل آمنہ نے خود اپنی پسند سے خریدا تھا' اس کو بدلنے کا فیصلہ کر لیا۔

"کیوں اس فرنیچر کو کیا ہے؟" آمنہ میدان میں اتر آئی۔

"بہت اولڈ فیشن ہے۔" شہری نے چڑانے والے انداز میں شانے اچکائے۔

"اولڈ از گولڈ ہوتا ہے بھابی صاحبہ! اور یوں بھی فرنیچر ابھی تبدیل نہیں ہو گا۔"

آمنہ نے بھی اس کے انداز میں فیصلہ سنا دیا تو شہرین نے انتہائی ناپسندیدہ انداز میں آمنہ کو سر سے پیر تک دیکھا۔

"یہ گھر میرا ہے آمنہ صاحبہ۔ میں اسے اپنی مرضی سے رکھنا چاہتی ہوں۔ یہ سارا فرنیچر اٹھایئے اور اپنے کمرے میں رکھ لیجئے۔ اپنا جہیز سمجھ کر۔ ہو سکتا ہے کبھی نہ کبھی......"

"شہرین۔ شہرین دیکھو۔ بری بات ہے۔ ایسے نہیں کہتے۔ تم اپنی مرضی سے گھر سجانا چاہتی ہو تو سجاؤ آمنہ تم چپ رہو گی۔ ہاں چلو باہر۔"

فاطمہ نہیں چاہتی تھیں کہ ہنگامہ طول پکڑے۔ وہ آمنہ کو باہر لے گئیں مگر شہرین کی بات نے اس کے تن بدن میں آگ بھر دی تھی۔ فاطمہ اور نگل نے مل کر بڑی مشکل سے اسے ٹھنڈا کیا۔

"وہ بالشت بھر کی چھپکلی خود کو سمجھتی کیا ہے۔ میں پپا سے بات کروں گی کہ اسے الگ کر دیں۔ ہم اس گھٹیا عورت کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔" آمنہ بہت غصے میں تھی۔

"ہاں ہمیں اب کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔ ہمیں اپنے حقوق کی جنگ لڑنا پڑے گی ورنہ یہ لوگ تو ہمیں زندہ درگور کر دیں گے۔"

نگل اور آمنہ ایک ہی انداز سے سوچ رہی تھیں جبکہ...... فاطمہ ایسا نہیں چاہتی تھی۔

"آمنہ! نگل! کیا کرو گی تم؟ ہمارے اختیار میں کیا ہے۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ سوائے ماحول خراب کرنے کے۔ اس سے بہتر ہے بندہ خاموش رہے۔"

"ہاں بس ہم ہی گھر...... کا ماحول درست رکھیں۔ دوسرے جو چاہے کہتے پھریں۔ ابھی آپ نے بھی سوچا ہے کیا فیوچر ہے ہمارا۔ خدا نہ کرے مما' پپا کے بعد کیا کریں گے' ہم تینوں کو سوچنا ہے۔ باجی اپنا حصہ لینا ہے ورنہ یہ بھائی اور بھابیاں ہمیں دھکے دے کر گھر سے نکال باہر کریں گے۔"

آمنہ اور نگل کی سوچ مستقبل کے بارے میں ایک ہی تھی۔ جبکہ فاطمہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ یہ بات تو دب جاتی اگر تیسرے دن شہرین گھر کے پرانے ملازمین کو نہ نکالتی۔ اس نے خانساماں اور اس کے ہیلپر کو نکال دیا۔

"بھابی صاحبہ کیا قصور تھا ان غریبوں کا۔ کہ آپ نے ان کے منہ سے نوالہ چھین لیا۔ کوئی چوری کی تھی کیا انہوں نے۔" ان ملازمین کے نکالنے کا ملال سب کو تھا مگر آمنہ کو زیادہ تھا کیونکہ کچن کے کام زیادہ تر وہ کرتی تھی اور وہ دونوں بھائی اس کی از حد عزت کرتے تھے۔

"نہیں۔ کوئی چوری نہیں کی۔" شہرین نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اچھا تو پھر کوئی بے ادبی تو ضرور کی ہو گی۔" آمنہ بھی اس وقت بال کی کھال اتارنے کے موڈ میں تھی۔

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔"

"تو پھر ان کو نکالنے کا سبب؟"

"سبب یہ ہے کہ وہ لوگ بیکار کی بھرتی تھے۔ مفت میں ہر ماہ چار ہزار ان کو جاتے تھے۔ اس لئے میں نے سوچا کہ کھانا تو تم اور فاطمہ بھی اچھا بنا لیتی ہو۔ بنا لیا کرو۔ بیکار تو پڑی رہتی ہو۔ کچن سنبھال لو تم دونوں۔ یوں بھی یہ تم لوگوں کا گھر ہے۔ جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہو وہاں کچھ کام کر

لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔"

زہر خند لہجہ' تنا ہوا چہرا' آنکھوں میں رعونت لیے شہرین بول رہی تھی۔

"شہرین۔" اس سے قبل کہ شہرین مزید کچھ بولتی یا آمنہ' نجل کوئی جواب دیتیں صوفیہ بیگم آ گئیں۔ انہوں نے اپنے کانوں سے شہرین کی بات سن لی تھی۔

"جی۔" وہ اسی طرح تنی رہی۔

"اس گھر میں ہمیشہ رہنا ان کا اگر مقدر ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم یہ رویہ اختیار کرو۔ ان کے ساتھ۔ اور یوں بھی نندوں سے کیا مقابلے بازی ہے۔ مقابلہ تم اپنی دیورانیوں سے کرنا۔ عدیل اور نبیل کی بیویوں کے ساتھ۔"

"تو مما جانی لے آیئے ناں نبیل کی دلہن کو اپنے گھر رخصت کروا کے۔"

شہرین تو کسی ایسے ہی موقعے کی تلاش میں تھی کہ موقع ہاتھ آئے تو وہ نبیل کی شادی کی خبر سب کو دے سکے۔

"نبیل کی کیوں؟ پہلے عدیل کی دلہن آئے گی پھر......"

"معذرت کے ساتھ مما جان کہ پہلے نبیل کی دلہن لے آیئے وہ شادی کر چکا ہے۔" ایک دھماکا ہوا۔ زلزلہ آ گیا۔ اندر باہر کی عمارتیں ہلنے لگیں۔ وہ چاروں ماں بیٹیاں سکتے میں آ گئیں۔

"شہرین! تمہیں مما کے ساتھ ایسا مذاق نہیں کرنا چاہیے۔"

فاطمہ نے صوفیہ بیگم کے سفید پڑتے ہونٹوں کو دیکھا جو آنکھیں پھیلائے شہرین کو دیکھ رہی تھیں

"دیکھیے فاطمہ باجی! مجھے جھوٹ بول کر کیا مل جائے گا۔ نبیل واقعی شادی کر چکا ہے۔"

"نہیں۔ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ تم۔ تم جھوٹ بولتی ہو تم......؟"

صوفیہ بیگم اگر صوفے کی پشت کو نہ تھام لیتیں تو یقیناً گر جاتیں۔

"مما۔" فاطمہ' آمنہ اور نجل ایک ساتھ ایک طرف جھکتی ہوئی مما کی طرف بڑھیں۔ خبر اتنی اچانک' اتنی بڑی تھی اور بتانے والی کا انداز ایسا تھا کہ زخمی دل یہ صدمہ برداشت نہ کر سکا۔ صوفیہ بیگم کو دل کا شدید دورہ پڑنے کے ساتھ ہی فالج کا اٹیک بھی ہو گیا جس نے گھر بھر کو ہلا کر رکھ دیا۔ وہ ہوسپٹل میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھیں۔ بیٹیوں کا رو رو کر برا حال تھا۔

"شہرین! تمہیں اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔" راحیل' شہرین سے الجھ رہا تھا۔

"اوہو! میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ ایک نہ ایک دن تو یہ معلوم ہونا تھا اور جب بھی معلوم ہونا تھا ان کی یہ حالت تو ہونی تھی۔" شہرین نے عادت کے مطابق شانے اچکائے۔

"راحیل! اگر تمہیں اس بات کی خبر تھی تو تم نے کیوں نہیں بتایا مجھے۔"

فاروق صاحب کا بلڈ پریشر بھی ہائی ہو گیا تھا۔ وہ پھٹتی رگوں کے ساتھ ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ ایک طرف محبوب بیوی کی بیماری اور دوسری طرف بیٹے کی اس حرکت نے ان کو توڑ کر رکھ دیا۔

"پپا! مجھے بھی تو ایک ماہ قبل ہی پتا چلا ہے۔ وہ بھی میں اور شہرین گھومنے گئے تھے ساحل پر۔ وہ بھی اپنی بیگم کے ساتھ تھا۔ اس کی شادی کو تو تقریباً دو سال ہونے والے ہیں۔"

راحیل نے ساری تفصیل بتائی تو فاروق صاحب نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

"اف میرے خدا! میرے کس گناہ کی سزا ہے یہ۔ میں۔ میں سوسائٹی کو کس طرح فیس کروں گا۔ لوگ کیسی کیسی باتیں نہیں بنائیں گے۔ کہاں ہے وہ؟ میں اسے شوٹ کر دوں گا۔" وہ بہت بری طرح دھاڑے۔

"ریلیکس پپا! خود کو اتنا ٹینشن مت کریں۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ وہ یہ حرکت تو کر ہی بیٹھا ہے۔ آپ آرام سے رہیے پلیز۔ یہ ٹیبلٹ لیجیے۔ ورنہ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

شہرین اور راحیل کی یہ ہی پلاننگ تھی کہ پپا کو ہاتھوں میں رکھا جائے اور اسی لئے تو شہرین فوراً ان کی دوا لے کر آگے بڑھی مگر انہوں نے ہاتھ سے پرے کر دیا۔

"مجھے کسی دوا کی ضرورت نہیں۔ جس انسان کی اولاد اس قدر ناخلف ہو وہ...... وہ اسٹوپڈ ہے کہاں؟"

فاروق صاحب نبیل کے بارے میں پوچھ رہے تھے جو مجرم بنا اپنے کمرے میں بند تھا۔ اس نے تو ایسی صورت حال کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ ایک طرف ماں ہاسپٹل میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھیں۔ باپ جان کے درپے تھا۔ وہ سخت پریشان تھا۔ مہوش الگ ناراض تھی۔

"اے اللہ۔ میں کیا کروں۔ میں نے کوئی غلط کام تو نہیں کیا۔ گناہ نہیں کیا۔ پھر سزا کیوں مل رہی ہے: تو مما کو صحت اور زندگی عطا کر دے اور پپا کے غصے کو کم کر دے۔"

وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ اس کا دل دھڑک اٹھا کہ پپا نہ ہوں۔ "بے بی تم۔" وہ نجل کو دیکھ کر ذرا مطمئن ہوا۔

"بھائی...... آ...... آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیوں کیا؟ پتا ہے۔ ہاسپٹل سے فون آیا ہے۔ مما کی حالت بہت خراب ہے۔ اگر...... اگر مما کو کچھ ہو گیا تو......"

نجل' نبیل کو دیکھ کر رو پڑی۔ یوں بھی وہ سب سے چھوٹی تھی اور مما' پپا کے زیادہ قریب تھی۔

"بے بی تم۔ تم تو ایسی باتیں نہ کرو۔ ادھر آؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں۔"

نبیل اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا۔

"نجل! اس وقت مجھے طنز کرنے والے نہیں' ہمدرد دوست کی ضرورت ہے' جس سے میں دل کی بات کہہ سکوں۔ بولو۔ تم میری اچھی دوست بن کر سنو گی...... ناں۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر منت اور بے چارگی سے بولا تو نجل کا دل بھر آیا۔

"بھائی! بہنیں تو ہوتی ہی بہترین دوست ہیں مگر آپ لوگوں نے تو کبھی ہمارا وجود ہی تسلیم نہیں کیا۔" نجل بہت پریشان تھی۔ ایسی کوئی بات کرنا تو نہیں چاہتی تھی مگر شکوہ خود بخود لبوں پر آ گیا۔

"آج ایسی بات نہ کرو بے بی! مجھے ایک دوست کی ضرورت ہے۔ مما بہت بیمار ہیں۔ میری وجہ سے یہ سب ہوا ہے۔ بتاؤ میں اب کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ پپا تو میری صورت بھی دیکھنا گوارا نہیں کریں گے۔"

وہ نجل کے سامنے روسا دیا تو اسے بھائی پر ترس آ گیا۔

"بھائی! آپ کو شادی کرنا تھی تو بتا تو دیتے کسی کو......"

"دیکھو بے بی! ہمارے گھر میں کبھی کچھ نارمل ہوا ہے جو یہ ہوتا۔ کوئی بادشاہ ہو یا فقیر سب نارمل طریقے سے زندگی گزارتے ہیں۔ ہمیں ہمارے والدین نے ایب نارمل زندگی کے حوالے کر دیا۔ سب لوگ شادی کرتے ہیں۔ اور سکون کی زندگی گزارتے ہیں مگر ہمارے ہاں ایسی کوئی بات ہی نہیں۔ بہنیں بوڑھی ہو گئیں۔ راحیل بھائی کی اس عمر میں شادی ہوئی جس میں ان کے بچے جوان ہونے چاہیں تھے۔ میں اگر بتا دیتا تو تمہارا کیا خیال ہے پپا مان جاتے یا اجازت دے دیتے۔ ہمارے والدین نے ہمیشہ خود کو اور اپنے فیصلوں کو ہم پر مسلط کیا ہے۔ برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ مہوش بہت اچھی لڑکی ہے.....اور ہم دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔"

نبیل نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ بہن کے سامنے جو سوچ رہی تھی کہ جس بے جا کے قیدی کو کوئی نہ کوئی راہ فرار تو چاہئے ہوتی ہے ناں۔

"لیکن بھائی! آپ نے شادی کرنی ہی تھی تو کسی اچھی فیملی میں کرتے تاکہ پپا کو منایا جا سکتا۔"

اس نے پریشان حال بھائی کو دیکھا جس کی دو ہفتوں کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ لباس بھی ملگجا سا تھا۔

"بے بی! مجھے مہوش سے محبت ہو گئی تھی۔ شادی بعد میں کی تھی۔ اگر میں شادی پہلے کرتا تو یقیناً بہت سوچ سمجھ کر سب کو بتا کر اپنے اسٹینڈرڈ کے لوگوں میں کرتا تاکہ کسی کو اعتراض نہ ہوتا۔ لیکن بے بی! انسان کبھی کبھی مجبور بھی ہو جاتا ہے ناں۔"

وہ اس سے کہہ رہا تھا جو خود جذبوں کی اسیر تھی۔

"ہاں بھائی! یہ جذبے انسان کو بہت مجبور کر دیتے ہیں' لیکن......"

"اب کیا کروں میں بے بی! میں مما کو دیکھنے ہاسپٹل جانا چاہتا ہوں مگر پپا سے ڈر لگتا ہے۔"

"میں کیا بتاؤں بھائی! ہم تو پہلے ہی بے بس و بے اختیار ہیں۔"

نگل اور نبیل کتنی ہی دیر باتیں کرتے رہے۔ آج نبیل کو احساس ہو رہا تھا کہ بہنیں واقعی بہترین دوست ہوتی ہیں۔ اتنا بڑا قدم اٹھانے سے قبل وہ کسی بہن ہی کو ہمراز بنا لیتا تو معاملہ آج اتنا الجھا نہ ہوتا۔ مگر اس میں ان لوگوں کا بھی قصور نہیں تھا۔ والدین نے آپس میں محبت ڈالی ہی نہیں۔ بچپن سے اب تک ایک چھت تلے رہتے ہوئے بھی وہ سب بہن بھائی اجنبی تھے۔ اپنا اپنا الگ کمرہ اور دنیا کی آسائش کی ہر چیز کمرے میں موجود تھی۔ کسی کو کبھی کسی کی ضرورت پڑی ہی نہیں کہ آپس میں مہر و محبت اور دوستی کے جذبات پیدا ہوتے۔ اوپر سے والدین کا قدیم روایتی غیر مساوی رویہ لڑکوں کو احساس برتری کا احساس دینا اور لڑکیوں کو احساس کمتری کی دلدل میں اتارنا۔ یہ سب ان کے والدین ہی کا کمال تھا کہ وہ بہن بھائی ایک چھت تلے رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے اتنی دور تھے کہ......اگر مصیبت پڑنے پر کوئی دوسرے کو آواز بھی دینا چاہے تو دے نہ سکے۔

"بے بی! ہم لوگ کتنے بدنصیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ہمیں نواز رکھا ہے مگر ہم ایک دوسرے سے کتنے دور ہیں۔ کتنے اجنبی ہیں ہم سب بہن بھائی۔ آج تم سے باتیں کر کے مجھے اس بات کا اور بھی احساس ہو رہا ہے کہ ہم کتنی دور رہے ہیں۔ واقعی بہنوں سے بڑھ کر کوئی ہمدرد اور مخلص

دوست نہیں ہو سکتا۔"

آج نبیل بہت حساس ہو رہا تھا۔ اسے نگل پر ٹوٹ کر پیار آیا جس نے اس کے دل کی باتیں سنیں اور مشورے دیئے تھے۔ اس نے نگل کو ساتھ لگا لیا۔

"بھائی! میری جان بھی حاضر ہے آپ کے لئے۔ میں...... میں مما اور پپا کو سمجھاؤں گی۔ وہ میری بات مان لیتے ہیں۔ آپ فکر نہ کریں بھائی۔"

بے اختیار......نگل اپنی حیثیت کو جانتی تھی پھر بھی اس نے بھائی کو تسلی دی۔

"بے بی! کسی طرح مما سے ملنے کی تدبیر کرو۔ ورنہ میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔"

"ابھی تو پپا' راحیل اور عدیل بھائی اور فاطمہ باجی ہاسپٹل میں ہیں۔ وہ لوگ آ جائیں تو پھر میں اور آپ چلیں گے۔ اوہ فون کی بیل ہوئی ہے۔ خدا خیر کرے۔"

فون کی بیل پر نگل اور نبیل کے دل خوف سے دھڑک اٹھے۔ جانے کیا بات ہو۔ کیا خبر سننے کو ملے۔

"ہیلو بے بی! تم اور آمنہ ڈرائیور کے ساتھ ہاسپٹل میں پہنچ جاؤ۔"

عدیل نے بس اتنا کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ وہ کسی منحوس خبر کا خیال کر کے شدت سے رو پڑی۔

نبیل بھی جانا چاہتا تھا مگر آمنہ نے روک دیا۔

"نہیں نبیل! وہ ہاسپٹل ہے اور پپا تمہیں دیکھ کر____ تم گھر پر رہو اور مما کے لئے دعا کرو۔"

آمنہ نے رومال سے اپنا چہرا صاف کرتے ہوئے نبیل کے شانے پر ہاتھ رکھ کر......تمام راستہ دونوں ہولتی رہیں۔ جانے کیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے۔ ہاسپٹل پہنچ کر پتا چلا کہ مما کی حالت زیادہ بگڑ گئی تھی۔ ان کو آئی سی یو میں لے جا رہے تھے۔

"مما پلیز' ہمیں چھوڑ کر مت جایئے گا۔ پلیز۔"

نگل پاگلوں کی طرح بے سدھ پڑی مما پر گر گئی۔ اسے ساری دنیا سے زیادہ اپنی مما سے پیار تھا۔ جواب شاید ان کو چھوڑے جا رہی تھیں۔

"ایسی باتیں نہیں کرتے بے بی۔ اللہ پاک سے دعا کرو انشاء اللہ ٹھیک ہو کر آئیں گی۔"

راحیل نے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا۔ ہر طرف موت کا سا سکوت تھا۔ اتنے بڑے ہاسپٹل میں اتنی خاموشی تھی کہ سانسوں کی آواز......بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ تینوں بہنیں وحشت زدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھیں' پپا......کی طبیعت کے پیش نظر ان کو نیند کی ٹیبلٹ دے دی تھی ورنہ اتنی ٹینشن میں ان کا بلڈ پریشر بے قابو ہو جاتا۔ عدیل اور راحیل پریشان ٹہل رہے تھے۔ شہرین ایک طرف خاموش بے تعلق ہو کر بیٹھی تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ پریشانی بھی بڑھ رہی تھی اور بارش بھی تیز ہو رہی تھی۔ اور اسی بارش میں نبیل ٹہل رہا تھا۔ اندر جانے کی ہمت تھی نہ اجازت۔ وہ پریشانی میں رات بھر بارش میں بھیگتا رہا۔ صبح پانچ بجے ڈاکٹر زندگی کی نوید لے کر باہر آئے۔

"مما کی زندگی مبارک ہو بے بی! آپ کی مما ہوش میں آ گئی ہیں۔"

ڈاکٹر نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر مبارکباد دی تو وہ فوراً خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئی۔

"اے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ جو ہم گناہگاروں پر اتنا کرم کیا۔"

"ڈاکٹر صاحب! مما اب خطرے سے باہر ہیں ناں؟" راحیل بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"دیکھئے راحیل صاحب' آپ کی والدہ بہت خطرناک صورت حال سے دوچار ہیں۔ ہارٹ اور فالج اٹیک ایک ساتھ ہوا ہے۔ فی الحال ذرا بھی ہوش میں آنا بہت بڑی بات ہے۔ مکمل طور پر تو نہیں البتہ خطرے سے باہر ضرور ہیں۔ فاروق صاحب ہمت کیجئے۔ آپ اس طرح رہیں گے تو ان لوگوں کو ہمت کون دے گا۔ اب آپ لوگ گھر جا کر آرام کیجئے۔"

"ڈاکٹر صاحب! ہم مما سے مل سکتے ہیں۔" فاطمہ بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بی بی! ابھی اس کی اجازت نہیں دے سکتے ہم۔ البتہ آپ لوگ دور سے دیکھ لیجئے۔" ڈاکٹر آگے بڑھ گئے۔ شہرین کھڑی ہوگئی۔

"او کے راحی! میں چلتی ہوں۔ تم ان لوگوں کے ساتھ آ جانا۔ اب تو مما بہتر ہیں۔"

"ٹھہرو۔ میں مما کو دیکھ آؤں تو چلتے ہیں۔"

اور پھر وہ سب صوفیہ بیگم کو دیکھنے آئے۔ سفید چادر میں شیشے کے پیچھے سے مما کا ذرا سا منہ نظر آ رہا تھا۔ وہ تینوں بے چین ہوگئیں کہ مما کو قریب جا کر چھو کر دیکھیں مگر اس کی اجازت کہاں تھی۔ پپا کے کہنے پر عدیل اور فاطمہ ان کے ساتھ رک گئے۔ تجل اور آمنہ راحیل کے ساتھ واپس آ گئیں۔ شہرین تو آتے ہی پڑ کر سوگئی۔ آمنہ کچن میں گھس گئی۔ کتنا کام پڑا تھا۔ اس نے پہلا کام پرانے خانساماں کو بلانے کا کیا۔ تجل نبیل کے کمرے کی طرف بڑھی۔

"بھائی۔ بھائی کیا ہوا آپ کو؟"

نبیل نے رات بارش میں گزاری تھی۔ اب بخار میں پھنک رہا تھا۔

"اتنا تیز بخار ہے آپ کو بھائی۔"

"مجھے چھوڑو۔ یہ بتاؤ' مما کیسی ہیں؟" وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

"اللہ کا شکر ہے بھائی! مما اب بہت بہتر ہیں۔ آپ نے کوئی میڈیسن لی؟"

"میں مما کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ بے بی۔ کچھ کرو پلیز۔" وہ بچوں کی طرح منت کر رہا تھا۔

"اچھا آپ ٹھیک تو ہو جائیں۔ آپ نے رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اب ناشتا کرلیں پھر پپا اور عدیل بھائی واپس آ جائیں گے تو ہم دونوں مما کے پاس جائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں۔"

☆......☆......☆

پھر تجل نے آمنہ کو نبیل کے بارے میں بتایا۔ بہنیں تھیں' تڑپ اٹھیں۔ مگر آمنہ چونکہ اس کی شادی والی حرکت پر خفا تھی۔ آگے نہیں بڑھی۔ تجل ہی تیمارداری کرتی رہی۔ شام کو...... وہ مما سے ملنے کے لئے تیار تھا۔ پپا کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اور تجل کے اشارے کا منتظر تھا۔

"بھائی! پپا اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔ اب آرام کریں گے۔ اب آپ آ جایئے ہم چلتے ہیں۔"

تجل نے آہستگی سے دروازے پر دستک دے کر کہا تو وہ دبے پاؤں باہر آیا۔ دونوں محتاط انداز میں سیڑھیاں اتر رہے تھے۔ وہ آخری سیڑھی پر قدم رکھ رہے تھے کہ فاروق صاحب کسی کام سے

اپنے کمرے سے نکل آئے۔

"تم ابھی تک اس گھر میں ہو۔"

نبیل کو دیکھتے ہی فاروق صاحب کا چہرا غصے سے سرخ ہوگیا۔ تجل اور نبیل کے سانس وہیں رک گئے۔ نبیل کو یوں لگ رہا تھا ابھی بے ہوش ہو کر گر جائے گا۔

"پپ ـــــ پپا آئی ایم سوری۔"

"شٹ اپ اینڈ گیٹ لاسٹ۔ میں تمہیں اپنے گھر میں نہ دیکھوں نا خلف اولاد۔ نکل جاؤ میرے گھر سے۔ کوئی واسطہ نہیں تمہارا اور نہ کوئی حق باقی رہا ہے۔ اور خبردار جو تم ہاسپٹل گئے۔ ہماری محبتوں کا یہ صلہ دیا ہے تم نے کہ سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ نکل جاؤ میرے گھر سے۔"

فاروق صاحب کی دھاڑ سے سب کمروں سے نکل آئے۔ ملازم کونوں میں چھپ گئے۔ نبیل کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین شق ہو جائے تو اس میں سما جائے یا جلدی سے بھاگ جائے مگر اس کے پاؤں ہی من من بھر کے ہو رہے تھے۔ مگر پھر بھی وہ گردن جھکائے آگے بڑھا۔

"پپا!" تجل تڑپ کر نبیل کی طرف بڑھتے ہوئے فاروق صاحب سے التجائیہ انداز میں بولی۔

"تم اندر چلو بے بی! خبردار جو کسی نے اس اسٹوپڈ کی طرفداری کی۔"

تجل کے بڑھتے قدم وہیں جم گئے۔

"ہونہہ ڈرامے باز سارے کے سارے۔" شہرین نے نخوت سے سب کو دیکھا اور اندر چلی گئی۔

☆......☆......☆

"ظہیر! میں نے سوچ لیا ہے کہ اب سحر اور طلال کی شادی کر دی جائے۔ آج سحر کی والدہ کا فون آیا تھا۔ وہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں کہ منگنی وغیرہ فضول ہے۔ لہٰذا شادی ہی کر دی جائے اور میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ اب گھر میں بہو آ جائے۔"

رابعہ بیگم چائے کا کپ ظہیر صاحب کو دیتے ہوئے بولیں تو سوچوں میں گم ظہیر صاحب چونک گئے۔

"ایک دم شادی کا پروگرام بیگم۔"

"دیکھئے ظہیر! الحمدللہ ہماری تیاری ہے۔ بیٹا برسر روزگار ہے۔ پھر دیر کی کیا ضرورت؟"

"نہیں رابعہ! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ سوچ رہا ہوں آسیہ سے کس طرح بات کروں۔ اس کا دل خراب ہوگا۔" وہ بالآخر بھائی تھے اور بہن کی خواہش بھی جانتے تھے۔

"ظہیر! یہ بات کتنی بار دہرائی جائے گی۔ سب کی اپنی زندگی' اپنی خواہشات ہوتی ہیں۔ ہم پابند تو نہیں ناں۔ اب میں یہ تو نہیں کر سکتی تھی۔ اپنے بیٹے کی خوشی کو پامال کر کے آپ کی بہن کی خواہش پوری کرتی۔"

"اچھا بھئی! اس میں خفا ہونے والی کون سی بات ہے۔ پروگرام بنا تو سحر کی والدہ کے ساتھ' پھر آسیہ سے بات کرلیں گے۔ انسان اولاد کی خوشی کے لئے تو سب کچھ کرتا ہے۔ مجھے بھی اپنے بچوں کی خوشیاں عزیز ہیں۔ سب بچوں کو بلاؤ۔ پروگرام سیٹ کرو...... نیک کام میں دیر نہیں ہونا چاہئے۔"

"شکریہ ظہیر! آپ نے تائید کر کے میری مشکل آسان کر دی ہے۔"

اور پھر رات کھانے پر رابعہ بیگم نے سب سے مشورہ کیا تو سب طلال کو چھیڑنے لگے۔

"اوہو تو شادی ہو رہی ہے۔ میں آسیہ پھپھو کو بڑھکا دوں گا۔ پھر پتا ہے۔ وہ عین شادی والے دن سلطان راہی کے انداز میں آئیں گی اور بڑھک مار کر کہیں گی۔ اوئے طلال یہ شادی نہیں ہو سکتی۔"

بلال' طلال کو چھیڑ رہا تھا۔ اور وہ جھینپے جا رہا تھا۔

"امی پلیز' کوئی جلدی کی ڈیٹ رکھئے گا۔ ہائے رو! کتنا مزا آئے گا۔ میں تو پتا ہے کس طرح کے کپڑے بناؤں گی۔ وہ جو میگزین میں آیا تھا ناں اس طرح کے بناؤں گی۔"

"اور جس طرح وہ بندریا لگ رہی تھی' میں بھی ویسی ہی بندریا لگوں گی۔"

جمال نے ندا کی پونی کھینچتے ہوئے منہ بگاڑ کر کہا تو وہ خلاف معمول برا ماننے کے بجائے مسکرا پڑی۔ کیونکہ خوشی کا موقع تھا۔ لڑکیاں تو شادی کے پروگرام بنانے لگیں۔

"ویسے امی مذاق کے علاوہ پھپھو ہنگامہ کریں گی اچھا خاصا۔"

بلال سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا۔

"جی امی! میں بھی اسی بات سے ڈر رہا ہوں۔ وہ تو ......" طلال بھی خوفزدہ تھا۔

"تم لوگ فکر نہ کرو۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

رابعہ بیگم نے مسکرا کر متفکر بیٹوں کو دیکھا۔

"بلال! کل تم پھپھو کے ہاں چلے جاؤ اور انہیں بتا دینا کہ جمعہ کو ہم لوگ آئیں گے۔"

"اور پتا ہے امی! وہ یہ سمجھیں گی کہ آپ کوئی خاص بات کرنے آ رہی ہیں جانا ہے تو یوگی چلی جایئے گا۔ میں البتہ کل چکر ضرور لگاؤں گا۔" بلال زیر لب مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ طلال بھی اسے دیکھ کر مسکرایا اور رابعہ بیگم بیٹوں کی شریر مسکراہٹ دیکھ کر خود بھی مسکرا پڑیں۔

اگلے روز بلال' شوکت صاحب کے ہاں آیا تو فائزہ اور زیب لان میں ٹہلتی اور ہنستی ہوئی پائی گئیں۔ بلال کو بہت حیرت ہوئی۔ فائزہ تو ان لوگوں کو لفٹ نہیں کراتی تھی۔ کہاں یہ دوستی اور ملاپ۔

"اللہ میاں! اگر یہ خواب ہے تو اسے حقیقت بنا دے اور اگر حقیقت ہے تو تیرا بہت شکریہ۔"

بلال نے آنکھیں ملتے ہوئے دونوں کو باری باری دیکھا۔

"بلال بھائی! اللہ کے حکم سے یہ خواب نہیں حقیقت ہے۔ اب ہم بہنیں ہی نہیں' اچھی دوست بھی ہیں۔ اوہ زیب! فون۔ ایکسکیوز می۔"

فائزہ شوخی سے بولتی ہوئی فون کے لئے بھاگی کیونکہ فون حسن کا تھا۔

"میڈم! یہ کیا سلسلہ ہے۔ میں تو خوفزدہ ہو رہا ہوں۔ اس دوستی سے۔" بلال کچھ نہ سمجھتے ہوئے زیب کی طرف بڑھا۔

"بلال! فائزہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ ہم ہی اسے غلط سمجھ رہے تھے۔"

پھر زیب نے اپنی اور فائزہ کی دوستی کی داستان سنا ڈالی۔

"ہوں تو یہ بات ہے لیکن زیب پھر بھی ذرا احتیاط ہو کر رہنا۔ کیا خبر کب وہ بدل جائے۔"

"نہیں بلال! فائزہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ اتنے سے عرصے میں جتنا میں اسے سمجھی ہوں۔ اس

اعتبار سے تو وہ بہت مخلص اور اچھی لڑکی ہے۔ اور پھر انسان اپنی غلطی تسلیم کر لیتا ہے..... اور آئندہ ایسی حرکت کرنے سے توبہ کرتا ہے تو اللہ پاک بھی معاف کر دیتا ہے۔ ہم تو خود گناہ گار ہیں۔" زیب کو فائزہ کی دوستی پر اندھا اعتماد تھا۔

"گڈ آج تو بہت اچھی خبر ملی ہے حسن۔ حسن' میرا خیال ہے میں نے اس لڑکے کو دیکھا ہوا ہے۔ بڑا اچھا سلجھا ہوا لڑکا ہے۔ اگر یہ وہی ہے پھر تو بہت اچھا ہے۔"

بلال ذہن پر زور دے کر یونیورسٹی کے دو تین حسن کے بارے میں سوچنے لگا۔

"ہاں۔ آپ جانتے ہوں گے۔ یونیورسٹی ہی میں پڑھتا تھا' فائزہ بتاتی ہے بہت اچھا لڑکا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے ہیں۔ اور حسن تو فائزہ کو بے حد چاہتا ہے۔"

"اچھا۔ کیا مجھ سے بڑا دیوانہ ہے وہ؟" بلال نے شوخ نظروں سے دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔

"ویسے زیب! یہ بہت اچھا ہوا ہے کہ فائزہ اور حسن کا معاملہ سیٹ ہو گیا ہے۔ اب کم از کم پھپھو ہم لوگوں سے تو خفا نہیں ہوں گی ناں۔ ہم لوگ طلال بھائی کی شادی کر رہے ہیں۔"

"خدا کرے کہ ماں کوئی فساد کھڑا نہ کریں کیونکہ ان کی اپنی بیٹی کب تیار ہے مگر دیکھ لیجئے گا وہ بہت ہنگامہ کریں گی۔" زیب نے بڑے یقین سے کہا۔

"ہاں۔ یہ تو پتا ہے لیکن پروا کسے ہے۔ اب تو ویسے بھی معاملہ ہمارے حق میں ہو گیا ہے۔"

بلال مطمئن سا ہو گیا فائزہ کے بارے میں جان کر۔

"اچھا تو یہ راز ہے۔ اب تمہارے خوش اور مطمئن رہنے کا۔ ویسے میں بے حد خوش ہوا ہوں اس تبدیلی سے اللہ تعالیٰ تمہیں دائمی خوشیاں عطا کرے۔"

اس کے روشن چہرے کو دیکھتے ہوئے بلال نے صدق دل سے دعا کی تو وہ پیار سے اس مخلص ساتھی کو دیکھ کر رہ گئی جس نے برے وقت میں ساتھ دیا تھا اپنی چاہتوں کا اعتماد بخشا تھا۔

"بلال!" وہ بے دھیانی میں اسے پکار اٹھی۔

"جی فرمایئے۔" بلال شوخی سے اس کی طرف گھوما مگر بھلا وہ کیسے وہ بات کہتی جو صرف سوچ کی وادی ہی میں رہ سکتی تھی۔

"وہ میں یہ کہہ رہی تھی کہ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو۔" وہ بات بنا گئی۔

"جی نہیں۔ آپ یہ تو نہیں کہہ رہی تھیں۔ آپ کچھ اور کہہ رہی تھیں۔ وہ بات جو تمہارے دل میں ہے۔ سوچ کی وادی میں چھپی وہ بات ہونٹوں پر لاؤ۔ کچھ تو ثبوت دو۔ کہ ____"

"بلال! لفظوں کا پیراہن جذبوں کو وجود نہیں دے سکتا۔ یہ جذبے تو گونگے ہوتے ہیں۔ صرف محسوسات کی زبان رکھتے ہیں۔ پتا نہیں۔ کبھی کبھی آپ ایسی باتیں کیوں کرنے لگتے ہیں۔" زیب اس کے قرب اور باتوں سے گھبرانے لگی۔

"اچھا پھر کیسی باتیں کروں آپ سے۔ آج کل بجری کا کیا ریٹ ہے؟ سریا اتنا مہنگا کیوں ہے یا...."

بلال اس کی بات پر بے مزا ہو کر بولا تو وہ دلکشی سے ہنس پڑی اور ہنستی ہوئی وہ اسے اتنی اچھی لگی تھی۔ وہ اس کی ہنسی میں ساری خفگی بھول گیا۔

"ارے بلال! آپ تو جب بھی آتے ہیں۔ مجھے سب کچھ بھلا دیتے ہیں۔ وہ......"

"ہاں ایسی ہی اچھی اچھی باتیں کیا کرو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ آج سب گھر والے کہاں ہیں جو اتنے عیش ہو رہے ہیں۔" بلال نے اسے چھیڑا۔

"مامی اور شعیب تو فائزہ کے جہیز کی شاپنگ کرنے گئے ہیں۔ کل کہہ رہی تھیں کہ ہمیں اپنی تیاری مکمل رکھنی چاہئے۔ کیا پتہ رابعہ بھابی کب رشتہ ڈال دیں۔"

زیب اسے ساری تفصیل بتا رہی تھی۔

"تمہاری مامی کی یہ خواہش بھی انشاء اللہ ضرور پوری ہو گی۔ رابعہ بھابی رشتہ ضرور ڈال دیں گی۔ بس نام مختلف ہوں گے۔ طلال کا فائزہ کے لئے نہیں بلال کا زیب کے لئے۔ کیوں کیسا ہے یہ رشتہ؟"

"آج آپ بہت۔"

"خوش ہوں۔" ہاں زیب آج میں بہت خوش ہوں۔ کیونکہ تم خوش ہو فائزہ سے دوستی کی وجہ سے۔"

"آپ کو پتا ہے۔ ہم ان میں گھرے ہیں۔ وہ لوگ کسی وقت بھی آ سکتے ہیں۔"

"تم سے مل کر اپنا پتا گم ہو جاتا ہے تو کسی اور کا کیا ہو گا۔" وہ جذباتی ہونے لگا۔

"لگتا ہے۔ موسم نے آپ کے دماغ پر اثر کیا ہے۔ اندر چلئے میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

موسم بڑا دلکش ہو رہا تھا۔ اب تو نرم نرم پھوار پڑنے لگی تھی۔ زیب اسے اندر بٹھا کر خود کچن میں آ گئی۔ وہ چاہنے کے باوجود کچن میں نہیں گیا۔ وہ لوگ آ جاتے تو شامت زیب کی آتی۔ پھر فائزہ، زیب اور بلال نے خوشگوار باتوں کے درمیان چائے پی اور پکوڑے کھائے۔

"او کے بھئی! میں اٹھوں بارش تیز ہو رہی ہے۔" بلال نے پردے ہٹا کر باہر دیکھا۔

"ہاں آپ چلے جائیے لیکن بائیک بہت احتیاط سے چلایئے گا۔ بارش بہت تیز ہے۔ میرا مطلب ہے......"

زیب اپنی بات پر خود ہی جھینپ گئی۔ فائزہ نے اپنی مسکراہٹ چھپالی مگر بلال اسے شوخی سے دیکھتا ہوا چابی پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا بھئی خدا حافظ۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔"

زیب اور بلال بھی سمجھ گئے کہ وہ دانستہ اٹھ کر گئی ہے۔

"اب جائیں بھی! بارش تیز تر ہو رہی ہے۔" وہ اس کی نگاہوں سے گھبرا رہی تھی۔

"اچھا ایک بار پھر کہہ رہی ہوں بائیک بہت احتیاط سے چلایئے گا۔"

وہ اسے رخصت کر کے سیدھی فائزہ کے کمرے میں آ گئی۔

"اچھا جی تو اب بتاؤ۔ حسن بھائی سے کیا باتیں ہوئیں؟"

وہ بے تکلفی سے بیڈ پر اس کے برابر لیٹتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ بھی نہیں۔" فائزہ کچھ خفا خفا سی لگ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"اچھا جی۔ اتنی دیر باتیں ہوئیں اور فرمایا جا رہا ہے کچھ بھی نہیں۔"

"اچھا ہوئی بھی ہیں تو تمہیں کیوں بتاؤں۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

"اوہو تو پھر کس سے کہیں گی حال دل، دیواروں سے؟"

"ہاں دیواروں سے جو کم از کم اپنا حال تو مجھ سے نہیں چھپائیں گی تمہاری طرح۔"

"کیا مطلب ہے فائزہ۔ تم خفا ہو مجھ سے۔" زیب اس کا موڈ آف دیکھ کر گھبرا گئی۔

"کیوں یہ بات خفا ہونے والی ہے کہ نہیں۔ میں نے تمہیں خلوص دل سے دوست کہا اور اپنا حال دل کہہ دیا مگر تم نے اپنا اور بلال والا معاملہ چھپائے رکھا۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ میں اعتماد کے قابل نہیں ہوں۔" فائزہ نے شکوہ کیا تو زیب چپ سی ہو گئی۔

"ایسی کوئی بات نہیں فائزہ! اس زندگی میں اعتماد تم پر ہی تو کیا ہے۔ رہی...... نہ بتانے کی بات تو میں تم سے سچ کہہ رہی ہوں کہ میں اپنی کم نصیبی سے اتنی خوفزدہ ہوں کہ خود سے اقرار کرتے ہوئے بھی ڈرتی ہوں۔ بس ایک جھجک سی تھی کہ تم سے اس سلسلے میں بات نہ کر سکی ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔ لیکن اگر تم ہرٹ ہوئی ہو تو سوری لیکن میرے خلوص پر شبہ نہ کرنا۔ بچپن سے اب تک اتنی محرومیاں، اتنی ناکامیاں دیکھی ہیں کہ کسی خوشی کے بارے میں سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے اور بلال تو میری زندگی کی وہ خوشی ہے کہ جو اگر نہ ملی تو شاید باقی کچھ نہ رہے۔"

زیب رو دینے کی حد تک سنجیدہ ہو گئی۔

"زیب مجھے تو اس بات کا پہلے سے علم تھا۔ مگر میں چاہتی تھی کہ جس طرح تم پر میں نے اعتماد کیا ہے۔ تم بھی میری دوستی پر ویسا ہی اعتماد کرو اور خود بتاؤ۔ لیکن تم دل چھوٹا کیوں کرتی ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ بہتری کی امید رکھنی چاہئے۔ انشاء اللہ وہی ہو گا۔ جو تم چاہتی ہو۔ بس اللہ سے دعائیں کرتی رہو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ویسے تمہارا انتخاب بڑا زبردست ہے۔ صائمہ کی نظر کرم بھی بلال ہی پر ہے۔ ذرا محتاط ہو کر رہنا"

فائزہ بڑے خلوص سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"فائزہ! مجھے صائمہ سے واقعی خوف آتا ہے۔ وہ بہت چالاک لڑکی ہے۔"

زیب کو صائمہ سے جو خدشہ تھا۔ وہ اس نے اپنی دوست سے کہہ دیا۔

"ہاں ہے تو بہت لیکن زیب! ابھی نہ ہمارے گھر میں اور نہ صائمہ کو ہماری دوستی کی خبر...... ہونی چاہئے۔ میں بھی دیکھ لوں گی۔ وہ کتنے پانی میں ہے۔ یہ تو کوئی انسانیت نہیں کہ انسان کی کمزور پر زیادتی کرتا چلا جائے۔ وہ ماں بیٹی ہی خطرناک ہیں۔ چلو اللہ مالک ہے دیکھ لیں گے۔"

فائزہ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی اور زیب اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ وہ لڑکی ہے جس سے کبھی بات کرنا ناممکن تھا جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ ہر وقت پھوں پھوں کرتی رہتی۔ اب کتنی حلیم اور دوست ہو گئی تھی۔

"فائزہ تمہاری دوستی اللہ پاک کا انعام ہے میرے لئے۔" زیب نے اٹھ کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"اور تمہاری دوستی بھی نعمت ہے اللہ کی میرے لئے۔"

"فائزہ...... فائزہ بیٹے دروازہ کھولو۔ یہ زیب کہاں مر گئی ہے۔"

باہر سے آسیہ بیگم کی کرخت آواز گونجی تو دونوں خوفزدہ ہو گئیں۔

"امی آ گئیں۔ زیب یہ لو کپڑے۔ تم کاٹنا شروع کر دو۔"

فائزہ نے جلدی سے اپنا سوٹ اور قینچی اسے تھمائی اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"ارے امی! آپ لوگ آ بھی گئے۔ اچھا بتایئے' میرے لئے کیا لے کر آئی ہیں۔"

"سب کچھ تیرے لئے ہی تو ہے میری چاند۔ اے لو' یہ یہاں کیا کر رہی ہے میں گھر بھر میں تلاش کر کے آئی ہوں۔"

آسیہ بیگم نے سامان فائزہ کو دیتے ہوئے زیب کو گھورا جو اس کا سوٹ کاٹ رہی تھی۔

"امی! پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ میں نے اسے کام سے لگایا ہوا ہے۔ سوٹ کاٹ رہی ہے میرے۔ زیب آج سارے کاٹ دینا پھر سلائی بھی کرنا ہو گی۔ امی آپ کو تو پتا ہے۔ یونیورسٹی میں روز ہی نئے کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ لایئے دکھایئے کیا کچھ لائی ہیں۔"

فائزہ' زیب کو ہدایات دے کر شاپر کھولنے لگی مگر آسیہ بیگم نے منع کر دیا اور زیب کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"زیب جاؤ۔ پہلے میرے لئے چائے بنا لاؤ۔ مارے تھکن کے دم نکل رہا ہے۔"

آسیہ بیگم نے بہانے سے اسے وہاں سے اٹھایا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی لاڈلی بیٹی کے جہیز کی چیزیں زیب دیکھے اور نظر لگائے۔

"فائزہ بیٹے! اس طرح اس نمدیدی کے سامنے اپنی چیزیں مت کھول کر بیٹھ جایا کرو۔ نظر لگ جاتی ہے۔ اچھا یہ دیکھو۔ یہ پورے تین ہزار کا صرف کپڑا ہے۔ اب کام اپنی مرضی سے کروا لینا اور یہ بھی ہے۔ یہ رابعہ بھابی پتا نہیں تیاری کر بھی رہی ہیں کہ نہیں۔"

آسیہ بیگم بھی خوب تھیں۔ کبھی باقاعدہ رابعہ بیگم سے رشتے کی بات نہیں ہوئی پھر بھی خود سے ہی رشتہ طے کر کے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ فائزہ ان کی بات سن کر چپ سی ہو گئی۔ اس کا دل تو چاہ رہا تھا کہ اصل صورت حال ماں کو بتا دے وہ حسن کو چاہتی ہے مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ اور یوں بھی زیب کا مشورہ تھا کہ پہلے حسن کے بارے میں بتاؤ گی تو بات بے اثر رہے گی۔ بعد میں پتا چلے گا تو آسیہ بیگم' بھائی بھابی کی چڑ میں ضرور اس بات پر غور کریں گی۔

رابعہ بیگم نے آسیہ بیگم کو فون تو کر دیا تھا اپنے آنے کا اور وہ خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھیں۔ پہلے چائے کے ساتھ ڈھیروں چیزیں' پھر کھانے پر بھی کافی اہتمام تھا۔ رابعہ بیگم تو شرمندہ ہو رہی تھیں اور ظہیر صاحب کو دکھ ہو رہا تھا کہ ان کی بہن اتنی خوش ہیں جب پتا چلے گا تو کتنا ہرٹ ہوں گی۔

"یہ طلال' بلال سب کو لے کر کیوں نہیں آئیں آپ بھابی۔ آپ یہ لیجئے۔ اب تو خیر سے فائزہ کھانا بنانا سیکھ رہی ہے اور یہ سب تو اسی نے بنایا ہے۔ بہت لذت ہے اس کے ہاتھ میں۔"

وہ پکانے والی کو یکسر نظر انداز کر گئیں جو کسی نئے حکم کے لئے قریب ہی کھڑی تھی لیکن معاملہ چونکہ فائزہ کا تھا اس لئے اسے دکھ نہیں ہوا۔

"بات بڑوں کی تھی۔ آسیہ! اس لئے میں نے بچوں کو لانا مناسب نہیں سمجھا اور تم نے اتنا تکلف کیوں کیا؟ گھر کی بات ہے۔ ہم کوئی مہمان تو نہیں۔ اور فائزہ تو ماشاءاللہ اب اور نکھر گئی ہے۔"

یوں تو فائزہ' رابعہ بیگم کو پسند تھی مگر اس کی چھچھلی چڑچڑی طبیعت پسند نہیں تھی۔ انہوں نے فائزہ

کی تعریف کیا کی' آسیہ بیگم نہال ہو گئیں۔

"فائزہ! بیٹے! یہاں آؤ ناں۔ اپنی مامی کے پاس بیٹھو۔ زیب چلو۔ برتن اٹھا کر اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" آسیہ بیگم نے زبردستی فائزہ کو رابعہ بیگم کے پہلو میں لا بٹھایا۔ رابعہ بیگم اس سے اس کی تعلیمی مصروفیات کے بارے میں پوچھتی رہیں۔ آسیہ بیگم بھی ساتھ ساتھ لقمے دے رہی تھیں۔

"پڑھائی میں تو ماشاءاللہ بہت تیز ہے۔"

شوکت صاحب کو آسیہ بیگم کا یہ رویہ برا محسوس ہو رہا تھا مگر کیا کرتے۔ ظہیر صاحب شرمندہ ہو رہے تھے جبکہ فائزہ مطمئن سی تھی۔ کوئی ملال نہیں تھا اسے۔ جب اسے طلال سے کوئی دلچسپی ہی نہیں تھی تو ملال کیسا۔ ہاں البتہ امی کی وجہ سے ہو رہا تھا کہ وہ ہرٹ ہوں گی۔

"وہ آسیہ آج ہم بہت اہم بات کرنے آئے ہیں۔"

رابعہ بیگم نے پہلے شوہر کی طرف دیکھا پھر بات شروع کی۔ فائزہ اور زیب باہر چلی گئیں۔

"جی...... جی بسم اللہ۔ آپ بات کریں۔" آسیہ بیگم سے خوشی سنبھالنی مشکل ہو گئی۔ رابعہ بیگم کا بھی دل خراب ہونے لگا۔ ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ کس طرح ان کی خوشی پامال کریں۔ وہ اٹھ کر ان کے قریب آ گئی۔ ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

"دیکھو آسیہ! میں جانتی ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو۔ طلال کو تم نے کس روپ میں دیکھا ہے۔ لیکن میری بہن بعض اوقات وہ نہیں ہوتا جو انسان چاہتا ہے۔ مجھے تمہارے جذبات کی قدر ہے اور ملال بھی ہے لیکن اولاد کے رشتے طے کرتے وقت والدین کو خیال رکھنا چاہئے کہ وہ کیا چاہتے ہیں کیونکہ زندگی انہوں نے گزارنی ہوتی ہے اور کامیاب زندگی میاں بیوی کی باہمی رضامندی اور آپس میں سوچ کی ہم آہنگی ہی سے گزرتی ہے۔ کامیاب زندگی کے لئے دونوں فریقین میں پسندیدگی کا رشتہ ضرور ہونا چاہئے۔ تب ہی خوشگوار زندگی۔"

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں بھابی؟"

رابعہ بیگم جو مناسب لفظوں اور خوبصورت طریقے سے تمہید باندھ رہی تھیں۔ وہ آسیہ بیگم کو مشکوک کر گئیں۔ وہ درمیان ہی میں بول پڑیں۔

"آسیہ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم نے اپنی زندگی گزار لی ہے۔ ہمارے بچے پڑھے لکھے باشعور ہیں۔ ہم سے زیادہ بہتر اور مثبت سوچ رکھتے ہیں۔ بہرحال قصہ مختصر ہم نے طلال کی خوشی اور اس کی پسند سے اس کی بات اس کی کلاس فیلو ڈاکٹر سحر کے ساتھ طے کر دی ہے اور اب جلد ہی شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔"

خبر اتنی دھماکا خیز تھی کہ کچھ دیر تو آسیہ بیگم کے کان سائیں سائیں کرتے رہے۔ وہ تو کوئی اور ہی...... خبر سننا چاہتی تھیں۔ انہوں نے تو ہمیشہ ہر اچھی چیز پر اپنی فائزہ کا حق سمجھا تھا۔ اور طلال تو ان کو پسند ہی فائزہ کے لئے تھا۔ وہ جو خوبرو جوان اور کامیاب ڈاکٹر تھا وہ...... وہ کسی اور کا ہو گیا۔ کوئی اور لڑکی ان کی فائزہ پر سبقت لے گئی۔ یہ خیال ہی ان کو وحشت ناک بنا گیا۔ دونوں مردوم بخود بیٹھے تھے۔

"اگر یہ ہی ڈراما بازی کرنا تھی تو میری بیٹی کو لپٹا لپٹا کر کیوں پیار کیا کرتی تھیں۔"

مارے غصے کے ان کے منہ سے بات ہی نہیں نکل رہی تھی۔

"آسیہ! اس قدر غصے میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ شادی کوئی ایک دو روز کی بات تو ہے نہیں کہ میں لڑکے کو مجبور کر دیتی اور رہی بات پیار کرنے کی تو فائزہ میری بیٹی بھی تو ہے' مجھے اچھی لگتی ہے لیکن میں نے اسے دوسری نظر سے نہیں دیکھا۔ گھر کی ساری لڑکیاں مجھے اچھی لگتی ہیں۔ میری اپنی بیٹیاں ہیں سب۔ سحر' طلال کی اولین پسند ہے۔"

"ہونہہ! ڈاکٹر ہے ناں۔ اسی لئے ماں بیٹے کی اولین پسند بن گئی۔ کما کر کھلائے گی ناں اس لئے۔ میری بیٹی ڈاکٹر ہوتی تو میں دیکھتی۔ کس طرح انکار کرتیں۔"

شدت غم اور غصے سے آسیہ بیگم کا برا حال تھا۔ ایک خواب ٹوٹ گیا تھا۔ کتنے ارمانوں سے وہ طلال کو دیکھا کرتی تھیں۔ فائزہ کے دولہا کے روپ میں۔

"غلط بات نہیں سوچتے آسیہ میری بہن! ایسی کوئی بات نہیں۔ ہمارے لئے ساری بچیاں ایک جیسی ہیں۔ فائزہ اگر ڈاکٹر ہوتی بھی کیا فرق پڑتا۔ بات تو ساری پسند کی ہے ناں۔ طلال' سحر کو پسند کرتا ہے۔ اس نے خود فائزہ کے لئے انکار کر کے سحر کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی تھی تو ہم کیا کرتے۔ دیکھو آسیہ! یہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ان کی وجہ سے ناراض ہونا کوئی مناسب بات نہیں۔ فائزہ میں کیا کمی ہے۔ چلو طلال نہ سہی۔ بلال بھی میرا ہی بیٹا ہے۔"

ظہیر صاحب نے کھڑے ہو کر بہن کو ساتھ لگایا جو بے حد غصے میں تھیں۔ انہوں نے بلال کا نام لیا تو دروازے کے ساتھ لگی فائزہ اور زیب کانپ کر رہ گئیں۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ کا شکر ہے۔ میری بیٹی لاکھوں میں ایک ہے۔ اسے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ میں نے کوئی منت نہیں مان رکھی کہ بیٹی کو آپ ہی کے گھر بیاہوں گی۔ طلال نہیں تو بلال۔ ہونہہ۔ سنبھال کر رکھئے۔ اپنے بیٹے بلال کو بھی۔ اس نے بھی کوئی پسند کر رکھی ہو گی۔ حد ہو گئی۔ رشتے داری کا کوئی خیال ہی نہیں۔ بچوں کی پسند کو اہمیت دی جا رہی ہے۔"

آسیہ بیگم نے غصے میں ان کی آفر بری طرح ٹھکرا دی تو زیب اور فائزہ کا رکا ہوا سانس بحال ہوا۔ دونوں مسکرا دیں۔

"آسیہ! اس وقت تم غصے میں ہو' بات تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہی۔ مانا تم نے جو خواہش کی' پوری نہیں ہو سکی۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ خونی رشتے داری کو خراب کیا جائے نئی رشتے داری کے پیچھے تم خود سوچو کہ اگر تمہارے ساتھ یہ صورت حال ہوتی تو۔"

"مجھ سے تو آپ بات ہی نہ کریں رابعہ بیگم۔ ہونہہ دوغلی عورت۔"

آسیہ بیگم نے رابعہ بیگم کو بہت بری طرح پیچھے دھکیلتے ہوئے نفرت سے بھابی کے بجائے رابعہ بیگم کہا اور منہ ہی منہ میں دوغلی عورت بڑبڑانے لگیں جو انہوں نے صاف سن لیا۔

"آسیہ! ختم کرو اب یہ ڈراما بہت ہو گیا۔ یہ تمہارے بڑے بھائی ہیں نئے رشتے نہ ہوں تو کوئی خونی رشتہ ختم نہیں کر دیتا۔"

اس سارے قصے میں شوکت صاحب پہلی بار بولے۔ ان کو رابعہ بیگم کے ساتھ بیوی کا رویہ پسند نہیں آیا تھا۔

"آپ تو چپ ہی رہیں تو بہتر ہے۔ ارے بھائی' بہنوں کا مان ہوتے ہیں۔ آپ نے بھی تو بہن' بھانجیوں کو سینے سے لگا رکھا ہے۔" آسیہ بیگم شوہر کو کاٹ کھانے کو دوڑیں تو ایک زخمی مسکراہٹ شوکت صاحب کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"ہونہہ! جس طرح سینے سے لگا رکھا ہے۔ یہ لوگ بھی جانتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے رابعہ ہم چلتے ہیں۔" ظہیر صاحب کھڑے ہو گئے۔

"جی شوق سے تشریف لے جائیے۔ روکے گا کوئی نہیں۔"

آسیہ بیگم حد سے زیادہ بد اخلاق ہو رہی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے آسیہ! تم فائزہ کے لالچ میں ہماری عزت کرتی رہیں ورنہ خونی رشتے کا تو تمہیں کوئی احترام نہیں۔"

رابعہ بیگم نے بہت ضبط کیا تھا مگر پھر بھی یہ شکوہ لبوں پر آ ہی گیا۔

"یہ ہی سمجھ لیجئے' بھابی صاحبہ۔ اور جاتے جاتے یہ بھی سن لیجئے کہ میرا آپ سے مرنا جینا آج سے ختم۔"

"آسیہ! تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔" شوکت صاحب نے بلند آواز میں ان کو ٹوکا۔

"ہاں۔ ہاں نہیں ہوں۔ میں اپنے حواسوں میں۔ یہ لوگ کون ہوتے ہیں گھر آ کر میری چاند سی بیٹی کو ٹھکرانے والے۔ ان کی آگے لڑکیاں ہیں۔ اللہ میاں میری بیٹی کا بدلہ ضرور لے گا۔"

ان کی بیٹیوں کو کوستی ہوئی آسیہ بیگم دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

رابعہ بیگم پڑھی لکھی بہت صبر و تحمل والی خاتون تھیں مگر اتنی بے عزتی کے بعد وہ برداشت نہ کر سکیں اور رو پڑیں۔

"رابعہ بھابی! وہ تو پاگل عورت ہے۔ میں آپ سے ہاتھ باندھ کر معافی مانگتا ہوں۔ اس انسلٹ کی جو اس عورت نے آپ کی' کی ہے۔ پتا نہیں اس کا انجام کیا ہو گا۔ میں آپ دونوں سے معافی چاہتا ہوں۔" شوکت صاحب نے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیئے۔

"کیسی باتیں کرتے ہو شوکت! وہ میری بہن ہے۔ میں اسے جانتا ہوں بچپن سے کسی چیز کو اپنا کہہ دیا تو کسی اور کو ہاتھ نہیں لگانے دیا۔ اور یہ تو اس کے نزدیک ہم نے اس کی بیٹی کی توہین کی ہے۔ توبہ۔ بھلا کوئی اپنی بیٹی کو بھی کچھ کہہ سکتا ہے۔ مگر خیر' تم ملال نہ کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ غصہ اترے گا تو خود احساس ہو جائے گا اسے کہ اس نے کیا کہا ہے۔"

آسیہ بیگم تو اپنے کمرے میں تھیں۔ شوکت صاحب بہت نڈھال ہو رہے تھے۔ ظہیر صاحب نے ان کو لٹا دیا تھا۔ فائزہ اور زیب جلدی سے رابعہ بیگم کی طرف بڑھیں۔

"مامی! امی نے آپ کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ وہ آپ سے سوری ضرور کریں گی۔ ابھی میں ان کی طرف سے معافی مانگتی ہوں۔"

فائزہ نے مامی کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تو انہوں نے بے ساختہ اسے ساتھ لگا لیا۔

"فائزہ تم ایسا کیوں کر رہی ہو۔ یہ ہم بڑوں کا معاملہ ہے۔ اسے دکھ ہوا اس نے کہہ دیا۔ تم تو میری بیٹی ہو۔ میری جان۔" انہوں نے فائزہ کی پیشانی چوم لی۔

"مامی! امی کو جانے کیوں غلط فہمی تھی۔ میں نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا طلال بھائی کے بارے

میں۔کاش۔ہم طلال بھائی کی شادی انجوائے کر سکتے۔"

"ہاں بیٹے میری تو خواہش تھی کہ سب کام خوشی سے ہو جائیں مگر خیر____ چلو......اس سے قبل کہ آسیہ دھکے دے کر نکالے ہم چلتے ہیں۔"

"اچھا بیٹے۔اللہ حافظ۔" ظہیر صاحب نے باری باری دونوں کو پیار کیا اور چلے گئے۔

"امی کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔اتنی اچھی مامی' ماموں۔اف اتنی انسلٹ کی ہے امی نے ان لوگوں کی۔ یچ زیب جی چاہتا ہے کہ امی سے خوب لڑوں۔ مامی نے کتنی اچھی بات کی ہے کہ جنہوں نے زندگی گزارنی ہوتی ہے' ان کی پسند اور رائے کو اہمیت دینی چاہیے۔ پڑھی لکھی ہیں ناں اس لئے۔"

فائزہ کو رہ رہ کر مامی کا اترا ہوا چہرا یاد آ رہا تھا۔

"ہاں فائزہ واقعی بہت افسوس کی بات ہے۔"

"زیب کیا یہ بہتر نہیں ہوتا کہ ہم حسن کے بارے میں امی کو پہلے بتا دیتے تو شاید وہ ایسا نہ کرتیں۔"

"نہیں فائزہ یہ تمہاری بھول ہے۔اب تو شاید وہ حسن پر توجہ دیں بھی مگر پہلے تو طلال کے مقابلے میں وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتیں۔اب دیکھنا انشاءاللہ حسن کی راہ ہموار ہو جائے گی۔"

☆......☆......☆

"کیا سوچا جا رہا ہے جاناں۔جاناں؟"

علی نے اپنی سوچوں میں گم تیمور کے سامنے تولیہ لہرایا تو وہ مسکرا دیا۔

"جو جاناں۔پہنچ سے دور ہو اس کے بارے میں کیا سوچنا۔سنا نہیں تھا وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ پیار محبت یہ جذبے سب کتابی باتیں ہیں۔حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں۔یہ لوگ صرف دولت پرست ہوتے ہیں۔اپنا اسٹیٹس ان کو ہر بات سے زیادہ عزیز ہوتا ہے۔"

تیمور کو نجل کی وہ بات بہت دکھ دے گئی تھی۔ایک تو وہ ویسے ہی اس کی طرف نہیں بڑھتا تھا اوپر سے نجل کی ایسی باتیں زیادہ ہمت توڑ دیتیں۔

"یار عاشقوں کی تاریخ میں تم لوگ اپنی نوعیت کی ایک ہی مثال ہو...... ایک بار تم ہمت تو کرو۔" علی استری چھوڑ کر اس کے قریب آ بیٹھا

"کیسی ہمت؟" تیمور تکیہ رکھ کر نیم دراز ہو گیا۔

"اسے بلاؤ اور ہاتھ پکڑ کر کہہ زلیخا! آئی لو یو۔"

"اس نے پتا ہے کیا کرنا ہے۔میرے منہ پر پنجہ جمانا ہے اور کہنا ہے پہلے یہ بتاؤ کہ زلیخا......کون چڑیل ہے۔"

"بس تم سے تو مذاق کا بیڑا غرق کروا لو۔اچھا یہ بتاؤ شانی کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"میں اس کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اسے کس طرح سے اس لالچی بڑھیا بڈھے سے بچاؤں۔ میں اگر اسے لینے جاتا ہوں تو وہ اپنا تقاضا دہراتے ہیں۔اور اگر نہیں جاتا تو وہ اس کی شادی اس خبیث انسان کے ساتھ کر دیں گے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔" تیمور شانی کی وجہ سے خاصا پریشان تھا۔

"میرا خیال ہے تیمور کہ ہمیں اب کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا ورنہ بعد میں پچھتانا پڑے گا۔ایسے کرتے ہیں کہ ٹرم کے بعد ہم دونوں جائیں گے اور لڑکی کو لے آئیں گے۔"

"ہم کیسے لے آئیں گے علی' وہ بڈھا تو یہی چاہتا ہے کہ کسی طرح مجھے پھانس لے۔ اگر ہم شانی کو لے آئے تو وہ اغوا کا کیس بنا دے گا۔"

"احمق ہو یار تم بھی' اغوا کا کیس کیوں کر ہو سکتا ہے۔لڑکی عاقل و بالغ ہے۔ وہ ایک بار کہہ دے گی کہ میں اپنی مرضی سے ان کے ساتھ جا رہی ہوں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کسی بات کا۔"

"بہت رسکی کام ہے علی۔ یہاں لا کر رکھیں گے کہاں۔ ہم تو خود ہوسٹل میں رہتے ہیں۔" تیمور بہت فکر مند تھا شانی کے لئے۔

"تیمور تمہارا فون ہے۔" باہر سے جاتے ہوئے کسی لڑکے نے کہا تو وہ اٹھ کر آ گیا۔

"ہیلو......ہی آپ۔"

☆......☆......☆

کسی خاتون کی آواز پر تیمور جزبز سا ہو گیا۔

''ہیلو علی۔''

''جی میں علی نہیں ہوں۔ تیمور ہوں اس کا دوست۔''

اب الجھن دور ہوئی کہ خاتون علی سے بات کرنا چاہ رہی تھیں۔

''اوہ۔ تیمور کیسے ہو بھائی۔ میں ہوں شہناز۔''

''اوہ اچھا باجی! کیسی ہیں آپ۔ خیریت تو ہے ناں۔ احمد بھائی تو ٹھیک ہیں ناں۔''

''ہاں بھیا! وہ تو ٹھیک ہیں۔ یہ علی کو بلاؤ۔ اتنا بے مروت لڑکا ہے۔ والدین سعودیہ میں ہیں۔ دو بہن بھائی ہم یہاں ہیں' مگر مجال ہے' کبھی اپنی خیریت بتادے۔ پچھلے دنوں اخبار میں یونیورسٹی میں ہنگاموں کی خبر چھپی تھی' میں تو فکر مند ہو گئی۔ تم دونوں بھی تو سیاست میں منہ مارتے ہو۔ ہزار بار منع کیا ہے' مگر اثر کہاں ہوتا ہے۔ تم لوگوں کو۔''

''ارے نہیں باجی! ایسی کوئی بات نہیں۔ بس لڑکے ذرا جوش میں آجاتے ہیں۔ تھوڑا بہت اختلاف ہو جاتا ہے اور اخبارات کو تو بس ہوا لگنے کی دیر ہوتی ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔'' اس نے باجی کو مطمئن کرنا چاہا۔

''باتیں نہ بناؤ تیمور! ہوا چلتی ہے تو لگتی ہے ناں۔ بہرحال یہ حضرت موجود ہیں ہوسٹل میں کہ۔''

''جی ...... جی علی موجود ہے۔ ہم زیادہ تر وقت ہوسٹل میں ہی گزارتے ہیں۔ ابھی بھی ہم باتیں کر رہے تھے کہ آپ کا فون آیا تو کسی لڑکے نے شرارت سے مجھے کہہ دیا کہ میرا فون ہے۔ اس لیے میں آگیا۔ آپ ہولڈ کیجیے۔ میں ابھی اسے بھیجتا ہوں۔''

☆......☆......☆

''خدایا ان لوگوں سے تمام خوشیاں چھین لے' جو دوسروں کا مان توڑتے ہیں۔ ہائے کتنا چاہا تھا اس طلال کو اور اس کمنی رابعہ کو سب پتا تھا۔ مگر کیسی چھپی رہی سات پردوں میں۔ ارے کم بخت اگر تمہیں یہ رشتہ نہیں کرنا تھا تو صاف کہہ دیتیں پہلے ہی۔ اللہ تیری بیٹیوں کو بھی یوں ہی ذلیل وخوار کرے۔ جیسے تو نے میری معصوم چاند سی بیٹی کو کیا ہے۔ ارے لوگوں کی ایسی عیبوں والیوں کو خاندان کے لوگ بیاہ لیتے ہیں' کہ ہم نہ کریں گے تو باہر کے لوگ کیوں کرنے لگے۔ مگر یہ...... یہ عورت تھی ہی نہیں

میری چاند سی بیٹی کے قاتل ارے طلال! تجھے خدا ہی سمجھے۔ تجھے ترقی نصیب نہ ہو۔''

آسیہ بیگم کو تو ایسا شاک لگا تھا۔ دو دن انہوں نے سوگ میں کھانا نہیں کھایا تھا۔ ابھی بھی تخت پر بیٹھی مستقل بھائی' بھاوج اور طلال کو کوسنے دیے جا رہی تھیں۔ زیب اور فائزہ سن رہی تھیں۔ نسیمہ بیگم ڈرتے ڈرتے آگے بڑھیں۔

''بھابی جان! جانے دیجیے۔ یہ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ اس طرح کوسنے نہ دیں۔ اگر خدا نہ کرے ان کو کچھ ہوا تو تکلیف آپ ہی کو ہو گی۔ کبھی گوشت بھی ناخنوں سے جدا ہوا ہے۔''

''ارے بس رہنے دو۔ آتے ہیں یہ سارے سبق مجھے بھی' اور کسی کو کچھ ہوتا ہے تو ہوا کرے' مرتے ہیں تو مریں۔ اپنی اولاد سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا۔ تم ہی بتاؤ۔ کیا کمی تھی فائزہ میں' جو رابعہ بیگم نے ٹھکرا دیا۔''

آسیہ بیگم نے بہت برے انداز میں نسیمہ بیگم کے خلوص سے بڑھتے قدموں کو روکا۔

''کمی کیوں ہونے لگی ہماری بیٹی میں۔ بس مقدر میں ہی نہیں لکھا تھا تو۔'' وہ بے چاری اور کیا کہتیں۔

''ارے رہنے دو۔ ہم انسان اپنے اندر کی کمزوریوں کو مقدر اور نصیب سے موسوم کر دیتے ہیں۔ اور نسیمہ سن لو۔ اگر بلال کے ساتھ تم نے اپنی کسی لڑکی کا رشتہ کیا تو مجھ سے کیا سارے بھائیوں سے جاؤ گی۔ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔''

نسیمہ بیگم جو ان کے قریب بیٹھنے لگی تھیں۔ ان کا ایک پاؤں تخت پر اور دوسرا زمین ہی پر رہ گیا۔ وہ سن سی ہو گئیں۔

''ہونہہ! میری بدنصیب بیٹیاں اتنے نصیب ہی کہاں لائی ہیں' کہ بلال جیسا قابل لڑکا نصیب ہو۔'' وہ دکھ سے سوچ کر رہ گئیں۔

''آپ کیسی باتیں کرتی ہیں بھابی! جب رابعہ بھابی نے فائزہ جیسی خوبصورت لڑکی کو قابل اعتنا نہیں جانا' تو میری بیٹیاں کسی قابل ہی کب ہیں۔ آپ بے فکر رہیے۔''

''ہاں ...... ٹھیک ہے۔ ایسا سوچنا بھی نہیں۔''

''جی بہتر......'' وہ دکھی دل لیے وہاں سے ہٹ گئیں۔ یہ تو بہتر ہوا کہ فائزہ اور زیب وہاں سے ہٹ گئی تھیں۔ ورنہ زیب شاید ان کی بات برداشت نہ کر سکتی۔

''فائزہ! اب کیا ہو گا۔ مامی نے تو ان لوگوں سے مرنا جینا ختم کر لیا ہے۔''

زیب کو اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا۔

''تو اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کون سی ضرورت ہے' اللہ پر بھروسا رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ذرا لان میں چلتے ہیں۔ آج پتا ہے۔ حسن بتا رہا تھا کہ اس کی چھوٹی بہن کیلئے ایک رشتہ آیا ہے۔ اونہوں یہ کس وقت ٹپک پڑیں۔''

فائزہ اسے تفصیل بتا رہی تھی کہ سامنے سے صائمہ اور زاہدہ بیگم کو گاڑی سے اترتے دیکھ کر اس نے بہت برا سا منہ بنایا۔

''تمہارا رشتہ ختم ہونے کی تعزیت کرنے آئی ہیں شاید......''

"ہاں جلتی پر تیل چھڑکنے آئی ہیں۔ زیب! یہ دونوں ماں بیٹی انتہائی خطرناک ہیں تمہیں بتاؤں۔ امی تم لوگوں کے اتنا خلاف نہیں تھیں یہ ان لوگوں نے بھڑکا کر ایسا کر دیا ہے۔"

فائزہ اپنی ماں کے رویے کی وجہ سے شرمندہ ہو رہی تھی اس نے الزام چچی اور کزن پر دھر دیا گو کہ اس میں زیادہ حقیقت نہیں۔

"ہاں۔"

زیب نے آہستگی سے یوں "ہاں" کہا۔ گویا کہہ رہی ہو کہ مامی اب اتنی بھی بچی نہیں کہ بہکانے میں آ کر یہ سب کریں۔ آخر اللہ پاک نے ان کو بھی تو عقل دی ہے۔

"زیب! تم جلدی سے کچن میں چلی جاؤ۔ میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ یہ ماں بیٹی مجھے اور تمہیں یوں دیکھیں گی ناں تو کباب ہو جائیں گی اور ان کی چالوں سے تو اللہ ہی بچائے۔"

زیب کچن میں چلی گئی اور فائزہ اپنے کمرے میں۔

"امی! لگتا ہے۔ یہاں تو رشتہ ختم ہونے کا اچھا خاصا سوگ منایا جا رہا ہے۔ کتنا سناٹا ہے گھر میں۔"

"ہاں آہستہ بولو اور ان کے سامنے کسی خوشی کا اظہار مت کرنا۔"

زاہدہ بیگم نے اسے ٹوکا۔ دونوں آسیہ بیگم کی طرف بڑھیں جنہوں نے ان کو دیکھ کر ایسا منہ بنایا۔ جیسے کہہ رہی ہوں دفع ہو جاؤ۔

"ہونہہ! منحوس کہیں کی۔ اب تو ٹھنڈک پڑ گئی ہو گی کلیجے میں۔ اپنی منحوس صائمہ کو ایسا فائزہ کے ساتھ کیا کہ میری بچی کا بھی رشتہ ختم کروا دیا۔"

وہ لوگ قریب آئیں تو آسیہ بیگم سر پر دوپٹہ باندھ کر لیٹ گئیں۔

ماں بیٹی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"آداب آنٹی! کیسی طبیعت ہے آپ کی۔ لائیے سر دبا دوں آپ کا۔"

صائمہ کو اپنی خدمات پیش کرنا آتی تھیں۔

"ارے نہیں بھئی۔ اب ایسا بھی درد نہیں کہ دبواؤں۔ بس ٹینشن کی وجہ سے ذرا۔"

"ارے بھابی جان! ٹینشن بھی کوئی معمولی بات کی تو نہیں کہ برداشت کر لی جائے۔ میں نے سن تو لیا تھا مگر یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ رابعہ بھابی فائزہ کا رشتہ ختم کر دیں۔ بھلا ہماری بیٹی میں کمی کیا تھی۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ ارے میں تو کہتی ہوں بھابی رابعہ پچھتائیں گی عمر بھر۔ چراغ لے کر بھی نکلیں گی تو ایسی لڑکی نہ ملے گی۔"

زاہدہ بیگم کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر گیا تھا کہ رشتہ ختم ہو گیا ہے لیکن اوپر سے باتیں بنا رہی تھیں۔

"... گی کیا۔ مل گئی ہے تو انکار کیا ہے ناں۔ فرما رہی تھیں طلال کو اپنی کلاس فیلو سحر پسند ہے اسی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

آسیہ بیگم نے بھی خوب منہ بگاڑ بگاڑ کر رابعہ بیگم کی نقل اتاری۔

"بس بھابی! یہی تو خرابی ہے۔ لڑکے اور لڑکیوں کے ایک ساتھ پڑھنے میں۔ لڑکے تو باہر کی

لڑکیاں دیکھ کر ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ اور سچ پوچھیے تو ہماری ہی لڑکیاں سیدھی ہیں ورنہ لوگوں کی لڑکیوں کو خوب آتا ہے بیوقوف بنانا۔ ایسے اچھے گھروں کے لڑکوں کو پھانستی ہیں کہ خدا کی پناہ...... اور خاندان کی لڑکیاں بے چاری بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ ویسے ایک بات ہے آپ خفا نہ ہوں تو کہوں۔ رابعہ بھابی بڑی گھنی ہیں۔ اپنی تعلیم کا پورا پورا فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ ایسے ایسے طریقوں سے بات کرتی اور چکر دیتی ہیں کہ ہم جیسیاں تو دیکھتی رہ جائیں۔"

زاہد بیگم کی ان باتوں پر ان کی اپنی بیٹی حیران نظروں سے ان کو دیکھ کر رہ گئی کہ آپ جیسی معصوم دو چار اور ہو گئیں تو نجانے دنیا کا کیا انجام ہو۔

"چھوڑو دفع کرو۔ اس ذکر کو۔ اب میری بیٹی ایسی گری پڑی بھی نہیں کہ طلال ہی رہ گیا تھا۔ میری فائزہ کیلئے ایک سے ایک رشتہ ہے۔"

آسیہ بیگم کو اس پھاپھا کٹنی سے چڑ ہونے لگی تو وہ منہ بنا کر بولیں۔

"خدا نہ کرے بھابی جان! جو ہماری چاند جیسی بیٹی کو لڑکوں کی کمی ہو ایک سے ایک اچھے گھرانے کے لڑکے ہیں۔ میرے ہاتھ میں آپ حکم تو کریں۔"

زاہدہ بیگم کو اور کون سا موقع چاہیے تھا۔ اندر گھسنے کا اور زہر پھیلانے کا مگر آسیہ بیگم کچھ اور سوچ رہی تھیں۔ ان کو خبر تھی کہ ان کے ہاتھ میں کیسے لڑکے ہیں جو ہرگز بھی ان کی بیٹی کے لائق نہیں تھے۔

"فائزہ کو چھوڑو۔ پہلے زیب چڑیل سے تو میرا پیچھا چھڑاؤ۔ اس کا باپ اور۔

صائمہ! بیٹی تم اندر جاؤ فائزہ کے پاس۔ یہاں کیا کر رہی ہو۔"

بات کرتے کرتے آسیہ بیگم کو صائمہ کی موجودگی کا احساس ہوا۔ وہ اس کے سامنے کچھ بولنا نہیں چاہتی تھیں۔

"جی بہتر۔" صائمہ سعادت مندی کا پتلی بنی اٹھ گئی۔

"ہاں میں کہہ رہی تھی۔ زیب کے لیے کوئی ایسا رشتہ دیکھو کہ نہ اس کے ماموں کو اعتراض ہو اور نہ اس کی ماں کو۔ بس میں اسے شعیب کی دلہن بنا کر تمام عمر اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتی۔"

لاکھ زاہدہ بیگم بری سہی مگر اب ان سے مطلب تو نکلوانا تھا۔

"ارے بھابی جان! آپ فکر نہ کریں۔ ایسا رشتہ ہو گا کہ کسی کو تو کیا۔ خود زیب بیگم کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔" زاہدہ نے پان منہ میں رکھتے ہوئے۔ آسیہ بیگم کو اچھی طرح یقین دہانی کرائی۔

"بہن! یہ تمہارا مجھ پر احسان ہو گا۔ جو اس چڑیل سے جان چھڑا دو گی۔ ورنہ تو باپ تو دیوانہ تھا ہی بہن بھانجیوں کے عشق میں۔ اب بیٹا بھی پاگل ہو گیا ہے شعیب کہتا ہے کہ زیب کے علاوہ کسی سے شادی نہ کرے گا۔"

"کاش کہ زیب اور شعیب کی شادی ہو جائے۔ میری صائمہ کا تو راستہ صاف ہو جائے۔"

زاہدہ بیگم حد سے زیادہ مفاد پرست خاتون تھیں۔ ہر معاملے میں اپنا نفع پہلے سوچتیں اور زیب اور شعیب کی شادی میں ان کو اپنا زیادہ فائدہ نظر آ رہا تھا۔

"میں نے کہا ناں بھابی! آپ فکر ہی نہ کریں۔ ایسا رشتہ ہو گا کہ کسی کو انکار نہیں ہو گا۔ صائمہ اٹھو بیٹا! موسم خراب ہے۔ بارش ہو گئی تو۔"

ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ وہ باہر جھانکتے ہوئے کھڑی ہو گئیں۔

''ارے بیٹھو بھی۔ کوئی پرائے گھر میں ہو۔ بارش ہو گئی تو گھر فون کر دینا۔''

''نہیں بھابی! آپ کو معلوم ہے گھر میں پرایا لڑکا آیا ہوا ہے۔ باہر کا پلا بڑھا ہے' سو سو تو نخرے ہیں اس کے اور پھر یہ خوف بھی رہتا ہے کہ کوئی بات ناگوار نہ گزرے' خاندان میں عزت کا مسئلہ ہوتا ہے۔''

''جواد ہے تو اچھا لڑکا۔ کوشش کرنا کہ صبا' ہما میں سے کسی کا جوڑ بن جائے۔''

''ارے آپ کے منہ میں گھی شکر بھابی جان! کوشش کیا کرنی ہے۔ ہوتا تو وہی ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔ اچھا بھابی اجازت' اور آپ اس معاملے میں قطعی فکر نہ کریں' انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ صائمہ آؤ بیٹی۔''

زاہدہ بیگم حسب عادت جلدی جلدی بولتی ہوئی اٹھیں۔ صائمہ بھی مسکراتی ہوئی فائزہ کے کمرے سے برآمد ہو گئی۔

''مامی! یہ خط شذرا کو دیجیے گا۔''

کافی دنوں سے شذرا اور فرخ نہیں آئے تھے' کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ زیب نے حال احوال بتا کر اور پوچھ کر اسے صبر وضبط کی تاکید کی تھی۔ خط دینے سے قبل انہوں نے پڑھ لینا اپنے حق میں بہتر جانا مگر سادہ' سی تحریر بھی پڑھی نہیں گئی' تو خط صائمہ کو تھما دیا۔

''کوئی خاص بات نہیں امی۔'' صائمہ نے بے دلی سے خط پرس میں رکھ لیا۔

''گھر چلیں۔''

صائمہ نے گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے ماں سے پوچھا۔ زاہدہ بیگم نے خاص طور پر صائمہ کو ڈرائیونگ سکھائی تھی' تاکہ کسی کی محتاجی نہ رہے۔

''نہیں۔ اب ہم ظہیر صاحب کے ہاں جائیں گے' ذرا پتا تو کریں' شادی کی تیاریاں کیسی ہو رہی ہیں۔''

اور پھر ماں بیٹی ظہیر صاحب کے ہاں پہنچ گئیں۔

''آپ لوگ۔'' سب لوگ ہی ان دونوں کو دیکھ کر حیران ہوئے۔

''ہاں ہم لوگ۔ ارے بھابی! مبارک ہو۔ بہت بہت۔ اللہ بہتر...... کرے طلال بیٹے کے سہرے کے پھول کھلیں۔''

زاہدہ بیگم چاپلوسانہ انداز میں طلال کی بلائیں لیتی۔ رابعہ بیگم سے لپٹ گئیں۔

''خیر مبارک زاہدہ! تم کیسے آ گئیں۔ تمہاری جیٹھانی کو خبر ہو گئی تو۔''

''ارے تو ہوا کرے خبر۔ یہاں کس کو پروا پڑی ہے۔ بھائی جان! ہمارا تو ایمان ہے کہ رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں' اور پھر اللہ کے کاموں میں ہم کیونکر مداخلت کر سکتے ہیں۔ اللہ مبارک کرے۔ خیر سے کیا تاریخ رکھی ہے آپ لوگوں نے۔ یہ ظہیر بھیا اتنے ملول کیوں نظر آ رہے ہیں۔''

زاہدہ بیگم نے ایک سانس میں بے شمار باتیں کرتے ہوئے ماحول اور سب کے چہروں کا جائزہ بھی لے لیا۔

''ظاہر ہے۔ اکلوتی بہن کے رویے نے بددل کر دیا ہے' اور پھر پورے خاندان میں پہلی خوشی تھی۔ کتنے ارمان تھے ہمارے۔ کیا کچھ سوچ رکھا تھا کہ سارا خاندان جمع ہو گا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ ساری لڑکیوں کو مہینہ بھر پہلے اپنے گھر لے آؤں گی۔ کام بھی کریں گی' اور انجوائے بھی کریں گی۔ لیکن آسیہ نے ساری خوشی ملیامیٹ کر دی ہم لوگوں کی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ انسان اپنی اولاد کی خوشیوں کا گلا گھونٹ کر ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتا پھرے تاکہ وہ تمام عمر روتے رہیں۔''

رابعہ بیگم بہت زندہ دل قسم کی صلح جو خاتون تھیں۔ آسیہ بیگم کے رویے نے بہت دل برداشتہ کر دیا تھا۔ وہ افسردہ سی تھیں۔

''ارے بھابی جان! آپ دل چھوٹا کیوں کرتی ہیں۔ ہم مر گئے ہیں کیا۔ صائمہ روز آیا کرے گی' آپ کا ہاتھ بٹانے کے لیے۔ یہ آسیہ بھابی تو ہیں ہی بہت عجیب سی۔ خود کو اور اپنی بیٹی کو تو نجانے کیا سمجھتی ہیں۔ میرا مطلب ہے' آپ فکر نہ کریں میں خود آ جایا کروں گی۔ صائمہ آیا کرے گی۔ آپ کے ساتھ کام کرنے کے لیے۔ اچھے بھائی کی بری بنائے گی۔''

زاہدہ روانی میں اور بھی بہت کچھ کہتیں آسیہ بیگم کے متعلق' کہ ظہیر صاحب پر نظر پڑ گئی۔

''ضرور آنا زاہدہ! مگر بات صرف کام کی نہیں' خوشی کی ہوتی ہے۔ مان کی ہوتی ہے۔ آسیہ نے ہمارے سارے مان توڑ دیے ہیں۔ بچیاں تھیں' آتیں خوش ہوتیں مگر۔''

رابعہ بیگم کو بہت افسوس تھا کہ محض ایک آسیہ بیگم کی وجہ سے خوشی خراب ہو گئی تھی۔

''آنٹی! اگر آپ کہیں تو میں زیب کو بھی لے آیا کروں گی۔ کوئی نہ کوئی بہانا بنا کر۔''

صائمہ نے بلال کو اندر آتے دیکھ کر اسے سنانے کی غرض سے کہا۔ اس نے ایک چبھتی ہوئی نظر اس پر ڈالی اور آگے بڑھ گیا۔ اسے یہ ساری فیملی ہی ناپسند تھی۔

''نہیں بیٹی! میں سب کچھ جانتی ہوں۔ میں ان معصوم بچیوں کی دشمن کیوں بننے لگی۔ تم ایسی غلطی ہرگز نہ کرنا۔''

☆......☆......☆

تبدیلی تو گھر میں سب ہی چاہتے تھے' مگر خوشگوار تبدیلی۔ یہ کیسی تبدیلی آئی۔ قیامت خیز کہ سب کچھ تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس تبدیلی نے۔ نبیل کی شادی اور پھر صوفیہ بیگم کی بیماری' موت کے منہ سے واپسی معمولی تبدیلی نہیں تھی۔ اس نے سب کو اپنی اپنی جگہ ہلا کر رکھ دیا تھا۔ نبیل کے عاق کر دینے کی تبدیلی' جہاں شہرین کیلئے خوشگوار تھی۔ وہاں باپ بہنوں اور بھائیوں کیلئے تکلیف دہ بھی تھی۔ ماں کو تو ابھی اپنا نہ ہوش تھا۔ وہ زیادہ تر دواؤں کے زیر اثر رہتیں اور ذرا ہوش آ جاتا تو روئے جاتیں۔ فاطمہ آمنہ اور نگل تو دن رات مما کی خدمت میں حاضر رہتیں۔ خصوصاً فاطمہ تو ہر وقت ماں کے ساتھ چپٹی رہتی۔ فاروق صاحب اپنی محبوب بیوی کو اس طرح دیکھتے تو ان کو اور طیش آتا نبیل پر۔

''مما! یہ سوپ پی لیجیے ناں۔ تھوڑا سا تو ہے۔''

صوفیہ بیگم اٹھیں تو فاطمہ سوپ لیے آگے بڑھی۔ مگر مما نے کمرے میں سب کو دیکھا۔ نبیل کو نہ پا کر پھر رونا شروع کر دیا۔ فاروق صاحب سمیت سب سمجھ گئے۔

''مما! وہ نبیل۔ امجد کے ہاں گیا ہے۔ میں خود ابھی اسے لے کر آتا ہوں۔''

راحیل کو مما کی حالت پر ترس آ گیا۔ اس نے بہلانے کی خاطر کہا تو شہرین نے ایسی کڑی نظروں سے دیکھا کہ وہ آرام سے بیٹھ گیا۔ مگر اس جھوٹی تسلی پر مما کی آنکھوں میں چمک ضرور آ گئی' انہوں نے خوفزدہ نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ وہ نظر چرا گئے۔

''ہاں۔ یہ درست کہہ رہے ہیں۔ نبیل' امجد کے ہاں گیا ہے۔ شام تک آ جائے گا۔''

فاروق صاحب کی بات پر صوفیہ خوشی سے ایک بار پھر رو پڑیں۔ بہنیں بھی باپ کے اس اعلان کے بعد خوش ہو گئیں' مگر شہرین کے چہرے پر ناگوار تاثرات ابھر آئے۔

''ہونہہ! میں جانتی تھی یہ سب ڈرامہ بازی ہے۔ دکھاوا ہے۔ عاق کرنے کا۔ بیگم کی آنکھوں نے پگھلا کر رکھ دیا پتھر کو۔''

وہ اپنے کمرے میں آ کر راحیل پر غصہ نکال رہی تھی۔ وہ تو یہی چاہتی تھی۔ سب لوگ گھر سے نکل جائیں۔ ہر چیز اور دولت جائیداد پر صرف اسی کا قبضہ ہو جائے۔

''شہری! سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پپا محض مما کو بہلانے کے لیے کہہ رہے تھے۔ مما کی حالت تم نہیں دیکھ رہیں۔ وہ کوئی ایسا صدمہ برداشت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔''

راحیل لاڈلی بیگم کو سمجھانے کی۔ بہت کوشش کر رہا تھا۔

''کوئی بہلانے کے لیے نہیں۔ دیکھ لینا۔ ایک روز پپا حضور خود جا کر لے آئیں گے۔ چہیتے بیٹے اور بہو کو۔''

''تو تمہیں اس میں اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر ہمیں مل جل کر رہنا چاہیے۔''

ماں کی بیماری اور گھر کے حالات نے راحیل کو بھی مصالحتی راہ اختیار کرنے پر مجبور کر دیا۔

''ہاں مل جل کر رہنا چاہیے اپنی کلاس کے لوگوں کے ساتھ۔ تھرڈ کلاس لوگوں کے ساتھ نہیں۔''

شہرین نے انتہائی حقارت سے کہا۔ راحیل بحث کے موڈ میں نہیں تھا۔ اٹھ کر باہر چلا گیا۔

''راحیل۔''

''جی پپا!'' پپا کی آواز پر وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

''تمہاری مما کی حالت ٹھیک نہیں۔ ڈاکٹر زیادہ پرامید نہیں ہیں۔ ایسا کرو۔ اس خبیث ناہنجار کے پاس جاؤ اور اس کو بتاؤ کہ جب تک تمہاری ماں ٹھیک نہیں ہو جاتی' یا اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے قابل نہیں ہو جاتی کہ ہم نے اسے اپنے جسم سے کاٹ کر پھینک دیا ہے۔ دن میں ایسے وقت میں ماں سے مل جایا کرے جب میں گھر پہ موجود نہ ہوں۔ میں اس نالائق کی صورت دیکھنا نہیں چاہتا۔''

راحیل خاموش نظروں سے پپا کو دیکھتا رہا اسے پپا پر ترس آ رہا تھا۔ ایک طرف وہ اپنی انا کا بھرم بھی رکھنا چاہتے تھے اور دوسری طرف بیوی کا بھی خیال تھا۔ اور اچانک اسے اپنی بیوی کا خیال آ گیا۔

''پپا! وہ آپ عدیل سے کہہ دیجیے۔ وہ لے آئے گا۔''

''کیوں تمہیں کیا ہے۔ تم ہی جاؤ گے۔ میں جانتا ہوں' تم انکار کیوں کر رہے ہو۔ اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی اہمیت ہے مجھ سے۔''

فاروق صاحب کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ شہرین سے راحیل کی شادی ان کی زندگی کی

سب سے بڑی غلطی ہے۔ یہ بزنس ڈیل ان کو بہت مہنگی پڑ رہی تھی۔

''جی بہتر۔ میں امجد کے ہاں جاتا ہوں' اس سے ایڈریس وغیرہ لے کر بات کروں گا۔'' راحیل نے آہستگی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

''نبیل! خیریت تو ہے ناں۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے۔''

نڈھال پریشان حال نبیل کو دیکھ کر مہوش جو اس سے بہت خفا تھی۔ ایک دم اس کے قریب آ گئی۔

''میں ہارا ہوا جواری ہوں مہوش! میرے گھر والوں نے میرے گناہ کی سزا میں مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ پپا نے مجھے عاق کر دیا ہے اب۔ اب مہوش میں۔ صرف میں ہوں۔ میری کوئی حقیقت نہیں۔ کوئی اسٹیٹس نہیں۔ بے وقعت' بے روزگار سا بندہ ہوں۔ باپ نے جسم سے کاٹ کر پھینک دیا ہے' مہوش میرے پاس وہ اب کچھ بھی نہیں ہے' جس کی وجہ سے تمہاری ممی یا شاید تم نے مجھے اپنایا تھا۔ آج میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ مہوش صرف کنگال شوہر ہوں تمہارا۔ میں تمہیں بھی کسی حد تک سمجھ گیا ہوں' اور تمہاری ممی کو تو میں پہلے روز ہی سمجھ گیا۔ تمہارے سامنے بہت سے راستے ہیں۔ اب مجھے سود و زیاں کا احساس نہیں رہا۔ ہاں یہ دکھ ضرور ہے کہ میں تمہاری یا تمہاری ممی کی ڈیمانڈ پوری نہ کر سکا۔ تم جب کہو گی' میں تمہیں آزاد کرنے کو تیار ہوں۔ تم جب چاہو مجھے چھوڑ سکتی ہو۔''

نبیل ایسے راستے پر آ گیا تھا۔ جہاں ایک طرف کھائی تھی تو دوسری طرف گہرا کھڈ۔ جب موت ہی مقدر ہو تو خود کو موت کے حوالے کر دینا انسان کی مجبوری ہوتی ہے۔ نبیل نے بھی خود کو ایسی ہی بے بسی کے حوالے کر کے فیصلوں کے سارے اختیار دوسروں کو دے دیے۔ مہوش' بیگم جان کے اثر میں ضرور تھی' مگر اس نے نبیل کو چاہا تھا۔ محبت سے شادی کی تھی۔ آج یوں نبیل سے اتنی شکستہ باتیں سن کر وہ جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ لاکھ اس سے خفگی سہی' مگر وہ اس سے یوں تعلق ختم کرنے کو کہے گا۔ یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

''نبیل! نبیل! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ آپ کو احساس ہے کیا کہہ رہے ہیں آپ۔''

مہوش نے اس کا شانہ ہلایا۔ کتنا دکھی' کتنا اکیلا ہو رہا تھا۔

''میں نے جو کہا ہے' درست کہا ہے مہوش! تمہارا ہر فیصلہ مجھے قابل قبول ہوگا۔ ابھی جواب دے دو یا سوچ کر دے دینا۔ میرے پاس اب کچھ نہیں ہے۔''

نبیل نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا۔

''اچھا تو پھر فیصلہ سن لیجیے کہ۔''

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی۔ بیگم جان جو نبیل کے تیور دیکھ کر دروازے ہی کے ساتھ کان لگائے کھڑی تھیں۔ نبیل کے عاق ہونے کی خبر اپنے کانوں سے سن چکی تھیں۔

''ممی! آپ جائیں' میں بات کر رہی ہوں نبیل سے۔''

مہوش کو غصہ تو آیا کہ کیوں آئی ہیں۔ مگر پھر بھی وہ ضبط سے بولی۔

''اب اس کنگلے سے کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ دفع! دفع کرو اسے۔ فلیٹ تو ہاتھ آ ہی چکا ہے' وہ جو

کہتے ہیں ناں کہ بھاگتے چور کی۔"

"ممی پلیز' اس وقت یہ بہت افسردہ ہیں۔ اس وقت ان کو میری ہمدردی کی ضرورت ہے' ان کی ماں بیمار ہے۔ آپ کو تو بس ایک ہی بات آتی ہے۔"

مہوش اس وقت چاہنے والی وفادار بیوی بن کر دکھی شوہر کو بہلانا چاہتی تھی۔ جبکہ بیگم جان اسے دوسری طرف بلا رہی تھی۔

"ارے تو ہوا کرے بیمار۔ مر بھی جائے' میں کیا کروں۔ حد ہو گئی۔ میں تو خود پر حیران ہوں کہ میں اس دو بالشت کے لڑکے سے دھوکا کیسے کھا گئی۔ جتنی جلدی ہو سکے' اس سے پیچھا چھڑاؤ۔ فراڈیا کہہ رہا تھا فیکٹری میرے نام ہو جائے تو۔"

"آہستہ بولیں ممی! کمال ہے۔ آپ اتنی تجربہ کار اور زمانہ شناس ہو کر نبیل کو سمجھ نہیں سکیں۔ جب کہ میں نے نبیل کو پہچان لیا۔ وہ جو کہتے ہیں ناں ہاتھی زندہ لاکھ کا' مرا بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے۔"

مہوش نے آہستگی سے کہا۔ اس کے انداز' اس کی بات نے بیگم جان کو الجھا کر رکھ دیا۔

"کیا مطلب؟"

"اب آپ اتنی بھی بھولی نہیں۔ چلیں خیر۔ آپ کی سمجھ کے لیے یہی کافی ہے کہ اب تک آپ چالیں چلتی آئی ہیں۔ اب میں جو چالیں چلوں گی۔ وہ دیکھئے گا کیسی ہوتی ہیں۔ ابھی نبیل اکیلا اور تنہا دکھی ہے' اب اگر اسے چھوڑ دیا گیا' تو بے وفائی کا الزام تو لگے گا ہی۔ ملے گا بھی کچھ نہیں۔"

"اب اسے کچھ ملے گا' یہ تمہاری خوش فہمی ہے۔ اس کے باپ نے عاق کر دیا ہے۔"

"یہی تو آپ غلطی کر رہی ہیں ممی۔ دیکھئے۔ اس کی ماں شدید بیمار ہے اور ایک بیمار ماں بیٹے کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ وہ بیٹے سے ملنے کی ضد کرے گی' اور بیٹا اپنی بات منوائے گا۔ اور کیا کچھ ہو گا۔ یہ آپ دیکھئے گا۔"

مہوش نے بڑے عجیب اور موثر انداز میں کہا کہ بیگم جان کو بھی اس کی دلیل میں وزن محسوس ہوا۔

"اچھا تم بھی تجربہ کر دیکھو ورنہ مجھے تو ان تلوں میں اب تیل نظر نہیں آتا؟"

"اور مجھے اب ہی تو تیل نظر آیا ہے۔ ممی! اب آپ تیل دیکھیں اور تیل کی دھار۔"

وہ مسکراتی ہوئی باہر آئی۔ اندر جھانک کر دیکھا۔ نبیل بازو آنکھوں پر رکھے سو رہا تھا۔ یا یوں ہی آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ وہ آہستگی سے دوسرے کمرے میں آ گئی۔ اصل امتحان کی' فیصلے کی' اور آزمائش کی گھڑی تو اب آئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ بیگم جان سے اس کا کیا رشتہ ہے۔ یقیناً کوئی خونی تعلق ہی تھا۔ جو بیگم جان بھی اس پر جان دیتی تھیں' اور خود اسے بھی ان سے محبت تھی۔ اس نے بڑے ناز و نعم میں پرورش پائی تھی۔ بیگم جان نے ہمیشہ اسے سب پر فوقیت دی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس سے بہت کچھ حاصل کرنا چاہتی تھیں۔ مگر کس لیے؟ اپنی کوئی زندگی نہیں تھی' نہ شوہر نہ اولاد پھر یہ ہوس کیوں۔ مہوش اکثر الجھ جایا کرتی۔ یوں تو بہت سے لوگ آیا کرتے تھے گھر میں مگر نبیل بہت سیدھا سادا اور اچھا لگا اسے۔

نبیل کو دیکھ کر اس کا دل پہلی بار دھڑکا تھا اور پھر جلد ہی اسے احساس ہو گیا کہ جذبوں کے سفر میں وہ تنہا نہیں۔ پھر کتنی جلدی سب کچھ ہوا۔ وہ اور نبیل ایک ہو گئے۔ کتنے خلوص سے دونوں نے ایک

دوسرے کو چاہا۔ اپنایا۔ کتنا تنگ کیا کرتی تھی وہ نبیل کو اور وہ شریف آدمی اس کی غلطی ہونے کے باوجود اسے منا لیا کرتا تھا۔ ہاں مہوش! زندگی کی حقیقی خوشیاں زندگی میں ایک بار ملتی ہیں۔ سچا چاہنے والا ساتھی زندگی میں ایک بار ملتا ہے اور پھر نبیل جیسا' جس نے محض اس کی خاطر سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ آج اسے اس کی ضرورت تھی تو وہ اس کا ساتھ کیسے چھوڑ دیتی۔

"اے میرے خدا' اے لاشریک' میں نبیل کا ساتھ دوں گی۔ وہ فقیر ہو یا بادشاہ بن جائے۔ میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ مجھے یہ مادی دنیا نہیں چاہیے۔ مجھے دولت نہیں چاہیے۔ میرا شوہر نیک اور جائز ذرائع سے ایک وقت کی روٹی بھی کھلائے گا تو مجھے منظور ہے۔ میں نبیل کو ہرگز افسردہ نہیں دیکھ سکتی۔"

وہ خدا کے حضور کتنی ہی دیر روتی رہی۔ کتنا سکون اتر آیا تھا دل میں۔ وہ آہستگی سے نبیل کے کمرے میں آ گئی۔ وہ اسی طرح پڑا تھا۔ وہ اس کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ کتنے ہی آنسو نبیل کے پیروں پر گرے' تو وہ چونک کر اٹھ گیا۔

"مہوش یہ کیا؟" وہ اس کے آنسو دیکھ کر تڑپ اٹھا۔

"یہ ...... یہ میرا فیصلہ ہے نبیل۔"

"فیصلہ۔" نبیل شاید اپنی بات بھول چکا تھا۔

"ہاں۔ آپ نے کہا تھا ناں کہ میں اپنا فیصلہ سنا دوں تو ...... تو میرا فیصلہ ہے کہ مجھے تمام عمر آپ کے قدموں میں رہنا ہے۔ آپ کے دکھ میرے دکھ ہیں' آپ کی خوشیاں میری خوشیاں ہیں۔ اب تک میری ذات سے جو آپ کو دکھ ملے ہیں' اسے میری نادانی سمجھ کر درگزر کر دیں۔ میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی نبیل! آپ میری زندگی ہیں' آج اگر برا وقت ہے تو اچھا بھی آئے گا۔ میں آپ کے ساتھ جھونپڑے میں بھی رہ سکتی ہوں۔"

"سچ مہوش!" نبیل کو اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ وہ جو چاروں طرف سے مایوس ہو چکا تھا۔ اس خوشی کے مل جانے پر وہ خدا کا شکرانہ بجا لانے لگا۔

"بالکل سچ' آپ نے مجھے اتنا چھوٹا سمجھ لیا تھا کہ میں صرف دولت کی خاطر۔ نہیں نبیل جذبے انمول ہوتے ہیں۔"

"ایسی وفا کی پتلی کی جگہ قدموں میں نہیں' دل میں ہوتی ہے۔ مہوش! تم نے میری محبت کو اپنی وفا کا اعتبار دے کر مجھ پر وہ احسان کیا ہے کہ مجھے میری نظروں میں گرنے سے بچا لیا ہے۔" نبیل جو اس قدر ہرٹ ہو چکا تھا کہ اس نے مہوش کے فیصلے کے بعد خودکشی تک کا فیصلہ کر لیا تھا۔ یہ خوشی اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھی۔

"نبیل! ممی کیسی نیت کی ہیں۔ آپ جانتے ہیں۔ ہمیں ان کا منہ بند کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔"

مہوش کوئی ایسا راستہ اختیار کرنا چاہتی تھی' کہ بیگم جان کا منہ بھی بند ہو جائے اور نبیل اور اس کی زندگی بھی پرسکون انداز میں گزرے۔

"کیا کرنا پڑے گا۔ میں سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ مہوش اپنی اس زندگی کے لیے جو تمہارے ساتھ' تمہاری چاہتوں کے ساتھ گزرے۔ میں۔ ہر قسم کا صدقہ دینے کو تیار ہوں۔"

"تو پھر یہ فلیٹ جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ ممی کو دے دیتے ہیں۔ ہم کرایے کا مکان لے لیں گے۔ نبیل گھر پیسے سے نہیں محبتوں سے بنتے ہیں۔ ہم اپنا گھر چاہت کی بنیاد پر کھڑا کریں گے۔"

"بس مہوش! اتنی سی قیمت ہے میری خوشی کی۔ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں' آج اور اسی وقت یہ فلیٹ ممی کے نام کردو۔ اور الحمدللہ میں اتنا کنگال نہیں ہوں کہ تمہارے لیے گھر نہ بنا سکوں۔" نبیل نے نثار ہوتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ سے وعدہ ہے نبیل! میں آپ کے گھر کو جنت بناؤں گی۔ آپ کی بہنیں میری بہنیں ہیں۔ میں ان کے لیے وہ کچھ کروں گی' جو شاید ان کے والدین بھی نہیں کر سکے۔ انشاء اللہ۔"

"مہوش میری بہنیں بہت اچھی ہیں! مگر بدنصیب ہیں۔ اوپر سے اس شہرین نے گھر کو دوزخ بنا ڈالا ہے۔ ممی اتنی بیمار ہیں اور...... اور میں ایک بار بھی ان کو دیکھنے نہیں جا سکا۔"

مما کا ذکر کرتے ہوئے نبیل ایک بار پھر افسردہ ہو گیا۔

"دکھی نہ ہوں نبیل! اللہ نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھ لیجیے گا ہم سب مل کر اسی گھر میں رہیں گے' اپنے مما' پپا کے ساتھ۔"

"کاش ایسا ہو۔" نبیل نے افسردگی سے کہا۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ جب انسان کی نیت اچھی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ تمام راستے کھول دیتا ہے۔"

اور واقعی جب انسان کی نیت اچھی ہوتی ہے تو تمام راستے صاف ہو جاتے ہیں۔

مہوش نے بیگم جان کا منہ بند کر دیا تھا۔ فلیٹ ان کے نام کر کے خود سوسائٹی میں آ گئے تھے۔

نبیل کو ایک پرسکون زندگی چاہیے تھی' جو مہوش کی دانش مندی سے اسے حاصل ہو گئی تھی۔

"مہوش! میں خدائے پاک کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے۔ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میرا گھر بھی ایسا ہوگا۔ کاش!"

عین اسی وقت دروازے پر بیل ہوئی۔ وہ بات ادھوری چھوڑ کر باہر گیا۔ تو دروازے پر امجد تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے یار! یوں چوری چھپے گھر تبدیل کیا کہ خبر ہی نہ کی۔ اتنے دن سے تلاش کر رہا ہوں۔ میں تو اب تلاش گمشدہ کا اشتہار دینے والا تھا اخبار میں۔ وہ تو خدا بھلا کرے تمہاری ساس کا کہ اس روز شاپنگ کے دوران نظر آ گئیں تو انہوں نے بتایا۔ آداب بھابی! کیسی ہیں آپ!"

امجد تیز تیز بول رہا تھا۔ مہوش آ گئی تو وہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"بس یار! مجھے تو اللہ تعالیٰ نے نئی زندگی دی ہے۔"

نبیل نے پرسکون نظروں سے مہوش کو دیکھا' جس کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ تھی۔

"مبارک ہو۔ خدا تم دونوں کو خوش رکھے۔ وہ راحیل بھائی آئے تھے میرے پاس۔ اسی سلسلے میں۔ میں تم سے ملنا چاہ رہا تھا۔ وہ تمہاری مما۔"

"مما۔ کیا ہوا مما کو؟ وہ خیریت سے تو ہیں ناں۔ امجد! کیا بات ہے کیوں آئے تھے راحیل بھائی تمہارے پاس۔"

مما کے ذکر پر نبیل بری طرح پریشان ہو گیا۔ پریشان کن وسوسے تو یوں بھی آتے رہتے تھے۔

"تحمل سے نبیل! ان کو کچھ نہیں ہوا۔ وہ تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔"

"لیکن پپا۔"

"انہوں نے ہی کہا ہے کہ تم آنٹی سے اس وقت ملنے آ جانا جب وہ گھر پر موجود نہ ہوں۔ اور راحیل بھائی نے تو یہ بھی کہا تھا کہ میں پہلے ان کو فون کر کے اجازت لوں گا اور پھر جاؤ گے گھر۔"

"اف! میرے خدایا! اپنے ہی گھر میں جانے کے لیے اجازت۔ اوقات کار کا خیال۔ ایسا کیا گناہ کر دیا ہے میں نے۔"

نبیل رو دینے کی حد تک افسردہ ہو گیا۔ یوں اپنے گھر سے بیدخلی۔ والدین' بہن بھائیوں سے جدائی معمولی بات تو نہیں تھی۔

"ہم نے گناہ نہیں کیا نبیل! ان کی اجازت کے بغیر شادی کی ہے۔ گستاخی تو ہے ناں یہ۔ آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

مہوش نے بڑھ کر افسردہ سے نبیل کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

"واہ اب کی ہے ناں آپ نے اچھی بیویوں والی بات۔ سچ بھابی۔ اب لگ رہی ہیں آپ حقیقی بھابی۔"

آج حقیقتاً امجد کو خوشی ہوئی تھی۔ نبیل نے مہوش کے ساتھ شادی کر کے غلطی نہیں کی' اور نبیل کے اصرار پر امجد نے کئی بار راحیل کو فون کیا تو پتا چلا کہ چونکہ ان دنوں پپا کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اس لیے وہ بھی تمام وقت گھر پر ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان دنوں وہ گھر نہیں آ سکتا اور یوں بھی مما اب اس کے بارے میں بھی نہیں پوچھتیں۔ لہٰذا آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر پھر بھی مما نے ضد کی تو بلا لیا جائے گا۔

راحیل کی بات پر نبیل کے اندر کچھ ٹوٹ گیا۔ آنکھوں میں آئی نمی کو وہ مہوش سے چھپا نہ سکا۔

☆......☆......☆

صوفیہ بیگم گو کہ بیمار تھیں' مگر سوچ تو سکتی تھیں۔ نبیل اتنے عرصے میں ایک بار بھی ان کو نظر نہیں آیا تھا۔ تو اس کا مطلب تھا کہ وہ گھر میں موجود نہیں اور اس کی عدم موجودگی معمولی بات نہیں تھی۔ اب وہ اس کا تقاضا نہیں کرتی تھیں' لیکن وہ کہاں ہے' یہ وہ جاننا چاہتی تھی' اور نجل سے بڑھ کر کوئی رازداں نہیں تھا' شام کو نجل نیچے آئی تو سیدھی ان کے پاس آئی۔

"کیسی ہیں میری ممی جان!" اس نے ان کو پیشانی پر پیار کیا' تو وہ پھر رو دیں۔

"نہیں مما! غلط بات ہے۔ رونا کس بات کا؟ آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔ لائیے ہاتھ دبا دوں۔ ہاتھ میں درد ہو رہا ہے ناں۔"

نجل نے ٹشو سے ان کا چہرہ صاف کیا اور ہاتھ دبانے لگی۔ مگر انہوں نے بڑی مشکل سے نبیل کے بارے میں پوچھا' تو نجل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے سب کچھ صاف صاف ماں کو بتا دیا۔

"مما! کیا اپنا حق حاصل کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ۔"

"بے بی! یہ کیا تم فضول باتیں مما سے کرتی رہتی ہو۔ چلو جاؤ اوپر۔"

راحیل اور شہرین کو تو جیسے بیر تھا ان تینوں بہنوں سے۔ وہ بھی مما کے خیال سے وہاں سے اٹھ

کراوپر آ گئی۔اسی وقت حنا کا فون آ گیا تو اس نے دل کی ساری باتیں کہہ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیا۔

"تمہاری یہ فرسٹریشن بڑھتی جائے گی جب تک گھر میں بند رہو گی۔کل سے یونیورسٹی آنا شروع کرو۔یوں بھی آخری سال ہے یونیورسٹی میں۔لگتا ہے دن اڑتے جا رہے ہیں۔"

حنا کا مشورہ اچھا تھا۔کافی دنوں بعد جب وہ یونیورسٹی آئی تو بہت اچھا لگ رہا تھا۔مما کی بیماری کے بعد پہلی بار آئی تھی۔سارے کلاس فیلوز نے آ کر پوچھا تھا۔جب سارے زمانے کو خبر تھی تو علی اور تیمور کو کیسے نہ ہوتی۔

"چلو ناں یار!" علی تجل کے پاس جانا چاہتا تھا عیادت کے لیے جبکہ تیمور انکاری تھا۔

"کیا کریں گے۔ارے بھئی بھنگڑا ڈالیں گے اور مس تجل کی والدہ کی علالت پر مبارک باد پیش کریں گے۔یار! تمہیں کہا کس نے تھا کہ میدان عشق میں کود و نہ عشق کے اصول و قوانین کا پتا ہے اور نہ ہی محبوب کو منانے کا طریقہ معلوم ہے۔اور چلے ہیں عشق فرمانے۔ارے عاشق تو سگِ محبوب کی عیادت کو بھی عین خوش نصیبی جانتے ہیں۔اور تم سے محبوب کی والدہ کی عیادت نہیں ہو رہی۔تف ہے تم پر۔"

پھر وہ لوگ اس کے ڈیپارٹمنٹ آئے۔مگر وہ وہاں سے جا چکی تھی۔وہ لوگ میتھ ڈیپارٹمنٹ سے ہوتے ہوئے لائبریری کے سامنے آئے تو دونوں جوس کے پیکٹ لیے درخت کے نیچے بیٹھی تھیں۔دونوں آہستگی سے ان کے قریب آ گئے۔

"ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔"

"اوہ ارے آپ لوگ ضرور......ضرور۔"

حنا اور تجل نے کھسک کر ان کے لیے جگہ بنائی۔تیمور نے دیکھا۔زرد رنگ کے کپڑوں میں تجل بہت مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔تجل نے بھی ایک خاموش نظر ڈالی۔

"تجل! کیسی طبیعت ہے آنٹی کی اب؟"

پوچھا تو علی نے تھا' مگر جانے کیوں تجل کو خود پر اختیار نہ رہا۔وہ بے ساختہ روتی چلی گئی۔یوں جیسے کوئی اپنا ملا ہو۔ہمدرد جذبے کو کہ اظہار کی راہ نہیں ڈھونڈ پائے تھے' مگر دلوں کے رابطے تو آپ ہی آپ جڑ گئے تھے۔اتنے لوگ آئے تھے' مگر کسی کے سامنے وہ یوں بے حوصلہ نہیں ہوئی تھی۔تیمور کی نظروں میں جانے کیا تھا۔کیسی اپنائیت تھی کہ وہ ضبط نہ کر سکی۔اس کی آنکھوں سے گرتی نرم پھوار تیمور کے دل کی چٹانوں میں شگاف ڈالنے لگی۔کتنا دل چاہا تھا۔خود بڑھ کر اپنے ہاتھوں میں اس کے سارے آنسو جذب کر لے' اور ایسی خوشی کی نوید دے کہ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے۔اس کے رونے سے ماحول خاصا افسردہ ہو گیا۔علی کو بھی اس کے آنسوؤں نے دکھی کر دیا تھا۔

"اب ایسے ٹر ٹر کیا منہ تک رہے ہو۔کہا بھی تھا کہ مس تجل کا دل بہت چھوٹا ہے' اپنی بسورتی شکل لے کر نہ جانا ان کے سامنے ڈر کر رونا شروع ہو جائیں گی۔مگر تم میری مانو' تب ناں۔چلو لاؤ اب رومال نکالو۔"

علی نے تیمور کی جیب کی جانب ہاتھ بڑھایا۔

"رومال تو آپ اپنا بھی پیش کر سکتے ہیں۔" حنا مسکرائی۔

"ارے واہ! میرے رومال کوئی فالتو ہیں۔کئی ہیں جن کو پیش کرنے ہوتے ہیں۔والد صاحب

جتنی پاکٹ منی دیتے ہیں' سب کے رومال ہی خرید لیتا ہوں۔بہت بڑا دل دیا ہے اللہ نے مجھے۔ایک یہ کنجوس ہے' قسم سے جانے کس صدی میں ایک آدھ رومال خرید رکھا تھا۔مجال ہے جو کسی لڑکی کو دیا ہو۔قسم سے یہ شخص جان بھی کس طرح دے گا۔یہ لیجیے تجل آنسو پونچھیے۔

علی نے تیمور کی جیب سے نیا رومال' جو خود ہی اس کی جیب میں ڈالا تھا۔نکال کر تجل کی طرف بڑھایا۔

"نہیں شکریہ۔ٹشو ہے میرے پاس۔"

"ارے واہ! کمال کرتی ہیں۔ٹشو میں وہ بات کہاں جو اس رومال میں ہے۔لیجیے یہ تو بنا ہی آپ کے آنسو جذب کرنے کے لیے ہے۔"

"سوری۔میں نے آپ لوگوں کو بھی افسردہ کر دیا۔"

تجل نے علی کے ہاتھ سے رومال لیتے ہوئے ندامت سے کہا۔

"تجل! میں تو آپ کو بہت بہادر سمجھتا تھا۔"

"کہاں..... کہاں بہادری کام آتی ہے علی! کہیں تو قدم لڑکھڑا ہی جاتے ہیں۔"

تجل نے رومال استعمال کیے بغیر تیمور کی طرف بڑھایا۔اس سے قبل کہ وہ لیتا۔علی نے اٹھا کر تجل کے بیگ میں رکھ دیا۔

"محترمہ! تحفے واپس کرنے کے لیے نہیں ہوتے۔"

"تحفہ ہی دینا تھا تو اپنی جیب خالی کی ہوتی۔" حنا نے علی کو چھیڑا۔

"ویسے میری جیب میں ایک تحفہ ہے' لیکن آپ کے لیے۔لیں گی۔"

"لائیے!" حنا نے ہتھیلی پھیلا دی۔علی نے جیب میں ہاتھ ڈالا' اور کسی ایسے ہی موقع کے لیے جیب میں رکھا ہوا مرا ہوا کاکروچ حنا کے ہاتھ پر رکھ دیا۔تو وہ ایک دم چیخ مار کر اٹھی۔تجل بھی ڈر کر کھڑی ہو گئی۔

"علی! تم بہت بدتمیز ہو۔" تیمور نے اسے ڈانٹا' جواب منہ پھاڑے ہنس رہا تھا۔

"اف! بہت بدتمیز نہیں' اتنے...... اتنے بدتمیز کہ آپ نے دوست کیوں بنایا' اتنے بدتمیز آدمی کو۔" حنا نے اپنا سانس بحال کرتے ہوئے علی کو گھورا۔

"ارے بھئی بدتمیزی کیا ہے' ہم تو حسیناؤں کو ایسے ہی تحائف پیش کیا کرتے ہیں' ہم تو یہ کسی کو بن مانگے پیش کرنے والے تھے۔آپ نے مانگ کر ہماری مراد پوری کر دی۔"

وہ ایک بار پھر منہ کھول کر ہنس پڑا۔

"شرم کرو! وہ کام بھی کیا ہے' جس کام کے لیے آئے تھے۔" تیمور نے اسے ڈپٹ کر کہا' تو وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"اوہ ہاں! حد ہو گئی یار تیمور! تم بھی کس کمال کے آدمی ہو۔اوپر سے حنا تم تو نکمی لڑکی ہو۔"

"تجل! آپ کی والدہ کیسی ہیں اب؟ سنا ہے بہت بیمار رہی ہیں۔"

تیمور کو پتا تھا علی پھر بات مذاق میں اڑا دے گا۔اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

"جی' بس اللہ کا بڑا احسان ہے کہ اس نے جان بخش دی ہے' ورنہ تو حالت بہت نازک

تھی۔" مما کی حالت یاد کر کے اسے ایک بار پھر جھرجھری سی آ گئی۔

"اور اب کیسی ہیں؟"

"بس کیا بتاؤں آپ کو۔"

اور پھر مما کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہو گئی۔

"چلو دو اب دوسرا رومال۔ بڑا شوق ہے ناں تمہیں رلانے کا۔ میں اسی لیے ان سے حال احوال نہیں پوچھ رہا تھا۔ بہہ گئیں پھلپھل کر تو۔ کیا کرو گے چاک گریباں۔"

"ارے مس تجل! آپ یہاں ہیں' اور میں سارے زمانے میں آپ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر آ رہا ہوں۔"

علیم الدین پھولی سانسوں کے ساتھ آگے بڑھے۔ پاؤں کے تلے شاید کوئی پتھر آ گیا۔ وہ توازن برقرار نہ رکھ سکے۔ زیادہ لڑکھڑائے نہیں۔ تاہم پھر بھی درخت سے سر ٹکرا گیا' اور چشمہ گر گیا۔ علی نے جھٹ ان کا چشمہ اپنے قبضے میں کر لیا۔

"کیوں مس تجل! آپ کا چشمہ لے کر فرار ہو گئی تھیں۔"

علی نے چشمہ حنا کے بیگ میں اڑس دیا۔

"نہیں تو۔ وہ تو آج میں لگا کر ہی نہیں آیا۔"

علیم الدین نے اس خیال سے کہ بدتمیز شرارتی آدمی ہے۔ جھٹ جھوٹ بول دیا۔ ان کے جواب پر وہ تینوں ہنس پڑے۔ تیمور نے اشارے سے منع کیا کہ چشمہ دے دے' اور تنگ نہ کرے مگر وہ علی ہی کیا جو شرارت سے باز آ جائے۔

"اچھا۔ اچھا! آپ مجھے بتا نہیں سکتے۔ میں جانتا ہوں۔ مس تجل! یہیں ہیں' ہاں یہ ہیں۔" ان کی نظر اب اتنی بھی کمزور نہیں تھی۔

"ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ آپ بہت ہوشیار ہیں' مگر یہ درخت ہے۔ مس تجل نہیں۔"

"میرا خیال ہے مس تجل! میں آپ کی والدہ کی عیادت کے لیے گھر آؤں گا۔"

"آپ سے بڑے بڑے کتے ہیں ان کے ہاں۔"

"تو۔ تو کیا ہوا! وہ میرا کیا بگاڑ لیں گے۔" علیم الدین نے مسل پھلائے۔

"ہاں' یہ درست کہا آپ نے۔ آپ کے پاس ان کے بگاڑنے کے لیے رکھا ہی کیا ہے۔ اور یوں بھی ان کے کتے بڑے باذوق ہیں' ان کی طرح۔"

"اچھا' تو آپ گئے تھے۔ ان کے کتوں کا ذوق آزمانے۔"

علیم الدین نے دانستہ تو نہیں کہا تھا۔ البتہ جانے کیسے جملہ پھسل گیا۔

"اچھا تو ہم سے پنگا۔" علیم الدین کا جواب علی کو طیش دلا گیا۔

علیم الدین صاحب! اچھا کیا جو آپ آ گئے۔ خود ہی ورنہ میں آپ کو تلاش کرواتا۔"

"کیوں؟" علیم الدین نے اسے گھورا۔

"بھئی' بوجہ علالت والدہ مس تجل بہت اداس تھیں۔ ہم نے سوچا۔ آپ ذرا ہنسا دیں ان کو۔"

"کیوں میں کوئی بندر ہوں' جو حرکتیں کر کے ان کو ہنسا دوں گا۔"

"بشت علیم صاحب! بندر مس تجل کو بہت پسند ہے۔ آپ کی بات پر بندر خفا ہو گیا تو۔"

"آپ...... آپ بہت بدتمیز آدمی ہیں۔ نجانے جامعہ میں آپ جیسے لوگوں کو کیوں داخلہ دیا جاتا ہے۔ مس تجل آپ ڈیپارٹمنٹ آئیں گی' تو میں پھر عیادت کراؤں گا۔"

علیم الدین غصے میں اٹھے' مگر چونکہ علی نے ان کی شرٹ پر بھاری پتھر رکھا تھا۔ اٹھے تو لڑکھڑا کر گر پڑے۔

"بسم اللہ! ماں صدقے سنبھل کر ابھی خالی سر پھٹ جاتا۔ پسلیاں بکھر جاتیں' یہ سلائیاں ٹوٹ جاتیں تو۔"

علی نے بڑھ کر علیم الدین کو اٹھایا تو وہ چیخ کر الگ ہو گئے۔

"چپ رہیے میں جانتا ہوں۔ آپ نے گرایا ہے مجھے۔ اللہ کرے آپ کے ساتھ بہت برا ہو جا رہا ہوں۔ مس تجل! اب آپ سے بھی تب ہی بات ہوگی' جب ان سے دوستی ختم کریں گی آپ۔"

علیم الدین نے تجل کو دھمکی دی' اور آگے بڑھ گئے۔

"علیم بھیا! بات تو سنیے۔" تجل اور حنا ایک ساتھ بولیں۔ مگر وہ ہوا کے گھوڑے پر سوار چشمہ بھی بھول گئے۔

"علی! یہ بہت غلط بات ہے۔ تم کیوں تنگ کرتے ہو اسے اتنا۔"

"ویسے واقعی آپ نے اچھا نہیں کیا علی!"

"خیر بدلہ تو وہ بھی دے گئے ہیں۔ بچ کر رہیے گا علی صاحب!"

ان تینوں نے باری باری آتے تنبیہ کی' مگر وہ تنکا دانتوں میں دبائے مسکراتا رہا۔

"یہ ایک ساتھ تم لوگوں کو اس چھچھورے کی ہمدردی کا بخار کیوں چڑھ گیا ہے' حالانکہ کاٹا تو اس نے مجھے ہے خیر آئیے مس حنا! کچھ کھانے کو لے آئیں۔ یہ دونوں تو اپنی جگہ سے ہلیں گے نہیں۔"

ہمیشہ علی کی یہ دانستہ حرکت ہوتی' کہ ان دونوں کو اکیلا ضرور چھوڑ جاتا کہ شاید دونوں میں سے کوئی پہل کر دے اور حنا بھی یہ ہی چاہتی تھی کہ دونوں میں جو ایک کشمکش چل رہی تھی۔ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ دور ہو جائے۔ مگر وہ دونوں معصوم نہیں جانتے تھے کہ وہ دونوں اپنے اپنے اختیار میں تھے۔ ان کے جذبے طبقاتی فرق' اسٹیٹس کے موڑ پر آ کر جدا ہو جاتے تھے' اسی لیے دونوں نے اظہار کے گھوڑے کو اپنے ضبط اور اختیار کی لگام ڈال رکھی تھی۔ جسے وہ کبھی بھی ڈھیلا نہیں چھوڑتے تھے' خواہ کچھ ہو جائے۔ اس وقت تیمور بھی اور تجل بھی جانتی تھی کہ ان دونوں کو تنہا کیوں چھوڑا گیا ہے۔

حالانکہ کتنے ہی شکوے تھے' ایک دوسرے سے' تجل اس سے شانی کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی' وہ کون ہے جسے تم خط لکھ رہے تھے' جس کے لیے بے چین ہو رہے تھے۔ مگر سب فضول تھا۔ وہ اپنے گھر کے حالات کو اچھی طرح جانتی تھی۔

"تجل! بتاؤ تم نے ایسا کیوں کہا۔ تم بھی دولت پرست ہو' تمہارے نزدیک بھی حیثیت و مرتبہ ہی اہمیت رکھتا ہے' لیکن محبت میں ان باتوں کی گنجائش ہی کہاں ہوتی ہے۔ تجل میں تمہارے اسٹیٹس تک پہنچ بھی گیا۔ تو پھر بھی تمہیں تم سے نہیں مانگوں گا۔ اتنا تو گرا ہوا میں بھی نہیں اور نہ ہی اپنے سامنے اتنا بے بس کہ۔"

وہ تنکا لیے زمین پر بے مقصد لکیریں کھینچ رہی تھی۔ اور تیمور اسے دیکھتے ہوئے جانے کیا کیا

سوچ گیا۔ ''کتنی دیر لگا دی ہے ان لوگوں نے۔'' تجل نے تنکا ایک طرف پھینک کر دیکھا' دور دور تک دونوں کا پتا نہیں تھا۔

''جی! اب تک تو آ جانا چاہیے تھا' مگر احمق ہے اول درجے کا یہ علی۔ سمجھتا ہی نہیں کہ جن باتوں سے کچھ حاصل نہ ہو۔ وہ کرنی ہی نہیں چاہئیں۔''

''کیا حاصل ہونا زندگی کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔''

تجل نے یوں ہی بے تکے پن سے سوال کر دیا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔ بظاہر خاموش نظریں۔ مگر پھر بھی بہت کچھ کہتی ہوئی۔

''نہیں۔ کم از کم میرے لیے تو کچھ اہمیت نہیں رکھتا یہ ''حاصل۔'' میرے نزدیک عزت نفس اہمیت رکھتی ہے۔ اور عزت نفس عزیز نہ ہوتی تو میں اپنا گھر' خیر چھوڑیے اس بات کو۔''

ایک ہی لمحے میں سارا ماضی تیمور کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔ تلخ یادوں کے کربناک سائے لہرا گئے۔ تجل نے دیکھا۔ وہ بہت دکھی ہو رہا تھا۔ کتنا عجیب تھا وہ۔ آج تک اس نے اپنے بارے میں کچھ بھی تو نہیں بتایا تھا۔ لیکن اس نے پوچھا بھی کب تھا۔ اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

''تیمور! آپ نے کبھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

جانے کیسے اس نے اتنی اپنائیت سے پوچھ لیا۔ تو تیمور حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ کتنی مختلف تھیں اس کی آنکھیں۔ کتنی سچی تحریر تھی ان میں۔ تیمور کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

''کبھی پوچھا ہے آپ نے؟'' اس کے لہجے میں شکوہ نمایاں تھا۔

''اچھا تو...... یہ بتائیں کہ یہ شابی کون ہے؟''

''شابی!'' تیمور نے حیرت سے اسے دیکھا اسے حیرت اس بات کی تھی۔ کہ اسے شابی کے بارے میں خبر کیسے ہوئی۔ اور اگر علی سے کچھ سن ہی لیا تھا۔ تو اس نے شابی ہی کے بارے میں یہ سوال کیوں کیا۔ شاید دل میں کہیں کوئی نرم گوشہ بن گیا ہو۔ لیکن وہ اس کے سوال کا کیا جواب دیتا۔ کیونکہ شابی اس کو جان سے زیادہ عزیز تھی۔

''شابی میری شہ رگ ہے تجل!''

☆......☆......☆

حالات نے عجیب کروٹ لی تھی۔ شعیب نے اپنے آپ کو یکسر بدل لیا تھا۔ وہ واقعی زیب کو اس حد تک چاہتا تھا' یا صرف صائمہ سے لگائی ہوئی شرط جیتنا چاہتا تھا۔ وہ نسیمہ بیگم کی بہت عزت اور خیال کرنے لگا تھا۔ اس کا ان پر بہت اثر ہوا تھا۔ کہاں تو اس کے طنز نے ان کا دل چھلنی کر دیا تھا۔ کہاں اب سب کا خیال' ان کا خیال' زیب سے نرم رویہ۔

''پھپھو! آپ اپنی صحت کا خیال رکھا کریں۔ دیکھیں تو کتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ آپ کی دوائیں تو ہیں ناں۔ ختم ہو جائیں تو مجھے ضرور بتایئے گا۔''

پھر خود ہی اس نے اٹھ کر دوائیں دیکھیں۔

''جیتے رہو میرے بیٹے! خدا تمہیں سلامت رکھے۔ سدا خوش رکھے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' نسیمہ بیگم پگھل گئیں۔ اس کے رویے نے واقعی ان کو اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیا

تھا۔ اور انہوں نے دل میں طے کر لیا تھا کہ بھائی کو مثبت جواب دیں گی۔

''دیکھیں۔ غلطیاں تو انسانوں ہی سے ہوتی ہیں۔ میں نے آپ کو بہت دکھ دیے ہیں۔ آپ مجھے معاف کر دیں۔ دراصل اس میں ہمارا بھی قصور نہیں۔ اصل میں۔''

وہ باقاعدہ ان کے آگے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ وہ بری طرح پسیج گئیں۔

''ارے میرے چاند! میں صدقے' چھوڑو ان باتوں کو۔ میرے بیٹے اللہ تعالیٰ نے میری دعائیں سن لی ہیں۔ مجھے تم سے کیا۔ تمہارے بڑوں سے بھی شکوہ نہیں۔ تم کوئی خیال نہ کرو۔''

انہوں نے شعیب کو ساتھ لگا لیا۔ ورنہ یہ وہ شعیب تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا بیٹا گھر چھوڑ گیا تھا۔ اور ان کو ایک طرح کی نفرت تھی۔ اس سے آج وہ ہاتھ باندھے کھڑا تھا تو وہ سب کچھ بھلا بیٹھیں۔

''شعیب بھائی! آپ کی شرٹ کا یہ داغ تو اتر ہی نہیں رہا۔''

زیب اس کی شرٹ لیے اندر آ گئی تو وہ سیدھا ہو گیا۔

''بھاڑ میں ڈالو اسے۔ نہیں اترتا تو نہ اترے۔ تم اپنے ہاتھ کیوں خراب کر رہی ہو۔''

''جی!''

زیب اس دوغلے آدمی کو دیکھ کر رہ گئی' جس نے کل کہا تھا کہ اس شرٹ کے داغ اترنے چاہئیں خواہ ہاتھ گھس جائیں' پھر راتوں رات یہ کیا ہو گیا۔

''ہاں چھوڑو اسے اور میں فائزہ سے کہہ کر آیا ہوں۔ آج ہم ڈنر باہر کریں گے۔ تم بھی تیار ہو جاؤ۔ خبیب گاڑی صاف کر رہا ہے۔ تم دونوں فٹافٹ تیار ہو جاؤ۔ چلو' جاؤ بھی یہ میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو۔ پھپھو! اسے کہیے ناں۔''

شعیب کا بدلا ہوا رویہ اس کی سمجھ سے قطعی باہر تھا۔ وہ آنکھیں پھیلائے بس دیکھے جا رہی تھی اسے۔

''زیب بیٹا! جاؤ جلدی کرو۔ شعیب کیا کہہ رہا ہے۔''

نسیمہ بیگم نے پیار سے زیب کو دیکھا' پھر شعیب کو' دونوں کی جوڑی ان کو خوب لگی۔

''امی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔''

''اس لیے کہ میں بدل گیا ہوں۔ دیکھو زیب! انسان ساری عمر تو گمراہی میں نہیں گزار دیتا ناں۔ آخر اسے ہدایت بھی ملنی ہی ہوتی ہے۔ چلو میں اپنے تمام پچھلے رویوں کی تم سے سوری کرتا ہوں۔ اگر یقین نہیں آتا تو یہ لو۔''

شعیب نے بے یقینی سے پھیلی اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے تو وہ مزید پریشان ہو گئی۔

''میرا یہ مقصد نہیں تھا۔''

زیب کا دل کسی انجانے خوف سے لرز رہا تھا۔ شعیب کا اچانک یوں بدل جانا کوئی مذاق نہیں تھا۔

''تو پھر محترمہ! میری معذرت قبول کرو اور تیار ہو جاؤ۔ تم یہ جو سمجھ رہی ہو ناں کہ میں ایک دم بدل گیا ہوں۔ دراصل مجھے اپنی غلطی کا احساس بہت پہلے ہو گیا تھا' مگر معذرت کرتے ہوئے انا آڑے

آ رہی تھی۔ لیکن لگتا ہے۔ تم مجھے معاف کرنے کے موڈ میں نہیں۔" وہ اس کے قریب آ گیا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹ گئی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"اچھا' تو اس کا ثبوت یوں دو کہ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

"جاؤ زیب! ضد نہیں کرتے۔"

وہ حیران کم اور پریشان زیادہ وہاں سے آ گئی۔ اور پھر زندگی میں پہلی بار وہ لوگ گھومنے کی غرض سے گھر سے نکلے۔ نسیمہ بیگم دل میں خدائے پاک کا شکرانہ ادا کرتے ہوئے شوکت صاحب کے کمرے میں آ گئیں۔

"آؤ نسیمہ! آج میں بڑے عرصے بعد تمہیں خوش دیکھ رہا ہوں۔" شوکت صاحب اس وقت دل میں کچھ تکلیف محسوس کر رہے تھے' مگر بہن کو خوش دیکھ کر بیٹھ گئے۔

"اللہ پاک نے میری دعائیں سن لی ہیں' بھائی جان آپ نے ایک بات کے بارے میں سوچنے کو کہا تھا۔"

"زیب کو بہو بنانا ہی میری زندگی کی اولین خواہش ہے نسیمہ۔"

"تو پھر مبارک ہو بھائی جان مجھے یہ رشتہ دل و جان سے قبول ہے۔"

"نسیمہ تم......تم......" شوکت صاحب نے خوشی میں بہن کو ساتھ لگا لیا۔

☆......☆......☆

جواد کے آ جانے سے گھر کا ماحول عجیب اور کچھ بے باک ہو گیا تھا۔ زاہدہ بیگم کی سرتوڑ کوشش تھی کہ صبا' ہما میں سے کوئی ایک تو جواد کی دلہن بن ہی جائے۔ کیونکہ ان کے خیال میں ایسا ہو گیا تو ایک ان کی ناک خاندان بھر میں اونچی ہو جائے گی اور ترقی کے راستے بھی کھل جائیں گے۔ لندن آنا تو آسان ہو جائے گا۔ جواد کے لیے ہر لحاظ سے ویسا ہی ماحول فراہم کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ مگر وہ بھی عجیب فطرت کا مالک تھا۔ کسی بات کو اہمیت ہی نہیں دیتا تھا۔ گھر کے ماحول سے اس نے اخذ کیا تھا یا شذرا کے رویے نے اسے ایسا رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا کہ وہ بھی شذرا کو چڑانے والی حرکتیں کرتا یا پھر یہ انسانی فطرت ہے کہ جو اس سے دور بھاگتا ہے' وہ اسی کے پیچھے بھاگتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اسے تنگ کرنے کی غرض سے اس کی طرف بڑھا۔ وہ چائے لے کر اندر آ رہی تھی' کہ جواد نے اس کا راستہ روک لیا۔

"جواد!" آواز پر جواد نے مڑ کر دیکھا۔

☆......☆......☆

اس آواز پر شذرا اور جواد نے مڑ کر دیکھا۔ اسد کھڑا جواد کو گھور رہا تھا۔

"تم نے مجھ سے کچھ کہا؟" جواد وہیں کھڑا رہا۔

"ہاں' پہلے اسے جانے کا راستہ دو پھر بتاتا ہوں۔"

اسد نے ایک تیز نظر شذرا پر ڈالی اور پھر جواد کو گھورا۔

"او کے کزن' جاؤ کیوٹ گرل۔"

جواد نے تھوڑا سا جھک کر شذرا کو راستہ دیا۔

وہ تیزی سے آگے بڑھ گئی۔

اب جواد چیونگم چباتا سینے پر ہاتھ باندھے اسد کو دیکھ رہا تھا۔

اسد کو غصہ تو اس پر اور باتوں کا بھی تھا مگر ماں اور بہنوں کی وجہ سے خاموش تھا۔ یوں بھی جواد مہمان تھا۔ وہ کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔

"I am waiting" (میں منتظر ہوں)

جواد اسے خاموش دیکھ کر پھر بولا تو اسد اتنی دیر میں خود پر قابو پا چکا تھا۔

"مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا جواد! صرف یہ کہ یہ پاکستان ہے' انگلینڈ نہیں۔"

"اچھا صرف شذرا کے معاملے میں یا!" جواد نے چیونگم چباتے ہوئے معنی خیز نظروں سے اسد کو دیکھا۔ جواد کو اسد کا یہ انداز زہر لگا' مگر وہ خاموش رہا۔

"ویسے ڈونٹ مائنڈ اسد! تمہارے گھر میں آ کر مجھے وہی ماحول ملا ہے' جیسا وہاں چھوڑ کر آیا تھا' آنٹی ہما' صبا اور صائمہ باجی تو خاصی ماڈل ہیں' مگر تم خاصی بیک ورڈ سوچ رکھتے ہو' اینی وے۔"

واقعی زاہدہ بیگم نے جواد کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے وہ سب کچھ کیا تھا جو نہیں کرنا چاہیے تھا اور سب کچھ اسد کے سامنے تھا۔ وہ کتنا لڑتا تھا ماں اور بہنوں سے آج جواد نے طعنہ دیا تو وہ سوائے شرم سے نظریں جھکانے کے کچھ نہ کر سکا۔

"امی! یہ جواد صاحب کب تک تشریف فرما رہیں گے؟"

اسد نے غصے میں کشن زور سے فرش پر پھینکا۔

"کیوں تمہیں کیا کہہ رہا ہے' اتنا اچھا لڑکا ہے؟"

ماں کے بجائے صائمہ نے کڑے تیوروں سے بھائی کو گھورا۔

"ہونہہ باجی! آپ تو بات ہی نہ کریں' انتہائی چھوٹی اور سطحی سوچ ہے آپ کی۔ ہر چمکتی چیز کو

سونا سمجھ لینا ہی آپ کی سوچ کا معیار ہے' مگر میں آپ لوگوں کو ایک بات بتا دوں' وہ یوں ہی انجوائے کر رہا ہے' آپ میں سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا۔ امی مجھے یہ سب قطعی پسند نہیں۔ یہ تماشے میں اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتا۔"

وہ غصے میں جو منہ میں آیا بولے گیا۔

"تمہیں غصہ صرف اس بات پر آرہا ہے کہ جواد' شنذرا سے ہنسی مذاق کیوں کرتا ہے۔ ارے غصہ تو اس کی ناک پر دھرا رہتا ہے اور یہ تمہیں اس سے اتنی ہمدردی کیوں ہونے لگی' کہیں اس کے حسن کا جادو تو نہیں چل گیا تم پر بھی۔"

کمر پر دونوں ہاتھ رکھے صائمہ اس کے مقابل کھڑی پوچھ رہی تھی۔

اس کے انداز میں شنذرا کے لیے شدید حقارت تھی۔ اسد نے ایک نظر ماں پر ڈالی اور پھر بہن کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"شنذرا جیسی لڑکیاں خوش نصیبوں کا مقدر ہوتی ہیں اور میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ شنذرا ایسی لڑکی ہے کہ!"

اس سے قبل کہ وہ بات مکمل کرتا' شنذرا اچانک دروازے سے نمودار ہوئی۔ وہ اسد کا آخری جملہ "ذرا ایسی لڑکی ہے کہ" سن پائی۔ ایک آگ سی لگ گئی تن بدن میں۔

"کمینہ ضرور الٹی سیدھی بکواس کر رہا ہوگا کہ میں جواد کی طرف' لعنت ہے ایسی زندگی پر۔"

اسے یقین تھا کہ اسد اس کے خلاف بول رہا ہوگا اور اسد کو اس بات کا ملال تھا کہ اگر شنذرا نے اپنی تعریف سن لی ہے تو خوامخواہ ہی پھول جائے گی' جانے اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگے۔ وہ اسے گھورتا ہوا باہر نکل گیا۔ اب شنذرا ان ماں' بیٹی کے غصے اور عتاب کے نرغے میں تھی' لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ان کو غصہ کس بات پر ہے۔

"شنذرا مراد! جتنی تمہاری اوقات ہے' اتنی ہی اڑو' زیادہ اونچا جانے کی کوشش کی تو پر کاٹ کر رکھ دوں گی۔"

صائمہ اور زاہدہ بیگم کے تو تن بدن میں آگ لگادی تھی اسد کے جملے نے۔ قریب تھا کہ صائمہ' شنذرا کو تھپڑ رسید کردیتی' زاہدہ بیگم نے مصلحتاً اسے روکا کہ جواد گھر میں موجود ہے اور وہ دیا بچانا شنذرا کی عادت ہے۔

"میں اپنے آپ کو اختیار میں رکھتی ہوں صائمہ باجی! الحمدللہ بہت برداشت ہے میرے اندر۔" وہ اب بھی بڑے ضبط کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

"تو پھر خود کو اختیار میں رکھو اور اسد یا جواد کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔"

زاہدہ بیگم دھیمی آواز میں مگر دانت کچکچا کر بولتی ہوئی اس کے قریب آگئیں۔ ان کا لہجہ بہت سخت تھا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اسد پر اور اس بھورے بندر پر جسے نہ جانے آپ لوگ کیا سمجھتی ہیں' وحشی کہیں کا' میں تو ان دونوں سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتی ہوں مامی جان۔"

غصہ تو شنذرا کو اس بات پر اتنا آیا تھا کہ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ سارے ادب آداب اور

رشتوں کا احترام بالائے طاق رکھ کر ممانی اور صائمہ کو وہ سناتی کہ ہوش ٹھکانے آجاتے مگر بہت سی مصلحتوں نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ وہ کھولتی ہوئی باہر نکلی تو اسد جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ اپنی بات کے اثرات اپنی ماں بہن پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اسے یقین تھا' اب شنذرا کی شامت آئے گی' مگر شنذرا بڑی مضبوط تھی۔ باوجود اس کے کہ اس نے اس پر لعنت بھیجی تھی۔ تاہم اسے غصہ نہیں آیا۔ البتہ غصے میں سرخ چہرا لیے تقریباً بھاگتی ہوئی شنذرا کو مسکرا کر دیکھتا رہا۔ اسد کی بات ماں اور بہن کے لیے خطرے کا سگنل تھی۔

"ہائے! میں تو اندھیرے میں' بے خبری میں لٹ گئی۔ میرا ہی بیٹا کہتا ہے۔ شنذرا کسی خوش نصیب کا مقدر ہے۔ اے لو نوبت یہاں تک آگئی اور میں کمبخت بے خبر رہی۔"

زاہدہ بیگم ماتھا پیٹ رہی تھیں۔ اب تک تو انہیں اطمینان تھا کہ اسد' شنذرا سے نفرت کرتا ہے' مگر آج تو حد ہوگئی تھی۔ اسد نے اتنی بڑی بات کہہ دی تھی۔

"ارے امی! اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ اسد کو بھی انسانیت کا زیادہ درد ہے۔ ڈاکٹر بن رہا ہے ناں' اس لیے۔ ویسے ایک بات ہے امی کہ ان ماں بیٹیوں میں جانے ایسی کیا بات ہے کہ سارے مرد ان ہی کے دیوانے ہو جاتے ہیں۔ وہ بلال کو دیکھا ہے آپ نے' زیب صاحبہ کا دیوانہ ہے۔"

صائمہ نے زیب کا نام لیتے ہوئے انتہائی کڑوا منہ بنایا۔

"خیر بلال اور زیب کی شادی تو ہونے سے رہی۔ آسیہ بیگم نے زیب کے لیے رشتہ دیکھنے کو کہا تھا۔"

"تو پھر دیکھا آپ نے؟" صائمہ کو اس موضوع سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ بلال اس کا نہ ہوا تو زیب کا بھی نہ ہو سکے۔

زیب کو تو ویسے بھی گھر میں تیسرے درجے کی حیثیت حاصل تھی۔

"ہاں ہے ایک رشتہ میری نظر میں۔"

"بس امی! رشتہ ایسا ہو کہ تایا جان انکار نہ کریں اور پھپھو کو بھی اپنی لاڈلی حسینہ بیٹی کے لیے پسند آجائے۔"

"ہاں ایسا ہی ہوگا' مگر میں تو اسد کے لیے پریشان ہو رہی ہوں کہیں شنذرا کو پسند تو!" زاہدہ بیگم کو تو وہم ہی ہوگیا تھا۔

"ارے نہیں امی! یوں ہی اس نے کہہ دیا ہوگا۔ ان لڑکوں کو یوں بھی لڑکیوں سے ہمدردی کا بخار چڑھ جاتا ہے' اس کی آپ فکر نہ کریں' اگر ایسی بات ہوئی بھی تو چوٹی سے پکڑ کر جواد اور اسد کے سامنے باہر نکال دوں گی۔"

"دھیان سے بیٹے! اس چڑیل کو نہ چھیڑ بیٹھنا جواد کے سامنے' کمبخت ایسی منہ پھٹ ہے کہ مجال ہے کسی کا لحاظ کر جائے۔"

زاہدہ بیگم جتنی ہوشیار تھیں' اتنی ہی محتاط بھی' اسی لیے تو شنذرا کی باتوں کو نظر انداز کر جاتیں۔ جواد نے گھر کی صورت حال اور ماحول سے بہت کچھ اندازہ لگایا تھا' اسی لیے تو وہ صبا پر مہربان

ہونے لگا تھا' وہ تو وہ زاہدہ بیگم اور صائمہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھیں۔

"صبا! آج شام تم کیا کر رہی ہو؟"

بات وہ صبا سے کر رہا تھا' مگر نظریں صفائی کرتی شنذرا پر تھیں۔

"میں تو فارغ ہی ہوتی ہوں ہر وقت' کیوں آپ کو کیا کام ہے؟"

صبا اس کی یوں خصوصی توجہ پر حیران ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں یہ تو میں بھی دیکھتا ہوں کہ کون فارغ رہتا ہے اور کون مصروف خیر آج شام میں اور تم گھومنے جائیں گے۔ صرف میں اور تم اور کوئی نہ ہو۔"

شنذرا کو سنانے کے لیے جواد نے "میں اور تم" پر خاصا زور دیا' جیسے شنذرا کو اس کا بڑا خیال ہو۔ اور وہ اس کی ان باتوں سے پگھل ہی تو جائے گی۔ حالانکہ حقیقت تو یہ تھی کہ اس نے سنا ہی نہیں تھا' وہ کیا کہہ رہا ہے۔ البتہ صبا کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا۔

"اچھا تو کیا ماما!" صبا یقین کر لینا چاہتی تھی کہ جواد نے صرف میں اور تم ہی کہا ہے ناں۔

"میں نے کہا ہے کہ صرف میں اور تم۔"

"جی اچھا۔" وہ اڑتی ہوئی ماں کے پاس گئی۔

"اللہ تیرا شکر ہے' کتنی دعاؤں کے بعد یہ لمحہ آیا ہے' اب تیار ہو جانا ڈھنگ سے' تم اسے زیادہ سے زیادہ توجہ دو۔ صائمہ! تم اس کے کپڑے تیار کر دو' جو یہ شام کو پہنے گی۔ خدا کرے اس کی قسمت جاگ جائے جواد کے ساتھ تو ہماری بھی قسمت سنور جائے گی۔"

زاہدہ بیگم اٹھ کر جواد کے پاس آ گئیں جو میگزین کم اور شنذرا کو زیادہ دیکھ رہا تھا۔

"بیٹا! کیا پروگرام ہے شام کا۔"

"بس آنٹی! ذرا آؤٹنگ کا موڈ رہا ہے' لیکن اس وقت گرم گرم چائے پینے کو بہت دل چاہ رہا ہے۔"

"ارے میں ابھی بنا کر لائی۔"

زاہدہ بیگم جلدی سے اٹھیں مگر جواد نے ان کو پکڑ کر بٹھا لیا۔

"ارے آپ بیٹھئے آنٹی! اس شنذرا سے کہہ دیجیے ناں۔"

"شنذرا۔ ہاں۔ اچھا شنذرا جاؤ ذرا بھائی کے لیے چائے تو بنا لاؤ۔"

زاہدہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے شنذرا کو کہا۔

بھائی کہنے پر جواد کا منہ بن گیا۔

شنذرا مڑے بغیر کچن میں چلی گئی۔

"اللہ پاک وقت کے یہ امتحان اور آزمائش کے چکر کب ختم ہوں گے۔"

اپنی حالت پر اسے رونا آ گیا۔

جواد کا انداز' اسد کی بدگمانی اور بدتمیزی' ان ماں' بیٹیوں کا رویہ یہ سب اب ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ وہ چائے بنا کر لائی تو اس کی پلکیں نم ہو رہی تھیں۔ چہرے پر دکھ کی پرچھائیں تھی' جو شنذرا کو خوبصورت بنا رہی تھی۔ جواد کتنی ہی دیر اسے دیکھے گیا۔ اسی لیے کپ پکڑتے ہوئے ہاتھ کانپ گیا اور گرم

گرم چائے جواد کی ٹانگوں اور ہاتھوں پر گری' ساتھ میں شنذرا کا ہاتھ بھی جل گیا۔

"اندھی ہو' دیکھ نہیں سکتیں' جلا ڈالا۔ جواد کو۔"

صائمہ مصنوعی ہمدردی سے جواد کی طرف بڑھی' مگر چونکہ شنذرا کا قصور نہیں تھا' اسی لیے اس کے چہرے پر بڑے جارحانہ تیور تھے۔ زاہدہ بیگم کو مصالحتی راہ اختیار کرنا پڑی۔

"چلو رہنے دو' بھول چوک ہو ہی جاتی ہے۔"

"بھول مجھ سے نہیں ہوئی ہے مامی! ہاتھ انہوں نے خود جان بوجھ کر ہلایا ہے' تب چائے گری ہے۔"

شنذرا نے بڑی دلیری سے سارا الزام جواد کے سر دھرا تو وہ زیر لب مسکرا دیا۔

کتنی عجیب لڑکی ہے' کتنی خوددار اور بولڈ کہ اتنے ناموافق حالات میں بھی۔

"جی ہاں صائمہ باجی! قصور میرا ہے مگر یہ تو پوچھئے کہ میرا قصور کیوں ہے۔ ظاہر ہے میری نظریں ان کے چہرے پر تھیں۔ ہاتھ لڑکھڑا گیا اور جب نظریں بھٹک جائیں تو ہاتھ یا قدموں کا لڑکھڑانا کوئی بڑی بات نہیں۔"

جواد کی بے باکی عود کر آئی' وہ کسی کا خیال کیے بغیر آہستگی سے بولا جسے شنذرا ہی سن پائی۔

"گھٹیا آدمی!" شنذرا وہاں سے تیزی سے مڑی اور لاؤنج میں صوفے پر گر کر بری طرح رونے لگی۔

اسد شہزاد کے ہاں سے آیا تو شنذرا کو یوں روتے دیکھ کر آہستگی سے اس کے قریب آ گیا۔ اس کا نازک سا وجود آنسوؤں کے سمندر میں ڈول رہا تھا۔ جانے اسد کو کیا ہوا' ساری نفرت' مخالفت' غصہ سب اس کے آنسوؤں میں بہہ گئی۔

"شنذرا!" اس نے آہستگی سے پکارا۔

مگر وہ اسی طرح روتی رہی۔

"شنذرا! کیا ہوا؟ مجھے بتاؤ۔"

اس نے آہستگی سے شنذرا کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

☆......☆......☆

شوکت صاحب بہن کی رضا پا کر بے حد خوش تھے۔ وہ اب کسی مناسب وقت کے منتظر تھے کہ وہ اس رشتے کا باقاعدہ اعلان کریں اور اب تو شعیب کے رویے نے ان کو اور بھی مطمئن کر دیا تھا۔ نہ صرف وہ مطمئن تھے بلکہ نسیمہ بیگم کے تو گویا سارے دکھ ختم ہو گئے تھے اور شعیب بھی تو ان کا بے حد خیال رکھنے لگا تھا۔ اس صورت حال نے آسیہ بیگم اور زیب کو ایک کرب میں مبتلا کر دیا تھا' مگر دونوں کے کرب کی نوعیت مختلف تھی۔ زیب کو اس کے رویے سے خوف آتا رہتا۔ حالانکہ وہ بار بار کہتا۔ میں پہلے غلط تھا' اب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔

"اچھا تو پھپھو! آپ نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہے ناں؟"

وہ ان کے شانے دباتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"ارے میرے چاند! کیوں نہیں' غلطی ہر انسان سے ہو جاتی ہے۔"

نسیمہ بیگم نے اس کی پیشانی چوم لی۔

"لیکن پھپھو! یہ جو لڑکی ہے ناں زیب' لگتا ہے' قیامت تک مجھے معاف نہیں کرے گی۔ لکھوا لیجیے۔ آپ چاہے مجھ سے۔"

وہ زیب کو اندر آتے دیکھ کر بولا تو زیب صرف اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ارے کیوں معاف نہیں کرے گی۔ زیب بیٹا! دل میں بات نہیں رکھتے' ٹھیک ہے کہ شوبی کا رویہ پہلے نامناسب تھا' مگر اب تو اس نے معذرت کرلی۔"

"اور معذرت بھی ایسی ویسی' جناب پکی والی۔ توبہ۔ کبھی نہ ستانے والی معذرت کی ہے' مگر آپ کو اعتبار ہی نہیں آیا۔"

وہ بے تکلفی سے اس کے قریب آ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ تو وہ فوراً ہی پیچھے ہٹ گئی۔

"میں آپ سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں' میرے دل میں کوئی بات نہیں۔ آپ نے معذرت کرلی' میں نے قبول کرلی۔"

"تو پھر ہمیں بھی قبول کرلو۔" وہ آہستگی سے بولا۔

"جی!" اس کی بولتی آنکھیں' بدلا ہوا رویہ جو کہہ گیا تھا۔ اس نے زیب کو اندر تک ہلا کر رکھ دیا۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر وہاں سے ہٹ گئی۔

"ماشاء اللہ خوب جچیں گے دونوں ایک دوسرے کے ساتھ' مگر اس لڑکی کے تیور مناسب نہیں' یا اللہ تمام عمر خوشیوں کو عزتوں کو ترسی ہوں۔ اب عزت ملنے لگی ہے تو اس لڑکی کو سیدھی راہ لگا۔"

نسیمہ بیگم نے دونوں کو دیکھا پھر دل میں دعا کرنے لگیں۔ ماں کا دل مطمئن تھا۔ چہرے سے خوشی جھلک رہی تھی' مگر زیب کے دل پر جو بیت رہی تھی' وہی جانتی تھی۔ دل آنے والے خدشات سے پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں الجھی ہوئی تھی کہ فون کی بیل بجی۔

"ہیلو" اس نے بے دلی سے ہیلو کہا۔

"ہیلو زیب! میں ہوں بلال۔" دوسری طرف سے بلال کی بے قرار آواز آئی۔

"بلال۔۔۔ آپ۔ آپ کہاں ہیں؟ اتنے دن ہو گئے ہیں؟"

وہ اس کی آواز سنتے ہی رو پڑی۔

"ساری صورت حال تو تم جانتی ہو۔ پھپھو نے کس قدر ذلیل کیا ہے ہم لوگوں کو۔ ہمارے والدین تو پھر بھی ان کو معاف کرنے کو تیار ہیں' مگر وہ کہتی ہیں کہ کوئی گھسا تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔ امی' ابو کہتے ہیں' کاش! تم سب کو اپنے ہاں لاسکیں۔ خیر' پھپھو کیسی ہیں اور شذرا کی طرف بھی میں نہیں جا سکا۔ صائمہ اور ان کی والدہ محترمہ کے جو کارنامے ہیں ناں' وہ اس قابل نہیں کہ ان سے ملا جائے' تم سناؤ۔ کیا حال احوال ہیں' میں تو دن میں کئی بار کوشش کرتا ہوں۔ فون کرتا ہوں' مگر ہر بار کوئی اور ہوتا ہے' میں بولے بغیر رکھ دیتا ہوں آج تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ تم سے بات ہو جائے۔ اب بتاؤ کیا صورت حال ہے۔"

بلال نے ساری تفصیل اسے بتائی۔

"میں کیا بتاؤں' میں تو بے حد پریشان ہوں۔"

"کیوں آسیہ پھپھو کا رویہ مزید خراب ہو گیا ہے کیا؟"

"ان کا خراب رویہ اتنی تکلیف اور اذیت نہیں دیتا تھا جتنا۔ میں اس وقت بات نہیں کرسکتی۔ بلال! ہم کہیں مل نہیں سکتے؟ مجھے بہت سی باتیں کرنی ہیں آپ کے ساتھ۔"

زیب اسے سب کچھ بتانا چاہتی تھی' مگر اسے خوف تھا' کوئی اوپر سے آ نہ جائے۔

"ملنے کو تو میں بھی بے چین ہوں زیب! مگر کہاں۔ کسی ہوٹل میں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"بلال! میں فائزہ کے ساتھ یونیورسٹی آجاؤں گی۔"

"قطعی نہیں' مجھے کسی پر اعتبار نہیں' اس گھر کے کسی بندے پر اعتبار نہیں' خواہ وہ فائزہ ہی کیوں نہ ہو۔"

"بلال! آپ اسے نہیں جانتے' وہ بے حد اچھی لڑکی ہے' قابل اعتماد۔"

"وہ قابل اعتماد ہے صرف اپنی حد تک' تمہارے لیے وہ ناگن ہی ثابت ہوگی' اس کو رہنے ہی دو۔"

بلال بہت بدگمان تھا ان سب لوگوں سے۔

"اچھا پھر!" وہ زچ ہو کر بولی۔

"پھر یہ کہ میں جمعرات کو فیاض انکل کے ہاں آجاؤں گا۔ آنٹی عمرانہ تو ہمارے ساتھ بہت اچھی ہیں تم ملنے کے بہانے وہیں آجانا' وہیں بات کرلیں گے۔"

بات معقول تھی زیب کے دل کو لگی۔

"پھر؟" بلال نے پوچھا۔

"اچھا ایسا ہے کہ آپ رات نو بجے دوبارہ فون کریں' میں قریب ہی رہوں گی' میں امی سے پوچھ کر آپ کو بتاؤں گی' اچھا اب خدا حافظ۔"

کسی کے قدموں کی چاپ کی آواز پر اس نے فوراً خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔ خدا کا شکر تھا' وہ اس کی اپنی امی تھیں۔

"کس کا فون تھا بیٹے؟"

"منیب کے کسی دوست کا تھا امی۔" وہ نظریں چرا گئی۔ اس نے یہ بات محسوس کی تھی کہ اب نسیمہ بیگم' بلال کے نام سے چڑنے لگی تھیں۔ اس نے اسی وقت فیاض ماموں کا نمبر ملایا۔

"آداب مامی!" ریسیور عمرانہ مامی کے ہاتھ میں تھا۔

"ہاں زیب! کیا بات ہے بھئی۔ فون کیسے کیا؟"

عمرانہ مامی یوں تو زیادہ خطرناک نہیں تھیں' بس مطلب پرست تھیں۔ جب مطلب ہوتا شہد بن جاتیں اور نہ ہوتا تو یوں ہی اجنبی رہتی تھیں۔

"جی مامی! ذرا صدف سے بات کروا دیں۔"

"اچھا' ابھی تو روٹی پکا رہی ہے' چلو بلا دیتی ہوں۔ پھر کہاں فون کرتی پھرو گی۔ صدف آؤ زیب کا فون ہے' میں دیکھ لیتی ہوں روٹی۔"

انہوں نے وہیں سے آواز لگائی۔

"ہیلو باجی! السلام علیکم' خیریت تو ہے ناں' امی تو ٹھیک ہیں۔"

صدف اس کے اچانک فون پر پریشان ہوگئی۔

"ہاں صدف! گھبرانے کی ضرورت نہیں' اماں بالکل ٹھیک ہیں۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔"

پھر مختصراً زیب نے صدف کو ساری بات بتادی۔

"نہیں باجی! شوبی بھیا بہت برے ہیں' وہ کبھی اچھے ہو ہی نہیں سکتے۔ پتا نہیں اب امی کو کس جال میں پھانس رہے ہیں۔ آپ بچ کر رہیے گا اور یہ بلال بھیا کیا کر رہے ہیں۔ ان سے کہیے ناں کچھ کریں۔"

صدف بھی بے چین ہوگئی' ساری حقیقت جان کر۔

"صدف میری بہن! ہم لوگوں کو تو ان عیار' مکار' ڈرامابازلوگوں سے خدا ہی بچا سکتا ہے اور بلال لوگوں کا تو سخت داخلہ بند ہے یہاں پر مجھے تم سے یہ ہی کہنا تھا کہ کل تم امی کو فون کر کے کہہ دو کہ مجھے جمعرات کو تمہارے ہاں بھیج دیں۔ کہہ دینا تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں' ملنے کو دل چاہ رہا ہے۔ کچھ بھی بہانا ایسا بنانا کہ امی انکار نہ کرسکیں۔"

اس سے کیا ہوگا۔"

"بے وقوف لڑکی! وہیں پر بلال آئیں گے' پھر ہم آئندہ کے لیے لائحہ عمل تیار کریں گے۔"

"اوہ اچھا! بس آپ فکر نہ کریں۔ میں بات کرلوں گی امی سے' لیکن آپ کوشش کریں' گھر میں کسی کو خبر نہ ہو بلال بھیا کے یہاں آنے کی۔"

"خدا حافظ۔" مارے پریشانی اور گھبراہٹ کے زیب کا برا حال تھا۔ وہ بہانے بہانے سے فون کے گرد چکر لگا رہی تھی۔ اب تو شعیب زیادہ وقت گھر ہی پر گزارنے لگا تھا' نسیمہ بیگم اور شوکت صاحب کی نظروں میں اچھا بننے کے تمام گر اسے آگئے تھے۔

شعیب کے بدلے ہوئے تیور آسیہ بیگم کے لیے اور ماں کے بدلے ہوئے تیور زیب کے لیے سوہان روح بنے ہوئے تھے۔ وہ کھانا وغیرہ تیار کر کے کچن سے باہر آگئی۔ نو بجنے میں پانچ منٹ تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک کے ساتھ اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ نو بجنے میں دو منٹ رہ گئے تھے۔ اس کے ہاتھوں میں پسینہ آگیا۔

"زیب!" آسیہ بیگم کی کڑک دار آواز گونجی۔

"جی ماما!" وہ گھبرا گئی۔

"فون ادھر لاؤ اور زاہدہ کا نمبر ملا دو۔"

"جی۔" آسیہ بیگم کی بات پر کچھ بجھ کر رہ گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو' فون اٹھا کر لاؤ۔"

"جی اچھا۔" پھر اس نے زاہدہ بیگم کا نمبر ملا کر دیا اور خود باہر نکل گئی۔

آسیہ بیگم نے ادھر ادھر دیکھ کر اطمینان کرلیا کہ کوئی ہے تو نہیں۔

"آداب بھابی جان کیسی ہیں آپ؟" زاہدہ بیگم چاپلوسی سے بولیں۔

"مجھے چھوڑو جو میں نے کہا تھا۔ وہ کیا۔ یہاں یہ حال ہے کہ دونوں بہن بھائی میں جانے کیا بات طے ہوئی ہے۔ دونوں خوش ہیں۔ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں اور بیٹا تو ہاتھوں سے پہلے ہی نکل چکا ہے اور تم ہو کہ کہہ کر خاموش ہوگئیں۔"

"بھابی جان! کیا کروں' فرصت ہی نہیں ملتی' لیکن آپ فکر نہ کریں' میں نے ماسی سے کہا ہوا ہے۔ وہ یقیناً کوئی اچھا رشتہ بتائے گی۔ رہی بات لڑکوں کی تو میں آپ کو بتاؤں۔ بھابی جان کہ جانے ان لڑکیوں میں کیا ہے۔ لڑکے تو یوں ان پر فریفتہ ہوتے ہیں کہ...... مجھے اس چڑیل شذرا سے خوف آنے لگا ہے۔ اسد نے بھی اس کی حمایت شروع کردی۔ میں تو سوچ رہی ہوں کہ شذرا کا بھی کہیں کردوں۔ کہیں اکلوتا بیٹا ہی ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔"

"ارے بی بی! ان ماں بیٹیوں سے تو اللہ بچائے۔ ہمارے بھائی صاحب تو اب تک نسیمہ کے عشق میں گرفتار ہیں۔ جوان اولاد ہوگئی ہے۔ آگے سے بیٹیاں بھی ویسی ہی میسنی ہیں۔ بی بی میں تو کہتی ہوں لڑکے کو ابھی سے قابو کرلو منہ زور ہوگیا تو ماننے ہی بنے گی۔"

"اللہ نہ کرے بھابی! اس سے پہلے میں شذرا کو جان سے نہ مار ڈالوں گی۔ اچھا خیر' میں دو ایک روز میں آپ کو خوشخبری سناتی ہوں' خدا حافظ۔"

نسیمہ بیگم اور ان کی بیٹیاں گویا ٹھیلے پر رکھا ہوا بے قیمت مال تھیں جو مفت میں بھی اٹھائے یا پھینک دے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کم از کم آسیہ بیگم تو ان لوگوں کو بے کار مال ہی سمجھتی تھیں۔ اس تمام عرصے میں جب تک آسیہ بیگم فون کرتی رہیں۔ زیب کوریڈور میں بے قراری سے ٹہلتی رہی۔

"ارے زیب! خیریت تو ہے ناں' اتنی پریشان کیوں ہو؟"

ایسے میں شعیب کی آمد اور ہضم نہ ہونے والا اچھا رویہ زیب کو غصہ دلا گیا۔

"جی کچھ نہیں یوں ہی طبیعت ذرا بوجھل ہو رہی تھی۔"

"اچھا تو چلو آؤ' ذرا باہر گھوم آتے ہیں۔ آئس کریم یا کولڈ ڈرنک لوگی تو سارا بوجھل پن ختم ہو جائے گا۔"

شعیب اس طرح بولا جیسے سدا سے اتنا ہی اچھا ہو اور ایسے ہی دوستانہ مراسم ہوں' اسے تاؤ آگیا۔

"جی نہیں شکریہ' میں عادی نہیں ہوں اس قسم کی باتوں کی۔"

اس نے تلخی سے سوچتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں کہا تو وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے دیکھنے لگا۔

"عادی تو کوئی کسی بات کا نہیں ہوتا زیب! ہونا پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے' تم بھی ہو جاؤ گی' کیونکہ تمہیں ہونا چاہیے بلکہ ہونا پڑے گا۔"

وہ عجیب پراسرار انداز میں کہتا آگے بڑھ گیا۔

"اللہ کرے مر ہی جائیں' ہم لوگ تو اپنی مرضی اور خوشی سے سانس لینا بھی دشوار ہے۔"

وہ روہانسی ہوگئی۔ آسیہ بیگم اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ فائزہ پڑھ رہی تھی۔

دس بجے کے قریب پھر بیل ہوئی۔ وہ جلدی سے فون کی طرف بڑھ گئی' مگر جانے کہاں سے شعیب آ گیا۔ جھٹ ریسیور کانوں سے لگا کر ہیلو' ہیلو کرنے لگا۔

"لگتا ہے میری آواز پسند نہیں آئی۔"

شعیب نے زیب کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"تم جیسے گدھ کی آواز کس کو پسند آ سکتی ہے؟"

بلال نے ریسیور پٹخ دیا۔ گیارہ بجے کے قریب اس نے پھر کوشش کی تو خوش قسمتی سے شعیب سو چکا تھا اور فون پر زیب ہی تھی۔

"کیا مصیبت ہے یار! میرا تو سانس لینا قیامت ہے۔"

وہ رو دینے کو تھی۔

"زیب! اب ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ تم اس طرح!"

"بلال! سب سے بڑھ کر خوف مجھے امی کے رویے سے آ رہا ہے اور دوسرا شعیب کے رویے سے دونوں کو جانے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے خوف آ رہا ہے امی کے سکون سے اور شعیب کے اچھے رویے سے۔"

"شعیب اور اچھا رویہ' یقیناً گہری چال ہے۔"

"مزید میں آپ کو فیاض ماموں کے گھر آ کر بتاؤں گی۔ میں نے صدف سے بات کر لی ہے' وہ کل امی کو فون کرے گی۔ اچھا اب خدا حافظ۔ یاد سے آنا ہے آپ کو۔"

زیب نے جلدی سے ریسیور رکھ دیا۔ بلال بری طرح اپ سیٹ ہو گیا تھا۔ شعیب نے جو ٹریک بدلا تھا تو یہ کوئی معمولی تبدیلی نہیں تھی اور دونوں گھرانوں میں تعلقات ایسے تھے کہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے کے روادار نہیں تھے اور زیب سے وہ کسی صورت دستبردار ہونا نہیں چاہتا تھا۔

گھر میں عجیب سا ماحول پرورش پا رہا تھا۔ نسیمہ بیگم اور شوکت صاحب دونوں خوش تھے مگر خاموش تھے۔ آسیہ بیگم زاہدہ بیگم کے ساتھ مل کر کسی رشتے کا انتظار کر رہی تھیں جبکہ شعیب' پھپھو کے بعد زیب کا دل جیتنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔

اس روز بھی وہ اس کے لیے بہت اچھا سا سوٹ پیس لے کر آیا۔

"دیکھیے پھپھو! کیا یہ اچھا نہیں ہے؟"

جب زیب نے لے کر ایک طرف رکھ دیا تو وہ کپڑا لیے پھپھو کے پاس آ گیا۔

"ارے کیوں نہیں اچھا' خوبصورت اور قیمتی کپڑا ہے اور پھر خلوص کی تو بات ہی اور ہے۔"

"جی پھپھو! بات تو ساری محبت اور خلوص کی ہے' جس کی اس لڑکی کو پہچان نہیں۔ مانا کہ میں خطا کار ہوں۔ گناہ گار ہوں' مگر توبہ کر چکا ہوں۔"

شعیب نے شکایتی نظروں سے زیب کو دیکھا۔ وہ باہر نکل گئی۔

"نہ جانے پھپھو! یہ لڑکی کبھی مجھے معاف بھی کرے گی کہ نہیں۔ پھپھو! آپ تو جانتی ہیں ناں کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ میں...... میں زیب سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ پھپھو اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ زیب کو ہمیشہ خوش رکھوں گا بلکہ آپ میرے پاس رہیں گی۔ میں آپ کو کہیں اور نہیں جانے دوں گا۔"

وہ بڑے خلوص سے ان کا ہاتھ تھامے کہہ رہا تھا' نسیمہ بیگم پسیج گئیں۔ وہ بہت سنجیدہ ہو گیا۔

"پھپھو! آپ کو میری بات بری تو نہیں لگی' کہیں آپ کو بھی اس بات سے انکار تو نہیں!"

"ارے نہیں' میرے بیٹے! یہ تو میری عین خوش نصیبی ہے تم اس کی فکر نہ کرو۔ مان جائے گی۔ دراصل تم تو جانتے ہو کہ ہم لوگوں کو کیسے حالات کا سامنا کرنا پڑا ہے تو ایک تو وہ اچانک اس تبدیلی کو قبول بھی نہیں کر پائی۔ دوسرے اتنی بڑی بات' لیکن تم فکر نہ کرو' میرے مولا کو منظور ہوا تو یہ کام ضرور ہو گا وہ بھی مان جائے گی۔"

نسیمہ بیگم نے اسے ساتھ لگا کر یقین دہانی کرائی۔ آسیہ بیگم کے لیے یہ صورت حال ناقابل برداشت تھی مگر یہ مشکل بھی آسان ہو گئی جب زاہدہ بیگم نے کہا کہ کل لڑکے والے زیب کو دیکھنے آ رہے ہیں۔

"شوکت صاحب! کل زیب کو دیکھنے کچھ لوگ آ رہے ہیں' آپ وقت پر آ جایئے گا اور نسیمہ تم بھی ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن لینا۔ لڑکی کا معاملہ ہے اور فائزہ زیب کو تم کوئی اپنا جوڑا دے دینا۔ اچھا رشتہ ہے' میں نہیں چاہتی کہ بات رہ جائے اور پھر جتنی جلدی لڑکی کی بات طے ہو جائے' اچھا ہے۔"

رات کھانے کے بعد آسیہ بیگم نے اعلانیہ انداز اختیار کیا اور ایک طرح سے سب کو حکم دے دیا کہ کس کو کیا کرنا ہے۔

"زیب کا رشتہ؟" نسیمہ بیگم نے پریشان کن نظروں سے بھائی کو دیکھا' مگر انہوں نے نظروں ہی نظروں میں خاموش رہنے کو کہا۔

"امی!" شعیب احتجاجاً اٹھا مگر شوکت صاحب نے اسے بھی چپ رہنے کو کہا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا' اس گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ زیب نہ ہوئی' بساط کا بے جان مہرہ ہو گئی' جس کی اپنی کوئی مرضی نہیں' جس کو کہیں بھی اٹھا کر رکھا جا سکتا ہے۔"

فائزہ کو معلوم تھا کہ زیب کیا چاہتی ہے' اس لیے وہ جھنجلا کر بولی۔

"فائزہ!" آسیہ بیگم نے لاڈلی بیٹی کو گھورا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی امی! زیب انسان ہے' کوئی پتھر کی مورتی نہیں کہ جیسے چاہو اٹھا کر رکھ دو' مجھے معلوم ہے ہمیشہ کی طرح کیسا رشتہ لے کر آئیں گی زاہدہ آنٹی۔"

"لڑکی! تمہیں اس سے کیا مطلب ہے' رشتہ کیسا ہی کیوں نہ ہو' اگر ابھی سے دیکھا بھالا نہ گیا تو شعیب اور تمہارے ابو اس لڑکی کو ہم پر مسلط کر دیں گے تمام عمر کے لیے۔"

آسیہ بیگم اس کے قریب آ کر آہستگی سے بولیں' تو فائزہ منہ بنا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اول تو یہ امی کہ زیب ایسا ہرگز نہیں چاہتی اور دوسری بات یہ کہ اگر میرا اپنا بھائی اس قابل ہوتا تو میں زیب کو بھابی بنا کر خود کو خوش نصیب سمجھتی' کاش! میں زیب کے لیے کچھ کر سکتی۔"

"ارے' ارے یہ لو وہ کمبخت تمہارے کمرے میں گھسی کیا کرتی رہتی ہے۔ اللہ بچائے ان جادو گرنیوں سے' جانے کیا گھول کر پلاتی ہیں کہ بندہ اندھا ہو جاتا ہے۔ توبہ ہے بھئی اپنی اولاد ہی؟"

فائزہ نے زیب کی حمایت کی تو۔ آسیہ بیگم کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔

"امی! ان کے پاس جو جادو ہے ناں' وہ صبر' شکر اور محبت ہے جو بہت دنیا میں اثر کرتا

ہے۔کاش یہ جادو آپ پر بھی اثر کر جائے۔"

وہ آخری جملہ آہستگی سے کہتی ماں کو حیران و پریشان چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔اگلے روز کی ساری پلاننگ فائزہ کی تھی۔مہمان اندر آئے بیٹھے تھے۔زاہدہ بیگم اور آسیہ بیگم بھی تھیں اور مہمانوں کے ساتھ خود صاحبزادے بھی تشریف لائے تھے۔پکے رنگ کا چالیس سالہ مرد جن میں آسیہ اور زاہدہ بیگم کو دنیا جہان کی خوبیاں نظر آرہی تھیں۔

"بس بہن جی لڑکا کیا ہے اللہ میاں کی گائے ہے۔ماشاء اللہ دس جماعتیں پاس کی ہیں۔ایک ورکشاپ پر کام سیکھتا تھا۔آج خدا کے فضل سے اپنی ورکشاپ ہے۔بہتیرا کہا کہ شادی کرلو مگر کہتا تھا اماں ساری بہنوں کی شادی ہو جائے تو پھر کروں گا۔خیر سے پانچ بہنوں کو بیاہ کر فارغ ہوا تو اپنے لیے مانا ہے۔"

لڑکے کی ماں لڑکے کی تعریفوں میں مصروف تھیں۔نسیمہ بیگم سر جھکائے دکھ کا احساس لیے سوچ رہی تھیں کہ کتنی ظالم ہیں ان کی بھابیاں' اپنا بوجھ اتارنے کے لیے کیا کچھ کر رہی تھیں۔ان کی ہیرا سی بیٹی کے لیے ان کا کیا انتخاب ہے۔شوکت صاحب نے گوکہ کہا تھا کہ وہ کوئی ملال نہ کریں' مگر وہ ماں تھیں۔

"اچھا تو یہاں آپ کی ورکشاپ ہے کہاں؟"

"اے لو اماں' بچا میاں کو تو میری ورکشاپ ہی معلوم نہیں' خیر بازار تو دیکھا ہوگا نا تم نے۔وہاں متے پنواڑی کی دکان کے پیچھے ہے اپنی ورکشاپ' اللہ کا فضل ہے بڑا کام چلا ہوا ہے کہ شہر نے تھوڑی دیتا ہوں کسی کو ورکشاپ کے قریب اور کیا بتاؤں؟"

"بس۔بس میاں! اور کچھ بتانے کی ضرورت نہیں' میں جان گیا ہوں۔"

شوکت صاحب نے جیب سے رومال نکال کر چہرا صاف کیا۔پان کی پیک کے کئی چھینٹے آن پڑے تھے۔نسیمہ اٹھ کر باہر آ گئیں۔دل تو آسیہ بیگم کا بھی خراب ہوا۔اتنا گندہ میلا تھا' پان منہ سے باہر آرہا تھا اور وہ مستقل جگالی کر رہا تھا۔

"بہن جی! لڑکی تو آئی نہیں ابھی تک۔"

"جی' بس ابھی آتی ہے۔"

لڑکا اور اس کی ماں آسیہ بیگم کو قطعی پسند نہیں آئے تھے۔وہ اپنا ارادہ بدل چکی تھیں۔

"کہاں جارہی ہو زیب؟ لاؤ میں چائے اندر لے کر جاتی ہوں۔"

فائزہ نے اس وقت سیاہ کپڑے زیب تن کر رکھے تھے اور لائٹ سے میک اپ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

"جو زہر میرے لیے ہے فائزہ! اسے مجھے ہی پینا ہے۔"

"امی نے جو زہر تمہارے لیے تیار کیا ہے' اسے میں منہ سے لگاتی ہوں' پھر ان سے ان کا حال پوچھوں گی۔" وہ ٹرالی لے کر اندر آئی تو لڑکا تو لڑکا اس کی ماں بہنیں بھی گویا بے ہوش ہونے لگیں۔ایسے چغد کے لیے ایسی حسین لڑکی کا تصور بھی نہیں کیا تھا انہوں نے۔

"ماشاء اللہ! کیا چاند کا ٹکڑا ہے لڑکی کیا ہے؟"

لڑکے کی ماں نے گویا نظروں ہی سے اسے نگلنا چاہا۔آسیہ بیگم نے گھور کر ان محترمہ کو دیکھا۔

"یہ میری بیٹی ہے فائزہ! وہ لڑکی نہیں' اور فائزہ تمہیں کس نے کہا تھا یہاں آنے کو۔"

فائزہ نے اعتماد سے چائے دیتے ہوئے کہا۔

شوکت صاحب نے مسکرا کر بیٹی کو دیکھا' جس نے ان کے دل کی بات کہہ دی تھی۔

"آپ کے لیے چائے میں چینی کتنی ڈالوں؟" فائزہ نے لڑکے سے پوچھا۔

"اجی چینی کی کیا ضرورت ہے' انگلی ہلا دیجیے اندر۔" وہ بے خودی میں بولا۔

"بہت زہریلی ہے مر جائیں گے۔"

فائزہ کا جی چاہا' ابلتی ہوئی چائے اس کی آنکھوں میں انڈیل دے۔

"اجی مر تو ہم آپ کو دیکھتے ہی گئے تھے' ہائے جل گیا' مر گیا۔"

اس لڑکے کی بات فائزہ کو اتنی بری لگی کہ اس نے گرم گرم چائے جان کر اس کے اوپر اچھال دی۔وہ تڑپ اٹھا۔فائزہ کا تو جی چاہ رہا تھا کہ ان سب کو اٹھا کر باہر پھینک دے اور امی کو خوب سنائے۔

مہمان چلے گئے' مگر جاتے جاتے کہہ گئے کہ ان کو فائزہ بے حد پسند آئی ہے۔آسیہ بیگم کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ارے اس بڑھیا کا دماغ خراب ہے۔میں کہتی ہوں زاہدہ اس بڑھیا کو شرم نہ آئی۔اس بڈھے کے لیے میری معصوم بچی کا نام لیتے ہوئے۔ارے اس منحوس کی شکل دیکھی ہے۔اس آدمی کی چالیس تو منہ سے کہہ رہی تھی۔پچاس سے کیا کم ہو گا جنگلی بھینسا۔کہتی ہوں اسے جرأت کیسے ہوئی۔فائزہ کا نام لینے کی۔"

آسیہ بیگم کے جو منہ میں آیا' وہ کہتی چلی گئیں۔شوکت صاحب سب کچھ سنتے رہے۔خاموشی سے دیکھتے رہے۔

"کتنی عجیب بات ہے آسیہ بیگم! کہ کچھ دیر قبل جب وہ زیب کے لیے تھا تو اس میں خوبیاں ہی خوبیاں تھیں۔نہ تو اس کی شکل پر اعتراض تھا اور نہ اس کی عمر پر' نہ جنگلی پن ہی نظر آرہا تھا' مگر انہوں نے فائزہ کا نام لیا تو اس میں وہ عیب بھی نظر آ گئے جو اس میں تھے نہیں' کتنے دکھ کی بات ہے آسیہ بیگم! کہ زیب تمہاری بیٹی نہیں تو اس کے لیے ہر قسم کے عیب والا لڑکا چلے گا اور اپنی بیٹی کے لیے تم بے مثال لڑکا چاہتی ہو۔بہت افسوس کی بات ہے' بہت بڑی بے انصافی ہے۔حالانکہ حکم رسول پاک تو یہ ہے کہ جو اپنے لیے پسند کرو وہی اوروں کے لیے پسند کرو اور آج جب بات کھل ہی گئی ہے تو کان کھول کر سن لو کہ اس گھر میں اب کوئی رشتہ زیب کے لیے نہیں آئے گا اس لیے کہ زیب اس گھر سے کہیں نہیں جائے گی۔"

زاہدہ بیگم اور آسیہ بیگم کے سامنے شوکت صاحب نے حتمی انداز میں اعلان کر دیا۔اس سے قبل کہ آسیہ بیگم کچھ ہنگامہ کرتیں۔زاہدہ بیگم نے منع کر دیا۔شوکت صاحب باہر چلے گئے۔

"برامت مانیے گا بھابی جان! شوکت بھائی درست کہہ رہے ہیں۔لڑکی خوبصورت ہے' سگھڑ ہے' نوکرانیوں کی طرح خدمت میں لگی رہتی ہے۔آپ پڑی رہنے دیجیے کونے میں' کر دیجیے شعیب کے ساتھ رشتہ' ایک طرف تو شعیب کا منہ بند ہو جائے گا' شوکت بھائی بھی خوش ہو جائیں گے۔ملازم کی ملازم ہی رہے گی آپ بعد میں کسی اچھی سی لڑکی سے شعیب کی شادی کر دیجیے گا۔دیکھئے ناں پھر بھی گھر کی

لڑکی ہے' سو طرح کے پردے رکھے گی' آپ کی خدمت بھی کرے گی عمر بھر۔ غصے سے نہیں ذرا ٹھنڈے دل سے میری بات پر غور کیجیے گا۔"

زاہدہ بیگم سوچ کی نئی راہیں آسیہ بیگم کے سامنے کھول کر چلی گئیں۔ کتنے مزے سے وہ لوگ نسیمہ بیگم اور ان کی بیٹیوں کی زندگی سے کھیل رہی تھیں۔ اپنی بیٹیوں کے لیے نگاہیں کتنی بلندی پر رکھتیں اور ان کے لیے وہ خاک کا انتخاب کرتیں۔ رات بھر آسیہ بیگم اس پہلو پر غور کرتی رہیں۔ زیب کے بارے میں سوچنے لگیں تو وہ آپ ہی اچھی لگنے لگی۔ تاہم وہ اپنا فیصلہ محفوظ رکھنا چاہتی تھیں۔

"چلو' چھٹی ہوئی' تم خوامخواہ ہی پریشان ہو جاتی ہو قسم سے۔ زیب! میرا دل چاہ رہا تھا اس چغد کے سر پر ابلتی چائے انڈیل دوں' بس تم اب فکر نہ کرو۔

فائزہ ہنس ہنس کر بتا رہی تھی' مگر اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ سب سے زیادہ خطرے کی تلوار تو خود اس کا اپنا بھائی ہے۔ جب سے وہ بات ہوئی تھی اور زاہدہ بیگم نے زیب کے بارے میں کہا تھا۔ وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔ اب اس کے ہر کام میں' ہر ادا میں صرف تنقید ہی نہیں' تھوڑا سا پیار بھی شامل ہوتا تو وہ انہیں اچھی لگنے لگتی۔ اگلے روز جمعرات تھی' جس کا اس نے پل پل انتظار کیا تھا۔

"تو امی پھر میں صدف کا پتا کر آؤں ناں۔ اس نے یوں تو کبھی اصرار نہیں کیا آنے پر؟"

چونکہ اس کے دل میں چور تھا اس لیے وہ دھیمے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہاں چلو' میں بھی چلتی ہوں۔"

"آپ...... آپ امی کہاں بسوں میں خوار ہوں گی' میں ہی چلی جاتی ہوں۔ آپ فرخ کے ساتھ چلی جایئے گا' کل جب وہ آئے گا تو۔"

ان کے جانے کے نام پر وہ ایک دم گھبرا گئی تو کچھ سوچ کر بیٹھ گئیں۔

"اچھا چلو میری طرف سے پیار کرنا میری بچی کو' سب سے زیادہ صابر ہے میری بچی۔ آج تک کوئی شکایت نہیں کی کسی نے اور یہ لو پیسے اس کے لیے پھل لے جانا اور عمرانہ سے پوچھنا' اگر اجازت دے تو اسے ساتھ لے آنا۔ میرے مولا! کیسا نصیب لکھا ہے میرا کہ میری اولاد ایک شہر میں ہو کر بھی میری نظروں سے اوجھل ہے' چلو جاؤ اللہ کی امان میں۔"

نسیمہ بیگم دکھی ہو گئیں۔ وہ جلدی سے کوریڈور سے ہوتی ہوئی گیٹ تک پہنچی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور وہی ہوا جس اندیشے سے دل دھڑک رہا تھا۔ شعیب اسی وقت گاڑی لے کر آ گیا۔

"ارے زیب! تم کہیں جا رہی ہو کیا؟" اس نے گاڑی اس کے قریب روکی۔

"جی وہ صدف کی طبیعت خراب ہے تو۔" اس کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔

"اوہو کیا ہوا اسے؟ مجھے کیوں نہیں بتایا۔" وہ پریشان ہو کر نیچے اتر آیا۔

"جی' کوئی ایسی خاص نہیں' بس اس کا ملنے کو بھی دل چاہ رہا تھا۔"

"تو' چلو مل آتے ہیں' اکیلی جاؤ گی کیا؟"

وہ اس گھڑی کو کوس رہی تھی' جب وہ گھر سے نکلی تھی۔

"ہمیشہ کی بات اور ہے زیب۔ اب کی بات اور ہے' تم یہیں رہو' میں امی کو بتا کر ابھی آیا۔"

شعیب اس کی کوئی بات سنے بغیر تیزی سے اندر گیا۔

"اللہ کرے مر ہی جائیں ہم لوگ مشکل سے موقع ملا تھا' منحوس پہنچ گیا۔"

زیب نے جل کر خود کو ہی کوس ڈالا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا' بھاگ جائے یہاں سے یا صاف انکار کر دے۔ بلال اس کے ساتھ اسے دیکھ کر جانے کیا خیال کرے' مگر وہ ساری باتیں سوچ کر ہی رہ گئی کیونکہ اس میں نہ تو انکار کرنے کی جرات تھی اور نہ واپسی کی ہمت۔

"چلو آؤ بیٹھو!" شعیب بڑی بے تکلفی سے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے اس کا منتظر تھا۔ مرتی' کیا نہ کرتی' بیٹھ گئی کیونکہ اب تو امی بھی بدل گئی تھیں۔ وہ گھبرائی ہوئی تھی۔ شعیب نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ سفید دوپٹے میں سہمی سہمی سی اسے بہت اچھی لگی۔ اسے دکھ ہونے لگا کہ آج تک اس نے کتنے دکھ دیے ہیں اس معصوم سی لڑکی کو۔ وہ پچھلی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا اور زیب یہ سوچ رہی تھی کہ بلال اگر پہلے سے موجود ہوا تو۔ نہیں بلال کو اعتماد ہے مجھ پر' وہ ایسا کچھ نہیں سوچیں گے۔ میری مجبوریوں کو وہ سمجھتے ہیں' لیکن ایک دم دیکھ کر تو دکھ ہوگا ہی ان کو' لیکن میں کیا کروں۔ یا الٰہی تو میری مجبوریوں کو جانتا ہے میرے رب میری مدد فرما۔"

"زیب...... زیب!" وہ اپنی ہی سوچوں میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ اسے شعیب کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔

"زیب!" شعیب نے آہستگی سے اس کے نازک ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تو وہ چونک گئی۔

"جی!" اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"کیا سوچ رہی تھیں؟" شعیب نے ملائم لہجے میں پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" زیب کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

"میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ میں نے تمہیں کتنے دکھ دیے ہیں' تم کس کس کو معاف کرو گی۔"

وہ باتیں کر رہا تھا اور گھر آ گیا۔ زیب کی نگاہیں فیاض ماموں کے گھر کے لان میں جا کر رکیں۔

"اف میرے خدا بلال موجود ہیں۔"

لان میں بلال اور صدف بیٹھے تھے۔ زیب نے سیٹ سے سر ٹیک دیا اور آنکھیں موند لیں۔

"میڈم! منزل پر پہنچ کر آپ کو نیند آ گئی ہے۔"

شوخ آواز میں بولتا ہوا شعیب دروازہ کھولے اس کا منتظر تھا۔

دل پر قیامت ڈھا دینے والا منظر بلال سے اوجھل رہ سکتا تھا۔ صدف اور بلال نے ایک ساتھ دیکھا کہ شعیب مسکراتے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھولے کھڑا تھا اور اس کی ٹانگوں میں جان نہیں تھی کہ باہر نکلے اور بلال کا سامنا کرے۔

"دیکھا بلال بھائی! اس مکار انسان نے کس طرح رنگ بدلا ہے۔ باجی اسی وجہ سے تو پریشان ہیں اور اسی سلسلے میں تو آپ سے بات کرنے آ رہی تھیں۔"

صدف نے جلدی سے وضاحت کر کے بہن کی پوزیشن کلیئر کرنا چاہی۔

"آ رہی تھی تو بس سے آتی' ضروری تو نہیں تھا کہ اس کی بہترین گاڑی میں آتی۔"

بلال آخر مرد تھا غصہ تو اسے بھی آ گیا تھا۔

"آپ بدگمان نہ ہوں بلال بھیا! نہ جانے کس صورت حال کے تحت باجی کو یہ کرنا پڑا ہو۔ آپ پلیز باجی سے بدگمان نہ ہوں وہ تو آپ کے علاوہ کسی کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھتی ہیں۔"

صدف بری طرح پریشان ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ بلال زیب کے بارے میں کوئی غلط بات سوچے۔ وہ صدف کی بات پر آہستگی سے مسکرا دیا۔

"پیاری لڑکی! میں زیب کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اس سے خفا تو نہیں بس شعیب کے ساتھ اس کا آنا اچھا نہیں لگا۔"

پھر دونوں کو اپنی طرف آتا دیکھ کر چپ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ زیب کا دل مٹھی میں آ گیا۔ اور وہ بے خطا ہونے کے باوجود خود کو مجرم سمجھنے لگی۔

"اوہو بلال۔ کیسے اتفاقات ہو جاتے ہیں۔ کیا حال ہیں بھئی جب ہم گھر سے چلے تھے تو ہمارے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ تم سے یہاں ملاقات ہو جائے گی کیوں زیب؟"

خلاف معمول شعیب بڑی خوش اخلاقی سے ملا۔ اس نے بلال سے بغلگیر ہوتے ہوئے مڑ کر اپنی بات کی تصدیق کے لیے زیب کو دیکھا جو صدف کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"اور بلال کیا حال ہیں سب کے؟ یار! اچھا اتفاق ہو گیا ملاقات کا ورنہ تو کتنا عرصہ گزر گیا ہے۔"

بلال کو یہاں دیکھ کر ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ بلال یہاں کیوں آیا ہے اور زیب کیوں آئی ہے۔ تاہم وہ نظر انداز کر گیا۔

"الحمدللہ! بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ کیسے ہو پھپھو کیسی ہیں اور باقی سب؟"

بلال نے بھی رسمی انداز میں سب کا حال احوال پوچھ ڈالا۔

"سب ٹھیک ہیں یار تم کیا رسمی انداز میں بات کر رہے ہو۔ مانا کہ ہمارے گھرانوں میں آنا جانا بند ہے مگر یہ بڑوں کے اختلافات ہیں ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں تو ملتے رہنا چاہیے۔ چار دن کی زندگی میں یہ جھگڑے یہ اختلافات اور پھر ناراضگی وہ بھی رشتوں پر۔ نئی رشتے داریوں کے لیے خونی رشتے داری خراب نہیں کرنی چاہیے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" رسان سے بولتے ہوئے شعیب نے اس سے پوچھا۔

"گڈ! بڑی پازیٹو اپروچ اختیار کی ہے تم نے۔ میرا بھی یہی خیال ہے مگر اب بڑوں کو سمجھائے کون؟"

بلال نے کن اکھیوں سے زیب کو دیکھا جس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے شرمندگی تھی گھبراہٹ تھی۔

"ارے بھئی صدف کیا حال ہے تمہارا؟ ہم دونوں تو تمہیں ہی دیکھنے آئے ہیں۔"

شعیب ہم دونوں پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"جی ٹھیک ہوں ویسے ہی باجی سے ملنے کو دل چاہ رہا تھا تو میں نے امی کو فون کر دیا۔"

"اوہو بھئی زیب انکل آنٹی سے تو ملے ہی نہیں آؤ ان سے مل آئیں یا پھر اندر ہی بیٹھتے ہیں۔ ایکسکیوزمی یار بلال۔"

شعیب کچھ اس طرح بات کر رہا تھا کہ زیب بے بسی سے دیکھ کر رہ جاتی۔ شعیب آگے بڑھ گیا تو زیب نے معذرتی نظروں سے مڑ کر بلال کو دیکھا جو سینے پر ہاتھ باندھے شکایتی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا تو بلال نے فوراً خفگی سے منہ موڑ لیا۔

☆......☆......☆

"شانی میری شہ رگ ہے۔"

مستقل ایک ہی جملہ کی بازگشت نے اس کی سماعتوں کو پگھلا دیا تھا۔

"کیوں آئے تھے تم میری زندگی میں تیمور! تم میرے نہیں تھے تو کیوں مجھے اپنایا تھا۔ اگر کوئی تمہارے شہ رگ کی طرح قریب تھا تو میری دھڑکنوں کو بے چین کیوں کیا؟ لیکن اس میں تمہارا قصور بھی کیا تیمور خوشی ہماری اپنی قسمت میں نہیں ہے۔ میں ہی بھول گئی تھی کہ ویران اور بے رنگ زندگی میرا مقدر ہے میری اپنی بہنوں کی طرح ان کو زندگی سے کیا مل گیا ہے جو مجھے مل جائے گا۔

ہم نے سونے کے پنجروں میں زندگی گزارنی ہے۔ اس سے باہر زندگی کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو ہمیں کیا۔"

نگل کھڑکی کے ساتھ ٹیک لگائے نارنجی کرنوں کی سرخی کو فضا میں پھیلتا ہو دیکھ رہی تھی۔ دل کی بستی بہت ویران تھی۔ تیمور کی اس بات پر وہ ٹوٹ کر رہ گئی تھی جو تیمور کو اس حد تک عزیز تھی۔

"نگل۔ نگل! ارے بی بی کیا ہوا ہے تمہیں کہاں گم ہو؟"

آمنہ کتنی دیر سے نیچے سے آوازیں لگاتی رہی۔ جواب نہیں ملا تو خود آ گئی۔

"ہوں۔ ہاں کیا بات ہے یہیں ہوں ہم نے بھلا کہاں جانا ہے۔"

وہ افسردگی سے بولتی کھڑکی سے ہٹ گئی۔

"اچھا تو پھر ذرا نیچے چلی جاؤ باجی آوازیں لگا رہی ہیں۔ مما کو واش روم میں لے کر جانا ہے اور میں اس لیے نہیں جاؤں گی کہ وہ بندریا بھی وہیں ہے اور میں اس کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔ شوہر تو شوہر گھر کے دوسرے مردوں کو بھی قابو کر لیا ہے۔"

آمنہ کو انتہائی نفرت تھی شہرین سے اور اس کا رویہ بھی سب سے زیادہ خراب ہوتا تھا اس کے ساتھ۔

"اچھا یہ بتاؤ مما کا کھانا بن گیا ہے یا بنانا ہے نہیں تو بناؤں جا کر۔"

نگل جاتے جاتے مڑی۔

"نہیں میں تو صبح سے نیچے گئی ہی نہیں تم ہی بنا لینا۔"

جب سے مما بیمار ہوئی تھیں تینوں بہنیں ہر وقت مصروف رہتیں۔ ان کو واش روم لے جانا منہ دھلانا کھانا کھلانا ہر دم ان کے ساتھ رہنا۔ یہی ان تینوں کی زندگی کی مصروفیات تھیں۔ خصوصاً فاطمہ نے تو خود کو صرف اور صرف ماں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا خود نوالے بنا کر دیتی مگر وہ بچوں کی طرح کبھی رونے لگتیں تب وہ دکھی ہو جاتی کہ یہ وہ ماں ہیں جن کا غرور رکھ رکھاؤ بناؤ سنگھار مشہور تھا۔ آج اتنی بے بس ہیں کہ سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتیں۔

"پلیز! ایک دو نوالے اور لے لیجیے ناں پلیز۔ اس طرح آپ میں طاقت آئے گی۔ آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں گی پلیز۔" فاطمہ کھانا بھی منتیں، خوشامدیں کر کے کھلاتی مگر وہ مسلسل روئے چلی جاتیں۔

"مصیبت!" شہرین ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ راحیل نے سب کو دیکھا۔ ایک دم سے اٹھ کر جانا بھی اچھا نہیں لگا۔ پپا کے سامنے مجبوراً بیٹھا رہا۔

فاروق صاحب نے اتنے سے عرصے میں جو جان لیا تھا، سیکھ لیا تھا، شاید ساری زندگی میں نہیں سیکھ سکتے تھے۔ انہوں نے کڑے تیوروں سے جاتی ہوئی شہرین اور پھر راحیل کو گھورا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ فاطمہ نے ایک نوالہ بھی نہیں لیا تھا، بس مما کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ بچوں کی طرح بار بار ان کا چہرا صاف کرتی پھر کھلاتی جبکہ شہرین سارا وقت الٹے سیدھے منہ بناتی رہی۔

"راحیل! شہرین سے کہو ذرا اپنی اوقات میں رہے۔"

"کیوں پپا! کیا کیا ہے اس نے؟"

یہ جرأت بھی بیٹے کو بیوی نے دی تھی کہ وہ بڑے اعتماد سے بیوی کا قصور معلوم کر رہا تھا باپ سے۔

"کیوں تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ وہ کیا کرتی ہے اور ابھی کیا حرکت فرمائی ہے اس نے۔ یہ کون سے مینرز ہیں کہ کھانا درمیان میں چھوڑ کر منہ بنا کر اٹھ جائے۔"

"پپا! دراصل مما کچھ اس انداز سے کھانا کھاتی ہیں کہ اس کی طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔ اب آپ خود دیکھئے، کیسے کھا رہی ہیں مما کھانا، بچوں کی طرح رالیں نکار رہی ہیں، گھن تو آتی ہی ہے۔"

راحیل نے ماں کو دیکھتے ہوئے خود بھی برا سا منہ بنایا اور بیوی کی بھرپور حمایت کی۔

"اچھا تو کیا خیال ہے تمہاری ماں کو اٹھا کر باہر پھینک دوں کہ تمہاری صفائی پسند بیوی کو پسند نہیں۔ فاطمہ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جو تمام وقت ماں کے ساتھ سائے کی طرح لگی رہتی ہے۔ کیا اس کا دل خراب نہیں ہوتا جو خود نوالے بنا بنا کر ماں کو کھلاتی بھی ہے۔ اس کی پیشانی پر پیار بھی کرتی ہے۔ اس کے آنسو بھی صاف کرتی ہے۔ یہ بے جان ہے؟ کوئی حس نہیں ہے اس کے اندر؟ تمہاری بیوی کانچ کی گڑیا ہے۔ اور یہ پتھر ہے۔"

پپا نے بھرپور انداز میں فاطمہ کی محبت، خدمت کو سراہا۔

"یہ بیٹی ہے پپا! اور ماں کو سنبھالنا ان ہی کا فرض ہے۔" راحیل بھی ڈھٹائی پر اڑا ہوا تھا۔

"اچھا ان بدنصیبوں کا فرض صرف بیمار والدین کی خدمت ہے۔ ان کی دیکھ بھال ہے اور بیٹوں اور بہوؤں کا فرض اور حق عیش کرنا ہے، خوشیاں سمیٹنا ہے۔"

آج فاروق صاحب کو بہت دکھ ہو رہا تھا۔ بیٹے اور بہو کے رویے پر۔ راحیل کو بھی طیش آ گیا۔

"پپا! آپ سب لوگ تو چاہتے ہیں شہری ہمیشہ ناخوش رہے جب سے وہ اس گھر میں آئی ہے۔ اس کا جینا حرام کر دیا گیا ہے۔"

"شٹ اپ راحیل!" فاروق صاحب اتنی زور اور غصے سے دہاڑے کہ صوفیہ بیگم ڈر گئیں۔ انہوں نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا اور خوفزدہ ہو کر فاطمہ سے لپٹ گئیں۔

"بھائی پلیز!" فاطمہ نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

"ہونہہ! تم لوگ جو ہونا، میں بہت اچھی طرح سمجھتا ہوں۔"

راحیل، فاطمہ کو گھورتا ہوا اپنے کمرے میں گھس گیا۔ جہاں شہرین اس کی لاڈلی، چہیتی بیوی غصے میں منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"شہری! تم بھی تو بس بہت چھوٹے دل کی مالک ہو۔ کیا ضرورت ہے پپا کے سامنے اس قسم کا رویہ شو کرنے کی، بندہ تھوڑا تحمل سے کام لے لیتا ہے۔"

پپا سے الجھنے کے بعد راحیل کو غلطی کا احساس ہوا تو وہ بیوی سے الجھ پڑا۔

"کان کھول کر سن لو راحیل! میں اس گندے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ حالت دیکھتے ہو تم جب وہ کھانا کھا رہی ہوتی ہیں۔ نہ جانے میرا دماغ کیوں خراب ہو گیا تھا۔ قسمت خراب تھی جو یہاں شادی ہو گئی میری۔"

"تمہیں تو کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا شہری! سب کچھ تو فاطمہ کرتی ہیں۔"

"ارے تو ان بڈھیوں کی زندگی کا بھی تو کوئی مقصد ہونا چاہیے۔ چلو ماں کی خدمت ہی سہی۔"

شہرین نے یوں منہ بنا کر کہا۔ گویا ماں کی خدمت کوئی معمولی بات ہو، معمولی منصب ہو۔

"ٹھیک ہے شہری ڈیئر! مگر تمہیں پپا کے سامنے اس قسم کا رویہ شو نہیں کرنا چاہیے۔ ان کو مما سے بہت محبت ہے، بلکہ ابھی تک عشق ہے ان کو مما سے۔"

"تو آپ بھی تھوڑا سا سبق حاصل کر لیں اپنے پپا سے۔"

"یار کم آن شہری! اتنا لوٹ کر تو چاہتا ہوں تمہیں اور کیا چاہتی ہو۔"

"میں یہ چاہتی ہوں کہ ہم دونوں اکیلے ہوں اور کوئی نہ ہو۔"

"الگ ہونا چاہتی ہو؟"

"نہیں، لیکن میں چاہتی ہوں ہم دونوں اسی گھر میں رہیں اور کوئی نہ ہو۔"

شہرین اتنی احمق نہیں تھی کہ محل نما کوٹھی کو چھوڑ کر کسی کوٹھی یا بنگلے میں رہے۔ وہ اسی گھر میں رہ کر سب کا پتا صاف کرنا چاہتی تھی۔

"جیسا تم سوچ رہی ہو ناں، وہ نہیں ہو سکتا، کم از کم پپا کی زندگی تک، اور معلوم ہے یہ محل کس کے نام ہے۔ مما کے نام ہے جن سے تمہیں گھن آتی ہے۔"

راحیل نے یہ بات اسے آج تک نہیں بتائی تھی۔ شہرین نے بڑی خفگی اور کڑے تیوروں کے ساتھ شوہر کو دیکھا۔ جواب یہ سوچ رہا تھا کہ اسے یہ بات بتانی ہی نہیں چاہیے تھی۔

"گڈ اور ویری گڈ، بہت گہرے ہیں آپ لوگ۔ تو آپ نے تو راحیل میرے ساتھ وہی کیا جو بلی شیر کے ساتھ کرتی ہے۔ اسے سارے کرتب سکھا دیتی ہے، مگر درخت پر چڑھنا اس لیے نہیں سکھاتی کہ اسے جان بھی بچانی ہوتی ہے۔ پپا کو اپنی بیگم سے اتنا عشق تھا کہ انہوں نے اپنی نور جہاں کو اس محل کا مالک بنا دیا اور تم نے کیا کیا ہے میرے نام۔ کیا دیا ہے آج تک مجھے۔"

کھوکھلی خواہشات کے پیچھے بھاگنے والی شہرین، راحیل سے اپنی محبت کا ثبوت مانگ رہی تھی۔

"شہرین! میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ میری چاہتیں، محبتیں، وفائیں۔"

راحیل نے جذباتی ہو کر اس کا ہاتھ تھام کر اپنی محبتوں کا نذرانہ پیش کیا' مگر اس نے نخوت سے ہونہہ کہہ کر ٹھکرا دیا۔

''ان باتوں سے کتابوں میں' افسانوں میں ملنے والی محبتوں سے زندگی نہیں گزرا کرتی شوہر صاحب۔''

''شہری! میری جان! ابھی میرے اپنے پاس کچھ نہیں تو تمہیں کیا دوں۔''

راحیل بے بسی سے کم عمر بیوی کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے ہر قسم کے ناز نخرے اٹھانے کو تیار تھا' مگر ابھی تو وہ خود خالی ہاتھ تھا۔

''بس راحیل! میں کچھ نہیں جانتی۔ یہ محل اب میرے نام ہونا چاہیے۔ مما کا تو ویسے بھی چلاؤ ہے' کسی وقت بھی۔ لہٰذا اس سے قبل ہی۔''

''اس کے لیے تمہیں مما کے قریب ہونا پڑے گا' ان کی خدمت کرنی پڑے گی۔ دیکھو شہری! تمام عمر انسان کچھ بھی کرتا رہے' کوئی کتنا ہی انسان کو عزیز رہے' مگر...... محبتوں کی حقیقت اس وقت کھلتی ہے جب اس پر وقت پڑتا ہے...... تو ایسے میں جو اس کے قریب جاتا ہے' اپنی محبتوں کا اظہار کرتا ہے' وہی سب کچھ حاصل کر لیتا ہے' اس لیے۔''

''ناممکن! میں تو اپنے ہاتھ خراب نہیں کر سکتی۔ میں اس گھر کو اپنے نام دیکھنا چاہتی ہوں۔ راحیل! کیا تمہارا دل نہیں چاہتا اس گھر میں' میں ہوں تم ہو اور ہمارے بچے ہوں۔''

شہرین نے خلاف معمول شرما کر ایسے ایسے خواب دکھائے کہ راحیل بھی سوچنے لگا کہ ایسا کون سا طریقہ ہو کہ بیگم کو خوش کرنے کے لیے یہ محل اس کے نام کر دیا جائے۔

''او کے' تمہیں پھر اس کے لیے انتظار تو کرنا پڑے گا ناں۔''

''کرلیں گے جناب' لیکن انتظار طویل نہیں ہونا چاہیے۔''

''قطعی نہیں۔'' دونوں خوش دلی سے ہنس دیے۔

فاطمہ نے خود کھانا نہیں کھایا تھا۔ مما کو کھلا کر آہستگی سے ان کو چلاتی ان کے کمرے میں لے آئی منہ صاف کیا اور بستر پر لٹا دیا اور اب پاؤں دبا رہی تھی۔

''سوری مما! ڈاکٹر نے کہا ہے کہ ہلکی پھلکی واک آپ کے لیے ضروری ہے' اس لیے میں چلا کر آپ کو لائی ہوں۔ یوں بھی میری اتنی اسمارٹ سی مما اب چل سکتی ہیں۔ ان کی ٹانگیں ٹھیک ہو گئی ہیں تو پھر چیئر پر بیٹھنے کی کیا ضرورت ہے۔''

فاطمہ اس طرح چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی جاتی اور ان کے کام کرتی جاتی اور وہ ممتا بھری نگاہوں سے اسے دیکھے جاتیں۔ دوا کے اثر سے وہ اسی طرح اسے دیکھتی سو گئیں۔ فاطمہ نے کمبل سینے تک پھیلا دیا۔ اور خود ایزی چیئر پر نیم دراز ہو گئی۔ اتنی شدید تھکن ہو رہی تھی کہ آنکھیں خود ہی بند ہو گئیں۔ لیکن اسے خبر نہیں تھی کہ پپا دروازے میں کھڑے اس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔ اس وقت ان کو اپنی اس صابر شاکر بیٹی پر بے ساختہ پیار آ گیا۔

''فاطمہ!'' وہ اسے بے آرام کرنا نہیں چاہتے تھے مگر بے ساختہ ہی منہ سے نکل گیا۔

''جی پپا!'' فاطمہ فوراً کھڑی ہو گئی۔

''تم بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔ جاؤ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میں ہوں تمہاری مما کے پاس۔'' انہوں نے اس کی پیشانی پر پیار کیا تو فاطمہ کو لگا جیسے کسی نے کوئلوں پر پانی ڈال دیا ہو۔

''جی پپا۔'' وہ بھیگی آنکھوں سے پپا کو دیکھتی لرزتی آواز میں کہتی۔ اس کو پیار کرنے کا منظر آمنہ اور نجل بھی دیکھ چکی تھیں۔ محبت کی یہ فتح صرف فاطمہ کی' نہیں آمنہ اور نجل کی بھی تھی۔ اس لیے تینوں خوشی سے ایک دوسرے سے لپٹ گئیں۔

''دیکھا۔ دیکھا آمنہ! نجل! میں نہ کہتی تھی۔ صبر کرو۔ اللہ پاک ہماری ضرور سنے گا۔ اس نے ہم کو پیدا کیا ہے۔ وہ ہماری طرف سے بے پروا تھوڑی ہے۔ پتا ہے اس قسم کی آزمائشیں تو انسان کی آزمائش کے لیے ہوتی ہیں۔ اس کے صبر کا امتحان ہوتا ہے۔ جیسے آج پپا نے پیار کیا ہے۔ کبھی نہیں کیا۔ آج میں بہت خوش ہوں۔ اتنی خوش۔ اتنی خوش۔''

فاطمہ خوشی سے جھوم جھوم گئی۔ اسے لگا تھا جیسے وہ اڑ رہی ہو۔

''آمنہ...... بے بی۔''

''باجی...... باجی۔'' دونوں گرتی ہوئی نجل کی طرف بھاگیں۔

☆......☆......☆

عجیب وغریب حالات اور زندگی گزارنے والی تینوں بہنوں کیلئے والدین کا پیار جو کہ اولاد کا حق ہوتا ہے آج کسی گمشدہ خزانے کی طرح ملا تو تینوں گویا خوشی سے پاگل ہو رہی تھیں۔

"دیکھا...... دیکھا تم نے آمنہ پپا نے میری پیشانی پر...... یہاں پیار کیا تھا مجھے تو ابھی تک یقین ہی نہیں آرہا کہ آج ہمیں اللہ نے پپا کی محبت دے دی ہے۔"

فاطمہ خوشی سے دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے آئینے میں جا کر اپنی پیشانی کو چھوا پیار سے اپنی پیشانی جہاں پپا نے پیار کیا تھا دیکھتی رہی۔

"واقعی! باجی بات تو بے حد خوشی کی اور ناقابل یقین ہے...... بھئی...... باجی سیدھی سی بات ہے اگر میں اپنی آنکھوں سے یہ منظر نہ دیکھ لیتی تو آپ کی بات پر یقین نہ کرتی کہ پپا نے آپ کو پیار کیا ہے...... اٹس اے گڈ سائن۔"

آمنہ دل میں بات نہیں رکھتی تھی جو دل میں ہوتا فوراً زبان پر لے آتی اور اس وقت بھی وہ سچ ہی کہہ رہی تھی کہ اگر یہ منظر وہ خود نہ دیکھتی فاطمہ کی بات پر ہرگز یقین نہ کرتی۔ تجل بھی بے یقینی سے کچھ دیکھ اور سن رہی تھی۔ یقین اسے بھی نہیں آرہا تھا۔ تینوں بہنیں اتنی نظر انداز ہوئی تھیں کہ اب محبتوں کی بارش بھی وہم ہی لگتی۔

"یہاں...... باجی یہاں پپا نے آپ کو پیار کیا ہے نا...... یہاں...... دکھائیے تو میں خود ہی چیک کر لیتی ہوں آپ سچ کہہ رہی ہیں کہ جھوٹ۔"

اور پھر تجل نے فاطمہ کی پیشانی اسی جگہ پیار کیا تو ڈھیر سارا سکون اندر تک اتر گیا...... اندھیرے میں بے سمت چلتے مسافر کے سامنے اچانک روشنی کا پھوٹ پڑنا اور منزل کا نظر آنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ تینوں بے حد خوش تھیں۔ مرغ بسمل کو جیسے بے وجہ قرار آ جائے...... جیسے رکا ہوا سانس بحال ہو جائے۔ وہ لوگ کسی ایسے دیوانے کی طرح خوش تھیں جسے اچانک سر راہ اس کا محبوب مل جائے۔

"بے بی...... آمنہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے بہت بہت بڑی خوشی دی ہے۔ ہمیں خدا تعالیٰ کے حضور شکرانہ ادا کرنا چاہئے...... ایسا کرنا نماز کے بعد شکرانے کے نفل ضرور ادا کرنا او کے۔"

"جی...... ضرور باجی اور اس کے بعد ہم لوگ نبیل بھائی اور مہوش بھابی کے ہاں جائیں گے۔"

تجل فاطمہ کے گلے میں بازو ڈال کر جھول گئی تو فاطمہ کے چہرے پر چپکے سے ایک سایہ لہرایا اور چلا گیا۔

"ہاں! ایسا ہو تو سکتا تھا مگر بے بی جو شہرین کو بھائی کو یہ بات پتہ چل گئی تو بہت برا ہو گا۔"

"کوئی! برا ورا نہیں ہوگا ہمیں صرف اپنے مما پپا کی پروا ہے اور وہ کوئی ہمارے دشمن نہیں ہیں۔ نبیل بھائی اور مہوش ہماری اچھی سی بھابی تجل ہم...... ہم ضرور جائیں گے۔"

آمنہ اور تجل جب ایک بات پر تل جاتیں تو وہ کام ہو کر ہی رہتا۔ فاطمہ بھی یہی چاہتی تھیں وہ بھی گھر کے اس کثیف ماحول سے باہر نکلنا چاہتی تھی مگر وہ بڑی تھی اسے ہر طرح کی مصلحت کو دیکھنا ہوتا تھا۔ مگر اس شام جب تجل اور آمنہ نے نبیل اور مہوش کے ہاں جانے کی خواہش ظاہر کی تو وہ پھر رونے لگیں۔

"ایک...... تو مما پتہ آپ کی آنکھیں منگلا ڈیم ہر وقت پانی جمع رہتا ارے بھئی کبھی تو خشک ہونا چاہئے...... اوکے ہم تو جائیں گے اور جائیں گے آپ چلو گے ہمارے ساتھ نہیں چلو گے تو میں آپ کو گدگدیاں کر کر کے...... لو اور سنو دیکھو حد ہے بھئی ہماری مما تو۔"

تجل حسب عادت مما کے دل بہلانے کیلئے الٹی سیدھی باتیں کرتی مما کے چہرے پر اب سکون کی کرنیں پھوٹنے لگی تھیں۔ انہوں نے تینوں کو نبیل کے ہاں جانے اور اسے ساتھ لانے کی التجا کی تو تینوں ان سے لپٹ گئیں۔

"انشاء اللہ وہ دونوں اسی گھر میں دوبارہ ضرور آئیں گے۔ ڈونٹ وری۔"

تینوں بہنیں خوشی کے اس پہلے احساس کے اڑن کھٹولے میں اڑتی پہلی بار نبیل کے گھر پہنچیں تو نبیل کو تو یقین ہی نہیں آیا اور جب یقین آیا تو وہ بڑی بہنوں کے قدموں میں بیٹھ کر اور چھوٹی بہن تجل کو ساتھ لگا کر شدتوں سے رو دیا...... مہوش تو اس قدر خوش تھی کہ اڑتی پھر رہی تھی۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میری نندیں پہلی بار میرے گھر آئی ہیں۔ میں ان کو کہاں بٹھاؤں آنکھوں پر بٹھاؤں...... ہاں یہ ہی ان کا مقام بھی ہے ورنہ ورنہ...... باجی...... باجی آپ لوگوں نے آج مجھے اتنی عزت دی ہے کہ جی چاہتا ہے کہ......" مہوش تینوں کے گلے لگی رو رہی تھی۔

"چلو! بھئی وشی تیار ہو جاؤ آج اپنی بہنوں کے ساتھ باہر کھانا کھائیں گے۔" نبیل نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں میری نندیں پہلی بار میرے گھر آئی ہیں اپنے ہاتھوں سے کھانا بنا کر کھلاؤں گی۔"

"مگر! میری بہنوں کا قصور......" نبیل کی اس بات پر وہ تینوں بھی ہنس پڑیں۔ پھر واقعی مہوش نے ان تینوں کو اتنی عزت دی کہ کچھ دیر کیلئے وہ سب کچھ بھول گئیں۔

اس دن ان سب نے بہت بھرپور وقت گزارا تھا۔ تینوں بے حد خوش تھیں۔

مہوش تو بچھی بچھی جا رہی تھی۔ ان لوگوں کے سامنے اور وہ تینوں مہوش اور شہرین کا موازنہ کر رہی تھیں۔

"ارے بھئی ہمیں بھی کوئی کام بتاؤ ہم تو فارغ بور ہو رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں باجی آپ لوگ آرام کریں میں خود سارے کام کروں گی آپ لوگ اتنے دنوں بعد اپنے بھائی سے ملے ہیں۔ بیٹھئے بہن بھائی باتیں کیجئے۔"

مہوش نے تینوں کو بڑی محبت سے دیکھا مگر پھر بھی وہ اس کا ہاتھ بٹاتی رہیں۔ تجل نے برتن لگا دیے اور پھر محبت بھری فضا میں کھانا کھایا گیا۔

"چلیں اب ذرا آئس کریم باہر سے کھاتے ہیں...... بے بی وہیں سے۔"
نبیل نے نجل کو ماضی کی کوئی بات یاد دلائی تو وہ جھوم گئی۔

"چلیں...... وہاں اسی روز ان سب نے خوب انجوائے کیا۔ مہوش نے ان لوگوں کو اپنی طرف سے جوڑے دیئے تو تینوں کی آنکھیں بھیگ گئیں اور سوچنے لگیں کہ ایک وہ ہے جو گھر کی مالک بن رہی ہے اور ان کی زندگیوں کی بھی جبکہ ایک یہ ہے کوئی حق اسے نہیں ملا اور وہ سب کے حق ادا کر رہی تھی۔ مہوش کے اسی رویے کے آئینے میں اپنی خوشیوں کا عکس نظر آ رہا تھا اور اسی مسکراتے عکس کا احساس لیے وہ لوگ گھر آ گئیں اور مما کو ساری باتیں بتا دیں۔ وہ خود بھی خوش تھیں مما تو بے حد خوش ہوئیں...... سب سے بڑھ کر اپنی بیٹیوں کو خوش دیکھ کر دل میں جینے کی تمنا دعا بن کر لبوں پر آنے لگی...... تو زندگی مسکرانے لگی۔

☆......☆......☆

"یار ایک تو اس شانی کی بچی نے یہاں آ کر زندگی عذاب بنا دی ہے...... کیا کروں کہاں رکھوں میں اسے......" "یار علی وہ تیرا فلیٹ ہے ناں اگر تو کہے تو میں شانی کو وہاں لے آؤں۔"
تیمور بہت الجھا ہوا تھا۔

"ارے ہاں...... ہاں اس سے پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا خیر دیر آید درست آید آج معلوم کروں گا۔" اور پھر علی نے اس روز سے کرائے داروں سے اپنا فلیٹ واپس لینے کی کوشش شروع کر دی، مگر ان کی بھی مجبوریاں تھیں کہ وہ جلدی مکان خالی نہیں کر سکتے تھے اور جتنی دیر ہو رہی تھی تیمور کی کوفت بڑھتی جا رہی تھی۔

"کچھ...... کر یار علی تجھے اندازہ نہیں کہ میں......"
"مجھے سب اندازے ہیں۔" علی کو غصہ آ گیا تو وہ کرائے دار سے الجھ پڑا۔
"دیکھئے...... میں واقعی مجبور ہوں ورنہ آپ کو ہرگز تنگ نہ کرتا۔"

☆......☆......☆

زیب اور شعیب کا رشتہ طے ہو چکا تھا۔ نسیمہ بیگم اور مشتاق صاحب بے حد خوش تھے کہ چلو جو اتنے مظالم اس نے ان لوگوں پر ڈھائے تو کچھ تو ازالہ ہو جائے گا اور ان کی خوشی میں اضافہ کرنے والی آسیہ بیگم کی خوشی اور رضامندی تھی۔ سب کو حیرت تھی کہ یہ معجزہ ہوا کیسے۔ آسیہ بیگم خود کیسے اس بات کیلئے تیار ہو گئیں۔ اسی خوشگوار حیرت کو دونوں بہن بھائی آپس میں شیئر کر رہے تھے۔

"بھئی! نسیمہ یہ تو خدا تعالیٰ کا بہت بڑا معجزہ ہے کہ پتھر بھی دھڑکنے لگا ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ مجھے اپنی اس خواہش کیلئے اپنی انگلیاں ٹیڑھی تو کیا میڑھی بھی کرنا پڑیں تو کر دوں گا۔"
"بس! بھائی جان یہ اللہ کا فضل و کرم ہے ورنہ ہماری کیا اوقات۔"
نسیمہ بیگم کی تو عمر بھر کی ریاضتیں کام آ گئی تھیں وہ تو ہر وقت خدا کا شکر ہی ادا کرتی رہتی تھی۔ اس کہانی کے پیچھے کیا کہانی ہے اس کہانی کے دونوں کردار زاہدہ اور آسیہ بیگم کیا خطرناک عزائم رکھتی ہیں سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا تھا۔

"نسیمہ! زیب خوش تو ہے ناں۔" اچانک بھائی کے اس سوال پر انہوں نے چونک کر بھائی کو دیکھا کہ کہیں ان کی جہاندیدہ نظروں نے کچھ پڑھ تو نہیں لیا۔

"جی...... جی کیوں نہیں بھائی جان بھلا اسے زندگی میں اور کیا چاہئے سب اپنے اسے مل رہے ہیں۔ شعیب میں کمی کیا ہے۔ جو وہ ناخوش ہو گی...... وہ بے حد خوش ہے آپ اس کی فکر نہ کریں۔" نسیمہ ان کو مطمئن کر کے وہاں سے اٹھ گئیں۔ مگر دروازے سے لگی زیب کے دل پر جو قیامت گزر گئی وہ کوئی انسان نہ دیکھ پایا سوائے اللہ کے۔

"زیب...... تم...... تم انکار کر دو دیکھو شادی ایک دو دن کا کھیل تو ہے نہیں عمر بھر ساتھ ہے...... یہ زندگی کا سفر ہے اور اس سفر میں پسند کا ساتھی نہ ہو تو زندگی بہت دشوار ہو جاتی ہے...... دیکھو میں جانتی ہوں تم قطعی طور پر بھائی کے ساتھ شادی کیلئے تیار نہیں ہو۔ انکار کو دو پلیز۔"
فائزہ کو اللہ نے پوری ہدایت دی تھی۔ اب حق سچ اس کے سامنے تھا ہر چند کہ وہ چاہتی کہ زیب جیسی لڑکی اس کی بھابی بنے مگر وہ اپنے بھائی اور ماں کے دوہرے رویے کو بھی سمجھ رہی تھی مگر اسے سب سے زیادہ زیب کا خیال تھا جو شعیب سے ہرگز شادی کرنا نہیں چاہتی تھی اور فائزہ یہ جانتی تھی کہ زیب بھی اس کی طرح لڑکی اس کے بھی اپنے خواب ہیں ارمان ہیں۔ وہ اسے انکار پر دباؤ ڈال رہی تھی مگر زیب نے قربانی دینے کا فیصلہ کر لیا تھا مگر فائزہ اس کے منع کرنے کے باوجود اپنی ماں کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔
"امی اس شادی سے کسی اور کو اعتراض ہو نہ ہو مجھے ہے۔"
"کیوں تمہیں کیا اعتراض ہے؟"
یہی سوال نسیمہ بیگم کی آنکھوں میں بھی ابھرا تھا۔ فائزہ کی اس بات پر لیکن وہ تو چپ رہیں مگر آسیہ بیگم حیرت اور قدرے غصے کے ساتھ فائزہ کی طرف مڑیں۔
"مجھے اعتراض اس لیے ہے کہ اس شادی میں زیب کی مرضی نہیں اور شادی تو خوشی کا نام ہے امی! جب دل ہی خوش نہ ہو تو پھر!"
فائزہ نے بغیر سوچے سمجھے کہہ ڈالا۔
"میں کسی کی مرضی کی پابند نہیں جب میں خوش ہوں میری مرضی ہے تو...... اور پھر شعیب سے بڑھ کر اس کو اور کیا چاہیے۔ اس کے ماموں کا گھر ہے میرا بیٹا بے مثال ہے اور جب اس کی ماں کو اعتراض نہیں تو پھر اسے کیا اعتراض ہے۔"
آسیہ بیگم نے زیب کے جذبات کی پروا نہ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کی تعریف کی۔
"امی...... امی! آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں زیب......!"
فائزہ چونکہ زیب کے دل کا حال جانتی تھی کہ ایسا کوئی فیصلہ ہو جس میں زیب کی خوشی شامل نہ ہو اور یہ بھی جانتی تھی کہ شعیب کو قطعی پسند نہیں کرتی وہ۔
"فائزہ! میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اب۔ اس میں کسی بات کی گنجائش ہے نہ کسی کو اعتراض کا حق ہے۔ نسیمہ! تمہیں کوئی اعتراض ہے میرے اس فیصلے سے؟"
آسیہ بیگم جانتی تھیں کہ نسیمہ بیگم ہرگز انکار نہیں کریں گی بلکہ وہ اسے خوش نصیبی سمجھیں گی اسی لیے انہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ نند کو دیکھا۔
"نہیں نہیں بھابی جان! میں بہت خوش اور مطمئن ہوں کسی اعتراض کی گنجائش ہی نہیں اور یب کو بھی کوئی عتر نہیں ہو گا کی مجا ہے کہ میر بھائی بھابی کے فیصلے سے نکا کر

شعیب بیٹے میں کمی کس بات کی ہے۔ آپ فکر نہ کریں بھابی جان! میں خود زیب سے بات کروں گی۔ فائزہ بیٹے! تم اس کی باتوں میں کیوں آ رہی ہو؟ سب ٹھیک ہو جائے گا انشاء اللہ۔"

جس عورت نے ہمیشہ ان کی تذلیل کی تھی' آج اللہ کی مہربانی سے وہی عزت بھی دے رہی تھیں تو وہ ناشکری کیوں کرتیں اور جب کہ یہ بھی معلوم تھا کہ بلال کے ساتھ رشتہ ہونا ناممکن ہے تو پھر گھر پر دستک دیتی عزت کو وہ کس طرح لوٹا دیتیں؟ انہوں نے بڑے خلوص سے بانہیں پھیلا دیں۔

"نہیں فائزہ! بے شک تم شعیب کی بہن ہو لیکن میری دوست اور بہن بھی ہو۔ تم تو اچھی طرح جانتی ہو کہ میں مر تو سکتی ہوں مگر شعیب کے ساتھ یہ...... پلیز فائزہ کچھ کرو۔"

شعیب کا بدلا ہوا رویہ' امی کی کچھ سوچتی نظریں' امی اور ماموں کی بروقت کی میٹنگ زندگی بھر کے عذاب کی صورت میں اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی تو زیب سب کچھ بھول گئی۔ فائزہ شعیب کی بہن ہے اس کی بات مائنڈ بھی کر سکتی ہے۔

"زیب! میری جان! میں سب کچھ جانتی ہوں اور چاہتی بھی ہوں' یہ سب نہ ہو مگر تم ہی بتاؤ۔ میرے اختیار میں کیا ہے؟ میں نے تو بلال کا نام بھی نہیں لیا' کہیں تم پر حرف نہ آ جائے۔ امی اور پھپھو کو یہ بھی کہہ دیا ہے کہ زیب شوبی بھیا کو پسند نہیں کرتی اور جب وہ خوش نہیں تو پھر زبردستی نہ کریں' مگر امی کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ اٹل فیصلہ کرتی ہیں' چاہے غلط ہو یا صحیح' اب یہ جو ظہیر ماموں کے ساتھ انہوں نے صرف رشتے کی وجہ سے کیا ہے' کیا یہ ان کو زیب دیتا تھا کہ دوسرے ناپائیدار رشتے کے لیے انہوں نے خونی تعلق کو ختم کر دیا ہے۔ چلو امی کو چھوڑو' خود پھپھو بھی وہی بات کر رہی تھیں۔"

"امی کی تو بات ہی چھوڑو' ان کو تو نہ جانے کیا ہو گیا ہے' انہوں نے گویا شکر کیا ہے۔" اپنی چاہت کی ناؤ چاروں طرف سے زیب کو طوفان میں گھری نظر آ رہی تھی۔

"یا اللہ! میں کیا کروں۔ میں تو پھنس گئی ہوں' میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتی۔ میں یہ سب کس طرح گوارا کر سکتی ہوں۔ میں منافقت کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ پلیز کچھ کرو' نہ سہی بلال میرے نصیب میں مگر میں شعیب کو کسی صورت قبول نہیں کر سکتی' ہرگز نہیں' میں مر جاؤں گی مگر یہ نہیں ہونے دوں گی۔"

فائزہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے نسیمہ بیگم کو بھی سمجھایا تھا' مگر وہ مان کر نہیں دی تھیں۔

"پھپھو! آپ خود سوچیں کہ شادی زندگی بھر کا ساتھ ہے' اس میں لڑکی' لڑکے کی دلی رضامندی ضروری ہوتی ہے' زیب قطعی طور پر راضی نہیں۔"

"تو نہ ہو راضی' وہ تو نادان ہے' کچھ سمجھتی ہی نہیں' میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ جو بھابی جان نے کہا ہے' وہی ہو گا۔"

نسیمہ بیگم نے قطعی اور حتمی انداز اختیار کیا تو فائزہ بھی خاموش ہو گئی۔ زندگی نے کچھ ایسا رخ اختیار کیا تھا کہ زیب بوکھلا کر رہ گئی تھی۔

"امی پلیز! اپنے ہاتھوں سے میرا گلا دبا دیں' مگر اتنا کڑا فیصلہ مسلط نہ کریں' میں مر جاؤں گی۔ آپ...... آپ سب کچھ بھول گئی ہیں کیا؟ امی کی زیادتیاں اور شعیب کی بدتمیزیاں۔"

وہ ماں جو کبھی اس کی دوست و غمگسار تھیں' آج اجنبی بنی ہوئی تھیں۔

"زیب! میری جان! میں ماں ہوں' سب جانتی ہوں' کچھ بھی مجھ سے چھپا ہوا نہیں اور نہ ہی میں بھولی ہوں' میں تو یہ جانتی ہوں کہ جو عزت میں اس گھر میں چاہتی تھی' وہ اب اگر خدا...... مجھے دے رہا ہے تو میں ناشکری کیوں کروں' میں تو ترسا کرتی تھی کہ میری آسیہ بھابی کبھی اپنے برابر بیٹھنے کو کہیں اور آج جب...... رب عظیم نے مجھے یہ عزت بخشی ہے کہ وہی آسیہ بھابی مجھے گلے لگا رہی ہے تو میں انکار کس طرح کر سکتی ہوں' اس عزت سے...... ٹھیک ہے' ماضی میں بھابی اور شعیب کا رویہ مناسب نہیں رہا' لیکن جب وہ گناہ گار دل سے معافی مانگ لیتا ہے تو اللہ پاک بھی اسے معاف فرما دیتا ہے' پھر ہم کیا چیز ہیں۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں زیب بیٹے کہ میں کتنی خوش ہوں اس عزت افزائی پر' میں یہ سب کچھ کھونا نہیں چاہتی۔"

زیب دکھ اور حیرت کے ساتھ اپنی اس ماں کو دیکھ رہی تھی' جن کو آج بھائی بھاوج سے ملنے والی عزت بیٹی اور اس کی خوشی سے زیادہ عزیز تھی۔

"امی! آپ نے بہت کم قیمت لگائی ہے میری خوشیوں کی۔ آپ...... آپ نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔"

گھٹی گھٹی سی چیخ اس کے حلق میں دب کر رہ گئی' نسیمہ بیگم نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میں ماں ہوں بیٹی! سب کچھ جانتی ہوں' بلال کیا مجھے پسند نہیں تھا' مگر تم تو جانتی ہو کہ جب انہوں نے فائزہ کو بہو نہیں بنایا تو......!"

"امی...... امی! خدا کے واسطے! میں نے کب کہا ہے کہ میں بلال کے بغیر جی نہیں سکتی' میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ میں شعیب کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی' نفرت ہے مجھے اس شخص سے' آپ تو سب کچھ بھول گئی ہیں امی مگر میں نہیں بھلا سکتی وہ زخم جو وہ پل پل لگایا کرتا تھا' تڑپایا کرتا تھا' کتنا ذلیل کیا کرتا تھا اور اب وہی۔"

"میں کچھ نہیں بھولی زیب' مگر یہ بھی جانتی ہوں کہ صبح کا بھولا ہوا شام کو لوٹ آئے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہتے اور شعیب نے تو بارہا مجھ سے حتیٰ کہ تم سے بھی معافی مانگی ہے' مگر تمہارا دل ہے کہ صاف نہیں ہو رہا اور پھر بھیا کی شدید ترین خواہش ہے کہ تم ان کی بہو بنو' ان کے پاس رہو اور میں بھی یہ ہی چاہتی ہوں۔"

"امی! میں تمام عمر ماموں جان کی خدمت کروں گی' لیکن ان کی بیٹی بن کر' بہو بن کر نہیں' پلیز۔"

وہ کسی صورت بھی شعیب کو قبول کرنے پر راضی نہیں تھی۔

"تو صاف کیوں نہیں کہتیں کہ تم مجھے خوشی نہیں دے سکتیں۔ زندگی میں پہلی بار عزت مل رہی ہے اسے بھی دھتکار دوں۔ آسیہ بھابی نے کس مان سے رابعہ بھابی سے کہا تھا کہ زیب کو میں اپنی بہو بناؤں گی اور میں نے ممتا کے اعتماد کے ساتھ کہا تھا کہ میری بیٹی کبھی میری بات نہیں ٹال سکتی مگر!"

"امی! آپ نے ممتا کے اعتماد کے ساتھ میری جان بھی مانگی ہوتی تو سوچے بغیر آپ کی نذر نہ کر دیتی تو آپ کہتیں' مگر آپ تو عمر بھر کا عذاب میرے گلے میں ڈال رہی ہیں کہ میں نہ جی سکوں اور نہ مر سکوں۔"

وہ دونوں ہاتھوں میں چہرا چھپا کر رو رہی تھی۔ اس وقت اس کے دل کی تڑپ صرف خدا ہی جانتا تھا۔

''زیب میری بچی! میری عزت رکھ لو' یہ تو تم بھی جانتی ہو کہ بلال کے گھر والے نہیں مانیں گے اور کسی الٹے سیدھے گھر میں تمہارا رشتہ ہو یہ مجھے گوارا نہیں' تمہیں تو اندازہ ہی نہیں کہ میں تمہاری طرف سے کتنی پریشان ہوں تمہیں خدا کا واسطہ میری لاج رکھ لو۔''

ماں رو رہی ہو' ہاتھ باندھے کھڑی ہو خدا کا واسطہ اور مرے ہوئے باپ کی قسم دے رہی ہو تو کوئی پتھر دل گستاخ بیٹی بھی انکار نہیں کر سکتی تھی' یہ تو پھر زیب تھی تابع دار اور فرمانبردار قسم کی بیٹی' جس نے ماں کی بات کا بھرم رکھنے کے لیے بھوکے پیٹ رات گزار دی تھی' جب قربانی ہی دینا ٹھہری تو ماں کو مایوس کیوں کیا جائے۔

''امی...... امی! میں اتنی گستاخ تو کبھی نہیں رہی کہ آپ کو اتنی بڑی قسم دینے کی ضرورت پیش آتی۔ میں نے تو ہمیشہ ہی یہ دعا مانگی ہے کہ اللہ پاک آپ کے حکم کی تعمیل کی توفیق دے' ہمت دے' چاہے سودا میری جان ہی کیوں نہ ہو۔ آپ ماموں جان سے ہاں کہہ دیں۔''

زیب نے گویا سینے سے دل نکال کر ماں کے قدموں میں رکھ دیا۔ وہ خود پر تو ہر ستم برداشت کر سکتی تھی مگر ماں کو کس طرح بے وقعت کرتی۔ وہ جانتی تھی' اس کے انکار کے بعد اس کی ماں کو کیسی کیسی باتیں اور طعنے سہنے پڑتے۔

''جیتی رہو میری بچی آج تم نے جس طرح ماں کی عزت رکھی ہے اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ میں سب جانتی ہوں بیٹا' مگر میں یہ نہیں چاہتی تھی' پہلی بار بھابی نے بات کی ہے تو اسے رد کیا جائے۔ خوش رہو میری جان' تم نے نہ صرف ماں کا' بلکہ ماموں کا بھی مان رکھ لیا ہے۔''

نسیمہ بیگم نے اسے گلے لگا کر پیار کیا اور اس خوش آگیں احساس کے ساتھ بستر پر لیٹ گئیں کہ صبح وہ اپنے بھائی' بھابی کو یہ خوشخبری سنائیں گی۔

کچھ ہی فاصلے پر زیب زندگی کی بازی ہارے پڑی تھی۔ بھیگی رات کا سارا کرب اس کے دل میں اتر آیا۔ اس کے لیے بلال سے دستبردار ہونا اتنا اذیت ناک نہیں تھا' جتنا ناپسندیدہ شخصیت شعیب کے ساتھ تمام عمر گزارنا خوفناک تھا۔ خوشی کے احساس کے ساتھ سوئی ہوئی ماں یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ کچھ فاصلے پر اس کی جگر گوشہ زیب کے دل پر کیا قیامت گزر رہی ہے۔

زیب اور شعیب کا رشتہ آسیہ بیگم کی جیت تھی اور اس جیت کا اعلان وہ خوب دھوم دھڑ کے سے کرنا چاہتی تھیں۔

''نہیں میں اس فیصلے کو نہیں مان سکتا۔''

یہ سب سن کر بلال کے دماغ کی رگیں تن گئیں' اس کے بس میں ہوتا تو سب کچھ تہہ و بالا کر دیتا۔

''بلال بیٹے تم مانو نہ مانو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' میں جانتی ہوں' مگر خود کو سنبھالو بیٹے ہمیں تقدیر کے فیصلے ماننے ہی پڑتے ہیں۔''

رابعہ بیگم نے بلال کے الجھے بالوں کو پیار سے سنوارتے ہوئے کہا۔ وہ بہت زیادہ اپ سیٹ

تھا' ایک تو زیب اس سے چھن رہی تھی اور دوسرے یہ کہ زیب کو شعیب سخت ناپسند تھا۔

''امی! آپ خود بتائیں کہ یہ ظلم ہے کہ نہیں کہ ایک مظلوم لڑکی کو اس کی رضا مندی کے بغیر ایک برے شخص کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔''

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

''تم خوامخواہ اثر لے رہے ہو' بلال حالات بہت بدل گئے' شعیب کے بدلنے کے بعد یہ تمہاری غلط فہمی ہے کہ اس فیصلے کو زیب پر مسلط کیا گیا ہے۔ زاہدہ بتا رہی تھیں کہ زیب نے خوشی سے اپنی رضامندی دی ہے۔''

''خدا کے واسطے امی! ان خاتون کا ذکر نہ کریں' ان ماں بیٹی کو میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ زیب مر تو سکتی ہے مگر اپنی خوشی سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتی۔''

بلال کو اپنی چاہت پر کامل بھروسا تھا۔

''تم نہ مانو تو الگ بات ہے' چاہو تو پوچھ لو خود زیب سے......''

رابعہ بیگم کے لیے بیٹے کی یہ حالت اذیت ناک تھی۔ وہ کئی راتوں سے سویا نہیں تھا اور کھانا بھی نہیں کھا رہا تھا۔ وہ چاہتی تھیں کہ وہ خود زیب سے بات کر لے تو شاید اس کی بے قراری کو قرار آ جائے۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئیں۔

بلال نے جنونی انداز میں کئی بار نمبر ملایا مگر ہر بار منیب یا شعیب نے اٹھایا یا پھر آسیہ بیگم نے' اس نے ہر بار ریسیور پٹخ دیا۔ اس بار آخری کوشش کی تو فون پر فائزہ تھی۔

''ہیلو فائزہ! میں...... ہوں بلال۔''

''جی' کیسے ہیں؟'' فائزہ آہستگی سے بولی' وہ کچھ چور سی بن گئی۔

''کیا خوب ادا ہے تم لوگوں کی فائزہ کہ قتل بھی کرتے ہو اور جینے پر بھی مجبور کرتے ہو۔''

دل کا سارا کرب بلال کے تلخ لہجے میں ڈھل گیا۔ وہ فائزہ ہی سے الجھ پڑا حالانکہ اس کا کیا قصور تھا اس معاملے میں۔

''آپ حق بجانب ہیں بلال بھیا' سب کچھ کہہ سکتے ہیں' مگر مجھ سے تو کچھ کہنا سننا بے کار ہے۔''

فائزہ تو دونوں کے لیے دکھی ہو رہی تھی کیونکہ وہ دونوں کے دلوں کا حال جانتی تھی۔

''ہاں سب کچھ بے کار ہے۔ ظاہر ہے۔ آپ لوگوں نے نسیمہ پھپھو اور ان کے بچوں کو پالا پوسا ہے تو اس کا خراج بھی تو وصول کرنا ہے ملازم بنا کر۔''

بلال بہت زیادہ تلخ ہو رہا تھا' اس نے سارا غصہ فائزہ ہی پر اتار دیا' وہ بھی اس کی حالت کے پیش نظر چپ رہی۔

''اب میں کیا کہوں' بلال بھیا! اچھا زیب سے بات کریں گے؟''

فائزہ چاہتی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے کہہ سن لیں گے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ ''بڑی عنایت ہوگی۔'' اسی تلخ لہجے میں جواب ملا تو وہ ریسیور رکھ کر زیب کے پاس آ گئی۔

''نہیں فائزہ مجھے کوئی بات نہیں کرنی بلال سے۔'' زیب نے انکار کر دیا۔

"زیب پلیز! کرلو وہ بہت اپ سیٹ ہیں۔"

"تو میں کیا کروں' میرے پاس کسی کی بے چینی کا علاج نہیں' میں تو خود!"

زیب نے بمشکل خود پر کنٹرول کیا۔

"پلیز' میں نے ان کو ہولڈ کرایا ہوا ہے' چلو شاباش جلدی کرو' امی اور بھیا آ گئے تو مشکل ہوگی۔"

فائزہ کے پرخلوص اصرار سے مجبور ہو کر وہ آ گئی۔ اب ریسیور تھامے کھڑی تھی' خود پر ضبط دشوار ہو رہا تھا۔

"جی......" گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"زیب۔ زیب! یہ سب کیا ہے' ایسا نہیں ہو سکتا' ایسا نہیں ہونا چاہیے' دیکھو کہہ دو یہ سب جھوٹ ہے۔ میں' اتنا بھی بے بس نہیں کہ تمہیں اس فیصلے کی بھینٹ چڑھنے دوں' میں یہ سب نہیں ہونے دوں گا' بولو زیب جواب دو' چپ کیوں ہو۔"

بلال کے دل کا کرب اس کے بے چین خودسر لہجے میں ڈھل گیا تھا' مگر زیب کے دل کا درد صرف آنکھوں سے بہہ کر بکھر سکتا تھا' کچھ کہہ نہیں سکتا تھا۔ وہ غم زدہ دل تڑپ رہے تھے' جنہوں نے کبھی ساتھ مرنے جینے کے دعوے نہیں کیے تھے' مگر پھر بھی وہ چاہت کی انجانی راہوں پر اتنی دور جا چکے تھے کہ جدائی کے اس موڑ پر دونوں ہی بکھر کر رہ گئے تھے۔

"جواب دو' کچھ تو بولو زیب! ورنہ میں بھی اس بات پر اعتبار کرلوں گا کہ تم نے اپنی خوشی سے رضامندی دی ہے۔" وہ بے چین تھا' وہ چاہتا تھا' جس طرح وہ تڑپ رہا ہے اسی طرح زیب بھی اپنی بے چینی کا اظہار کرے' جس کو صرف اپنے آنسوؤں پر اختیار تھا' مگر اس کی اس بات نے زیب کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اتنی بے اعتباری...... اسے غصہ آ گیا تھا۔

"جی ہاں بلال صاحب! آپ نے درست سنا ہے کہ میں نے اپنی خوشی سے رضامندی دی ہے اور...... کیوں نہ دوں' کمی کیا ہے شعیب میں' اسمارٹ ہے اور سب سے بڑھ کر مجھے اتنا چاہتا ہے پھر......!"

"شٹ اپ زیب!" اس کی بات پوری ہونے سے قبل بلال دہاڑا۔ اور ریسیور پٹخ دیا۔

"ہونہہ! شاید میری خاموش چاہت کا یہ ہی انجام تھا' بلال کہ تم بھی مجھ پر شک کرو' ہم تو پہلے ہی بکے ہوئے ہیں' ہم پر تو ہر کوئی رعب ڈال سکتا ہے' تم نے غلط سمجھ لیا تو کیا ہوا۔" وہ ٹوٹے دل کے ٹکڑے سمیٹتے ہوئے آ گئی۔

☆......☆......☆

شعیب اور زیب کے رشتہ پر صائمہ اور زاہدہ بیگم کو بہت خوشی ہو رہی تھی۔ صائمہ کو تو بس یہ اطمینان تھا کہ زیب اور بلال نہیں مل سکتے' جب کہ زاہدہ بیگم اب رابعہ بیگم کے گھر میں صائمہ کے لیے جگہ بنانا چاہتی تھیں بلال تو ان کو بھی بہت پسند تھا۔

"امی! میرے خیال میں آپ یہ ناکام کوشش نہ کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ میں بلال کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں وہ بہت بخیل ہے۔ میرے لیے تو یہ بات اطمینان کا باعث ہے کہ زیب بھی بلال کو

حاصل نہیں کر سکی۔"

صائمہ نے سکون بھرا سانس لیا تو دروازے کے سامنے سے گزرتی شذرا کا دل دکھ کر رہ گیا۔

"دوسروں کی محرومیوں پر خوش ہونے والیو! خدا تم لوگوں کو سمجھے۔"

شذرا اور صدف کو بے حد دکھ ہوا تھا۔ شعیب اور زیب کے رشتے کا سن کر دونوں بہنیں لپٹ کر روئی تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی حالانکہ شام کی چائے کے برتن بھی دھونے تھے اور رات کے کھانے کا بھی بندوبست کرنا تھا' مگر دل بڑا مضمحل ہو رہا تھا۔ کسی کام میں نہیں لگ رہا تھا۔

"شذرا باجی! آپ سو رہی ہیں کیا؟"

"ہوں...... نہیں تو۔"

محرومیوں کے احساس میں ڈوبی جانے کیا سوچ رہی تھی کہ فرخ نے شانہ ہلا کر اسے اٹھایا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا ہے؟" فرخ کے ہاتھ میں گفٹ پیک دیکھ کر شذرا حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"یہ...... یہ ہی تو دکھانے کے لیے لایا ہوں' یہ آپ کا گفٹ ہے۔"

"میرا گفٹ! مگر کس نے دیا ہے' کہیں جواد نے؟"

ایک دم ہی جواد کا خیال کر کے اسے غصہ آ گیا۔

"ارے نہیں باجی! وہ اسد بھیا!"

"اسد نے؟" وہ کھڑی ہو گئی۔

"اوہو نہیں باجی! اسد بھیا کے جو دوست ہیں ناں' جو مجھے سپورٹ کرتے ہیں انہوں نے۔"

"مگر کیوں؟ مجھے کیوں گفٹ دیا ہے' اور تم لے بھی آئے' منع بھی نہیں کیا' کیوں لائے ہو گفٹ' کوئی مناسب بات ہے یہ اور پھر اگر گھر میں کسی کو خبر ہو گئی تو پتا ہے کتنی باتیں بنیں گی۔ تم نے یہ لا کر بہت بڑی غلطی کی ہے' ٹھیک ہے وہ اخلاقی طور پر تمہاری مدد کرتا ہے تو اللہ اس کا اجر دے گا' ہم تو احسان مند ہیں ہی پھر۔"

اسے ان دیکھے اس خیر خواہ پر غصہ آنے لگا' جس نے فرخ کی ہر قدم پر مالی اور اخلاقی مدد کی تھی' مگر آج اس کی یہ حرکت اسے ناگوار گزری۔

"اوہو باجی! آپ بھی کمال کرتی ہیں' وہ بہت اچھے ہیں' اسد بھیا سے بہت مختلف ہیں۔ انہوں نے کسی بری نیت سے تھوڑا دیا ہے گفٹ' آخر میں بھائی ہوں آپ کا' کوئی غلط نیت رکھ سکتا ہے آپ کے لیے۔"

"تو پھر کیوں لائے ہو یہ گفٹ' وہ جو احسان تمہارے معاملے میں کر رہا ہے ناں وہی کافی ہے' یہ واپس کر دینا' بھلا مجھے گفٹ دینے کا کیا جواز ہے۔"

شذرا نے گفٹ فرخ کو واپس دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے باجی! وہ میرا محسن دوست ہے اور میری بہن سمجھ کر آپ کو گفٹ دیا ہے' اور وہ بھی اس لیے کہ ایک دن انہوں نے میری ڈیٹ آف برتھ پوچھی' پھر سب بہن بھائیوں کی پوچھی' میں نے بتا دی' آج جب میں ان کے پاس گیا تو انہوں نے گفٹ میری طرف بڑھا دیا کہ آج تمہاری شذرا باجی کی

برتھ ڈے ہے۔"

"میری برتھ ڈے!" وہ جیسے خود سے بولی۔ اس نے کیلنڈر کی طرف دیکھا۔ ہاں یکم دسمبر ہی کو تو اس کی برتھ ڈے ہوتی ہے۔

"ٹھیک ہے' شکریہ کہہ دینا مگر میں یہ گفٹ نہیں رکھ سکتی۔"

وہ قطعی طور پر گفٹ رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"نہیں باجی! وہ برا مان جائیں گے۔"

"ارے مانتے ہیں تو مان جائیں' اب ان کی بے تکی سی بات کی خاطر میں ایک غلط بات نہیں مان سکتی۔ مجھے یہ حرکت بالکل پسند نہیں آئی۔"

"اب تو میں لے آیا ہوں باجی! میری خاطر رکھ لیجیے' آئندہ میں منع کر دوں گا۔"

"ارے او! فرخ تم بچے ہو' نہیں سمجھ رہے' چلو اسے نیک نیت مان بھی لیا جائے تو اگر اسد کو خبر ہو گئی تو تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ گھٹیا آدمی!"

"اوہو باجی! آپ نہ جانے کیا سمجھ رہی ہیں۔ بہر حال یہ رکھیں' میں بھائی ہوں اور اب اتنا بھی بچہ نہیں کہ سمجھ نہ سکوں' یہ کھولیں دیکھیں' ہے کیا اس میں۔"

اور شنذرا کے منع کرنے کے باوجود فرخ نے پیکٹ کھول ڈالا۔

"اوہو' کتابیں ہیں۔"

فرخ نے منہ بنا کر کتابیں ایک طرف رکھتے ہوئے کہا' جیسے اسے کسی اور چیز کی تمنا ہو' وہ تو اٹھ گیا مگر شنذرا کتابیں اٹھا کر دیکھنے لگی۔

حیرت سے اس کی آنکھیں پھیلی جا رہی تھیں' کیونکہ چھ کتابوں کے اس سیٹ میں تین شاعری اور تین نثر کی کتابیں تھیں اور ساری ہی اس کے پسندیدہ شعراء اور ادباء کی۔

"اسے پتا کیسے چلا کہ میری یہ پسند ہے۔"

وہ اس شخص کے بارے میں سوچنے لگی' جو اس کے مزاج کے موسموں تک سے واقف تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں غرق تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو اس نے چونک کر دیکھا۔ سینے پر ہاتھ باندھے۔ دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے اسد معنی خیز سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے اور اس کی گود میں رکھی کتابوں کو دیکھ رہا تھا۔

وہ ایک دم اٹھی اسے اسد کا یوں آنا ہرگز اچھا نہیں لگا تھا' مگر وہ۔ اعتماد سے اس کی آمد نظر انداز کرتے ہوئے کتابیں الماری میں رکھنے لگی' مگر اسد نے آگے بڑھ کر کتابیں شنذرا کے ہاتھ سے جھپٹ لیں۔

"کہاں سے آیا ہے پسندیدہ کتابوں کا تحفہ؟"

وہ کن انکھیوں سے اس کی دراز چوٹی کو دیکھتے ہوئے بڑا معنی خیز اور پراسرار ہو رہا تھا۔

"تمہیں اس سے کیا؟" شنذرا نے خاصی بدتمیزی سے کتابیں چھینتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس سے یہ ہے کہ تم میرے گھر میں رہتی ہو اور مجھے ہر بات معلوم ہونی چاہیے۔"

وہ جان بوجھ کر لفظ "میرے" پر زور دیتا ہوا بولا۔

"تمہارے گھر میں رہنا میری بدنصیبی اور مجبوری ہے۔"

شنذرا کا مارے غصے اور نفرت سے چہرا سرخ ہو گیا۔

"اور اگر یہ مجبوری اور بدنصیبی عمر بھر کی ہو تو؟"

اسے شنذرا کا غصہ اور نفرت اچھی لگنے لگی تھی اور مستقل گہری نظریں اور ذو معنی لہجہ اختیار کیے ہوئے تھا۔

"تو ایسی عمر سے بہتر ہے' میں خدا سے موت مانگ لوں۔"

شنذرا کے احساسات پر نفرت کی ایسی برف جمی ہوئی تھی کہ وہ کچھ بھی محسوس نہیں کر سکتی تھی۔ کہ اسد بات کس انداز سے کر رہا ہے۔

"ہاں' جو مانگنا ہو' اللہ ہی سے مانگا کرو' کہاں سے آئی ہیں یہ کتابیں؟"

وہ منہ کی کھانے کے بعد لاجواب ہونے کے بعد ایسا ہی رویہ اختیار کرتا' جس سے اسے مزید تاؤ آ جاتا' اور اس وقت اس کا انداز مشکوک سا تھا۔

"کہیں سے بھی آئی ہوں' کسی نے بھی دی ہوں' تم پوچھنے والے کون ہو؟"

غصے میں اس کے حواس جواب دیے جاتے تھے۔ وہ دہاڑی۔

"یہ میرا گھر ہے اور تم میرے گھر میں رہتی ہو' اس لیے میں تمہیں من مانی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا' کیوں بھیجا ہے اس نے تمہیں گفٹ' فرخ کی عنایات کا رخ اب تمہاری طرف مڑ گیا ہے' میں سب سمجھتا ہوں۔"

"تم...... تم دفع ہو جاؤ یہاں سے' لے جاؤ لوٹا دو اسے یہ عنایات' آخر تمہارا دوست ہے' چھچھورپن نہیں کرے گا تو کیا کرے گا۔"

غصے اور غم سے شنذرا کا برا حال تھا۔ اس نے کتابوں کا پیکٹ اس کی طرف پھینکا' جسے اسد نے کیچ کر لیا' اس سے قبل کہ وہ مزید کچھ کہتا' زاہدہ بیگم اندر آ گئیں۔

"اے ہے لڑکی' کیا اودھم مچا رکھا ہے۔ ذرا خیال نہیں گھر میں مہمان موجود ہے۔ کچھ اس کا تو خیال کر لیا کرو' کیا سوچے گا۔"

"ہونہہ! اس وقت وہ مہمان نہیں ہوتا' جب رات گئے بیٹیوں کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گھوم رہا ہوتا ہے۔" جی تو چاہ رہا تھا یہ جملہ کھینچ کر مارے زاہدہ بیگم کے منہ پر' مگر اس نے بڑی مشکل سے خود پر کنٹرول کیا۔

"اور تم یہاں کیا کر رہے ہو اسد؟"

حالانکہ چھپ کر وہ ساری کارروائی دیکھ چکی تھیں' دنگل ہو رہا تھا' کوئی محبت کے گیت نہیں گائے جا رہے تھے پھر بھی انہوں نے مشکوک سے لہجے میں اسد سے پوچھا اور اسد بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ شنذرا کے بارے میں غلط رائے قائم کریں۔

"یہ تو آپ اس احسان فراموش سے پوچھیے۔"

اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ ان کو اطمینان ہو گیا کہ کوئی خاص بات نہیں۔

''جی بہتر۔'' وہ آہستگی سے بولتی سیدھی کچن کی طرف آ گئی۔ ایک تو زیب کا خیال' پھر اسد کی بکواس' دل بھرا ہوا تھا۔ غبار کا سیلاب پلکوں کا نازک بند توڑنے کے درپے تھا' اس نے خود کو آزاد چھوڑ دیا' ہوا بڑی سرد تھی' اس نے دروازہ بند کر لیا اور رو ئے گئی۔

اسے سب سے زیادہ اپنی ماں پر دکھ ہو رہا تھا' جو آسیہ بیگم کی ذرا سی محبت پر بیٹی کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو گئی تھیں۔

''امی! آپ ہی تو ہمارا سہارا تھیں' خدا کے بعد آپ ہی ہمارا سب کچھ تھیں' مگر آپ بھی بھائی اور بھابی کی محبت میں آ گئیں۔ اپنی بن باپ کی بیٹیوں کو چھوڑ دیا۔''

وہ ماں سے شکوہ کیے گئی' اب وہ خود کو بڑا تنہا محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ اس کی سسکیاں خاموش فضا کا سکوت توڑ رہی ہیں۔

''ان آنسوؤں نے تمہارے دل کا بوجھ یقیناً کم کر دیا ہو گا' مگر کسی کے دل کا بوجھ بہت بڑھ گیا ہے' پلیز اب بس کرو۔''

شنذرا نے تر چہرے اور بھیگی دھندلائی آنکھوں سے دیکھا' عین اس کے سر پر جواد کھڑا تھا' ہمیشہ سے مختلف انداز میں چہرے پر بھی خلوص اور سنجیدگی لیے اس نے ہاتھ میں تھما رومال اس کی طرف بڑھایا۔

''آپ۔ آپ یہاں کیوں آئے ہیں' چلے جائیں۔''

وہ اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں' چلا ہی جاؤں گا' یہاں کیوں آیا ہوں' سردی لگ رہی تھی' سوچا تم سے چائے کا کہوں' مگر تم تو اپنے گرم گرم آنسوؤں کے سمندر میں۔''

''آپ یہاں سے جا سکتے ہیں' آپ کو چائے آپ کے کمرے میں مل جائے گی۔''

اس کی بات پوری ہونے سے قبل شنذرا نے درمیان میں ٹوک دیا۔

جواد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر باہر آ گیا جہاں صبا اور ہما تیار کھڑی تھیں' حالانکہ اس کا دل بالکل باہر جانے کو چاہ نہیں رہا تھا' مگر لڑکیاں چونکہ تیار ہو گئی تھیں بلکہ تیار کی گئی تھیں' جانا ضروری تھا۔

''ارے جواد! آپ کہاں رہ گئے تھے' ہم کب سے تیار ہیں جانے کو۔''

صبا نے اٹھلا کر کہا۔ اتنے عرصے میں اسے تو کیا اس کی ماں کو بھی یقین ہو چکا تھا کہ جواد اسے پسند کرنے لگا ہے اور اسے دلہن بنا کر لے جائے گا اور یہی یقین یا خوش فہمی صبا کو ہو گئی تھی اور وہ جواد پر صرف اپنا حق سمجھنے لگی تھی' مگر کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ جواد کے دل کو جو لڑکی بھائی تھی' آتے ہی جو نگاہوں کے راستے دل میں اتر گئی تھی۔ وہ تھی شنذرا مراد' جس نے کبھی بھولے سے بھی نگاہ اس پر نہیں ڈالی تھی' راستہ بھر صبا شوخیاں کرتی رہی۔ معنی خیز گانوں کا کیسٹ لگائے رکھا' مگر جواد کا دل کچن ہی میں اداس اور بھیگی آنکھوں کے حصار میں رہ گیا تھا۔

تمام وقت وہ بور ہوتا رہا۔ اسی لیے صبا کو بھی مزا نہیں آیا۔ مگر وہ یہ ہرگز نہیں جانتی تھی کہ اس کی وجہ ان سب کی مشترکہ دشمن شنذرا ہے ورنہ وہ امی سے ایسی لگائی بجھائی کرتی کہ اسے گھر سے نکلوا دیتی۔

''جواد بیٹا خیریت تو ہے نا۔ صبا بتا رہی تھی' تم وہاں بھی چپ چپ اور کھوئے کھوئے سے رہے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ میرے بچے کی؟''

زاہدہ بیگم نے ساری ممتا نثار کرتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''نہیں آنٹی طبیعت تو ٹھیک ہے' بس اب میں واپسی کا سوچ رہا ہوں۔''

''کیوں بیٹا خیریت۔ کیا دل نہیں لگ رہا' گھر یاد آ رہا ہے؟''

اس کے جانے کے خیال سے زاہدہ بیگم گویا تڑپ اٹھیں۔

''دل تو آنٹی ایسا لگا ہے کہ سب کچھ بھول گیا ہوں۔''

عین اسی وقت کمرے میں شنذرا آئی تو جواد کے دل کی بات لبوں پر آ گئی۔ اس نے دیکھا سرخ شال کے حصار میں اس کا گلابی چہرا بہت افسردہ تھا۔ آنکھیں شدت گریہ سے سوج گئی تھیں۔ کوئی اور جواد کی اس بات کو سمجھتا نہ سمجھتا البتہ اسد اس کی بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ گیا تھا اور آنکھوں کا زاویہ بھی پا گیا تھا۔ اک انجانا سا حسد محسوس ہوا اسے۔ وہ اٹھ کر باہر آ گیا۔

''مامی! کھانا لگا دوں یا میں نماز پڑھ لوں پہلے۔'' شنذرا عشاء کی نماز کا وضو کر کے آئی تھی اور کھانا بھی تیار تھا۔

''کیوں بیٹا؟'' زاہدہ بیگم نے جواد کی طرف دیکھا۔ جواد نے کتاب ایک طرف رکھی۔ شنذرا کو دیکھنے لگا جو اس وقت بہت پاکیزہ اور معصوم لگ رہی تھی۔

''نہیں کوئی خاص بھوک نہیں شنذرا۔ آپ نماز پڑھ لیں' بعد میں کھالیں گے کھانا۔''

جواد نے براہ راست شنذرا کو بڑی عزت سے مخاطب کیا۔ زاہدہ بیگم راکھ ہو گئیں۔ انہوں نے صائمہ کو دیکھا۔ مارے جلن کے اس کی سانولی رنگت سیاہ ہو رہی تھی۔

''ان منحوس سب بہنوں کی قسمت ہی اچھی ہے یا جانے ان میں کیا بات ہے کہ لڑکے دیکھتے ہی مرنے لگتے ہیں ان پر۔''

جواد کے دل میں اس کے لیے کیا تھا۔ زاہدہ بیگم اور صائمہ کیا سوچ رہی ہیں۔ شنذرا کو اس کی پروا نہیں تھی وہ اپنے کمرے میں آ گئی جہاں فرخ اور اسد بیٹھے تھے۔

''میرا خیال ہے اب تم میری بات سمجھ گئے ہو گے۔ آئندہ کوئی گفٹ شفٹ اس گھر میں نہیں آنا چاہیے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔''

''نماز شروع کرنے سے پہلے میری بات سن لو۔''

اسد تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ شنذرا جا نماز پر کھڑی ہو چکی تھی۔ اس نے ایک نظر اس پر ڈالی پھر اس کی بات سنے بغیر دوپٹا مزید آگے سرکایا اور نیت باندھ لی۔ اسد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر آ گیا۔

''امی کھانا کب لگے گا' اتنی بھوک لگی ہوئی ہے۔''

''بھوک چاند سب کو لگی ہے مگر شنذرا صاحبہ نماز سے فارغ ہوں تو کھانا لگے۔'' زاہدہ بیگم نے پان منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں شنذرا ہی کا فرض ہے کہ وہ ہی کھانا پکائے اور لگائے۔ ان لوگوں کے ہاتھ پیر ٹوٹے ہیں یا مہندی لگی ہوئی ہے کہ کام کرنے کے قابل نہیں ہیں یہ لوگ۔''

اسد نے صبا' ہما کو گھورا' جو سارا وقت فارغ گھوما کرتیں۔ سارے کام شنذرا ہی کرتی تھی اور

اسد کو یہ ناانصافی قطعی ناپسند تھی۔

"یہ تمہیں اب شنذرا کی ہمدردی کے مروڑ کیوں اٹھنے لگے ہیں؟"

صائمہ نے انتہائی بدتمیزی سے اسد کو گھورا تو اسے بھی احساس ہوا کہ اسے واقعی شنذرا کی طرفداری نہیں کرنی چاہیے ورنہ تو یہ اس کا جینا دوبھر کر دیں گی۔

"مجھے اس چڑیل سے کوئی لگاؤ ہے نہ ہمدردی۔ میں صرف ان لوگوں کے بھلے کو کہتا ہوں کہ یہ دونوں تو انتہائی سست ہو گئی ہیں۔ کچھ ہاتھ پیر ہلایا کریں۔ امی ان کو بھی تھوڑا بہت سلیقہ سکھا دیں۔ ان لوگوں کو یہیں تو نہیں بیٹھے رہنا۔ چلو اٹھو صبا' ہما اٹھ کر کھانا لگاؤ اور اب میں تم دونوں کو فارغ نہ دیکھوں۔"

اسد نے ماں سمیت ساری بہنوں کو سنا ڈالیں تو اس کی باتیں بری نہیں لگیں' البتہ یہ اطمینان ضرور ہو گیا کہ اسد کو شنذرا سے کوئی لگاؤ نہیں۔

"چلو آؤ صبا کھانا لگائیں۔" ماں کا اشارہ پاتے ہی صبا اور ہما اٹھ گئیں۔

جواد خاموش نظروں سے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ شروع سے اب تک ماں بیٹیوں کا رویہ جتنا اس سے اچھا رہا تھا اسد کا رویہ اتنا ہی سرد رہا تھا۔ کبھی اس نے ڈھنگ سے نہ بات کی تھی اور نہ کمپنی دی تھی۔ اسے یہ سب لوگ پسند نہیں آئے تھے۔

"اچھی لڑکی۔ تم کہاں ظالموں کی قید میں آ گئیں۔ جادوگروں کے اس نحرے میں کس طرح آزاد کراپاؤں گا اور کیا خبر کہ تم میرے ساتھ جانے کو تیار بھی ہو کہ نہ ہو۔ لیکن میں دستک ضرور دوں گا تمہارے مقفل دروازے پر۔"

"جواد...... جواد۔"

جواد جانے کن خیالوں میں گم تھا کہ صبا نے کئی آوازیں دیں۔ آخر کار اس نے شانہ ہلایا۔

"ہوں...... کیا بات ہے۔" وہ اسی طرح کھوئے کھوئے انداز میں بولا۔

"توبہ ہے۔ آپ تو جانے کہاں چلے گئے تھے۔ اپنے گھر شاید۔ کھانا لگ چکا ہے جناب چلئے۔"

صبا نے بے تکلفی سے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ جواد نے ایک نظر اس لڑکی پر ڈالی جس نے ماں کے کہنے پر یا محض اس کی خاطر سر سے پیر تک خود کو بدل ڈالا تھا اور اسے کمزور لڑکیاں قطعی پسند نہیں تھیں جو صرف اپنی کھوکھلی خواہشات کی خاطر دوسروں کے سانچے میں ڈھل جاتی ہیں۔ اس نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ نظر انداز کیا اور اٹھ کر کھانے والے کمرے میں آ گیا۔

"کھانا کھا لیا ہے کیا؟" شنذرا نماز سے فراغت کے بعد آئی تو صبا' ہما برتن رکھ رہی تھیں۔ صائمہ قہوہ بنا رہی تھی۔

"جی ہاں اب انتظار کرتے کہ تمہارے لمبے لمبے وظیفے ختم ہوں تو کھانا کھاتے۔" صائمہ نے اس کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر طنزاً کہا۔

"اگر اللہ کی حمد وثناء اور رسول پاکؐ پر درود شریف بھیجنا وظیفہ ہے تو میں یہ وظیفہ ہر وقت کروں گی۔ کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔"

بات ہی ایسی تھی کہ وہ لاجواب ہو گئیں۔

پھر ڈھیر سارے دن یوں ہی گزر گئے۔ لیکن ان ہی دنوں میں جواد نے دو اہم فیصلے کر لیے تھے۔ ایک تو جانے کا اور دوسرا شنذرا کو اپنانے کا مگر اس بات کا اعلان کرنے سے قبل وہ شنذرا سے بات کرنا چاہتا تھا جس نے آج تک ڈھنگ سے بات بھی نہیں کی تھی کہ ایک تو شنذرا لفٹ نہیں کراتی تھی دوسرے آج کل اسد گھر پر ہی زیادہ وقت گزارتا تھا۔ بات کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ زاہدہ بیگم تاڑ رہی تھیں حالات' جواد پر گہری نظر تھی آج کل ان کی اور وہ اس کی نظروں کا زاویہ جو کہ شنذرا پر جا کر ٹھہرتا تھا۔ سمجھ رہی تھیں۔

"صائمہ! میرا تو خیال ہے کہ یہ جواد کسی اور ہی چکر میں ہے۔"

"امی! آپ کا خیال ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ کس چکر میں ہے۔ یہ ماں بیٹیاں ہی جادوگرنی ہیں۔ جانے ہے کیا ان لوگوں میں کہ کسی کو لفٹ بھی نہیں کراتیں اور سب ان کے ہو جانے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔"

"ارے میرا نام بھی زاہدہ ہے۔ جو میری بیٹیوں کو نہ پوچھے بھاڑ میں جائے' خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ فی الحال تو میں تیل اور تیل کی دھار دیکھ رہی ہوں۔"

زاہدہ بیگم کی نظریں اب کڑی ہو گئی تھیں۔ صائمہ کے مشورے کے بعد انہوں نے شنذرا کو شوکت صاحب کے ہاں بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

"شنذرا۔"

"جی مامی!" وہ کپڑے الماری میں رکھتے ہوئے مڑی۔

"اس روز شوکت بھائی کا فون آیا تھا۔ تمہارا بہت پوچھ رہے تھے۔ میرا خیال ہے تم کچھ دن رہ آؤ۔ ان کا بھی دل بہل جائے گا اور نسیمہ باجی بھی خوش ہو جائیں گی۔"

اس خیال کے پس پردہ کیا راز تھا۔ وہ قطعی نہیں سمجھ سکی تھی۔ لیکن یہ ضرور تھا کہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا وہاں جانے کو ماں سے بھی ناراض تھی اور ماموں کی طرف سے بھی دل خراب ہو گیا تھا۔ وہ خاموش کھڑی تھی کہ اسد بھی آ گیا۔ بات اس نے بھی سنی تھی ماں کی اور پہلی بار اس نے ماں کی بات سے اتفاق کیا۔ وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ جب تک جواد یہاں ہے تو شنذرا یہاں نہ رہے۔

"اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ امی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وہاں جانا چاہیے۔ تیار ہو جاؤ۔ میں چھوڑ آتا ہوں۔"

وہ تو پہلے بھی تیار نہیں تھی۔ اسد نے درمیان میں بول کر اسے چڑا دیا۔ اس نے باقی ماندہ کپڑے اٹھائے اور الماری کی طرف بڑھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ مامی ابھی تو بہت سے کام کرنے ہیں اور یوں بھی۔ بہر حال مجھے کہیں نہیں جانا۔"

وہ کوئی غلط اور تلخ بات کہنے والی تھی کہ پھر جانے کس خیال کے تحت رک گئی۔ مگر اس نے نہ جانے کا فیصلہ کچھ ایسے حتمی انداز میں سنایا تھا کہ ماں بیٹا ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"میں سب سمجھتی ہوں اس گھنی کی چالیں۔"

زاہدہ بیگم نے باہر جاتی شنذرا کو گھورا۔ اسد خاموشی سے باہر آ گیا۔ جواد نے اگلے ہفتے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ شنذرا سے بات کرنے کے لیے نہ صرف اسے موقع کی تلاش تھی بلکہ وہ مناسب الفاظ بھی تلاش کر رہا تھا جن کے ذریعے وہ اپنا دل کھول کر شنذرا کے سامنے رکھ دے۔ اس روز اتفاق سے صائمہ کی کسی دوست کی منگنی تھی تینوں۔ بہنیں وہاں چلی گئیں۔ زاہدہ بیگم فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ فرخ اور اسد باہر تھے۔ حال دل کہنے کا اس سے نادر موقع اور کون سا ہو سکتا تھا۔ شنذرا بھی برتن وغیرہ دھو کر اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گئی۔ جواد خاموشی سے چلا آیا۔ دھیرے سے دروازے پر دستک دی تو وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ......یہاں......کیا کام ہے۔'' وہ دوپٹا شانوں پر پھیلاتے ہوئے بولی۔
شروع سے آج تک شنذرا جیسی تھی ویسی ہی آج بھی تھی۔ کتنی مضبوط لڑکی تھی۔ جواد اسے دیکھے گیا۔

''جواد صاحب آپ کو مجھ سے کوئی کام ہے تو بتایئے ورنہ مجھے اور بھی کام ہیں۔'' وہ خاصی بدلحاظی اور بدتمیزی سے بول رہی تھی۔

''جانا تو ہے ہی مجھے شنذرا لیکن چاہتا ہوں کہ تم ہمسفر بن جاؤ عمر بھر کے لیے۔''
جواد فوراً سے پیشتر بات کر لینا چاہتا تھا تاکہ کوئی آ نہ جائے۔ جواد کا جواب تنک رویہ رہا تھا۔ اس کے پیش نظر شنذرا اس سے ہر رویہ اور ہر بات کی توقع رکھتی تھی لیکن جواد اندر سے کیا ہے کیا چاہتا ہے۔ یہ سب اس نے سوچنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔

''آپ جانتے ہیں کہ میں اس قسم کی فضولیات کو پسند نہیں کرتی۔ اتنے عرصے میں زیادہ نہیں تو کم ہی سہی۔ کچھ تو آپ سمجھ ہی چکے ہوں گے۔''

اس نے بہت ضبط سے ڈھنگ کا لہجہ اختیار کیا۔ جواد اندر آ گیا۔

''شنذرا! میں تمہیں کچھ نہیں بہت حد تک سمجھ چکا ہوں اسی لیے تو۔''

''جواد صاحب آپ اس گھر کے مہمان ہیں اور میں ذرا بدتمیز قسم کی لڑکی ہوں۔ آپ چلے جائیں یہاں سے۔''

اس کا لہجہ سخت ہونے لگا۔

''شنذرا! انسان کو ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بات سنے سمجھے بغیر فیصلہ دے دے۔ ضروری تو نہیں کہ میرا روپ جو ظاہر آ رہا ہے وہی باطنی بھی ہو۔''

''جواد صاحب! مجھے آپ سے کوئی غرض نہیں۔ آپ اندر سے باہر سے کچھ بھی ہوں۔ مجھے اس سے کیا۔'' وہ باہر کی طرف جانے لگی۔

''شنذرا پلیز۔'' جواد نے بازو آگے کر کے اس کا راستہ روک لیا۔

''دیکھو شنذرا میں مانتا ہوں کہ تمہاری اپنی ایک شخصیت ہے۔ اپنی رائے اور فیصلہ ہے۔ مگر آج میں تم سے جو کہنا چاہتا ہوں وہ بھی سنو اور سمجھو۔ فیصلہ تمہارا اپنا ہوگا اور میرے لیے محترم ہوگا۔''

وہ بہت سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ شنذرا نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

''کیا کہنا ہے آپ کو؟'' اس نے نرمی سے گویا کہنے کی اجازت دے دی۔

''دیکھو یہ حقیقت ہے کہ میں یہاں شادی ہی کے ارادے سے آیا تھا۔ میری امی نے کہا تھا کہ پاکستان جاؤ۔ بہت سے رشتے دار ہیں۔ کوئی لڑکی پسند آ جائے تو بتا دینا۔ اس سلسلے میں زاہدہ آنٹی نے اس قدر اصرار کیا کہ امی نے ان ہی کے گھر ٹھہرنے کو کہا۔ تمام عمر وہاں رہنے کے باوجود میری اور گھر والوں کی خواہش تھی کہ پاکستانی لڑکی سے شادی کی جائے۔ جو خالصتاً پاکستانی ماحول میں ڈھلی ہو اور روایتی قدروں کو نبھانا جانتی ہو۔ کیونکہ میرا پاکستان سیٹل ہونے کا ارادہ تھا اور اگر گھر کی عورت مضبوط اور سلیقہ شعار ہو تو زندگی کا سفر بہترین انداز میں گزرتا ہے۔

بہر حال جب میں آیا تو آنٹی زاہدہ اور ان کی بیٹیوں سے مل کر خاصی مایوس ہوئی۔ پھر تم نظر آئیں تو مجھے لگا میں جس قسم کی شریک حیات چاہتا ہوں۔ وہ تم ہو۔ مگر مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس گھر میں تمہاری کیا حیثیت ہے۔ میں آنٹی کی نیت بھی جان گیا تھا اور تمہاری حیثیت بھی۔ اسی لیے میں نے ماحول کو دیکھتے ہوئے تمہارے ساتھ وہی رویہ اختیار کیا جو گھر میں تھا۔ تمہیں تنگ کرتا رہا۔ ایک طرح سے آزماتا بھی رہا۔ پیش نظر دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ گھر کی خواتین تم پر شک نہ کریں اور دوسرا میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کس حد تک مضبوط ہو اور مجھے اپنی حکمت عملی سے پورا فائدہ حاصل ہوا۔ تم اپنے کردار اور عمل میں اتنی مضبوط ثابت ہوئیں کہ میں دھیرے دھیرے تمہارے قریب تر ہوتا گیا۔ شنذرا تم بہت اچھی نیک اور مضبوط لڑکی ہو۔ مجھے ایسی لڑکیاں قطعی پسند نہیں جن کی اپنی شخصیت میں مضبوطی نہیں ہوتی۔ لڑکی ایسی ہونی چاہیے جو ماحول کو تشکیل دے۔ نہ کہ اتنی کمزور ہو کہ اچھے برے ماحول میں ڈھلتی چلی جائے۔''

جواد کے جذبوں میں ڈھلے الفاظ کا فسوں تھا کہ شنذرا جنبش لب کے بغیر سنے چلی گئی۔ اس کے لہجے کی سچائیاں تھیں کہ اسے سب حقیقت لگ رہا تھا۔ ورنہ اب تک جواد کا رویہ ایسا رہا تھا کہ وہ تو جواد کو کسی قابل بھی نہیں سمجھتی تھی۔ مگر آج ساری وضاحتوں کے بعد اسے اس پر اعتبار سا آ گیا۔

''اب آپ کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے جواد کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

''میں نے تو پورے خلوص کے ساتھ اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے شنذرا۔ مجھے تمہارا اعتماد چاہیے۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیسا اعتماد؟''

''یہ کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ میرے سابقہ رویے پر۔''

''جیسا کہ آپ نے کہا ہے کہ وہ رویہ کسی مصلحت کے تحت تھا تو مجھے کوئی شکوہ نہیں۔'' اب اور کیا کہتی۔ یوں بھی اسے واقعی جواد کی بات پر اعتبار آ گیا تھا۔

''تو تم مجھ سے خفا تو نہیں۔'' جواد کی آنکھیں خوشی سے روشن ہو گئیں۔ شنذرا کا رویہ اس کی سوچ کے برعکس تھا۔

''کہنا تو بہت کچھ ہے۔ شنذرا تم سے تم کو مانگنا ہے مگر ڈر ہے تم انکار نہ کر دو۔'' وہ یہ بات سوچ کر ہی رہ گیا۔ شنذرا کی شخصیت میں کچھ ایسی بات تھی کہ وہ ایک دم سے کہہ نہیں پا رہا تھا۔

''او کے تھینک یو شنذرا۔ لگتا ہے آنٹی ادھر ہی آ رہی ہیں۔ سب کچھ برداشت کر لوں گا مگر تم پر وہ شک کریں یہ نہیں۔''

جواد آہستگی سے بولتا ہوا آگے بڑھ گیا اور اس پر سوچ کے نئے دروازے کھول گیا۔ وہ اس

کے بارے میں سوچنے لگی۔ کتنا مختلف لگ رہا تھا اور کتنا سچا اور یقیناً وہ سچا ہی تو تھا تب ہی اعتبار آ گیا تھا اسے جانے کیوں بڑا سکون سا ملا تھا آج جواد کی باتوں سے۔ وہ خود کو معتبر سا محسوس کرنے لگی تھی۔

وہ بہت حساس لڑکی تھی۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت محسوس کرتی تھی۔ اسد کی نفرت تو اس کی سمجھ میں آتی تھی، مگر جب سے جواد آیا تھا اس کا رویہ اسد سے بھی زیادہ خراب تھا۔ تب اکثر وہ رو دیا کرتی تھی کہ ہم لوگ اتنے ہی برے ہیں کہ اپنے تو اپنے غیر بھی ذلیل کرتے ہیں لیکن آج جیسے وہ پرسکون ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے لگی۔

☆......☆......☆

"دیکھیے محترم اگر مجھے مجبوری نہ ہوتی تو میں ہرگز آپ کو تکلیف نہ دیتا۔ مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے کزن کو رہائش کا مسئلہ ہے اس لیے ورنہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ اچھا چلیے دس پندرہ دن تک کوئی بندوبست کر لیجیے گا۔ ہمیں بہت مشکل ہے۔ خدا حافظ۔"

"کیا ابھی بھی دس پندرہ دن مزید۔ یار فی الحال کہیں اور ہی مکان دیکھ لو۔ مستقل ٹینشن سوار ہے میرے سر پر۔"

"تمہارا کیا ہے تم تو ہو ہی مسٹر ٹینشن۔ یار شانی گرلز ہوسٹل میں ہے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ٹینشن لینے کا۔ اب اس خاتون کی بھی مجبوری ہے۔ شوہر باہر ہوتا ہے۔ اس کے بھائی آئے ہوئے ہیں۔ ہو جائے گا کچھ نہ کچھ اب ہم چند دنوں کے لیے مکان کرائے پر لیں۔ دماغ خراب ہوا ہے ناں ہمارا۔"

کپ اٹھاتے ہوئے تیمور کو ڈانٹ دیا مگر اس کی پریشانی کم نہ ہوئی۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شانی گرلز ہوسٹل میں رہے۔ لڑکیاں بہت شوخ طبیعت کی مالک ہوتی ہیں۔ جانے کیسے کیسے سوال کر کے اس سے اگلوالیں اور وہ ٹھہری معصوم سی لڑکی۔ مگر یہ بات علی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس کے خیال میں وہ بے بنیاد وسوسوں کا شکار تھا۔

"ہاں یار وہ میں بتانا بھول گیا۔ وہ اسد ملا تھا مجھے۔ تمہارا پوچھ رہا تھا۔ میں نے کہہ دیا کہ اس کی بہن آئی ہے اس لیے وہ کچھ مصروف ہے تو کہنے لگا میں ان کی دعوت کروں گا۔ میں نے کہا خود ہی بات کر لینا۔"

"کمال کرتے ہو یار۔ ٹھیک ہے وہ اچھا لڑکا ہے مگر اب مناسب نہیں کہ وہ ہماری دعوتیں کرتا پھرے۔ خود ہی کوئی بہانا کر دیتے۔"

خیالوں سے ایک دم تیمور باہر آ گیا۔ اسد سے ان لوگوں کی ملاقات کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا مگر چونکہ ان دونوں نے ایک جھگڑے میں اسد کا بھرپور ساتھ دیا تھا اس لیے وہ ان دونوں کی بہت عزت کرتا تھا۔ بارہا ہوسٹل بھی آ چکا تھا اور گھر چلنے پر اصرار کر چکا تھا مگر تیمور کو یہ بات مناسب نہیں لگتی تھی۔

"بہانا گھڑ دینا۔ جھوٹ گھڑنے کی مشین سمجھ رکھا ہے ناں آپ نے۔"

"اچھا زیادہ باتیں نہ بناؤ اور تیار ہو جاؤ۔ یونیورسٹی نہیں جانا۔"

کلاسز تو آج تھیں نہیں۔ اسی لیے سیما جو ان کی کلاس فیلو تھی۔ گرلز ہاسٹل میں رہتی تھی اور جس نے شانی کو اپنے ساتھ رکھا تھا وہ بھی نہیں آئی۔ تیمور کو جانے کیوں سخت بوریت ہو رہی تھی۔ شانی نے آ کر بہت سے مسائل کھڑے کر دیے تھے اور یہ بھی درست تھا کہ وہ وہاں کیسے رہ سکتی تھی۔

"یار! اس لڑکی نے آ کر پریشان کر دیا ہے۔"

وہ درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ علی نے اس کی طرف دیکھا۔ گھورا مگر بولا کچھ نہیں۔ اٹھا اور جوس لے کر آ گیا۔

"لو پیو اور دماغ کو کچھ ٹھنڈا کرو۔ اور یہ بتاؤ مجھے کہ جو حالات اس لڑکی کو درپیش تھے وہ وہاں رہ سکتی تھی۔"

"میں مانتا ہوں یار سب کچھ مگر اب سوچو ذرا یہاں جس کو پتا چلے گا وہ کیا سوچے گا۔ ٹھیک ہے سیما کو بتایا ہے کہ یہ میری بہن ہے مگر یار علی یہ دنیا بہت بری جگہ ہے۔ مجھ سے زیادہ اس دنیا کو کون سمجھے گا۔ کیسی کیسی باتیں بنائی جاتی ہیں۔"

تیمور بہت الجھا ہوا تھا، پریشان تھا۔

"دیکھو تیمور! یہ دنیا ہے۔ یہ تو کسی کو کسی حال میں جینے نہیں دیتی۔ وہ تم نے گدھے اور بوڑھے کی۔"

"ہیلو۔" تیمور اور علی اپنی باتوں میں الجھے ہوئے تھے کہ تجل اور علیم الدین آ گئے۔

"او ہیلو۔" تیمور کھڑا ہو گیا۔

"کیسی ہیں تجل آپ؟" علی بھی کپڑوں کی گرد جھاڑتا کھڑا ہو گیا۔

"جی ٹھیک ہوں۔" تجل نے ایک ہلکی سی نظر تیمور پر ڈالی، بڑھی ہوئی شیو میں وہ پریشان سا لگ رہا تھا۔ "آپ تو صرف ٹھیک نہیں ماشا اللہ خوب ٹھیک ٹھاک لگ رہی ہیں فریش۔"

اندرونی خوشی اور اطمینان کا عکس تجل کے چہرے پر بھی لہرا رہا تھا۔

"جی الحمدللہ میں واقعی بہت خوش ہوں۔"

تیمور کو جتانے کی خاطر وہ مزید خوشی ظاہر کرنے لگی۔

"کیوں خیریت۔ ارے علیم الدین صاحب آپ کہاں تجل کی اوٹ میں چھپ رہے ہیں۔ کیسے ہیں آپ؟"

یا تو واقعی علی نے دھیان نہیں دیا تھا یا جان کر علیم الدین کو نظر انداز کیا تھا۔ اب بڑی گرم جوشی سے ہاتھ ملا کر گلے لگایا ہوا تھا اور خوب بھینچا۔ اتنا کہ ان کی چیخ نکل گئی۔

"آپ کیسے ہیں۔ بڑے دنوں بعد نظر آئے۔" علیم الدین مشکل سے علی کی گرفت سے آزاد ہوئے۔

"اجی ہم تو آپ کے قدموں میں ہی رہتے ہیں۔ یقین کریں ابھی کچھ دیر قبل آپ ہی کا ذکر کر رہا تھا میں۔"

علی کی آنکھوں میں شوخیاں چمکنے لگیں۔ تیمور بھی مسکرا پڑا۔

"میرا ذکر۔" علیم الدین یوں خوش ہوئے جیسے بڑے اچھے معنوں میں ذکر ہو رہا ہو گا۔

"جی ہاں میں اس کو بتا رہا تھا کہ ایک بوڑھا تھا اور ایک گدھا۔ بس ادھر نام لیا ادھر آپ حاضر۔"

"آپ میرے بھائی ہیں۔ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔"

علیم الدین بھی اب ہوشیار ہو چکے تھے۔ان کے جوابی جملے کے بعد ممکن تھا بات مزید بڑھتی۔ سامنے سے سیما کو آتا دیکھ کر تیمور جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

''شانی کیوں نہیں آئی؟''اس کی آواز کی بے چینی تجل کی سماعتوں سے بھی آن ٹکرائی تھی۔وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

''اس کی طبیعت خراب ہے تیمور۔''

''کیوں کیا ہوا ہے اسے؟''اب کی بار آواز میں مزید بے قراری تھی۔

''بہت تیز بخار ہے رات سے۔ میں نے دوا وغیرہ تو دی ہے۔مگر فرق نہیں پڑا۔میرا خیال ہے اسے تم ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔''

''اچھا تم ایسا کرو سیما پلیز اسے تیار کر دو میں گاڑی لے کر ابھی آیا۔''

سیما دوبارہ ہوسٹل کی طرف مڑ گئی تو وہ علی کی طرف گیا۔

''کیوں کیا ہوا۔خیریت تو ہے ناں؟''علی کے ساتھ تجل اور علیم الدین بھی اسے دیکھنے لگے۔

''خیریت نہیں تم چابی دو گاڑی کی۔''

وہ تجل کی موجودگی کو بھول چکا تھا۔جو اس کے چہرے سے بہت کچھ پڑھ چکی تھی۔

''لگتا ہے کوئی ایسی بات ہے جو ہمارے سامنے کرنے والی نہیں۔ چلئے علیم ہم چلتے ہیں۔''

تجل کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں اور یہی وہ نہیں چاہتی تھی۔ اس سے بڑھ کر کیا اذیت ناک بات ہوگی جسے وہ چاہے وہ کسی اور لڑکی کے لیے اس قدر بے چین ہو کر اس کے وجود کی نفی کر دے۔

''سنئے تجل۔''تیمور کو کچھ تو خود بھی احساس ہو گیا اور کچھ علی کی نظروں نے احساس دلایا تو اس نے آہستگی سے پکارا۔وہ مڑے بغیر رک گئی۔تیمور اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

''دیکھئے تجل!بعض اوقات انسان اتنا پریشان ہوتا ہے کہ اپنا وجود بھی بے معنی ہو جاتا ہے۔''

''آپ ناحق پریشان ہو رہے ہیں تیمور۔میری تو کلاس ہے اسی لیے جا رہی ہوں۔خدا کرے کہ آپ کی پریشانی دور ہو جائے۔''

پھر وہ اسے الجھا ہوا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔دور تک اسے دیکھتا رہا۔علی نے آکر شانے پر ہاتھ رکھا تو دونوں ہوسٹل کی طرف بڑھ گئے۔

☆......☆......☆

تجل کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔جلدی گھر آگئی۔نبیل اور مہوش آئے ہوئے تھے۔اور مما کے پاس بیٹھے تھے۔مما خوب ہنسے جا رہی تھیں۔خوشی سے ان کا چہرا گلنار تھا۔تجل سب کچھ بھول گئی۔دل کا درد ماں کی مطمئن ہنسی میں کھو گیا۔فاروق صاحب کو چونکہ اب آفس میں کام بہت ہوتا تھا اس لیے انہوں نے لنچ گھر کے بجائے آفس ہی میں کرنے کا انتظام کر لیا تھا۔مہوش صبح ہی سے آجاتی تھی۔خوب مما کی خدمت کرتی پھر نبیل بھی آجاتا۔بہنیں بھی خوش تھیں۔

''مما اب تو آپ خوش ہیں ناں۔بہو بیٹا روز آجاتے ہیں۔''

''ہائیں!یہ کیا بات ہوئی مما۔رونا کیوں آیا۔؟''

''مما!کیا بات ہوئی۔آپ کیوں رونے لگیں۔''

مہوش نے اٹھ کر ان کو ساتھ لگا لیا تو ان کے رونے میں شدت آگئی۔کافی سارا رو لینے کے بعد وہ پرسکون ہو گئیں۔

''جی مما اب بتائیں کیا بات تھی۔''مہوش بضد تھی تب وہ لرزتے ہونٹوں کے ساتھ آہستہ آہستہ بولنے لگیں۔

''میں۔ میں بہت بری ہوں میرے بچو!میں اپنے بچوں کی اپنی بیٹیوں کی قرض دار ہوں۔مقروض ہوں ان کی خوشیوں کی۔کوئی خوشی نہیں دی میں نے اپنی بیٹیوں کو۔دیکھو کسی کی شادی نہیں کی۔''

''مما۔مما ٹھیک ہے ایک غلطی ہو گئی تو اب اس کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔''

''کیسے۔میری بیٹیوں کی شادی تو نہیں ہو سکتی ناں۔''

وہ جب سے بیمار ہوئی تھیں دنیا بھر کے پچھتاوے ان کو ڈستے رہتے۔سب سے بڑا روگ لڑکیوں کا تھا کہ وہ نامراد بیٹھی تھیں۔

''مما!ہو سکتی ہیں۔کیوں نہیں ہو سکتیں۔آخر ہماری بہنوں میں کمی کیا ہے۔دیکھ لیجیے گا۔اللہ تعالیٰ ضرور مہربان ہوگا۔ میں خود ان کو دلہن بناؤں گی۔دیکھئے گا کتنی جلدی ہوگا یہ سب کچھ۔''

وہ ایسی ہی حیات آفریں باتیں کر کے مما کا دل بہلایا کرتی۔

''تم۔تم ہماری زندگی میں اس سے پہلے کیوں نہیں آگئیں میری جان۔''صوفیہ بیگم نے زندگی کی خوشیوں کی نوید سناتی مہوش کو ساتھ لگا لیا۔

''بس مما اب انشاءاللہ آپ کو خوشیاں ہی خوشیاں ملا کریں گی۔''

''میری خوشیاں میری بچیوں کی شادیوں سے وابستہ ہیں بیٹا!تجل اور آمنہ کی تو شادی ہو سکتی ہے مگر......مگر میری بدنصیب فاطمہ......خدایا میں نے اپنی معصوم بیٹی کی خوشیوں کو خود برباد کیا۔کیا کمی تھی حارث میں۔کیا قصور کیا تھا اس نے کہ میں نے سزا دے دی دونوں کو عمر بھر کی جدائی کی۔''

صوفیہ بیگم فاطمہ کی طرف سے بہت فکرمند تھیں۔اور ماضی میں ان سے حارث کے معاملے میں بہت بڑی زیادتی ہو چکی تھی۔اسی کو یاد کر کے پچھتاتی تھیں۔

''جانے دیں مما!اب جو ہو چکی اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔اب بہتری کی راہیں کھل جائیں اور انشاءاللہ ضرور کھلیں گی۔چلئے اب آپ سوپ لے لیجیے۔''

''مہوش کھانا لگواؤں۔''

''آمنہ باجی ذرا مما کو سوپ دے دوں پھر۔اور یہ فاطمہ باجی کہاں ہیں۔ان کو بھی تو بلائیے۔اور تجل یاد ہے نا۔آج ہم نے آمنہ اور فاطمہ باجی کو لے کر کہاں جانا ہے۔''

''جی بالکل یاد ہے۔''مہوش اور تجل معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔آمنہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئی۔

☆......☆......☆

گھر میں ایک خوشگوار تبدیلی آئی تھی۔ شہرین اور راحیل کے جانے سے کم از کم فاروق صاحب تو یہی سمجھ رہے تھے۔ بیگم کا چہرا بہت کھلا کھلا سا تھا۔ بیٹیاں بھی مطمئن تھیں۔ یہ سب دیکھ کر ان کو عجیب سا سکون ملا۔

''صوفیہ بیگم چشم بددور آپ تو پھر جوان ہو رہی ہیں۔ ایسی کون سی خوشی مل گئی ہے آپ کو؟'' فاروق صاحب نے شوخ نظروں سے بیگم کو دیکھا تو وہ کچھ افسردہ سی ہو گئیں۔

''فاروق صاحب! اللہ تعالیٰ نے تو ہم پر کرم کیا تھا مگر ہم نے خوشیوں کے راستے خود ہی بند کر لیے تھے خود پر۔ اور جو خوشی میرے پاس ہے شاید آپ کو گوارا نہ ہو۔ کیونکہ آپ نے خود دھکے دے کر اس خوشی کو دھتکارا تھا۔''

''میں نے!'' اس سے قبل کہ فاروق صاحب مزید کچھ کہتے فون کی بیل پر اٹھ گئے۔

''ہیلو جی ڈاکٹر صاحب۔''

''فاروق صاحب دل کو مضبوط کر لیجیے میرے پاس بہت بری خبر ہے۔''

''فاطمہ کی رپورٹس آ گئیں۔'' فاروق صاحب کی آواز حلق میں گھٹ گئی۔

''جی ہاں انتہائی دکھ کے ساتھ بتا رہا ہوں کہ فاطمہ بی بی کو بلڈ کینسر ہے۔''

''بلڈ کینسر؟''

''پپا۔''

''پپا۔ پپا کیا ہوا آپ کو؟ خیریت تو ہے ناں؟''

نگل نے جلدی سے سہارا دے کر پپا کو بیڈ پر لٹایا' جن کی پیشانی پر خنکی کے باوجود نمی تھی اور جسم بھی ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

''پپا! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں۔''

''نہیں۔'' وہ جلدی سے فون کی طرف بڑھی مگر فاروق صاحب ہذیانی انداز میں چیخ پڑے۔ نگل خوفزدہ ہو کر ان کو دیکھنے لگی۔ ان کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی اور ہائی بلڈ پریشر کے وہ پہلے ہی مریض تھے۔

''کیوں پپا۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ڈاکٹر ظفر نے کہا تھا کہ۔''

''جھوٹ بکتا ہے ڈاکٹر ظفر۔ بکواس کرتا ہے۔ تمہیں پتا ہے اس نے کیا کہا ہے؟''

وہ عجیب دہشت زدہ انداز میں آنکھیں پھیلائے اسے دیکھ رہے تھے۔ ان کی سانس بہت

تیزی سے چل رہی تھی۔ وہ بری طرح گھبرا گئی۔

''پلیز پپا...... آمنہ...... آمنہ! جلدی سے آؤ۔ پپا کو دیکھو۔''

نگل روہانسی ہو کر بھاگی اور پھر آمنہ بھی پریشان اس کے ساتھ آ گئی۔

''پپا...... پپا۔''

''آمنہ نے اوندھے لیٹے پپا کا شانہ ہلایا۔ شاید وہ رو رہے تھے۔ دونوں کا مارے گھبراہٹ کے برا حال تھا۔ پپا کو اتنا پریشان تو کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ان کے اصرار پر انہوں نے اپنا چہرا اٹھایا۔ آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ ان دونوں کو دیکھتے رہے' جو بہت خوفزدہ سی تھیں۔

''میری بچیاں!'' پپا نے ایک ساتھ دونوں کو ساتھ لگا لیا اور رونے لگے۔ وہ کیسے باپ تھے۔ جنہوں نے کبھی اپنی بیٹیوں کو ان کا حق نہیں دیا تھا۔ کبھی پیار نہیں کیا تھا۔ شاید یہ ہی ناقدری اللہ تعالیٰ کو بری لگی اور...... اور ان کو سزا مل رہی تھی اللہ کی طرف سے۔ فاطمہ کی اتنی جان لیوا بیماری ...... کہ وہ تڑپ اٹھے تھے۔

''پپا! کیا بات ہے۔ پلیز ہمیں بھی بتائیں ورنہ ہمارا دم گھٹ جائے گا۔ کیا بات ہے۔ مما کی تو کوئی بات نہیں؟ راحیل بھائی تو وہاں خیریت سے ہیں ناں؟'' آمنہ کو انجانے خدشے پریشان کرنے لگے۔

''پپا! کس کا فون تھا۔ اس نے کیا کہا کہ آپ کی یہ حالت ہو گئی ہے۔ پپا پلیز' بتائیے۔''

نگل جب اندر آئی تھی تو پپا بری حالت میں بیڈ پر گر رہے تھے اور ریسیور لٹک رہا تھا۔ خود اس نے ریسیور کریڈل پر رکھا تھا۔

''وہ ڈاکٹر ظفر جھوٹ کہتا ہے۔ کسی اور کی رپورٹ دیکھی ہو گی ورنہ ایسا تو نہیں ہو سکتا۔ ہونا ہی نہیں چاہیے۔ ہاں اسے غلط فہمی ہوئی ہو گی۔ میں ...... میں پھر ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔ دیکھنا' وہ خود ہی کہہ دے گا۔ فاروق صاحب میں نے کسی اور کی رپورٹ دیکھی تھی ورنہ فاطمہ تو۔''

''پپا...... پپا۔ پلیز کیا کہا ہے ڈاکٹر ظفر نے۔ فاطمہ باجی کے لیے؟''

دونوں ایک جھٹکے سے الگ ہو گئیں۔ پپا کی اس حالت سے ان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ کوئی خطرناک بات ہے ورنہ پپا تو ایسی چٹان تھے کہ کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا ان پر۔

''پپا۔ پلیز' بتائیے ناں ورنہ ہمارے دل پھٹ جائیں گے۔''

دونوں چلائیں تو فاروق صاحب نے جواب قدرے بہل گئے تھے۔ اشارے سے دروازہ لاک کرنے کو کہا اور پھر یہ جگر خراش خبر سنا دی۔ دونوں صدمے سے ساکت رہ گئیں۔

''میری مظلوم بچی اندر ہی اندر گھلتی رہی۔ میں بدنصیب اپنی بیٹیوں سے کتنا دور رہا۔ اتنا دور کہ وہ...... نہیں...... میں۔ میں اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے صاحب حیثیت ہوں۔ ساری دولت بہا دوں گا اپنی بچی کے علاج پر۔

ہاں بیٹا! اب کینسر لاعلاج مرض نہیں رہا نہ روؤ۔ فاطمہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ کچھ نہیں ہو گا۔'' فاروق صاحب اس خیال سے قدرے مطمئن ہوئے تھے' اس لیے انہوں نے تڑپتی ہوئی آمنہ' نگل کو پیار سے دلاسا دیا۔

کوئی غریب باپ ہوتا تو اتنی موذی بیماری کا سن کر بیٹی کے کفن کی فکر میں لگ جاتا۔ علاج کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ مگر فاروق صاحب بیرون ملک علاج کے خیال سے۔ کافی حد تک بہل گئے تھے اور آمنہ تجل کو بھی بہلا رہے تھے۔

"پپا! مما کو پتا چلا تو۔" سب سے مشکل مرحلہ یہ ہی تھا کہ مما بھلا یہ صدمہ کیونکر برداشت کر پائیں گی۔ آمنہ کی بات پر فاروق صاحب چپ ہو گئے۔ واقعی یہ ایسا مرحلہ تھا کہ جس میں خود ان کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔

"بیٹا! دیکھو۔ یہ بہت مشکل وقت ہے۔ خدا کی آزمائش ہے۔ ہمیں ثابت قدم رہنا ہوگا۔ میرا ساتھ دینا۔ دیکھو گھبرانا نہیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ دیکھو! فاطمہ کو ہرگز بھی پتا نہیں چلنا چاہیے۔ تم لوگوں کو اپنے اوپر کنٹرول کرنا ہوگا۔ میری بچی کو ذرا بھی شبہ نہ ہو کہ...... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ ان سے زیادہ خود کو تسلیاں دے رہے تھے۔ وہ لوگ نیچے آئے تو فاطمہ مطمئن سی پرسکون سی مما کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہی تھی۔ کتنی معصومیت' کتنی پاکیزگی تھی اس کے چہرے پر۔ کتنا گہرا سمندر تھی۔ یہ لڑکی جس کی تہوں میں طوفان اٹھتے رہتے تھے مگر سطح ہمیشہ پرسکون رہتی تھی۔ کتنی صابر تھی کہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے جواب میں اف تک نہیں کیا تھا۔ فاروق صاحب کتنی ہی دیر پردے کی اوٹ سے فاطمہ کو دیکھتے رہے۔ ان کا دل دکھ سے پھٹا جا رہا تھا۔ ان کا دل تو چاہ رہا تھا اپنی اس مظلوم بیٹی کو سینے سے لگا کر خوب روئیں مگر وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے۔

"ہمت سے کام لیں پپا۔" آمنہ نے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک کر اسے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔

"ارے بھئی۔ کیا باتیں ہو رہی ہیں ماں بیٹی میں؟ فاطمہ بیٹے! ہم تو آپ کے پپا ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی بات کر لیا کرو۔" فاروق صاحب نے آواز کو نارمل کرتے ہوئے کہا اور صوفیہ بیگم کے بیڈ کے دائیں طرف کرسی رکھ کر بیٹھ کر فاطمہ کو دیکھنے لگے۔ خوبصورت شہابی رنگت پر پیلاہٹ پھیل گئی تھی۔ فاطمہ نے بغور پپا کا چہرا دیکھا۔ ایک دم سے بوڑھے بوڑھے لگ رہے تھے۔ چہرا اترا ہوا تھا۔ ان کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ خود ہی مصنوعی پن کا اظہار کر رہی تھی۔

"پپا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" فاطمہ نے آہستگی سے پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ ان کی ذرا ذرا تکلیف پر تڑپ اٹھنے والی بیٹی خود جان لیوا مرض کا شکار ہو گئی تھی۔

"نہیں بیٹا! اب تو ماشاء اللہ آپ کی مما بھی ٹھیک ہو گئی ہیں تو میں پھر بیمار کیوں ہونے لگا۔ میں تو یہ سوچ رہا ہوں آج ہم سب ڈنر باہر کریں۔ کیوں صوفیہ بیگم؟ کر لو گی ہمت۔ آج ہم اپنی بیٹیوں کے ساتھ باہر جائیں گے۔"

"فاروق صاحب آپ۔" صوفیہ نے حیرت سے شوہر کو دیکھا۔

"ہاں بھئی بیگم! رات میں نے ایک خواب دیکھا۔ بہت خوفناک اور عجیب...... میں نے دیکھا کہ۔"

...رک کر فاطمہ کو دیکھنے لگے جو چہرے پر خوشگوار سے تاثرات لیے مما پپا کو دیکھ رہی تھی۔ وہ

کچھ دیر اسے دیکھتے رہے۔

"پپا! کیا دیکھا آپ نے خواب میں؟" فاطمہ نے ان کی محویت کو توڑا۔

"ہوں۔ ہاں بس اللہ بہتر کرے گا۔ بس میں خوفزدہ ہو گیا ہوں۔ صوفیہ بیگم ہم لوگوں نے ایک دوسرے سے دوری میں زندگی گزار دی ہے لیکن اب ہم ایک دوسرے سے دور نہیں رہیں گے۔ چلو بچو! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ شاباش اور ماں کو بھی تیار کرو فاطمہ۔"

نظریں ملائے بغیر فاروق صاحب بول رہے تھے۔ جاتے جاتے پلٹ کر انہوں نے فاطمہ کو دیکھا۔ ان کا جی چاہا۔ اپنی بیٹی کو دل میں چھپا لیں۔

"خوش رہا کرو بچے۔ آمنہ اور بے بی سے بھی کہو کہ جلدی سے تیار ہو جائیں۔ میں دیکھوں ڈرائیور کہاں ہے۔"

"جی پپا ہم ابھی تیار ہوتے ہیں۔" فاطمہ کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی پپا ہیں۔ سخت گیر سے کبھی بات نہ کرنے والے۔ وہ پپا کی آنکھوں میں اتری نمی میں اپنا عکس دیکھتے ہوئے خوشی سے آمنہ اور تجل کے کمرے میں آ گئی جو ابھی تک اس نئے صدمے پر تڑپ رہی تھیں۔ اس کو آتے دیکھ کر دونوں سیدھی ہو گئیں۔ آمنہ واش روم میں گھس گئی۔

"ارے بے بی! تم لوگ تیار نہیں ہوئیں۔ پتا ہے پپا بالکل بدل گئے ہیں۔ پتا ہے انہوں نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ کہہ رہے تھے کہ ہم سب بہت دور رہے اب ہم دور نہیں رہیں گے اور یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ آنکھیں کیوں سرخ ہو رہی ہیں؟ روئی ہو؟"

روانی سے بولتے بولتے فاطمہ ایک دم رک گئی۔ اس نے تجل کا چہرا تھام لیا تو اس نے نظریں چرائیں۔

"بولو کیا ہوا ہے؟ کیوں روئی ہو؟" فاطمہ بری طرح پریشان ہو جایا کرتی تھی۔ اس کے آنسو تو وہ برداشت کر ہی نہیں سکتی تھی۔ تجل سے برداشت نہ ہو سکا اور وہ اس کے گلے لگ کر پھوٹ پڑی۔

"بے بی جان! ہوا کیا ہے!" آخر بتاؤ ناں؟" فاطمہ نے اس کا چہرا اٹھایا تو وہ سنبھل گئی۔

"خاص بات نہیں۔ باجی آپ سنیں گی تو ڈانٹیں گی۔" اس نے نظریں چرا کر بات بنائی۔

"عام بات پر تو اس طرح نہیں رویا جاتا۔" فاطمہ نے اپنے آنچل سے اس کا چہرا صاف کیا۔

"ہاں عام بات ہی تو ہے لیکن آپ کے لیے۔ کہ میں نے جو ٹیسٹ دیا تھا ناں۔ اتنی محنت کی تھی۔ اس میں سر نے فیل کر دیا ہے۔ باقی سب پاس ہو گئے۔ ہے ناں رونے کی بات۔"

اس نے جھوٹ گھڑا اور خود کو نارمل کرنے لگی۔

"ہاں! افسوس کی بات تو ہے مگر رونے کی نہیں۔ خیر اس طرح تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ دل پر تو نہیں لینا چاہیے چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ پپا کہہ رہے ہیں آج ہم باہر ڈنر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا احسان ہے ناں بے بی کہ کبھی ہم ترسا کرتے تھے کہ پپا ہم سے بات کریں اور اب۔ ارے بھئی یہ آمنہ تو واش روم کی ہو کر رہ گئی۔ جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔ میں بھی تیار ہو کر مما کو تیار کرنے جا رہی ہوں۔"

وہ بے پایاں خوشی کے احساس کے ساتھ اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے تیار ہو کر نیچے آنے کا کہہ کر چلی گئی۔

''میری پیاری باجی۔'' تجل تکیے میں منہ چھپا کر پھر شدت سے رو پڑی۔

☆......☆......☆

زندگی تو آن کی آن میں بدل گئی تھی۔ فاروق صاحب نے تو گویا اور دیگر مصروفیات کو یکسر ختم کر دیا تھا۔ زیادہ تر وقت گھر میں گزارتے۔ اپنی اس تبدیلی کو انہوں نے ایک خوفناک خواب کے نام کر دیا تھا مگر فاطمہ اور صوفیہ بیگم تو اس خواب کو دعائیں دیتیں کہ جس نے ان کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ عدیل کے رویے میں بھی نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔

''بھئی عدیل بیٹا! راحیل اور شہرین کو فون کر دو کہ اب وہ لوگ آ جائیں۔ اپنی مما کو سنبھالیں۔ اب میں اپنی بیٹیوں کو لے کر باہر جاؤں گا گھومنے پھرنے۔''

''نہیں' میں راحیل اور شہرین کے ساتھ نہیں رہوں گی۔''

مما نے خوفزدہ نظروں سے فاروق صاحب کو دیکھا اور فاطمہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا۔

''ارے مما! آپ کو ہم ساتھ لے کر جائیں گے۔ میں تو آپ کے بغیر ایک قدم بھی نہیں اٹھاؤں گی مما۔'' فاطمہ نے ان کی پیشانی پر پیار کیا تو وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئیں۔

''اچھا بھئی چلی چلنا۔ اس بڑھاپے میں بھی سیر سپاٹے کا شوق نہ گیا تمہارا۔ جبکہ میں نے تو سوچ رکھا تھا کہ بڑھیا کو یہیں چھوڑ دیں گے۔ وہاں جا کر میری بیٹیاں اپنے لیے کوئی میم مما لے آئیں گی مگر تم سے پیچھا چھڑانا مشکل ہے۔''

اپنی بات پر سب سے بلند مگر کھلا قہقہہ ان ہی کا تھا مگر ان کی ہنسی کا خوشگوار تاثر فاطمہ اور صوفیہ بیگم کو خوش کر گیا۔ وہ خدا کے حضور شکرانہ ادا کرنے لگیں۔

نبیل اور مہوش کا کوئی پتا نہیں تھا نہ خود آتے تھے نہ ہی فون کیا تھا۔ آمنہ اور تجل بے تاب تھیں۔ اپنے دکھ میں ان کو بھی شریک کرنا چاہتی تھیں۔ اس روز وہ آمنہ کو بتا کر چپکے سے گاڑی لے کر نبیل کے ہاں آ گئی۔

نبیل کا فلیٹ چھٹی منزل پر تھا۔ سیڑھیاں چڑھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ جیسے ہی لفٹ رکی اس نے دیکھا۔ سامنے اپنی سحر انگیز شخصیت لیے تیمور شاہانی کے ساتھ کھڑا لفٹ ہی کا منتظر تھا۔ دونوں کی نظریں یک بارگی ملیں اور جھک گئیں۔ کچھ کہا نہ سنا۔ تجل سیدھی آگے بڑھ گئی۔

''ہیلو تجل۔'' تیمور کی گمبھیر آواز پر قدم رک گئے مگر وہ مڑی نہیں۔

''ہیلو''۔ اس نے خفگی سے کہا۔

''ہمارے درمیان کبھی بھی ایسی کوئی رنجش نہیں ہوئی کہ ہم یوں سر راہ ملیں تو اجنبی بن جائیں۔''

تیمور نے کچھ خفگی سے کہا تو تجل نے ایک نظر اس پر ڈالی۔

''ہمارے درمیان تو کبھی کچھ بھی نہیں رہا تیمور صاحب! پھر کسی رنجش کی گنجائش کیسے نکل سکتی ہے۔ بہر حال میں ذرا جلدی میں ہوں اور غالباً آپ بھی۔''

اس نے برہم سے لہجے میں قدرے فاصلے پر کھڑی شاہانی کو دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے انداز اس کے لہجے اور چہرے پر جو بدگمانی کی تحریر تھی اسے پڑھ کر جانے کیوں تیمور کو بے حد خوشی ہوئی۔

''تیری یہ بدگمانی' تیری چاہت کی یقین دہانی۔'' وہ دھیرے سے مسکرایا۔

''میں تو خیر جلدی میں نہیں ہوں۔ یہ بتائیں آپ کیسی ہیں؟''

وہ آج بہت اچھے موڈ میں تھا اور تجل کی بدگمانی نے ایک طرح کی خوشی بھی دی تھی۔

''کیوں زندہ نظر نہیں آ رہی آپ کو؟'' تجل بدستور خفا تھی۔

''زندہ ہونے اور زندہ نظر آنے میں بڑا فرق ہوتا ہے تجل۔''

اس کی بات کے جواب میں تجل نے اسے دیکھا۔ وہ جتنا خوش اور فریش نظر آ رہا تھا۔ وہ اندر سے اتنی ہی دکھی اور ٹوٹی ہوئی تھی۔

''جہاں میں ہوں۔ وہاں یہ فرق مٹ جاتا ہے خدا حافظ۔''

وہ اسے مزید کسی بات کی اجازت دینا نہیں چاہتی تھی۔ جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ خدا حافظ کہتی نظروں سے دور تک دیکھتا رہ گیا۔ تجل اتنی اپ سیٹ تھی کہ بیل پر ہاتھ رکھنے کے بجائے دونوں ہاتھوں سے دروازہ بجایا تو نبیل اور مہوش پریشان ہو گئے۔

''بے بی تم!'' نبیل نے حواس باختہ تجل کو دیکھا جو چھوتے ہی اس سے لپٹ گئی۔

''تجل! کیا بات ہے؟ خیریت ہے ناں؟''

اس کے اس طرح رونے پر دونوں ہی پریشان ہو گئے۔ وہ تھی کہ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔ ایک تو گھر سے زخمی دل لے کر آئی تھی۔ پھر تیمور سے ملاقات۔ وہ بھی شاہانی کے ساتھ۔

''بے بی! کچھ تو بتاؤ۔ آخر ہوا کیا ہے؟''

نبیل نے اسے خود سے الگ کر کے جھنجوڑا۔ مہوش پانی لے آئی۔ تب تجل نے ہچکیوں کے دوران سب کچھ بتا دیا تو نبیل تڑپ اٹھا۔ اب اس کی بھی وہی حالت تھی۔ جو تجل کی ہو رہی تھی۔

''اف میرے خدایا! یہ کیا ہو گیا۔ میری معصوم بہن کو اتنا موذی مرض کیسے لاحق ہو گیا۔ بے بی ہم سب کتنے انجان' کتنی دور رہے ہیں ایک دوسرے سے اور اسی دوری میں اف میرے خدا۔''

''فون تو میں روز ہی کرتا تھا بے بی مگر ہر بار پپا ہی ریسیو کرتے تھے۔ اسی وجہ سے میں خوفزدہ تھا۔''

''جی پپا بہت بدل گئے ہیں۔ بھائی! اب زیادہ تر وقت گھر پر اور ہم سب کے ساتھ پیار و محبت کی باتیں کرنے میں گزارتے ہیں۔''

''ہونہہ؟ اب پشیمان ہونے کا فائدہ۔''

جیب سے رومال نکال کر نبیل نے چہرا صاف کیا۔

''بے بی! میں گھر آنا چاہتا ہوں۔ باجی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''کل پپا شاید سارا دن باہر رہیں گے کیونکہ بڑی اہم میٹنگ ہے۔ میں فون کر دوں گی آپ دونوں آ جانا۔''

''ہونہہ! یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ اپنی ماں بہنوں سے ملنے کے لیے بھی اس طرح چوری چھپے ملنا پڑتا ہے۔ بہر حال بے بی میں بے حد بے چین رہوں گا۔ مجھے پل پل فون کرنا' باجی سے بات کروانا کیسی ہیں۔ ان کو تو نہیں بتا دیا۔''

''نہیں ان کو کچھ معلوم نہیں۔ پپا جلد ہی ان کو امریکہ علاج کے لیے لے کر جائیں گے۔ پپا

واقعی بہت بدل گئے ہیں۔ اب میں چلتی ہوں۔ مما پریشان ہو جاتی ہیں۔" وہ تمام رات نبیل نے آنکھوں میں گزاری۔ بار بار فاطمہ کی تصویر ابھر آتی۔ اس کو سب یاد آ رہا تھا کس طرح وہ ان کے ساتھ بدتمیزیاں کیا کرتا اور وہ اس کی برائیوں پر پردہ ڈال کر ڈانٹ کھایا کرتی تھی پپا سے۔

"میری فاطمہ باجی نے میرے لیے پپا کی بہت ڈانٹ کھائی ہے مہوش! وہ تو اس قدر اچھی تھیں پھر ان کے ساتھ ایسا کیوں ہو گیا...... کیوں ہو گیا۔"

وہ اپنی دوست بیوی کے سامنے اپنا دکھ کہہ رہا تھا جو اس کے دکھوں کی برابر کی شریک تھی۔

"نبیل؟ اللہ سے دعا کریں۔ پریشان نہ ہوں۔ انشاء اللہ باجی بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ کینسر اگر لاعلاج ہے ابھی تک تو صرف بے چارے مجبور اور غریب لوگوں کے لیے۔ پپا کے پاس تو بے شمار دولت ہے۔ جہاں چاہیں لے جا سکتے ہیں اور وہ ضرور ایسا کریں گے۔ نجل بتا تو رہی تھی کہ پپا بہت بدل گئے ہیں اور۔" مہوش کی بات جاری تھی کہ نجل کا فون آ گیا۔

"بس بے بی! ہم نکل رہے تھے۔" دونوں نجل کے فون ہی کے منتظر تھے۔ فون آتے ہی نکل گئے۔ سب سے پہلے فاطمہ ہی سامنے آئی تو باوجود نجل کی ہدایات کے خود پر ضبط نہ کر سکا۔ اور اس سے جا لپٹا۔ بات ہی ایسی تھی۔

"ارے بھئی' لگتا ہے میرا بھائی بہت اداس ہو گیا ہے۔"

فاطمہ نے اس کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا۔ جواباً نبیل خود پر کنٹرول کر سکا۔

"صرف بھائی ہی نہیں میں بھی آپ کو بہت مس کرتی ہوں جی۔"

مہوش بھی اس سے آ لگی۔ صوفیہ بیگم بچوں میں یہ محبت دیکھ کر خوش ہوتی رہیں اور خدا کا شکر بھی ادا کرتی رہیں کہ اس کی پاک ذات نے زندگی میں یہ ملاپ بھی دکھایا تھا۔ شوہر کا رویہ بھی بدل گیا تھا۔ وہ آئندہ آنے والے حالات سے بہت خوش اور مطمئن تھیں اور خوشیوں کا یہ احساس ہی ان کے چہرے پر زندگی بن کر مسکرانے لگا تھا۔

"مما! آپ ٹھیک ہیں ناں۔" نبیل اور مہوش ان کے ساتھ آ لگے۔

"ٹھیک کیا میری جان! میں تو دوبارہ زندہ ہو گئی ہوں۔ تم لوگوں کے پپا تو سر سے پیر تک بدل گئے ہیں۔ مجھے یقین ہے اب وہ تم لوگوں کو بھی معاف کر دیں گے۔"

یہ بات کہتے ہوئے ان کا لہجہ کانپا ضرور تھا مگر وہ خدا کی ذات سے پرامید تھیں۔

"بھئی مہوش اتنے روز بعد آئی ہو۔ کھانا تو کھلا دو اپنے ہاتھوں کا بنا ہوا۔"

فاطمہ نے بڑے پیار سے مہوش کے چہرے پر آئے بال پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"اللہ آپ کو سلامت رکھے باجی! میں ہر وقت آپ کو کھانا بنا کر کھلانے کو تیار ہوں۔"

مہوش جذباتی ہو گئی۔ اس نے ان کے ہاتھ پکڑ کر کہا تو آمنہ نے نجل کو دیکھا۔ نجل نے مہوش کو کہنی ماری۔

"بھابی اٹھ جائیں ناں۔ مما کو بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

نجل' مہوش کا ہاتھ پکڑ کر کچن میں لے گئی پھر وہ تینوں کام میں مصروف ہو گئیں۔ فاطمہ' مما کے

"مما! دیکھا اللہ تعالیٰ کی مہربانی۔ کس طرح خود بخود سب کچھ بدل گیا ہے۔ میں تو سمجھتی تھی کہ ہم ایسی خوشیوں کے لائق ہی نہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بول رہی تھی۔ نبیل ایک ٹک بہن کو دیکھے جا رہا تھا۔

"میری جان! میں تو اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتی جس نے اتنی عنایت کی ہے کہ تمہارے پپا بدل گئے ہیں۔"

ان ہی خوش کن لمحات میں کھانا تیار ہو گیا۔ سب ہنستے مسکراتے موجود تھے۔ ابھی کھانا شروع ہوا ہی تھا کہ فاروق صاحب جو ضروری فائل بھول گئے تھے۔ بڑی عجلت میں آ گئے۔ اب صورت حال یہ تھی کہ کسی کے ہاتھ میں گلاس تھا اور منہ میں نوالہ اور کسی کے منہ میں نوالہ جا رہا تھا۔ فاروق صاحب دروازے کے بیچوں بیچ کھڑے تھے اور ان سب کے سانس گویا رک گئے۔ مما سمیت۔ نبیل اور مہوش کی یہ کیفیت تھی کہ زمین شق ہو جاتی تو وہ اس میں سما جاتے۔ اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر بھاگ جاتے۔ صوفیہ بیگم کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔ دم گھٹ رہا تھا۔ انہوں نے فاطمہ کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے جس سے اسے اندازہ ہوا کہ وہ اس صورت حال سے کتنی خوفزدہ اور پریشان ہوئی ہیں۔ آمنہ اور نجل بھی خوفزدہ تھیں۔ یہ درست تھا کہ پپا بدل گئے تھے مگر اس حد تک بھی بدل سکتے تھے کہ نہیں۔ ان کو اندازہ نہیں تھا جبکہ فاروق صاحب کی اندرونی کیفیت ان سب کے خدشات وسوسوں سے مختلف تھی۔ وہ جابر' خودسر' ضدی' انا پرست اور اصول پرستی سے فاروق احمد تو صرف اس وقت تک تھے جب تک فاطمہ کی رپورٹ نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد تو وہ فاروق ختم ہو گیا اور اپنے بچوں کا مشفق باپ ان پچھتاوؤں کے ساتھ وہ گیا کہ اس نے اپنی اولاد کو کتنی محرومیاں دی تھیں۔ کتنی دور رکھا تھا خود سے انہوں نے آہستگی سے بریف کیس نیچے رکھا۔

"نبیل!" ان کی بھاری آواز نے تھمے ہوئے سکوت کو چیر ڈالا۔ نبیل کے ہاتھ سے کانٹا پلیٹ میں گر گیا۔ وہ میکانکی انداز میں کھڑا ہو گیا۔ باقی سب کے سانس رک سے گئے۔ مہوش نے آنکھیں بند کر لیں۔

"ج...... جی پپا!" نبیل کے حلق سے مری ہوئی آواز برآمد ہوئی۔

"کیا تم لوگوں کا باپ بہت برا ہے؟"

فاروق صاحب آہستگی سے آگے بڑھ رہے تھے۔

"جی نہیں۔ نہیں تو پپا۔" نبیل کا حلق خشک ہو گیا۔

"تو پھر سینے سے کیوں نہیں لگ جاتے۔"

انہوں نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا اور بازو پھیلا دیے۔ باقی سب کی سانسوں کی آمدورفت بحال ہو گئی۔ مہوش نے آنکھیں کھول دیں مگر نبیل ابھی بھی بے یقینی سے پپا کے پھیلے بازو دیکھ رہا تھا مگر ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو میرے بچے۔ آؤ سب آؤ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ آؤ میں تم کو اپنے دل میں چھپا لوں۔ کوئی تمہیں مجھ سے جدا نہ کر سکے۔ کوئی مجھ سے دور نہ ہو...... جدا نہ ہو...... آ جاؤ...... آؤ...... آؤ مہوش میری بچی تم بھی آؤ۔ میری خوشیو۔ جن سے میں منہ چراتا رہا۔ قدر نہ کی لیکن جب قدر ہوئی تو۔"

نبیل اور مہوش کو ایک ساتھ لگا کہ وہ بچوں کی طرح رو دیے۔ آج وہ کچھ زیادہ جذباتی ہو رہے تھے کیونکہ ڈاکٹر ظفر سے بات ہوئی تھی جن کے مطابق ہر گزرتا پل فاطمہ کو موت سے قریب کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

زندگی کی بساط پر کوئی بازی جیت جاتا ہے اور کوئی ہار جاتا ہے۔ زیب نے اپنی زندگی ماں کے قدموں میں رکھ دی تھی۔ اسے اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ اس کے ساتھ کیا کرتی ہیں۔ آسیہ بیگم کے رویہ میں اک نمایاں تبدیلی ضرور تھی مگر ان کے انداز وہی پرانے تھے۔ تحکمانہ سے۔ اس کے بعد اتنا ضرور ہوا تھا کہ وہ نسیمہ بیگم کو برابر بٹھانے لگی تھیں اور اس صورت حال سے شوکت صاحب بہت خوش تھے۔

''شوکت! منگنی میں بہت دھوم دھام سے کرنا چاہتی ہوں۔ کسی اچھے سے ہال میں۔'' آسیہ بیگم اپنے مخصوص انداز میں بولیں۔

''آسیہ بیگم! فضول ضد ہے۔'' شوکت صاحب معترض ہوئے۔

''ضد نہیں میری خوشی ہے۔ میں اپنے پہلے بیٹے کی خوشی دھوم دھام سے منانا چاہتی ہوں۔''

''اس لیے کہ اپنے بھائی بھاوج کو دکھا سکو کہ دیکھو ہم میں اتنا دم خم ہے کہ نہ صرف لڑکی تم سے چھین لی بلکہ اتنی...... ویسے آسیہ بیگم کیا یہ بات سچ ہے کہ تم صرف ظہیر بھائی کی ضد میں زیب کو بہو بنا رہی ہو۔ آج مجھے اپنے دل کی بات بتاؤ کیونکہ میرا وہم ہی نہیں' یقین ہے کہ تم محض ان کی ضد میں یہ سب کر رہی ہو اگر ایسا کر رہی ہو تو تم توہین کر رہی ہو۔ ایک نیک شریف لڑکی کی کہ پہلے تو تمہیں اس میں کوئی خوبی نظر نہیں آئی اس کی۔ الٹے سیدھے رشتے دیکھتی رہیں مگر اب بھائی سے انتقام میں بہو بنا رہی ہو۔ خدا کو حاضر ناظر جان کر دل کی بات بتاؤ۔ کیونکہ میں اپنی یتیم بھانجی کے ساتھ کوئی زیادتی برداشت نہیں کروں گا۔''

شوکت صاحب کی اتنی لمبی چوڑی بات کے بعد آسیہ بیگم نے اٹھنا چاہا مگر انہوں نے بازو سے پکڑ کر بٹھا لیا تو وہ خاموشی سے بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولیں۔

''یہ درست ہے شوکت صاحب کہ یہ رشتہ میں نے رابعہ بھابی سے انتقام کے طور پر کیا ہے لیکن خدا گواہ ہے کہ مجھے زیب دل سے پسند ہے۔ اس کی وہ خوبیاں جواب تک مجھ سے مخفی تھیں یا میں نظر انداز کرتی تھیں اب نظر آنے لگی ہیں۔ اب میں حقیقتاً خوش ہوں اور جب تک زندگی رہے گی اسے خوش رکھوں گی۔ اور شعیب کو بھی کبھی یہ جرات نہیں ہوگی کہ وہ اسے ذرا برابر بھی دکھ دے۔''

''واقعی آسیہ بیگم......'' آسیہ بیگم نے پورے خلوص کے ساتھ کہا تو شوکت صاحب نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

''سب سے بڑی گواہی کے ساتھ جھوٹ نہیں بولا جاسکتا۔ یہ بات بھی غلط نہیں کہ میں منگنی بڑی دھوم دھام کے ساتھ کرنا چاہتی ہوں تاکہ رابعہ بیگم کو جلا سکوں۔ بتا سکوں کہ ہم بھی خوشی کو اچھے طریقے سے منا سکتے ہیں۔ وہ لوگ آخر اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں۔''

آسیہ بیگم کی اس بات پر شوکت صاحب مسکرا دیے۔ کہ دوسروں سے برتر نظر آنا عورت کی فطرت ہے اور یہاں تو معاملہ انا کا تھا۔

''یہ بات ہے تو پھر آسیہ بیگم میری طرف سے اجازت ہے جس انداز میں چاہو اپنی خوشی

مناؤ۔''

آج شوکت صاحب خود کو بہت پرسکون اور خوشی محسوس کر رہے تھے۔ زندگی میں پہلی بار آسیہ بیگم نے اتنے سچے انداز میں سچی باتیں کی تھیں۔ ان کو تو اس تبدیلی کی امید ہی نہیں تھی...... وہ خدا کا شکر ادا کرتے رہتے۔ ابتدا میں تو آسیہ بیگم نے واقعی رابعہ بیگم کی چڑ میں یہ رشتہ قبول کیا تھا۔ مگر آہستہ آہستہ ان کو زیب اپنی خوبیوں...... اور اپنی شخصیت کی بناء پر دل سے اچھی لگنے لگی تھی اور سب سے بڑھ کر ان کے دل میں خوف خدا کی جو روشنی ہوئی تھی۔ اس میں ان کو حق صاف نظر آنے لگا تھا اور نسیمہ بیگم کے ساتھ ان کا رویہ اب بڑی بہنوں کا سا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے گزشتہ رویے کی بھی معذرت کر چکی تھیں۔

''ارے بھابی جان! آپ تو خواہ مخواہ شرمندہ کرتی ہیں۔ جانے دیں جو ہوا سو ہوا۔''

نسیمہ بیگم تو اس تبدیلی پر ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتیں کہ کہاں وہ کہ ان کو ملازموں کی سی حیثیت حاصل تھی کہاں اب وہ برابر بیٹھی تھیں۔

''نہیں بھئی نسیمہ! مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں نادانستگی میں۔ اب احساس ہو رہا ہے کہ کتنے گناہ کمائے ہیں اس فانی زندگی میں۔ بہر حال یہ کچھ پیسے ہیں۔ رکھ لو اپنے اور بچوں کے کپڑے بناؤ۔''

''جی۔'' آسیہ بیگم نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ ان کی طرف بڑھائے تو وہ بے یقینی سے صرف جی ہی کہہ پائیں ایک یہ وقت کہ آسیہ بیگم اتنی مہربان ہیں۔ ایک وہ وقت تھا کہ وہ بچوں کی چھوٹی چھوٹی ضروریات کے لیے بھی کہتیں تو یہ بھابی سو باتیں سناتیں۔ اور آج اللہ کی مہربانی ہوئی تو یہی بھابی ہزاروں روپے لٹا رہی تھیں۔

''ہاں اس میں اتنا حیران ہونے کی کیا بات ہے نسیمہ! میں چاہتی ہوں کہ یہ منگنی شادی کی طرح ہو۔ بہت اچھی طرح۔ اول تو ان چیزوں کی ضرورت نہیں مگر رسم دنیا بھی تو نبھانا ہوتی ہے ناں۔ میں تمہیں پیسے دوں گی تو شعیب کے لیے اپنی طرف سے انگوٹھی وغیرہ لے آنا۔ دنیا والوں کی خاطر سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔''

آسیہ بیگم کو خود شاید اس بات کا احساس نہیں تھا کہ ان کے بدلے ہوئے رویے نے کتنا بڑا انقلاب برپا کر دیا ہے۔ نسیمہ بیگم کہاں عادی تھیں ان عنایات کی۔ بے حس و حرکت جی اچھا جی بہتر کر کے رہ جاتیں۔

''اللہ پاک میں کہاں تھی اتنی عزتوں کے لائق۔ یہ سب تیرا احسان ہے مالک۔ بس زیب کو دلی سکون اور اطمینان بخش دے کہ وہ بھی ان سب خوشیوں کو دل سے قبول کرے۔''

عشاء کی نماز کے بعد نسیمہ بیگم نے خصوصی طور پر دعا مانگی زیب کے لیے۔ مگر نجانے کیا بات تھی کہ زیب کے دل کی حالت بہتر نہیں ہو پا رہی تھی جس بات کے بارے میں اس نے وہم کے طور پر بھی نہیں سوچا تھا۔

وہ حقیقت میں ہو رہی تھی۔ تمام عمر اپنی ناپسندیدہ شخصیت کے ساتھ گزارنے کا احساس اسے مارے دے رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ آسیہ بیگم کے خلوص اور محبت سے وہ دلی طور پر مطمئن ہو گئی تھی مگر شعیب کے لیے اس کا دل پھر بھی تیار نہیں ہو رہا تھا۔

''زیب......'' وہ خاموش لیٹی تھی کہ فائزہ آگئی۔

''ہوں۔ آؤ فائزہ۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''زیب! امی نے کہا ہے کہ تم میرے ساتھ چل کر شاپنگ کرلو۔ منگنی میں کم دن تو رہ گئے ہیں۔''

''فائزہ! مجھے کسی چیز کی ضرورت ہے نہ خواہش۔'' اس نے بیزاری سے کہا۔

''میں جانتی ہوں زیب! کہ جب انسان کا دل خوش نہ ہو تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا لیکن جب دوسروں ہی کے لیے جینا ہے تو ان کی خوشی کے لیے انسان کو سب کچھ کرنا پڑتا ہے اور شاید تم میری بات سے متفق نہ ہو لیکن اب امی تمہارے لیے بہت مخلص ہیں اور خلوص دل سے یہ سب کر رہی ہیں۔''

''میں جانتی ہوں فائزہ! مگر میں کیا کروں۔ میرا دل کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہتا۔''

زیب نے بے بسی سے سر تکیے پر رکھ دیا۔ فائزہ اس کا درد اپنے دل میں محسوس کرتی تھی مگر اب ہو بھی کیا سکتا تھا اور جو زیب چاہتی تھی' وہ بھی ممکن نہیں تھا۔

''دیکھو زیب! میں تمہاری دوست بھی ہوں۔ میں نے تمہاری ہر بات' ہر مشورہ مانا ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ یہ سب ہونا تو ہے ہی پھر اس طرح کرنے سے کیا حاصل۔ پھپھو بے حد خوش ہیں۔ امی ابو دل و جان سے تمہیں چاہتے ہیں اور مائنڈ نہ کرو تو کہوں کہ اب تو شعیب بھیا بھی بہت بدل گئے ہیں پہلے سے۔''

فائزہ نے ڈرتے ڈرتے کہا تو زیب نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا بولی کچھ نہیں۔

''ہیں...... ہیں...... یہ ہمارا نام کس سلسلے میں لیا جا رہا ہے۔''

شعیب بھی کہیں قریب ہی تھا۔ اپنا نام سن کر اندر آ گیا۔ زیب نے ایک نظر شعیب کو دیکھا جو بے حد خوش نظر آ رہا تھا۔ پھر وہ باہر نکل گئی تو دونوں بہن بھائی ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے مگر شعیب نے اس کی اس حرکت کو معاف نہیں کیا تھا۔ وہ وہاں سے نسیمہ بیگم کے پاس کچن میں آ گیا جو رات کا کھانا تیار کر رہی تھیں۔

''آؤ بیٹا! کچھ چاہیے۔'' نسیمہ بیگم نے چاول بھگو کر ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں پھوپھو! اور تو کچھ نہیں چاہیے لیکن جو آپ نے دیا ہے۔ میرا مطلب ہے زیب کے معاملے میں جو فیصلہ ہوا ہے۔ آپ خوش اور مطمئن ہیں؟''

شیشے میں اتارنے کا فن تو اسے خوب آتا تھا۔

''ارے میرے چاند! ایسی ویسی خوش اور مطمئن۔ ارے بیٹا! میں تو ہر وقت خدا کا شکر ادا کرتی رہتی ہوں۔''

''پھوپھو! ایک بات کہنی ہے مگر وہ ذرا۔'' وہ خوامخواہ ہی شرما گیا۔

''کہو میرے چاند! ایسی کیا بات ہے۔'' پھوپھو نثار ہوئی جا رہی تھیں۔

''وہ پھوپھو۔'' وہ پھر جھجکا کہ شاید یہی ادا ان کو بھا جائے۔

''کہو بیٹا! اس میں شرمانے کی کیا بات ہے؟''

''وہ پھوپھو! میں چاہتا ہوں کہ منگنی کی شاپنگ میں اور زیب مل کر کریں۔ وہ میری چیزیں اپنی پسند سے اور میں اس کی چیزیں اپنی پسند سے خریدوں۔''

اس نے جھجکتے ہوئے مدعا بیان کر ہی دیا۔

''ارے تو بیٹا اس میں ایسی کیا بات ہے۔ تم دونوں آپس میں کزن بھی تو ہو۔''

''تو پھر آپ زیب سے کہہ دیں۔ ہو سکتا ہے' وہ پسند نہ کرے۔ اوہ۔''

شعیب بات کر کے پلٹا تو زیب دروازے میں کھڑی تھی۔

''نہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ جب میری ماں کو یہ سب پسند ہے تو پھر مجھے بھی پسند ہے۔''

اس نے ایک شاکی سی نظر ماں پر ڈالی اور اندر آ گئی۔ اس کے لیے یہ سب ناگوار خاطر...... تھا مگر شعیب کے لیے یہ سب عین خوشی کا باعث تھا۔

''یار منیب! گاڑی کو اچھی طرح صاف کر دو۔''

وہ منیب کو گاڑی صاف کرنے کا کہہ کر خود تیار ہونے آ گیا۔ زیب پر ملکیت کے احساس نے عجیب سی خوشی بھر دی تھی۔ سفید کلف شدہ شلوار سوٹ میں وہ باہر آیا تو لیمن کلر کے سادہ کپڑوں میں ڈھیلی چوٹی پشت پر ڈالے وہ تیار کھڑی تھی۔ جانے کیوں شعیب کو بے حد خوشی ہوئی۔

''زیب! اسی طرح اگر تم میری ہو کے رہو تو دنیا جہاں کی خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈال دوں۔''

وہ جذباتی سا ہو کر اس کے قریب آ گیا مگر وہ بولے بغیر آگے بڑھی اور فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی۔ جبکہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کو اس کا قطعی دل نہیں چاہ رہا تھا مگر اسے معلوم تھا کہ اگر وہ پیچھے بیٹھ گئی تو وہ الٹی سیدھی باتیں کرے گا۔ وہ خود ہی بولتا رہا۔ وہ زیادہ تر خاموش رہی۔ یا پھر ہوں ہاں میں جواب دے رہی تھی۔

''شاپنگ تو خیر بہانا تھا زیب! میری بہت خواہش تھی کہ اس جگہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر ڈنر کروں۔''

ہوٹل میں ایک تاریک سے کونے میں بیٹھتے ہوئے اس نے زیب کو دیکھا جو اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وقت نے بھی کیسا پلٹا کھایا تھا۔ سب کچھ بدل گیا تھا۔ یہ وہ شعیب تھا کہ اپنے گھر کی روکھی سوکھی بھی چین سے نصیب نہیں ہونے دیتا تھا اور آج اتنے بڑے ہوٹل میں اس کے ساتھ کھانے کو اپنی شدید خواہش کہہ رہا تھا اف میرے خدا یہ سب کیا ہے۔

''کیا سوچ رہی ہو زیب؟'' اپنی سوچوں میں مستغرق زیب اس کی بات پر چونک گئی۔

''یہی کہ بعض لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ کسی محرومی کا کوئی دخل نہیں ہوتا ان کی زندگی میں۔ جو چاہتے ہیں پا لیتے ہیں۔'' بھیگی آواز کے کرب کو شاید شعیب محسوس نہ کر سکا۔

''ہاں' ویسے اس لحاظ سے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ جو چاہا۔ وہ پا لیا۔''

شعیب نے شوخ اور گہری نگاہوں سے زیب کو دیکھا جس کے خوبصورت چہرے پر اندرونی کرب کے سائے پھیل رہے تھے۔

''اسی لیے تو خوش نصیب کہا ہے۔'' اک آہ تھی جو زیب کے لبوں سے نکلی۔ وہ برائے نام کھا رہی تھی جبکہ شعیب بے حد خوش اور خود ہی باتیں کیے جا رہا تھا۔

''زیب!'' شعیب آج اس قرب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔

"جی!" جیسے ہی اس نے اوپر دیکھا۔ سامنے سے گزرتے ہوئے بلال پر نظر پڑ گئی جو اپنے کسی دوست کے ساتھ اندر آیا تھا۔ پہلے سے کافی کمزور اور بجھا بجھا سا لگ رہا تھا۔ زیب کے دل میں اک ٹیس سی اٹھی۔ اس نے کتنی ہی دعائیں کر ڈالیں کہ وہ اسے نہ دیکھ سکے مگر آج کل اس کی تمام دعائیں قبولیت کے بغیر لوٹائی جا رہی تھیں۔ بلال کے دوست نے ان سے ایک ٹیبل چھوڑ کر ٹیبل منتخب کر لی مگر یہ غنیمت تھا کہ وہ قدرے سائیڈ پر بیٹھا تھا۔ اگر ادھر ادھر نظر نہ گھماتا تو اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ شعیب بھی بلال کو دیکھ چکا تھا اور دانستہ طور پر خاموش رہا زیب کے خیال سے اس وقت وہ صرف اس کے قرب کے احساس کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ شعیب نے سر نیچے جھکا لیا کیونکہ ان میں ایک اس کا شناسا دوست بھی تھا۔

"یار! یہ شعیب شوکت ہی ہے ناں۔"

منصور نے تصدیق کے لیے بلال کی طرف دیکھا تو بلال نے پلٹ کر دیکھا۔ شعیب پر بعد میں نظر پڑی البتہ شعیب کے سامنے بیٹھی زیب پر نظر پڑی تو جیسے سارے بدن میں بجلی کوند گئی۔ دماغ کی رگیں تن گئیں۔ غم و غصے کی شدت سے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ جی چاہا ابھی جا کر زیب کے معصوم چہرے پر اتنی زور سے تھپڑ رسید کرے کہ وہ ختم ہو جائے۔ وہ تو یہ ہی سمجھ رہا تھا کہ زیب مظلوم ہے۔ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مرضی کے خلاف ہو رہا ہے لیکن یوں اس طرح اکیلے میں کسی ہوٹل کے تاریک سے کونے میں بیٹھ کر خوش گپیوں کے دوران کھانا کھانا تو سراسر اس کی اپنی مرضی/ اپنی منشا کے تحت ہو سکتا تھا۔ کوئی اسے زبردستی نہیں لا سکتا۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلی کرب کی تحریر پڑھے بغیر بری طرح اس سے بدظن ہو گیا۔ اس کا دل تو یہ چاہ رہا تھا۔ سب کچھ تہس نہس کر دے۔ یہ احساس اسے مارے دے رہا تھا کہ زیب اس سے جھوٹ بولتی رہی ہے۔ اس سے محبت اور شعیب سے نفرت کا ڈراما کرتی رہی ہے ورنہ اسے شعیب ہی پسند تھا۔ وہ مکمل طور پر بدگمان ہو گیا اور بمشکل تمام اس نے اپنے اندر اٹھتے طوفان کو روکا۔

"ہاں شعیب ہی ہے۔ آؤ ان کی طرف چلیں۔" وہ زیب کو ستانے کی غرض سے اٹھ کھڑا ہوا مگر منصور نے منع کر دیا۔

"رہنے دو یار! اس وقت وہ لڑکی کے ساتھ ہے۔ ڈسٹرب ہو جائے گا۔"

"وہ لڑکی کوئی غیر نہیں۔ اس کی کزن بھی ہے اور ہونے والی منگیتر بھی۔"

اتنی ناراضگی کے باوجود اسے زیب کی رسوائی گوارا نہ تھی۔ اس نے جلدی سے وضاحت کر دی۔ پھر وہ تینوں اٹھ کر شعیب کی ٹیبل پر آ گئے۔

"ہیلو شعیب!" منصور نے بڑھ کر ہاتھ آگے بڑھایا تو شعیب کو اٹھنا پڑا۔ بلال زیب کے انتہائی قریب کھڑا ہوا تھا۔ زیب کی روح فنا ہو گئی۔ یوں جیسے ابھی وہ گر پڑے گی۔

"ارے آپ اتنی خوفزدہ کیوں ہو گئیں۔ آپ کھانے کا شغل جاری رکھیے۔ میں آپ سے نوالہ چھیننے نہیں آیا۔"

شعلے برساتی نظریں/ زہر اگلتا لہجہ۔ اف میرے خدایا ابھی ضبط کی کتنی منزلیں باقی ہیں۔ اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔

☆......☆......☆

"یار علی! وہ بے حد پریشان تھی۔"

"سو اٹھتر دفعہ تم یہ ہی جملہ دہرا چکے ہو یار وہ بے حد پریشان تھی۔"

اب کی بار پھر تیمور نے کہا تو علی غصے سے اکھڑ گیا۔ چائے بناتی شانی مسکرا دی۔

"مبالغہ آرائی تو کوئی تم سے سیکھے۔ صرف تین بار کہا ہے۔"

"ارے سیکھو مجھ سے۔ احمق کچھ تو حاصل کر لو۔ اپنے قابل استاد سے سیکھو۔ بھلے حماقتیں ہی سیکھو۔ اور یہ جو تین بار ہے ناں۔ اسے سنبھال کر رکھو۔ اگر میرے مولا کو منظور ہو اور میری کوششیں رنگ لائیں اور تمہاری زندگی میں وہ دن آ گیا جب تین بار کی ضرورت پڑے تو استعمال کر لینا۔ یار شانی! قسم سے ایک دم گاؤدی ہے تمہارا بھائی۔"

وہ تیزی سے بولتا ہوا آگے بڑھا اور گرم گرم پکوڑا منہ میں رکھا۔ ساری زبان جل گئی۔

"درست بالکل درست۔ یعنی کہ آپ دونوں بہن بھائی نے قسم کھا رکھی ہے کہ اس لاوارث کو بے موت مار کر ہی دم لینا ہے۔ ویسے آپ کو قتل کرنے کے لیے کسی ہتھیار کی ضرورت بھی نہیں۔"

وہ آہستگی سے شانی کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے مسکرا دی۔ علی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پھر ڈرائنگ روم میں آ گیا۔

"احمق عاشق! یہاں بیٹھ کر محبوب کی پریشانی کے بارے میں سوچنے سے بہتر تھا کہ وہاں کرتے یوں۔" پھر وہ تیزی سے چلتا ہوا آگے بڑھا پھر مڑا۔

"ہاں یوں ہی اداکاری کرتے۔ پہلے بغور جائزہ لیتے۔ پھر ٹھنڈی آہ بھر کر کہتے۔ اری بہن! کیا بات ہے آج تو بڑی دکھی دکھائی دے رہی ہو۔"

"بکواس۔" علی نے یوں کہا کہ تیمور کو ہنسی آ گئی۔ اس نے کشن اٹھا کر اسے دے مارا۔

"خدا نہ کرے علی بھائی! بھیا! کل باجی کو بہن کیوں کہنے لگے۔"

شانی نے شاکی لہجے میں کہا تو وہ لڑاکا انداز میں کمر پر ہاتھ رکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"اگر کل آپ کے بھائی کی بہن نہیں ہو سکتی تو میں آپ کا بھائی کس طرح ہو سکتا ہوں۔ مجھے اپنا مختصر نام علی ہی پسند ہے۔ یہ بھائی کی دم مت لگایا کیجیے میرے نام کے ساتھ۔ سمجھیں کچھ کہ۔"

"آپ بہت بولتے ہیں۔" وہ اس کی گہری نظروں سے گھبرا جایا کرتی تھی۔

"جی ہاں۔ بہت بولتے ہیں۔ اتنے میں تو بولوں ناں تو یہ لڈوس والے...... کو اشاروں کی زبان سمجھنے والے سمجھ بیٹھیں۔ دونوں بہن بھائی کو۔ اپنے بھائی صاحب کا کارنامہ ملاحظہ فرمایا۔ ان سے اتنا نہیں پوچھا گیا کہ محترمہ آپ کس سلسلے میں پریشان ہیں۔" جتنی رفتار اس کی باتوں کی تھی اتنی ہی پکوڑے کھانے کی بھی تھی۔

"مستقل بکواس کیے جا رہے ہو۔ وہ اتنی پریشان تھی۔ میں کس طرح پوچھتا۔" تیمور زچ ہو کر بولا۔

"ہاں بھئی۔ کیسے پوچھتے۔ زبان تو آپ الماری کی دراز میں رکھ کر جاتے ہیں۔ اپنے بھائی صاحب سے کہیے زبان ساتھ لے کر گھر سے نکلا کریں۔ کیا خبر کس موڑ پر محبوب سے ایکسیڈنٹ ہو جائے اور کہنا پڑ جائے آئی لو یو۔"

علی نے شوخی سے شانی کو دیکھا جو اس کی باتوں پر ہنسی روکنے کے چکر میں سرخ پڑ گئی تھی۔

تیمور قالین پر نیم دراز صوفے سے ٹیک لگائے مستقل تجل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا پریشان اداس روپ نگاہوں میں ٹھہر گیا تھا۔

"ہاں بھئی اسد کیا حال ہیں۔ کیسے ہو؟"

تیمور اس وقت چونکا جب علی فون پر اسد سے بات کر رہا تھا۔ اسے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ فون اسد نے کیا تھا یا علی نے۔

"میں ٹھیک ہوں علی بھائی! آپ لوگ میری دعوت کیوں اگنور کر جاتے ہیں۔ میں آپ دونوں کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں اور آپ لوگ ہمیشہ انکار کر دیتے ہیں۔"

اسد کی آواز میں شکوہ تھا۔ علی نے گھور کر تیمور کو دیکھا۔

"ارے چھوٹے بھائی! خفا نہ ہو۔ تم نے دعوت ضرور کرنی ہے۔ ہم یوں ہی تمہارے ہاں آ جائیں گے۔"

"اچھا تو پھر آیئے ناں۔ یہ تیمور بھائی کہاں ہیں۔"

"تیمور بھائی وہاں ہیں جہاں سے خود ان کو ان کی خبر نہیں آتی۔ خیر لو بات کرو۔" علی نے ریسیور تیمور کو دے دیا۔

"تیمور بھیا! میں آپ سے ناراض ہوں۔" اسد چھوٹتے ہی بولا۔

"بری بات۔ بڑوں کی مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے۔ چلو اب وعدہ ہم ضرور آئیں گے۔"

"کسی روز نہیں۔ آپ لوگ اس جمعے کو میرے ہاں آ رہے ہیں۔"

"نہیں اسد۔"

"کوئی نہیں وہیں۔ نہیں تیمور بھیا آپ آ رہے ہیں۔"

"میری بات تو سنو اسد! میں اکیلا نہیں' میری چھوٹی بہن بھی ہے۔"

"آپ کی چھوٹی بہن کیا میری بہن نہیں آپ ان کو بھی ساتھ لایئے گا۔ بس اب میں کچھ نہیں سنوں گا۔"

پھر اس سے قبل کہ تیمور مزید کچھ کہتا' اسد نے خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"جمعہ کو ڈن کر دیا ہے اسد نے' ایک بھی نہیں سنی۔"

"یہ اسد کچھ زیادہ ہی محبت نہیں کرنے لگا ہمارے ساتھ۔"

"ہاں' اچھا تو وہ مجھے بھی لگتا ہے' بہت اچھا لڑکا ہے۔"

☆......☆......☆

"امی! جمعہ کو میرے مہمان آ رہے ہیں' کھانا اچھا ہونا چاہیے۔"

ریسیور رکھ کر اسد ماں کی طرف مڑا جو صائمہ کے ساتھ جانے کیا باتیں کر رہی تھیں۔

"پوچھ کر دعوت نہیں دی جا سکتی جمعہ کو ہمارا پروگرام ہے ظہیر انکل کے گھر جانے کا۔"

صائمہ نے اسد کو گھورا جو اس کو خاطر میں لاتا ہی نہیں تھا۔

"تو آپ لوگ جایئے گا' پہلے کون سا آپ لوگ کام کرتی ہیں' کھایا پیا اور بس۔"

"اسد! تم بدتمیزی میں حد سے گزر جاتے ہو' تمہاری بڑی بہن ہوں۔"

"اچھا! کبھی ثبوت بھی دے دیا کریں۔"

"اسد بیٹا! تم فکر نہ کرو' جیسا کہو گے' ویسے ہی تمہارے مہمانوں کا انتظام ہو جائے گا' آپس میں جھگڑا نہیں کرتے۔"

زاہدہ بیگم نے اسد کو ٹال دیا تو وہ باہر نکل گیا۔

"یہ جواد جانے کی رٹ لگائے بیٹھا ہے' مگر کچھ کہا نہیں زبان سے کہ صبا کے ساتھ کرے گا یا ہما کے ساتھ۔ ویسے میرا خیال ہے' صبا اسے پسند آ گئی ہے۔"

"خوش فہمی ہے آپ کی! کبھی اس کی پسندیدگی کے زاویے پر غور کیا ہے آپ نے' جہاں پھپھو کی کوئی بیٹی موجود ہو وہاں کسی اور لڑکی کی دال کہاں گلتی ہے۔ امی! مجھے یقین ہے کہ وہ شنذرا کو پسند کرتا ہے۔" صائمہ نے پورے وثوق کے ساتھ کہا۔

"آج تک اس نے اظہار تو نہیں کیا بلکہ اسد کی طرح لڑتا ہی رہتا ہے اس کے ساتھ۔"

اک یہ ہی تو بات تھی جو زاہدہ بیگم کو تسلی دیتی کہ جواد شنذرا سے نفرت کرتا ہے۔

"ارے میری بھولی ماں! زبان کی ڈرامابازی پر مت جائیں' آنکھوں میں دیکھیں۔ امی ویسے نہ جانے ان لڑکیوں میں ایسی کیا خاص بات ڈال دی ہے اللہ تعالیٰ نے کہ مرد کو تو چپ چاپ مٹھی میں کر لیتی ہیں خیر چلو! زیب کو تو خوب سزا مل گئی۔ خاندان بھر کا سب سے خوبرو اور قابل بندہ بلال سنبھال بیٹھی تھی اب روئے گی تمام عمر شعیب جیسے اڑیل گھوڑے کے ساتھ' قسم سے مزا آ گیا ہے' واہ آسیہ تائی جواب نہیں آپ کی سیاست کا۔"

صائمہ خوشی سے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے بولی۔ بلال اور زیب کی محبت سے جتنی جلن ہوئی تھی' اتنا ہی ان کی عمر بھر کی جدائی سے سکون مل گیا تھا۔ بلال اس کا نہ ہو سکا' یہ دکھ ضرور تھا' مگر یہ بھی تو اطمینان تھا کہ وہ زیب کا بھی نہیں ہو سکا۔

"لڑکی! تمہیں زیب اور بلال کی پڑی ہے۔ میں جواد کے بارے میں فکرمند ہوں۔ کمبخت کچھ پھوٹتا ہی نہیں منہ سے۔" زاہدہ [illegible] ہو کر بولیں۔

"امی! اسے خاموش ہی رہنے دیں تو بہتر ہے۔ میری بات مان لیں آپ۔ وہ شنذرا کو پسند کرتا ہے۔ یوں بھی آپ خود سوچئے کہ عداوت ایک طرف مگر شنذرا ہے بھی تو بہت خوبصورت اور سب سے بڑھ کر وہ مظلومیت کا خول چڑھائے رکھتی ہے۔ مرد ایسی ہی لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں۔"

کچھ بھی تھا' صائمہ ماحول کو سمجھتی تھی' پڑھی لکھی تھی۔ یونیورسٹی نے اسے بہت کچھ سکھایا تھا۔

"ارے ایسا ہوا تو تیزاب پھینک کر سارا حسن ملیامیٹ کر دوں گی اس نسیمہ کی بیٹی کا۔ میرا نام بھی زاہدہ ہے اور اس جواد کو تو ایسا ذلیل کر کے نکالوں گی کہ یاد کرے گا۔ کمبخت کے ہر وقت نخرے ہم اٹھائیں اور پسند وہ اس کلموہی کو......"

نفرت اور غصہ سے زاہدہ بیگم نے چھالیہ زور سے چبائی' گویا شنذرا دانتوں کے تلے ہو۔

"وہ کلموہی ہی تو نہیں امی جان! یہ ہی تو ساری بات ہے۔ خیر اب اتنا اثر لینے کی بھی ضرورت نہیں۔ دیکھا جائے گا جو ہو گا۔"

صائمہ' ماں سے زیادہ ہوشیار تھی۔ وہ آنے والے وقت کے بارے میں سوچ کر رکھتی تھی۔

صائمہ یا زاہدہ بیگم کیا سوچ رہی ہیں' کیا فیصلے کر رہی ہیں' ان سب سے شنذرا کو کوئی غرض نہ تھی۔ اسے تو بس یہ ہی دکھ تھا کہ وقت نے ان کو کتنا حقیر کر دیا تھا کہ وہ ہر کسی کے سامنے ذلیل ہوتے تھے۔

زیب اور شعیب کے رشتے نے اسے مزید توڑ دیا تھا۔ وہ بہن کے درد کو دل میں محسوس کرتی۔ اوپر سے نئی آفت فرخ کا وہ مہربان دوست تھا' جس کے بارے میں اس کا پہلے خیال تھا کہ وہ کوئی فرشتہ صفت انسان ہے' مگر جب سے اس نے اسے گفٹ بھیجا تھا۔ ان دیکھی نفرت ہو گئی تھی اس سے۔ جی میں تو آتا کہ اس سے ملے اور خوب ذلیل کرے کہ تم فرخ کی اسی لیے مدد کیا کرتے تھے کہ اس کی بہن کو ٹریپ کر سکو' مگر یہ ہی تو مجبوری تھی کہ وہ کہیں بھی اپنے جارحانہ رویہ کا مظاہرہ نہیں کر سکتی تھی۔ اوپر سے اسد کی بدتمیزیاں' طنزیہ باتیں۔

"یہ دنیا ہے ہی بری کوئی بھی قابل اعتماد نہیں' نفرت ہے مجھے سب سے۔"

شنذرا نے وہ کتاب جو گفٹ میں آئی تھی...... غصے میں اٹھا کر پھینکی۔

"بری بات' ارے بھئی اس میں نہیں ہے تو کسی دوسری کتاب میں رکھا ہو گا اس نے محبت نامہ۔"

اسد نے کتاب کیچ کرتے ہوئے دل جلانے والے انداز میں کہا تو وہ خونخوار انداز میں مڑی۔

"تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ میں تمہاری کسی بات کا جواب دوں اور تمہیں شرم آنی چاہیے میرے کمرے میں بغیر دستک کے آتے ہوئے۔"

زہر خند لہجے میں اس نے شعلے برساتی نظروں سے اسد کو دیکھا' جو دل جلانے والی مسکراہٹ لیے اس کے قریب چلا آیا۔

"اطلاعاً عرض ہے کہ یہ میرا گھر ہے' میں جب چاہوں' جس کمرے میں چاہوں جا سکتا ہوں۔"

وہ لفظ چبا چبا کر اس کے غصے سے سرخ چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے مرو۔" وہ تیزی سے اٹھی اور باہر جانے لگی' مگر اسد نے بازو پھیلا کر اس کا راستہ روک لیا۔ اور گہری نگاہوں سے بغور اسے دیکھتا رہا۔ غصے سے شنذرا کی سانس پھول رہی تھی۔ جی تو چاہ رہا تھا' اس کے منہ پر تھپڑ دے مارے' مگر بمشکل ضبط کر پائی تھی۔

"ویسے وہ تمہیں چاہتا بہت ہے۔"

اسد کو بھی جلتی پر تیل ڈال کر مزا آتا تھا۔

"مر جاؤ تم بھی اور وہ بھی۔" غصے کی انتہائی بلندی پر پہنچ کر وہ یہ ہی بددعا دیا کرتی' جس سے وقتی طور پر بڑی تسکین ملتی تھی۔

"اچھا! فرض کرو' ہم دونوں مر جائیں تو زیادہ دکھ کس کے مرنے کا ہو گا؟"

وہ شوخ مسکراہٹ کے ساتھ اس کی شعلہ بار آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"دونوں کے مرنے پر گھی کے چراغ جلاؤں گی۔"

اس نے ایک جھٹکے سے اس کا تنا ہوا بازو پیچھے کیا اور باہر کی طرف بڑھی۔

"گھی کے لیے پیسے تو ہم ہی سے لو گی ناں بھکارن۔"

اسد بھی جب تنگ کرنے پر آتا تو کرتا چلا جاتا۔ وہ ضبط کرتی لاؤنج میں آ گئی۔

جواد نے کتاب کی اوٹ سے دیکھا' اس کے خوبصورت چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔

"کاش! میں تمہیں اس وقت اس دکھ بھرے ماحول سے نکال کر کہیں دور لے جاؤں۔ شنذرا جہاں...... تم خوش رہو' ہنسو' مسکراؤ' میری ہو جاؤ۔"

جواد لاکھ مغربی ماحول کا پروردہ سہی' مگر شنذرا کے رویے میں ایسی سختی اور چہرے پر نو لفٹ کا بورڈ چسپاں تھا کہ وہ...... یہ باتیں سوچ تو سکتا تھا' اس سے کہہ نہیں سکتا تھا۔

شنذرا اس کی پہلی پسند...... اور چاہت تھی' وہ جس ماحول سے آیا تھا' وہاں لڑکیوں کی کمی نہیں تھی' مگر شنذرا جیسی مضبوط اور گھر بنانے والی لڑکیاں نہیں تھیں۔ اسے تو یہاں آ کر بھی مایوسی ہی ہوئی تھی' اگر شنذرا نہ ہوتی تو وہ کب کا واپس جا چکا ہوتا۔ شنذرا غصے میں تو گئی تھی۔ یہاں جواد کو دیکھا تو واپس مڑنے لگی۔

"شنذرا!" وہ جواد کی آواز پر رک گئی۔

"جی!" وہ اس کی طرف مڑی۔

جب سے جواد نے اپنے رویے کی وضاحت کی تھی' وہ بڑی تمیز اور نرمی کے ساتھ پیش آتی۔

"وہ دراصل......!" جواد نے روک تو لیا تھا' مگر اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جو وہ کہنا چاہتا ہے وہ کس انداز سے' کن الفاظ میں کہے' نہ جانے اس کا ردعمل کیا ہو۔

"آپ کو کچھ چاہیے جواد صاحب؟"

اسے خاموش اور تذبذب میں دیکھ کر شنذرا نے خود ہی پوچھا۔

عین اسی وقت اسد دروازے سے برآمد ہوا۔ اس نے تیز نظروں سے شنذرا کو دیکھا۔ وہ جواد کی نظروں کو بھی پڑھ چکا تھا۔ اسے شدید تاؤ آ گیا۔ نہ جانے کیوں...... حالانکہ وہ جانتا تھا کہ شنذرا کیسی ہے۔

"امی نے غالباً تمہیں بتا دیا ہو گا کہ جمعہ کو میرے بہت خاص مہمان آ رہے ہیں۔"

اس کی توپ کا رخ سیدھا شنذرا کی طرف تھا۔

"جمعہ میں ابھی پورے پانچ دن باقی ہیں اور پانچ دن کا پکا ہوا کھانا یقیناً آپ کے مہمان کھانا پسند نہیں کریں گے۔"

وہ اسے لاجواب کرتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

☆......☆......☆

"اسد! میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

جواد نے یہ فیصلہ' کہ اسد سے بات کی جائے' اچانک ہی سوچے بغیر ہی کر ڈالا تھا۔ اسد کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر اس کے مقابل صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کہو۔"

"یہاں نہیں ہم کہیں باہر چل کر بات کرتے ہیں۔"

"چلو جیسے تمہاری مرضی۔"

جواد اسد کو خاص پسند نہیں تھا' اسی لیے اس کا رویہ ہمیشہ اس کے ساتھ سرد سا رہا تھا۔

وہ دونوں ہوٹل میں ایک کونے میں بیٹھے تھے۔ دونوں ہی جز بز ہو رہے تھے۔ جواد اس بات کے لیے پریشان تھا کہ اپنی بات کس طرح کہے اور اسد اس لیے کہ نہ جانے کیا کہنے جا رہا ہے یہ جواد۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا اسد! کہ میں کس طرح بات کروں۔ براہ راست بات کروں تو یہ کہ......''

''تم جو کہنا چاہتے ہو بے خوف کہہ ڈالو۔''

جواد جھجک کر رک گیا تو اسد نے اسے سہارا دیا۔

''اسد! اسد میں شذرا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

جواد نے جلدی سے کہہ ڈالا تو جوس کا گلاس اسد کے ہاتھ میں لرز گیا۔ حالانکہ اسے کچھ کچھ اندازہ تھا کہ وہ ایسی بات کرے گا' مگر جب اس نے کہہ ڈالی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے جواد نے اسے قتل کی دھمکی دے دی ہو۔ اس کے اندر تک سناٹے اتر گئے۔ جی میں تو یہ آیا کہ یہ گلاس ہی جواد کے سر پہ دے مارے اور کہے کہ تمہیں جرأت کیسے ہوئی شذرا کا نام لینے کی' مگر بہرحال وہ مرد تھا' اسے ضبط کرنا تھا کیونکہ جواد نے اس سے بات کر کے اسے اہم حیثیت دی تھی۔ کچھ بھی تھا' لیکن چند لمحوں کے اس عرصے میں اسے اس بات کا شدت سے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ شذرا کو کس شدت سے چاہتا ہے۔ کوئی دوسرا اسے اپنانے کی بات کرے گا تو وہ اس کا دشمن ہو گا۔

''اسد! میری اس خواہش کے پس منظر میں صرف میرا خلوص اور چاہت ہے' کیونکہ شذرا میرا آئیڈیل ہے اور......''

''یہ بات تو بعد میں ہو گی' لیکن کیا تم یہ بات بتانا پسند کرو گے' اب تک تم میری بہنوں کو کیوں فول بناتے رہے ہو۔'' اتنی بڑی بات کہہ دینے کے جواب میں اسی انداز میں غصہ اتر سکتا تھا۔

''نہیں پلیز! مجھے غلط نہ سمجھو اسد! تمہاری بہنیں میری کزنز ہیں' میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ میں نے خود سے ان سے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔ میں نے کبھی کوئی غلط بات کی ہو تو کہیں میرے لیے یہ بات تکلیف کا باعث تھی کہ آنٹی نے ان کو میری خاطر اپنا آپ بدلنے پر مجبور کر دیا۔ وہ معصوم لڑکیاں ہیں' مگر مجھے تو مضبوط لڑکیاں پسند ہیں' جو دوسروں کی پسند کی خاطر اپنی شخصیت کو نہ بدلیں۔ اور یہ تمام خصوصیات شذرا میں ہیں کہ وہ اپنے کردار کی مضبوطی سے دوسروں کو تو بدل سکتی ہے' مگر خود کو نہیں بدل سکتی' میں خلوص دل سے اسے پسند کرتا ہوں اور اپنانا چاہتا ہوں۔''

☆......☆......☆

بعض لوگوں کو اظہار کی قدرت ہوتی ہے اور وہ ایسے انداز سے اظہار کر جاتے ہیں کہ اپنی بات بھی کہہ جاتے ہیں اور کسی کو برا بھی نہیں محسوس ہوتا اور آج جواد کی گفتگو سے اس کی اس خوبی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ جواد کے بارے میں اسد کو شروع سے اندازہ تھا کہ یہ جو ظاہر کرتا ہے' وہ ہے نہیں' لیکن شذرا کے معاملے میں اس کا رویہ اتنے دوہرے پن کا شکار رہا تھا کہ اسے اندازہ ہی نہ ہوا کہ وہ ناپسندیدگی کے پردے میں شذرا کو پسند کر رہا ہے اور اس حد تک کہ اسے اپنانے کا فیصلہ کر چکا ہے۔

''کیا سوچ رہے ہو اسد؟'' جواد نے اسے مخاطب کیا تو وہ چونک گیا۔

''ہوں...... کچھ نہیں۔''

اسد اٹھ کر کھڑکی کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ شذرا کسی اور کے لیے بھی اتنی اہم ہو سکتی ہے کہ وہ اسے جیون ساتھی بنانے کی خواہش کر بیٹھے۔ اس نے تو شذرا کو اپنی ملکیت سمجھا ہوا تھا جب تک جی چاہے گا۔ تنگ کرے گا۔ نفرت کا اظہار کرے گا اور جب دل چاہے گا محبت سے اپنا لے گا مگر اسے کیا خبر تھی کہ خود اختیاری کے اس سفر میں ایسا موڑ بھی آئے گا کہ کوئی اس سے یہ اختیار چھیننا چاہے گا۔ اور ستم یہ کہ اس سے ہی شذرا کا ہاتھ طلب کرے گا۔

''اسد۔'' جواد نے بھی اٹھ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو وہ بے ساختہ چونک پڑا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے جواد کو دیکھتا رہا۔

''اچھا تو کیا اس سلسلے میں تمہاری شذرا سے بات ہوئی ہے۔'' وہ مڑے بغیر بھاری آواز میں بولا۔

''شذرا ایسی آسان لڑکی نہیں ہے اسد! کہ جب دل چاہا۔ دل کی بات کہہ دی۔ وہ تو ایسی مضبوط لڑکی ہے کہ اس سے بات کرنے سے پہلے بار بار سوچنا پڑتا ہے اور آج جبکہ میں نے دل کی بات تمہارے سامنے کھول ہی دی ہے تو تمہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ شذرا مجھے پہلی ہی نظر میں پسند آ گئی تھی۔''

جواد اپنی ترنگ میں بولے جا رہا تھا۔

''لیکن اس بات کا اظہار تو تم نے کبھی نہیں کیا بلکہ یہی پوز کیا کہ وہ تمہیں پسند نہیں۔''

اسد نے کہا تو جواد کچھ دیر کے لیے چپ ہو گیا۔

''دیکھو اسد! میں یہاں مہمان کی حیثیت سے آیا ہوں۔ میں نے یہ بات آتے ہی محسوس کر لی تھی کہ شذرا کی اس گھر میں کیا حیثیت ہے۔ چنانچہ میں نے مصلحتاً اس سے وہی رویہ اختیار کر لیا جو اس کے ساتھ گھر کے دوسرے لوگوں کا تھا۔ مجھے علم ہو گیا تھا کہ اگر میں نے شذرا کے لیے اپنی پسندیدگی کا اظہار

کردیا تو اس کا سانس لینا مشکل ہو جائے گا۔ کیونکہ زاہدہ آنٹی اور صائمہ باجی تو اس کے بے حد خلاف ہیں۔ مجھے اپنے رویے پر تو اختیار تھا مگر دل پر نہیں۔ جس میں شذرا پہلی ہی نظر میں آن بسی تھی اس لیے۔"

"اس لیے تم دل میں تو کسی اور کو بسا بیٹھے اور صبا کو۔"

اسد نے پھر زہر خند لہجے میں کہا تو جواد کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔

"اسد پلیز! میں تمہاری اس بات کی وضاحت کر چکا ہوں۔ صبا اور ہما میرے لیے بہت محترم ہیں۔ میں نے کبھی ان سے ایسی بات نہیں کی حالانکہ میں جانتا ہوں۔ آنٹی نے میری خاطر ان کی شخصیت تک بدل کر رکھ دی اور خود وہ دونوں۔ اب میں کیا کہوں۔"

جواد کی نظروں میں بہت سے منظر گھوم گئے۔ جب صبا اور ہما اس کی خاطر کیا کچھ کر گزرنے کو تیار تھیں۔

"اچھا خیر، یہ بتاؤ کہ تم نے شذرا کو بتایا کہ تمہارا وہ رویہ ڈھونگ تھا اور حقیقت اس کے برعکس ہے۔"

اسد کو خود بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ جب ساری صورت حال واضح تھی تو پھر اسے صبا اور ہما کا نام نہیں لینا چاہیے تھا۔ اپنی ماں اور بہنوں کی کمزوریوں سے خود آگاہ تھا۔

"ہاں! اس سلسلے میں میری اس سے بات ہو چکی ہے۔"

"پھر؟" اسد کا خیال تھا کہ بدمزاج اکھڑ شذرا نے اسے خوب سنائی ہوں گی۔

"وہ بہت ذہین اور معاملہ فہم لڑکی ہے اسد! باوجود اس کے کہ میرے رویے کی وجہ سے وہ مجھ سے بہت خائف تھی مگر اس نے جب میری پوری بات کو سنا اور سمجھا تو مطمئن ہو گئی۔ بس اس کی یہی خوبیاں تو ہیں کہ میں سمجھتا ہوں کہ ہر لڑکی کو شذرا کی طرح مضبوط اور ذہین ہونا چاہیے۔ اپنی جگہ پر جمی ہوئی چٹان' نہ کہ لڑھک جانے والا پتھر۔ اب تو میں خود کو اس کے بغیر ادھورا تصور کرتا ہوں۔ اس سلسلے میں تم ہی مجھے سب سے موزوں لگے۔ اس لیے میں نے دل کھول کر رکھ دیا ہے تمہارے سامنے۔ تم اس سلسلے میں میری مدد کرو پلیز۔"

وہ اختیار کی کس منزل پر کھڑا تھا کہ طالب نے اس کا سب کچھ مانگ لیا تھا۔ خدایا میں کہاں اس قابل ہوں کہ کسی کو کچھ دے سکوں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے مالک۔ جواد واقعی اچھا لڑکا ہے۔ اگر شذرا کی اس میں مرضی ہوئی تو وہ قطعی طور پر دونوں کے درمیان میں نہیں آئے گا۔ اور جو اس سے ہو سکا' کرے گا۔

اس نے اپنی تمناؤں کے ڈوبتے سورج کی کرنوں پر آخری نگاہ ڈالتے ہوئے فیصلہ کر ڈالا۔

"ٹھیک ہے جواد! جیسا کہ تم تمام حالات سے واقف ہو۔ ابھی کوئی الحال خبر نہ ہونے دینا۔ سب سے پہلے تم شذرا سے بات کرلو۔ اگر وہ بھی تیار ہو تو۔"

وہ کچھ دیر کے لیے رکا اور پھر واپسی کے لیے مڑنے لگا۔

"میں انشاء اللہ ہر طرح سے تمہاری مدد کروں گا۔"

وہ تیزی سے باہر آ گیا۔ گھر آئے تو دروازہ شذرا ہی نے کھولا۔ سرخ پھولدار شرٹ اور پلین شلوار دوپٹے میں خوبصورت سراپا لیے۔ بیک وقت محبت اور نفرت کا اظہار کرتی نظروں کے زیر اثر تھی۔ مگر

اسے دونوں میں سے کسی کی پروا نہیں تھی۔ نہ محبت بھری نظروں کی اور نہ نفرت کی۔

"فرخ کی ٹانگیں ٹوٹ گئی تھیں۔ دروازہ کھولنے نہیں آ سکتا تھا۔"

آج جواد نے جو باتیں کی تھیں۔ اس کے بعد اس کا یوں شعلہ بار ہونا۔ کوئی انہونی بات نہیں تھی۔

"ٹانگیں ٹوٹیں فرخ کے دشمنوں کی۔ خدا نہ کرے جو فرخ کو کچھ ہو۔ وہ پڑھ رہا تھا۔"

وہ بھی شذرا تھی جس نے کبھی اپنی خودداری کو مظلومیت کی چادر میں نہیں چھپایا تھا۔

"ہونہہ! پڑھ رہا تھا۔ پڑھ کر جیسے کمشنر ہی تو لگ جائے گا۔"

"انشاء اللہ۔" شذرا نے خلوص سے انشاء اللہ کہا۔ تو اسد نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا اور غصے سے آگے بڑھ گیا۔ سامنے رکھے سائیڈ ٹیبل کو زور سے ٹھوکر لگی تو۔ جھٹکے سے ٹیبل پر رکھا نازک سا کانچ کا ڈیکوریشن پیس چھن سے گر کر چور چور ہو گیا۔ اسے تو پروا نہیں تھی۔ غصے میں دندناتا ہوا آگے بڑھ گیا مگر شذرا کو جہاں یہ نازک سا خوبصورت سا پیس ٹوٹ جانے کا افسوس ہوا تھا وہاں اپنی شامت بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ صائمہ جو یہ پیس لائی تھی۔ اسے کسی صورت معاف کرنے والی تھی اور نہ ہی اس بات پر اعتبار کرنے والی کہ یہ حرکت اسد نے کی ہے۔ دل میں اک ملال سا لیے وہ کرچیاں چننے بیٹھ گئی۔

"کتنا خوبصورت اور قیمتی تھا مگر۔" وہ ایک ہاتھ سے کرچیاں اٹھا اٹھا کر دوسرے ہاتھ پر رکھتے ہوئے آہستگی سے گویا خود سے بولی۔

"یہ کتنا ہی خوبصورت اور قیمتی تھا مگر ان ہاتھوں سے زیادہ تو نہیں۔"

اس سارے منظر میں گویا جواد ایک تماشائی کی حیثیت رکھتا تھا۔ جانے کب بے خودی میں شذرا کے قریب بیٹھ گیا اور اس کی سفید نرم ہتھیلی اس کے مضبوط ہاتھ میں آ گئی۔ شذرا کو اس کی یہ حرکت اچھی نہیں لگی۔ مگر اب وہ اس سے بدتمیزی سے پیش نہیں آتی تھی۔

"جواد صاحب! آپ ان ہاتھوں اور ہاتھوں والی کی بے وقعتی کو اچھی طرح جانتے ہیں پھر بھی۔ پلیز آپ یہاں سے چلے جائیے۔ آپ کو معلوم ہے بے بنیاد افسانے گھڑنا اس گھر کی روایات میں شامل ہے۔"

شذرا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کیا تو ایک کرچی اس کی نرم ہتھیلی میں پیوست ہو کر ہاتھ سرخ کر گئی۔ جواد پریشان ہو گیا۔ اس نے جھٹ جیب سے رومال نکال کر اس کے زخم پر رکھ دیا۔

"شذرا! ان بے بنیاد افسانوں کو حقیقت کا روپ دے کر محبت اور خلوص کی مضبوط بنیادوں پر سچائی کا ایک خوبصورت گھر تو تعمیر کیا جا سکتا ہے۔ شذرا...... اگر۔"

اس کے ہاتھ پر رومال باندھتے ہوئے بڑے خوبصورت پیرائے میں وہ اپنے دل کی بات کہہ گیا۔ مگر شذرا۔ اس وقت ایک تو درد میں مبتلا تھی اور دوسرے اس خیال سے خوفزدہ کہ کوئی آ گیا تو کیا سوچے گا۔ ہاتھ چھڑا کر کھڑی ہو گئی اور باہر نکل گئی۔ پنجوں کے بل پر بیٹھا جواد صرف اس کی پشت پر لہراتی چوٹی کو دیکھتا رہ گیا۔ اس کے چہرے سے کچھ بھی تو نہیں پڑھا گیا تھا سوائے اجنبیت کے۔

"تمہیں کیا پتا شذرا! میرے دل میں تمہاری کیا وقعت ہے۔ تم تو میری کتاب ہستی کا عنوان بن گئی ہو۔ پھر بھی اتنی اجنبی ہو کہ۔"

وہ نارسائی کے احساس کے ساتھ اس کے نازک ہاتھ کے لمس کو محسوس کرتا ہوا اٹھ گیا۔ اپنی اپنی راہ لینے والے شنذرا اور جواد نہیں جانتے تھے کہ یہ سارا منظر صائمہ دیکھ چکی ہے۔

"ارے تو اسی وقت اس کی چوٹی کیوں نہیں پکڑی جا کر۔"

زاہدہ بیگم کو تو پتنگے لگ گئے تھے۔ یہ سن کر ہی۔ وہ تو اس وقت کو پچھتا رہی تھیں کہ کاش وہ وہاں ہوتیں تو رنگے ہاتھوں دونوں کو پکڑ کر سیدھا کر دیتیں۔

"اور آپ کا یہ چپ گھنا جواد بڑی وارفتہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے ہاتھ پر رومال باندھ رہا تھا۔ ارے میری ماں! میں نے پہلے روز ہی نہ کہا تھا کہ جہاں پھوپھو کی کوئی لڑکی موجود ہو۔ وہاں اور کسی کی دال گل جائے ناممکن۔ اوپر سے کیسی معصوم اور پارسا لگتی ہیں مگر اندر سے پوری ہیں سب کی سب۔ منحوس کہیں کی۔ اتنا اچھا ڈیکوریشن پیس چکنا چور کر ڈالا۔ میں تو اسے ہرگز معاف نہیں کروں گی۔"

"تم پیس کو رو رہی ہو۔ ارے میرے تو تن بدن میں آگ لگی ہوئی ہے۔ اس نامراد جواد کو دیکھو۔ میں کیا سوچے بیٹھی ہوں اور وہ کس طرف چل نکلا ہے۔ یہ تو وہی حساب ہو گیا کہ سانپ کو خود ہی دودھ پلا کر پالا تاکہ وہ ڈنک مارے۔ ارے اس سے پہلے میں سانپ کا سر ہی کچل دوں گی۔"

"امی میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ان لڑکیوں میں ایسی خاص بات کیا ہے کہ......"

"اس میں آپ کی بھی غلطی ہے امی۔ کیا ضرورت تھی صبا اور ہما کو جواد کیلئے وقف کرنے کی۔ دیکھا بے وقوف ان دونوں کو بتاتا رہا اور ہاتھ تھامے وہ شنذرا سے محبت جتا رہا تھا۔"

"لڑکی! تم دیکھتی رہو۔ اس کا ہاتھ ہی نہ توڑ ڈالا تو کہنا۔ میری بیٹیوں کا حق مارنے والی کو ایسا سبق سکھاؤں گی کہ عمر بھر یاد رکھیں ماں بیٹیاں۔"

وہ جلتی بھنتی شنذرا کے کمرے میں آئیں۔

"کمینی بدذات! میں کہتی ہوں نکل جاؤ میرے گھر سے۔ ارے شرم نہیں آئی اس غیر مرد کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے پیار و محبت کی باتیں کرتے۔"

وہ غصے سے پاگل ہی تو ہو رہی تھیں۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ اس کی چوٹی کو اپنی نفرت کی گرفت میں لے کر اس زور سے کھینچا کہ وہ درد سے بلبلا اٹھی۔

"مامی! کیا ہوا ہے؟" وہ اس ناگہانی آفت کی وجہ جان نہ پائی۔

"ہاں کیا ہوا ہے۔ معصوم پری تو دیکھو جیسی ماں ویسی بیٹیاں۔ ارے ساری جوانی اس نے گھر بھر کے مردوں کو دیوانہ بنائے رکھا۔ ظہیر بھائی تو آج تک اس کے عشق میں مبتلا ہیں۔ رابعہ بھابی نے جانے کیسے زندگی گزار دی۔ اور اب...... اب بیٹیاں بھی ماں کے نقش قدم پر چل رہی ہیں۔ زیب نے بلال کو پھانسنے کی کوشش کی اور تم...... تم نے میری بیٹیوں کا حق مارنا چاہا۔ ارے خاک میں ملا دوں گی تیرا یہ حسین چہرا جس پر جواد مرتا ہے۔"

"مامی...... مامی میری بات تو سنیے۔"

غصہ نفرت اور انتقام جب یکجا ہو جائے تو زاہدہ بیگم جیسا وحشی ہو جاتا ہے انسان۔ صائمہ نے جو منظر دیکھا تھا۔ اس کی تصویر کشی کچھ اس طرح کی تھی کہ زاہدہ بیگم غصے میں پاگل ہو گئیں۔ کئی تھپڑوں نے اس کے حواس گم کر دیے۔ ہنگامہ سن کر جواد جلدی سے اپنے کمرے سے نکلا مگر جو منظر تھا۔ اس نے اس

کے قدم وہیں روک دیے۔ زاہدہ بیگم کے منہ سے غصے سے جھاگ نکل رہے تھے۔ ایک ہاتھ سے انہوں نے شنذرا کی چوٹی پکڑ رکھی تھی اور دوسرے سے تھپڑ مار رہی تھیں۔

"امی! یہ تو بات ظاہر ہو گئی۔ درپردہ جانے کیا کچھ ہوتا ہے۔ جواد صاحب کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھائی جاتی ہیں۔ ملاقاتیں ہوتی ہیں۔ اس ذلیل سے پوچھئے کہ اس کے عشق میں اتنی غرق ہو کر کام کرتی ہے کہ اتنا قیمتی ڈیکوریشن پیس توڑ دیا پھر فلمی انداز میں جواد کے ساتھ مل کر کرچیاں اٹھائی گئیں۔ میں سب سمجھتی ہوں اس کی ڈرامے بازی۔"

صائمہ نے بھی نفرت سے اس کے رخسار پر چٹکی بھر لی۔ اتنے زور سے کہ شنذرا کی چیخ نکل گئی۔ جواد نے آنکھیں بند کر لیں۔

اف میرے خدایا! کس قدر جلاد ہیں یہ ماں بیٹی۔ شنذرا! میں تمہیں ان ظالموں کے پاس نہیں رہنے دوں گا۔

جواد کے دل پر چوٹ پڑی تھی شنذرا کی حالت دیکھ کر۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسی وقت زاہدہ بیگم کا ہاتھ روک دیتا اور صائمہ کے منہ پر اس زور سے تھپڑ رسید کرتا کہ بھول جاتی سب کچھ۔ مگر وہ فی الوقت شنذرا سے ہمدردی کر کے اس پر لگائے الزامات کی تصدیق کرنا نہیں چاہتا تھا۔ سو خاموشی سے پلٹ آیا۔

"کیوں! بہت پسند ہے ناں تمہیں جواد؟ شادی کروا دوں۔"

صائمہ انتہائی عامیانہ انداز میں بولی تو شنذرا کی برداشت جواب دے گئی۔

"میں...... میں لعنت بھیجتی ہوں تم سب پر۔ اور جواد پر اور خبردار جو کسی نے میری ماں کا نام لیا ہو تو۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنی چوٹی زاہدہ بیگم کی جنونی گرفت سے آزاد کرائی۔

"ہاں بھئی ہم تمہاری ماں کا نام کیوں لینے لگے۔ تمہاری ماں تو بہت پارسا ہے ناں۔ جیسی ماں پارسا ہے ویسی بیٹی پارسا۔ زبان کتنی چلتی ہے بدذات ہے۔"

"ہاں میری ماں پارسا ہے اور میں بھی ہوں۔ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے سے پہلے اپنی بیٹیوں کو بھی دیکھ لیں۔ ان سب کی پارسائی بھی میں جانتی ہوں۔"

"چٹاخ۔" ایک اور زوردار تھپڑ اس کا رخسار جھلسا گیا۔

"بدزبان۔ میری بیٹیوں کا نام لیتی ہے۔ تیری زبان کھینچ لوں گی۔ کل ہی چھوڑ کر آؤں گی تیری ماں کے پاس۔ جس کی ڈھیل نے تم لوگوں کو اتنی جرأت دی ہے اور سارے خاندان میں بتاؤں گی کہ تیرے کیا لچھن اور کرتوت ہیں۔"

"جائیں اور بتائیں۔ میں بھی بے زبان نہیں ہوں۔"

شنذرا شروع ہی سے نڈر تھی۔ دباؤ میں کم ہی آیا کرتی۔ وہ تو ماں کی وجہ سے خاموش ہو جایا کرتی تھی۔ مگر آج تو برداشت کی حد ختم ہو گئی تھی۔

"تیری زبان نہ کاٹ دوں گی میں۔ خبردار جو آئندہ جواد سے بات کی ہو تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔ جواد تمہارا ہو جائے۔ یہ تو میں نہیں ہونے دوں گی اور اب اگر میں نے تمہیں اس کے قریب یا بات کرتے دیکھ لیا تو سمجھ لینا کہ۔"

"ہاں...... ہاں کروں گی میں جواد سے بات۔ وہ ایک شریف آدمی ہے





گیا ہے وہ یہاں آ کر۔ میں اس کی دل سے عزت کرتی ہوں۔ اور......!"

"اور...... اور محبت بھی کرتی ہوں۔ یہ بھی تو کہو۔"

صائمہ نے انتہائی زہریلے لہجے میں کہا۔ یہ ہی جملہ جس نے اسد کے تن بدن میں آگ بھر دی تھی۔ جواد نے سن لیا جو ادھر ادھر گھوم پھر کر ادھر ہی آ نکلا تھا کہ شنزرا کے الفاظ پگھلا ہوا سیسہ بن کر سماعتوں کو ناکارہ کر گئے۔ اندر تک سرد لہر اتر گئی۔

"دیکھا...... دیکھا...... یہ تھا سب کچھ...... خود ہی قبول لیا مہارانی نے۔ ارے تیری تو ہوا بھی لگنے نہیں دوں گی اسے۔ ہائے میری بیٹی کا حق مارنے والی۔ میں تجھے جان سے مار دوں گی۔ ختم کر دوں گی۔"

شنزرا کے اس جملے نے زاہدہ بیگم کو مزید پاگل کر دیا۔ انہوں نے شنزرا کا گلا دبانا شروع کر دیا۔

"امی یہ مر جائے گی۔ کیا وحشیانہ پن ہے یہ۔"

اسد بڑھ کر ماں کو نہ روکتا تو۔ تو آج شنزرا ان کے انتقام کی نذر ہو جاتی۔ اسد نے ان کو جھٹکا دے کر پیچھے ہٹایا۔

"اوہو! بڑی تکلیف ہوئی ہے اس کے مرنے سے۔"

صائمہ نے استفہامیہ نظروں سے اسد کو دیکھتے ہوئے کٹیلے لہجے میں کہا۔

"ہاں ہوئی ہے تکلیف لیکن اس کے مرنے سے نہیں آپ لوگوں کے وحشیانہ رویے سے۔ وہ مر جائے گی تو پکڑا کون جائے گا۔ آپ ہی لوگ۔ اور نہ۔"

ماں اور بہن سے نمٹنے کے بعد وہ شنزرا کی طرف مڑا جو دکھتے وجود اور سلگتے رخساروں کے ساتھ ہچکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے سرخ چہرے اور برستی آنکھوں کو دیکھ کر ایک ہی وقت میں دو طرح کے احساسات اسد کے دل میں جاگے۔ جی چاہا کہ یہ خوددار لڑکی جو نہیں کہیں دل ہی کے کسی نرم گوشے میں پناہ گزین تھی۔ اپنی ہی ماں بہنوں سے اسے چھپا لے مگر دوسرے ہی لمحے میں اسے شنزرا سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ جواد کی باتیں شنزرا کے لیے اظہار محبت اور خود شنزرا کے الفاظ جو اس نے ابھی سنے تھے۔ اس کا دماغ بھی گھوم گیا۔

"بہت عزت، بہت محبت ہے ناں جواد کی تمہارے دل میں۔ جاؤ چلی جاؤ اسی کے ساتھ۔ نکل جاؤ ہماری زندگی سے۔ وہ بھی یہ ہی چاہتا ہے۔"

اسد دھاڑا تو ماں اور بہن کے دل میں جو وبال آ گیا تھا۔ اسد کے اس انداز نے ختم ہو گیا لیکن اس کا انداز اور باتیں شنزرا کے لیے نیا نہیں تھا۔ وہ خود پر ٹوٹ پڑنے والی اس ناگہانی آفت کی تباہ کاریاں سمیٹتی وہاں سے ہٹ گئی۔

"دیکھنا اب کیسے لائن پر آتی ہے۔ ارے اب تک تو میں اس کی یتیمی کا لحاظ کرتی رہی لیکن اب رکھوں گی ناں اوقات میں تو نانی یاد آ جائے گی۔"

زاہدہ بیگم نے اپنے دل میں ترتیب دیے ہوئے پروگرام کے پس منظر میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے دل میں بڑی عزت ہے جواد کی۔ وہ شریف آدمی ہے۔"

شنزرا کے الفاظ بار بار ہتھوڑے برسا رہے تھے۔ وہ مستقل اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ

خود دوہرے پن کا شکار تھا۔ بے تو اپنی سے نفرت کا اظہار کرتا اور جب کوئی اور اس کی طرف متوجہ ہوتا یا وہ کسی کے متعلق بات کرتی تو اسے خود پر اختیار نہ رہتا۔ اسے شدید تاؤ آ رہا تھا شنزرا پر۔

"تم بہت لکی ہو جواد۔ یا پھر جیت گئے ہو۔"

جواد اچھا لڑکا تھا۔ اسے چاہتا تھا۔ یقیناً اسے خوش رکھتا اور اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس معاملے میں جواد کا ساتھ دے گا تاکہ شنزرا کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ازالہ کر سکے۔ اس نے فیصلہ کیا تو ذہنی تناؤ ختم ہوا لیکن اسے اپنا وجود خالی لگنے لگا۔

"تو اب نوبت ہاتھ اٹھانے تک آ گئی ہے۔ باجی چلو میں آپ کو امی کے پاس لے چلتا ہوں۔"

فرخ کو بے حد دکھ ہوا تھا کہ مامی اور صائمہ نے شنزرا کو مارا۔ وہ اس کا سر گود میں رکھے دباتے ہوئے مستقل اسے امی کے پاس چلنے کو کہہ رہا تھا۔

"بے وقوفی کی باتیں نہ کرو فرخ! کیا کریں گے امی کے پاس جا کر۔ وہ اب ہماری ماں نہیں۔ صرف اپنے بھائی کی بہن اور شعیب کی ساس ہیں۔ نفرت ہو گئی ہے مجھے سب سے۔ کوئی بھی ہمارا نہیں۔" وہ دکھتے وجود اور تڑپتے دل کے ساتھ بولی۔

"خدا تو ہے ناں باجی۔" فرخ نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"خدا تو ہر جگہ ہے فرخ! یہاں بھی ہے۔ پھر امی کے پاس جانے سے کیا حاصل اور تمہیں بھی میری قسم جو تم ان کو کچھ بتاؤ۔ جب کاتب تقدیر نے ہماری تقدیر ایسے ہی لکھی ہے تو میں اس پر شاکر ہوں۔ تم دکھی نہ ہو میرے بھائی۔"

شنزرا نے دیکھا کہ اس کی تکلیف پر فرخ کی آنکھیں بھیگ گئی ہیں تو وہ تڑپ اٹھی اور خود کو نارمل کرنے لگی۔

☆......☆......☆

جواد نے جہاں آنکھ کھولی، جس معاشرے میں وہ پلا بڑھا تھا۔ وہاں کی تو بات ہی اور تھی اور وہاں برابری کا پیمانہ رائج تھا۔ وہاں عورت بہت مضبوط تھی مگر یہاں تو منظر ہی اور تھا اور عورت ہی عورت کی دشمن تھی۔ وہاں نہ اس نے عورت کو زاہدہ بیگم کی طرح جلاد کے روپ میں دیکھا اور نہ ہی شنزرا کی طرح مظلوم اور بے بس۔ یہ جو اس کا اپنا ملک تھا، اپنا معاشرہ تھا۔ اپنے لوگ تھے۔ مگر کتنے مختلف، انسانیت سے گرے ہوئے۔ وہ اس تضاد میں خود کو بہت مس فٹ محسوس کر رہا تھا۔ وہ اب یہاں رہنا نہیں چاہتا تھا مگر شنزرا سے بھی دستبردار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ شنزرا کو ہر صورت میں اس جہنم سے نجات دلانا چاہتا تھا وہ اس کی چاہت تھی۔ اس نے جس مشرقی لڑکی کا پیکر تراشا تھا اس پر شنزرا ہی پوری اترتی تھی۔

"میں تمہیں اپنا لوں گا شنزرا! پھر کسی کو جرأت نہ ہو گی کہ تم سے بات بھی کر سکے۔"

وہ مضبوط فیصلے کے ساتھ کمرے سے نکلا۔ گیارہ بج رہے تھے۔ سب ہی اپنے اپنے کمروں میں تھے وہ شنزرا سے بات کرنے اس کے کمرے تک آیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا۔ فرخ کتاب لیے بیٹھا تھا۔ شنزرا جانے کہاں تھی۔ وہ مایوس ہو کر پلٹ رہا تھا کہ ان کی طرف جانے والے راستے میں وہ سرد ستون کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی نظر آ گئی۔ جواد کے دل میں دکھ کی لہر اٹھی۔ وہ جذبات

سے مغلوب ہو کر اس کی طرف بڑھا اور آہستگی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ مردانہ ہاتھ کے لمس پر شذرا نے چونک کر جواد کو دیکھا۔ مگر جانے کیا بات تھی کہ نہ تو اسے جواد کی اس حرکت پر غصہ آیا نہ ہی اس نے اس کا ہاتھ جھٹکا بلکہ آنسوؤں کی روانی میں شدت آ گئی۔ یوں جیسے کوئی دوست' ہمدرد آ گیا ہو۔

"بہت ٹھنڈ ہے شذرا! یہاں کیوں بیٹھی ہو؟" وہ اس کے برابر بیٹھ گیا۔

"اندر باہر کے موسم کتنے ہی شدید کیوں نہ ہوں جواد! مجھ پر اثر انداز نہیں ہوتے۔"

وہ آنسوؤں میں بھیگی آواز میں بولی۔ آج وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی تھی۔ وہ مخلص دوست کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

"موسموں کا اختیار مجھے دے دو شذرا! پھر کوئی موسم شدید نہیں ہو گا انشاء اللہ۔" جواد کا خلوص بھیگی فضا کو معطر کرنے لگا تھا۔ وہ خاموش رہی۔

"شذرا! میں جذبوں کے اظہار کا قائل نہیں لیکن۔ لیکن شذرا! آج میں نے جو کچھ دیکھا اور سنا۔ اس کے بعد میں برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ جس لڑکی کو میں چاہوں' پسند کروں۔ وہ اس ماحول میں رہے۔"

وہ کچھ نہ کہتے ہوئے بھی سب کچھ کہہ گیا۔

"جی..... "شذرا اس کی آنکھوں کی زبان سمجھتی تو تھی مگر وہ اسے محض.....وقتی ہمدردی سمجھتی تھی۔

"ہاں شذرا! اب تو اس بات کی گنجائش ہی نہیں رہی کہ بات کو اشاروں میں کہا جائے یا اس بات کا انتظار کیا جائے کہ تم خود سمجھ لو گی۔ میں خدا کو گواہ بنا کر اقرار کرتا ہوں کہ تم مجھے پہلے روز ہی پسند آ گئی تھیں۔ اپنے پچھلے رویے کی میں وضاحت کر چکا ہوں اور آج تمہیں پروپوز کرتا ہوں شذرا! میرا یہ فیصلہ محض جذباتی نہیں ہے۔ نہ یہ ہمدردی ہے۔ میں نے دل سے تمہیں چاہا ہے اور اپنانا چاہتا ہوں۔ میں..... میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں شذرا! میں وعدہ کرتا ہوں۔ تمہیں اتنی خوشیاں' اتنی محبت دوں گا کہ تمام عمر کی زیادتیوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ تم نے آج تک ان چھوٹے ظرف والے لوگوں کو آزمایا ہے۔ ایک موقع مجھے بھی دو۔ مجھے صرف تمہاری ہاں کی ضرورت ہے شذرا! باقی میں سارے جہان سے لڑ لوں گا۔ صرف تم اپنی خوشی سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔"

زندگی اسے کیسے انجانے اور کتنے عجیب موڑ پر لے آئی تھی۔ اس نے کب ایسا سوچا تھا۔

"شذرا! میں نے تمہیں بڑے خلوص کے ساتھ چاہا ہے اور پروپوز کیا ہے۔ لیکن میں اپنا فیصلہ تم پر مسلط کرنا نہیں چاہتا۔ تم فیصلے کے لیے آزاد ہو۔ تمہارا ہر فیصلہ میرے لیے اتنا ہی محترم ہو گا جتنا کہ تم۔ اپنی پسند اور خواہشات کے مطابق زندگی بسر کرنا ہر انسان کا حق ہے۔ میں یہ حق تمہیں دے رہا ہوں۔ اچھی طرح سوچ کر فیصلہ کرنا۔"

خاموش فضا نے سنا کہ قدرت نے اسے عزت بخشی تھی۔ زرد چاندنی گواہ تھی کہ وہ محترم قرار دی گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار کسی نے اتنی عزت بخشی تھی۔ اس کی سماعتیں تو ڈانٹ پھٹکار اور بے عزتی کی عادی تھیں۔ اس نے کب سوچا تھا کہ زندگی میں کوئی ایسا بھی آئے گا کہ اسے معتبر قرار دے گا۔ اسے محترم سمجھے گا۔ اس کے فیصلے کو مقدم جانے گا۔ اتنی عزت پانے کے بعد آج وہ خود کو واقعی معتبر سا سمجھنے لگی تھی۔

بستر پر لیٹ کر لمحوں کا احساس جواد کے جملوں کے احساس میں ڈوب گیا۔

☆......☆......☆

"آپ کھانے کا شغل جاری رکھیے۔ میں آپ کا نوالہ چھیننے تو نہیں آیا۔"

زیب کی سماعتوں پر بلال کا یہ جملہ مستقل ہتھوڑے برسا رہا تھا۔

"اف میرے خدا یہ سب بھی..... ہونا تھا۔ کتنا بدل گیا ہے بلال۔ کتنا بدگمان ہو رہا تھا۔ جانے اس نے کیا سمجھ لیا تھا کہ میں شعیب کو۔ اف نہیں یا اللہ..... میں بہت کمزور ہوں۔ کسی آزمائش میں نہ ڈالنا۔ بلال کیوں بدگمان ہو گیا ہے۔ کیا اسے میرے جذبوں پر اعتبار نہیں۔"

وہ خود سے الجھی رہی۔

"لیکن بلال کی بدگمانی سے اب مجھے کیا سروکار۔ میں نے تو اپنی زندگی ماں کی ممتا پر قربان کر دی ہے۔ اب کیا فرق پڑتا ہے۔ بدگمان ہو جائے یا۔"

وہ جب سے آئی تھی اسے بلال کی بدگمانی ستا رہی تھی مگر جب یہ خیال آ گیا تو خود ہی جیسے قرار آ گیا۔

☆......☆......☆

"سات اپریل کو طلال کی شادی ہے۔ کیا ارادہ ہے؟"

"آپ کو کس نے بتایا؟"

آسیہ بیگم نے تیکھی نگاہوں سے شوہر کو دیکھا۔ تو وہ کچھ چور سے بن گئے۔ کیونکہ آسیہ بیگم نے ان پر پابندی لگائی تھی کہ وہ ان لوگوں سے کوئی تعلق' واسطہ نہیں رکھیں گے۔ چونکہ مردوں کے دل بڑے ہوتے ہیں۔ اسی لیے وہ بیگم کی لگائی گئی پابندی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اکثر ظہیر صاحب کو فون کر کے حال احوال پوچھ لیا کرتے تھے۔ مگر آسیہ بیگم کو خبر نہیں تھی۔ اسی لیے تو آج وہ چونک کر پوچھ رہی تھیں۔

"ہاں۔ وہ دراصل آج کسی کام سے وہاں جانا ہوا تو ظہیر سے ملاقات ہو گئی۔ بھئی وہ صرف تمہارے بھائی ہی نہیں۔ میرے دوست اور کزن بھی ہیں۔ بس انہوں نے بتا دیا کہ طلال کی شادی سات اپریل کو ہے۔"

ڈرتے ڈرتے شوکت صاحب نے تفصیل بتا ڈالی۔

"تو ہوتی رہے۔ ارے جس گھر میں میری بیٹی کے لیے جگہ نہیں۔ وہاں میں تھوکوں گی بھی نہیں۔"

آسیہ بیگم میں تبدیلی ضرور واقع ہوئی تھی مگر اب اتنی بھی نہیں کہ وہ اپنی فطری ہٹ دھرمی اور ضد چھوڑ دیتیں۔

"آسیہ! یہ غلط بات ہے۔ بھئی یہ خدائی فیصلے ہوتے ہیں اور ہمیں تسلیم کرنا چاہیے۔ تم یہ کیوں نہیں مان لیتیں کہ طلال اور فائزہ کا نکاح نہیں لکھا ہوا تھا۔ دیکھو یہ۔"

"بس بس آپ رہنے دیں۔ میں سب جانتی ہوں۔ میری شہزادی جیسی بیٹی کو میرے سگے بھائی اور بھاوج نے ٹھکرا دیا ہے۔ میں کبھی ان کو معاف نہیں کروں گی۔"

آسیہ بیگم روہانسی ہو گئیں تو شوکت صاحب خاموش ہو گئے۔

"سنو بیگم! وہ لوگ تمہیں منانے اور کارڈ دینے آئیں گے۔ برائے مہربانی ان کی بے عزتی نہ کرنا۔ یہ میری درخواست ہے تم سے۔"

وہ اٹھنے لگیں تو شوکت صاحب نے کہا۔ وہ "ہونہہ" کہہ کر باہر نکل گئیں۔

☆......☆......☆

فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی۔ فائزہ واش روم میں تھی۔ زیب کو کچن سے دوڑ کر آنا پڑا۔

"ہیلو!"

"ہیلو......" دوسری طرف بلال تھا۔ اس نے دل تھام لیا۔

"جی!" وہ آہستگی سے بولی۔ اس میں ہمت نہیں تھی کہ اس کی بدگمانی کا مقابلہ کر سکے۔

"جی وی کو چھوڑیے محترمہ! کسی گھر والے کو فون دیں۔"

انتہائی برہمی کے ساتھ بلال نے اجنبی لہجے میں کہا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"اوہ سوری۔ میں بھول ہی گیا تھا کہ اب تو آپ بھی گھر والی بننے والی ہیں۔"

زہر میں بجھا نشتر سیدھا دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ برداشت نہ کر سکی۔

"بلال پلیز! آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اس قسم کے طنزیہ تیر اچھالنے کا۔" وہ سسک پڑی۔

"ہاں تمہیں حق پہنچتا ہے مجھے فول بنانے کا۔ جھوٹی محبت کا ڈھونگ رچانے کا۔ میں تو اسی بدگمانی میں رہا کہ تم سے جبراً ہاں کروائی گئی ہے مگر۔ مگر اب پتا چلا ہے کہ محترمہ کے دل کی آرزو پوری ہوئی ہے۔ ستم گر لڑکی! تم یہ بتاؤ۔ اتنا عرصہ مجھے بے وقوف بناتی رہی ہو یا شعیب کے ساتھ ڈرامے بازی کرتی رہی ہو؟"

وہ تو تپا ہوا تھا' جو منہ میں آیا کہے گیا۔

"چپ ہو جاؤ بلال! خدا کے لیے۔"

"زیب! کون ہے؟ بلال ہے۔ لاؤ دو میں بات کرتی ہوں۔"

فائزہ باہر آئی تو زیب سسک رہی تھی۔ فائزہ نے ریسیور لے لیا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا تو بلال نے فون بند کر دیا۔

"کیا کہہ رہے تھے بلال بھائی! اب انہیں کچھ خیال کرنا چاہیے۔ ٹھیک ہے۔ دکھ تو ہوتا ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ خوامخواہ تمہیں کیوں تنگ کرتے ہیں۔ میں بات کروں گی ان سے۔"

فائزہ نے ریسیور اٹھایا اور بلال کا نمبر ملانے لگی۔

"نہیں فائزہ! تم ان کو فون کر کے میری کمزوری ظاہر نہیں کرو گی' جو جس کے جی میں آئے' کہتا رہے۔ ہمارے تو سب ہی محسن ہیں اور اپنے احسانات کا خراج وصول کرنا ہر ایک کا حق ہے۔"

زیب نے فائزہ کے ہاتھ سے ریسیور لے کر رکھتے ہوئے ہلکے سے طنز کے ساتھ کہا۔

☆......☆......☆

"بلال بیٹے! کیا جواب ملا۔ آنے کی اجازت ملی کہ نہیں؟"

رابعہ بیگم نے یہ ذمہ داری بلال کے سپرد کی تھی کہ وہ آسیہ بیگم سے فون پر گھر آنے کی اجازت

لے۔ مگر اس کی بات زیب ہی سے ہو گئی۔ وہ تو اسی روز سے اپ سیٹ تھا کہ جب سے اس نے زیب کو شعیب کے ساتھ دیکھا تھا اور اس کو یقین تھا کہ زیب اسے بے وقوف بناتی رہی ہے۔ ورنہ وہ شعیب کے ساتھ خوش ہے اور یہ فیصلہ اس کی مرضی سے ہوا ہے۔

"امی! آپ خود ہی بات کر لیں۔" وہ الجھا الجھا سا باہر نکل گیا مگر وہاں فون کرنے کی ہمت رابعہ بیگم کو بھی نہیں ہوئی۔ شام کو پروگرام بنا تھا جانے کا۔ مگر گھر میں سوائے بلال کے اور کوئی لڑکا موجود نہیں تھا۔

"امی پلیز' کل چلی جائیں مگر میں نہیں جاؤں گا۔" اس نے صاف انکار کر دیا۔

"بلال! تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ چاند! کیا زندگی زیب ہی کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔"

"پلیز امی! آج کے بعد زیب کا نام نہ لیجیے گا میرے سامنے۔ نفرت ہے اس دوغلی لڑکی سے مجھے۔" وہ چڑ کر بولا تو رابعہ بیگم اسے دیکھنے لگیں۔

"لگتا ہے بیٹے! تمہیں زیب کی طرف سے کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ آپ کو چلنا ہے تو چلیے۔"

ایک سیکنڈ ہی میں ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کرتے ہوئے ان کو تیار ہونے کا کہا اور خود گاڑی کا تیل پانی چیک کرنے لگا۔

☆......☆......☆

ظہیر صاحب اور رابعہ بیگم رشتے میں آسیہ بیگم کے بڑے بھائی بھاوج تھے مگر ان کی زبان اور رویے کی وجہ سے خوفزدہ تھے۔ کچھ تو شوکت صاحب کے سمجھانے کا اثر تھا اور کچھ نسیمہ بیگم کی منتوں یا پھر دل میں خوف خدا آ گیا تھا کہ آسیہ بیگم اس طرح پیش نہیں آئیں جیسا کہ سوچ رکھا تھا یا جیسے رویے کی باقی سب کو توقع تھی۔

"بھئی آسیہ بیگم ہماری چھوٹی بہن ہو۔ ہماری کوئی خوشی تمہارے بغیر کیونکر مکمل ہو سکتی ہے۔ چلو خفگی ختم کرو۔ بہت لڑائی ہو گئی۔"

ظہیر صاحب نے پیار سے ان کو ساتھ لگایا تو وہ نرم پڑ گئیں۔

"آسیہ! یہ تو تمہارے بھتیجے کی شادی ہے۔ اب آ کر خود ہی سنبھالو سب کچھ۔"

رابعہ بیگم نے بھی کارڈ ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے ان کو خلوص دل سے ساتھ لگا لیا۔

"مبارک ہو آپ لوگوں کو۔"

جواباً انہوں نے انتہائی سرسری انداز میں مبارک باد دی۔

"بھئی' یہ خالی خولی مبارک باد نہیں چلے گی۔ تم خود اپنے ہاتھوں سے بیٹے کو سہرا باندھنا۔ میں تو آج تمہیں اور فائزہ کو لینے آئی ہوں۔ جو کام تمہیں اور فائزہ کو کرنے چاہئیں' وہ بھی میں ہی کر رہی ہوں۔ چلو اب تیار ہو جاؤ۔"

رابعہ بیگم نے بڑے مان کے ساتھ کہا۔ سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھ کر آسیہ بیگم کی طرف دیکھنے لگے۔ جن کے چہرے پر ابھی بھی برہمی ظاہر ہو رہی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ آ جائیں گے۔ اب ایک مہینہ قبل تو نہیں آ سکتی۔"

انہوں نے اپنے مخصوص اکھڑ لہجے میں کہا تو فائزہ آگے بڑھی۔

"مامی! ہم چلیں گے۔ سچ آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ بھلا کوئی تک ہے کہ ہمارے بھائی کی شادی ہو۔ خاندان کی پہلی خوشی ہو اور ہم نہ جائیں۔ اور آپ امی کی ظاہری ناراضگی پر نہ جائیں۔ ان کے دل میں کچھ نہیں۔"

فائزہ نے ماں کے رویے کی وضاحت کی تو وہ اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورنے لگیں۔

ماحول میں آسیہ بیگم کی وجہ سے تناؤ ضرور تھا مگر پھر بھی سب ہی اسے نظر انداز کر رہے تھے۔ لیکن سب یہ بھی غنیمت جان رہے تھے کہ آسیہ بیگم کے رویے میں اتنی بھی تبدیلی آئی تھی۔

"مامی! کھانا لگ گیا ہے؟"

اتنی دیر سے بلال کی نگاہیں جس کی متلاشی تھیں۔ وہ اب آئی تھی۔ اسے دیکھ کر دل میں ٹیس اٹھی تھی۔ مگر نگاہوں میں نفرت کے شعلے تھے۔ زیب کو اپنا آپ جلتا ہوا محسوس ہوا۔

"تمہارے ہونے والے منگیتر نے پردے کی پابندی نہیں لگائی تم پر؟"

باقی سب کھانے کے لیے اٹھ گئے تو بلال اس کی طرف بڑھا۔ اس کے اندر کا سارا زہر اس کے تلخ لہجے میں ڈھل گیا۔

"جو آپ کے جی میں آئے کہتے رہیے۔ آپ کو حق ہے۔ کیونکہ آپ کے والد بھی ہماری یتیمی پر ترس کھاتے ہوئے مالی امداد کرتے رہے ہیں اور۔ آپ بھی۔"

حالات نے زیب کے اندر بھی تلخیاں بھر دی تھیں۔

"شٹ اپ زیب! ان مہربانیوں کا صلہ تم نے یہ دیا کہ میرے جذبات سے کھیلتی رہیں۔ ایسا کیوں کیا تم نے؟"

بلال نے اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔ عین اسی وقت شعیب اندر آ گیا۔

"بلال! زیب اب صرف تمہاری کزن ہی نہیں۔ میری منگیتر بھی ہے اور میں تمہیں زیب کے ساتھ اس قسم کے رویے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

شعیب نے زیب کے شانوں پر اس کے مضبوط ہاتھوں کو پیچھے کرتے ہوئے کہا تو وہ تیزی سے باہر آ گیا۔

کھانا بڑے نارمل ماحول میں کھایا گیا مگر سب کے شدید اصرار کے باوجود بلال نے کھانا نہیں کھایا۔

وہ تو اسی وقت چلا جاتا مگر اسے معلوم تھا کہ ابو رات کو گاڑی نہیں چلا سکتے' اس لیے وہ رک گیا مگر زیب دوبارہ اس کے سامنے نہیں آئی۔

"تو پھر آسیہ! میں کب لینے آؤں؟"

چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے ظہیر صاحب نے آسیہ بیگم کی طرف دیکھا جو لاتعلق سی بنی نسیمہ بیگم کے ساتھ بات کر رہی تھیں۔ بھائی کی بات پر ان کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"ابھی تو بہت دن ہیں بھیا! اس سے پہلے آپ لوگوں کو شعیب اور زیب کی منگنی میں شرکت کرنا پڑے گی۔"

"شعیب اور زیب کی منگنی؟"

ظہیر صاحب نے حیرت سے کہا۔ بلال اٹھ کر باہر نکل گیا۔ شوکت صاحب بھی حیران ہو گئے تھے۔ کیونکہ ابھی منگنی کی کوئی تاریخ مقرر نہیں ہوئی تھی۔

"اچھا کب ہے منگنی؟" رابعہ بیگم پوچھ رہی تھیں تو وہ ڈگمگا گئیں۔

"تین اپریل کو ہے۔"

آسیہ بیگم خود ہی سارے فیصلے کرتی چلی گئیں۔ شوکت صاحب حیرت سے ان کو دیکھتے رہ گئے۔ نسیمہ بیگم بھی خاموش تھیں۔ یوں بھی وہ بولنے کا کیا حق رکھتی تھیں۔

"اچھا بھئی! بہت بہت مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ بچوں کو خوشیاں دے۔"

ظہیر صاحب نے شوکت صاحب سے ہاتھ ملایا۔

"تمہیں بھی مبارک ہو نسیمہ۔" ظہیر صاحب نسیمہ بیگم کی طرف مڑے جو عجز و انکساری کی تصویر بنی ہوئی کھڑی تھیں۔

"آپ لوگوں کو بھی مبارک ہو ظہیر بھائی۔ زیب آپ لوگوں کی بھی بیٹی ہے۔"

"کیوں نہیں نسیمہ! زیب تو ندا اور ہما کی طرح ہے میرے لیے۔ اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ خوش رکھے۔"

"ہاں ایک میری ہی بیٹی سے تمہیں بیر ہے۔ باقی تو ساری لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔"

بادل اور وحشی رابعہ بیگم کو آسیہ بیگم نے گھورتے ہوئے سوچا۔

☆......☆......☆

"زیب۔"

"ہوں۔ کیا بات ہے؟" زیب فائزہ کی طرف گھوم گئی۔

"میں آج کل بہت پریشان ہوں۔" فائزہ واقعی ان دنوں بہت الجھی ہوئی تھی۔

"بے وجہ ہی۔"

"نہیں بے وجہ نہیں زیب! حسن اپنے گھر والوں کو لانا چاہتا ہے۔ اور میں مستقل ٹال رہی ہوں۔"

"اسے ٹال دینا ہی بہتر ہے تمہارے حق میں۔ اس لیے کہ اس گھر میں ہونا تو وہی ہے جو مامی چاہتی ہیں۔ پتا نہیں وہ تمہارے بارے میں کیا سوچے بیٹھی ہیں۔"

زیب تو خود...... آسیہ بیگم کے فیصلوں کا شکار ہوئی تھی۔ وہ دکھ کے ساتھ بولی۔

"میں جانتی ہوں زیب کہ میرے لیے تو وہ کسی شہزادے ہی کی منتظر ہیں۔ وہ طلال کے مقابلے میں کوئی ڈاکٹر چاہتی ہیں جو بہت زیادہ دولت مند بھی ہو جسے داماد بنا کر وہ ماموں' مامی کو نیچا دکھا سکیں۔"

"بھئی تم ہو ہی اس قابل۔" زیب نے آہستگی سے اس کے بال چھوئے۔

"کیوں؟ کیا ہے میرے اندر؟ ارے ایک سے ایک حسین لڑکی پڑی ہے دنیا میں۔ امی تو بس ممتا کی نظر سے مجھے دیکھتی ہیں۔ کہ جیسے اکلوتی دنیا کی اچھی شکل و صورت کی لڑکی ہوں۔"

"تمہیں کیا خبر فائزہ! تم کیا ہو۔ بھئی تم بہت خوبصورت ہو خوش نصیب ہو۔ تمہارے باپ بھائی ہیں۔ بدنصیب تو وہ لڑکیاں ہوتی ہیں جو اس نعمت سے محروم ہوتی ہیں۔"

وہ اس طرح بولی۔ گویا خود کلامی کر رہی ہو۔ زندگی میں بعض موقعوں پر اسے باپ اور بڑے بھائی کی عدم موجودگی کا شدت سے احساس ہوتا۔ اور جب سے امی نے اسے شعیب کے لیے مجبور کیا تھا۔ اپنی ممتا کی آڑ لے کر۔ تب سے وہ خود کو بہت اکیلا سمجھتی تھی۔

"زیب! آخر حسن میں کیا کمی ہے؟"

"میں نے کب کہا ہے کہ حسن بھائی میں کوئی کمی ہے۔ یہ تو مامی کی مرضی ہے ناں۔ بھئی ظاہر ہے۔ طلال بھائی ایک قابل ڈاکٹر ہیں اور مامی تمہاری شادی کسی ڈاکٹر ہی سے کر کے یہ ثابت کرنا چاہتی ہیں کہ ان کی بیٹی کو بھی ڈاکٹر مل سکتا ہے اور حسن بھائی میں کوئی کمی ہے تو صرف یہ ہی کہ وہ ڈاکٹر نہیں ہیں۔"

"زیب! آخر یہ بڑے یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ زندگی ہم لوگوں نے گزارنی ہے۔ اپنی مرضی کیوں مسلط کرتے ہیں ہم پر۔ حسن اگر ڈاکٹر نہیں تو کیا ہوا۔ شریف نوجوان ہے۔ باعزت گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے چاہتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کسی لڑکی کو کیا درکار ہوتا ہے۔ اور مجھے نہیں کرنی کسی ڈاکٹر واکٹر سے شادی۔"

"تم نے مامی سے بات کی تھی حسن کے بارے میں؟"

"نہیں تم کرنا بات امی سے۔ اب تو وہ تمہیں بہت چاہنے لگی ہیں۔ اور اب تو تمہاری حیثیت بھی کچھ اور ہو گئی ہے۔" فائزہ تھوڑا سا شوخی سے بولی مگر پھر زیب کا خیال کر کے نارمل ہو گئی۔

"میری جو حیثیت تھی وہ ہی رہے گی لیکن یہ ہے کہ اب مامی کے سامنے حسن کا ذکر ہونا چاہیے۔ ان کی رائے تو پتا چلے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ حسن بھائی ایک بار مامی سے مل لیں تاکہ حسن بھائی کے بارے میں ان کی رائے کا اندازہ ہو سکے۔"

"بات تو تمہاری درست ہے لیکن کس طرح؟ ہاں ایک طریقہ ہے کہ حسن کی بہن کی شادی ہے۔ میں اس سے کہوں گی کہ کارڈ دینے گھر آئے۔ اس طرح امی اسے دیکھ لیں گی پھر تم موقع پا کر بات کرنا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ شادی کب ہے؟" یہ تجویز زیب کو معقول نظر آئی تھی۔

"بس ایک ہفتے بعد۔ کیا خیال ہے اسے فون پر کہہ دوں۔"

پھر وہ فون اپنے کمرے ہی میں اٹھا لائی۔

"سوچ لو۔ مروا نہ دینا۔" حسن ہچکچایا۔

"اوہو حسن! آپ سمجھ کیوں نہیں رہے۔ اچھا آپ زیب سے بات کر لیں۔"

فائزہ کو اچھا نہیں لگ رہا تھا یہ کہنا کہ امی بہانے ان کو ہیں دیکھ لیں گی۔

"حسن بھائی! اتنی معمولی سی بات آپ سمجھ نہیں رہے۔ گھر بلانے سے ہمارا مقصد کیا ہے؟"

"زیب! میں خوب سمجھ رہا ہوں مگر عجیب سا لگ رہا ہے۔ کیا کہوں گا کہ۔"

"آپ کو کچھ ضرورت نہیں کہنے سننے کی۔ ذمہ داری میری ہے۔ آپ آ جائیں کارڈ لے کر۔"

"چلئے۔ جب آپ یہ ذمہ داری لے رہی ہیں تو آ جاتا ہوں۔"

اور اس شام حسن پہلی بار فائزہ کے ہاں آ رہا تھا۔ زیب نے کچن سنبھال کر فائزہ کو تیار ہونے کا کہہ دیا۔

"کوئی خاص مہمان آ رہا ہے کیا؟" شعیب جانے کب اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا جو کباب تیار کر رہی تھی۔

"جی فائزہ کی کلاس فیلو ہے نیلم۔ اس کی شادی ہو رہی ہے اور اس کا بھائی کارڈ دینے آ رہا ہے۔"

زیب نے اپنے کام میں مصروف رہتے ہوئے اسے تفصیل بتائی تو وہ اس کے چہرے اور چلتے ہاتھوں کو دیکھتا رہا۔

"زیب! تمہیں بلال سے لاتعلقی کا دکھ تو ضرور ہوگا؟"

وہ شاید اپنی فطرت سے مجبور تھا۔ زیب نے کچھ دیر رک کر شعیب کو دیکھا۔ جی میں تو آیا کہہ دے کہ ایک یہ ہی دکھ تو زندگی بھر کے دکھوں پر حاوی ہے مگر کچھ کہہ نہ سکی۔

"میں فضول باتوں کا دکھ نہیں لگایا کرتی۔" اس نے کچھ اس لہجے میں کہا کہ شعیب کو مزید کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی۔

☆......☆......☆

حسن پہلی بار فائزہ کے گھر آیا تھا اس لیے کچھ نروس ہو رہا تھا۔ اور آسیہ بیگم کا انداز بھی تو پرکھنے والا تھا۔

"اچھا تو آپ کی بہن فائزہ کی کلاس فیلو ہیں۔"

زیب ہی اس سے بات کر رہی تھی تاکہ اس کی گھبراہٹ دور ہو۔

"جی...... جی ہاں۔ آپ سب لوگ ضرور آیئے گا۔ نیلم نے خاص طور پر آپ لوگوں کے لیے کہا ہے کہ فائزہ اس کی بہت اچھی دوست ہیں۔ ضرور آئیں۔"

"ارے ہم ضرور آئیں گے۔ آپ کھڑے کیوں ہو رہے ہیں۔ میں چائے لا رہی ہوں فائزہ! تم بیٹھو۔ میں چائے لے آتی ہوں۔"

زیب کے اشارے پر فائزہ بیٹھ گئی۔ اس نے کن اکھیوں سے ماں کو دیکھا جو موٹے شیشوں والی عینک سے حسن کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"تو بیٹے! تم کیا کرتے ہو؟" بالآخر انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"جی میں بھی پڑھتا ہوں۔" وہ سیدھا ہو گیا۔ سوالوں کا رخ اپنی جانب دیکھ کر۔

"کہاں؟" ان کی تفتیش شروع ہو چکی تھی۔ فائزہ بھی پہلو بدل رہی تھی۔

"جی ان کے ساتھ۔ میرا مطلب ہے آنٹی! یونیورسٹی ہی میں پڑھتا ہوں۔ ایم ایس سی کر رہا ہوں۔" ان کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ خوامخواہ ہی بوکھلا گیا۔

"کیوں ڈاکٹری کیوں نہیں پڑھی؟"

انہوں نے یوں کہا گویا ڈاکٹری کے علاوہ تو کوئی ڈگری اہمیت نہیں رکھتی۔

"بس جی ایف ایس سی میں نمبر نہیں آئے تھے ورنہ شوق تو بہت تھا......اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں تھا کہ میں ڈاکٹر بنتا۔"

وہ تفصیل بتا کر چپ ہو گیا۔

"ہوں۔" وہ ہوں کہہ کر خاموش ہو گئیں۔

"اچھا جی۔ اب اجازت دیں۔"

حسن، شعیب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

"آپ بیٹھیے ناں حسن بھائی!" زیب نے ایک نظر فائزہ پر ڈالی جو گم صم بیٹھی تھی۔

"نہیں۔ شادی قریب ہے۔ آپ کو معلوم نہیں بھائیوں کو کتنے کام ہوتے ہیں۔ اب چلوں گا اور آپ کو آنا ضرور ہے ورنہ نیلم مجھ سے لڑے گی کہ میں نے کارڈ نہیں دیا اور دیا ہے تو اصرار نہیں کیا۔ خدا حافظ آنٹی۔" حسن ذرا سا سر جھکا کر آسیہ بیگم کی طرف بڑھا۔

"خدا حافظ بیٹے! ذرا احتیاط سے جانا۔ حالات اچھے نہیں۔"

"جی بہتر۔" ان کی ہدایت سن کر وہ کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

حسن چلا گیا مگر چونکہ وہ صرف شادی کارڈ دینے آیا تھا۔ اس لیے شاید کسی نے اس پر توجہ ہی نہیں دی تھی اور نہ ہی کوئی جانتا تھا کہ وہ کس مقصد کے تحت آیا اور چلا گیا ہے۔

"فائزہ! حسن بھائی تو بہت اسمارٹ ہیں۔" زیب کو اسمارٹ سا حسن پسند آیا تھا۔

"ہاں مگر امی کو دیکھا تھا۔ کیسے تنقیدی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں اور انہیں تو کہہ ہی ڈالا کہ ڈاکٹری کیوں نہیں پڑھی۔ ارے بابا! اب سارے جہاں والے ڈاکٹری ہی پڑھتے پھریں۔ اس نے نجانے کیا سوچا ہوگا۔ وہ پہلے ہی اپنے نجی حالات کی وجہ سے پریشان رہتا ہے۔ اتنے مسائل ہیں اس کے اوپر سے۔"

فائزہ کو ماں کا حسن سے یوں بات کرنا پسند نہیں آیا تھا۔

"فائزہ! سوچ لو۔ امی تو تمہیں کسی ریاست کی مہارانی بنانا چاہتی ہیں۔ مسائل میں گھرے حسن کو کس طرح پسند کریں گی۔ وہ تمہارے لیے۔"

"یہ ہی تو سوچ سوچ کر میں ہولتی رہتی ہوں۔ زیب! جبکہ میں تو حسن کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔"

فائزہ روہانسی ہو گئی تو زیب نے بڑھ کر اس کو ساتھ لگا لیا۔

"اللہ کی ذات بہت مہربان ہے فائزہ! وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ مسبب الاسباب ہے۔ رب عظیم کو منظور ہوا اور اس نے مجھے ہمت عطا کی تو۔ فائزہ میں تمہارے دل کی دنیا اجڑنے نہیں دوں گی۔ اس لیے کہ پھر زندگی رستا ہوا زخم بن جاتی ہے۔ میں تم جیسی مخلص دوست اور بہن کو درد کے حوالے نہیں ہونے دوں گی۔ انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ضرور ہو جائے گا۔"

زیب خود درد آشنا تھی اور نہیں چاہتی تھی کہ فائزہ بھی نارسائی کے کرب سے دوچار ہو۔

"کاش......کاش زیب! میں بھی......تمہارے دل کی دنیا کو اجڑنے سے بچا سکتی مگر میں تو کچھ بھی نہیں کر سکتی۔" فائزہ نے اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے فائزہ! اس میں کسی کا کیا قصور۔"

☆......☆......☆

"نہیں نجل! میں کچھ سننے کا روادار نہیں۔ تمہیں ہر حال میں آنا ہے۔"

حسن مستقل نجل سے بہن کی شادی میں شرکت کے لیے اصرار کر رہا تھا۔

"لیکن حسن!"

"میں جانتا ہوں نجل کہ تم کہیں نہیں جاتیں مگر کچھ لوگوں کے لیے انسان کو اپنی زندگی کے اصول تبدیل کرنے پڑتے ہیں۔ یا پھر کہہ دو کہ ہم دوستوں کا شمار تمہارے اہم لوگوں میں نہیں ہوتا۔"

"حسن پلیز! ایسی بات نہیں۔ تم لوگ میرے دوست ہی وہ اہم لوگ ہو۔ جن کے لیے میں۔ آخر تم میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔ میری باجی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ حسن وہ۔" فاطمہ کا سوچ کر نجل روہانسی ہو گئی۔

"میں جانتا ہوں۔ نجل تم ان کو بھی لے آنا۔ ذرا دل بہل جائے گا ان کا بھی۔"

"اچھا میں بات کروں گی پپا سے۔ انہوں نے اجازت دی تو ضرور آؤں گی۔"

"میں منتظر رہوں گا نجل! میرے سارے دوست آئیں گے تم نہ آئیں تو۔"

"اچھا بابا! آؤں گی۔ یہ بتاؤ۔ سارے دوستوں میں کارڈ تقسیم ہو گئے۔"

"ہاں بس تیمور اور علی کے رہ گئے ہیں۔"

"تیمور اور علی۔" اس کا دل دھڑک اٹھا۔

"ان کو بھی بلانا ہے؟"

☆......☆......☆

''ہاں بھئی ضرور بلانا ہے۔ بڑے اچھے دوست ہیں وہ میرے۔ نہیں بلاؤں گا تو علی کا تمہیں پتا ہی ہے کیسا بندہ ہے۔ چلو ان کے ڈیپارٹمنٹ چلیں۔''

''ڈیپارٹمنٹ جانے کی ضرورت نہیں۔ وہ سامنے دیکھو۔''

حسن نے تجل کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو علی' تیمور اور ایک اور لڑکا لائبریری کے سامنے نیچے گھاس پر بیٹھے تھے۔ علی بات کر رہا تھا اور دوسرا لڑکا ہنس ہنس کر بے حال ہو رہا تھا۔

''چھوڑ رہا ہوگا چٹکلے یہ علی۔ آؤ چلو۔''

''نہیں حسن! تم جاؤ۔ میں ذرا نوٹس مکمل کرلوں۔ مجھے تو لگتا ہے اب ایم ایس سی بھی مکمل نہیں کر پاؤں گی۔'' تجل نے علی کی موجودگی میں خاموش بیٹھے تیمور پر ایک نظر ڈالی اور اپنے ڈیپارٹمنٹ کی طرف مڑنے لگی۔

''اچھا تم یہیں رکو میں کارڈ دے کر ابھی آیا۔ مجھے تم سے ایک اور کام ہے۔ علی...... علی۔''

وہ اس کا جواب سنے بغیر علی کی طرف بڑھا۔ اپنے نام کی پکار پر علی نے مڑ کر دیکھا کہ حسن آ رہا ہے۔ تو اس کی طرف آنے کے بجائے آگے کو بھاگ کھڑا ہوا۔

تجل کے چہرے پر رنگ سا آ گیا۔

''ہاں بھئی' بہت اچھے دوست ہیں وہ میرے۔ البتہ تم کہتی ہو تو نہیں بلاتا۔''

حسن نے ذرا سا رک کر شوخ نظروں سے تجل کو دیکھا تو وہ اسے گھورنے لگی۔

''بلاؤ جسے بلانا ہے۔ میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' وہ نظریں کتراتے ہوئے بولی۔

''چلو آؤ پھر ان کو کارڈ دے آئیں۔''

''میں۔ نہیں بھئی' میں ڈیپاٹمنٹ جا رہی ہوں۔'' اس نے بہانا بنایا۔

''ارے آؤ بھئی۔''

وہ اس کے اصرار کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔

''ہوں! وہ رہے دونوں۔'' حسن کی نظروں کے تعاقب میں اس نے دیکھا تو وہ دونوں لائبریری کے سامنے لان میں گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھے تھے۔

''علی تیمور۔ !'' حسن نے دور سے آواز لگائی تو علی سمیت تیمور نے بھی آواز کی سمت دیکھا۔ حسن کے ساتھ تجل کو آتا دیکھ کر وہ سیدھا ہو گیا۔ علی بھاگ کھڑا ہوا مگر حسن نے دبوچ لیا۔

''کہاں؟''

''قسم خدا...... پاک کی یار حسن! میں نے تمہارے ڈیپارٹمنٹ کے صرف سامنے کے دو دانت' میرا مطلب ہے دو گملے توڑے ہیں۔ وہ بھی جان کر نہیں۔ وہ پتا ہے کیا ہوا۔ میں میری کلاس فیلو ہے ناں سونا۔ اس کا برگر چھین کر بھاگ رہا تھا کہ راستے میں سر آ گئے۔ ان کو بچایا تو میڈم راستے میں آ گئیں اور...... اور تم جانتے ہو کہ میڈم کی گھر کی اور۔ اور میں لڑکھڑا کر گملوں پر جا گرا...... اور۔''

ہمیشہ کی طرح بے تکی کہانی علی کی نوک زبان پر تھی۔ اور تیمور کی خاموش نظریں تجل کے چہرے پر سوچوں کی تحریر پڑھنے میں مصروف تھیں۔

''یار علی! باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔ چلو پتا تو چلا کہ وہ گملے تم نے توڑے ہیں۔ تمہارے ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین سے شکایت کرتا ہوں۔''

''ارے! مس تجل! آپ بھی ہیں۔ کیسی ہیں آپ؟ یہ آپ اس دیوانے کے ساتھ کیوں نظر آ رہی ہیں۔ کوئی اور مجنوں نظر نہیں آیا آپ کو۔''

''نہیں علی! میری زندگی میں فرزانہ کی گنجائش نہیں نکلی تو دیوانہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔''

تجل نے اچٹتی سی نگاہ تیمور پر ڈالی' جس کی آنکھوں کی کرنیں ماند پڑ گئی تھیں۔ اس کی سخت بات اور خشک رویے پر۔

''یار! تم اصل بات بھلا کر رکھ دیتے ہو اگلے انسان کو۔''

حسن کو ایک دم کارڈ یاد آ گئے تو اس نے بیگ سے نکالے۔

''جھوٹ مت بولا کرو۔ انسان خفا ہو جائیں گے' اچھا تو شادی کر رہے ہو' ویسے وہ بدنصیب ہے کون؟'' علی نے کارڈ اس کے ہاتھ سے جھپٹا۔

''شادی میری نہیں بہن کی ہے' اور آنا لازمی شرط قرار پایا ہے۔''

''اوہ مبارک ہو' اللہ ہماری بہن کو خوش رکھے۔''

تیمور نے خلوص سے مبارک باد کے ساتھ دعائیں دیں۔

''ان دعاؤں کو آپ سنبھال کر رکھیں' اور ان ہی دعاؤں کی چھاؤں تلے اسے رخصت کریں۔ شرکت کرکے۔'' حسن نے دوسرے الفاظ میں آنے کی تاکید کی۔

''حسن بھائی! مس تجل کو بھی بلا لیتے' کیا ہوا جو بہت بور کرتی ہیں۔ چلو میری سفارش پر بلا لو۔''

علی نے سفارش کو شفارش کہتے ہوئے تجل کو دیکھا جو کہیں اور دیکھ رہی تھی۔

''آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مس تجل اس تقریب کی مہمان خصوصی یعنی چیف گیسٹ ہوں گی۔''

''مار دیا یار! میرا رتبہ کسی اور کو دے ڈالا۔'' علی نے شور مچایا۔

''ہم ضرور آئیں گے حسن!'' تجل کی آمد یقینی ہوئی تو تیمور نے آنے کی ہامی بھرلی۔

☆......☆......☆

وہ یونیورسٹی سے گھر پہنچی تو دو بج رہے تھے۔ طویل لان عبور کرکے اندر آئی تو کوریڈور سے گزرتے ہوئے اس کے قدم ڈرائنگ روم کے سامنے جم گئے۔ اپنے گھر کے وسیع رقبے پر تو نہیں البتہ اپنے ڈرائنگ روم کی وسعت پر سخت اعتراض تھا۔ جس کو مما نے بطور خاص اپنے ہاتھوں سے ڈیکوریٹ کیا

تھا۔اس ڈرائنگ روم میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو ملکی ہو۔خود پسند قسم کی صوفیہ بیگم نے بڑے چاؤ سے اس کو غیر ملکی قیمتی اشیاء سے سجایا تھا۔اپنے ہوش میں اس نے اتنی بڑی ڈائننگ ٹیبل کی تمام کرسیوں کو بھرا ہوا نہیں دیکھا تھا۔مگر آج زندگی کا شاید حسین ترین دن تھا۔مما پپا سمیت سب موجود تھے۔عدیل' نبیل برابر بیٹھے تھے۔آمنہ' فاطمہ ساتھ تھیں۔مہوش بڑی محبت سے مما کو کھانا کھلا رہی تھی۔مما کے چہرے پر زندگی بھرپور انداز میں مسکرا رہی تھی۔پپا اتنے لطیفے سنا سکتے ہیں' ہنسا سکتے ہیں۔یہ اس نے کب سوچا تھا۔وہ تو یہ جانتی تھی کہ پپا کو بس غصہ آتا ہے۔رعب ڈالنا آتا ہے اور بس۔لیکن پپا نے تو بتا دیا تھا کہ وہ ہنس بھی سکتے ہیں اور ہنسا بھی سکتے ہیں۔اب بھی وہ کوئی بات کر کے خود ہی بلند قہقہہ لگا رہے تھے۔ان کے بلند قہقہے کی آواز شیشے کی دیوار بھی پار کر گئی۔ان کی نگاہیں فاطمہ پر جمی تھیں۔اس قہقہے کی اوٹ میں ان کی آنکھوں میں اترتی نمی کو دور کھڑی نجل ہی دیکھ پائی۔

''زندگی کی طرف لوٹنے میں آپ نے بہت دیر کر دی پپا! اتنی کہ زندگی نے آپ کی توجہ آپ کی محبت سے مایوس ہو کر موت کی طرف قدم بڑھا دیے۔پپا بہت دیر کر دی آپ...'' بے خودی کی کیفیت میں نجل وہیں کھڑی رہی۔

''ارے بے بی؟ آ گئیں تم۔وہاں کیوں کھڑی ہو؟''

فاطمہ کی نظر اس پر پڑی تو اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر نجل نے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

''پتا ہے کیا باجی! زندگی میں پہلی بار زندگی کا اتنا حسین روپ دیکھا ہے کہ خواب کا گمان ہو رہا ہے۔''

''ہاں بے بی! اللہ تعالیٰ تو ہر بات پر قادر ہے ناں دیکھو کتنی انہونی...... بات ہو گئی ہے۔ ہمارے پپا اللہ نے ہمیں لوٹا دیے ہیں۔آج تو پپا نے اتنے لطیفے سنائے ہیں کہ ہنس ہنس کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔''

فاطمہ بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر اسے بتا رہی تھی' نجل کتنی ہی دیر اسے دیکھتی رہی۔ اندر باہر سے خوبصورت اس لڑکی کی قسمت کتنی بدصورت تھی۔

''ہاں بجو! آنسو تو گویا آنکھوں میں ٹھہر سے گئے ہیں۔'' وہ اسے کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

''فاروق احمد! تصویر کا یہ حسین رخ ہم نے پہلے کیوں نہیں دیکھا۔یہ زندگی تو اس زندگی سے بے حد خوبصورت ہے' فاروق! جو ہم نے گزاری ہے ہمارے اور بچوں کے درمیان جو دیوار حائل رہی' وہ اگر نہ ہوتی۔ہم کسی منزل پر پہنچ چکے ہوتے۔آپ نے بچیوں کے چہرے دیکھے ہیں۔کیسے کھلے کھلے رہتے ہیں۔ہر وقت ہنستی مسکراتی رہتی ہیں۔ہے ناں؟''

انسان کا دل اگر خوش اور روح مطمئن ہو تو شدید سے شدید بیماری کی شدت بھی کم ہو جاتی ہے' صوفیہ بیگم کا دل خوش ہوا تو وہ اپنی جسمانی تکلیفیں بھول گئیں۔اب جو حیرت انگیز تبدیلی فاروق صاحب میں آئی تھی۔اس کا سب سے زیادہ خوشگوار اثر ان ہی پر ہوا تھا۔وہ بہت خوش اور مطمئن رہتیں نبیل اور مہوش بھی آ گئے تھے۔

''میں نے کتنی باتیں کر ڈالیں۔آپ چپ کیوں بیٹھے ہیں۔''

صوفیہ بیگم نے چپ بیٹھے فاروق صاحب کو دیکھا جن کے چہرے پر گہری سوچ کے سائے تھے' جن کے کانوں میں ڈاکٹر کے الفاظ کی بازگشت تھی۔کہ فاطمہ کو جلد از جلد باہر لے جائیں' ان کے اندر بے شمار آوازوں کا ہجوم تھا۔

''فاروق! ابھی کچھ دیر پہلے تو آپ بہت خوش تھے' سب سے بلند اور جوان قہقہے آپ ہی کے تھے' مگر اب تو لگتا ہے جیسے۔''

صوفیہ بیگم ذرا اونچی آواز میں بولیں' وہ خوف زدہ ہونے لگی تھیں۔کیونکہ فاروق صاحب خطرناک حد تک سنجیدہ تھے۔جس سے ان کو وحشت ہونے لگی تھی۔

''ہوں...... ہاں تم کچھ کہہ رہی تھیں؟''

وہ گہری سوچ سے چونک کر بیوی کو دیکھنے لگے۔جو خود مریضہ تھیں۔اور کوئی بھی بری خبر ان کے اعصاب کو متاثر کر سکتی تھی۔انہوں نے سب بچوں کو بلایا اور کہا کہ تیار ہو جائیں۔آج ڈنر ہم باہر کریں گے۔کوئی اور وقت ہوتا تو آمنہ اور نجل خوشی سے اچھل پڑتیں مگر اب وہ جانتی تھیں کہ پپا فاطمہ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ کیش کر لینا چاہتے ہیں۔اس کی قربت کی گنی چنی ساعتوں کو قید کر لینا چاہتے ہیں۔

''مگر ابھی تو ڈنر میں بہت وقت ہے پپا!'' نبیل نے گھڑی دیکھی جو چار بجا رہی تھی۔

''بھئی! یہ بہت بری بات ہے' اب ہمیں زندگی سے پیار ہوا ہے تو وقت نے بھاگنا شروع کر دیا ہے۔

یار! ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم دنیا کی ساری گھڑیاں توڑ ڈالیں' اور۔ اور وقت ٹھہر جائے۔یا پھر وقت پیاری سی تتلی بن جائے اور...... اور میں اپنے دل کی کتاب میں بند کر لوں' کہیں اڑنے نہ دوں۔اور اس کتاب کو ایسی جگہ چھپا دوں' جہاں سے کوئی اسے چرا نہ سکے۔چھین نہ سکے۔''

بے ساختہ انہوں نے فاطمہ کو ساتھ لگا لیا۔باقی سب اس بات کا پس منظر جانتے تھے' مگر فاطمہ حیران ہو گئی۔البتہ صوفیہ بیگم خوش دلی سے ہنسنے لگیں۔بڑی مطمئن' اور بے خبری کی ہنسی۔اپنے شوہر کی باتوں کا مطلب اگر وہ جان لیتیں۔تو شاید وہ دوسرا سانس بھی نہ لے پاتیں۔

نبیل اور مہوش نے آگے بڑھ کر پپا کے بازو معنی خیز انداز میں دبائے کہ اس قسم کی جذباتیت خطرناک ہو سکتی ہے۔

''ارے بھئی! ...... چلو...... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' اور بچو! کیا خیال ہے تم لوگوں کی آیا کو بھی ساتھ لے چلیں۔''

فاروق صاحب نے مسکرا کر صوفیہ بیگم کی طرف دیکھا' جو پہلے تو بات سمجھیں نہیں' پھر سمجھ کر مسکرا دیں۔مگر اس مسکراہٹ میں ندامت بھی شامل تھی۔

''ارے فاروق صاحب! میں تو آپ کے بچوں کی اس وقت بھی آیا نہ بن سکی۔جب ان کو صرف اور صرف میری ضرورت تھی تو اب۔اب تو میں خود ان پر بوجھ ہوں۔''

صوفیہ بیگم آبدیدہ ہو گئیں۔وہ اپنی بیماری اور محتاجی کے باعث بہت دکھی ہو گئی تھیں۔

''ارے مما! آپ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں...... آپ ہم پر بوجھ تو نہیں آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے' اور ہم تو اپنا فرض بھی ڈھنگ سے پورا نہیں کرتے۔''

تمام عمر والدین کا حکم بجالانے والی فاطمہ کو اپنی کارکردگی پر شبہ تھا۔ جب سے مما بیمار ہوئی تھیں۔ فاطمہ نے خود کو صرف اور صرف ان کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کی ایک آواز پر دس بار جی جی کہتی وہ سراپا خدمت بن جاتی۔

''بھئی دیکھ لو ہماری اعلیٰ ظرفی کہ اتنی نااہل آیا کو بھی اب تک رکھا ہوا ہے۔ کوئی دوسری آیا نہیں رکھی۔''

''ہائے پپا! میری مما کو ایسے تو مت کہیے۔ بھلا کوئی مما جیسا ہو سکتا ہے۔'' فاطمہ نے پیار سے ماں کو دیکھا۔

''اور پپا جیسا؟'' فاروق صاحب نے اس کے چہرے پر پھیلی زردیوں کو دیکھا۔

''پپا! آپ تو ہماری زندگی کا وہ گمشدہ خزانہ ہیں' جس کی تلاش میں ہم نے عمر بتا دی۔'' فاطمہ کی آنکھوں میں ستارے جھلملانے لگے۔

''اس گمشدہ خزانے کو تو تمہاری زندگی کے ڈوبتے سورج نے تلاش کیا ہے میری مظلوم بیٹی۔'' فاروق صاحب فاطمہ کو دیکھتے ہوئے سوچ کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

وہ سب عمر کے اس حصے میں تھے کہ جہاں احساسات وجذبات ٹھہراؤ کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ زمان ومکان سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور پھر ایسے میں جب کسی اپنے پیارے کی ابدی جدائی کا احساس ہمراہ ہو تو کیسی تفریح' کیسی انجوائے منٹ وہ سب تو فاطمہ کی عمر کی ختم ہوتی تقدیر کو اپنے اپنے احساس میں سمیٹ لینا چاہتے تھے۔

''سچ باجی! زندگی میں ایسا وقت کبھی نہیں آیا تھا ناں۔'' آمنہ' فاطمہ کے ساتھ سرد ریت پر آہستگی سے چلتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں واقعی۔ وہ دیکھو' بے بی کی حرکت' اونٹ پر بیٹھ رہی ہے۔ لو یہ مہوش بھی بچہ بن گئی۔ دونوں بیٹھ گئیں۔'' فاطمہ اونٹ پر بیٹھی مہوش اور نجل کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

''باجی...... باجی آئیں آپ بھی۔'' مہوش اس کی طرف بڑھی تو جھجک گئی۔ پھر وہ ناں ناں ہی کرتی رہ گئی۔ مگر ان سب کی ضد کے آگے اسے سر جھکانا پڑا اور وہ تینوں بیٹھ گئیں۔ مگر سب کی کوشش تھی کہ تیزی سے گزرتے لمحات کو حسین یادوں کی صورت محفوظ کر لیں' یہ کتنی عجیب بات تھی' جب یہ سب ان کی عمر کے تقاضوں میں شامل تھا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ گھومیں پھریں' زندگی کو انجوائے کریں۔ اس وقت یہ ہوا نہیں۔ مما' پپا خود تو دنیا جہان کی سیریں کر لیتے' مگر بچے دیکھتے رہ جاتے' اور آج جب کسی سیر' کسی تفریح کی نہ عمر تھی' نہ شوق۔ وہ سب ہو رہا تھا۔ وہ چھوٹے بچوں کی طرح اچھلتی لہروں اور پیروں سے کھسکتی ریت کو انجوائے کر رہے تھے' جبکہ مما' پپا۔ گاڑی میں بیٹھے ان کو دیکھ رہے تھے۔ زندگی کے اس حسین رخ کے پس منظر سے ناآشنا صوفیہ بیگم خدا تعالیٰ کا شکرانہ بھی ادا کر رہی تھیں اور فاروق صاحب سے باتیں بھی کر رہی تھیں۔ مگر وہ اپنے اندر دکھ کے سمندر کو ٹھاٹھیں مارتا ہوا محسوس کر رہے تھے' جس کا نام فاطمہ کی موت تھا۔ اس وقت ان کی نظروں کا محور صرف فاطمہ تھی۔ اس کی ایک ایک جنبش پر ان کی نظر تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس کے بہن بھائی کس طرح اسے ہنسانے' خوش رکھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس

وقت بھی فاطمہ کو نبیل اپنے ہاتھ سے کچھ کھلا رہا تھا۔

''کاش...... اے کاش! یہ وقت ٹھہر سکتا۔'' ان کی آنکھوں میں اترتی نمی نے منظر دھندلا دیا۔ آنکھیں رگڑیں تو دیکھا۔ فاطمہ ان سے قدرے فاصلے پر ایک پتھر پر بیٹھی ڈوبتے سورج کو دیکھ رہی ہے۔ وہ صوفیہ بیگم سے ابھی آیا کہہ کر اس کے قریب چلے آئے۔

''فاطمہ بیٹی! کیا دیکھ رہی ہو۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئے تو وہ چونک گئی۔

''اوہ پپا آپ۔'' وہ تھوڑا سا سمٹ گئی۔

''پپا! میں یہ دیکھ رہی تھی کہ ہر چیز کو زوال ہے۔ اب سورج کو دیکھئے' جب یہ اپنے عروج پر ہوتا ہے' اور اس کی کرنوں کی حدت پوری کائنات کو گرم کر رہی ہوتی ہے تو۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ حکم الٰہی سے ڈوب جائے گا۔ اور اس کی وہی کرنیں جو بدن کو تپا رہی ہوتی ہیں' اپنا وجود کھو کر افق کی گود میں آنکھیں موند لیں گی۔ ہر کسی کو فنا ہے۔ خواہ انسان ہو یا کوئی اور مظاہر قدرت بقا تو صرف اللہ لاشریک کو ہے ناں۔ پپا باقی سب کا نصیب فنا ہے۔''

فاطمہ انتہائی گہرے انداز میں ڈوبتی آواز کے ساتھ بول رہی تھی۔ فاروق صاحب کا جی چاہا موت کی طرف بڑھتی اپنی بیٹی کو دل میں چھپا لیں۔

''ٹھیک ہے بیٹا! یہ حقیقت ہے لیکن چھوڑو فنا کی باتیں۔ زندگی کی باتیں کرو۔''

''زندگی کی باتیں۔ پپا! زندگی ایک کلی کی مسکراہٹ سے زیادہ ثبات نہیں رکھتی اور پانی کے بلبلے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تو۔ تو ایسی بے حقیقت چیز کی کیا باتیں کریں۔ آئیں۔ پپا! مما کے پاس چلیں۔ وہ اکیلے تو رہ ہی نہیں سکتیں۔''

وہ پپا کا ہاتھ پکڑے پتھروں پر سنبھل کر چلتی اوپر آ گئی۔ دکھیارے باپ کے دل پر دکھ کے بادل گہرے ہو گئے۔

☆......☆......☆

''پپا! ڈاکٹر ظفر کا فون آیا تھا۔'' عدیل نے کمرے کی لائٹ آن کرتے ہوئے بتایا۔ فاطمہ کی باتوں نے آج ان کو بہت دکھی کر دیا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر لائٹ آف کر کے ایزی چیئر پر ڈھے سے گئے۔

''نئے ٹیسٹوں کی رپورٹ آ گئیں کیا؟'' ان کی آواز گہرے کنویں سے نکلی۔

''جی۔'' عدیل کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

''اچھا۔'' وہ بے جان سے ہو گئے۔ گویا آخری چراغ بھی امید کا بجھ گیا۔

''پپا! چلیں اب دیر نہیں کرنی۔ ہمیں جلد نکلنا ہے۔ ہر گزرتا لمحہ فاطمہ باجی کو ہم سے دور کر رہا ہے۔''

''چپ رہو۔ تفصیل نہیں مانگی میں نے تم سے۔ جاؤ چلے جاؤ تنہا چھوڑ دو مجھے۔''

فاروق صاحب اب اتنے بھی مضبوط اعصاب کے مالک نہیں تھے کہ اپنی بیٹی کی موت کی خبر پر نارمل رہتے' وہ بازو پر سر رکھ کر رو دیے۔ عدیل آہستگی سے ان کے قریب چلا آیا۔

''پلیز پپا! ایسا نہ کریں۔ اگر آپ نے ہمت ہار دی تو غم کے اس بڑھتے سیلاب میں سب کچھ

بہہ جائے گا۔ حوصلہ کریں' ہمت سے کام لیں۔"

"کیسے ہمت کروں بیٹا! کہاں سے اتنا بڑا دل لاؤں' جو فاطمہ کی موت کا استقبال کر سکے۔ یااللہ میری کوتاہی کی' بے خبری کی اتنی بڑی سزا۔ میرے اللہ مجھے معاف فرما دے۔"

عدیل کے ساتھ لگے وہ کتنی ہی دیر پانی ہوتے رہے۔ پھر ہمتیں جمع کر کے باہر آئے تو مہوش کے ساتھ بیٹھی وہ تینوں ہنس بول رہی تھیں۔ جانے وہ کون سی باتیں سنا رہی تھی کہ وہ تینوں بہنیں ہنس رہی تھیں۔ کتنی پرسکون' بے خوف اور مطمئن ہنسی کی جھنکار تھی۔ فاروق صاحب دور کھڑے اپنی بیٹیوں کو ہنستا ہوا دیکھتے رہے۔ انہوں نے تو کبھی اپنی بیٹیوں کی ہنسی کی آواز سنی ہی نہیں تھی۔ ان کی کچی عمروں کی ہنسی۔ بے فکری کے قہقہے جو لڑکیاں صرف اپنے بابل کے آنگن ہی میں لگایا کرتی ہیں۔ پھر یہ کیسے۔ بابل کا کیسا آنگن تھا کہ جس میں نہ تو ان کی بیٹیوں کی ہنسی کی جھنکار گونجی تھی' نہ اس گھر کے در و دیوار ان کی خوشیوں سے بجے تھے' نہ بابل کے آنگن میں شہنائی بجی تھی نہ کوئی بیٹی بابل کی دعاؤں کے سائے تلے سہاگ کا جھومر سجائے رخصت ہوئی تھی۔ کیسا بابل تھا یہ' کیسا آنگن تھا جو تین بیٹیوں کی موجودگی میں بھی سونا تھا۔ اس سناٹے کے تو وہ خود ذمہ دار تھے۔

"بس کرو۔ خدا کے لیے مہوش! میرے تو پیٹ میں بل پڑ گئے ہیں ہنستے ہنستے۔"

فاطمہ کا مارے ہنسی کے چہرا سرخ پڑ گیا تھا۔ اور آنکھوں میں نمی آ ئی تھی۔ وہ آنچل سے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"نہیں مہوش بیٹے! اور ہنساؤ۔ میری فاطمہ کو اور ہنساؤ۔ فاطمہ! میری بچی خوب باتیں کیا کرو۔ زور زور سے قہقہے لگایا کرو۔ تمہاری ہنسی کی جھنکار' تمہارے قہقہوں کی گونج اس گھر کے در و دیوار میں سما جائے۔ ہر طرف سے تمہاری ہنسی کی آواز آئے۔ اتنا ہنسو۔" فاروق صاحب بے خود ان کے قریب آ کر بولے تو کنول نے ان کا ہاتھ دبایا۔ کیونکہ فاطمہ سنجیدہ ہو کر ان کو دیکھنے لگی تھی۔

"پپا! بھابی کو اتنے لطیفے آتے ہیں کہ بس۔"

"مہوش بیٹے! تم پہلے اس گھر میں کیوں نہیں آ گئیں۔ ایسے لطیفے لے کر جن سے اس سوئے ہوئے محل کا طلسم ٹوٹ جاتا۔ اور زندگی مسکرانے لگتی۔ اس کے قہقہے میری روح کے سناٹوں کو نگل جاتے۔"

"بے بی! تمہارے پپا فلسفہ بھی بولنے لگے ہیں۔ وہ بتاؤ ناں کہ تمہارا کلاس فیلو حسن آیا تھا۔ اس کی بہن کی شادی ہے' کارڈ دیتے وقت بہت اصرار کر رہا تھا' سب کے آنے پر۔"

صوفیہ بیگم بے خبر تھیں شوہر کے اس رویے کو نہیں جانتی تھیں۔

"جی پپا! یہ رہا کارڈ......" کنول نے کارڈ ان کی طرف بڑھایا' وہ پڑھنے لگے۔

"ہاں...... ہاں بیٹے ضرور جاؤ۔ سب جانا اور فاطمہ تو ضرور جائے گی۔" انہوں نے فاطمہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔ ایک وقت وہ تھا کہ کہیں جانے کے لیے ان کو کتنی مشکل سے اجازت ملتی تھی' اور اب۔

"پپا! کاش پپا...... کاش آپ نے لوٹنے میں اتنی دیر نہ کی ہوتی۔"

کنول اور آمنہ ایک ہی بات سوچ رہی تھیں۔ پھر لڑکیاں تو چلی گئیں۔ صوفیہ بیگم افسردہ سی ہو گئیں۔

"کتنے خوش نصیب لوگ ہوتے ہیں' جو بیٹیوں کی شادیاں کرتے ہیں' صحیح عمر میں ان کو دلہن بنا

کر سہاگ کا جھومر سجا کر ماں باپ رخصت کرتے ہیں۔ ایک ہم ہیں۔" ممتا سسک پڑی تو فاروق صاحب ان کے قریب چلے آئے۔

"میں بھی اپنی فاطمہ کو دلہن بنا کر ہی رخصت کروں گا صوفیہ بیگم" فاروق صاحب مردہ سی آواز میں بولے۔

☆......☆......☆

"مجھے معلوم تھا' یہ آپ ہی ہو سکتے ہیں۔"

"اچھا تو آپ کو میری خوشبو آنے لگی۔" علی شوخ ہوا۔

"آپ کوئی پرفیوم ہیں کہ خوشبو آئے گی۔ میں آپ کے دروازہ بجانے کا انداز پہچان جاتی ہوں۔" راستہ دیتے ہوئے اس نے آہستگی سے کہا...... وہ شاپنگ کر کے لدا پھندا آیا تھا۔

"یااللہ ان کی پہچان کی رفتار اتنی ہی سست رفتار رہی تو اندیشہ غالب ہے کہ میری عمر کی گاڑی نہ نکل جائے۔"

"جی غالب مجھے بھی بہت پسند ہیں۔"

"اف میرے خدا۔" وہ سامان قالین پر پھینک کر خود صوفے پر گر گیا۔ اور شاہی کو گھورنے لگا۔

"ایسے کیوں گھور رہے ہیں۔" وہ خوف زدہ سی ہو گئی۔

"اس لیے کہ تم دونوں بہن بھائی میرے صبر و ضبط کا امتحان لے رہے ہو اور مشکل یہ کہ قتل کا بھی چانس نہیں۔ تم دونوں نے تو سوچ رکھا ہے کہ اسے ملک عدم پہنچا دیا جائے۔"

"جی کون سے ملک۔ یہ کوئی نیا ملک ہے؟"

وہ باتیں ہی ایسی کرتا تھا۔ جو اس کی سمجھ کی سطح کو چھوئے بغیر آگے نکل جاتیں۔

"جی ہاں...... ابھی...... ابھی...... لڑکی! تم دونوں بہن بھائی ایک روز باہر سے آؤ گے ناں تو مجھے لٹکا ہوا پاؤ گے۔"

"ہاں...... وہ جاتے جاتے پلٹ کر اسے بڑی معصومیت سے دیکھ رہی تھی۔

"پنکھے کے ساتھ۔"

"رکے ہوئے پنکھے کے ساتھ یا چلتے ہوئے۔"

"رکا ہو گا تو چلا دیجیے گا۔ بٹن دبا کر اور آپ سے توقع ہی کیا ہے۔ اچھا خیر چھوڑو۔ یہ میں نے کچھ شاپنگ کی ہے' دیکھو کیسی ہے۔"

اس نے سب سے پہلے ایک ڈبہ کھول کر اس کے سامنے رکھا۔

"یہ کیا ہے؟" علی نے ڈبے سے سرخ حیدر آبادی لباس اس کے سامنے کیا تو اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

"کس کا ہے۔ بہت خوبصورت ہے یہ مگر ہے کس کا؟"

"آپ کا ہے' آپ کیلئے ہے۔" وہ اسے شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ میں پہنوں گی۔" حیرت سے اس کی خوبصورت آنکھیں پھیل گئیں۔

"جی نہیں۔ میں پہنوں گا' اور یہ سرخ جھلملاتا ہوا لباس تو میرے اوپر بہت سوٹ کرے گا۔ اور

یہ میک اپ کٹ تو میں جیب میں ڈالے رہتا ہوں اور اس نازک سینڈل میں میرے ہاتھی جیسے پاؤں تو بہت خوبصورت نظر آئیں گے احمق بھائی کی بہن یہ سب تمہارے لیے ہی ہے۔"

وہ اسے ڈپٹتے ہوئے ایک ایک ڈبہ کھول کر چیزیں اس کے سامنے پھیلا رہا تھا۔ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے حیرت سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے؟ کیوں میری بہن کو ہراساں کر رہے ہو۔"

تیمور واش روم سے نہا کر آیا تو شابی سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ اور علی اسے گھور رہا تھا۔

"ہاں میں دہشت گرد ہوں ناں۔ ہراساں کر رہا ہوں اور وہ جو الٹے سیدھے سوالات کی گولہ باری سے مجھے ہلاک کر چکی ہیں اس کا کوئی حساب نہیں۔"

"آپ بہت بولتے ہیں۔" شابی مسکرائی۔

"ابھی آپ کے اختیار میں ہے۔ کٹوا ڈالیے زبان۔" وہ تو آج انگارے چبانے کے موڈ میں تھا۔

"توبہ ہے۔" شابی اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

"یارہ پیچھے آئے تو اسے پڑھ لینا۔"

تیمور نے ایک بند لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

"مل گئی نوکری۔" علی نے جھٹ پڑھنا شروع کر دیا۔ تیمور نے ایک جگہ پرائیویٹ ادارے میں جاب کے لیے اپلائی کر رکھا تھا۔

"ہوں چار ہزار برے نہیں۔"

"برے یار! بہت اچھے ہیں۔ پہلے تو چلو گزر اوقات ہو جاتی تھی مگر اب مشکل ہو گئی تھی۔ وہ تو کہو کہ تم جیسا مخلص دوست اللہ نے دے رکھا ہے ورنہ۔"

"بکواس شروع 'کیا' چاہتے ہو بھوکا اٹھ کر چلا جاؤں۔ وہ جو تمہاری بہن صاحبہ نے بدمزا کھانا بنا رکھا ہے اسے کون کھائے گا؟"

علی نے شوخی سے کھانے کے برتن لگاتی شابی کو دیکھا جس نے اس کی بات سنی تھی اور نہ نظریں سمجھ سکی تھی۔

"علی! سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ٹائمنگ شفٹ میں ہے۔ آرام سے یونیورسٹی سے آنے کے بعد وہاں چلے گئے مزے سے اور میرے خیال میں پانچ چھ گھنٹوں کا معاوضہ چار ہزار کافی ہے۔"

"بھائی! کھانا لگ گیا ہے۔" شابی نے تیمور کو دیکھا تو وہ کھڑا ہو گیا۔ مگر علی بیٹھا رہا۔

"آؤ یار!"

"نہیں تم جاؤ۔ کھانے کی دعوت تمہیں دی گئی ہے مجھے نہیں۔" وہ منہ پھلا کر بولا تو شابی مسکرا پڑی۔

"علی بھائی! کھانا لگ گیا ہے آ جائیں۔" اس نے باقاعدہ درخواست کی تو وہ اٹھ گیا۔

"حسن کی بہن کی شادی میں تین دن رہ گئے ہیں ناں۔"

تیمور نے چاول نکالتے ہوئے یوں ہی بے دھیانی میں کہا۔

"اچھا دن تو تین رہتے ہیں۔ کتنے گھنٹے' کتنے منٹ' کتنے سیکنڈ رہتے ہیں۔ یہ شمار نہیں کیا آپ نے۔"

علی نے معنی خیز شوخی سے تیمور کو دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔

"یار! تم تو بات پکڑتے ہو۔ یوں ہی بے دھیانی میں کہہ گیا۔"

؎ تیرے عشق میں بے دھیان ہم خود سے ہوئے

علی نے پہلے تیمور کو چھیڑا اور پھر شابی کو دیکھنے لگا

☆......☆......☆

"زیب! تم نے امی کو تیار کیوں کر لیا ہے پتا ہے اچھے طریقے سے نہ خود رہیں گی اور نہ مجھے کسی سے بات کرنے دیں گی۔ حسن تو ان کو پسند آیا ہی نہیں۔ بس امی کو نہیں جانا چاہیے۔ پھپھو چلی چلیں ہمارے ساتھ۔"

فائزہ کو جب سے پتا چلا تھا کہ آسیہ بیگم بھی جانے کو تیار ہیں تو وہ پریشان ہو گئی تھی۔

"فائزہ! میں خود ایسا نہیں چاہتی تھی۔ مگر جب وہ بار بار کہہ رہی تھیں کہ میں بھی جاؤں گی۔ مجھے جانا چاہیے تو میں کیا کرتی۔ کہہ دیا کہ چلی چلیں۔"

"اللہ کرے عین وقت پر کوئی مہمان آ جائے اور وہ نہ جا سکیں۔ تب پھپھو کو جانا پڑے۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

بعض دعائیں بڑی ہوں یا چھوٹی۔ اللہ تعالیٰ کے حضور فوراً ہی قبول ہو جاتی ہیں۔ اور اس وقت جبکہ تیار ہو رہی تھیں۔ آسیہ بیگم کی کوئی بہت پرانی دوست کافی عرصے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ آ گئیں۔

"نسیمہ! تم لڑکیوں کے ساتھ چلی جاؤ۔ میں تو اب جا نہیں سکتی۔"

"شکر ہے خدایا تیرا۔" زیب اور فائزہ نے خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"بس میں ابھی پانچ منٹ میں امی کے کپڑے تیار کرتی ہوں۔"

زیب اپنا بھاری سا دوپٹہ سائیڈ پر ڈال کر کپڑے استری کرنے لگی۔ کاہی کلر کے بھاری سے فائزہ کے سوٹ میں لائٹ سے میک اپ میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

"چشم بددور۔" اس نے چونک کر دیکھا تو شعیب دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے دیکھ رہا تھا۔ اسے اس کی یہ حرکت بہت ناگوار گزری۔ اس نے جھٹ دوپٹہ درست کر لیا۔

"کسی کے کمرے میں آنے سے پہلے دستک نہ دینا غیر اخلاقی حرکت ہے۔"

اس نے سرد اور خشک لہجے میں کہا۔

"اگر کسی غیر کے کمرے میں آتا تو یہ غیر اخلاقی حرکت نہ کرتا۔ تم تو میری ہو میری اپنی۔"

وہ میری اپنی پر زور دیتا آگے بڑھ آیا۔ وہ اس پر اپنا حق سمجھتا تھا۔

"ہونہہ۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل آئی۔

☆......☆......☆

ہال میں ابھی زیادہ لوگ نہیں آئے تھے۔ انتظام بہت اچھا تھا۔ تینوں زیب کے

ساتھ......دائرے میں رکھی کرسیوں پر آ بیٹھے۔ حسن کو ان ہی کا انتظار تھا۔ مگر جب وہ آئیں تو وہ کسی کام سے گیا ہوا تھا۔

"السلام علیکم! آداب آنٹی۔" حسن تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔ نظریں تو فائزہ پر ٹھہر گئی تھیں۔ جو سنہری لباس میں بے حد حسین لگ رہی تھی۔

"جیتے رہو بیٹا! مبارک ہو۔ بہت بہت۔ اللہ تعالیٰ بچی کو خوشیاں دے۔"

حسن کے شانے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے نسیمہ بیگم نے دعائیں دیں۔

"شکریہ آنٹی! چلئے میں آپ کو امی ...... سے ملواؤں۔ اچھا چلئے۔ آپ کہاں تکلیف کریں گی۔ آپ بیٹھیے میں۔"

"حسن بھائی!" کہیں سے حسن کو آواز آئی۔ تو وہ اس کی طرف پلٹا۔

"ابھی آیا۔" پھر وہ فائزہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میرا خیال ہے میں آپ کو اپنی بہنوں سے ملوا دیتا ہوں۔ آئیں۔"

"میرا خیال ہے حسن بھائی! فی الحال فائزہ کا آپ کی بہنوں سے ملنا زیادہ ضروری ہے' اسے لے جائیے۔"

زیب معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو فائزہ دھڑکتے دل کے ساتھ حسن کے ساتھ آ گئی۔

"شکر ہے خدا کا۔ فائزہ تمہاری امی نہیں آئیں۔ سچ میرے تو چھکے چھوٹ گئے تھے۔ ان کے سامنے۔ کیا تنقیدی نظریں تھیں۔ پتا ہے وہ آ جاتیں تو۔ میں تو تمہیں ایک نظر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ۔؟" رک کر وہ اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ سوالیہ نشان بن گئی۔

"کیا؟"

"یہی کہ آپ تو ان لوازمات کے بغیر بھی پاگل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں.....اتنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔" زیب نے جس بات کے لیے موقع فراہم کیا تھا۔ وہ فائدہ اٹھا رہا تھا اس سے۔

"آپ کو معلوم ہے مجھے فلمی انداز کی تعریف پسند نہیں۔" وہ جھینپ سی گئی۔

"اچھا افسانوی کروں۔" وہ شوخ ہو رہا تھا۔

"پھر تو جھوٹ بولیں گے۔ چھوڑیں اس فضول کام کو۔ ملوائیں امی اور بہنوں سے۔"

کچھ ہی دیر بعد وہ حسن کی امی کی دعاؤں کے سائے تلے تھی۔ بہنیں اسے بڑے پیار سے دیکھ رہی تھیں۔ جس سے اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ حسن نے ان کو سب کچھ بتا رکھا ہے۔

"فائزہ باجی! آپ اتنی اچھی ہیں۔ بھیا سے اتنی بار کہا ہے کہ آپ سے ملوائیں' مگر ٹال جاتے تھے۔ شکر ہے باجی کی شادی کا بہانا بنا اور آپ سے ملاقات ہو گئی۔"

حسن کی چھوٹی بہن اسماء تو اس سے چپک کر رہ گئی تھی۔

"ماشاء اللہ۔ امی کیوں نہیں آئیں۔" حسن کی امی مستقل اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ ایک تو وہ تھی ہی بہت خوبصورت دوسرے ان کے قابل' فرمانبردار بیٹے کی پسند تھی۔ تو وہ اسے اہمیت کیوں نہ دیتیں۔

"مہمان آ گئے تھے تو امی رک گئیں' البتہ پھپھو آئی ہیں۔"

"ارے تو پھر چلو میں ان کے پاس چلتی ہوں۔ کیا خیال کریں گی۔ وہ۔"

حسن کی تو خیر الگ بات تھی مگر اس کی امی' بہنیں حتیٰ کہ والد نے بھی فائزہ کو بہت عزت دی تھی۔ فائزہ سوچ رہی تھی نہ جانے امی ان کے ساتھ کیسا برتاؤ کریں۔

☆......☆......☆

"پتا نہیں کیسے کپڑے اٹھا لائے ہیں۔ سنبھل ہی نہیں رہے۔ اوپر سے پابندی کہ یہی پہنو۔"

وہ سیدھی سادی لڑکی تھی۔ مخصوص علاقائی لباس کی عادی۔ علی جو لباس اس کے لیے لایا تھا۔ وہ اسے عجیب سا لگ رہا تھا۔

"لڑکی! خود کلامی کرنے والے کو لوگ پاگل سمجھتے ہیں۔"

وہ دونوں تو آگے چلے گئے تھے' مگر اس سے اس بھاری سوٹ اور پنسل ہیل کے ساتھ چلا نہیں جا رہا تھا۔ علی نے مڑ کر دیکھا تو وہ دوپٹے سے الجھی ہوئی تھی......وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"دیکھئے تو کتنی عجیب لگ رہی ہوں اس لباس میں۔ اور مجھ سے چلا بھی نہیں جا رہا۔"

"بتاؤں۔ تم کیسی لگ رہی ہو اس لباس میں۔" وہ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ جو سرخ لباس میں بالکل شہزادی لگ رہی تھی۔

"یار! تم دونوں بہن بھائی' جان لے کر رہو گے میری۔ لاؤ ہاتھ دو اور آرام سے چلو......کہیں گر کر تماشا نہ بن جانا۔"

وہ اس کے ملکوتی حسن کی نذر ایک جملہ بھی نہ کر سکا۔ اس نے اپنا بھاری ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں۔ میں نہیں کروں گی چلئے۔" شانی نے ہاتھ نہیں پکڑایا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے اس کے ساتھ اندر آ گئی۔ تیمور ایک کونے کی میز منتخب کر چکا تھا۔

"اب تو آ جا کہ تجھے یاد کیا ہے دل نے۔"

تیمور کی نظریں چونکہ گیٹ پر تھیں۔ علی نے شوخی سے پہلے شانی کو دیکھا' پھر تیمور کو چھیڑنے لگا۔

"خیر ایسی بھی بات نہیں۔" وہ جھینپ گیا۔

اتفاق سے اسی وقت گیٹ پر تجل' فاطمہ' آمنہ اور مہوش سمیت داخل ہوئی۔ آف وائٹ شرارہ تجل پر بہت سوٹ کر رہا تھا۔ تیمور کی تو نظریں ہی گیٹ پر تھیں۔ تاروں بھری یہ محفل جہاں چاروں طرف برقی قمقموں کی جگمگاہٹ تھی' خوشبوئیں تھیں۔ رنگوں کی برسات تھی' مگر تجل کی آمد سے قبل کتنا سونا سونا لگ رہا تھا یہ ماحول۔ مگر اب جیسے ہر طرف خوشیاں بکھر گئی ہوں۔

"کتنی پیاری لگ رہی ہیں تجل باجی؟"

شانی جو علی کی اوٹ پٹانگ باتوں پر کبھی مسکرا اٹھتی اور کبھی کھلکھلا کر ہنس دیتی۔ اس کی نظریں بھی تیمور کے ساتھ تجل پر ٹھہر گئیں۔

"کیا مجھ سے زیادہ۔ دیکھوں تو۔"

علی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا تجل وغیرہ کے پاس آ گیا۔

"ہیلو تجل۔"

وہ خوش اخلاقی کے ساتھ سب کو ہیلو کہہ رہا تھا۔

"او ہیلو! کیسے ہیں آپ؟" علی کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ دشمن جاں بھی اسی محفل میں ہے۔

"آپ کو تو پتا ہے۔ میں پیدائشی اچھا ہوں البتہ۔ خیر آپ ادھر چلئے ناں۔ ہم نے دانستہ بڑی ٹیبل کو منتخب کیا ہے۔ آیئے۔" اس نے پیچھے ہٹ کر ان کے لیے راستہ بنایا۔ مگر تجل کچھ سوچ کر جھجک گئی۔

"نہیں علی! ہم یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ آیئے باجی! بھائی! آمنہ! یہاں بیٹھ جاتے ہیں۔"

ذرا آگے ہو کر ایک ٹیبل کے گرد رکھی کرسیوں پر وہ لوگ بیٹھنے لگیں۔ تو علی زور سے ہنس پڑا۔

"کیا ہوا؟" تجل نے استفہامیہ نظروں سے علی کو دیکھا۔

"ہونا کیا ہے' خود آپ اپنے جال میں صیاد آ گیا۔ محترمہ! یہ ہی ہماری ٹیبل ہے۔"

وہ پھر زور سے ہنسا تو علی کو موجود دیکھ کر دل دھڑکا تھا کہ شاید وہ بھی آیا ہو۔

"اچھا۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"جی۔ اب اسے اپنا ہی سمجھئے اور بیٹھ جایئے۔ تیمور اور شانی ذرا حسن کے پاس گئے ہیں۔ ابھی آجاتے ہیں۔" اس اطلاع پر یک بارگی پھر دل دھڑکا۔ مگر شانی کے نام پر سردی لہر اٹھی۔ وہ اب وہاں بیٹھنا تو نہیں چاہ رہی تھی' مگر اٹھ کر جانا بھی مناسب نہیں تھا۔ وہ اپنا چھوٹا سا چند بیگ میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔ علی نے بہانے سے مڑ کر تیمور کو اشارہ کر دیا۔ کہ وہ بھی وہیں آ جائے۔

"ہیلو۔" تیمور نے بلند آواز میں سب کو ہیلو کہا۔

"کیسے ہیں آپ؟" فاطمہ کو سوبر سا یہ شخص اچھا لگتا تھا۔

"جی۔ میں تو ٹھیک ہوں' مگر آپ کافی کمزور لگ رہی ہیں۔"

تیمور شانی کے لیے کرسی نکال کر عین تجل کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے بولا۔

تجل نے ایک نظر سیاہ ڈنر سوٹ میں تیمور پر ڈالی۔ پھر اس کے برابر بیٹھی۔ بہت پیاری' کومل سی لڑکی پر جس سے کبھی رقابت تو محسوس نہیں ہوئی تھی' مگر وہ یہ ضرور سوچتی کہ اتنی پیاری لڑکی کتنی آسانی سے تیمور کی زندگی پر چھا گئی تھی۔

"آپ کیسی ہیں شانی! کراچی کیسا لگا آپ کو۔؟"

تجل نے خاموش بیٹھی شانی کو دیکھا۔

"جی' بہت اچھا لگا ہے۔ لیکن آپ تو نظر ہی نہیں آتیں۔ آپ تو مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ ان لوگوں سے کتنی بار کہا کہ آپ سے ملوا دیں مگر۔"

شانی نے شاکی نظروں سے تیمور اور علی کو دیکھا' جن کے ہونٹوں پر معنی خیز سی مسکراہٹ تھی۔

"ارے بھئی' میں اب اتنی بھی اہم نہیں کہ یہ لوگ ملواتے۔"

بیگ کی نازک سی چین انگلی پر لپیٹے جھکی پلکوں کے ساتھ ایک سادہ سے جملے میں وہ ڈھیروں شکوے چھپائے تیمور کو بے حد اچھی لگی۔

"تجل! اہمیت کا ابھی تک کوئی پیمانہ نہیں بنا۔ اگر ہوتا۔"

"تو آپ کو پتا چل جاتا کہ دیار دل میں کتنی اہمیت ہے آپ کی۔"

دھیمے سے لہجے میں کہی گئی تیمور کی اس بات کو علی نے معنی خیز انداز میں مکمل کیا تو تجل ایک نظر ڈال کر رہ گئی۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ حسن کو ان کے آنے کی بے حد خوشی ہوئی تھی۔

"سچ تجل! تم نہ آتیں تو میری خوشی ادھوری رہتی۔"

"کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کچھ لوگ کہ جن کے بغیر ہر کسی کی خوشی ادھوری ہوتی ہے۔"

تیمور نے تجل کے روشن چہرے کی کرنیں دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ جسے تجل اور علی ہی سن سکے اور قریب تھا کہ علی کوئی ریمارکس دیتا۔ اس کی نظر گیٹ سے اندر آتے علیم الدین پر پڑی۔ وہ آگے بڑھا۔

"ارے علیم بھیا! آیئے اب آئے گا ناں مزا شادی کا۔ میں نے حسن سے پوچھا کہ بھئی تفریح وغیرہ کا کوئی پروگرام نہیں تو جھٹ کہنے لگا کیوں نہیں۔ علیم الدین کو بلایا تو ہے۔ میں خوش ہو گیا۔"

علی اسے ہاتھ سے پکڑ کر لے آیا تو۔ علیم الدین نے شاکی نظروں سے حسن کو دیکھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔ علیم یار! تمہیں تو پتا ہے۔ علی کی عادت ہی ایسی ہے۔ آؤ بیٹھو تو سہی۔"

حسن نے بطور خاص اس کے لیے کرسی نکالی تو وہ علی کو گھور کر رہ گیا' تجل اور فاطمہ وغیرہ سے سلام دعا کر کے بیٹھ گیا۔ پھر علی کی طرف مڑا۔

"مجھے معلوم ہوتا کہ آپ آ رہے ہیں تو میں ہرگز نہ آتا۔"

"اور مجھے اگر علم ہوتا کہ آپ آ رہے ہیں تو...... تو میں دعوت نامے کے بغیر ہی آ جاتا۔"

"مس تجل آیئے' ہم کسی اور ٹیبل پر چلتے ہیں۔" علیم الدین کھڑے ہو گئے۔

"ارے علیم بھیا! آپ تو ناحق خفا ہو جاتے ہیں حالانکہ اس نسخے سے ہاضمے کے لیے غصہ ناراضگی بے حد مہلک ہے۔ آیئے بیٹھیں۔ یار! یہ زندگی چند روزہ ہے' آپ کی باتیں کرتے ہیں۔" پھر وہ علیم الدین سے دنیا جہان کی باتیں کرنے لگا۔ اور کچھ ہی دیر بعد علیم الدین کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ تجل تم اپنی یونیورسٹی فیلوز کے ساتھ بیٹھو۔ ہم دوسری ٹیبل پر جاتے ہیں۔"

مہوش' فاطمہ اور آمنہ کے ساتھ سامنے والی ٹیبل پر چلی گئی۔

"ویسے تجل! آپ کی بھابی ہیں بہت عقل مند۔ یہاں سے اٹھ کر بہت سوں کا بھلا کر گئی ہیں۔ علیم بھیا کیا سوچ رہے ہیں!"

علی نے پہلے تیمور کو دیکھا جو مہوش وغیرہ کی وجہ سے بہت ریزرو ہو کر بیٹھا ہوا تھا۔ پھر علیم الدین کی جیب سے سپاری نکالتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر مڑے۔ گویا ان کو اپنی جیب سے نکالی جانے والی سپاری کی گمشدگی کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"میں یہ دیکھ رہا تھا کہ یہ خواتین کس طرح اتنے مشکل ہیئر اسٹائل بناتی ہیں۔ اب وہ دیکھئے۔ سامنے ایک خاتون نے کیسے بال بنائے ہوئے ہیں۔ کس طرح اتنے پھلائے ہوں گے؟"

آج علیم الدین کی سوچ کا محور خواتین کے ہیئر اسٹائلز تھے' انہوں نے ایک لڑکی کی طرف دیکھا جس کے بال بہت چھوٹے ہوئے تھے۔

"بہت آسان طریقہ ہے۔" علی نے سپاری ان کی جیب میں واپس رکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو معلوم ہے۔" علیم الدین حیرت سے بولے۔

"لیجیے معلوم ہے۔ ابھی اچھا خاصا ہیئر اسٹائل کر رہا ہوں۔ اس کا تو طریقہ یہ ہے کہ بازار جائیے۔ سستا سا بم لیجیے۔ سر پر رکھ کر پھوڑ دیجیے۔ بس ایسا ہیئر اسٹائل بن جائے گا۔"

"میں نہیں مان سکتا۔" وہ انکار کرتے ہوئے بولے۔

"نہ مانیے۔ آپ کے نہ ماننے سے کون سا ہیئر سٹائل کی دنیا تباہ ہو جائے گی۔ یقین نہیں تو جا کر پوچھ لیجیے ان محترمہ سے کہ کتنے روپے والا بم پھوڑا ہے سر میں۔ بھئی آپ کا بہت اچھا ہیئر اسٹائل یا بہت برا۔ بم کی قیمت پر ہے۔ مہنگا بم ہوگا تو زیادہ اچھا بنے گا۔ سستا ہوگا۔"

"بھئی یہ کیونکر ممکن ہے۔" علیم الدین الجھ کر رہ گئے۔

"جائیے صاحب ان سے پوچھ لیجیے۔ مجھے معلوم ہے اگر آپ کے ننھے سے معدے میں یہ پریشانی رہی۔ تو آپ ایک نوالہ نہیں کھا سکیں گے۔ اور موقع تو کبھی کبھی ملتا ہے ناں۔ جائیے۔"

اور پھر وہ ناں...... ناں ہی کرتے رہ گئے، مگر علی نے ان کو کھڑا کر ہی دیا کہ وہ لڑکی سے ایسے ہیئر اسٹائل کا راز معلوم کر کے آئیں۔

"جاؤں۔" علیم الدین نے مڑ کر کنزل اور تیمور کی طرف دیکھا۔ جن کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ تھی۔

"ارے جائیے بھی۔ جانے میں کوئی حرج نہیں۔"

"علیم! رہنے دیں۔ شادی کا موقع ہے، کوئی بدمزگی پیدا ہو جائے گی۔ تو اچھا نہیں ہوگا۔"

تیمور نے علیم الدین کو روکا تو وہ بیٹھ گئے۔

"تم بھی بس کمال کرتے ہو۔ تیمور! بدمزگی ہو گی۔ بھئی یہ تو معلوم کرنا ہے کہ کون سا بم استعمال کیا ہے۔ سستا یا مہنگا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کو مہنگا پڑے۔ یہ کوئی مشکل تھوڑی ہے کسی سے معلوم کرنا۔ اب دیکھو یہ خاتون آ رہی ہیں۔ میں ان سے جو پوچھوں گا۔ دیکھنا کتنے اخلاق سے جواب دیں گی۔"

بولتا ہوا وہ اٹھا، اور ایک ادھیڑ عمر کی خاتون کی طرف بڑھا۔ جو زیورات سے لدی پھر رہی تھیں۔

"ایکسکیوزمی باجی!" وہ آگے بڑھا۔

"باجی! کون ہیں آپ؟" خاتون حیران ہو کر اسے دیکھ رہی ہیں۔

"آپ...... ریاض کی باجی ہیں ناں۔"

"نہیں تو۔ میرے بھائی کا نام تو فیاض ہے۔" حیرانی سے جواب ملا۔

"واہ بڑا ہوشیار ہے۔ نام تبدیل کر لیا۔ کب کیا۔ اخبار میں دیا بھی نہیں کہ میں نے اپنا نام ریاض سے تبدیل کر کے فیاض رکھ لیا ہے۔ لہٰذا آئندہ اسی نام سے لکھا اور پکارا جائے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو۔ فیاض تو اس کا پیدائشی نام ہے۔"

"اچھا تو پھر ہم سے چھپایا ہوگا، اس نے کہ کہیں اصلی نام کو نظر نہ لگ جائے۔ خیر۔ ٹھیک تو ہے ناں۔ وہ زکام ٹھیک ہوا اس کا یا اب بھی سڑ سڑ کرتا رہتا ہے۔"

"آپ ہیں کون؟ اس کو تو کبھی بھی زکام نہیں ہوا؟"

"اچھا خیر دفع کریں۔ مٹی ڈالیں۔" علی چوکنا ہو گیا۔

"کس پر؟" خاتون نے گھورا۔

"وہ جی زکام پر۔ ویسے باجی! میری جیولری کی دکان ہے۔ آپ نے یہ سیٹ کہاں سے لیا ہے؟ اور کس قیمت پر؟"

کپڑے، زیور، بناؤ سنگھار خواتین کی دکھتی رگ ہوتے ہیں اور علی اسی رگ پر ہاتھ رکھ دیا کرتا تھا۔ اور اسی لیے اس کی باتوں میں آ جایا کرتی تھیں۔" بس یہ پوچھنا تھا۔ ان ...... کے لیے تو اس سے بڑھ کر خوشخبری کیا ہو سکتی تھی کہ ایک جیولر ان کے بھائی کا دوست تھا۔"

"اچھا کہاں ہے آپ کی دکان؟"

"جی طارق روڈ۔" علی نے شوخی سے مڑ کر ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ جو مسکرا رہے تھے۔ اور علیم الدین کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"تو آپ اپنا کارڈ دیں ناں۔"

"کارڈ۔ وہ جی ابھی تو میری عمر شادی کی نہیں ہوئی، پھر کارڈ کیسا۔" وہ خوامخواہ ہی شرم سے دہرا ہو گیا۔

"میں نے شادی کارڈ نہیں۔ دکان کا کارڈ مانگا ہے۔ آئندہ میں آپ کے پاس آؤں گی اس کم بخت نے تو یہ ذرا سا سیٹ ایک لاکھ چالیس ہزار کا دیا ہے۔ آپ بتائیے کتنے کا ہوگا یہ سیٹ۔ اگر آپ سے لیتی تو کتنے کا دیتے؟"

خاتون نے بھاری بھر کم قیمتی سیٹ کو ذرا سا کہہ کر قیمت بتائی۔

"جی آپ کو سستا مل گیا۔ میں تو دو لاکھ میں دیتا۔"

"کیوں؟" خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

"بات تو عجیب سی ہے، مگر آپ کو یقیناً عجیب لگے گی۔ وہ یہ کہ میری دکان کا ایک اصول ہے اپنی کسٹمر کا جو نہیں عمر دیکھی جاتی ہے زیادہ ہو گی تو زیادہ قیمت اور کم ہو گی تو کم۔"

"اچھا یہ بات ہے تو میں اپنی بیٹی کو بھیجوں گی۔ اسے اچھا سا سیٹ دے دینا۔" خاتون سمجھ گئی تھیں کہ علی یونہی بکواس کر رہا ہے۔

"جی ضرور کیوں نہیں۔ میں دیدہ دل فرش راہ کیے آپ کی بیٹی کا انتظار کروں۔ یہ بتائیے کتنا کم قیمت سیٹ ہونا چاہیے؟" وہ خوش ہو گیا۔

"میری بیٹی پانچ سال کی ہے۔"

"ارے مسز شاہد! آ گئیں آپ۔ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

خاتون اس کو جواب دیتی اپنی جاننے والی کی طرف بڑھ گئیں۔ اور وہ کھسیانا سا سر کھجاتے ہوئے پلٹ آیا۔

''اونہہ۔ میری بیٹی پانچ سال کی ہے۔''

''تو جوتوں کے امکان بھی بڑھ جاتے۔'' تجل مسکرائی تو علی علیم الدین کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''دیکھ لیا ناں آپ نے اس طرح خواتین سے بات کی جاتی ہے۔ چلئے اب آپ کی باری ہے۔''

''کیا ضروری ہے؟'' علیم الدین خوف زدہ ہو رہے تھے۔

''ارے واہ؟ میں سو فیصدی جوتوں کی بارش کے امکان سے بچ کر آیا ہوں۔ اب آپ کی باری ہے اٹھیے۔'' علی نے ان کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔

''حنا!'' اس سے قبل کہ علیم الدین جاتے' تجل کی نظر گیٹ سے اندر آتی حنا پر پڑی۔ تو وہ اس کی طرف چلی گئی۔ سب متوجہ ہو گئے۔

''حنا!...... حنا کہاں رہ گئی تھیں تم؟ اتنے دن لگا دیے لاہور میں۔''

تجل اپنی ہمدرد دوست کی عدم موجودگی میں بہت دکھی ہو گئی تھی۔ اس سے لپٹ کر بے ساختہ آنسو آ گئے۔

''بس تجل! کیا بتاؤں' سارے رشتہ دار تو لاہور ہی میں ہیں۔ اتنا چاہتے ہیں سب کہ جس کے ہاں جاؤ آنے نہیں دیتا۔ لیکن تم۔ کیا بات ہے تجل! تمہارے چہرے پر بہار کو تو میں نے کبھی رقصاں نہیں دیکھا' لیکن ایسی سناٹوں بھری خزاں بھی نہیں دیکھی تھی۔ کیا ہوا ہے؟''

حنا نے اس کا چہرا دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ دونوں دوستی کی اس منزل پر تھیں' جہاں کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

''زندگی پر خزاں کا نہیں' حنا! موت کا سناٹا چھا رہا ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''بتاؤں گی فون پر۔ ابھی آؤ سب ہمیں دیکھ رہے ہیں۔''

وہ دونوں نارمل ہو کر آ گئیں۔

''السلام علیکم! ویرو بھائیو۔'' اس نے تیمور' علی اور علیم الدین کو سلام کیا۔

''تو کیا آپ لاہور سے لڑکوں کو ویر بھائی بنانے کی ڈگری لینے گئی تھیں' حد ہو گی۔ اچھے خاصے لڑکوں کو بھائی بناؤ!!! ۔ خیر' وعلیکم السلام۔''

''ہائیں...... ہائیں کس کی شادی ہو گئی علی؟''

تیمور اور علی کے درمیان بیٹھی حنا نے اجنبی چہرا شابی کو دیکھا جو کمنی ہوئی بیٹھی تھی۔ حنا نے مشکوک نظروں سے علی کو دیکھا۔ جو اس کی بات پر جھینپ سا گیا تھا۔

''کیوں آتے ہی مروانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ ان کے بھائی صاحب ساتھ ہی بیٹھے ہیں۔ یہ تیمور کی چھوٹی بہن ہیں اور آپ کی عدم موجودگی میں گاؤں سے آئی ہیں۔''

''بہن!'' چھم چھم رنگوں کی برسات اتری اور بدگمانی کا اندھیرا اچھٹتا چلا گیا۔ اس نے بدگمانی کی دھند سے نکل کر تیمور کی طرف دیکھا۔ کتنا روشن چہرا تھا۔ بالکل ایسے ہی دھلا ہوا جیسے گھنگھور گھٹاؤں کے بعد دھوپ نکلتی ہے تو منظر صاف شفاف اور روشن دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھی اسے اتنے دنوں کی بدگمانی

کی گھٹاؤں کے برس جانے کے بعد ایسا ہی لگ رہا تھا۔ تیمور نے کن اکھیوں سے گم صم سی تجل کو دیکھا۔ جس کے چہرے پر ایک انجانی سی خوشی کا عکس تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''ہمارے احساسات ایک دوسرے سے کتنے مانوس ہیں تجل! لیکن ہم کتنے اجنبی ہیں ایک دوسرے کے لیے۔''

تیمور نے اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ پھیلتے ہوئے دیکھ کر سوچا۔

''ارے واقعی۔ ہیلو کیسی ہیں آپ؟ کیسی ہیں۔ کیسا لگا آپ کو ہمارا شہر کراچی؟''

حنا نے ایک ساتھ کئی سوال۔ کرتے ہوئے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ تو اس نے جھجکتے ہوئے نازک سا ہاتھ بڑھایا۔

''شہر تو لوگ بساتے ہیں۔ اگر لوگ اچھے ہوتے ہیں تو شہر بھی اچھے ہوتے ہیں۔ اور کراچی کے لوگ بہت اچھے ہیں۔ ویسے آپ کا نام بہت سنا تھا حنا باجی! تعریف کے ساتھ۔ مگر آپ تو زیادہ اچھی ہیں۔''

شابی نے بڑے دھیمے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

''حنا باجی! غور کیا آپ نے' باجی کہہ دیا آپ کو۔ ہاہائے۔ آپ کو باجی کہہ دیا۔ ارے شابی آپ کو خیال کرنا چاہیے۔ آپ سے تو کم عمر ہیں وہ۔''

علی نے شوخی سے حنا کو دیکھا۔

''علی! آپ بہت فسادی ہیں۔ شابی تو دیکھنے ہی میں چھوٹی لگ رہی ہے۔ یوں بھی ہم اس کے بڑے بھائی کے دوست ہیں۔ تو اس لیے اس کا باجی کہنا جائز ہے۔''

''بڑا چمکتا آ گیا ہے آپ کو یہ بتا کیں لاہور کرنے کیا گئی تھیں۔ آپ کے ہاتھوں کے رنگ کچھ اور ہی کہانی سنا رہے ہیں۔ کیوں تجل آپ بھی واپس آ جائیے۔ اس خوشی کے احساس سے۔''

علی بڑا تیز تھا' اس نے جانے کیسے تجل کے تاثرات پڑھ لیے تھے۔ جو شابی کی حیثیت ظاہر ہونے پر نمودار ہوئے تھے۔

''ہاں حنا! میں بھی پوچھنے ہی والی تھی۔''

''جبکہ میں نے یہ سوچا تھا کہ یونیورسٹی میں یا گھر پر ٹریٹ کا بندوبست کر کے بتاؤں گی۔ کہ منگنی ہو گئی ہے۔ بندہ خالہ زاد ہے' اور میکینکل انجینئر ہے' اور یہ رشتہ لڑکے' لڑکی اور بزرگوں کی رضا مندی سے ہوا ہے' بس یا کچھ۔''

اس نے ایک سانس میں ساری تفصیل بتا دی تو علی اسے گھورنے لگا۔

''توبہ استغفار۔ کیا دیدوں کا پانی ڈھلا ہے کہ ساری تفصیل بتا دی بغیر کسی شرم لحاظ کے۔''

''بھئی دیکھیں اگر میں یہ سب ایک ساتھ نہ بتاتی تو آپ کو یہ ہی سوال کرنے تھے اور میں نے بتانا تھا۔''

''اچھا جاؤ معاف کیا۔ اور یہ آپ کہاں بھاگے جا رہے ہیں۔ میاں! اپنی باری پوری کرو۔ ورنہ جانتے ہو۔ بخشنے والا میں بھی نہیں۔'' علی نے علیم الدین کو پکڑ لیا' جو واقعی کھسکنے کے چکر میں تھا۔ جبکہ علی کا مقصد کچھ اور تھا۔ چنانچہ گھبرائے ہوئے علیم الدین پہنچے۔

☆......☆......☆

جب سے اسد کو شذرا کے خیالات جواد کے بارے میں معلوم ہوئے تھے۔ وہ مزید چڑچڑا ہوگیا تھا۔ بات بے بات ہر کسی سے الجھ پڑتا۔ شذرا سے تو اسے نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔

''دیکھا بیٹا! کیسی گھنی نکلی ہے یہ شذرا۔ ارے میں تو سمجھتی تھی کہ صرف زبان دراز ہے' مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میں آستین میں سانپ پال رہی ہوں۔ جو میری ہی بیٹیوں کو ڈس ڈالے گا۔''

زاہدہ بیگم ہاتھ ملتے ہوئے بولیں۔

''امی! اس گھنے کو بھی تو دیکھیے۔ کس طرح صبا' ہما کے ساتھ رہا کہ کسی کو گمان تک نہیں ہونے دیا۔ اندر سے وہ کیا چاہتا ہے' ویسے اب وہ جلد ہی چلا جائے گا۔''

''ارے جاتا ہے تو جائے بھاڑ میں۔ نامراد کل کا جاتا آج جائے۔ وہ تو خیر دفع ہو ہی جائے گا۔ مگر میں اس کم بخت شذرا کا پتا بھی کاٹ کر رہوں گی۔''

''امی! خدا کے واسطے آپ لوگ باتیں باہر جا کر کریں۔ یا میں ہی چلا جاتا ہوں۔''

اسد کاؤچ پر لیٹا ہوا تھا۔ صائمہ اور زاہدہ بیگم مستقل بول رہی تھیں اور اسے شذرا سے مزید متنفر کرنے کے لیے خوب اس کے خلاف بول رہی تھیں۔ پہلے تو وہ ضبط کر کے بیٹھا رہا' مگر جب ضبط کا یارا نہ رہا تو چیختا ہوا باہر نکل گیا۔

''خدا کا شکر ہے امی کہ اسد اس سے چڑتا ہے۔ وہ پھپھو کی بیٹی کے جال میں نہیں آ گیا' ورنہ۔''

''ارے آ جاتا تو کون سی قیامت آ جاتی' ایسی چال چلتی کہ اس سے خود ہی نفرت کرنے لگتا۔ اب یہ جواد دفع ہو تو میں اسے پہنچاؤں اس کے سگے ماموں کے پاس۔''

''امی! ویسے آپ نے خوب نوٹ کیا۔ یہ شذرا پہلے ذرا سی بات ہو جاتی تو کس قدر ہنگامہ کرتی تھی۔ مگر اس بار اتنی مار کھانے کے بعد بھی نارمل ہے' ایسا لگتا ہے جیسے جواد نے اور اس نے کوئی خفیہ پروگرام بنا لیا ہے شادی وغیرہ کا۔''

''ارے ایسا ہو تو اور کیا چاہیے۔ میں بھی آئینہ دکھاؤں اس کی ماں کو۔ اس کی بیٹی کی پارسائی کا اور ایسا ذلیل کروں کہ ساری عمر یاد رکھے یہ کمینی۔''

ماں بیٹی اپنی سطحی سوچ اور گھٹیا باتوں سے اپنے دل کا غبار نکالتی رہتیں' مگر کسی کی صحت پر کچھ اثر نہیں پڑتا تھا۔

☆......☆......☆

اسد باہر سے آیا تو شذرا برتن وغیرہ دھو کر اب کچن کا دروازہ بند کر کے اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔ کہ اسد کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ مگر وہ اسے اہمیت ہی کب دیتی تھی۔ لہٰذا اس نے قدم آگے بڑھا دیے۔

''شذرا! رکو اور میری بات سنو۔'' اسد تحکمانہ انداز میں بولتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا' کچھ دیر اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتا رہا۔ سارے دن کی تھکن اس کے چہرے پر جمع تھی۔ اس کا جی چاہا' اس کے حکم پر وہ کھڑی رہے' اور وہ اسے دیکھتا رہے' مگر ایسا کہاں ممکن تھا۔

''شذرا! میری بات سنو۔'' وہ اس کی خاموشی سے تنگ آ کر پھر جانے لگی تو وہ بولا۔

''جو کہنا ہے۔ زبان سے کہو۔ میں آنکھوں کی زبان نہیں سمجھتی۔''

شذرا نے اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی' اور آنچل سے ہاتھ صاف کیا۔

''رونا...... تو اسی بات کا ہے کہ تم نہ خاموشی کی زبان سمجھتی ہو نہ آنکھوں کی۔ بہرحال میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں۔ جواد تمہیں پسند ہے؟''

اس کے اور شذرا کے درمیان ایسے مراسم تو کبھی بھی نہیں رہے تھے۔ کہ وہ اس سے یوں کسی دوسرے مرد کے بارے میں رائے لیتا۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں پسند ہے۔'' وہ رعونت بھرے لہجے میں بولی تو اسد کے اندر آس کا موہوم سا دیا بجھ گیا۔ اسے اپنا دم گھٹتا محسوس ہوا۔

''اور اگر وہ تمہیں شادی کا کہے تو۔''

وہ سمجھتی' محسوس کرتی تو اسد اس وقت ہمیشہ سے زیادہ مختلف نظر آ رہا تھا۔ ایک دم سنجیدہ سا دوست سا مگر وہ نفرت کی جس وادی میں تھی' وہاں اس نے خود ہی اپنی نفرت کی سلاخیں اتنی مضبوطی سے گاڑی تھیں۔ کہ کوئی ان کو ہلا نہیں سکتا تھا۔

''میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔ بس یا کچھ اور۔ اس نے مجھے عزت دی ہے۔ تمہاری جہنوں پر فوقیت دی ہے تو۔ تو میں اسے پسند کیوں نہ کروں۔ اس کی شادی کی پیش کش کیوں قبول نہ کروں۔''

''شٹ اپ شذرا! دفع ہو جاؤ۔ یہاں سے چلی جاؤ۔ اس کے ساتھ نکل جاؤ ہماری زندگی سے۔''

وہ دھاڑا۔ غم و غصے سے اس کا برا حال ہو گیا۔ شذرا اسے کچھ دیر نفرت سے دیکھتی رہی پھر آگے بڑھ گئی۔ کچھ دن اور اسی خاموشی کی نذر ہو گئے' جواد' اسد اور شذرا سے حال دل کہہ کر مضطرب سا ہو گیا تھا۔ شذرا نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اور زاہدہ بیگم کا رویہ اس حد تک ناگوار ہو چکا تھا کہ وہ اب ایک پل بھی رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ کمرے میں ٹہل کر تھک گیا تو کتاب لے کر بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ اس وقت وہ صرف اور صرف شذرا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

''آ جائیے۔'' دروازے پر ہلکی سی دستک دینے والے کو اس نے آنے کی اجازت دی تو آنے والا اپنی مہک کے ساتھ اندر آ گیا۔ کتاب جواد کی گود میں گر گئی۔ وہ کھڑا ہو گیا۔

''تم۔''

☆......☆......☆

"شذرا تم۔ اندر آؤ ناں۔ دروازے پر کیوں کھڑی ہو۔"

وہ سفید لباس میں سوچوں میں ڈوبی خوفزدہ سی دروازے پر ہی کھڑی تھی۔ جواد تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ اس کی دھڑکنوں کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ کتنی خوشی ہوتی ہے اس وقت جب آپ کسی اپنے کے لیے سوچ رہے ہوں.....اور.....اور وہ آپ کے سامنے آ موجود ہو۔

"جواد! میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں کئی دنوں سے مگر موقع ہی نہیں ملتا تھا۔" وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی تھوڑا سا آگے آ گئی۔

"اور شذرا! وہی کچھ سننے کو میں بے چین تھا۔ میرا اپنا گھر ہوتا تو، تو میں نجانے تمہارا استقبال کس انداز میں کرتا۔ راہوں میں کلیاں بچھاتا یا کہکشاں۔"

جواد آہستگی سے بول رہا تھا مگر اسد جو اسی کھوج میں رہتا تھا کہ کوئی کمزور لمحہ ہاتھ آ جائے تو وہ شذرا کو ذلیل کرے۔ اس نے شذرا کو جواد کے کمرے میں جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ ان کی باتیں سننے کے لیے اس کے پیچھے آ گیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ہر وقت نفرت کے شعلے برساتی تند و تلخ باتیں کرنے والی شذرا محبت کا اظہار کیسے کرتی ہے۔ وہ وہاں سے ہٹ کر دوسری جانب آ گیا۔ جواد کے کمرے کی کھڑکی لان میں کھلتی تھی۔ اس میں سے آسانی سے جھانکا جا سکتا تھا۔ اس نے بمشکل اپنے کھڑے ہونے کی جگہ بنائی تاکہ آسانی کے ساتھ اندر دیکھ سکے۔ اس نے دیکھا شذرا کا رخ کھڑکی ہی کی جانب تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ آپس میں الجھی ہوئی انگلیاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ ذہنی انتشار کا شکار ہے۔ اس کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی فیصلے کے پل صراط پر گزر رہی ہے۔ جواد اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا اس کا فیصلہ سننے کا منتظر تھا۔ دونوں عجیب کشمکش کا شکار لگ رہے تھے۔

"رہنے دیں جواد! ہم ایسی لڑکیاں کہاں ہیں جن کی راہیں کلیوں سے سجائی جاتی ہیں۔"

احساس کمتری کے کرب میں ڈوبی ہوئی شذرا کی آواز نے ماحول کے سکوت کو توڑا۔

"وہ تم جیسی لڑکیاں ہی ہوتی ہیں جو مکانوں کو گھر اور گھر کو جنت بناتی ہیں اور اس کے وجود کی مہک اس جنت کے ہر گوشے کو مہکا دیتی ہے۔"

آج ہی موقع ملا تھا۔ دونوں کو بولنے کا یا دونوں ہر ملاقات پر ایسی ہی باتیں کرتے ہیں۔ حسد کا ایک نوکیلا کانٹا اسد کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ ضبط کر کے کھڑا رہا۔

"لیکن ایسی جنت ہم جیسی لڑکیوں کا نصیب نہیں ہوتی جواد۔"

ایک آہ شذرا کے لبوں سے نکلی۔

"شذرا! میں نے تو بڑے خلوص کے ساتھ تمہارے لیے ایک ایسی ہی جنت کا خواب دیکھا ہے جہاں تمہارے لیے قدم قدم پر خوشیاں ہوں وقار کے ساتھ۔"

جواد کا صاف، کھرا سچائیوں سے لبریز لہجہ اسد کے دل میں تیر بن کر لگا۔ اس کی بات پر شذرا نے گھنیری پلکیں اٹھا کر جواد کو دیکھا۔ وہ اپنی خوبصورت شخصیت کے ساتھ پورے خلوص سے اس کے سامنے طلب کا کشکول لیے کھڑا تھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ سوچتی رہی کہ کاش وہ آگے بڑھ کر اس شخص کا ہاتھ تھام سکے مگر وہ اب فیصلے کے عذاب سے گزر چکی تھی۔ اسے جواد سے کوئی جذباتی لگاؤ نہیں تھا مگر وہ واحد شخص تھا جس نے اسے خلوص سے چاہا تھا۔ عزت دی تھی اس لیے وہ اس کے دل میں جگہ بنا چکا تھا۔ وہ اسے کچھ دیر دیکھتی رہی پھر گہرا سانس لے کر چند قدم آگے بڑھ آئی۔

"میں جانتی ہوں جواد! آپ پورے خلوص کے ساتھ ایسا چاہتے ہیں اور ایک لحاظ سے آپ میری زندگی میں آنے والے پہلے مرد ہیں۔"

"پہلے مرد ہیں۔" مارے غصے کے اسد کا برا حال ہو گیا۔ وہ جس پتھر پر ٹکا ہوا تھا وہ لڑھک گیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ شذرا کے اس جملے نے اسے تپا کر رکھ دیا۔

"تمہاری حیثیت ہی کیا ہے کہ کوئی مرد تمہیں چاہے۔ عزت دے۔ یہ جواد تو نرا گاؤدی ہے۔" وہ کھول رہا تھا۔

"جواد۔ میرا ماضی اور حال آپ کے سامنے ہے۔ ہمیں تو زندگی نے کچھ اس طرح سے گزارا ہے کہ کسی پر اعتبار رہا ہی نہیں۔ مجھے تو یقین ہے کہ ہم لوگ نفرت کرنے اور بے عزت ہونے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور جب آپ اس گھر میں آئے تھے آپ کا رویہ بھی۔"

"شذرا! خدا کے لیے اس کا ذکر نہ کرو۔ وہ سب ڈرامہ تھا۔ میں نے جب دیکھا کہ ہوا تمہارے خلاف چل رہی ہے تو میں نے بھی وہی رخ اختیار کر لیا۔ مبادا تمہیں خمیازہ بھگتنا پڑے لیکن میرے دل کا حال خدا جانتا ہے شذرا کہ میں کس طرح ضبط کیا کرتا تھا۔" جواد اس کے قریب آ گیا۔

"تو یہ صورت حال ہے ڈرامے باز! سمجھ لوں گا تمہیں بھی۔"

اسد پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ کیسے کیسے انکشافات ہو رہے تھے کہ اس سے ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں جواد! اعتبار ہے مجھے آپ پر۔ میں بھی اسی حوالے سے آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔ جواد کی پرامید نظریں شذرا پر تھیں اور دل انجانے فیصلے کے احساس سے دھڑک رہا تھا۔ اس کا فیصلہ اسد کے لیے بھی اتنا اہم ہو جائے گا کہ وہ سانس روک کر سننے پر مجبور ہو جائے گا یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"آپ نے کہا تھا ناں جواد کہ مجھے فیصلے کا پورا حق ہے۔ آپ میرا ہر فیصلہ خوشی کے ساتھ قبول کریں گے۔"

شذرا نے جواد کو دیکھا تو روشن آنکھوں میں دیے کی لو تھرتھرانے لگی۔

''ہاں۔'' بہت ہلکی آواز بمشکل اس کے حلق سے نکلی۔ دل دھڑک اٹھا۔

''جواد! میں جو عزتوں کی، محبتوں کی ترسی ہوئی بے وقعت لڑکی تھی۔ اسے آپ نے اتنی عزت دی۔ پسند کیا.....اور زندگی کا ساتھی بنانا چاہا لیکن کاش کہ میں واقعی اس قابل ہوتی کہ آپ کو مثبت جواب دے سکتی۔''

شذرا نے تو دھیمی آواز میں کہہ ہی دیا جو اتنی دیر سے کہنا چاہ رہی تھی۔ وہ سامنے دیوار پر لگی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جواد کے چہرے کو نہیں دیکھا کہ کس طرح سارے چراغ بجھ گئے تھے اور دھواں اس کی آنکھوں میں بھر گیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ۔'' جواد کی آواز کہیں دور سے آئی۔

''جی ہاں'' میں نے اس ساری بات پر بہت سوچا ہے۔ مجھے آپ کے جذبوں کی سچائی اور خلوص پر شبہ بھی نہیں لیکن بعض اوقات انسان فیصلوں کے عذاب کی سولی پر لٹکا ہی رہتا ہے۔ نہ جی سکتا ہے نہ مر سکتا ہے اور میں کوئی ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہتی کہ میری مظلوم ماں کو اس فیصلے کی سولی پر لٹکا دیا جائے۔''

وہ مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔ مگر جواد کے اندر اترتے دکھ سے بے خبر۔

''شذرا! میں۔ میں تمہاری امی سے بات کر سکتا ہوں۔'' جواد بے تابی سے آگے بڑھا۔

''نہیں جواد! اپنے اندر کا حال بندہ خود ہی جانتا ہے۔ میری ماں اور ہم لوگوں نے مجبور و بے بس زندگی گزاری ہے۔ دوسروں کے دسترخوان پر دوسروں کا رزق کھانے والے ان کے فیصلوں کے پابند ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی حیثیت اور فیصلہ نہیں ہوتا۔ میری ماں بھی اپنے بھائیوں کے فیصلوں کی پابند ہیں۔ وہ ان کی مرضی اور منشاء کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کر سکتیں اور زاہدہ مامی، ماموں میری موت کا فیصلہ تو کر سکتے ہیں مگر آپ کے حق میں نہیں اور خود سے کوئی فیصلہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی ماں، بہنوں اور خود اپنے کردار کو داغ دار کروں، ایسا فیصلہ تو میں مر کر بھی نہیں کر سکتی۔''

''یہ ہوئی ناں بات شذرا! تم۔ تم میں واقعی ایسی کچھ چیز ہے، بات ہے کہ تمہیں چاہا جائے۔''

اتنے عرصے میں اسد کے دل میں لگی آگ کو شذرا نے ایک جملے میں بجھا دیا تو وہ خوشی سے بے قابو ہو گیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس وقت جواد کے دل پر کیا قیامت گزر گئی ہے۔ شذرا نظریں جھکائے ہاتھوں کو.....مسلتے ہوئے مضطرب سی کھڑی تھی۔

''ٹھیک ہے شذرا! تمہارا ہر فیصلہ تمہاری ہی طرح اہم اور مقدم ہے۔ میرے لیے جو تم نے فیصلہ کیا اس کے پس منظر کو دیکھتے ہوئے میرے لیے یہ فیصلہ محترم ہے کیونکہ میں جانتا ہوں سچے جذبے پاکیزہ عزتوں کا نشان ہوتے ہیں اور جن کو چاہا جاتا ہے ان کی خوشیوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ تم خوش رہو۔ اس کے سوا میں کچھ نہیں چاہتا۔ یہ..... یہ.....کسی بہت اچھے وقت کے لیے خریدی تھی، لیکن وہ وقت میرے نصیب میں نہیں، لیکن میری خواہش ہے کہ جس ہاتھ کے لیے یہ خریدی گئی ہے اسی میں رہے تاکہ۔''

گمبھیر، شکستہ لہجے میں بولتے ہوئے جواد نے جیب سے انتہائی نازک انگوٹھی نکال کر شذرا کا ہاتھ پکڑ کر پہنانا چاہی تو اسد ایک بار پھر لڑکھڑاتے ہوئے بچا۔ شذرا کا خوبصورت ہاتھ جواد کے ہاتھ میں تھا۔

''نہیں جواد! جہاں آپ نے اتنا سب کچھ برداشت کیا، وہاں یہ بھی کر لیں کیونکہ اس انگوٹھی کے ساتھ وابستہ میں کس کس الزام کی تردید کروں گی۔ میرے لیے یہ احساس ہی بہت ہے کہ آپ نے میرے لیے اچھا سوچا۔ اچھا چاہا۔''

شذرا نے آہستگی سے ہاتھ اس کی گرفت سے نکال لیا کہ اسد کو سکون ملا ورنہ کیسی جلن ہو رہی تھی۔

''میں نے زندگی اتنی خوشحال گزاری ہے شذرا کبھی احساس ہی نہیں ہوا کہ محرومی ہوتی کیا چیز ہے، نارسائی کیسی اذیت ناک ہوتی ہے۔''

دھیمے لہجے میں بولتا ہوا وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔ شذرا نے دیکھا وہ بہت شکستہ دل ہو رہا تھا۔

''آپ بہت اچھے انسان ہیں جواد۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت اچھی ساتھی دے گا۔'' وہ آہستگی سے بولی تو وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

''ہاں مگر وہ تم تو نہیں ہو گی ناں۔ کاش میں یہاں آیا ہی نہ ہوتا تو آج جاتے ہوئے ٹوٹے دل کی کرچیاں اور تمناؤں کے بے لو چراغ تو ہمراہ نہ ہوتے۔ بہرحال اچھی لڑکی، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں۔ تمہارا فیصلہ میرے لیے مقدم ہے تمہاری طرح۔'' جواد نے ٹوٹتے لہجے پر قابو پا لیا تھا۔

''آپ سدا خوش رہیں جواد! زندگی میں پہلی بار آپ نے عزت دی ہے ورنہ تو.....اب میں چلتی ہوں بہت دیر ہو گئی ہے۔'' شذرا نے ایک نظر اس پر ڈالی اور واپسی کے لیے مڑ گئی۔

''شذرا۔'' جواد کی بے قراری صدا ابھری تو وہ اسے مڑ کر دیکھنے لگی۔ دھواں دھواں چہرا لیے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

''کچھ نہیں خدا حافظ۔'' وہ کھڑکی کی طرف رخ کر کے کھڑا ہو گیا۔ شذرا جلدی سے باہر آ گئی۔ باہر اسد نے ایک چھلانگ لگا کر باز عبور کی اور شذرا کے کوریڈور سے گزرنے سے پہلے وہ اپنے کمرے کے دروازے پر موجود تھا۔ اپنے دروازے سے ٹیک لگائے سینے پر ہاتھ باندھے اسے دیکھ رہا تھا وہ سر جھکائے اس کے قریب سے گزرنے والی تھی۔ اس نے معنی خیز نظروں سے دیکھتے اسد کو دیکھا اور آگے بڑھنے لگی۔

''ہو گئی ملاقات جواد سے؟'' وہ بازو پھیلا کر اس کا راستہ روکتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ شذرا نے رعونت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

''ہاں۔'' اکھڑ لہجے میں کہتی وہ پھر آگے بڑھنے لگی۔

''پھر کیا باتیں ہوئیں؟''

''کیوں جہاں تم کھڑے تھے وہاں آواز صاف نہیں آ رہی تھی کیا؟''

شذرا کی بات پر کچھ دیر کے لیے وہ سناٹے میں آ گیا.....شرمندہ سا ہو گیا۔ بہرحال تھی تو وہ غیر اخلاقی حرکت ہی۔

''اوہو! تو تمہیں احساس ہو گیا تھا کہ کوئی تم لوگوں کی باتیں سن رہا ہے، تب ہی تم سنبھل سنبھل

"اسے اپنی کھسیاہٹ مٹانے کے لیے یہ ہی بات سوجھی۔"

"مجھے جو کہنا تھا، وہ میں سارے زمانے کے سامنے کہہ سکتی ہوں۔"

"اچھا اسے ریجیکٹ کس دل سے کیا ہے؟" وہ مستقل ایسی باتیں کر کے اپنی کھسیاہٹ مٹانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔ اس کی یہ خودداری اکھڑ پن ہی تو اسے پسند تھا۔ سچا اور کھرا انداز۔

☆.....☆.....☆

دو روز بعد جواد واپس جا رہا تھا۔ تو عجیب سی کیفیت سے دوچار تھا۔ جب وہ آیا تھا تو کتنا خوش اور مطمئن تھا۔ اب وہ دل کا سکون گنوائے، لٹا لٹا سا واپس لوٹ رہا تھا۔ گھر میں سب ہی بظاہر ملول سے نظر آ رہے تھے.....

"جواد بیٹا! ہم نے تو پوری کوشش کی کہ تمہیں یہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو مگر پھر بھی کمی رہ گئی ہو تو....." زاہدہ بیگم نے منہ بنا کر کہا تو وہ مڑ کر ان کی بیٹیوں کو دیکھنے لگا۔

"ارے نہیں آنٹی، کمی کیا رہ گئی۔ آپ نے تو میری خاطر سب کچھ بدل ڈالا۔ مجھے ویسا ہی ماحول فراہم کر دیا جیسا وہاں تھا۔ آپ نے تو اپنی بیٹیوں کی شخصیت تک بدل ڈالی۔"

"لیکن تمہیں تو پھر بھی میری کوئی بیٹی پسند نہیں آئی۔"

زاہدہ بیگم نے ڈھٹائی کی حدوں کو چھوتے ہوئے کہا۔ اسد کو غصہ تو آیا ہی تھا خود جواد کو بھی یہ بات پسند نہیں آئی۔

"آنٹی! میں نہیں چاہتا تھا۔ ایسی بات کروں جس سے آپ کا دل خراب ہو لیکن اب جب آپ نے پہل کی ہے تو بتانا چاہتا ہوں کہ میں یہاں شادی ہی کی غرض سے آیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے۔ میں نے وہاں آزاد ماحول میں پرورش پائی ہے مگر لڑکی کے معاملے میں میرا آئیڈیل بہت مختلف تھا۔"

"ہوں۔ جانتے ہیں ہم۔ شذرا تمہارا آئیڈیل تھی۔" صائمہ نے دانت پیس کر کہا۔

"جی ہاں، اس لیے کہ مجھے بہت مضبوط اور سلجھی ہوئی سمجھدار لڑکیاں پسند ہیں، جو اپنی جگہ چٹان کی طرح جمی رہیں اتفاق سے شذرا میں میرے آئیڈیل والی تمام خصوصیات موجود تھیں لیکن۔"

وہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ زاہدہ بیگم اور صائمہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ صبا، ہما سپاٹ چہرے لیے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر میری بہنوں کو بے وقوف کیوں بنایا تم نے؟" صائمہ تو آج ہی سارے حساب بے باق کرنا چاہتی تھی۔

"میں نے کسی کو فول نہیں بنایا۔ مجھے تو پہلی نظر ہی میں شذرا پسند آ گئی۔ یہ الگ بات ہے کہ اسی کی خاطر میں اسے تنگ کرتا رہا تا کہ آپ اسے کچھ نہ کہیں۔ اپنی بہنوں سے آپ پوچھیں میں نے کبھی ان سے غلط بات کی کہ جس سے یہ غلط فہمی یا خوش فہمی کا شکار ہوتیں۔ اگر ہوئی ہیں تو یہ ان کا اپنا قصور ہے۔"

جواد نے صبا اور ہما کی طرف دیکھا جو ایسی کٹھ پتلیاں لگ رہی تھیں جن کی اپنی کوئی پسند یا رائے نہ ہو صرف دوسروں کے اشاروں پر ناچنا جانتی ہوں۔

"ہونہہ۔ میں خوب سمجھتی ہوں یہ جو پھپھو کی بیٹیاں ہیں ناں بڑی....."

"صائمہ باجی پلیز اور کتنا گرائیں گی خود کو۔ آپ خاموش رہیے۔ جواد ہمارا مہمان تھا۔ اس سے امیدیں وابستہ کرنا آپ کا قصور ہے اور امی جو آپ نے اس کی خاطر مدارت کی ہے کوئی جتانے والی بات ہے۔ ہما صبا جاؤ اپنے کمرے میں۔ جواد۔"

اسد اتنی دیر سے برداشت کر رہا تھا ماں بہن کی باتیں۔ پھٹ پڑا۔ ہما اور صبا حکم ملتے ہی باہر نکل گئیں۔ اسد، جواد کے قریب آ گیا۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"جواد تم ہمارے مہمان تھے۔ یہاں جو کچھ بھی ہوا اسے بھلا دینا۔ دراصل ماؤں کی تو خواہش ہوتی ہے ناں کہ ان کی بیٹیاں اچھے گھروں میں جائیں اور امی نے بھی ایسا چاہا۔ یار مائنڈ نہ کرنا، یہ میری بہنوں کی بدنصیبی یا میرے گھر والوں کا غلط اندازہ کہ تم جیسا لڑکا یوں خالی دامن تلخ یادوں کے انبار لیے جا رہا ہے۔ اس کا مجھے دکھ ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہو اسد! یہ زندگی ہے اور زندگی میں بہت کچھ ہوتا ہے۔ افسوس تو مجھے ہے کہ مجھ سے جو توقعات وابستہ کی گئیں، میں ان پر پورا نہیں اترا۔ میں آپ سب سے شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے ماحول خراب ہوا۔ رہی بات میرے خالی دامن کی تو....."

عین اسی وقت شذرا دوپٹے سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی آ گئی۔ جواد کی نظریں اس پر ٹھہر گئیں۔ اسد کھڑا ہو گیا۔

"میرا دامن خالی نہیں۔ بہت کچھ ہے اس میں۔ اتنا کچھ کہ تمام عمر گزاری جا سکتی ہے۔"

"صائمہ باجی! آپ کی کسی دوست کا فون ہے۔"

شذرا نے جلدی سے کہا اور باہر نکل گئی۔ وہ زیادہ دیر اپنے وجود پر نفرت زدہ نظریں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ صائمہ اٹھ کر فون سننے چلی گئی۔

"اوکے جی۔ اب اجازت۔ فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔ آنٹی ہو سکے تو معاف کر دیجئے گا۔ اپنے گنہگار کو۔ مگر ایک بات معذرت کے ساتھ کہنا چاہوں گا کہ سب کچھ پیدا کرنے والے اللہ کے اختیار میں ہے۔ رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی بیٹیوں کے نصیب مجھ سے بھی اچھے لڑکے کے ساتھ بندھے ہوں۔ اچھے رشتوں کی آپ اللہ سے دعا ضرور کریں مگر اچھے رشتوں کی خاطر اپنی بیٹیوں کی شخصیت نہ بدلیں۔ ہما اور صبا بہت اچھی اور معصوم لڑکیاں ہیں اور فرماں بردار بھی کیونکہ انہوں نے وہی کیا جو آپ نے اور صائمہ باجی نے کہا۔ آپ پلیز مجھے ضرور معاف کر دیجئے گا۔"

روانی سے بولتا وہ زاہدہ بیگم کے سامنے ذرا سا جھک گیا تو زاہدہ بیگم شرمندہ سا ہو کر اس کے شانوں اور سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"تم نے میرا کیا بگاڑا ہے چندا! جو معافی مانگ رہے ہو۔ یہ تو ساری مقدر کی بات ہے۔ یوں بھی تم تو میرے اپنے تھے تو میں نے لڑکیوں کو تیاری دے دی۔ اب ہر ایرے غیرے کے ساتھ تو نہیں ایسا ہو سکتا ناں۔ تم کوئی ملال نہ کرنا۔ میری بہن کو کچھ نہ بتانا، اس کا دل خراب ہو گا۔"

وہ شرمندہ شرمندہ سی تھیں۔

"ارے آنٹی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ اسد چلیں۔ انکل تو آئے نہیں۔

جواد ٹائم دیکھتا ہوا اسد کی طرف مڑا۔

''ابو تو آفس میں ہیں۔ وہ کہہ رہے تھے کہ وہ وہیں سے ایئرپورٹ آ جائیں گے۔ ہمیں واقعی نکلنا چاہیے۔ فرخ۔ فرخ۔ کہاں دفعان ہو گئے ہو سامان اٹھاؤ آ کر۔''

اسد نے شنذرا کو سنانے کی غرض سے تحکمانہ انداز میں فرخ کو بلایا۔ فرخ بھاگتا ہوا آ گیا۔

پھر فرخ اور اسد سامان گاڑی میں رکھنے لگے۔ جواد باری باری سب کو خدا حافظ کہہ کر آیا تو کوریڈور میں شنذرا کھڑی مل گئی۔ جواد کے قدم جم گئے۔ اس پیاری مگر مظلوم لڑکی کو اس نے بڑے خلوص سے چاہا تھا۔

''خدا حافظ شنذرا۔'' وہ کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

''خدا حافظ۔'' شنذرا نے آہستگی سے کہا اور دور تک اسے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں دھند سی اترنے لگی تو وہ واپسی کے لیے مڑی ہی تھی کہ زاہدہ بیگم نے چوٹی سے پکڑ لیا۔

''چلی کیوں نہیں گئی اس کے ساتھ؟ میری بیٹیوں کا تو حق مار ہی دیا ناں۔ تم ماں بیٹیاں ہمیں برباد کرنے آئی ہو۔ میں تو جان نکال دوں گی تمہاری۔ تمہاری اس شکل پر تیزاب گرا کر ختم کر دوں گی اس حسن کو، جس نے میری بیٹیوں کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ جواد تیرے لیے نہیں آیا تھا یہاں جو۔''

''مامی..... مامی..... میرے بال چھوڑیں۔ میں نے کیا کہا ہے۔''

مامی تو اس وقت پاگل ہو رہی تھیں۔ ان کے نزدیک شنذرا ہی کی وجہ سے جواد نے ان کی کسی بیٹی کو قبول نہیں کیا تھا۔ وہ اسے بالوں سے گھسیٹتی کمرے میں لے آئیں۔

''ناگن! میری بیٹیوں کی خوشیوں کو ڈسنے والی ناگن۔ پوچھتی ہے میں نے کیا کیا ہے۔ اب مجھے کسی بات کی کسی رشتے کی پروا نہیں۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی تمہیں۔ کم بخت نے جینا حرام کر رکھا ہے ہمارا۔''

''مامی! ہاتھ روک لیں۔ میرا ہاتھ اٹھ گیا تو۔'' وہ بھی کہاں تک برداشت کرتی۔ اس نے مامی کو دھکا دے کر خود سے الگ کیا۔

''تیری یہ مجال کہ ہماری ماں پر ہاتھ اٹھائے۔ ارے میں تو ایسے ہاتھ ہی توڑ ڈالوں گی۔ تیرے حسن کا جادو مردوں پر ہی چل سکتا ہے، ہم پر نہیں۔'' صائمہ نے اس کی کلائی مروڑ ڈالی۔

''چل نکل میرے گھر سے۔ میں تجھے ایک پل کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ نمک حرام تو اس قابل ہی نہیں کہ اس گھر میں رہے، عزت کے ساتھ۔'' زاہدہ بیگم نے اسے دھکے دے کر باہر نکالنا شروع کر دیا۔

''مامی! خدا کے واسطے مجھے تماشا نہ بنائیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ لعنت بھیجتی ہوں میں بھی ایسے گھر اور عزت پر۔ فرخ کو تو آ جانے دیں۔ پلیز مجھے گھر سے نہ نکالیں۔''

ذلت کے شدید احساس سے اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔ وہ اسے مستقل دھکے دے رہی تھیں۔

''تمہارے لیے گھروں کی کیا کمی ہے۔ روڈ پر کھڑی ہو جاؤ۔ ہر گاڑی رکے گی تمہارے لیے۔ چلی جانا کسی اچھی گاڑی والے کے ساتھ۔''

''صائمہ باجی! خدا کے لیے ایسا مت کریں۔ دیکھیں، میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔ میری بات کا اعتبار کریں جواد کو میں نے کچھ نہیں کہا۔''

شنذرا لڑکی تھی۔ رات کا وقت تھا۔ مرد کوئی گھر پر نہیں تھا۔ وہ اسے نکال رہی تھیں۔ اس نے مجبور ہو کر ہاتھ باندھ دیے مگر دونوں ماں بیٹی زخمی ناگن کی طرح پھنکار رہی تھیں۔

''ہونہہ..... جواد! اب جواد تو تمہاری مٹھی میں تھا۔ تمہارے حسن کی نذر تو وہ اپنی جان تک کر دیتا۔ گئی کیوں نہیں اس کے ساتھ۔ بھاگ جانا تھا اس کے ساتھ۔''

صائمہ کہیں سے بھی پڑھی لکھی لڑکی نہیں لگ رہی تھی۔ بہت گندی زبان استعمال کر رہی تھی۔

''صائمہ باجی! مامی! کچھ تو خاندان کی عزت کا خیال کریں۔ محلے والے کیا سوچیں گے۔''

شنذرا اندر سے ہی مری جا رہی تھی کیونکہ محلہ بھی ان ہی کا تھا اور ان ہی کی بات پر اعتبار بھی کرتا تھا۔ اس کے منہ سے نکلا ہوا ایک لفظ اس کے کردار کی دھجیاں بکھیر سکتا تھا۔ وہ منت کر رہی تھی مگر وہ لوگ اسے گھسیٹ کر گیٹ کے پاس لے آئیں۔

''محلے والوں نے کیا سوچنا ہے۔ یہ ہی سوچیں گے کہ بدکردار لڑکی کو گھر سے نکال دیا اور کیا سوچیں گے۔''

جب زاہدہ بیگم نے اسے دھکا دے کر باہر پھینکا تو عین اسی وقت بجلی چلی گئی جسے اس نے قدرتی امداد سمجھا۔ کیونکہ گرمی کی وجہ سے زیادہ تر لوگ باہر ہی گھوم پھر رہے ہوتے ہیں۔

''میرے پیدا کرنے والے۔ میرے خالق! میرے اللہ تو دیکھ رہا ہے۔ میں کہاں جاؤں۔ اس وقت فرخ بھی نہیں۔ یا اللہ میری مدد فرما۔ میری مدد فرما۔''

وہ نجانے کیسے کانٹوں پر چلتی ہوئی گھر کے پچھلی طرف آ گئی۔ جہاں گھر کا کاٹھ کباڑ رکھا تھا۔ وہ وہیں سجدے میں گر گئی اور اپنے رب سے حال زار کہنے لگی۔ جس سے وہ ناواقف نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ پھر کبھی سہی اور یوں بھی مجھے کون سا ایسا ہیئر اسٹائل بنوانا ہے کہ معلومات لیتا پھروں۔''

علیم الدین خوفزدہ تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کسی لڑکی سے اتنی پرسنل بات پوچھنے کا نتیجہ کیا ہو سکتا ہے۔

''جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں بھی تو اپنے بالوں کی پروا کیے بغیر کود پڑا تھا۔ آپ بھی چلیں، کوئی رعایت نہیں ہوگی۔ کوئی سفارش نہیں چلے گی۔''

علی بہت سخت ہو رہا تھا۔ اس نے حنا، کجل اور شانی کی طرف سے سفارشی اشارے مسترد کرتے ہوئے علیم الدین کو آگے دھکیلا۔ طوعاً و کرہاً ان کو جانا پڑا۔

''آپ بہت خراب ہیں علی! درگت بن جائے گی بے چارے کی۔''

''اجی آپ چپ رہیے آ گئیں کہیں سے ڈیپارٹمنٹ پرست۔ خبردار جو اس مچھر کی حمایت کی تو شکایت کروں گا آپ کے ان سے۔'' علی نے حنا کو ڈپٹ دیا۔

''یار علی! بری بات ہے۔ علیم الدین کی آج خیر نہیں۔ سیدھا سا بندہ ہے۔ اب پٹ جائے گا۔

وہ دیکھو کوشش کر رہا ہے لڑکی سے بات کرنے کی۔"

تیمور سمیت سب کی نظریں علیم الدین کی طرف تھیں۔ جو گھبرائے ہوئے کبھی آگے بڑھتے پھر پیچھے ہٹ جاتے مڑ کر دیکھتے تو علی منہ پر ہاتھ پھیرتا کہ بدلہ لوں گا۔ ناچار انہوں نے ہمت کر ڈالی۔

"ایکسکیوزمی مس! باریک آواز بمشکل حلق سے برآمد ہوئی۔

"جی فرمایئے! لڑکی نے اترا کر اجنبی نظروں سے ان کو دیکھا۔

"جی وہ۔ دراصل کچھ کہنا ہے آپ سے۔"

"اچھا۔ خدا کی شان ہے کہیے۔ لڑکی نے مغرور انداز میں سر سے پیر تک ان کو دیکھا۔

"وہ یہ کہ آپ کا ہیئر سٹائل۔"

"اچھا ہے ناں۔ بہت منفرد سٹائل ہے۔ اچھا لگ رہا ہے ناں۔ اس نے بھی یہ ہی کہا تھا کہ لوگ آ آ کر پوچھیں گے کہ۔"

"کہ سر میں سستا بم پھاڑا ہے یا مہنگا۔"

لڑکی اترا کر اپنے سٹائل کے بارے میں بتا رہی تھی۔ اس کی تو گردن ہی تن گئی کہ باقی کا جملہ علیم الدین نے پورا کر دیا۔

وہ چونک گئی۔

"کیا مطلب ہے؟" وہ کھڑی ہو گئی۔

"بس اب گئے علیم الدین صاحب۔" علی کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔ وہ خوش ہونے لگا۔

"میں آنکھیں بند کر رہی ہوں۔ میں اپنی آنکھوں سے ان کو تارتار ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔"

حنا نے واقعی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

"میرا مطلب ہے مس کہ آپ نے سر میں کون سا بم۔"

"بم..... کہاں ہے بم..... بم.....؟"

لڑکی نے شور مچانا شروع کر دیا۔ علیم الدین گھبرا گئے۔

"آپ گھبرایئے نہیں۔ بم کسی کرسی یا میز پر نہیں آپ کے سر۔"

"میرے سر میں بم۔ ممی۔ "ڈیڈی! کہاں ہیں۔ آپ؟ میرے سر میں کسی نے بم رکھ دیا۔ مجھے فیروزہ پر شبہ ہے۔ اسی نے میرے سر میں اس ہیئر سٹائل میں بم چھپایا ہوگا۔ بم بم۔"

اور پھر گھنٹوں کی محنت کے بعد بننے والا ہیئر سٹائل افراتفری میں بگڑ چکا تھا۔ لڑکی نے ہاتھ مار مار کر ساری پنیں اتار دی تھیں۔ کچھ دیر قبل وہ خود کو یہاں موجود تمام لڑکیوں سے زیادہ ماڈ اور حسین تصور کر رہی تھی۔ اب وہ چڑیل لگ رہی تھی۔ خوبصورت ہیئر سٹائل بگڑ کر اب پاگل پن میں بدل گیا تھا۔ اس نے بم کے شبے میں ایک ایک بال کو یوں نوچا جیسے جوئیں نکال رہی ہو۔ عجیب لگ رہی تھی وہ، اس وقت بہت خوفناک بھی۔ آس پاس کے کئی لوگ متوجہ ہو چکے تھے۔ چھوٹے بچے تو ڈر کر ماؤں سے لپٹ گئے تھے۔

"ممی۔ ممی۔ میں نے آپ سے کہا تھا ناں کہ فیروزہ مجھ سے جیلس ہے۔ آپ کو پتا ہے اس نے میرے سر میں بم رکھوا دیا تھا۔ وہ تو شکر ہوا خدا کا کہ ان صاحب نے بتا دیا۔ ورنہ میں پھٹ چکی ہوتی۔"

لڑکی قریب آتی خاتون سے لپٹ گئی تو وہ بھی ڈر گئیں۔

"بم۔ بیٹا! یہ کیا حماقت ہے، خود کو دیکھا ہے، بالکل چڑیل لگ رہی ہو۔" ممی نے ڈانٹ دیا۔

"واٹ نان سینس۔ کس نے یہ افواہ اڑائی۔ ایسا بھی کہیں ہوا ہے احمق۔"

غنا کے پپا بھی آ گئے۔

"یہ موصوف ہیں لفٹ لینے کے چکر میں۔ لڑکی کو بے وقوف بنا ڈالا۔ بے وقوف کیا تماشا بنا دیا۔ دیکھیے تو لوگ منہ پر ہاتھ رکھ رکھ کر ہنسی چھپا رہے ہیں۔"

"ہوں تم ہو۔ اس قسم کی بدمعاشی افورڈ کر سکتے ہو تم۔ ریشم کے کیڑے جتنی تو تمہاری جان ہے۔ بتاؤ کون ہو تم۔ صرف لڑکی کو چھیڑنا ہی تھا یا باقاعدہ کسی گروہ سے وابستہ ہو۔ بتاؤ افواہیں اڑاتے ہو، میں تمہیں ابھی پولیس کے حوالے کرتا ہوں۔"

دیوہیکل پپا نے منے سے علیم الدین کو گریبان سے پکڑ کر اوپر اٹھا لیا تھا..... لڑکیوں کی تو قریب قریب چیخیں نکل گئیں۔ تیمور کھڑا ہو گیا۔ علی بھی تیزی سے آگے بڑھا۔

"یار! یہ صاحب تو سنجیدہ ہو گئے۔"

"علی! آپ بہت برے ہیں۔" لڑکیاں علی کو لعن طعن کر رہی تھیں۔ اتنی دیر میں جتنی دیر میں علی اور تیمور پہنچے وہ صاحب علیم الدین کو کئی جھٹکے دے چکے تھے۔

"بتاؤ کہاں ہے بم؟" علیم الدین کی روح فنا ہو رہی تھی اور پپا علیم الدین کو نیچے لاتے اور پھر اوپر لے جاتے۔

"سر میں۔" علیم الدین گھگھیائے۔

"پھر سر میں۔ احمق ہو۔ سر میں بم کون رکھتا ہے۔"

"سر! میری بات کا اعتبار کریں کوئی بم نہیں۔" علیم الدین رو دینے کو تھے۔

"ایکسکیوزمی سر چھوڑ دیجیے۔ خود کو دیکھیے اور ان کو دیکھیے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اگر یہ جان سے گزر گئے تو پولیس والے آپ کو قتل کے الزام میں نہیں پکڑیں گے بلکہ کہیں گے قتل ہی کرنا تھا تو اپنے اسٹینڈرڈ کا کرتے۔ چھوڑ دیجیے۔

علی نے اچک کر علیم الدین کو پکڑا تو وہ کسی بچے کی طرح اس کی گود میں آ گئے۔

"اچھا تو یہ تم لوگوں کا ساتھی ہے۔ باندھ کر رکھا کرو ناں؟"

"جی ایسا ہی کرتے ہیں مگر کبھی بے دھیانی میں بے لگام ہو جاتے ہیں۔"

علی اور تیمور علیم الدین کو لیے آ گئے۔

"آپ مجھ سے بات نہ کریں۔" علیم الدین علی سے سخت خفا تھے۔ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے الگ ہو کر چلنے لگے۔

"ارے واہ! کیسے بات نہ کریں آپ کے ساتھ آپ سے بات نہ کریں تو میرے پیٹ میں مروڑ اٹھتے ہیں۔ قسم سے اور ہاں میں مروڑ افورڈ نہیں کر سکتا۔ سمجھا کریں ناں چندا۔"

علی لاڈ میں علیم الدین کے شانے پر جھول گیا۔ وہ آئے تو کھانا لگ چکا تھا اور لڑکیاں کھانے کے لیے پہنچ چکی تھیں۔

"یار! بڑی بے وفا ہو تم لوگ کہ ہم ایک بندے کو بچانے گئے اور تم لوگ کھانے کے لیے بھاگ آئے۔"

"اس لیے کہ ہمیں اپنا پیٹ اور کھانا آپ سے کہیں زیادہ عزیز ہے۔"

حنا نے اپنی پلیٹ میں سالن نکالتے ہوئے کہا۔

"بیچارہ جاوید تمام عمر اسی خوش فہمی میں گزار دے گا کہ وہ آپ کو بے حد عزیز ہے مگر آپ کو تو کھانا عزیز ہے۔"

"میں نے آپ سے زیادہ عزیز کہا ہے۔ جاوید سے زیادہ نہیں۔ چلئے نکالیے۔"

حنا نے برجستگی سے کہا اور آگے بڑھ گئی۔ علی تجل کی طرف آ گیا۔

"کیا آپ کو بھی کھانا عزیز ہے ہم سے۔ سوچ کر جواب دیجئے گا کیونکہ دل ذرا کچے کانچ سے بنا ہوتا ہے ناں۔ تو جلدی سے ٹوٹ جاتا ہے۔"

علی نے معنی خیز نظروں سے تجل اور پھر تیمور کو دیکھا۔ تجل نے ایک نظر اٹھا کر سامنے کھڑے تیمور کو دیکھا۔ تیز روشنی میں کھڑا وہ کسی مجسمے کی طرح خاموش اور سحرانگیز لگ رہا تھا۔ نظریں ملیں دل دھڑکے اور پلکیں آپ ہی جھک گئیں۔

"علی! دراصل میرا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو کھانے کے لیے نہیں جیتے بلکہ جینے کے لیے کھانا کھاتے ہیں۔ بس۔" تجل نے آہستگی سے کہا تو علی اسے گھورنے لگا۔

"واہ بڑی چالاک ہیں آپ۔ بڑا ڈپلومیٹ قسم کا جواب دیا ہے ماشاءاللہ۔ اچھا خیر ارے شاہی صاحب! کھانا سونگھنے کے لیے بھی نہیں ہوتا، نکالیے۔"

وہ ناں ناں ہی کرتی رہ گئی اور اس نے اس کی پلیٹ میں کھانا نکال دیا۔

"وہ دیکھو۔ کیسے پلیٹ بھر رہا ہے لگتا ہے صدیوں کا بھوکا ہے۔"

علی نے تیمور کی توجہ ایک آدمی کی طرف دلائی جو ہر چیز وافر مقدار میں پلیٹ میں بھر رہا تھا۔

"یار سب ہی کا یہ ہی حال ہے، ایسے موقعوں پر رزق کا جو زیاں ہوتا ہے ناں تو قسم سے خون جلتا ہے بندہ اتنا ہی نکالے جتنا کھانا ہو۔ اب یہ بات تو ہر بندہ کرتا ہے مگر۔"

تیمور بات کر رہا تھا اور علی اس آدمی کے پاس پہنچ گیا۔

آپ سب گھر والے ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھائیں گے۔۔ واللہ کیا محبت ہے۔"

"جی نہیں میں اکیلا ہی کھاؤں گا۔" برہمی سے جواب دیا گیا۔

"اچھا تو آپ کا کیا خیال ہے کہ آپ جب دوبارہ لینے آئیں گے تو....."

"آپ سے مطلب؟ آ گئے کہیں سے نصیحت صاحب!"

"ارے نہیں آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میرا نام علی ہے۔"

وہ خوش اخلاقی دکھانے لگا مگر وہ بندہ ہونہہ کر کے آگے بڑھ گیا۔

"میں ابھی آیا، حسن اشارے کر رہا ہے۔ تم کھانا نکالو، میں ابھی آیا۔"

تیمور اپنی پلیٹ بھی اسے تھما کر تیزی سے لوگوں میں راستہ بناتے ہوئے سٹیج تک گیا۔ جہاں حسن کھڑا اسے بلا رہا تھا۔ وہ تیزی میں تھا کہ پلیٹ لے کر گزرتی نسیمہ بیگم سے ٹکرا گیا ان کے ہاتھ سے

پلیٹ گر پڑی۔

"اوہ سوری۔ ویری سوری آنٹی۔" "آپ کو چوٹ تو نہیں آئی۔"

وہ ایک دم جھک کر ان کے پاؤں صاف کرنے لگا۔ جن پر قورمہ گر گیا تھا۔

"ارے نہیں بیٹا! کوئی چوٹ نہیں آئی۔ جیتے رہو۔ خوش رہو۔ اوپر اٹھو۔"

انہوں نے پیار سے اس کو شانے سے پکڑ کر اوپر اٹھایا۔

"آنٹی! دراصل میں جلدی میں تھا تو ہاتھ لگ گیا۔" وہ شرمندہ ہوئے جا رہا تھا۔

"کوئی بات نہیں چندا۔ کوئی تم نے دانستہ تو ایسا نہیں کیا ناں۔ تم جیسا بیٹا ایسی حرکت کر سکتا ہے؟ کسی بہت اچھے گھرانے کے معلوم ہوتے ہو۔" نسیمہ بیگم نے چشمہ درست کرتے ہوئے اسے دیکھا۔

"جی! تیمور بغور ان کو دیکھنے لگا۔ کتنی ہی دیر وہ اس بوڑھے چہرے کے خدوخال دیکھتا رہا۔ نجانے یہ خاتون اسے اتنی اچھی کیوں لگیں وہ خود بھی سمجھ نہیں پایا۔

"کیا دیکھ رہے ہو بیٹا! شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کوئی بات نہیں۔"

"میں، میں آپ کو کھانا نکال کر لا دیتا ہوں۔"

اس کی نظریں ان کے چہرے پر ہی جمی تھیں۔

"اچھا بیٹا! لا دو، جیسے تمہاری خوشی۔"

انہوں نے اس خوبرو سے سعادت مند سے نوجوان کو شفیق نظروں سے دیکھا۔

"کیا پسند کریں گی آپ؟" وہ پلیٹ لیے ان سے ان کی پسند پوچھ رہا تھا۔

"جو تمہارا دل چاہے لے آؤ بیٹا! تمہاری پسند کا کھانا کھاؤں گی۔ تم بہت اچھے بیٹے ہو ناں۔"

"شکریہ!" وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا۔ نسیمہ بیگم کرسی پر بیٹھ گئیں۔

"ارے واہ بیٹے! تم نے تو بالکل میری پسند کا کھانا نکالا۔"

"آپ اطمینان سے کھائیے۔ میں یہیں ہوں آپ کے پاس۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم کریں۔"

نسیمہ بیگم کو اس کی سعادت مندی پر پیار آ گیا۔

"بیٹا! خوش رہو۔ اپنی غلطی کا اس طرح ازالہ نہ کرو کہ میں شرمندہ ہو جاؤں۔ جاؤ شاباش کھانا کھاؤ تم جیسے سعادت مند بیٹے تو ماؤں کے دل کی ٹھنڈک ہوتے ہیں جاؤ شاباش۔"

نجانے کس خیال کے تحت وہ افسردہ ہو گئیں۔

اچھا جی۔ آنٹی میں چلتا ہوں آپ، آپ۔"

وہ کھڑا ہو کر کچھ دیر دیکھتا رہا پھر آگے بڑھ گیا۔ نسیمہ بیگم دور تک اسے دیکھتی رہیں۔

"کیا ہو گیا تھا۔ کہاں رہ گئے تھے اور یہاں فکر کے مارے نوالے حلق پار نہیں کر پا رہے تھے اور بھوکی آنتیں چوہوں سے ہار رہی ہیں۔"

ان دونوں کی تو آنکھیں بھی اظہار کرنے سے کتراتی تھیں جبکہ علی بڑی گہری باتیں کر جاتا۔

تیمور نے ایک نظر سر جھکائے بیٹھی تجل پر ڈالی۔ آمنہ اور مہوش بھی تھیں وہ خاموشی سے تجل کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

''بھائی! میں نے آفس جانے کے لیے آپ کے کپڑے تیار کر دیئے ہیں۔''

''ویری گڈ میری بہن کا تو جواب نہیں۔'' تیمور استری شدہ کپڑے دیکھ کر خوش ہو گیا۔

''خیر، لاجواب تو آپ دونوں بہن بھائی ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آپ اپنے پیروں پر نہیں میرے ہاتھوں پر کھڑے ہیں۔''

علی قالین پر دراز تھا اور تیمور کا پاؤں بے دھیانی میں اس کے ہاتھ پر پڑ گیا تھا۔

''اوہ سوری یار!'' تیمور جھک کر اس کے ہاتھ سہلانے لگا۔

''علی بھائی تو بس تماشے کرتے ہیں۔'' شانی ہلکے سے مسکرائی۔

''جی ہاں مسخرا جو ہوا۔ آپ کو معلوم ہے پورا پچاس سالہ تجربہ ہے سرکس میں کام کرنے کا۔''

وہ تپ کر رہ گیا شانی کی بات پر۔

''خیر، یہ بھی گپ ہے، کیونکہ آپ کی عمر ابھی تو اتنی نہیں ہوئی۔''

وہ اسی طرح اس کے مزاح کا گلا گھونٹ دیا کرتی تھی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔

''چلو یار! ذرا بس سٹاپ تک چھوڑ آؤ۔ یا ابھی جنگ و جدل کا پروگرام ہے۔''

تیمور ٹائی کی ناٹ درست کرتے ہوئے اس کے قریب آیا تو وہ شانی کو گھورتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

''تم انتہائی ناسمجھ اور احمق لڑکی ہو، تمام عمر کچھ بھی نہیں سمجھو گی۔''

وہ نجانے کس بات پر تپا ہوا تھا اور وہ بیچاری ناواقف تھی۔

''بھائی! فراغت نے ان کے دماغ پر گہرا اثر کیا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ اپنے آفس میں علی بھائی کے لیے بھی کوئی جگہ بنائیں تاکہ۔''

''آفس میں جگہ بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کئی پنجرے خالی ہیں چڑیا گھر میں۔ کل ہی معلومات لے کر آیا ہوں۔'' وہ کاٹ کھانے کو دوڑا تو وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ تیمور ہنسنے لگا۔

''مبارک ہو یار! بڑی اچھی جگہ رہائش ملی ہے یعنی کہ رہائش بھی مفت اور کھانا پینا بھی مفت نہ کسی کی فکر۔''

''ہے۔ ہے۔ آپ بھی ان فکروں سے آزاد ہو سکتے ہیں برابر میں افریقی گینڈے کا پنجرہ خالی کیا ہے آ جاؤ۔'' علی ہنستے ہوئے تیمور کی نقل اتارتے ہوئے بولا۔

''لیکن میرے بھائی گینڈا تو نہیں۔'' شانی نے جلدی سے اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا۔

''جی ہاں۔ میں ہی آپ کو امریکی بندر نظر آتا ہوں۔''

وہ بندروں کی طرح اچھلنے کودنے اور خارش کرنے لگا تو دونوں ہنسنے لگے۔

''چلو چھوڑو یہ حرکتیں، دیر ہو رہی ہے۔''

....

تیمور کو اس فرم کو جوائن دیئے ہوئے تقریباً چار پانچ ماہ ہونے کو آئے تھے مگر آج تک اس نے کبھی فرم کے مالک کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ فرم کے ایم ڈی سے مل کر ... آ رہا تھا کہ نظریں نگل پر ٹھہر گئیں جو بڑی تیزی میں تھی اور پریشان بھی لگ رہی تھی۔

''نگل یہاں!'' وہ کچھ سوچ کر رہ گیا۔ نگل اپنے دھیان میں تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ دروازے پر پہنچ کر اس کی نظر بھی تیمور پر پڑی۔ حیرت زدہ انداز میں وہ چونکی ضرور مگر پھر اندر ہی چلی گئی۔ نہ سلام نہ دعا نہ تیمور کی یہاں موجودگی پر کوئی سوال نہ اپنی آمد کی وجہ بتائی۔ جانے کیوں تیمور کا دل خراب ہو گیا۔ وہ اس کی اس بے اعتنائی کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سر جھکائے کام کرتا رہا کوئی آدھے گھنٹے بعد نگل جیسے تیزی اور پریشانی میں آئی تھی ویسے نکل گئی۔ تیمور نہیں جانتا تھا کہ اسے یہاں دیکھ کر کئی سوال نگل کے ذہن میں بھی آئے تھے مگر وہ اس وقت بات نہیں کر سکتی تھی۔ مگر تیمور بدگمانی کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ اس احساس کے ساتھ گھر آ گیا۔

''بھائی! ہو سکتا ہے وہ بھی وہاں جاب کرتی ہوں۔''

شانی اور علی ایسی ہستیاں تھیں جن سے وہ کچھ بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔

''ہونہہ! تمہیں پتہ ہے وہ کروڑ بلکہ کروڑوں پتی باپ کی بیٹی ہے۔ اسے جاب کی کیا ضرورت ویسے ہی اسے اپنی دولت پر بہت گھمنڈ ہے۔'' وہ مکمل طور پر بدظن ہو چکا تھا۔

''غلط بات نہ کرو تیمور! اتنی جلدی بدگمان نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے اسے ضروری کام ہو یا پریشانی ہو اور تمہیں بطور خاص وہ ملتی یا بات کرتی۔ تمہیں پتہ ہے لوگ باتیں بناتے ہیں۔''

علی اور شانی اس کا دل صاف کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر اس کی نظروں میں جینز اور سرخ کرتے میں بال کھولے بن کا سرخ آنکھوں سے اتار کر سر پر جمائے مغرور سی نگل گھوم گئی۔

''ہونہہ! سب فضول دلیلیں ہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی کہ ایک پل کے لیے رک کر یہ تو پوچھتی کہ میں یہاں کیسے ہوں؟'' وہ مستقل اپنا خون جلا رہا تھا۔

''ہائے شانی جی! دیکھا اپنے احمق بھائی کو۔ ارے الو کے کان، جب تم ایک فرم میں ہاتھ میں فائل لیے ایم ڈی کے کمرے سے برآمد ہو گے تو کوئی بھی سمجھ نہیں سکتا کہ تم وہاں جاب کرتے ہو۔''

''اچھا پلیز، فی الحال چھوڑ دو اس قصے کو۔ اور تم لوگ بھی جاؤ یہاں سے۔''

تیمور نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا، تو وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے کھڑے ہو گئے۔

''چلو شانی! ہم ذرا طارق روڈ سے لولی پاپ کھانے چلیں۔''

''اتنی دور صرف لولی پاپ۔ یہ تو یہاں سے بھی مل جاتی ہے۔''

حسب معمول وہ بھی اس کے مزاح کا گلا دبائے بیٹھی تھی۔ اس نے سر پیٹ لیا۔

''ہائے میری قسمت میرا بھیجا بھی کھا لیا۔''

''جو چیز ہے نہیں، آفر بھی اس کی کر رہے ہیں۔''

''اچھا بڑی باتیں بنانا آ گئی ہیں۔'' وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

کوئی کچھ بھی کہتا۔ تیمور کو شدید دکھ ہوا تھا اس کے اور نگل کے درمیان تعلق ہی ایسا تھا۔ اس کا بدگمان ہونا فطری عمل تھا۔ اس کا کام میں بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ ایک کھد بدی ہو رہی تھی۔ اسے مناسب تو نہیں لگ رہا تھا۔ پھر بھی اس نے چپڑاسی کو بلایا تاکہ معلوم کر سکے۔

''یار اشرف! کل آفس میں ایک محترمہ آئی تھیں۔ کون تھیں؟''

اسے یہ حرکت بہت ہی معیوب لگ رہی تھی مگر بدگمان دل کو بھی تو قرار نہیں تھا۔

”کون سی محترمہ جی؟“ اشرف بھول چکا تھا ظاہر ہے اسے کچھ یاد رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

”یار! وہی جو کل آئی تھی۔ بغیر پوچھے ایم ڈی صاحب کے کمرے میں چلی گئی تھی۔“

تیمور کو اسے سمجھانے میں خاصی وقت محسوس ہو رہی تھی۔

”اچھا، اچھا آپ مس احمد کی بات کر رہے ہیں۔“ اشرف شاید پہچان گیا۔

”مس احمد۔“ تیمور نے زیر لب دہرایا۔

”ہاں جی، وہ تو مس احمد تھیں۔ اس فرم کے جو مالک ہیں خان فاروق احمد صاحب، ان کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں۔ بڑی اچھی، ہنس مکھ اور حلیم طبع۔“

اشرف اس کی تعریف کر رہا تھا اور تیمور کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔

”ہوں، تو تب ہی یہ ادائیں ہیں کہ اپنی فرم میں دیکھ کر پہچانا تک نہیں۔ ظاہر ہے اب ہمارے درمیان حاکم اور محکوم کا رشتہ جو ہو گیا ہے۔“

”چلو مبارک ہو۔ کوئی رشتہ تو ہوا؟“ علی اسے چھیڑ رہا تھا۔

”بکو مت علی! تم اسے اس وقت دیکھتے حاکمیت کا کیسا احساس تھا اس کے چہرے پر۔ ظاہر ہے وہ فرم کی مالک تھی فرم کے ادنیٰ سے ملازم سے بات کس طرح کرتی۔“

”یار تیمور! خدا کے واسطے مت کرو یہ چھوٹی باتیں۔ اتنی اچھی لڑکی ہے وہ کہ حد نہیں۔ تمہاری یہ بدگمانی کہیں کوئی فصیل کھڑی نہ کر دے۔“

”فصیلیں گری ہی کب تھیں۔ میں یہ جاب چھوڑ رہا ہوں۔“

اس نے حتمی انداز میں کچھ اس طرح کہا کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ تیمور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ وہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔

”اب کیا ہو گا علی بھائی؟ بھائی تو نگل باجی کو بہت چاہتے ہیں۔ جاب بھی چھوڑ دیں گے۔“

شانی بری طرح گھبرا رہی تھی۔ وہ تیمور کے غصے سے واقف تھی اول تو غصہ آتا ہی نہیں تھا آتا تھا تو شدید آتا تھا۔

”خیر اس کی جاب تو اہم نہیں چھوڑ دے یا نہ چھوڑے۔ اہم تو وہ بدگمانی ہے جو کالی گھٹا کی طرح اس کے دل پر چھا گئی ہے۔ اسے کیسے ہٹایا جائے۔ حماقت کی انتہا ہے چاہتے دونوں ہیں ایک دوسرے کو مگر مجال ہے جو اظہار کر جائیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ جذبوں کا اظہار ہونا چاہئے کہ نہیں؟“ وہ پورے کا پورا اس کی طرف گھوم گیا۔

”نہیں اظہار کی تو میں بھی قائل نہیں۔ بس چاہتیں بے اعتبار نہیں ہونی چاہئیں۔ وفاؤں کا سکہ کھوٹا نہیں ہونا چاہئے۔“ وہ روانی میں کہہ گئی۔ وہ گہری نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔

”تم دونوں بہن بھائی جڑواں تو نہیں۔ یار کبھی تو بات کر کے مار دیتے ہو اور کبھی۔“ علی اس کی بات سے بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا کر اٹھ گئی۔

☆......☆......☆

”فاروق صاحب آپ ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ آپ کو احتیاط کرنا چاہئے۔ آپ آج

[illegible]

سے قہقہے لگاتے ہیں کہ حد نہیں۔ یہ زور آپ کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔“

”میرے اندر آوازوں کا ایک ہجوم ہوتا ہے ڈاکٹر! چیخ و پکار، رونے کی آواز، بین کرنے کی آوازیں ہیں۔ ان آوازوں کو دبانا چاہتا ہوں۔ چیخ چیخ کر بلند و بالا قہقہے لگا کر۔ ڈاکٹر مجھے کوئی ایسا انجکشن لگا دو کہ مجھے وہ آوازیں نہ آئیں۔“

انہوں نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا بے بس ہو کر۔

”فاروق صاحب! آپ یہ ٹیبلٹ لے لیں، آرام کریں، آپ کے لیے بے حد ضروری ہے۔“

ڈاکٹر صفدر فیملی ڈاکٹر تھے۔ سب جانتے تھے۔ انہوں نے ٹیبلٹ ان کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے پانی کا گلاس دیا۔

”آرام ہی آرام ہے ڈاکٹر! بس چند دنوں ہی کی تو بات ہے پھر، پھر۔“

فاطمہ کا پیارا چہرا ان کی نظروں میں گھوم گیا، وہ رو پڑے۔ ڈاکٹر بھی خاموشی سے دیکھتے رہے کیونکہ یہ بھی ضروری تھا ان کے لیے۔

”آ جائیے۔“ دروازے پر دستک ہوئی تو ڈاکٹر نے کہا۔ فاروق صاحب نے رومال لے کر جلدی سے چہرا صاف کر لیا۔

”چیک اپ ہو گیا ڈاکٹر صاحب: جائیں ہم۔“

”ہاں عدیل میاں! ان کو لے جاؤ اور سکون سے سونے دو۔ فاروق صاحب پلیز آپ کو ابھی بہت کچھ فیس کرنا ہے۔ پلیز خود کو نارمل رکھئے۔“ عدیل پپا کو گاڑی میں بٹھا کر واپس ڈاکٹر کے پاس آ گیا۔

”ڈاکٹر صاحب! ضروری بات کرنا ہے آپ سے۔ وہ یہ کہ فاطمہ باجی کو لے کر جانا ہے۔ تو ہم چاہتے ہیں کہ پپا نہ جائیں۔ میں اور نبیل لے جاتے ہیں۔ آج راحیل بھائی بھی واپس آ رہے ہیں۔ ہم بھائی ہی لے جائیں گے مگر پپا کی ضد ہے کہ وہ خود لے کر جائیں گے۔“

عدیل کی بات پر ڈاکٹر ظفر کچھ دیر اس کو دیکھتے رہے پھر گہرا سانس لے کر کوئی ایکسرے دیکھنے لگے۔

”عدیل میاں! بات انتہائی دکھ کی ہے کہ فاطمہ کو اب لے جانا۔ خیر اللہ بہتر جاننے والا اور کرنے والا ہے۔ ہم تو بے بس ہیں اگر وہ جانا چاہتے ہیں تو جانے دو ورنہ عمر بھر خلش رہے گی ان کو۔“

☆......☆......☆

”آج راحیل اور شہرین آ رہے ہیں ناں؟“ صوفیہ بیگم بیٹے سے اتنے عرصے سے جدا تھیں خوش بھی ہو رہی تھیں اور افسردہ بھی کیونکہ شہرین یہ سب ہرگز برداشت نہ کرتی۔ جو اب گھر کا خوشگوار ماحول تھا۔

”جی مما! آ تو رہے ہیں مگر۔“

مہوش بھی ان کی آمد ہی سے خوف زدہ ہو رہی تھی کہ نجانے ان دونوں کو گھر میں دیکھ کر ان دونوں کے کیا تاثرات ہوں۔

”میں تو اسی لیے خوف زدہ ہوں۔ شہرین ہنگامے کرتی ہے۔ مجھے ڈانٹتی ہے۔“

مما کے چہرے پر خوف چھانے لگا۔ تجل، آمنہ اور مہوش پریشان ہو گئیں۔

"مما! آپ پریشان کیوں ہوتی ہیں۔ اب کچھ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے کتنا اچھا کر دیا ہے۔ پپا ہمارے ہو گئے ہیں۔ بھائی بھی بدل گئے ہیں تو آپ خوف زدہ کیوں ہوتی ہیں۔ اگر وہ گڑبڑ کریں گی تو ہم ان کو الگ کر دیں گے تاکہ وہ الگ رہیں اور ہم الگ۔"

آمنہ نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا تو وہ بچوں کی طرح خوش ہو گئیں۔

"ہاں، ہاں میں تمہارے پپا سے کہوں گی ان دونوں کو الگ گھر خرید کر دے دیں۔ بہت اچھا سا۔ وہ وہاں رہیں اور ہم یہاں خوش رہیں گے۔ یہ ٹھیک ہے۔"

خوشی کی چمک ان کی آنکھوں میں آ گئی۔ وہ بہت خوش ہو رہی تھیں کہ راحیل اور شہرین کو الگ کر کے باقی بچوں کے ساتھ وہ اسی گھر میں خوش رہیں گی۔ ان کو معلوم تھا کہ شہرین مہوش کو برداشت نہیں کرے گی۔

"مما! آپ اب آرام کریں۔ ہم ذرا گھر کو دیکھ لیں۔"

"آمنہ اور مہوش اٹھ کر آ گئیں۔ تجل اپنے کمرے میں آ گئی۔ بارہا اس کی نظر میں فائل ہاتھ میں لیے تیمور گھوما تھا وہ اتنی پریشان اور جلدی میں تھی کہ رک کر اس سے ہائے ہیلو بھی نہیں کر سکی۔

"نجانے کیا سوچ رہا ہو گا وہ۔"

"بے بی، بے بی! آج راحیل بھائی اور شہرین آ رہے ہیں، ناں کتنے دنوں کے بعد آ رہے ہیں۔ بہت خوشی ہو رہی ہے۔ ہے ناں۔"

فاطمہ کھلے دروازے سے اندر آتے ہوئے بچوں کی طرح خوشی کے ساتھ بولی تو تجل ایک دم سیدھی ہو گئی۔

"جی باجی! واقعی بہت خوشی ہو رہی ہے۔ بہت دن لگا دیے ان لوگوں نے تو۔"

"ویسے بے بی! میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔" فاطمہ کے چہرے پر سوچ کی لکیریں تھیں۔

"کیسی باتیں باجی؟" تجل نے اس کا ہاتھ تھام کر قریب بٹھا لیا۔

"وہ یہ کہ شہرین ذرا تنک مزاج ہیں ناں۔ وہ مہوش کو ناپسند بھی کرتی ہے تو اسے یہاں دیکھ کر خفا ہو گی پھر ہنگامہ ہو گا اور مما تو بالکل بھی یہ بات برداشت نہیں کر پائیں گی۔ میں یہ ہی سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی ہوں۔"

"ارے باجی! آپ کیوں پریشان، خوفزدہ ہو رہی ہیں۔ دیکھیں پہلے حالات مختلف تھے۔ اب اور حالات ہیں۔ انشاء اللہ دیکھیے گا کچھ بھی نہیں ہو گا اور آپ نے اپنی دوا کھائی ہے کہ نہیں؟ باجی دوا باقاعدگی سے لیا کریں ناں۔"

تجل نے دکھ سے فاطمہ کو دیکھا جو دن بدن زرد ہوتی جا رہی تھی۔

"ہاں کھا لوں گی۔ بے بی دوائیاں کھا کھا کر میرے اندر اک آگ سی لگی رہتی ہے۔ حلق تک اس حد تک کڑوا رہنے لگا ہے کہ۔"

"بس باجی! چند دنوں کی تو بات ہے۔ بس ہماری خاطر دوا کھا لیا کریں پلیز۔"

تجل کا جی چاہا کہ فاطمہ کے سارے غم لے لے۔ جس نے بچپن سے آج تک ایسے ہی پالا تھا

جیسے مائیں، لیکن کیا بے بسی تھی کہ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کیا کوئی انسان بھی قدرت سے جنگ نہیں کر سکتا تھا اس کے ہر فیصلے پر سر جھکانا ہی انسان کا ایمان اور مقدر تھا۔

☆......☆......☆

"فاروق صاحب! آج راحیل اور شہرین آ رہے ہیں۔ سوچتی ہوں کہیں نبیل اور مہوش کو دیکھ کر ہنگامہ نہ کریں۔"

فاروق صاحب جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئے۔ صوفیہ بیگم نے اپنی پریشانی کا اظہار کر دیا تو وہ کچھ دیر خاموشی سے بیگم کو دیکھتے رہے پھر ان کے قریب آ گئے۔

"بیگم! یہ گھر میرا ہے اور والدین پر تمام بچوں کا یکساں حق ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے، میں نبیل سے خفا ضرور تھا مگر اس سے دستبردار تو نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا کہ میں ان کو سزا دیتا۔ انہوں نے معافی مانگ لی۔ بات ختم ہو گئی۔ اب سب کماتے ہیں، جوان ہیں جس کا جی چاہے یہاں رہے جس کا جی چاہے چلا جائے۔ آپ فکر کیوں کرتی ہیں، کچھ نہیں ہو گا۔"

"ہاں سب کہتے ہیں۔ کچھ نہیں ہو گا۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ میرے سارے بچے میرے قریب رہیں، ہنسی خوشی رہیں۔" بے شمار دعائیں، پیار ممتا کے لبوں پر آ گئیں۔

"سارے بچے۔" فاروق صاحب نے وحشت زدہ نظروں سے بیوی کو دیکھا جو آنے والی قیامت سے قطعی بے خبر تھیں۔

"ہاں۔ سارے بچے۔ سارے بچے۔" فاروق صاحب خود کلامی کرتے باہر نکل گئے۔

"فلائٹ کا وقت ہو رہا ہے۔ عدیل! ایئر پورٹ چلے جاؤ۔"

باہر آتے ہی انہوں نے عدیل کو ایئر پورٹ جانے کی ہدایت کی تو کچن میں کام کرتی مہوش کے ہاتھ لرز گئے۔

"آمنہ باجی! مجھے بہت خوف آ رہا ہے۔ نجانے وہ لوگ کس طرح پیش آئیں۔ شہرین بھابی تو۔"

"خوف زدہ تو ہم لوگ بھی ہیں۔ شہرین درگزر کرنے والے لوگوں میں سے نہیں۔ بہت بخیل اور بدزبان ہے۔ ہنگامہ تو ضرور کرے گی اور اب ہنگامہ نہ مما برداشت کر سکتی ہیں اور نہ فاطمہ باجی۔"

"آمنہ باجی اگر انہوں نے مجھے نکل جانے کو کہا تو۔ میں کہاں جاؤں گی۔ میں نے تو اپنی آنٹی کو بھی چھوڑ دیا ہے۔" آنے والے لمحات کے خوف نے مہوش کو رلا دیا۔

"کیسی باتیں کرتی ہو مہوش؟ وہ کون ہوتی ہے تمہیں یہاں سے نکالنے والی۔ تمہاری بھی اس گھر میں وہی حیثیت ہے جو اس کی ہے۔ یہ گھر ہمارا ہے۔ وہ جہیز میں تو لے کر نہیں آئی اور نہ تم کوئی۔ خیر ناحق اپنا خون نہ جلاؤ ابھی تو ہمیں بہت کچھ سہنا، برداشت کرنا ہے۔"

آمنہ کا اشارہ فاطمہ کی طرف تھا۔ ان لوگوں کی آمد قریب تھی گھر میں ایک سراسیمگی کی سی کیفیت پائی جا رہی تھی۔ مہوش مما کے پاؤں دبا رہی تھی۔ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ مہوش کے چلتے ہاتھ رک گئے۔ ساس نے خوف زدہ نظروں سے بہو کو دیکھا۔ باہر سے ہلکی ہلکی باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ مہوش نے دھڑکتے دل کے ساتھ کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا راحیل پپا سے گلے مل رہا تھا۔

''پپا! کیسے ہوا یہ سب؟ کیوں ہوا؟ فاطمہ میری بہن نے خاموشیوں میں۔ پپا۔''

راحیل باپ کے ساتھ لگ کر سسک پڑا۔

''ہم سرابوں کے پیچھے بھاگنے والے لوگ اس طرح بچی اور حقیقی خوشیوں سے محروم رہتے ہیں۔'' پپا ٹوٹے لہجے میں بول رہے تھے۔

''پپا! بہت دکھ ہوا ہے۔ فاطمہ باجی تو بہت اچھی ہیں۔ ان کے ساتھ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا مگر۔''

شہرین کے بات کرنے کا انداز ایسا تھا جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ فاطمہ باجی تو اچھی تھیں۔ ان کے بجائے آمنہ یا نبیل کے ساتھ ایسا ہونا چاہئے تھا۔ راحیل بہت دکھی ہو رہا تھا۔ اس نے باری باری بہنوں کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔ شہرین بھی نہ چاہتے ہوئے رسمی انداز میں ملی۔

''فاطمہ کہاں ہے؟''

''ان کو تیز بخار ہے پپا، اپنے کمرے میں ہیں۔''

''آؤ شہرین! پہلے فاطمہ کو دیکھ کر آئیں۔'' راحیل جلدی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

''نہیں، میرا خیال ہے پہلے اپنی ماں سے مل لو۔ اس کی نگاہیں دروازے پر لگی ہوئی ہیں۔''

''جی بہتر۔'' راحیل پپا کے کہنے پر مما کے کمرے میں آیا۔

''مما!'' وہ ان کی طرف بڑھا۔

''راحی! میرا بیٹا! میرا بچہ اتنے دن لگا دیئے۔''

مما نے بانہیں پھیلا دیں۔ راحیل ان کی بڑی اولاد تھی۔ کتنی ہی دیر وہ راحیل کو لپٹائے پیار کرتی رہیں۔

''آپ کیسی ہیں؟'' راحیل نے ان کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے پوچھا۔ اس عرصے میں مہوش جلدی سے واش روم میں گھس گئی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دیکھو، کتنی اچھی صحت ہوگئی ہے میری شہرین بیٹا کیسی ہو۔''

انہوں نے دور کھڑی شہرین کو قریب بلا کر پیار کرتے ہوئے کہا جو واقعی حیران ہو رہی تھی کہ مما کی صحت میں حیرت انگیز اچھی تبدیلی آئی تھی۔

''جی ٹھیک ہوں۔'' وہ فاطمہ باجی کا سن!''

''شہرین!'' شہرین ابھی نجانے کیا کہہ دیتی کہ راحیل اور آمنہ ایک ساتھ چیخ پڑے۔

''کیوں کیا ہوا فاطمہ کو؟ کہاں ہے فاطمہ میں نے اسے صبح سے نہیں دیکھا۔ فاطمہ کو بلاؤ۔ فاطمہ کو بلاؤ میرے پاس لاؤ۔''

اتنی سی بات پر ہی مما بے حد پریشان ہوگئیں۔ آمنہ کا دل چاہا، اس بدتمیز لڑکی کا منہ توڑ دے آتے ہی فساد شروع کر دیا۔

''مما! کچھ نہیں ہوا فاطمہ باجی کو، آپ کو بتایا تو تھا کہ ان کو فلو کی وجہ سے ذرا بخار آ گیا ہے۔ دوا لے کر آرام کر رہی ہیں۔ اٹھتی ہیں تو میں خود لے کر آؤں گی ان کو۔''

آمنہ نے ان کے ہاتھ تھام کر سمجھایا تو بے قرار ممتا کو قرار آیا۔ مہوش کو واش روم میں بے

مقصد کھڑے کافی دیر ہوگئی تھی۔ گرمی کی شدت سے وہ پسینے میں نہا گئی۔ تو کچھ سوچ کر باہر آ گئی۔

''اوہ تم۔'' اتفاق سے پہلے شہرین ہی کی نظر اس پر پڑی۔ تو سب کی حسب توقع چہرے پر انتہائی ناگوار تاثرات لیے اس طرح اٹھ کر کھڑی ہوئی جیسے مہوش بہت چھوٹی چیز ہو۔

''یہ مسز مہوش نبیل ہے، مسز شہرین راحیل۔''

آمنہ نے بھی اسی انداز میں مہوش کا تعارف کرایا تو غصے سے شہرین کا رنگ بدل گیا۔

تھوک کر چاٹنا کوئی دانش مندی نہیں ہوتی۔''

شہرین نے دھیمی مگر بہت سخت آواز میں کہا کہ اندر آتے پپا نے بھی سن لیا اور محسوس بھی کر لیا۔ مگر فی الحال وہ کسی ہنگامے کی ابتدا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے بیگم کو دیکھا جو خوف زدہ نظروں سے کبھی مہوش کو دیکھتیں جو ایسے سر جھکائے کھڑی تھی گویا مجرم ہو اور کبھی شہرین کو دیکھتیں جو ایسی بھوکی شیرنی کی مانند لگ رہی تھی کہ جیسے ابھی سب کو چیر پھاڑ کھائے گی۔ وہ آگے بڑھے اور مہوش کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''بہوئیں بھی بیٹیاں ہوتی ہیں شہرین بیٹے! تم دونوں میری بیٹیاں ہو۔''

''ہونہہ!'' وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ اس نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اتنے عرصے بعد وہ گھر آئی ہے۔ اسے اخلاقاً ہی چپ رہنا چاہئے یا فاطمہ کی وجہ سے گھر میں پائی جانے والی پریشانی کا خیال کرنا چاہئے۔

''نیور مائنڈ پپا! آپ مجھے بتائیں۔ اب کیا کرنا ہے؟''

راحیل آخر بیٹا تھا، وہ اس دکھ کو اپنے دل میں محسوس کرتا تھا۔

رپورٹس کمرے میں رکھی ہیں۔ پڑھ لینا اور کیا تم نے شہرین کو نہیں بتایا کہ یہ بات تمہاری ممی سے چھپائی گئی ہے۔ میں باہر کھڑا سب سن رہا تھا۔''

ساتھ ساتھ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے پپا نے پوچھا تو وہ شرمندہ ہو گیا۔

''بتایا تو تھا پپا، مگر آپ اس کی عادت سے تو واقف ہیں۔''

''ہاں واقف ہوں، لیکن اب اسے اپنی عادات تبدیل کرنا ہوں گی۔ میں سب کا باپ ہوں اور والدین کے لیے ساری اولاد برابر ہوتی ہے۔ نبیل اور مہوش کی اس گھر میں وہی حیثیت ہے جو تمہاری اور شہرین کی ہے۔''

''جی پپا!'' والدین اس قدر دکھی ہو رہے تھے۔ اس وقت ان کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے کچھ اختلافات رکھنے کے باوجود کچھ کہہ نہ سکا۔

''فاطمہ فاطمہ!'' راحیل فاطمہ کو دیکھ کر رو سا پڑا۔ اس کی سب سے خوبصورت بہن کو بیماری نے چاٹ ڈالا تھا۔ اس وقت وہ نیم بے ہوش زرد چہرہ لیے آنکھیں موندے پڑی تھی۔ راحیل نے اس کی جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا تو اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔

''بھیا، بھائی! آپ لوگ آ گئے ہیں۔ شہرین نہیں آئی؟''

فاطمہ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر نقاہت کی وجہ سے اٹھ نہ سکی۔

''لیٹی رہو فاطمہ! ہم بالکل ٹھیک ہیں۔ شہرین نیچے مما کے پاس ہے۔ ابھی آتی ہے تم فکر نہ کرو میں تمہیں ابھی لے چلتا ہوں ڈاکٹر کے پاس یا ڈاکٹر کو بلا لیتے ہیں۔''

راحیل اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔

"نہیں بھائی! ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت ہے اور نہ ڈاکٹر کو بلانے کی۔ فلو کے ساتھ بخار ہوا ہے خود ہی آرام آ جائے گی۔ آپ بتائیں وہاں کیسے رہے آپ لوگ؟ پپا ذرا ہاتھ پکڑیں میرا۔"

اس نے پپا کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اسے سہارا دے کر بٹھا دیا۔

"بھئی، بہت مزا آیا۔ اسی لیے تو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم سب بہن بھائی گھومنے جائیں گے۔ خوب گھومیں گے، چلو گی ناں فاطمہ!" راحیل بڑے دلار سے اس سے پوچھ رہا تھا۔ نقاہت کے مارے جس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

"آپ سب بہن بھائی جائیں...... بھائی، لیکن میں تو نہیں جا سکوں گی۔"

فاطمہ نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ فاروق صاحب کا دل مٹھی میں آ گیا۔

"کیوں، کیوں نہیں جاؤ گی بیٹا؟ میں بھی جاؤں گا اپنے بچوں کو لے کر زندگی میں پہلی بار تو آنکھیں کھلی ہیں بیٹا۔ ہمیں چاہئے ایک ایک پل کو انجوائے کریں، سب مل کر ہم سب جائیں گے۔ ٹھیک ہے ناں۔"

فاروق صاحب نے پانی کا گلاس اس کے سوکھتے ہونٹوں سے لگایا۔

"جی ہم جائیں گے۔" فاطمہ نے آہستگی سے کہا اور سر عدیل کے شانے سے ٹکا دیا۔

"فاطمہ! فاطمہ!"

☆......☆......☆

"فاطمہ بنی! آنکھیں کھولو فاطمہ۔" فاروق صاحب دیوانوں کی طرح پکارے گئے۔

"پاپا! ریلیکس، سب پریشان ہو جائیں گے۔ آپ فاطمہ کو دیکھئے۔ میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں۔" راحیل جلدی سے ڈاکٹر کو فون کرنے نیچے آیا۔ کچھ دیر میں آمنہ، مہوش اور تجل فاطمہ کے کمرے میں آ گئیں۔

"کیا ہوا پاپا! باجی کو؟ باجی!"

آمنہ اور تجل تڑپ کر فاطمہ کے قریب آ گئیں۔

"اوہو بھئی! کچھ نہیں ہوا تم...... تم لوگ پانی۔"

انتہائی نقاہت کے ساتھ فاطمہ نے آہستگی سے کہا اور خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے پانی مانگا۔ اس کی آواز سن کر فاروق صاحب کی رکی دھڑکنیں رواں ہو گئیں۔

"کیسی طبیعت ہے میری بیٹی کی؟" انہوں نے پانی کا گلاس اس کے تپتے ہونٹوں سے لگایا۔

"میں بالکل ٹھیک ہو پاپا!"

فاطمہ فاروق احمد جیسے کروڑ پتی باپ کی بیٹی تھی۔ وقت پر ایک سے ایک ڈاکٹر اور دوائیں مہیا ہو جاتیں۔ فاطمہ کی بیماری سے سب پریشان تھے لیکن یہ ضرور تھا کہ گھر میں محبت، یگانگت کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ راحیل بھی اسی فضا کا حصہ بن گیا تھا۔ فاروق صاحب کی سختی سے ہدایت تھی کہ فاطمہ کی خوشی کیلئے سب خوش رہیں گے تاکہ وہ کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ اب سارے بہن بھائی ایک چھت کے تلے پورے خلوص اور محبت کے ساتھ ہنستے بولتے تو صوفیہ کے چہرے پر زندگی حسن بن کر مسکرانے لگتی اور فاطمہ کی آنکھیں بھی روشن ہو جاتیں۔ نبیل اور مہوش کچھ ڈرے ڈرے سے رہتے کیونکہ راحیل نے کبھی ڈھنگ سے نبیل اور مہوش سے بات نہیں کی تھی اور شہرین کو تو مہوش اپنی رقیب نظر آتی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا پاپا جو اتنے سخت اور اتنے اصول پرست نظر آتے تھے، ارادوں کے اتنے پانی ثابت ہوں گے۔ [illegible] وار کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ جانے دیتی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" راحیل نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ چھوٹے بیٹے اور بہو کو بڑی شان سے غیرت میں آ کر گھر سے نکالا تھا، اس

طرح سینے سے لگالیا ہے۔ کیا خوب ڈرامے بازی کی ہے پاپا نے۔ گھر کا تو نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔"

"شہرین! سمجھنے کی کوشش کرو۔ دیکھو فاطمہ کی حالت کیسی ہے۔ پل پل ہم سب موت کی گھڑیاں گن رہے ہیں' پاپا نے بھی صرف ان دونوں کو فاطمہ کی خاطر بلالیا ہے اور یوں بھی انہوں نے شادی کی ہے کوئی گناہ تو نہیں کیا کہ۔"

"ہاں' شادی کی ہے گناہ تو نہیں کیا۔" شہرین نے بدتمیزی سے شوہر کی نقل اتاری۔ راحیل اس وقت قطعی لڑائی کے موڈ میں نہیں تھا سو چپ رہا۔

"شادی کرنا یا لو میرج کرنا واقعی گناہ نہیں راحی! لیکن یہی شادی کسی اچھے خاندان میں' اسٹیٹس کی لڑکی سے کرتا' منہ مارا بھی کی تو کہاں۔ کس گندگی میں۔" وہ انتہائی نخوت سے منہ بگاڑ بگاڑ کر بول رہی تھی۔

"یہ اس کا مسئلہ ہے شہرین ہمیں کیا۔"

"واہ! اس کا مسئلہ ہے' ہمیں کیا۔ اس طبقے کی لڑکی جو اپنی زندگی کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتی۔ مالکن بن کر آن بیٹھی ہے۔ میرے برابر کی حیثیت سے میں اسے کسی صورت برداشت نہیں کرسکتی۔ یہ پاپا بڑے غیرت مند بنتے ہیں۔ کیا جواب دیں گے اپنی سوسائٹی کو۔"

"شہرین! ہر کوئی اپنے گھر' اپنی زندگی' اپنی مرضی کے ساتھ جینے کا مالک ہوتا ہے پاپا کسی کے سامنے جواب دہ نہیں۔"

"کچھ بھی ہو' میں ایسی دیورانی کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہ سکتی۔"
غرور و تکبر سے شہرین کی گردن تنی ہوئی تھی۔ وہ برے برے منہ بنا کر نامناسب الفاظ استعمال کر رہی تھی۔

"او کے شہری! تمہیں جو کرنا ہے کر لینا لیکن پلیز' فی الحال ہم سب کوئی ہنگامہ افورڈ نہیں کر سکتے۔ تمہیں معلوم ہے فاطمہ زندگی کے آخری موڑ پر کھڑی ہے۔ نجانے کب کون سا لمحہ اسے ہم سے جدا کر دے اور۔"

راحیل فاطمہ کا خیال کر کے سنجیدہ ہو گیا۔ شہرین نے منہ بنایا اور خاموش ہو گئی۔ شہرین فطری طور پر خود پسند اور مغرور لڑکی تھی۔ وہ ایسے اسٹیٹس سے نیچے جھانکنا بھی گناہ سمجھتی تھی اور کجا یہ کہ مہوش جو کہ بقول اس کے گندگی سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ اس کے برابر آ کھڑی ہوئی تھی۔ تمام برابر کے حقوق حاصل کیے' سب کی نظروں میں باعزت مقام حاصل کر لیا تھا تو یہ سب شہرین کیونکر برداشت کرتی۔

مہوش نے خود کو کاموں میں بری طرح الجھا لیا تھا۔ ہر وقت ہر کسی کی خدمت کو تیار رہتی۔ جب وہ محبت سے مما کو کھانا کھلاتی' رومال سے ان کا منہ صاف کرتی تو مما کی آنکھوں میں اس کیلئے محبت کا ایک سمندر موجزن ہوتا۔ لبوں پر بے شمار دعائیں آ جاتیں۔

"اچھا مما! بتائیے ابھی آپ سوپ پئیں گی یا دودھ گرم کر کے لے آؤں۔ پھر میں ذرا فاطمہ باجی کے کمرے میں جاؤں گی۔"

مہوش ساس کے پاؤں نرمی سے دباتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ مما پیار سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"جیتی رہو بیٹی! تم نے تو میرے گھر کو جنت بنا دیا ہے۔ اس وقت میرا کسی چیز کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔ تم فاطمہ کے پاس جاؤ۔ اچھا یہ بتاؤ۔ فاطمہ کی صحت اتنی گرتی کیوں جا رہی ہے۔ ایک دم ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئی ہے۔ رنگ میں گویا ہلدی گھل گئی ہے۔ کیا ہو گیا ہے میری بچی کو۔ پتا ہے کتنی حسین ہوا کرتی تھی یہ میری بیٹی کرلوگ۔ آہ لوگ اچھی چیزوں کی قدر کرتے ہیں' سنبھال کر رکھتے ہیں مگر۔ مگر میں نے گنوا دیا سب کچھ۔"

مما ماضی کے آئینے میں دیکھتے ہوئے افسردہ ہو گئیں۔ جہاں ان کو اپنی ہی غلطیاں نظر آ رہی تھیں۔ مہوش جلدی سے اٹھی اور ان کے ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیے۔

"مما! کیسی باتیں کرتی ہیں۔ فاطمہ باجی بالکل ٹھیک ہیں۔ پھر پہلے جیسی ہو جائیں گی۔ آج کل وہ کھانے پینے پر توجہ کم دے رہی ہیں۔ دیکھئے گا چند روز میں پھر سرخ و سفید ہو جائیں گی۔ آپ کچھ مت سوچا کریں۔"

"ہاں بیٹی! سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اب میری فاطمہ دلہن تو نہیں بن سکتی ناں۔"
اپنی کوتاہیاں ایک بار پھر آنکھوں میں برسات بن کر اتر آئیں۔ مہوش کتنی ہی دیر ان کو بہلاتی رہی مگر وہ ساس بہو نہیں جانتی تھیں کہ شہرین کب سے دل میں اٹھتے طوفان کی اوٹ میں ان کو دیکھ رہی ہے۔ مہوش مما کو بہلا کر باہر آئی تو شہرین پیچھے آ گئی۔

"اچھے دولت مند گھرانوں میں جگہ بنانا تم جیسی عورتوں کو خوب آتا ہے۔"
انتہائی برا منہ بناتے ہوئے اس نے چبا چبا کر کہا تو مہوش حیرت اور دکھ سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے جگہ نہیں بنائی اس گھر میں' اللہ نے بنائی ہے بھابی۔" وہ ضبط کرتے ہوئے تحمل سے بولی۔

"ہونہہ بھابی! میں تمہاری بھابی نہیں ہوں اور نہ آئندہ مجھے کسی رشتے سے پکارنا۔" اس نے حقارت سے کہا۔

"میری نہ سہی آپ نبیل کی بھابی تو ہیں اور نبیل۔"

"میں نبیل کی بھی کوئی حیثیت تسلیم نہیں کرتی۔ یہ گھر صرف میرا اور راحیل کا ہے۔ سمجھیں تم۔"

"ٹھیک ہے بھابی! یہ گھر آپ کا ہے۔ مجھے اس پر اعتراض ہے نہ میں کچھ چاہتی ہوں۔ میں اس گھر کے سکون کی خاطر سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہوں۔"
مہوش نے بڑے تحمل کا مظاہرہ کیا۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہی تھی تاکہ کوئی تیسرا نہ سن لے۔

"مہوش' مہوش بیٹے۔" لاؤنج سے فاروق صاحب کی آواز آئی تو وہ جلدی سے ادھر چلی گئی۔ شہرین بل کھا کر رہ گئی۔

"ڈرامے باز لڑکی نے سب کو شیشے میں اتار لیا ہے اور یہ بڈھا تو دیوانہ ہو رہا ہے مہوش کا۔" وہ انگارے چباتی چابی اٹھا کر پورچ میں آ گئی۔

☆......☆......☆

ان لوگوں کی زندگی میں اچانک اتنی خوشگوار تبدیلی آئی تھی۔ سب حیران تھے۔ فاروق صاحب گھر میں ہر وقت سب کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتے تھے۔ ان دنوں میں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساری دنیا کی خوشیاں اپنی اولاد خاص کر فاطمہ کے قدموں میں ڈھیر کر دیں۔ کبھی کبھی تو وہ ڈاکٹر سے الجھ پڑتے۔

"وقت اتنی تیزی سے کیوں بھاگ رہا ہے ڈاکٹر' ایسا نہیں ہو سکتا کہ...... کہ تم میری ساری دولت' جائیداد لے لو مگر میری بیٹی فاطمہ کو صحت مند کر دو۔"

"فاروق صاحب! ہم سب انسان بے بس و بے اختیار ہیں' زندگی موت بلکہ سب کچھ خالق حقیقی کے اختیار میں ہے۔ اگر ڈاکٹرز کا کچھ اختیار ہوتا تو بڑے بڑے بادشاہ اپنی بادشاہی کسی ڈاکٹر کو دے کر زندگی بچا سکتے تھے مگر انسان مجبور ہے فاروق صاحب! آپ حوصلہ کریں۔ آپ نے ہی تو سب کو حوصلہ دینا ہے۔ آپ لڑکھڑا گئے تو کیا ہو گا۔"

ڈاکٹر ظفر ان کو دلاسا دے کر چلے گئے تو وہ کتنی ہی دیر خاموش پچھتاووں میں گھرے رہے۔ ان کو یقین تھا کہ اگر وہ اپنی اولاد سے اتنی بے توجہی سے پیش نہ آتے' ان کے حقوق پورے کرتے تو آج ان کو یہ دن دیکھنا نہ پڑتے۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ وہ آہستگی سے باہر آ گئے۔ اوپر سے دیکھا سارے بہن بھائی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ شہرین کے علاوہ سب موجود تھے۔ راحیل بھی بہت بدل گیا تھا۔ اس وقت وہی لطیفے سنا کر ہنسا رہا تھا۔ راحیل کی کسی بات پر بے ساختہ ہنستی فاطمہ پر ان کی نظریں ٹھہر گئیں۔

"صاحب! وہ سلیم صاحب آئے ہیں۔"

رشید نے ان سب کی محویت کو سلیم صاحب کی آمد کا کہہ کر توڑا تو راحیل اور عدیل اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ فاروق صاحب بھی مردہ قدموں سے بڑھ گئے۔

"یہ لیجئے راحیل صاحب! سارے انتظامات ہو چکے ہیں۔ ہفتے کو آپ لوگوں کی روانگی ہے اور کوئی کام ہو تو بتا دیجئے۔"

سلیم صاحب نے ان سب کی لندن روانگی کے انتظامات کیے تھے۔ اب ٹکٹ ان کو دے رہے تھے۔ سلیم صاحب چلے گئے تو لڑکیاں ادھر ہی آ گئیں۔ سلیم صاحب کیوں آئے تھے؟ مہوش نے پوچھا۔

"ہوں۔ ہاں وہ ٹکٹ لے کر آئے ہیں۔ ہفتے کو ہم لوگ جا رہے ہیں۔"

"ہفتے کو؟" فاطمہ کے چہرے پر روشنیاں گل ہو گئیں۔

"اتنی جلدی۔" نجل اور آمنہ نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نجل وہاں کھڑی نہ رہ سکی اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کو لاک کر کے بستر پر گر گئی۔

"ہفتہ ہفتے میں دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ پاپا صرف چار دن اور باجی کی برتھ ڈے بھی تو

ہے' غالباً ہفتے ہی کو۔" آمنہ نے فاطمہ کا بازو یوں مضبوطی سے پکڑ لیا گویا وہ ابھی کہیں جا رہی ہو۔

"ہاں ہے تو مگر ہم ایک دن پہلے یعنی جمعہ کو برتھ ڈے منا لیں گے۔ بھئی اب تو سیٹیں کنفرم ہو چکی ہیں بلکہ تم لوگوں کو تیاری کرنا چاہیے کیوں فاطمہ؟"

راحیل آہستگی سے بولتا فاطمہ کے قریب چلا آیا جو بہت گم صم سی کھڑی تھی۔ یوں جیسے قلب و روح کا رابطہ ابھی سے ٹوٹ گیا ہو۔

"جی بھائی' بالکل ٹھیک ہے۔ آمنہ! آؤ ہم تیاری کریں۔"

فاطمہ جیسے خود کلامی کرتی آمنہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی۔ فاروق صاحب نے دل تھام لیا۔ پھر اس محل کے مکین ان چار دنوں کا ایک ایک لمحہ شمار کرنے لگے۔ گھر میں عجیب قسم کی سوگواریت سانس لے رہی تھی حالانکہ سب ہنس بول رہے تھے۔ کھوکھلے قہقہے دیوار کی حدود بھی پھلانگ جاتے مگر سب اندر سے رو رہے تھے۔

اس وقت سب بہن بھائی مہوش اور شہرین سمیت کھانے کی میز پر کھانا کھاتے ہوئے ہنس بول رہے تھے اور اپنے کمرے میں کھڑی صوفیہ بیگم ڈرائنگ روم کے منظر سے خوش ہو رہی تھیں۔ فاروق صاحب کسی گہری سوچ میں تھے۔

"فاروق! کہاں کھو جاتے ہیں آپ؟" انہوں نے شوہر کا شانہ ہلایا تو وہ چونک پڑے۔

"ہوں' ہاں کیا کہہ رہی تھیں آپ؟"

"فاروق! میں آپ سے یہ کہہ رہی تھی کہ فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے۔ کتنی کمزور ہو گئی ہے۔ رنگ دیکھیں۔ کیسا زرد ہو رہا ہے۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ لگ رہی ہے۔ آپ اسے کسی ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتے۔ میری بچی میں پہلے والی بات ہی نہیں رہی۔"

ماں کی ممتا اصل بات سے بے خبر ضرور تھی مگر اس کی گرتی صحت سے انجان نہیں۔

"ہاں' اسی لئے تو لے جا رہا ہوں۔ میرا مطلب ہے اب لندن میں ہی میں اس کا چیک اپ کراؤں گا' کسی اچھے اسپیشلسٹ سے۔ تم بس دعا کرو کہ ہماری بیٹی کو اللہ صحت اور زندگی دے۔"

باپ کے دل کا درد دعا بن کر لبوں پر آ گیا تو کچھ دیر کیلئے صوفیہ بیگم بھی ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

"پاپا! یہ جو ہمارے پاس وقت ہے نا۔ ہم خوب انجوائے کریں گے۔ آج ہم ڈنر باہر کریں گے اور واپسی میں سی سائیڈ چلیں گے۔ ہے نا مہوش! شہرین!"

یہ بات سب نے محسوس کی تھی کہ فاطمہ بہت خوش رہنے لگی تھی اور بولنے بھی زیادہ لگی تھی۔ اس وقت بھی وہ مہوش اور شہرین کا ہاتھ پکڑ کر پاپا سے کہہ رہی تھی۔ مہوش نے تو ہمیشہ کی طرح بڑے بھرپور انداز میں ہامی بھری۔ شہرین نے بھی خلاف توقع مسکرا کر جواب دیا۔

"میری بیٹی جیسے کہے گی ایسا ہی ہو گا۔ چلو بھئی' تیار ہو جاؤ۔ میں ایک فون کر لوں۔" پاپا فاطمہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے باہر نکل گئے۔

"آمنہ! یہ بے بی شام سے نظر نہیں آ رہی۔ آؤ دیکھیں۔ کیا ہوا ہے اس کے امتحان تو نہیں ہونے والے۔" پھر وہ خود ہی بولتے ہوئے اوپر آ گئی۔

"ارے بے بی! تم' تم سو رہی ہو۔ نہیں تم تو رو رہی ہو' کیوں کیوں؟"

فاطمہ تو ہمیشہ سے اس کے آنسوؤں پر تڑپ جایا کرتی اور اس وقت تو رونے سے اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"باجی!" نجل کتنی ہی دیر اپنی ماں جیسی مہربان بہن کو دیکھتی رہی۔ اس کا جی چاہا فاطمہ کو کہیں چھپا دے۔

"کیا بات ہے نجل؟ کیوں رو رہی ہو؟" فاطمہ کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

"بس میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔ خود سارے لندن جا رہے ہیں اور میں۔"

وہ خوانخواہ ہی بہانہ تراش کر فاطمہ کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔ فاطمہ کا جی چاہا۔ وہ بھی خوب روئے۔ دل پر جو اک غبار تھا وہ چھٹ جائے مگر وہ ضبط کر گئی۔

"دیکھو بے بی! سب تو نہیں جا سکتے ناں' مما کو کون سنبھالے گا۔ اکیلی مہوش تو سب کام نہیں کر سکتی نا' دیکھو پھر ہم سب یہاں ہم سب۔"

فاطمہ کچھ دیر کیلئے رک گئی۔ حلق میں کچھ پھنس گیا۔ وہ تیز تیز سانس لینے لگی۔ آمنہ' مہوش اور خود نجل گھبرا گئی۔

"او کے! اب میں ضد نہیں کروں گی۔ باجی! آپ پریشان نہ ہوں۔"

☆......☆......☆

رات کے تقریباً دو ڈھائی کا وقت تھا جب فرخ' اسد اور مشتاق صاحب جواد کو ایئر پورٹ چھوڑ کر گھر لوٹے۔ فرخ سیدھا اپنے کمرے میں گیا مگر شنذرا کو وہاں نہ پا کر باہر نکل گیا۔ خاموشی سے سارے گھر میں شنذرا کو تلاش کیا مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"مامی' شنذرا باجی کہاں ہیں؟" اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"مجھے کیا خبر کہاں ہے' کہاں جاتی آتی ہے' اسے کسی کا ڈر خوف ہے کہ کچھ بتائے کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ گئی ہو گی کہیں کسی سے ملنے۔" حسد' نفرت میں ڈھلے الفاظ فرخ کو جھلسا گئے۔ اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا اسد پلٹ آیا۔

"کیا ہوا فرخ! کہاں ہے شنذرا؟" اسد نے مشکوک نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"معلوم نہیں اسد بھیا! باجی کہاں ہیں' سارے گھر میں کہیں نہیں۔"

فرخ کو عجیب طرح کی بے چینی ہو رہی تھی۔

"امی! شنذرا کہاں ہے؟" اس نے سرد مگر سخت لہجے میں ماں سے پوچھا۔ زاہدہ بیگم نے گھور کر فرخ کو دیکھا پھر اسد کو۔

"اے مجھے کیا خبر کہاں ہے' خود سر' منہ پھٹ لڑکی ہے۔ کچھ بتانا تو کسر شان سمجھتی ہے۔ ارے بھیا! مجھے کیا خبر تھی کہ جواد کے جانے کا ایسا صدمہ پہنچے گا اسے کہ کہیں غائب ہو جائے گی میں تو پیروں میں بیڑیاں ڈال دیتی۔ اس کی ماں کو کیا جواب دوں گی بھلا۔ جب سے جواد نکلا ہے' وہ بھی کہیں نکل گئی۔"

"مامی پلیز' ایسی باتیں نہ کریں۔ شنذرا باجی تو۔"

ایک تو بہن کا غائب ہونا۔ اوپر سے مامی کی ایسی باتیں۔ فرخ روہانسا ہو گیا۔ زاہدہ بیگم کی تو پوری کوشش تھی کہ اسد کے سامنے شنذرا کی کردار کشی کی جائے۔

"امی! دیکھیں جس روز میرا دماغ گھوم گیا نا' آپ تمام عمر پچھتائیں گی۔ جو کچھ آپ نے کیا اور کر رہی ہیں' وہ ایک ماں کو زیب نہیں دیتا جو الزام آپ شنذرا پر لگا رہی ہیں' آپ کی بیٹی پر لگیں تب۔"

"ارے کسی میں اتنی جرأت ہے' میں زبان نہ کھینچ لوں۔"

"میرا خیال ہے امی! فرخ کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ اپنی بہن کی کردار کشی کرنے والے خیر شنذرا کہاں ہے؟"

غصہ تو اسد کو اس وقت اتنا آ رہا تھا کہ وہ کچھ بھی کر سکتا تھا مگر بہت ضبط کر رہا تھا۔ فرخ تو باقاعدہ سسکنے لگا تھا۔

"اسی گھر میں ہے' ڈھونڈ لو جا کر' تم پر بھی اس کا جادو چل چکا ہے' میں دیکھ رہی ہوں۔" سامنے سے آتی صائمہ نے دانت پیس کر کہا تو اسد کچھ دیر رک کر اسے گھورتا رہا مگر ابھی وہ کوئی جواب دینا نہیں چاہتا تھا۔ فرخ کو ایک دم خیال آیا کہ شنذرا جب بہت زیادہ پریشان ہو جاتی تو گھر کے پچھلے صحن میں چلی جایا کرتی تھی۔ وہ وہاں بھاگا اور توقع کے مطابق شنذرا کاٹھ کباڑ پر بیہوش پڑی تھی۔

"باجی!" فرخ تڑپ کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کا حلیہ مار پیٹ اور شدت گریہ سے بہت خراب ہو رہا تھا۔

"شنذرا باجی! میری بہن' مامی' کس بری طرح مارا ہے میری بہن کو۔" فرخ نے اس کا سر گود میں رکھ لیا۔ اسے شدت سے رونا آ گیا۔

"فر۔ فر۔ فرخ۔ میرے بھائی' میرے بھائی!"

شنذرا اسے دیکھ کر کراہ اٹھی اور پھر شدت سے رونے لگی۔ بھائی کے ساتھ لگ کر۔

"باجی! بس کریں۔ کیا حالت بنا لی ہے اتنی سی دیر میں۔ میرا قصور ہے' نہ جاتا تو۔" وہ بھی بہن کے نیل دیکھ دیکھ کر سسک رہا تھا۔

"فرخ! چوٹیں اگر جسم پر آتیں' زخم کتنے ہی گہرے ہوتے تو' تو بھر جاتے۔ فرخ! مامی نے' صائمہ نے بہت ذلیل کیا ہے۔ میری روح کو زخمی کیا ہے۔ میرے کردار کو' فرخ...... فرخ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے یہاں سے لے چلو ابھی اسی وقت۔"

وہ بھائی کی بانہوں میں مچل مچل کر رو دی۔ اسد قدرے دور کھڑا پشیمان نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ دل میں عجیب سا درد ہونے لگا تھا۔ وہ آہستگی سے گیا اور پانی کا گلاس لے آیا۔

"شنذرا! یہ پانی لے لو۔" وہ سب کچھ بھلائے اسے پانی پیش کر رہا تھا۔ شنذرا نے اس کی آواز پر خونخوار نظروں سے اسے دیکھا یوں جیسے ابھی چیر پھاڑ کھائے گی۔

"دفع ہو جاؤ' یہاں سے' تم' سب دشمن ہو ہمارے اور تم...... تم' ٹھنڈک پڑ گئی تمہارے دل میں۔ میں ایک پل بھی یہاں نہیں رکوں گی۔"

شنذرا نے ہاتھ مارا اور اسد کے ہاتھ سے گلاس گر کر چکنا چور ہو گیا۔ وہ بلکتی رہی۔ فرخ نے معذرتی نظروں سے اسد کو دیکھا مگر اس نے اس کے شانے پر تسلی آمیز ہاتھ رکھا۔ کچھ دیر شنذرا کو تڑپتے ہوئے دیکھتا رہا۔ پھر وہاں سے ہٹ گیا۔

"فرخ! تمہیں خدا کی قسم! مجھے یہاں سے لے چلو۔ ابھی اسی وقت اگر تم نے میری بات نہ مانی تو میں ٹکریں مار مار کر اپنا سر پھاڑ لوں گی۔ میں یہیں جان دے دوں گی۔" شنذرا نے باقاعدہ سر زمین پر مارنا شروع کر دیا۔

"شنذرا باجی پلیز' ایسا مت کریں۔ ایک تو قسمت نے مارا ہے' دوسرے آپ کی جذباتیت نے' اب اس وقت میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں؟"

فرخ نے اس کا سر ساتھ لگاتے ہوئے گھڑی دیکھی جو چار بجا رہی تھی۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ فرخ میرے بھائی ہو تو کچھ کرو ورنہ......"

شنذرا شدید قسم کے ذہنی اور اعصابی تناؤ کا شکار تھی۔ اسد نے جو خود بھی بے چینی سے ٹہل رہا تھا' اشارے سے فرخ کو پاس بلایا۔

"میں کیا کروں اسد بھیا؟" فرخ نے ہمیشہ کی طرح اسد کے سامنے دل کھول دیا۔

"وہ اس وقت شدید اعصابی تناؤ کا شکار ہے۔ ایک کرو' یہ ٹیبلٹ اسے کھلا دو۔ چھ بجے کے قریب میں گاڑی پر تم لوگوں کو پھپھو کے پاس چھوڑ آؤں گا۔ اب وہ یہاں نہیں رہے گی' مجھے معلوم ہے جاؤ۔"

اسد نے سنجیدگی سے کہا اور ہاتھ میں پکڑی گولی فرخ کے ہاتھ پر رکھ دی۔

"مگر اسد بھیا۔" فرخ ٹیبلٹ کو دیکھنے لگا۔ وہ کچھ جز بز ہو رہا تھا۔

"فرخ! یہ اسے کسی طرح دے دو۔ اس کی ٹینشن کم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ وہ پرسکون ہو کر تھوڑا سو جائے' صبح میں خود چھوڑ آؤں گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں اسد بھیا! مگر وہ ہرگز نہیں کھائیں گی کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ ٹیبلٹ آپ نے دی ہے اور۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ مجھ سے شدید نفرت کرتی ہے۔ بہر حال اس وقت یہ ٹیبلٹ اس کیلئے بہت ضروری ہے۔ جاؤ کوشش کرو۔ یہ مت بتانا کہ میں نے دی ہے۔"

اسد نے گہرا سا سانس لے کر کہا اور خود وہاں سے ہٹ گیا۔ فرخ ٹیبلٹ لے کر آ گیا۔

"شنذرا باجی! خدا کے واسطے' بس کریں' آپ جیسا کہیں گی ویسا ہی ہوگا۔"

"فرخ ہم...... ہم اتنے ذلیل کمتر ہیں کہ جس کا جب جی چاہے ذلیل کر دے۔ فرخ ہم یہاں نہیں رہیں گے' ہرگز نہیں' مر کر بھی نہیں۔" دکھ اور ذلت کا احساس اسے رلائے جا رہا تھا۔ توہین آمیز الفاظ کی بازگشت اسے بہرا کیے دے رہی تھی۔

"باجی! کہا تو ہے' ہم امی کے پاس چلے جائیں گے۔ آپ فی الحال یہ ٹیبلٹ لے لیں' سر

درد کی ہے۔ آپ کو سکون ملے گا' پلیز میری خاطر۔" فرخ نے پانی کا گلاس اور ٹیبلٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"فرخ! تم کیوں نہیں سمجھتے۔ مجھے کسی ٹیبلٹ سے سکون نہیں ملے گا اور کہاں سے آئی ہے یہ ٹیبلٹ؟" شنذرا نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔

"حالات نے آپ سے دوست دشمن کی پہچان بھی چھین لی ہے باجی! وہ میرے جو دوست ہیں نا' ارمان بھائی انہوں نے دی تھی۔ ایک روز میری طبیعت خراب ہو گئی تھی تو۔ پلیز کھا لیں' آپ کو بہت سکون ملے گا' صبح میں ان کو جا کر ساری صورتحال بتاؤں گا۔ وہ اپنی گاڑی میں ہمیں چھوڑ آئیں گے۔"

فرخ کی دلیل کارگر ثابت ہوئی۔ شنذرا کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے فرخ کے ہاتھ سے ٹیبلٹ لے کر منہ میں ڈال لی۔ اسد شکرانے کے انداز میں اوپر دیکھتا پیچھے ہٹ گیا۔ فرخ کے اصرار پر شنذرا کمرے میں آ کر بیڈ پر لیٹ گئی۔

"فرخ' فرخ! اتنا ذلیل کیا ہے تائی نے' صائمہ نے کہ...... اف میرے خدا' مجھے موت کیوں نہیں آ گئی یہ سب سننے سے پہلے فرخ۔"

وہ مستقل روئے جا رہی تھی۔ عزت نفس پر چوٹ انسان کو بے کل کر کے رکھ دیتی ہے اور شنذرا کو بھی اسی چوٹ نے مارا تھا۔ فرخ اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے سب سن رہا تھا۔ اس نے بھی بچپن سے ایسا ہی ماحول دیکھا تھا مگر ایک تو وہ برداشت کی صلاحیت رکھتا تھا۔ کم سنی میں بھی اپنی مردانگی کا بھرم رکھتا تھا اور اب اسے اسد کی محبت اور توجہ حاصل تھی مگر بہنوں کے دکھ اسے دکھی کر دیتے۔ شنذرا ٹیبلٹ کے اثر میں آ چکی تھی۔

"میری مظلوم بہن! کچھ تو ہمیں قسمت نے مارا اور کچھ اپنوں نے مارا۔ عمیر بھیا! آپ...... آپ بہت بزدل ہیں' سنگدل ہیں۔ ہمیں یوں لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے گئے۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو...... تو ہرگز ایسا نہ کرتا۔ آپ کو اپنی ماں' بہنوں کا' چھوٹے بھائی کا کچھ خیال نہیں' ہم کس حال میں ہیں۔"

فرخ کا دل بھرا ہوا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر سسکتا رہا۔ پھر آہستگی سے اٹھ کر وہ باہر آ گیا۔ اسد بھی باہر ٹہل رہا تھا۔

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں اسد بھیا؟"

فرخ کے دل میں اسد کی بہت عزت اور محبت تھی۔

"سو گئی شنذرا؟" اسد اس کا سوال نظر انداز کرتا آگے بڑھا۔

"جی!" اس نے مختصراً جواب دیا۔ اسد اس کے قریب آ گیا اور اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔

"روئے ہو؟"

فرخ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ آنکھوں میں پھر نمی اتر آئی۔ اس نے چہرہ جھکا لیا۔

"سوری یار فرخ! میں تم سے' شنذرا سے بے حد شرمندہ ہوں کہ میرے گھر میں تم لوگوں

کے ساتھ ایسا رویہ رکھا گیا مگر یار! مرد بنو شنذرا تو لڑکی ہے' ہر قسم کا ردعمل اس پر تو سوٹ کرتا ہے مگر تم' تم مرد ہو۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"اسد بھیا! ہماری قسمت اچھی ہوتی تو عمیر بھیا ہمیں چھوڑ کر کیوں جاتے۔"

فرخ بھی آج بہت دکھی ہو رہا تھا۔ کہاں تک برداشت کرتا وہ بھی۔

"ہوں! اس کا مطلب ہے کہ میں عمیر بھائی نہیں بن سکتا' کبھی نہیں۔"

اسد کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔ فرخ چونک کر اسد کو دیکھنے لگا۔

"یہ کیا بات کر دی آپ نے اسد بھائی! آپ عمیر بھائی سے بہت زیادہ ہیں۔ عمیر بھائی تو وہ ہیں جو ہم لوگوں کو طوفان میں گھرا چھوڑ کر اپنی جان بچا کر ایسے روپوش ہوئے کہ آج تک ان کی کچھ خبر نہیں اور آپ نے تو ہر پل ہمارا ساتھ دیا۔ آپ مجھے اجازت دیتے تو شنذرا باجی کو بھی میں ساری صورتحال بتا دیتا۔ وہ جب آپ کے ساتھ لڑائی کرتی ہیں۔ آپ کو غلط سمجھتی ہیں تو مجھے بہت غصہ آتا ہے...... میں۔"

"نہیں فرخ! تم کبھی بھی اس غلط فہمی کو ختم نہیں کرو گے۔ اگر تمہارے دل میں میری کوئی عزت ہے تو ہرگز نہیں۔" اسد اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کھڑا ہو گیا۔

"مگر کیوں؟" فرخ سراپا سوال بن گیا کیونکہ اسد کی یہ منطق اسے کبھی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ وہ خود کو اس غلط فہمی کے پردے کے پیچھے کیوں رکھنا چاہتا ہے۔

"تمہیں کیا خبر کہ اس غلط فہمی میں بھی عجیب لذت ہے۔"

اسد نے اتنی آہستگی سے کہا کہ فرخ سن نہ پایا۔

"ابھی تو شنذرا سو گئی ہے' تم بھی آرام کرو' میں شہزاد کو فون کر دوں گا۔ صبح وہ اپنے ڈرائیور سمیت گاڑی بھیج دے گا اور انکل کے گھر چھوڑ دے گا اور فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں' جاؤ آرام کرو...... چلو میرے پاس ہی لیٹ جاؤ' رات باقی رہ ہی کتنی گئی ہے۔"

پھر فرخ تو تھوڑی ہی دیر بعد سو گیا مگر اسد ساری رات سوچوں میں ڈوبا جاگتا رہا۔ شنذرا کی اس کے دل میں عجیب و غریب حیثیت تھی۔ کبھی اسے اتنی عزیز لگتی کہ رگ جاں سے بھی قریب اور کبھی اتنی نفرت محسوس ہوتی کہ اس کا گلا دبا دینے کو دل چاہتا۔ وہ اپنی اس شخصیت کے دہرے پن سے گھبرا جاتا۔ اوپر سے گھر کا ماحول' ماں' بہنوں کا رویہ شنذرا سے بے وجہ عناد' اس پر الزام تراشی' مار پیٹ' یہ سب باتیں' حقیقتیں اسے پریشان کرتی رہیں۔ اس نے ساری رات پلک بھی نہیں جھپکی تھی۔ مؤذن کی اذان کے ساتھ وہ اٹھ گیا۔ وضو کر کے نماز فجر ادا کی تو بے چین دل کو سکون ملا۔ گھر بھر خواب غفلت میں تھا۔ ایک دم اسے شنذرا کا خیال آیا۔ اس نے فرخ کو دیکھا۔ بے سدھ سوتا ہوا کتنا معصوم لگ رہا تھا۔ وہ اس پر چادر درست کرتا ہوا شنذرا کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازہ نیم وا تھا۔ وہ اٹھ چکی تھی اور جائے نماز پر بیٹھی تھی۔ خدا کے حضور ہاتھ پھیلائے' وہ سسک رہی تھی۔

"میرے رب ہمیں معاف فرما' ہماری آزمائش ختم کر دے۔ یا اللہ! یہ ذلت اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی' ہماری مدد کر۔"

اس کا پور پور دعا بن گیا۔ اسد کا دل موم ہو گیا۔ وہ کسی بھی بات کی پروا کیے بغیر آگے بڑھا اور شنذرا کے شانے پر آہستگی سے ہاتھ رکھ دیا۔ شنذرا سمجھی فرخ ہے مگر جب اسد پر نظر پڑی تو وہ جھٹکے سے اکھڑ گئی۔

"تم...... تم یہاں میرا تماشہ دیکھنے آئے ہو یا دھکے دے کر گھر سے نکالنے؟"

وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھو شنذرا۔" اس نے اسے شانوں سے تھام کر سمجھانا چاہا۔ آج وہ اپنے اور اس کے درمیان فصیل کو گرانا چاہتا تھا۔ وہ اسے اپنی چاہت کے اعتماد کی پناہوں میں لینا چاہتا تھا۔

"تم...... تمہاری یہ جرأت کہ مجھے چھوا تم نے' نفرت ہے مجھے تم سب سے خدا کرے تم سب مر جاؤ...... تم مر جاؤ اور تمہاری ماں' بہنیں تمہیں تمام عمر روتی رہیں۔"

شنذرا تو غصے میں بدحواس ہو کر اسے پیٹنے گئی اور جو اس کے منہ میں آیا اول فول بکنے گئی اور وہ جو جانے کس جذبے کے تحت...... مراسم قائم کرنے آیا تھا۔ جواباً ایسے رویے پر وہ بھی تپ گیا۔ غصے سے اس کے دماغ کی رگیں بھی تن گئیں۔

"تم...... تم ہو ہی اس قابل کہ تمہیں دھکے دے کر باہر نکالا جائے' جاؤ نکل جاؤ' میرے گھر سے میری زندگی سے...... عذاب کر دیا ہے میرا جینا تم نے۔ جاؤ نکل جاؤ۔"

اسد نے طیش میں آ کر اسے زور سے بیڈ پر دھکیلا اور باہر نکل گیا۔ وہ باہر لان میں آ گیا۔ کتنی ہی دیر وہ اپنے ہاتھ پر مکا مارتا رہا۔ اسے شنذرا پر تاؤ آ رہا تھا۔ وہ جتنا اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتا وہ اتنا ہی اسے پرے دھکیل دیتی۔ کتنی دیر وہ ٹہلتا رہا۔ پھر کچھ دیر بعد فرخ بھی آ گیا۔ اسد نے خود کو نارمل کر لیا تھا۔

"اسد بھیا! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" فرخ اس کے چہرے پر تناؤ اور الجھے بال دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"ہاں ذرا سر میں درد ہے...... یہ کچھ پیسے ہیں' رکھ لو اور سنو مجھے ہر بات کی خبر فون پر کر دیا کرنا۔ تم لوگ میرے گھر سے جا رہے ہو' زندگی سے نہیں۔"

اسد کی آواز بہت بوجھل اور لہجہ تھکا ہوا تھا۔ اس نے جیب سے کچھ سبز نوٹ نکال کر فرخ کی طرف بڑھائے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں اسد بھیا! آپ...... آپ تو مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ عمیر بھیا اگر ہوتے تو شاید ان کا احترام اتنا نہ ہوتا میرے دل میں جتنا آپ کا ہے۔"

"میں جانتا ہوں فرخ! وہ دیکھو ڈرائیور آ گیا ہے۔ شنذرا کو تیار کرو' میرے سر میں درد ہے' اپنے کمرے میں جا رہا ہوں' اداس نہیں ہونا...... جاؤ۔"

اسد نے بچوں کی طرح اس کے گال تھپتھپائے جو یوں سنجیدہ ہو رہا تھا گویا پھر ملاقات ہو گی ہی نہیں۔ اسد بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں آیا۔

شنذرا اپنے اور فرخ کے کپڑے جمع کر رہی تھی۔ 7 بج رہے تھے۔ سب ہی سو رہے تھے۔

"باجی! مامی شکایت کریں گی امی سے کہ ہم یوں بتائے بغیر چلے گئے...... کم از کم ماموں

جان کو تو خبر ہونی چاہیے۔" بات تو فرخ نے درست کی تھی مگر شنذرا کو بہت بری لگی۔

"ماموں کو جب ہمارے یہاں رہنے کی، ہمارے اوپر ظلم و ستم ہونے کی خبر نہیں تو...... تو ہمارے جانے کی خبر کیوں ہونی چاہیے اور شکایت کرتی ہیں تو سو بار کریں، اللہ نے ہمیں بھی زبان دی ہے...... چلو۔"

گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی۔ اسد اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا اڑتی دھول میں شنذرا کو تلاش کر رہا تھا۔

"خدا کرے شنذرا! جسے تم چاہو، وہ تم سے بچھڑ جائے۔ تم نے مجھے اس حد تک پہنچا دیا ہے شنذرا کہ کبھی پانا بھی چاہو گی تو نہیں پا سکو گی۔"

اسد نے آہستگی سے کھڑکی بند کی اور بیڈ پر آ کر گر سا گیا۔

☆......☆......☆

فائزہ اور زیب کچن میں ناشتہ تیار کر رہی تھیں۔ زیب برتن دھو رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر گیٹ کے سامنے رکتی سفید کرولا پر پڑی۔ وہ ہاتھ روک کر دیکھنے لگی کہ اتنی صبح کون آ گیا۔

"فرخ، شنذرا اتنی صبح، یہ...... یہ شنذرا کو کیا ہوا فائزہ؟"

زیب کے ہاتھ سے چمچ بیسن میں گر گیا۔ وہ تیزی سے باہر بھاگی۔ فائزہ بھی باہر آئی۔ اتنی صبح اس طرح شنذرا اور فرخ کا آنا معمولی بات نہیں تھی اور پھر لمحوں میں گھر بھر شنذرا اور فرخ کے گرد جمع تھا۔

"میرے خدایا! یہ بھائی ہیں، خون یوں بھی سفید ہو سکتا ہے۔ ارے مشتاق! میں نے تو تمہارے بہت لاڈ اٹھائے ہیں۔ تم نے میری معصوم بچی کو کیسے نیل پڑے ہیں۔ خدا تمہیں ہدایت دے زاہدہ! تم نے یتیم بچوں کے ساتھ بہت ظلم کیا ہے۔"

نسیمہ بیگم جو خوشیوں سے قدرے بہل گئی تھیں ایک بار پھر ان کے زخم ہرے ہو گئے۔ وہ شنذرا کو لپٹائے رو دیں۔

"امی امی! کہیں نہیں رہیں گے ہم۔ ہم فٹ پاتھ پر رہ لیں گے مگر یہاں کسی کے گھر نہیں رہیں گے اور اگر آپ نے، آپ نے ایسا نہ کیا تو۔ خدا کی قسم امی میں خودکشی کر لوں گی۔"

شنذرا ذلت کے جس احساس سے دوچار ہوئی تھی۔ اس نے اس کی برداشت کی حدیں ختم کر دی تھیں۔ جسمانی مار کی اسے پروا نہیں تھی مگر صائمہ اور مامی نے جو کردار کشی کی تھی وہ اس کو تڑپائے جا رہی تھی۔

"شنذرا بیٹی! ایسی باتیں نہیں سوچتے۔ تم تو میری سب سے پیاری، سب سے اچھی بیٹی ہو۔"

شوکت صاحب بڑے پیار سے آگے بڑھے تاکہ تڑپتی ہوئی شنذرا کو ساتھ لگا کر پیار کریں مگر وہ ایک جھٹکے سے اٹھی اور ان کو پرے کر کے چیخ پڑی۔

"نہیں! ہم کسی کی بیٹیاں نہیں۔ ہم صرف اپنے باپ کی بیٹیاں ہیں جو ہمیں چھوڑ گیا۔ ہم اپنی ماں کی بیٹیاں ہیں جو بے بس ہے۔ آپ لوگوں کے در پر آپ لوگوں کے رحم و کرم پر۔

رہنے کیلئے لیکن اب...... اب ایسا نہیں ہو گا۔ ماموں جان ہم فٹ پاتھ پر رہ لیں گے مگر آپ لوگوں میں سے کسی کے ہاں نہیں رہیں گے۔ آپ سب ایک ہیں، ایک جیسے ہیں۔"

غم و غصے نے اسے ہر احساس سے عاری کر دیا تھا۔ اسے اس بات کا بھی احساس نہیں تھا کہ وہ اپنے ان ماموں سے گستاخی کر رہی ہے جنہوں نے ہمیشہ ماں سمیت ان کو عزت دی ہے۔

"شنذرا! ہوش میں آؤ۔ تم ماموں جان سے کیسی باتیں کر رہی ہو شنذرا؟"

زیب نے شنذرا کو سمجھانا چاہا مگر وہ اس وقت آپے سے باہر ہو رہی تھی۔

"رہنے دو زیب! اسے کہنے دو جو کہہ رہی ہے۔ حیرت تو اس زاہدہ پر ہے۔ غضب خدا کا اس کے آگے تین بیٹیاں ہیں اور یتیم بچی کے ساتھ یہ سلوک۔ شنذرا بیٹی! تمہارے ساتھ اتنا کچھ ہوتا رہا مگر تم نے ہمیں خبر بھی نہ ہونے دی۔" آسیہ بیگم نے بڑے خلوص سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"ہونہہ! یہاں تو گویا ہمیں پھولوں کی سیج نصیب تھی نا۔ سب ایک جیسے ہیں، آپ سب ایک جیسے ہیں۔" شنذرا نے دیوانوں کی طرح ان کا ہاتھ زور سے پیچھے ہٹایا۔

"شنذرا!" نسیمہ بیگم اسے ڈانٹنے والی تھیں کہ شوکت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔

"شعیب! ڈاکٹر کو فون کرو کہ میری طبیعت خراب ہے، جلدی سے آ جائے۔"

شوکت صاحب کمرے سے باہر نکل گئے۔ وہ دل کے مریض تھے اور نرم دل کے مالک بھی۔ شنذرا اور فرخ کے ساتھ بھائی، بھاوج کے رویے نے ان کو دکھ پہنچایا تھا۔ وہ تکلیف محسوس کرنے لگے۔ باہر آ کر انہوں نے فون کر کے مشتاق صاحب اور زاہدہ بیگم کو گھر بلایا اور خود شنذرا کے زخموں سے اٹھتی ٹیسوں کو دل میں محسوس کرتے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ذہنی کشمکش نے شنذرا کو پاگل سا کر دیا تھا۔ ڈاکٹر شفیق آئے تو شوکت صاحب نے اپنے سے پہلے شنذرا کا چیک اپ کروایا۔

"شوکت صاحب! بچی شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہے، فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ٹیبلٹ دے رہا ہوں، ٹینشن ریلیف ہو جائے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ البتہ پریشان نہ ہوں کیونکہ آج آپ کا بی پی کافی ہائی ہے۔"

ڈاکٹر شفیق نے شنذرا کیلئے ٹیبلٹ لکھ کر دیں اور ان کا بی پی چیک کرتے ہوئے کہا مگر شوکت صاحب بس خاموشی سے ان کو دیکھ کر رہ گئے۔

"مشتاق! ہماری بہن بیوہ ہو کر ہمارے گھر آ گئی تو یہ اللہ کی مرضی تھی۔ اس کا گناہ یا جرم نہیں تھا کہ اسے اور اس کی اولاد کو سزا دی جاتی۔ ہماری بہن ہمارا فرض ہے۔ بوجھ نہیں۔ تم نے شنذرا کے ساتھ جو کیا، وہ تو کوئی غیر بھی نہ کرتا تم تو اس کے سگے ماموں ہو۔"

مشتاق صاحب بڑے بھائی کا فون سنتے ہی بیوی کو لے کر آ گئے تو شوکت صاحب نے بڑے کربناک انداز میں ان کی سرزنش کی۔ مشتاق صاحب گو کہ اس ظلم و ستم میں بیوی کے ساتھ شریک تو نہیں ہوئے تھے مگر انہوں نے کبھی خبر گیری بھی نہیں کی تھی کہ وہ کس حال میں ہیں۔

"میرے خیال میں بھائی صاحب! شنذرا اور فرخ کو وہاں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ اسد تو فرخ کو بھائیوں کی طرح عزیز رکھتا تھا۔ آپ پوچھ لیجیے فرخ سے اور شنذرا بھی صائمہ، ہما، صبا کی طرح رہ رہی تھی۔"

"لیکن نیل تو صرف شنذرا کے گالوں، بازوؤں پر پڑے ہوئے ہیں۔ صائمہ یا ہما، صبا کے کہیں نیل نہیں پڑے۔" نسیمہ بیگم سسک پڑیں۔

"اب میرا منہ نہ کھلوائیے نسیمہ باجی! میں شنذرا کو بیٹی سمجھتی ہوں اور وہ میرے گھر میں تھی اور اس پر نظر رکھنا میری ذمہ داری تھی اگر کسی بری بات سے اسے منع کر دیا یا فون پر رانگ کالز کرنے سے منع کر دیا۔ تانک جھانک سے منع کر دیا تو قیامت آ گئی اور یہ نہیں مانی تو ایک ہاتھ کیا لگا دیا تو آفت ٹوٹ پڑی۔ واہ صاحب واہ، یہ تو نیکی برباد گناہ لازم والا معاملہ ہی ہو گیا۔ ہم باز آئے ایسی نیکی سے بابا۔ معاف کیجیے گا، آپ کی یہ بیٹی کوئی نہ کوئی گل ضرور..."

"بس کرو زاہدہ! کتنا ذلیل کرو گی۔ تو اُلٹے کھلانے کی کتنی قیمت وصول کرو گی۔ الحمدللہ مجھے اپنی اولاد پر اعتماد ہے۔ میری بچی نے وہاں جیسا بھی وقت گزارا اب تک اف نہیں کی اور نہ مجھے کچھ بتایا۔ اب تو حد ہی گزر گئی۔ میری بچی کے پھول سے رخساروں پر نیل پڑے ہوئے ہیں اور"

"اچھا! اس کے نیل تو آپ کو نظر آ گئے مگر ان کی وجہ جب بتاؤں گی تو آپ منہ چھپا لیں گی..... وہ جواد"

"زاہدہ! خاموش ہو جاؤ، تمہیں اس معصوم بچی پر [illegible] کا کوئی حق نہیں تو میرا [illegible] کرو۔ خبردار جو اب ایک لفظ بھی کہا ہو تو۔ شنذرا ہماری اپنی بیٹی ہے۔ کوئی چلتی پھرتی لڑکی نہیں کہ تم اس پر رکیک الزام لگاؤ۔ میں جواد کو بھی جانتا ہوں اور شنذرا کو بھی۔ اصل قصور میرا ہی ہے کہ گھریلو سیاست میں آ کر شنذرا اور فرخ کو تمہارے گھر بھیج دیا۔ اب یہ لوگ میرے پاس رہیں گے۔ فیاض بھی صدف کو یہیں بھیج دے۔ لعنت ہے ہم لوگوں پر کہ ہم نے بیوہ بہن کے بچوں کو ترس کی وجہ سے ریوڑیاں سمجھ کر بانٹ دیا، تم دونوں اب جا سکتے ہو۔"

شوکت صاحب کو بہت تکلیف پہنچی تھی زاہدہ بیگم کی باتوں سے۔ انہوں نے انتہائی سخت الفاظ میں بھائی، بھاوج کو بے نقط سنا ڈالیں تو زاہدہ بیگم بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہونہہ! میں سمجھتی ہوں اس گھریلو سیاست کو۔ اچھائی کا نام نہیں اور برے بھلے پر ذرا ڈانٹ دیا تو اشتہار لگا دیجیے، خود غرض۔"

وہ سنانے کی غرض سے اونچی آواز میں بڑبڑاتی اور نسیمہ بیگم کو گھورتی باہر نکل گئیں۔ مشتاق صاحب البتہ شرمندہ شرمندہ سے بہن کے سامنے کھڑے تھے۔

"باجی! میں نے تو کوشش کی کہ شنذرا اور فرخ کو اپنے بچوں کی طرح رکھوں مگر پھر بھی کوتاہی ہو گئی۔ زاہدہ کی زیادتی ہے مگر میں اب اسے چھوڑ بھی تو نہیں سکتا۔ آپ مجھے معاف کر دیں لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ شنذرا کی زبان بہت تیز ہے۔ وہ اکثر اپنی مامی سے زبان درازی کیا کرتی تھی۔"

معذرت اور معافی کے اس اظہار پر نسیمہ بیگم تڑپ اٹھیں۔ شاکی نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

"جاؤ بھائی! مجھے کسی سے شکوہ نہیں۔ شنذرا مامی سے زبان درازی کیا کرتی تھی۔ اتنی تو تمہیں خبر ہے مگر مامی اس کا کیا حشر کرتی ہے اس کی کبھی خبر نہیں ہوئی تمہیں۔ جاؤ اپنے گھر میں خوش رہو۔ کون کہتا ہے بہن کی وجہ سے اپنی بیوی کو چھوڑو۔ جاؤ ہمارا بھی اللہ مالک ہے جس نے پیدا کیا ہے، وہی مالک ہے۔"

☆......☆......☆

"دیکھا تم نے فائزہ! کس قدر گندی زبان استعمال کی ہے زاہدہ مامی نے۔ خدا کا شکر ہے کہ شنذرا [illegible] لے کر سو رہی ہے ورنہ ان الزامات پر وہ ضرور خودکشی کر لیتی۔ ان لوگوں نے میری معصوم بہن پر اس قدر ظلم کیے ہیں۔"

زیب رو پڑی۔ زاہدہ مامی کی باتیں سن کر فائزہ کو بھی دکھ ہوا۔

"یہ زاہدہ چچی ہیں ہی ایسی۔ [illegible] ہے پہلے بھی امی کو تم لوگوں کے خلاف یہی بھڑکایا کرتی تھیں الٹی سیدھی باتیں کر کے۔ پھپھو کے متعلق ایسی ایسی باتیں کیں کہ توبہ اور شنذرا سے تو ان کی یوں بھی دشمنی ہے کہ اسد اس سے چڑتا ہے۔ خیر چلو، اچھا ہی ہو گیا۔ شنذرا اور فرخ بھی اب یہیں رہیں گے۔ تم لوگوں کو الگ کرنے کا فیصلہ بھی زاہدہ چچی اور [illegible] جان کا تھا ورنہ ابو تو تمہیں پتا ہے تم لوگوں کے معاملے میں کتنے حساس ہیں اور امی کی بھی [illegible] ایسا ہو۔ پھر چچی نے جانے کیا پٹی پڑھائی امی کو۔" فائزہ نے زیب کو [illegible] لیا۔

☆......☆......☆

شنذرا بہت زیادہ ٹینشن کا شکار تھی۔ اسے ذہنی طور پر سیٹ ہوتے کئی دن لگ گئے۔ جب وہ صحت یاب ہوئی تو زیب [illegible] نے بتایا کہ اس نے کس طرح بڑے ماموں کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔ سب کو برا بھلا کہا تھا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔

"کیا واقعی زیب باجی میں نے ایسا کیا تھا۔ اف ماموں جان تو بہت اچھے ہیں۔ میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔"

شنذرا کو اپنی جنونی کیفیت اور اس دوران کی گئی باتیں اور حرکتیں قطعی یاد نہیں تھیں۔

"ہاں زیب! یوں ہی کہہ رہی ہے تم ذہن پر بار نہ ڈالو۔ بھلا تم ابو سے گستاخی کیسے کر سکتی ہو۔ چلو زیب! رات کھانے پر امی کی وہی دوست آ رہی ہیں، کھانا تیار کرتا ہے۔"

فائزہ نے شنذرا کو پریشان ہوتے دیکھا تو زیب کا ہاتھ دبایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو شنذرا! تم آرام کرو۔ ویسے فائزہ! یہ امی کی دوست کا آنا جانا بڑھنے لگا ہے اور جہاں تک میرا خیال ہے کہ ان کی نظریں تم پر ہیں۔"

"خدا نہ کرے زیب! جو ایسی بات ہو۔ ویسے ڈر تو مجھے بھی لگ رہا ہے۔" فائزہ گھبرا گئی۔

"تم حسن سے کہو نا کہ اپنے گھر والوں کو بھیجے۔"

"زیب! کوئی لڑکی بھلا یہ بات اپنے منہ سے کیسے کہہ سکتی ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں تو کہہ سکتی ہوں۔ آج ہی رات کو فون کروں گی' کسی بہانے سے کہہ دوں گی کہ گھر والوں کو لاؤ۔"

"جیسے تم مناسب سمجھو۔ کرو ہاں یہ سویٹ ڈش دو۔ میں اندر فریزر میں رکھ آؤں۔"

فائزہ سویٹ ڈش کا پیالہ لیے اندر آ رہی تھی کہ دوسرے کمرے سے آسیہ بیگم کی آواز صاف سنائی دی۔

"نسیمہ! کیا خیال ہے تمہارا ثریا کے بیٹے کے بارے میں؟ ماشاء اللہ ڈاکٹر ہے۔"

"ڈاکٹر!"

فائزہ کے ہاتھ میں پیالہ لرز گیا۔ گویا آسیہ بیگم کی مراد بر آئی تھی۔ لڑکا ڈاکٹر تھا۔

"لوگ تو بہت اچھے لگتے ہیں بھابی مگر کوئی بھی فیصلہ جلد بازی میں نہ کریں۔ لڑکے کا ڈاکٹر ہونا ہی ہر بات کی سند نہیں۔ ابھی تو لڑکا باہر ہے اور ثریا بتا رہی تھی سات سال سے امریکہ میں ہے۔ نجانے کیسا ہے' شکل' صورت' عادات و اطوار سب دیکھنا پڑتا ہے۔ ہماری بیٹی پھولوں کی پلی ہے۔ بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا پڑے گا ہمیں۔"

"تصویر تمہیں دکھائی تو تھی اور خاندانی شرافت تو سامنے ہے۔ بہت اچھی فیملی ہے ثریا کی۔"

لڑکا چونکہ ڈاکٹر تھا اور تھا بھی اس کی گہری دوست ثریا کا بیٹا اس لئے ان کو تو کوئی قباحت نظر نہیں آ رہی تھی کہ سوچنے میں وقت برباد کیا جائے۔

"آپ نے شاید غور نہیں کیا' ثریا نے جو تصویر دکھائی تھی۔ وہ دس سال پرانی تھی۔ بہرحال دیکھیں گے' اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ ہاں وہ طلال کی شادی بھی تو آ رہی ہے' اس سلسلے میں کیا سوچا ہے آپ نے؟"

"سوچنا کیا ہے' چلے جائیں گے مہمان بن کر...... بھائی بھاوج نے جو زخم مجھے لگائے ہیں وہ سدا رستے ہی رہیں گے۔ ارے میری چاند سی بیٹی کو ٹھکرا دیا اس بھاوج نے۔"

آسیہ بیگم کو یہ دکھ تو ہر پل ستاتا کہ ان کی چاند سی بیٹی ٹھکرائی گئی لیکن شاید وہ خدا کی مصلحت کو نہیں سمجھ رہی تھیں۔

"بھابی جان! آپ اس بات کو بھول کیوں نہیں جاتیں۔ فائزہ کو خدا نے اس جیسا دولہا ہی دینا ہے۔ چھوڑیں آپ اپنا دل میلا نہ کریں۔ اللہ جو کرتا ہے بہتر کرتا ہے۔ فرض کریں کہ شادی ہو جاتی اور طلال بھی اس کی قدر نہ کرتا نہ رابعہ بھابی تو۔"

"ارے سب بھاڑ میں جائیں' میری بیٹی کی قدر نہ کرنے والے۔"

"تو بس پھر چھوڑیں اس ذکر کو۔ وہ آپ نے کہا تھا کہ طلال کی شادی سے پہلے منگنی کی رسم ادا کر دی جائے گی۔"

نسیمہ بیگم نے ڈرتے ہوئے کہا کیونکہ شادی پر سب ملتے تو کوئی بات نکل آتی۔ اسی لئے وہ چاہتی تھیں کہ منگنی ہو جائے شعیب اور زیب کی۔

"ہاں ارادہ تو میرا یہ ہی تھا مگر درمیان میں شنذرا والی بات ہو گئی تو سب دھرا رہ گیا اور

جس طرح میں چاہتی ہوں۔ اتنے کم وقت میں ممکن نہیں۔ ارے ہاں میں رات تمہارے بھائی کے ساتھ گئی تھی۔ زیب کیلئے ایک سیٹ لائی ہوں۔ ذرا رکو۔ ابھی دکھاتی ہوں۔"

آسیہ بیگم الماری کی طرف بڑھیں۔ نسیمہ بیگم جو کچن میں جانے کیلئے اٹھ رہی ہیں وہیں بیٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

کچھ علاج اور سب سے بڑھ کر سب کی محبتوں اور خلوص نے شنذرا کو پرسکون کر دیا تھا۔ اس نے باقاعدہ ماموں جان سے معافی مانگی تھی۔

"ماموں جان! خدا جانے مجھے کیا ہو گیا تھا لیکن میں نے دانستہ آپ سے گستاخی نہیں کی۔ آپ......آپ خفا تو نہیں ہیں مجھ سے؟"

وہ پہلے کی طرح ماموں جان کا سر دباتے ہوئے اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔ انہوں نے بڑے پیار سے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔

"میری بیٹی نے میرے ساتھ کوئی گستاخی نہیں کی اور نہ ہی میں خفا ہوں۔ البتہ اپنے آپ سے بہت خفا ہوں کہ میری کمزوری کی وجہ سے تم وہاں رہیں اور بہرحال آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔ تم سب میری جان کے ساتھ رہو گے۔"

شوکت صاحب نے اسے ساتھ لگا لیا۔ اس سینے سے لگ کر اسے ہمیشہ پدرانہ شفقت کا احساس اور تحفظ ملا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر ان کے سینے سے لگی روتی رہی۔

"ماموں جان! آپ سے ایک بات کہوں۔" اس نے سر اٹھا کر آنچل سے چہرہ صاف کیا اور ان کو دیکھتے ہوئے پوچھا جن کے چہرے پر بڑی حلیم سی مسکراہٹ تھی۔

"میری بیٹی ہزاروں باتیں کرے۔ میں تو تمہاری باتوں کے بغیر اداس ہو جایا کرتا تھا۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ حیرت سے ان کو دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو بیٹی؟"

"دیکھ رہی ہوں ماموں جان کہ اگر ابو ہوتے تو آپ ہی کی طرح ہوتے مشفق' محبت کرنے والے جن کے پاس آ کر سب غم اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"اس سے کہیں زیادہ ہوتے۔ بہرحال وہ نہیں میں تو ہوں نا۔"

"ماموں جان! کتنا فرق ہے آپ میں اور مشتاق' فیاض ماموں میں' زمین آسمان کا۔"

"بس یہ بات کرنا تھی تمہیں مجھ سے۔" ماموں جان نے ہنس کر پوچھا۔

"نہیں ماموں جان! بات تو اور ہے لیکن پہلے آپ وعدہ کریں کہ میری اس بات کو گستاخی نہیں سمجھیں گے۔"

وہ نجانے کیا کہنا چاہ رہی تھی۔ انہوں نے پیار سے اس کے گال تھپتھپائے۔

"ابھی ابھی تم نے خود ہی تو کہا ہے کہ آپ بھائیوں میں اتنا فرق کیوں ہے۔ تم شنذرا نہیں فائزہ ہو۔ اگر میں اس کی بات نہیں ٹال سکتا تو تمہاری کیونکر ٹال سکتا ہوں۔ تم کہو تو۔"

ماموں جان کے پیار بھرے لہجے نے اسے بات کہہ دینے کا اعتماد دے دیا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"ماموں جان! اپنا گھر ہر انسان کی ضرورت اور خواہش ہوتا ہے نا"

اس کے محروم لہجے میں نجانے کیا تھا' شوکت صاحب اسے دیکھنے لگے۔

"ہاں بیٹے! کیوں نہیں؟"

"ماموں جان! ہر کسی کی خواہش ہوتی ہے نا کہ ایسا گھر ہو جو اس کا ہو جہاں وہ اپنے خیال' سوچ کی آزادی کے ساتھ بغیر کسی فکر' کسی طعنے کے' بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے ساتھ رہے۔ جہاں کوئی اسے ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ نہ دے جہاں کوئی اس کے کردار پر کیچڑ نہ اچھالے۔ ایسا گھر سب کا مقدر ہوتا ہے ہمارا کیوں نہیں۔ کیوں نہیں ہے ماموں جان۔"

اسد زاہدہ بیگم اور صائمہ کے الفاظ' طعنے ہتھوڑے کی طرح اس کے دماغ پہ ضربیں لگاتے رہتے۔ وہ ایک بار پھر ان کے ساتھ لگ کر رونے لگی۔ شوکت صاحب اس کا مطلب بھی سمجھ رہے تھے اور دکھ کو بھی سمجھ رہے تھے۔ انہوں نے پیار سے اس کا تر چہرہ اوپر اٹھایا۔

"میری بیٹی کیا چاہتی ہے؟"

"آپ کی رضا خوشی کے ساتھ ایک ایسا گھر ماموں جان! خدا کیلئے ناراض مت ہوئیے گا مگر میں.... میں اب اپنے گھر میں رہنا چاہتی ہوں جہاں صرف میری ماں ہو اور بہن بھائی ہوں۔ جہاں کوئی ہمیں کچھ نہ کہے۔ جہاں کسی کی محبت ترس نہ ہو۔ جہاں کوئی ہمارے ساتھ بھلائی کرنا بھی چاہے تو گھریلو سیاست آڑے نہ آ جائے۔ ایسا گھر ماموں جان ایسا گھر۔"

وہ بے تکان بولے گئی۔ شوکت صاحب خاموشی سے سنتے رہے۔ ان کے اندر عجیب طرح کے طوفان اٹھ رہے تھے۔ شذرا کی باتیں جذباتی' نظرانداز کر دینے والی نہیں تھیں۔ خود ان کو بھی اس نے در پردہ گھسیٹ لیا تھا اور درست کیا تھا۔ وہ خاندان کے بڑے تھے اگر وہ مضبوط ہو کر ان سب کی کفالت کا اعلان کر دیتے تو آج یہ لڑکیاں یوں مجروح نہ ہوتیں۔

"ماموں جان! آپ خفا تو نہیں ہو گئے؟" سب کچھ اگل دینے کے بعد اب ملال سا ہونے لگا۔

"نہیں بیٹی! میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ بات تو بہت پہلے ہو جانی چاہیے تھی لیکن تم فکر نہ کرو۔ ایسا ہی ہوگا جیسا تم چاہتی ہو لیکن طلال کی شادی ہو جانے کے بعد۔ کیا خیال ہے۔"

"جی' جی جیسا آپ مناسب سمجھیں مگر ماموں جان! امی مجھ سے خفا ہو جائیں گی کہ میں نے آپ کو۔"

اب اسے ماں کی خفگی کی فکر دامن گیر ہوئی۔

"امی کی مجال ہے جو ہماری بیٹی کو کچھ کہے۔ ارے حق بات کہنے کا سب کو حق ہے اور تم نے درست بات کی ہے۔ تم بس اب فکر نہ کرو' سب انتظام ہو جائے گا۔"

اور پھر شوکت صاحب نے اپنے دوست کا فلیٹ کرائے پر بک کر لیا۔

"بھائی جان! یہ کیا بات ہوئی کہ آپ نے چھٹانک بھر کی لڑکی کے کہنے میں آ کر کرائے

پر فلیٹ لے لیا۔ ڈبل ڈبل خرچ ہوا کرے گا۔" نسیمہ بیگم کو شذرا پر تاؤ آ گیا۔

"انسان! کبھی چھٹانک بھر کا نہیں ہوتا نسیمہ' اس کی عزت نفس' اس کی انا بہت انمول ہوتی ہے اور جو بات اب شذرا نے کی ہے وہ ہمیں پہلے ہی سوچ لینی چاہیے تھی۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بچے کسی قسم کے احساس کمتری کا شکار نہ ہوتے۔ ان میں اپنے گھر کا اعتماد ہوتا اور اس میں سراسر میرا قصور ہے۔ میں نے ہی اس سلسلے میں کوتاہی برتی۔ بہرحال تم شذرا سے کچھ مت کہنا' خرچ ڈبل ہو یا ٹرپل' روپیہ پیسہ انسان کی عزت نفس سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ طلال کی شادی کے بعد شفٹ کر جانا۔"

شوکت صاحب نے کچھ اس طرح سمجھایا کہ شذرا کیلئے آیا ہوا غصہ آپ ہی ختم ہو گیا۔

"بھابی جان! آپ تو ناراض نہیں۔" اب وہ آسیہ بیگم کی طرف گھومیں۔

"ارے نہیں نسیمہ! دراصل جو ہوا ہے۔ اب یہ ہونا ہی بہتر تھا۔ چلو بہانہ شذرا کی ضد کا بن گیا کیونکہ اب ہم نے خیر سے زینب اور شوبی کی منگنی کرنی ہے تو منگنی کے بعد لڑکی لڑکے کا ایک گھر میں رہنا مجھے پسند نہیں۔ الگ گھر تو ایک ضرورت بن گیا تھا۔ جو ہوا بہتر ہوا ہے تم کوئی ملال نہ کرو۔"

آسیہ بیگم نے جو دلیل دی تھی اس نے نسیمہ بیگم کو مطمئن کر دیا۔

☆......☆......☆

"بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ جاب چھوڑ دوں گا۔"

تیمور کو نجل کی بے رخی کھولائے رکھتی تھی اس نے فائلیں میز پر پٹخیں۔

"روز کہتا ہوں کہ جاب چھوڑ دوں گا اور روز یہ بات بھول جاتا ہوں۔"

"وہ بھی دانستہ۔" علی نے شوخی سے تیمور کو دیکھا جو اسے گھور رہا تھا۔

"اتنا کمزور نہیں ہوں میں لیکن مجبوری یہ ہے کہ مالک صاحب تشریف نہیں لا رہے ورنہ۔"

"ورنہ استعفیٰ تم ان کے منہ پر دے مارتے تمہیں کیا تکلیف ہے۔ اتنی اچھی جاب ہے۔ لوگ تو عشق میں [illegible] تک محبوب بھی بن جایا کرتے ہیں اور تم تو صرف نجل کے ملازم ہو فرم میں۔"

"[illegible]...... علی! تم محسوس کر ہی نہیں سکتے کہ انسان کسی کیلئے اس حد تک سنجیدہ ہو کہ اس کے علاوہ کسی اور کے خیال کو گناہ سمجھے اور وہ جب ملے تو اتنا غرور' اتنا تناؤ ہو اس کے چہرے پر کہ بندہ اپنی ہی نظروں میں گر جائے۔" تیمور کی نظروں میں پھر اس روز والا منظر گھوم گیا۔

"یہ محض تمہارا وہم ہے کیوں لڑکی؟" علی نے کھانا لگاتی شانی کو دیکھا جس نے جواب دینے سے پہلے تیمور کے تیور دیکھے۔ اسے خود یہاں تیمور سے اختلاف تھا۔

"پتہ نہیں! ہو سکتا ہے بھائی درست ہوں کیونکہ جتنا میں بھائی کو جانتی ہوں نجل باجی کو تو نہیں جانتی۔" شانی نے آہستگی سے گول مول سا جواب دیا تو علی بس اسے گھور کر رہ گیا۔

"کبھی کبھی تو تم بالکل بچی بن جاتی ہو۔ دیکھو تمہارے بھائی کو میں تم سے زیادہ جانتا ہوں مگر یہاں نجل والے معاملے میں یہ درست نہیں۔ لکھ رکھو میری یہ بات۔"

"تم تو بس فضول میں اسی کی طرف داری کیے جاؤ۔ میں جا رہا ہوں شانی اس لدھے سے

سامان منگوالینا۔"

"اونہو! جملہ درست کر لیجیے۔ اسی گدھے پر سامان لادلانا۔ ارے میں صرف گدھا ہی نہیں بیمار ہاتھی اور کمزور اونٹ بھی ہوں۔ گدھے پر۔"

علی خفگی سے بڑبڑا رہا تھا۔ تیمور نے بیگ اٹھایا اور باہر آ گیا۔ ویگن نے آدھے راستے میں انجن کی خرابی کے بہانے آرام کا فیصلہ کیا تو سارے مسافر پسینے میں شرابور دوسری سواریوں کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔ تیمور نے بھی جیب سے رومال نکالا چہرہ صاف کیا تو سگنل پر گاڑی میں اسد نظر آیا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا تو اس کے برابر بیٹھے شخص کو دیکھ کر تیمور وہیں رک گیا۔ وہ الجھ کر رہ گیا۔

وہ تو اسد تھا مگر ساتھ میں کون شخص تھا کون تھا؟

وہ اسی کشمکش میں الجھ گیا اور پھر دیکھا تو سگنل کھل چکا تھا اور اسد وہاں سے غائب تھا۔ تمام وقت اسد کے ساتھ بیٹھے شخص کے بارے میں اور اس کے اسد کے ساتھ تعلق کے بارے میں سوچتا رہ گیا۔ اسی الجھن میں آفس پہنچ گیا۔ آج وہ ایم ڈی تسیم صاحب سے بات کرنا چاہتا تھا۔ وہ کتنی دیر بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ تجل اپنے ڈرائیور کے ساتھ تیز تیز قدموں کے ساتھ آ گئی۔ تیمور کی ٹیبل کے قریب سے گزرتے ہوئے قدموں کی تیزی میں ہلکی سی کمی ہوئی۔ وہ مڑ کر دیکھنا چاہتی تھی کہ تیمور جلدی سے اٹھ کر دوسری جانب چلا گیا۔ تجل دکھ کا گہرا احساس لئے اندر چلی گئی۔ تیمور سے یہ سب برداشت کرنا ممکن نہیں تھا۔ اس نے اشرف سے کہا کہ وہ تسیم صاحب سے بات کرنا چاہتا ہے۔

"جایئے! صاحب بلا رہے ہیں۔"

تیمور نے فائلیں میز پر پٹخیں اور ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آ گیا۔ تجل تسیم صاحب سے کوئی بات کر رہی تھی۔ اس نے ذرا رک کر تیمور کو دیکھا جس کے چہرے پر برہمی اور آنکھوں میں لاتعلقی تھی۔ اس نے پھر اپنی بات جاری کر دی۔

"جی تو تسیم صاحب! میں کل سے آفس آیا کروں گی عدیل بھائی تو دوسرے آفس کو سنبھالیں گے۔ پاپا نے کہا ہے کہ جب تک وہ لندن سے نہیں آ جاتے میں اس آفس میں آیا کروں گی۔ کام تو کرنا ہی ہے ناں۔"

تجل نے ایک گہرے سانس کے ساتھ کہا۔

"یو آر موسٹ ویلکم مس احمد! ہمیں بے حد خوشی ہو گی آپ کے ساتھ کام کر کے بلکہ آج اور ابھی سے ہم کام شروع کرتے ہیں۔ یہ تیمور صاحب ہیں' جی تیمور صاحب آپ کا کیا پرابلم ہے؟"

تسیم صاحب تیمور کی طرف متوجہ ہو گئے اور قبل اس کے کہ تیمور کچھ کہتا' تجل اپنا چھوٹا سا پرس میز پر سے اٹھا کر کھڑی ہو گئی۔

"تسیم صاحب! اس وقت میرے پاس بالکل بھی وقت نہیں' آپ خود ڈیل کر لیجیے اگر کوئی بڑا مسئلہ ہے تو ذرا انتظار کر لیجیے میں ضروری کام سے جا رہی ہوں۔"

تجل کے اندر ایک قیامت سی اٹھ رہی تھی کیونکہ آج فاطمہ کی برتھ ڈے تھی اور کل اسے جانا تھا اور پھر کیا خبر واپس آنا بھی تھا کہ نہیں۔ آج تو اس ایک احساس کے سامنے ہر احساس اہمیت کھو رہا تھا مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ تیمور کے آئینہ دل پر بدگمانی کی کتنی تہیں جمتی جا رہی ہیں۔ تجل نے دیکھا ہی نہیں کہ تیمور کے چہرے پر کیا تاثرات ہیں وہ اپنا بیگ اٹھائے باہر آ گئی۔

☆......☆......☆

آج فاطمہ کی برتھ ڈے تھی اور اس کی طبیعت بھی بہت خراب تھی۔ گھر میں عجیب سی سوگوار فضا تھی۔ فاروق صاحب کی حالت سب سے زیادہ قابلِ رحم تھی۔

"صوفیہ بیگم! آج فاطمہ کی سالگرہ ہے۔ تمہیں یاد ہے۔ ہم نے جب اس کی پہلی سالگرہ منائی تھی۔ تم اسے اس وقت بھی سرخ لباس پہنا کر دلہن بنانا چاہتی تھیں۔"

فاروق صاحب کی نظروں میں فاطمہ کی پہلی سالگرہ کا منظر گھوم گیا۔

"ہاں' بہت اچھی طرح اور اسی سالگرہ پر ہماری لڑائی ہو گئی تھی۔ میں فاطمہ کو سرخ لباس پہنانا چاہتی تھی اور آپ اس کے خلاف تھے کہ فاطمہ کو دلہن نہیں بنانا۔ اسی بات پر ہماری لڑائی ہو گئی۔" صوفیہ کی نظروں میں بھی ماضی کا وہ منظر گھوم گیا۔

"لیکن صوفیہ بیگم! دیکھو آج میں خود سرخ لباس لایا ہوں فاطمہ کیلئے۔ یہ دیکھو' یہ دلہنوں والا لباس ہے۔ یہ زیورات ہیں آج...... آج تم اسے اپنے ہاتھوں سے دلہن بناؤ۔ آج تم اپنے سارے ارمان نکال لینا کیونکہ کیونکہ......"

فاروق صاحب کی آواز بھرا گئی۔ وہ کہاں تک ضبط کرتے۔ انہوں نے ڈھیر سارے ڈبے صوفیہ بیگم کے سامنے کھول دیئے۔

"ارے فاروق صاحب! آپ تو رونے لگے جیسے واقعی فاطمہ کو رخصت کر رہے ہوں۔"

"ہاں! فاطمہ رخصت ہی تو ہو رہی ہے' رخصت ہی تو ہو رہی ہے۔"

"ماشاء اللہ کتنا خوبصورت جوڑا لائے ہیں آپ۔ کتنا جچے گا میری بیٹی پر مگر وہ بہت شرمیلی ہے نجانے مانے گی بھی کہ نہیں اور کاش کہ آج اس کی واقعی شادی ہوتی اور وہ کسی شہزادے کے ساتھ رخصت ہو رہی ہوتی۔"

ماں کے ارمان حسرتوں کے ساتھ نکل رہے تھے۔

"مما! باجی اس طرح گھر پر تیار نہیں ہوں گی۔ یہ سرخ لباس' یہ زیورات نہیں یہ مناسب نہیں۔" آمنہ اور تجل نے انکار کر دیا۔

"تم فاطمہ سے کہہ کر تو دیکھو۔ میری فرمانبردار بیٹی ہے۔ وہ ضرور میری یہ خواہش پوری کرے گی' لاؤ میں خود اپنی بیٹی سے بات کرتا ہوں۔" پاپا نے آمنہ کے ہاتھ سے ڈبے لئے اور فاطمہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ فاطمہ کی طبیعت خراب تھی۔ اس نے نقاہت سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔

"ارے پاپا آپ...... آپ آیئے نا" وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔

"کیسی طبیعت ہے بیٹی؟" اس کی طبیعت تو اس کی پیلی رنگت سے صاف عیاں تھی۔

"میں ٹھیک ہوں پاپا! یہ سب کیا ہے۔" فاطمہ نے پاپا کے ہاتھ سے ڈبے لیے۔

"آج تمہاری برتھ ڈے ہے نا بیٹے تو میری اور تمہاری مما کی خواہش ہے تم آج یہ لباس پہن کر تیار ہو جاؤ۔"

سرخ لباس جھلملاتا ہوا' زیورات کے ڈبے الگ فاطمہ نے لرزتے ہاتھوں سے ان سب چیزوں کو چھوا۔ دل میں ایک قیامت خیز درد اٹھا۔

"بولو بیٹی اپنے بڈھے مما پاپا کی خواہش پوری کرو گی نا۔"

پاپا کسی سوالی کی طرح اس سے پوچھ رہے تھے۔ اس نے دھندلی آنکھوں سے پاپا کو دیکھا اور سوچوں میں ڈوب گئی۔

"پاپا! یہ لباس یہ سب کچھ ہر ماں باپ کی خواہش ہوتا ہے کہ وہ اس طرح سج کر پیا دیس سدھارے اور ہر لڑکی کا ارمان ہوتا ہے کہ وہ ارمانوں کا سرخ آنچل اوڑھ کر گھونگھٹ کی اوٹ میں اپنے جیون ساتھی کو دیکھے مگر میری زندگی میں رنگین دور آیا ہی نہیں پاپا اب اگر یہ لباس پہن لیا تو تو۔"

"کیا سوچ رہی ہو بیٹا! وقت تو کم رہ گیا ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ اگر تمہیں یہ پسند نہ ہو تو اپنی پسند سے۔"

پاپا نے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک کر مڑی۔

"نہیں تو پاپا میں آپ کی حکم عدولی کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ کسی کی خواہش تو پوری ہونی چاہیے ناں۔ آپ پلیز آمنہ اور مہوش سے کہہ دیں۔ دوسرے انتظامات کریں۔ میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

اس نے آنکھوں میں آتے پانی کو اندر اتارا اور ڈبے سنبھال لیے۔

"خوش رہو بیٹی جیتی' ہاں جیتی رہو میری بچی۔"

پاپا کا ہاتھ اس کے سر پر لرز گیا۔ لفظ جیتی پر وہ رک گئے جیسے یہ دعا فاطمہ کیلئے نہ ہو۔ پاپا کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر روتی رہی۔ ایک ایک چیز کو دیکھتی رہی۔ اس نے جھومر پکڑ کر پیشانی پر سجایا کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کوئی اجازت لئے بغیر اندر آ گیا۔

"حارث تم؟"

☆......☆......☆

"ہاں۔ ہاں فاطمہ! یہ میں ہوں میں اندر آ جاؤں ناں۔ اب تو کوئی رکاوٹ نہیں رہی ناں۔"

بہت دور کہیں گہرے کنویں سے آتی آواز کی طرف فاطمہ تڑپ کر بڑھی۔

"حارث تم کہاں ہو؟ نظر کیوں نہیں آتے۔ سامنے آؤ ناں۔"

فاطمہ سالوں پر پھیلی گہری دھند میں حارث کے ہیولے کو تلاش کرتے ہوئے بہت دور نکل گئی۔ ماضی کی گہری وادیوں میں اتر گئی۔

"حارث چاچا ہے۔ آج تو مما' پپا گھر پر نہیں۔ ہم دیر تک کھیلیں گے۔"

وہ حارث کا ہاتھ پکڑ کر وسیع لان میں آ گئی۔

"فاطمہ! مجھے تمہاری مما سے بہت ڈر لگتا ہے اور تمہارے پپا تو۔"

معصوم حارث اس کے مما' پپا کا ذکر کر کے خوف زدہ ہو گیا اور وہ شرمندہ ہو گئی' کیونکہ اس بے چارے کے ساتھ ہوتا ہی یہی تھا۔ کتنی اچھی لگتی تھی فاطمہ اسے۔ وہ جب بھی آتا' فاطمہ کی مما اسے ڈانٹ دیتیں اور فاطمہ کے ساتھ کھیلنے سے منع کر دیتیں۔

"نہیں۔ آج تو دونوں رات لیٹ گھر آئیں گے' آؤ ہم گھر بنائیں۔"

کچی عمروں میں خیالوں کے گھروندے بناتے' جب وہ جوانی کی دہلیز پر پہنچے تو باتوں سے خوشبو آنے لگی تھی۔ آنکھیں بولنے لگی تھیں... آنکھوں میں شوخ جذبے روشن ہو گئے تھے اور اسی قدر خوف اور احتیاط کی فصیلیں بھی بڑھنے لگی تھیں۔

حارث دراصل فاروق صاحب کے اس دوست کا بیٹا تھا جو نہ مل اونر تھا نہ کوئی آفیسر جبکہ فاروق صاحب عام تنگ سی سوچ رکھتے تھے۔ حیثیت و مرتبے کو اہمیت دینے والے اور جب کہ حارث کے گھر والے کوئی خاص اہمیت کے حامل نہیں تھے تو حارث کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی' یوں ہوا کہ جوانی کی دہلیز پر پہنچتے ہی خوف کی دیوار حائل ہو گئی۔ دونوں ایک دوسرے کی جانب دیکھتے بھی ڈرتے تھے۔ فاطمہ والدین کی بہت فرمانبردار بیٹی تھی۔ فون پر بھی ڈر ڈر کر بات کرتی۔

"فاطمہ میں۔ میں وہی حارث ہوں۔ تم مجھ سے کترانے لگی ہو۔ میں جب بھی آتا ہوں' تم وہاں سے غائب ہو جاتی ہو۔ پتا ہے میں صرف تمہیں ایک نظر دیکھنے کی غرض سے کوئی نہ کوئی کام نکال کر جاتا ہوں' اور تم جب اس طرح کرتی ہو تو مجھے بہت جھنجلاہٹ ہوتی ہے۔"

اس وقت بھی وہ فیکٹری کا کوئی کام نکال کر گھر آیا۔ کیونکہ فاروق صاحب نے دوستی کا لحاظ کرتے ہوئے اسے اپنی فیکٹری میں ملازم رکھوایا تھا۔ اور آج وہ جلدی آ گئے تھے۔ حارث کو معمولی سا کام

پڑ گیا یا اس نے نکال لیا۔ اب وہ اس سے جواب مانگ رہا تھا۔

"یہ بہانے کب تک حارث؟ مما کی تیر برساتی نگاہیں' پپا کی سوالیہ نگاہیں' راحیل بھائی کی استفسار کرتی نظریں۔ میں کس کس کا جواب دوں۔ مجھے تو سب کا خیال رکھنا ہے۔"

وہ دھیمی سی آواز میں کہتی باہر آ گئی۔ آسمان پر اڑتے پرندے اسے خود سے بہت بہتر لگے۔ اپنی مرضی کی پرواز کرتے' جس سمت جانا چاہتے اڑ جاتے اور ایک وہ تھی پابند سلاسل۔

"سب کا خیال ہے مگر میرا اور اپنا نہیں۔ فاطمہ کیا انجام ہوگا ہم...... ہم۔" حارث اس کا ہاتھ تھام کر پوچھ رہا تھا۔ فاطمہ کو خوف کی جھرجھری آ گئی۔ اس نے جلدی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں کی گرفت سے نکال لیے۔

"میرا خیال ہے حارث! ہم ایسے راستے پر چل نکلے ہیں جس کی کوئی منزل نہیں۔"

فاطمہ سب کچھ جانتی تھی۔ اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ حارث اس راستے پر اتنا آگے بڑھ جائے کہ واپس لوٹنا مشکل ہو جائے' وہ اسے اسی موڑ سے واپس کر دینا چاہتی تھی۔

"اب...... فاطمہ...... اس موڑ پر جبکہ مسافتوں کا اختتام ہونے والا ہے۔ تم کہہ رہی ہو' ہم بے منزل راہ پر چل رہے ہیں۔ فاطمہ پتا ہے' میری منزل کیا ہے؟"

حارث اس کے مقابل آ کر کھڑا ہوا تو وہ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"تم یا موت۔" حارث نے مضبوط مستحکم لہجے میں کہا اور تیزی سے گاڑی اڑاتا ہوا چلا گیا۔ اور وہ حارث حارث پکارتی رہی اور اس کی خیریت کی دعائیں کرتی رہ گئی۔ اور پھر گھر میں عجیب سا ماحول پیدا ہو گیا۔ اندر ہی اندر کوئی کھچڑی پک رہی تھی۔ فاطمہ پر نظروں کے پہرے سخت ہو گئے تھے۔ وہ حیران و پریشان تھی' کس سے پوچھتی۔ کیونکہ کہنے کو وہ سب بہن بھائی پر آسائش زندگی ایک محل میں گزار رہے تھے' مگر ایک ہوسٹل کی طرح اپنے اپنے کمروں میں ایک دوسرے کے دکھ درد سے بے خبر' بے نیاز۔ حارث کی کئی روز سے کوئی خبر نہیں تھی۔ اس شام وہ رومانہ کے گھر سے لوٹی تو حارث کے والدین آئے ہوئے تھے' اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"باجی! پتا ہے' یہ لوگ آپ کے رشتے کے لیے آئے ہیں۔ حارث بھائی کے ساتھ۔"

آمنہ اسے دیکھتے ہی اس کی طرف لپکی تو' دل بری طرح دھڑک اٹھا' سرخیاں پھیل گئیں۔

"پھر؟" اس نے بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ پوچھا۔

"وہ لوگ تو بے حد اصرار کر رہے ہیں۔"

"اور مما' پپا" دل بجھنے لگا۔

"انکل شرافت تو بے حد اصرار کر رہے ہیں کہ میرا اکلوتا بیٹا ہے' اور اگر اس کی خوشی پوری نہ ہوئی تو۔ ان کے اصرار کی وجہ سے مما' پپا خاموش تو ہو گئے ہیں۔ اب آگے جو خدا کو منظور۔"

آمنہ نے تفصیل بتائی تو امید کے دیے پھر سے روشن ہونے لگے۔

"آمنہ! تمہیں حارث کیسا لگتا ہے؟"

آج پہلی بار اس نے حارث کے بارے میں کسی سے بات کی تھی۔

"حارث جیسا بھی ہے۔ مجھے خوشی صرف اس بات کی ہے کہ وہ آپ کی پسند ہے' اور زیادہ

خوشی اس بات کی کہ ہمارے گھر میں بھی خوشیوں کی بارات اترے گی۔ آپ دلہن بنیں گی۔ شادی کارڈ چھپیں گے' ہم لوگوں کو انوائٹ کریں گے اور...... اور۔"

آمنہ کے رنگین لفظوں کے آئینے میں فاطمہ خود کو دلہن کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔ جھومر' آنچل' مہندی سب ہی کچھ تو حارث کے نام کا تھا۔ دن رات سپنوں میں کھوئی رہتی۔ مما' پپا نے شاید ان کو ہاں میں جواب...... دیا تھا۔ تب ہی تو حارث شوخ ہو گیا تھا۔ کس قدر خوش رہنے لگا تھا۔

"جذبے صادق ہوں تو ملاپ ضرور ہوتا ہے فاطمہ! تم نے تو مجھے بھی مایوسیوں کے جنگل میں چھوڑ دیا تھا تنہا۔" وہ شاکی لہجے میں بول رہا تھا۔

"حارث! انسان کو ہر قسم کی صورت حال کے لیے تیار تو رہنا چاہیے ناں۔"

"ہاں رہنا چاہیے' مگر اچھی صورت حال کے لیے۔ فاطمہ! ہم اس شہر میں نہیں رہیں گے۔ کسی دوسرے شہر میں اپنا گھر بنائیں گے' چاہے چھوٹا ہو' اتنا پر آسائش نہ ہو' اس میں تم اور میں اپنی چاہتوں کی چھاؤں تلے زندگی بسر کریں گے۔ وہ دن اب دور نہیں فاطمہ! انشاء اللہ بہت جلد ہمارے خواب حقیقت کا روپ دھار لیں گے۔"

حارث بول رہا تھا اور وہ حیا سے اٹھتی جھکتی پلکوں کے ساتھ دھڑکتے دل کی دھڑکنیں شمار کرتی رہی۔ وہ خوابوں کی راہ گزر پر حارث کا ہاتھ تھامے آگے بڑھ رہی تھی۔ قیامت تو اس روز آئی جب مما نے اسے اپنے کمرے میں بلایا۔

"جی مما۔" وہ کانپتے وجود کے ساتھ کھڑی نہ رہ سکی تو صوفے پر ٹک گئی۔

"تمہیں معلوم ہے شرافت بھائی نے تمہیں اپنے بیٹے حارث کے لیے پروپوز کیا ہے۔"

مما کی نظریں اسے اپنے وجود کے آر پار ہوتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اب اس سوال پر تو وہ چپ ہی رہ سکتی تھی۔ جواب کیا دیتی۔ مما کھڑی ہو گئیں اور کمرے میں ٹہلنے لگیں' پھر اس کے قریب آ گئیں۔ فاطمہ کا سانس رکنے لگا۔

"میں یہ بات بھی جانتی ہوں کہ تم اور حارث ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔"

اس انکشاف پر اس کا سر جھک گیا۔

"اور میں تم دونوں کی شادی بھی کرنا چاہتی تھی۔"

تھی ایک چھوٹا سا لفظ پہاڑ بن کر ٹوٹا اس کے سر پر۔ اس نے چونک کر مما کی جانب دیکھا۔ غرور سے تنی گردن میں تناؤ کچھ زیادہ ہی آ گیا تھا۔ وہ ڈولنے لگی' ہاتھوں میں کپکپاہٹ آ گئی۔ اسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ کیونکہ قیامت اس کے سر پر کھڑی تھی۔

"فاطمہ! میں تمہاری ماں ہوں دشمن نہیں۔ میں نے اور تمہارے پپا نے یہ سوچا تھا کہ لڑکا شریف ہے' تمہاری پسند ہے تو اس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ تمہارا جیون ساتھی بن جائے مگر۔"

انہوں نے مڑ کر فاطمہ کی طرف دیکھا۔

"مگر وہ ہماری توقعات کے خلاف بہت ہی لالچی نکلا۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ صرف تمہارا طلبگار ہے' مگر اس نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ اسے جائیداد میں برابر کا حصہ چاہیے۔ اور یہ کہ رشتے تو اس کے لیے بہت ہیں مگر وہ تم سے...... اس لیے شادی کرنا چاہتا ہے کہ زندگی سنور جائے گی۔ توبہ ہے پیار کی

طرح چھلکے چڑھے ہوتے ہیں لوگوں پر۔ اصلی چہرا نظر آتا ہی نہیں۔ کیا سمجھا تھا میں نے اس حارث کو۔ ٹھیک ہے۔ ہم اپنی پراپرٹی سب بچوں میں برابر تقسیم کریں گے مگر اس طرح منہ پھاڑنے والے کو پھوٹی کوڑی بھی نہیں دیں گے' میری ہیرے جیسی بیٹی کی کوئی قیمت نہیں اس کی نظر میں۔ تمہیں اگر کوئی شبہ ہو تو خود پوچھ لینا۔"

وہ اندر ہوتی توڑ پھوڑ کے ساتھ بمشکل لرزتے قدموں کے ساتھ اٹھی تو مما نے وضاحت کر لینے کی اجازت دے دی۔ اس نے مڑ کر مما کو دیکھا مگر وہاں تو اتنی گہری دھند تھی کہ مما نظر ہی نہیں آ رہی تھیں۔ مما تو اور بھی بہت کچھ کہہ رہی تھیں مگر وہ سننے اور دیکھنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی تھی۔

حارث سے سامنا ہوا تو پتا چلا کہ دشمن نے بڑی پلاننگ سے ان کے ارمانوں کے گلشن میں آگ لگائی ہے۔

"فاطمہ! مجھے تو یہ بتایا ہے کہ تم مجھے بیوقوف بنا رہی ہو اور۔ اور تم اپنی حیثیت کے کسی بندے سے شادی کرنا چاہتی ہو۔"

"اور تم نے اعتبار کر لیا؟"

"نہیں فاطمہ! ہم اعتبار کی اس منزل پر ہیں جہاں ایسی باتیں ہمارے اعتبار کو نہیں لوٹ سکتیں۔ خیر اگر ہمارا ملن خدا کو منظور ہوگا تو...... تو یہ رکاوٹیں خود ہٹ جائیں گی ورنہ فاطمہ! آج کے بعد ہم لوگ ایک دوسرے کے لیے صرف یاد بن کر رہ جائیں گے خدا حافظ فاطمہ!"

اور...... واقعی ان کی چاہت ایک یاد بن کر دل کے نہاں خانوں میں رہ گئی۔ مما' پپا بہت خوش بھی تھے اور سرخرو بھی کہ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹی۔ مگر وہ کیا جانیں اندر تو توڑ پھوڑ ہو چکی تھی پھر حارث ملک سے باہر چلا گیا۔ نجانے کب تک وہ تنہائی کے کرب سے لڑتا رہا۔ ایک روز خبر آئی کہ وہ کسی حادثے میں اپنے ارمانوں سمیت دفن ہو گیا ہے۔

"حارث! اس حادثے میں تم ہی نہیں مرے ہو۔ میری روح بھی تو اسی وقت فنا ہو گئی تھی۔ بس یہ مٹی کا وجود ہے کہ جانے کس مٹی سے بنا ہے کہ ختم ہوتے ہوئے بھی اتنی مدت لگا دی۔ حارث پتا ہے۔ یہ لوگ کتنے بھولے ہیں' سمجھتے ہیں جیسے مجھے کچھ معلوم ہی نہیں' میرا وجود سراپا درد بن گیا ہے میں آگ میں جلتی رہتی ہوں۔ کتنے بھولے ہیں پپا میرے بہن بھائی بچوں کی طرح بہلاتے رہتے ہیں۔ اور تم نے دیکھا پپا کتنے بدل گئے ہیں۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں ناں کہ۔

اس پہ آئے وہ اب!
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

مما...... اچھا ہے مما کو کچھ خبر نہیں۔ ہو سکتا ہے حارث مما کو اب اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہو۔ تب ہی تو کہتی رہتی ہیں فاطمہ کو دلہن بناؤ۔ اور اب جب کہ میں زندگی کے آخری موڑ پر ہوں تو۔ میرے مما' پپا مجھے دلہن بنانا چاہتے ہیں۔ شاید اس لیے کہ مجھے کوئی حارث لینے نہیں آ رہا۔ آہ۔ لیکن حارث تم بن میں نے یہ زندگی بڑے عذاب میں گزاری ہے اب دیکھو کب تک یہ عذاب برداشت کرنا پڑتا ہے۔ کب تک...... حارث میرا ہاتھ تھام لو میں گر پڑوں گی حارث...... حارث۔"

یادوں کے جنگل میں بھٹکتی فاطمہ اس وقت چونکی جب حقیقت کا کانٹا بڑے زور سے چبھا۔ وہ

سیدھی ہوئی مگر اک برسات تھی کہ امڈی چلی آ رہی تھی۔

☆......☆......☆

فاطمہ نے سب کچھ ان پر چھوڑ دیا تھا۔ اس کے مما' پپا اسے دلہن کے روپ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ نبل اور مہوش نے جب اسے تیار کیا تو دونوں اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"کاش اس حسین دلہن کا گھونگھٹ اٹھانے والے ہاتھ بھی ہوتے' کوئی اس سنسان مانگ میں سہاگ کی افشاں بکھیرنے والا ہوتا۔ میری پیاری باجی! کاش یہ سب حقیقت ہوتا۔"

نبل بے ساختہ اس کے ساتھ لگ کر رو پڑی۔

"ارے بے لی پاگل ہو۔ میں کوئی سچ مچ رخصت تھوڑی ہو رہی ہوں۔ جو تم نے رونا شروع کر دیا ہے۔ یہ تو بس مما' پپا کی خواہش تو۔" فاطمہ نے روتی ہوئی نبل کی پیشانی پر پیار کیا۔

"نبل کیا بے وقوفی ہے۔ چلیں باجی! نیچے چلتے ہیں۔ سب انتظار کر رہے ہوں گے؟"

مہوش نے نبل کا شانہ دبایا۔ اور جب فاطمہ نیچے آئی تو صوفیہ بیگم اسے دیکھتی رہ گئیں۔ پچھتاؤں کا ایک طوفان سا آ گیا۔

"فاطمہ! میری بچی! تجھے دلہن تو بہت پہلے بن جانا چاہیے تھا۔ مگر۔ میں نے حارث کو۔ حارث کو منع کر دیا۔ فاطمہ! وہ صرف تمہارا طلب گار تھا' تمہاری دولت کا نہیں۔ ہیں ناں فاروق! وہ تو یہی کہتا تھا۔ آنٹی صرف فاطمہ کا ہاتھ دے دیں اور کچھ نہیں چاہیے۔ اس نے تو لکھ کر بھی دے دیا تھا کہ فاطمہ کے سوا اسے کچھ نہیں چاہیے۔ فاطمہ...... فاطمہ میری بچی! مجھے معاف کر دینا۔ وہ بے خطا تھا۔"

بیمار مما نے فاطمہ کو دلہن کے روپ میں دیکھا تو اعتراف جرم کرنے میں دیر نہ لگائی۔ جب سے پچھتاؤں کے سائے پھیلے تھے' ان میں سب سے بڑا پچھتاوا فاطمہ کو دلہن نہ بنانے کا تھا۔ بیٹیوں کی وقت پر شادی نہ کرنے کا تھا۔ اس وقت سب کچھ بھول کر فاطمہ کو ساتھ لگائے اعتراف جرم کرتی چلی گئیں۔ یہ انکشاف دوسروں کے لیے نیا تھا۔ فاطمہ کے لیے نہیں۔ اور وہی پرسکون تھی۔ آہستگی سے مسکرا دی۔ یوں بھی اتنا درد سہا تھا کہ اب ہر درد کا احساس بے معنی سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"میں جانتی ہوں مما۔" فاطمہ نے گہرا سا سانس لے کر مما کے آنسو پونچھتے ہوئے پپا کو دیکھا۔ پچھتاوے کی دھند میں ان کا بھاری بھرکم وجود دھندلا گیا۔

"پپا! یہ وقت ایسی باتوں کا تو نہیں' جو ہوا جانے دیں' وقت لوٹ کر نہیں آتا۔ جو لمحے ہماری گرفت میں ہوں۔ ان ہی سے خوشیاں سمیٹ لینی چاہییں۔ فاطمہ! آؤ کیک کاٹیں۔"

راحیل نے اس کا ہاتھ پکڑا اور میز کی طرف لے آیا۔ سب نے خوب شور مچایا۔ جس گھر سے کبھی بچوں کی معصوم ہنسی کی آواز نہ ابھری تھی۔ وہاں سے ان کے فلک شگاف قہقہے گونج رہے تھے' مگر ایک دوسرے سے چوری آنکھوں کی نمی کو بھی صاف کر رہے تھے۔ پھر ڈھیروں تصاویر بنیں۔ مووی بنی۔ فاروق صاحب بار بار فاطمہ کو ساتھ لگا کر پیار کرتے۔ مما دل ہی دل میں خدا سے کسی معجزے کے لیے دعا گو تھیں۔ کہ کہیں سے کوئی حارث آ جائے' اور ان کی فاطمہ سچ مچ کی دلہن بن کر رخصت ہو جائے۔ فاطمہ کی طبیعت خراب ہو رہی تھی' مگر وہ ضبط کیے ہوئے تھی پھر نجانے یہ پیاری صورتیں دیکھنے کو ملیں بھی کہ نہیں۔ مما' پپا بہن بھائیوں کی صورت دل میں اتارتی رہی۔

''فاطمہ بیٹی!'' پپا آہستگی سے اس کے پاس چلے آئے۔

''جی پپا۔'' وہ اشکوں ٹیسوں کو دباتی مسکرا کر بولی۔ پپا اسے دیکھتے گئے۔

''میں یہ کہنا چاہ رہا تھا بیٹا! غلطیاں والدین سے بھی ہو جاتی ہیں۔ ہم سے بھی ہو گئی۔ ہمیں معاف کر دینا۔ میری بچی! کہ وقت پر نہ تمہارے ماتھے پر جھومر سجایا۔ نہ ہاتھوں میں مہندی لگائی۔ معاف کر دینا۔''

''کیسی باتیں کرتے ہیں پپا! یہ سب قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔ چلئے اب فریش ہو جائیے۔ نبیل! میری اور پپا کی اچھی سی یادگاری تصویر بناؤ۔''

وہ پپا کا بازو پکڑ کر کھڑی ہو گئی اور نبیل نے ان کی تصویر اتاری۔

سالگرہ کا ہنگامہ ختم ہو چکا تھا۔ کجل کی ضد پر وہ سب ٹیرس پر رات گئے تک باتیں کرتی رہیں۔ تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تینوں بہنیں بار بار آنسو صاف کرتی رہیں۔ جدائی آنکھوں میں کنکر بن کر چبھ رہی تھی۔ کون جانے یہ جدائی عارضی ہو یا ابدی۔

''چلو اٹھو بھئی! بہت رات ہو گئی۔'' فاطمہ سے بیٹھا نہیں گیا۔ اندر جانے کیا ہو رہا تھا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تو سب جدائی کا اذیت ناک احساس لیے اٹھ گئیں۔

☆......☆......☆

ایئرپورٹ پر سب جا رہے تھے۔ مما بھی ضد کر کے ایئرپورٹ آ گئیں۔

''مما! میں جب آؤں تو آپ بالکل ٹھیک ہوں۔۔۔ بے بی! مما کا بہت خیال رکھنا۔''

وہ باری باری سب سے گلے مل رہی تھیں۔

''مہوش تم۔ نبیل کی خوش نصیبی کا نام ہو۔ خوش رہو۔''

''شہرین۔ میرا خیال ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے کو سمجھ نہیں سکے۔ اسی لیے تو تمہیں شکایت ہوئی۔''

''نہیں باجی! کوئی شکایت نہیں۔ آپ ٹھیک ہو۔ میرا مطلب ہے کہ خدا کرے آپ کا یہ ٹور اچھا ہو۔'' جانے کیسے شہرین کے دل میں وقتی طور پر نرمی اتر آئی۔

''خوش رہو۔ نبیل عدیل۔ بھائی خدا حافظ۔''

فاطمہ پپا کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھی پھر مڑی۔ کجل اور مما سے لپٹ کر سب کچھ بھول گئی۔ اور جب ان کا طیارہ فضا میں بلند ہوا تو نیچے کھڑے اس کے پیاروں کو اپنی روح پرواز کرتی محسوس ہوئی۔ کجل نظر کی آخری حد تک دیکھتی رہی' گھر آ کر وہ کمرے میں بند ہو گئی۔

☆......☆......☆

''زیب! ذرا یہ کپڑے جلدی سے استری کر دو۔''

شعیب نے کپڑے اس کی طرف اچھالے۔ شذرا نے گھور کر شعیب کو دیکھا۔ دونوں بہنیں دکھ سکھ سن رہی تھیں کہ اس نے ڈسٹرب کر دیا۔

''ٹھیک ہے کر دیتی ہوں۔ آپ جائیں۔''

''بھئی کیا مطلب ہے کر دیتی ہوں۔ ابھی اٹھو۔''

شعیب جلدی سے آگے بڑھا اور بے تکلفی سے زیب کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔ زیب تو دھک سے رہ گئی۔ شذرا کو یہ حرکت اتنی بری لگی کہ فوراً باہر نکل گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔'' زیب نے جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔

''یار! کیا ہے۔ ہر بات پر ٹوک دیتی ہو۔ ہماری منگنی ہونے والی ہے۔'' شعیب نے ڈھٹائی سے کہا۔

''ہوئی تو نہیں۔ اور آئندہ مجھے مردانہ لفظ یار کہہ کر مخاطب مت کیجیے گا۔'' مجھے قطعی پسند نہیں' ہٹیے۔'' وہ اسے پیچھے دھکیلتی آگے بڑھنے لگی۔ تو وہ اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

''بہت بولنے لگی ہو' مت بھولو کہ یہ جرأت یہ اہمیت تمہیں میں نے دی اور دلوائی ہے اور تمہیں بہت باتیں کرنی آ گئی ہیں۔'' شعیب کو اپنی زبردست انسلٹ محسوس ہوئی۔

''نہ دیں مجھے یہ جرأت' عزت اور اہمیت۔ نہیں چاہئیں۔'' زیب اس کی اداکاری کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ اس نے مصلحتاً یہ خول چڑھا لیا تھا۔ مگر اس نے صرف ماں کی خاطر یہ زہر کا پیالہ منہ سے لگایا تھا' ورنہ وہ دن رات جیتی مرتی تھی۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ یہی الفاظ ابو' امی اور پھپھو کے سامنے کہہ دو۔ میں تمہیں کبھی کچھ نہیں کہوں گا۔'' اس وقت وہ اسے بہت برا لگ رہا تھا۔

''مجبوریوں کی بیڑیاں ہیں ناں ہمارے پیروں میں ورنہ۔''

''ورنہ۔'' وہ اس کے شانے تھامے پوچھ رہا تھا۔ مگر وہ کچھ بھی جواب دیے بغیر باہر نکل گئی۔ باہر آئی تو ایک دم فون کی بیل ہوئی۔ اس نے ریسیور کانوں سے لگا لیا۔

''ہیلو!''

''ہیلو زیب! حسن بات کر رہا ہوں۔''

''اوہو تو آپ کو بات کرنے کا خیال آ ہی گیا۔ مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے۔ آپ ایسا کریں دس بجے فون کریں۔ میں ہی ریسیو کروں گی۔''

''زیب! خیر تو ہے ناں۔'' حسن گھبرا گیا۔

''اسی لیے تو کہا ہے۔ رات کو فون کریں۔ خدا حافظ۔''

اس نے ریسیور جلدی سے رکھ دیا۔ واپس مڑی تو شعیب سر پر کھڑا شعلہ بار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''تو یہ سلسلہ ہے' بلال صاحب سے تعلق ہے۔ اور معصومیت کا لبادہ اوڑھے دوسروں کو بیوقوف بناتی رہتی ہو۔''

''ہر بیماری کا علاج ہے' مگر آپ کی اخلاقی پستی کا کوئی علاج نہیں۔''

''ہے۔ اور ایسا ہے کہ سب حیران......رہ جائیں گے۔ اب ہماری منگنی نہیں' براہ راست نکاح ہوگا۔ اپنے عاشق نامدار کو رات کو خوشخبری سنا دینا۔''

وہ انگارے چباتا اسے سلگتا ہوا چھوڑ کر باہر نکل گیا۔

''باجی! آپ تو اتنی کمزور نہیں تھیں۔ آپ نے کیوں تھپڑ نہیں مارا اس ذلیل کو۔''

شذرا کا تو یہی دل چاہ رہا تھا کہ شعیب کے منہ پر تھپڑ دے مارے۔

"ہونہہ تھپڑ! ہم اس قابل کہاں ہیں شذرا کہ اپنی مرضی سے ایک سانس بھی لے سکیں۔ اب تو اس نے سزا میں مزید سختی کر دی ہے کہ منگنی کے بجائے نکاح ہو گا۔"

زیب گو کہ ذہنی طور پر اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ مگر اس کی دہری شخصیت' باتوں کے تضاد سے کبھی کبھی اس کا جی چاہتا تھا۔ خود کو ختم کر لے۔

"کچھ نہیں ہو گا باجی! نہ نکاح نہ منگنی۔ آپ صاف انکار کر دیں بس۔"

اپنی بات کہہ دینے کا جو فن شذرا کو آتا تھا۔ شاید زیب اس سے واقف نہیں تھی' اور یوں بھی اسے شعیب سے پہلے اپنی ماں نظر آتی تھی' اور وہ سب کچھ کر سکتی تھی' ان کا مان نہیں توڑ سکتی تھی۔

"نہیں شذرا! اب ایسا سوچنا بھی نہیں۔" اس نے تر چہرا آنچل سے صاف کیا۔

"کیوں آخر کیا ہم نے منت مانی ہوئی ہے کہ ان کی غلامی میں زندگی بسر کرنا ہے۔ اب ایسا نہیں ہو گا باجی! ماشاء اللہ فرخ جوان ہو گیا ہے ہم خود کچھ کر لیا کریں گے' مگر ان کے پاس نہیں رہیں گے۔ آپ بس صاف کہہ دیں کہ۔ آپ اس مکار لومڑ سے ہرگز شادی نہیں کریں گی۔"

شذرا کی بات پر ٹھنڈی آہ بھر کر کتنی ہی دیر زیب اسے دیکھتی رہی۔

"ایسا ممکن نہیں میری بہن۔"

"کیوں آخر؟"

"اس لیے۔ اس لیے کہ امی نے اپنی قسم دے کر مجھ سے اقرار کروایا ہے اور ..... اور۔"

"اف میرے خدا ..... یہ امی نے کہا۔ کیوں؟" شذرا کو آج ہی یہ بات پتا چلی تو اس نے سر تھام لیا۔

"امی کیسی ماں ہیں کہ خود اپنے ہاتھوں زہر دیا ہے بیٹی کو۔ اس کے کرتوت جانتے ہوئے بھی۔"

اس کی نسیں درد سے پھٹنے لگیں۔

"امی بھی کیا کریں شذرا ماموں جان تو تمہیں پتا ہے۔ ہمیشہ سے ہمارے لیے سایہ دار درخت بنے رہے ہیں۔ مامی کو بھی اللہ تعالیٰ نے نیک ہدایت دی ہے۔ اور یہ بھی تو امی کے سامنے اپنے آپ کو فرشتہ بنا کر پیش کرتا ہے' پھر امی کیا کرتیں۔"

"اور بلال بھیا نے کچھ نہیں کہا۔"

"ہاں کہا ..... بہت کہا ..... طنز کیے ..... طعنے دیے ..... میری وفا پر شک کیا' یہ کچھ کم ہے۔"

بلال کے ذکر پر زیب کا دل دکھ گیا۔ اس کی مجبوری سمجھنے کے بجائے اس نے اسے غلط جانا' یہ اذیت کیا کم تھی اس کے لیے۔

"میں بلال بھیا کو ایسا نہیں سمجھتی تھی۔ شذرا کو بلال پر غصہ آ گیا۔

"ہماری سوچیں' اندازے سب غلط ہو جاتے ہیں شذو! اب تو میں نے ہر قسم کے حالات سے کمپرومائز کر لیا ہے۔ جب مقدر ہی میں یہ لکھا ہے تو۔"

"لیکن باجی! میں کسی سے کمپرومائز نہیں کروں گی نہ اس منحوس اسد سے اور۔"

باقی کی بات فائزہ کو اندر آتے دیکھ کر اس نے دبالی۔

"زیب! اس وقت حسن کا فون آیا تھا ناں' کیا کہہ رہا تھا؟" فائزہ کو تب سے بے چینی لگی ہوئی تھی۔

"جی ہاں۔ فون کس کا تھا اور آپ کے بھائی باجی پر الزام لگا رہے تھے کہ یہ بلال بھائی سے بات کر رہی ہیں حد ہے بے اعتباری کی۔"

"شذرا! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ فائزہ میری طرح بڑی بہن ہے تمہاری۔ یہ کیا انداز ہے بات کرنے کا۔ یہ بڑوں کی باتیں ہیں۔ تم مداخلت نہ کرو۔ چلو جاؤ کچن میں۔"

فائزہ کے ساتھ شذرا کا یہ انداز زیب کو بہت برا لگا۔ اس نے اسے ڈانٹ دیا۔ شذرا اٹھ گئی۔

"رہنے دو زیب! ابھی اس کی بدگمانیاں ختم نہیں ہوئیں۔ جانے دو شذرا' جاؤ پلیز' اچھی سی چائے تو بنا دو پیاری بہن۔"

فائزہ نے اٹھ کر اس کے رخسار پر پیار کیا تو شذرا کو اپنی بات پر ندامت سی ہونے لگی' وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"اب کیا ہو گا۔ بھیا کو شک ہو گیا ہے۔ ایسا کرو حسن کو فون کر کے منع کر دو کہ آج فون نہ کرے۔ کل تم میرے ساتھ یونیورسٹی چلنا اور۔"

"نہیں فائزہ۔ فون آنے دو۔ شعیب نے مجھ پر شک کیا ہے ناں۔ اور جب اس کا فون آئے گا تو وہ ایکسٹینشن سے ضرور سنے گا' اور جب سن لے گا تو مجھ سے حسن کے بارے میں ضرور پوچھے گا تب میں ساری بات اسے بتا دوں گی۔"

"سوچ لو۔ زیب! بھیا الٹے دماغ کے مالک ہیں۔" فائزہ گھبرا رہی تھی۔

"سوچ لیا ہے۔ تم فکر نہ کرو۔"

زیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ اسی وقت شذرا چہرے پر ندامت کے تاثرات لیے چائے لے کر آ گئی۔ چائے ایک طرف رکھ کر وہ فائزہ سے لپٹ گئی۔

"فائزہ باجی! مجھے معاف کر دیں۔ دراصل میں نے برائی کو زاہدہ مامی اور صائمہ باجی کے روپ میں اتنے قریب سے دیکھا ہے کہ اچھائی پر اعتبار آتا ہی نہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ جن حالات سے تم لوگ گزر رہے ہو۔ اس کے بعد ایسا رویہ تو جائز ہے۔ چلو اب نارمل ہو جاؤ۔ جاؤ منہ دھو کر آؤ۔ پھر تینوں بہنیں ٹیرس پر بیٹھ کر چائے پئیں گے۔"

"زیب! اس خوشی میں کہ شذرا ہماری دوست بن گئی ہے' مٹھائی ہونی چاہیے' منیب بھائی ذرا دکان تک تو چلے جاؤ۔"

فائزہ نے مسکرا کر شذرا کا چہرا صاف کیا اور وہیں سے منیب کو آواز لگائی' جو بلا اٹھائے باہر نکل رہا تھا۔ دس بجے حسن کا فون آیا تو شعیب کا کوئی دوست آ گیا۔ وہ اٹھ کر چلا گیا۔ زیب نے شکر کیا' اور حسن کو ساری حقیقت بتا دی۔

"یہ تو بہت بری خبر ہے زیب؟" حسن' فائزہ کے پروپوزل کے بارے میں سن کر پریشان ہو گیا۔

''اور ڈریں اس وقت سے جب آپ کو فائزہ کی شادی کا کارڈ موصول ہوگا۔''

''خدا نہ کرے زیب! کیسی بہن ہو۔'' زیب کی بات پر وہ کچھ خفا ہوگیا۔

''تو پھر جلدی کریں اور اپنے والدین کو جلدی سے ہمارے گھر لے آئیں۔''

یہ آخری جملہ ہی شعیب کی سماعتوں سے ٹکرایا اور قیامت برپا کر گیا۔ اور وہ تیر کی طرح زیب کی طرف بڑھا۔ ریسیور پٹخا اور زیب کے نازک رخساروں پر اس کا سخت ہاتھ نشان چھوڑ گیا۔ زیب تو اس حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھی۔ چکرا کر فائزہ کی بانہوں میں جھول گئی۔

''بے شرم لڑکی!''

''اپنی بکواس بند رکھیں بھیا! خبردار جو اس معصوم کو کچھ کہا ہو تو' وہ فون اس کے لیے نہیں میرے لیے آیا تھا۔ سمجھے آپ۔''

فائزہ کو غصہ تو اتنا تھا کہ ویسا ہی ایک تھپڑ اسے بھی رسید کر دے۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''

اور جب فائزہ نے جواب میں ساری بات بتادی تو شعیب چپ رہ گیا۔ ندامت کا شدید احساس اس کے اندر اتر لیا۔ پھر وہ بولا کچھ نہیں۔ روتی ہوئی زیب پر ایک شرمندہ سی نگاہ ڈال کر باہر نکل گیا۔

''زیب پلیز! بس کرو۔ مجھے معاف کردو۔ پتا ہے۔ حقیقت جان کر کتنے شرمندہ ہوئے ہیں۔ پلیز میری خاطر۔''

زیب نے بھیگی پلکوں کے ساتھ فائزہ کو دیکھا اور اٹھ کر واش روم میں گھس گئی۔

☆......☆......☆

طلال کی مہندی تھی۔ رابعہ بیگم تمام مصروفیات سے وقت نکال کر لڑکیوں کو لینے خود آگئیں۔ تو آسیہ بیگم کا منہ بن گیا۔

''ایسی بھی کیا جلدی۔ آجاتیں شام میں لڑکیاں۔''

''واہ آسیہ! کمال کرتی ہو۔ اصولاً تو تم سب کو کم از کم ہفتہ قبل آنا چاہیے تھا۔ اور آپ بھی مہمانوں کی طرح آنے کی بات کرتی ہو۔ چلو لڑکیو! جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ شنذرا تم کیسی ہو بیٹا! کافی کمزور لگ رہی ہو۔''

باتیں کرتے کرتے ان کی نظر شنذرا پر پڑی۔ جو میز پر کھانا لگا رہی تھی۔

''بس آنٹی! بخار آرہا تھا۔ تو اس وجہ سے شاید؟''

نسیمہ بیگم نے شکر کیا کہ شنذرا نے کچھ اور نہیں بک دیا۔

''تو چلو بیٹا! تیار ہو جاؤ۔ تمہارے طلال بھیا کی مہندی ہے آج۔''

رابعہ بیگم نے کہا تو اس نے چونک کر ان کو دیکھا۔ وہ وہاں جانا ہی نہیں چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا۔ زاہدہ بیگم اپنی چھچھوری حرکتوں اور قہر برساتی نظروں اور باتوں کے ساتھ وہاں موجود ہوں گی اور سب سے بڑھ کر اسد کو تو وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتی تھی اور یوں بھی وہ بلال سے سخت خفا تھی اس لیے وہ نہیں جانا چاہتی تھی۔

''سوری آنٹی! میں تو نہیں جاسکتی۔ البتہ زیب باجی اور فائزہ باجی کو کہہ دیتی ہوں۔''

''نہیں۔ کوئی ایکسکیوز نہیں چلے گا۔ شاباش سارے بچے تیار ہو جائیں۔''

اور پھر وہ انکار ہی کرتی رہ گئی مگر رابعہ بیگم نے ایک نہ مانی۔ جمال گاڑی لے کر آگیا تو سب باہر نکلنے لگیں۔

''زیب۔'' زیب نے مڑ کر دیکھا تو شعیب رعونت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تم نہیں جاؤ گی۔'' اس نے تحکم آمیز لہجے میں کہا تو فائزہ کو بھی برا لگا۔

''مگر کیوں ہم سب جا رہے ہیں۔ مامی آئی ہیں۔ طلال بھائی کی مہندی ہے۔ زیب ضرور جائے گی۔''

''چلیں جی۔''

فائزہ نے بھائی کو سرزنش کی۔ شنذرا نے شعیب کو گھورا اور خاموش کھڑی زیب کو گاڑی کی طرف بڑھایا۔ مگر شعیب جلدی سے آگے بڑھا اور بے تکلفی سے زیب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر فائزہ اور شنذرا کی طرف گھوما۔

''فائزہ! کیسی بہن ہو کہ بھائی کی ان کہی بات بھی نہیں سمجھ سکتیں۔ ارے بابا! زیب ضرور شریک ہوگی۔ لیکن میں تقریب کے وقت میرے ساتھ آئے گی' کیوں زیب ٹھیک ہے ناں۔''

شعیب نے یوں ملائم نظروں سے زیب کو دیکھا' جیسے وہ واقعی اس سے دلی طور پر متفق ہو۔

''نہیں باجی ہمارے ساتھ ہی جائیں گی۔'' شنذرا نے بچوں کی طرح ضدی انداز میں زیب کو اپنی طرف کھینچا۔ شعیب کو اس کی حرکت پر غصہ تو بہت آیا۔ مگر ضبط کر گیا۔

''شنذرا! ایسی باتیں مت کرو کہ ہمیں زاہدہ چچی کی ہر بات پر اعتبار آ جائے۔'' بہت سرد گہرے لہجے میں کہی گئی بات شنذرا کو جھلسا کر رکھ گئی۔ جی میں تو آیا کہ منہ توڑ کر رکھ دے اس کا۔ اور کہے کہ اعتبار کرو نہ کرو۔ میری بلا سے' مگر زیب نے منت بھری نظروں سے اسے دیکھا تو وہ سب سے پہلے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

''ارے شنذرا! کتنا بدل گئی ہو تم۔ کتنے عرصے بعد ملیں۔''

ندا اور ردا کی تو شروع سے دوستی تھی اس سے' بہت خوش ہوتی تھیں اسے دیکھ کر۔

''ہاں وقت کے ساتھ تبدیلیاں تو آتی ہیں انسان میں۔ تم لوگ کیسے ہو؟ کتنی تیاری کی ہے مقابلے کی۔''

''تیاری کیا خاک ہوئی ہے۔ قسم سے لڑکیاں اس قدر ایکٹنگ کرتی ہیں' سارا وقت گلے پھاڑ پھاڑ کر تیاری کرتی ہیں' اور جب موقع آتا ہے لڑکوں کے ہاتھوں میں کیمرے دیکھتی ہیں' گانا چھوڑ چھاڑ کر نیلی پیلی بننے لگتی ہیں۔''

ردا کو اپنی دوستوں پر غصہ آرہا تھا' جو کئی روز...... سے گانے کی پریکٹس کرتے کرتے عین وقت پر ساتھ چھوڑ گئی تھیں۔

''خیر چلو آؤ۔ مزا تو اب آئے گا ناں اپنی بہنیں گائیں گی سہرا۔''

ندا نے اسے گھسیٹ کر ڈھولک پر بٹھا دیا۔
"ندا! مجھے کہاں آتی ہے ڈھولک بجانی میں۔" شنذرا چپ ہو گئی۔
"چلو نہ بجاؤ۔ بس میرے ساتھ بیٹھی رہو۔"
پھر ندا اروا کی سہیلیاں بھی آ گئیں' خوب شور ہنگامہ ہو گیا۔ اتنے دنوں بعد خوشی کے یہ رنگ شنذرا کو بہت بھلے لگ رہے تھے۔ وہ تالیاں بجاتے بجاتے۔ اس کی نظر دروازے کے سامنے سے گزرتے بلال پر پڑی' اس نے بھی سے دیکھا اور اشارے سے باہر بلایا مگر وہ خفگی کی وجہ سے نہیں گئی۔
"شنذرا! تمہیں بلال بھیا بلا رہے ہیں جاؤ۔" ردا نے براہ راست آ کر کہا' تو اسے اٹھنا ہی پڑا۔
"کیسی ہو شنذرا؟" وہ منہ پھلائے سلام دعا کے بغیر کھڑی ہو گئی۔
"ٹھیک ہوں۔" مختصر سوال کا جواب بھی مختصر ملا۔
"میں نے کئی بار اشارے کیے' تمہیں بلایا۔ مگر تم نہیں آئیں۔ تم تو ایسی نہ تھیں۔"
بلال کو واقعی اس کی اس حرکت پر افسوس ہوا تھا۔
"آپ بھی تو ایسے نہ تھے۔ بہت بدل گئے ہیں۔ آپ پر تو بہت مان تھا مجھے' بہت اعتماد تھا مگر۔" اس کی آنکھیں جھلملا اٹھیں۔
"شنذرا! میں نے کسی کے مان کو نہیں توڑا۔ کسی کا اعتماد مجروح نہیں کیا۔ دل تو میرا ٹوٹا ہے' اعتماد تو میرا مجروح ہوا ہے' مگر میں کس سے شکوہ کروں کہ جن پہ تکیہ تھا۔"
بلال بھی ایک عرصے سے دل کی بھڑاس نکالنا چاہتا تھا۔ مگر کوئی ایسا ہمدرد دوست نہیں مل رہا تھا شنذرا سے تو اس کی سدا کی دوستی تھی۔
"بلال بھیا! آپ تو باجی کو اس قدر چاہتے تھے پھر اتنی آسانی سے آپ نے اپنی چاہت ایک چھچھورے بندے کے حوالے کیسے کر دی؟"
شنذرا کے دل کا درد لبوں پر آ گیا تو وہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔
"ہونہہ آسانی۔ شنذرا تمہیں کیا پتا کہ مجھ پر کیا گزری ہے۔"
"پھر آپ نے کچھ کیوں نہیں کیا۔ کیوں یہ سب ہونے دیا؟ آپ چاہتے تو دیوار بن سکتے تھے مگر۔"
"ہاں' بن سکتا تھا میں دیوار مگر۔ جس کے لیے دیوار کھڑی کرنا چاہتا تھا۔ وہی اسے دھوکا دے کر گزر رہی تھی' تو میں کیا کرتا۔ مجھ سے سرزنش سے قبل تم اپنی بہن سے بھی پوچھ لیتیں تو مجھ سے ہرگز یوں جواب طلب نہ کرتیں۔"
بلال کی نگاہوں کے سامنے وہ ہوٹل والا منظر گھوم گیا۔ جہاں اس نے خود اپنی آنکھوں سے دونوں کو ہنستے بولتے کھانا کھاتے دیکھا تھا۔
"کیا مطلب ہے آپ کا؟" شنذرا کچھ نہ سمجھ سکی تو جواباً بلال نے ساری بات بتا دی۔
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے بلال بھیا؟ باجی کبھی بھی اس مکار آدمی کو پسند نہیں کر سکتیں۔ وہ تو امی نے اپنی قسم دے دی تھی تو ان کو بھی۔"
"میں بھی اسی قسم کی وجہ سے مجبور ہو گیا تھا شنذرا! مگر یہ اعتماد تو تھا کہ وہ مجبور کر دی گئی ہے۔ مگر

مجبوری میں یوں ہونق نہیں ہوتی۔ شنذرا! شاپنگ نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ فون پر اس نے صاف مجھ سے کہہ دیا کہ وہ بے حد خوش ہے' اور جو کچھ ہوا' اس کی خوشی سے ہوا ہے' اور اب دیکھو سب آئے ہیں مگر وہ۔"
بلال کو اس کے نہ آنے کا بے حد ملال تھا۔
"وہ تو آ رہی تھیں' مگر شعیب صاحب نے کہہ دیا کہ وہ دونوں تقریب کے وقت آئیں گے۔"
"منگنی نہ نکاح اور محترمہ ابھی سے اس حد تک محکوم ہو گئیں کہ۔" بلال سخت بدظن تھا زیب سے۔
"خیر محکوم تو بلال بھیا۔ ہم ہر اس بندے کے ہیں' جس نے ایک نوالہ بھی ہمیں کھلایا ہے تو شعیب صاحب تو۔ باجی ایسی کیوں ہو گئی ہیں' ان کو تو نفرت تھی شعیب سے پھر۔" شنذرا کو بلال پر بہت غصہ تھا۔ وہ اس سے خوب لڑنا چاہتی تھی' مگر اب ہتھیار ڈالے سوچ میں گم ہو گئی تھی۔
"نفرت کو محبت میں بدلتے دیر ہی کتنی لگتی ہے شنذرا! مجھے اس سے بھی کوئی شکوہ شکایت نہ ہوتی' اگر وہ شعیب کے ساتھ اپنی دلچسپی کا اظہار نہ کرتی تو میں اسی بات پر صبر کر لیتا' کہ وہ پھپھو کی قسم کی وجہ سے مجبور ہو گئی تھی مگر۔"
زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔ زیب کی بے وفائی نے اسے بہت دکھ دیا تھا۔
"پتا نہیں' کیا چیز ہے یہ شعیب۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا رہتا ہے۔ امی اور ماموں' مامی کے سامنے فرشتہ بنا رہتا ہے' جبکہ۔"
"خیر چھوڑو' اس کا ذکر کو۔ بتاؤ تمہارا کیا حال ہے۔"
"وہی حال بھیا جو ایک زخمی لاچار پرندے کا ہوتا ہے۔ قفس تبدیل ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" شنذرا آہ بھر کر رہ گئی۔
"تو تم یہاں ہو۔ حد ہو گئی شنذرا! مہمان آنے والے ہیں' اور تم بلال بھیا کے ساتھ یہاں گپیں ہانک رہی ہو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔"
ندا اس کی تلاش میں یہاں آ نکلی تھی۔
"تیار..... میں تیار تو ہوں۔" شنذرا نے حیرت سے کہا۔
"میں تیار تو ہوں۔"
ندا نے سر سے پیر تک اسے گھورتے ہوئے نقل اتاری' جو خود سبز جھلملاتے لباس اور فل میک اپ میں کچھ اور ہی لگ رہی تھی۔
"ہاں تو۔"
شنذرا نے سب سے بہترین جوڑا نکال کر پہنا تھا۔ اب جیسے وہ لوگ کپڑے بناتی تھیں' ویسے تو وہ نہیں بنا سکتی تھی۔
"قسم سے شنذرا ہاتھ لگا دوں گی تمہیں۔ ہم لوگ دولہا کی بہنیں ہیں۔ دلہن والوں کو پتا تو چلے کہ دولہا کی بہنیں کیسی ہیں' چلو شاباش۔"
ندا مستقل اسے تیار ہونے کو کہہ رہی تھی۔ اور وہ اجتناب کر رہی تھی۔
"ندا! میرے پاس اتنے شوخ کپڑے ہیں ہی نہیں' اور نہ مجھے یہ جھلملاہٹ..... پسند ہے۔"

"نہ ہونے کا بندوبست تو ہے اور رہی پسند تو وہ جائے بھاڑ میں چلو آؤ۔"

ندا لوتی جھگڑتی شنذرا کو لے گئی۔ بلال وہیں لان میں ٹہلتا رہا۔ وہ ایک عجیب سی اداسی محسوس کر رہا تھا۔ اندر جانے کے لیے پلٹنے لگا تھا کہ گاڑی گیٹ کے پاس آ کر رکی۔ وہ اس خیال سے کہ مہمان آئے ہیں۔ آگے بڑھا مگر جیسے زمین نے پاؤں جکڑ لیے ہوں۔ گاڑی شعیب کی تھی۔ فرنٹ سیٹ پر سبز جھلملاتے لباس میں زیب بیٹھی تھی۔ شعیب نے بلال کو سامنے دیکھا تو خوامخواہ ہی ہنس پڑا۔ اور زیب سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بے تاثر چہرا لیے سامنے دیکھتی رہی۔ وہ اترنے لگی تو شعیب نے روک دیا۔

"آں...... آں ارے بھئی اتنے ارمانوں سے تمہارے لیے گجرے لیے ہیں۔ لاؤ۔ میں خود پہناؤں گا۔ واہ کیا خوشبو ہے میرے ارمانوں کی طرح۔"

گجرے راستے سے ایک بچے سے اس نے خریدے تھے تو سوچا نہیں تھا کہ خود پہنائے گا۔ مگر اب چویشن ہی ایسی مل گئی تھی کہ اسے مزا آ گیا تھا جلانے کا۔ زیب نے ابھی بلال کو نہیں دیکھا تھا۔ اسے شعیب کی یہ حرکت بہت ناگوار گزر رہی تھی۔

"یہ دے دیں۔ میں خود پہن لوں گی۔" اس نے اس کے ہاتھوں گجرے پہننے سے صاف انکار کر دیا۔ شعیب کو تاؤ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا۔

"ارے لاؤ بھئی تنہائی کے ایسے سنہری موقعے کب میسر آتے ہیں۔"

شعیب نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور گجرے اس کی نازک کلائیوں میں لپیٹنے لگا۔

"آئیں محترمہ! اب جلدی کریں۔"

وہ گاڑی کا دروازہ اس کے لیے کھولے کھڑا تھا۔ زیب جیسے ہی باہر آئی۔ اس کی پہلی نظر گلاب کے پودوں کے قریب کھڑے بلال پر پڑی ایک سرد سی لہر اندر تک اتر گئی۔ وہ سمجھ گئی کہ شعیب نے صرف بلال کو جلانے کے لیے یہ ڈراما رچایا تھا۔

"پتا ہے زیب! میں نے سوچا ہے کہ منگنی کا جھنجھٹ پالنے سے بہتر ہے کہ براہ راست شادی ہو جائے۔ ٹھیک ہے ناں۔ اچھا رونمائی کے لیے اپنی پسند ضرور بتا دینا۔ ارے بلال کیا حال ہیں بھئی؟ مبارک ہو بہت بہت۔"

شعیب جان بوجھ کر اونچی آواز میں بلال کو سنانے کی غرض سے بولتا ہوا آ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر گلے لگ کر اسے مبارکباد دینے لگا۔

"شکریہ...... لگتا ہے۔ اب تم بھی جلدی ہی ہمیں کارڈ دے کر مبارکباد وصول کرنے کا پروگرام بنا رہے ہو۔"

بلال نے تیکھی نظروں سے زیب کی طرف دیکھا۔ جو اس شخص کو دیکھ کر رہ گئی۔ جسے اس نے بڑے خلوص سے چاہا تھا۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے حسین خواب دیکھے تھے۔ اسے افسوس تھا تو اس بات کا کہ بلال نے اسے چاہا ضرور مگر سمجھا نہیں۔ وہ جو اس کی مجبوریاں سمجھنے کے بجائے اس پر طنز کر رہا تھا۔ اس کا رویہ اسے دکھی کر گیا۔

"ہاں انشاء اللہ جلدی میں نے سوچا ہے۔ منگنی وغیرہ میں وقت برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ میں بھی فارغ ہو چکا ہوں تو۔ پھر دیر کیوں کی جائے۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ زیب بھی میری بات سے

متفق ہے کیوں زیب۔"

شعیب نے بڑی لگاوٹ کے انداز میں زیب کی طرف دیکھا۔

"زیب سے تصدیق کروانے کی کیا ضرورت ہے ساری بات تو مہکتے گجرے ہی بتا رہے ہیں۔ چلو تم لوگ۔ میں آتا ہوں۔"

بلال نے اس کی کلائیوں پر نظریں جما کر کہا تو زیب دل تھام کر رہ گئی۔ شعیب کے پیچھے چلتے چلتے مڑ کر اسے دیکھا مگر بلال نے فوراً منہ دوسری جانب کر لیا تو زیب کو مڑ کر دیکھنے کا افسوس ہونے لگا۔

☆......☆......☆

"کیا کہا تمہارا کیا مطلب ہے؟ میں یہ اس قدر جھلملاتا ہوا لباس پہنوں گی۔" شنذرا نے اورنج کلر کا شرارہ پہننے سے صاف انکار کر دیا۔

"جی ہاں۔ آپ ہی زیب تن کریں گی۔ لڑکی! تم سمجھتیں کیوں نہیں۔ دلہن والے کیا سوچیں گے۔ چلو شاباش جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔ تمہارا میک اپ بھی میں خود کروں گی۔"

اور پھر وہ نہ۔ نہ ہی کرتی رہ گئی۔ مگر ندا نے اسے تیار کر ڈالا۔

"ارے تم لوگ ابھی تیار نہیں ہوئیں اور لڑکے چلا رہے ہیں گاڑیاں آ گئی ہیں۔"

"شنذرا! یہ تم ہو۔ واؤ بہت پیاری لگ رہی ہو۔ ویسے یہ بات ہے درست جو لڑکیاں عام طور پر سادہ رہتی ہیں۔ کبھی کبھی بن سنور کے بہت حسین لگتی ہیں۔"

روا نے شنذرا کو بے ساختہ پیار کر لیا۔ جس کی شہابی رنگت پر شوخ رنگ کا شرارہ بہت سوٹ کر رہا تھا۔ تو وہ جھینپ گئی۔

"ارے بھئی لڑکیو! کیا پروگرام ہے تم لوگوں کا۔ اطلاعاً عرض ہے کہ ہمیں آج ہی مہندی لے کر جانا ہے اور آج ہی واپس آنا ہے۔ ون ڈے میچ ہے۔ پانچ روزہ ٹیسٹ میچ نہیں۔ آ جاؤ اب۔"

جمال اور منیب وغیرہ مستقل ان کو تنگ بھی کر رہے تھے اور وقفے وقفے سے دروازہ بھی پیٹ رہے تھے۔

"بس جمال بھیا! انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں۔ ہم آ رہے ہیں۔ دل سنبھال لیں سب۔"

ندا نے اندر سے شوخی سے کہا تو منیب نے خوش ہو کر جمال اور فرخ کی طرف دیکھا۔

"یار جمال! دل جگر نظر سب سنبھال لو۔ لڑکیاں یعنی کہ ہمارے خاندان کی لڑکیاں جن سے پہلے ہی چڑیلیں ڈرتی ہیں آج۔ آج تو سولہ سترہ سنگھار کر کے آ رہی ہیں۔" منیب شوخی سے بول رہا تھا۔ ندا اور منیب کی کبھی آپس میں بنی ہی نہیں تھی۔

"یہ مینڈک کہاں ٹرا رہا ہے۔"

ندا نے باہر آتے ہی اس کے سنورے بال ہاتھ مار کر خراب کر دیے۔

"تمہارے جوڑے میں۔" منیب نے اس کے بڑے سے مصنوعی جوڑے کی طرف اشارا کیا۔

"خبردار جو میرے جوڑے کی طرف بری نظر بھی ڈالی ہو تو۔"

ندا کے اپنے ذاتی بال بہت چھوٹے تھے جبکہ اسے لمبے بال اور جوڑے بہت پسند تھے۔ اہم تقریبات پر وہ مصنوعی بالوں ہی کا سہارا لیتی تھی۔

''ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بندر کے بالوں سے بنے جوڑے پر نظر رکھیں۔ ہم تو تمہارے جوڑے سے جھانکتی ہوئی چھپکلی کو دیکھ رہے ہیں۔ جو ہمیں ٹاٹا کر رہی ہے۔ وہ دیکھو جمال کیسے چپکی ہوئی ہے۔''

منیب نے جمال کو پکڑ کر بالکل ایسے ہی کہا جیسے وہاں چھپکلی ہو۔

''کہاں سے لے لیا ہے تم نے جوڑا۔ نجانے کب کے رکھے ہوتے ہیں۔ ابھی تو صرف چھپکلی نظر آئی ہے اور نجانے خیر ہمیں کیا' سر بھی اس کا' جوڑا بھی اس کا۔''

جمال نے بھی منیب کی شرارت کا بھرپور ساتھ دیا۔

''دیکھو' مجھے وہم میں نہ ڈالو۔ جھوٹ بول رہے ہو تم۔''

وہمی طبیعت' ندا کے دل میں وہم بیٹھ جائے تو وہ تسلی کیے بغیر کہاں چین سے رہتی۔

''نہ مانو ہمیں کیا۔ کیوں منیب۔''

''بالکل۔'' دونوں مستقل اسے شک میں ڈال رہے تھے' اور چونکہ اس نے ایک کہانی' ایک ایسا واقعہ پڑھا تھا مصنوعی جوڑے کا...... تو وہ خوف زدہ ہو گئی۔ اس نے اتنی محنت سے بنایا ہوا جوڑا اتار' دیکھا جب کچھ نہ نکلا تو اسے شدید غصہ آ گیا۔

''تم دونوں بہت ذلیل ہو' کچھ بھی نہیں ہے اس میں۔''

ندا نے جوڑا ہی دونوں کو اٹھا کر مار دیا۔ جسے منیب نے کیچ کر لیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے' تم لوگ تیار نہیں ہوئے۔ ابو خفا ہو رہے ہیں۔ اور تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟''

بلال نے آ کر سب کو ڈانٹا' پھر منیب کی طرف مڑا جس کے ہاتھ میں جوڑا تھا۔

''جوڑا ہے جی۔''

''تو ہاتھ میں کیوں پکڑ رکھا ہے۔ لگاؤ جلدی کرو۔''

بلال نے بے دھیانی میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔ منیب شرمندہ سا ہو گیا۔

''یہ زاہد و آنٹی وغیرہ کیوں نہیں آئے۔'' ردا نے شذرا کا دوپٹہ درست کرتے ہوئے پوچھا' تو شذرا کے دل سے دعا نکلی' خدا کرے وہ لوگ نہ ہی آئیں۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے' کہ وہ لوگ نہ آئیں۔ نیچے آ چکی ہیں۔ اپنی تین عدد بیٹیوں اور ایک عدد بیٹے کے ہمراہ۔''

''اچھا صائمہ باجی نے کیا پہنا ہے۔'' ندا نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ارے صائمہ باجی تو لائنس مار رہی ہیں۔ کیو اٹ زیب تن کر رکھا ہے' اور شدید ترین میک اپ کے ساتھ اچھی لگ رہی ہیں۔''

''خیر ہیں تو بہت پرکشش' اور صبا' ہما۔''

ندا اپنے بال سنوارتے ہوئے مستقل ان کے متعلق پوچھے جا رہی تھی۔ اور شذرا کو کوفت ہو رہی تھی اس ذکر سے۔

''وہ دونوں تو سمپل سی ہیں۔ ارے شذرا! یہ کیا کر رہی ہو۔ اتنی اچھی لٹ کو چٹیا میں کیوں گھسا رہی ہو۔'' ردا نے جلدی سے اس کی لٹ دوبارہ باہر نکال دی۔

''کوفت ہوتی ہے۔''

''کوئی کوفت نہیں ہوتی کیا خبر کوئی اس...... سنہری لٹ کا اسیر ہو جائے۔''

''ارے ہاں۔ ندا آج وہ اسد بھیا بڑا...... غضب ڈھا رہے ہیں۔ سچ بہت اسمارٹ لگ رہے ہیں آج تو۔''

''ردا! لگتا ہے آج تو ان لوگوں کی تعریف کے تمہیں اچھے خاصے روپے ملے ہیں۔'' شذرا نے چڑ کر ٹوک ہی دیا۔

''تمہیں برا لگا۔ خیر وہ اس قابل تو نہیں کہ ان کی تعریف کی جائے۔ مگر اسد بھیا تو بہت اچھے ہیں۔''

''میرا خیال ہے۔ ہمیں اب چلنا چاہیے۔'' شذرا کو اسد کی تعریف تیر کی طرح لگی۔ وہ لوگ جب نیچے آئیں تو اتفاق سے اسد ہی پہلے ٹکرا گیا۔ اسد نے ہمیشہ شذرا کو روتے دھوتے یا غصے میں شعلے برساتے دیکھ رہا تھا' آج بالکل دل کش اور مختلف روپ میں نظر آئی تو کچھ دیر کے لیے وہ دیکھتا رہ گیا۔ شذرا نے ایک نخوت بھری نگاہ اس پر ڈالی اور ہٹ کر کھڑی ہو گئی۔

''تم لوگ نیچے آ گئی ہو' اور صبا' ہما تم لوگوں کو دیکھنے اوپر گئی ہیں۔''

''اُفوہ شذرا! تم رکو۔ میں ابھی ان کو لے کر آئی۔''

اسد کی اطلاع پر ندا اوپر چلی گئی۔ شذرا اور اسد اکیلے رہ گئے۔ یہ بات شذرا کو کب گوارا تھی۔ وہ اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔

''شذرا۔ آئی مس یو۔''

☆......☆......☆

اسد کی اس بات پر شنذرا تیورا کر مڑی تا کہ کرارا سا جواب دے۔ وہ شوخ دل جلانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر لیے اس کے قریب آ گیا۔

"کتنی خوشی ہوئی ہے ناں میرے منہ سے یہ جملہ سن کر۔" شنذرا کا چہرا غصے سے تپ گیا۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتی وہ بول پڑا۔

"کسی خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ الفاظ میرے نہیں ہیں بلکہ آپ کے چاہنے والے جواد صاحب کے ہیں جو لندن میں بیٹھے آپ کو مس کر رہے ہیں اور مس یو کا کارڈ لکھ بھیجا۔ جواباً تم بھی آئی مس یو کا کارڈ بھیج دو اچھا سا۔ ایک روتی دھوتی لڑکی جو دروازے میں کھڑی انتظار کر رہی ہے اور۔"

"بکواس بند کرو۔" اس کی قوت برداشت کب تک اس کا ساتھ دیتی۔ ایک تو اسے جواد پر غصہ آ رہا تھا جس نے اسے کارڈ بھیجا تھا۔ دوسرا اسد کے انداز پر اس نے کارڈ اسد کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"تم نے اسے کھولا کیوں؟" وہ بغیر لفافے کے کارڈ دیکھ کر غصے سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں ہے تو یہ غیر اخلاقی حرکت۔ کسی کا لیٹر نہیں کھولنا چاہیے۔ مگر میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ جواد صاحب نے تمہیں مس کس انداز میں کیا ہے۔" وہ دل جلانے والے انداز میں بولا۔

"پھر دیکھ لیا ٹھنڈ پڑ گئی ایک جملے کے سوا کچھ نہیں اس میں۔"

"ارے شنذرا مراد! تم کیا جانو اسی ایک جملے میں تو ہے سب کچھ۔ بات صرف محسوس کرنے کی ہے۔ زندگی کے کسی موڑ پر اس بات کو محسوس ضرور کرنا۔"

اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ اور گلدان مار کر اسد کا سر توڑ دینے کی حسرت شنذرا کے دل میں رہ گئی۔ اس کا موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔ اب تو جانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔ ایک تو اسے بھاری بھرکم لباس نے تنگ کر رکھا تھا۔ وہ تبدیل کرنا چاہتی تھی۔

"ندا! میں یہ لباس تبدیل کرنا چاہتی ہوں۔" وہ ندا سے منت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"کیوں بھئی کیا تکلیف ہے آپ کو؟" ندا نے گھورا۔

"بھئی اس لیے کہ یہ لباس ان پر قطعی سوٹ نہیں کر رہا۔ تمہارا سوٹ تم پر ہی جچتا ہے یہ مخملی نرمی کو کیا جانیں۔ یہ تو اپنی حیثیت کے مطابق چیتھڑوں میں ہی جچتی ہیں۔"

اسے جلانے میں جو لذت اسد کو محسوس ہوتی تھی۔ وہ کوئی اور محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ کمرے میں موجود اسد کی بات سب کو ناگوار گزری تھی۔

"شنذرا! ہو جائے ایک راکٹ لانچر۔" جمال نے شنذرا کی طرف دیکھا جس کا چہرا غم و غصے

سے سرخ ہو رہا تھا۔

"ہونہہ! میں گھٹیا لوگوں کے منہ لگنا اپنی توہین سمجھتی ہوں۔"

شنذرا نے انتہائی سخت لہجے میں کہا تو اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں کچھ دیر کے لیے سرد لہر اسد کے اندر سرایت کر گئی۔ مگر وہ سخت بات کہتے کہتے رہ گیا۔ شنذرا بھاری کام والا دوپٹہ سنبھالتی باہر نکل گئی۔ سامنے سے زاہدہ بیگم اور صائمہ آ رہی تھیں۔ اسے یوں سجے اور دل کش روپ میں دیکھ کر ماں بیٹی نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ شنذرا سلام دعا کیے بغیر بلکہ بطور خاص ان کو نظر انداز کرتی آگے بڑھ گئی۔

"کسی کی اترن زیب تن کر کے کیا کسی کا مزاج اتنا چڑھ سکتا ہے کہ بڑوں کا احترام ہی ختم ہو جائے اور سلام دعا سے بھی جائے۔"

شنذرا کا یوں نظر انداز کرنا صائمہ اور زاہدہ بیگم کو زہر لگا تھا۔

"رہنے دو بیٹی! بدزبان خود سر لڑکی ہے۔ اب شادی والے گھر میں پھٹ پڑے گی تو۔"

زاہدہ بیگم اسے نفرت سے دیکھتی آگے بڑھ گئیں۔

"توپوں کا رخ کس طرف ہے؟ اوہ اچھا شنذرا تھی زیر عتاب۔" شعیب نے کمرے سے نکلتی شنذرا کو دیکھ لیا تھا۔ وہ چائے کا کپ لیے صائمہ کی طرف آ گیا۔

"تم آج کل بہت اونچی پرواز رہے ہو۔ سنا ہے۔ اب منگنی کے بجائے نکاح کر رہے ہو۔"

"ہاں درست سنا ہے تم نے۔"

"ویسے حیرت ہے اور داد دینی پڑتی ہے تمہیں شوبی! کس کمال سے تم نے بلال کا پتہ صاف کر کے اپنا آپ منوالیا۔ خیر یہ بتاؤ۔ بنورانی کے دل میں بھی جگہ بنائی ہے کہ ابھی تک وہاں بلال صاحب ہی براجمان ہیں۔"

"دل کا بھید تو اللہ ہی جانتا ہے صائمہ ڈیئر۔"

"اس کا مطلب ہے اس کے دل تک رسائی ممکن نہیں ہو سکی۔ رعب سے ہی گزارا ہو رہا ہے۔" وہ اسے چڑانے والے انداز میں بولی۔ وہ بھی عجیب فطرت کی مالک تھی۔

"مجھے چھوڑو۔ یہ بتاؤ تم نے بلال کے دل تک رسائی حاصل کر لی ہے؟"

اپنی طرف آئے طنز کے تیر کا رخ شعیب نے اس کی جانب موڑ دیا۔ وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"فضول بات ہے یہ بتاؤ۔ وہ تمہارا کلاس فیلو تھا ناں عامر شیخ۔ کیسا لڑکا ہے؟"

"بہت اچھا۔ مگر لڑکیوں کو تائیوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔ روز بدلتا ہے۔ اور تم محتاط رہنا۔ اس کے قریب نہ جانا۔"

"کیوں کاٹ کھائے گا؟" صائمہ کی ڈھٹائی پر شعیب کو شدید غصہ آیا۔ مگر اس نے جواب دینا پسند نہیں کیا گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"ہونہہ۔ جل گئے۔" وہ زیر لب کہہ کر خود ہی ہنس پڑی۔

☆......☆......☆

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا!
جو چیرا تو اک قطرۂ خون کے سوا کچھ نہ نکلا

''تف ہے تم لوگوں پر مہینہ بھر سے بھاں بھاں کر کے کان کھالیے تھے کس لیے؟''

''اس شان سے ہارنے کے لیے۔''

''ہونہہ! کیا دعوے تھے۔ ان کے چھکے چھڑا دیں گے۔ طوطے اڑادیں گے۔ چھکے چوکے تو انہوں نے لگائے اور یہ لوگ کریز جاتے ہی کلین بولڈ ہو کر منہ لٹکائے آ گئیں۔'' ''پتا ہے۔ ان کے لڑکوں نے ہمیں کتنا ذلیل کیا ہے۔''

وہ لوگ مہندی کے مقابلے میں کیا ہار کر آ گئی تھیں۔ لڑکوں نے ان کی شامت بلادی تھی۔

''ہم لوگ کیا کرتے' وہ لوگ اتنی تیز جو تھیں۔'' لڑکیاں کھسیانی بھی تھیں اور افسردہ بھی۔

''چپ رہو۔ تیز تھیں۔ تم لوگوں کو بھی اپنی قینچیاں تیز کروا لینی تھیں۔'' زہر لگ رہی تھی وہ بندریا مجھے اچھل اچھل کر گلا پھاڑ کر گا رہی تھی۔ آسمان پر بادل ہیں۔ دولہا والے پاگل ہیں۔ اور جب میں نے سہمی بیٹھی صدف اور ردا سے اشارے سے کہا کہ جواب دو تو محترمائیں حلق پھاڑ کر ان کی طرف سے شروع ہو گئیں' آسمان پہ بادل ہیں۔ دولہا والے پاگل ہیں۔'' منیبہ نے صدف اور ردا کی طرف اشارا کیا تو سب ان کو گھورنے لگے۔

''ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے اشارے کا کیا مطلب ہے۔'' دونوں منمنائیں۔

پھر کتنی ہی دیر لڑکے لڑکیوں کو لعن طعن کرتے رہے اور وہ کھسیانی ہوتی رہیں۔

''فائزہ! اٹھو بھئی کافی دیر ہو گئی ہے' ایک بج رہا ہے۔ امی نے کہا تھا۔ جلدی آ جانا۔''

''آپ کو جانا ہو تو جائیں' نہ فائزہ باجی جائیں گی اور نہ زیب باجی اور شنذرا۔''

ندا اور ردا نے شعیب کو صاف انکار کر دیا۔

''ندا! دیکھو۔ امی اور پھپھو کہاں کام کر سکتی ہیں۔ ان کا بھی تو خیال رکھنا ہے۔'' شعیب نے زیب کی طرف دیکھا جو اٹھ ہی رہی تھی۔ بلال کو شدید تاؤ آ رہا تھا زیب پر۔

''اچھا چلو۔ آدھی لڑکیاں رکھ لو۔ زیب تم تو چلو۔''

شعیب نے براہ راست زیب سے کہا تو شنذرا کو آگ لگ گئی۔ وہ تو پہلے ہی اٹھ رہی تھی۔

''ہرگز نہیں۔ یعنی کہ آپ جان محفل کو لے جائیں گے تو باقی کیا رہے گا۔ آپ اکیلے جائیے۔ ہمارا رت جگے کا پروگرام ہے۔ امی منع کریں ناں شوبی بھیا کو۔''

ندا نے زیب کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

''لڑکیاں درست کہہ رہی ہیں شوبی! اتنی قریبی شادی میں تو رشتے دار کئی روز پہلے آ جاتے ہیں۔ مگر تم لوگ عین وقت پر آ کر بھی نہیں ٹھہر رہے۔ لڑکیاں فائزہ سمیت یہیں رہیں گی۔ ولیمے کے بعد آئیں گی۔ تمہیں جانا ہو تو جاؤ۔''

''مگر آنٹی! امی اور پھپھو اکیلی ہوں گی۔'' شعیب ہرگز زیب کو چھوڑنے پر تیار نہیں تھا۔

''کوئی اگر مگر نہیں امی کوئی میری بزرگ نہیں کہ مجھے ان سے خوف آئے گا۔ میں دیکھ لوں گی۔ چلو شاباش۔ میری مانو تو تم بھی یہیں رہو۔ رات کافی ہو چکی ہے' اور حالات بھی مناسب

نہیں۔''

''اچھا پھر فائزہ! میں چلتا ہوں۔ خدا حافظ۔''

شعیب نے دھمکاتی نظروں سے زیب کو دیکھا اور چابی اٹھا کر باہر آ گیا۔ پورچ میں کھڑے ہو کر کچھ دیر سوچتا رہا۔ سامنے سے جمال آ رہا تھا اسے بلا لیا۔

''کیا مطلب آپ جا رہے ہیں؟''

''ہاں یار! گھر پر سارے بزرگ اکیلے ہیں۔ اندر جا رہے ہو تو زیب کو ذرا یہاں بھیج دو۔''

''جی بہتر......'' جمال اندر چلا گیا۔ اور وہ پورچ میں ٹہلنے لگا۔

''زیب باجی! آپ کو شوبی بھیا بلا رہے ہیں۔ پورچ میں کھڑے ہیں۔''

اس اطلاع پر شنذرا کو شدید تاؤ آ گیا۔ بلال کی نظریں زیب کے چہرے پر کچھ تلاش کر رہی تھیں۔ شاید ناگوار تاثرات۔ زیب اٹھ کر باہر کی طرف بڑھی۔ بلال جو ابھی آیا تھا۔ وہ بھی واپس پلٹنے لگا تو صائمہ اس کے مقابل آن کھڑی ہوئی۔ بلال نے ایک ناگوار سی نگاہ اس پر ڈالی۔

''بلال! اتنا فکرمند ہونے کی کیا ضرورت ہے' زیب ابھی آ جاتی ہے۔''

''مائنڈ یور اون بزنس۔ او کے۔'' بلال نے زہر خند لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اور عزت نفس کی نعمت سے محروم یہ لڑکی دور تک اس خوبرو شخص کو دیکھتی رہی' جس نے ہر موڑ پر اسے ذلیل کیا تھا۔

''جی۔'' زیب نے باہر آ کر یوں ''جی کہا'' گویا پتھر مار رہی ہو۔

''گھر چلو۔'' تحکمانہ انداز میں بولتا شعیب اس کے قریب آ گیا۔

''آپ نے سنا نہیں آنٹی نے کیا کہا ہے۔'' نجانے کیا بات تھی کہ اب اسے شعیب سے ڈر نہیں لگتا تھا۔

''سن لیا ہے' اسی لیے چھوڑ کر آ گیا تھا۔ مگر تم اندر جاؤ گی اور کہو گی کہ تمہیں گھر میں ضروری کام ہے۔ شادی پر پہننے کے لیے کپڑے تیار کرنے ہیں۔ اس لیے تم گھر جانا چاہتی ہو۔''

''میں ایسا کچھ نہیں کہوں گی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ شعیب کو تاؤ آ گیا۔

''یہ میرا حکم ہے۔'' شعیب کے لہجے میں سختی آ گئی۔

''فی الحال آپ صرف میرے کزن ہیں' اور حکم دینے کی پوزیشن میں نہیں' جس روز ہو گئے' میں کسی حکم سے سرتابی نہیں کروں گی۔''

یہ جرأت' یہ انداز شعیب کھول گیا۔

''تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو۔ کچھ معلوم ہے تم کس سے مخاطب ہو۔ تمہاری یہ جرأت کہ اپنے ہونے والے شوہر کے ساتھ یوں بدکلامی کرو۔ بلال کو دیکھتے ہی اوقات بھول گئی ہو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ میں کچھ سمجھتا نہیں۔ چلو میرے ساتھ۔''

شعیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ مگر زیب نے بھی اتنی حقارت اور نفرت سے اس سے ہاتھ چھڑا لیا۔

''آج تو میں مر بھی جاؤں تو نہیں جاؤں گی۔'' زیب کو بھی ضد ہو چلی تھی۔ اس نے صاف انکار کر دیا۔ اور واپسی کے لیے مڑی۔ شعیب کچھ دیر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتا رہا' پھر زور سے

پیر زمین پر پٹخے اور گاڑی کو تیزی سے نکال کر لے گیا۔ زیب میں اندر جانے کی سکت نہیں تھی۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔

یہ سارا منظر بلال کی نظروں کے سامنے ہوا تھا' مگر جہاں وہ کھڑا تھا وہاں سے چہروں کے تاثرات اور حرکتوں سے بات اخذ کر سکتا تھا۔ مگر کیا بات ہوئی۔ یہ اسے معلوم نہیں ہو سکا تھا مگر شعیب کا ہاتھ جھٹک کر جانے سے انکار والی حرکت نے خاصا سکون بخشا تھا اسے۔ زرد زرد چاندنی میں زیب گھٹنوں میں سر دیے رو رہی تھی۔ بلال کے دل کی عجیب سی حالت ہونے لگی۔ جی میں آیا کہ سارے شکوے شکایات بھلا کر اس کا ہاتھ تھام کر اس اکیلی سی لڑکی کو اپنی چاہتوں کا اعتبار دے دے۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب جا رہا تھا کہ اس نے دیکھا۔ شنذرا تیزی سے چلتی ہوئی۔ زیب کی طرف بڑھ رہی ہے۔ وہ ایک دم باڑھ کے پیچھے ہو گیا۔

''باجی! کیا ہوا؟ کیا کیا ہے اس نے۔ آپ کیوں اس کے رعب میں رہتی ہیں۔ زہر لگتا ہے مجھے یہ شوبی!'' شنذرا نے زیب کا چہرا صاف کر کے ہاتھ لگایا۔

''یہ زہر کا پیالہ میری ماں نے میرے منہ سے لگایا ہے۔ شنذرا! اپنی ممتا کی قسم دے کر تو میں کیسے انکار کرتی۔ خدا کرے کہ وہ وقت آنے سے پہلے ہی میں مر جاؤں۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ پل پل جیو مرو۔ اپنی چاہت نہ ملے تو انسان کے لیے یہ بات اذیت ناک ہوتی ہے۔ مگر اس سے کہیں اذیت ناک یہ بات ہے کہ انسان جس سے نفرت کرے' اس کے ساتھ اسے زندگی کا طویل سفر کرنا پڑے۔ شنذرا! میں کیا کروں' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اس شخص کے ساتھ زندگی بھر کا ساتھ۔ اف خدایا!''

ہمدرد بہن کے سامنے اس نے دل کھول کر رکھ دیا۔

''مگر باجی! میں نے تو سنا ہے کہ اس رشتے میں آپ کی مرضی بھی شامل ہے' اور یہ کہ آپ اپنی خوشی سے شعیب کے ساتھ گھومنے بھی جاتی رہی ہیں۔''

شنذرا کی بات پر زیب نے گہرا سانس لیا اور کھڑی ہو گئی۔ اک ٹیس سی اس کے دل میں اٹھی۔

''ہونہہ۔ ! میں جانتی ہوں یہ خبریں تم تک کس نے پہنچائی ہیں۔ کیا تم سوچ سکتی ہو کہ جس شخص نے بچپن سے اب تک میری بے عزتی کی ہے۔ ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دیا ہے۔ ایک ایک نوالے کا حساب لیا ہے' میں اس شخص کی اداکاری سے مغلوب ہو کر اس سے خوشی سے تعلق جوڑنے پر تیار ہو جاؤں گی اور اتنی بے غیرت ہو جاؤں گی کہ اس کے ساتھ ہونٹنگ کرتی پھروں گی۔ خدا کی قسم شنذرا میں نے یہ زہر صرف امی کی قسم سے مجبور ہو کر پیا ہے' اور اگر اس کے ساتھ کہیں گئی ہوں تو امی ہی کے مجبور کرنے پر۔ اس نے اپنی اداکاری سے امی اور ماموں جان کو یوں شیشے میں اتارا ہوا ہے کہ میری درست بات بھی امی کو صحیح نہیں لگتی۔ اور پھر ماموں جان کے اس قدر احسانات ہیں ہم پر کہ مجھے تو اپنی زندگی اور یہ قربانی ہیچ نظر آتی ہے۔ اگر امی کی قسم اور ماموں جان کا خیال نہ ہوتا تو اس خبیث انسان کی شکل بھی نہ دیکھتی زندگی بھر۔''

زیب چہرا ڈھانپ کر رونے لگی۔ شنذرا کو بھی اپنی بے بسی اور بہن کی زندگی کی بربادی پر شدت سے رونا آ گیا۔

''ہماری بھی کیا زندگی ہے باجی! کہ زندگی ہماری ہے اور بسر دوسرے لوگ کر رہے ہیں۔

خدائے بزرگ و برتر! کسی اولاد سے اس کا باپ چھین کر رشتے داروں کے در پر نہ ڈالنا..... نہ ڈالنا۔'' شنذرا کو بھی زاہدہ بیگم کے گھر کے مناظر یاد آ گئے۔

''شنذو! بس کرو' اگر کوئی ادھر آ نکلا تو کیا خیال کریں گے کہ شادی والے گھر میں رونا دھونا شروع کیا ہوا ہے' ہمارے دکھ صرف ہمارے ہیں۔ شنذو ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم دوسروں کو اپنی وجہ سے اداس کریں۔ چلو اٹھو چہرا صاف کر کے اندر چلیں۔''

زیب نے شنذرا کا چہرا صاف کیا اور دونوں بہنیں اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔ فضا اداس سی ہو گئی تھی۔ بلال کے دل میں بھی اداس سی شام اتر آئی۔ شکوک کی دھند چھٹی تو زیب نکھری روپہلی دھوپ کی طرح چمکنے لگی۔ کتنا بدگمان ہو گیا تھا وہ اس سے۔ یہ درست تھا کہ اب وہ اس کی نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اس کے جذبوں پر شبہ اس کے خلوص پر بے اعتباری نہیں رہی۔ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آج کتنے عرصے بعد اس کے دل کا بوجھ اترا تھا..... اس کا شدت سے جی چاہ رہا تھا۔ زیب کو روک کر اسے منا لے۔ اپنے گزشتہ رویوں کی معافی مانگ لے۔ مگر ہمت ہی نہیں ہوئی۔ وہ کتنی ہی دیر تنہا لان میں ٹہلتا رہا۔ اندر سے شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''آئی ایم سوری زیب! میں نے تمہیں کتنا غلط سمجھا۔ تمہارے خلوص پر شک کیا۔ گناہ گار ہوں تمہارا۔'' وہ بھیگی بھیگی چاندنی میں زیب کے تصور سے معذرت کر رہا تھا۔ زیب تو فائزہ کے پاس چلی گئی' جو آنٹی کے ساتھ جوڑے سنبھال رہی تھی۔ شنذرا کمرے میں آ گئی' جہاں باقی سب تھے۔

''زیب! تم کہاں رہ گئی تھیں۔ کیا بیہودہ ہے تمہے بھائی؟''

فائزہ نے دلہن کے کپڑے پیٹی میں رکھتے ہوئے مڑ کر زیب کو دیکھا' جس کا چہرا دھلا ہوا تھا۔

فائزہ کی بات پر زیب نے ایسی نظروں سے دیکھا کہ اس کی نظریں جھک گئیں۔ وہ اپنے بھائی کی عادت کو جانتی تھی۔ وہ بھی اس کی اداکاری کو سمجھتی تھی۔

''ارے آنٹی! آپ اتنا کام کیوں کر رہی ہیں۔ لائیے میں کرتی ہوں' آپ آرام کریں۔''

زیب نے ان کے ہاتھ سے کپڑے لے لیے۔ تو انہوں نے بڑے پیار سے اسے دیکھا۔

''پیاری بیٹی! تم میرے لیے اپنے پیارے ہاتھوں سے چائے بنا لاؤ۔ یہ ندا کو ایک گھنٹہ سے کہا ہوا ہے' مگر آج ان لوگوں کو ملے گلے سے فرصت نہیں۔''

رابعہ بیگم نے بڑے دلار سے زیب کے چہرے کو چھوتے ہوئے کہا۔ تو دلہن کے زیورات کے سیٹ دیکھتی صائمہ کے تن بدن میں جیسے آگ بھر گئی۔

''ہونہہ میری پیاری بیٹی! نجانے ان جادوگرنیوں میں ایسی کیا بات ہے۔ کہ ہر کسی کو دیوانہ بنا لیتی ہیں۔ مجھ پر تو رابعہ بیگم کی نظر پڑتی ہی نہیں۔ ہونہہ۔ ! اچھی چیز کا ہر کوئی طلب گار ہوتا ہے' میرا بس چلے تو ان سب بہنوں کے حسین چہرے داغ کر ایسے بدنما بنا دوں کہ کوئی ان کو دیکھنا بھی گوارا نہ کرے۔''

''صائمہ! چائے۔'' صائمہ جو حسد کی آگ میں جلتی جانے کیا کیا سوچ رہی تھی۔ زیب کی آواز پر چونکی جو چائے کا کپ اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔ صائمہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

''ذرا پکڑے رہو۔ میں ابھی لیتی ہوں' یہ ڈبے الماری میں رکھ دوں۔''

کمرے میں ہر طرف دلہن کا سامان بکھرا ہوا تھا۔ صائمہ کچھ اس انداز سے اٹھی کہ زیور کا ڈبہ

سیدھا زیب کے ہاتھ کو لگا اور اس کے ہاتھ سے چائے کا گرم کپ اس کے ہاتھ اور پیروں کو جھلساتا ہوا کئی کپڑے خراب کر گیا۔ لاکھ ضبط کے باوجود زیب کی چیخ نکل گئی۔ ابلتی ہوئی چائے تھی۔

''زیب بیٹی ...... میری بچی۔ لاؤ دکھاؤ ہاتھ۔ اف ابلتی چائے نے جھلسا دیا میری بیٹی کو۔ بلال! طلال! جلدی آؤ۔ فائزہ بیٹے! جلدی جاؤ۔ طلال کو بلاؤ۔''

رابعہ بیگم بوکھلا گئیں۔ انہوں نے زیب کو ساتھ لگا لیا۔ مارے جلن کے اس کا برا حال تھا۔ کچھ ہی دیر میں سب پریشان ہو کر کمرے میں موجود تھے۔ صائمہ اطمینان سے ایک طرف کھڑی تھی۔ نہ چہرے پر کوئی ملال تھا اور نہ ندامت۔

''یہ ہوا کیسے؟ سارا ہاتھ جل گیا ہے۔ بلال گاڑی نکالو۔ ہاسپٹل لے جانا پڑے گا۔''

''مگر یہ ہوا کیسے باجی؟ کیسے جلا آپ کا ہاتھ۔''

شنذرا اس کی جلن اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ فائزہ نے طنزیہ نظروں سے صائمہ کو دیکھتے ہوئے ساری بات بتادی۔ تب اسد بڑی آہستگی سے زیب کی طرف آیا۔ ہاتھ اور پاؤں دیکھے پھر صائمہ کی طرف بڑھا۔

''ارے بھئی! یہ اتفاقی طور پر ہوا ہے۔'' رابعہ آنٹی نجانے کس کو تسلی دے رہی تھیں۔

''یہ حادثہ صائمہ باجی کے ہاتھوں وقوع پذیر ہوا ہے تو پھر اتفاقیہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

اسد نے انتہائی کڑوے لہجے میں اتنی ہی آواز میں کہا کہ صائمہ ہی سن پائی۔

''تم حد سے زیادہ بدتمیز ہوتے جا رہے ہو اسد۔'' صائمہ بھی ویسی آواز میں بولی۔

''میری بدتمیزی کی تو کوئی حد ہو سکتی ہے' مگر آپ کے حسد کی کوئی نہیں۔ لیکن یہ آپ کے لیے بہت برا ہوگا۔'' اسد نے آہستگی سے کہا اور باہر نکل گیا۔

''آئے ہائے کیا ہو گیا ہے۔ ارے رابعہ بھابی! پہلے ہی کہا تھا۔ بری نظر اتارو۔ دیکھا لگ گئی ناں نظر۔ ہائے اتنے اچھے کپڑوں پر چائے کے داغ دھبے کیسے بدنما لگیں گے۔''

زاہدہ بیگم جو سونے کے لیے لیٹ چکی تھیں۔ اس حادثے کی اطلاع پر بھاگی آئیں مگر ان کو زیب کے جلے ہاتھ اور پاؤں نظر نہیں آئے۔ کپڑوں اور بدشگونی کی پڑ گئی۔

''ارے رہنے دو زاہدہ! کپڑوں کا کیا ہے' دوسرے رکھے جا سکتے ہیں۔ بچی کا ہاتھ جل گیا۔ پاؤں جھلس گئے۔ طلال بیٹے! پہلے برنال تو لگاؤ جلن کم ہو۔''

رابعہ بیگم تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ وہموں میں نہیں پڑتی تھیں۔ ان کے نزدیک زیب کی تکلیف اہم تھی' کپڑے نہیں۔ بلال جلدی سے برنال نکال لایا۔ اب وہ زیب کے قریب بیٹھا اسے ضبط کرتا دیکھ رہا تھا۔ اس نے جیسے ہی زیب کے پاؤں پر برنال لگانا چاہی۔ زیب نے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر پہلے بلال کو دیکھا۔ زخم سے زیادہ دل میں ٹیس اٹھی۔ اس نے جلدی سے پاؤں کھینچ لیا۔

''ہوتا ہے ایسا۔ کبھی کبھی ہمدردی بھی ریجیکٹ ہو جاتی ہے۔''

صائمہ بڑی ڈھٹائی سے بلال کی طرف بڑھی تو اس وقت بلال کا بھی جی چاہا ایک تھپڑ رسید کردے اسے' مگر وہ ماحول کو خراب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے ہی اس حادثے کی وجہ سے ماحول خراب ہو گیا تھا۔ زیب ندامت محسوس کر رہی تھی۔

''چلو بھئی' زیب ہاسپٹل۔'' طلال بضد تھا کہ وہ ہاسپٹل چلے' جبکہ زیب کو پہلے ہی برا سا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی وجہ سے بدشگونی ہو گئی۔ کتنا اچھا لگ رہا تھا۔ ڈیک پر لڑکوں نے شادی کے گیت لگائے ہوئے تھے۔ ساتھ لڑکے' لڑکیوں کی ہنسی مذاق اور باتیں اب خاموشی چھا گئی تھی۔

''ارے رابعہ بھابی! کمال کرتی ہیں۔ کل خیر سے طلال میاں کے سر سہرا بندھے گا' اور یہ اس وقت گھر سے نکلے گا۔ مرہم لگا تو دیا۔ صبح پٹی کروا لانا۔ آج رات دولہا کا نکلنا مناسب نہیں۔''

زاہدہ بیگم کو پھر وہی وہم۔ اس بار رابعہ بیگم بھی چپ سی ہو گئیں۔ بلال کو وہ دانستہ بھیجنا نہیں چاہتی تھیں۔ نجانے یہ عورت کیا کیا باتیں بنائے۔

''آئیں زیب باجی! میں لے چلتا ہوں آپ کو۔'' اسد نے آگے بڑھ کر زیب کا دوسرا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ تو زاہدہ بیگم اور صائمہ نے کھا جانے والی نظروں سے اسد کو گھورا۔

''تم اس وقت ...... ہرگز نہیں' حالات اچھے نہیں ...... بیٹھو آرام سے۔''

صائمہ نے آگے بڑھ کر اسد کا بازو زور سے دباتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں' اسد میرے بھائی! اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ میں ٹھیک ہوں۔ پٹی تو صبح بھی ہو سکتی ہے۔ فائزہ! شنذو! مجھے دوسرے کمرے میں پہنچا دو۔ میں آپ سے شرمندہ ہوں کہ میری وجہ سے ماحول خراب ہوا۔''

زیب نے معذرتی نظروں سے سب کو دیکھا۔ پھر فائزہ اور شنذو کا سہارا لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''اچھا تھا۔ میں شعیب کے ساتھ گھر چلی جاتی۔ یہ سب کچھ تو نہ ہوتا۔''

ایک تو تکلیف' جلن اور دوسرے وہ خود کو ماحول خراب کرنے کی مجرم سمجھ رہی تھی۔

''چلو چھوڑو زیب' یہ تکلیف قسمت میں تھی۔ پاؤں اوپر کر کے لیٹ جاؤ تم۔''

فائزہ نے بڑے پیار سے اس کا پاؤں بیڈ پر رکھا اور خود قریب بیٹھ گئی۔

''دیکھ لیا ناں بھابی! آپ نے۔ ایسی ہوتی ہیں شدنیاں۔ منحوس کہیں کی۔ ارے میرے بچے کی خوشی کے رنگ میں کیا بھنگ ڈال دیا ہے۔ یہ ماں بیٹیاں ہیں ہی منحوس سبز قدم۔''

زاہدہ بیگم کو تو موقع ملا تھا دل کی بھڑاس نکالنے کا۔ رابعہ بیگم چپ ہی رہیں۔ وہ ان کی فطرت جانتی تھیں۔

''اے ہے۔ دیکھو صائمہ! کیسا خوبصورت جوڑا خراب کر دیا اس منحوس نے۔ میری بہو رانی کا۔''

زاہدہ بیگم کو تو دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔

''رہنے دو زاہدہ کپڑوں کا کیا ہے' اور خرید لیے جائیں گے۔ مگر بچی کا ہاتھ اور پاؤں اس بری طرح جلے ہیں' کہ میں تو اس کی جلن کو اپنے دل میں محسوس کر رہی ہوں۔''

''ویسے ایک بات ہے پھپھو اور ان کی بیٹیاں ہیں بڑی لکی۔ ان کی تکلیف ہر کوئی اپنے دل میں محسوس کرتا ہے۔''

صائمہ نے اندر آتے بلال کو دیکھا اور باہر نکل گئی۔

☆......☆......☆

طلال کی شادی کے ہنگامے ختم ہو چکے تھے۔ اس دوران بلال نے لاکھ کوشش کی کہ وہ زیب سے اپنے گزشتہ رویے کی معذرت کرلے مگر زیب ہر بار آگے بڑھ جاتی اور وہ کھسیانا سا ہو کر پیچھے ہٹ جاتا۔ دوسری طرف شعیب نے ایک دم ہی شادی کی رٹ لگا دی تھی۔

''مگر بیٹا! ابھی منگنی کی رسم تو ادا ہو جائے۔ بس نسیمہ اپنے فلیٹ میں شفٹ ہو جائے تو جلد ہی منگنی کی رسم ادا کردیں گے۔'' آسیہ بیگم نے پیار سے بیٹے کو دیکھا۔

''مگر امی! منگنی ضروری تو نہیں۔ پھر کس بات کا انتظار ہے۔ میں نے تعلیم سے فراغت کے بعد ابو کی خواہش کے مطابق بزنس سنبھال لیا ہے اور زیب کون سا ڈاکٹر بن رہی ہے کہ انتظار کیا جائے۔''

شعیب کو جانے کیوں ضدی ہو چلی تھی۔ وہ اپنے اختیارات کا بھرپور استعمال کر کے زیب کو اپنی طاقت کے بارے میں بتانا چاہتا تھا۔

''اوہو بھئی اب ایسی بھی کیا جلدی کہ ہتھیلی پر سرسوں جمائی جائے۔ تمہاری منگنی میری خواہش ہے اس لیے پہلے تمہاری منگنی ہوگی اور پھر ارمانوں سے شادی کروں گی۔ میرے گھر کی پہلی خوشی ہے اور یوں بھی میں چاہتی ہوں کہ فائزہ کا رشتہ بھی طے ہو جائے تو ساتھ ہی کر دیا جائے۔''

امی کا اطمینان شعیب کو طیش دلا گیا۔

''یہ فائزہ کا کیا سلسلہ لے آئیں آپ درمیان میں۔ کوئی رشتہ دیکھا ہے آپ نے۔''

اس کے لہجے میں بے زاری اور کوفت عیاں تھی۔ آسیہ بیگم نے غور سے بیٹے کو دیکھا۔

''تمہیں ایک دم...... شادی کا کیا بھوت سوار ہوا ہے۔ فائزہ کے لیے میں نے رشتہ دیکھا ہے۔ وہ تمہاری آنٹی ثریا ہیں ناں ان کا بیٹا ڈاکٹر ہے۔ کئی سالوں سے امریکہ میں ہے ثریا کو فائزہ بہت پسند آئی ہے۔ وہ اسے بہو بنانا چاہتی ہیں۔ اب وہ باقاعدہ رشتہ لے کر آئیں گی۔ میں اس سلسلے میں تم سے بات کرنے والی تھی۔ طلال کی شادی میں وقت ہی نہیں ملا۔ یہ لو۔ دیکھو۔ ماشاء اللہ لڑکا بھی اچھا ہے۔ خوش شکل ہے۔ اور بیٹا مجھے تو طلال کے مقابلے کا ڈاکٹر لڑکا چاہیے تھا۔ اور اللہ نے گھر بیٹھے میری مراد پوری کردی کہ نہ چھان پھٹک کی ضرورت اور نہ۔''

آسیہ بیگم خود سے بیٹے کو ساری تفصیل بتائے جا رہی تھیں جس کو اس قصے سے نہ تو دلچسپی تھی اور نہ غرض۔ اسے تو صرف اپنی شادی کی پڑی تھی۔

''کیسا ہے ڈاکٹر وسیم؟''

آسیہ بیگم بڑے شوق سے اس سے پوچھ رہی تھیں۔

''اچھا ہے امی لیکن۔ جو کرنا ہے جلدی کرلیں۔ بس میں شادی میں اب دیر نہیں چاہتا۔'' شعیب اپنا فیصلہ سناتا باہر نکل گیا۔ آسیہ بیگم مسکراتے ہوئے نسیمہ بیگم کے پاس آ بیٹھیں جو سبزی بنا رہی تھیں۔

''کیا بات ہے بھابی جان! آپ مسکرا رہی ہیں۔ اور شوبی بیٹا کچھ برہم سا یہاں سے گزرا ہے۔''

''اس کی برہمی پر تو میں مسکرا رہی ہوں۔ نسیمہ بیگم پتا ہے کیا کہہ رہا ہے۔''

آسیہ بیگم ہنستے ہوئے نند کے قریب بیٹھ گئیں۔

''کیا کہہ رہا ہے؟'' نسیمہ نے سبزی ایک طرف رکھی اور متوجہ ہو گئیں۔

''شادی کرنے کو کہہ رہا ہے۔ وہ بھی بہت جلدی۔ ہے ناں بچگانہ بات۔ ابھی میں نے صرف منگنی کی تیاری کی ہے شادی کی تو بہت تیاریاں ہوتی ہیں۔ بچہ ہے ناں۔ نہیں سمجھتا باریکیوں کو اور پھر میں چاہتی ہوں فائزہ کا بھی ساتھ ہی کردیں۔ کیا خیال ہے تمہارا۔''

''بھابی جان! جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ ویسے ابھی تک ثریا بیگم نے باقاعدہ رشتہ مانگا تو نہیں۔'' نجانے کیوں نسیمہ بیگم کو فائزہ کے لیے یہ رشتہ پسند نہیں آیا تھا۔ جبکہ آسیہ بیگم تو تلی بیٹھی تھیں ڈاکٹر کے لیے۔

''ہاں وہ اس لیے چپ ہے کہ بیٹا امریکہ سے واپس آ جائے تو پھر باقاعدہ اس بات کا آغاز کیا جائے بھئی اللہ مبارک کرے۔ مجھے تو اپنی فائزہ کے لیے یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے۔ بھابی صاحب سمجھ رہی تھیں ان کا ہی بیٹا ڈاکٹر ہے۔ خدا نے میری بیٹی کے لیے بھی ڈاکٹر کا رشتہ بھیج دیا ہے انہوں نے شادی کی ہے؟ ارے شادی تو میں کروں گی۔ اپنے بیٹے بیٹی کی۔ دنیا دیکھے گی اور شوبی جلدی جلدی کر کے میرے ارمانوں پر پانی پھیرنا چاہتا ہے۔''

''خدا کرے آپ کے تمام ارمان پورے ہوں بھابی جان! جوان بیٹوں کے سر سہرا دیکھنا تو ہر ماں کا ارمان ہوتا ہے۔ خدا سب ماؤں کے یہ ارمان پورے کرے۔''

شعیب اور منیر ایک ہی عمر کے تھے۔ شعیب کے سہرے کے پھول کھلنے والے تھے اور ان کا بیٹا منیر نجانے کہاں تھا۔ بے نام منزلوں کا مسافر جانے کن راہوں میں ہوگا۔ نسیمہ بیگم کے دل میں ٹیس سی اٹھی وہ سبزی لے کر اٹھ ہی رہی تھیں کہ شوکت صاحب آ گئے۔

''ماشاء اللہ بھئی نند بھاوج میں کیا میٹنگ ہو رہی ہے۔ ہم بھی شریک ہو سکتے ہیں کہ نہیں۔''

شوکت صاحب کو اس کا بے حد دکھ تھا کہ آسیہ بیگم ان کی بہن اور یتیم بھانجیوں کے ساتھ مناسب رویہ نہیں رکھتی تھیں۔ اب جب حالات بدل گئے تھے تو وہ بے حد خوش تھے۔

''ہاں آئیں۔ آپ سے بھی مشورہ لینا ہے۔ یہ بتائیں کہ منگنی کی تاریخ کون سی رکھی جائے۔'' آسیہ بیگم نے یہ ذکر چھیڑ دیا تو نسیمہ بیگم پھر بیٹھ گئیں۔

''بھئی آسیہ بیگم! اپنے گھر کی بات ہے۔ یہ کیا منگنی کے چکروں میں پڑنا۔ شادی کر دیتے ہیں۔''

''لو اور سنو نسیمہ! لگتا ہے باپ بیٹے میں پہلے سے سب کچھ طے ہو چکا ہے۔ دونوں کی ایک ہی رٹ ہے۔ شادی بھی خیر سے کرنی ہی ہے۔ پہلے منگنی ہوگی۔ یہ میری خواہش ہے۔''

''اچھا بھئی آپ کی خواہش سر آنکھوں پر۔ مگر پہلے یہ لوگ فلیٹ میں شفٹ تو ہو جائیں۔ بھئی اس بات سے میں مکر نہیں سکتا۔ میرا شذرا بیٹی سے وعدہ ہے لہٰذا پہلے ان لوگوں کی اپنے گھر میں شفٹنگ ہوگی اور پھر کوئی اور تقریب کیوں شذرا بیٹی!''

شوکت صاحب نے اندر آتی شذرا کو مخاطب کر کے کہا۔ تو وہ ممنون نظروں سے ماموں کو دیکھنے لگی۔

"ماموں جان آپ...... آپ۔" مارے محبت کے وہ کچھ بھی نہ کہہ پائی انہوں نے پیار سے اسے ساتھ لگا لیا۔ اور اسی ایک لمحے میں انہوں نے منیب اور شنذرا کے رشتے کے بارے میں بھی سوچ ڈالا اور مطمئن ہو کر مسکرا دیے۔

"جیتی رہو بیٹی! خدا تمہیں خوش رکھے۔"

نسیمہ بیگم نے صدق دل سے آمین کہا۔

☆......☆......☆

شوکت صاحب نے اپنی ذمہ داری پر نسیمہ بیگم کے لیے الگ فلیٹ اور دیگر ذمہ داریاں پوری کرنے کا بیڑا اٹھا لیا تھا۔ اس میں انہوں نے کسی دوسرے بھائی کو زحمت نہیں دی تھی' دانستہ طور پر مبادا ان کی بیگمات پھر ان کو بوجھ سمجھیں یا ان کی تذلیل کریں۔ دو کمروں پر مشتمل فلیٹ چھوٹا ضرور تھا مگر اک عجیب طرح کا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ ان لوگوں کو۔ صدف اور شنذرا بے حد خوش تھیں۔ بڑے چاؤ سے گھر سنوار رہی تھیں۔

"خدا کا کس طرح شکر ادا کریں شنذرا باجی کہ اس نے ہمیں پھر ایک چھت تلے رہنا نصیب کیا۔ ہم لوگ تو ریوڑیوں کی طرح بٹے ہوئے تھے رشتے داروں میں۔"

صدف' شنذرا سے لپٹ گئی۔

"آج یوں لگ رہا ہے جیسے ہم قید میں تھے' حبس بے جا میں تھے۔ آج آزاد فضا نصیب ہوئی ہے خدایا تیرا شکر ہے۔"

گزشتہ تلخ ماضی شنذرا کی نظروں میں گھوم گیا۔ بے شمار آنسو شنذرا کے چہرے کو تر کر گئے۔

"کاش...... کاش شنذرا باجی! جہاں اللہ پاک نے ہم پر اتنی مہربانیاں کی ہیں۔ کاش عمیر بھیا بھی کہیں سے لوٹ آئیں۔ تو ہماری خوشیاں مکمل ہو جائیں۔"

"نام نہ لو صدف ان کا۔ مجھے نفرت محسوس ہوتی ہے عمیر بھیا سے۔"

"ایسا نہ کہو باجی۔" صدف نے تڑپ کر شنذرا کو ٹوکا جسے عمیر کے ذکر پر ایک دم غصہ آ گیا تھا۔

"کیوں نہ کہوں صدف! وہ بھائی ہیں۔ خود غرض۔ اپنی جان بچانے کی خاطر ہمیں ماں کو' بہنوں کو معصوم سے بھائی کو مطلب پرست لوگوں کے ہاتھوں ذلیل ہونے کے لیے چھوڑ گئے۔ اب تو آ بھی جائیں تو میں بات نہ کروں گی ان سے' خود غرض۔" شنذرا کو حقیقتاً عمیر سے چڑ ہو گئی تھی۔

"ارے بھائی چائے نہ ہوئی پائے ہو گئے۔ اوہو تو گویا یہاں چائے کے بجائے گپ بازی ہو رہی ہے اور وہاں سب چائے کے منتظر بیٹھے ہیں۔ صدف جلدی سے چائے بنا کر اندر لے آؤ۔"

اسد' جس نے ان کی شفٹنگ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ اب بھی وہ فائزہ اور زیب کے ساتھ سامان سیٹ کر رہا تھا۔ زیب نے ان کو چائے بنانے بھیجا تھا اور وہ دونوں باتوں میں ایسی لگیں کہ چائے بنانا ہی بھول گئیں' کہ اسد آ نکلا۔ اس نے ڈپٹ کر کہا تو شنذرا ایک دم کھڑی ہو گئی۔

"یہ تمہارا گھر نہیں۔ ہمارا گھر ہے' یہاں تم ہم پر حکم نہیں چلا سکتے۔"

اپنے گھر کے اعتماد نے پہلی بار شنذرا کو اتنا معتبر کیا تھا۔ اسد اس کی بات پر واپس مڑا۔ دونوں ہاتھ جینز کی جیبوں میں ڈالے وہی شوخ دل جلانے والی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ وہ کچھ دیر

غصے میں کھڑی شنذرا کو دیکھتا رہا۔ اپنے گھر کے اعتماد نے اسے عجیب سا حسن بخش دیا تھا۔

"حکم تو شنذرا مراد تمہیں ہمارا ہی ماننا پڑے گا۔ گھر کوئی بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"صدف! اب چائے کے لیے مجھے دوبارہ نہ آنا پڑے جلدی اٹھو۔"

وہ شنذرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے صدف کی طرف مڑا' پھر مڑ کر شنذرا کو دیکھا اور سیٹی پر شوخ سی دھن گنگناتا آگے بڑھ گیا۔

"یہ...... یہ منحوس۔ ہمارا کبھی پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ خدا کرے مر جائے۔"

حسب عادت اس کی اسد کے لیے یہی دعا ہوتی تھی۔

"ایسا نہ کہیں باجی! اسد بھیا ایک ہی تو ہیں ماموں کے۔ کسی کو بددعا دینا بری بات ہے۔"

صدف اور زیب دونوں ایک طبیعت کی تھیں متحمل مزاج' دوسروں کی خطائیں معاف کرنے والی۔

"ہوں۔ یہ منحوس تو دس پر بھی بھاری ہے۔ مر ہی جائے تو اچھا ہے۔"

"مارے غصے کے اس کا برا حال ہو گیا۔ دکھ اسے اس بات کا تھا کہ وہ یہاں پر بھی جو کہ ان کا گھر تھا' مسلط ہونے کے لیے آ گیا تھا۔"

"پلیز باجی! مت کریں ایسی باتیں۔ کسی کو بددعا دینا بہت بری بات ہے۔ اور یوں بھی فرخ کہہ رہا تھا کہ اسد بھیا بہت اچھے ہیں۔"

"ہونہہ! اچھے ہیں۔ فرخ تو بے وقوف ہے۔ مگر میں اپنے گھر میں تو اس کا حکم چلنے نہیں دوں گی۔"

☆......☆......☆

"لو بھئی نسیمہ! مبارک ہو اب اپنے گھر میں دعوت کب کر رہی ہو۔"

"بھائی جان! ارادہ تو میرا بھی یہی ہے' جب آپ کہیں۔"

"بھئی نیک کام میں دیر کیسی' پرسوں جمعہ ہے' بسم اللہ کرو۔" شوکت صاحب بھی شریک گفتگو ہو گئے۔

"جی بہتر۔" نسیمہ بیگم تو بھائی' بھابی کے احسانات تلے دبے جا رہی تھیں۔

"پھپھو! میں چلتا ہوں۔ کافی دیر ہو گئی ہے' امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔"

اسد جانے کو تیار کھڑا تھا۔ شنذرا نے خدا کا شکر ادا کیا کہ جا رہا ہے۔ اس کی موجودگی اس کے لیے کوفت کا باعث بنی ہوئی تھی۔

"نہیں بیٹا! رات کا وقت ہے' مجھے فکر رہے گی۔ صبح چلے جانا۔ زاہدہ کو معلوم تو ہے کہ تم یہاں ہو۔ یوں بھی ابھی کھانا بھی نہیں پکا' کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی تمہیں۔" نسیمہ بیگم نے بڑے پیار سے اسد کو دیکھا ان کا دل نہیں چاہ رہا تھا وہ جائے اس وقت۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں پھپھو! رہنے کو تو میں رہ جاتا مگر صبح ہوسپٹل جانا ہے' اور آپ کو معلوم نہیں کہ ہاؤس جاب کرنے والوں کا تو خون چوستے ہیں ہاسپٹل والے۔"

"میاں ڈاکٹر صاحب! زیادہ نخرے نہ دکھاؤ۔ ہاسپٹل تم یہاں سے بھی جا سکتے ہو' گھر فون کر دو۔

کہ نہیں آ سکتے چلو اٹھو فون کرو گھر۔"

شوکت صاحب نے کہا تو اسد تذبذب میں پڑ گیا' اسے معلوم تھا کہ اس کے نہ جانے پر اس کی ماں' بہنیں کیا کیا باتیں بنائیں گی۔ وہ رکنا نہیں چاہ رہا تھا۔ مگر عین اسی وقت شذرا کسی کام سے اندر آئی تو کچھ سوچ کر پھر اس کی آنکھوں میں شوخ قندیلیں روشن ہو گئیں۔ وہ اٹھا۔ فون اسی کمرے میں رکھا تھا۔ اس نے شذرا کی پشت پر دراز چوٹی کو دیکھتے ہوئے گھر کا نمبر ملا دیا۔

"ہیلو ابو! میں ہوں اسد۔ جی پھپھو کے گھر سے بول رہا ہوں۔ جی میں تو آ رہا تھا مگر...... پھپھو اور تایا جان کے اصرار پر ہتھیار ڈالنا پڑے ہیں۔ میں نے آپ کو کہہ دیا ہے' امی اور باجی کو آپ سنبھال لیں۔ او کے خدا حافظ۔"

ریسیور رکھ کر اس نے شذرا کو دیکھا' جو اس کے رہنے کا سن کا جل کر کباب ہو گئی تھی۔

"یار منیب! کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے ناں۔"

اسد نے شوخی سے شذرا کو دیکھتے ہوئے منیب سے پوچھا' جس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے لاعلمی کا اظہار کر دیا۔

"بھئی فائزہ! زیب! کھانے کی کیا پوزیشن ہے۔ ہمارے پیٹ میں تو چوہے اپنی ...... پوزیشن سنبھال بیٹھے ہیں۔"

شوکت صاحب' بہن اور بھانجیوں کے چہرے پر خوشی اور اعتماد کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔

"ابو جی! یہ زیادتی ہے' کام کر کر کے ہماری ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اوپر سے کہنا بھی ہم ہی بنائیں۔" فائزہ تولیے سے ہاتھ صاف کرتی اندر آتے ہوئے بولی۔

"نہ...... جی نہ...... آپ کھانا بنانے کی زحمت کیوں کرتی ہیں۔ ہم کس لیے ہیں' فائزہ باجی آپ جلے ہوئے کبابوں کے ساتھ کیا کھانا پسند کریں گی؟"

اسد نے پھر جلتی پر تیل ڈالا۔ شذرا بل کھا کر رہ گئی۔ کیونکہ وہ ماموں جان کی بے حد عزت کرتی تھی۔

"لڑکو۔ میری بیٹیوں کو تنگ نہ کرو۔ وہ لوگ تھک گئی ہیں۔ یہ لو پیسے اور کھانا لے آؤ جا کر۔" شوکت صاحب نے جیب سے پیسے نکال کر اسد کی طرف بڑھائے۔

"چلیں آپ بھی فائزہ باجی۔" جاتے جاتے اسد کو جانے کیا خیال آیا' اس نے مڑ کر کہا۔

"چلیں زیب۔" فائزہ نے زیب کی طرف دیکھا مگر وہ چپ رہی۔

"چلیں ناں باجی! زندگی میں پہلی بار تو ایسا ہو رہا ہے۔ چلیں پلیز۔"

صدف کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پہلی بار باہر چلنے کی آفر ہوئی تھی' ورنہ تو سب گاڑی میں بھر بھر کر گھومنے چلے جایا کرتے' اور وہ سارے بہن بھائی امی کے ساتھ اپنے کمرے میں سسکتے لبوں کے ساتھ ان کے قہقہے سنا کرتے تھے۔

"اچھا چلو۔" زیب نے صدف کی طرف دیکھا اور تیار ہو گئی۔

"چلو اٹھو شذرو۔"

"آں...... سوری باجی' گاڑی میں جگہ کہاں ہو گی۔ شذرا کو رہنے دیں۔"

اف اس قدر توہین' اتنی ذلت سب کے سامنے۔ شذرا کی رگیں تن گئیں۔ شدت ضبط سے اس کا چہرا سرخ ہو گیا۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو اسد کو جان سے مار دیتی۔

"کم آن یار! جگہ بن جائے گی آؤ شذرا۔" منیب کو اسد کی بات بری لگی تھی۔ شذرا کے چہرے سے اس نے اس بات کے اثرات پڑھ لیے تھے۔

"ہونہہ...... جاتی ہے میری جوتی۔" شذرا کو ضبط کا یارا نہ رہا۔

"ہاں' جوتی کی جگہ بن سکتی ہے۔" اسد ڈھٹائی سے مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے ہنسا تو وہ وہاں سے اٹھ کر آ گئی۔ وہ لوگ جا چکے تھے۔ وہ بالکونی میں آ کر شدت سے رو پڑی۔

کتنی دعاؤں کے بعد یہ گھڑی نصیب ہوئی تھی کہ ہمارا اپنا گھر ہو گا۔ امن ہو گا' سکون ہو گا۔ سکھ کا سانس لیں گے آزاد فضا میں۔ مگر یہ تو ہمیں قبر میں بھی چین سے نہیں رہنے دے گا۔ اپنا گھر ہو یوں صحن میں یا بالکونی میں وہ دیر تک چاند کی خاموشی کے گیت سنے۔ کتنا ارمان تھا اسے اور آج ایسا ہی تھا۔ چاند پورے جوبن پر تھا' فضا بھیگی بھیگی سی' چاندنی اداس تھی' اور وہ رو رہی تھی۔ اسے دکھ تھا تو اسی بات کا کہ الگ ہو کر بھی سکھ سے نہیں جی سکتے تھے۔

☆......☆......☆

"دیکھو آسیہ! انکار نہ کرنا' شذرا مجھے بہت عزیز ہے۔"

شوکت صاحب نے ایک طرح سے التجائیہ لہجے میں کہا تو آسیہ بیگم کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔ زیب کی اور بات تھی۔ مگر شذرا سے وہ ذرا خائف تھیں۔

"شوکت......! زیب اور شذرا کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شعلہ اور شبنم جیسا۔ شذرا کے معاملے میں تو میں معذرت چاہوں گی۔"

"دیکھو آسیہ! میری مظلوم بہن کی بے حد مظلوم بچیاں ہیں۔ یہ وقت حالات اور محرومیاں انسان کو تنگ مزاج بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے ہم نے بھی تو بہت زیادتیاں کی ہیں ان بچیوں کے ساتھ۔ تم شذرا کو جانتیں نہیں۔ وہ بے حد با ادب اور اچھی بچی ہے۔ مشتاق کے گھر میں اس کے ساتھ کیا کچھ ہوا۔ وہ برداشت کرتی رہی' اور اگر ظلم کے خلاف زبان کھولی بھی تو کیا جرم کیا۔ شذرا بے حد اچھی بچی ہے جب سے حالات بہتر ہو رہے ہیں۔ تم نے شذرا کو کسی سے الجھتے دیکھا ہے۔ اور پھر میری ان مظلوم بھانجیوں نے ہمیشہ دکھ دیکھے ہیں۔ کیا خبر غیر لوگ ان کو کس طرح رکھیں۔ منیب اور شذرا کی جوڑی شعیب اور زیب سے زیادہ اچھی رہے گی۔ اگر شذرا تمہیں نہیں بھی پسند تو میری خاطر اسے قبول کر لو۔ پلیز۔"

حلیم الطبع شوہر جس نے ان کا ہمیشہ خیال رکھا تھا۔ آج بات منوانا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے صاحب' آپ جیتے ہم ہارے۔ لیکن منیب سے اس کی رائے تو لینی ہی پڑے گی۔"

"ارے بس بیگم اب کسی بندے کی رائے کی ضرورت نہیں' اور یوں بھی یہ لڑکے بڑے گھنے ہوتے ہیں۔ شعیب کو نہیں دیکھا تم نے۔ اب کیسے شادی' شادی کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔ تو بس قرآن خوانی کے موقع پر انشاء اللہ منیب اور شذرا کے رشتے کا بھی اعلان کر دیا جائے گا۔ کیا خیال ہے؟"

شوکت صاحب بے حد خوش تھے ان کے دل کی مراد پوری ہوگئی تھی۔

"ہمارا کیا خیال ہونا ہے' جو جی چاہیں کریں آپ۔" آسیہ بیگم نے بھی مسکراتے ہوئے ہر فیصلے کا اختیار شوہر کو سونپ دیا۔

☆......☆......☆

فاطمہ کے ساتھ فاروق صاحب' عدیل اور آمنہ گئے تھے۔ گھر بالکل خالی خالی سا لگتا تھا۔ ہر طرف سوگوار ویرانی نے پر پھیلائے ہوئے تھے۔ سبھی کی نگاہوں میں بار بار فاطمہ کا چہرا گھوم رہا تھا۔ موت تو اٹل حقیقت ہے' مگر...... موت کی آمد کا پہلے سے پتا چل جائے تو انسان پل پل جیتا مرتا ہے۔ پل پل موت کا انتظار موت سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ سوگوار لمحات موت سے زیادہ اذیت ناک تھے۔ وہ یونیورسٹی سے آکر کھانا کھائے بغیر کمرے میں لیٹی تھی۔ نگاہوں میں وہ منظر گھوم رہے تھے۔ جب وہ کالج یا اسکول وغیرہ سے آکر یوں ہی لیٹ جایا کرتی تھی۔ فاطمہ کتنے لاڈ پیار سے اسے کھانا اپنے ہاتھوں سے کھلایا کرتی تھی اور وہ نخرے دکھایا کرتی تھی۔ فاطمہ نے تو ایک طرح سے اس کے اپنی اولاد جیسے ناز نخرے اٹھائے تھے۔

"بجل! کیا بات ہے۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ اٹھو دیکھو۔ شام ہوگئی ہے۔ چلو مما چائے پر تمہارا انتظار کررہی ہیں۔"

"تم رو رہی ہو بجل۔" مہوش نے فاطمہ کے سے انداز میں لائٹ آن کی' کھڑکی کے پردے ہٹاتے ہوئے اس کے قریب آگئی تو بجل شدت سے رو پڑی۔

"باجی!" وہ جنوں جیسی بھابی کو باجی کہہ کر لپٹ گئی۔

"بجل! کیا بات ہے بے بی۔" مہوش نے اس کی پیشانی پر پیار کیا۔

"باجی کا بھی یہی انداز تھا بھابی۔ اسی طرح۔ اسی طرح میرا خیال رکھتی تھیں۔"

"خیر کی دعا کرو بے بی! اللہ تعالیٰ باجی کو صحت دے۔ مت روؤ۔ اور پھر میں بھی تمہاری بہن ہی ہوں۔ بالکل فاطمہ باجی جیسی۔"

مہوش کی آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔ پھر کتنی ہی دیر وہ اسے بہلاتی رہی۔ مہوش نے گھر کو سنبھال رکھا تھا۔ اور یہ بات شہرین کے لیے سوہانِ روح تھی۔

"نسرین!" مہوش کی آواز پر نسرین بھاگی آئی۔

"ناشتہ کرلیا تم نے؟"

"جی نہیں۔"

"اوہو۔ ناشتا کرلو تو آؤ۔ یہ پردے وغیرہ اتارو' صوفہ کور' پردے بہت میلے ہو رہے ہیں۔ اتار دینا اور دھلائی کے لیے دے دینا۔ لیکن پہلے ناشتا کرو جاکر۔"

"جی اچھا۔" ناشتا کرنے کے بعد نسرین پردے اتارنے لگی تو اسی وقت شہرین کمرے سے نکلی' نخوت بھری نگاہ پہلے مہوش پر ڈالی اور پھر نسرین پر برسنے لگی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"وہ جی مہوش بیگم صاحب نے کہا ہے۔ دھونا ہے۔"

"کوئی ضرورت نہیں دھلائی کی۔ ان کو چھوڑو اور جاکر میرا کمرا صاف کرو۔ ویکیوم لگا کر کارپٹ کو اچھی طرح صاف کرنا۔ اور کوئی چیز ادھر ادھر ہوئی تو خیر نہیں۔ چلو جاؤ۔"

شہرین نے نخوت سے اسے دیکھتے ہوئے حکم صادر کیا تو نسرین کسمسا کر رہ گئی۔

"وہ جی۔ انہوں نے کہا......" نسرین منمنائی۔

"بکواس مت کرو' جو کہا ہے۔ وہ کرو۔ آگئیں کہیں سے۔ مہوش بیگم صاحبہ کا حکم بجالانے والی' چلو جاؤ' جو کہا ہے۔ وہ کرو۔"

نسرین تو بے چاری ملازمہ تھی' حکم کی غلام۔ خاموشی سے اٹھ کر چلی گئی۔ اور شہرین کا کمرا صاف کرنے لگی۔ مہوش مما کو سوپ پلا کر کوریڈور سے گزر رہی تھی کہ شہرین کے کمرے کے کھلے دروازے سے نسرین نظر آئی۔ وہ وہیں رک گئی۔

"نسرین! میں نے تمہیں کچھ اور کہا تھا۔ اور تم یہاں کیا کررہی ہو۔"

"کیا کروں جی۔ میں تو حکم کی غلام ہوں۔ حکم آپ کا ہو یا شہرین بی بی کا ماننا تو پڑتا ہے۔ انہوں نے کہا ہے' کہ پہلے میرا کمرا صاف کردو۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔ اچھی طرح صفائی کرنا اور ذرا احتیاط سے۔ کوئی چیز ادھر ادھر نہ ہو۔"

نسرین کو ہدایت کر کے وہ واپس پلٹی تو شہرین سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ چہرے پر تناؤ لیے کمر پر ہاتھ رکھے یوں کھڑی تھی۔ گویا مقابلہ کرنا چاہتی ہو۔

"یوں چمچہ گیری کر کے گھر اور گھر والوں پر چھانے کی ضرورت نہیں مسز نبیل۔"

وہ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کررہی تھی۔

"شہرین بھابی! اگر میں مما کی خدمت کرتی ہوں' گھر کا خیال رکھتی ہوں تو یہ میرا فرض ہے۔ چمچہ گیری نہیں میرے اپنے لوگ ہیں میرا اپنا گھر ہے۔"

مہوش بڑی متحمل مزاج لڑکی تھی' یوں بھی وہ ان لڑکیوں میں سے تھی۔ جو اپنے شوہر اور گھر کی خاطر سب کچھ قربان کردیا کرتی ہیں۔

"ہونہہ! میرا گھر۔ تمہارا گھر کہاں سے ہوگیا۔ یہ اس آنے والی بہو کا ہے' جس کے نکاح میں چار لوگوں نے شرکت کی ہو۔ جسے وہ اس گھر کی بہو کی حیثیت سے جانتے ہوں۔ جو مین گیٹ سے آئی ہو' تمہاری طرح چور دروازے سے آنے والیاں۔ ملازمہ بن کر تو اس گھر میں رہ سکتی ہیں۔ گھر والی نہیں بن سکتیں...... اس محل کی مہارانی بننے کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ میں صرف فاطمہ کی وجہ سے خاموش ہوں' ورنہ اب تک تمہیں بھی اور تمہیں چوم چاٹ کر سینے سے لگانے والوں کو بھی پتا چل جاتا۔"

مہوش کے اس گھر میں آنے کا طریقہ غلط ضرور تھا مگر اس نے نہ تو کوئی جرم کیا تھا' اور نہ گناہ اور نہ ہی وہ اس قدر بے حس۔ بے غیرت تھی کہ شہرین کی اتنی باتیں سنتی۔ وہ صرف یہ جانتی تھی کہ یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا متقاضی ہے۔ وہ اس کی کونین جیسی کڑوی باتوں کو بھی تحمل سے حلق سے اتار گئی۔

"میں کیا ہوں' میری اس گھر میں کیا حیثیت ہے۔ میں فی الحال اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتی' لیکن میں یہ بات واضح کر دینا چاہتی ہوں' مجھے اس گھر سے جو چاہیے تھا وہ مل چکا ہے۔ اس سے زیادہ کی حسرت ہے نہ طلب۔ آپ اپنی سوچ کی مالک ہیں۔ میں [illegible] کہہ سکتی۔" وہ نرمی سے کہ

کر آگے بڑھ گئی۔

"ہونہہ! ٹاٹ کا ٹکڑا مخمل میں سجنے کا سوچ رہا ہے۔"

اس نے چابی اٹھائی اور پورچ میں آ گئی جہاں اس کی ذاتی گاڑی موجود تھی۔ جب وہ گاڑی ریورس کر کے گیٹ سے نکال رہی تھی۔ اسی وقت راحیل آفس سے آ گیا۔

"شہری! کہاں کا ارادہ ہے؟" راحیل نے گاڑی اس کے برابر روک دی۔

"اپنی مما کے گھر جا رہی ہوں۔" شہری نے گلاسز لگا کے نخوت سے کہا۔

"مما کے گھر۔ شہری! یہ کون سا وقت ہے مما کے گھر جانے کا۔ تمہیں معلوم ہے اس وقت مما اور بے بی کو تمہاری کتنی ضرورت ہے۔ اور ایسے مواقع ہوتے ہیں کسی کے قریب ہونے کے۔"

"ہونہہ! گھر کا خیال رکھنے والی نبیل لے تو آیا ہے پھر میری کیا ضرورت ہے۔"

"شہری! ڈونٹ بی سلی۔ چلو واپس۔"

"لیکن اس گھر میں وہ رہے گی یا میں۔ مجھے اس گھر کی بہو بنتے ساری دنیا نے دیکھا اور میری کوئی حیثیت نہیں اور وہ چور دروازے سے آ کر گھر والی بن بیٹھی۔ ہر کوئی مہوش مہوش کرتا پھر رہا ہے۔ یہ گھر میرا ہے یا اس کا۔ جب یہ فیصلہ ہو جائے گا میں آ جاؤں گی۔"

اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تو راحیل کو باہر نکلنا پڑا۔

"شہری! یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں۔ تمہیں معلوم ہے۔ ہم وقت کے کس موڑ پر کھڑے ہیں۔ ایسے میں ایسی باتیں تمہاری اہمیت کم بھی کر سکتی ہیں۔"

"مائی فٹ!" اپنی حیثیت کے غرور میں اکڑی گردن لیے وہ شوہر کی کسی بات کو اہمیت دیے بغیر آگے بڑھ گئی۔

☆......☆......☆

"میرا خیال ہے شابی! اس دنیا میں قریب قریب انسان کی تباہی و بربادی کے لیے جو کچھ ایجادات ہونا تھیں ہو چکیں یعنی کہ ایک انچ کی گولی چھ فٹا بندہ لٹا دیتی ہے۔ اور نقطے برابر گولی یعنی ٹیبلٹ اللہ کے فضل سے مرتے ہوئے مریض کو زندہ کر دیتی ہے۔ مگر آپ کے بھائی صاحب نجانے کوئی نئی دوا ایجاد کرنا چاہتے ہیں یا کوئی ایسا فارمولا جس سے تجل کو۔"

"فضول باتیں نہ کرو علی!"

تیمور اپنے خیالوں میں گم جانے کیا سوچ رہا تھا اور علی اس کی توجہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور اس نے ایک دو آوازیں بھی دیں مگر تیمور نے سنا نہیں۔ کیونکہ اس کی نگاہوں میں آفس کا منظر گھوم رہا تھا۔ تجل کی بے اعتنائی کو وہ حاکمانہ غرور سمجھ کر سنجیدگی سے جاب چھوڑنے کا فیصلہ کر رہا تھا۔

"بھائی! دو بج رہے ہیں آج آفس نہیں جانا آپ کو۔" شابی نے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

"نہیں شابی! آج بالکل موڈ نہیں۔" وہ مزید دراز ہو گیا۔

"موڈ کیا غضب کرتے ہو یار! ذرا باہر تو جھانکو۔ کس قدر عاشقانہ موسم ہو رہا ہے۔ یار حال دل کہنے کا کتنا نادر موقع ملا ہے۔ ذرا ٹائی شائی لگا کر جاؤ اور محترمہ تجل کے سامنے دل کھول کر رکھ دو۔"

"بھائی! آپ کا فون ہے۔" شابی نے آ کر بتایا۔ تیمور کسلمندی سے اٹھا۔ دوسری طرف آفس

کے نسیم صاحب تھے۔

"جی نسیم صاحب!"

"میاں! تم۔ ابھی گھر پر ہو۔"

"جی نسیم صاحب! آج میری طبیعت کچھ خراب ہے اس لیے نہ آ سکوں گا۔"

"نہیں تیمور! آج تو تم چھٹی نہیں کر سکتے۔ آج تو مس تجل آفس آئی ہیں اور اسٹاف سے ملنا چاہتی ہیں۔ آ جاؤ پھر بھلے جلدی چلے جانا۔"

نسیم صاحب نے اس کا جواب بھی نہ سنا اور ریسیور رکھ دیا۔

"یار! کیا مصیبت ہے۔ میں جانا نہیں چاہتا اور نسیم صاحب۔"

"فضول بکواس کر رہا ہے۔"

"دیکھا تھا تم نے۔ فون آنے سے پہلے اداس الو لگ رہا تھا۔ اور فون کرنے کے بعد کیسے لگ رہا تھا۔ اس کبوتر کی طرح جسے کسی چڑیا کا اچانک لو لیٹر مل جاتا ہے تو اس کی حالت ایسی ہوتی ہے کہ خوشی نہ چھپا سکتا ہے اور نہ بتا سکتا ہے۔"

"ویسے بھائی نے ابھی بہت درست بات کی تھی۔" شابی نے اسے مسلسل بولتے دیکھ کر کہا۔

"کیا بھلا؟" وہ بڑے اشتیاق سے ہمہ تن گوش ہوا۔

"یہی کہ آپ بہت فضول بولتے ہیں۔" شابی نے بے ساختگی سے کہا تو وہ جو بڑے شوق سے آگے بڑھا تھا۔ [illegible] اسے گھورنے لگا۔

"چھوڑو [illegible]۔ اللہ نے جانے کیا سوچ کر تم دونوں کو میری قسمت میں لکھ دیا ہے۔" وہ بڑبڑاتا ہوا گاڑی چلا رہا تھا۔ تیمور بھی اسے دیکھ لیتا کبھی مسکرا دیتا۔

"میں کہتا ہوں گاڑی روکو۔"

☆......☆......☆

"کیا ہوا۔ روکا کیوں؟" علی متجسس نظروں سے تیمور کو دیکھنے لگا۔ جس نے گاڑی روکنے کو کہا تھا۔

"یہ جو گرین کرولا ابھی آگے نکلی ہے۔ ہمارے گھر سے ہمارا پیچھا کر رہی ہے۔"

"ہیں۔ مگر کیوں؟ گاڑی تو ہماری اپنی ہے یا ہو سکتا ہے وہ ہمیں ہالی ووڈ کا ہیرو سمجھ رہے ہوں۔" علی ہنسا تو تیمور کو غصہ آ گیا۔

"یار! بات کو مذاق میں نہ اڑایا کرو۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ وہ ہمارا ہی پیچھا کر رہے تھے۔" تیمور کے لہجے میں تشویش تھی۔ جبکہ علی کے ہونٹوں پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔

"دیکھو تیمور! بات مذاق اڑانے کی نہیں کوئی ہمارا پیچھا کیوں کرے گا۔ اللہ کے فضل سے ہمارا دامن صاف ہے۔ بھئی کم از کم میں ایسی لڑکی سے بات ہی نہیں کرتا جس کے بھائی والی ہوں۔ البتہ تجل کے تین بھائی ہیں بزم چھوٹم اور۔"

"تم کبھی سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔ بہر حال وہ میرا وہم سہی مگر ذرا احتیاط سے جانا اور گھر کا چکر لگاتے ہوئے جانا۔" تیمور گاڑی سے اترتے ہوئے ہدایات دے رہا تھا۔

"او کے باس اور کوئی حکم۔" علی نے مؤدبانہ انداز میں جھک کر کہا تو تیمور مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔ اسے علی کی دوستی پر فخر تھا جس نے ہر پل ہر لمحہ حق دوستی ادا کیا تھا۔

"خدا حافظ۔" تیمور کتنی ہی دور تک اس کی گاڑی کو دیکھتا رہا۔

اپنی سیٹ پر بیٹھا نسیم صاحب کی طرف سے صادر ہونے والے احکامات کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کا آج قطعی کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے ہاتھوں کو سر کے نیچے رکھے چھت کو دیکھ رہا تھا۔ اسی وقت تجل کمرے میں داخل ہوئی۔ نسیم صاحب بھی ساتھ تھے تجل کے قدم رک سے گئے۔ مگر تیمور اس کی آمد سے بے خبر ویسے ہی بیٹھا رہا۔

"تیمور میاں۔ کیا بات ہے۔ دیکھو مس احمد آئی ہیں۔"

"جی۔" نسیم صاحب کی آواز پر تیمور چونک کر دیکھنے لگا۔ سامنے تجل کھڑی تھی۔ باقی سب کھڑے تھے مگر وہ اس کے لیے کھڑا نہیں ہوا اور نخوت بھری نگاہ ڈال کر فائل دیکھنے لگا۔ تجل اک خاموش سی نگاہ ڈال کر اندر چلی گئی۔ تیمور نے پلٹ کر دیکھا۔ تجل اپنے کمرے میں جا رہی تھی۔ بہت چپ اور بجھی بجھی سی تجل پر جانے کیوں ترس آ گیا اسے۔ مگر کچھ بھی ہو وہ اب یہاں جاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کم از کم

تجل کے ملازم کی حیثیت سے جاب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے استعفیٰ لکھا اور اندر آ گیا۔ تجل نسیم صاحب کے ساتھ کسی فائل پر جھکی کچھ ڈسکشن کر رہی تھی۔ وہ اس وقت بھی بہت سنجیدہ اور اداس سی لگ رہی تھی۔

تیمور کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر ایک گہرا سا سانس لے کر آگے بڑھا۔

"ایکسکیوزمی۔" نسیم صاحب اور تجل نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

"نسیم صاحب! میں ریزائن کر رہا ہوں۔ یہ لیجیے میرا۔"

تیمور نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو تجل کو جھٹکا سا لگا۔ اس کی موجودگی تجل کے لیے کتنے سکون اور اطمینان کا باعث تھی۔ شاید وہ یہ حقیقت نہیں جانتا تھا۔ وہ اسے ایک نظر دیکھتی بیٹھ گئی جو بے حد خفا خفا سا منہ پھلائے کھڑا تھا۔

"تیمور صاحب! ہم یہاں سب مل کر کام کرتے ہیں۔ یہاں نہ کوئی ملازم ہے اور نہ ہی حاکم ہے۔ ہم سب دوست ہیں۔ ورکر ہیں جو چاہے ہمارا دوست بن کر ہمارا ساتھ دے اور جو نہ چاہے ہم زبردستی کے قائل بھی نہیں۔ آپ جانا چاہتے ہیں تو آپ کی مرضی۔"

تجل نے بڑی مضبوطی سے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا تو تیمور نے رعونت بھری نظروں سے دیکھا اور باہر نکل آیا۔ وہ میز سے اپنا سامان اٹھا رہا تھا کہ شانے پر کسی کے ہاتھ کو محسوس کر کے پلٹا۔ نسیم صاحب حلیم سی مسکراہٹ لیے کھڑے تھے۔

"جا رہے ہو بیٹا؟"

"جی ہاں۔" وہ گہری سانس لے کر بولا اور دراز کھول کر کچھ تلاش کرنے لگا۔

"میرے خیال میں تیمور میاں! آج کے خطرناک دور میں ایسی ملازمت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہوتی ہے۔ جہاں مالک خود کو ملازمین کا دوست اور ساتھی کہے۔ اور پھر اتنی اچھی تنخواہ والی جاب تلاش کرنے میں خاصا وقت لگے گا۔ میرے خیال میں تمہیں یہ جاب ہرگز نہیں چھوڑنی چاہیے۔"

"نسیم صاحب! آپ میرے بڑے ہیں اور آپ درست کہہ رہے ہیں لیکن آپ شاید نہیں جانتے کہ مس احمد میری یونیورسٹی فیلو ہیں اور یہاں آنے سے قبل مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ تجل کا آفس ہے ورنہ میں ہرگز یہاں جاب نہ کرتا۔"

"تجل بے بی تمہاری یونیورسٹی فیلو ہیں۔ یہ خبر نئی ہے میرے لیے لیکن یہ بات حیرت انگیز کہ تم ایسے وقت میں جب کہ تجل بے بی کو دوستوں کی ہمدردیوں اور ساتھی کی ضرورت ہے۔ تم اس کا ساتھ چھوڑ رہے ہو۔"

"نسیم صاحب ان بڑے لوگوں کو کسی دوست ہمدرد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ دولت سے سب کچھ خرید سکتے ہیں۔"

"کاش! دولت سے سب کچھ خریدا جا سکتا۔ تیمور میاں تو میرے خیال میں فاروق صاحب شاید اپنی ساری دولت جائیداد دے کر اپنی فاطمہ بیٹی کی صحت اور زندگی خرید لیتے۔ ایک دولت مند قدرت کے سامنے کس طرح بے بس ہو سکتا ہے اس کی زندہ تصویر فاروق صاحب اور ان کی فیملی ہے جن کی بیٹی فاطمہ بلڈ کینسر کی مریضہ ہے۔"

"جی کیا...... کیا تجل کی سسٹر کو۔" تیمور کو سخت شاک لگا۔ [illegible]

"ہاں تیمور بیٹے۔ انسان کتنا ہی بااختیار کیوں نہ ہو۔ پھر بھی بے بس ہے۔ فاطمہ بے بی سخت بیمار رہی ہیں۔ اب آخری سٹیج پر فاروق صاحب بیٹی کو لے کر لندن گئے ہیں۔ اسی وجہ سے تجل کو آفس سنبھالنا پڑا ہے۔"

"آئی ایم سوری نسیم صاحب! مجھے قطعی علم نہیں تھا کہ احمد فیملی کے ساتھ ایسی کوئی بات ہے مجھے ذاتی طور پر مس احمد سے کوئی شکوہ نہیں۔ بس ایک الجھن سی تھی۔"

"سر! آپ کو جمیل صاحب بلا رہے ہیں۔"

تیمور ابھی بات کر رہا تھا کہ اشرف نے نسیم صاحب کو پیغام دیا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے جانے کے کتنی دیر بعد تیمور سوچتا رہا۔ اس نے کتنا غلط سمجھا تھا تجل کو حالانکہ وہ اسے ایک عرصے سے جانتا تھا۔

"سوری تجل! میں نے تمہیں غلط سمجھا۔" شکوک کی دھند ہٹی تو اس کا دل بھی شفاف ہو گیا۔ پھر وہ آہستگی سے اٹھا اور تجل کے دروازے پر دستک دی۔

"آ جائیے۔" تجل سمجھی کہ نسیم صاحب ہوں گے۔ مگر تیمور کو دیکھ کر وہ سیدھی ہو گئی۔

"اوہ آپ ہیں۔ آئیے تیمور صاحب! آپ ریزائن کر چکے ہیں۔ اب تو نہ میں حاکم ہوں اور نہ آپ ملازم۔ ہم صرف یونیورسٹی فیلو ہیں۔ بیٹھیے۔"

تجل کے بھیگے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی جسے تیمور نے صاف محسوس کیا۔

"ہم صرف یونیورسٹی فیلو ہی ہیں تجل؟"

گہرے لہجے میں جانے تیمور نے کیا پوچھنا چاہا۔ تجل نے فائل پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔

"جی ہاں اور ہو بھی کیا سکتے ہیں۔"

تجل بھی شاید گہرے پانیوں کا راز پا نہ سکی تو قدرے روکھے انداز میں بولی۔ تیمور کے بڑھتے قدم ایک بار پھر رک گئے مگر پھر تجل کے دکھ کا احساس ہر احساس پر حاوی ہو گیا۔

"لیکن تجل! آپ نے تو ہمیں یونیورسٹی فیلو بھی نہیں سمجھا۔ آپ دکھ اور کرب کی کڑی منزل سے گزر رہی ہیں اور ہمیں بتایا نہیں۔ مجھے تو نسیم صاحب نے فاطمہ باجی کے بارے میں بتایا ہے۔ پتا ہو تو انسان اللہ تعالیٰ سے دعا ہی کرتا ہے۔ مجھے بے حد دکھ ہوا ہے ان کا سن کر۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت یاب کرے۔"

"فاطمہ باجی۔" ایک گھٹی گھٹی سی چیخ تجل کے لبوں سے نکل کر خاموش فضا میں گم ہو گئی۔ اور پھر ہچکیوں کے درمیان اس نے تیمور کو فاطمہ کے بارے میں سب کچھ بتا ڈالا۔

"بہت دکھ کی بات ہے تجل۔ آپ نے ایک بار فاطمہ کی طبیعت خراب ہونے کا بتایا تھا مگر وہ اس موذی مرض میں مبتلا ہیں۔ یہ تو نہیں بتایا تھا۔"

"تیمور! ہمیں کب پتا تھا۔ ہم بھی تو بے خبری میں مارے گئے۔ ہمیں بھی آخری سٹیج پر پتا چلا۔ پپا محض ایک تسلی کے لیے ان کو لے گئے ہیں۔ کاش پپا کی واپسی۔"

وہ اس وقت بہت دکھی ہو رہی تھی۔ پپا کے بارے میں کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ اپنا آپ

تیمور کے سامنے کیسے ظاہر کر سکتی تھی۔

"آپ تو بہت بلند حوصلہ ہیں تجل! باجی کے لیے دعا کریں اس وقت ان کو آنسوؤں کی نہیں دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

تیمور نے سامنے رکھے ٹشو کے ڈبے سے ٹشو نکال کر تجل کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شکریہ۔" اس نے بھیگی پلکوں سے تیمور کو دیکھا۔ کتنا اپنا کتنا ہمدرد دوست لگ رہا تھا وہ اسے اس وقت۔

"میڈم! آپ ابھی بیٹھیں گی؟"

ہلکی سی دستک دے کر چوکیدار اندر آ گیا تو تجل نے وقت دیکھا۔ سات بج رہے تھے۔ دونوں ہی کو وقت کا احساس نہ رہا تھا۔

"اوہ سوری حنیف! مجھے ڈسکشن میں یاد نہیں رہا۔ تم باہر بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" تجل مڑی تو دیکھا کہ تیمور اپنا استعفیٰ پھاڑ رہا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔" حیرت سے تجل نے اسے دیکھا تو بڑی دلفریب اور مہربان دوستوں والی مسکراہٹ تیمور کے لبوں پر آ گئی۔

"مشکل وقت میں دوست کا ساتھ دینا چاہیے نا کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔" تیمور نے محسوس کیا تجل کے چہرے پر ایک عجیب سے لیے بڑا خوبصورت رنگ آیا تھا۔

"تھینک یو۔ اب جبکہ آپ جاب پر واپس آ گئے ہیں تو کام بھی ابھی سے شروع کر دیجیے۔"

"او کے میڈم۔" تیمور ذرا سا جھک کر بولا تو تجل ہنس پڑی۔ تیمور غور سے اسے دیکھنے لگا۔ کتنے دنوں بعد اس کے لبوں پر ہنسی دیکھی تھی۔ صاف شفاف نکھری ہنسی کے جلترنگ کافی عرصے بعد سنے تھے۔ باتیں تو بہت سی تھیں مگر اسے خود پر اختیار تھا چپ رہا۔

"یہ فائلیں نسیم صاحب کے گھر پہنچانی ہیں۔ انہوں نے چیک کرنے کو دی تھیں اور گھر لے کر جانی تھیں اور ہم لوگوں کو باتوں میں وقت کا احساس ہی نہیں رہا۔ یہ ہے ان کے گھر کا ایڈریس۔" تجل نے فائلیں اور ایڈریس اس کے حوالے کیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔ میں پہنچا دوں گا۔ چلئے۔" تیمور اس کے لیے راستہ بناتا ہوا بولا۔

"تیمور! آپ کہاں بسوں میں خوار ہوں گے۔ آیئے میں ڈراپ کر دوں گی۔"

تجل کو یہ بات مناسب نہ لگی کہ وہ اس کے کام سے بس میں جائے۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے مڑ کر کہا تو دھیمی سی مسکراہٹ تیمور کے ہونٹوں پر آ گئی۔

"نو تھینکس۔ آپ جائیں۔ نو پرابلم خدا حافظ۔"

وہ بس کو ہاتھ دے کر روکتا ہوا بس کی طرف بڑھا تو تجل بھی اپنی گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆......☆......☆

"توبہ ہے نسیم صاحب آپ کو بھی اتنی بلندی پر ہی ٹھکانا ملا۔"

لفٹ خراب تھی۔ سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے تیمور کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں مگر اس وقت تھکن غصے

اور کوفت میں بدل گئی جب نسیم صاحب کے فلیٹ پر ان کے برابر کا تالا اس کو زبان نکال کر جیسے کہہ رہا ہو۔

"کہو تیمور میاں! کیسا رہا مذاق۔"

"اف میرے خدا۔ اب واپسی بھی۔" بے شمار سیڑھیاں پھر اترنے کے خیال سے تیمور کو غصہ آ گیا۔ وہ واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ نسیم صاحب کے برابر والے فلیٹ سے اسد اور خبیب برآمد ہوئے جو تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اسد کی نظر تیمور پر پڑی تو وہ جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

"ارے تیمور بھائی! آپ یہاں کیسے ہیں۔"

"بس یار! آفس کے کام سے نسیم صاحب کے پاس آیا تھا۔ وہ تو ہیں نہیں۔ سخت غصہ آ رہا ہے اور تم سناؤ۔ کہاں ہوتے ہو۔" تیمور نے باری باری دونوں سے ہاتھ ملایا۔

"اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہوں۔ نسیم صاحب ابھی کچھ دیر قبل اپنی بیگم کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں۔"

"تم لوگ یہاں شفٹ ہو گئے ہو۔ پہلے تو تم لوگوں کا گھر کہیں اور تھا ناں۔"

"نہیں تیمور بھائی! ہم یہاں شفٹ نہیں ہوئے۔ یہاں ہم دونوں کی پھپھو شفٹ ہوئی ہیں۔ ہم دونوں تو ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے۔" اسد تیمور کے ساتھ سیڑھیاں اترتے ہوئے بتا رہا تھا۔

"اچھا یہ بتایئے علی بھائی کیسے ہیں؟ آپ لوگ تو جانے کہاں ہوتے ہیں۔ ملاقات ہی نہیں ہوتی۔"

"ہاں علی بھی ٹھیک ہے۔ علی کا تو تمہیں پتا ہے۔ عجیب ہی مشاغل ہیں اور میں جاب میں مصروف رہتا ہوں۔"

"کیا مطلب؟ آپ بس کا انتظار کریں گے یہاں کھڑے ہو کر؟"

"کیا کریں یار بے کار ضرور ہیں بے بس تو نہیں۔"

تیمور نے مسکرا کر بے کار اور بے بس کا استعمال یوں کیا کہ دونوں ہنس پڑے۔

"لیکن ہم بے کار بھی نہیں اور بد اخلاق بھی نہیں۔ آیئے ہم آپ کے گھر تک ڈراپ کر دیتے ہیں۔" اسد نے مسکراتے ہوئے تیمور کے لیے فرنٹ ڈور کھول دیا۔

"چھوڑو یار! کہاں تکلیف کرو گے میں بس پر چلا جاؤں گا۔ سیدھی بس جاتی ہے۔"

"تکلیف ہم نہیں آپ کر رہے ہیں تیمور بھائی! آئیں پلیز۔"

تیمور کی ہچکچاہٹ پر اسد نے اصرار کیا تو تیمور بیٹھ گیا۔

"یار اسد تم سے ایک بات پوچھنا تھی مگر ملاقات ہی نہیں ہو پاتی۔"

"جی پوچھیے تیمور بھائی۔" اسد نے ٹیپ کی آواز آہستہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ اس روز تقریباً ایک ماہ قبل ایک شخص تمہارے ساتھ بیٹھا تھا کون تھا۔؟"

"کون سا شخص تیمور بھائی؟"

تیمور کے بے تکے سوال پر اسد نے مڑ کر اسے دیکھا تو وہ بھی اپنے سوال کے بے تکے پن کو محسوس کر کے نادم سا ہو گیا۔ اب کیسے سمجھائے کہ وہ کون تھا کیسا تھا۔

"یار پتا نہیں کیوں وہ شخص مجھے بہت جانا پہچانا سا لگا۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس سے تمہارا

کیا رشتہ ہے۔" وہ خود بھی الجھا ہوا تھا اسد کو بھی الجھا دیا۔

"تیمور بھائی۔ کوئی نشانی کوئی پہچان تو بتائیں۔ ہو سکتا ہے اس سے میرا کوئی رشتہ نہ ہو۔ میں اکثر لوگوں کو لفٹ بھی دے دیا کرتا ہوں۔"

"ہاں۔ ہاں ہو سکتا ہے کوئی اور ہو۔ ہاں بس یہیں روک دو۔ آؤ ناں تم لوگ چائے وغیرہ پی کر جاؤ۔ آؤ۔"

تیمور کے اصرار پر اسد اور خبیب اس کے ساتھ آ گئے۔ تیمور نے بیل پر ہاتھ رکھا۔ کافی دیر بیل ہوتی رہی مگر شابی نے دروازہ نہیں کھولا۔

"شابی! دروازہ کھولو میں ہوں تیمور۔"

رات کے نو بج رہے تھے۔ شابی ڈرتی تھی اس لیے اکثر فوراً دروازہ نہیں کھولا کرتی تھی۔ تیمور کو بولنا پڑا تب شابی نے دروازہ کھولا اور کھولتے ہی تیمور سے لپٹ کر رونے لگی۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھ دوسرے بھی ہیں۔ تیمور گھبرا گیا۔ اسد اور خبیب نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ذرا ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔

"شابی...... شابی کیا بات ہے؟ خیریت تو ہے ناں علی کہاں ہے؟"

عجیب قسم کے شکوک نے تیمور کو پریشان کر دیا۔ مگر وہ مستقل روئے گئی۔

"شابی! بتاتی کیوں نہیں۔ کیا ہوا ہے؟ خیریت تو ہے ناں۔ علی کہاں ہے۔"

تیمور نے شابی کو الگ کر کے غصے سے پوچھا تو اس کی ہچکی ذرا رکی۔

"بھائی! علی بھائی تو آپ کے ساتھ گئے تھے پھر نہیں آئے۔"

"کیا...... علی گھر واپس نہیں آیا۔ کہاں رہ گیا۔ خدا خیر کرے کوئی حادثہ تو۔ تم اندر چلو۔ یار اسد۔" شابی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تیمور پریشانی میں اسد اور خبیب کی طرف بڑھا جو قدرے فاصلے پر کھڑے صورت حال سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بھائی دروازہ بند کر کے بیٹھیں۔" شابی نے خوفزدہ نظروں سے اسے جاتے جاتے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں ہوتا تم ڈرو مت۔"

"خدا آپ کو سلامت رکھے بھائی! پتا ہے کیا ہوا تھا۔"

"ہاں۔ ہاں بتاؤ۔ کیا ہوا تھا۔" تیمور جلدی سے واپس مڑا۔

"بھائی! میں علی بھائی کا انتظار کر رہی تھی۔ میں بہت پریشان تھی۔ آپ کے آفس فون کرنے لگی مگر فون بھی خراب تھا۔ تین بجے کے قریب بیل ہوئی۔ وہ علی بھائی کا انداز نہیں تھا۔ مجھے خوف سا محسوس ہوا۔ میں نے جھانک کر دیکھا تو عجیب قسم کے لوگ تھے۔ میں ڈر گئی۔ میں نے دروازہ نہیں کھولا۔ انہوں نے دوبارہ بیل بجائی پھر۔"

"پھر...... پھر کیا ہوا؟" تیمور بے چینی سے بولا۔

"بھائی! وہ میرا نام لے کر چلا رہے تھے اور...... اور۔" وہ پھر رونے لگی۔

"شابی! جلدی بتاؤ۔ کیا کہا انہوں نے۔"

"بھائی! وہ کہہ رہے تھے کہ وہ آپ کو مار ڈالیں گے اور..... اور مجھے یہاں سے لے جائیں گے بھائی۔ آپ آفس مت جایئے گا۔ مجھے لگتا ہے وہ گل خان کے بندے ہوں گے۔ وہ بہت ذلیل آدمی ہے۔ وہ لوگ کہہ رہے تھے۔ بڑی مشکل سے تمہارا پتا ملا ہے اب تمہیں نہیں چھوڑیں گے۔ بھائی اب کیا ہوگا۔"

شابی نے تیمور کو مضبوطی سے تھام لیا جیسے ابھی کوئی اسے چھین کر لے جائے گا۔

"ہوں یہ بات ہے مگر علی۔ اگر علی کو انہوں نے کچھ کہا تو میں۔ میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

شابی کی بات سن کر تیمور کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ علی تو اس دنیا میں اس کا سب کچھ تھا۔

"لیکن وہ علی بھائی کو کچھ نہیں کہیں گے۔ دشمنی تو ان کی ہم لوگوں سے ہے۔ آپ سے مجھ سے۔ علی بھائی کا تو اس بات سے کوئی تعلق ہی نہیں۔"

بات تو شابی کی بھی درست تھی۔ وہ علی کو کچھ کیوں کہنے لگے مگر علی گیا کہاں۔

"ہاں تمہاری بات بھی درست ہے لیکن پھر علی کہاں گیا۔ رکو میں ندیم کو فون کرتا ہوں۔ وہ اس کے پاس بھی چلا جاتا ہے۔ لیکن۔"

تیمور کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ ڈرائنگ روم میں آ کر اس نے شابی والی بات اسد کو بتا دی مگر حقیقت کیا ہے وہ ان کو نہیں بتا سکتا تھا۔

"لیکن تیمور بھیا! آپ کی کس سے کیا دشمنی ہوسکتی ہے۔ آپ اور علی بھائی تو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ یونیورسٹی میں کوئی سیاسی حریف ہو۔"

"اسد! تمہیں معلوم تو ہے کہ میں اور علی سیاست میں صرف علامتی طور پر ہیں۔ اب تو وابستگی تقریباً ختم ہوگئی ہے اور ہمارا کسی سے اختلاف بھی نہیں۔ لیکن علی کا غائب ہو جانا معمولی بات نہیں۔"

تیمور بہت مشکل میں تھا کہ اصل بات بھی لڑکوں کو نہیں بتا سکتا تھا اور اس وقت اسے ان کے ساتھ کی ضرورت بھی تھی۔ سب سے بڑا مسئلہ شابی کا تھا وہ اسے تنہا چھوڑ کر کہیں نکل بھی نہیں سکتا تھا۔

"آپ اکیلے نہیں ہیں تیمور بھائی۔ اللہ پر بھروسا رکھیں۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپ ہمیں بتائیں کیا کرنا ہے۔"

"منیب درست کہہ رہا ہے تیمور بھائی! بتائیں کیا بات ہے؟"

اسد اور منیب کے پر خلوص انداز پر تیمور کو خاصی ڈھارس ہوئی۔

"شکریہ۔ مگر علی کو کہاں تلاش کیا جائے۔"

"آپ ہمت کریں ہم ہر ممکنہ جگہ تلاش کرتے ہیں۔ انشاءاللہ وہ آ جائیں گے۔ چلیں۔"

دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تو اسد کے قدم شابی کے خیال نے روک دیے۔

"یار اسد! مسئلہ یہ ہے کہ میں شابی کو اکیلا یہاں فلیٹ میں چھوڑ نہیں سکتا اور گھر سے نکلے بغیر علی کو تلاش بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

"تو اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے تیمور بھیا! شابی جیسے آپ کی بہن ویسے ہماری بہن۔ شابی کو بھی لے چلئے۔ میرے گھر میں چھوڑ دیں اور جب تک علی بھائی نہیں ملتے وہیں رہنے

دیں میری بھی تین بہنیں ہیں۔ امی ہیں گھر پر۔ کوئی ایسی بات نہیں۔"

اسد کا مشورہ خاصا معقول تھا اور اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں شابی کو لے کر آتا ہوں۔"

☆......☆......☆

"آئیں تیمور بھائی! بیٹھیں۔ شابی! آؤ۔ میں آپ کو امی اور بہنوں سے ملواتا ہوں۔"

اسد نے تیمور کو بیٹھنے کا کہا اور شابی کو اندر چلنے کو کہا۔ شابی نے تیمور کی طرف دیکھا۔

"جاؤ شابی جیسے میں بھائی ہوں ویسے ہی اسد۔"

"یہ ہوئی ناں بات۔ تم یہاں اپنا گھر سمجھ کر رہو۔ جب تک علی بھائی مل نہیں جاتے یہ گھر تمہارا اپنا ہے۔ آؤ میں تمہیں اپنی بہنوں سے ملواؤں۔"

صبا! ہما ٹی۔ وی دیکھ رہی تھی۔ صائمہ کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ زاہدہ بیگم لیٹی ہوئی تھیں۔ وہ اندر آئی تو سب ہی کی نظریں اس پر سوالیہ نشان بن کر جم گئیں۔

"صبا! ہما! یہ میرے دوست تیمور کی بہن ہیں۔ چند روز ہمارے ہاں رہیں گی۔ امید ہے تم لوگ ان کو اچھی کمپنی دوگی۔"

صائمہ کتاب رکھ کر کھڑی ہوگئی۔ زاہدہ بیگم بھی بیٹھ گئیں جبکہ صبا، ہما بڑے خلوص سے شابی کی طرف بڑھیں۔

"کیوں نہیں۔ ایسی کمپنی دیں گے کہ یہ یہاں سے جانے کا نام نہ لیں گی۔"

صبا، ہما نے باری باری اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ بہت اجنبی سا محسوس کر رہی تھی۔

"آئیں۔ یہاں بیٹھیں۔ یہ صائمہ باجی ہیں اور وہ ہماری امی۔"

اسد جا چکا تھا۔ صبا تعارف مکمل کروا رہی تھی۔

"آپ پڑھتی ہیں؟" صائمہ نے پوچھا۔

"جی انٹر کیا ہے۔" شابی نے حسب عادت آہستگی سے جواب دیا۔

"ارے آپ تکلف کیوں کر رہی ہیں۔ آرام سے بیٹھیے ناں۔"

"صائمہ! ذرا میرے ساتھ آؤ۔"

صائمہ کا پروگرام تو شابی کا انٹرویو لینے کا تھا۔ زاہدہ بیگم چپل گھسیٹتی صائمہ کو ساتھ لے کر کچن میں آ گئیں۔

"یہ کیا چکر ہے۔"

"امی! مجھے کیا خبر۔ میں بھی پہلی بار ملی ہوں۔" صائمہ نے لاعلمی سے شانے اچکائے۔

"ذرا اسد کو بلاؤ۔ بابا زمانہ کس طرف جا رہا ہے۔ حالات بھی ٹھیک نہیں اور تیمور کو ہم جانتے نہیں۔ کہاں سے لے آیا ہے۔ بہن کو وہ بھی چند روز کے لیے۔"

"جی امی! یہ بات میری بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک غیر اجنبی لڑکی چند روز کے لیے ہمارے ہاں ٹھہرے گی۔ آپ ٹھہریں میں اسد کو بلاتی ہوں۔"

"جی فرمایئے۔" دوسرے ہی پل اسد ان کے سامنے تھا۔

"بیٹا! یہ لڑکی کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے اور چند روز رہنے کی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"کوئی چکر وکر نہیں امی! تیمور آپ کو معلوم ہے۔ میرے محسن بھی ہیں اور دوست بھی اور شانی ان کی چھوٹی بہن ہے اور یہاں رہے گی۔ کچھ پرابلم ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا! مگر تیمور تو ہمارے لیے بالکل اجنبی ہے اور۔"

"امی! میں بھی تیمور اور علی کے لیے اس وقت بالکل اجنبی تھا جب میری لڑائی چند لڑکوں سے ہو گئی تھی اور وہ مجھے جان سے مار دینا چاہتے تھے۔ تب یہ دونوں اپنی جان کی پروا کیے بغیر میرے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اور اب جبکہ میں ان کے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ ان پر وقت پڑا ہے تو نظریں پھیر لوں۔ اتنا احسان فراموش میں نہیں ہو سکتا۔ علی بھائی صبح سے لاپتا ہیں۔ تیمور بھائی پریشان تھے علی بھائی کو تلاش کرنے کے لیے ان کو باہر جانا پڑا۔ اور بہن کو اکیلا گھر میں نہیں چھوڑ سکتے۔ میں ساتھ لے آیا ہوں۔ میرے خیال میں اب تو آپ لوگوں کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ اس انداز میں بولا کہ ماں بیٹی کو مزید کوئی سوال کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

"اور ہاں امی! علی بھائی کی تلاش میں مجھے تیمور بھائی کا ساتھ دینا ہے۔ مجھے رو کیے گا مت اور صائمہ باجی! شانی کا خاص خیال رکھیے گا۔ کبھی بے لوث ہو کر بھی دیکھیں اس جذبے کا اپنا ہی لطف ہے۔"

اسد آگے جا کر واپس مڑ آیا اور صائمہ کو طنزیہ نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہونہہ! بڑا آیا جذبات کا شہنشاہ۔" صائمہ حسب عادت نخوت سے بولی۔

اسد گھر میں اکلوتا ہونے کا بھرپور فائدہ اٹھایا کرتا تھا۔

"کھانا کھا لیں تیمور بھیا! اللہ تعالیٰ نے چاہا تو علی بھائی آ جائیں گے اور اگر آپ اپنا خیال نہیں رکھیں گے بھوکے رہیں گے تو ان کو تلاش کیسے کریں گے۔"

اسد اور ضیب کے شدید اصرار پر تیمور نے چند نوالے لیے۔

"چلیں اسد! علی کے ممکنہ ٹھکانوں پر دیکھتے ہیں۔"

"چلیں۔ میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔"

ضیب نے گھر فون کر دیا اور تیمور کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

☆......☆......☆

ایک دن اور ایک رات گزر گئی تھی۔ تیمور نے ہر جگہ تلاش کیا۔ اسد اور ضیب کے ساتھ کہاں کہاں خوار نہیں ہوا مگر علی کا تو سراغ تک نہیں مل رہا تھا۔ تیمور تو بے حال ہونے لگا تھا۔

"تیمور بھائی! حوصلہ کریں' اللہ سے دعا کریں۔ انشاء اللہ علی بھائی مل جائیں گے۔"

"یار اسد! میرا دل گھبرا رہا ہے۔ کہاں چلا گیا علی' میرا دوست۔ اگر وہ نہ ملا تو میں خود کو بھی معاف نہیں کروں گا۔"

"بھائی! کچھ پتا نہیں چلا علی بھائی کا۔" شانی کا ایک ایک لمحہ...... دعا کی نذر ہوا تھا۔

"دعا کرو شانی! کوئی اتا پتا' کوئی سراغ نہیں ملا ابھی تک۔"

"یہ کیا ہو گیا بھائی۔" شانی رونے لگی۔

"ارے بھئی شانی! روتے نہیں اللہ سے دعا کرو۔ علی بھائی خیریت سے ہوں۔ جاؤ شاباش تم

اندر جاؤ۔ ہم پھر نکل رہے ہیں۔ دعا کرنا کوئی اچھی خبر لے کر آئیں۔"

شانی واپس آ گئی۔ باوجود اس کے کہ صبا' ہما نے اس کی بہت دلجوئی کی تھی مگر اسے چین نہیں تھا۔ علی کی باتیں' اس کی شوخیاں اس کا سراپا نظروں میں گھومتا رہتا۔ کس قدر خیال رکھتا تھا وہ اس کا اور تیمور کا۔

"اے اللہ میاں' علی بھائی کو اپنے حفظ و امان میں رکھنا۔"

اس نے صدق دل سے دعا کی۔ زاہدہ بیگم بڑے غور سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"لڑکی ہے بڑی حسین۔ مجھے تو بڑی پسند آئی ہے اگر اسد کو بھی پسند آ گئی تو بات کریں گے اس کے بھائی سے۔"

زاہدہ بیگم اس وقت صرف اسد کی ماں بن کر شانی کو دیکھ رہی تھیں۔

"رہنے دیں امی! یہ ہی رہ گئی ہے ہمارے اسد کے لیے۔ ایک سے ایک لڑکی پڑی ہے۔ ایک ہی تو ہمارا بھائی ہے۔ لڑکی لائیں گے تو کسی اچھے گھرانے کی جس کا سوسائٹی میں کوئی مقام ہو۔ کوئی بہت اونچے گھرانے کی ڈاکٹر ہو میں اسد کی کچھ ساتھی ڈاکٹرز کے بارے میں جانتی ہوں۔ بڑی اچھی فیملیز سے تعلق رکھتی ہیں۔ امی اب ہمیں آگے بڑھنا ہے۔ کلاس تبدیل کرنی ہے۔ اس بے نام و نشان لڑکی کا کیا پتا ہے۔ ایک بھائی ہی بھائی ہے۔ علی کے فلیٹ میں رہتے ہیں۔ کوئی حیثیت تو ہے نہیں۔ خالی خولی حسن کو چاٹنا ہے ہم نے۔"

"چلو نہیں تو نہ سہی۔ میں کون سا مولوی کو بلائے بیٹھی ہوں نکاح کے لیے۔"

زاہدہ بیگم کا ریموٹ کنٹرول صائمہ کے ہاتھ میں تھا۔

"یہ آپ لوگ کیا کھسر پھسر کر رہی ہیں۔ شانی کیا سمجھ رہی ہو گی کہ شاید اس کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں۔"

ہما فاصلے پر بیٹھی شانی کے ساتھ بیٹھی تھی مگر ماں اور بہن کو سر جوڑے دیکھ کر وہ آہستگی سے اٹھ کر آ گئی۔

"ہاں تو اسی کے بارے میں تو باتیں ہو رہی ہیں۔" صائمہ چھالیہ زبان پر رکھتے ہوئے مسکرائی۔

"مثلاً۔" ہما نے آہستگی سے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ علی تو اس کے بھائی تیمور کا دوست ہے مگر اس کے اغوا ہونے پر یہ اتنی افسردہ کیوں ہے۔" صائمہ خود بے حس اور خود غرض سی لڑکی تھی۔ دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتی تھی۔

"آپ تو بس فضول باتیں ہی سوچتی ہیں۔"

ہما منہ بنا کر وہاں سے ہٹ گئی۔

آج تیسرا دن تھا۔ علی کو کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ نہ ہی کسی نے کوئی رابطہ کیا تھا۔ تیمور کا شدت غم سے برا حال تھا۔

فجر کی نماز کے بعد تیمور سجدے میں گڑگڑا کر علی کے لیے دعا کرتا رہا۔

"تیمور بھائی! حوصلہ کریں اللہ تعالیٰ کے فضل سے علی بھائی خیریت سے ہوں گے اور آ جائیں

گے۔"

"کب۔اسد آخر کب'میری تو ہمت بھی جواب دے گئی ہے۔کاش مجھے پتا چل جائے وہ کون لوگ ہیں میں...... میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔اگر میرے یار کو کچھ ہوا تو۔"

تیمور بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اسد اور منیب مستقل تیمور کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ وہ ان کا بہت ممنون تھا۔اگر وہ تنہا ہوتا تو شاید کچھ کر گزرتا۔

"میں۔تم دونوں کا احسان مند ہوں۔دونوں نے بھائیوں کی طرح میرا ساتھ دیا ہے ورنہ میں تو۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں تیمور بھیا۔ہم آپ کے بھائی ہیں اور آپ پر احسان نہیں کر رہے۔علی بھائی بھی ہمارے بھائی ہیں۔ان کے لیے کچھ کرنا ہمارا فرض ہے تیمور بھائی!"

"میں ابھی آیا۔"فون کی بیل پر منیب فون سننے چلا گیا۔

"میرا خیال ہے تیمور بھائی!علی بھائی کی جو بہن سرگودھا میں ہوتی ہیں'ان کو فون کر دیا جائے۔ان کے گھر والوں کو بھی علم ہونا چاہیے۔یوں بھی وہ بتا رہے تھے کہ ان کے بہنوئی اثر ورسوخ والے آدمی ہیں۔وہ ہی کچھ کریں آ کر۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں اسد۔"

"کیوں؟"تیمور اور اسد ایک دم منیب کی جانب مڑے'جس کا چہرا سرخ ہو رہا تھا۔

"اس لیے کہ...... کہ تیمور بھائی!تھانے سے فون تھا۔"

"تھا۔تھا۔تھانے۔کیا کہہ رہے تھے۔"تیمور کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

"وہ کہہ رہے تھے کہ۔"

"بری بات نہ نکالنا منیب'میرا دل بند ہو جائے گا۔ایک وہی تو ہے میرا اپنا۔"

تیمور کی حالت خراب ہونے لگی۔ وہ وحشت زدہ نظروں سے منیب کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پر ضبط کی سرخی بتا رہی تھی کہ بات غیر معمولی ہے۔

"انہوں نے کہا ہے کہ۔کہ لاش مل گئی ہے۔"

"نہیں۔"تیمور کی چیخ سے گھر کے در و دیوار لرز گئے۔

☆......☆......☆

"محترمہ!میں نے کچھ پوچھا ہے۔"حسن نے فائزہ کی طرف دیکھا جو اس کی اس بات پر کہ وہ والدین کو لانا چاہتا ہے گم صم سی ہو گئی تھی۔

"میں نے کوئی انکار کیا ہے۔"فائزہ کی پلکیں جھک گئیں۔

"مگر اقرار تو نہیں کیا فائزہ!میں نے محسوس کیا ہے کہ میں جب بھی ایسی بات کرتا ہوں۔تم چپ سی ہو جاتی ہو۔"

حسن کو جو بات کھٹکتی تھی۔آج اس نے کہہ ہی ڈالی۔فائزہ نے اسے دیکھا۔اس کی زندگی میں بہت سے مردوں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا مگر اس نے کسی کی جانب دیکھا بھی نہیں۔حتیٰ کہ طلال کو بھی لفٹ نہیں کرائی تھی۔حسن پہلا مرد تھا جسے اس نے چاہا تھا مگر امی کی وجہ سے وہ چپ رہتی۔

"حسن!میں اپنے گھر والوں کو خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔امی کو کسی بات پر اعتراض نہیں ہوگا۔سوائے ایک بات کے۔نجانے کیوں ان کو جنون ہے کہ میری شادی کسی ڈاکٹر سے ہونی چاہیے۔اور۔"

"کہیں تم بھی۔"

"حسن پلیز۔"حسن کی بات فائزہ کو تیر کی طرح لگی۔

"آپ کا کیا خیال ہے۔میں ایسی ویسی لڑکی ہوں کہ دل میں کچھ اور چاہوں گی اور آپ کے ساتھ وقت گزاری کر رہی ہوں۔مجھے افسوس ہے حسن کہ آپ نے مجھے چاہا ضرور ہے مگر سمجھا نہیں۔"

"فائزہ پلیز'میری بات تو سنو۔"

فائزہ جانے لگی تو حسن جلدی سے سامنے آ گیا۔

"دیکھو فائزہ!میں بھی کوئی کمزور مرد نہیں ہوں کہ ذرا کوئی لڑکی اچھی لگی تو اظہار عشق کر دیا اور بات ختم۔میں نے تمہیں چاہا ہے۔ سے زیادہ سمجھا ہے۔اسی لیے تو ہر معرکہ سر کرنے کو تیار ہوں۔تم سے مر کر بھی دستبردار نہیں ہو سکتا۔میرے کہنے کا مطلب صرف یہ تھا کہ کہیں تم بھی ان کے دباؤ میں نہ آ جانا فائزہ۔میں نے تمہیں خدا سے مانگا ہے والدین سے مانگنا تو دنیاوی فارمیلٹی ہے۔"

حسن کا ایک ایک لفظ سچائی اور خلوص میں لپٹا ہوا تھا۔فائزہ کے آئینہ دل پر آئی گرد ڈھل گئی۔

"تو پھر اسی یقین کے ساتھ والدین کو لے آیئے۔"

"واقعی!"حسن نے شوخی سے اسے دیکھا تو فائزہ کی نظریں جھک گئیں۔

☆......☆......☆

کہنے کو تو فائزہ نے حسن سے کہہ دیا تھا مگر اب بہت پریشان تھی۔نجانے امی ان لوگوں سے کیسا برتاؤ کرتی ہیں۔اس وقت اسے شدت سے زیب کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔اس نے سوچا تھا کہ گھر جاتے ہی زیب سے ملنے جائے گی مگر اس وقت اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب زیب گھر میں پہلے سے موجود تھی۔

"زیب تم۔اسے کہتے ہیں دل سے دل کو راہ ہوتا۔میرا دل شدت سے تم سے ملنے کو چاہ رہا تھا۔میں نے سوچا تھا آج تم سے ملنے جاؤں گی۔"

فائزہ بے ساختہ زیب سے لپٹ گئی۔

"دعائیں دو ہمیں کہ ملا دیا اور کوشش کرو کہ یہ آنا جانا ختم ہو۔ زیب کو جلد از جلد لے آؤ۔"شعیب تولیے سے ہاتھ صاف کرتا اندر آ کر بولا......زیب چپ کھڑی رہی۔شعیب اسے ماموں جان کی طبیعت کی خرابی کا کہہ کر لایا تھا۔آ کر پتا چلا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔اسے بہت غصہ تھا مگر وہ اظہار کا اختیار ہی کب رکھتی تھی۔

"شوبی بھیا!میری دوست کو تنگ نہ کریں۔آؤ زیب!کھانا کھاتے ہیں۔پھر باتیں کریں گے۔"فائزہ نے زیب کا ہاتھ پکڑا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو یہ ہے ساری صورت حال۔اب بتاؤ۔میں کیا کروں۔"

فراغت کے بعد اب دونوں کمرا بند کیے بیٹھی تھیں۔

"فائزہ! تمہیں حسن بھائی کو ابھی نہیں بلانا چاہیے تھا۔ میں نے تو کچھ اور ہی سنا ہے۔" زیب پریشان ہوگئی فائزہ کی بات سن کر۔

"کیا سنا ہے؟" فائزہ کا دل انجانے خوف سے دھڑک اٹھا۔

"آسیہ مامی نے آتے ہی مجھے بتایا ہے کہ ڈاکٹر وسیم کے گھر والے اسی ہفتے آ رہے ہیں تمہارا پروپوزل لے کر۔"

"نہیں زیب! ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تم امی کو صاف صاف بتا دو۔ میں کیا چاہتی ہوں۔ امی کو بتاؤ۔ جس بیٹی کی چھوٹی بڑی ہر خواہش پوری کی۔ اب زندگی کے اہم ترین موڑ پر جہاں سے مجھے زندگی کا سفر شروع کرنا ہے۔ تو۔ تو۔ وہ مجھے دائمی خوشیاں جو کہ حسن کی صورت مل سکتی ہیں دینے سے انکار کر رہی ہیں کچھ کرو زیب! اب تو امی تمہاری ہر بات مانتی ہیں۔"

فائزہ روہانسی ہوگئی۔ زیب اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"میں نارسائی کے کرب سے گزر چکی ہوں۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گی تمہارے لیے۔ اگر شعیب سے بھی مجھے بات کرنا پڑی تو کروں گی۔ تم دل چھوٹا نہ کرو اللہ سے دعا کرو۔ وہ تو سب کی سنتا ہے۔ دیتا ہے شرط صرف مانگنا ہے۔"

زیب نے اسے ساتھ لگا کر سمجھایا تو فائزہ کے بے قرار دل کو سکون سا محسوس ہوا۔ حقیقت یہ تھی کہ زیب اس کی بہترین دوست تھی۔ جس سے بات کر کے ہمیشہ اس کو سکون آمیز حوصلہ افزائی ملی تھی۔

"ہوں ہو رہی ہوں گی میری برائیاں۔" شعیب زیب کی طرف دیکھتا ہوا اندر آ گیا۔

"آپ تو ہمیشہ زیب سے بدگمان ہی رہتے ہیں بھیا! حالانکہ زیب نے آج تک آپ کی کوئی شکایت نہیں کی۔"

"شکایت کیوں کرے گی۔ میں نے آج تک اس کو شکایت کا موقع دیا ہی نہیں۔" زیب خاموشی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"آؤ زیب!! چائے بنائیں۔" فائزہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"تم چلو فائزہ! میں ابھی آتی ہوں۔" زیب نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"جاؤ بھی۔ کبھی تو ہمیں بھی بات کر لینے دیا کرو۔"

شعیب نے شوخی سے زیب کو دیکھتے ہوئے فائزہ کو باہر دھکیلا۔

"شعیب! مجھے واقعی آپ سے کچھ کہنا ہے۔"

زیب نے آہستگی سے کہا تو شعیب کو اپنی سماعت پر شبہ ہونے لگا۔ وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔

"مجھ سے۔" وہ اس کے قریب چلا آیا۔

"جی۔" وہ قدرے بیزاری سے اٹھ کر دوسری طرف مڑ گئی۔

"زہے نصیب۔ وہ مجھ سے ہوئے ہمکلام اللہ اللہ۔ بندہ ہمہ تن گوش ہے۔"

شعیب کو واقعی حیرت کے ساتھ خوشی ہو رہی تھی۔ وہ تو ان مہربان لمحات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"زیب! میں منتظر ہوں۔ لیکن نہیں یہاں نہیں۔ کہیں باہر چل کے اچھی سی جگہ پر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" شعیب اٹھنے لگا تو زیب روکنے لگی مگر کچھ سوچ کر وہ تیار ہوگئی۔

"زیب! آؤ چائے تیار ہے۔" فائزہ نے آواز لگائی تو دونوں باہر آ گئے۔

"اپنی بے سری چائے خود ہی پیو ہم باہر جا رہے ہیں۔" شعیب نے اس کے سر پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا۔

"واقعی زیب۔" فائزہ نے تصدیق کے لیے زیب کو دیکھا تو اس نے ذومعنی انداز میں دیکھتے ہوئے سر ہلایا۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ بلال اور رابعہ بیگم آ گئے۔ بلال کی پہلی نظر زیب پر ہی پڑی۔

"آداب!" شعیب زاہدہ بیگم کی طرف بڑھا۔

"جیتے رہو۔ کہیں جا رہے ہو تم لوگ؟" رابعہ بیگم نے زیب کو دیکھا۔

"جی سب تو نہیں البتہ میں اور زیب جا رہے ہیں۔ زیب کو کچھ شاپنگ بھی کرنی ہے۔ سوری یار بلال! میں تمہیں کمپنی نہ دے سکوں گا۔"

شعیب نے بلال سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا جو زیب کی آپس میں الجھی انگلیوں کو دیکھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔۔ کوئی بات نہیں۔۔۔۔ یوں بھی میں امی کو چھوڑنے آیا تھا۔ میں بھی جا رہا ہوں۔ ٹھیک ہے امی آپ بیٹھیے میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" بلال الٹے پاؤں پلٹ گیا۔

"ارے بلال میاں! ایسی بھی کیا جلدی۔ آؤ بیٹھو کچھ دیر تو۔"

شوکت صاحب باہر آ گئے تو بلال کو انکار مناسب نہیں لگا۔ وہ بیٹھ گیا۔

"ابو! ہم ذرا بازار جا رہے ہیں۔ زیب کو شاپنگ کرنی ہے۔"

شعیب نجانے بار بار کیا جتانا چاہ رہا تھا۔ وہ خوب سمجھ رہی تھی وہ بلال کو جلانے کے لیے بار بار ایسا کہہ رہا تھا مگر وہ کیا کر سکتی تھی۔ خاموشی سے ایک نظر بلال پر ڈال کر رہ گئی۔

"ہاں بیٹے! ضرور جاؤ۔ زیب بیٹے جھجکنا نہیں خوب پیسے خرچ کروانا اس سے۔"

شوکت صاحب شعیب کے ساتھ زیب کو دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ یہی تو ان کی آرزو تھی کہ شعیب زیب کو خوش رکھے مگر وہ زیب کے دل کا حال قطعی نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا چاہتی ہے اور کن حالات سے خوش ہو سکتی ہے۔

"چلیں زیب!" شعیب خوامخواہ ہی بچھا جا رہا تھا۔ وہ کچھ بولے بغیر باہر نکل آئی۔ بلال نے ایک نظر دونوں پر ڈالی۔ دل میں عجیب سی تکلیف محسوس ہوئی تو اسے افسوس ہونے لگا۔ وہ کیوں امی کو چھوڑنے آ گیا۔ اچھا تھا جمال آ جاتا۔

"جی جناب! آپ کچھ کہہ رہی تھیں؟"

چائنا ٹاؤن کے خواب ناک ماحول میں کونے میں ایک میز پر بیٹھتے ہوئے شعیب نے اس کی جھکی جھکی آنکھوں کو دیکھا۔

"میں یہ کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہنے کے لیے لب کشائی کی ہی تھی کہ بیرا آ گیا۔ وہ چپ ہوگئی۔ شعیب مینو دیکھنے لگا۔

"ہوں تو کیا چلے گا۔" شعیب نے اس کے بیزار چہرے کو دیکھا جس نے بیرے سے مینو لے

کر کھولے بغیر میز پر رکھ دیا تھا۔

"میرا تو کچھ بھی لینے کو دل نہیں چاہ رہا۔"

"اچھا اوکے۔ آج میری پسند چلے گی۔" شعیب مسکرا کر بیرے کی طرف مڑا اور بتانے لگا۔ وہ جب آئے تھے تو شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ اب گہرا اندھیر ہو رہا تھا۔ اس نے سامنے کھڑکی میں دیکھا۔ اس وقت باہر اسے بڑا عجیب سا لگا۔ خود کو ملامت بھی کی کہ اس نے بابر کی آفر قبول کر لی۔ لوگ کیا سمجھ رہے ہوں گے کہ وہ کس کے ساتھ آئی ہے۔ دھیمی سی موسیقی ہلکی روشنی میں ماحول دوسروں کے لیے تو بہت خواب آور اور رومینٹک ہو رہا تھا مگر زیب کو وحشت ہو رہی تھی مگر اسے فائزہ کی خاطر یہ سب برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

"کیا بات ہے زیب! خوفزدہ کیوں ہو؟ میں کوئی غیر تو نہیں۔ کزن بھی ہوں اور..."

"میرا خیال ہے ہمیں جلدی چلنا چاہیے۔" بیزاری اس کے چہرے سے عیاں تھی۔ شعیب کو غصہ آ گیا۔

"جلدی چلنا فضول ہی ہوگا۔ بلال تو جا چکا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے ہم ان فضول باتوں کے لیے یہاں نہیں آئے۔ مجھے ایک اہم بات آپ سے کرنی ہے۔"

زیب میں اب ایک طرح کا اعتماد آ چکا تھا۔

"ہوں۔ تو کہو کیا بات ہے۔"

"مجھے آپ سے فائزہ کے بارے میں بات کرنی ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ مجھے ایسی کوئی خوش فہمی تھی کہ تم نے میرے بارے میں بات کرنی ہے۔ کہو۔"

شعیب نے چبھتے لہجے میں کہا مگر اب زیب کو اس کے لہجوں کی پروا نہیں تھی۔ اس نے ساری بات رکے بغیر کہہ ڈالی۔

"مگر امی تو ڈاکٹر وسیم کے لیے بہت سنجیدہ ہیں اور میرے خیال میں بھی یہ رشتہ فائزہ کے لیے بہت موزوں ہے۔"

شعیب کو حیرت اور مایوسی ہوئی وہ تو سمجھ رہا تھا شاید زیب اپنے یا اس کے بارے میں کچھ کہے گی۔

"دلوں کے معاملے مصلحتوں کو نہیں سمجھتے۔ دل ٹوٹ جائیں تو کھنڈروں میں ارمانوں کے پھول کون انسان کھلا سکتا ہے۔ میں نے آپ سے یہ درخواست اس لیے کی ہے کہ میں نہیں چاہتی فائزہ کا دل بھی کھنڈر بن جائے۔"

اس کے شکستہ دل کی آہیں لفظوں میں ڈھل گئیں تو شعیب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تمہارا بھی۔" اس نے کنیلے لہجے میں ادھوری بات کی۔

"میں نے آپ سے پہلے بھی کہا ہے کہ یہاں میں صرف آپ سے فائزہ کے بارے میں بات کرنے کے لیے آئی ہوں۔ میرا قصہ ختم ہو چکا ہے۔ میں سب کچھ ممتا اور ماموں پر قربان کر چکی

ہوں۔ میں سب کچھ بھول چکی ہوں۔ اور میں آپ کو ہرگز اجازت نہیں دوں گی۔ آپ مجھے پچھلی کسی بات کا حوالہ دیں یا بلال کا طعنہ دیں میں آپ کو اپنی ماں کا حکم اور ماموں کی خواہش جان کر قبول کر چکی ہوں۔ اور آپ سے بات اس لیے کر رہی ہوں کہ امی آپ کی بات مانتی ہیں۔ فائزہ اس رشتے پر قطعی تیار نہیں خوش نہیں جبکہ شادی خوشی کا نام ہے۔ فائزہ مجھے بہت عزیز ہے اور میں چاہتی ہوں کہ شادی اس کی پسند سے ہو۔ وہ خوش رہے۔"

بہت نرم شائستہ مگر مضبوط لہجے میں زیب نے فائزہ کا دفاع کیا تو شعیب چپ چاپ اسے کتنی ہی دیر دیکھتا رہا۔

"ٹھیک ہے میں امی سے بات تو ضرور کروں گا مگر میرا نہیں خیال کہ وہ ایک ڈاکٹر کے مقابلے میں کسی دوسرے کو فائزہ کے لیے پسند کریں گی۔"

"یہ بات تو میں بھی جانتی ہوں مگر میں نے آپ سے اس لیے کہا ہے کہ آپ ان کو فائزہ کی پسند بتا کر اصرار کریں کہ وہ اسی میں خوش ہے۔ حسن بہت اچھا لڑکا ہے۔"

"تمہیں کیسے خبر ہوئی؟" شعیب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"فائزہ بہت اچھی نیک نیت سلجھی ہوئی اچھے خیالات کی مالک لڑکی ہے اور حسن اس کی اولین پسند ہے اور یقیناً بہت اچھا ہوگا جب ہی فائزہ کو پسند آیا ہے۔"

"ہوں تو اس کا مطلب ہے۔ مجھے ذاتی طور پر حسن سے ملنا پڑے گا۔" زیب کے دلائل سے وہ متاثر ہو چکا تھا۔

"پھر چلیں۔" زیب جس مقصد کے لیے اس کے ساتھ آئی تھی۔ اس کے پورا ہونے کے بعد وہ ایک منٹ بھی اس کے ساتھ ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی وہ بیگ پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"ہوں چلو۔" وہ بھی بے دلی سے اٹھ گیا۔ جب سامنے والا ہی بے دلی دکھا رہا تھا تو وہ کیا کرتا۔

"ہیلو شعیب!" وہ دونوں باہر نکل رہے تھے کہ فریا نے روک لیا جو اپنی بہن اور بہنوئی کے ساتھ آ رہی تھی۔ وہ گم صم سا بے تاثر چہرا لیے دیکھنے لگا۔

"لگتا ہے تم نے مجھے پہچانا نہیں میں فریا ہوں۔" فریا نے اس کے برابر کھڑی زیب کو دیکھتے ہوئے ہلکا سا طنز کیا ورنہ دل پر جو گزر رہی تھی وہی جانتی تھی۔

"ہوں نہیں تو اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ اصل میں۔ ہاں ان سے ملو میری کزن زیب۔ اور زیب! یہ میری کلاس فیلو فریا ہیں۔" جھینپ مٹاتے ہوئے شعیب نے تعارف کرایا تو فریا کا چہرا اتر گیا۔

"چلو مجھے تو تم نے صرف کلاس فیلو آسانی سے کہہ دیا مگر یہ بھی صرف کزن ہیں یا۔" فریا آواز کی لرزش پر تو قابو پا گئی۔ مگر نم ہوتے گوشے زیب سے چھپ نہ سکے۔ وہ تو خود زخم خوردہ تھی۔ فریا کے درد کو سمجھ سکتی تھی۔

"میں گاڑی کے پاس کھڑی ہوں۔" زیب نے محسوس کیا۔ اس وقت اس کا وجود فریا کے لیے اذیت کا باعث تھا اور شعیب بھی اپنے کسی تعلق کو اس کی وجہ سے لاتعلقی میں بدل رہا تھا۔ وہ کسی کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ باہر آ گئی۔ فریا کی بہن اور بہنوئی میز تلاش کر رہے تھے۔

"میرے سوال کا جواب نہیں دیا تم نے۔" فریا نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا۔

"فریا! ساری صورت حال تمہیں پتا تو ہے۔ اس لڑکی کو میں صرف اپنے امی ابو کی وجہ سے قبول کرنے پر مجبور ہوں۔" شعیب نظر چرا کر بولا۔

"کتنے برے ہو تم۔ اتنی پیاری معصوم لڑکی کو مجبوری کہہ رہے ہو۔ بہرحال میں تم سے ان باتوں ان وعدوں اور خوابوں کا حساب نہیں مانگوں گی جو میں نے تمہاری جھوٹی چاہتوں کے نام پر دیکھے ہیں۔ جاؤ وہ تمہاری منتظر ہے۔ اگر ہو سکے تو اپنی سرشت کے خلاف اس سے وفا کرنا۔ خدا حافظ۔"

فریا نمکین پانی کو حلق سے اتارتی آگے بڑھ گئی۔ شعیب کے قدم بھاری ہو گئے۔ اس میں پلٹ کر فریا کو دیکھنے کا حوصلہ بھی نہ تھا اب وہ اسے کیسے بتاتا کہ دل کے کسی گوشے میں وہ اپنی چاہتوں کے ساتھ موجود ہے اور زیب کے لیے اس کے دل میں کیا تھا۔ محبت تھی یا کہ صرف حسد اور ہٹ دھرمی۔ وہ کوئی بھی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔

"سوری زیب! ذرا دیر ہو گئی۔ میں ذرا اس سے سب فیلوز کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

وہ منتظر کھڑی زیب کو دیکھتے ہوئے خود ہی وضاحت کرنے لگا۔

"میں نے وضاحت تو نہیں چاہی اور نہ ہی مجھے اس لڑکی سے بات کرنے پر اعتراض تھا اور نہ ہی یہ تجسس کہ آپ دونوں کا کیا تعلق رہا ہے۔ اس لیے کہ میں ایک شکستہ دل لڑکی کی آنکھوں میں اترتی نمی کے احساس کو خوب اچھی طرح محسوس کر سکتی ہوں۔"

سیٹ کی پشت سے سر ٹیک کر آنکھیں بند کیں تو بلال کی شبیہ ابھر آئی۔

"ہاں ظاہر ہے تمہیں مجھ سے انٹرسٹ نہیں تو میری کسی بات میں کیا انٹرسٹ ہو سکتا ہے۔"

فریا کی ملاقات کے اثر کو وہ اس پر طنز کے ذریعے زائل کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

"ناممکن ...... ہرگز نہیں۔ یہ پٹی تمہیں کس نے پڑھائی تھی۔ فائزہ کو میری خاطر میری خوشی کی خاطر میرا یہ فیصلہ قبول کرنا ہوگا۔" شعیب نے پہلی فرصت میں زیب کا دیا ہوا پیغام امی تک پہنچا دیا تو وہ جو طلال کے بعد فائزہ کی شادی کسی بھی ڈاکٹر سے کرنا اپنی زندگی کا مقصد سمجھتی تھیں یہ بات سن کر تھے سے اکھڑ گئیں۔

"امی! شادی زندگی بھر کا بندھن ہوتا ہے۔ فائزہ آپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ سمجھدار ہے۔ اس کی پسند بھی ایسی ویسی نہیں۔ میں ذاتی طور پر حسن سے مل چکا ہوں سوائے ڈگری کے اس میں کوئی کمی نہیں۔"

شعیب نے خلوص دل سے بہن کا دفاع کیا اور یوں بھی حسن اسے پسند آیا تھا۔

"اور یہی کمی مجھے قبول نہیں۔ کہہ دو فائزہ سے۔ اسے میری خواہش پوری کرنا ہوگی۔"

"خواہ وہ تمام عمر ناخوش رہے۔" شعیب نے سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"کیوں ناخوش رہے۔ ثریا بہترین فیملی ہے۔ شریف خاندان ہے۔ لڑکا خوبرو ہے۔ امریکہ میں رہتا ہے اس سے کہہ دو۔ میں زبان دے چکی ہوں ...... وہ مجھے دشمنوں میں کیوں نیچا دکھانے پر تلی ہوئی ہے۔ میں اپنے بھائی بھابی کو بتانا چاہتی ہوں کہ اگر اس کا ڈاکٹر بیٹا میری بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا تو دنیا سے ڈاکٹر ختم نہیں ہو گئے۔ میں فائزہ کی شادی ڈاکٹر ہی سے کروں گی خواہ کچھ ہو جائے۔"

آسیہ بیگم نے حتمی انداز میں اپنا فیصلہ سنا دیا تو شعیب مصلحتاً خاموش ہو گیا۔

☆......☆......☆

آج کی شام گزشتہ شاموں سے زیادہ اداس اور ویران تھی۔ صوفیہ بیگم کا دل بہت گھبرا رہا تھا۔ نبیل تو آفس میں تھی۔ مہوش ابھی ابھی اٹھ کر گئی تھی۔ شہرین اس سے روٹھ کر گئی تو واپس نہیں آئی تھی۔ راحیل لان میں ٹہل رہا تھا۔ اندر باہر سناٹا تھا۔

صوفیہ بیگم پر وحشت سوار ہونے لگی۔

"کوئی ہے۔ کہاں گئے سب۔ راحیل! فاطمہ! میرے بچو میں ...... تنہا ہوں آ جاؤ ...... آ جاؤ۔"

ان کی نگاہوں میں ماضی گھومنے لگا جب سب بچے چھوٹے چھوٹے تھے۔ اوپر نیچے اچھلتے پھرتے۔ کتنا شور ہنگامہ ہوتا۔

مہوش اور راحیل لان سے بھاگے ہوئے آئے۔

"مما! کیا بات ہے؟" راحیل نے مما کو ساتھ لگا لیا۔

"میرے پاس آ جاؤ تم سب۔ راحیل سب کو بلاؤ۔ میں تم سب کو اپنے دل میں چھپا لوں۔ راحیل ہنسو بولو چلاؤ۔ مجھے یہ خاموشیاں مار دیں گی۔ تنہائیاں ڈس لیں گی۔ میرے بچو میرے پاس آ جاؤ۔" صوفیہ بیگم رو دیں۔

"مما! ہم آپ کے پاس تو ہیں۔ بس ایک دو روز کی بات ہے۔ فاطمہ، آمنہ اور عدیل بھی آ جائیں گے۔ مہوش! تم نبیل اور نجل کو فون کر دو گھر آ جائیں۔"

راحیل نے خود مما کو سنبھالا۔ مہوش نے دونوں کو فون کر دیا۔ دونوں آدھے گھنٹے میں پہنچ گئے۔

"مما! کیا بات ہے۔ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ دیکھیں سب آپ کے پاس ہیں۔"

نبیل نے پیار سے ماں کے آنسو صاف کیے۔

"مما! میری بات سنیے۔"

"تم سب میرے بچے ہو ناں۔"

"مما ...... مما۔"

"نبیل! ڈاکٹر کو فون کرو۔ مما ...... مما ......"

☆......☆......☆

"ڈاکٹر صاحب! مما کی یہ حالت اکثر ہو جاتی ہے کیوں آخر؟"

"دیکھیے راحیل صاحب! آپ کی مما جن بیماریوں کا مقابلہ کر رہی ہیں اور جو پچویشن ان کو درپیش ہے اس سے اس قسم کے فٹس کوئی ایسی انہونی بات نہیں۔ آپ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ لوگ ایک سے ایک اچھے ڈاکٹر کو دکھا سکتے ہیں۔ غریب لوگ تو... خیر اب یہ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں نے انجکشن لگا دیا ہے' اٹھیں گی تو نارمل ہوں گی۔"

ڈاکٹر کے جانے کے بعد سب پریشان سے مما کے گرد بیٹھے رہے۔ راحیل دیکھ رہا تھا۔ مہوش مما کی کس قدر خدمت کر رہی ہے ایسے وقت میں جب کہ مما کی خدمت' تیمارداری کی ضرورت تھی' قریب ہونے کا وقت تھا' شہرین موجود نہیں تھی۔ اسے اس بات پہ دکھ تھا۔ آخر اس کی ماں تھیں۔ شہرین کو ان کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔

"ہیلو راحیل بات کر رہا ہوں' شہرین سے بات کروائیں۔"

"جی آ گیا خیال آپ کو شہرین کا۔"

بغیر کسی سلام دعا کے شہرین نے چھوٹتے ہی شکوہ کیا تو راحیل کو غصہ آ گیا' مگر ضبط کر گیا۔ وہ جذبات میں آ کر بات بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

"شہرین! گھر واپس آ ؤ' اس وقت گھر کو' مما کو تمہاری ضرورت ہے۔"

"راحیل صاحب! میں اپنی مرضی کی مالک ہوں' میں کسی کی ضرورت نہیں اور جو گھر میرا نہیں' میں اس کی ضرورت نہیں بن سکتی اور آپ کی مما کی ملازمہ بن کر ان کی خدمت نہیں کر سکتی اور یوں بھی وہ ایک تھرڈ کلاس ملازمہ ان کی بہو کی حیثیت سے موجود ہے اور اس کی موجودگی میں' میں ہرگز نہیں آؤں گی۔"

شہرین کی تنگ مزاجی نے اسے کبھی اتنی اذیت نہیں پہنچائی تھی جتنی آج۔

شہرین! وہ جسے تم تھرڈ کلاس کہہ رہی ہو' بہت قریب ہو گئی ہے' وہ سب کے۔ سب کے دل میں اپنی عزت بنالی ہے۔"

"اوہ!" شہرین نے "او" کو بڑے معنی خیز انداز میں لمبا کھینچا۔

"یہ تو خیر ان جیسی عورتوں کے بائیں ہاتھ کا کمال ہوتا ہے' دل جیت لینا' ویسے بائی داوے آپ اس کی کس حد تک عزت کرتے ہیں۔"

"شٹ آپ۔"

شہرین کے رکیک سے انداز پر راحیل نے نفرت سے شٹ آپ کہہ کر ریسیور پٹخ دیا۔ راحیل مما کے قریب آیا تو مہوش مما کے پاؤں دبا رہی تھی۔ کتنی ملاحت' کتنی پاکیزگی تھی اس کے چہرے پر۔ مما کے لیے کتنی تڑپ تھی اس کے رویے میں۔ اس نے رشک آمیز نظروں سے نبیل کو دیکھا' جس نے زمانے بھر کی مخالفت مول کر ہیرا منتخب کیا تھا اپنی زندگی کے لیے۔

"بے بی! تم ذرا مما کے پاس بیٹھو' میں کھانا لگواتی ہوں۔ راحیل بھائی نے تو صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں۔ نبیل! آپ بھی کپڑے تبدیل کرلیں۔ ارے راحیل بھائی! آپ آ گئے' کہیں تو کھانا لگواؤں۔" مہوش راحیل کو دیکھ کر جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"نہیں مہوش! قطعی بھوک نہیں' ہاں چائے اپنے ہاتھ سے بنا دو۔"

راحیل کو اس سے بات کرتے ہوئے شرمندگی سی محسوس ہو رہی تھی' کیونکہ شہرین کے کہنے میں آ کر راحیل اکثر مہوش سے تضحیک آمیز انداز میں بات کرتا تھا۔

"آپ ہرگز چائے نہیں پئیں گے مجھے معلوم ہے۔ رشید سے آپ نے کتنی بار چائے بنوا کر پی ہے اور کھایا پیا کچھ نہیں۔ تھوڑا سا سہی کھانا کھا لیجیے۔ راحیل بھائی! ہمیں آنے والے لمحات کے لیے خود کو تیار کرنا ہے پلیز!"

مہوش نے بڑے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو راحیل کو عجیب طرح کا سکون ملا۔ اس طرح اکثر [illegible] شانے پہ ہاتھ رکھ کر بات کیا کرتی تھی۔ راحیل نے بے ساختہ اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے کھانا لگواؤ۔" وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

پھر سوگواری خاموش فضا میں سب نے کھانا کھایا۔ مما کو ہوش آ چکا تھا اب وہ بہتر تھیں۔

"مما! اب کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"

راحیل نے مما کا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"میں ٹھیک ہوں میرے بچو' مگر میں بہت بری ہوں۔"

ایک بار پھر مما رونے لگیں تو سب پریشان ہو گئے۔

"خدا نہ کرے مما! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟"

"میں بری تو ہوں۔ اپنے اتنے پیارے' خدمت گزار بچوں کو تنگ کرتی رہتی ہوں' پریشان کرتی ہوں۔"

"ارے مما! یہ کیا بات ہوئی۔ آپ کو پتا ہے جب بچے چھوٹے ہوتے ہیں تو والدین ان کی ہر بات مانتے ہیں۔ کتنا پریشان کرتے ہیں بچے والدین کو' مگر والدین بچوں کی خدمت کرتے ہیں' ان کی بہتری کیلئے ان کو پڑھاتے لکھاتے ہیں۔ ان کی جا بے جا بات مانتے ہیں۔ اولاد کو اپنے والدین کی اسی طرح خدمت کرنی چاہیے' مگر مما! اولاد میں اتنا ظرف کہاں ہوتا ہے۔ ہم آپ کی ویسی خدمت کہاں کر پائے ہیں' جیسی آپ نے ہماری کی۔"

"مہوش بالکل درست کہہ رہی ہے مما! اب آپ کی خدمت ہمارا فرض ہے۔ آپ انشاء اللہ

جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔"

راحیل ماں کے قریب آ بیٹھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہو جاؤں گی انشاء اللہ مگر میرے بچے تو پورے ہوں میرا جگر تو ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہے بیٹے۔ شہرین کیوں نہیں آئی' کیوں خفا رہتی ہے ہم سے؟"

شہرین کے نام پر راحیل خاموش سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مما! آپ شہرین کے لیے پریشان نہ ہوا کریں۔ وہ خفا نہیں ہے۔ آپ اس کے موڈ سے واقف تو ہیں ہی۔"

"کچھ بھی سہی بیٹا! شہرین بھی میرے گلشن کا ایک پھول ہے' بیٹا اسے خوش رکھا کرو۔"

"مما! کچھ لوگ صرف خوشی میں ساتھ دینے والے ہوتے ہیں اور یوں بھی روٹھنے اور منانے کا ایک موسم ہوتا ہے' وقت ہوتا ہے اور جب یہ دونوں بیت جائیں تو ہر شے بے وقعت ہو جاتی ہے' چاہے کسی کی محبت ہو یا ساتھ۔"

راحیل بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔ نبیل نے پہلے راحیل اور پھر مما کو دیکھا' جو خوفزدہ ہو رہی تھیں راحیل کی باتوں سے۔

"مما! آپ پریشان نہ ہوں' ہم خود جا کر بھابی کو منا کر لائیں گے' کیوں مہوش؟"

"اور نہیں تو کیا۔ مما! بس آپ دیکھتی جایئے۔ آپ کے گلشن کے سارے پھول جمع ہو جائیں گے' بالکل اسی انداز میں۔ کوئی ادھر سے آ رہا ہو گا ماں! کوئی پیچھے سے بھاگ کر ہوا ہو جائے گا ماں کیا مزا آئے گا کہ......!"

مہوش نے کچھ ایسے کہا کہ مما کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ راحیل باہر نکل گیا۔

"بھابی! اب میں ہوں ناں مما کے پاس' آپ جا کر آرام کریں۔"

نگل کو مہوش کی تھکن کا اندازہ اس کی آنکھوں سے ہو رہا تھا۔

"میں جاؤں مما!" مہوش نے پوچھا۔

"جاؤ' جیتی رہو' خوش رہو۔"

انہوں نے اس کی بھیگی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا۔

وہ رات بہت بے کیف اور مضطرب سی تھی۔ نگل مستقل اپنی مما کو دیکھ رہی تھی' جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا تو مما ایک حسین' صحت مند اور حسن و دولت کے غرور میں اکڑی گردن لیے پھرا کرتی تھیں۔ کسی کو اہمیت دینا یا ضرورت سے زیادہ کسی سے بات کرنا وہ اپنی شان کے خلاف سمجھا کرتی تھیں' مگر وقت سدا ایک سا تو نہیں رہتا۔ اس کی لگام تو کبھی ایک کے ہاتھ میں ہے تو کبھی دوسرے کے ہاتھ میں۔ رعب' غرور اور حسن کا مجسمہ مما آج کمزور' لاغر دوسروں کے رحم و کرم پر بستر پر پڑی تھیں۔

"کیسے کیسے نامی گرامی کا نام و نشان باقی نہیں مما! ہم کیا چیز ہیں۔ باقی رہنے والی اور یکتا تو اللہ کی ذات ہے..... پھر انسان کس بات پر غرور کرتا ہے۔ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے پاس جو کچھ ہے' اس کا اپنا نہیں ہے' اللہ کی دین ہے جو دینا بھی جانتا ہے اور لینا بھی۔"

مما کو دیکھتے دیکھتے اور ان کے بارے میں سوچتے ہوئے نگل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

راحیل کو بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ مستقل ٹہل رہا تھا۔ ایک تو گھر کی پریشانی تھی اوپر سے شہرین کا غیر مخلصانہ' خودغرض رویہ' وہ اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ شہرین اور مہوش کا موازنہ کر رہا تھا۔ مہوش اس دوڑ میں شہرین سے بہت آگے تھی۔ وہ آج کوئی فیصلہ کر لینا چاہتا تھا۔

لائٹ آف کر کے وہ لیٹنا ہی چاہتا تھا کہ اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔ مما کے خیال سے فون کی بیل بھی آہستہ کر رکھی تھی۔ راحیل کا دل گھبرا گیا انجانے خدشے سے۔

"ہیلو۔" گھبراتے دل اور کپکپاتے وجود کے ساتھ جواباً جو کچھ سنا' لاشعوری طور پر اسی خبر کے لیے سماعتیں ہر وقت تیار رہتی تھیں' مگر آج جب یہ منحوس خبر سماعتوں سے ٹکرائی تو یکبارگی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا نہ جانے نبیل کے کمرے تک کا فاصلہ راحیل نے کس طرح طے کیا۔

"نبیل..... نبیل!"

تھکی تھکی سی زخم خوردہ آواز پر نگل جو کہ ابھی لیٹی ہی تھی۔ جلدی سے باہر نکل آئی۔

"بھائی! خیریت تو ہے ناں' آپ کی طبیعت تو..... بھائی کیا ہوا ہے جلدی بتائیں۔"

راحیل کی آنکھوں سے رواں پانی نگل کے حواس گم کرنے کو کافی تھا۔

"کیا ہوا..... بے بی..... بھائی کیا بات ہے؟"

شور سن کر نبیل اور مہوش بھی گھبرا کر باہر آئے۔ راحیل نے نگل اور نبیل کو دیکھا اور ایک ساتھ لگا لیا۔ خود پر بڑی مشکل سے ضبط کرتے ہوئے کہنے لگا

"زندگی میں کوئی نہ کوئی مقام ایسا ضرور آتا ہے جہاں ہمارے صبر و ضبط اور برداشت کی آزمائش ہوتی ہے۔ ہم بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں۔ رونا نہیں' شور نہیں مچانا' او کے..... وہ..... وہ چلی گئی ہے فاطمہ..... ہماری پیاری بہن چلی گئی ہے۔"

"فاطمہ باجی مر گئیں؟"

نبیل سسک پڑا' مہوش فرش پر بیٹھ گئی۔

"نگل..... نگل.....!"

راحیل اس وقت چونکا جب نگل بے ہوش ہو کر گر رہی تھی۔

"بے بی..... بے بی ہوش کرو۔ جان! ہمیں یہ جانکاہ صدمہ برداشت کرنا ہے۔"

نبیل نے بے سدھ پڑی نگل کو ساتھ لگا لیا۔

"نگل! ہوش میں آؤ' مما تو فاطمہ کا صدمہ بھی شاید ہی برداشت کر پائیں۔"

راحیل کے ضبط کا بند بھی ٹوٹ گیا۔

اتنے بڑے صدمے میں تڑپتے ہوئے تینوں بہن بھائیوں کو سنبھالنا مہوش کو بے حوصلہ کر رہا تھا۔

"مہوش! ہماری بہن مر گئی اپنی خوشیاں' اپنے غم اپنے اندر لے کر چلی گئی۔ مہوش وہ کیا چیز تھی تمہیں کیا خبر۔"

نبیل فرش پر بیٹھا بری طرح رو رہا تھا۔

"بھائی..... بھائی میری فاطمہ باجی چلی گئیں' اب میرے ناز کون اٹھائے گا۔ کون رہ گیا ہے

اس گھر میں میری بہن میری باجی۔"

تجل ہوش میں آ گئی وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"بے بی صبر کرو مری جان اللہ پاک کا حکم ہے زندگی موت کی امانت ہے۔"

"میں کیسے صبر کروں بھائی وہ میری بہن نہیں ماں تھی میری ماں مرگئی ہے بھائی جس نے سب سے چھپ کر میرے ناز نخرے اٹھائے۔ خواہشات پوری کیں وہ مرگئی میں کس طرح جی پاؤں گی باجی...... فاطمہ باجی میں کیسے جی پاؤں گی؟"

تینوں بہن بھائی تڑپ رہے تھے۔ مہوش بھی رو رہی تھی۔ صدمہ ہی ایسا تھا کہ تسلی کے تمام الفاظ بے معنی ہو کر رہ گئے تھے۔

"مما جاگ گئی ہیں آوازیں دے رہی ہیں راحیل بھائی! ان کی خیریت چاہتے ہیں تو خود کو سنبھالیے میں ان کے پاس جا رہی ہوں انہوں نے اگر آپ لوگوں کو یوں دیکھا تو کیا جواب دیں گے کیسے سنبھالیں گے ان کو۔"

مما کی آواز پر مہوش کھڑی ہو گئی۔

"تم مما کو سنبھالو مہوش! ہمیں ابھی کچھ مت کہو اسی حال میں رہنے دو پلیز۔"

راحیل تو بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

مہوش دکھ کا احساس لیے چہرا صاف کرتی آ گئی۔

"جی مما! کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟"

"میری طبیعت گھبرا رہی ہے۔ بیٹی تمہارے پپا کا فون آیا تھا کہ نہیں؟"

"جی مما! پپا کا فون......!"

مہوش نے گھبرا کر مما کو دیکھا جن کی ممتا کو انجانے میں تکلیف پہنچ رہی تھی اور جب ان کو پتا چلے گا کہ ان کی بیٹی...... اف توبہ کیا حال ہوگا مما کا یہ سوچ کر ہی مہوش خوفزدہ ہو گئی۔

"یا اللہ رحم کرنا۔"

"کیا سوچ رہی ہو مہوش بیٹے! میری طبیعت گھبرا رہی ہے تجل کو بلاؤ کہاں چلی گئی ہے یہ لڑکی کبھی بڑی نہیں ہوگی بچہ بنی رہتی ہے پانی تو پلاؤ بیٹی۔ لو تمہیں اٹھا کر بھیج دیا خود جانے کیا کر رہی ہے تم پانی دے کر جاؤ آرام کرو۔"

"ارے نہیں مما! میں خود آئی تھی نیند نہیں آ رہی تھی تجل کو نیند آ رہی تھی میں نے اسے سونے بھیج دیا ہے اور یوں بھی آپ کی خدمت سے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔ آپ لیٹیں میں سر دبا دیتی ہوں۔"

مہوش کو اس وقت ان پر بے حد ترس آ رہا تھا۔ دھیرے دھیرے باتیں کرتی وہ سر دباتی رہی وہ سو گئیں تو آہستگی سے باہر آ گئی۔

وہ تینوں اسی طرح بے حال ہو رہے تھے۔ دکھ تو اسے بھی بے حد تھا۔ فاطمہ تھی ہی اتنی اچھی۔

"واپس کب آ رہے ہیں وہ لوگ؟" اس نے آہستگی سے راحیل سے پوچھا۔

"پرسوں آ رہے ہیں میری فاطمہ کی ڈیڈ باڈی لے کر۔"

"راحیل بھائی پلیز! حوصلہ کریں آپ نے ہی تو سب کو سنبھالنا ہے۔"

"سنبھلنے کے لیے بھی وقت چاہیے میری بہن میں تو مما کی وجہ سے زیادہ پریشان ہوں ان کو کیسے سنبھالا جائے گا میں ڈاکٹر ظفر سے مشورہ کروں گا۔"

دو دن ہو گئے تھے تینوں ماں سے چھپ چھپ کر روتے رہے۔ مما بھی آخر ماں تھیں ان کے دل میں قدرتی طور پر اداسیوں کی شام اتری ہوئی تھی۔ یہ مہوش ہی کی ہمت تھی کہ وہ ان کو سنبھالے ہوئے تھی۔

"ڈاکٹر صاحب! آپ بتائیں ناں ہم کیا کریں۔ اتنی بڑی حقیقت مما سے چھپائی بھی نہیں جا سکتی۔"

راحیل اس بات سے بہت خوفزدہ تھا۔ اتنے بڑے صدمے کا کچھ بھی ری ایکشن ہو سکتا تھا۔

"بات تو فکر کرنے کی ہے مگر پہلے آپ لوگ خود کو تو سنبھالیں۔ تجل بیٹے! آپ...... خود کو سنبھالو بیٹا یوں کسی بھی انسان کی زندگی کا کچھ بھروسا نہیں ہوتا مگر جن لوگوں کو خطرناک جان لیوا مرض ہوتے ہیں ان کے لیے تو ذہنی طور پر بندے کو تیار رہنا چاہیے آپ سمجھدار ہیں صبر کریں۔"

ڈاکٹر صاحب اسے کتنی ہی دیر سمجھاتے رہے۔

"ڈاکٹر صاحب! وہ صرف میری بہن ہی نہیں میری دوست ہمدرد ماں جیسی بڑی بہن تھیں میں کیسے صبر کروں؟"

"تجل! جاؤ اب کچھ کھاؤ" "ڈاکٹر صاحب! دو روز سے سوائے پانی کے کچھ بھی اس کے اندر نہیں گیا۔"

نبیل نے اسے ساتھ لگا کر اسے کے آنسو صاف کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو دیکھا۔

"انتہائی غلط بات ہے تجل بیٹی تم اپنی مما کو دہرا صدمہ کیوں دینا چاہتی ہو۔ جاؤ شاباش جاؤ کچھ کھاؤ۔ مہوش بیٹی! کچھ کھلاؤ ہماری بیٹی کو۔"

"آؤ تجل!" مہوش زبردستی تجل کو لے کر چلی گئی۔

"پھر ڈاکٹر صاحب مما کو کیسے بتائیں؟"

"میں ڈاکٹر حامد سے مشورہ کر کے آپ کو فون کر دوں گا۔ ابھی آپ لوگ خود کو سنبھالیں۔ ڈاکٹر حامد ابھی ہوں گے میں جاتے ہی ان سے بات کر کے فون کر دوں گا۔"

"خدا حافظ۔"

"نبیل! میں ذرا آفس جا رہا ہوں کچھ کام کرنے ہیں انتظامات کرنے ہیں تم اور مہوش مما اور تجل کو سنبھالو۔"

راحیل نبیل کو بتا کر باہر آیا۔ اس کی گاڑی نکل رہی تھی کہ سامنے سے شہرین کی گاڑی آتی دیکھی۔ راحیل رکنا تو نہیں چاہتا تھا مگر شہرین نے ہاتھ سے رکنے کا اشارا کر دیا۔

وہ اتر کر اس کے قریب آ گیا۔ شہرین نے دیکھا وہ بہت غمزدہ تھا نڈھال سا۔

"راحی...... وہ...... وہ......!" الفاظ اٹک گئے۔

"وہ فاطمہ باجی کا پتا چلا بہت دکھ ہوا ہے۔"

"اچھا! آپ کو بھی کسی بات کا دکھ ہو سکتا ہے؟"

راحیل کے اندر کا سارا دکھ کرب اس سے وابستہ شکائتیں شکوہ بن کر لبوں پر آ گئیں۔

"راحیل! یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں۔"

"وقت! اچھا وقت کا آپ کو احساس ہے لیکن وقت تو اب گزر چکا۔ وقت کی لگام اب تمہارے ہاتھ سے چھن چکی ہے۔ جو میرے دکھوں کا ساتھی نہیں' میری خوشیوں میں بھی اس کا کوئی حق نہیں۔"

یہ وہ راحیل بول رہا تھا جو کم عمر بیوی مل جانے کے بعد خود کو نہ جانے کیا سمجھنے لگا تھا اور شہرین کی جنبش ابرو پر جان فدا کرنے کو تیار رہتا تھا۔ یہ وہ نا سمجھ لڑکی تھی' جس کو نہ عزت راس آئی نہ محبت اس کا کچھ بگاڑ سکی۔

"راحی! اندر چلیں۔" شہرین نے بے تکلفی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا اور راحیل نے اتنی ہی سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"اندر تمہارے لیے اب کوئی جگہ نہیں میڈم شہرین۔ دوست دشمن کی پہچان برے اور کڑے وقت میں ہی ہوتی ہے جو اس کڑے وقت میں ساتھ چھوڑ جائے وہ دوست نہیں ہوتا۔ مجھے میرے گھر کو' میری ماں کو جس وقت تمہاری ضرورت تھی' اس وقت تمہارے پاس وقت نہیں تھا اور اب میری زندگی میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔ گیٹ لاسٹ۔" راحیل نے چٹانوں جیسے سخت لہجے میں کہا۔

"راحیل!" جواباً شہرین بھی اسی انداز میں چلائی۔

"چلاؤ مت! طلاق کے کاغذات تمہیں گھر پر مل جائیں گے۔"

یہ وہ فیصلہ تھا جو راحیل نے دل کے تمام تقاضے بالائے طاق رکھ کر کیا تھا۔ یہ فیصلہ شہرین کے ساتھ چار سالہ شادی شدہ زندگی کے تلخ تجربات اور ماحول کے نتیجے میں ہوا تھا۔

"راحیل! آپ ہوش میں نہیں ہیں۔"

شہرین پر گویا کوئی پہاڑ آن گرا تھا۔ اس نے تو سوچ ہی کچھ اور رکھا تھا۔

"ایک یہی فیصلہ تو ہوش میں رہ کر کیا ہے' خدا حافظ ڈرائیور۔"

راحیل نے مڑ کر دیکھا بھی نہیں کہ اس کے فیصلے کا شہرین جیسی خودسر' مغرور لڑکی پر کیا اثر ہوا ہے آگے بڑھ گیا۔

"آئی نو راحیل! تم نے یہ فیصلہ کیوں اور کس کے کہنے پر کیا ہے۔ مہوش جیسی عورتیں ہی گھر برباد کیا کرتی ہیں۔"

شہرین ڈرائیور کا لحاظ کیے بغیر چلائی۔ راحیل رکا پھر مڑا اور آہستگی سے چلتا اس کے قریب آیا اور معمولی سے نقش و نگار رکھنے والی اس دولت مند لڑکی کو دیکھتا رہا جسے اس نے ٹوٹ کر چاہا تھا۔

"شہرین! میں نے زندگی میں عورت کے مختلف روپ دیکھے ہیں۔ اپنی مما کا روپ' تمہارا روپ لیکن عورت کا مکمل روپ زندگی کو مہکانے والا' سکون دینے والا' گھر کو جنت بنانے والا روپ مہوش کا روپ ہے اور یوں بھی تم اس تھرڈ کلاس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی تھیں' اس لیے میں نے تمہاری کلاس الگ کر دی۔"

"دیکھ لوں گی تمہیں۔"

دولت کے زعم میں وہ تنتناتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور راحیل نڈھال سے قدموں سے آفس جانے کا ارادہ ترک کر کے کمرے میں آ گیا۔

☆......☆......☆

"نہیں' میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا' سب کو قتل کر دوں گا۔ میں جان گیا ہوں کہ میرے علی کو کس نے مارا ہے؟"

اس خبر نے تیمور جیسے حلیم الطبع......انسان کی بنیادیں ہلا دیں۔

"حوصلے سے کام لیں تیمور بھائی۔"

"یار اسد! میرا سب کچھ علی تھا'......وہ نہیں رہا تو شانی......!"

بات کرتے کرتے تیمور' شانی کی طرف مڑا جو مستقل رو رہی تھی۔ اسے تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ زندگی سے بھرپور وہ انسان' جو ہر دم ہنستا' ہنساتا رہتا' کسی معاملے میں بھی ان کو پریشان نہ ہونے دیتا تھا' یوں چلا گیا تھا۔

"شانی! ہم گاؤں جائیں گے' وہ لوگ وہیں چلے گئے ہوں گے لیکن میں کسی کو معاف نہیں کروں گا۔ تیمور کی آنکھوں میں خون اترا ہوا تھا' وہ کسی صورت......بہل نہیں رہا تھا۔

"میں ہی منحوس ہوں بھائی کہ آپ کو بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا اور......اور میرے دشمنوں نے آپ کو علی جیسے دوست سے......"

"تو ہو بھئی کیسی باتیں کر رہے ہیں تیمور بھائی آپ' خود ایسے کر رہے ہیں تو شانی کو کون سنبھالے گا؟"

"علی کو لینے کون گیا ہوا ہے؟"

"آپ فکر نہ کریں' منیب گیا ہوا ہے؟"

"اور منیب آ بھی گیا ہے۔"

منیب کی شوخ آواز پر سب نے اس کی طرف دیکھا۔ تیمور بے چینی سے اس کی طرف بڑھا۔

"منیب! کہاں ہے علی اور تم......؟"

"اللہ تعالیٰ نے امید کی بجھتی شمع کی لو کو بڑھا دیا ہے تیمور بھائی۔"

"کیا مطلب؟" تیمور سب کچھ ایک دم جان لینے کے لیے بے تاب تھا۔

"مطلب یہ کہ ہم وہاں گئے تو پتا چلا کہ وہ علی جن بدنصیبوں کا ہے' شناخت کر کے لے گئے ہیں۔"

"تو۔ تو وہ میرا علی نہیں تھا؟" تیمور کے ڈوبتے دل کو سہارا مل گیا۔

شانی کی آنکھوں میں چمک سی آنے لگی۔

"جی وہ آپ کے دوست علی بھائی نہیں تھے' لیکن جن کا تھا ان کا ایسا حال دیکھ کر آیا ہوں کہ جی چاہتا ہے وہ ظالم مل جائیں تو ان کا حشر کر دوں' بوڑھا باپ بے حال تھا ظالموں نے اغوا کر کے' تشدد کر کے مار دیا۔ ان کو اللہ ہی صبر دے سکتا ہے۔"

"خدایا تیرا شکر ہے۔" شانی تشکر سے پھر رو پڑی۔

"یارب میرا یار زندہ سلامت مجھ سے ملا دے۔"

تیمور جو دعاؤں کا سلسلہ ٹوٹ جانے کے بعد خود کو بے بس سا محسوس کر رہا تھا ایک بار پھر امید کا دامن تھامے سجدے میں اللہ کے حضور گر گیا۔

"اللہ تعالیٰ اس علی کی مغفرت کرے اور ہمارے علی کو زندہ سلامت ہم سے ملا دے۔ اب کیا سوچا ہے تیمور بھائی کیا کرنا چاہیے؟"

غیب آئندہ کے بارے میں تیمور سے پوچھ رہا تھا جس کی بے قراری کو قرار سا آ گیا تھا۔

"تم اور اسد...... لیکن نہیں میں آج گھر جاتا ہوں علی کی ڈائری دیکھوں شاید کوئی سراغ مل جائے۔"

تیمور کو ایک دم ہی ڈائری کا خیال آ گیا تو ایک امید کی کرن چمکی۔

"ویسے اگر وہ باقاعدگی سے ڈائری لکھتے ہیں تو ہمیں بہت مدد مل سکتی ہے۔"

"تو چلیں پھر؟" تیمور ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"بھائی! میں بھی گھر جاؤں گی۔" شابی نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

تیمور پلٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ کچھ سوچ کر اسے ساتھ لے لیا۔

وہ لوگ فلیٹ پر پہنچے تو فلیٹ میں عجیب سی ہلچل تھی دروازہ نیم وا تھا۔

"تیمور بھائی! اندر کوئی ہے۔ احتیاط سے شابی تم باہر رکو ہم اندر جاتے ہیں۔"

اسد اور غیب نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔

"کون ہے کون ہے بھئی؟"

"علی...... علی میرا دوست میرا بھائی میری جان۔"

اندر سے آنے والی آواز علی کی تھی۔ تیمور اڑتا ہوا اندر پہنچ گیا۔

"علی میری جان تم...... تم زندہ ہو خدایا تیرا شکر ہے تم زندہ ہو علی۔"

تیمور بے یقینی سے علی کو چھو کر محسوس کر رہا تھا۔

"اپنے زندہ ہونے پر تم سے زیادہ حیرت مجھے ہے۔ سمجھو کہ اللہ ہی کو ابھی زندگی منظور تھی ورنہ......"

"تم کہاں چلے گئے تھے میرے یار؟"

"ذرا دہی لینے گیا اور مار مار کر بھرتا بنا دیا۔"

علی کافی زخمی تھا۔

"آپ...... آپ واقعی زندہ ہیں؟"

شابی نے بے یقینی سے آہستگی سے علی کو چھوا ایسے جیسے وہ زندہ نہ ہو۔ علی نے غور سے شابی کو دیکھا۔ شدت گریہ سے جس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ وہ کہنا تو کچھ اور چاہتا تھا مگر سب کا خیال کر کے چپ رہا۔

"آپ کو بھی اسے بھائی کی طرح یقین نہیں آ رہا ناں تو ایسا کیجیے یہ چھری لیجیے۔ آں یہ لے لیجیے زیادہ بہتر ہے شہ رگ پر چلا کر دیکھیے بندہ زندہ ہے یا مردہ۔"

شابی آنکھوں میں آنسو لیے اس کی بات پر بے ساختہ ہنس پڑی۔

"علی...... بھائی خدائے پاک کا احسان ہے کہ آپ زندہ ہیں ورنہ شاید ہم ان کو بھی نہ دیکھ سکتے۔" اسد کی بات پر علی نے تیمور کو دیکھا۔ ان دنوں وہ کتنا کمزور نڈھال لگ رہا تھا۔

"واقعی۔" علی محبت سے تیمور کی طرف بڑھا۔

"کوئی شک ہے کیا؟"

"نہیں یار! مجھے تو پھر موت زندگی سے بھی پیاری ہو گئی ہے۔"

دونوں دوست بغل گیر ہو گئے۔

"پتا ہے یار! علی اس کڑے وقت میں اگر غیب اور اسد نہ ہوتے تو......!"

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہوتے کیوں نہیں۔ ہم نے کوئی احسان نہیں کیا اپنا فرض ادا کیا ہے۔ شابی بہن! تم اچھی سی چائے بناؤ میں ابھی مٹھائی لے کر آتا ہوں۔"

غیب اٹھ کر چلا گیا۔

شابی اٹھ کر کچن کی طرف بڑھی مگر مڑ مڑ کر بے یقینی اور خوشی کی چمک لیے دیکھ رہی تھی اس بار دیکھا تو علی سے نظر ٹکرا گئی۔

علی شوخی سے مسکرا دیا۔ کیونکہ اس وقت جو کچھ شابی کی نگاہوں میں تھا وہ سب پڑھ چکا تھا۔

"علی! کون لوگ تھے وہ؟"

"وہی جنہوں نے اس روز ہمارا پیچھا کیا تھا مجھے نہیں معلوم تھا کہ ان سے تمہارے قریبی دشمنانہ تعلقات ہیں ورنہ جاتا اس کے ساتھ۔"

"علی تفصیل بتاؤ میں کسی کو چھوڑوں گا نہیں۔"

"یار تیمور شابی کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔ تمہیں تو پتا ہے کہ وہ لوگ گاؤں سے آئے تھے اور گل خان ہی نے بھیجے تھے۔ اس خبیث آدمی نے شابی کے باپ کو مار دیا ہے۔"

"اوہ تو بابا کو مار دیا اس ذلیل آدمی نے۔"

تیمور کو بابا کے قتل کا بہت دکھ ہوا گو کہ بابا بڑا لالچی آدمی تھا اس نے شابی اور اس کے ساتھ زیادتی کی تھی مگر اس کے قتل کا سن کر اسے شدید صدمہ پہنچا۔

"شابی کو کیسے بتاؤں گا میں۔" تیمور پریشان ہو گیا۔

"شابی کو فی الحال کچھ بتانے کی ضرورت۔ نئی صورت حال جو انہوں نے پیدا کر دی ہے اس سے نمٹنے کا سوچو۔"

"کیا مطلب؟" تیمور چونک کر علی کو دیکھنے لگا۔

"انہوں نے مجھے جو چھوڑ دیا ہے تو اس کا بھی مقصد ہے۔"

"کیا مقصد ہو سکتا ہے۔" اسد اب پوری طرح متوجہ تھا۔

"وہ یہ کہتے ہیں کہ شابی ہماری لڑکی ہے۔ گل خان کی منگیتر ہے لہٰذا اسے ان کے حوالے کر دیا جائے۔"

"ناممکن یہ تو میں مر کر بھی نہیں ہونے دوں گا۔"

تیمور نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''ورنہ وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں تیمور۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا علی کہ اپنی یا تمہاری زندگی بچانے کے لیے میں شابی نہیں ہرگز نہیں۔''

''بہت افسوس ہوا ہے یہ سن کر۔ خدا کی قسم! تم مجھے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو۔ میں ایسا سوچ سکتا ہوں۔''

''تو پھر علی بھائی! ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

اسد بھی ساری صورت حال سے پریشان ہو گیا۔

''اصل میں ان لوگوں نے تیمور کی غلط ایف آئی آر کٹوا دی جس کے تحت تیمور نے شابی کو اس کی مرضی کے خلاف اغوا کیا ہے اور حبس بے جا میں رکھا ہوا ہے اور غلط الزامات لگائے ہیں یہ فوٹو کاپی دی ہے ایف آئی آر کی وہ کسی بھی وقت پولیس کو لے کر آ سکتے ہیں۔''

علی نے فوٹو کاپی تیمور کی طرف بڑھائی۔ اس کی رگیں تن گئیں غصے سے۔

''کس قدر گھٹیا ذہنیت کے لوگ ہیں۔ جہالت کی دلدل میں گرے ہوئے لیکن کچھ بھی ہو میں شابی کو ان حیوان صفت درندوں کے حوالے نہیں کروں گا۔''

''تیمور! پریشان یا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں اللہ ہماری مدد کرے گا۔ ویسے ہمیں ان کے آیندہ اقدام سے قبل کچھ کر لینا چاہیے۔''

علی بہت سنجیدہ ہو رہا تھا اور اس کی جو حالت تھی وہ تیمور کو پریشان کر رہی تھی۔ اسے اپنی پروا کب تھی۔ اسے شابی اور علی کا خیال تھا۔

''اچھا جو ہو گا اللہ مالک ہے تم چلو ڈاکٹر کے پاس دیکھو یہ زخم کتنا گہرا ہے۔'' تیمور نے اس کے شانے پر چاقو کے زخم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور ہنے دو یار! ٹھیک ہو جائے گا۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو......؟''

''کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی علی بھائی! میں بھی آخر ڈاکٹر بن ہی گیا ہوں۔ چلئے میں اپنے ہاسپٹل لے چلتا ہوں۔'' اسد کھڑا ہو گیا۔

''لو گھر میں ڈاکٹر موجود ہے تو پھر کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھو۔''

علی نے شرٹ اتار دی۔

''رفو گری کا اچھا خاصا کام ہے۔ علی بھائی چلئے ڈاکٹر کے پاس۔''

''اچھا یار! اپنے مل جانے کی خوشی کی مٹھائی تو کھا لینے دو۔''

علی نے اندر آتے غیب کو دیکھ کر کہا پھر علی کی ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان چائے پی گئی مگر علی اور تیمور مستقل سوچ رہے تھے آیندہ کے بارے میں۔

''چلیں علی بھائی! آپ کو نئی زندگی مبارک ہو اور تیمور آپ کو بھی اب تیمور اجازت دیں کافی دیر ہو گئی ہے۔'' غیب نے کہا تو اسد بھی اٹھ گیا مگر پر خیال انداز میں واپس مڑا۔

''ویسے تیمور بھائی! اس مسئلے کا ایک حل بہت اچھا ہے میرے پاس اگر آپ لوگ متفق ہوں تو...'' اسد نے جو بات سوچی تھی اس کے نزدیک بہترین حل تھا۔

''یعنی!'' دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

''دیکھیں ان کا کارروائی کا انتہائی مناسب اور شریفانہ حل ہے نکاح۔''

''نکاح!'' دونوں یک زبان بولے۔

''جی ہاں اگر شابی کا نکاح کر دیا جائے تو تیمور بھائی پر لگا الزام بے بنیاد ہو جائے گا اور شابی کی گواہی مسئلہ حل کر دے گی اور میرے خیال میں اس سے بہترین حل اور کوئی نہیں۔''

بات تو اسد کی بہت مناسب اور وزن دار تھی۔

''نکاح مگر......!'' تیمور زیر لب بولا۔ وہ کافی حد تک متفق تھا اسد سے اس نے علی کی طرف دیکھا مگر وہ اس معاملے میں کچھ بول نہیں سکتا تھا۔

''علی بولو ناں! کیا خیال ہے؟'' تیمور نے علی کی طرف دیکھا۔

''یار! بات تو اسد کی درست ہے اب تم خود فیصلہ کرو۔''

''اسد میں بھی پریشان سا ہو گیا ہوں۔'' تیمور ڈبل مائنڈڈ ہو رہا تھا۔

''فکر مند ہونے کی قطعی ضرورت نہیں ایک پروپوزل ہے میرے پاس۔''

''تمہارے پاس۔'' علی نے چونک کر اسد کو دیکھا۔

''جی ہاں بہترین پروپوزل لڑکا بہت اچھا ہے قابل ہے آپ اسے دیکھیں گے تو میری پسند کی داد دیں گے۔ تیمور بھائی آپ ایک بار اس سے مل لیں پسند آ جائے تو ٹھیک ورنہ......''

''تمہارے خاندان کا ہے؟'' تیمور اسد سے پوچھ رہا تھا۔

علی خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر آ گیا۔ تین دن اذیت میں رہ کر بھی اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی مگر اب تو لگ رہا ہے پورا جسم درد بن گیا ہو۔ تیمور اور اسد کی باتوں کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔

''بہت کھاتے پیتے لوگ ہیں۔''

''کھانے پینے کو چھوڑو بس لڑکا شریف ہونا چاہیے۔''

تیمور کہہ رہا تھا تو ایک شکوہ علی کے لبوں تک آ گیا۔

''میری شرافت پر تمہیں کوئی شبہ ہے تیمور۔''

وہ کمرے میں لیٹنا چاہتا تھا۔ تیمور اسد کے ساتھ جانے کیا کیا پروگرام بنا رہا تھا۔

''ارے آپ آ گئے میں کیا لاؤں آپ کے لیے؟''

شابی نے مشغل سے علی کو دیکھا جو تھکا تھکا سا آ رہا تھا۔

''زہر۔'' علی حسب عادت مسکرایا۔

''آپ بہت الٹی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کو خبر ہے ہم آپ کے لیے کتنا پریشان رہے ہیں۔ میں اور بھائی کتنا روئے تھے آپ کے مرنے کی خبر پر۔''

''کاش! وہ خبر سچی ہوتی۔'' علی کی زبان سے یہ جملہ پھسل گیا تو شابی ناراض ہو گئی۔

''آپ بہت خراب ہیں۔'' وہ خفا ہو گئی۔

''چلو اچھا ہے ایک خراب بندے سے تمہارا پیچھا چھوٹ جائے گا۔''

''کیا مطلب؟'' شابی کچھ پریشان ہو گئی اس کے انداز پر۔

"مطلب یہ کہ تمہارے بھائی صاحب تمہاری شادی کر رہے ہیں۔" علی نے اس کے ملیح چہرے پر پھیلی حیرت اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت کو دیکھا۔

"شادی!"......اس کے چہرے پر اب ناگواری سی پھیل گئی۔

"ہاں اسد کا کوئی کزن ہے شاید...... بتا رہا ہے۔ بہت اچھا لڑکا ہے۔ تیمور کو تو بہت پسند آئی ہے۔ یہ بات' تمہارا کیا خیال ہے؟"

علی کی نگاہیں اس کے چہرے پر ٹھہر گئیں۔ اس کے کھلے چہرے پر ایک دم ہی سردیوں کی اداس ویران شام اتر آئی تھی۔

"میرا کیا خیال ہونا ہے۔ ماں نہ رہی۔ باپ کی بھی کچھ خبر نہیں۔ میرے حقیقی خالق نے میرے فیصلوں کی ڈور بھائی کے ہاتھ میں دے دی تو۔ جیسا کہیں گے ویسا کرلوں گی۔ ارے آپ۔"

بات کرتے کرتے شانی نے مڑ کر دیکھا تو علی جا چکا تھا۔ وہ جلتا ہوا پر دہ دیکھتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

"فائزہ! خدا کے لیے بس کرو۔ یوں ہلکان ہو کر کیا مل جائے گا۔"

زیب سے فائزہ سنبھل نہیں رہی تھی جو بری طرح رو رہی تھی۔

"زیب۔ زیب! یہ سب کیا ہو گیا۔ کیوں ہو گیا؟ میں حسن کو۔ اف نہیں۔"

"فائزہ! تم نے امی کو سمجھانا تھا ناں' ضد کرنا تھی۔"

"سب کچھ کہا تھا زیب! امی کی منتیں کیں یہاں تک کہہ دیا کہ میں حسن کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تو پتا ہے زیب! انہوں نے اپنا دامن میرے سامنے پھیلا دیا اور اپنی ممتا اور زندگی کی قسم دے کر رونے لگیں کہ وہ ہاں کہہ چکی ہیں اور یہ کہ میری شادی ڈاکٹر سے ہو۔ یہ ان کی زندگی کی اولین خواہش ہے۔ تو بتاؤ زیب! ماں دامن پھیلائے بھیک مانگ رہی ہو...... تو کون سی بیٹی انکار کرسکتی ہے۔"

"ہونہہ! یہ مائیں بیٹیوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ کر ان سے خوشیاں مانگ لیا کرتی ہیں میں ان اذیت ناک لمحوں کے ہاتھوں لٹ چکی ہوں فائزہ! تمہارا دکھ میں نہ جانوں گی تو۔ خیر اب تم نے فیصلہ کرلیا ہے تو یوں ہلکان تو نہ ہو۔ نارمل ہو جاؤ۔" زیب نے اس کا چہرا صاف کیا۔

"میں تمہارے جیسا ظرف کہاں سے لاؤں۔ زیب! میں حسن کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہی۔"

کل ہی تو دونوں لان میں بیٹھے مستقبل کے خواب بن رہے تھے۔ حسن کس قدر خوش تھا۔ وہ تو بہت جلد شادی کرلینا چاہتا تھا۔ لیکن اب وہ کیا جواب دے۔

"فائزہ! میں بات کروں گی حسن سے' اسے بھی سمجھا دوں گی۔ پلیز یہ دودھ ہی پی لو۔"

زیب کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے ایک بار پھر وہ ان ہی کرب ناک لمحوں کے گرداب میں پھنس گئی ہے۔ اسے یاد تھا جب امی نے شعیب کے لیے اس سے کہا تھا۔ کتنی قیامت خیز تھی وہ رات جب بلال سے...... دستبردار ہو کر اسے شعیب کے لیے ہامی بھرنی پڑی تھی اور اب فائزہ پر وہی کڑا وقت تھا۔

"زیب! زندگی کیسے گزرے گی ایک انجان شخص کے ساتھ' اس کے ساتھ جس کے لیے دل میں رتی برابر جگہ نہیں؟"

"یہ ہی تو ستم ہے فائزہ! پھر بھی ہم ان کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور کر دیے جاتے ہیں۔ فائزہ اپنے دل کو پتھر سمجھ لو جیسے کہ میں نے۔"

زیب کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔ اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔

"حسن کا ہوگا۔ اس نے کہا تھا۔ وہ فون کرے گا۔"

فائزہ بیل پر تڑپ اٹھی۔

"میں دیکھتی ہوں۔ جاؤ تم ذرا منہ پر پانی ڈالو۔ ہیلو۔"

"ہیلو شعیب ہیں جی؟" دوسری طرف کوئی لڑکی تھی۔

"جی وہ گھر پر نہیں۔ آپ کون ہیں؟"

"میں فریا ہوں۔ آپ کون ہیں؟"

"جی میں۔ میں زیب ہوں۔"

"اوہو تو آپ یہیں رہتی ہیں۔"

"جی نہیں' میں اپنے گھر ہی ہوتی ہوں ملنے کے لیے آئی ہوں۔"

"یہ بھی تو آپ ہی کا گھر ہے' جہاں آپ کو ہمیشہ رہنا ہے شعیب کے ساتھ۔"

فریا کے لہجے میں محرومی کا کرب اور باتوں میں دکھ کی آمیزش تھی۔ زیب کو اس کی بات جو حقیقت پر مبنی تھی۔ پسند نہیں آئی۔

"بے شک انسان کا نصیب نہیں فریا! ان کا نصیب تو فنا ہے۔ آپ ایک بات بتائیں گی۔"

زیب کو جانے کیوں فریا اچھی لگی تھی اور شعیب کی بے وفائی پر غصہ آرہا تھا۔ کیسی فطرت ہوتی ہے ان مردوں کی۔ دل میں کسی کو بساتے ہیں اور گھر میں کسی کو۔

"جی پوچھیے!"

"آپ اتنا عرصہ کہاں تھیں؟"

"میں ملک سے باہر گئی ہوئی تھی۔ میں نے بارہا شعیب سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ شروع میں تو شعیب نے خطوں کے جواب دیے۔ پھر رکھائی برتنے لگا۔ لیکن میں نہیں جانتی تھی کہ اس کی رکھائی کی وجہ اتنی حسین ہے کہ میں جب اسے دیکھوں گی تو شکوہ بھی نہیں کرسکوں گی۔" اک آہ فریا کے لبوں پر آکر دم توڑ گئی۔

"فریا! ایک بات بتائیں۔" جانے کیوں زیب کو فریا سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

"آپ شعیب کی صرف کلاس فیلو ہیں یا؟" زیب کے ادھورے جملے سے فریا کے دل میں ٹیس سی اٹھی۔ شعیب اس کی زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا جسے اس نے پورے خلوص کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے چاہا تھا۔

"آپ کا کیا خیال ہے؟" فریا نے گہرا سانس لے کر الٹا سوال کردیا۔

"میں اپنے خیال ہی کی تو تصدیق چاہتی ہوں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے زیب! خواہ آپ کو ناگوار ہی گزرے' میں آپ کے خیال کی تصدیق کرتی ہوں کہ میں نے اور شعیب نے ایک ساتھ زندگی گزارنے کے خواب دیکھے تھے۔ اتنا عرصہ شعیب نے ہوا

نہیں لگنے دی۔ اس کے دل میں کیا ہے۔ وہ آپ سے۔ سوری زیب! آپ بھی کیا سوچ رہی ہوں گی کہ میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی آپ کو ہرٹ کر رہی ہوں۔"

"نہیں فریا! میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ ایک وقت میں کتنی مختلف صورت حال ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی کی چاہت ارمان اور نجانے کیا کچھ ہوتا ہے اور وہی شخص کسی اور کے لیے ایک ناگوار احساس۔ ایسا احساس جسے اس پر مسلط کر دیا گیا ہو۔"

زیب نے مڑ کر دیکھا کہ فائزہ مائنڈ نہ کرے مگر وہ کمرے میں نہیں تھی۔ وہ مطمئن ہو گئی۔

"میں سمجھی نہیں زیب! کیا شعیب سے آپ کا رشتہ۔"

"جی ہاں یہ رشتہ ماں اور ماموں کی محبت اور قربانیوں کے عوض میں میں نے قبول کیا ہے۔ ورنہ خواب تو میں نے بھی کچھ اور ہی دیکھے تھے۔"

زیب کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ آنکھوں میں بلال کی شبیہ ابھر آئی۔

"اوہ۔ تو اس کا مطلب ہے کہ اس وقت میں کئی لوگوں کے ساتھ زیادتی ہو گئی ہے لیکن شعیب تو بہت خوش نظر آتا ہے۔ اس زیادتی پر۔"

فریا کے لبوں پر شکوہ آ گیا۔

"اس کی بھی ایک الگ داستان ہے۔ زندگی میں کبھی موقع ملا تو آپ کو ضرور سناؤں گی۔"

"او کے زیب! مجھے آپ سے بات کر کے یوں سکون ملا ہے جیسے جلتے انگاروں پر پانی ڈال دیا گیا ہو۔ مجھے شعیب کے ہرجائی پن کا دکھ ضرور تھا۔ آپ سے بات کر کے اندازہ ہوا کہ اس میں شعیب کا قصور نہیں۔ وہ تو خاصا کمزور فطرت آدمی ہے۔ آپ کے لیے تو کوئی بھی ... خیر مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ آپ خوش نہیں۔ آپ کا دل بھی مجروح ہے۔"

"کیا کریں فریا جی۔ تابعداری اور سعادت مندی کا تقاضا یہی تھا ورنہ۔"

"ویسے وہ کون خوش نصیب ہے جسے آپ کی چاہت کا حاصل ہے۔"

"چھوڑیں فریا! بجھی راکھ کو کریدنے سے کیا حاصل۔"

"آپ مجھے اپنی دوست سمجھ سکتی ہیں زیب۔"

"میرا اور آپ کا کتنا عجیب رشتہ ہے فریا! پھر بھی آپ بہت اچھی لگی ہیں مجھے آپ میرے موبائل کا نمبر نوٹ کر لیں وہاں بات کرنے میں آسانی رہے گی۔"

اس کا آخری جملہ اندر آتے شعیب نے سن لیا۔

"کس کو نمبر نوٹ کروایا جا رہا ہے۔"

شعیب نے چبھتے لہجے میں کہا اور ریسیور کانوں سے لگا لیا۔ زیب طنزیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہیلو!"

شعیب نے ہیلو کہا تو فریا کا جی چاہا۔ ریسیور رکھ دے مگر اسے زیب کا خیال آ گیا۔ یہ کم ظرف اس پر نجانے کیا شبہ کر بیٹھے اور اسے تنگ کرے۔

"ہیلو جی میں ہوں شعیب صاحب فریا۔ کہیے یاد آیا کہ!"

"اوہ ہیلو فریا! یہ تم ہو میں سمجھا۔"

"آپ سمجھے کہ شاید آپ کا رقیب ہے جسے زیب نمبر دے رہی ہے۔" فریا کے لہجے میں انتہائی تلخی اور کاٹ آ گئی۔

"کیسی ہو تم؟" شعیب کمال ڈھٹائی سے اس کی بات نظر انداز کر گیا۔

"جی رہی ہوں تمہاری بے وفائی کے باوجود..... ہے ناں کمال۔"

فریا کا لہجہ بھیگ گیا۔ شعیب کھسیانا سا ہو کر زیب کی طرف مڑا مگر وہ جا چکی تھی۔

"دیکھو فریا! اب یہ مناسب نہیں ہے کہ تم اس طرح کا رویہ اختیار کرو۔ تم نے زیب سے کیا بات کی ہے۔ وہ تو ویسے بھی شکی سی لڑکی ہے۔"

"لڑکی ہمیشہ اس مرد کے بارے میں شکی ہوتی ہے جسے وہ چاہتی ہے جس کے دل میں اس کے لیے کچھ ہوتا ہے۔ زیب کے دل میں تم نہیں ہو تو پھر تم سے اسے کیا مطلب۔ تم کہیں جاؤ کسی کے ساتھ بھی تعلق رکھو۔"

"دیکھو فریا! ٹھیک ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان جو کچھ بھی تھا۔ اس سے مجھے انکار نہیں مگر اب تمہارے اور میرے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ زیب! میرا ذاتی معاملہ ہے۔"

یہ وہی فریا تھی جس کے پیچھے وہ پھرا کرتا تھا۔ اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کیا کیا جتن کیا کرتا تھا اور جب اس کی توجہ اور محبت حاصل ہو گئی تو دونوں نے ایک ساتھ مل کر زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ فریا مطمئن ہو کر امریکہ میں مقیم اپنے بھائی کے پاس چلی گئی۔ واپس آئی تو شعیب بدل چکا تھا اندر کہیں شور کیے بغیر سب کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا بکھر گیا لیکن آج زیب سے یہ سن کر وہ شعیب کو نہیں چاہتی۔ نجانے کیوں اک گونا سا سکون ملا تھا دل بے چین کو کہ جب شعیب کو نارسائی کا دکھ سہنا پڑے گا تو پتا چلے گا کہ دل ٹوٹنے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

"میں بھی کبھی تمہاری ذات کا حصہ تھی۔ شعیب۔"

"میں جانتا ہوں۔ سب مجھے یاد ہے لیکن فریا! یہ میری خاندانی مجبوری ہے۔"

چوڑیاں پہننے والی عورتوں کی طرح اپنی مجبوری کا رونا روتا شعیب فریا کو بہت بیکار لگا۔

"مجبوری تو عورت کا مقدر ہے شعیب کہ اپنی خوشی کے خلاف وعدوں کی قسموں کی قربانیوں کی بھینٹ چڑھا دی جاتی ہے۔ مرد تو ..... انی وے یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ خدا حافظ۔"

فریا نے اس کا جواب سنے بغیر ریسیور پٹخ دیا۔ شعیب اندر سے کچھ لڑکھڑا سا گیا تھا۔ کچھ بھی تھا۔ فریا اس کی زندگی میں آنے والی وہ لڑکی تھی جسے واقعی خلوص سے چاہا تھا اور وہ اس کے ساتھ پر مطمئن تھا۔ فریا کے گھر والوں سے ملا تھا۔ سب اسے کتنی عزت دیتے تھے فریا کے حوالے سے۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ زیب کی طرف بھٹکتا چلا گیا۔ وہ خود زیب کی طرف جھکا تھا یا اس میں صائمہ کا ہاتھ تھا جس نے اسے چیلنج کر دیا تھا کہ وہ زیب کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ سب کیا۔ وہ الجھ سا گیا۔ اب تک تو وہ فریا کو جلائے بیٹھا تھا۔ اب جب وہ سامنے آئی تو وہ لڑکھڑا سا گیا ..... الجھ گیا۔ کتنی ہی دیر وہ ریسیور تھامے کھڑا رہا پھر رکھ کر باہر آ گیا۔ وہ بہت جھنجلا رہا تھا۔ باہر آیا تو زیب چائے ماموں جان کے کمرے کی طرف لے جا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستگی سے چلتا اس کے قریب آ گیا۔

"تم آئندہ فریا سے بات نہیں کرو گی۔"

اس نے حسب عادت تحکم آمیز لہجے میں کہا۔ زیب کو غصہ آ گیا۔ جانے کیا بات تھی اب اسے شعیب سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ جو دل میں بات ہوتی کہہ دیتی۔

"آپ کو فریا سے خوف زدہ ہونے کی ضرورت اس لیے نہیں کہ مجھ پر اس کی کسی بات کا اثر نہیں ہو سکتا اس لیے کہ آپ میری ماں اور ماموں کی خواہش ہیں جسے میں قبول کر چکی ہوں۔ فریا بہت اچھی لڑکی ہے۔ لیکن شاید میں بہت بری لڑکی ہوں۔ اسی لیے تو...!"

زیب کی آواز بھیگ گئی وہ جلدی سے اندر چلی گئی شعیب اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ فریا اچھی لڑکی ہے تب ہی اس سے بچ گئی جبکہ وہ۔

"کیا سمجھتی ہے یہ زیب خود کو؟"

شعیب نے ہاتھ پر مکہ مارا اور باہر نکل گیا۔

☆ ... ☆ ... ☆

آج نسیم بیگم نے قرآن خوانی کے بعد میلاد شریف کا اہتمام کیا تھا۔ شذرا دعا مانگ رہی تھی کہ اسد وغیرہ نہ آئیں۔

"اللہ کرے... اسد منحوس... تو آئے ہی نہ۔" اگر بتیاں لگاتے ہوئے اس نے بلند آواز میں دعا کی۔

"کوئی بات نہیں شذرا باجی! پاک محفل ہے۔ اس میں تو کوشش ہونی چاہیے کہ سب اس پاک محفل میں ذکر کے موتی چن لیں۔"

صدف اپنے نرم لہجے میں سمجھا رہی تھی اور شذرا کو برا لگ رہا تھا۔

"صدف! وہ کمینے خبیث لوگ اسی قابل ہیں۔"

"ارے ہمیں کیا پتا کہ کون کس قابل ہے۔ کیا خبر کہ جسے ہم بہت برا سمجھتے ہوں۔ وہ اللہ پاک کے حضور بہت معتبر ہو۔"

"اچھا چلو۔ جلدی جلدی کام کرو۔" شذرا کو ان کے ذکر سے چڑ ہونے لگی تھی۔ صدف کمرے میں صفائی کرتی رہی۔ شذرا اٹھ کر باہر آ گئی۔ فون کی بیل مستقل ہو رہی تھی وہ فون کی طرف بڑھی۔

"ہیلو۔"

"ہیلو میں ارمان بات کر رہا ہوں۔ شذرا بات کر رہی ہیں ناں۔"

"جی۔" شذرا کو شاک سا لگا یہ وہی تھا فرخ کا دوست۔

"آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

☆ ... ☆ ... ☆

"آپ؟" شذرا نے برہم سے لہجے میں کہا۔

"آپ کے اس طرح آپ کہنے سے مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ آپ نے مجھے پہچان لیا ہے اور میرے لیے یہی بہت ہے۔ بہر حال کیسی ہیں آپ؟"

وہ ہمیشہ کی طرح بڑے شائستہ لہجے میں خیریت معلوم کر رہا تھا۔

"آپ۔ آپ نے میرا نمبر کہاں سے لیا ہے اور لے لیا تو فون کیوں کیا ہے؟" اسے شدید تاؤ آ رہا تھا اس شخص پر جو ایک طرف تو اخلاق عظمت کا مکمل بنا ہوا تھا اور دوسری طرف اسے تنگ کرتا تھا۔

"آپ نے دو سوال کیے ہیں۔ دیکھیے شذرا! انسان کو جس کی پروا ہوتی ہے وہ اس کی ہر حال میں خبر رکھتا ہے۔ اور رہا سوال کہ کیوں کرتا ہوں۔ تو انسان کسی کی پروا کیوں کرتا ہے۔ اس کا مطلب تو آپ کو بھی معلوم ہو گا۔ ویسے آپ کا نمبر اسد نے دیا تھا۔"

"اسد نے۔" اسد کا نام آتے ہی اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"جی اسد نے۔"

"نفرت ہے مجھے اس شخص سے۔" وہ چیخی۔

"حیرت ہے۔ اس کے خیالات بھی آپ کے بارے میں کچھ ایسے ہی ہیں۔ میں نے بارہا اسے سمجھایا ہے کہ آپ جیسے لوگ تو چاہے جانے کے لائق ہوتے ہیں مگر وہ۔"

"بکواس بند کریں آپ اور خبردار جو آئندہ فون کیا۔"

اس نے زور سے ریسیور پٹخ دیا۔

"کون تھا شذرا باجی؟" صدف نے پوچھا تو شذرا اسے گھورنے لگی۔

"تمہیں بڑا مان ہے۔ نا اپنے اسد بھیا پر اسی کمینے نے اس کو فون نمبر دیا تھا۔"

"تو یہ ہے کون؟"

"وہی جو فرخ کا بڑا خیال کرتا ہے۔ اسی نے اس کے تعلیمی اخراجات۔"

"ہائے شذرا باجی! وہ تو ہمارا محسن ہے۔ آپ اس سے اس طریقے سے بات کر رہی تھیں۔" صدف ایک دم پریشان ہو کر بولی۔

"کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا صدف! سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ بس وسیلے وہ انسانوں کو بنا دیتا ہے اور انسان آپے سے باہر ہونے لگتا ہے۔"

''تو باجی! ہمیں بھی ان انسانی وسیلوں کا شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ ان کو برا بھلا کہنا چاہیے۔''

''دیکھا امی! میں نے نہیں کہا تھا۔ کام تو کیا خاک ہو رہا ہو گا۔ باتیں بنائی جا رہی ہوں گی۔'' زیب اور نسیمہ بیگم ابھی بازار سے لوٹی تھیں۔

''ارے آپ لوگ خالی ہاتھ آ گئیں۔ باجی سامان کہاں ہے؟''

''گاڑی میں۔''

''گاڑی میں۔ کس کی گاڑی میں؟'' شنذرا نے حیرت سے زیب کو دیکھا۔

''ہاں وہ اسد مل گیا تھا اسی کے ساتھ آئے ہیں۔''

''کیا وہ منحوس بھی آیا ہے۔ اور آپ نے اسے قرآن خوانی کا بھی بتا دیا ہو گا؟'' شنذرا کو اسد کا نام سنتے ہی شدید غصہ آ گیا۔

''شنذرا! حماقت کی باتیں نہ کیا کرو۔ اسد نے ہمارا ہمیشہ ساتھ دیا ہے۔ اس سے تمہارا چڑنا بے معنی ہے۔''

''زیب باجی! یہ آپ کہہ رہی ہیں جس کی ماں بہن نے ہمارا جینا حرام کر دیا ہے۔ اور اس کم ظرف نے میرے ساتھ کیا کیا نہیں کیا آپ؟''

مارے دکھ کے شنذرا کا برا حال ہو گیا ان تکلیف دہ لمحات کی اذیت پھر رگوں کو کاٹنے لگی۔

''چلو چھوڑو بھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھی تو انعام دے ہی دیا ہے ناں۔ چلو اٹھو موڈ آف نہ کرو۔'' زیب اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''لیجیے زیب باجی! آپ کا سارا سامان آ گیا ہے۔ اور یہ فرخ کہاں ہے؟ نواب ہی بنتا جا رہا ہے۔ اور یہ تم کیا آنکھیں پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔ آ کر پکڑو نہیں جاتا سامان۔ میں کوئی ملازم نہیں ہوں تم لوگوں کا۔ ساری عمر کی مصیبت۔''

اسد نے تسلی کر لی کہ یہاں صرف شنذرا ہی ہے تو اس نے جلا سا منہ بنا کر کہا۔ اسے شدید تاؤ آ گیا۔

''اس طرح بکواس کرنی تھی' تو وہیں پر ان کو منع کر دینا تھا جن کو تم لوگوں کی وقاؤں پر اب بھی اعتبار ہے اب بک بک کرنے کی ضرورت نہیں اور خبردار جو فرخ کو کچھ کہا ہو تو دیکھنا خدا ایک دن فرخ کو اتنی ترقی دے گا...... کہ تم جیسے حیرت سے...... اس کی طرف دیکھیں گے۔'' دل کی بھڑاس زبان کے ذریعے نکلنے لگی۔

''اچھا۔ پہلے موصوف کا ایف۔ ایس۔ سی کا رزلٹ تو آنے دو۔''

وہ بھی اسے چڑانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔

''انشاء اللہ منہ کی کھاؤ گے۔ اللہ نے ہمیں اتنا معتبر کر دینا ہے کہ تم جیسے دیکھتے رہ جائیں گے۔''

وہ اچھے دنوں کے تصور میں بولی تو وہ آہستگی سے چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

''دیکھنا تو میں اب بھی تمہیں رہتا ہوں۔''

اس کی گہری نگاہیں شنذرا کے خوبصورت چہرے پر جمی تھیں۔

''اس قسم کا گھٹیا پن اپنی ماں بہنوں کو دکھایا کرو۔''

''خبردار جو آئندہ میری ماں بہنوں کا نام بھی لیا تو۔''

اسد کو ایک دم ہی غصہ آ گیا اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبا ڈالا۔

''مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں اتنی فضول چیزوں کا نام لینے کی۔''

اس فیملی کے بارے میں وہ کسی ادب آداب یا لحاظ کی قائل نہیں تھی۔

''اور خبردار جو آئندہ تم نے میرا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی ہو تو۔''

شنذرا نے ہاتھ کو دوپٹے سے مسل کر صاف کیا تو وہ غصہ بھول کر پھر شوخ ہونے لگا۔

''ہاتھ۔ یہ کوئی میرے علاوہ پکڑ بھی تو نہیں سکتا!''

وہ لڑائی جھگڑے میں اپنے دل کی بات کہہ جاتا تھا۔

''میں تم سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔'' وہ تپ کر آگے بڑھی۔

''تو یہاں کس کو اختلاج قلب ہو رہا ہے تمہارے بات نہ کرنے سے۔ تم جیسی کم تعلیم یافتہ لڑکیوں کے ساتھ یہی مسئلہ ہوتا ہے جہاں مجھ جیسے خوبرو بندے نے ذرا بات کی۔ فٹ ہیروئن بننے لگیں۔'' زیر لب مسکراتا ہوا وہ اسے چڑا رہا تھا۔

''تم۔ تم خدا کرے۔ مر جاؤ۔''

اس کے غصے کی انتہائی آگ پر یہ بددعا پانی کا کام دیتی۔

''زیب! جاؤ دیکھو شنذرا لگی ہوئی اسد کے ساتھ۔''

نسیمہ بیگم جائے نماز بچھا کر زیب کی طرف مڑیں اور وہ بھی وقت ضائع کیے بغیر آ گئی مگر ہنگامہ اختتام پذیر ہو چکا تھا۔

''اچھا زیب باجی! میں چلتا ہوں اور کوئی کام ہو تو...... فون کر دیا کریں؟''

زیب پر نظر پڑتے ہی وہ سعادت مند قسم کا بھائی بن گیا۔ شنذرا بل کھا کر رہ گئی۔

''کیوں نہیں کام ہو گا تو تم ہی لوگوں کو بتائیں گے اور تم جا کہاں رہے ہو۔ کھانا تیار ہے۔ چلو اندر آؤ۔''

زیب نے باقاعدہ اسے بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف گھسیٹا تو اسد کو پھر شرارت سوجھی جاتے جاتے وہ شنذرا پر ایک اور وار کرنا چاہتا تھا۔

''اتنی جوتیاں' کوسنے اور بددعائیں کھا چکا ہوں باجی کہ اب کھانا کھا لیا تو بدہضمی ہو جائے گی۔''

اس کی یہ ڈرامابازی ہی تو اسے زہر لگتی تھی جو دوسروں کو نظر نہیں آتی تھی' دوسروں کے سامنے کتنا اچھا بن جاتا جیسے اس سے اچھا کوئی نہ ہو۔

''اسد! چھوڑو اس کو۔ اس کا تو دماغ خراب ہو رہا ہے۔ چلو اندر تم۔''

زیب نے شنذرا کو گھورا اور اسد کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی طرف بڑھی۔ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے وہ کھنکھارا تو شنذرا کا جی چاہا۔ کوئی بھاری چیز اس کے سر پر دے مارے۔ پھر رات تک اسد وہاں رہا' پھوپھو اور زیب سے ناز اٹھواتا رہا۔

اس وقت بھی سب ٹی وی لاؤنج میں تھے۔ شذرا اس کی وجہ سے اندر نہیں گئی کچن میں آ گئی۔

"تمہیں سوٹ کرتی ہو کام کرتی" اس نے توجہ نہیں دی۔ اپنا کام کرتی رہی۔

"تم لوگوں کے گھر میں فون لگنا ہی نہیں چاہیے۔ تایا جان نے بھی بس اوقات سے باہر کر دیا ہے۔"

"وہ ہمارے ہموں جان ہیں' ہمارے لیے اگر وہ کرتے ہیں تو تمہیں کیوں تکلیف ہوتی ہے۔" چپ رہنا اس کے لیے مشکل تھا۔

"مجھے تکلیف یہ ہے کہ تم میرے دوست کے ساتھ گپ بازی کرتی ہو۔"

وار ایسا تھا جس نے براہ راست انا پر ضرب لگائی تھی۔ وہ تلملا اٹھی۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں تم پر اور تمہارے دوستوں پر۔ اس قابل ہیں وہ کہ ان سے بات کی جائے۔"

"اسی لیے ارمان سے گھنٹوں باتیں ہوتی ہیں۔ اس وقت میں وہیں تھا جب وہ تم سے بات کر رہا تھا۔ فرخ کی آڑ میں وہ ہمارے گھر میں جگہ بنا رہا ہے اور میں تمہیں اور اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ سمجھیں تم۔"

شذرا کا تو جی چاہ رہا تھا۔ بعد میں چاہے وہ پھانسی چڑھ جائے لیکن آج اس کے سر پر کوئی چیز ضرور دے مارے۔

"اسد! چلے جاؤ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گی۔"

"آخر وہ کہاں تک برداشت کرتی اور وہ تھا کہ اس کے غصے اور جھنجلاہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

اس جملے پر وہ مزید شوخ ہو گیا۔

"پھر ہم یہی کہیں گے کہ ہم کو دعائیں دو کہ تمہیں قاتل بنا دیا۔"

قریب تھا کہ وہ گلاس اس کے سر پر واقعی دے مارتی۔ نسیمہ بیگم آ گئیں۔

"اچھا پھوپھو! چلتا ہوں۔" اس نے کن انکھیوں سے شذرا کو دیکھا جو برتن اٹھا اٹھا کر پھینک رہی تھی۔

"جاؤ بیٹا! اللہ کی امان میں جمعہ کو جلدی آ جانا۔ تم نے ہی سب کچھ کرنا ہے۔ صائمہ' صبا اور ہما کو بھی صبح ہی لے آنا۔ کام بہت ہوگا۔"

"امی! ہمارے ہاتھ ٹوٹے ہوئے نہیں ہیں کہ کام نہ کر سکیں۔"

ماں کے اصرار پر وہ پھٹ پڑی۔ انہوں نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

"بیٹا اسد! ملال نہ کرنا۔ اس کی عادت سے تو تم واقف ہو۔"

نسیمہ بیگم شرمندہ سی ہو کر اسد سے کہہ رہی تھیں۔

"ہونہہ" وہ پھنکارتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"چھوڑیں پھوپھو! ویسے لڑکیوں کو اپنی زبان پر کنٹرول ہونا چاہیے۔ چلتا ہوں اللہ حافظ۔"

قرآن خوانی کے بعد دعا کی جا رہی تھی پر سوز سی کیفیت ہر دل پہ طاری تھی ..... ہر دل سربسجود تھا اپنے خالق حقیقی کے حضور۔

"میرے خالق و مالک! میرے پروردگار! میں تیری رحمتوں کا شکرانہ ادا کرنے کے لائق نہیں۔ بس اب میرا بچہ مجھ سے ملا دے۔ میرا عمیر مجھ سے ملا دے مالک اب تو حد ہو چکی ہے۔ معاف فرما دے میری خطائیں۔"

نسیمہ بیگم خدا کے حضور گڑگڑا کر بچھڑے ہوئے بیٹے کی واپسی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

"میرے رب عظیم! میں اتنی طویل آزمائش کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ میرا دل ڈاکٹر وسیم کے ساتھ شادی کے لیے نہیں مانتا۔ اللہ تو' تو ہر بات پر قادر ہے ایسی کوئی بات ہو جائے ان کی طرف سے کہ امی کو بھی دکھ نہ ہو اور۔ اور میری جان بھی چھوٹ جائے۔ میرے رحمٰن! یہ میرے لیے ناممکن ہے۔ مگر تیری پاک ذات کے نزدیک تو کچھ بھی ناممکن نہیں۔ اللہ پاک میرے حال پر رحم فرما۔ رحم فرما۔"

فائزہ رواں آنسوؤں کے ساتھ دعا مانگ رہی تھی۔ زاہدہ بیگم کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

"یہ فائزہ شہزادی کو کیا دکھ لاحق ہو گئے کہ اس طرح تڑپ کر رو رہی ہے کھاتی پیتی مہارانی بن کر راج کرتی کو کیا دکھ ہو سکتا ہے۔"

زاہدہ بیگم نے آہستہ سے قریب بیٹھی صائمہ کے کان میں سرگوشی کی۔ زیب نے سن لیا اس نے ایک نظر ماں اور صائمہ پر ڈالی پھر درود شریف پڑھنے لگی۔

"عشق امی جان عشق" صائمہ نے دبی آواز میں ماں کو اطلاع فراہم کی۔

"عشق؟ کون ہے وہ خوش نصیب؟"

"ہے ایک خوش نصیب۔ بتاؤں گی آپ کو سارا افسانہ۔"

"مگر ماں تو ڈاکٹر کو پسند کیے بیٹھی ہے۔"

"بس امی! ذرا ماو کھنے کے لیے تیار ہو جائیں آپ بیٹی اور ماں کا۔ بڑا افلاطون بنتی ہے یہ فیملی بھی بڑا دم ہے کہ ہم یتیموں کی پرورش کرتے ہیں۔"

صائمہ نے شذرا کو گھورا۔ جو بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ دعا مانگ رہی تھی۔

"کرتے پھریں۔ ہم سے تو نہیں ہوتے چونچلے۔ کوئی کم تو نہیں کیا ہم نے بھی اور یہ بدزبان شذرا کو دیکھا کیسی اللہ والی بنی ہوئی ہے۔"

اب زاہدہ بیگم کا رخ شذرا کی طرف تھا۔

"اس کا تو نام بھی نہ لیں امی! کیا خبر گھر سے دھکے دے کر نکال دے۔ یہ بڑے ابا نے ان کے اتنے نخرے بڑھا دیے ہیں ورنہ ہم نے تو اوقات میں رکھا ہوا تھا۔"

دونوں ماں بیٹی مستقل کھسر پھسر کر رہی تھیں اور صبا جو قریب ہی بیٹھی تھی' ان کی باتوں کی وجہ سے ڈسٹرب ہو رہی تھی۔ یوں بھی پاک محفل میں ذکر الٰہی کے علاوہ دنیاوی باتیں انتہائی گناہ کی بات تھی جس کا ان ماں بیٹی کو احساس نہیں تھا۔

"امی! باجی چپ بھی کریں۔ مستقل باتیں کر رہی ہیں' دوسرے لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں۔"

"اچھا تم چپ کر کے پڑھو۔ ایک تو جسے دیکھو بزرگ بنا ہوا ہے۔"

صائمہ نے صبا کو گھورا ضرور مگر یہ ہوا کہ پھر کوئی بات نہیں کی۔ اس پاک محفل میں سب حاضرین نے اللہ تعالیٰ سے من کی مرادوں کی بھیک مانگی تھی اگربتیوں کی بھینی بھینی خوشبو اور ذکر الٰہی کی

لطیف پرسوز سی فضا میں آسیہ بیگم نے بڑے موثر اور رقت آمیز انداز میں دعا مانگی۔ کئی دکھی دل گریہ میں ڈوب گئے۔ کھانے وغیرہ کے بعد تمام شریک مہمان چلے گئے اب گھر کے لوگ رہ گئے۔

"شذرا بیٹے! بہت اچھی سی چائے ہو جائے۔"

"شوکت صاحب نے بڑے دلار سے شذرا کو دیکھا۔"

"جی ماموں جان! ابھی بنا کر لائی۔" شذرا فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"دیکھا مینی کو۔ کیسی فرمانبرداری دکھا رہی ہے۔ اور ہمارے ہاں۔"

زاہدہ بیگم نے شوہر کے کان میں سرگوشی کی۔ تو وہ ان کو گھورنے لگے۔

"انسان کو اپنے رویے پر بھی غور کرنا چاہیے۔"

مشتاق صاحب نے طنزیہ لہجے میں کہا کیونکہ آخری دنوں میں شذرا کے ساتھ جو ہوا اس کا ان کو بھی ملال تھا۔

"اوفوہ! آپ کو بھی ہمدردی کا بخار چڑھنے لگا۔"

"اچھا چپ رہو۔ محفل میں بیٹھے ہیں ہم لوگ۔"

"اچھا تو آپ بیٹھیں محفل میں۔ میں تو چلی۔ چلو لڑکیو! صبا' ہما' صائمہ' اسد چلو بھئی۔" زاہدہ بیگم فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور چادر سنبھالتے ہوئے بیٹیوں کو آوازیں دینے لگیں۔

"ارے۔ زاہدہ! اتنے عرصے کے بعد ہم اکٹھے ہوئے ہیں بیٹھو چلے جانا بلکہ میری تو خواہش ہے کہ تم لوگ یہیں رہو ایک دو روز۔"

نسیمہ بیگم جلدی سے زاہدہ بیگم کے ہاتھ سے چادر لے کر الگ رکھتی ہوئی بولیں۔

"نہیں نسیمہ باجی! لڑکیوں کو صبح کالج بھی جانا ہے۔ اسد کو بھی ہاسپٹل جانا ہوتا ہے۔ دیر ہو جاتی ہے اور پھر نیند پوری نہ ہو تو طبیعت بوجھل رہتی ہے۔"

"اچھا ہے۔ دفع ہو جائیں منحوس لوگ۔" شذرا نے دل میں دعا مانگی۔

"ارے بھئی! ایک آدھ روز بے آرامی برداشت کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"زاہدہ بی بی! رک جاؤ روز روز تو اکٹھے نہیں ہوتے سب لوگ۔" اور پھر شوکت صاحب کے اصرار پر زاہدہ بیگم رک تو گئیں مگر نسیمہ بیگم کا گھر اور خود مختاری دیکھ کر جلتی رہیں۔ بزرگ کمرے میں بیٹھ گئے۔ جوان پارٹی اٹھ کر باہر آ گئی۔ شذرا چائے بنانے لگی۔

"چائے ہم بھی پئیں گے شذرا۔"

شذرا نے مڑ کر دیکھا۔ خیب اور اسد کھڑے تھے وہ برا سا منہ بنا کر رہ گئی۔

"ظاہر ہے۔ سب کے لیے بنا رہی ہوں۔"

"اس طرح بری نیت سے بنی ہوئی چائے مجھے نہیں پینی۔ اس سے بہتر ہے بندہ ہوٹل سے جا کر پی لے۔"

اسد تو اسے چڑانے کے لیے اور بھی کچھ کہتا کہ خیب نے ہنگامہ بڑھ جانے کے خیال سے اسد کو روک دیا شذرا نے اسد کی بات کا جواب دینا پسند نہیں کیا' اپنے کام میں لگی رہی۔ اسد بے تکلفی سے الماری سے مٹھائی کا ڈبہ نکال کر کھانے لگا۔

"شذرا! تم تو سب سے زیادہ خشوع وخضوع سے دعا مانگ رہی تھیں۔ کیا مانگ رہی تھیں تم اللہ سے؟"

اتفاق تھا کہ جب بھی خیب نے اندر جھانکا۔ نظر شذرا پر ہی پڑی اور وہ آنسو صاف کر رہی ہوتی۔

"میں بتاؤں۔ کیا مانگ رہی تھیں یہ کہ اے اللہ اسد جیسا خوبرو بندہ میرے نصیب میں۔"

"بکواس بند کرو۔" وہ خونخوار انداز میں غرا کر مڑی۔ وہ تو خوش قسمتی تھی کہ اس نے ابلتی ہوئی چائے اس پر نہیں انڈیل دی تھی۔

"اس سے کہیں بہتر میں خدا سے موت مانگنا سمجھتی ہوں تم جیسے گھٹیا انسان۔"

"شذرا پلیز کول ڈاؤن۔ کزنز میں اس قسم کی باتیں ہو جاتی ہیں۔ اس طرح تو مائنڈ نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں اس سے کسی قسم کا رشتہ تعلق پسند نہیں کرتی۔"

وہ غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

"سوچ لو ایسا نہ ہو کہ ہم سے کسی تعلق کو ترسو۔"

اسد مستقل چھیڑے جا رہا تھا۔

"اسد پلیز' جو بات کسی کو تکلیف دے وہ نہیں کرنی چاہیے۔"

خیب درمیان میں آ گیا۔ وہ سب کے لیے چائے کے کپ رکھ کر جا رہی تھی کہ اسد نے ایک کپ اٹھا لیا۔ وہ رک کر اسے گھورنے لگی کیونکہ اس نے اندر والوں کے لیے چائے رکھی تھی۔

"اپنا حصہ تو ہم یوں ہی اچک لیا کرتے ہیں۔"

وہ اس کی خونخوار بجلی گراتی آنکھوں میں دیکھ کر زیر لب مسکرا رہا تھا۔ شذرا کوئی جواب دیے بغیر اندر چلی گئی۔ چائے پینے کے بعد زاہدہ بیگم اور لڑکیاں چلی گئیں۔ اسد خیب وغیرہ کے اصرار پر رک گیا۔

اب وہ لوگ ٹیرس پر کرسیاں ڈالے گپ شپ کر رہے تھے جبکہ بزرگ رشتوں کے جوڑ توڑ میں لگے ہوئے تھے۔

"میرا تو خیال تھا کہ شعیب اور زیب کی منگنی کے بجائے شادی کی تاریخ رکھ دی جائے مگر نسیمہ بیگم تمہاری بھاوج کے آگے ہماری کہاں چلتی ہے۔ ہم تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔" شوکت صاحب نے بے چارگی سے آسیہ بیگم کو دیکھا۔

"بھیا! دیکھا جائے تو بھابی جان کے فیصلے بھی تو بہتر ہی ہوتے ہیں۔" نند نے بھاوج کی بھرپور حمایت کی۔

"بھئی عورتوں کا اتحاد ہمیشہ مرد کو نقصان پہنچاتا ہے ٹھیک ہے...... جو نند بھاوج فیصلہ کریں۔ ہمیں قبول ہے منظور ہے۔" شوکت صاحب ہنسے۔

"تو پھر آپ کو مبارک ہو۔ میں نے اس ماہ کے آخری جمعہ کو فائزہ اور وسیم زیب اور شعیب کی منگنی طے کر دی ہے۔ کسی کو اعتراض نہیں کیوں نسیمہ؟" آسیہ بیگم نے فیصلہ سنا کر نسیمہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"نہیں بھابی جان! مجھے تو کوئی اعتراض نہیں مگر میں سوچ رہی ہوں ڈاکٹر وسیم کے گھر والے تو

آئے ہی نہیں پھر۔"

بات تو نسیمہ بیگم کی بھی درست تھی۔ آسیہ بیگم متفکر انداز میں ان کو دیکھنے لگیں۔

"ہاں بات تو درست ہے تمہاری مگر ثریا نے بات تو طے کر رکھی ہے۔ کہہ رہی ہے۔ بیٹے کے آتے ہی پھر آؤں گی۔ اپنے ملک میں ایک شہر سے دوسرے شہر جانے کے سو بکھیڑے ہوتے ہیں تو وہ امریکہ سے آ رہا ہے۔"

"تو پھر آ لینے دو ناں۔ پہلے شعیب اور زیب کی منگنی کر دیتے ہیں بعد میں۔"

"نہیں شوکت! میں چاہتی ہوں۔ میرا بیٹا اور بیٹی زندگی کی خوشیاں ایک ہی دن دیکھیں۔" آسیہ بیگم کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"ٹھیک ہے بیگم صاحبہ! جو مزاج یار میں آئے کیجیے۔"

شوکت صاحب نے شوخی سے بیگم کو دیکھا۔ نسیمہ بیگم بھی بے حد خوش تھیں۔

"نسیمہ!"

"جی بھائی جان۔" نسیمہ بیگم نے محسوس کیا وہ کچھ کہنا چاہ رہے ہیں۔

"وہ دراصل میں آج پھر تم سے کچھ مانگنا چاہتا ہوں۔"

"میری جان سمیت سب کچھ حاضر ہے بھائی جان۔"

نسیمہ بیگم تو بھائی کے لیے جان بھی قربان کر سکتی تھیں۔

"بات یہ ہے نسیمہ کہ اگر خدا نے تین بیٹے دیے ہوتے تو تمہاری تینوں بیٹیاں میری بہوئیں بنتیں۔ لیکن خیر زیب تو میری بیٹی ہے ہی۔ شنذرا کو بھی میری بیٹی بنا دو۔"

"جی۔" شوکت صاحب کی بات پر نسیمہ بیگم کو یقین نہیں آیا اس سے بڑھ کر ان کی خوش بختی کیا ہو سکتی تھی۔

"کیوں نسیمہ کوئی اعتراض ہے کیا۔" آسیہ بیگم نے ان کا شانہ ہلا دیا۔

"ارے بھابی جان! خوشی سے میری زبان گنگ ہو گئی ہے خدا کی قسم آپ۔ آپ دونوں نے تو میری زندگی خدایا میں تیرا کس طرح شکرانہ ادا کروں کہ مجھ جیسی گناہ گار کے مسائل یوں آسانی سے حل ہو رہے ہیں۔ سو جان سے شنذرا آپ کی ہے بھائی جان۔ میں تو اس کی بدزبانی کی وجہ سے اتنی فکر مند تھی۔ اس کا کیا ہوگا۔ مگر صدقے جاؤں اللہ کی پاک ذات کے۔ میں کس قدر خوش ہوں بھائی جان۔" مارے خوشی کے نسیمہ بیگم کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تو پھر نسیمہ! آج سے منیب اور شنذرا کا رشتہ طے سمجھوں ناں۔"

شوکت صاحب کی زبان سے نکلا ہوا جملہ تیر بن کر دروازے سے باہر کھڑے اسد کے دل میں پیوست ہو گیا۔ وہ تو گھر جانے کے لیے پھوپھو کو خدا حافظ کہنے آیا تھا۔ ایک دم ہی دل بجھ کر رہ گیا۔ اس نے تو سوچ ہی کچھ اور رکھا تھا۔

"شنذرا!" اک ہوک سی دل سے اٹھی وہ جلدی سے آگے بڑھ جانا چاہتا تھا۔ اسی وقت شنذرا منیب کی کسی بات پر ہنستی ادھر ہی آ رہی تھی۔ شام غم سی اتر آئی اسد کے دل میں۔

"بعض فیصلے ٹھیک ہی ہوتے ہیں۔" اس نے زخمی سی نگاہ شنذرا کے ہنستے ہوئے چہرے پر ڈالی

ہنستی مسکراتی کتنی اچھی لگتی تھی۔

"سدا خوش رہو شنذرا۔" اس نے زیر لب آہستگی سے کہا منیب کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کی طرف آ گیا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو اسد میں اوپر انتظار کر رہا تھا اور تم۔"

"یہ تمہیں ہوا کیا ہے کچھ دیر پہلے تو بڑے خوش باش اور فریش تھے۔" منیب اسے دیکھنے لگا جس کے چہرے پر اداس شام پھیلی ہوئی تھی۔

"لمحوں ہی کی تو بات ہوتی ہے منیب پل بھر میں کوئی تہی دامن ہو جاتا ہے اور کسی کا دامن خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔"

"ہیں۔ ہیں کیا بات ہے! اس قدر جان لیوا سنجیدگی کیوں اختیار کر لی۔"

منیب نے چونتے ہوئے اسے دیکھا کچھ دیر قبل ہی تو اس میں اور شنذرا میں نوک جھونک ہو رہی تھی۔

"خدا حافظ!" اسد نے سنجیدگی سے اس سے ہاتھ ملایا تو منیب یہی سمجھتا رہا۔ شنذرا کی کسی بات کو اس نے دل پر لے لیا ہے۔

"اسد یار سنو تو۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟" منیب آوازیں دیتا رہ گیا۔

"ہونہہ اداکار!"

شنذرا کی نفرت بھرے لہجے میں ڈھلی تو اسد کے قدم وہیں جم گئے۔ واپس پلٹا۔ شنذرا پر نظریں ٹھہر گئیں۔ منیب تو سمجھا کہ اب میزائل فائر ہوگا مگر اسد کچھ دیر شنذرا کو خاموش نظروں سے دیکھتا رہا پھر گہرا سانس لے کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ کچھ دیر کے لیے شنذرا بھی چپ سی ہو گئی۔ اسد کے چہرے پر عجیب سی ویرانی اور آنکھوں میں عجیب سی خاموشی تھی۔

☆......☆......☆

"زیب! یہ سراسر زیادتی ہے۔ آپ فائزہ کی امی سے بات تو کریں۔ میں نے تو گھر میں سب کو تیار کر لیا ہے اب۔ اب جبکہ دو چار ہاتھ رہ گئے تو۔" حسن کو پتا چلا تو وہ پاگل سا ہو گیا۔

"ایسا ہی ہوتا ہے حسن بھائی! کہ منزل اتنے قریب آ کر دور ہوتی ہے کہ انسان کو تڑپنے کی مہلت بھی نہیں ملتی۔ مامی کو بس یہ ضد ہے کہ وہ فائزہ کی شادی ڈاکٹر ہی کے ساتھ کریں گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو شاید وہ اپنی بھابی اور بھائی کی نظروں میں گر جائیں گی۔ بڑی عجیب سی خواہش ہے ان کی۔ مگر اب کیا کر سکتے ہیں۔"

"فائزہ کا کیا حال ہے۔" حسن کی آواز دور سے آئی۔

"اپنے حال سے جان لیجیے اس کا حال......" زیب نے دکھ سے...... کہا۔ فائزہ تو ہر وقت اس کے سامنے تھی۔

"زیب بہن! میں...... میں خود آ کر آنٹی سے بات کرتا ہوں شاید۔"

"سب فضول ہے۔ مامی کسی صورت نہیں مانیں گی۔ خواہ مخواہ اپنی بات کھونے سے کیا حاصل۔"

پھر وہ کتنی دیر حسن کو سمجھاتی رہی۔ ان دونوں کو دلاسے دیتی وہ خود بے حوصلہ ہو کر رو پڑی۔ اتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ وہ شعیب کے لیے کب تیار ہو پائی تھی۔ دل کے معاملے بھی عجیب ہوتے ہیں اور دنیا کے تقاضے بھی۔

''اور کیا کہہ رہا تھا حسن۔ تم...... اچھی طرح اسے میری مجبوری بتا دیتیں زیب۔''

''فائزہ! جو بات بھی کی ہے۔ تمہارے سامنے کی ہے میں۔ میں تو تم دونوں کی خاطر جان بھی دے سکتی ہوں مگر کیا کروں۔ میری جان بھی میری طرح بے وقعت ہے۔''

زیب فائزہ کا چہرہ صاف کر کے باہر نکلی تو سامنے سے بلال آ رہا تھا۔ اس ستم گر کو دیکھ کر درد جاگ اٹھا۔ مگر اسے خود پر اختیار تھا۔ انجان بن کر گزرنے لگی۔

''زیب پلیز' میری بات تو سنو! اس قسم کے رویے سے تم کیا ظاہر کرنا چاہتی ہو؟'' بلال اس کے سامنے آ گیا۔

''صرف یہ کہ میری اور شعیب کی منگنی ہو رہی ہے اور بس۔'' وہ تلخ ہو گئی اور اتنی اجنبی کہ بلال کو دکھ ہونے لگا۔

''زیب! میری طرف دیکھو تو سہی۔''

''خدا حافظ۔'' وہ اسے کسی صفائی کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی وہ جانتی تھی بلال اپنے رویے پر نادم ہے وہ جان کر ایسا نہیں کر رہی تھی۔ اچھا ہی تو تھا جب جدائی ہی مقدر ہے تو کیا ضرورت ہے۔ کسی مصالحت کی کسی تصدیق کسی تردید کی۔ اب وہ جان بوجھ کر بات کلیئر ہونے نہیں دے رہی تھی۔ بلال سے مزید وہاں رکا نہیں گیا۔ واپس آ گیا۔

''کیا کہہ رہا تھا بلال؟'' زیب کوریڈور سے کمرے میں آئی تو شعیب کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ یقیناً بلال اور زیب کو دیکھ چکا تھا۔

''میرے خیال میں میرے الفاظ کی گونج آپ کی سماعتوں تک ضرور پہنچ گئی ہوگی اور بلال نے کیا کہا یہ بھی سن لیا ہوگا آپ نے۔''

وہ انتہائی جلے کٹے انداز میں بولی۔

''تم بہت کڑوی ہوتی جا رہی ہو زیب۔''

شعیب نے یہ کہا ضرور مگر زیب نے محسوس کیا' لہجے میں مخصوص رعب اور غرور نہیں تھا۔

☆......☆......☆

''شکر ہے ثریا! تم نے فون تو کیا۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ تم خاموش کیوں ہو گئی ہو کہو وسیم بیٹا آیا کہ نہیں۔ کیا کل آؤ گے۔ چلو اچھا ہے پھر کل بات ہوگی۔ ابھی تو ڈھنگ سے آواز بھی نہیں آ رہی تمہاری۔''

آسیہ بیگم تو خوشی سے پھولی سما رہی تھیں۔

''کل ثریا اپنے شوہر کے ساتھ آ رہی ہے۔ آواز ہی نہیں آ رہی تھی۔ خیر ساری باتیں کل ہی طے ہو جائیں گی۔ بس اللہ مبارک کرے۔ میری بچی خوش رہے۔''

آسیہ بیگم! خوشی سے پھولی سانس کے ساتھ شوکت صاحب کو تفصیل بتا رہی تھیں۔

''چلو اچھا ہے' یہ کام بھی ہو جائے گا۔''

دونوں میاں بیوی مہمانوں کی آمد کا پروگرام ترتیب دے رہے تھے اور فائزہ مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہی تھی۔

''زیب! بس میں نہیں جانتی۔ فرخ کو لے کر ابھی آ جاؤ پلیز ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔ آ جاؤ پلیز۔''

وہ کچھ ایسے منت بھرے لہجے میں بولی کہ زیب بے چین ہو گئی۔

آخر فائزہ کو پریشانی کیا ہے؟ نسیمہ بیگم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ رات کے دس بجے وہ بیٹی کو فرخ کے ساتھ کس طرح بھیج دیں۔

''امی! ہم لوگوں کو کیا پریشانیاں ہیں آپ لوگ سمجھ لیں تو ہم لوگ یوں کیوں تڑپیں؟''

''کیا مطلب ہے تمہارا! والدین جو بھی کرتے ہیں اولاد کی بہتری کے لیے کرتے ہیں اور تم لوگ اسے غلط سمجھ لیتے ہو۔'' نسیمہ بیگم سمجھ گئیں کہ زیب نے ان پر بھی چوٹ کی ہے۔

''ٹھیک ہے امی! آپ لوگ اپنی جگہ درست ہوتے ہیں اور ہم لوگ اپنی جگہ مجبور و بے اختیار کم از کم ہمیں اپنے آنسوؤں پر تو اختیار ہوتا ہے ناں؟''

زیب سسک پڑی۔ اسے اپنی ماں سے بھی شدید شکایت تھی جنہوں نے اس کی کمزوری سے بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

''ویسے ایک بات تو ہے کہ یہ ڈاکٹر مجھے پسند نہیں آیا نہ ہی گھر والے کوئی کھرے لوگ ہیں کچھ عجیب سی باتیں کرتی ہے وہ عورت۔''

''ہے ناں۔ امی مجھے بھی وہ لوگ ٹھیک نہیں لگے آپ...... آپ مامی سے کہیں ناں کہ وہ اس فیصلے پر نظر ثانی کریں۔ ایسا نہ ہو اپنی اکلوتی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے کھو دیں۔ امی فائزہ بہت نازک ہے اس نے زندگی میں کبھی محرومی نہیں دیکھی اب...... اب...... امی پلیز' آپ مامی سے ضرور بات کریں ہو سکتا ہے۔''

زیب اپنا غم بھول گئی۔ اب وہ صرف فائزہ کی خوشی چاہتی تھی۔

''زیب بیٹی! فائزہ کی شادی کسی ڈاکٹر سے ہو یہ بھائی جان کی جنونی خواہش ہے وہ کسی کی ہر بات مان سکتی ہیں مگر اس رشتے کے بارے میں کوئی بھی بندہ کوئی بھی بات کرنے والا ان کا دشمن ہو سکتا ہے دیکھ لیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے لڑکا بہت اچھا ہو اسے بے حوصلہ کرنے کے بجائے...... حوصلہ دیا کرو بیٹا اسی میں سب کی بھلائی ہے۔'' اندھیرے میں ایک موہوم سی روشنی نظر آئی تھی وہ بھی ختم ہو گئی۔

☆......☆......☆

''واہ ثریا! تم نے خوب کی کہ اتنے دن خاموشی میں گزار دیے۔''

اب آسیہ بیگم ثریا بیگم کو کیسے بتاتیں کہ وہ کتنی پریشان رہی ہیں۔

''ہاں آسیہ بس یوں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ تم سے بات کس طرح کروں۔''

ثریا بیگم نظریں کترا کر چور لہجے میں بولیں تو آسیہ بیگم کا دل دھک سے رہ گیا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔ تم کیا بات کرنا چاہتی ہو۔ بات تو طے ہو گئی تھی۔''

آسیہ بیگم کی آواز گہری ہو گئی۔ دل انجانے خوف سے دھڑکنے لگا۔

"دیکھو آسیہ! میرا اور تمہارا تعلق کوئی نیا نہیں بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے ہیں دوست ہیں لیکن بعض اوقات ہم لوگ وقت اور حالات کے ہاتھوں اتنے مجبور ہو جاتے ہیں کہ ہمارے تعلقات ہماری دوستیاں وقت کے بہاؤ میں بہہ جاتی ہیں۔"

"مجھ سے صاف بات کرو ثریا! پہیلیاں نہ بجھواؤ۔"

ثریا بیگم کے تمہیدی الفاظ آسیہ بیگم کو زہر لگ رہے تھے۔

"صاف بات یہ ہے آسیہ کہ میں فائزہ کو دل وجان سے بہو بنانا چاہتی تھی مگر نہیں جانتی تھی کہ میرا بیٹا مجھے یوں مایوس کرے گا۔"

"کیا مطلب وسیم آیا نہیں؟"

"آیا ہے مگر اپنے امریکن بیوی بچوں کے ساتھ۔"

"امریکن بیوی بچوں کے ساتھ۔" آسیہ بیگم کے اندر کہیں دھماکا ہوا اور ساری خواہشات کے پرخچے اڑا گیا۔

"اتنی بڑی حقیقت تم نے مجھ سے چھپائے رکھی۔"

آسیہ بیگم کا مارے غم وغصہ کے برا حال تھا۔

"اس حقیقت سے تو میں خود بھی بے خبر تھی آسیہ ورنہ میں اتنی بات کیوں کرتی۔ اس نا خلف نے ہم لوگوں کو دھوکے میں رکھا۔ جب بھی شادی کی بات کی وہ ٹال گیا چونکہ میں اور اس کے ابو امریکن سے شادی کے سخت خلاف تھے اس لیے وہ ہم سے چھپاتا رہا۔ اب جبکہ ہمارا اصرار فائزہ کے لیے بڑھ گیا تو اس نے شادی کو ظاہر کر دیا۔ آسیہ! خدا گواہ ہے ہمیں قطعی علم نہیں تھا ورنہ۔ ہم ہرگز یہاں نہ آتے نہ فائزہ بیٹی کے لیے بات کرتے میں بے حد شرمندہ ہوں۔"

ثریا بیگم ندامت کے احساس کے ساتھ بول رہی تھیں مگر آسیہ بیگم کے اندر آندھیاں چل رہی تھیں۔

"فائزہ..... فائزہ۔" زیب بھاگتی ہوئی فائزہ کے پاس آئی۔

"زیب! خیریت تو ہے ناں۔ کیا بات ہے؟"

فائزہ اس کے پھولے سانس دیکھ کر بولی تو زیب اس سے لپٹ گئی۔

"فائزہ! مبارک ہو۔ اللہ نے تمہاری سن لی ہے۔" زیب نے اسے گھما ڈالا۔

"ہوا کیا ہے؟" فائزہ پریشان ہو گئی۔

"انکار۔" زیب کا خوشی سے برا حال تھا۔

"کیسا انکار؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" فائزہ کچھ سمجھ نہیں رہی تھی۔ جواب میں زیب نے ساری کارروائی جو دوسرے کمرے میں کھڑے ہو کر اس نے سنی اور دیکھی تھی فلمی رپورٹ کی طرح پیش کر دی۔

"اف خدایا! تیرا شکر ہے۔ تو نے میری فریادیں سن لیں۔" خوشی سے فائزہ رو پڑی۔

"خدا کا بے حد احسان ہے فائزہ! کہ اس نے ہم گناہ گاروں کی دعائیں سن لیں ورنہ۔ ورنہ تو لگتا تھا سب کچھ ختم ہو جائے گا۔" زیب خوشی سے ایک بار پھر فائزہ سے لپٹ گئی۔

"زندگی کی نوید دینے والی میری بہن! خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" فائزہ نے خوشی سے اسے پیار کیا تو وہ چپ سی ہو کر الگ ہو گئی۔

"خوش۔ میری خوشیوں کو تو رہنے دو۔ یہ بتاؤ حسن کو خوشخبری سنا دوں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔" فائزہ نے انکار کر دیا تو زیب کو حیرت ہوئی۔

"کیوں؟"

"بس ذرا تڑپنے دو۔" فائزہ شوخ ہونے لگی۔

"بڑی بدتمیز ہو۔ کچھ دیر قبل کیا حال تھا۔ تمہارا اب دوسروں کو تڑپا رہی ہو۔"

"اچھا بابا! کر دو لیکن امی! زیب پھر کہیں کوئی پھڈا نہ کر دیں۔"

فائزہ ایک دم بجھ سی گئی کیونکہ آسیہ بیگم کا ڈاکٹر والا جنون تو باقی تھا۔

"انشاء اللہ اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔" زیب نے اسے تسلی دی اور فون اٹھا لائی۔

"ہیلو۔" دوسری طرف حسن ہی تھا۔

"کیسے ہیں حسن بھائی۔"

"کیسا ہو سکتا ہے وہ شخص جس سے جینے کی آرزو چھین لی گئی ہو۔" حسن افسردگی سے بولا تو زیب ہنس پڑی۔

"اوہو! میاں مجنوں کا یہ حال ہو گیا ہے۔ چلئے مبارک ہو۔"

"کیا مطلب؟" حسن کو تو یوں لگا جیسے بجھتے دیے میں تیل ڈال دیا گیا۔

"مطلب یہ کہ۔"

"زیب پلیز! جلدی بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بے چینی سے بولا۔

"بات کرنے دیں گے تو پتا چلے گا ناں۔ حسن بھائی کیا بات ہوئی ہے؟"

"اچھا..... بتاؤ کیا بات ہے۔" بے قراری سے حسن پوچھ رہا تھا زیب نے ساری بات بتا دی۔

"واقعی۔" خوشی سے حسن کی آواز بے قابو ہو گئی۔

"بالکل واقعی۔ اب آپ اپنے والدین کو جلدی سے لے آئیں قبل اس کے کہ پھر کوئی ڈاکٹر آ جائے۔"

"خدا نہ کرے۔" حسن نے جلدی سے کہا۔

"اچھا پھر خدا حافظ۔" باہر غالباً شعیب آ رہا تھا زیب نے ریسیور رکھ دیا۔ اور فائزہ کے خوشی سے تمتماتے چہرے پر پیار کر لیا۔

"خوش رہو فائزہ ہمیشہ۔" اس کی آواز بھیگ سی گئی۔

☆......☆......☆

ممتا اتنی بھی بے خبر نہیں ہوتی کہ اس کی اولاد اس کی گود اجاڑ جائے تو اسے خبر ہی نہ ہو چڑیا بھی گھونسلے میں اپنے بچوں کا خیال رکھتی ہے ماں کو تو پھر قدرت نے خاص حس عطا کر رکھی ہوتی ہے جس سے وہ ان کہی باتیں بھی محسوس کر لیتی ہے صوفیہ بیگم کے دل کو عجیب سی بے چینی لگی ہوئی تھی۔ گھر میں عجیب سی سوگوار ویرانی تھی۔ ہر کوئی چپ اور پریشان تھا مصنوعی مسکراہٹوں کو وہ خوب پہچانتی تھیں۔

"بیٹی! میرے گھر کو کیا ہو گیا ہے۔ میرے بچے بکھر کیوں گئے ہیں۔ چپ چپ اور افسردہ کیوں رہتے ہیں۔"

وہ اس قسم کے سوال جب مہوش سے کرتیں تو وہ ان کو دیکھ کر رہ جاتی۔ اب ان کو وہ کیسے بتاتی کہ وہ کیا کھو چکی ہیں۔

"مما! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ بس لیٹ جائیں۔"

"کیسے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم نے بے بی کی حالت دیکھی ہے۔ مردوں جیسی ہو رہی ہے۔ وہ تو ہنسنا بولنا ہی بھول گئی ہے۔ پتا ہے یہ اتنی شرارتی ہوا کرتی تھی کہ راہ چلتے لوگوں کو نہیں بخشا کرتی تھی ایک بار تو یوں ہوا کہ۔"

اور پھر وہ نجل کی شرارتیں یاد کر کے کتنی ہی دیر ہنستی رہیں۔ پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔

"مگر مہوش بیٹی! اب تو وہ مسکراتی بھی نہیں۔ اور یہ راحیل کو دیکھا تم نے۔ کتنا دکھی سا ہو گیا ہے۔ بدقسمتی سے اسے بیوی اچھی نہیں ملی۔ چند روز میں وہ کیسا ہو گیا ہے۔ اپنی عمر سے بھی بڑا لگنے لگا ہے۔ ہے ناں۔ تم نے بھی یہ سب محسوس کیا ہے ناں۔ لیکن شاید تم ابھی یہ باتیں محسوس نہ کر سکو۔ ماں نہیں بنیں ناں اس لیے۔"

وہ بولتی رہیں اور مہوش دکھ کے احساس کے ساتھ ان کو دیکھتی رہی۔

"مما! آپ سو جائیں۔ آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیں۔" مہوش نے ان کو لٹا کر اچھی طرح کمبل اوڑھا دیا۔ اور دواؤں کا اثر تھا کہ وہ جلدی ہی سو گئیں۔

"سو گئیں مما!" مہوش مما کو سلا کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔

"جی مگر وہ اندر سے بے حد پریشان ہیں۔ راحیل بھائی! آپ کے لیے بھی فکر مند ہیں۔ دکھ تو ہم سب کا مشترکہ ہے لیکن آپ تو۔"

"بعض دکھ بہت ذاتی ہوتے ہیں مہوش۔"

راحیل نے اپنی ذاتی زندگی کے اجڑنے کی خبر ابھی کسی کو نہیں دی تھی۔

"آج رات دو بجے فلائٹ ہے ان لوگوں کی۔" نبیل ابھی فون پر انفارمیشن لے کر آیا تھا۔

"تم لوگ گھر پر رہنا۔ میں ایئر پورٹ چلا جاؤں گا۔" راحیل نے روتی ہوئی نجل کے سر پر ہاتھ پھیرا اور باہر نکل گیا۔

"مہوش! راحیل! بے بی! نبیل کہاں ہو میرے بچو۔ میرے قریب آؤ میرے پاس آؤ۔ میں تنہا ہوں۔"

مما کی چیخ پر سب ان کے کمرے کی طرف بھاگے۔

"مما کیا بات ہے۔ ہم آپ کے پاس ہیں سب۔" راحیل نے بڑھ کر ان کو ساتھ لگا لیا۔

"فاطمہ کے کمرے میں اندھیرا کیوں ہے۔ لائٹ جلا دو۔ آ جائے گی وہ۔ جاؤ مہوش اس کے کمرے میں روشنی کر کے آؤ۔ لگتا ہے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ غبار ہے...... دھند ہے۔"

"مما! فاطمہ کی زندگی کا چراغ بجھ چکا ہے تو کمرے میں اجالا کس کام کا۔" راحیل سے ضبط نہ ہو سکا اس نے ماں کے سینے پر سر رکھ کر بتا دیا تو وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

☆......☆......☆

"آؤ اسد! کیا حال ہے۔ اس کے بعد تو تم نے چکر ہی نہیں لگایا۔"

تیمور اسد کو دیکھ کر بہت خوش ہوا جبکہ علی اسے دیکھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"آپ آفس کتنے دنوں سے نہیں گئے تیمور بھائی۔"

"میں تو علی کی وجہ سے کئی روز سے نہیں جا سکا۔ کیوں خیریت! تم کیوں پوچھ رہے ہو؟"

"وہ میں کل پھوپھو کی طرف گیا تھا تو سیڑھیوں پر آپ کے نسیم صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ وہ آپ کا پوچھ رہے تھے اور بتا رہے تھے کہ ان کے باس کی بیٹی کا انتقال ہو گیا ہے۔"

"اوہ نو۔ انا للہ۔"

"کیا ہوا تیمور؟ خیریت تو ہے۔" علی تیمور کی آواز پر باہر آ گیا۔

"یار! وہ نجل کی فاطمہ باجی جن کا میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ بیمار ہیں۔ اسد بتا رہا ہے کہ ان کی ڈیتھ ہو گئی ہے۔"

"اوہ! بہت دکھ ہوا یہ سن کر۔ میرے خیال میں ہمیں آج ہی نجل کے پاس جانا چاہیے۔"

"نہیں علی! میں نسیم صاحب سے پہلے ملاقات کر لوں پھر جائیں گے۔ تمہیں تو پتا ہے ان لوگوں کا ماحول ہی الگ ہوتا ہے۔"

اور پھر پہلی فرصت میں تیمور اور علی نسیم صاحب سے ملنے گئے۔

"ہاں تیمور میاں! دکھ تو بہت ہوا ہے۔ بڑی ہی حلیم بچی تھی مگر جو خدا کو منظور لیکن ابھی افسوس کے لیے نہ جانا۔ جب مناسب ہو گا۔ میں خود تمہیں بتا دوں گا۔"

"چلیے جیسے آپ کہیں لیکن نجل سے آپ کی ملاقات ہو تو بتا دیجیے گا۔ ہمیں بے حد دکھ ہوا ہے ہم ضرور آئیں گے۔"

"ضرور بتا دوں گا علی میاں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صبر جمیل دے۔ آمین۔"

☆......☆......☆

"ہائے بے چاری نجل باجی کتنا رو رہی ہوں گی۔" شانی کو نجل کا خیال آ رہا تھا۔

"ہاں۔ مگر یہ دکھ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بانٹا بھی نہیں جا سکتا۔ ان کا علاج تو صرف وقت ہے علی پھر تم تیار ہو ناں۔"

تیمور گہری سانس لے کر بولتا ہوا علی کی طرف مڑا۔

"کہاں جانا ہے؟" علی نے متحیر نظروں سے تیمور کو دیکھا۔

"وہ اسد کہہ رہا تھا۔ آج اس لڑکے سے ملائے گا جو اس نے شانی کے لیے دیکھا ہے۔"

شانی فوراً وہاں سے اٹھ گئی۔ علی نے ایک نظر شانی کی پشت پر لہراتی چوٹی پر ڈالی اور گہرا سانس لے کر تیمور کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"ہوں تو یہ بات ہے۔ میرا جانا ضروری تو نہیں۔ تم جاؤ دیکھ آؤ۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور باہر دیکھنے لگا۔

"ارے آپ لوگ ابھی تیار نہیں ہوئے؟" اسد اندر آتے ہوئے بولا۔

''میں تو تیار ہوں۔ یہ علی کچھ رضامند دکھائی نہیں دیتا۔''

''ارے علی بھائی! یہ کیا بات ہوئی' جلدی سے تیار ہو جائیے۔ میں چاہتا ہوں۔ شابی بہن کے لیے ہم اچھی طرح دیکھ بھال کر لڑکا منتخب کریں تاکہ بعد میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔''

''میرے خیال میں تمہاری نظریں بہت جوہر شناس ہیں۔ بہت اچھی طرح پہچان لیتے ہو تم بندے کو پھر کسی اور کی کیا ضرورت ہے؟'' علی کا لہجہ ہلکا سا طنزیہ تھا۔

''جوہر شناس آپ نے خوب کہا۔ میں نے جوہر کو واقعی پہچان لیا ہے۔ اب آپ بھی دیکھ لیں۔'' اسد نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو علی وہاں سے ہٹ گیا اور تیار ہونے لگا۔

''ارے بھئی' جلدی کیجیے۔ وہ بے چارا ہوٹل میں پہنچ گیا ہوگا۔''

اسد بار بار چلا رہا تھا۔ علی کو زندگی میں پہلی بار کسی پر اگر غصہ آرہا تھا تو وہ اس وقت اسد ہی تھا۔

''شابی! پھر تو تم پرائی ہو جاؤ گی ..... ذرا شرٹ تو استری کر دو۔''

علی شرٹ لے کر شابی کے پاس آ گیا تو وہ اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ جب سے آپ وہاں سے آئے ہیں۔ بہت سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ آپ پر سنجیدگی بالکل بھی سوٹ نہیں کرتی۔''

وہ کچھ دیر اسے گہری نظروں سے دیکھتا رہا۔

''اچھا نہیں سوٹ کرتی سنجیدگی تو میں اس کو ختم کر دوں گا اور تمہاری شادی پر خوب ناچوں گا' گاؤں گا۔'' وہ ہنسا تو شابی خفا سی ہوگئی۔

''فضول باتیں نہ کریں۔''

''فضول باتیں نہیں ہیں محترمہ! ہم تمہارے ہونے والے دولہا کو دیکھنے جا رہے ہیں۔ سنا ہے اسد نے بڑا اچھا دولہا پسند کیا ہے تمہارے لیے۔ خوشی ہو رہی ہے نا؟''

وہ نجانے اس سے کیا کہلوانا چاہ رہا تھا۔

''چپ رہیے آپ۔'' اسے بالکل بھی یہ ذکر اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہیں اور۔''

''علی پلیز' چپ ہو جائیے۔ زندگی میں پہلی بار اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا ہے۔ چپ ہو جائیے پلیز۔ وہ روتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی تو علی دکھ کا گہرا احساس لیے باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

''کہاں ہے بھئی تمہارا مہمان! کتنی دیر ہوگئی ہے ہمیں آئے ہوئے۔''

ہوٹل میں بیٹھے ان تینوں کو کافی دیر ہوگئی تھی۔

''ہاں یار اسد! اب تک تو اسے آ جانا چاہیے تھا۔'' تیمور نے بھی گھڑی دیکھی۔

''ہاں آ تو جانا چاہیے تھا مگر خیر۔ میرے خیال میں اب ڈراما ختم ہونا چاہیے۔'' اسد نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا تو دونوں اسے گھورنے لگے۔

''ڈراما۔'' علی دھیرے سے بولا۔

''دیکھیں تیمور بھائی! میں جس لڑکے کو جانتا ہوں۔ وہ بے حد اچھا انسان' جانثار دوست اور عزت محبت دینے والا شوہر ثابت ہو سکتا ہے اور مجھے اس پر مکمل اعتماد ہے تیمور بھائی! آپ کو اس سے کبھی شکایت نہیں ہوگی۔ آپ آنکھیں بند کر کے اعتماد کر سکتے ہیں۔''

''اوہو بابا! اپنے دوست سے ملواؤ گے بھی کہ نہیں۔''

''میرا وہ دوست آپ کے سامنے بیٹھا ہے' علی رضا کے روپ میں۔''

''کیا؟'' علی اور تیمور کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ علی کے دل کا شہر تاروں سے سجنے لگا۔

''جی۔ بھلا علی بھائی سے بڑھ کر قابل اعتماد لڑکا کون سا ہو سکتا ہے تیمور بھائی۔

''ہاں...... کوئی نہیں۔'' تیمور نے حیرت اور خوشی کے ساتھ علی کو دیکھا واقعی علی سے بڑھ کر شابی کا خیال رکھنے والا کون ہو سکتا تھا۔ علی خوشگوار دھڑکنوں کے ساتھ باہر دیکھ رہا تھا۔

''مجھے یہ ڈراما مصلحتاً کرنا پڑا کیونکہ میں جانتا تھا کہ دوستی میں شاید دونوں اپنے دل کی بات زبان پر نہ لا سکیں۔ اور دونوں دوستی کے خیال میں مارے نہ جائیں یوں بھی علی بھائی نے جوہر شناس ہونے کی ڈگری تو دے ہی دی ہے۔''

اسد نے ساری تفصیل بتائی تو تیمور نے اٹھ کر اسے ساتھ لگا لیا۔ کتنا مخلص تھا یہ لڑکا۔

''تھینک یو اسد! واقعی تم نے تو کام کر دکھایا۔ علی تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں۔''

اب تیمور علی کی طرف بڑھا جو بڑے تحمل سے خوشی سنبھالے ہوئے تھا۔

''اعتراض' تیمور بھائی! ذرا ان کے چہرے کو غور سے' دیکھیں کسی شادی ہال کی لائٹنگ کا سماں پیش کر رہا ہے۔'' اسد نے علی کو چھیڑا۔

''اسد درست کہہ رہا ہے تیمور! یہ میری زندگی کی اولین خواہش تھی۔''

''ہوں تو پھر کیا کھلا رہے ہیں۔ میں جانتا ہوں۔ کچھ دیر قبل تو زہر کھلانے کا سوچ رہے ہوں گے آپ۔''

''بکومت۔'' علی نے جھینپتے ہوئے اس کے شانے پر مکا مارا۔

''علی! تمہاری اتنی خواہش تھی تو تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں۔ اگر۔''

تیمور نے اتنے دونوں بعد علی کو دل سے مسکراتے دیکھا تو ایک دم خیال آیا کہ اگر اس کی خواہش پوری نہ ہوتی تو وہ اندر سے ٹوٹ جاتا۔

''شرم و حیا بھی کوئی چیز ہے تیمور بھائی! آخر مشرقی لڑکا ہے۔''

علی کے بجائے اسد نے کہا تو علی جھینپ گیا۔

''اچھا ایک درخواست ہے تم دونوں سے۔''

''جی ارشاد۔'' اسد بہت شوخ ہو رہا تھا۔

''وہ یہ کہ شابی کو یہ نہ بتایا جائے کہ اس کا۔''

''کیا مطلب ہے۔ آپ ہماری بہن کو تنگ کرنا چاہتے ہیں۔ چلیے تھوڑا سا ان کا بھی امتحان ہو جائے تو پتا چل جائے گا۔'' تیمور نے بھی خاموش رہ کر منظوری دے دی۔ کیونکہ اس طرح شابی کی رائے بغیر کسی تکلیف اور لحاظ کے پتا چل سکتی تھی۔

"یار اسد! اپنی شابی بہن کو تفصیل بتاؤ کہ ان کے بھائی صاحب نے کیا چیز پسند کی ہے ان کے لیے۔" گھر آتے ہی علی شوخی سے بولا۔

"چھوڑیں بھی علی بھائی! جیسا بھی ہے ہماری بہن قبول کرلے گی۔"

"نہیں میرا خیال ہے ایک ملاقات کروادو تاکہ شابی اسے دیکھ لے۔"

شابی نے حیرت سے علی کو دیکھا کچھ دیر قبل کیسا تھا اور اب کیسا۔ دکھ کی شدید لہر اٹھی مگر وہ اپنی کمزوری علی پر ظاہر کرنا نہیں چاہتی تھی۔

"وہ شخص جیسا بھی ہے۔ میرے بھیا کی پسند ہے تو مجھے قبول ہے۔"

اس نے حلق میں اترتے آنسوؤں کے گولے کو بمشکل روکا اور بول گئی تیمور نے محبت سے اسے دیکھا۔ کتنا مان بڑھایا تھا اس نے۔

"بھئی تصویر تو دیکھ لو۔" علی نے اپنی تصویر اس کی طرف بڑھائی۔

"میں نے کہا ناں۔ مجھے اپنے بھائی پر اعتماد ہے۔"

وہ علی پر کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے دیکھے بغیر علی کی تصویر جھٹک دی۔ اور یوں شابی کے دیکھے بغیر شابی اور علی کا نکاح ہوگیا۔

☆......☆......☆

"خدایا! تیرا شکر ہے۔ میں آج شابی کی بہت بڑی ذمہ داری سے فارغ ہوگیا ہوں اور خوش اور مطمئن ہوں کہ وہ بہت اچھی جگہ گئی ہے۔"

نکاح کے بعد تیمور نے شکرانہ ادا کیا تو اسد نے شوخی سے علی کو دیکھا۔ جو جھینپ رہا تھا۔

"ویسے تیمور بھیا اتنا اعتماد بھی اچھا نہیں ہوتا کیا خبر علی بھائی جو نظر آتے ہیں وہ نہ ہوں۔"

"میں اس کے اندر باہر سے واقف ہوں۔ باہر سے زیادہ اندر خوبصورت ہے اس شخص کا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے علی کو میری معصوم بہن کا شریک حیات بنایا ہے۔"

تیمور نے بڑے خلوص سے علی کو دیکھا۔ جو سر جھکائے مطمئن بیٹھا تھا۔

"علی بھیا! یہ آپ چپ چپ کیوں ہیں؟ اپنی جیب کی خیر منائیں۔ اتنی آسانی سے ہضم نہیں ہونے دیں گے ہم نکاح۔"

"یعنی!" علی نے مڑ کر منیب کو دیکھا جس کی تائید اسد بھی ہاتھ اٹھا کر کر رہا تھا۔

"یعنی کہ ٹریٹ دیں!" منیب نے چیخ کر کہا۔

"جی ہاں ہم تو یوں بھی معتبر ہوگئے کہ نکاح کے گواہان ہیں!" اسد اترایا۔

"یار! تم لوگوں کو ٹریٹ کی پڑی ہے اور مجھے اپنے بالوں کی فکر کھائے جارہی ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟ ہم آپ کے بالوں کو نوش کرنے کا ارادہ تو نہیں رکھتے۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"یار! تم لوگ نہ سہی میرے گھر والے جن کو بتائے بغیر میں نکاح کر بیٹھا ہوں۔ جوتوں سے میرے سر کا صفایا ضرور کریں گے۔"

"یعنی کہ ان کو نکاح پر اعتراض!"

"نہیں...... نہیں وہ تیمور کو اچھی طرح جانتے ہیں اور شابی اس کی بہن ہے۔ ساری صورت حال جان کر وہ نکاح پر معترض تو نہیں ہوں گے۔ البتہ اطلاع نہ دینے پر جوتوں کی بارش کا یقینی امکان ہے۔"

"لیکن آپ کے والدین تو سعودیہ میں ہوتے ہیں۔"

"یار! آپا تو یہیں ہوتی ہیں سرگودھا میں۔ وہ تو امی ابو سے زیادہ خفا ہوں گی۔ مجھے تو وہ جان سے بھی زیادہ چاہتی ہیں۔"

"یار اسد! تم سمجھ رہے ہو اس ڈرامے بازی کا مطلب جو یہ علی بھائی کر رہے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" اسد سمجھ نہیں سکا۔

"مطلب یہ کہ ہم نے ٹریٹ کی بات کی تو ان پر سب کا خوف سوار ہو گیا۔ اور وہ وقت جب قبول ہے قبول ہے کر رہے تھے تو سچ لگ رہا تھا کہ ابھی قاضی کو اٹھا کر ناچنا شروع کر دیں گے۔"

"اچھا بابا! دے دوں گا ٹریٹ جہاں کہو گے بس خوش!"

علی نے زچ ہو کر ہار مان لی۔

علی کا جب سے نکاح ہوا تھا۔ وہ گھر والوں کا سوچ کر پریشان تھا۔ یوں بھی وہ گھر والوں سے دور تھا تو اپنی ضد کی وجہ سے ورنہ سب ملک سے باہر تھے اور چاہتے تھے وہ اگر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہیں آ جائے۔ جبکہ وہ پاکستان چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اور تیمور کی جدائی اس کو گوارا نہ تھی۔ ان دونوں نے تو یہ ہی طے کر رکھا تھا کہ تعلیم سے فراغت کے بعد تیمور بھی اسی کے ساتھ چلا جائے گا۔ لیکن اس وقت تیمور کی پریشانی کا سوچ کر اسے یہ فوری فیصلہ کرنا پڑا تھا۔ شابی اسے پسند تو تھی۔ لیکن وہ اپنے گھر والوں کو رضامند کر کے ہی اسے اپنی زندگی میں شامل کرتا۔

"ارے علی بھیا! یہ جو ماں بہنیں ہوتی ہیں ناں۔ ان کا غصہ ناراضگی پانی پر بلبلے کی مانند ہوتی ہے۔ پھونک مارو تو ختم ہو جاتی ہے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپا کو ہم منائیں گے۔"

اسد نے بڑے خلوص سے بھرپور انداز میں کہا۔ تو وہ دھیرے سے مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

"آپا کی ناراضگی بڑی خاص ہو گی اسد!"

"کیا مطلب؟" نیب اور اسد سمجھ نہیں سکے۔

"مطلب یہ کہ میرے بہنوئی صاحب مجھے بہت چاہتے ہیں۔"

"بہت لکی ہیں آپ تو۔" نیب جلدی سے بولا۔

"اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ میں ان کی سب سے چھوٹی بہن کے ساتھ شادی کرلوں۔"

"یہ بات آپ نے پہلے کیوں نہیں بتائی!"

"اس لیے کہ میں یہ نہیں چاہتا تھا۔ میں جو چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے خود بخود دے دیا۔ مگر اب آپا اور بھائی جی سے ڈر لگ رہا ہے۔" علی متفکر سے بولا۔

"اللہ پر بھروسا رکھیں علی بھائی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس آپ ہم جیسے غریب غرباء کو کھانا وانا کھلاتے رہیں۔ ہم فقیر اللہ سے دعا کرتے رہیں گے۔" نیب نے پیٹ پر ہاتھ پھیرا۔

"ویسے علی بھیا! یہ طے ہے ناں کہ آپ اس لڑکی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ میرا مطلب ہے ایسا تو نہیں کہ آپ اسے کوئی خواب وغیرہ۔"

"تم مجھے ایسا سمجھتے ہو اسد! بڑے افسوس کی بات ہے۔ اگر میں وہاں سیٹل ہوتا تو یہاں نہ ہوتا۔ اس کی زمینوں پر بیٹھا لسی پی کر مزارعین پر حکم چلا رہا ہوتا۔ واہ یار حد کر دی تم نے۔"

علی نے ہلکی سی خفگی کے ساتھ اسد کو دیکھا۔

"او کے..... او کے خفا کیوں ہوتے ہیں۔ اسی طرح تو اور بھی آسانی ہو گئی ہے۔ اچھا یہ بتائیں

کہ تیمور بھیا کو اس لڑکی کے بارے میں پتا ہے؟"

"ہاں تیمور سے میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتا' وہ سب جانتا ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ یہ باتیں جو ہمارے درمیان ہو رہی ہیں۔ یعنی آپا کے خوف کی باتیں۔ تیمور کو پتا چلیں۔"

"نہیں پتا چلیں گی سر! آپ بے فکر رہیے۔ بس اتنا ضرور کریں کہ جب آپا آئیں یا ان کا خوف آئے تو ہمیں ضرور بتائیں۔"

"ویسے تو فون کرتی ہی رہتی ہیں مگر جب یہاں کوئی گڑبڑ ہوتی ہے تو یار آپا کو جانے کیسے خبر ہو جاتی ہے۔ جھٹ فون کر دیتی ہیں۔"

"ہاں بھئی ہو گیا پروگرام سیٹ ٹریٹ کا!" تیمور تولیے سے بال رگڑتا ہوا آ گیا۔

"کہاں تیمور بھیا! آپ آئیں گے تو کچھ ہو گا ناں!"

"چلو یہ پروگرام بعد میں بنا لیں گے۔ پہلے میرے ساتھ چلو ذرا کام ہے۔"

"واہ یہ خوب ہے کہ خود تو تیار ہو گئے۔ اور ہم میلے کچیلے ہی اٹھ کے ساتھ چل پڑیں۔"

علی نے تیمور کو پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے دیکھا تو شکوہ کیا وہ بھی مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں اب بننے سنورنے کی ضرورت کیا ہے۔ تمہارا نکاح ہو چکا ہے۔ خیر چلو۔ چونکہ ابھی رخصتی نہیں ہوئی۔ اس لیے بن سنور سکتے ہو۔ ہم باہر انتظار کر رہے ہیں آ جاؤ۔"

وہ تینوں اٹھ کر باہر نکل گئے۔ علی اندر آیا تو شابی رو رہی تھی وہ پریشان ہو گیا۔

"شابی! کیا بات ہے خیریت تو ہے؟"

"میں۔ میں بہت بری ہوں ناں۔" شابی نے بھیگی پلکوں سے اسے دیکھا۔

"ہوں تو اب احساس ہوا ہے اپنے برے ہونے کا۔ جبکہ نکاح ہو چکا ہے۔"

"میں نے پہلے بھائی کو مشکل میں ڈالا اب آپ کو۔ آپ کی آپا اور گھر والے اور وہ لڑکی کتنی مشکل میں ڈال دیا ہے میں نے آپ کو۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے۔ تم نے چھپ کر ساری باتیں سن لی ہیں ہماری۔ بہت بری بات ہے۔ چھپ کر باتیں سننا شاداب علی!"

"شاداب علی!" شابی کو بہت اجنبی اور اچھا لگا۔ اپنا نام اور ساتھ علی کا اضافہ۔

"اس میں اس قدر حیرت کی کیا بات ہے۔ اب آپ شاداب علی ہی تو ہیں۔"

علی نے شوخی سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی نگاہیں بار حیا سے جھک گئیں مگر دل تھا کہ انجانے خدشوں میں گھرا ہوا تھا۔ اسے صرف یہ احساس مارے دے رہا تھا کہ وہ پہلے تیمور اور اب علی کے لیے مسئلہ بن گئی تھی۔

"علی!" وہ آہستگی سے بولی۔

"جی فرمائیے!" علی نے بھرپور لگاؤ سے کہا کہ وہ مزید بات کر ہی نہ سکی۔

"علی! اگر آپ کی آپا خفا ہو گئیں تو؟"

"شابی تم نے ساری بات سن لی اور جو سننے والی بات تھی۔ وہ نہیں سنی کہ میں جو چاہتا تھا اللہ تعالیٰ نے خود بخود ہی..... نواز دیا ہے۔ اگر میں یہاں صرف تیمور کی دوستی میں آتا یا صرف تمہاری خاطر آتا

تو ہوسکتا ہے یہ اعلیٰ ظرفی ہوتی یا احسان۔ مگر اب اس میں چونکہ میری اپنی غرض شامل تھی تو کسی پر احسان نہیں ہے۔ محبت خود غرض ہوتی ہے شابی! اگر یہ بات نہ ہوتی تو شاید۔ خیر تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں اوکے۔ اور میری آپا بہت نائس ہیں۔ وہ صرف شوہر کی وجہ سے دباؤ ڈالتی تھیں ورنہ وہ ہمیشہ میری خوشی کو مقدم جانتی ہیں۔ اور پھر جب وہ تمہیں دیکھیں گی تو پتا ہے اپنے بھائی کی طرح دل ہار بیٹھیں گی۔ اور وہ لوگ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔"

علی بیل پر چونکا۔ تیزی سے بھاگا تو دروازہ بند تھا۔ زور سے ناک پر لگا۔ شابی ہنسنے لگی۔ تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"ہنسو اور ہنسو۔ تمہارے ہنسنے کے دن ہیں۔ ویسے مجھے چوٹ نہیں لگی۔"

علی نے بھرم رکھنے کے لیے ناک کو مروڑا تو تکلیف کے ساتھ چھینکیں بھی آنے لگیں۔

"جائیے اسد بھائی لڑیں گے!" شابی نے مسکرا کر کہا تو وہ کھسیانا سا باہر آ گیا۔

"سوری یار ذرا دیر ہوگئی چلو۔"

آتے آتے علی نے ٹائی باندھنا شروع کردی۔

"آپ کو تھوڑی دیر نہیں ہوئی۔ بہت زیادہ دیر ہو چکی ہے۔ ہم اپنا کام کر کے آ پہنچے ہیں۔ اور یوں بھی آپ شلوار کے اوپر بنیان اور بنیان پر ٹائی لگا کر باہر جائیں گے تو پتا ہے لوگ کیا کہیں گے!" تیمور نے مڑ کر شرارت سے اسد اور منیب کو دیکھا۔

"پاگل...... ای...... اوئے!" دونوں کورس میں بولے۔

"اور بہت ممکن ہے۔ سنگ باری بھی ہونے لگے۔"

تیمور بولتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"اوہ اچھا۔ ہاں تو میں جلدی میں قمیص تو پہننا بھول ہی گیا۔"

علی کھسیاہٹ میں بے تکا بولے گیا۔

"ارے۔ تو اتنی جلدی کس بات کی تھی۔ ویسے علی بھیا پٹائی ہوئی ہے۔"

اسد نے ذرا قریب ہو کر اس کی سرخ ناک کو دیکھا۔

"نن۔ نہیں تو!" علی بوکھلا گیا ایک دم وار پر۔

"چوٹ زیادہ تو نہیں آئی؟ ویسے تو عام طور پر شادی کے بعد پٹائی شروع ہوتی ہے۔ آپ کا ابھی صرف نکاح ہوا ہے پھر یہ مار کٹائی قبل از وقت نہیں۔"

دونوں نے اس کی ناک کی چوٹ کو نشانہ بنالیا۔

"بکومت۔ معصوم لوگوں پر الزام لگاتے ہوئے شرم آنی چاہیے تم لوگوں کو!"

علی نے گھورا تو دونوں ہنسنے لگے۔

"اچھا تو چلیے۔ ہم جاتے ہیں۔ آپ کو ناگوار گزرتا ہے تو ہم چلتے ہیں۔"

"ارے تم لوگ مائنڈ کر گئے۔ میں تو مذاق کر رہا تھا۔"

"جناب سنجیدہ تو ہم لوگ بھی نہیں ہیں۔ اب چلیں گے۔ بہت دیر ہوگئی۔ ہمارے والدین گمشدگی کا اعلان نہ کردیں۔ مگر یہ نہ سمجھئے گا کہ ہم ٹریٹ معاف کردیں گے۔"

"ارے یار! تم لوگوں سے ٹریٹ اچھی...... تو نہیں ہے۔"

"اوکے خدا حافظ!" دونوں ہاتھ ہلاتے ہوئے سیڑھیاں اتر گئے۔

گاڑی میں بیٹھ کر اسد ڈرائیونگ پر بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ منیب نے شوخ سا کیسٹ لگا دیا تو گاڑی ہلکی اسپیڈ پر چھوڑ کر اسد نے بڑی ذومعنی نظروں سے منیب کو دیکھا۔

"بہت خوش ہو!"

"ہاں!" منیب نے مسکرا کر اسد کو دیکھا تو اس کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا۔

"اس کا مطلب ہے۔ معاملہ دونوں طرف برابر ہے۔"

"ہوں کیا کہہ رہے ہو؟" وہ ذرا بلند آواز میں بولا۔

"ہوں کچھ نہیں!" اسد گہرا سا سانس لے کر گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔

"یار منیب! ایک بات تو بتاؤ جب انسان کے دل کی خواہش پوری ہو جاتی ہے تو وہ اسی طرح خوش ہوتا جیسے علی بھائی۔ یا جیسے تم!"

منیب اس کی بات پر اس کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

"یار! یہ علی بھائی کی حد تک تو ٹھیک ہے کہ ان کی خواہش پوری ہوئی ہے۔ میری کون سی پوری ہوئی ہے جو تمہیں اس حد تک خوش نظر آ رہا ہوں۔"

"کیوں بڑے ابا کی خواہش تمہاری خواہش نہیں۔"

"ابو کی خواہش میری خواہش۔ یہ کہہ کیا رہے ہو تم!"

منیب نے حیرت سے کہا تو اسد کو یقین ہو گیا کہ منیب ابھی تک اس بات سے ناواقف ہے۔

"اس کا مطلب ہے۔ تمہیں واقعی کچھ خبر نہیں کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔"

"یار! خدا کے لیے کوئی خطرناک بات نہ کرنا۔ خدا خدا کر کے ہمارے خاندان میں کچھ سکون ہوا ہے۔"

"تو بڑے ابا نے بھی تو اسی خاندانی سکون کو برقرار رکھنے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے۔"

اسد نے ایک اسنیک بار کے سامنے رکتے ہوئے کہا۔

"فیصلہ؟ کیسا فیصلہ؟ کیا پہیلیاں بجھوا رہے ہو!" منیب زچ ہو رہا تھا۔

"اچھا چلو اگر ان کا فیصلہ تمہاری خواہش کے مطابق ہوا تو!"

"تو اسی اسنیک بار پر خالص اپنی جیب سے ڈنر کرا دوں گا۔"

"اور اگر ناپسندیدہ ہوا تو؟" اسد نجانے کیوں اسے الجھا رہا تھا۔

"تو تمہیں کسی ویرانے میں لے جا کر چھوڑ دوں گا خود گاڑی لے کر آ جاؤں گا۔"

"اچھا تو پھر گھر جا کر ہی بتاؤں گا!" اسد گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"اسد پٹو گے بہت بری طرح۔ جلدی بتاؤ۔ اب تو پیٹ میں درد ہونے لگا ہے۔"

"اچھا بتاؤ شنذرا کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟"

"شنذرا!" منیب چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں شنذرا!" اسد سامنے دیکھنے لگا۔

"اگر تمہیں ناگوار نہ گزرے تو میں سمجھتا ہوں۔ شنذرا ہمارے خاندان کی سب سے اچھی لڑکی ہے۔ ہاں یہ ہے کہ اسے سمجھا نہیں جاتا۔ وہ صاف گو سی لڑکی ہے۔"

منیب نے بڑے سادہ سے الفاظ میں شنذرا کی تعریف کر دی اسد اسے دیکھتا رہا۔

"تو خوش ہو جاؤ۔ بڑے ابا تمہاری سوچ کی اس حد تک پہنچ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب!" اب منیب چونکا۔

"مطلب یہ کہ بڑے ابا نے شنذرا کو تمہارے لیے پھپھو سے مانگ لیا ہے۔"

"کیا..... کیا دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا؟"

منیب کو لگا جیسے کوئی وزنی پتھر اس پر آن گرا ہو۔

"بھئی اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ وہ خاندان کی سب سے اچھی لڑکی ہے۔ اتنی آسانی سے تمہیں مل رہی ہے۔"

"شٹ آپ یار! میں نے کبھی شنذرا کے بارے میں اس انداز میں نہیں سوچا۔"

"واقعی!" اسد کو خوشگوار حیرت ہوئی۔

"ہاں..... یہ بات ہوئی کب؟ اور ہو بھی گئی اور مجھے کانوں کان خبر نہیں۔"

جواب میں اسد نے میلاد شریف والے روز جو بات ہوئی تھی۔ وہ اس نے منیب کے گوش گزار دی۔ وہ الجھ کر رہ گیا۔

"اتنی بڑی بات ہو گئی اور مجھے تم بھی آج بتا رہے ہو۔ یہ زیادتی ہے۔" منیب نے شکوہ کناں نظروں سے اسد کو دیکھا۔

"کون سی بات زیادتی ہے۔ اتنی دیر میں پتا چل گیا!"

"میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کر دینا یہ زیادتی ہے۔"

منیب کو غصہ آ گیا تھا۔ اس بات پر کہ اتنا بڑا فیصلہ اس سے پوچھے بغیر کر دیا گیا۔

"مگر میرے خیال میں تمہیں خفا تو نہیں ہونا چاہیے۔ اب سوچ لو شنذرا کے بارے میں کیونکہ بڑے ابا شنذرا کو بہت چاہتے ہیں۔ بڑی چہیتی ہے وہ ان کی۔"

اسد اس طرح بات کر کے اس سے نجانے کیا اگلوا کر اپنی تسکین کرنا چاہ رہا تھا۔ جبکہ منیب کا دماغ کھول رہا تھا۔

"تو ہوا کرے۔ میں ہرگز اس کے لیے خود کو تیار نہیں کر سکتا۔"

"اس لیے کہ اس کی صاف گوئی بدزبانی کی حد تک ہے۔ یہ ہی وجہ ہے یا کوئی اور۔"

"وجہ کوئی نا بھی ہو تب بھی نہیں۔ اور یوں بھی نہیں۔"

جوش میں بولتا منیب رک گیا اور کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا جہاں خاموش سی فضا میں ندا کا بھولا سا چہرا نظر آیا۔

"ہاں یہ ہوئی ناں! اور یوں بھی اس کے پیچھے جو وجہ ہے وہ بتاؤ۔ میں وہی سننا چاہتا ہوں۔"

اسد نے اس کا چہرا اپنی طرف کر کے پوچھا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

"یوں بھی اسد! میں اور ندا!!"

"ندا..... ندا..... ہا۔"

منیب نے ندا کا نام لیا تو اسد کے دل میں خوشگوار کرنیں پھوٹنے لگی۔ اس نے خوشی اور حیرت سے قہقہہ لگایا جو گاڑی کی خاموش فضا میں خاصا گونجا' منیب جھینپ گیا۔ پھر اسد ایک دم چپ ہو گیا۔ اور مزید بات کیے بغیر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ منیب حیران ہو گیا۔

"کیا ہوا اسد؟"

"کچھ نہیں!" اسد نے اسی طرح رعونت سے کہا۔

"پھر بھی!" منیب نے پوچھا مگر اسد منہ پھلائے رہا۔

"بتاؤ کیا بات ہے ورنہ میرے دل میں خدشہ سر ابھار رہا ہے کہ کہیں تم ندا!"

"شٹ آپ گندے ذہن کے مالک مجھے غصہ صرف اس بات کا ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی کیوں!!"

"اچھا یہ بات ہے۔" منیب نے تسلی کا لمبا سانس باہر نکالا۔

"اس کی وجہ صرف ندا ہے۔ اس نے قسم دی تھی کہ یہ بات..... بات طے ہو جانے تک کسی کو معلوم نہیں ہونی چاہیے اس لیے اور میں اس لیے بھی چپ رہا کہ ہمارے خاندان کی سیاست عجیب قسم کی ہے تو۔" منیب نے مختصراً ساری تفصیل اسے بتائی۔

"اور اس کو چھپانے کا یہ نقصان ہوا ناں کہ بڑے ابا نے بڑے وثوق سے بات طے بھی کر دی۔"

"یار! یہ زیادتی ہے کہ نہیں کہ جن لوگوں کو عمر بھر ساتھ زندگی بسر کرنی ہے ان سے پوچھا نہ جائے اور ان کو ایک ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا جائے۔"

منیب کے لیے یہ اطلاع کوفت اور شاک کا باعث بنی تھی۔ وہ الجھ کر رہ گیا۔

"ہو سکتا ہے شنذرا اس بات پر تیار ہو!"

اس کے چہرے اور لہجے میں یہ خوف چھپا ہوا تھا کہ کہیں واقعی ایسا نہ ہو کہ شنذرا منیب کو پسند کرتی ہو۔

"ناممکن۔ میں شنذرا کے مزاج کو اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ وہ کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ ہاں اگر..... سعادت مندی میں مان جائے تو یہ الگ بات ہے۔ لیکن وہ مان بھی جائے تو کیا۔ میں ہرگز یہ بات مان نہیں سکتا۔ فضول۔"

"ہوں بات تو تمہاری بھی درست ہے کہ زندگی کا سفر اپنی پسند کے ہمسفر کے ہمراہ ہی خوشگوار گزر سکتا ہے۔" ساری بات جان کر ہر طرف سے تسلی کر لینے کے بعد اسد پرسکون انداز میں بولا۔ اور کچھ وقت خاموشی کی نذر ہو گیا۔

"اسد!" منیب کے اچانک پکارنے پر اسد نے اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟"

"تم اس معاملے میں اتنے چپ کیوں ہو رہے ہو!" منیب نے کریدنے والے انداز میں دیکھا۔

"چپ کیا مطلب! بھئی ظاہر ہے تمہارا معاملہ تھا تو کیا مجھے تمہارے معاملے میں چپ نہیں ہونا

چاہیے؟"

"میرا خیال ہے اسد! آج ہم لوگ ایک دوسرے کو اپنی وہ باتیں بھی بتادیں جو چھپاتے رہے ہیں۔ دوست اور کزن ہونے کے باوجود۔"

"میرا خیال ہے میں نے تو آج تک تم سے کوئی بات نہیں چھپائی!"

"بکومت۔ یہ جو تم شنذرا سے نفرت کا مظاہرہ کرتے ہو ناں۔ مجھے کبھی بھی اس بات پر اعتبار نہیں آیا کہ تمہیں اس سے واقعی نفرت ہے یا کوئی عناد ہے بلکہ اس سارے ڈرامے کے پیچھے تو مجھے کوئی اور ہی جذبہ کارفرما دکھائی دیتا ہے۔"

خیب نے جو آج تک محسوس کیا تھا۔ کہہ دیا تو اسد خاموشی سے باہر دیکھتا رہا۔

"ہاں شاید!" وہ اب اکیلا شاید اپنے جذبوں کی چبھن برداشت نہیں کرسکتا تھا اسے اب کسی..... ایسے دوست کی ضرورت تھی جو اس کا یہ دکھ شیئر کرتا' اسے سمجھتا اور اسے کوئی مشورہ دیتا۔ گزشتہ دنوں وہ جس قدر پریشان رہا تھا وہی جانتا تھا۔

"پتا نہیں یار خیب! نفرت کی فصیلوں میں کب سوراخ ہوئے اور چاہتوں کی کرنیں جھانکنے لگیں۔ ارمانوں کے جگنو جھلملاتے ہوئے آگئے۔ یا شاید مجھے اس سے کبھی نفرت تھی ہی نہیں پھر بھی کتنی عجیب بات ہے۔ وہ میرے۔ مرنے کی دعائیں کرتی ہے اور میں اسے رگ جان سے زیادہ قریب سمجھتا ہوں۔ وہ مجھے ایک نظر دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ اور اس کی تصویر میری نظروں سے ہٹتی نہیں۔ یار میں تو خود بہت اپ سیٹ ہوں آجکل۔"

اسد نے گہرا سانس لے کر سر سیٹ کی پشت سے لگا دیا۔

"اور اب تم نے مجھے بھی کردیا ہے۔ ابو سے کس طرح بات کی جائے یا امی سے۔ کچھ کرو یار! مشورہ دو!" خیب اس سے زیادہ پریشان تھا۔

"میرا تو مشورہ یہی ہے کہ تم براہ راست شنذرا سے بات کرو!"

"اور سر کے چار ٹکڑے کروالو۔" خیب جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ مذاق کے علاوہ میں کہہ رہا ہوں خیب! کہ وہ بولڈ ہے اگر تم اس سے کہو گے تو وہ خود انکار کردے گی اور معاملہ سنور سکتا ہے۔"

"اور اگر وہ تیار نہ ہوئی تو؟ ظاہر ہے بزرگوں کے سامنے انکار کرکے ان کی نگاہوں میں گرنا تو کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔"

"اور میرے خیال میں وہ یہ بھی گوارا نہیں کرے گی کہ تم ندا کو بھی چاہتے رہو اور اس سے بھی شادی کرلو۔ میرے خیال میں اس سے بات کرنا تمہارے لیے زیادہ بہتر ہوگا۔"

"چلو ایسا ہی کردیکھتے ہیں۔ اللہ میاں سے مدد کی دعا کرتے رہنا!"

"اس معاملے میں تمہارے لیے دعا کرنا میری مجبوری ہے۔" اسد مسکرایا تو خیب بھی ہنس پڑا۔

گاڑی پورچ میں کھڑی کرنے کے لیے آگے بڑھائی تو پتا چلا کہ بلال لوگ آئے ہوئے ہیں۔

"ندا بھی آئی ہوگی! میں اسے کیونکر فیس کرپاؤں گا۔"

"اوہو! باہر تو آؤ۔ ابھی اسے بات کا کہاں پتا چلا ہوگا۔ چلو آؤ اور جب تک مسئلے کو فیس نہیں

کیا جاتا۔ اس کا حل کبھی نظر نہیں آتا۔ نکلو باہر۔"

اسد نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے باہر نکالا۔ اندر سے کافی شور ہنگامے کی آواز آرہی تھی۔

"اسلام علیکم!" دونوں نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں سلام کیا۔

"میرا خیال ہے چھ بجے تک تو تمام گرلز کالجز بند ہوجاتے ہیں۔ سیکنڈ شفٹ بھی ختم ہوجاتی ہے۔ پھر تم دونوں اتنے لیٹ کیوں آئے ہو گھر۔" جمال نے بڑھ کر دونوں کو دھول جمائے۔

"بھئی کچھ بہنوں کو ان کے گھروں تک بھی تو پہنچانا ہوتا ہے ناں۔ کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں!"

ندا کی شوخ آواز پر دونوں نے چونک کر دیکھا ندا کے ساتھ شنذرا بھی تھی۔ ایک لطیف سا احساس اسد کے اندر اتر گیا۔

"یہ اس میلے کی کیا وجہ ہے خیریت تو ہے ناں!"

"جناب ہم لوگ سمندر پر جارہے ہیں۔" ندا نے خوشی سے اطلاع دی۔

"سمندر پر کیا خودکشی کے لیے سمندر پر جانا ضروری ہے۔"

"جی نہیں یہ شوق آپ کسی جوہڑ پر جاکر بھی پورا کرسکتے ہیں۔ جس جس کو جانا ہے تیار ہوجائے۔ بعد میں نہ کہنا خبر نہ ہوئی۔" ندا آج خاصی شوخ ہورہی تھی۔

"جا کون کون رہا ہے بھئی!" اسد شنذرا کو چھیڑنے والا انداز اپنا چکا تھا۔

"بھئی ظاہر ہے۔ سب جائیں گے۔ ہم وہاں سے پھپھو زیب باجی اور صدف' شنذرا کو بھی لے آئے ہیں۔"

"یہاں آکر ہی تو میرا تمہارا اختلاف شروع ہوتا ہے ندا ڈیئر۔"

وہ آہستگی سے ندا اور شنذرا کے قریب چلا آیا شنذرا کے چہرے پر اسے دیکھ کر تلخی اور اجنبیت زیادہ ہوگئی تھی۔

"کیسا اختلاف؟"

"بھئی دیکھو ناں! انجوائے منٹ کے لیے ایسا ماحول ہونا چاہیے کہ وقت خوشگوار گزرے اور ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے ناپسندیدہ عناصر کو نکال دینا چاہیے۔ ٹھیک کہا ناں میں نے!" اب وہ براہ راست شنذرا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اسی لیے تو تمہاری ساری فیملی نہیں جارہی۔"

کسی بات سے بھی متاثر ہوئے بغیر شنذرا نے اعتماد کے ساتھ کہا تو کچھ دیر کے لیے ماحول پر سناٹا چھا گیا۔ اسد کے اندر تک سرد لہر اتر گئی۔ اس نے پلٹ کر ندا کو دیکھا۔

"ندا! امی وغیرہ نہیں آئے کیا؟"

"نہیں حالانکہ ہم سب پہلے وہاں گئے تھے۔ آنٹی اور صائمہ باجی کو تو غصہ ہی آگیا کہ یہ کون سا موسم ہے سمندر پر جانے کا۔ حالانکہ صبا' ہما کا دل چاہ رہا تھا آنے کو۔"

ندا نے تفصیل بتائی تو اسد نے میز پر رکھی چابیاں اٹھائیں اور خدا حافظ کہتا باہر نکلنے لگا۔

"اسد......اسد۔" منیب نے آوازیں دیں مگر وہ نہیں پلٹا۔

"اسد! یہ کیا بچپنا ہے۔" منیب نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"مجھے جانے دو منیب! تھکن ہو رہی ہے۔"

"شذرا کی بات کو اتنا مائنڈ کیا تم نے!"

منیب نے شذرا کو شوخی میں چبا کر کہا تو اسد۔۔ گھورنے لگا اب وہ اپنے جذبوں کا اتنا بھی غلام نہیں تھا کہ اس کی غلط بات بھی برداشت کر جاتا۔

"ہونہہ مائی فٹ۔ میں اس کی طرح اس کی بات کو بھی اہمیت نہیں دیتا۔"

"اچھا واقعی دل سے کہہ رہے ہو۔" منیب نے شوخ لہجے میں کہا تو خاموشی سے اسے گھورنے لگا۔

"چلو غصہ تھوکو بیچ بڑا مزا آئے گا۔ اتنے دنوں بعد تو ہم سب اکٹھے ہوئے ہیں۔"

"نہیں یار! گھر چلوں گا۔ سر میں درد بھی ہو رہا ہے۔ آرام کروں گا اب!"

پھر منیب کے ساتھ سب نے ہی منایا مگر وہ نہیں مانا اس کے نہ جانے کا ملال سب کو تھا۔ مگر جب وہ مانا ہی نہیں تو مجبوری تھی۔

"بچو! نیچے مت اترنا۔ بس اوپر ہی سے لہروں کا نظارہ کرلینا۔"

"اور امی آپ لوگ نہیں چلیں گے۔" ندا نے رابعہ بیگم کو دیکھا جو آسیہ بیگم کے قریب کمبل میں بیٹھ رہی تھیں۔

"نہیں بھئی، یہ موسم سردی اور ساحل کی سیر یہ جوانی کے چونچلے ہیں ہمارے حوصلے اور برداشت بھی بڈھے ہو چکے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے، ہم آزاد ہیں۔" جمال کی باچھیں کھل اٹھیں جو اٹھتی لہروں سے کھیلنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔

"کوئی آزادی نہیں۔ بلال اور شعیب ساتھ جا رہے ہیں۔"

"اوہوں امی!" بلال تو سب کو گوارہ تھا مگر شعیب کی عادت روکنے ٹوکنے کی تھی جس سے سب کو چڑ تھی۔

"زیب! ارے بھئی زیب! کہاں رہ گئیں۔ جلدی چلو۔ سب باہر کھڑے ہیں۔"

"زیب کہیں نہیں جا رہی!" شعیب نے حسب عادت فیصلہ کن لہجے میں کہا کیونکہ بلال بھی جا رہا تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ زیب بھی جائے۔

"لیکن میں تو جاؤں گی۔" زیب نے اب ڈرنا گھبرانا چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ شعیب کی کسی بات سے متاثر ہوتی تھی اور نہ اثر لیتی تھی۔ اور زیب کے اس بدلتے رویے میں فریال کا ہاتھ تھا۔ شعیب کو خبر تھی اس کی۔

"اس لیے کہ بلال جا رہا ہے۔"

شعیب اپنے مخصوص گھٹیا پن پر اتر آیا۔

"مجھے کسی سے غرض نہیں میرے لیے کوئی اہم نہیں۔ میں اس لیے جانا چاہتی ہوں کہ میرا دل

چاہ رہا ہے۔"

زیب نے بھی سامنے گزرتے بلال کو دیکھ لیا تھا۔ بلال نے پلٹ کر اسے دیکھا کتنا شکوہ تھا۔ اس کی نگاہوں میں کہ اس نے اسے منیب کی طرح بے حیثیت قرار دے دیا تھا۔ زیب نے منہ دوسری طرف کرلیا۔

ساحل چونکہ زیادہ دور نہیں تھا وہ لوگ جلدی پہنچ گئے۔ منیب، جمال، شذرا، ردا، ندا وغیرہ نیچے اتر گئے۔

"منیب! جمال! کوئی بدتمیزی نہیں ہوگی۔"

شعیب نے اوپر سے ہانک لگائی۔

"یار! یہ تھانیدار تو نہ آتے تو اچھا تھا۔ ان کی روک ٹوک۔" جمال کو غصہ آرہا تھا۔

"جمال! بڑے بہتر جانتے ہیں۔ کتنے حادثات آئے دن ہوتے رہتے ہیں ابھی پرسوں کے اخبار میں تھا کہ نو جوان نہاتے ہوئے ڈوب گئے۔" ندا نہیں چاہتی تھی لڑکے پانی کی طرف جائیں۔

"پانی میں نہ جائیں۔ مرنا ہے سردی اتنی ہے کہ۔" منیب آہستہ آہستہ لہروں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"منیب! دماغ تو درست ہے تمہارا۔ پتا ہے کتنی منہ زور ہوتی ہیں لہریں۔ پلک جھپکنے سے پہلے بندہ ہضم کر جاتی ہیں۔" شذرا نے منیب کا بازو پکڑ کر دور ہٹایا۔

"توبہ ہے یہ لڑکیاں تو چار ہیں۔" جمال اور منیب ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے لڑکیاں ان کے پیچھے چلتی رہیں۔

"زیب! آج حسن کا پھر فون آیا تھا وہ اپنے گھر والوں کو لانے پر مصر ہے۔ جبکہ امی۔" فائزہ اور زیب اوپر کھڑی تھیں بلال اور شعیب کو کوئی جاننے والا مل گیا تھا۔

"امی کو تو جیسے چپ سی لگ گئی ہے۔ اس واقعہ کے بعد ان لوگوں کو بھی تو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"اچھا ہی ہوا ناں زیب! اللہ کے ہر کام میں کتنی مصلحت ہوتی ہے مگر انسان نہ سمجھتے ہوئے واویلا مچانا شروع کر دیتا ہے۔" فائزہ نے مطمئن لہجے میں کہا۔

"ویسے فائزہ! بات منگنی تک پہنچ گئی تھی۔ مگر میرا دل نہیں مانتا تھا کہ تمہاری یہاں ہوگی۔ اس لیے تو میں مطمئن سی تھی۔"

"زیب! میں جس کرب سے گزری ہوں ناں اس لمحاتی اذیت نے مجھے بہت کچھ سمجھایا ہے۔"

"مثلاً۔" زیب مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

"مثلاً یہ کہ۔ تم کتنی اعلیٰ ظرف ہو کہ اس اذیت کو عمر بھر کے لیے قبول کر لیا ہے۔"

فائزہ، بلال اور زیب کے دلوں کے حال سے واقف تھی مگر زیب چونکہ اس کے بھائی کی بھی پسند تھی۔ اس لیے اسے اس کی تڑپ کا اتنا احساس نہیں ہوا تھا مگر اب جب وہ خود اس کرب سے گزری تو اسے احساس ہوا۔ اس کی بات پر ایک ٹیس سی اٹھی زیب کے دل میں۔

"چھوڑو فائزہ! اب تو مردہ دل میں کچھ باقی بھی نہیں۔ جس کا سوگ مناؤں میں۔"

زیب تو ہروقت ہی ضبط کے پل صراط سے گزرتی تھی مگر وہ اب کمپرومائز کر چکی تھی۔
"زیب! میں اپنی ذمہ داری پر کہتی ہوں۔ تمہارا دل تیار نہیں تو تم انکار کردو ابھی کیا ہوا ہے۔"
فائزہ نے اس معاملے پر بہت سوچا تھا اور اس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر زیب دل سے تیار نہ وتو وہ یہ رشتہ ختم کروادے گی خواہ اسے بزرگوں کی کتنی ہی ناراضگی کیوں نہ مول لینی پڑے۔
"نہیں فائزہ! مجھے باربار کانٹوں پر نہ گھسیٹو۔ مجھ سے یہ فیصلہ جبراً نہیں کرایا گیا امی نے اپنی چادر پھیلا کر...... اپنی ممتا کی قسم دے کر کچھ مانگا تھا تو میں کیسے انکار کرسکتی تھی اور پھر جان لٹانے والے اموں کا دل کیسے توڑ سکتی تھی میں۔ ہونہہ کیا ہے۔ دل ہی تو تھا ٹوٹ گیا۔"
زیب کا لہجہ بھیگ گیا اس نے آنکھیں بند کر کے گہرا سانس لیا تو بلال کی مخصوص مہک اندر اتر گئی۔ اس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں۔ تو بلال اس کے قریب کھڑا تھا۔ حزیں لحوں کا سارا سوز اس کی خاموش نظروں میں تھا۔ وہ شاکی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ وہاں سے ہٹنے لگی مگر بلال نے اس کا سرد ہاتھ مضبوطی سے پکڑلیا۔ زیب کا دل دھڑک اٹھا۔ کتنی خواہش تھی دل کی کہ وہ اپنا ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھوں میں دے کر بے فکر ہو جائے۔ مگر سب کچھ خواب ہو کر بکھر گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ شعیب دور روشنی میں کھڑا کسی سے باتوں میں محو تھا۔ فائزہ یقیناً دانستہ وہاں سے ہٹ گئی تھی۔ وہ اپنی اس عجیب احساسات رکھنے والی دوست کے بارے میں سوچ کر رہ گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ بلال کے ہاتھ سے کھینچا۔
"زیب پلیز! اتنی اجنبی نہ بنو۔ تمہیں کچھ احساس ہے کہ تمہارا یہ رویہ کسی تیز دھار آلے کی طرح کاٹتا رہتا ہے مجھے۔"
بلال کے لہجے میں ٹوٹے لفظوں سے اس کے دل کی کیفیت عیاں ہو رہی تھی۔
"اچھا۔ اگر میرا رویہ اتنا ہی تیز دھار آلہ ہوتا ہے تو آپ اس آلے سے بہت پہلے میرا قتل کر چکے ہیں۔"
رکا ہوا پانی ضبط کے بند توڑتا چھلک گیا۔
"پلیز تم اس بات کو نظر انداز نہیں کرسکتیں۔ مجھے غلط فہمی ہوگئی تھی۔"
"ہونہہ غلط فہمی! جس راہ کے ہم راہی تھے بلال اس میں۔ جائیں پلیز۔" زیب نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔
"زیب! تم ہرگز بھی اس شخص کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتیں ابھی بھی۔"
"اور آپ کے پاس کیا گارنٹی ہے کہ آپ مجھے زندگی میں خوشیاں دے سکتے ہیں جو۔"
زیب بات بڑھانا نہیں چاہتی تھی۔ بلال نے جو حرکت کی تھی اس کا اسے اس بات سے زیادہ دکھ تھا کہ وہ شعیب سے شادی کرے۔ بلال گہرا سانس لے کر وہاں سے ہٹ گیا اور دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔
"بلال! جاؤ ان سب کو بلالاؤ۔ غیب اور جمال لڑکیوں کو تنگ کرنے کی خاطر پانی میں دور تک جارہے ہیں۔" فائزہ فکر مند نظروں سے نیچے غیب اور جمال کو دیکھ کر بولی۔
"آؤ شذرا۔ بڑا مزا آرہا ہے۔" غیب نے بے تکلفی سے شذرا کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا تو اس کا یہ انداز ندا کو بہت برا لگا۔
"ارے غیب! چھوڑو۔ سردی لگ رہی ہے۔ میرے پاؤں پہلے ہی سرد ہو رہے ہیں۔" شذرا

نے ہاتھ کھینچا۔
"شذرا! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔ اس لیے یہاں لایا ہوں۔"
غیب اسے تیزی سے آگے لے گیا ندا خفا سی واپس آکر فائزہ کے پاس بیٹھ گئی۔
"کیا بات کرنی ہے۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا۔"
لہروں کا شور اس قدر تھا کہ وہ اس کی بات بمشکل ہی سن پائی تھی۔
"شذرا! میں بہت پریشان ہوں۔ تم سے بات کرنا ضروری ہے۔"
غیب نے مڑ کر دیکھا ردا اور جمال کافی دور تھے اور ندا تو جا ہی چکی تھی۔
"اچھے خاصے تو ہو۔ کہیں سے بھی پریشان دکھائی نہیں دے رہے۔"
"میرا خیال ہے شذرا! ہم گاڑی میں چل کر بیٹھتے ہیں اور وہیں بات کر لیتے ہیں۔"
غیب نے اس کا ہاتھ ویسے ہی پکڑا ہوا تھا اور اسے لیے ہوئے گاڑی تک آ گیا۔
"ابھی تک تو تم بالکل ٹھیک تھے۔ اچانک کیا ہوگیا ہے۔"
شذرا کو غیب کی یہ حرکت ہرگز نہیں بھائی تھی۔ ندا ان کو گاڑی میں بیٹھا دیکھ چکی تھی۔
"یہ اچانک نہیں ہوا۔ شذرا صبح سے ہوا ہے۔ تم سنوگی تو نجانے تمہارا کیا ردعمل ہو۔"
"بات کیا ہے۔" شذرا چونکی ہوگئی کہ کہیں اسد کی کوئی بات نہ ہو۔
"اسد نے ایک بات بتائی ہے۔"
"کیا بات بتائی ہے؟" وہ اپنا خدشہ درست ہو جانے پر باقاعدہ تلملانا شروع ہوگئی۔
"دیکھو شذرا! ہمارے بزرگوں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"
"کیا فیصلہ۔" وہ سوچ کر سن ہوگئی کہ کہیں بزرگوں نے زیب کے بعد اسے بھی دار پر لٹکانے کا فیصلہ نہ کرلیا ہو۔ اس کی آواز لرز گئی۔
"دیکھو شذرا!"
"کسی تمہید کا سہارا نہ لیا غیب۔ جلدی بتاؤ کیا بات ہے مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"
"مجھے خود اپنے منہ سے یہ بات کرتے ہوئے اچھا نہیں لگ رہا۔ شذرا! مگر مجھے بھی جب سے یہ بات معلوم ہوئی ہے میں خود پریشان ہوں۔"
غیب گھبرا رہا تھا بات چھیڑ کر کیونکہ شذرا سے کسی قسم کا بھی ردعمل متوقع تھا۔
"جب سے تو تم ہنسی مذاق میں لگے ہوئے تھے۔ اگر اتنے ہی پریشان ہوتے تو اتنے مطمئن کیوں نظر آتے۔" شذرا کو غیب پر غصہ آنے لگا تھا۔
"جتنی لہریں اوپر نظر آتی ہیں ناں شذرا اس سے کہیں زیادہ سمندر کے اندر ہوتی ہیں مگر ہماری نظر سے اوجھل ہوتی ہیں اس لیے غیر اہم ہوتی ہیں۔"
"مگر مجھے یقین ہے کہ تمہاری بات نہ تو اتنی گہری ہے اور نہ اہم تم فضول میں وقت برباد کر رہے ہو میرا بھی اور اپنا بھی۔"
شذرا کو طیش آ گیا وہ دروازہ کھول کر نکلنے لگی تو غیب نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیٹھے رہنے کو کہا۔

"ہوسکتا ہے۔ تمہارے لیے یہ بات معمولی ہو مگر میرے لیے نہیں کہ ابو اور نسیمہ پھوپھو نے میرا اور تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے۔"

"کیا؟" شنذرا نے حلق پھاڑ کر کچھ اس طرح کہا کہ آواز باہر تک گئی۔ پھر جب ساری بات سمجھ میں آ گئی کہ اس قصے میں تو اس کے ازلی دشمن اسد کا ذکر تک نہیں تو اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

منیب اس کے چہرے کے مدوجزر کو دیکھتا رہا۔ اب شنذرا چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بیٹھی سوچ رہی تھی کہ اس نے تو کبھی منیب کے بارے میں سوچا تک نہیں تھا۔ یہ بزرگ بھی کتنے عجیب ہیں کہ جن لوگوں نے زندگی ساتھ گزارنی ہوتی ہے۔ ان سے پوچھا تک نہیں جاتا اور ان کی مرضی منشا پوچھے بغیر ایک ساتھ زندگی گزارنے پر پابند کر دیا جاتا ہے۔

اسے دکھ صرف اس بات کا تھا کہ وہ محبتوں سے زیادہ مہربانوں کے احسانات کی مقروض تھی اور جواب میں وہ جب چاہتے اپنی مرضی کے فیصلے ان پر مسلط کر دیتے۔ اب کتنی عجیب بات تھی کہ منیب جسے وہ بھائی سمجھتی تھی جس کے بارے میں بھول کر بھی نہیں سوچا تھا اسے اس کا ہمسفر منتخب کر دیا گیا تھا۔

اف میرے خدا۔ کیا جن کے باپ مر جاتے ہیں وہ سب ہماری طرح بے بس ہو جاتے ہیں۔ دوسروں کے حکم پر زندگی گزارنے پر مجبور دونوں چپ تھے۔ شنذرا کا جی چاہ رہا تھا کہ اپنی بے بسی پر کم مائیگی پر اتنا روئے چلائے کہ ساری دنیا کو پتا چل جائے۔ مگر اس معاملے میں اس کے وہ ماموں انوالو تھے۔ جنہوں نے ہمیشہ ان کو عزت دی تھی سب کی مخالفت میں حمایت کی تھی اور خاص طور پر اسے سب سے بڑھ کر چاہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے یہ زہر کا پیالہ پینا تھا۔ اس کے یوں گم صم ہو جانے پر منیب پریشان ہو گیا۔

"شنذرا! تم چپ کیوں ہو گئیں۔ کچھ تو کہو۔ کوئی رائے تو دو۔"

منیب نے خدشات سے بھرپور لہجے میں کہا تو وہ گہرا سانس لے کر باہر دیکھنے لگی۔

"ہم مجبور و بے بس لوگوں کی کیا رائے ہو سکتی ہے منیب! ٹکڑوں پر پلنے والے لوگ ہیں ہم تو۔"

شنذرا بے بسی سے بولی۔ تو منیب کو گھبراہٹ ہونے لگی اس کا خدشہ درست ہوتا دکھائی دے رہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ شنذرا مان جائے اور اس کے انداز سے یہ ہی پتا چل رہا تھا کہ اسے کوئی اعتراض نہیں۔

"شنذرا تم۔ تم خوش ہو؟" منیب کے لہجے میں خوف اور خدشہ تھا۔ اس کی بات پر شنذرا نے صرف اسے دیکھا۔ کیا نہیں تھا ان نظروں میں فرمانبرداری بے چارگی، بے بسی اور نجانے کیا کچھ مگر شاید منیب ان احساسات کو محسوس نہیں کر سکا تھا۔

"ہاں۔" شنذرا نے آہستگی سے ہاں کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

منیب کو کب اس جواب کی توقع تھی۔ اسے تو یقین تھا کہ شنذرا حسب عادت بھڑک اٹھے گی اور سب کو بے نقط سنا ڈالے گی مگر یہ کیا ہو گیا۔ اگر شنذرا راضی ہے تو اس کی خواہش رائے کو کون اہمیت دے گا۔

"شٹ۔" اس نے زور سے سیٹ پر مکہ مارا۔ اس نے تو کچھ اور ہی سوچ رکھا تھا اسے تو اس جواب کی ہرگز توقع نہ تھی۔ ندا کی نظریں ان دونوں کی حرکتوں پر جمی ہوئی تھیں اور منیب کا شنذرا کا ہاتھ پکڑ کر لے جانا پھر گاڑی میں بیٹھ کر بات کرنا اور پھر شنذرا کا واپس آ جانا۔ ہر حرکت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کیا معاملہ ہے۔ واپسی پر سب ہنس بول رہے تھے مگر یہ تینوں اپنے اپنے احساسات میں کھوئے خاموش

تھے۔

☆......☆......☆

فاطمہ اپنی مجبور و محروم زندگی گزار کر اب آخری آرام گاہ میں جانے کے لیے تیار تھی..... صوفیہ بیگم کو دوا کے ذریعے دانستہ طور پر ہوش و خرد سے بے گانہ کر دیا گیا تھا۔ خود فاروق احمد فاطمہ کے سرہانے خاموش پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

"بیٹیوں کی تو ڈولیاں باپ کے گھر سے اٹھا کرتی ہیں بیٹی کے جنازے تو شوہر کے گھر سے اٹھتے ہیں۔ مگر..... مگر بیٹی میرے ساتھ یہ الٹ پھیر کیوں ہوا ہے۔ فاطمہ میری صابر بچی تو۔ تو جنت کی باسی تھی میرا گھر تیرے لائق کہاں تھا۔ مجھے معاف کر دینا بیٹی۔" فاروق صاحب بہت نڈھال ہو گئے تھے۔

"میں اپنی ماؤں جیسی بہن کو کہاں ڈھونڈ پاؤں گی باجی۔" تجل اس سے لپٹی جا رہی تھی۔

"ہم سب تمہارے گناہ گار ہیں فاطمہ ہمیں معاف کر دینا۔ آؤ عدیل، نبیل! فاطمہ کو رخصت کر آئیں۔"

سسکیوں اور آہوں میں فاطمہ آخری قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

☆......☆......☆

فاطمہ زندہ تھی تو اس کے وجود کا احساس ہی نہیں تھا کسی کو اور اب نہ رہی تھی تو ہر کسی کو احساس ہوتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے وہ ہر طرف چلتی پھرتی دکھائی دیتی تھی اس کی زندگی کے آخری دن جن میں اس کی جان لیوا بیماری کا پتا چلا تھا فاروق صاحب نے حقیقی معنوں میں باپ بن کر اسے چاہا تھا۔ وہ دن اس کی مسکراہٹیں اس کے خوبصورت چہرے پر پھیلا سکون سب کچھ نگاہوں میں گھومتا رہتا۔ وہ فاطمہ کے کمرے میں جاتے اس کی ایک ایک چیز کو ہاتھ لگاتے پیار کرتے ایسے میں آمنہ اور تجل کا شدت سے دل چاہتا کہ کہہ دیں۔

"پپا اب رونے سے کیا حاصل جب زندگی میں ہی نہ چاہا تو اب۔"

دونوں بہنیں ان دنوں کو یاد کر کے کتنا رویا کرتیں جب تینوں ٹیرس پر بیٹھ کر باتیں کیا کرتی تھیں۔

"آمنہ! خود اتنی محروم تمنا ہونے کے باوجود باجی نے کبھی ہم لوگوں کو بے حوصلہ نہیں ہونے دیا تھا۔ ہمیشہ زندگی رنگوں کی پھولوں کی باتیں کرتی تھیں۔"

"اور خود ہی ہمارے لیے سب کو بے رنگ کر گئیں۔"

دونوں بہنیں جانے کب سے بیٹھی فاطمہ کی باتیں کر رہی تھیں۔

"آمنہ باجی!"

"ہوں کیا بات ہے مہوش!" آمنہ نے پیار سے مہوش کو دیکھا جس نے اس اذیت ناک وقت میں اپنی محبتوں اور چاہتوں سے ان سب کو سنبھالا تھا۔

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ نیچے آ کر بیٹھا کریں گھر میں پہلے ہی ویرانی ہے پپا تو بے حد دکھی ہو گئے ہیں اور مما کو ہوش ہی نہیں آتا۔ جب ہوش میں آتی ہیں تو بس خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہتی

میں رہیں گی ہی لیکن ان زندہ لوگوں کا کیا قصور ہے ان کا سوچو۔'' پھر مہوش کتنی ہی دیر ان لوگوں کو سمجھاتی رہی۔

''ہاں تم بھی ٹھیک ہی کہتی ہو۔ مگر مہوش زخم بھی تو بالکل تازہ ہے ناں۔'' آمنہ نے آنچل سے چہرہ صاف کیا۔

''وقت کا پتا بھی نہیں چلتا دو ماہ ہو گئے ہیں باجی کو ہم سے جدا ہوئے اور ان کی مہک ابھی تک ایسی ہے جیسے ابھی ابھی اٹھ کر گئی ہوں۔'' نگل پھر سسک پڑی۔

''ایک تم ہو مہوش! کہ ہمارے سانس کے ساتھ سانس لیتی ہو اور ایک وہ...... بے شہرین بیگم کہ۔'' آمنہ کو شہرین اور اس کے گھر والوں کے نہ آنے پر شدید غصہ تھا۔

''کس قدر گھٹیا لوگ ہیں کہ اتنی بڑی بات ہو گئی۔ پھر بھی نہیں آئے جیسے ان کو... تو مرنا ہی نہیں۔''

دونوں بہنیں شہرین کے بارے میں بول رہی تھیں تو مہوش نے وہ کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ جو اسے پتا چلا تھا۔

''راحیل بھائی نے منع تو کیا تھا کہ کسی کو ابھی یہ بات نہ بتاؤں نگل مگر۔''

''کون سی بات۔'' آمنہ اور نگل متوجہ ہو گئیں

''جو شکوہ آپ لوگوں کو ہے ناں۔ وہی نبیل بھی تھا۔ وہ راحیل بھائی کو بتائے بغیر شہرین کے گھر گئے کہ ہمارے ساتھ اتنا بڑا حادثہ ہو گیا اور آپ لوگ افسوس تک کرنے نہیں آئے تب انہوں نے کہا کہ اس گھر سے اب ہمارا تعلق ہی نہیں رہا تو آتے کیسے راحیل نے شہرین کو طلاق دے دی ہے۔''

''کیا طلاق۔'' دونوں بہنوں کو جانے کیوں خوشگوار حیرت ہوئی۔

''مگر کیوں راحیل بھائی تو بے حد چاہتے تھے اپنی کم سن بیوی کو۔''

آمنہ کو شہرین قطعی ناپسند تھی اور اس خبر سے حیرت یا دکھ کی بجائے اسے خوشی ہوئی تھی۔

''اس کا رویہ سب کے ساتھ بہت خراب ہو گیا تھا۔ مما کے ساتھ بھی بدتمیزی کرتی تھی۔ راحیل بھائی پہلے تو سمجھاتے رہے پھر ایک روز میں نے سنا کہ وہ چاہتی ہے کہ یہ گھر اس کے نام کر دیا جائے گا تو وہ گھر واپس آئے گی ورنہ نہیں۔ اس دوران مما کی حالت خاصی خراب ہو گئی۔ وہ چاہتی تھیں کہ شہرین بھی ان کے پاس آئے۔ راحیل بھائی نے منایا بھی بلایا بھی مگر وہ اپنی جگہ اڑی رہیں تو پھر جانے کب راحیل بھائی اس انتہائی حد کو کراس کر گئے۔ اس کی خبر ہمیں چند روز قبل ہوئی ہے۔''

مہوش نے ساری تفصیل بتائی تو دونوں بہنیں جیسے مطمئن ہو گئیں جیسے ایک ناگوار بوجھ کو اتار کر انسان ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔

''اس شادی کا یہ ہی انجام ہونا تھا مجھے پتا تھا۔'' آمنہ نے ناگواری سے کہا۔

''بہت ہی کم ظرف عورت ثابت ہوئی۔ اس سے بہتر تو تھا شادی ہی نہ ہوئی ہوتی راحیل بھیا یوں برباد تو نہ ہوتے۔''

نگل کو راحیل کی وجہ سے دکھ ہو رہا تھا۔

''اسی لیے اتنے کمزور بھی ہو گئے ہیں۔ مہوش مما کو یہ بات پتا ہے۔''

''نہیں آمنہ باجی! کسی کو یہ بات معلوم نہیں حتیٰ کہ راحیل بھائی کو بھی یہ پتا نہیں کہ نبیل ان کے سسرال گئے تھے اور یہ خبر لے کر آئے ہیں۔''

''اف توبہ برا وقت بھی ایک ساتھ ہی ساری مصیبتیں لے کر آتا ہے۔''

''ٹھیک ہے یہ خبر ایک حیثیت سے افسوسناک ضرور ہے مگر نجانے کیوں مجھے خوشی ہوئی ہے اک ناگوار بوجھ تھا جیسے وہ جب سے اس گھر میں آئی تھی گھر کا سکون برباد ہو گیا تھا ہر وقت گھر میں ہنگامہ رہتا مما پپا اس کی وجہ سے بہت دکھی ہو گئے تھے۔''

آمنہ نے برملا اپنی خوشی کا اظہار کر دیا۔

''مگر اب تو راحیل بھائی دکھی ہو گئے ہیں۔ کتنا خوش رہتے تھے شہرین کے ساتھ۔''

نگل کو رہ رہ کر بھائی کا خیال آ رہا تھا۔

''نگل بی بی آپ کی یونیورسٹی سے کچھ لوگ آئے ہیں۔''

رشید کی اطلاع پر نگل دوپٹہ درست کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''بھابی کافی بھجوا دیں کچھ دیر بعد۔''

وہ ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں حنا، آصف، حسن، ماریہ سب موجود تھے۔ وہ حنا اور ماریہ کے ساتھ لگ کر کتنی ہی دیر روتی رہی۔

''صبر شکر... حسن یہ لفظ بہت معمولی ہیں نگل! کہ جن سے تمہارے اتنے بڑے صدمے کی شدت کم نہیں ہو سکتی مگر ہم کیا کریں انسان اللہ کے بندے ہیں اس کے حکم کے پابند ہیں سوائے صبر کرنے اور صبر کی تلقین کرنے کے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے۔ فاطمہ باجی کا ہمیں بے حد دکھ ہے اور تمہارے دکھ میں برابر کے شریک ہیں صبر کرو۔''

حسن اور آصف نے اظہار افسوس کیا تو وہ حنا سے دور ہٹ کر بیٹھ گئی۔

''میں تو گئی ہوئی تھی بھیا کے پاس۔ واپس آئی تو حنا نے آتے ہی یہ منحوس خبر دی۔ سچ نگل اس قدر دکھ ہوا ہے کہ اظہار ممکن نہیں۔''

پھر کتنی ہی دیر وہ لوگ اسے تسلی دیتے رہے ہمت بندھاتے رہے۔

''علی اور تیمور آئے تھے؟'' حسن پوچھ رہا تھا۔

''نہیں ابھی تک تو نہیں آئے۔ نسیم صاحب بتا رہے تھے کہ وہ دونوں بھی پریشان ہیں۔ کسی مسئلے میں الجھے ہوئے ہیں۔'' اس کے پوچھنے پر نسیم صاحب نے یہ ہی بتایا تھا۔

''اچھا میری تو ایک دو بار تیمور سے ملاقات ہوئی بھی مگر لگا نہیں کہ وہ پریشان ہے مگر صبر ہو سکتا ہے۔ اب تم نے کیا سوچا ہے۔''

''کیا مطلب کیا سوچا ہے کس کے بارے میں۔'' نگل نے سوالیہ نظروں سے حسن کو دیکھا۔

''سمسٹر امتحانات کی ڈیٹ آ چکی ہے دینا ہے یا نہیں۔''

''ارے ہاں میں تو سب کچھ بھول ہی گئی تھی۔''

''نگل یہ زندگی ہے اور زندہ رہ کر سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہتے ہوئے بھی اور نہ چاہتے ہوئے بھی۔ ہمت سے کام لو اور تیاری شروع کر دو ہو سکے تو یونیورسٹی بھی جوائن کر لو۔ کرنا تو سب کچھ ہے ناں

زندگی میں۔"

"ہاں ماریہ! سوچا تو میں نے بھی یہی ہے لیکن۔"

"کوئی لیکن ویکن نہیں میں ہفتہ کو گھر آؤں گی تیار رہنا اکٹھے یونیورسٹی چلیں گے ٹھیک ہے۔" حنا نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو اسے ماننا ہی پڑا۔

☆......☆......☆

"یار تیمور! یہ لڑکے پھر آئے نہیں۔ آج منیب ملا تھا کچھ اپ سیٹ سا تھا۔ میں نے پوچھا بھی مگر۔ وہ ٹال گیا۔ کیا کوئی مسئلہ ہے۔"

ٹائی کی ناٹ کھولتے ہوئے علی نے تفصیل بتائی تو تیمور کو حیرت ہونے لگی کیونکہ وہ دونوں بہت پرخلوص اور زندہ دل تھے یقیناً کوئی مسئلہ ہوگا۔

"یار وہ ہمارے اتنے کام آتے ہیں تمہیں کریدنا چاہیے تھا۔"

"یار پوچھا تو بہت تھا مگر ممکن ہے واقعی کوئی معاملہ ہو اور وہ بتانا نہ چاہتا ہو۔"

"اچھا خیر آج میں اسد کے ہاں جا رہا ہوں۔ وہ اس سے ایک لڑکے کے ایڈمیشن کے لیے کہا تھا اس کا پتا کرنے جا رہا ہوں پتا کرلوں گا۔"

"بھائی کھانا کھالیں۔" شانی اب...... شرمائی سی رہتی۔

"جاؤ بھائی! کھانا کھاؤ۔ ہم تو ہوا کھائیں گے۔ شاداب زمانہ کھا چلا ہے۔" علی نے خفگی سے کہا تو وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

"اتنی خفگی میں۔" وہ سمجھ نہیں پائی۔

"بھئی۔ آپ کے بھائی کھانا کھا سکتے ہیں تو کیا ہم ہوا بھی نہیں کھا سکتے۔"

"آپ تو بس۔" وہ اس کی بات سمجھتے ہوئے جھینپ کر مسکرا دی۔

کھانا کھا کر۔ تیمور سیدھا اسد کے گھر پہنچا اسد تو نہا رہا تھا اسے ملازم نے بٹھا دیا۔ وہ اخبار دیکھنے لگا۔

"تم بور تو نہیں ہو رہے بیٹا! اسد ذرا ایسے ہی نہاتا ہے کافی دیر لگاتا ہے۔" اس آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

"آپ...... اسد کے والد ہیں۔"

"ہاں...... ہاں بیٹھو میں ابھی آیا ایک ضروری فون کر کے۔"

اسد کے والد چلے گئے۔ اس کا دماغ چکرانے لگا وہ اگر بیٹھ نہ جاتا تو گر جاتا۔ پھر اسے کچھ ہوش نہ رہا کہ وہ کس طرح گاڑی اڑاتا ہوا آیا اور نسیم صاحب کے فلیٹ پر آ کر لمبے لمبے سانس لیتا ہوا آگے بڑھا قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ وہ خنکی میں بھی پسینے سے نہا رہا تھا۔ اس نے بے سوچے سمجھے زور زور سے دروازہ پیٹنا شروع کر دیا۔

"کون ہے بھئی؟" اندر سے آنے والی آواز پر وہ تڑپ کر بولا۔

"امی! دروازہ کھولیں میں ہوں عمیر۔"

☆......☆......☆

"عم...... عمیر۔" دستک دروازے پر ہو رہی تھی کہ ان کے دل کے ممتا کے کان بج رہے تھے جو ہر دستک کو اپنے بیٹے کی دستک سمجھ لیتے تھے۔ سماعتوں میں اترتی آواز ان کو بے ہمت کر گئی۔ یہ تو زندہ مردانہ آواز تھی جس کا پل پل انہوں نے انتظار کیا تھا۔ وہ صوفے پر گری گئیں۔ شذرا بھاگی آئی۔

"امی۔ امی خیریت تو ہے۔ آپ کو کیا ہو رہا ہے۔ آپ کا تو بدن کانپ رہا ہے امی۔ زیب باجی جلدی آئیں۔" شذرا ماں کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ اس نے زیب کو آواز دی تو وہ بھاگی آئی۔

"امی! کیا ہوا ہے؟ کچھ بولیں نا۔" نسیمہ بیگم کی آواز گویا خوشی سے گنگ سی ہوگئی۔

"وہ میرا بیٹا عمیر آیا ہے دروازہ کھولو شذرا! دروازہ کھولو۔ میرا بچہ مدت بعد گھر آیا ہے۔ دروازہ کھولو زیب! میرا عمیر آیا ہے۔" وہ بری طرح کانپ رہی تھیں۔

"اوہ امی۔ بھول جائیں اب عمیر بھیا کو۔ اتنے سال گزر گئے۔ انہیں لوٹ کر آنا ہوتا تو آ جاتے۔ ان کی ماں بہنیں کس حال میں رہیں گی۔ اگر ان کو احساس ہوتا تو گھر ہی چھوڑ کر نہ جاتے۔ مگر وہ تو خود غرض، تھے صرف اپنا آپ بچا کر نکل گئے۔ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ لوٹ بھی آئیں تو ہم ان کو قبول نہیں کریں گے۔ ہرگز نہیں کریں گے۔"

شذرا کے الفاظ پگھلا ہوا سیسہ بن کر سماعتوں کو مفلوج کر رہے تھے۔ دوسری دستک دینے کے لیے اٹھا ہوا ہاتھ بے چارگی سے گر گیا۔ محبتوں کی تلاش میں تو اس نے اس پہلو کو نظر انداز ہی کر دیا تھا کہ جب وہ پلٹ کر جائے گا تو اس کی واپسی کو کیا رنگ دیا جائے گا۔ اسے قبول بھی کیا جائے گا کہ نہیں۔ اس کا جی چاہا۔ اس بند دروازے کو توڑ کر اندر چلا جائے اور ان کی جدائی اور تلاش میں گزرنے والے ایک ایک پل کا درد سنائے' مگر اس کی واپسی کو ماں کا وہم جان کر مسترد کیا گیا تھا۔ اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا گیا تھا۔ شذرا کے الفاظ کے سیلاب میں اس کے حوصلے' چاہتیں' محبتیں بہہ گئیں تو وہ تہی دامن سا ہو کر پلٹ گیا۔

"ہم ان کو قبول نہیں کریں گے۔" کا ہتھوڑا بار بار برس رہا تھا۔ اس کے قدم من من کے ہو رہے تھے۔

وہ کس قدر خوش تھا کہ کاش پر ہوتے تو اڑتا ہوا اپنی ماں بہنوں اور بھائی سے جا ملتا جب بہت چھوٹا تھا۔ اس وقت کتنی باتیں اس نے سوچی تھیں۔ سب کرنے کے لیے کتنا دل چاہا تھا۔ ماں کی نرم گرم گود میں سر رکھ کر وہ اتنا روئے گا کہ تمام عمر کی پیاس بجھ جائے گی۔ مگر وہ تو پیاسا لوٹ آیا تھا۔ پورا وجود

سن ہو چکا تھا۔ اتنا کہ بیل بجانے کے لیے اس کا ہاتھ نہ اٹھ سکا۔

''تیمور...... تیمور! یہ تمہیں کیا ہوا ہے؟'' علی جو ذرا دکان تک گیا تھا۔ تیمور کو پریشان دیکھ کر تڑپ اٹھا۔ اس نے بڑھ کر تیمور کو تھاما تو وہ اس کے شانے سے سر ٹکا کر سسک پڑا۔

''تیمور! یہ تمہیں ہوا کیا ہے۔ بتاتے کیوں نہیں۔ اور یہ کیا حالت ہو رہی ہے تمہاری۔ تم تو ہنستے کھیلتے اسد کے گھر گئے تھے۔''

علی نے اس کا چہرا صاف کیا۔ اس کا پورا وجود کانپ رہا تھا۔ کپڑے خنکی کے باوجود پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔

''علی...... علی تمہیں پتا ہے وہ جن کی تلاش میری زندگی تھی جن کے مل جانے کی میں ہر وقت خدا سے دعا کیا کرتا تھا۔ میرے وہ اپنے مجھے مل گئے ہیں۔ میری تلاش ختم ہو گئی ہے۔''

وہ علی کے ساتھ لگ کر بچوں کی طرح...... رو دیا تو شانی اور علی پریشان ہو گئے کہ اگر وہ مل گئے ہیں تو پھر وہ اس طرح کیوں رو رہا ہے۔

''وہ لوگ مل گئے ہیں مگر کہاں ہیں؟''

''ہاں علی مل گئے ہیں۔ یہ اسد' یہ منیب' یہ میرے ان ماموؤں کی اولاد ہیں جن کی وجہ سے میں نے گھر چھوڑا۔ ماں بہنوں کو چھوڑا۔ بتا ہے ان کی وہ پھوپھو جو نسیم صاحب کے گھر کے ساتھ رہتی ہیں۔ میری امی ہیں...... میری اپنی ماں۔

''تو پھر کیا ہوا ہے جو تمہاری یہ حالت ہو گئی ہے؟ تمہاری امی سے تمہاری بات نہیں ہوئی۔''

''ہاں۔ میں نے امی کو پکارا وہ تڑپ اٹھیں مگر بیٹیوں نے ممتا کی تڑپ کو وہم قرار دے کر خاموش کر دیا اور میں پیاسا ... ٹ آیا۔ علی پتا ہے میری بہنوں نے اور خاص کر شنذرا نے جسے میں بچپن میں گود میں سلایا کرتا ... کہا ہے کہ اگر میں لوٹ کر گھر جاؤں بھی تو مجھے قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں علی انہیں میری ضرورت نہیں ہے۔''

وہ بچوں کی طرح علی کے ساتھ لگا رو رہا تھا۔ جب تک وہ نہیں ملے تھے تو وہ ان کی تلاش کی لگن میں سب کچھ برداشت کرتا چلا گیا۔ خاردار جدائی کے جنگل سے گزرتے ہوئے کبھی اسے تکلیف کا احساس نہ ہوا تھا مگر اب۔ ایک ساتھ تمام درد جاگ اٹھے تھے۔ کہ وہ کراہ رہا تھا۔ کس قدر اذیت ناک تھا یہ احساس کہ اس کی بہنیں اس کی واپسی نہیں چاہتی تھیں۔ اس کو قبول نہیں کر سکتی تھیں۔

''بھائی! آپ اس قدر کیوں اکیلے ہو رہے ہیں۔ میں...... میں جو ہوں آپ کی بہن۔ پھر کیوں آپ بے حوصلہ ہو رہے ہیں بھائی۔ آپ مت روئیں پلیز۔'' شانی نے اپنے آنچل سے تیمور کا چہرا صاف کیا۔

''ہاں۔ شانی اسی لیے لوٹ بھی تو آیا ہوں ورنہ تو جی چاہ رہا تھا پھر کہیں گم ہو جاتا۔''

''فضول باتیں نہ کرو تیمور! کوئی مذاق ہے۔ وہ تمہاری ماں بہنیں ہیں۔ کوئی معمولی تعلق تو نہیں کہ رہا۔ رہا نہ رہا تو نہ رہا۔ تم نے دوسری دستک تک نہیں دی۔''

''دوسری دستک کے لیے جان کس میں باقی رہی تھی علی! یہ خونی رشتے ہی تو انسان کا سب کچھ ہوتے ہیں اگر یہ ہی ٹھکرا دیں تو دامن میں کیا بچتا ہے باقی۔'' وہ شکستہ دل ہو رہا تھا۔

''تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے تیمور۔ تم وہاں تک پہنچ گئے تھے تو اندر گئے ہوتے۔ اپنی صورت تو دکھائی ہوتی پھر اگر ان کا رویہ ایسا ہوتا تو بات بھی تھی اور پھر ایک لحاظ سے شنذرا کا رویہ درست ہی تھا۔ کہ تم ہی تو بڑے بھائی تھے۔ بجائے اس کے کہ باپ کے بعد ان کا سایا بنتے۔ ان کو وقت اور حالات کی تیز دھوپ میں جلتا چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ اب نجانے ان لوگوں نے کتنی مشکلات میں زندگی بسر کی ہوگی کہ وہ تمہارے متعلق اس قسم کے خیالات رکھتی ہیں۔''

علی اس کا ہاتھ تھامے آہستگی سے دلائل کے ساتھ سمجھا رہا تھا۔

''وقت اور حالات کے تو ہم پیدائش سے قیدی رہے ہیں علی! ابو کی وفات کے بعد ہم لوگ بہت تنہا ہو گئے۔ ماموؤں کے اصرار پر امی ہمیں ان کے پاس لے آئیں۔ امی سمیت ہم ڈرے سہمے رہتے۔ بڑے ماموں تو پھر بھی اچھے تھے مگر چھوٹے دونوں ماموؤں اور ان کی بیگمات۔ علی! علی! اس امتحان میں خدا کسی کو مبتلا نہ کرے۔ اٹھتے بیٹھتے ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ مار پیٹ۔ امی سے شکایت کرتے تو وہ رونے لگتیں یا پھر ہمیں ہی غلط سمجھ کر مارنے لگتیں۔ ظاہر ہے دکھی دل کے ساتھ اور کیا کر سکتی تھیں۔ اس روز قیامت ہی تو آ گئی۔''

تیمور کچھ دیر کے لیے رک گیا۔ اس کی آنکھوں میں وہی منظر لہرانے لگا۔ چہرے پر ان لمحات کی اذیت نظر آنے لگی۔ علی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور پانی پلایا۔ وہ چاہتا تھا وہ اپنا تمام غبار نکال کر دل ہلکا کرے۔

''میرے جوتے اور یونیفارم پھٹ چکا تھا مگر کسی کو پروا نہیں تھی۔ میں امی ہی سے کہہ سکتا تھا مگر امی بھی تو بے بس تھیں۔ اس روز بڑے ماموں نے شعیب کی شاپنگ کے لیے مشتاق ماموں کو کہا تو وہ اسے لے کر گاڑی کی طرف بڑھے۔ میں ڈرتے ڈرتے ماموں کے قریب گیا اور کہا۔ کہ ماموں میرا یونیفارم اور جوتے بھی پھٹ گئے ہیں۔ مجھے بھی دلا دیں۔ یہ میرا خدا ہی جانتا ہے علی کہ میں نے کس طرح یہ الفاظ کہے تھے کیونکہ میں نے کبھی کسی ماموں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا نہ اپنی ضرورت کہی تھی۔ مگر میں اسکول میں دوسرے لڑکوں کے سامنے بہت شرمندہ ہوتا تھا۔ اس لیے میں نے دل کڑا کر کے کہہ ہی ڈالا۔ تو ماموں گھورنے لگے پھر بولے۔ ''پیسے نہیں ہیں ایک تو یہ مصیبت جانے کب ٹلے گی۔''

ماموں نے بہت حقارت سے کہا۔ برا تو مجھے بہت لگا مگر میں ڈھیٹ بن گیا پھر یونیفارم کا تقاضا کیا انہوں نے پھر پیسے نہ ہونے کا رونا رویا۔ تو مجھے ذرا غصہ آ گیا۔ میں نے کہہ دیا شعیب کے لیے پیسے ہیں اور میرے لیے نہیں ہیں۔ بس یہ سننا تھا کہ ماموں کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ ان کا زناٹے دار تھپڑ میرے حواس گم کر گیا۔

خبیث کمینے کی اولاد وبال جان بن گئی ہے ہمارے لیے۔ خود تو مر کھپ گیا۔ فوج چھوڑ گیا ہمارے لیے...... اب یہ ہماری اولاد کے نوالے چھینتے رہتے ہیں۔ ایک تو ان سب کو کھانے پہننے اوڑھنے کو دو۔ اوپر سے فضولیات بھی پوری کرو۔ کوئی ضرورت نہیں پڑھنے کی۔ کوئی کام سیکھو اور تھوڑا بہت بوجھ بانٹو ہمارا۔''

کس قدر دکھ اور افسوس کی بات ہے ناں کہ میری ہی عمر کے بچوں سے وہ اتنے لاڈ پیار کرتے ان کو گودوں میں لیے پھرتے اور میں ان کی نظر میں کمانے کے لائق ہو گیا۔ صرف اس لیے علی کہ میں اور

میرے گھر والے ان کے ٹکڑوں پر پل رہے تھے اور میرا باپ نہیں تھا جو میرے ناز اٹھاتا۔ میرا ماتھا چومتا اور میری جائز و ناجائز خواہش پوری کرتا۔ ایسے لاڈ تو اپنے والدین ہی دیکھ سکتے ہیں۔ تھپڑ نے میرے چودہ طبق روشن کر دیے۔ میرے اندر بھی طوفان موجزن ہو گیا اور شعیب کی بات نے جلتی پر تیل انڈیل دیا کہ ہمارے ٹکڑوں پر پلنے والے بھکاری میرے پرانے کپڑے لے لینا۔ ماموں کے تھپڑ کی اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی، جتنی اپنے ہی ہم عمر شعیب کی بات سے ہوئی۔ شعیب تو گھر میں میرا روایتی حریف تھا۔ میری ہر بات پر ٹوکتا، مجھے ذلیل کرتا خصوصاً اپنے دوستوں میں کہتا کہ یہ ہمارے ٹکڑوں پر پلتے ہیں۔ غرض کہ مجھے ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا مگر اس روز تو میری برداشت جواب دے گئی۔ اور میں بھول گیا کہ میں گھر کے سب سے سخت بزرگ کے سامنے ہوں اور گھر کے سب سے لاڈلے شعیب پر ہاتھ اٹھا رہا ہوں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ شعیب کو مار مار کر ادھ موا کر دیا پھر تو گھر بھر وہاں جمع ہو گیا۔ اس کے بعد امی نے مجھے دیوانہ وار پیٹا۔ ماموں فیاض نے۔ ہر کسی نے میری پٹائی کی۔

"کمبخت، نمک حرام نکل جا گھر سے۔ خدا کرے مر جائے تو۔"

امی نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ سرد ٹھٹھرتی رات میں۔ دیوار سے لپٹا روتا رہا۔ سب پر غصہ تھا اسی لیے سردی کا احساس نہ رہا۔ میں گھر سے دور ہوتا گیا اور ایک ویران جگہ پہنچا جہاں پشاور جانے والے ٹرک کھڑے تھے۔ میں ایک ٹرک میں بیٹھ گیا۔ وہ ٹرک شانی کے والد خان بابا کا تھا۔ میں نے بھی گھر واپس نہ جانے کی قسم کھالی تھی۔ میرا غصہ میری انا، ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کی محبت پر غالب آ گئی اور میں گھر سے دور ہی دور ہوتا چلا گیا اور جب ذرا ہوش آیا تو میرا دامن خالی تھا۔ میں نہ صرف گھر سے بلکہ شہر سے بھی دور ہو گیا اور میرا سب کچھ کھو گیا۔ میرا سب کچھ کھو گیا علی۔"

آج ایک مدت کے بعد زخم ہرے ہوئے تو پورا وجود درد بن گیا۔ وہ سسک رہا تھا۔ شانی تو باقاعدہ رو رہی تھی۔ اپنے دوست کے دکھ کو علی اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا۔

"تیمور! تم خود سوچو۔ تم اتنے ناساعد حالات میں ان لوگوں کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تو ان کی بدگمانی بھی تو بجا ہے ناں...... دیکھو خود کو سنبھالو۔ ان سے اس طرح خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انشاءاللہ۔"

"جی بھائی! آپ کو تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ کے گھر والے مل گئے ہیں۔ آپ پھر اپنی ماں اور بھائی بہنوں سے مل جائیں گے۔"

پھر شانی اور علی کتنی ہی دیر اسے سمجھاتے رہے تو قدرے تسلی ہوئی۔

☆......☆......☆

شنذرا کی ہاں سے منیب اور اسد گنگ ہو کر رہ گئے تھے اور اب سناٹے میں بیٹھے تھے۔

"یہ لڑکی سمجھ میں نہ آنے والا معمہ ہے۔ مجھے یقین تھا کہ شنذرا حسب معمول بھڑک اٹھے گی۔ سب کو بے نقط تو سنائے گی ہی میرا سر بھی پھاڑ دے گی۔ مگر...... مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ کچھ دیر سوچتی رہی اور ہاں کر کے باہر نکل گئی۔ میرا تو دماغ سن ہو گیا۔"

"ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ اس کی اس ہاں کے پیچھے اس کی خوشی یا رضامندی شامل نہیں وہ صرف بڑے ابو کی محبت میں یہ سب کر رہی ہے۔"

اسد کے اندر جانے کیوں یہ اطمینان سا تھا۔ شنذرا نے یہ ہاں دل سے نہیں کی۔

"یہ تو میں بھی جانتا ہوں اسد! مگر کسی مصلحت کے تحت بھی میں یہ سب قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ نہ وہ خوش رہ سکے گی اور میں تو ندا کے بغیر زندگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ دوسری طرف ندا بڑی بدگمان ہو گئی ہے یار! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔"

"شنذرا سے اس موضوع پر پھر مذاکرات کرو۔" اسد نے مشورہ دیا۔

"نہیں یار! اس افلاطون قسم کی لڑکی سے مذاکرات کرنا آسان نہیں۔ وہ تو ہر قیمت پر تیار ہو جائے گی۔"

"نہیں منیب! یہیں تم اسے سمجھ نہیں رہے۔ اسے جب پتا چلے گا کہ تم ندا میں انوالو ہو اور شادی کرنا چاہتے ہو تو دیکھ لینا۔ وہ ہرگز اس شادی پر تیار نہیں ہوگی۔"

"اور اگر پھر بھی تیار ہو گئی تو؟" منیب کو خدشات گھیرے ہوئے تھے۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اسد کا لہجہ پر یقین تھا۔

"ٹھیک ہے۔ ایک بار پھر شیر کی کچھار میں ہاتھ ڈالنا پڑے گا مگر اس ندا کی بچی کو کون سمجھائے۔ تب سے منہ پھلائے پھر رہی ہے۔ فون کرو تو بات کرنے پر تیار نہیں، جاؤ تو سامنے نہیں آتی اور اس کی ناراضگی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔"

منیب بری طرح پریشان تھا۔

"اوہو میرے مجنوں! اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ حسینہ مان جائے گی جب اسے اصل صورت حال معلوم ہوگی تو...... پہلے تو شنذرا سے بات کر لو۔"

"یار! شنذرا سے تو میں بات کر لوں گا بلکہ اس کے پاؤں بھی پکڑ کر کہہ دوں گا کہ وہ خود انکار کر دے مگر اس سر پھری کو کون سمجھائے گا۔"

منیب کو ندا کی فکر کھائے جا رہی تھی جو کسی طور پر ماننے کو تیار نہیں تھی۔

"چلو اٹھو! ابھی چلو۔ دیکھتے ہیں۔ کیسے کاٹتی ہے وہ تمہیں اٹھو بھی۔"

اسد نے چابیاں اٹھائیں اور دونوں ندا کی طرف جانے کے لیے باہر آئے تو سامنے سے شنذرا اور فرخ نسیمہ بیگم کے ساتھ آ رہے تھے۔

"آداب پھوپھو۔" اسد اور منیب ایک ساتھ نسیمہ بیگم کی طرف بڑھے۔ اسد نے ایک نگاہ شنذرا پر ڈالی اورنج سوٹ میں وہ لاپرواہی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔

"رہنے دیں پھوپھو! لگتا ہے ہم تو آپ کے کچھ لگتے ہی نہیں۔ مجال ہے جو کبھی بھولے سے آپ ہمارے گھر بھی آ جائیں۔ ہمیں تو یہ احساس ہونے لگا ہے کہ جیسے ابو آپ کے بھائی ہی نہیں۔" شکوہ اسد کے لبوں پر آ ہی گیا۔

"جی ہاں۔ نہیں ہیں۔" شنذرا نے کٹیلے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ گئی۔ نسیمہ بیگم شرمندہ سی ہو گئیں۔

"بیٹا! تم کچھ خیال نہ کرنا۔ اس کی تو عادت ہی ایسی ہے۔"

"جی پھوپھو! میں جانتا ہوں۔ ان کی بدتمیزیوں پر تو یہ حاصل کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ لیکن کیا

کریں گزارا تو کرنا ہے ناں۔"

اسد نے اتنی بلند آواز میں کہا کہ تیز تیز قدم اٹھاتی شندرا کے کانوں تک اس کا خیال پہنچ کر ہی رہا۔ اس کے ریمارکس پر اس کے تیز قدم رکے۔ منیب نے نگاہوں ہی نگاہوں میں کہا۔ جوابی میزائل آرہا ہے۔ مگر شندرا کو ماں کا لحاظ آ گیا وہ پلٹے بغیر آگے بڑھ گئی۔

"یا اللہ میرے حال پر رحم فرما۔" منیب نے آہستگی سے کہا تو اسد مسکرا دیا۔

"میں آؤں گی بیٹا! ان بھائیوں کے سوا میرا ہے ہی کون۔ تم خفا نہ ہو۔"

"ارے نہیں پھوپھو! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ امی ابو چھوٹے ہیں ان کو تو آنا چاہیے مگر اس خاندانی سیاست کو تو میں کبھی بھی نہیں سمجھ سکا۔"

"ارے بیٹا! اب حالات بدل رہے ہیں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو پھوپھو۔" منیب نے بے دلی سے کہا۔

"ہاں بیٹا ضرور ہوگا۔ دیکھو ناں پہلے سے حالات کتنے مختلف ہیں۔"

"جی ہاں۔ ٹوٹے دلوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔" نسیم بیگم آگے بڑھ گئیں تو منیب نے جلے دل کے ساتھ کہا۔

"یہ تم ...... کیوں بتیسی نکال رہے ہو۔ ذرا اس کے سامنے نکالنا۔ نکال کر ہاتھ پر رکھ دے گی۔ چلو چلیں۔"

منیب نے اسد کو گاڑی کی طرف دھکیلا۔

"یار! بڑے بے مروت ہو۔ ابھی تو آئے ہیں۔ اتنے دنوں بعد ملاقات ہو رہی ہے۔ کچھ باتیں تو کر لینے دو۔"

اسد کی آنکھوں میں شرارت تھی۔ شندرا کو چھیڑنے کے خیال سے وہ شوخ ہو رہا تھا۔ اس نے منیب کو زبردستی اندر کی طرف دھکیلا۔

"مت دل جلاؤ میرا۔ آہ لگ جائے گی ٹوٹے دل کی۔" منیب بڑبڑایا۔

"یار اب سے مظلوم تو میں ہوں۔ جل بھی رہا ہوں اور پابند ضبط ہوں کہ دھواں بھی نہ نکلے۔ اتنا اثر نہ لو اللہ بہتر کرے گا۔" اسد سنجیدہ ہو گیا مگر اندر آئے تو شندرا فائزہ کے ساتھ مل کر الماری میں کپڑے درست کر رہی تھی اسد شوخ ہو گیا۔

"خدا کی شان ہے ناں منیب! کہ نا چیز ...... چیز بن بیٹھی۔ اور اس سے حیرت کی بات یہ کہ نظر ملازم آتی ہے اور مالکن بننے کے خواب دیکھے جا رہے ہیں۔"

اس کے جملے کا تیر شندرا کے دل میں پیوست تو ہو چکا تھا مگر وہ اس کو نظر انداز کر کے اس کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتی تھی اس لیے بے نیازی سے اپنا کام کرتی رہی۔

"ارے فائزہ باجی۔ آئیں ہمارے پاس بیٹھیں۔ ملازموں کے کام ان پر ہی سوٹ کرتے ہیں۔"

اسد نے فائزہ کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔ شندرا نے بھی توجہ نہیں دی اور یہی اسد کی انا پر چوٹ ثابت ہو رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا وہ چیخے چلائے جھنجلائے۔

"اسد! فضول باتیں نہ کرو۔ بری بات ہے۔ بہو بہت کام نمٹانے ہیں۔ شندرا جانو تم الماری ٹھیک کر لو۔ میں ڈرائنگ روم صاف کر لوں زیب تو کچن میں مصروف ہے۔ اور خبردار جو تم دونوں نے اسے تنگ کیا تو۔" فائزہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے فائزہ باجی! تنگ کرنے کا بھی ایک سٹینڈرڈ ہوتا ہے اور میں تو اس معاملے میں بڑا پکا ہوں تنگ بھی اپنے برابر کے بندے کو کرتا ہوں۔ ایویں شیویں کو نہیں اور آپ بھی جانو شانو جیسی عزت ذرا برابر کے بندے کو دیا کریں۔ فضول لوگوں کو نہیں۔"

وہ مستقل جلتی پر تیل ڈال رہا تھا۔ شندرا کا جی تو چاہ رہا تھا کہ ہاتھ میں پکڑی قینچی اس کی کنپٹی پر دے مارے مگر وہ ضبط کیے رہی۔

"تم کبھی نہیں سدھر سکتے۔" فائزہ اسد کے چپت لگاتی آگے بڑھ گئی۔ منیب نے اسے اشارا کیا کہ چلو اب۔ مگر شاید ابھی اس کا تنگ کرنے کا کوٹا پورا نہیں ہوا تھا۔

"ارے منیب! میری یہ قیمتی شرٹ تمہارے پاس ہے۔ کچھ معلوم بھی ہے۔ کتنی قیمتی ہے۔ ہزار روپے کی ہے اور تم نے اسے یوں کوڑے میں پھینکا ہوا ہے۔"

اسد نے قیمت بتاتے ہوئے مبالغہ آرائی کی حدوں کو چھوتے ہوئے کہا اور جلدی سے بڑھ کر شرٹ جو ڈھیر سارے تہ شدہ کپڑوں کے نیچے دبی تھی ...... اس طرح کھینچی کہ تمام تہ شدہ کپڑے زمین پر آ رہے۔ وہ اتنی دیر سے ضبط کر رہی تھی۔ پھٹ پڑی۔

"تم سا گھٹیا انسان اس دنیا میں کوئی اور نہیں۔" شندرا کی زبان اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے

"اونہوں نہ بھئی۔ ہے جو تم سے شادی کرے گا۔"

اس نے ڈھٹائی کی آخری حد کو کراس کرتے ہوئے کہا تو منیب اسے گھورنے لگا۔

"اپنے جھگڑے میں مجھے کیوں انوالو کر رہے ہو۔" منیب خفا لہجے میں بولا۔

"کم آن یار! تم تو خوامخواہ ہی مذاق کو دل پہ لے رہے ہو جبکہ تم سب جانتے ہو۔" اسد نے منیب کا ہاتھ دبایا۔

"اسد بھیا! مجھے آپ سے ضروری بات کرنا ہے۔" فرخ تیزی سے اسد کی طرف بڑھا۔

"ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ پیسوں کی ضرورت ہوگی۔ خیر بتاؤ۔ کتنے درکار ہیں۔"

اس نے دل جلانے والے انداز میں کن اکھیوں سے شندرا کو دیکھا جو تلملا رہی تھی۔ اسد نے خاص طور پر پیسوں کا یوں کہا جیسے ہمیشہ دیتا رہتا ہو۔

"نہیں۔ پیسوں کی بات نہیں۔ اسد بھیا وہ آپ ذرا باہر تو آئیں۔"

فرخ اسد کی بات کا اثر لیے بغیر بے تکلفی سے اس کا بازو پکڑ کر باہر کی طرف بڑھا۔

"فرخ!" شندرا کی کڑک دار آواز پر فرخ کے قدم جم گئے۔ اسد کے ہونٹوں پر بھی دل جلانے والی مسکراہٹ آ گئی۔

"جی!" فرخ نے قدرے سہمے لہجے میں کہا۔

"خبردار جو تم نے ایک پائی بھی ان سے مانگی ہو تو میں تمہیں ...... مار ڈالوں گی۔"

"یہ تو صرف پیسے مانگ رہا ہے...... لیکن تم ایک دن معافی ضرور مانگو گی۔ اور جس دن ایسا ہوگا وہ میری فتح اور تمہاری شکست کا دن ہوگا شنذرا مراد اور وہ دن دور نہیں۔"

اسد اس کے قریب چلا آیا۔

"دفع ہو جاؤ۔ وہ دن تمہاری موت کا تو ہو سکتا ہے مگر فتح کا نہیں۔"

وہ حسب معمول کاٹ کھانے کو دوڑی اور وہ حسب معمول دل جلانے والی مسکراہٹ لبوں پر سجائے اسے چڑاتا رہا۔

"چلو دیکھتے ہیں۔ وہ دن میری موت کا ہوگا یا فتح کا۔ شرط لگاتی ہو۔"

اسد نے اس کی طرف یوں ہاتھ بڑھایا جیسے بڑے دوستانہ مراسم ہوں۔

"ہونہہ! میں تمہیں کسی قابل نہیں سمجھتی۔" اس نے نخوت سے نگاہیں پھیر لیں۔

"نہیں بھئی صاف لگ رہا ہے۔ تم مذاق کر رہی ہو۔ ہے ناں مذاق۔ ارے لڑکی اپنی مارکیٹ ویلیو تو ٹاپ پر جا رہی ہے۔ لڑکیاں ہاتھوں ہاتھ۔"

"جوتیاں لیے کھڑی ہوتی ہیں۔" شنذرا نے جل کر جملہ مکمل کیا تو اسد کا بلند قہقہہ فضا میں گونج کر شنذرا کو مزید تپا گیا۔

"اور......" اس نے دانت پیسے۔

"شنذرا باجی پلیز۔" فرخ نے دھیمی سی آواز میں اسے ٹوکا۔

"تم چپ خبردار جو اس کے ساتھ کہیں گئے۔"

وہ فرخ کو بھی کاٹ کھانے کو دوڑی۔ وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔

"باجی!" اسد کیا تھا وہ یہی تو بتانا چاہتا تھا مگر کبھی موقع ملتا تو اسد روک دیتا۔

"آہ...... آہ...... بولنے دو یار! ایسے احساس کمتری کے مارے لوگ اس طرح بولتے ہی رہتے ہیں۔ نہ بولیں تو بدہضمی ہو جاتی ہے۔"

اسد ہمیشہ سے اس کا حریف رہا تھا۔ اس کی بکواس کی وہ عادی تھی مگر اسے غصہ تو منیب پر آ رہا تھا۔ جو نئے رشتے کے اعلان کے باوجود اس کو کچھ نہیں کہہ رہا تھا۔

"بھاڑ میں جاؤ تم سب۔" وہ پاؤں پٹختی باہر نکل گئی۔ مگر اسد کے قہقہے اور جملے کی بازگشت نے اس کا دور تک پیچھا کیا۔

"دیکھا منیب! ایسے میدان مارا جاتا ہے۔" شنذرا کے کانوں میں دونوں کے ہاتھ پر ہاتھ مارنے کی آواز بھی پہنچ گئی۔ تو وہ اکیلے کمرے میں جا کر شدت سے رو پڑی۔ اسے اسد کے ساتھ منیب سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی اور اس نئے تعلق سے بھی جو اس سے پوچھے بغیر جوڑ دیا گیا تھا۔

"یا اللہ ہم سا بھی کوئی بے بس پیدا نہ کرنا کہ دل نہ بھی چاہے تو ہر فیصلہ قبول کرنا پڑے۔" وہ تو رو رہی تھی۔ باہر فرخ اسد سے معذرت کر رہا تھا۔

"اسد بھائی! میں بے حد شرمندہ ہوں۔"

"کیوں تم نے میری بھینس چرالی ہے جو شرمندہ ہو۔" اسد نے اس کے شرمندہ سے چہرے پر چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"شنذرا باجی آپ کے ساتھ انجانے میں زیادتی کر رہی ہیں اور آپ حقیقت بتانے نہیں دیتے۔"

"کم آن یار! اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر نہیں لیتے۔ دیکھو بعض باتیں ناپسندیدہ ہونے کے باوجود بہت لطیف اور خوبصورت ہوتی ہیں۔ کہ دل چاہتا ہے کہ وہ بار بار...... ہوں۔ اچھا خیر۔ تم کیا بات کہنے والے تھے؟"

ایک پرسوزی کیفیت دبے پاؤں اسد کے دل میں اتر آئی۔

"کچھ نہیں کہنا تھا مجھے آپ تو بس۔" فرخ اس سے خفا سا ہو گیا۔

تم بھی خفا ہو لوگ بھی برہم ہیں دوستو
اب ہو چلا...... یقیں کہ برے ہم ہیں دوستو

اسد نے گہرا سانس لے کر یہ شعر پڑھا تو فرخ اس کے گلے لگ گیا۔

"آپ بہت عجیب ہیں اسد بھائی۔"

"ہیں۔ ہیں اتنی اچھی ایکٹنگ کے بعد تو میں سمجھ رہا تھا تم کہو گے آپ بڑے عظیم ہیں اسد بھائی۔ مگر یار تم نے تو میری عظمت کو عجیب بنا دیا۔ واہ یار واہ۔ آؤ مجنوں میاں۔ دیکھیں تمہارے عشق کا پارہ کس درجے تک پہنچا ہوا ہے۔ اچھا میں تم سے بعد میں بات ہوگی۔"

اسد نے فرخ کے گال پر ہلکی سی چپت لگائی چابی اٹھائی اور منیب کو لے کر باہر آ گیا۔

"تم واقعی عجیب ہو۔" منیب دروازہ کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"چلو فرخ نے تو یہ بات کسی بنیاد پر کہی۔ مگر تم کیوں کہہ رہے ہو۔"

اسد پورچ سے گاڑی احتیاط سے باہر نکال رہا تھا۔

"وہ اس طرح کہ...... ایک طرف شنذرا کے لیے اس طرح کے لطیف احساسات رکھتے ہو دوسری طرف یہ چھیڑ چھاڑ۔ کیوں کرتے ہو ایسا؟"

"صرف اس لیے منیب کہ کوئی تو رابطہ رہے درمیان...... ورنہ تو اجنبیت اور چپ کے جنگل اتنے پھیل جائیں گے۔ اتنے گھنے ہو جائیں گے کہ اس تک راستہ بناتے میرے ہاتھ پیر...... لہولہان ہو جائیں گے۔"

اسد نے طویل سانس لیا۔ اس کی نظروں میں ابھی تک شنذرا کا خونخوار روپ بسا ہوا تھا۔

"کتنی عجیب بات ہے بلکہ کتنے عجیب فیصلے ہوتے ہیں ہمارے بزرگوں کے کہ جن لوگوں نے ساتھ زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ ان سے پوچھا تک نہیں جاتا اور مجھے تو شاید خبر ہی نہ ہوتی اگر تم نہ بتاتے کہ زیب باجی اور شعیب بھائی کا رشتہ بھی زبردستی کا ہے۔ فائزہ باجی کا تو شکر ہے۔ مسئلہ حل ہو گیا۔ ورنہ تو میں ان کے معاملے میں بغاوت کرنے کا سوچ بیٹھا تھا۔"

"باغی صاحب جایئے ذرا ان محترمہ کو بھی سمجھایئے۔"

اسد نے بلال کے گھر کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

"آداب آنٹی!" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"جیتے رہو گھر...... میں خیریت ہے ناں۔"

"جی الحمدللہ سب ٹھیک ہیں۔ یہ جمال کہاں ہے اور لڑکیاں بھی نظر نہیں آ رہیں۔"

"جمال تو بیٹا کام سے باہر گیا ہے۔ ندا' ردا البتہ کمرے میں ہیں۔ ندا کی طبیعت کچھ دنوں سے خراب ہے۔"

"ارے آنٹی! آپ بھی بہت بھولی ہیں۔ یہ لڑکیاں جو ہیں ناں آج کل کی' بڑی بہانے باز ہیں۔ کام سے بچنے کے لیے کبھی سر درد کا بہانا۔ کبھی پیٹ درد کا۔ دیکھیے تو میں ابھی اس کی بیماری کا پول کھولتا ہوں۔ آخر ڈاکٹر ہوں۔ آؤ...... منیب مریضہ کو دیکھنے چلیں۔"

اسد جان بوجھ کر بلند آواز میں بول رہا تھا کہ ندا سن لے اور وہ اپنی کوشش میں کامیاب بھی ہو گیا۔

"ردا! تم نیچے چلی جاؤ۔ میں منیب کی صورت دیکھنا نہیں چاہتی۔"

"واقعی بڑی منحوس شکل ہے اس کی۔ میں بھی آنکھیں بند کر کے دیکھتا ہوں مگر میری صورت تو بہت اچھی ہے۔ لڑکیوں کی اکثریت کی یہ ہی رائے ہے۔"

ندا کی بات منیب سمیت اسد بھی سن چکا تھا اور دونوں دروازہ کھول کر اندر آ گئے۔ اسد نے روٹھی روٹھی سی ندا کی ناک دبائی۔

"مبارک ہو نزلہ نہیں ہے اور نہ تم پر کرنٹ کے اثرات ہیں۔ کیا نام ہے اپنا لڑکی تمہارا ماسی۔" منیب کے کان میں کھسر پھسر کر کے وہ ردا کی طرف مڑا جسے اس نے ماسی کہہ دیا تھا

"اسد بھائی۔" وہ احتجاجاً چلائی۔

"جی بہن چائے بنانی آتی ہے۔ نہیں آتی تو میں سکھا دوں۔" اسد ردا کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف بڑھا پھر رکا اور مڑ کر منیب کی طرف دیکھا۔

"گھبرانا نہیں۔ میں نیچے ہوں اور فرسٹ ایڈ بکس بھی گاڑی میں رکھا ہے خدا حافظ۔"

اسد شوخی سے مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

"تم بھی جاؤ۔" ندا نے منیب کو باہر کی طرف دھکیلا۔

"ندا! میری بات تو سنو۔"

"مجھے کچھ نہیں سننا۔ جاؤ اپنی شنذرا کے پاس۔" بات کرتے ہی ڈھیر سارے آنسو ندا کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر پھیل گئے۔

"ندا! یہ ہی تو فرق ہے۔ مرد ہونے کا نقصان یہ ہی تو ہوتا ہے کہ وہ اپنے جذبات کو اس طرح آنسوؤں کی صورت میں نہیں بہا سکتے ورنہ کیفیت مختلف تو نہیں ہوتی۔ تمہیں تو صرف یہ پتا ہے کہ میں نے شنذرا کا ہاتھ پکڑا اور الگ لے جا کر بات کی۔ مگر یہ تو پوچھو بات کیا ہوئی۔"

"مجھے کوئی انٹرسٹ نہیں! وہ تمہاری کزن ہے' جس طرح چاہو بات کر سکتے ہو مجھے کیا۔"

ندا بری طرح خفا تھی۔ اس نے اسے اس روز والی حرکت پر بہت دکھ تھا۔

"اچھا تمہیں اس بات میں کوئی انٹرسٹ نہیں کہ میری اور شنذرا کی شادی ہو جائے۔"

"کیا؟" ...... حیرت کے ساتھ ندا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ تو ایسا سوچ بھی

نہیں سکتی تھی کہ یہ بات بھی ہو سکتی ہے۔

"ہاں ابو اور پھوپھو نے میلاد شریف والے روز یہ رشتہ طے کیا ہے۔"

"اتنی بڑی بات ہو گئی اور ہمارے گھر میں کسی کو خبر نہیں ہے۔ خیر ہم لوگوں سے تو آسیہ پھوپھو یوں ہی متنفر رہتی ہیں۔ تم نے بھی بتانا گوارا نہیں کیا۔" اس کی آنکھوں میں پھر پانی بھر گیا۔

"غلط بیانی نہ کرو ندا! میں نے بارہا تم سے بات کرنا چاہی مگر تم اتنی سنگدل ہو گئی تھیں کہ سامنا تک نہیں کرتی تھیں اور اس روز جو میں شنذرا کے ساتھ بات کر رہا تھا تو یہ ہی کہنا چاہتا تھا کہ میں اس کے ساتھ شادی کو تیار نہیں' میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ چپ ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ وہ اپنی فطرت کے مطابق ہنگامہ کر دے گی مگر وہ نارمل رہی اور میری توقع کے خلاف اپنی رضامندی کا اظہار کر کے چلی گئی۔"

"ہوں۔ اس کا مطلب ہے وہ بھی تم میں۔ لیکن اس نے کبھی بھی تم میں اپنا انٹرسٹ ظاہر نہیں کیا تھا۔"

"نہیں...... نہیں ندا! شنذرا کو غلط نہ سمجھو وہ بڑی صاف اور کھری لڑکی ہے۔ اس نے یہ فیصلہ صرف اور صرف احسان مندی کے اظہار کے طور پر کیا ہے۔ اس کے خیال میں ابو نے ہمیشہ ان کا خیال رکھا۔ خصوصاً اسے سب سے زیادہ چاہا ہے' لہٰذا اب اگر انہوں نے ایسا فیصلہ کر دیا ہے تو وہ انکار کر کے احسان فراموشی کا ثبوت نہیں دینا چاہتیں۔"

"تو ٹھیک ہے پھر تم بھی کمپرومائز کر لو اور۔" یہ کہتے ہوئے ندا کی آواز بھیگ گئی۔

"شٹ اپ ندا! تم اچھی طرح جانتی ہو۔ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں صاف انکار کر دوں گا۔" منیب نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"بس تم اللہ سے دعا کرنا۔ میں کوشش کروں گا۔ انشاء اللہ بہتر ہو گا۔ اور تم تو نری احمق ثابت ہوئیں۔ ارے بابا پوچھا تو ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔"

"اچھا چلو چھوڑو ناں اس بات کو۔" ندا اپنے گزشتہ رویے پر شرمندہ سی ہو گئی۔ منیب مطمئن ہو کر نیچے آ گیا۔

☆......☆......☆

"اگر انکار کا بیڑا تم نے ہی اٹھا لیا ہے تو شنذرا سے بات کیا کرنی۔ کھٹ سے انکار کر دو۔" گیئر بدلتے ہوئے اسد نے جواب بہت اطمینان سے دیا تھا۔

"اگر لڑکی کوئی اور ہوتی تو یوں کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا مگر یہ معاملہ ہے شنذرا کا اور میں اس کی بہت عزت کرتا ہوں۔ اپنی طرف سے اسے بدگمان نہیں کرنا چاہتا۔ اگر بغیر بتائے انکار کیا تو ہو سکتا ہے وہ احساس کمتری کا شکار ہو جائے۔ وجہ بتا دوں گا تو دیکھ لینا' وہ بالکل بھی خفا نہیں ہو گی۔"

"اچھا تمہاری مرضی ہے یار! میں تو بحیثیت ڈاکٹر مشورہ دیتا ہوں کہ بار بار مضر چیزوں کے قریب نہ جاؤ۔"

اسد نے مسکرا کر شرارت سے کہا تو وہ اس کو دیکھنے لگا۔

"تو ڈاکٹر صاحب! اپنی خیر منائیے۔ شادی کا ارادہ رکھتے ہیں اس خطرناک چیز سے۔"

"دیکھو یار! نصیب کی بات ہے۔ اسے تو مجھ سے اتنی نفرت ہے کہ شاید ہی میرے جذبوں کی

تپش اسے پگھلا سکے۔"

اسد نے گہرا سانس لیا اور گاڑی پورچ میں کھڑی کر دی۔

"آؤ ناں اوپر تو چلو۔ تم پھوپھو کے پاس بیٹھنا میں شذرا سے بات کر لوں گا۔"

"نہیں یار! مُنیب میں نہیں دیکھ سکتا۔" اسد مسکرایا۔

"کیا!" مُنیب حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"تمہاری پٹائی۔" وہ ہنسا' مُنیب جھینپ گیا۔

"میری تو خیر وقتی پٹائی ہوگی۔ اپنی خیر مناؤ۔ عمر بھر پٹنا ہے۔"

"میں تو خیر سو جان سے تیار ہوں مگر...... خیر تم جاؤ۔ میں نیچے تمہارے حصوں کا انتظار کرتا ہوں۔ جاؤ خدا ہی حافظ تمہارا۔"

مُنیب اسے گھورتا ہوا اوپر آ گیا نسیمہ بیگم اور زیب گھر پر نہیں تھیں۔ صدف اور شذرا ہی تھیں۔

"شکر ہے۔" ان دونوں کو دیکھ کر مُنیب نے بے ساختہ کہا۔

"ارے مُنیب بھائی نہ سلام نہ دعا۔ شکر کس بات کا کر رہے ہیں۔" "بھئی اس بات کا کہ تم دونوں گھر پر نہیں ہو۔" مُنیب اصل میں کنفیوژ ہو رہا تھا۔ اس کے اس بے محل جملے پر صدف تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ شذرا بھی مسکرا دی۔

"یہ آپ کو ہوا کیا ہے۔ ہم دونوں تو آپ کے سامنے ہیں امی اور باجی گھر پر نہیں۔"

"ہاں۔ ہاں اسی بات کا تو شکر ہے کیونکہ مجھے شذرا سے ضروری بات کرنی ہے۔ تم ذرا پانی تو لانا۔"

"صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ ٹلو یہاں سے۔ پانی کا بہانا کیوں بنا رہے ہیں۔"

صدف شوخی سے مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں مُنیب اور شذرا تھے۔ شذرا کے چہرے پر تناؤ اور کھچاؤ تھا۔ مُنیب نے ڈرتے ڈرتے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے مُنیب! کیا کہنا چاہتے ہو۔" شذرا کے کہنے پر اسے حوصلہ ہوا۔

"شذرا! میں یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ میرے اور تمہارے سلسلے میں جو بزرگوں نے فیصلہ کیا ہے کیا تم خوش ہو اس سے۔ تمہارا اپنا ذاتی کیا خیال ہے۔" اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"قیدیوں کو فیصلے سنائے جاتے ہیں ان کی رائے نہیں پوچھی جاتی اور نہ اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ آیا وہ ان فیصلوں سے خوش ہیں یا ناخوش۔ ہم بھی تو قیدی ہیں...... سب کے خاص کر ماموں جان کے احسانات کے قیدی۔ عنایتوں کا قرض بھی تو چکانا ہوتا ہے۔"

شذرا قطعی طور پر اس فیصلے سے خوش نہیں تھی مگر تابعداری اور احسان مندی میں چپ سادھ رکھی تھی۔ مُنیب کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ کچھ خوش نہیں ہے۔ اسی خیال نے اس کی ہمت بندھائی۔

"میرا خیال ہے شذرا! شادی عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح تم مت کرو۔ میں جانتا ہوں کہ یہاں تم لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔ لیکن احسان مندی میں ان کے ایسے فیصلے نہ مانو...... جن پر تمہارا دل تیار نہ ہو۔"

مُنیب اپنی بات کہنے کے لیے راہ ہموار کر رہا تھا۔ شذرا بھی سمجھ گئی اس لیے کہنے لگی۔

"تمہاری ان باتوں سے تو اندازہ ہو رہا ہے کہ تم اس فیصلے سے خوش نہیں ہو۔"

"ہاں شذرا! یہی بات ہے۔" اس نے سادگی سے اعتراف کر لیا۔

"سمجھ گئی تمہارے دوست اسد نے منع کیا ہوگا کہ۔"

شذرا نے...... معنی خیز نظروں سے مُنیب کو دیکھا۔

"نہیں۔ نہیں شذرا یہ بات نہیں۔ اب اگر بات کھل گئی ہے تو میں تمہیں اپنی دوست سمجھ کر ساری بات بتا دیتا ہوں۔"

اور پھر مُنیب نے ندا اور اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تو شذرا کو جیسے شاک سا لگا۔ کیونکہ ندا اس کی بہت اچھی اور مخلص دوست تھی۔ مارے ندامت کے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"اف میرے خدایا۔ مُنیب! یہ تم نے کیا کیا۔ مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا۔ اف میرے خدایا وہ میری دوست میرے دکھ سکھ کی ساتھی اور میں انجانے میں اس کے حق پر ڈاکا ڈالنے چلی تھی۔ کیا سوچتی ہوگی وہ میرے بارے میں۔ مُنیب تم نے یہ سب مجھ سے چھپا کر بہت برا کیا ہے۔ بہت برا کیا ہے۔" وہ رو پڑی۔

"شذرا پلیز' تم اثر نہ لو۔ اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ تم تو ہر بات سے انجان تھیں۔ ندا تمہارے بارے میں کچھ نہیں سوچ رہی۔ وہ جانتی ہے کہ یہ فیصلہ بزرگوں کا ہے۔ ہمارا نہیں۔"

"کچھ بھی ہو جو دکھ میں نے انجانے میں ندا کو دیا ہے۔ اس کا ازالہ ضرور کروں گی۔ میں ماموں جان سے بات کروں گی۔ وہ میری بات نہیں ٹالتے۔"

یہ فیصلہ کر کے وہ کچھ مطمئن ہو گئی۔ ورنہ کچھ دیر قبل تو دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس قدر ندامت ہو رہی تھی۔

"پلیز شذرا! تم کچھ مت کرو۔ تم اپنا دامن صاف رکھو۔ میں خود انکار کر دوں گا۔ زیادہ سے زیادہ گستاخی کا الزام ہی تو لگے گا ناں۔ تین زندگیاں تو برباد نہیں ہوں گی ناں۔"

"میں یہ بھی نہیں چاہتی مُنیب کہ تم پر گستاخی کا الزام لگے۔"

"پھر...... پھر کیا کرنا چاہیے۔" مُنیب نے شذرا کو دیکھا۔

"تم انکار کر دینا۔ میں تائید کر دوں گی۔ ٹھیک ہے ناں۔ ایک دوسرے کی آڑ لے کر ہم اپنا اپنا مؤقف بھی ماموں جان پر واضح کر دیں گے اور ان کو معلوم بھی ہو جائے گا کہ تمہاری کیا خواہش ہے اور میں تمہاری سفارش بھی کر دوں گی۔ ٹھیک ہے ناں۔"

شذرا کسی مخلص دوست کی طرح اسے سمجھا رہی تھی۔ مخلصانہ مشورے دے کر اپنے ساتھ کی یقین دہانی کرا رہی تھی۔

"لوگ تمہیں کتنا غلط سمجھتے ہیں شذرا۔ تم تو بہت اچھی دوست ہو۔"

"ہم کسی کی سوچ پر اختیار نہیں رکھتے مُنیب! جس کا جو جی چاہے سوچے' انسان کو اپنا آپ درست رکھنا چاہیے۔ اپنے اندر کی خامیاں دور کرنی چاہئیں۔ خیر تمہاری سزا اب یہ ہے کہ مجھے ندا کے پاس لے کر چلو تاکہ میں خود اس سے معذرت کروں' چلو اٹھو بائیک پر آئے ہو ناں؟"

وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ گھبرا گیا کہ نیچے تو اسد ہے۔

''معذرت کیسی شندرا! اس میں تمہارا کیا قصور ہے۔ یوں بھی میں بائیک پر نہیں آیا۔''

''کیوں اڑتے ہوئے آئے ہو۔'' شندرا بہت مطمئن تھی۔

''آں۔ ہاں دراصل میرا دوست ہے۔ اس کی گاڑی میں آیا ہوں۔''

''اچھا چلو لیکن بعد میں آنا تو مجھے ندا کے پاس لے کر جانا۔''

شندرا بھی سمجھ گئی تھی اس کا کون سا دوست ہے۔

''او کے باس۔'' منیب بھی خوش اور مطمئن ہو کر پلٹا۔ تھوڑا سا آگے گیا پھر پلٹ کر آیا۔

''شندرا! بہت بہت شکریہ۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔''

''شکرانہ تو میں اپنے خدا کا ادا کر رہی ہوں جس نے مجھے ندا کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا۔''

''خوش رہو خدا حافظ۔'' منیب نے...... اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی اور باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

''کہو خیریت گزری ناں۔'' اسد گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اسے دیکھ کر سیدھا ہو گیا۔

''یار اسد! تم بہت لکی ہو۔'' منیب اس سے لپٹ گیا تو اسد حیران ہو گیا۔

''خیر تو ہے ناں۔ یہ میری خوش بختی سے تمہاری کہاں ملاقات ہو گئی۔''

''تم شندرا کو چاہتے ہو ناں؟''

''تو یہ اس کی خوش بختی ہوئی کہ ڈاکٹر اسد اسے چاہتے ہیں مگر ان کے نصیب میں تو اس کی نفرت ہی ہے۔'' اسد یکدم...... سنجیدہ ہو گیا۔

''تم تو سنجیدہ ہو گئے یہ نہیں پوچھو گے کہ کیا بات ہوئی؟''

''او تو میرا دماغ خراب تھا کہ اتنی ٹھنڈ میں تمہارا انتظار کرتا۔ میں رزلٹ کے لیے ہی کھڑا تھا۔ بتاؤ کیا رہا۔''

''اسی لیے تو کہہ رہا ہوں۔ تم بہت لکی ہو کہ شندرا جیسی لڑکی کے لیے تمہارے دل میں نرم گوشہ ہے۔ وہ اتنی اچھی ہے اسد کہ جب اسے میں نے ساری بات بتائی تو رو پڑی۔''

پھر منیب نے ساری بات تفصیل سے اسے سنا ڈالی تو اسد کے دل میں اترتا اطمینان اور خوشی شاید منیب بھی محسوس نہ کر سکا۔

''مبارک ہو منیب! خدا کرے اب بڑی امی ندا کے لیے مان جائیں کیونکہ ان لوگوں سے تو وہ بے حد خائف ہیں۔ ان کی زبان سے یہ میں نے اکثر سنا ہے کہ انہوں نے میری فائزہ کو ٹھکرایا ہے۔''

''یار! مجھے بھی یہ ہی فکر کھائے جا رہی ہے لیکن بھروسا ہے تو یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔'' منیب نے پر یقین لہجے میں کہا۔

''یار! یہ تیمور بھائی لگ رہے ہیں ناں۔''

''لگ کیا رہے ہیں ہیں ہی وہی۔'' دونوں گاڑی سے اتر کر...... اس کے قریب چلے گئے۔

''اسلام علیکم تیمور بھائی! اس وقت خیریت تو ہے۔''

دونوں نے باری باری تیمور سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا۔ جیسے آج ان لوگوں کو دیکھ کر عجیب سے جذبات سے لبریز تھا تیمور کا دل چاہتا تھا وہ ان کو ساتھ لگائے مگر [illegible]

یاد کر کے اس نے خود پر قابو رکھا۔

''ہاں یار بس قسیم صاحب سے ضروری کام تھا اس لیے۔''

اب وہ کیا بتاتا کہ وہ چپکے سے ایک بار پھر ممتا کے بند دروازے پر دستک دینے آ گیا ہے۔

''اچھا اور علی بھائی اور شانی کیسے ہیں؟''

''بالکل ٹھیک ہیں اور تم لوگ آئے کیوں نہیں۔ ہم لوگ انتظار ہی کرتے رہے۔''

''بس تیمور بھائی! ہم ضرور آتے بس کچھ پرابلم ہو گیا تھا اس لیے۔''

''پرابلم کس کے ساتھ تم لوگوں کے ساتھ یا۔'' تیمور ایک دم بے چین ہو گیا۔

''کچھ نہیں تیمور بھائی! ذرا ہماری خاندانی پرابلم تھی۔''

''خاندانی۔'' ایک ٹیس تیمور کے دل میں اٹھی کہ وہ ان میں سے ایک ہو کر الگ ہے۔ اتنا کہ اس کے خاندان کی باتیں اس سے چھپائی جا رہی ہیں۔

''اچھا یار! پھر ملاقات ہو گی۔ گھر آنا تم لوگ۔''

تیمور نے دونوں سے ہاتھ ملایا اور بوجھل قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ دونوں جا چکے تھے۔ دل و دماغ پر منوں بوجھ تھا۔ قدم من من بھر کے ہو رہے تھے۔ آس اور نراش کی ڈولتی ناؤ لیے وہ قسیم صاحب کے گھر کے سامنے کتنی ہی دیر کھڑا اس معجزے کا منتظر رہا کہ شاید دروازہ کھلے اور کوئی اپنا چہرہ نظر آئے بار بار قدم آگے بڑھائے کہ ایک مرتبہ پھر دستک تو دے مگر مسترد ہو جانے کے خوف سے اس کے قدم زمین میں جیسے گڑ گئے۔ لوگ آ جا رہے تھے اور وہ ساکن کھڑا تھا۔ دیکھ رہا تھا اس وقت اس کی حالت ایسے انسان کی سی ہو رہی تھی کہ جو صدیوں کا پیاسا ہو۔ پانی ہاتھ میں ہو اور پینے پر پابندی ہو۔ پھر اچانک دروازہ کھلا اور وہ سیدھا ہو گیا۔ دل دھڑکنے لگا۔ باہر نکلنے والا فرخ تھا جو کسی کام سے جا رہا تھا۔

''یہ...... یہ یقیناً میرا فرخ ہے۔ کتنا لمبا ہو گیا ہے۔ اس وقت تو امی کی گود میں تھا۔''

لمبے سے فرخ کو دیکھ کر شدت سے دل چاہا۔ اس سے لپٹ جائے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن فرخ کی نظر اس پر پڑ چکی تھی اور وہ اسد کے دوست کی حیثیت سے اس کو جانتا بھی تھا۔

''ارے آپ تیمور بھائی ہیں ناں۔'' وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''نہیں میں کہاں ہوں تیمور میں تو۔'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کتنی ہی دیر اسے دیکھتا رہا۔

''ہاں تیمور ہی ہوں۔ اس وقت کہاں جا رہے ہو۔''

''وہ ذرا امی کی طبیعت خراب ہے۔''

''امی کی طبیعت خراب ہے؟ کیا ہوا ہے ان کو؟ تم لوگ ان کا خیال نہیں رکھتے ناں۔''

وہ ایک دم تڑپ اٹھا اور یہ جملہ کہہ کر کچھ شرمندہ سا ہو کر چپ ہو گیا کہ فرخ اصل حقیقت سے واقف نہیں ہے۔ کیا خبر اسے یہ انداز برا لگا ہو۔

''سوری یار! میں ذرا جذباتی ہو گیا تھا۔ اصل میں وہ۔''

''کوئی بات نہیں تیمور بھائی! آپ نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جو مائنڈ کرنے والی ہو۔ اچھا میں چلتا ہوں۔''

فرخ ہاتھ ملاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ تیمور بھی بوجھل قدموں سے سیڑھیاں اتر گیا۔

☆......☆......☆

"جب تک وہ لوگ نہیں ملے تھے اور بات تھی مگر علی اب مل گئے تو ایک پل دور نہیں رہا جا رہا۔ تمہیں پتا ہے امی بیمار ہیں۔" وہ علی کو سب کچھ بتاتے ہوئے بہت دکھی ہو رہا تھا۔

"تو آفرین ہے آپ پر کہ جوان بیٹا شہر میں گھر کے قریب ہے اور بیمار ماں کو دیکھنے جا سکتا ہے اور نہ ان کی تیمارداری کر سکتا ہے۔ تیمور! بدقسمتی سے تم اپنی جنت سے دور رہے ہو مگر اب تو قریب ہو مگر تم ہو کہ تمہیں اپنی انا بہت عزیز ہے۔"

"انا کیسی یار علی! صرف خوف ہے۔ شہزا زیب وغیرہ نے اگر۔"

بس اسے یہ ہی خوف تھا کہ اگر بہنوں نے پھر قبول نہ کیا تو کیا کرے گا۔ وہ اپنی نظروں میں گرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ اسی لیے ضبط کیے بیٹھا تھا۔

"تم اپنی غلطی مان کیوں نہیں لیتے کہ ان سب کو اتنے برے حالات میں چھوڑ کر فرار ہو جانا سراسر تمہاری خود غرضی تھی۔ تمہیں ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے تھا نا کہ فرار ہو جاتے۔"

"علی...... علی! تم سمجھتے کیوں نہیں۔ اس وقت میری عمر فقط نو برس تھی اور جن حالات میں۔ میں نے فرار کا راستہ اختیار کیا۔ وہ بھی تمہیں بتا چکا ہوں۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ میں مجرم ہی بن جاؤں گا بہنوں کی نظر میں۔"

"بھائی! یہ بتائیں کہ جب آپ نے اسد بھائی، زیب بھائی کو دیکھا۔ فرخ کو دیکھا۔ تب بھی آپ ان کو نہیں پہچان سکے۔"

"شانی! میں نے گھر چھوڑا تھا تو اس وقت یہ لوگ بہت چھوٹے تھے۔ فرخ تو صرف ایک سال کا بھی نہیں ہوا تھا ہاں ان کے ناموں سے میں ضرور چونک جاتا تھا اور شاید ناموں کی کشش تھی کہ میں ان کے قریب ہوتا گیا۔ بجلی تو اس روز بھی مجھ پر گری جب میں اسد کے گھر گیا۔ وہ نہا رہا تھا تو اس کے والد آ گئے۔ تو جہاں مشتاق ماموں کو دیکھ کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہاں اس بات کی شدید حیرت بھی ہوئی کہ اسد جیسا اچھا مخلص بیٹا مشتاق ماموں جیسے کرخت ظالم و جابر انسان کا کیسے ہو سکتا ہے۔"

"ہوتا ہے یار سب کچھ ہوتا ہے اس دنیا میں۔ خیر اب کیا سوچا ہے تم نے۔"

"یار! سوچنا کیا ہے۔ امی کے لیے میرا دل بہت پریشان ہے۔ وہ کمزور بھی تو بہت ہو گئی ہیں۔ پتا ہے میں نے پہلی بار ان کو حسن کی شادی میں دیکھا تھا۔ میں ان کو دیکھ کر چونکا ضرور تھا مگر یقین نہیں تھا کہ یہ عورت جو اس قدر نحیف و نزار سی ہے۔ میری اپنی ماں ہے کیونکہ میری امی بہت صحت مند اور سرخ و سفید رنگت کی مالک تھیں اور۔ نجانے کیوں وہ اتنی کمزور ہو گئی ہیں۔ کیا بیماری ہے ان کو۔" وہ مستقل امی کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

"پپا...... پپا۔" تجل نے کئی آوازیں دی تھیں مگر وہ خلاؤں میں جانے کیا تلاش کر رہے تھے۔ اب کی بار تجل نے شانہ دبا کر ہلایا تو وہ چونک اٹھے۔

"ہوں۔ بیٹا کیا بات ہے۔"

"پپا۔ خدا کے لیے آپ تو ٹھیک رہیے۔ مما تو ہوش و خرد سے بے نیاز ہو چکی ہیں۔ آپ تو ہماری طرف دیکھیے۔ پپا ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔"

تجل ان کی گود میں سر رکھ کر رو پڑی۔ آج کل اس کی طبیعت بہت بوجھل ہو رہی تھی۔ مما تو نہ زندوں میں تھیں۔ نہ مردوں میں۔ گھر کے ماحول میں ہر وقت موت کا سا سناٹا رہتا۔ تجل جیسی نازک اور حساس لڑکی یہ سب برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"مجھ جیسے باپ کی بھلا تمہیں کیا ضرورت ہے بیٹا! میں تو ہارا ہوا ناکام انسان ہوں۔ ایک ایسا ناکام باپ جس نے دونوں ہاتھوں سے اپنی اولاد کے لیے دنیا کی ہر آسائش خریدی۔ جمع کی۔ لیکن کتنا بے خبر تھا۔ یہ جانتا ہی نہیں تھا کہ یہ دولت جو میں نے جمع کر رکھی ہے بھلا میں اس سے اپنی اولاد کے لیے خوشیاں بھی خرید سکوں گا کہ نہیں۔ لیکن شاید مجھے کسی کی خوشیوں سے غرض ہی نہیں تھی۔ یا شاید بہت پروا تھی۔ ہاں پروا تو بہت تھی بالکل اس پرندے کی طرح جو سارا دن اپنے ننھے منے بچوں کے لیے دانا تلاش کرتا ہے مگر واپسی پر راستہ بھول جاتا ہے اور جب اسے راستہ ملتا ہے ناں۔ تو سب کچھ ختم ہو چکا ہوتا ہے۔"

پپا بولے جا رہے تھے ان کی آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔

"پپا پلیز۔ آپ تو نارمل رہیے۔ آپ تو ہمارے پاس رہیے ورنہ ہمارے پاس کیا رہے گا۔ پپا...... پلیز۔" تجل نے اپنے آنچل سے ان کا چہرہ صاف کیا۔

"میرے سارے بچوں میں کوئی بھی تو آباد نہیں۔ میری فاطمہ کی ڈولی کے بجائے جنازہ میرے گھر سے اٹھا۔ میرا راحیل برباد ہو گیا۔ میں نے اس کے ساتھ بھی تو زیادتی کی تھی۔ میں...... میں ہی تو سب کا مجرم ہوں۔ میں ہی تو گناہ گار ہوں۔ ہاں آؤ پکڑو مجھے۔ سزا دو مجھے سخت سے سخت سزا۔ لوگو آؤ۔"

پپا پر جنونی کیفیت طاری ہو گئی۔

"پپا...... پپا پلیز ایسا نہ کریں۔ آمنہ، راحیل بھائی۔ پپا۔ پپا۔"

☆......☆......☆

"فاروق صاحب ہائی بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ آپ لوگوں کو احتیاط کرنی چاہیے ان کے سامنے جذباتی باتیں نہیں ہونی چاہئیں مگر آپ لوگ ہیں کہ سمجھتے ہی نہیں۔ موت زندگی کی اٹل حقیقت ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں پھر۔ اینی وے میں نے ابھی ہدایات دے دی ہیں۔ آرام کرنے دیں اور ماحول کو خوشگوار بنانے کی کوشش کریں۔ آپ سب لوگ بڑے اور سمجھدار ہیں۔"

ڈاکٹر ظفر نے پپا کا چیک اپ کرتے ہوئے ان لوگوں کو ڈھیر ساری باتیں سنا ڈالیں۔ جو پریشان اور گھبرائے ہوئے کھڑے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! ہم لوگوں نے کبھی پپا کے سامنے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ ان کو زیادہ سے زیادہ کمپنی دیتے ہیں۔ مگر اب یہ خود ہی تنہائی پسند ہو گئے ہیں۔ ان کے پاس آئیں تو کہتے ہیں۔ مجھے تنہا چھوڑ دو اور تنہا چھوڑو تو یہ حال کر لیتے ہیں۔"

عدیل نے پپا پر کمبل درست کرتے ہوئے دکھ سے پپا کو دیکھا جن کے چہرے سے ابھی بھی غم جھلک رہا تھا۔

"ٹھیک ہے ہوتا ہے ایسا۔ مگر آپ گھر کے ماحول کو خوشگوار بنائیں۔ آپس میں ہنسیں بولیں۔ ماشاء اللہ صاحب حیثیت لوگ ہیں۔ فنکشن وغیرہ کریں۔ کہیں گھومنے پھرنے جائیں۔ یہ دونوں اب عمر کے اس حصے میں ہیں جہاں چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی ان کے لیے ٹانک کا کام دے سکتی ہیں۔ او کے میں چلتا ہوں۔ ٹیک کیئر۔ اللہ حافظ۔"

ڈاکٹر صاحب چلے گئے۔ وہ سارے بہن بھائی آہستگی سے باہر آ گئے اور اب سٹنگ روم میں جمع تھے۔

"بے بی! پپا باتیں کیا کر رہے تھے۔ تم تو ان کے پاس تھیں۔"

نبیل سمیت سب نجل کو دیکھنے لگے۔

"وہی باتیں۔ باجی کو یاد کرتے رہے پھر راحیل بھائی کا ذکر کیا۔ پھر خود کو کوسنے دینے لگے کہ میری اولاد میری وجہ سے برباد ہوئی ہے۔ بس پھر اسی طرح بولتے بولتے بے ہوش ہو گئے۔"

نجل نے تفصیل بتائی۔ عدیل کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔

"انسان کی نیچر بھی کتنی عجیب ہوتی ہے کہ بغیر کھوئے بغیر ٹھوکر کھائے کبھی سنبھل نہیں پاتا۔ ہم لوگوں نے کتنی ایب نارمل زندگی گزاری ہے۔ عام لوگوں سے کتنی مختلف۔ نہ وقت پر کسی کی شادی ہوئی اور

نہ۔ اس گھر میں معصوم قہقہے گونجے۔ کچھ بھی تو نارمل نہیں ہوا تھا اس گھر میں۔"

"عدیل بھائی پلیز اب تو ایسی باتیں نہ کریں۔ بہت کچھ ہو گیا ہے مگر انسان کو کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ دکھ کے بعد سکھ ضرور آتا ہے۔ انشاء اللہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" مہوش نے تسلی دی۔

"ہماری خوشیاں تو ماضی کی راکھ میں دفن ہو چکی ہیں مہوش۔" آمنہ کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ایسا نہیں کہتے آمنہ! اللہ کی ذات سے مایوس نہیں ہوتے۔ خوشیاں تو تلاش کرنی پڑتی ہیں اور ہم سب سچے دل سے تلاش کریں گے تو ضرور ملیں گی۔"

مہوش بڑی زندہ دلی سے بول رہی تھی۔ اس کے خوبصورت چہرے پر محبتوں کا خوشیوں کا عکس جھلک رہا تھا۔ کتنی مختلف تھی مہوش۔ شہرین سے کتنی الگ باتیں تھیں اس کی۔ بے لوث محبتوں سے گندھی یہ لڑکی اس وقت جہاں راحیل کو اچھی لگی وہاں ایک احساس دکھ دے گیا کہ...... اس نے کتنے خلوص سے شہرین کو چاہا تھا اور وہ کتنی مادی خواہشوں کی غلام تھی۔

"نبیل ایسا کرتے ہیں ہم کوئی ہلا گلا کرتے ہیں۔ ڈھیر سارے لوگوں کو بلائیں گے۔" مہوش نے سوچ کر کہا۔

"ہلے گلے کے لیے کوئی سبب بھی تو ہونا چاہیے۔ اور لوگوں کو انوائٹ کریں گے تو وہ وجہ نہیں...... پوچھیں گے۔"

"ہاں مہوش! یہ بات تو ہے۔" سب ہی نبیل سے متفق ہوئے تو۔ مہوش بھی سوچ میں پڑ گئی۔

"ہوں! یہ بات تو ہے تو۔" وہ سوچتے ہوئے ہنسنے لگی۔

"ہاں ہم بے بی کی برتھ ڈے مناتے ہیں۔" وہ خوش ہو کر چیخی۔

"مگر میری برتھ ڈے ابھی آئی ہی نہیں۔"

"اونہوں۔ بھئی چلو ایسا کرتے ہیں تمہارے پاس ہونے کی خوشی میں۔"

"ابھی میرا رزلٹ نہیں آیا۔" نجل نے یہ بہانہ بھی رد کر دیا۔

"کیا مشکل ہے بھئی تم لوگ بھی تو تلاش کرو ناں۔ کوئی بہانہ گیٹ ٹو گیدر کا۔"

مہوش نے جھنجلا کر سب کو دیکھا۔ اور پھر سب مختلف باتیں کرتے اور سوچتے رہے۔ کچھ دیر تو راحیل دیکھتا رہا پھر خاموشی سے اٹھ کر باہر کی طرف جانے لگا تو مہوش نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"ایسے نہیں راحیل! خوشیوں کی تلاش میں ہم سب کو ایک ساتھ نکلنا ہے۔ بہت رو لیے الگ الگ سب...... الگ الگ ہوں تو خوشیاں اور غم بھی الگ الگ ہوتے ہیں اور نہ ایسی خوشیوں کی اہمیت ہوتی ہے اور نہ غموں کی۔ چلیے آج آپ ہم سب کو باہر ڈنر کروایئے۔ کیوں بچو۔"

مہوش نے شوخ نگاہوں سے ان سب کی طرف دیکھا تو سب نے ہاتھ اٹھا کر اس کی تائید کی۔ راحیل مسکرا دیا۔ گویا ہتھیار ڈال دیے۔

☆......☆......☆

آج ایک عرصے بعد وہ سب گھر سے ایک ساتھ نکلے تھے۔ دلوں میں دبی نئی امنگوں کی لپک سی سب محسوس کر رہے تھے۔ مہوش اور نجل کو کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ سب نے خوب شاپنگ کی۔ بلاوجہ ہی

شاپنگ سنٹرز میں گھومتے رہے۔ مہوش بڑی زندہ دلی کے ساتھ خود بھی انجوائے کر رہی تھی اور ان لوگوں کو بھی کروا رہی تھی۔ اور نبیل دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ اس نے مہوش جیسی لڑکی کو اس کی شریک حیات بنایا تھا۔ جس نے ان حالات میں سب کا کتنا خیال رکھا تھا۔

"راحیل بھیا! کیا خیال ہے آپ کا۔ بھوکا ماریں گے کیا۔ سچ بھوک سے پیٹ میں چوہوں کا ہاکی میچ شروع ہو چکا ہے۔"

"بھئی شاپنگ تو تم لوگوں کی ختم نہیں ہو رہی ہر چیز خرید رہی ہو تو اس میں راحیل بھائی کا کیا قصور؟"

نبیل نے راحیل کی طرفداری کی۔ راحیل مسکرا دیا۔

"آخر بھائی ہی کو بھائی کا خیال آیا ناں۔ چلو اب۔ اب اگر مزید کچھ خریدا تو ڈنر کینسل۔"

راحیل کی دھمکی پر نبیل اور مہوش کے قدم جو سامنے گفٹ شاپ کی طرف اٹھ رہے تھے وہیں رک گئے۔

پی سی کے فیملی پورشن میں...... گھنٹوں کی شاپنگ اور تفریح کے بعد خواب کے سے ماحول میں بیٹھنا بڑا اچھا اور...... سکون آور لگ رہا تھا۔ دھیمی دھیمی سی موسیقی بہت بھلی لگ رہی تھی۔ وہ تینوں بھائی جانے کس موضوع پر بات کر رہے تھے۔ یہ تینوں اپنی شاپنگ پر ڈسکس کر رہی تھیں۔

"مہوش! میں اپنے لیے سینڈل لینا چاہ رہی تھی مگر ان لڑکوں نے۔ شہاب۔"

جیسے ہی آمنہ نے سامنے سے آتی لڑکی کے پاؤں کی طرف دیکھتے ہوئے مڑ کر مہوش کو بتانا چاہا تو نظریں سامنے نبیل پر بیٹھے شخص پر ٹھہر گئیں۔

☆......☆......☆

"بھائی! اس طرح تو بات غلط ہے کہ آپ یہاں ان کے لیے بے چین اور بے قرار ہیں وہاں امی جان تڑپ رہی ہیں۔ ایک بار ہمت کر کے جائیے تو۔ بہنوں کے دل تو موم ہوتے ہیں اگر وہ آپ سے خفا ہیں بھی تو دیکھیے گا۔ آپ کو دیکھتے ہی ان کا غصہ ختم ہو جائے گا۔ آپ کے لیے جو احساسات میرے ہیں وہی ان کے بھی ہوں گے۔"

تیمور نجانے کیوں نفسیاتی طور پر خوفزدہ سا ہو گیا تھا۔ شذرا کے الفاظ نے گویا دیوار کھڑی کر دی تھی۔

"لڑکی! یہ تمہارے بھائی صاحب ہیں ناں۔ ان کو زعم ہے اپنی برداشت پر۔ اپنے ضبط پر اور دوسرا شوق ہے ان کو منفرد ہونے کا...... کبھی کبھی منفرد رہنے کا شوق تنہا کر دیا کرتا ہے۔ اور پھر بہنوں سے کیا مقابلہ یار۔"

"مقابلہ کیسا یار بس ذرا خوف سا ہے۔"

"کوئی خوف ووف نہیں۔ میں جاؤں گا۔ امی سے بات کروں گا۔ بہنوں سے بات کروں گا۔ دیکھنا وہ لوگ یہاں نہ آ جائیں تو کہنا اور سنو۔"

قبل اس کے کہ وہ مزید کچھ بولتا فون کی بیل ہوئی۔ دوسری طرف کوئی خاتون تھیں۔ آواز کچھ صاف نہیں آ رہی تھی۔

"ہیلو!" علی اونچی آواز میں بولا۔

"ہاں ہیلو! علی بول رہے ہو ناں۔" خاتون بھی چیخ کر بولیں۔

"جی ہاں خاتون! علی ہی ہوں۔ آپ کون؟" وہ بھی چیخا۔ شانی اور تیمور اسے دیکھ رہے تھے۔

"کون کے بچے یہ کیا خاتون...... خاتون لگا رکھا ہے۔ میں تمہاری آپا بول رہی ہوں۔"

"جی...... جی کیا کہا خاتون...... آ...... آپا۔"

علی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تیمور اور شانی بھی ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"ہاں علی...... سنو۔"

"جی کون علی...... یہاں تو کو...... کوئی نہیں ہوتا علی۔ میں تو عالیہ بات کر رہا ہوں۔" پھر یک لخت ہی آواز باریک ہو گئی۔ شانی کی ہنسی نکل گئی۔ علی گھورنے لگا۔

"علی! اچھی حرکتوں سے باز آ جاؤ اور میری بات سنو۔" آپا نے ڈانٹا۔

"خاتون آپا...... آپ خوامخواہ فری ہونے کی کوشش نہ کریں۔ میں عالیہ کا دوست تیمور بات کر رہا ہوں۔"

علی نے مہمل بات کرتے ہوئے ریسیور تیمور کو تھما دیا۔

"ہیلو آپا! آداب۔ کیسی ہیں آپ؟"

"جیتے رہو تیمور! تم لوگ کیسے ہو۔ اتنے دن گزر جاتے ہیں مگر اپنی خیریت کی خبر نہیں دیتے اور یہ علی کہاں گیا ہے؟"

"وہ بھی دم دبا رہا ہے۔ میرا مطلب ہے آپا قریب ہی ہے۔"

تیمور نے مسکرا کر علی کو دیکھا جو ٹیڑھے میڑھے منہ بنا کر اسے اپنی باتیں سمجھا رہا تھا۔ شانی سے ہنسی روکنا دشوار ہو رہی تھی۔

"انتہائی لاپروا ہو گیا ہے یہ۔ حد ہو گئی۔ کوئی خیر خبر نہیں تم لوگوں کی۔"

آپا اس کے غیر سنجیدہ رویے پر خفا ہو رہی تھیں۔

"آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ہم لوگ بالکل خیریت سے ہیں۔ وہ فائنل ایگزام ہو رہے تھے ناں تو اس لیے۔"

"اچھا ذرا اس کے کان کھینچو۔ ریسیور پکڑاؤ اسے حد ہو گئی۔"

تیمور نے ریسیور اس کی طرف بڑھایا۔ اس نے منت بھرے انداز میں کہا۔ "تم ہی سن لو۔"

"آپا! وہ کہہ رہا ہے کہ وہ کمرے سے چلا گیا ہے۔"

"تیمور! تم بھی پٹ جاؤ گے میرے ہاتھوں۔ فون دو اسے۔"

"جی اچھا۔" تیمور آپا سے ڈر گیا اور ریسیور علی کے کان سے لگا دیا۔

"مجھے پٹنے کا کوئی شوق نہیں اس بڑھاپے میں۔ بات کرو آپا سے۔"

"عل...... ہیلو آپا۔" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"علی۔" آپا کی کڑک دار آواز سے ریسیور چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"ج...... جی آپا! کیسی ہیں آپا۔ وہ گڑیا پڑیا۔ کیسی ہے اور نومی تو بہت ہی بدتمیز ہو گیا ہوگا۔" وہ

چاپلوسی دکھانے لگا۔
"ہاں بالکل اپنے ماما پر گیا ہے' بدتمیزی میں تو۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تمہارا بچپنا آخر کب جائے گا؟"
"نکل...... میرا مطلب ہے آپا۔ چلا ہی جائے گا۔ بے چارے بچپنے کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے۔ اور پھر آپا۔ یہ تو ایسا مہمان ہے کہ ایک بار چلا جائے تو لوٹ کر نہیں آتا۔ کیا خیال ہے آپ کا۔" وہ چرب زبانی سے آپا کا دھیان بٹا رہا تھا۔
"علی! علی بیٹا! اب سنجیدہ ہو جاؤ۔ کل کو شادی ہوگئی تو کیا کرو گے۔"
"شش۔ ش۔ شادی ہوگئی ہے آپا۔"
بے ساختہ ہی زبان سے پھسل گیا۔ شانی کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ علی کی حرکتوں میں تو وہ آپا کے فون کی اہمیت ہی کو نظر انداز کر بیٹھی تھی۔
"کیا بکواس کر رہے ہو۔" آپا کی دھاڑ سے اس کے کانوں کے پردے پھٹ گئے۔ یوں لگا آپا کا تھپڑ ریسیور توڑ کر گال پر آ لگا ہو۔
"جی کچھ نہیں آپا! وہ آپ نے ایسی بات کی کہ مجھے شرم آ گئی اور شرم میں شادی ہوگئی۔ میرا مطلب ہے آپا کیسی باتیں کرتی ہیں۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن۔"
"فضول بک بک کرتے جاؤ گے۔ امی ابو آ رہے ہیں۔"
"جی نہیں آپا! ان کا ابھی آنے کا کوئی پروگرام نہیں۔ میری اطلاع کے مطابق۔"
"آپ کی طرح آپ کی اطلاع بھی بوگس ہے۔ وہ لوگ پرسوں پہنچ رہے ہیں اور ایک ہفتے بعد ہم سب تمہارے پاس آ رہے ہیں۔"
"کیوں ہفتے بعد میرا سوئم ہے کیا۔" وہ مری ہوئی آواز میں بولا۔ شانی اس کے جوابات سے سوالات کا انداز لگا رہی تھی۔
"بکومت۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کرو۔ اگر کمزور ہوئے تو امی ابو مجھے بھی ڈانٹیں گے۔"
"اچھا ہے بہت ہی اچھا۔" اس نے جل کر کہا۔
"کیا کہہ رہے ہو۔ آواز بھی تو نہیں آ رہی۔" آپا زور سے بولیں۔
"جی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ میں صحت مند ہونے کے لیے ہاتھی کے گوشت کے کباب کھاتا ہوں اور چڑیا کے پائے تو میری روٹین ہے۔"
"اچھا ماشاء اللہ۔ خوراک کا خاص خیال رکھا کرو۔"
اس نے جو کچھ کہا تھا۔ آپا جانے کیا سمجھی تھیں فون میں گڑبڑ کی وجہ سے۔ ماشاء اللہ کہہ کر خدا حافظ کہہ گئیں۔ فون ختم ہوئے بھی کافی دیر ہو چکی تھی مگر علی ریسیور تھامے کھڑا تھا منہ کھولے۔
"ریسیور رکھ دیجیے۔ کسی کا فون آ سکتا ہے۔"
تیمور نے گم صم کھڑے علی کے ہاتھ سے ریسیور لے کر کریڈل پر رکھ دیا۔ شانی بھی خوفزدہ نظروں سے علی کو دیکھ رہی تھی۔
"اب کیا ہوگا۔" اس ایک خیال کے ساتھ بے شمار خدشات چاروں طرف پھیل گئے۔

"شانی! تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ میں جو ہوں۔ اور پھر اللہ مالک ہے۔ وہی سارے کام اچھے کرتا ہے۔ یہ بھی ہو جائے گا۔" تیمور نے اس کے چہرے پر عیاں پریشانی پڑھ لی تھی۔
اسی وقت بیل ہوئی۔ تیمور دروازہ کھولنے لگا۔ سامنے اسد اور خبیب کے ساتھ فرخ کھڑا تھا۔
تیمور اسے دیکھے گیا۔ اس کا شدت سے جی چاہا۔ فرخ کو ساتھ لگا لے مگر ضبط کر گیا۔
"آؤ۔ اسد!" وہ سامنے سے ہٹا تو تینوں اندر آ گئے۔ علی ہنوز ویسی ہی حالت میں بیٹھا تھا۔ منہ ایسے کھلا تھا جیسے ابھی ابھی نیل نکلا ہو۔
"ارے تیمور بھیا! ان کی نیل کہاں گئی؟ دیکھئے تو منہ ویسے ہی کھلا ہوا ہے۔"
اسد نے علی کے منہ میں انگوٹھا ڈالا تو وہ سیدھا ہو گیا۔
"یار! بہت برا ہونے والا ہے۔ آپا آ رہی ہیں۔"
"آپا آ رہی ہیں۔" اسد اور خبیب ایک ساتھ بولے۔
"ہاں اور ساتھ میں ان کے اماں' ابا بھی آ رہے ہیں۔"
"ہیں۔ اماں ابا بھی آ رہے ہیں۔"
"ہاں۔ آپا کہہ رہی تھیں کہ کوئی گڑبڑ کی تو دونوں کان کاٹ دوں گی۔ کچھ کرو یار! کانوں کے بغیر تمہیں پتا ہے کہ۔"
"جی ہاں کن کٹا بندر خاصا ان اسمارٹ لگتا ہے۔"
"بدادب [illegible] رکھا جائے گا لڑکے۔" علی نے خبیب کے چپت لگائی۔
وہ لوگ خوش گپیوں میں مصروف تھے اور تیمور پیار بھری نظروں سے فرخ کو دیکھ رہا تھا۔ کتنا اسمارٹ اور پیارا ہو گیا تھا۔ اس نے تو جب گھر چھوڑا تھا۔ چھوٹا سا تھا اب کیسا خوبرو جوان ہو گیا تھا۔ اس نے اسی سال انجینئرنگ یونیورسٹی میں داخلہ لیا تھا۔
"فرخ! امی کیسی ہیں!" تیمور نے اچانک یوں پوچھا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
"جی اب تو بہتر ہیں۔" اس نے مختصر سا جواب دیا اور اسد وغیرہ کی طرف متوجہ ہو گیا جبکہ تیمور کا جی چاہ رہا تھا وہ صرف امی سے باتیں کرے' امی کے بارے میں پوچھے۔
"ویسے امی کو ہے کیا۔ میرا مطلب کوئی خاص بیماری تو نہیں۔ خدانخواستہ۔"
وہ دل میں اٹھتے وسوسوں کے تحت بولا۔ تو فرخ پھر حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا' دراصل اسے تیمور کا یہ اپنائیت بھرا انداز چونکا رہا تھا۔
"جی امی کو شوگر ہے اور کہتے ہیں کہ شوگر تمام بیماریوں کی جڑ ہوتی ہے۔"
وہ ایک بار پھر مختصر جواب دے کر چپ ہو گیا تیمور پریشان ہو گیا۔
"امی کو شوگر ہوگئی ہے۔ اسی لیے تو اس قدر کمزور ہوگئی ہیں پہچانی ہی نہیں جاتیں اور میں کس قدر خود غرض ہوں کہ اپنی انا کی خاطر الگ ہوا بیٹھا ہوں' محض شذرا کی ایک بات پر' مجھے گھر جانا چاہیے۔"
وہ مصمم ارادہ کر کے اٹھا تو وہ لوگ ابھی تک باتوں میں الجھے ہوئے تھے' چونک گئے۔
"اچھا اب اصل بات یہ ہے علی بھیا کہ آج آپ لوگوں کی افطاری ہماری طرف ہے۔ اور شانی کو بھی لے کر آیئے گا۔"

"تو یوں کہو ناں سٹر اینڈ مسز کی دعوت افطاری ہے۔" علی شوخ ہوا۔

شانی نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اٹھ کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔

"جی نہیں۔ مسز کے بھائی صاحب بھی انوائٹ ہیں۔" اسد نے تیمور کو دیکھا۔ جو بہت مضطرب سا لگ رہا تھا۔

"سوری یار! میں نہ آ سکوں گا۔ اس لیے کہ مجھے کہیں اور جانا ہے۔"

"کہیں اور کی وضاحت کریں گے آپ؟" علی اٹھ کر اس کے قریب آ گیا۔ اس کی آنکھوں کی شوخیوں کا مطلب تیمور اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"علی! میں نے...... فیصلہ کرلیا ہے گھر جانے کا۔"

تیمور نے آہستگی سے کہا تو علی ایک دم اس سے لپٹ گیا۔

"یہ ہوئی ناں بات۔" یہ کہتا ہوا علی اسد اور منیب کی طرف آ گیا۔

"یار اسد! ایک بات تو بتاؤ۔ تم لوگوں کا کوئی کزن لاپتا ہے؟"

"جی ہاں وہ عمیر بھیا ہیں۔ میرے بھیا ہیں۔ آپ جانتے ہیں ان کو۔ کہاں ہیں۔"

فرخ ایک دم کھڑے ہو کر بے قراری سے علی سے پوچھنے لگا۔

"اچھا اگر مل جائے تو پہچان لو گے تم لوگ؟"

علی نے ان لوگوں کو دیکھا۔ جو حیرت اور بے یقینی سے علی کو دیکھ رہے تھے۔ کہ یہ بات تو انہوں نے علی کو بتائی نہیں پھر اس کو کیسے پتا چلا۔

"عمیر بھیا جب گھر سے گئے تھے ہم لوگ بہت چھوٹے تھے۔ پہچاننے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"میں۔ میں پہچان لوں گا علی بھیا۔ میں ان کو ضرور پہچان لوں گا۔"

فرخ بے چینی سے بولا تو تیمور سامنے آ گیا۔

"تو پھر اب تک پہچانا کیوں نہیں فرخ اپنے عمیر بھیا کو؟"

تیمور نے بانہیں پھیلا دیں تو فرخ سمیت اسد منیب حیرت سے کھلے منہ لیے تیمور کو دیکھنے لگے۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" اسد بے یقینی سے بولا۔

"مطلب یہ کہ حادثات و واقعات انسان کے ساتھ ہی ہوتے ہیں یہ تیمور ہی تم لوگوں کا عمیر بھائی ہے۔" علی نے تیمور کا بازو پکڑ کر آگے کر دیا۔ تو وہ تینوں پھٹی آنکھوں سے گنگ ہو کر اسے دیکھتے رہ گئے۔

"اب تو فاصلے مٹا دو فرخ۔" تیمور کی آواز بھیگ گئی۔ مگر فرخ بے یقین نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جس کے لیے بچپن ہی سے اس نے ماں کو روتے اور خدا سے اس کے مل جانے کی دعائیں کرتے دیکھا تھا۔ وہ جو آج سے پہلے تیمور تھا۔ اچانک عمیر کیسے بن گیا۔ بے شمار سوالات ذہن میں ابھر رہے تھے ایسی ہی کیفیت اسد اور منیب کی بھی تھی۔ علی نے باری باری تینوں کو دیکھا اور فرخ کے قریب آ گیا۔

"میں نے کہا تھا ناں فرخ! یہ زندگی ہے اور اس میں رونما ہونے والے حادثات' اتفاقات اور واقعات انسانوں ہی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ پیدائشی عمیر ہے۔ تیمور تو اسے حالات نے بنایا تھا۔ اس میں اس کا قصور بھی نہیں تھا۔"

علی بتا رہا تھا اور وہ دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ناممکن اچانک ممکن کیسے ہو گیا۔

"فرخ! تم بھی مجھے شنذرا کی طرح قصوروار سمجھ رہے ہو اور قبول نہیں کر رہے۔" اب کی بار عمیر کے لہجے میں ایسا درد تھا کہ فرخ تڑپ اٹھا۔ خون میں جوش اٹھا تھا۔

"بھیا۔" کہہ کر فرخ تیمور سے لپٹ گیا پھر اسد اور منیب بھی اسکی طرف بڑھے۔

☆......☆......☆

دھڑ...... دھڑ دروازہ پیٹا جا رہا تھا۔ بیل پر بیل ہو رہی تھی۔

"خدایا خیر کیا ہو گیا ہے جو یوں دروازہ پیٹا جا رہا ہے۔"

نسیمہ بیگم کا دل ہول گیا۔ کچن میں افطاری بناتی زیب' شنذرا اور صدف بھی گھبرا گئیں۔

"میں دیکھتی ہوں۔" دھڑ کتے دل کے ساتھ شنذرا آگے بڑھی۔ دروازہ کھلا تو اس کی پہلی نظر اسد پر پڑی تو فوراً نظروں میں قہر اتر آیا۔

"کیا بدتمیزی ہے فرخ! انسانیت تو گویا چھو کر نہیں گزری۔ معلوم بھی ہے امی بیمار ہیں۔ اتنا شور کر کے ساری بلڈنگ کو سر پر اٹھا لیا۔"

شنذرا خوشی سے چمکتے چہروں کو نظرانداز کرتی اپنے انداز میں بولی اور قدرے اندھیرے میں کھڑے تیمور کو اپنی غصیلی بہن پر پیار سا آ گیا۔

"لڑکی! جو خوشخبری ہمارے پاس ہے ناں۔ سنو گی تو ہمیں سر پر اٹھا لو گی۔"

ہمیشہ کی طرح اس کی خطائیں معاف کر دینے والا اسد کل رات کی زبردست لڑائی بھول چکا تھا۔ اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگاتا ہوا اندر آ گیا اور وہ نفرت سے سر کو گویا صاف کرنے لگی۔

"پھپھو...... پھپھو!" اسد چلاتا ہوا آ رہا تھا۔

"امی...... امی جان آپ کہاں ہیں۔" فرخ اور اسد ایک ساتھ چیخ رہے تھے۔

"میں یہاں ہوں چندا! خیر تو ہے ناں۔" نسیمہ بیگم نے دل تھام لیا۔

"ارے پھپھو! خیر کی ابتدا اب ہوا ہی چاہتی ہے۔ پہلے آپ مٹھائی کھلائیں۔"

"امی! بتائیں آپ کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش کیا ہے؟" فرخ ماں سے لپٹ گیا۔

ماں بھی حیران تھی اور لڑکیاں بھی۔ جبکہ شنذرا یہ سب بیزاری سے دیکھ رہی تھی۔

"فضول آدمی ہر وقت سوار رہتا ہے۔" شنذرا تو کچن میں چلی گئی۔

"بتائیں ناں امی؟" فرخ نے ماں کو خاموش دیکھ کر پھر کہا تو وہ سسک پڑیں۔

"میرا بچہ' میرا عمیر میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہے مگر۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔ ایسا کریں پھپھو! آنکھیں بند کر کے پورے یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ اے اللہ میرا بیٹا ملا دے۔"

"اسد! یہ کیا بچپنا ہے۔ امی کی طبیعت خراب ہے اور تم۔"

ان کی اس حرکت پر زیب کو درمیان میں آنا پڑا تو فرخ نے زیب کو ہاتھ سے پکڑ کر الگ کر دیا۔

"ارے باجی! آپ دیکھئے تو کیا ہوتا ہے۔ ابھی یہ فٹافٹ ٹھیک ہو جائیں گی۔ چلئے امی بند کیجیے اپنی آنکھیں۔"

اور نسیمہ بیگم نے بھی اس خیال سے کہ افطاری کا وقت ہو رہا ہے۔ نجانے کون سا وقت قبولیت کا ہو۔ وہ آنکھیں موند کر اپنے رب کے حضور دعا گو ہو گئیں۔

"میرے خالق میرے مالک تیری پاک ذات تو...... کسی وقت اپنے بندے کو اپنے در سے خالی دامن نہیں لوٹاتا اور روزے دار کی دعا تو۔ تو قریب ہو کر سنتا ہے۔ میرے اللہ پاک میرا بچھڑا ہوا بچہ ملا دے۔ پروردگار! اب برداشت کی انتہا ختم ہو گئی ہے ملا دے۔"

ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ زیب نے ان کو گھورا مگر اسد نے خاموش رہنے کا اشارا کیا۔ نسیمہ بیگم جیسے جذب کی سی کیفیت میں تھیں۔

"امی۔ امی! میں آپ کے پاس آ جاؤں۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

عمیر کا یہ وہ مخصوص جملہ تھا جب اسے ڈر لگا کرتا تو امی کے قریب آ کر یہ ہی کہا کرتا تھا اور وہ ممتا کی باہیں پھیلا کر اسے سمیٹ لیا کرتی تھیں۔ اس جملے کی بازگشت آواز کی تبدیلی کے ساتھ ساعتوں سے ٹکرائی تو ان کے بازو پھیل گئے اور جب ممتا کی تڑپ نے اپنے جگر کو شے کے لمس کو محسوس کیا تو انہوں نے بے ساختہ آنکھیں کھول دیں۔ عمیر ان کے انتہائی قریب کھڑا تھا۔ لہو میں ابال سا آنے لگا۔ ممتا نے بار بار اس کی جوانی کے نقوش تراشے تھے۔ خوابوں میں دیکھا تھا کہ وہ جوان ہو کر ایسا ہو گیا ہوگا۔ وہ ان کے خوابوں میں ڈھلا ایک دوبار سامنے بھی آیا مگر لڑکوں کے دوست کی حیثیت سے وہ اسے دیکھ کر اپنی ممتا کی تڑپ کو تسلی دے کر رہ گئیں مگر قدرت کی اس مہربانی پر وہ سکتے میں آ گئیں۔ کمرے میں ہر کوئی دم سادھے کھڑا تھا۔

"امی......" عمیر کی آواز کی بازگشت پھر ممتا کی سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ چونک گئیں۔

"امی! اپنے عمیر کو پہچاننے میں اتنی دیر لگائیں گی تو اس کے زخموں سے خون رسنے لگے گا۔" عمیر لڑکھڑانے لگا تھا۔

"پھپھو! آپ اللہ تعالیٰ سے کسی ایسے ہی معجزے کی دعا کیا کرتی تھیں ناں۔ جو فوراً آپ کو عمیر بھیا سے ملوا دے۔ اب اللہ نے یہ معجزہ کر دیا ہے پھپھو! عمیر بھیا آ گئے ہیں۔ یہ ہی عمیر بھیا ہیں۔" آنکھوں میں دھند اتر رہی تھی۔ اسد کی آواز کہیں دور سے سنائی دے رہی تھی۔

"عمیر...... عمیر۔" وہ عمیر کی بانہوں میں جھول گئیں۔

"آپ...... آپ واقعی ہمارے بھیا ہیں ناں؟"

جدائی کی اتنی طویل مسافت تھی بیچ میں کہ اعتبار آ کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ زیب اور صدف اسی بے یقینی کے ساتھ عمیر کی طرف بڑھیں۔ شذرا وہیں دروازے کے ساتھ لگی کھڑی رہی۔

"زیب! کیا میرے چہرے میں تمہیں اپنے نقوش نظر نہیں آتے۔ کیا ویسی ہی خوشبو نہیں آتی جو فرخ سے آتی ہے۔"

عمیر نے بازو پھیلا کر دونوں کو سمیٹ لیا۔

"عمیر...... عمیر آ گیا ہے ناں۔ شذرا! عمیر آیا ہے ناں یہ میرا وہم تو نہیں ناں۔ زیب میں نے اسے محسوس کیا ہے خدا کی قسم میرا بچہ آ گیا ہے۔"

انتظار کی کڑی دھوپ میں بھی ممتا کا یقین کبھی نہیں ڈگمگایا تھا۔ آج وہ آ گیا تو انہیں یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جی امی میں آ گیا ہوں۔ امی میں ہوں عمیر۔ امی...... امی۔"

اور پھر برسوں کی جدائی پانی میں ڈھل کر سب کی آنکھوں میں اتر آئی۔ نسیمہ بیگم تو دیوانہ وار عمیر کو پیار کرتے ہوئے اپنے رب عظیم کا شکرانہ ادا کر رہی تھیں جس نے اس ناممکن کو ممکن بنایا تھا۔

"بھائی! بالکل بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ آ گئے۔ ہم اللہ تعالیٰ کا کس طرح شکرانہ ادا کریں۔" زیب نے بے یقینی سے عمیر کو دیکھا۔

"بھائی آپ...... آپ کہاں تھے؟" صدف نے بھائی کی پیشانی پر پیار کیا تو عمیر نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"میری گڑیا! وقت کی بھول بھلیوں میں ایسا کھویا کہ گھر کا راستہ ہی بھول گیا۔ یہ تو اللہ کو ہمارا ملاپ منظور تھا تو راستے بھی اسی کی ذات پاک نے تراش دیے۔"

یہ کہتے ہوئے عمیر کی نظریں شذرا پر جم گئیں جو وہیں دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے روئے جا رہی تھی۔

"شذرا! کیا تم نے اپنے بھیا کو واقعی قبول نہیں کیا۔ اسے معاف نہیں کرو گی۔ میں خطاوار ہوں شذو! مگر اتنا نہیں۔ بہت خفا ہو اپنے بھیا سے؟"

عمیر نے ایک قدم اس کی طرف بڑھایا تو وہ بھاگتی ہوئی اس کے ساتھ آ لگی۔

"میری گڑیا! میں تو تمہارے ہی خوف سے اتنے دن دور رہا۔ میں تو اسی روز آ گیا تھا جب تم لوگوں نے امی کی تڑپ کو میری آواز کو وہم قرار دے کر کہا تھا۔ تم لوگ مجھے اب قبول نہیں کرو گی۔ اور وہ بے پاؤں لوٹ گیا تھا۔"

عمیر کے آنسو روانی سے شذرا کے بالوں میں جذب ہو رہے تھے۔ اس کی اس بات پر وہ تڑپ اٹھی۔

"بھیا! مجھے معاف کر دیں۔ وہ تو بس غصہ تھا اس وجہ سے کہ۔ بس آپ مجھے معاف کر دیں۔ بھائی! معاف کر دیں اور آپ نے کیسے یقین کر لیا کہ آپ کی وہ ماں' بہنیں جو ہر وقت خدا سے آپ کو مانگتی رہتی ہیں۔ مل جانے پر ٹھکرا دیں گی۔ آپ کو کیا پتا بھائی! ہم نے زندگی آپ کے بغیر کس طرح گزاری ہے۔"

وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔

"کیا فلمی سچویشن ہے یار غیب! جیسے اسکرین پر فلم کا آخری سین چل رہا ہو۔ سارے بچھڑے مل گئے ہوں۔ معافیاں ہو رہی ہوں۔ پھر سب ہنستے ہیں اور دی اینڈ کا ٹیلپ آ جاتا ہے۔"

اسد نے ٹشو سے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے ماحول کی کثافت کو کم کرنے کی کوشش کی مگر اس کی موجودگی ہمیشہ کی طرح اور......اس کی بات بھی شذرا کو بری لگی۔

"نہیں۔اس سے پہلے ایک مسخرہ بھی تو آتا ہے کرتب دکھانے کے لیے۔"

شذرا نے دوپٹے سے ناک اور آنکھیں صاف کرتے ہوئے اسے گھورا۔ وہ محض عمیر کا لحاظ کر گیا۔

"پیچھے ہٹو لڑکیو! میرے بھیا پر قبضہ ہی کر لیا حالانکہ میں ہی ان کو لے کر آیا ہوں۔"

فرخ شذرا اور صدف کو پیچھے کر کے عمیر کے ساتھ جا لگا۔

"اوئے چھوٹو۔تم تو جوان ہو گئے ہو۔ میرے برابر آ گئے ہو۔ امی کی گود میں تھے چھوٹے سے۔" عمیر نے فرخ کو ساتھ لگا کر پیار کرتے ہوئے امی کو دیکھا اور بے چین ہو گیا۔

"امی! آپ کس قدر کمزور ہو گئی ہیں۔ اتنی کہ پہلی بار جب حسن کی بہن کی شادی میں دیکھا تھا تو میں آپ کو دیکھ کر چونکا ضرور تھا مگر یہ آپ ہی ہیں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔"

اس نے ماں کے ہاتھوں کو پہلے ہونٹوں سے پھر آنکھوں سے لگا لیا تو اس کے آنسوؤں سے ان کے ہاتھ بھیگ گئے۔ امی کا صحت مند سراپا اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔ سرخ و سفید رنگت کی مالک اچھی خاصی بھاری بھر کم تھیں جبکہ اب رنگت بھی سانولی ہو گئی تھی اور کمزور اس حد تک ہو گئی تھیں کہ کوئی آسانی سے پہچان نہیں سکتا تھا۔

"میرے چاند! تیرے ملن کی آس میں اب تک جیتی رہی ہوں اور اب خدا کا شکرانہ ادا کرتے زندگی گزرے گی جتنی بھی ہے۔"

نسیم بیگم کا ایک ایک سانس اللہ کے حضور شکر ادا کر رہا تھا۔

"میرا خیال ہے گھر فون کر کے اطلاع دے دوں کہ عمیر بھیا مل گئے۔" اسد فون کی طرف بڑھا۔

"مگر وہاں اس خبر سے کس کو خوشی ہو سکتی ہے۔"

اس سوچ نے اسد کے بڑھتے ہوئے قدم روک دیے۔ البتہ منیب نے گھر فون کر دیا تو آدھے گھنٹے بعد ہی شوکت صاحب اور آسیہ بیگم آ گئے۔

"مبارک ہو نسیمہ! میں نے تو اسے لڑکوں کی شرارت سمجھا تھا مگر یہاں تو خدا نے اپنا خاص کرم کر دیا ہے یہ تو معجزہ ہی ہو گیا۔"

شوکت صاحب نے عمیر کو ساتھ لگایا۔ بے شمار آنسو اس کی شرٹ میں جذب ہو گئے مگر وہ دل میں ابھی تک ان لوگوں سے خائف تھا۔ جن کی وجہ سے اسے دربدر ہونا پڑا۔

"تم تو بڑے حلیم الطبع تھے بیٹا! اتنا غصہ کس پر آ گیا کہ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔"

اب آسیہ بیگم ساتھ لگائے پیار کر رہی تھیں۔

"مبارک ہو نسیمہ! خدا نے اپنا بڑا کرم کر دیا ہے۔ بیٹا تمہیں پتا ہے تمہارے بعد تمہاری ماں بہنوں کا کیا حال ہوا ہے۔ ویسے تم کہاں رہے۔ کبھی پلٹ کر خبر ہی نہیں لی تم نے۔"

آسیہ مامی کہہ رہی تھیں اور وہ ضبط کیے چپ بیٹھا سن رہا تھا کیونکہ آسیہ بیگم کا شمار ان لوگوں

میں سے تھا جنہوں نے اسے گھر سے نکل جانے پر مجبور کیا۔ کچھ دیر بعد مشتاق صاحب بھی اپنی فیملی کے ساتھ آ گئے۔ یہ فیملی ماضی میں بھی اس کی ناپسندیدہ تھی اور اب بھی مگر وہ چپ تھا۔

"بہت مبارک ہو باجی! خدا نے......بیٹا ملا دیا۔ اتنے عرصے بعد تمہیں گھر کی یاد ستائی عمیر میاں؟" وہی اکھڑ خشک طنزیہ لہجہ تھا زاہدہ ممانی کا۔

"واہ عمیر بیٹا! حد کر دی تم نے تو کہ اسد سے دوستی رکھی۔ گھر آتے جاتے رہے مگر سامنے نہیں آئے۔ نہ بتایا کہ تم عمیر ہو۔ گھر سے بھاگ جانے کی غلطی تو چلو بچپنے میں ہو گئی مگر اب جوانی کی دانش مندی کا تو یہ تقاضا تھا کہ سامنے آتے۔ ناحق ماں کو اتنی اذیت پہنچائی۔"

مشتاق ماموں کا وہی انداز تھا۔ جرم پر اکسانے والا۔ وہ پھر ضبط کر گیا۔

"بہر حال باجی! آپ کو بہت بہت مبارک ہو۔ بیٹے کی واپسی ویسے اتنی مدت تم رہے کہاں؟"

ہر ایک کے چہرے پر ایک......سوال تھا کہ کہاں تھے۔ یہ کسی نے نہیں پوچھا کہ تم نے اتنی مدت کن اذیتوں میں گزاری ہے۔ وہ ہر ایک کی بات کے جواب میں چپ تھا۔

"ہاں بھئی لڑکیو! مبارک ہو۔ بھائی آ گیا ہے۔ بڑا بھائی۔"

زاہدہ بیگم نے خاص طور پر شذرا کو دیکھتے ہوئے کہا جو عمیر کے بازو کے ساتھ چپکی بیٹھی تھی۔

آج اسے ان سب سے ذرا بھی خوف نہیں آ رہا تھا کہ کوئی اسے کچھ کہہ دے گا پھر اسے ضبط کرنا ہو گا بس یہی تحفظ تو وہ چاہتی تھی اور اب مل جانے پر خدا کا شکر......ادا کر رہی تھی۔

"واؤ کزن! تم تو خاندان کے سارے لڑکوں سے زیادہ اسمارٹ اور خوبرو ہو۔"

صائمہ اسے کن انکھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ بچپن کے ڈھیر سارے دن یاد آ رہے تھے جب وہ شعیب کے ساتھ مل کر اسے تنگ کیا کرتی تھی۔ پٹوایا کرتی تھی۔ گھر میں آج رشتے داروں کا میلہ سا لگ گیا تھا۔ سوائے شعیب کے سب آ چکے تھے۔

"ارے بھئی لڑکیو! کیا آج خوشی میں روزہ نہیں کھلے گا۔ اسد بیٹا! جاؤ تم ڈھیر ساری مٹھائی لے کر آؤ۔"

شوکت صاحب نے جیب سے پیسے نکال کر اسد کی طرف بڑھائے تو زاہدہ بیگم نے معنی خیز نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ ہر کوئی خوش اور شاداں تھا۔ نسیمہ بیگم کے تو خوشی سے آنسو ہی نہیں تھم رہے تھے۔

"میرا بیٹا! میرا چاند! کہاں رہا کیا کیا' کیسے رہا میرے بغیر دکھوں کی داستان مجھے بھی تو سناؤ۔"

"امی! سب کچھ بتاؤں گا۔ بس اب آپ روئیں گی نہیں۔"

اس نے تمام آنسو اپنی ہتھیلیوں میں جذب کر لیے۔

"بھائی! میں نے آپ کے کپڑے استری کر دیے ہیں۔ آپ پہن لیجیے۔"

"میرے کپڑے اور یہاں۔" عمیر نے حیرت سے زیب کو دیکھا۔

"اس میں اتنی حیرانی کی کیا بات ہے۔ بھیا! امی نے تو برابر آپ کے کپڑے بنائے ہیں۔ آپ کی ہر عمر کے سائز کے کپڑے موجود ہیں۔ آئیں میں آپ کو دکھاتی ہوں۔"

زیب اس کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے کمرے میں لے گئی۔ اسے یہاں لانے کا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ

بہنیں اسے جی بھر کے دیکھنا چاہتی تھیں۔

''یہ دیکھیے بھیا یہ...... یہ...... یہ۔''

زیب الماری کھول کر ہر سائز کے کپڑے اس کے سامنے ڈھیر کرتی چلی گئی اور ساتھ روتی بھی رہی۔ ان کا ایک ایک آنسو عمیر کو تڑپا رہا تھا۔ اس نے کپڑے آنکھوں سے لگا لیے۔

''زیب! شنذرا! صدف۔ میرے بعد تم لوگوں نے زندگی کیسے بسر کی ہوگی۔ ان لوگوں کے بیچ' جو اپنے احسانات کے کانٹوں پر برہنہ پا گھسیٹتے ہیں۔ کیسے جیے ہو تم لوگ۔'' ماضی اس کی نگاہوں میں گھوم گیا۔

''ہونہہ! زندگی ہم نے کہاں گزاری ہے بھائی! زندگی نے ہمیں گزارا ہے۔ ایک ایک پل نے جینے کا خراج وصول کیا ہے ہم سے۔''

وہ تینوں ایک بار پھر سسک پڑیں۔

''بڑے ماموں اور مامی تو پھر بھی بہتر ہیں بھائی بلکہ ماموں جان تو بہت اچھے رہے ہیں مگر درمیان والے ماموں اور چھوٹے ماموں تو مت پوچھیں۔''

شنذرا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کس طرح ان لوگوں کی برائیوں کو بھائی کے سامنے پیش کرے۔

''اندر آ سکتا ہوں۔'' اسد نے دروازے پر دستک دی تو وہ لوگ الگ ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

شنذرا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا اور باہر نکل گئی۔

''ویسے یار عمیر بھائی حد ہو گئی۔ آپ اتنے عرصے سے ملتے رہے مگر آپ نے پہچانا نہیں ہمیں۔''

''کیسے پہچانتا۔ تم تو بہت چھوٹے تھے اس وقت اور یوں بھی ناموں سے کیا پہچان ہوتی ہے بے شمار نام ایک جیسے ہوتے ہیں البتہ جب تمہارے والد صاحب کو دیکھا تو۔'' جانے کیوں عمیر کا دل نہیں چاہا انہیں ماموں کہنے کو۔

''ویسے تیمور۔ سوری عمیر بھیا آپ اتنے عرصے سے اس شہر میں ہیں۔ پھر آپ نے کوشش کیوں نہیں کی ہم لوگوں کو تلاش کرنے کی۔''

یہ سوال اس وقت سے اسد کے ذہن میں تھا جب سے پتا چلا تھا کہ تیمور ہی عمیر ہے۔

''میں تلاش کرتا رہا ہوں لیکن پتا چلا تھا' وہاں ایک اسٹور ہے۔ کہیں سے کچھ بھی اتا پتا نہ ملا تو اللہ کے حضور جھک گیا اور اس کی پاک ذات نے منزل پہ پہنچا دیا۔ ویسے مجھے ایک بات کی حیرت ہے کہ۔''

''اسلام علیکم عمیر!'' اسد اور عمیر آنے والے کی طرف گھوم گئے۔

☆......☆......☆

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو یار عمیر پہچانے نہیں۔ گلے لگو بھئی! شعیب ہوں۔''

ماضی کی ہر بات' ہر زیادتی بھلائے شعیب بڑے صاف دل کے ساتھ تیمور کی جانب بڑھا۔ جس کی رگوں میں خون کھولنے لگا تھا۔ چہرے پر تناؤ آ گیا تھا۔ دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔ اس کے سامنے وہ شخص کھڑا تھا جس نے اس گھر میں اس کی زندگی عذاب بنادی تھی اور پھر گھر سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ نفرت کی شدید لہر اٹھی۔ اس کا جی چاہا اسے مار ڈالے مگر اس نے ضبط کیا اور بے دلی سے اس کی طرف بڑھا۔

''یار! اتنا بھی کیا جذباتی پن کہ انسان گھر بار چھوڑ کر چلا جائے۔ معمولی باتوں پر گھر چھوڑ دینا غیر دانش مندی ہوتی ہے مگر چونکہ اس وقت تمہاری۔''

''بعض باتیں ان لوگوں کے لیے معمولی اور روٹین ہوتی ہیں جو نکڑے کھلا رہے ہوتے ہیں مگر ان لوگوں کے لیے معمولی نہیں ہوتیں جو نکڑے کھا رہے ہوتے ہیں۔''

تیمور جس نے دل بڑا کر کے اسے ساتھ لگایا تھا۔ یہ کہہ کر...... پیچھے ہٹ گیا۔

''بھائی! آپ چلیں۔ ماموں جان بلا رہے ہیں۔''

زیب نے ایک تیز نگاہ شعیب پر ڈالی جو شاید تیمور کی کہی گئی بات کو سمجھنے کے لیے پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ اور شنذرا تیمور کا ہاتھ پکڑے دوسرے کمرے میں آ گئیں۔

☆......☆......☆

نسیمہ بیگم کے گھر میں تو خوشیوں کا میلہ سا لگ گیا تھا۔ ماں بہنیں اسے دیکھ دیکھ کے نہال ہوئی جا رہی تھیں اور شکر ادا کر رہی تھیں۔ آسیہ بیگم اور فائزہ تو ان کی خوشیوں میں شریک ہوئی تھیں بھرپور انداز میں۔ البتہ زاہدہ بیگم اور صائمہ کے احساسات کچھ اور ہی تھے۔

''لیجیے امی کہانی اب دلچسپ موڑ پر آ گئی ہے۔ کہانی کا ہیرو تو اب آیا ہے۔''

''نہ ہی آتا تو اچھا تھا۔'' زاہدہ بیگم تند کی خوشی کہاں برداشت کر سکتی تھیں۔

''کیوں امی! ہمیں کیا فرق پڑتا ہے اس کے آ جانے سے' فرق تو شعیب کو پڑے گا۔''

صائمہ معنی خیز نظروں سے شعیب کو دیکھ کر اسے سنانے کی غرض سے بولی۔ اس نے صائمہ کا جملہ سن لیا تھا اور اب وہ زاہدہ کے وہاں سے اٹھنے کے انتظار میں تھا اور جب وہ صدف کے بلاوے پر اٹھ کر گئیں تو شعیب' صائمہ کے قریب آ گیا۔

"ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم؟"

"یہی کہ بڑے سالے صاحب آگئے ہیں۔ گھبراہٹ تو نہیں ہو رہی؟"

"کیوں گھبراہٹ کیوں ہونے لگی؟" شعیب نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"واقعی۔ ویسے ہوسکتا ہے عمیر کی واپسی تم پر اثر انداز ہو۔" صائمہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

"تم اپنی بات کرو۔ مجھ پر اس کی واپسی اثر انداز نہیں ہوسکتی اور کیوں ہوگی۔" وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی شعیب سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"ارے عمیر کی واپسی میرے لیے تو بڑا نیک شگون ہے۔ البتہ تمہارا اور زیب کا نیا رشتہ کھٹائی میں پڑ سکتا ہے۔"

شعیب اور عمیر کے درمیان چپقلش وہ جانتی تھی اسے یقین تھا کہ عمیر شعیب کو بہنوئی کی حیثیت سے ہرگز قبول نہیں کرے گا۔ اس کی بات سن کر وہ اس کے قریب آ گیا۔

"امپوسبل۔" وہ پُر اعتماد لہجے میں بولا۔

"لگاتے ہو شرط۔" ہمیشہ کی طرح صائمہ نے شرط کے لیے ہاتھ آگے کیا اور قبل اس کے کہ شعیب بھی کوئی شرط لگاتا اسد آ گیا۔

"باجی! چلیں۔ امی بلا رہی ہیں۔"

"تم چلو۔ میں آتی ہوں۔" صائمہ نے اسے واپس جانے کو کہا اور پھر شعیب کی طرف گھوم کر مسکرانے لگی۔

"ویسے ایک مشورہ ہے مخلصانہ سا۔"

صائمہ بڑی عجیب سی فطرت کی مالک تھی دوسرے بندے کو برائی پر اکسانے میں اسے مزا آتا تھا۔

"کہو۔" شعیب جانتا تھا اب بھی یہ ایسی ویسی ہی بات کرے گی۔

"یہ ہی کہ عمیر گھر لوٹ آیا ہے۔ تم فریا کی جانب واپس لوٹ جاؤ۔ اچھی لڑکی ہے وہ بھی...... اور یوں بھی زیب تمہاری پہنچ سے دور ہوگئی ہے۔"

انداز تمسخرانہ تھا دوسرے بندے کو طیش دلانے والا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو۔ میں جو کہتا ہوں وہ کر کے دکھاتا ہوں۔ عمیر کی واپسی میرے لیے اہمیت نہیں رکھتی۔ وہ پہلے کی طرح آج بھی اتنا ہی بے بس ہے۔ قد جسم بڑھ جانے سے اختیارات تو نہیں ملا کرتے ناں۔"

اتنا تو شعیب کو بھی اندازہ تھا کہ عمیر کی واپسی نے بجھی راکھ میں چنگاری کا کردار ادا کیا ہے اور اگر عمیر کے دل میں ماضی زندہ ہے تو وہ واقعی یہ رشتہ ہونے نہیں دے گا مگر صائمہ کے سامنے وہ کسی کمزوری کا اظہار بھی کرنا نہیں چاہتا تھا۔

صائمہ ہاتھ ہلاتی باہر نکل گئی اور شعیب گہرا سانس لے کر ہلتا ہوا پردہ دیکھتا رہا۔

"اچھا باجی! ایک بار پھر عمیر کی واپسی مبارک ہو اور اب ذرا اپنا کنٹرول رکھیے گا۔ مجھے تو بچپن کے عمیر اور اس وقت کے عمیر میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی ویسا ہی اکھڑ سا ہے۔"

انسانی فطرت بدلتی نہیں کم از کم مشتاق اور زاہدہ بیگم جیسے لوگوں کی۔ جاتے جاتے بھائی بھاوج نے پھر تیر چلایا تو نسیمہ بیگم صرف ان کو دیکھ کر رہ گئیں کہ کیسا بھائی ہے کہ ایک مدت کے بعد بہن کو خوشی ملی ہے تو خوش ہونے کے بجائے طنز کے تیر برسا رہا ہے مشتاق فیملی جا چکی تھی فرخ نے ضد کر کے اسد کو روک لیا تھا۔ اسی لیے شذرا کے عتاب کا نشانہ بن چکا تھا۔

"کیا ضرورت تھی اسے روکنے کی۔ یہ شخص ہماری خوشیوں کا کتنا بڑا دشمن ہے۔ فرخ نہ جانے یہ تمہیں کب پتا چلے گا۔" وہ بول آہستہ رہی تھی مگر چاہ رہی تھی کہ اس کی یہ سرگوشی قدرے فاصلے پر بظاہر امی سے باتوں میں مصروف اسد سن لے اور وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہوگئی تھی۔ ایک کرب ناک سایہ اسد کے چہرے پر آ کر گزر گیا۔

"اور یہ شخص ہمارا کتنا بڑا دوست ہے آپ کو نجانے کب یقین آئے گا۔" فرخ شذرا کی بات پر جھنجلا کر بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

"جب ہم نہیں ہوں گے۔ کیا بات ہو رہی تھی یار فرخ ہمیں بھی تو پتا چلے۔"

اسد شذرا کے چہرے پر جھولتی لٹ کو دیکھتا ہوا بولا۔

"کچھ نہیں اسد بھائی! آئیں ہم اندر چلتے ہیں۔"

فرخ جانتا تھا۔ شذرا پھر کوئی نامناسب بات کہہ دے گی اس لیے وہ اسے لے کر ہٹ گیا۔

کچھ دیر بعد شوکت صاحب بھی اٹھ گئے۔

"خدا نے تمہاری خوشیوں کی ابتدا کر دی ہے نسیمہ! عمیر کی واپسی کی صورت میں۔ خدا تمہیں اپنے وعدہ واحد سے بے شمار خوشیاں عطا کرے ہم چلتے ہیں۔"

"آپ رک جائیں بھائی جی! بھابی! آپ لوگوں کے بغیر تو میری خوشیاں...... ادھوری ہیں۔" نسیمہ بیگم نے بھائی بھاوج کے ہاتھ پکڑ لیے۔

"ہم ہر وقت تمہاری خوشیوں میں شریک ہیں نسیمہ! میں سوچ رہی ہوں کہ عمیر کی آمد کی خوشی کی ابتدا اللہ کے حضور شکرانہ ادا کر کے کی جائے اور قرآن خوانی ضروری ہے۔ اسی جمعہ کو کر لو۔"

"جی بہتر بھابی! جیسا آپ کہیں۔"

گزرے وقت نے بڑی تبدیلیاں پیدا کی تھیں وہی آسیہ مامی تھیں جو اکثر اسے کھانے سے اٹھا دیا کرتی تھیں۔ شعیب اور اس کی لڑائی میں ہمیشہ...... اپنے بیٹے کا ساتھ دیتیں اور اس پر بے بنیاد الزام لگا کر چھوٹے ماموؤں سے پٹوایا کرتیں۔ اور آج وہ کس طرح بات کر رہی تھیں۔ کتنا اپنائیت بھرا لہجہ تھا کتنی حلیم سی لگ رہی تھیں۔ تیمور نے جب گھر چھوڑا تھا۔ اس وقت کے ماحول اور آج کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا مگر ماں بہنوں کے چہروں پر رقم تھا کہ انہوں نے زندگی کیسے گزاری ہے وہ خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ سب لوگ چلے گئے تو تیمور ماں کے قریب آ گیا۔ انہوں نے اسے ساتھ لگا لیا۔

"میرے بچے! کچھ تو بتا۔ کہاں رہا ہے۔ اتنی مدت کیسے رہا؟ ہم نے تو جیسا وقت گزارا سو گزارا تم بتاؤ۔ تم نے زندگی کے یہ ماہ و سال کس طرح بتائے۔"

"امی! میں نے گھر کیوں اور کن حالات میں چھوڑا۔ آپ سب سے دست بردار ہو جانے کا فیصلہ آسان نہیں تھا لیکن امی شعیب اور دیگر لوگوں نے زندگی اتنی دوبھر کر دی تھی کہ اس وقت گھر

چھوڑ دینے کا فیصلہ مجھے زندگی کا بہترین فیصلہ لگا اور...... اور میں نے دل پر پتھر رکھ کر آپ سب کو خدا کے سپرد کر دیا ان کم ظرف لوگوں میں۔ میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور اگر آپ کو الگ ہونے کو کہتا تو آپ ہرگز میری بات نہ مانتیں۔ اس لیے میں نے یہ جان لیوا فیصلہ کر لیا اور اس کے بعد کی زندگی میرے مہربان...... پروردگار نے بہت آسان کر دی۔ خان بابا' اماں جنہوں نے بیٹا بنا کر پالا۔ مجھے پھر شابی کی صورت میں بہن مل گئی مگر امی! آپ کی جدائی نے کسی پل مجھے قرار لینے نہیں دیا۔ اور دن رات کی ہر گھڑی میں کی گئی دعائیں آج اللہ تعالیٰ نے پوری کر دیں۔" وہ امی کی نرم گود میں سر رکھے لفظوں سے کم آنسوؤں میں زیادہ اپنی داستان سنا رہا تھا۔ ماں بہنیں اس پر واری صدقے ہو رہی تھیں۔

"خدا کا شکر ہے بھیا! اب تو ہم مل گئے ہیں ناں۔ ہم لوگوں نے بھی ہر پل ہی آپ کے لیے دعائیں کی ہیں۔" شنذرا نے بڑھ کر اپنے آنچل میں بھائی کے آنسو جذب کر لیے۔

"شنذو! میں بہت رویا ہوں۔ تڑپا ہوں۔ خود کو لعن طعن بھی کرتا رہا ہوں کہ میں تم لوگوں کو چھوڑ آیا ہوں' خود غرض سمجھتا رہا ہوں۔ شنذو خود کو سارا سارا دن ساری ساری رات روتا اور یاد کرتا رہا ہوں۔ آج جب مل گیا ہوں تو نہ یقین ہی آ رہا ہے اور نہ سمجھ میں آ رہا ہے کہ اپنے رب عظیم کا شکرانہ کس طرح ادا کروں۔"

اس نے ایک بار پھر بہنوں کو ساتھ لگا لیا۔

"تم لوگ مجھ سے اب ناراض تو نہیں ہو ناں۔"

"یہ لوگ تم سے ناراض ہوں نہ ہوں مگر میرا تمہارا ناتا ختم ہو گیا۔ آفرین ہے یار آفرین ہے۔"

اس آواز پر تیمور نے مڑ کر دیکھا تو علی اور شابی شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ڈھیر ساری ندامت نے تیمور کو گھیر لیا۔ کیونکہ اس نے ان دونوں کو بالکل خبر نہیں دی تھی۔ اتنی رات گزر گئی تھی مگر وہ بھی کیا کرتا۔ آج تو خوشی ہی ایسی ملی تھی کہ وہ خود کو بھی فراموش کر بیٹھا تھا۔

"سوری یار۔ خیر امی! یہ علی ہے۔ جب آپ لوگ نہیں ملے تھے تو اس کی صورت میں مجھے تمام رشتے مل گئے تھے۔"

"اور اب چونکہ آپ لوگ مل گئے ہیں۔ لہٰذا اس سے تمام رشتے دوستی سمیت ختم۔"

علی نے تیمور کے شانے پر مکا مارا۔

"خدا نہ کرے۔ کیوں رشتے ختم۔ تم تو ان سب سے بڑھ کر ہو۔ علی بیٹے۔"

نسیمہ بیگم نے اٹھ کر علی اور شابی کو ساتھ لگا لیا۔

"امی! یہ شابی ہے۔ آپ کی چوتھی بیٹی۔"

"چوتھی بھی اور سب سے پیاری بھی۔ میری بچی! اب میں کبھی تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں۔"

نسیمہ بیگم کے ساتھ لگ کر شابی کو اپنی ماں یاد آ گئیں۔ انہوں نے اس کے آنسو صاف کر کے پیشانی پر پیار کیا۔

"پرے ہٹو لڑکی! یہ میری ماں ہیں۔ فضول میں فری ہونے کی ضرورت نہیں۔"

علی نے شانے سے پکڑ کر اسے پرے دھکیلا۔

"ایسا نہ کہو علی بیٹے۔ بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں۔"

"ارے امی! یہ دھن پرایا نہیں ہے بلکہ..."

علی شوخی میں کچھ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔

"کیا مطلب؟" امی نے چونک کر علی کو دیکھا۔ لڑکیاں بھی متجسس ہو گئیں شابی نے ایک نظر علی پھر باقی سب کو دیکھا اور دوپٹہ درست کر کے الگ ہو گئی۔

"امی! میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا یہ علی تو بس!"

تیمور نے نسیمہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے کہا۔

"یار تیمور! تمہاری دہشت گرد بہن کون سی ہے ان میں سے جس سے ڈر کر تم چھپے رہے۔ یہ تو مجھے ساری کی ساری معصوم گڑیا کی طرح لگ رہی ہیں۔"

علی نے ذرا شوخ نظروں سے زیب' صدف اور آخر میں شنذرا کو دیکھا جس نے شرمندہ سا ہو کر سر جھکا لیا۔

"ہوں چور پکڑا گیا۔" علی اپنی جگہ سے اٹھ کر شنذرا کے قریب آ گیا۔

"یہ شخص تو مر جاتا اگر تم لوگ نہ ملتے۔ ہر وقت جان کھاتا رہتا تھا میری' بڑی شدتوں سے مانگا کرتا تھا تم لوگوں کو اللہ سے۔ اب تو اس سے خفا نہیں ہونا ناں۔" علی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو ایک بار پھر شنذرا کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو رواں ہو گئے۔ اسے پشیمانی ہو رہی تھی کہ اس نے اپنے اتنے پیارے بھیا کے لیے ایسی بات کی۔

"علی بھیا! جن حالات سے ہم گزرے ہیں ناں۔ اگر بھیا ہمیں چھوڑ کر نہ جاتے تو ہم۔"

"بس یہیں تو اس نالائق سے اختلاف شروع ہوتا ہے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے گیا وقت ہاتھ تو نہیں آ سکتا ناں۔ وہ تو سب درد کے لمحے تھے جن کی لپیٹ میں سب آ گئے۔ اب تو خدا کا شکرانہ ادا کرنے کا وقت ہے کہ فلمی انداز میں سب مل گئے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔ کیوں امی جان۔"

علی نے نسیمہ بیگم کو ساتھ لگا لیا۔

"کیوں نہیں میرے بیٹے! میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اپنے رب عظیم کا شکرانہ ادا کیسے کروں جس نے خوشیوں سے میرا دامن بھر دیا ہے۔ ایک نہیں دو بیٹے دے کر اور ایک پیاری سی بیٹی دے کر۔" نسیمہ بیگم نے شابی کو ساتھ لگا لیا۔

☆......☆......☆

عمیر کے آ جانے سے کتاب حیات کا عنوان ہی بدل گیا تھا۔ ہر طرف خوشیاں ہی بکھری نظر آتیں۔ عمیر نے گھر کے بڑے مرد کی حیثیت سے سب کچھ سنبھال لیا تھا۔ مثبت تبدیلی کسے اچھی نہیں لگتی۔ عمیر کو بھی...... زندگی کا یہ روپ بڑا اچھا لگ رہا تھا البتہ شعیب کا یوں گھلنا ملنا اسے قطعی پسند نہیں آیا تھا۔

"بھئی صدف! زیب سے کہو۔ یہ رومال دھو کر استری کر دے۔"

شعیب صائمہ کو اپنی اہمیت کا احساس دلانا چاہتا تھا کہ عمیر کی موجودگی بھی اس پر اثر انداز نہیں ہوئی۔

"یہ رومال فائزہ بھی دھو کر استری کر سکتی ہے۔ یہ لو فائزہ۔"

عمیر نے صدف کے رومال تک پہنچنے سے قبل ہی رومال شعیب کے ہاتھ سے لے کر فائزہ کی طرف بڑھایا جس نے پہلے شعیب کو پھر عمیر کو دیکھتے ہوئے رومال لے لیا۔ عمیر اٹھ کر باہر نکل گیا۔ صائمہ عجیب تمسخرانہ انداز میں مسکرائی۔ شعیب کی جانب بڑھی۔

"یہ رومال دھلا ہوا ہے۔ بلکہ نیا ہے لے لو۔"

صائمہ نے اپنا رومال اس کی طرف بڑھایا۔

"ہونہہ۔" شعیب نے رومال اس کے ہاتھ سے لے کر دور پھینک دیا۔

"جا کہاں رہے ہو میدان چھوڑ کر۔ بلال کے گھر والے بھی آ گئے ہیں۔"

"شٹ اپ۔" شعیب کو ایک تو عمیر کا رویہ تپا رہا تھا اوپر سے صائمہ کی باتیں۔ وہ باہر آیا تو سامنے ہی بلال سے ٹکرا گیا۔

"ہیلو لگتا ہے۔ تم جلدی میں ہو۔" بلال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ایک جگہ جلدی پہنچنا ہے۔ خدا حافظ۔"

شعیب اس سے ہاتھ ملاتا جلدی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ اس وقت یہاں سے چلے جانے ہی میں اس نے دانش مندی جانی کیونکہ عمیر کا رویہ بلال کی آمد اور صائمہ کے طنز شاید حالات مزید خراب کر دیتے۔ اس لیے وہ وہاں سے چلا گیا۔ ظہیر فیملی سے یوں بھی بچپن ہی سے عمیر کی دوستی تھی۔ اسے یاد تھا کہ ایک بار سکول کی فیس اس نے ماموں سے مانگی تو ڈانٹ پڑ گئی وہ باہر جا کر رونے لگا۔ کیونکہ امی کے پاس تو کوڑی بھی نہیں ہوتی تھی۔ اسی وقت ظہیر انکل اور بلال آ گئے۔ بلال بچپن ہی سے بڑا ہمدرد طبع تھا۔ اس کے شدید اصرار پر اس نے بتا دیا تو ظہیر انکل نے کسی کو بتائے بغیر اس کی فیس بھی دے دی اور نیا یونیفارم بھی لے کر دیا اور عمیر کا یہ نظریہ تھا کہ دوست وہی جو برے وقت میں کام آئے۔ اسی لیے اب وہ ان سے بہت تپاک سے ملا تھا۔

"اتفاق کی بات ہے کہ ایک جگہ ایک شہر میں رہتے ہوئے کبھی ملاقات نہیں ہوئی اور ہمارا تو آدھا وقت تم لوگوں کی یونیورسٹی میں گزرتا تھا مگر کبھی ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا۔"

بلال تیمور کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔

"شاید اس لیے بلال! کہ عشق کے امتحان باقی تھے۔"

"چلو چھوڑو یار! اب تو ہم مل گئے ہیں۔ اب ہمیں دکھوں کی نہیں خوشیوں کی بات کرنی چاہیے۔"

علی بھی ان کے درمیان آ کر بیٹھ گیا تو ایک ٹیس سی بلال کے دل میں اٹھی اس کا جی چاہا تیمور کو سب کچھ بتا دے کہ اس کے بعد اس کی ماں بہنوں کے ساتھ کیا ہوا ہے اور سب سے برا تو اس کے ساتھ ہوا ہے۔ مگر وہ چپ رہا۔

"علی بھائی آپ کو امی بلا رہی ہیں اور۔"

زیب بولتی ہوئی اندر آئی مگر تیمور کے ساتھ بلال کو بیٹھا دیکھ کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ بلال بھی اسے دیکھ کر رہ گیا۔ کتنے دنوں بعد دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"یار عمیر! تمہاری غیر حاضری نے بہت گڑبڑ کر دی ہے۔"

بلال نے کن انکھیوں سے زیب کو دیکھا جو واقعی الماری میں کچھ تلاش کر رہی تھی یا محض وہاں رکنا چاہ رہی تھی۔

"ہاں میں خود محسوس کرتا ہوں لیکن اب سوائے پچھتانے کے کچھ اور ہو بھی تو نہیں سکتا ناں۔ گزرے وقت نے کافی اچھی کروٹ لی ہے رویوں میں مثبت تبدیلی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے مجھے۔ آسیہ مامی تو۔ معاف کرنا سر سے پیر تک بدل گئی ہیں۔ ماموں جان تو خیر شروع ہی سے اچھے تھے۔"

عمیر کا دل خوش تھا۔ اس تبدیلی پر بلال نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ہاں واقعی کافی تبدیلی آئی ہے رویوں میں۔ شعیب بھی کافی بدل گیا ہے۔"

شعیب کے ذکر پر کچھ تلاش کرتی زیب نے مڑ کر بلال کو پھر عمیر کو دیکھا جس کے چہرے پر شعیب کے ذکر سے ناگوار تاثرات ابھر آئے تھے۔

"ہونہہ شعیب! یہ شخص کبھی نہیں بدل سکتا۔ میں اس شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔ جس کی وجہ سے میں نے اپنی ماں بہنوں اور معصوم بھائی کو چھوڑا خود بھی تڑپتا رہا۔" شعیب کا نام لیتے ہوئے تیمور نے انتہائی حقارت سے منہ بنایا۔

"چلو چھوڑو یار! معاف کر دینا مستحسن ہے اور پھر تمہیں اس سے کمپرومائز کرنا ہی پڑے گا کیونکہ۔"

بلال نے پلٹ کر زیب کو دیکھا جس کے ہاتھ میں مطلوبہ چیز اس ذکر سے لرز کر رہ گئی تھی۔ دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا کیونکہ نسیمہ بیگم نے دانستہ طور پر شعیب اور اس کے رشتے کی بات چھپائی تھی اور ان کو بھی سختی سے منع کیا تھا مبادا وہ کوئی گڑبڑ کر دے اور بلال اس بات سے بے خبر تھا کہ یہ بات اس سے چھپائی گئی ہے۔ اس نے اسی لیے تیمور کی رائے لینے کی خاطر بات چھیڑی تھی۔

بھائی! آپ وہاں چلیں ناں اندر سب بیٹھے ہیں۔ امی بھی کئی بار آپ کا پوچھ چکی ہیں۔ آئیں۔"

زیب نے باقاعدہ تیمور کو بازو سے پکڑ کر اٹھایا تو اس اچانک کارروائی پر تیمور اور بلال کچھ حیران سے رہ گئے۔ تیمور تو کچھ نہ سمجھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ البتہ بلال اس کی حکمت عملی سمجھ گیا۔ تیمور اٹھ کر باہر چلا گیا۔

"زیب!" زیب جو کہ پیچھے تھی بلال کی ہلکی سی آواز پر مڑی۔

"جی۔" وہ ہاتھ مروڑتی اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"میں شعیب کی برائی تو نہیں کرنے لگا تھا کہ تم نے عمیر کو وہاں سے ہٹا دیا۔"

بلال کا لہجہ شاکی تھا۔ زیب اسے دیکھنے لگی۔ زندگی میں ایک اسے ہی تو چاہا تھا مگر اس کی چاہت بھی حالات کی نذر ہو گئی تھی۔

"آپ مجھے کبھی بھی نہیں سمجھ سکے۔"

اس نے بلال کے شکوے کا جواب بھی شکوے ہی سے دیا تو وہ اس کی گھنیری پلکوں کو دیکھ کر رہ گیا۔

''مسئلہ یہ ہی تو ہے کہ میں تمہیں سمجھتا ہوں ورنہ جانے کب کا تمہاری راہوں سے ہٹ چکا ہوتا۔'' بلال کے لہجے کا درد زیب کے دل میں اتر رہا تھا۔

''نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ امی نے ابھی تک شعیب کی نئی حیثیت کے بارے میں بھائی کو کچھ نہیں بتایا اس لیے۔''

''کیا ابھی تک نہیں بتایا؟'' بلال کو اس انکشاف پر شدید حیرت ہوئی۔

''جی۔'' زیب نے سر جھکا لیا۔

''مگر کیوں میں تو سمجھا تھا کہ شاید عمیر بھی شعیب کو۔''

''ہرگز نہیں۔ امی نے دانستہ نہیں بتایا کیونکہ بھائی شعیب سے پہلے سے زیادہ نفرت کرنے لگے ہیں اگر وہ بات...... بتا دی تو بہت ہنگامہ کریں گے۔''

''کیا مطلب ہے۔ پھوپو نے کیا سوچ کر ایسا کیا ہے۔ کیا بھائی سے چوری چھپے وہ اس کی بہن کی شادی کریں گی۔ اسے تو جب بھی پتا چلے گا' وہ ہنگامہ کرے گا۔''

''اور شاید آپ یہ ہی چاہتے ہیں۔''

زیب کے لہجے میں ہلکا سا طنز نمایاں تھا۔ بلال کو تاؤ آ گیا۔ کتنا ضبط تھا اس لڑکی میں۔ کس حوصلے سے وہ شعیب کا ساتھ قبول کر رہی تھی۔

''ہاں۔ میں یہ ہی چاہتا ہوں بس۔ کہ عمیر کو پتا چل جائے اور شعیب کی تم سے شادی نہ ہو سکے۔ میں یہ ہی چاہتا ہوں اس لیے کہ میں تمہیں چاہتا ہوں۔''

بلال نے دبے دبے سخت لہجے میں کہا اور باہر نکل گیا اور تیمور جو اندر کی جانب آ رہا تھا۔ بلال کا آخری جملہ اس کے کانوں میں پڑ گیا۔ اس نے جاتے ہوئے بلال کی پشت کو دیکھا اور اندر آ گیا۔ زیب گود میں دونوں ہاتھ رکھے گم صم سی بیٹھی تھی تیمور کتنی ہی دیر بہن کو دیکھتا رہا۔ پھر تیزی سے باہر آیا اور کچن میں کام کرتی شنذرا کے پاس آ گیا۔

''ارے بھائی! آپ یہاں آ گئے۔ یہاں بیٹھیں ناں۔''

شنذرا اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ جلدی سے کرسی پیش کر دی۔ تیمور آہستگی سے مسکراتا ہوا بیٹھ گیا۔

''کیا بنا رہی ہے میری گڑیا؟'' تیمور نے پیار سے اسے دیکھا پھر ڈھکن اٹھا کر پتیلی میں جھانکنے لگا۔

''سچ بھائی! آپ کو پتا نہیں مجھے کتنا شوق تھا کہ آپ اس طرح آئیں۔''

''اب تمہارے سارے شوق پورے کروں گا۔ یہ بتاؤ کہ بلال اور زیب کے درمیان کچھ ہے۔''

''جی بھائی!'' شنذرا کے ہاتھ میں چمچ لرز گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تیمور ایسی کوئی بات پوچھ لے گا۔

''گھبراؤ نہیں۔ جب تک میں نہیں تھا۔ بے خبر تھا لیکن اب تو ہر بات جاننا میرا حق ہے کہ نہیں اگر ایسی کوئی بات ہے تو بتاؤ۔''

تیمور نے اسے نرمی سے سمجھایا تو اس نے بھی سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

''کوئی تعلق ہے نہیں بھائی تھا۔ آنٹی انکل نے تو باجی کو پروپوز بھی کیا تھا مگر امی نے انکار کر دیا۔''

''کیوں انکار کیوں کر دیا؟ بلال سے بڑھ کر معقول رشتہ کون سا ہو سکتا تھا زیب کے لیے' بلکہ دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں اور پھر اس فیملی نے تو ہمیشہ ہمارا ساتھ ہی دیا ہے پھر انکار کیوں کیا؟'' عمیر کو یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔ وہ وجہ جاننا چاہتا تھا۔ شنذرا کو اور کیا چاہیے تھا۔

''بھائی! بس آپ کو کیا بتاؤں کہ ہم تو۔ بس ان کے احسانات کی نذر ہو گئے۔ امی تو بھائیوں کی محبت میں شروع ہی سے پاگل رہی ہیں اسی وجہ سے۔''

''تیمور بھائی! ذرا جلدی سے آیئے گا۔''

قبل اس کے کہ شنذرا اصل بات بتاتی اسد جلدی میں تھا۔ تیمور اس کی آواز پر اٹھ کر اس کے ساتھ چلا گیا۔ شنذرا بل کھا کر رہ گئی۔

''اس منحوس کو ہمیشہ ہماری خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ بننا ہوتا ہے۔''

وہ دیر تک اسد کو کوستی رہی۔ تیمور واپس آیا...... تو بزرگوں کی محفل سجی تھی سب ہی خوش گپیوں میں مصروف تھے وہ بھی کچھ دیر کے لیے ان کے درمیان آ کر بیٹھ گیا۔

''بھئی نسیمہ! اللہ تعالیٰ کا کرم ہو گیا ہے عمیر بیٹا آ گیا ہے اب زیب اور شعیب کی شادی کی تاریخ نہ رکھ دی جائے۔''

شوکت صاحب کی اس بات پر کمرے میں جیسے سناٹا سا چھا گیا۔ بزرگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ان کے لیے تو یہ خبر نئی نہیں تھی مگر عمیر کے لیے نہ صرف یہ خبر نئی تھی بلکہ انتہائی ناپسندیدہ اور اذیت ناک تھی۔ اس خبر سے اس کے دل و دماغ میں دھماکے ہونے لگے۔ وہ شخص جس نے اسے زخم دیئے تھے وہی اس کا بہنوئی بننے جا رہا تھا۔

اس نے شاکی نظروں سے ماں کو دیکھا جو پہلے ہی گھبرا رہی تھیں۔ انہوں نے تو ابھی بیٹے سے ذکر بھی نہیں کیا تھا مگر انہوں نے نظروں ہی نظروں میں التجا ضرور کی تھی کہ ابھی کچھ نہ بولے اسی لیے وہ خاموشی سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ملال اور ناپسندیدگی نے بہت سے لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''میں پوچھتا ہوں اب تک مجھے لاعلم کیوں رکھا گیا۔ اتنی بڑی بات اتنا بڑا فیصلہ اور...... اور مجھے کانوں کان خبر نہیں ہونے دی۔''

شاید زندگی میں پہلی بار اسے اتنا غصہ آیا تھا۔ اس کی آواز میں گرج تھی۔ بہنیں سہم گئیں۔

''کیا ہوا بھائی؟'' زیب نے ڈرتے ڈرتے تیمور کو دیکھا۔

''صدف! امی کو بلا کر لاؤ۔'' غصہ سے عمیر کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا صدف جلدی سے باہر نکل گئی شنذرا اور زیب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔ مگر...... بھائی کے غصے کی وجہ نہیں معلوم تھی۔ تھوڑی دیر میں امی بھی آ گئیں تو تیمور ان کی طرف بڑھا۔ دکھ سے اس کی آواز بھرا گئی اسے شدید صدمہ پہنچا تھا کہ اس کا ازلی دشمن شعیب اس کی پیاری بہن کا شوہر بننے جا رہا تھا۔

"امی! یہ میں کیا سن کر آ رہا ہوں شعیب اور زیب کی شادی..... ناممکن۔"

تیمور نے سخت اور فیصلہ کن لہجے میں ناممکن کہا تو نسیمہ بیگم ڈول گئیں۔ بھائی کی محبت ان کے احسانات اور ان کی خواہش کہ وہ زیب کو بہو بنانا چاہتے ہیں اور پھر اب بیٹے کی مخالفت وہ تو ڈھے سی گئیں کیونکہ تیمور کے تیور مان جانے والے نہیں تھے۔

"ٹھیک ہے بیٹا! میں مانتی ہوں کہ ماضی میں شعیب کا رویہ غلط رہا ہے مگر اب تو وہ بہت بدل گیا ہے۔ بہت اچھا ہو گیا ہے اور بھائی جی نے تو ہمیشہ تم لوگوں کا خیال رکھا۔ زیب کو وہ بے حد چاہتے ہیں وہ دل کے مریض ہیں۔ اب اگر ایسی کوئی بات کی گئی تو ان کے لیے خطرناک بھی ہو سکتی ہے اور پھر میرے بچے درگزر اچھی بات ہے۔"

نسیمہ بیگم نے آرام سے پیار سے اسے سمجھایا۔ تیمور تحمل سے سب کچھ سنتا رہا اس نے ایک نظر بہنوں پر ڈالی۔ وہ تینوں دم سادھے سہمی کھڑی تھیں وہ غور سے زیب کو دیکھنے لگا تمام تمناؤں کی داستان رقم تھی اس خوبصورت چہرے پر۔ وہ شاید کمپرومائز کر لیتا اگر زیب خوش ہوتی۔

"ٹھیک ہے امی مجھے آپ کی کسی بات سے اختلاف نہیں اور درگزر کا درجہ بھی بے حد بلند ہے یہ بھی جانتا ہوں بات اگر صرف میری حد تک ہوتی تو میں شعیب کو اپنا خون بھی معاف کر دیتا۔ وہ ماہ و سال بھی معاف کر دیتا جو میں نے اس کی وجہ سے آپ لوگوں سے دور رہ کر تڑپ کر گزارے ہیں مگر میں اسے نئی حیثیت میں قبول کرنے پر تیار نہیں ناممکن۔"

تیمور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو وہ تینوں خوش ہو گئیں۔ امید کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔ جبکہ نسیمہ بیگم بجھ کر رہ گئیں۔

"مگر بیٹے اب کیا ہو سکتا ہے۔" وہ بجھی بجھی سی بولیں۔

"امی! میں آپ کو دکھ دینا نہیں چاہتا لیکن اگر ہمیشہ کی طرح اس معاملے میں بھی آپ نے اپنے بھائیوں کو فوقیت دی تو۔ تو پھر شعیب اور عمیر میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لیں۔ کیونکہ میں شعیب جیسے بچھو خصلت شخص کو بہنوئی کی حیثیت سے قبول نہیں کر سکتا۔"

وہ اپنا فیصلہ حتمی انداز میں سناتا دروازے کی طرف بڑھا تو بہنیں تڑپ اٹھیں۔

"بھائی!"

☆.....☆.....☆

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا اب اس کا حال سنائیں کیا
کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں پھر سچا شعر سنائیں کیا

اطہر نفیس کی یہ غزل جو فرید خانم نے بڑے جذب کے عالم میں گائی تھی شروع ہی سے اسے پسند تھی اس کا ایک ایک شعر اس کے حسب حال تھا۔ خصوصاً یہ شعر اسے بے حد پسند تھا۔

اک ہجر جو ہم کو لاحق ہے تا دیر اسے دہرائیں کیا
جب جسم ہی سارا جلتا ہو پھر دامن دل کو بچائیں کیا

یہ شعر تو اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست تھا یہ شاعر ادیب لوگ بھی کیا لوگ ہوتے ہیں احساسات اور جذبات کی یوں ترجمانی کرتے ہیں کہ ہر کوئی یہ ہی سمجھتا ہے گویا اس کے احساسات کی

ترجمانی کی گئی ہے۔

آمنہ کتنی ہی دیر سے مستقل اس شعر کو ریورس کر کے سن رہی تھی شاعر کے جذبے گلوکارہ کی آواز کا سوز اس کے دکھوں سے اس کی تنہائی سے ناتمام آرزوؤں..... سے ہم آہنگ ہو گیا تھا۔ آج شہاب کو دیکھ کر تو وہ سارے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے۔ درد پھر سے جاگ گئے تھے۔ کتنا بدل گیا تھا شہاب کہاں وہ کھلنڈرا سا شوخ سا خوبرو..... شہاب کہاں یہ سوبر سا کنپٹی پر سفید بال لیے زندگی سے اکتایا سا اپنے بچوں بیوی کے ساتھ وہاں بیٹھا تھا۔

"شہاب!" اک ٹیس سی آمنہ کے دل میں اٹھی اور پھر سارا ماضی نظروں میں گھوم گیا۔

وہ دن کتنے حسین تھے جب شہاب زندگی میں آیا تھا۔ پپا کے رشتے داروں میں دور پرے کا رشتے دار تھا۔ ایک پارٹی میں ملاقات ہوئی تھی۔ شہاب کی گہری شوخ نگاہیں آمنہ پر اٹھیں تو آمنہ کی پرسکون زندگی میں ارتعاش پیدا کر گئیں مگر اسے خود پر ضبط تھا اور ضبط مجبوری بھی تھا۔ فاطمہ اور حارث کا انجام اس کے سامنے تھا اور وہ کسی ایسی محبت کی داغ بیل نہیں ڈالنا چاہتی تھی جس کا انجام موت ہو یا ناکامی ہو مگر اس کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے جذبے تو خود رو پودے کی طرح اپنی جڑیں پھیلاتے چلے جاتے ہیں اور پھر شہاب تو گویا دیوانہ سا ہو گیا تھا۔ کوئی جملہ ایسا ہر بار بول دیتا جو دھڑکنوں..... میں ارتعاش پیدا کر جاتا۔ وہ پہروں اس کے متعلق سوچتی رہتی اور ہزار احتیاطوں کے باوجود دونوں آتش عشق کی تپش سے محفوظ نہ رہ سکے۔ دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکنے لگے۔ آمنہ اپنے حالات جانتی تھی۔ اسی لیے محتاط رہتی مگر شہاب تو جنونی تھا اس کے معاملے میں۔

"میں..... میں تم سے سچ کہہ رہا ہوں آمنہ! میں تمہارے بغیر جی نہیں پاؤں گا۔"

شہاب کے لہجے کی بازگشت آمنہ کے قریب ہی گونجی مگر یہ وہ دور تھا جب ممی پپا کا عروج تھا۔ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ اور پھر شہاب کا بھی انجام حارث کی طرح ہوا اور ان دونوں کی محبت بھی روایتی سماج کی نذر ہو گئی۔ شہاب تو اس قدر جنونی تھا کہ اسے کسی کا کچھ خیال..... آیا نہ اپنے والدین کے اکلوتے پن کا احساس ہوا کہ اگر وہ نہ رہا تو والدین کیونکر زندہ رہیں گے۔ مگر وہ تو آمنہ سے بچھڑ کر اپنے کو روگ لگا بیٹھا۔ اس نے خودکشی کی کوشش کر ڈالی مگر اللہ کو زندگی منظور تھی کہ بچ گیا پھر اس کے والدین اسے لے کر یو۔کے چلے گئے اور ہجر کے اس جنگل میں آمنہ اکیلی بھٹکتی رہی آج جب شہاب کو اپنی بیوی بچوں کے ساتھ دیکھا تو زخم ہرے ہو گئے تھے۔ پور پور دکھ رہا تھا۔ ان کی زندگی بھی کتنی عجیب تھی۔ کوئی بھی تو زندگی سے خوش اور مطمئن نہیں تھا۔ سب ہی تشنہ لب تھے۔

"آمنہ!" وہ جانے کب تک ماضی کی راکھ میں چنگاری تلاش کرتی کہ مہوش نے آ کر لائٹ آن کر دی اور آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کے تازہ احساس کے ساتھ وہ مضطرب دل لیے..... اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے آمنہ؟" مہوش رشتے اور عمر میں اس سے چھوٹی تھی مگر خیال بالکل بڑی بہنوں کی طرح رکھتی۔

"کچھ نہیں مہوش۔" لفظ دکھی لہجے سے گویا ٹوٹ کر گرے۔

"یہ شہاب کون ہے جسے دیکھ کر تم بے ساختہ پکار اٹھی تھیں۔" مہوش نے اس کی دکھتی رگ پر

ہاتھ رکھ دیا تو گرم گرم پانی روانی سے پھیلتا چلا گیا۔ مہوش نے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا۔

"شہاب نام ہے مہوش ایک ٹوٹے خواب کا' ناتمام آرزو کا' شکستہ دل کا۔"

اور پھر مہربان دوست بہن اور بھابی کے ساتھ لگ کر اس نے ساری بات بتا دی۔ تو مہوش کو بھی بے حد صدمہ ہوا۔ وہ تو آمنہ کو بڑا سخت اور مضبوط سمجھتی تھی مگر وہ بھی زخم خوردہ تھی۔ وہ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر ایسا کیوں ہوا ہے۔ اس گھر میں غیر فطری باتیں کیوں ہوتی ہیں۔ دیکھو ناں آمنہ! ضروری تو نہیں کہ عورت اور بچے اسی کے ہوں کسی اور کے بھی تو ہو سکتے ہیں۔"

مہوش نے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا والی بات کی مگر آمنہ نے یہ دلیل رد کر دی۔

"نہیں مہوش! وہ والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ اپنے لیے نہ سہی اس نے ان کی خاطر شادی کر لی ہوگی اور پھر یہاں سے اسے کون سی امید ملی تھی کہ وہ اپنی زندگی برباد کرتا۔"

"اچھا چلو ذرا مارکیٹ تک چلیں۔ فریش بھی ہو جاؤ گی اور میں کچھ شاپنگ بھی کر لوں گی کچن کی۔"

"بے بی کو لے جاؤ مہوش! میں کچھ بہتر محسوس نہیں کر رہی۔"

آمنہ اس وقت اپنی یادوں کے ساتھ تنہا رہنا چاہتی تھی اس نے ٹشو سے چہرا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں مجھے معلوم ہے سارا وقت تم روتی رہو گی اور میری جان! میں جانتی ہوں دکھ تو رگوں کو کاٹ ڈالتا ہے اور رونے سے انسان جی تو ہلکا سکتا ہے مگر کچھ سنوار نہیں سکتا اٹھو شاباش میں چینج کرنے جا رہی ہوں۔ تم بھی فریش ہو جاؤ اٹھو۔"

مہوش نے اس خیال سے کہ یہ رو رو کر ہلکان ہو گی...... جان بوجھ کر فوری طور پر مارکیٹ کا پروگرام بنا لیا تھا۔ دس منٹ بعد وہ آئی تو آمنہ جوں کی توں بیٹھی تھی۔ مہوش نے مصنوعی غصہ طاری کر لیا۔

"اس کا مطلب ہے کہ میرے ہی خلوص میں کھوٹ ہے۔"

"مہوش کیا کہہ رہی تم۔ تم تو اللہ کی طرف سے تحفہ ہو۔ تمہارے لیے ایسی باتیں کہوں گی۔"

"اچھا ایسی ہی بات ہے تو میری بات کیوں نہیں مانی۔"

"بس اتنی سی بات۔ ارے تم جیسی بھابی پر تو بندہ جان بھی فدا کر دے چلو۔"

آمنہ نے جلدی سے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے اور بال درست کر کے آ گئی۔

"چلو"۔ مہوش نے ایک نظر اس کے خوبصورت چہرے پر ڈالی شدت گریہ سے اس کی ناک اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ صرف اس کی خاطر فریش ہوئی تھی۔ کس قدر دکھی ہیں یہ لوگ مہوش نے دکھ سے سوچا شاپنگ تو کوئی خاص نہیں کرنی تھی مہوش نے کچن کا سامان لیا اور اب دونوں جوس کارنر پر کھڑی تھیں۔

"میرا خیال ہے۔ ہم اوپر چل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ بہت تھکن ہو رہی ہے۔"

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔" دونوں سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ گئیں۔ قدرے تاریک کونے میں...... بیٹھ گئیں۔ جوس کے سپ لیتے ہوئے آمنہ کی نظریں ایک بار پھر اوپر آتے شہاب پر ٹھہر گئیں۔

اس وقت وہ تنہا تھا

"شہاب!" جوس آمنہ کے ہاتھوں میں لرز گیا تو مہوش نے اس کی نظروں کے زاویے کی سمت دیکھا تو سامنے خوبرو سا۔ شہاب...... کھڑا آمنہ ہی کو دیکھ رہا تھا...... سیدھا اسی کی طرف بڑھا مگر پھر مہوش کا خیال کر کے دکھ کا احساس لیے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ واپس پلٹ ہی رہا تھا کہ مہوش نے پکارا۔

"شہاب!" وہ مڑا

"آئیں ناں...... میں آمنہ کی بھابی ہوں۔" مہوش نے بڑی خوش خلقی سے کہا تو شہاب ماہ وسال کی گرد کی دھند میں لپٹی آمنہ کو دیکھتا ہوا آ گیا درد پھر سے جاگ اٹھے۔ شہاب کتنی ہی دیر آمنہ کو دیکھتا رہا جس کی آنکھوں میں اس کا سراپا دھندلانے لگا تھا۔

"کیسی ہو آمنہ؟" شہاب کے لہجے کی وہی گمبھیرتا تھی جس کی وہ اسیر ہوئی تھی۔

"ویسی ہی ہوں۔" اس نے آہستگی سے کہا۔

"محترمہ! آپ واقعی ان کی بھابی ہیں۔"

شہاب کے لہجے میں چبھن کے ساتھ ساتھ حیرت بھی تھی۔

"ہاں جی۔ کیوں آپ کو شک ہے۔" مہوش شوخی سے مسکرائی۔

"جی ہاں...... ان کے ہاں شادیوں کا رواج جو نہیں۔"

شہاب نے گہرے لہجے میں بولتے ہوئے آمنہ کو دیکھا اور پھر سگریٹ سلگانے لگا۔

"مگر رواج بدلتے بھی تو ہیں۔ ویسے آج آپ کی مسز نہیں آئیں۔"

"مسز...... ہاں وہ۔" شہاب رک کر آمنہ کو دیکھنے لگا۔

☆......☆......☆

ناتمام حسرتوں کا کرب شہاب کے لہجے میں اتر آیا۔ آمنہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''آج ایک مدت کے بعد ہم ملے ہیں تو یقین ہی نہیں آرہا ہے۔''

شہاب آمنہ کو دیکھے گیا۔ یہ وہی آمنہ تھی جسے دیکھنے جس سے ملنے کے لیے وہ کتنے حیلے بہانوں سے ان کے ہاں جایا کرتا تھا۔ اسے یاد تھا وہ جب بھی آتا۔ انکل آنٹی مشکوک نظروں سے اسے دیکھتے۔

''مہوش نے آپ سے کچھ پوچھا تھا آپ کی سفر کے بارے میں؟''

آمنہ نے آہستگی سے پوچھا تو ایک پرسوزسی مسکراہٹ شہاب کے ہونٹوں پر آگئی۔

''نہیں آمنہ! میں چاہوں کسی کو اور اپناؤں کسی کو... منافقت میں کبھی بھی نہیں کر سکتا آمنہ۔ یہ الگ بات کہ ماں میرے سہرا باندھنے کا ارمان لیے قبر میں اتر گئی۔'' ڈھیر سارا درد شہاب کے لہجے میں اتر آیا۔

''اس روز ہوٹل میں آپ کے ساتھ کون تھیں وہ خاتون اور بچی؟''

آمنہ نے آہستگی سے پوچھا تو شہاب ہنس دیا۔

''ایک دوست کی فیملی تھی وہ اٹھ کر ایک ضروری فون کرنے گیا تھا۔''

''اس کا مطلب ہے آپ۔ آپ غیر شادی شدہ ہیں؟'' مہوش کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ اپنی خوشی نہ چھپا سکی۔ آمنہ کے لبوں پر بھی ایک لمحے کے لیے مسکراہٹ ابھری پھر معدوم ہوگئی۔ گزرے سال اور ان کی اذیت دل میں کانٹے کی طرح چبھی تھی۔ اب اتنے سال گزر جانے کے بعد اس کے دامن میں کیا تھا۔ شہاب بھی کھویا نظر آرہا تھا۔

بیرا آگیا تو مہوش نے چائے بنا کر شہاب کی طرف بڑھائی۔

''آپ گھر آئیں ناں شہاب بھائی!'' مہوش نے کہا تو شہاب نے گردن ہلا دی۔

☆......☆......☆

''دیکھا۔ دیکھا آمنہ! شہاب نے ابھی تک شادی نہیں کی اور تم بے وجہ مایوس ہو رہی تھیں۔''

مہوش کو آمنہ سے زیادہ خوشی ہوئی تھی شہاب سے مل کر اور یہ جان کر کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہے۔ وہ جو فاطمہ کے بعد آمنہ اور نجل کی خوشیوں کے لیے پریشان رہا کرتی تھی۔ آج شہاب سے مل کر بے حد خوش تھی۔

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' وہ تو اس وقت بھی مخلص تھا۔ میرا طلب گار تھا۔ ہم دونوں تو وہیں کھڑے ہیں مہوش جہاں سے بچھڑے تھے۔'' آمنہ نے مایوسی سے کہا۔

''مایوسی گناہ ہے آمنہ! اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ہر حال میں بہتری کی امید رکھنی چاہیے۔ تم دونوں وہی ہو' تمہارے جذبے وہی ہیں مگر اللہ کی مہربانی سے حالات تو وہ نہیں بہت بہتر حالات ہیں۔''

مہوش نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا تو آمنہ کے سامنے پپا کا غضب ناک روپ آگیا۔

''سب باتیں درست ہیں مہوش! مگر پپا۔ میرا نہیں خیال کہ پپا اب بھی کوئی فیصلہ کریں گے اب جبکہ فیصلوں کی عمر بھی نہیں رہی۔ ہمارے والدین نے ہمیں دنیا بھر سے مختلف انداز میں پرورش کی ہے۔ اس قدر پرآسائش زندگی دی مگر۔ سچی اور حقیقی خوشیاں؟ کوئی بھی آج تک مما پپا کی پالیسی کو جان نہیں سکا کہ انہوں نے فطرت سے انحراف کیوں کیا۔ یہ راز نہ کوئی پا سکا ہے اور نہ ہی۔''

''میں پپا سے یہ راز معلوم کر کے رہوں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ اندیشوں کو ختم کر کے خوابوں کی راہ گزر سجاؤ۔ ٹھیک ہے ناں۔''

مہوش اس کے گال پر پیار کرتی باہر نکل گئی تو آمنہ جو مستقل تاریکیوں میں سفر کرتے کرتے خوشیوں کا رستہ بھول گئی تھی۔ شہاب کے لوٹ آنے سے اس کے اردگرد روشنی سی پھیلنے لگی تھی۔ اوپر سے مہوش کی...... باتیں زندگی سے قریب کرنے لگی تھیں۔

''یا اللہ اب تو اندھیروں کو اجالوں میں تبدیل کر دے۔''

اس نے کھڑکی کھول کر سیاہ آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھ کر دعا کی۔

☆......☆......☆

''کون ہے؟''

فاروق صاحب نے مڑ کر دروازے کو دیکھا جہاں سے آواز آئی تھی۔

''میں ہوں پپا! آپ آرام نہ کر رہے ہوں تو آجاؤں۔''

مہوش نے ذرا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

''آؤ...... آؤ بیٹے۔'' انہوں نے پیار سے مہوش کو دیکھا۔

''کیسے ہیں پپا آپ؟ اور سوپ ویسے کا ویسا رکھا ہے۔ پپا! ہمیں آپ کی بے حد ضرورت ہے۔ اپنے لیے نہیں تو ہمارے لیے ہی اپنا خیال رکھا کریں۔ لیجیے۔''

مہوش نے ان کی ٹانگوں پر کمبل درست کیا اور سوپ کا پیالہ ان کے لرزتے ہاتھوں میں تھما دیا۔ فاطمہ کی موت کے بعد کتنا بدل گئے تھے پپا۔ کتنے صحت مند اور مضبوط تھے مگر اب ایک اپنی بات منوانے والے سخت گیر شخص کی جگہ ایک مجبور' شکست خوردہ' ہارا ہوا انسان سامنے تھا۔ چہرے سے حزن وملال' ناکامی ونامرادی ٹپک رہی تھی۔

''میں ٹھیک ہوں بیٹا! آج میں اپنی اولاد کی عدالت میں کھڑا ہوں۔ میں اپنے ہر جرم کا اعتراف کرتا ہوں اور ہر سزا کے لیے تیار ہوں۔'' دو آنسو بڑی آہستگی سے پپا کے بوڑھے چہرے پر پھیل گئے۔

''پپا! آپ نے کیسے جانا کہ میں کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔''

مہوش نے بڑھ کر ان کا...... چہرہ صاف کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا تو وہ اس کو دیکھنے لگے۔

"بیٹا! جب انسان کی آنکھیں کھل جائیں تو وہ ان کہی باتیں بھی سمجھنے لگتا ہے اور تمہارے چہرے پر سارے سوالات لکھے ہیں تمہیں جو سوال کرنا ہے۔ کرو بیٹا! میں تمہارے ہر سوال کا جواب پوری سچائی کے ساتھ دوں گا۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اجازت دی تو مہوش اپنی بات کے لیے مناسب الفاظ تلاش کرنے لگی کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں اس نوعیت کا پہلا واقعہ دیکھا تھا کہ کوئی باپ اپنی اولاد کو زندگی کی تمام خوشیاں دینے کے باوجود فطری فرائض سے روگردانی کرے۔

"پپا! آپ کا تعلق معاشرے کی اس کلاس سے ہے جسے اپر کلاس کہا جاتا ہے جہاں اگر خوشیاں...... نہ ملیں تو دولت سے خرید لی جاتی ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر چیز سے نوازا۔ پھر بھی آپ نے اور حقیقی خوشیوں سے محروم رہے۔ خود ہی اپنی وجہ سے۔ کیوں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے صاحب حیثیت والدین بنایا اور صاحب علم بھی پھر آپ نے۔ اللہ کے حکم اور اللہ کے رسول پاک کی سنت پوری کیوں نہیں کی' کیا وجہ تھی۔ جس نے آپ کو فطرت سے روگردانی کرنے پر اکسایا۔ ایسا کیوں کیا پپا آپ نے کیوں؟"

مہوش نے تو سوال کر دیا تھا آسانی کے ساتھ' مگر وہ نہیں جانتی تھی جواب کے لیے۔ پپا کو خود اپنی روح کو کانٹوں پر گھسیٹنا پڑے گا۔ ماضی کے دھاگے آپس میں الجھ چکے تھے۔ وہ کہاں سے بات شروع کرتے۔ کوئی سرا ہاتھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ تو وقت کی جمی گرد میں اپنا ماضی تلاش کر رہے تھے۔ تب ان کی نگاہوں میں وہ وقت گھومنے لگا' جب وہ ابھی بچے تھے۔

ان کی تین پھوپھیاں تھیں۔ بڑے نازونعم میں پلی بڑھیں بے حد حسین اور سگھڑ تھیں نہ حسن کی کمی تھی اور نہ دولت کی۔ پتا بھی نہ چلا کہ تینوں کی شادیاں بڑی دھوم دھام سے ہو گئیں۔ سب بے حد خوش تھے مگر بعض خوشیاں لمحاتی عمر رکھتی ہیں۔ ان کو اچھی طرح یاد تھا کہ بڑی پھپھو جب بھی آتیں پہلے سے کمزور نظر آتی تھیں ان کی اولاد نہیں تھی۔ سب یہی سمجھتے تھے کہ یہی دکھ ہے۔ مگر دادا جان کو جلد ہی پتا چل گیا کہ ان کا انداز غلط ہے۔ اولاد نہ ہونے کے جرم میں گھر میں ان کا نوکروں سے بدتر درجہ ہے۔ ان کی ساس نندیں گھر کا سارا کام کرواتی ہیں اور دن میں ایک وقت کھانا ملتا ہے۔ شوہر کی مار پیٹ الگ۔

دادا ابا سے یہ برداشت نہ ہوا تو بیٹی کو گھر لے آئے۔ شوہر نے فوراً ہی طلاق بھیج دی۔ شریف عورت کے لیے اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہو سکتی ہے۔ ان کو دل کا دورہ پڑا اور وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

ابھی ان کی موت کے زخم مندمل نہیں ہوئے تھے کہ چھوٹی پھپھو کے سسرال والوں نے آدھی جائیداد کا مطالبہ کر دیا۔ جب انکار کیا تو تین بچوں کی ماں کو طلاق دے کر گھر بٹھا دیا' گھر میں ایک قیامت کا سا سماں تھا دادا ابا کی ایک بیٹی کی موت دوسری کی طلاق نے کمر توڑ کر رکھ دی۔

وہ بستر سے لگ گئے۔ فاروق احمد کو اپنے دادا جان سے...... عشق تھا۔ وہ ان کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گئے۔ ابھی سب ان صدمات کے اثر سے باہر نہیں آئے تھے کہ درمیان والی پھپھو دو بچوں کے ساتھ بیوہ ہو کر آ گئیں۔ تب دادا ابا کی آخری بات جو آخری ہچکی میں ڈھل گئی یہ تھی۔ میرے خدا کسی کو بیٹیاں نہ

دے اور بیٹیاں ہوں تو یوں برباد نہ ہوں۔

چودہ سالہ فاروق احمد جسے اپنے دادا اور پھوپھیوں سے بے پناہ پیار تھا۔ خود کو کس قدر اکیلا اور دکھی محسوس کرتا تھا اور اس کم سنی میں جس عمر میں شادی کا مفہوم بھی پتا نہیں ہوتا۔ اس بچے نے روتے ہوئے خود اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ اول تو وہ شادی نہیں کرے گا۔ اگر کرے گا اور بیٹیاں ہوئیں تو وہ ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھے گا۔ دنیا کی ہر نعمت ان کے قدموں میں ڈھیر کر دے گا مگر ان کی شادیاں نہیں کرے گا۔

اور فاروق احمد نے اپنا عہد پورا کر دکھایا۔ تینوں بیٹیوں کو جان سے عزیز رکھا مگر ان کی شادیوں کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔ کتنے اچھے اچھے رشتے انہوں نے اس وہم کی نذر کیے تھے۔ وہ بیٹیوں کو دیکھتے تو ان کو ان میں اپنی مظلوم پھوپیاں نظر آتیں۔ اپنی شدید محبتوں میں بھی انہوں نے اپنے اور ان کے درمیان ایسا رویہ رکھا کہ وہ کبھی ان سے سوال کرنے کی جرات نہ کر سکیں۔ ان سے کوئی تقاضا نہ کر سکیں۔ اسی لیے تو انہوں نے بیٹوں کی بھی شادیاں نہیں کی تھیں کہ بیٹیاں ان کو ناانصاف نہ سمجھیں لیکن فطرت کے خلاف کوئی لڑ سکا ہے کبھی۔

ان کی طرف سے لگائی پابندیوں کو سب سے پہلے نبیل نے مہوش جیسی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے توڑا۔ پھر راحیل کی شادی انہوں نے بزنس کی وجہ سے مجبوراً کی۔ مگر بیٹیوں کے لیے انہوں نے کبھی نہیں سوچا وہ اندھا دھند فطرت کے خلاف لڑتے ہوئے اپنے عہد کو پورا کر رہے تھے۔ اور ان کی معصوم بیٹیاں جن کو انہوں نے ظاہری طور پر شہزادیاں بنا کر رکھا تھا۔ احساس کمتری کے کس کرب سے گزر رہی ہیں۔ یہ سب سوچنے کے لیے ان کے پاس وقت کہاں ہوتا تھا۔

"میری معصوم مظلوم بیٹیوں نے اور میری بیوی نے میرا عہد پورا کرنے میں میری ہمیشہ مدد کی ہے۔ مہوش بیٹی! میری فاطمہ۔ میری بیٹی فاطمہ صبروضبط کی منہ بولتی تصویر تھی۔ حارث اس کی زندگی کی واحد خواہش تھا۔ پسند تھا۔ ہم نے اسے بھی ختم کر دیا تو اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ ناکامی اور نارسائی کے روگ کو لہو میں کینسر بنا کر پرورش کرنے لگی اور جب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو بازی ہاتھ سے نکل چکی تھی۔ میری فاطمہ رخصتی کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ میں اس قدر تہی دامن ہو چکا تھا کہ بیٹی کو دینے کے لیے دعائیں بھی نہیں رہی تھیں میرے پاس۔ اور وہ ساری خواہشیں سارے شکوے شکایات لیے قبر میں اتر گئی۔ میں کسی کو کیا بتاتا۔ کیسے یقین دلاتا کہ میں اپنے ساتھ کیے عہد کا طوق گلے میں ڈالے جی رہا ہوں مگر۔ مگر میں اپنی بیٹیوں کو ناقدرے ہاتھوں میں نہیں دے سکتا تھا۔ کیوں نہیں سمجھتے یہ لوگ۔"

چودہ سال کا وہ بچہ جس نے پھوپھیوں کی ناکام زندگی کو...... ان کے آنسوؤں کو دیکھتے ہوئے اپنی بیٹیوں کی شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا...... اپنی عمر کے ستر برس سولی پر لٹک کر گزارنے کے بعد آج پچھتاووں کا شکار تھا۔ جواب وہ تھا دنیا کے سامنے بھی اور اولاد کے سامنے بھی مگر وہ اپنے دل کے زخم کس کو دکھاتا۔ دکھ کی وہ تصویریں کیسے ان کو دکھاتا۔ اس کرب سے کیسے ان کو آگاہ کرتا جس دکھ کرب اور اذیت سے اس کی پھپیاں دادا اور گھر والے گزرے تھے۔

مہوش نے ان کو رونے دیا تا کہ ایک مدت کا جو غبار اندر جمع تھا۔ وہ ختم ہو جائے۔ وہ بچوں کی طرح ہچکیوں کے ساتھ رو رہے تھے۔ بار بار فاطمہ کو پکار رہے تھے۔

"پپا! پانی لیجیے۔" مہوش نے اپنے آنچل سے ان کا چہرہ صاف کرتے ہوئے پانی ان کی طرف بڑھایا۔ تو وہ دھندلی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگے۔

"بیٹے! میں کتنا بدنصیب ہوں کہ زندگی بھر نعمتوں سے منہ موڑتا رہا۔ اگر گھر میں وقت پر...... بہوئیں آ جاتیں۔ بیٹیاں اپنے گھروں میں آباد ہوتیں۔ پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں ہوتے تو زندگی جنت کا منظر پیش کرتی گھر میں۔" وہ ایک بار پھر رونے لگے۔

"گیا وقت اور کمان سے نکلا ہوا تیر کبھی لوٹ کر نہیں آتا لیکن دکھ اور افسوس کا مقام تو یہ ہے پپا کہ آپ نے اپنی پھوپھیوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی ہی کو سب کچھ سمجھ کر قسم کھالی اور اسے اپنی ضد بنالیا۔ سب ہی محروم تمنا رہے نہ بیٹیوں کے گھر آباد ہو سکے اور نہ بیٹے ہی شاد ہو سکے۔ یہ زندگی ہے پپا۔ اس میں ہر انسان کے ساتھ مختلف حالات پیش آتے ہیں۔ ہر انسان کی قسمت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ ایک باپ کی اولاد کی قسمت بھی ایک جیسی نہیں ہوتی کچھ تو خوش وخرم اور شادو آباد ہوتے ہیں اور کچھ تمام عمر روتے سسکتے زندگی گزار دیتے ہیں۔ پھر آپ نے یہ کیسے یقین کرلیا کہ اگر آپ کی پھوپھیوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے تو بیٹیوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔"

مہوش بڑے جذب اور تحمل سے پپا کو سمجھا رہی تھی جو اس وقت بالکل بچہ لگ رہے تھے۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے بیٹا! تمہیں دیکھ کر تو انسانیت پر اعتبار آنے لگتا ہے۔"

"انسان اشرف المخلوقات ہے پپا! انسانیت ختم نہیں ہوئی۔ یہ الگ بات کہ انسان اپنی خوشیوں کو وہموں کی نذر کر کے اپنی زندگی برباد کر لیتا ہے۔ اور۔"

"میری بچی! میں تو سب کا مجرم ہوں۔ خدا کا گناہ گار ہوں۔ اولاد کا مجرم ہوں۔ بیٹیوں کا مجرم تو تھا ہی میں نے راحیل کی زندگی بھی اپنے کاروباری فائدے کی نذر کردی۔ تم نے دیکھا ہے وہ کس قدر ٹوٹ گیا ہے۔ شہرین نے اسے ایک پل بھی سکھ نہیں دیا۔ شہرین کو پسند کرنا میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی۔"

وہ پچھتاوں کے بھنور میں گھرے ہر غلطی کا اعتراف کر رہے تھے۔

"چھوڑیں پپا! اب تو وہی مثل ہے کہ اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ آپ تو خیر اپنے عہد میں جکڑے ہوئے تھے۔ مما کو تو کچھ کرنا چاہیے تھا وہ تو۔"

"ناں۔ ناں بچی! اس عورت کو کچھ نہ کہنا۔ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ اس نے تو تمام عمر میرے حکم پر گزار دی۔ میں نے شادی کی پہلی رات جو سمجھا دیا۔ اس نے تمام عمر اسی پر عمل کیا۔ حارث اسے بھی پسند تھا اور میری فاطمہ کی پہلی پسند تھا مگر۔ مگر میں نے صوفیہ سے کہا کہ ہر بات آگے نہیں بڑھنی چاہیے اور پھر میں نے اور صوفیہ نے اپنی معصوم بچی کی خوشیوں کی کونپلوں کو کچل ڈالا۔ صوفیہ شدت غم سے روتی تھی مگر میں تو گویا پتھر بن گیا تھا۔ اپنی پھوپھیوں کی عبرت ناک زندگی میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکا۔"

وہ رہ رہ کر...... پچھتا رہے تھے۔ گزرا ہوا ایک ایک پل نظروں کے سامنے تھا۔ حارث کس طرح مچلا تھا ان کے سامنے ان کی ہر شرط پوری کرنے کو تیار تھا۔ ان کی بچی کو ہمیشہ خوش رکھنے کی قسمیں کھا رہا تھا مگر وہ نہیں مانے تھے۔

"چلیے چھوڑیے پپا! آگے کی سوچیں۔"

"آگے کی کیا سوچوں بیٹا! میرے دامن میں تو سوائے پچھتاووں کے کچھ ہے ہی نہیں ہر طرف سے مجرم ہوں۔ میرے ہر حکم کو ماننے والی صوفیہ...... بستر مرگ پر لیٹی خالی نظروں سے مجھے دیکھتی ہے۔ جیسے کہہ رہی ہو۔ فاروق تم نے ہم سب کی زندگی اپنے وہم کی نذر کردی۔ میں اسے کیا جواب دوں۔"

وہ تھکے ہارے لہجے میں بولتے نڈھال سے ہو کر لیٹ گئے۔ مہوش کو ان پر ترس آنے لگا۔ کیا ملا تھا انہیں کون سی خوشی ان کا مقدر بنی تھی۔ وہ ان کا سر دبانے لگی۔ مایوسی نے ان کو نڈھال سا کر دیا تھا۔

"پپا! اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ فاطمہ باجی کی زندگی ہی اتنی تھی اور ان کے ساتھ جو ہوا۔ اب اس کا ازالہ اس صورت ہو سکتا ہے کہ ہم آمنہ اور نگل کی شادیاں دھوم دھام سے کریں۔"

"کیا مطلب؟" وہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ اندھیرے میں انہیں روشنی کی کرن دکھائی دی تھی۔

"مطلب یہ پپا کہ آپ نے اپنے وہم اور عہد میں بہت وقت برباد کر دیا۔ اب اللہ کی رحمت پر بھروسا کریں اور آمنہ اور نگل کی شادی کے بارے میں سوچیں۔"

مہوش کی بات پر برسوں بعد دل میں امنگ جاگ اٹھی۔ چہرے پر تازگی بھی آئی تھی مگر وہ پھر کانپ اٹھے۔

"نہیں۔" وہ ایسے چونکے جیسے خوفناک خواب دیکھا ہو۔

"پپا پلیز۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھیں۔ اچھی امیدوں کے ساتھ بسم اللہ کریں۔ دیکھیے گا۔ آپ کے وہم اس طرح خوشیوں میں تبدیل ہوں گے کہ آپ حیران رہ جائیں گے۔"

پھر کتنی ہی دیر مہوش ان کو سمجھاتی رہی اور وہ حیران ہوتے رہے کہ وہ اس بے بنیاد وہم کی وجہ سے کیا کچھ کھو بیٹھے ہیں۔

"مگر بیٹا آمنہ کی عمر۔ اب کچھ دیر نہیں ہوگئی۔"

وہ آمنہ کی عمر سے خوف زدہ ہو رہے تھے۔

"پپا! آپ فکر نہ کریں۔ اول تو ایسی کوئی خاص عمر زیادہ بھی نہیں ہوئی اور پھر۔"

"ہاں بیٹے میں جانتا ہوں کہ میرا تعلق معاشرے کی کس کلاس سے ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ میری بچی کی طرف کوئی لالچ میں بڑھے اور میری بچی حقیقی خوشیوں کو ترسے۔ اب میں اس کے چہرے پر انوکھی خوشیوں کی سحر طلوع ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔ ہر کسی کو دولت کی چاہت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ سچے خلوص اور بے لوث چاہتوں کے مالک ہوتے ہیں اور سچے جذبوں کے ساتھ ہمارے طلبگار ہوتے ہیں۔ آپ کو شہاب یاد ہے ناں۔"

یہ تھی وہ بات جس کے لیے اسے اتنی لمبی تمہید باندھنا پڑی اور پپا کو ماضی کو بے نقاب کرنا پڑا۔ اس کی بات پر چونک کر انہوں نے دیکھا۔

"شہاب۔" ایک ساتھ کئی چہرے نظروں میں گھوم گئے۔ شہاب کے والدان کے دوست تھے اور جب ان کو شہاب اور آمنہ کی دلچسپی کا پتا چلا تھا تو انہوں نے کسی تعلق کا خیال نہیں کیا تھا۔

''جی پپا! ابھی چند روز قبل ہی شہاب سے ملاقات ہوئی ہے۔ ہم لوگ کھڑے تھے کہ آمنہ کی نظر شہاب پر پڑی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور مجھے بھی ساری بات بتادی۔ پپا وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔''

''میں کس کس سے شرمندہ نہیں ہوں۔ میرے سارے تیر کمان سے نکل چکے ہیں۔ شہاب بھی۔''

''اسی لیے تو کہا تھا۔ پپا جو لوگ سچے ہوتے ہیں۔ سچے جذبوں کے امین ہوتے ہیں۔ وہ مستقل مزاجی سے تکلیفیں برداشت کرتے ہیں مگر راہ نہیں بدلتے۔ شہاب بھی تو ثابت قدمی سے کٹھن راستوں سے ہوتا ہوا پہنچ گیا ہے۔ کیا اب بھی آپ اسے اپنا بیٹا نہیں بنائیں گے۔ وہ تو ماضی کی طرح آج بھی حقیقی اور سچی خوشیاں لیے آمنہ کا طلبگار ہے۔ کیا اب بھی آپ اسے عزت نہیں دیں گے پپا؟'' مہوش سوالیہ نظروں سے ان کو دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

''کیا بات ہے۔ پریشان ہو؟''

''ہاں......'' علی کے پوچھنے پر تیمور نے گہرا سانس لے کر علی کو دیکھا اور اٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ہوگیا۔

''کیوں؟''...... علی بھی اس کے برابر آن کھڑا ہوا۔

''یار! جب تک ان سے ملا نہیں تھا۔ ان کے مسائل اور مجبوریوں کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ اب پتا چلا ہے کہ میں نے فرار کی راہ اختیار کر کے...... ان کے ساتھ بھی زیادتی کی تھی۔ سب کچھ ہی تو گڑبڑ ہو گیا ہے۔ امی اور بہنیں مکمل طور پر مالی اعتبار سے ماموؤں پر انحصار کرتی ہیں۔ ظاہر ہے جب ان کا کھائیں گے تو ان کا حکم بھی ماننا پڑے گا۔ اور میں بھی کوئی ایسا طرم خان نہیں بن سکا کہ اپنے گھر والوں کو ماموؤں کے احسان تلے سے نکال سکوں۔ مسائل فوری حل چاہتے ہیں اور میں۔ یار! سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں کہ جلد ہی میرے مسائل حل ہو جائیں۔''

''ایک حل ہے میری نظر میں۔''

''کیا؟'' تیمور سوالیہ انداز میں اس کی طرف گھوم گیا۔

''مس نکل کے ساتھ بزنس پارٹنر بن جاؤ۔''

علی شوخی سے مسکرایا تو تیمور اسے گھورنے لگا۔

''تمہارا قصور نہیں۔ میرا ہے کہ میں سب کچھ جانتے ہوئے تم سے مشورہ مانگ لیتا ہوں۔''

''یار! اس میں اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ گزارہ تو ہو رہا ہے ناں اور پھر ابو! اب وائنڈ اپ کر کے پاکستان آرہے ہیں۔ سوچتے ہیں۔ فکر کی کیا ضرورت ہے۔''

''نہیں علی! بہت ہوگیا۔ دوسروں پر انحصار۔ میں اب خود پر انحصار کرنا چاہتا ہوں۔ دوسروں پر انحصار انسان کو بہت سارے سمجھوتے کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ میری ماں، بہنوں کو کہاں کہاں سمجھوتا نہیں کرنا پڑا۔''

''تیمور صاحب! میں تمہارا ماموں یا کزن نہیں ہوں۔ تمہارا دوست ہوں۔ دوستی میں سب کچھ

قربان کیا جاسکتا ہے۔ احسان یا کمپرومائز نہیں کیا جاتا۔''

علی کو تیمور کی بات پر کچھ غصہ سا آ گیا۔

''تیری دوستی پر تو مجھے فخر ہے یار علی!''

''ہوں۔ اسی لیے ذلیل کرتے ہو۔'' علی خفا ہو کر الگ ہوگیا۔ تیمور اس سے لپٹ گیا۔

''اچھا۔ بکواس بند کرو۔ میں بہت پریشان ہوں زیب کے بارے میں۔''

''کیوں کیا ہوا ہے زیب کو! اگر ماموں شادی کا اصرار کرتے ہیں تو ہاں کہہ دو۔ یار! اللہ مالک ہے ہر بات کا۔''

علی کی وقتی خفگی ختم ہو چکی تھی۔

''بات صرف خرچ کی نہیں علی! میں نہیں چاہتا کہ زیب کی شادی شعیب جیسے بدنیت بندے کے ساتھ ہو۔ علی! وہ ڈرامہ باز شخص ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں نے اسی کی وجہ سے گھر چھوڑا اور آج وہی میرے گھر کا اہم رکن بننے جا رہا ہے اور یہ ہی مجھے گوارا نہیں۔''

''پھر کیا ہوسکتا ہے۔ تیمور! امی بتا رہی تھیں کہ ان ہی ماموں نے ان کا بہت ساتھ دیا تھا اور یہ رشتہ ماموں جان کی شدید خواہش پر طے ہوا ہے۔''

''دیکھا...... دیکھا علی! میں یہ ہی تو کہتا ہوں کہ۔ یہ سارا میرا ہی قصور ہے کچھ بھی ہو۔ علی امی کو منع کر دو ورنہ۔ ورنہ میں پھر گھر چھوڑ دوں گا۔''

تیمور کو رو رو کر غصہ آرہا تھا۔ وہ کسی صورت زیب اور شعیب کی شادی پر تیار نہیں تھا۔

''فضول باتیں نہ کرو تیمور! یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہاری عدم موجودگی نے ان بیچاروں کو کن حالوں میں پہنچا دیا۔ نامساعد حالات سے دوچار رہے۔ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑا۔ اپنی ضروریات کے لیے ناپسندیدہ باتیں بھی برداشت کرنا پڑیں اور تم پھر...... تم تو بڑے ٹھنڈے مزاج کے تھے۔ شعیب مناسب شخص نہیں زیب کے لیے مگر اب جبکہ ان کی منگنی ہو چکی ہے۔ امی اور ماموں۔''

''یہ تمام باتیں میں جانتا ہوں علی مگر میں شعیب اور زیب کی شادی نہیں ہونے دوں گا۔ میں اپنی معصوم بہن کی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گا۔ یہ شخص اس قدر حاسد ہے علی کہ شذرا بتا رہی تھی کہ یہ پہلے کسی اور کے ساتھ انوالو تھا جب بلال نے زیب کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تو اس نے اپنے اختیارات استعمال کر کے بلال کا پتا صاف کرا دیا اور...... نہیں میں اس کی خصلت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''ہوں۔'' تیمور کی کیفیت اور حالات جان لینے کے بعد علی نے بڑی معنی خیز ہوں کی۔ وہ اس ہوں کے پس منظر میں کچھ سوچ رہا تھا۔

''یہ معاملہ ذرا گمبھیر ہے تیمور! ہمیں بہت سوچ سمجھ کر بات کرنا پڑے گی کیونکہ اس میں امی اور بڑے ماموں انوالو ہیں اور ان کو خفا بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے کرتے ہیں پہلے امی کو اعتماد میں لیتے ہیں پھر۔''

''کچھ بھی کرو علی! لیکن یہ رشتہ ختم ہونا چاہیے بس...... اچھا چلو آؤ...... ذرا بلال کی طرف چلتے ہیں۔ ایک کام کہا ہوا تھا اسے۔''

دونوں اٹھ کر باہر آئے۔ وہ لوگ باہر نکل رہے تھے۔ فریا سیڑھیاں چڑھتی اوپر آ رہی تھی تیمور

اور علی ایک ساتھ ٹھٹک گئے۔

"یار! یہ فریا عباس ہے ناں۔" تیمور نے سرگوشی میں پوچھا۔

"سو فیصدی لیکن یہاں اس کا۔"

"ایکسیوزمی زیب ہے گھر پر؟" فریا اوپر آچکی تھی۔

"جی ہاں ہے آپ فریا عباس ہی ہیں ناں۔"

"جی میں فریا عباس ہی ہوں اور آپ تیمور اور علی بھائی ہیں لیکن آپ زیب کے گھر کیسے۔" فریا نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"زیب کے گھر ہم دونوں اس لیے کہ زیب ہماری چھوٹی بہن ہے اب آپ بتائیں کہ آپ زیب......کو کیسے جانتی ہیں۔"

"بس زیب سے اتفاقیہ دوستی ہوگئی تھی۔ اب یہ حال ہے کہ بات کیے بغیر رہا ہی نہیں جاتا۔ کافی روز سے بات نہیں ہوئی تھی۔ سو چلی آؤں۔ ویسے آپ زیب کے بھائی ہیں۔ یہ انکشاف حیران کن بھی ہے اور خوش کن بھی۔"

"بس یہ بھی ایک داستان ہے۔ زیب نے بتایا تو ہوگا آپ کو۔ خیر سلیم کہاں ہوتا ہے۔ اس کی تو کوئی خبر نہیں ملی۔"

"بس بھائی تو اس واقعے کے بعد امریکہ سیٹل ہوگئے ہیں۔ اس ذلیل لڑکی نے میرے چاند سے بھیا کی زندگی برباد کردی......" فریا اپنے بھائی کا ذکر کرکے افسردہ ہوگئی۔

"بس قسمت میں یہ ذلت لکھی تھی ورنہ یار دوستوں نے کتنا سمجھایا تھا کہ شیبا اچھی لڑکی نہیں۔ مگر سلیم اپنی شرافت کے ہاتھوں مات کھا گیا۔ خیر ہوتے ہیں ایسے کردار بھی معاشرے میں جن کی اپنی تو عزت ہوتی نہیں۔ دوسروں کو بھی بے عزت کرنے میں لطف محسوس کرتے ہیں۔"

"اور ہم تو دونوں بہن بھائی۔" فریا کے چہرے پر کرب ناک سائے گزر گئے۔ اور وہ کچھ بولتے بولتے خاموش ہوگئی۔

"تم لوگ ٹھہرو۔ میں ابھی چائے لے کر آیا۔" علی اندر کی جانب بڑھا۔

"چائے اور یہاں...... سیڑھیاں پر؟" تیمور نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں بھئی! جب دنیا جہان کی باتیں یوں چورا ہے پر ہوسکتی ہیں تو چائے نہیں پی جاسکتی۔ حد ہوگئی بھئی۔ اوپر آؤ۔ آرام سے بیٹھ کر بندہ دکھ سکھ کی باتیں کرتا ہے۔"

علی نے منہ بگاڑ کر کہا۔ تیمور واقعی شرمندہ سا ہوگیا۔

"اوہ سوری! فریا آؤ ناں۔ اندر ہے زیب۔"

فریا تیمور کے پیچھے اوپر آگئی۔

"زیب! ارے...... زیب کہاں ہو۔ دیکھو۔ کون آیا ہے۔"

تیمور کی پرجوش آواز پر زیب اور شنذرا باہر آگئیں۔

"ارے فریا تم۔ اتنا زبردست سرپرائز دیا تم نے۔" زیب تیزی سے فریا کی طرف بڑھی۔

"بھائی یہ میری بے حد اچھی دوست ہے۔ حالانکہ میرے اور اس کے درمیان رشتہ ذرا غلط قسم

کا ہے۔" زیب نے ذرا سنجیدہ ہوکر کہا۔

"تمہاری تو یہ دوست اب بنی ہے ناں۔ میں اسے اپنے دوست کی بہن کی حیثیت سے پہلے سے جانتا ہوں۔ تم لوگ بیٹھو شنذرا! چائے بناؤ اچھی سی۔"

فریا اور زیب ڈرائنگ روم میں آگئیں۔ تیمور علی کے ساتھ باہر کی طرف بڑھا۔

"لو بھئی لڑکیو چائے بن گئی۔"

تیمور اور علی چائے کے لوازمات لے کر آچکے تھے۔

"بھائی! آپ کو پتا ہے۔ زیب باجی اور فریا باجی کی دوستی کی وجہ کیا ہے۔"

شنذرا نے کیک پلیٹ میں رکھتے ہوئے کہا۔ وہ تمام باتیں بھائی کے گوش گزار کردینا چاہتی تھی۔

"کیا؟" علی نے بسکٹ منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

"شعیب بھائی۔"

"شعیب!" دونوں چونک کر...... مڑے تو جواباً شنذرا نے چائے سیٹ کر کے صدف کو اندر بھیج دیا اور خود ساری بات ان کو بتادی۔ تیمور کا خون کھول اٹھا۔

"تو یہ بات ہے۔ وہ خبیث آدمی ایک وقت میں دو معصوم لڑکیوں...... دیکھا علی! میں نہ کہتا تھا کہ یہ شخص کبھی درست نہیں ہوسکتا۔ ایک طرف فریا کو دھوکہ دیا اور دوسری طرف میری بہن کو۔ ہرگز نہیں۔"

تیمور کو شدید غصہ آگیا۔ اس نے غصے سے اپنے ہاتھ پر مکہ مارا۔

"حوصلے سے کام لو تیمور! یہ تو اور بھی اچھا ہوگیا کہ ہمیں انکار کا جواز ہاتھ آگیا۔ اب فریا سے اس سلسلے میں مزید بات کرتے ہیں۔"

اور پھر تیمور سے صبر نہ ہوسکا۔ اس نے فریا سے سب کچھ اگلوالیا۔

"فریا! تمہیں یہ ہی شخص ملا تھا بدنیت۔"

"بس تیمور بھائی! غلطی بھی تو انسانوں ہی سے ہوتی ہے ناں۔ اسی وجہ سے زیب جیسی دوست مل گئی مگر کیا ستم ہے۔ میں اپنی دوست کو بچا بھی نہیں سکتی۔" فریا روہانسی ہوگئی۔

"ایسی بات نہیں ہے فریا! خدا نے تمہیں زیب سے......ملایا ہی اس لیے ہے کہ تم اس کی مدد کرسکو۔ یہ سب اللہ کی طرف سے...... ہوتا ہے۔ بس تمہیں اتنا کرنا پڑے گا کہ ماموں جان کے سامنے یہ کہہ دینا کہ اس نے تمہارے ساتھ جھوٹی محبت اور شادی کا وعدہ کیا اور پھر بغیر کسی وجہ کے پیچھے ہٹ گیا یہ دھوکا ہے کہ نہیں۔ میں اپنی بہن کی زندگی برباد نہیں ہونے دوں گا۔"

تیمور کے بس میں ہوتا تو اسی وقت جا کر انکار کردیتا۔

"بھائی! ایسا ہوسکتا ہے؟" زیب کے چہرے پر کرنیں پھوٹنے لگی تھیں۔ شنذرا نے خوشی اور بے یقینی سے تیمور کو دیکھا۔

"انشاءاللہ!" تیمور نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ اسی وقت شانی۔ گھبرائی ہوئی اندر آئی۔

"بھائی آہستہ بولیے امی اٹھ گئی ہیں۔"

"انہوں نے کچھ سنا تو نہیں۔" زیب گھبرا گئی۔

"نہیں ابھی اٹھی ہیں۔"

"ٹھیک ہے تیمور بھائی! میں زیب کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔ آپ تو سلیم بھائی کی طرح ہیں میرے لیے۔"

فریا نے بیگ اٹھایا اس کے چہرے پر عجیب دکھ اور خوشی کے ملے جلے تاثرات تھے۔ وہ لوگ ابھی ڈرائنگ روم سے نکلے ہی تھے کہ سامنے شعیب کھڑا تھا۔ فریا کو یہاں دیکھ کر یک لخت ایک سرد لہر شعیب کے جسم میں دوڑ گئی۔ فریا کی اس گھر میں موجودگی کوئی معمولی بات تو نہیں تھی۔ زیب سہم سی گئی۔ عجیب سی چویشن تھی۔ شعیب اندر سے کچھ گھبرایا ہوا تھا مگر اس نے خود کو بڑا لاپروا ظاہر کیا۔ فریا پر یوں نظر ڈالی۔ گویا پہلی بار دیکھ رہا ہو۔ دکھ کی شدید لہر فریا کے دل میں اتر گئی۔

"اچھا زیب! میں چلتی ہوں۔" فریا نے ایک تیز نگاہ شعیب پر ڈالی اور آگے بڑھ گئی۔

شعیب... سیدھا نسیمہ بیگم کے کمرے میں آ گیا۔ اس کا یہ انداز تیمور کو بالکل اچھا نہیں لگا۔ وہ بھی اندر کی طرف بڑھا مگر علی نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"تحمل سے ابھی کوئی گڑبڑ کرنے کو نہیں مانگتا۔ وقت آنے پر ہم اس گدھے کو گنجا کرنا مانگتا کیوں گڑیا ٹھیک بولا ناں۔"

علی نے چپ چاپ رہنے والی صدف کی پونی ہلائی تو اس کے انداز پر وہ سب ہنس پڑیں۔

تیمور بھی مسکراتا ہوا اندر کی طرف گیا مگر قدم باہر ہی جم گئے۔

"آؤ بیٹے۔ بیٹھو۔ خیریت تو ہے ناں۔ تمہارا موڈ کچھ خراب لگ رہا ہے۔"

نسیمہ بیگم نے شعیب کی طرف دیکھا جو اس وقت گھبراہٹ اور غصے میں خود کو عجب الجھن میں محسوس کر رہا تھا۔

"اب کیا کہوں۔ پھپھو! گھر کو تو آپ نے یتیم خانہ بنا لیا۔"

"کیوں بیٹا کیا بات ہے۔ کیوں کہی تم نے یہ بات؟"

نسیمہ بیگم کو اس کا یہ انداز برا تو لگا مگر برداشت کر گئیں۔

"پھپھو! جب سے عمیر واپس آیا ہے۔ گھر کا ماحول عجیب سا ہو گیا۔ ایک لاوارث لڑکی شانی کا اضافہ ہو گیا۔ اس کا کچھ اتا پتا نہیں۔ کون ہے۔ کس خاندان سے ہے اور عمیر کے ساتھ آپ سے ہے کس حیثیت سے؟"

"شعیب!" اس کی گھٹیا بات پر جہاں نسیمہ بیگم کو غصہ آ گیا وہاں تیمور کا خون کھول اٹھا۔ شانی اسے سگی بہنوں سے زیادہ عزیز تھی۔

"شعیب! شانی ایک انتہائی نیک شریف پارسا بچی ہے۔ میرے عمیر کی بہن ہے تو میری بیٹی ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں بات کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہیے۔ کہ کیا کہنے جا رہے ہو۔ یوں بھی وہ علی بیٹے کی منکوحہ ہے۔"

"واہ علی کی بھی خوب کہی پھوپھو! یہ علی کس خوشی میں یہاں دندناتا ہوا پھرتا ہے۔ عمیر کو احساس نہیں کہ گھر میں جوان بہنیں ہیں اور۔"

"مجھے بہت اچھی طرح احساس ہے کہ میرے گھر میں جوان بہنیں ہیں۔ اسی لیے میں نہیں چاہتا کہ آپ میرے گھر تشریف لایا کریں شعیب صاحب۔"

اب عمیر کا ضبط جواب دے گیا تو وہ اندر آ گیا نسیمہ بیگم خوف زدہ ہو گئیں۔

"عمیر!" شعیب کی انا پر کاری ضرب پڑی تو وہ چیخا۔ عمیر بے نیاز بنا رہا تو وہ نسیمہ بیگم کی طرف مڑا۔

"دیکھ رہی ہیں پھوپھو! عمیر نے کس قدر غلط بات کی ہے۔ اسے اتنا احساس نہیں کہ میں کزن ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا بہنوئی۔"

"شعیب! مانا کہ ہم تمہارے ٹکڑوں پر پلے ہیں اور احسان فراموش بھی نہیں ہیں ہم۔ کزن ہونے سے تو میں انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ دوسرے رشتے۔"

"پھوپھو!" شعیب نے شکایتی نظروں سے پھوپھو کو دیکھا جو خوف زدہ نظروں سے تیمور کو دیکھ رہی تھیں۔

"میں بچپن والا دس سالہ بے بس عمیر نہیں ہوں شعیب مائنڈ یو۔"

عمیر نے اس کے مقابل آ کر مضبوطی سے شعیب کے شانے دبائے۔

"عمیر...... میرے بچے۔ میرے بیٹے! سنبھل جاؤ بیٹے دونوں بھائی ہو دشمن نہیں ہو کہ۔"

نسیمہ بیگم گھبرا کر دونوں کے بیچ آ گئیں۔ دونوں ایک دوسرے کو خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"رشتوں کی پہچان اپنے بیٹے کو کرا، ایئے پھوپھو جسے اپنوں سے بڑھ کر دوسروں پر اعتماد ہے۔" شعیب نے عمیر کو گھورا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔

"خدا خیر کرے۔" زیب شعیب کو اتنے غصے میں جاتے دیکھ کر...... خوف زدہ ہو گئی۔

"کچھ نہیں ہوتا باجی! اللہ نے ہماری سن لی ہے۔ بھیا لوٹ آئے ہیں۔"

مضبوط اعصاب کی مالک شنزا ان کے لیے ایسے معمولی واقعات اہمیت نہیں رکھتے تھے۔

"عمیر! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

نسیمہ بیگم سر تھام کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"اور امی! اسے وہ سب کہنا چاہیے جو اس نے شانی کے لیے علی کے لیے کہا خدا کی قسم امی یہ دونوں میری زندگی ہیں۔ اس کے باوجود آپ اس جیسے گندی ذہنیت کے آدمی کو بیٹی دینا چاہتی ہیں وہ بھی زیب جیسی بیٹی جس نے محض آپ کی خاطر اپنی قربانی پیش کر دی۔ امی آپ کو پتا ہے یہ فریا جیسی اچھے خاندان کی نیک لڑکی کو شادی کا دھوکا دے چکا ہے۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی آپ۔ کیوں؟ امی کیوں؟"

عمیر کا چہرہ شدت ضبط سے سرخ ہو رہا تھا۔ ماں کا انتہائی ادب کرنے کے باوجود وہ لہجے پر اختیار نہ رکھ سکا۔

"میں مانتی ہوں چاند! کہ اس نے غلط باتیں کی ہیں مگر میں بھائی جی اور بھابی کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ ٹھیک ہو جائے گا۔ شعیب۔ تم فکر نہ کرو۔ بیٹے! بھائی جی اسے سیدھا کرنا جانتے ہیں۔"

"ہونہہ! اب تک تو کر نہ پائے۔ اب کریں گے بڑھاپے میں سیدھا۔ نجانے کیسی ماں ہیں امی آپ کہ جانتے بوجھتے بیٹی کو جہنم رسید کر رہی ہیں۔ احسانات کی دلدل میں...... گھٹ کر مر جائے گی آپ کی بیٹی۔ امی میں آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں۔ یہ رشتہ ختم کر دیں۔"

''میرے خدا! میرے صبر و ضبط کے، برداشت کے امتحان کب ختم ہوں گے۔ کیا کروں میرے پروردگار کیا کروں۔''

نسیمہ بیگم چہرہ دوپٹے سے ڈھانپ کر رونے لگیں۔ ان کے لیے تو واقعی مشکل ہو گئی تھی۔

ایک طرف بیٹا تھا جسے کتنی دعاؤں کے بعد پایا تھا۔ دوسری طرف بھائی بھاوج تھے جنہوں نے ہر قدم پر ساتھ دیا تھا۔ عمیر کچھ دیر دکھی نظروں سے دیکھتا رہا وہ کب اپنی جنت کو دکھ دینا چاہتا تھا۔ وہ بھی کیا کرتا۔ وہ شعیب کو نئی حیثیت میں قبول کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتا تھا۔ وہ آہستگی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اور تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔

''علی بھائی! جائیں دیکھیں بھیا کہاں جا رہے ہیں۔ یہ منحوس شعیب نجانے ہماری زندگی میں۔ جائیں پلیز۔''

بہنیں پریشان ہو گئی تھیں۔ جبکہ علی سینے پر ہاتھ باندھے سوچ رہا تھا۔

''علی بھائی! جائیں بھی۔'' پریشانی میں شانی نے بھی اسے علی بھائی کہہ دیا۔ تو وہ اسے گھورنے لگا۔

''لڑکی! کیوں نکاح کے ٹکڑے کرنے پر تلی ہو۔ بھائی میں ان لوگوں کا ہوں تمہارا تو۔'' وہ شانی کو گھورتا ہوا لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جن کے چہروں سے پریشانی ہویدا تھی۔

''سوری علی! جائیے بھی۔ بھائی بہت پریشان گئے ہیں۔''

شانی نے ایک طرح سے علی کو دھکا دیا۔

''افوہ بھئی دھکے کیوں دے رہی ہو اتنا اطمینان رکھو کہ تم لوگوں کا لاڈلا بھائی خودکشی بھی میرے بغیر نہیں کرے گا چلو سب اپنے اپنے نقشے درست کرو، بالجماعت بسورتی ہوئی چڑیلیں لگ رہی ہو۔''

علی نے جان بوجھ کر ان کو فریش کرنے کی کوشش کی، مگر ان کے دل بھائی میں اٹکے ہوئے تھے۔ وہ بھی تیزی سے سیڑھیاں اتر آیا۔ رات کافی خنک تھی۔ تیمور ایک سرد ستون کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

''سر! شانہ حاضر ہے۔'' علی نے اپنا شانہ تیمور کے سامنے کر دیا تو وہ اسے دیکھنے لگا۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ میں جانتا ہوں تمہیں اس شانے کی اکثر و بیشتر ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ لہٰذا آج بھی حاضر ہے۔''

''یار علی! میں بے حد اپ سیٹ ہوں۔'' تیمور تھکے تھکے لہجے میں بولا۔

''تو میری جان! اس کو بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو اپنی پریشانیوں کا اشتہار بنے ہوئے ہیں۔ یوں اشتہار بننے سے مسائل حل نہیں ہوتے یار!۔''

''پھر میں کیا کروں علی!'' وہ بے بس سا ہو گیا تھا۔

''تمام معاملات اللہ پر چھوڑ دو۔ وہ ہی مسبب الاسباب ہے چلو طارق روڈ...... چلتے ہیں کافی دن ہو گئے ہیں۔ قسم سے نیل پالش ختم ہوئے کئی دن ہو گئے ہیں۔''

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے علی نے اسے ہنسانے کی کوشش کی مگر اس کے دل و دماغ میں شعیب کی باتیں گونج رہی تھیں اور نظروں میں امی کا آنسوؤں سے تر چہرہ اور بہنوں کے بجھے چہرے گھوم رہے تھے۔

''یار علی! سوچتا ہوں، کاش میں واپس آیا ہی نہ ہوتا۔ نہ ان کی مجبوریاں ان کے سمجھوتے دیکھے

ہوتے پتا ہے۔ اس گھٹیا انسان نے کیا بکواس کی ہے۔''

اور جب وہ علی کو اس کی باتیں بتا رہا تھا تو ایکسلیٹر پر کبھی دباؤ اتنا بڑھ جاتا کہ گاڑی غیر متوازن ہو جاتی۔ گیر پر رکھے ہاتھ میں سختی آ گئی مگر وہ ضبط کر گیا۔ کیونکہ اس وقت اگر وہ بھی طیش میں آ جاتا تو بکھرے تیمور کو کیونکر سمیٹ پاتا۔

''گندے جوہڑ سے ہمیشہ بدبو ہی آتی ہے تیمور! دفع کرو چلو آؤ۔ رات کے دس بج رہے ہیں اور یہاں لگتا ہے دن چڑھا ہوا ہے۔ اصل میں شادیوں کا موسم ہے۔ شادی سے یاد آیا۔ یار موسم تو آیا ہوا ہی ہے۔ کر ڈالو تم بھی ایک آدھ شادی۔''

رونق دیکھتے ہوئے علی نے اپنا اور اس کا موڈ فریش کرنے کی غرض سے کہا۔ ہر طرف روشنیاں تھیں۔ لوگوں کا ہجوم تھا۔

''ہونہہ شادی! میں تو اپنی بہنوں کی شادی بھی اپنی پسند سے نہیں کر سکتا۔'' علی نے بددلی سے کہا۔

''یار! امی مجبور ہیں کیا کریں اب۔''

''تو ٹھیک ہے۔ امی اپنی مجبوریوں کی قیدی بنی رہیں مگر میں اپنی بہنوں کو سسکتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔''

''لیکن جو میں دیکھ رہا ہوں، وہ دیکھنا پسند کرو گے، وہ سامنے دیکھو۔''

علی کی نگاہوں کے تعاقب میں تیمور کی نظریں بھی سامنے بنارسی ہاؤس میں عروسی لباس پسند کرتی تجل پر جم گئیں۔

''تجل۔'' کچھ دیر کے لیے تیمور سوائے تجل کے سب کچھ بھول گیا طرح طرح کے خوبصورت جھلملاتے کپڑوں میں وہ ان ہی کا ایک حصہ لگ رہی تھی۔ چہرے پر گویا بہاریں رقصاں تھیں۔ ساتھ میں آمنہ اور مہوش بھی تھیں۔ بے حد خوش تھیں۔ خاص طور پر تجل بے حد خوش تھی۔

''خدا خیر کرے۔ بڑی خطرناک شاپنگ ہو رہی ہے۔ کہیں تجل کی۔''

تیمور کی نظریں تجل کے خوبصورت چہرے پر جمی تھیں۔ جس سے کرنیں پھوٹ رہی تھیں تیمور ایک گہرا سانس لے کر رہ گیا نارسائی کا احساس دکھی کر گیا۔

''یار! تم تو اچھے خاصے افسانہ نگار بن گئے۔ ضروری تو نہیں کہ تجل ہی کی شادی ہو کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔'' علی نے پھر اسے سہارا دیا۔

''دیکھو سب لوگ اسی سے پوچھ رہے ہیں، کپڑے سیلز مین اسی کو دکھا رہا ہے۔''

''تو اس سے یہ کہاں ثابت ہو گیا۔ اسی کی شادی ہے چلو آؤ کنفرم کر لیتے ہیں۔'' علی نے اس کا بازو پکڑ کر گھسیٹا۔

''نہیں یار! اس کے بھائی بھی ہیں ساتھ۔'' تیمور کترایا۔

''ہیں تو کیا ہوا بھئی۔ ہم لوگ یونیورسٹی فیلو ہیں۔ ہائے ہیلو کریں گے تو عقدہ آپ ہی کھل جائے گا۔ چلو مسئلہ حل ہوا۔ بھائی صاحب تو سامان لے کر غالباً گاڑی کی طرف جا رہے ہیں۔ سیڑھیوں پر کیلے کا چھلکا نہ رکھ دوں۔''

علی نے راحیل کو پیکٹ پکڑ کر سیڑھیاں اترتے دیکھ کر کہا تو تیمور گھورنے لگا۔

''گھور کیوں رہے ہو۔ تمہارے بھلے کو کہہ رہا ہوں۔ پھسل جائیں گے۔ ایک آدھ ہڈی کھسک جائے گی تو کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا۔ تم اتنی دیر میں ہیر سے کچھ کہہ سن لینا۔

''فضول باتیں نہ کرو چلو۔'' تیمور اس وقت قطعی کسی اور بات کے موڈ میں نہیں تھا۔

''چلو آؤ۔'' علی نے بھلا اس کی کب سنی تھی۔ اسے بازو سے گھسیٹتا ہوا تجل کی طرف لے گیا۔

''بھائی زبردست۔'' تجل نے ایک سرخ جھلملاتا ہوا دوپٹہ پکڑ کر کہا۔

''تو پھر پیک کر دوں؟''

دکان دار تو بولا نہیں تھا پھر یہ آواز کہاں سے آئی۔ تجل اور مہوش پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگیں۔

''ہیلو ہیلو۔'' علی لٹکتے ہوئے دوپٹوں کے درمیان سے جھانکتے ہوئے شوخی سے بولا تو تجل اسے دیکھ کر ایک دم کھل اٹھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا تیمور بھی ساتھ ہوگا۔

''ارے آپ یہاں کیسے؟'' تیمور نجانے کس طرف کھڑا تھا کہ تجل کو نظر نہیں آیا۔

''بھئی جیسے آپ یہاں۔'' علی اسی کے انداز میں بولتا سامنے آ گیا اشارے سے آمنہ اور مہوش کو سلام کیا۔

''بھئی۔ ہم تو عروسی لباس خریدنے آئے ہیں۔'' تجل بے حد خوش تھی۔

''کیوں۔'' علی نے بے ساختہ کہا۔

''ارے بھئی شادی ہو رہی ہے۔''

''ابھی نہیں۔ مجھے کہیں بیٹھ جانے دیں۔ بھائی صاحب! ایمرجنسی نمبر ڈائل کر کے رکھیے۔ ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جی اب بتائیے۔ کس کی شادی ہو رہی ہے۔''

علی نے دل پر ہاتھ رکھ کر حفاظتی اقدامات کرتے ہوئے پوچھا تو تجل بے ساختہ ہنس پڑی۔

''آمنہ کی۔'' تجل نے پیار سے آمنہ کو دیکھا تو وہ شرما گئی۔

''اوہ شکر خدایا! اب سانس بحال ہوا ہے۔ آ جاؤ تیمور میاں خطرہ ٹل گیا ہے۔''

علی نے شوخی سے تجل کو دیکھا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو تیمور کھڑا تھا اس اطلاع کے بعد اس کے چہرے پر سکون اور اطمینان آ گیا تھا۔

''مبارک ہو۔ آپ لوگوں کو یہ...... خوشی۔''

تیمور نے اسے دیکھتے ہوئے مبارک باد دی۔

''ایسے مبارک باد ہم وصول نہیں کرتے بھئی۔ آپ لوگ مبارک باد گھر دینے آئیں۔ ہم آپ کو انوائٹ کرتے ہیں شادی میں۔''

''واہ بھابی! ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ کے ہاں یوں شادی پر انوائٹ کیا جاتا ہے۔ ارے حد ہو گئی جناب آپ لوگوں کو ہمارے گھر آنا پڑے گا انوائٹ کرنے۔''

علی دھانسو انداز میں بولا تو مہوش ہنس پڑی۔

''بھئی یہ تو رسمی دعوت تھی۔ ہم گھر آ جائیں گے کارڈ لے کر۔''

''جی یہ ہوئی ناں بات۔ مس تجل آپ ضرور تشریف لائیے گا۔ سب آپ سے ملنا چاہتے

ہیں۔'' علی نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''ارے مس تجل! آپ اس کی باتوں میں مت آئیے۔ بک بک کرنا تو اس کی عادت ہے۔''

اور علی کی بات سے جو ستاروں کا شہر سجنے لگا تھا۔ ایک دم تاریک ہو گیا اس نے ایک خاموش سی نگاہ تیمور پر ڈالی اس ایک نگاہ میں کیا نہیں تھا۔ شکوہ تھا۔ شکایت تھی۔

''چلو یار! واپس چلیں۔ امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔''

وہ نظریں کتراتا ہوا بولا۔

''او کے جی تو پھر تجل میں انتظار کروں گا۔''

''ضرور انتظار کیجیے گا علی! مگر کارڈ کا اللہ حافظ۔''

تجل نے چبھتی نگاہ تیمور پر ڈالی اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا فریا کہ تم اس حد تک گر سکتی ہو۔''

شعیب نے وہاں سے آنے کے بعد پہلا فون فریا ہی کو کیا۔

''زبان سنبھال کر بات کرو شعیب! میں تمہاری باندی یا گرل فرینڈ نہیں ہوں جو اس انداز میں بات کر رہے ہو اور جس حد تک تم گر گئے ہو خدا نہ کرے کہ میں گروں۔'' فریا نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

''تو پھر میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔''

''یاد کرو۔ میں تمہارے راستے میں کبھی بھی نہیں آئی تھی پہلے بھی تم ہی میرے راستے میں آئے تھے اور کیا کیا جتن نہیں کیے تھے میرے دل میں جگہ بنانے کے لیے۔''

وہ وقت یاد کر کے فریا کا لہجہ بھیگ گیا۔

''بھول جاؤ وہ سب۔ نہیں چاہیے تمہارے دل میں جگہ تم زیب کو میرے خلاف ورغلانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ تمہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا یہ جان رکھو تم۔''

فریا کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی شعیب ہے جو اس کی محبت میں جان دینے تک تیار ہو جاتا تھا۔ درد کی ایک ٹیس دل میں اٹھی وہ ہرجائی نکلا تو کیا۔ اس نے تو اس سے سچی محبت کی تھی۔

''مجھے کسی کو ورغلانے کی ضرورت نہیں۔ زیب بہت اچھی لڑکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زیب کو بچانے کا بندوبست کر دیا ہے عمیر کی صورت میں۔''

''ہونہہ عمیر۔'' اس نے کھٹ سے فون رکھ دیا۔

☆......☆......☆

''امی! میں کچھ نہیں جانتا۔ اگر آپ نے اسی جمعہ کو میرا اور زیب کا نکاح نہ کیا تو۔ انجام برا ہوگا۔''

وہ عمیر سے حسد میں پاگل ہوا جا رہا تھا۔ آسیہ بیگم نے چشمہ اتار کر اسے دیکھا۔

''لڑکے! تمہارا دماغ۔ درست ہے کہ نہیں نکاح کیا اب ڈھنگ سے شادی کریں گے ذرا دم تو لو۔''

''نہیں امی! شادی وادی نہیں صرف نکاح کریں۔ اسی جمعے کو بس میں کچھ نہیں جانتا۔'' شعیب

نے انتہائی ہٹ دھرمی سے کہا۔

''بھائی! زیب ہماری کزن ہے۔ آپ عمیر بھائی سے خوف زدہ کیوں ہیں۔'' فائزہ اندر آتے ہوئے بولی۔

''یہ کیا عمیر۔ عمیر لگا رکھی ہے سب نے' کیا چیز ہے وہ۔ اس وقت بھی وہ میرے لیے بے وقعت تھا اور آج بھی۔ امی! ابو سے کہہ دیں ورنہ۔''

اس کی حالت عجیب جنونی سی ہو رہی تھی۔ بال پریشان' چہرہ سرخ' آسیہ بیگم اندر سے خوف زدہ ہو گئیں۔

''اچھا بیٹے! ذرا دم لو۔ آرام سے بیٹھو مجھے بتاؤ ہوا کیا ہے۔ زیب ہماری امانت ہے اور تم میرے بڑے بیٹے ہو۔ میں تمام ارمانوں کے ساتھ تمہارے سر پر سہرا باندھنا چاہتی ہوں تحمل سے بات کرتے ہیں۔''

''امی...... امی آپ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہیں۔ مجھے صرف نکاح کرنا ہے۔ صرف نکاح رخصتی پر آپ ارمان پورے کر سکتی ہیں۔''

شعیب نے نکاح کا مطالبہ کر کے سب کو پریشان کر دیا تھا۔

''ویسے شوکت! میں آپ کو بتاؤں۔ عمیر کی واپسی سے اس رشتے پر اثر پڑ سکتا ہے ایسا کرتے ہیں۔ پہلے نکاح کر لیتے ہیں۔ رخصتی بعد میں کرتے رہیں گے۔''

عمیر کی واپسی کا ان لوگوں نے خوشگوار اثر نہیں لیا تھا۔ شوکت صاحب بھی اس چکر میں آ گئے اور انہوں نے بے بس بہن سے جلدی نکاح کا مطالبہ کر دیا۔

''نسیمہ! ہمیں کچھ بھی تو نہیں چاہیے۔ اس جمعہ کو نکاح کر دیتے ہیں۔ پھر رخصتی ارمانوں سے کریں گے۔''

''بھائی۔'' نسیمہ بیگم کی جان مشکل میں آ گئی تھی۔ اس اچانک پروگرام کے پیچھے شعیب تھا وہ جانتی تھیں مگر دوسری طرف مدتوں کے بعد ملنے والا بیٹا تھا۔ وہ سوچ کے طوفانوں میں گھری کھڑی تھیں۔

''دیکھو نسیمہ! انکار نہ کرنا۔ تمہارے بھائی کی طبیعت بہت خراب ہے اور تیسرا دورہ تو یوں بھی خطرناک ہوتا ہے اور زیب کو وہ کتنا چاہتے ہیں تم جانتی ہی ہو۔''

آسیہ بیگم نے انہیں اپنے احسانات بھی گنوا دیے اور ان کی مجبوریاں بھی۔ مجبوریوں اور احسانات کے بھنور میں گھری نسیمہ بیگم چکرا کر گر پڑیں۔

''ٹھیک ہے بھائی جمعہ کو زیب اور شعیب کا نکاح کر دیں۔ عمیر کو اعتراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ اسے اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ خود تو جان بچا کر بھاگ گیا اور بہنیں بھابی آپ جمعہ کو آ جائیں۔ زیادہ سے زیادہ عمیر کو چھوڑنا پڑے گا ناں تو میں سمجھوں گی کہ میرا ایک ہی بیٹا ہے فرخ۔ عمیر تھا ہی نہیں۔''

ایک ماں نے جس طرح اپنے لخت جگر کے وجود سے جس طرح انکار کیا تھا اس کا بیان ناممکن ہے البتہ دروازے کے باہر کھڑا عمیر زمین پر ڈھے سا گیا۔

☆......☆......☆

''یار علی! کتنی آسانی سے امی نے میرے وجود سے انکار کر دیا۔ کتنی آسانی سے۔'' وہ علی کے شانے سے سر ٹکائے کہہ رہا تھا۔ دکھ سے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا۔

''فضول باتیں نہ کرو تیمور! ماں کو دنیا میں سب سے عزیز اپنی اولاد ہوتی ہے۔ یہ جملہ کہتے ہوئے امی کے دل پر جو قیامت گزری ہوگی۔ وہ خدا ہی جان سکتا ہے یا وہ خود جو اس کیفیت سے گزری ہیں وہ ماں ہیں۔ ان کو زیب کا خیال ہے اور تم میں تو ان کی جان ہے مگر وہ بھی مجبور ہیں۔

''علی! امی ان مجبوریوں کی جیل سے فرار حاصل کیوں نہیں کرتیں۔ نسل در نسل ان مجبوریوں کی اسیر کیوں رہنا چاہتی ہیں۔ علی کیوں؟''

علی کی دلیل سے تیمور کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

''کاش...... کاش میں ان لوگوں سے نہ ملا ہوتا۔ کم از کم ان لوگوں کی مجبوریوں اور اپنی کم مائیگی کا احساس تو نہ ہوتا۔ میں ان کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔'' تیمور شدید کرب میں مبتلا تھا۔

''اچھا پریشان نہ ہو۔ اللہ مسبب الاسباب ہے۔ نکل آئے گی کوئی نہ کوئی صورت۔'' علی نے اسے الگ کر کے چہرا صاف کیا۔

''یار علی! میری بہنیں بہت مظلوم' بہت معصوم ہیں۔ زیب اگر اس خبیث کے ساتھ خوش ہوتی تو میں کچھ نہ کہتا مگر اب اس کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی۔ گھٹ گھٹ کے ختم ہو رہی ہے۔''

''اچھا! تم پریشان نہ ہو۔ میں کوئی ترکیب سوچتا ہوں۔''

☆......☆......☆

''زیب باجی! چپ بھی کریں۔ دو روز سے آپ نے کچھ کھایا نہیں۔ یہ دودھ ہی پی لیں۔''

شانی خود بھی بے حد دکھی تھی۔ ان کے دکھ اسے مزید دکھی کر گئے تھے۔ اس وقت بھی وہ بری طرح روتی زیب کو تسلیاں دے رہی تھی۔

''باجی! ہو سکتا ہے' آپ کا نکاح اسی کے ساتھ لکھا ہو آپ صبر کریں۔''

''نکاح کی کس کو پروا ہے شانی! میں تو خود کو ماں کی ممتا پر قربان کر ہی چکی ہوں۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ امی نے میرے بھیا کو بے دخل کر دیا۔ ہماری زندگی سے نکال دیا۔''

''دکھ تو مجھے بھی اس بات کا بہت ہے باجی!''

''شانی! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ اگر بھیا پھر ہمیں چھوڑ گئے تو۔''

''وہ ایسا ہرگز نہیں کریں گے۔ باجی آپ فکر نہ کریں۔''

''باجی! فریا باجی کا فون آیا ہے۔''

صدف کی اطلاع پر وہ فریا کا فون سننے دوسرے کمرے میں آ گئی اور اس نے فریا کے اصرار پر ساری بات اسے بتادی۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ وہ دل پھینک قسم کی چیز ہے اور تم تو ہو بھی چاہے جانے کے قابل۔''

''نہیں فریا! یہ سب ڈراما ہے۔ صائمہ چونکہ بلال کو پسند کرتی تھی اور بلال کا میں تمہیں بتا چکی ہوں مگر بلال، صائمہ کو لفٹ نہیں کراتا تھا۔ صائمہ مجھ سے بہت جیلس ہوتی تھی۔ اس نے شعیب کو نجانے کس طرح ورغلایا اور میرے پیچھے لگا دیا۔ بعد میں پتا چلا کہ صائمہ نے شعیب سے شرط لگائی تھی کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرسکتا۔ بس شعیب کی مردانگی پر کاری ضرب پڑی اور مجھ پر یہ قیامت ٹوٹ پڑی۔ مجھے بہو بنانے کی ماموں جان کی شدید خواہش ضرور تھی مگر شعیب کی حرکتوں کی وجہ سے انہوں نے کبھی اس بات کا اظہار نہیں کیا تھا مگر صائمہ نے نجانے شعیب کو کیا پٹی پڑھائی کہ اس نے شرط جیتنے کے لیے خود کو بدل کر ماموں جان کے سامنے پیش کیا اور اپنی اچھائی کا کچھ ایسے یقین دلایا کہ...... ماموں جان نے امی کے سامنے اپنی دلی خواہش کا اظہار کر دیا تو ان کے احسانات کے بوجھ تلے دبی امی نے میری سعادت مندی کو آزماڈالا تو بتاؤ۔ میں کس طرح ان کا مان توڑ دیتی۔'' زیب نے آج فریا کو ساری بات بتادی۔

''زیب! یہ ساری کہانی تو تم نے آج مجھے بتائی ہے۔ میں تو یہی سمجھتی رہی کہ شعیب واقعی تمہیں پسند کرتا ہے۔'' فریا کے لہجے میں عجیب طرح کا اطمینان اور حیرت تھی۔

''نہیں فریا! ایسی کوئی بات نہیں۔ شعیب صرف صائمہ سے شرط اور بلال سے جیلسی میں ایسا کر رہا ہے۔''

ریسیور رکھ کر زیب کتنی ہی دیر روتی رہی۔ چونکی تو اس وقت جب شنذرا کی تیز آواز امی کے کمرے سے آئی۔

''امی! آپ کا حوصلہ کس طرح اتنا بڑا ہو گیا کہ آپ نے منتوں مرادوں کے بعد پانے والے بیٹے کو بے دخل کر دیا۔ امی! کیوں آپ نے ایسا کیا؟ ان لوگوں کی خاطر جنہوں نے ہمیشہ ٹکڑوں پر پلنے کا طعنہ دیا...... چین سے جینے نہیں دیا اور...... اور۔''

''ہاں...... ہاں ان ہی لوگوں کی خاطر جنہوں نے میری بیوگی کی چادر کو داغ دار نہیں ہونے دیا۔ مجھے سہارا دیا۔ میرا بال بال ان کے احسان تلے دبا ہوا ہے۔''

''تو پھر امی! ایک بیٹی کی قربانی کیوں! ساری اولاد کو احسان مندی کی اس دلدل میں اتار دیجیے۔ خدا کی قسم۔ کوئی اف نہ کرے گا۔ نہ بیٹے نہ بیٹیاں۔''

شنذرا فطری طور پر جذباتی لڑکی تھی۔ اس نے شدید غم و غصے میں چوڑیوں بھری کلائی دیوار کے ساتھ دے ماری۔ سارا کانچ نازک کلائی کو زخمی کر گیا۔ بازو سرخ خون سے بھر گیا۔ اس وقت وہ ایسی کیفیت میں تھی کہ اسے نہ تو تکلیف کا احساس تھا اور نہ خون کا خیال۔ البتہ نسیمہ بیگم کی نظر پڑی تو تڑپ کر اٹھیں مگر ان کے پہنچنے سے پہلے اس کے زخم پر رومال پھیل چکا تھا۔

''تم زخم لگاتی ہی اچھی لگتی ہو۔ کھاتی نہیں۔''

نجانے کون سا جذبہ اسد کے گمبھیر لہجے میں ڈھلا لبوں تک آ گیا۔ اور جیب سے رومال نکال کر شنذرا کی خون آلود کلائی پر پھیل گیا۔ ایک تو پچویشن ایسی اوپر سے اسد ازلی دشمن کی یہ حرکت۔ اس کا بس چلتا تو کچا چبا ڈالتی۔

''تم سب لوگ ہماری جان چھوڑ دو۔''

''شنذرا!'' نسیمہ بیگم کو غصہ آ گیا۔ وہ شنذرا کی طرف بڑھیں۔

''پھپھو! پلیز آپ اس کی باتوں کا اثر نہ لیں۔'' اس نے پھپھو کو ساتھ لگا لیا۔

''ہونہہ! ان ہی ڈرامے بازیوں نے ہمیں برباد کر دیا ہے۔ خود ہی آگ لگاتے ہیں پھر خود ہی تماشا دیکھنے آ جاتے ہیں۔'' شنذرا نے ہمیشہ کی طرح اس کے خلوص کو جھوٹ سے تعبیر کرتے ہوئے حقارت سے خون سے آلودہ رومال اسد کی طرف اچھالا جو اس کے منہ سے ٹکراتا ہوا زمین پر آ گرا۔ اس نے جھک کر رومال اٹھایا۔ رومال کو جیب میں رکھا اور نسیمہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''پھوپھو! آپ تو حوصلے سے کام لیں۔''

''حوصلہ؟ کہاں سے حوصلہ لاؤں بیٹے! میں تو ہر طرف سے ماری گئی ہوں۔ بھائیوں کے احسانوں کا سوچتی ہوں تو اولاد بدظن ہو جاتی ہے۔ کسی کو میرے دکھ کا احساس نہیں ہے۔''

نسیمہ بیگم جو اتنے عرصے سے ضبط کیے ہوئے تھیں آج ضبط کا یارا نہ رہا تھا۔

''پھوپھو! مائنڈ نہ کیجیے گا مگر آپ کے فیصلے سے مجھے بھی اختلاف ہے۔ شعیب بھائی اس قابل نہیں کہ آپ ان کی خاطر عمیر بھائی جیسے بیٹے کو قربان کریں۔''

اسد نے نرمی سے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی رائے کا اظہار کیا تو وہ دکھی نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔ کتنی بے چارگی، کتنی بے بسی تھی ان کی نگاہوں میں۔

''میں جانتی ہوں بیٹا! مگر احسان مند انسان کو کبھی گھوڑے کی پروا نہیں ہوتی۔ پروا ہوتی ہے تو اس کے سوار کی اور سوار کے منہ کی خاطر وہ گھوڑے کو بھی پانی چارا ڈال دیتا ہے اور میں۔''

''گستاخی معاف پھوپھو! کسی نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اگر کچھ کیا ہے تو فرض ادا کیا ہے۔ عمیر بھائی کا پتا ہے آپ کو کیا حال ہے۔''

''کیا ہوا ہے عمیر کو؟ کہاں ہے میرا بچہ۔ دو روز سے نظر نہیں آیا مجھے۔''

نسیمہ بیگم تڑپ اٹھیں۔ عمیر کا سن کر۔

''وہ علی بھائی کے فلیٹ پر چلے گئے ہیں۔ تیز بخار ہے۔ نہ دوا لیتے ہیں اور نہ کھانا کھا رہے ہیں۔ کہتے ہیں جب میری ماں بہنوں کو میری ضرورت نہیں تو مجھے بھی زندہ نہیں رہنا۔''

''ہائے ماں صدقے میرا بچہ۔ اسد! میرے بیٹے! مجھے ابھی اسی وقت لے کر چلو۔ میرے بچے کے پاس۔'' ممتا تڑپ اٹھی۔ وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''چلیے۔'' اسد ان کو شانوں سے پکڑ کر باہر لے آیا۔

''شانی! میں پھوپھو کو عمیر بھیا کے پاس علی بھائی کے فلیٹ پر لے جا رہا ہوں۔''

کہا تو اسد نے بلند آواز میں شانی سے تھا مگر شنذرا لپک کر کمرے سے باہر آ گئی۔

''عمیر بھیا کے پاس میں بھی جاؤں گی۔''

''تم میرے ساتھ میری گاڑی میں جاؤ گی۔'' اسد کے لہجے میں بے یقینی کی کیفیت کے ساتھ خوش کن حیرت بھی تھی۔

''ہاں۔'' شنذرا نے چہرے پر چپکے بالوں کو ہٹاتے ہوئے کہا تو اسد کو لگا جیسے چاروں طرف پھول ہی پھول مسکرانے لگے ہوں اور ان پھولوں میں کھڑی وہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وہ ان خوش کن لمحات کو قید کر لینا چاہتا تھا۔

''چلیں پھوپھو!'' وہ پھوپھو کو پکڑ کر گاڑی تک لے آیا۔ پیچھے پیچھے چلتی شنذرا اسد کو اپنے دل میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ پھوپھو کے لیے کھولا اور پیچھے کا اس کے لیے..... تو نظریں اس کی کلائی کے زخم پر جم گئیں۔

''زخم گہرا ہے۔ اس پر دوا لگانی چاہیے تھی تمہیں۔''

وہ اس کا ہر لہجہ، حقارت، نفرت، زیادتی بھلائے چاہتوں بھرا مشورہ دے رہا تھا۔

''مجھے اپنی پروا نہیں۔'' اسے واقعی اپنی پروا نہیں تھی۔ اپنے ازلی اکھڑ لہجے میں بولی تو اسد اس کی بھیگی پلکوں کو دیکھنے لگا۔

''تمہیں نہیں مگر کسی اور کو تو تمہاری پروا ہو سکتی ہے ناں۔''

اس کی اپنی بے خودی تھی یا اس کی طرف سے ملنے والی ذلیل کا اثر کہ کمزور جملے پھسل رہے تھے۔ مگر وہ اس وقت اتنی اپ سیٹ تھی اس کے جملے کی گہرائی تک نہیں گئی۔

☆......☆......☆

''امی..... امی آپ!'' تیمور اور علی امی اور شنذرا کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

''بیٹے! تم ماں کا دل نہیں جانتے۔ حالات نے انتخاب کا اختیار مجھے دے کر بڑی زیادتی کی ہے بیٹا میرے ساتھ۔ میں تو دودھاری تلوار پر چل رہی ہوں۔''

''ٹھیک ہے امی! آپ اپنے محسنوں کا دل خوش کریں۔ مگر یہ سوچ لیجئے اگر شعیب آپ کا داماد بنا تو۔''

''بھائی! میں بھی آپ کے ساتھ رہوں گی۔ میں اس شخص کو بہنوئی کی حیثیت میں قبول نہیں کر سکتی۔'' شنذرا بھی عمیر کے ساتھ آ گئی۔ نسیمہ بیگم نے بے بسی سے دونوں کو دیکھا۔

''مجھے کانٹوں پر مت گھسیٹو میرے بچو! میں کیا کروں۔ کہاں جاؤں۔ کس کو چھوڑوں۔ کس کو تھاموں۔ میں تو لٹک رہی ہوں۔ مجبور ہوں۔''

نسیمہ بیگم اس صورت حال میں خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہی تھی۔

''پھوپھو! جن احسانات کی وجہ سے آپ مجبور اور بے بس ہیں ناں۔ وہ سب آپ کے بھائیوں کا فرض تھا۔ اور اگر انہوں نے فرض کو احسان بنا کر اپنے فرض کا خراج وصول کرنا ہے تو یہ ان کی کم ظرفی ہے۔ خواہ وہ میرے ہی ابو کیوں نہ ہوں۔ آپ کسی کی پروا کیوں کرتی ہیں پھوپھو! شعیب بھائی اگر میرے سگے بھائی بھی ہوتے تو میں ہرگز زیب باجی کی زندگی عذاب نہ بنانے دیتا آپ کو۔ پھوپھو کچھ نہیں ہوگا۔ آپ انکار کر دیں پھوپھو پلیز۔ فی الحال رشتے سے تو نہیں نکاح سے ضرور انکار کر دیں پلیز۔''

اسد بڑے خلوص سے نسیمہ بیگم کو سمجھا رہا تھا۔ تب شنذرا نے چونک کر اسد کو دیکھا۔ کتنا جدا اور مختلف روپ تھا اسد کا۔ کچھ دیر تک وہ اسے دیکھے گئی۔

''میں کیا کروں بیٹا! میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ بھابی کہتی ہیں نکاح ہو گا تو اسی جمعے کو ہو گا۔ یہ شعیب کی ضد ہے ورنہ۔''

''دیکھا..... دیکھا امی آپ نے۔ اس بدنیت آدمی کو زیب کا ذرا خیال نہیں۔ وہ صرف یہ رشتہ ضد اور حسد میں کر رہا ہے۔ آپ کیوں اس کی ڈرامے بازی کو نہیں سمجھ رہیں۔ امی میری معصوم بہن کو اس سے اسد کی نذر مت کریں پلیز۔''

تیمور کو اسد کی باتوں سے حوصلہ ہوا تو وہ ایک بار پھر میدان میں آ گیا۔

''میں کیا کروں میرے چاند۔'' نسیمہ بیگم کا دماغ پھٹ رہا تھا۔

''پھوپھو! آپ کچھ مت کریں۔ ہمیں کرنے دیں۔ ہم اپنی بہن کی زندگی برباد ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔ کیوں علی بھائی!'' اسد بڑے خلوص سے کہہ رہا تھا۔

وہ جو اس وقت علی کے ساتھ آہستہ آہستہ جانے کیا بات کر رہا تھا۔ شنذرا خاموش نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔ نجانے کیوں وہ آج اسے ڈرامہ باز کہہ نہ سکی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس کے وجود سے بے خبر بڑے خلوص سے کہہ رہا تھا۔ یوں گویا شعیب سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور زیب ہی اس کی بہن ہو۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

☆......☆......☆

''ارے بلال بھائی! آپ آداب۔'' شابی نے دروازہ کھولا تو سامنے بلال کھڑا تھا۔

''کیسی ہو شابی؟'' بلال اندر آ گیا۔

''جی ٹھیک ہوں مگر آپ کافی کمزور لگ رہے ہیں۔''

شابی نے اسے دیکھا۔ کتنا کمزور اور دکھی سا لگ رہا تھا۔

''اچھا!'' وہ پھیکے سے ہنسا۔

''باقی سب کہاں ہیں پھوپھو وغیرہ۔'' بلال نے گھر میں خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''پھوپھو کو تو اسد بھائی عمیر بھیا کے پاس لے گئے ہیں۔''

''یہ بہت اچھا کیا اسد نے۔ پھوپھو بے حد اپ سیٹ تھیں اور شنذرا کہاں ہے؟''

''وہ بھی ساتھ گئی ہے۔''

''یعنی شنذرا اسد کے ساتھ گئی ہے؟'' بلال کے لہجے میں حیرت تھی۔

''جی ہاں آج یہ خوش کن اور حیران کن تبدیلی رونما ہوئی ہے۔''

''اچھی بات ہے۔ خدا کرے ایسی خوش کن تبدیلیاں آتی رہیں۔ باقی مخلوق کہاں پائی جاتی ہے۔''

بلال کا اشارہ زیب کی طرف ہی تھا۔

''اوپر ہیں زیب باجی!'' شابی نے بتایا تو بلال کے چہرے پر دکھ کے سائے پھیل گئے۔

''بلال بھائی! آپ..... آپ کچھ بھی نہیں کر سکے۔'' شابی کا لہجہ شاکی سا تھا۔ بلال نے زخمی

نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں کیا کرسکتا تھا شانی! زیب نے میرے ہاتھ کاٹ دیے تھے۔ یہ لڑکی اگر میرا ساتھ دیتی تو میں دنیا سے ٹکرا جاتا۔ یہ شعیب کیا چیز تھا۔ زیب نے خود کو ممتا پر قربان کر دیا ہے تو۔''

شکست کا سارا درد بلال کے لہجے میں اتر آیا۔

''بلال بھائی! آپ تو خود دلبرداشتہ ہو رہے ہیں۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ آپ زیب باجی کو سمجھائیں گے تو شاید وہ بہل جائیں۔''

''اب اس کا یا میرا بہلنا مشکل ہے۔ پسندیدہ شخص سے شادی نہ ہونا المیہ نہیں ہوتا۔ اصل مسئلہ ناپسندیدہ انسان سے شادی ہونا ہوتا ہے۔ اور زیب اسی المیہ کا شکار ہے۔''

ٹھہرے لہجے میں بولتا بلال اوپر آ گیا۔ شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ کتنی اداس شام تھی۔ زیب ایک طرف فرش پر ہی گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی تھی۔ بلال زخمی نظروں سے اسے دیکھتا رہا جو چند روز بعد شعیب کی ہو جانے والی تھی۔

''زیب! یوں خود کو نمکین پانی میں بہا بھی دو گی تو کیا حاصل ہوگا۔''

وہ اس کے قریب بیٹھ گیا جبکہ اس کے دل میں بھی برسات کا موسم اتر آیا تھا۔

''بلال! مجھے اپنا غم نہیں ہے لیکن عمیر بھیا کی ناراضگی جان لیوا ہے۔ اتنی دعاؤں کے بعد بھیا ملے ہیں اور امی نے انہیں۔'' زیب کی سسکیاں خاموش فضا میں گونجنے لگیں۔

''دکھ تو اس بات کا ہے کہ وہ شخص صرف میری اور عمیر کی دشمنی میں شادی کر رہا ہے ورنہ اسے تم سے غرض نہیں اگر وہ خلوص سے تمہیں چاہتا تو شاید۔ مگر۔'' بلال گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

''بلال! کوئی معجزہ تو ہو سکتا ہے ناں؟'' زیب مردہ آواز میں بولی۔

''ہر ڈوبنے والا اور اس کے پیارے آخری دم تک کسی معجزے ہی کے منتظر رہتے ہیں اور زیب معجزے کرنے والی پاک ذات اللہ پاک کی ہے جو ہر بات پر قادر ہے۔''

دونوں کتنی ہی دیر لمحہ بہ لمحہ اذیت کے احساس کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اداس فضا کی بھیگی چاندنی بھی ان کے سوگ میں شریک ہو گئی۔

''کاش یہ لمحات یہیں ٹھہر جائیں ہمیشہ کے لیے۔''

اک ناممکن سی خواہش آہ میں ڈھل گئی۔

''میں چلتا ہوں زیب! خدا حافظ۔'' بے بسی کا احساس بلال کی برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ اپنے دل کا غبار چھپائے اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے مڑ کر دیکھے بغیر چلا گیا۔

''بلال۔'' زیب کہہ کر رہ گئی۔ نارسائی کا درد سوا ہو گیا۔

☆......☆......☆

آسیہ بیگم نے نکاح کی پوری تیاری کر کے ظہیر صاحب اور مشتاق صاحب کو بھی بلا لیا تھا۔ انہوں نے اپنے کنگن بھی نکاح کے وقت زیب کو پہنانے کے لیے نکال لیے تھے۔

''ہائے! کس قدر خوبصورت کنگن ہیں۔ کتنی لکی ہے زیب جس کی کلائیوں میں یہ حسین کنگن جچیں گے۔''

صائمہ کا آج کل روز ہی آنا ہو رہا تھا۔ اس وقت بھی وہ زیب کے عروسی لباس اور زیورات کو للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے دل میں جل رہی تھی کہ کیا تھا جو شعیب اس کے ہاتھ آ جاتا۔

''ارے بڑی خوش نصیب ہیں پھپھو کی بیٹیاں۔ ایک اپنے نصیب ہیں کہ۔''

''فائزہ! تم کچھ خوش نظر نہیں آ رہیں۔ ارے بھئی۔ میرے بھائی کا نکاح ہوتا تو دنیا بھر میں مٹھائیاں بانٹتی۔ لڈی ڈالتی۔ تم تو منہ بسورے یوں بیٹھی ہو جیسے کوئی خوشی نہ ہو۔''

صائمہ نے طنزیہ نظروں سے فائزہ کو دیکھا جو اچھی طرح جانتی تھی کہ زیب قطعی خوش نہیں اور یہ کہ پھوپھو نے عمیر کو پھر بے دخل کر دیا ہے اور اس سارے بگاڑ کی ایک وجہ صائمہ بھی تھی۔ اس لیے اسے اس وقت وہ اور اس کی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی۔

''کوئی بھی خوشی اسی وقت خوشی ہوتی ہے جب وہ مکمل طور پر خوشی ہو۔ سب اس سے خوش ہوں۔ وہ خوشی بھی کیا خوشی جو کسی کے دل کو برباد کر کے کسی کے ارمانوں کے پھول مسل کر حاصل ہو۔'' فائزہ کا لہجہ تلخ ہو گیا۔

''تمہیں اپنے بھائی کی خوشی سے زیادہ دوسروں کا خیال ہے۔ حیرت ہے۔ تمہیں احساس ہے کہ تمہارا بھائی زیب کو دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے۔''

''میں خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرا بھائی کیا چاہتا ہے اور کس طرح اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' فائزہ اس کی بات پر جاتے جاتے تیورا کر مڑی۔

''اے ہے تم کیوں الجھ کر اس خوشی کے موقع پر بدشگونی کر رہی ہو۔ صائمہ تیری تو زبان کے آگے خندق۔ ہے۔ بڑے چلی جاتی ہے فائزہ بیٹی! تم دل میلا نہ کرو اس کی عادت ہی ایسی ہے۔'' اس سے قبل کہ بات بگڑتی۔ زاہدہ بیگم درمیان میں آ گئیں۔

''چچی جان! ان سے کہیے کہ دوسروں کو برباد کرنے کی عادت کبھی ان کو بھی برباد کر سکتی ہے۔ اسے ترک کر دیں تو اچھا ہوگا۔''

فائزہ چیزیں سمیٹ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''ہونہہ! میں سب سمجھتی ہوں۔ زیب سے ہمدردی کیوں ہو رہی ہے۔''

''چپ بھی رہو۔ کیا ضرورت ہے رنگ میں بھنگ ڈالنے کی۔ سب کچھ سامنے ہے۔ تیل دیکھو تیل کی دھار دیکھو۔ ہوتا کیا ہے۔'' زاہدہ بیگم نے دبی دبی آواز میں اسے سمجھایا اور چپ رہنے کی تاکید کی۔

☆......☆......☆

''فائزہ! ایک اور سیٹ رکھ لیا جائے تو کیسا ہے۔''

آسیہ بیگم نے زیب کے لیے بھاری سا سیٹ پہلے ہی تیار کروا رکھا تھا۔ اب دوسرے کی بات کر رہی تھیں۔ فائزہ جانتی تھی کہ زیب کس قدر ناخوش ہے۔

''چھوڑیں امی! سونا چاندی خوشی نہیں دے سکتے جب دل ہی خوش نہ ہو تو۔ اور پھر ابھی اتنی چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ کافی ہیں یہی۔''

فائزہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں چیزیں سمیٹیں اور الماری میں رکھ دیں۔ اسی وقت شعیب

اندر آ گیا۔ عجیب ہونق ہو رہا تھا۔ بڑھی شیو، الجھے بال۔ آسیہ بیگم اور فائزہ اس کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"شعیب چندا! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ تین دن رہ گئے ہیں تمہارے نکاح میں اور تم۔ نہ ڈھنگ سے کھا رہے ہو اور شیو کیوں نہیں بنا رہے؟ کتنے کمزور اور بیمار لگ رہے ہو۔"

آسیہ بیگم اس کے قریب آ کر اس کا چہرا تھام کر بولیں۔ وہ واقعی بہت الجھا ہوا تھا۔ زیب سے نکاح کی تو کیا خوشی ہوتی۔ عمیر اور بلال سے انتقام لینے کا جنون تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا! سب کچھ تمہاری خوشی کے مطابق ہی تو ہو رہا ہے۔"

"جی امی! مگر نجانے کیوں دل ویران سا ہو رہا ہے۔"

شعیب نے بوجھل نظروں سے ماں کو دیکھا جو اس کے اندر کی کیفیت کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ البتہ فائزہ ضرور سمجھ رہی تھی۔

"دوسروں کے دل ویران کرنے والے کا اپنا دل کیونکر خوش اور آباد ہو سکتا ہے۔"

فائزہ نے باہر جاتی ہوئی آسیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے شعیب سے کہا تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"ابھی بھی وقت ہے بھائی! لوٹ آئیں۔ پیچھے ہٹ جائیں۔ دوسروں کو دکھ دے کر کبھی انسان کو خوشی نہیں ملتی۔ میں جانتی ہوں۔ آپ زیب کو نہیں چاہتے۔ یہ سب صرف عمیر بھائی اور بلال کی ضد پر کر رہے ہیں۔ پلیز نہ کریں۔"

وہ ملتجی لہجے میں بولی تو وہ بھڑک اٹھا۔

"تم...... تم میری بہن ہو کہ دشمن۔ ہاں میں نہیں چاہتا۔ زیب کو۔ عمیر اور بلال کو نیچا دکھانا ہی میرا مقصد ہے۔ تمہیں اس سے کیا غرض۔" وہ پوری قوت سے دھاڑا تو آسیہ بیگم پریشان ہو کر آ گئیں۔

اسی وقت فون کی بیل بجی۔

فائزہ فون سننے چلی گئی۔

"ہیلو!"

"فائزہ! میں فریا بات کر رہی ہوں۔" دوسری طرف فریا تھی۔

"جی فریا! کیسی ہیں آپ؟" فائزہ کو افسوس ہو رہا تھا۔ شعیب نے اپنی ضد اور حسد میں فریا جیسی اچھی لڑکی کو بھی چھوڑ دیا تھا۔

"فائزہ! میرے بارے میں تو تم سب کچھ جانتی ہی ہو۔ اور میں بھی شعیب کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ لیکن جو نئی بات پتا چلی ہے وہ یہ ہے کہ شعیب زیب کو نہیں چاہتا۔ وہ صائمہ سے لگائی ہوئی شرط جیتنے کے چکر میں ایسا کر رہا ہے۔ فائزہ! یہ سب بہت برا ہو رہا ہے۔ اسے کسی طرح روکا نہیں جا سکتا۔ حالات کتنے خراب ہو جائیں گے۔"

"میں کیا کروں فریا! میں تو خود بے حد پریشان ہوں۔ ناحق اس صائمہ نے گڑبڑ کر دی۔ ابھی بھی میری اور بھائی کی اسی بات پر لڑائی ہوئی ہے۔ وہ تو بس عمیر اور بلال کو نیچا دکھا کر شرط جیتنا چاہتے ہیں وہ کسی کی نہیں سنتے۔" فائزہ زچ ہو کر بولی۔

"لیکن فریا! بھائی تو تمہیں۔ میرا مطلب ہے کسی زمانے میں بھائی تمہارے لیے۔" فائزہ جھجک کر رک گئی۔

"وہ سب تو اب خواب و خیال ہوا فائزہ! میں شعیب کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ وہ برا نہیں مگر صائمہ جیسی لڑکیاں باآسانی اسے اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہیں۔ میں نے تو شعیب کو بڑے خلوص اور دل کی گہرائی سے چاہا تھا۔ فائزہ اس کی وجہ سے میں نے اچھے اچھے پروپوزل رد کیے۔ والدین کو ناراض کیا۔ پھر میں امریکہ چلی گئی۔ واپس آئی تو شعیب کہیں بے وفائی کی بھول بھلیوں میں کھو چکا تھا اور میں۔" بولتے بولتے فریا کی آواز بھیگ گئی۔ فائزہ کو دکھ ہونے لگا۔

"فریا! مجھے خود اس بات کا بے حد دکھ ہے مگر۔"

فائزہ آگے بھی بات کرتی مگر اسی وقت شعیب نمودار ہوا تو وہ چپ ہو گئی۔

"ہو رہی ہیں ہمدردیاں اپنی دوست زیب سے۔"

اس کی زہر میں بجھی آواز ریسیور سے ہوتی ہوئی فریا کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"یہ شعیب ہے ناں فائزہ! ذرا اسے ریسیور دینا۔"

"اچھا!" فائزہ نے آہستگی سے کہا اور شعیب کی طرف مڑی۔

"بھائی! فریا کا فون ہے۔ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے۔"

"میں کسی فریا وریا کو نہیں جانتا۔"

وہ حقارت سے دھاڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ تاروں کے ذریعے سے شعیب کی آواز نے اس مخلص سی لڑکی فریا کے دل میں دھماکا کر دیا۔ اس نے فائزہ کو خدا حافظ کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

"یہ تم ہو شوبی میری ایک جھلک کے لیے تم اپنی کلاسز مس کر کے سارا وقت میرے ارد گرد منڈلایا کرتے تھے۔ تم تو کہتے تھے میں تمہیں نہ ملی...... تو۔ وہ سب ڈائیلاگ تھے ناں شوبی! تم نے تو دل لگی کی تھی مگر میں نے صدق دل سے تمہیں چاہا تھا۔ کاش شوبی! تم ایسا نہ کرتے۔ مجھے نہ اپناتے مگر زیب جیسی لڑکی کو تو برباد نہ کرتے۔"

فریا نجانے کب تک روتی رہی۔

☆......☆......☆

"ویسے شوکت! ایک بات ہے۔ جب سے عمیر آیا ہے ناں۔ نسیمہ اور لڑکیوں کے اطوار میں نمایاں تبدیلی آئی ہے۔ شوبی نے نکاح کی جلدی کر کے اچھا ہی کیا ہے۔ ابھی میں نے فون کیا تو نسیمہ تو یوں بات کر رہی تھی جیسے اسے ذرا خوشی نہ ہو نکاح پر۔"

"ارے نہیں بیگم! تمہارا وہم ہے ورنہ نسیمہ بے چاری تو ہوں ہاں بھی بڑی احتیاط سے کرتی ہے ہمارے سامنے۔ اور بچیاں بھی بہت سعادت مند ہیں۔ بس تم عورتوں کو وہم ہوتا ہے۔"

شوکت صاحب نے ہنس کر آسیہ بیگم کے وہم کو ٹال دیا۔

"اچھا چلیں وہم سہی۔ ایسا کریں جا کر نسیمہ کو کچھ رقم دے آئیں۔ آخر پیسے کی تو ضرورت ہو گی ناں۔ اب دیکھ لیں۔ لڑکا بھی ہمارا۔ خرچ بھی ہمارا اگر اس پر بھی نسیمہ کو اعتراض ہو تو حیرت ہے۔"

آسیہ بیگم کے لہجے میں عجیب سا غرور تھا۔ شوکت صاحب نے چشمہ اتار دیا حیرت سے ان کو دیکھا۔

"آج بڑے عرصے بعد تم میں پرانی آسیہ بیگم کی علامت نظر آ رہی ہے جو کہ اچھی علامت

نہیں۔"

شوکت صاحب کے لہجے میں خفگی تھی۔ آسیہ بیگم کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"نہیں...... ایسی بات نہیں۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ نسیمہ کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے لڑکی اچھی جگہ جا رہی ہے۔" ان کے لہجے میں کھسیاہٹ تھی۔

"اچھا چھوڑو۔ تیاری تو مکمل ہوگئی ہے ناں۔ اور یہ ہمارے دولہا میاں کہاں ہیں کل سے انہیں دیکھا ہی نہیں۔"

"اپنے کمرے میں ہے مگر الجھا ہوا ہے۔ بجائے خوش ہونے کے پریشان سا نظر آ رہا ہے۔"

"کافی دیر سے بیل ہو رہی ہے۔ کوئی گیا کہ نہیں دروازہ کھولنے۔ چلو میں خود دیکھ لیتا ہوں۔" شوکت صاحب سلیپر پہن کر کوریڈور میں آئے۔ دیکھا تو شعیب بھی باہر آ کر دروازے تک پہنچ چکا تھا۔

"تم...... تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

دروازے پر فریا کو دیکھ کر شعیب ایک دم ہی تپ گیا۔ شوکت صاحب جو واپس مڑنے لگے تھے۔ کسی اجنبی لڑکی کو دیکھ کر اور شعیب کو اسے اس طرح مخاطب کرتے دیکھ کر چار قدم اور آگے آ گئے۔

"شکر ہے تم نے مجھے پہچانا تو۔" فریا کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"کس لیے آئی ہو؟" شعیب تو سب کچھ بھلائے اجنبی بنا سوال کیے جا رہا تھا۔

"صرف یہ پوچھنے آئی ہوں تم سے کہ تم مجھے جانتے ہو کہ نہیں؟"

فریا نے دروازے پر جما اس کا ہاتھ ہٹایا اور اندر آ گئی۔ شوکت صاحب کی تمام حسیات چوکنا ہو چکی تھیں۔

"فریا تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" شعیب ذرا زچ ہو گیا۔

"مجھے معلوم ہے۔ مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا مگر تمہارے رویے نے مجھے یہ فلمی کردار ادا کرنے پر مجبور کیا ہے۔"

یہ لڑکی یہ انداز یہ مہمل باتیں۔ شوکت صاحب۔ پریشان ہو کر آگے بڑھے۔

"اندر آؤ بیٹی! کیا بات ہے؟" وہ قریب آ کر براہ راست فریا سے مخاطب ہوئے تو شعیب کا ایک دم ہی خون خشک ہو گیا۔

"آداب انکل!" فریا نے ذرا جھک کر شوکت صاحب کو سلام کیا۔

"دیکھو فریا! یہ میرا گھر ہے اور۔"

شعیب باپ کے سامنے کھسیانا سا ہو رہا تھا کہ اب اس موقع پر جبکہ دو روز بعد اس کا نکاح تھا۔ فریا کی آمد غیر معمولی صورت حال پیدا کر سکتی تھی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔ یہ تمہارا گھر ہے۔ اسی لیے چلی آئی ہوں۔ میں نے تو اپنے گھر میں تمہارا تعارف اس طرح نہیں کروایا تھا۔ تم میرے گھر آئے تھے تو میں نے اپنے باپ بھائیوں سے تمہارا تعارف اس طرح کروایا تھا کہ انہوں نے تمہیں عزت دی تھی۔ اور تم نے مجھے اندر آنے کے لیے بھی نہیں کہا۔ دروازے سے ہی رخصت کرنا چاہتے ہو۔"

درد آنسو بن کر آنکھوں میں اتر آیا۔ شوکت صاحب فریا کی باتوں اور شعیب کے انداز سے سمجھ چکے تھے کہ معاملہ کیا ہے۔

"اندر آؤ۔ بیٹی بیٹھ کر بات کرو۔ مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔"

شوکت صاحب کو اس وقت آنکھوں میں آنسو لیے کھڑی فریا' فائزہ کی طرح لگی۔ وہ اسے اپنے ساتھ کمرے میں لے آئے۔ آسیہ بیگم بھی چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ابو...... ابو! آپ اس کی کسی بات پر اعتبار نہیں کریں گے۔ یہ جھوٹ۔"

پول کھل جانے کے اندیشے سے شعیب پیچھے آ گیا۔ شوکت صاحب جو حقیقت جان گئے تھے۔ انہوں نے گھور کر اسے دیکھا۔

"کیا معاملہ ہے۔ کون ہے یہ لڑکی؟ شوبی! تم کیوں گھبرا رہے ہو۔"

آسیہ بیگم بری طرح گھبرا گئیں اس صورت حال سے۔

"یہ لڑکی کون ہے؟ تمہارا بیٹا اچھی طرح جانتا ہے اور معاملہ کیا ہے۔ یہ بچی بتائے گی۔ فریا بیٹی تم جو کہنا چاہتی ہو سکون سے کہو۔ تمہیں گھبرانے یا خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔"

شوکت صاحب نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھ کر کہا تو فریا شدت سے رو پڑی۔ اور جب اس نے بھیگی آواز میں بتانا شروع کیا تو شعیب نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور کر دیکھا اور پاؤں پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔

فریا نے شعیب کے کردار کی کتاب اس کے والدین کے سامنے کھول کر رکھ دی۔ باتیں سنتے ہوئے ماں کو لڑکی پر غصہ آ رہا تھا کہ عین وقت پر آن ٹپکی ہے اور باپ کا خون کھول رہا تھا کہ ان کا بیٹا ان کا خون ہو کر ایسی گری ہوئی حرکتوں کا مرتکب ہوتا رہا ہے۔ ان کے دل میں ہلکا ہلکا درد ہونے لگا۔ کتنا دھوکا دیا تھا ان کی اپنی اولاد نے ان کو۔

"ہونہہ! اس میں ایسی نئی کیا بات ہے۔ مرد تو نجانے کیا کچھ کرتے ہیں۔ شوبی نے تو صرف تم سے شادی کا وعدہ ہی کیا تھا اور نہیں کر سکا۔ اور تم اسے بدکردار ثابت کرنے آ گئیں۔"

اس کی ساری بات سن کر آسیہ بیگم نے حقارت سے فریا کو دیکھا جو ان کی بات پر ٹوٹ گئی تھی۔ اس کی زندگی برباد ہو گئی اور وہ کتنی آسانی سے کہہ رہی تھیں۔

"گستاخی معاف آنٹی! یہ بات اتنی بھی معمولی نہیں جتنی معمولی آپ نے بنا دی۔ بہرحال اب مجھے اپنی پروا بھی نہیں۔ شعیب نہ صرف آپ کے اعتماد سے کھیل رہا ہے بلکہ زیب جیسی معصوم لڑکی کو بھی برباد کر رہا ہے۔ اس لیے کہ شعیب اس کے لیے بھی سیریس نہیں۔"

"لڑکی! بڑھتی نہ جاؤ۔ یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ تمہاری بات سن لی ہے یہی کافی ہے۔ اب تم جا سکتی ہو۔" آسیہ بیگم نے اپنے مخصوص تحکمانہ انداز میں یوں کہا جیسے وہ دامن پھیلائے ان سے بھیک مانگ رہی ہو۔

"مجھے جانا ہی ہے آنٹی! میں آپ سے درخواست کروں گی۔ آپ اس طرح میری توہین نہ کریں میں آپ سے کچھ مانگنے نہیں آئی۔"

فریا کو آسیہ بیگم کا انداز بہت ہتک آمیز لگا۔

"بیگم! تم خاموش رہو۔ بچی کو بات کرنے دو۔ کہو فریا بیٹی! میں سن رہا ہوں۔ میرے اعتماد کا خون تو ہو ہی گیا ہے مگر مزید گڑبڑ برداشت نہیں کروں گا۔"

شوکت صاحب کا دوران خون تیز تر ہو رہا تھا۔ تاہم انہوں نے حواس برقرار رکھے۔

"سوری انکل! مجھے ایسا کرنا تو نہیں چاہیے تھا مگر مجبوراً یہ کرنا پڑا۔ اگر شعیب زیب کے لیے سنجیدہ ہوتا تو میں ہرگز منظر پر نہ آتی مگر ستم یہ ہے انکل کہ شعیب یہ نکاح' یہ شادی صرف بلال اور عمیر سے انتقام اور سب سے بڑھ کر صائمہ سے لگائی ہوئی شرط جیتنے کے چکر میں کر رہا ہے۔ جو کہ ناانصافی ہے۔ انکل زیب اس نکاح پر ہرگز خوش نہیں۔ آپ کو الٹی سیدھی کہانیاں سنائی جا رہی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ زیب اپنی امی کی خاطر یہ قربانی دے رہی ہے اور اس کی امی زیب کی صورت میں آپ کے احسانات کا بدلہ چکانا چاہتی ہیں۔ جبکہ شعیب کو اس بات کی ہرگز پروا نہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ وہ تو عمیر' بلال سے انتقام لینا چاہتا ہے۔ صائمہ کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ سب کو شکست دے کر زیب کو جیت سکتا ہے۔"

"جھوٹ ہے۔ بکواس ہے یہ سب۔ ابو یہ بکواس کر رہی ہے۔" شعیب ہذیانی انداز میں بولتا اندر داخل ہوا اور خونخوار نظروں سے فریا کو گھورنے لگا.... اس وقت تو آسیہ بیگم کا بھی بس چلتا تو اسے چبا جاتیں۔

"ابو! جو کچھ فریا نے کہا۔ یہ ہی حقیقت ہے۔ میں خود جانتی ہوں یہ ساری باتیں۔" اسی وقت فائزہ جو باہر کھڑی۔ سب کچھ سن رہی تھی۔ اندر آ گئی تو چھڑی پر شوکت صاحب کی گرفت سخت ہو گئی۔ دماغ کی رگیں تن گئیں۔

"تم کیا سمجھتی ہو فریا عباس! کہ اس اوچھی حرکت سے میرے گھر والوں کی نظر میں میرا کردار بگاڑ کر مجھ تک رسائی میں کامیاب ہو جاؤ گی۔ میں تمہیں اپنا لوں گا۔ شادی کر لوں گا۔ ناممکن فریا عباس۔" شعیب کسی کا بھی لحاظ کیے بغیر خونخوار انداز میں فریا کی طرف بڑھا۔

"شٹ اپ! تم خود کو سمجھتے کیا ہو۔ میں تو خود لعنت بھیجتی ہوں تم پر۔ شادی تو بہت بڑی بات ہے۔ میں تم سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔" اس سے کہیں زیادہ نفرت اور حقارت سے فریا نے کہا اور آگے بڑھی۔

"تم میری زندگی کو برباد کر کے جا رہی ہو فریا عباس! اس حرکت پر میں تمہیں ہرگز معاف نہیں کروں گا ہرگز نہیں۔" شعیب حواس کھو رہا تھا۔ اس نے فریا کا ہاتھ زور سے کھینچا تو مارے تکلیف کے فریا کی چیخ نکل گئی۔

"شعیب! جانے دو لڑکی کو۔ خبردار جو مزید کوئی حرکت کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" شوکت صاحب کی گرج گونجی تو شعیب کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ فریا نے مڑ کر دھندلی آنکھوں سے شعیب کو دیکھا۔ اسے غصے کے بجائے ترس آ رہا تھا اس پر۔ پھر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

اتنی سی دیر میں دنیا ہی بدل کر رہ گئی تھی۔ کچھ دیر قبل جہاں خوشیاں تھیں وہاں اب سوگواری چھائی تھی۔ آسیہ بیگم تو فریا کو مستقل کوسنے دیے جا رہی تھیں۔ جس نے رنگ میں بھنگ ڈال دیا تھا۔ شوکت صاحب کے دل و دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں۔ خون کا دباؤ مستقل بڑھ رہا تھا۔

"آسیہ بیگم! ایسی اولاد کہیں دیکھی ہے تم نے جو والدین کے اعتماد کو یوں چکنا چور کر دے۔ تمہیں پتا ہے اس بیٹے کی شرافت کی کتنی قسمیں کھائی تھیں اور۔"

شوکت صاحب کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

"شوکت! آپ خود کو سنبھالیے ہوتا ہے ایسا۔ جوانی میں تو مرد بہت کچھ کرتے ہیں اور پھر۔" آسیہ بیگم اندر سے خوفزدہ ہو رہی تھیں ان کی حالت دیکھ کر ان کے چہرے پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔ سانس تیزی سے چلنے لگا تھا۔

"بہت کچھ ہوتا ہے آسیہ بیگم! مگر ایسا نہیں ہوتا جیسا میرے ساتھ کیا ہے میرے بیٹے نے۔ ابھی اور اسی وقت نسیمہ کو بلاؤ۔ آسیہ بیگم تم نے سنا نہیں! ابھی فون کرو نسیمہ کو فرخ کے ساتھ ابھی آ جائے۔" شوکت صاحب اتنی اونچی آواز میں دھاڑے کہ سب سہم گئے۔

"شوکت!" آسیہ بیگم خوفزدہ ہو رہی تھیں۔ فائزہ بھاگ کر پانی لے آئی۔

"میں نے جو کہا ہے وہ کرو آسیہ فوراً۔"

"ابو پانی لیجیے پلیز۔" فائزہ نے اپنے دوپٹے سے ان کی پیشانی صاف کی اور پانی کا گلاس ان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مگر اس وقت تو لگ رہا تھا جیسے ان کو سکتہ ہو گیا ہے۔

"شوکت! میں بلا رہی ہوں نسیمہ کو۔ آپ خود کو سنبھالیے۔"

آسیہ بیگم گھبرائی آواز میں بولیں اور فون کی طرف بڑھیں۔ اس دوران شوکت صاحب کی حالت خراب ہوتی رہی۔ فائزہ مستقل ان کے ساتھ لگی رہی۔ شعیب ساری صورت حال جان چکا تھا۔ اس وقت وہ سمجھنے سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکا تھا۔ اس کا بس چلتا تو ساری دنیا کو تہہ و بالا کر دیتا۔ فریا سے اسے شدید قسم کی نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ نسیمہ بیگم کو بلانے کا مقصد بھی وہ سمجھ چکا تھا۔ تقریباً پون گھنٹے میں نسیمہ بیگم آ گئیں۔

"کیا بات ہے بھائی! خیریت تو ہے ناں۔" گھر میں داخل ہوتے ہی نسیمہ بیگم نے پوچھا تو وہ ان کو شوکت صاحب کے پاس لے آئیں۔

"بھائی جان! آپ کو کیا ہوا ہے۔ کیا حالت بنالی ہے آپ نے؟"

شوکت صاحب کی سانس بڑی تیزی سے چل رہی تھی۔

"مجھے کچھ بھی نہیں ہوا ہے نسیمہ! جلدی سے میری بات کا جواب دو۔ اس نکاح میں زیب کی کس حد تک مرضی ہے۔"

"جی!" نسیمہ بیگم کا حیرت سے منہ کھلا رہ گیا۔ اب جبکہ دو روز بعد نکاح تھا' وہ پوچھ رہے تھے۔

"میری بات کا جواب دو اور بالکل درست جواب۔ نکاح میں زیب کی رضامندی شامل ہے اگر ہے تو کس حد تک؟"

"بھائی جان! آپ کو کیا وہم ہو گیا ہے۔ زیب پوری طرح رضامند ہے خوش ہے۔"

نسیمہ بیگم بری طرح گھبرا رہی تھیں کہیں عمیر نے تو کوئی گڑبڑ نہیں کر دی۔

"یہ ہی بات میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہو۔ تمہاری بات کی سچائی کا اندازہ بھی ہوگا۔ خدا کو گواہ بنا کر بتاؤ۔ زیب رضامند ہے یا نہیں؟"

شوکت صاحب نے کپکپاتے ہاتھوں سے نسیمہ بیگم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھا تو وہ کانپ اٹھیں۔ انہوں نے پریشان نظروں سے آسیہ بیگم کو دیکھا تو انہوں نے نظریں چرالیں۔

"سچائی سوچنے کا وقت نہیں لیا کرتی نسیمہ! تم نے جبراً زیب کو نکاح پر مجبور کیا ہے ناں تاکہ میرے احسانات کا بدلہ چکا سکو۔ میرے فرائض کو احسانات کا نام دے کر بڑی زیادتی کی ہے تم نے میرے ساتھ۔ نسیمہ بڑی زیادتی کی ہے۔"

شوکت صاحب کی آواز بھیگ گئی جبکہ نسیمہ بیگم صورت حال کو سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی جان۔ بھابی! آپ ہی بتائیے۔ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

نسیمہ بیگم روہانسی ہو رہی تھیں۔ یہ صورت حال ناقابل فہم تھی ان کے لیے۔

"نسیمہ! خدا کی قسم میں نے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ جو میرے حصے کا فرض تھا۔ وہ میں نے ادا کیا۔ زیب کو بہو بنانا میری خواہش تھی اگر مجھے معلوم ہوتا کہ بیٹی کی صورت میں تم میرے احسانات اتارنا چاہتی ہو تو میں ہرگز اپنی خواہش کا اظہار نہ کرتا۔ نسیمہ! تم میری چھوٹی بہن تھیں۔ بہن بھائیوں کا ایک دوسرے پر حق ہوتا ہے۔ مان ہوتا ہے۔ تم ایک بار تو مجھ سے حقیقت بیان کرتیں۔ ایک بار تو کہتیں کہ زیب رضامند نہیں ہے۔ خدا کی قسم خفا ہونے کے بجائے مجھے خوشی ہوتی اور خود بلال اور زیب کا رشتہ طے کرتا۔ مگر تم تو۔ نسیمہ! تم نے بڑی زیادتی کی ہے میرے ساتھ۔ میرے ساتھ سب نے زیادتی کی ہے۔ میری اپنی اولاد نے بھی۔ اولاد نے بھی۔"

شوکت صاحب بچوں کی طرح رونے لگے۔ نسیمہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو گئیں۔

"بھائی جان! خدا کی قسم۔ آپ تو میرا مان ہیں۔ آپ کی خاطر میں ایک تو کیا ساری اولاد قربان کر سکتی ہوں۔ آپ مجھے معاف کر دیں اگر میری طرف سے گستاخی ہوئی ہے۔ عمیر نے ضرور کوئی گستاخی کی ہے۔ اگر ایسا ہے تو میں اسے ہرگز معاف نہیں کروں گی۔" نسیمہ بیگم کو ایک دم ہی عمیر پر تاؤ آ گیا۔

"نہیں نسیمہ! عمیر نے تو کوئی بات نہیں کی۔ وہ تو آیا تک نہیں۔ اپنی ہی قسمت خراب ہے۔ اپنی ہی اولاد نے دھوکا دیا ہے۔" آسیہ بیگم بھی شوہر کی حالت دیکھ کر بیٹے سے بددل ہو گئیں۔

"کیا مطلب ہے بھائی؟ کچھ بھی ہو۔ اب یہ نکاح ضرور ہوگا۔ میں اپنے بھائی پر سب کچھ قربان کر سکتی ہوں۔"

"ہاں اگر بھائی اس قابل ہوں تو۔ دیکھو نسیمہ! یہ عمر بھر کی بات ہے۔ ہمیں جذباتی فیصلے نہیں کرنے۔ آج سے پہلے تو میں حقیقت سے ناآشنا تھا۔ مگر فریا نے آج حقیقت سے پردہ اٹھا کر بہت اچھا کیا ہے۔ ورنہ کتنی گڑبڑ ہو جاتی۔ نسیمہ! اب یہ نکاح نہیں ہوگا۔"

شوکت صاحب نے اٹھتی ٹیسوں کو بمشکل دبایا۔

"بھائی جان!" نسیمہ بیگم تڑپ اٹھیں۔

"نہیں نسیمہ! رونے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں بالکل خفا نہیں اور نہ آسیہ۔ ہم بہن بھائی ہیں ان شاء اللہ۔ ہمارا یہ خونی رشتہ ہی اچھا ہے۔"

"بھائی جان! اب ایسا نہ کریں۔"

"میری بات مانو۔ نسیمہ! میری تکلیف میں اضافہ نہ کرو۔ آسیہ! اپنے بیٹے سے کہہ دو کہ اب شکست کو بڑے دل کے ساتھ قبول کرے۔ وہ عمیر اور بلال سے انتقام لے کر شرط نہیں جیت سکتا۔"

شوکت صاحب سینہ مسل رہے تھے۔ ان کی تکلیف بڑھ رہی تھی۔ تینوں پریشان ہو گئیں۔

"تو پھر میرا فیصلہ بھی سن لیجیے ابو! اگر یہ نکاح نہیں ہو سکتا تو۔ تو پھر نہ بلال ہوگا نہ عمیر اور نہ فریا اور اگر یہ تینوں ہوں گے تو میں نہیں ہوں گا۔"

ہاتھ میں ریوالور لیے شعیب ہوش و خرد سے عاری چہرا لیے بالکل پاگل لگ رہا تھا۔ جنون اور انتقام میں پاگل ہو رہا تھا۔ ریوالور دیکھ کر خواتین کی چیخ نکل گئی۔

"شوبی بیٹے! سنو۔" آسیہ بیگم تڑپ کر اس کی طرف بھاگیں۔

"شعیب! ایسا کچھ نہ کرنا بیٹے! جو تم کہو گے وہی ہوگا۔" نسیمہ بیگم بھاگیں مگر وہ دندناتا ہوا باہر نکل گیا۔

"میرے خدا! میں کیا کروں گی۔ میرے بچوں کو اپنی امان میں رکھنا۔"

"یا اللہ رحم۔" آسیہ بیگم تو بے ہوش ہو رہی تھیں۔

"امی..... امی جلدی آئیں۔ ابو کی حالت خراب ہو رہی ہے۔"

نسیمہ بیگم اندر بھاگیں۔

"امی! لگتا ہے ہارٹ اٹیک ہوا ہے ماموں جان کو۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔"

فرخ باہر بھاگا۔ اسی وقت جمال اور منیب آ گئے۔ گھر کا منظر دونوں کو پریشان کر گیا۔

"جمال! میں ابو کو لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ تم فون کر کے عمیر بھائی اور بلال بھائی کو خبردار کر دو۔"

نسیمہ بیگم! فرخ! منیب اور آسیہ بیگم ہاسپٹل نکل گئے۔

"میرے مولا رحم فرما۔ سب کو اپنی امان میں رکھنا۔ یہ کیا ہو گیا۔ اللہ پاک یہ کیا ہو گیا۔ فائزہ بری طرح روئے جا رہی تھی۔ باپ کی یہ حالت بھائی کے عزائم وہ مستقل سجدے میں گری اللہ تعالیٰ سے دعائیں کر رہی تھی۔

"ہیلو شذرا! میں ہوں جمال۔ عمیر بھائی کہاں ہیں؟"

"وہ تو علی بھائی کے ہاں ہیں۔ خیریت ہے۔" شذرا گھبرا گئی۔

"خیریت ہی تو نہیں۔ ابھی ان کو فون کرو۔ وہاں سے کہیں اور چلے جائیں اور سلوان کو ساری بات بتا دو۔ اور بلال بھائی کو بھی یہاں وہاں کر دیں۔ اور خدا سے دعا کرو۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو گئی تو ہم سب تباہ ہو جائیں گے۔"

جمال نے مختصراً شذرا کو سب کچھ بتا دیا۔

"اف میرے خدا! یہ سب کیا ہو گیا۔ ماموں جان کی طبیعت۔"

"ابھی کچھ پتا نہیں۔ میں ابھی یہاں سے فائزہ باجی کو لے کر ہاسپٹل جا رہا ہوں وقت کم ہے۔ تم ابھی فون کر دو۔"

مزید تفصیل جاننے کی کوشش بے سود گئی۔ جمال نے فون بند کر دیا۔ شنذرا نے سب کو ساری صورتحال سے آگاہ کر دیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا خدایا رحم فرمانا۔'' لڑکیاں خدا کے حضور سب کے لیے دعا گو ہو گئیں۔

''اف! کیا مصیبت ہے۔ بیل جا رہی ہے مگر۔ میرا خیال ہے گھر پر نہیں۔'' شنذرا کتنی دیر سے علی کا نمبر ملا رہی تھی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔

''تم بلال بھائی کا تو پتا کرو۔ خدا خیر کرے۔''

شنذرا نے شانی کے کہنے پر بلال کا نمبر ملایا تو فون بلال ہی نے ریسیور کیا۔

''نہیں بلال بھائی! آپ یہاں نہ آئیں۔ کہیں بھی چلے جائیں۔''

''احمق ہو تم لوگ اکیلی ہو۔ ماموں جان ہاسپٹل میں ہیں اور میں جان بچا کر چھپ جاؤں۔ موت تو اٹل ہے۔ میں امی ابو کو لے کر آ رہا ہوں۔ شعیب کا کوئی اتا پتا۔''

''کوئی اتا پتا نہیں بھائی! خدا خیر کرے۔ سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے۔''

☆......☆......☆

عجیب صورت حال تھی۔ باپ ابھرتی ڈوبتی دھڑکنوں کے ساتھ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ بیٹا اپنے انتقام کی آگ بجھانے کی کوشش میں لاپتہ تھا اور ان دونوں کو چاہنے والے ان دونوں کے لیے دعا گو کسی انہونی کے ہو جانے کے اندیشے سے خوفزدہ تھے۔ ہر طرف پریشانی تھی۔ تیمور اور علی نجانے کہاں تھے۔ لڑکیاں بری طرح ڈر رہی تھیں۔ اسد جمال نجیب کی ایک ٹانک ہاسپٹل میں تھی دوسری گھر میں۔

''یا اللہ! ہر بری خبر سے محفوظ رکھنا۔ ماموں جان کو صحت اور زندگی عطا فرما پروردگار۔''

زیب عصر کی نماز کے بعد مستقل سجدے میں گری دعائیں کر رہی تھی۔ اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔ لڑکیوں کے دل دہل گئے۔ نجانے ہاسپٹل سے آیا تھا یا کوئی اور تھا۔ شنذرا نے لرزتے ہاتھوں سے ریسیور اٹھایا۔

''ہیلو میں علی بات کر رہا ہوں۔ شعیب نے۔''

☆......☆......☆

''کیا..... کیا کیا ہے شعیب نے علی بھائی! میرے بھیا خیریت سے تو ہیں ناں۔''

شنذرا کا دل ڈوبنے لگا۔ علی کی گھبرائی آواز سن کر۔

''ہاں۔ باقی سب تو خیریت ہی سے ہیں۔ بس وہی خیریت سے نہیں۔ اس کی زندگی خطرے میں ہے۔ تم سب لوگ شعیب کے لیے دعا کرو۔''

علی کی آواز سے لگ رہا تھا۔ کوئی تشویشناک بات ہو چکی ہے۔ شنذرا بھی گھبرا گئی۔

''کیا ہوا شعیب کو؟ علی بھیا جلدی بتائیں۔ ہم تو پہلے ہی ماموں جان کی وجہ سے پریشان ہیں۔''

''ہوا یہ شنذرا کہ شعیب فلیٹ پر آیا تھا تو شدید غصے میں تھا۔ ریوالور اس کے ہاتھ میں تھا۔ تیمور کو تلاش کرنے لگا مگر خوش قسمتی سے تیمور کچھ دیر قبل ہی ایک دوست سے ملنے گیا تھا۔ شعیب شدید غصے کی حالت میں پاگل ہو رہا تھا۔ مجھے بھی دھمکیاں دیتا ہوا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد تیمور بھی آ گیا۔ میں نے بتایا تو وہ اس کے پیچھے گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ چلا گیا۔ شعیب کا پیچھا کیا۔ وہ اندھا دھند گاڑی چلا رہا تھا اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ وہ سامنے سے آتے ٹرالر سے ٹکرا گیا۔ بس آگے کچھ مت پوچھو۔ دماغ پر شدید چوٹیں آئی ہیں۔ بس خدا سے دعا کرو۔ اس کا بچ جانا ایک...... معجزہ ہی ہوگا۔''

اس کے بعد علی نے ریسیور رکھ دیا۔ شنذرا تفصیل جان کر شدت سے رو پڑی۔ شانی اور زیب بھی ہولی اس کے قریب آ گئیں۔

''شنذرا! خیریت تو ہے ناں۔ ماموں جان۔'' زیب کی تو ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ شانی نے آہستگی سے پوچھا۔

''فون علی بھیا کا تھا۔ کہہ رہے تھے شعیب بھائی کی زندگی خطرے میں ہے۔''

ان کو تفصیل بتا کر وہ پھر رو پڑی۔

''اف میرے خدا! یہ کیا ہو گیا ہے۔ کیا ہونے جا رہا ہے۔ پروردگار ہمیں معاف کر دے۔ ہمارے پیارے ہمیں لوٹا دے۔'' زیب سجدے میں گر پڑی۔

☆......☆......☆

ایک ہاسپٹل میں باپ دوسرے میں بیٹا موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ اور ان کے چاہنے والے خدا کے حضور ان دونوں کی زندگی کے لیے سجدہ ریز تھے۔ آسیہ بیگم سے شعیب کی حالت کو

چھپایا گیا تھا مگر ان کے دل میں الٹے سیدھے وہم آ رہے تھے

"کوئی میرے بیٹے کی خبر بھی لا دو نسیمہ! میرا بچہ کس حال میں گھر سے نکلا۔ کہاں ہے وہ؟"

آسیہ بیگم بالکل بے دم ہو رہی تھیں اور نسیمہ بیگم جن کو خبر مل چکی تھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کس طرح خود کو اور ان کو سنبھالیں۔

"بھابی جان! خدا سے دونوں کی زندگی کی دعا کریں۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ شعیب بھی ٹھیک ہے۔ ہاں، بالکل ٹھیک ہے۔ آپ فکر نہ کریں۔"

وہ بمشکل ان کو دلاسا دے پائیں کچھ دیر بعد ہی بلال تیمور بھی آ گئے۔ وہ ان کی طرف دوڑیں۔

"کیسا ہے شعیب! وہ بچ تو جائے گا ناں۔"

"امی! بس خدا سے دعا کریں۔ ڈاکٹرز کچھ زیادہ پر امید نہیں مگر اللہ چاہے تو کیا نہیں ہو سکتا آپ خود بھی حوصلے سے کام لیں اور مامی کو بھی سنبھالیں۔ ماموں جان کی حالت بھی خطرے سے باہر نہیں ہے۔"

تیمور نے آہستگی سے کہا تو نسیمہ بیگم کا دل بیٹھنے لگا۔ وہ کرسی نہ تھام لیتیں تو گر پڑتیں۔

"میرے پروردگار رحم کر میرے بھائی اور شعیب کی زندگی بخش دے مولا۔"

فائزہ کو ان کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ بھاگتی ہوئی آئی اور تیمور کے ساتھ لگ گئی۔

"بری بات فائزہ! اس طرح نہیں روتے۔ اللہ سے ناامید نہیں ہوتے۔ وہ تو ہر بات پر قادر ہے جو ایک بار زندگی دے سکتا ہے وہ بار بار دے سکتا ہے۔ بس خدا سے دعا کرو۔ انشاء اللہ شعیب ٹھیک ٹھاک ہنستا مسکراتا تمہیں نظر آئے گا۔"

اسے تسلی دیتے دیتے عمیر کو خود پر اختیار نہ رہا۔ وہ شعیب کی جو حالت دیکھ چکا تھا۔ اس کے بعد تو اس کے دل میں اس کے لیے کوئی کدورت باقی نہیں رہی تھی۔ وہ باہر نکل گیا۔

"آپ لوگ چھپا رہے ہیں ناں مجھ سے بلال بھائی۔ مجھے میرے بھائی کے پاس لے چلیں پلیز۔"

اب فائزہ بلال کا بازو تھامے پوچھ رہی تھی جو عمیر کی طرح اس سے نگاہیں چرا رہا تھا۔ شعیب کی حالت واقعی ایسی تھی کہ کسی وقت بھی کوئی بری خبر مل سکتی تھی۔

"ہاں جمال زیب اور شانی کو یہاں چھوڑ دے گا۔ تم اور شنذرا ہمارے ساتھ چلنا۔"

اسی وقت زیب آ گئی۔ فائزہ اس سے لپٹ گئی۔

"فائزہ! یہ بدشگونی مت کرو۔ دیکھنا انشاء اللہ ماموں جان اور شعیب بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔"

زیب نے اسے خوب تسلی دی مگر چوٹ دل پر پڑی تھی۔ قرار کیسے آتا۔

☆......☆......☆

"مجھے ایک نظر میرا بھائی دکھا تو دو اسد! تم تو ڈاکٹر ہو۔ پلیز اندر لے جاؤ ناں۔"

فائزہ ایک نظر شعیب کو دیکھنے کے لیے مچل رہی تھی۔

"فائزہ باجی! دعا کریں۔ آپریشن ہو رہا ہے۔ میں کیسے آپ کو لے جاؤں۔ بس آپ دعا

کریں پریشان نہ ہوں۔"

"عمیر صاحب! آپ نے خون کے لیے کہا تھا۔ آپ کا گروپ مریض سے مل گیا۔"

"چلئے ڈاکٹر صاحب جلدی کریں۔" عمیر تو گویا منتظر بیٹھا تھا۔ فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ فائزہ شرمندہ سی ہونے لگی۔ کتنا غلط سمجھا تھا۔ شعیب نے عمیر کو۔ محض حسد کی وجہ سے وہ ان حالوں کو پہنچا اور عمیر اب بھی کتنا مخلص تھا اس کے لیے۔ عمیر خون دینے چلا گیا تو فائزہ زیب کے ساتھ باہر آ گئی۔ اسی وقت شنذرا فرخ کے ساتھ آ گئی۔

"فائزہ باجی! بہت بہت مبارک ہو۔ ماموں جان کی حالت اب خطرے سے باہر ہے۔"

"شکر ہے خدایا۔ تم لوگ وہاں گئے تھے۔"

"جی۔ ہم وہیں سے آ رہے ہیں شعیب بھائی!"

"بس ہر عداوت بھول کر شنذرا! میرے بھائی کے لیے دعا کرو۔ وہ بچ جائے۔"

فائزہ باجی! کیسی باتیں کرتی ہیں آپ بھی۔ یہ لڑائی جھگڑے شکوے شکایات تو زندگی میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہی رہتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ ہم ایک دوسرے کی زندگی کے ہی درپے ہو جائیں۔ وہ آپ ہی کے نہیں ہمارے بھی بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو زندگی دے۔ آپ فکر نہ کریں۔ آئیں کچھ کھا لیں۔ کتنی پیلی ہو رہی ہیں۔"

شنذرا نے بڑے پیار کے ساتھ فائزہ کا چہرا صاف کیا اور کھانا جو ساتھ لے کر آئی تھی۔ زبردستی اسے کھلانے لگی۔ تب ہی اسد آ گیا تو فائزہ نے کہا۔

"اسد بھائی! آپ بھی کچھ کھا لیں۔"

"ہاں بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔"

اسد نے ابھی فون کر کے شوکت صاحب کے بارے میں معلوم کیا تھا۔ کچھ ریلیکس محسوس کر رہا تھا۔ اس نے گہری نظروں سے شنذرا کو دیکھا جس کا ان دنوں میں اس نے بڑا خوبصورت اور مختلف روپ دیکھا تھا۔ شنذرا نے ایک نظر اسے دیکھا اور...... زندگی میں پہلی بار بغیر کسی نفرت حقارت کے تاثر کے اس نے کھانا نکال کر اسد کی طرف بڑھایا۔ شاید حالات کی سنگینی کا اثر تھا۔

"خدا کی ذات بڑی مہربان ہے فائزہ باجی! ماموں جان کو اللہ تعالیٰ نے زندگی بخشی ہے تو شعیب بھائی بھی ٹھیک ہو جائیں گے انشاء اللہ۔"

اسد نے شنذرا کے چہرے پر گہری نظر ڈالتے ہوئے پلیٹ اس کے ہاتھ سے لے لی۔ جی تو چاہتا تھا کہ وہ اکھڑی بددماغ لڑکی اس کے سامنے اسی طرح ہاتھ بڑھائے رہے اور وہ دیکھتا رہے۔ کوئی اچھا وقت ہوتا تو وہ اسے چھیڑنے ہی کی غرض سے کوئی شوخ جملہ ضرور کہتا۔

"اسد! جلدی چلو۔ تمہارا گروپ بھی شعیب والا ہے ناں۔"

"ہاں خیریت؟" اسد پریشانی سے بلال کو دیکھنے لگا۔

"چلو پھر اسے خون کی مزید ضرورت ہے؟"

"چلیں۔" اسد ابھی پہلا نوالہ بنا کر منہ کی طرف لے جانے ہی والا تھا کہ بلال آ گیا۔ وہ نوالہ پلیٹ میں واپس رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"نجانے اسے کتنی بھوک لگی تھی۔ اس نے تو دو روز سے ڈھنگ سے کھایا پیا بھی نہیں۔ دن رات ہاسپٹل میں رہتا ہے۔"

بلال کے ساتھ تیز تیز قدم اٹھاتے اسد کے لیے جانے کس گوشے سے ہمدردی کی یہ نرم کونپل پھوٹی۔ شذرا سوچ کر رہ گئی۔

"بہت اچھا انسان ہے اسد۔ ہمارے خاندان میں کوئی ایسا نہیں۔ شعیب بھائی کے لیے اس نے دن رات ایک کر دیا ہے۔ اللہ شعیب کو ٹھیک کر دے۔"

"آمین۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا فائزہ باجی۔"

فائزہ نے محبت سے اسد کا ذکر کیا تو شذرا نے صدق دل سے آمین کہا۔ وہ بھی اسد کے بارے میں سوچ رہی تھی

☆......☆......☆

شعیب ہنوز خطرے میں تھا جبکہ شوکت صاحب ہوش میں آ گئے تھے۔ انہوں نے نقاہت سے اپنے اردگرد کھڑے اپنے پیاروں کو دیکھا۔ عمیر، بلال بھی موجود تھے مگر شعیب کہاں تھا۔ کیا وہ اتنا سنگدل ہو گیا تھا کہ باپ کی خبر تک لینے نہیں آیا۔ وہ وقت، وہ منظر یاد آ گیا۔ شعیب کے ہاتھ میں ریوالور اور اس کے عزائم۔ اف میرے خدا! درد کی ایک ٹیس اٹھی۔ انہوں نے آنکھیں موند لیں مگر آسیہ بیگم تو ماں تھیں۔ ان کا دل تو کسی طور پر مطمئن نہیں ہو رہا تھا۔ چار پانچ روز ہو گئے تھے۔ نہ شعیب آیا تھا نہ اس کی کوئی خبر تھی۔ باقی لوگوں کے رنگ بھی اڑے ہوئے تھے۔ ایسا کیا ہو گیا ہے۔ کہاں ہے میرا بچہ؟ شعیب کہاں ہے۔ باقی سب ہیں وہ کیوں نہیں۔ عمیر، فریا اور بلال نہیں ہوں گے اگر یہ تینوں ہوں گے تو میں نہیں ہوں گا۔"

"نہیں میرا بچہ کہاں ہے۔ میرا شعیب کہاں ہے۔ عمیر! میرا شعیب کہاں ہے۔ وہ۔ وہ خیریت سے تو ہے ناں؟"

سب خاموش بیٹھے تھے۔ آسیہ بیگم کی چیخ نے سب کو چونکا دیا۔ وہ عمیر کا بازو پکڑے عجیب انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔ ان کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ سب نے نظریں چرالیں۔ عمیر نے ان کو ساتھ لگا لیا۔

"مامی! آئیں میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں۔"

وہ ان کو ساتھ لگائے باہر آ گیا۔ ساتھ ہی بلال بھی آ گیا۔ وہ اور خوفزدہ ہو گئیں۔

"خیریت تو ہے ناں............ کیا سمجھانا چاہتے ہو مجھے؟"

وہ خوفزدہ ہو کر ایک دم عمیر سے الگ ہو گئیں۔ دل میں طوفان سے اٹھ رہے تھے۔ نجانے یہ لڑکے کون سی خبر سنانے کے لیے تیار کر رہے ہیں۔

"پھپھو! میری پیاری پھپھو! دیکھیں بات سنیں۔" بلال نے بڑھ کر مضبوطی سے انہیں ساتھ لگایا۔

"مت بھونے والا سے دو مجھے۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ شعیب نہیں ہے۔ وہ......"

وہ عجیب ہذیانی انداز میں چلائیں۔ ان کا چہرا مردوں کی طرح بے جان اور سفید ہو رہا تھا۔

"خدا نہ کرے مامی! اتنی بری بات منہ سے نہ نکالیں۔ وہ۔ وہ خدا کے فضل سے زندہ سلامت ہے بس۔" عمیر نے ان کے ہاتھ آنکھوں سے لگا لیے مگر ان کو قرار کہاں تھا۔

"مت بولو جھوٹ۔ میں سب جانتی ہوں کچھ ہو چکا ہے جو وہ نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں نہیں ہے۔"

وہ ہذیانی انداز میں چلانے لگیں۔ بلال جلدی سے ڈاکٹر کو لے آیا۔

"یہ شدید ذہنی دباؤ کا شکار ہیں۔ شعیب کے بارے میں کوئی خبر ان کے لیے خطرناک ہو سکتی ہے۔ ان کو گھر لے جائیں اور آرام کرنے دیں۔ ان کے لیے بے حد ضروری ہے۔"

ڈاکٹر نے انجکشن لگاتے ہوئے کہا تیمور اور بلال ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

☆......☆......☆

شعیب کے لیے ابھی بھی چوبیس گھنٹے خطرناک تھے۔ ایک طرف سے سکون ملا تو پورا خاندان شعیب کے لیے خدا کے سامنے دامن پھیلائے ہوئے تھے۔ آسیہ بیگم ہوش میں آتے ہی چلانے لگیں۔

"میرا بچہ میرا شوبی مار دیا سب نے اسے۔ سب اس کے دشمن تھے۔ سب اسے مار دینا چاہتے تھے۔ اب تو......اب تو خوش ہو ناں تم سب۔ مر گیا ہے میرا شعیب! میرا بچہ۔"

سب کے مبہم رویے اور شعیب کی عدم موجودگی سے وہ اس کی موت کا یقین کر چکی تھیں۔ انہوں نے روتے ہوئے اپنے بال نوچ ڈالے۔

ظہیر صاحب نے پیار سے ان کو ساتھ لگایا۔

"آسیہ! میری بہن ایسی بدفال منہ سے مت نکالو۔ خدا کا شکر ہے۔ شعیب زندہ ہے اور اس نے کوئی ایسی غلطی نہیں کی بس غصے میں گاڑی تیز چلا رہا تھا اور چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔"

آسیہ بیگم کی یہ حالت کسی تسلی سے نہیں سنبھل رہی تھی۔ شوکت صاحب آج ذرا ہوش میں تھے۔ ان کی طبیعت بھی بہت بہتر تھی۔ سب ہی موجود تھے سوائے شعیب کے۔

"عمیر بیٹے!" انہوں نے آہستگی سے عمیر کو پکارا تو وہ تڑپ کر آگے بڑھا۔

"جی ماموں جان۔"

"دیکھو......دیکھو بیٹے۔ مجھ سے کچھ مت چھپاؤ۔ اگر یہ دل بیٹے کی گستاخی دیکھ کر بھی دھڑک رہا ہے تو اس کے متعلق کسی بری خبر سے بھی بند نہیں ہوگا۔"

یہ کہتے ہوئے دل میں زبردست ٹیس اٹھی تھی۔ چہرے پر کرب جھلکنے لگا۔ آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"ماموں جان! ایسی بات نہ کریں۔ میں آپ سے کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ حقیقت یہ ہے کہ شعیب کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور چوٹیں بھی آئی ہیں لیکن خدا کا شکر ہے کہ وہ بچ گیا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔"

عمیر بتا رہا تھا اور گرم پانی شوکت صاحب کے چہرے پر پھیلتا گیا اور بیمار دل سے بیٹے کے لیے دعاؤں کی صدائیں ابھرنے لگیں۔

☆......☆......☆

وقت گویا ٹھہر گیا تھا۔ بھرا ہوا گھر بھی خالی لگ رہا تھا۔ گھر میں اس قدر خاموشی تھی کہ ایک دوسرے کی خوفزدہ دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ مرد کے سارے ہاسپٹل میں تھے۔ اور خواتین گھر میں سب کے کان فون کی بیل اور دروازے کی بیل پر لگے ہوئے تھے۔ عجیب موت کی سی ویرانی تھی شنذرا کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ دروازے کے باہر گیلری میں کھڑی ہو گئی۔

"اے میرے پروردگار رحم کرنا۔ شعیب کو زندگی بخش دے۔ اپنی رحمت کے صدقے میں اپنے محبوبؐ کے صدقے میں ان کو زندگی بخش دے۔ یا اللہ۔"

وہ دونوں ہاتھ پھیلائے آنکھیں موندے رقت آمیز لہجے میں دعائیں کر رہی تھی۔

"قبولیت کی گھڑی ہے شنذرا! اللہ سے کچھ اور بھی مانگ لو۔"

اسد کی آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ جو پہلے تو چپ چاپ کھڑا اس اکھڑ بدتمیز لڑکی کو دیکھتا رہا جو اپنے سب سے بڑے دشمن کے لیے کس قدر شدت سے دعا کر رہی تھی پھر اس نے ہاتھ میں پکڑے دو پھول اس کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے کہا تو شنذرا کو کچھ دیر کے لیے اس پر غصہ آ گیا کہ یہ کون سا وقت ہے۔ ایسی حرکتوں کا اس سے قبل کہ وہ اپنے روایتی موڈ پہ آتی وہ بول پڑا۔

"آں۔ آں۔ بھڑکنے سے پہلے خوشخبری سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت نازل کر دی ہے۔ شعیب بھائی کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔"

"سچ۔" شنذرا سب کچھ بھول کر خوشی اور جوش میں اسد کی جانب بڑھی اور اس کا بازو مضبوطی سے پکڑ کر اس خوشخبری کی تصدیق چاہی۔

"بالکل سچ۔" اسد نے ایک گہری نظر اس کے خوشی سے تمتماتے چہرے پر ڈالی اور دوسری اپنے بازو پر رکھے۔ اس کے ہاتھوں پر۔ اپنی اس بے ساختہ سی حرکت پر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اس نے جھٹ ہاتھ ہٹا لیے اور اپنی کھسیاہٹ مٹاتی تیزی سے بھاگی۔

"امی۔ مامی فائزہ باجی! مبارک ہو۔ شعیب بھائی کا آپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔"

اس کی لرزتی آواز تھی یا خوشی کا نقارہ جو مردہ دلوں میں گونج اٹھا۔

☆......☆......☆

شعیب کی زندگی کی طرف واپسی نے جیسے ان میں دوبارہ زندگی بھر دی۔ ہر کوئی خدا کے حضور شکرانہ ادا کر رہا تھا۔ مانی ہوئی منتیں ادا کی جا رہی تھیں۔ شوکت صاحب نقاہت اور کمزوری کے باوجود خدا کے حضور سجدہ ریز ہو گئے تھے۔ خوشی اور مبارک سلامت کے شور میں بھی آسیہ بیگم رو رہی تھیں۔ مگر یہ خوشی اور تشکر کے آنسو تھے کہ خدا نے ان کے شوہر اور بیٹے کو زندگی بخش دی تھی۔

شعیب آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہا تھا مگر اسے چپ سی لگ گئی تھی۔ اسد نے عمیر اور بلال کو اس کے سامنے جانے سے منع کر دیا تھا۔

"لیکن میرے خیال میں ان دونوں کو اس کے سامنے جانا چاہیے۔ اس کو پتا چلنا چاہیے کہ وہ جن کے اس قدر خلاف تھا انہوں نے اس کے لیے کتنا کچھ کیا ہے۔ اس طرح اس کی نفرت ختم ہو سکتی ہے۔" شوکت صاحب کو اسد سے اختلاف تھا۔

"تایا ابو! بات تو آپ کی درست ہے مگر ابھی شعیب بھائی کے زخم کچے ہیں اور ان کے لیے

جذباتی ہونا خطرناک ہے۔ ابھی اگر آپ ان لوگوں کی خدمات کا ذکر کریں گے ناں تو وہ بجائے متاثر ہونے کے چڑ جائیں گے کیونکہ ابھی ان کو کھسیاہٹ اور غصہ بھی ہے ان کو نارمل ہونے میں بہت وقت لگے گا۔ ابھی ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"ماموں جان! اسد بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ابھی اسے آرام کرنے دیں۔ سیٹل ہونے دیں۔ اور پھر ہم نے کون سا احسان کیا ہے اس پر۔"

زندگی رفتہ رفتہ معمول پر آنے لگی تھی۔ شعیب کے زخم تو ٹھیک ہو گئے تھے مگر وہ اندر سے ٹوٹ گیا تھا۔ انتہائی چڑچڑا ہو گیا تھا۔ ہر طرف عمیر عمیر ہو رہا تھا۔ اور بلال نے سارے حالات سنبھال لیے تھے۔ آسیہ بیگم تو گاہے بگاہے عمیر کا ذکر کرتی رہتیں۔

"امی! خدا کے لیے ان کے نام کی مالا جپنا چھوڑ دیں۔ نفرت ہے مجھے اس شخص سے۔"

وہ چیخ کر چلانے لگا تو آسیہ بیگم کو......غصہ آ گیا تاہم نرمی سے بولیں۔

"شعیب بیٹے! نفرتوں کی گھٹن کسی کا کچھ نہیں بگاڑتی۔ خود انسان برباد ہو جاتا ہے۔ بچپن سے تمہاری عمیر سے چڑ اور نفرت بے معنی ہے اور تمہارے اندر اس نفرت کو پروان چڑھانے کی ذمہ داری ہم بڑوں پر عائد ہوتی ہے مگر بیٹے! گوشت بھی ناخنوں سے جدا نہیں ہوتا' جتنی تمہیں اس سے نفرت ہے۔ میرے خیال میں اس سے زیادہ اسے......تم سے ہو گی کہ تمہاری وجہ سے وہ بے گھر ہوا مگر جب تمہیں اس کی ضرورت پڑی تو اس نے تمام نفرتوں کو مٹا ڈالا۔ دن کی پروا کی اور نہ رات کی' تمہیں کچھ خبر ہے اس نے تمہیں کتنا خون دیا ہے۔ آدھے سے زیادہ تمہاری رگوں میں اسی کا خون دوڑ رہا ہے۔"

آسیہ بیگم مستقل عمیر کی تعریف کر رہی تھیں اور اس کا غصے سے خون کھول رہا تھا۔ دماغ پھٹنے لگا تھا۔

"بس کریں امی! خدا کے لیے بس کریں اگر بدقسمتی سے بچ ہی گیا ہوں تو جی لینے دیں اور اسے کس نے کہا تھا' مجھے خون دے۔ مر جانے دیا ہوتا' اس کا انتقام پورا ہو جاتا۔ نکال دیں میری رگوں سے اس کے خون کا ایک ایک قطرہ۔"

شعیب پر ہذیانی سی کیفیت طاری ہو گئی' اس نے زور سے بازو میز پر مارا۔ آسیہ بیگم ڈر گئیں۔

"میری جان! میرے بچے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ فائزہ ادھر آؤ' بھائی کو دیکھو۔" آسیہ بیگم گھبرا کر چلائیں تو سب بھاگے آئے۔

☆......☆......☆

زندگی اپنے معمول پر لوٹ تو آئی تھی مگر عجیب سی تبدیلی کے ساتھ' ماحول میں عجیب سا سکوت تھا۔ اتنے بڑے حادثے نے ہر کسی کو متاثر کیا تھا۔ شعیب جو اس حادثے سے قبل ایک ناپسندیدہ شخصیت تھا۔ اب سب کے دلوں میں اس کے لیے نرم گوشہ بن چکا تھا۔ اور یہ تبدیلی بلال کے لیے اچھی نہیں تھی۔ اب تو عمیر بھی شعیب کا خاصا خیال رکھتا تھا۔ اس وقت بلال عمیر کے پاس آیا تھا' مگر وہ کہیں جانے کو تیار ہو رہا تھا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" بلال برش اس کے ہاتھ سے لے کر خود کرنے لگا۔

"یار! آج شعیب کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہے' ماموں جان کا فون آیا تھا۔"

"وہ چلا جائے گا تمہارے ساتھ؟" بلال سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"آں۔" عمیر سوچ میں پڑ گیا پھر ایک دم کھڑا ہو گیا۔

"ہاں ہے تو مشکل مگر میں اسے منا لوں گا۔ بھائی ہے میرا وہ کیوں نہیں مانے گا۔" عمیر نے ایک یقین کے ساتھ کہا تو بلال اسے بغور دیکھنے لگا یہ وہی عمیر تھا جو کبھی شعیب کے سائے سے بھی نفرت کرتا تھا اور اب۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ ویسے ایک بات ہے حادثہ تھا تو جان لیوا مگر نفرتوں کی دیوار گرا گیا ہے۔"

"ہاں یار بلال یہ تو ہے اب نفرت کی یہ دیوار گری ہے دھند چھٹی ہے تو کسی دشمنی کا کسی بات کا کوئی شائبہ تک نہیں ہمیں آگے بڑھنا ہے اس کے دل میں نفرت کی برف کو اپنی محبت اور توجہ سے پگھلانا ہے۔ چلو چلیں۔"

عمیر تیار ہو کر اس کی طرف مڑا تو وہ دل میں اترتی سوگوار سی شام کا دکھ لیے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے نہ ہی لے جاؤ تو بہتر ہے عمیر!" وہ ذرا ہچکچایا۔

"کیوں تمہارا بھی اتنا ہی رشتہ ہے جتنا کہ میرا۔"

عمیر کی بات پر بلال سنجیدہ سا ہو گیا۔ کھڑکی کی طرف رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"عمیر! میرے اور شعیب کے درمیان ایک اور تعلق بھی تو ہے جسے تم تو اگنور کر سکتے ہو مگر میں یا وہ نہیں۔"

بلال کی بات پر عمیر چپ سا ہو گیا۔ بلال کی بات بھی درست تھی۔

"دیکھو بلال! ٹھیک ہے میں سمجھتا ہوں مگر خشک اور بنجر زمین کو سیراب کرنے کی خاطر کسی نہ کسی کو تو پہلا قطرہ بننا ہی پڑتا ہے اگر ہم دل بڑا نہیں کریں گے تو نفرتوں کی دھند ہمارے وجود کو مٹا ڈالے گی باقی کچھ نہیں بچے گا چلو آؤ شعیب کی طرف ہاتھ بڑھائیں دوستی کا محبت کا۔"

بلال کچھ دیر خالی نگاہوں سے عمیر کو دیکھتا رہا پھر اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا باہر نکلے تو اس کی نظریں زیب پر پڑیں۔ کس قدر خاموش اور تنہا سی لگ رہی تھی وہ۔ بلال تیزی سے باہر نکل آیا۔

☆......☆......☆

آج شعیب کافی عرصے کے بعد لان میں سب کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کی قنوطیت کی وجہ سے کوئی بات بھی اس کی مرضی کے خلاف نہ ہوتی وہ گم صم چپ چاپ ہی رہتا گھر والوں کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

"آداب ماموں جان!"

عمیر اور بلال سیدھے ادھر ہی چلے آئے شعیب نے چبھتی نظروں سے ان دونوں کو دیکھا نجانے کیا بات تھی کہ وہ ان کی اچھائی بھی تسلیم کرتا تھا... مگر پھر بھی اسے ان دونوں سے چڑ تھی وہ ان کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا عمیر جلدی سے اس کی طرف بڑھا۔

"بیٹھو یار! ہم تو تمہارے ہی پاس آئے تھے کیسی طبیعت ہے اب؟"

"ٹھیک ہوں میں تھینکس۔"

اس نے اک تیز نگاہ بلال پر ڈالی اور بے رخی سے بولتا آگے بڑھ گیا۔

"شعیب!" شوکت صاحب کے لہجے میں سختی تھی۔ آسیہ بیگم گھبرا گئیں۔

"آرام سے نرم لہجے میں بات کریں اتنی بڑی بیماری سے اٹھا ہے۔"

"ماموں جان! آپ ہرگز پریشان نہ ہوں ہم بھائی ہیں تو ہم خود بات کر لیتے ہیں اس کے ساتھ ٹھیک ہو جائے گا۔ فائزہ تم اچھی سی چائے لے کر شعیب کے کمرے میں آؤ۔"

شعیب کے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے عمیر نے پلٹ کر فائزہ کو دیکھا۔ وہ مسکراتی ہوئی اٹھ گئی۔

دروازے پر ہلکی سی دستک دینے کے بعد عمیر اور بلال اندر آ گئے شعیب کسی روٹھے ہوئے بچے کی طرح ان کو دیکھ کر رخ پھیر کر کھڑا ہو گیا۔ عمیر نے بلال کی طرف دیکھا اور پھر شعیب کی طرف بڑھا۔

"شعیب! میرا خیال ہے۔ ہم لوگ آپس میں بھائی ہیں۔"

"جی میں بھی تمہارے خیال سے متفق ہوں۔" شعیب کٹیلے لہجے میں بولتا ہوا مڑا۔

"تو پھر آؤ۔ سارے گلے شکوے بھلا کر گلے لگ جاؤ۔"

عمیر نے صاف دلی سے دونوں بازو پھیلا دیے۔

"مت کرو میرے سامنے یہ ڈرامہ میں جانتا ہوں تمہیں مجھ سے نفرت ہے۔ میں تمہارا دشمن ہوں نا بچپن سے میری وجہ سے تم نے گھر چھوڑا میری وجہ سے تم اپنی ماں بہنوں سے دور رہے میری وجہ سے تم۔"

"یہ سب ماضی تھا شعیب! میں نے ماضی کی کتاب سے ان اذیت ناک صفحات کو پھاڑ کر پھینک دیا ہے۔ میں اب محبت کی چاہتوں کی داستان رقم کرنا چاہتا ہوں سب کچھ بھلا کر جو ہوا سو ہوا میں نے بھلا دیا ہے تم بھی بھول جاؤ نفرت کر کے میں نے بھی دیکھ لیا ہے سوائے دکھ اذیت اور بے سکونی کے کچھ نہیں ملا۔ جب سے نفرت کی دھند چھٹی ہے یقین جانو شعیب کائنات حسین ہو گئی ہے یہ دوستی دشمنی سب زندگی کے ساتھ ہے ہم زندہ لوگ ہیں۔ آؤ سب کچھ بھلا کر۔"

عمیر صاف دل سے کہہ رہا تھا جبکہ اس کا ایک ایک لفظ شعیب کو احساس ندامت کی دلدل میں دھکیل رہا تھا وہ بجائے اسے قبول کرنے کے چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"بس کرو مت دو مجھے محبتوں پر لیکچر یہ بھی تم لوگوں کی سازش ہے میرے خلاف کہ خود کو بہت اچھا اعلیٰ ظرف ثابت کر کے مجھے نیچا دکھا سکو۔ بلال صاحب تم میں اتنا ظرف کیسے آ گیا؟"

شعیب زہر خند لہجے میں بولتا بلال کی طرف مڑا اس وقت وہ عجیب کھسیانی سی کیفیت میں تھا۔

بلال کے دل پر چوٹ پڑی تھی اس کی بات سے تاہم وہ ضبط کر گیا۔

"میرے اور تمہارے درمیان خون کا پاکیزہ رشتہ ہے شعیب! اور میں نے کبھی اس رشتے سے ہٹ کر نہیں سوچا۔ اور اب تم بھی ان پچھلی باتوں اور رقابتوں کو بھلا کر نئی زندگی کا آغاز کرو۔ بلکہ ہم سب۔"

بلال نے پورے خلوص سے ہاتھ بڑھایا مگر شعیب سختی سے نظر انداز کرتا آگے بڑھ گیا۔ پھر

دونوں کی طرف پلٹا۔

"میں جانتا ہوں تم لوگ بہت اچھے ہو بہت اعلیٰ ظرف ہو مگر مجھے نفرت ہے تم دونوں سے نکل جاؤ میرے گھر سے جاؤ۔ پھر کبھی محبتوں کے سفیر بن کر نہ آنا۔"

شعیب کی بیماری اور ذہنی حالت کے پیش نظر دونوں باہر نکل آئے باہر فائزہ آنکھوں میں ندامت کے آنسو لیے کھڑی تھی۔

"عمیر بھائی! آپ لوگ اتنے اچھے ہیں اور۔" وہ باقاعدہ رو پڑی۔

"ارے لڑکی! تمہیں کیا ہوا ہے۔ دیکھو میری بات سنو۔"

عمیر نے اسے شانوں سے پکڑ کر اس کا چہرہ صاف کیا۔

"نہ ہم بہت اچھے ہیں اور نہ شعیب برا ہے۔ اس کے اندر اچھائی موجود ہے بس ذرا حوصلہ کم ہے۔ اپنی غلطی تسلیم کرنے کا وہ بھی ہو جائے گا۔ اور اس نے ہماری کوئی توہین نہیں کی تمہیں اثر لینے کی ضرورت نہیں ہے اور یوں بھی اڑیل گھوڑے کو سدھانے کے لیے پہلے اس کی لاتیں تو کھانی پڑتی ہی ہیں ناں کیوں بلال۔"

عمیر شوخی سے بولتا بلال کی طرف مڑا وہ بھی مسکرا پڑا۔

"بالکل۔" بلال نے فائزہ کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی تو فائزہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔ چاہے جانے کے لائق مگر۔"

فائزہ زیب اور بلال کے دلوں کا حال جانتی تھی۔ مگر شعیب کے درمیان میں کود جانے کی وجہ سے دونوں مرجھا کر رہ گئے تھے۔

"لڑکی! یہ زیادتی ہے۔ جوتے ہم نے برابر کے کھائے ہیں اور اچھائی کا ایوارڈ بلال کو دے رہی ہو!" عمیر نے مسکرا کر شکوہ کیا۔

"شاید آپ کچھ نہیں جانتے۔" فائزہ نے آہستگی سے کہا تو عمیر سنجیدہ ہو گیا۔

"میں سب جانتا ہوں لیکن اور سنو لڑکی گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

عمیر نے شفقت سے اس کے سر ہاتھ پھیرا اور وہ آگے بڑھ گئے فائزہ نے دروازے کی جھری سے اندر جھانکا۔ شعیب بے قراری کی حالت میں ٹہل رہا تھا۔

"ہونہہ آئے وہاں سے بڑے اعلیٰ ظرف انسان۔ ہاں ایک میں ہی تو برا اور کم ظرف ہوں۔ نجانے یہ دونوں خود کو کیا سمجھتے ہیں۔"

شعیب اس وقت سخت جھنجلاہٹ کا شکار تھا۔ وہ بلال اور عمیر کی حیثیت کو ان کے ظرف کو ان کی اچھائیوں کو دل سے تسلیم بھی کر رہا تھا مگر پھر بھی نجانے کیوں اسے چڑ ہو رہی تھی وہ چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخ رہا تھا۔ فائزہ کو دکھ ہونے لگا اس نے شعیب سے اور کچھ نہیں کہا امی کے پاس آ گئی۔

"کیا کروں میں ایک تو اتنا بڑا حادثہ اوپر سے اتنی گرم سخت دوائیوں نے میرے بچے کا خون خشک کر دیا ہے۔" آسیہ بیگم پریشان ہو کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہیں امی ابھی اس کے پاس جا کر اسے مزید طیش نہ دلانا۔ اس کی جھنجلاہٹ ختم ہو جائے گی

تو ٹھیک ہو جائے گا۔"

آسیہ بیگم جو بیٹے کے پاس جانے کو بے چین ہو گئی تھیں شوہر کے منع کرنے پر بے بسی سے ان کو دیکھ کر رہ گئیں۔

رات جب شوکت صاحب سو گئے تو وہ آہستگی سے شعیب کے کمرے میں آ گئیں کمرے کا حلیہ اس کی ذہنی کشمکش اور خلفشار کی غمازی کر رہا تھا۔ اور خود وہ بیڈ پر بے دم سا پڑا تھا۔ انہوں نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیسی طبیعت ہے میرے بیٹے کی؟"

"ٹھیک ہوں امی!" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تم سے ایک مشورہ کرنا ہے بیٹے۔"

"کیسا مشورہ امی؟" وہ سوالیہ نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"بیٹا! حسن کے گھر والے اصرار کر رہے ہیں کہ کوئی رسم ادا ہو جائے۔"

"تو امی جان! اس میں سوچنے کی کیا بات ہے۔ میں نے تو آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا لڑکا اور اس کے گھر والے بے حد اچھے ہیں۔ جلد از جلد فائزہ کی شادی کر دیں مگر۔"

وہ اس وقت خاصا نارمل تھا۔ اسی لیے آسیہ بیگم کو بات کرنے کا مزید حوصلہ ہوا۔

"میرے چاند! میں تو خود جلدی کرنا چاہتی تھی مگر تمہاری وجہ سے۔"

"امی! ہر برائی تو میرے سر نہ تھوپا کریں آپ لوگ۔"

آسیہ بیگم گھبرا گئیں۔

"نہیں میری جان تمہاری وجہ سے اس لیے کہ تمہاری طبیعت خراب ہو گئی تھی ناں۔ اور دوسرا تم جانتے ہی ہو کہ میں چاہتی ہوں کہ تمہاری اور فائزہ کی خوشیوں کی ابتدا ایک ہی دن ہو۔"

"ہونہہ جواب ناممکن ہے۔" وہ تلخی سے مسکرایا تو آسیہ بیگم نے اس کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

"کیوں ناممکن ہے۔ میرے بیٹے کی خوشی ضرور پوری ہوگی۔"

انہوں نے پر یقین لہجے میں کہا تو وہ ان کو دیکھتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔

☆.....☆.....☆

"واہ کیا خوش نصیب لوگ ہیں اتنے امیر' کیا ٹھاٹھ تھے' کتنا زیور دیا ہے انہوں نے بہو کو ویسے اصل میں امیروں کی ہی زندگی ہے ہائے کیا زندگی ہے کہ ان امیرزادیوں نے بھی اتنا زیور پہنا ہوا تھا۔ سچ صبا! کیا جیولری تھی' کس قدر قیمتی لباس تھے ان کے بس ترسنے کے لیے تو ہم مڈل کلاس ہی رہ گئے...... ہیں۔"

[illegible] دراصل اپنی ایک امیر کبیر دوست کے بھائی کی شادی اٹینڈ کر کے آئی تھی۔ احساس کمتری کا شکار [illegible] ان کی امارت سے بہت متاثر ہوئی تھی اور جب سے آئی تھی مستقل ان کی تعریفیں کیے جا رہی تھی۔ [illegible] صبا تو خاصی بور ہو رہی تھیں مگر پاس ادب کے باعث کچھ نہیں بول پا رہی تھیں البتہ اسد چڑ گیا۔

"باجی! ابھی تو خدا کا شکر...... ادا کیا کرو' خدا نے کون سی ایسی نعمت ہے جو ہمیں عطا نہیں کر رکھی...... ان لوگوں کو دیکھو جو زندگی کی ضرورت کے لیے ترستے ہیں مگر پھر بھی خدا کا شکر کرتے ہیں ایک آپ ہیں کہ۔"

"اچھا...... تم چپ رہو۔ آ گئے کہیں سے شاکر صابر۔ انسان کو لکیر کا فقیر نہیں ہونا چاہیے ترقی کرنی چاہیے۔ اور آج اسی کی عزت ہے جس کے پاس بے شمار دولت ہے' خواہ مخواہ میں لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ جب بندہ چمچماتی بیش قیمت گاڑی سے اترتا ہے۔ سارے دروازے آپ ہی کھلتے چلے جاتے ہیں۔ تمہیں تو سلیقہ ہی نہیں دوست بنانے کا۔ سارے دوست کنگلے بنا رکھے ہیں' دوست تو میرے ہیں ایک سے بڑھ کر ایک۔ اور امی اسد کی شادی ہم کسی امیر فیملی میں کریں گے ریحانہ کی چھوٹی بہن بھی ڈاکٹر ہے۔"

اب تک تو اسد صائمہ کی باتیں دیوانے کی بڑ سمجھ کر برداشت کر ہی رہا تھا۔ اس آخری جملے پر وہ بھنا اٹھا۔

اور کشن صوفے پر مارتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"باجی! کچھ سوچ سمجھ کر بولا کریں۔"

"کیوں تمہیں اتنا طیش کیوں آیا ہے؟ کوئی غلط بات تو نہیں کہہ دی صائمہ نے میں تو خود چاہتی ہوں' تمہاری شادی کسی ایسی ہی فیملی میں ہو۔ میں ضرور جاؤں گی' دیکھوں گی لڑکی کو۔"

زاہدہ بیگم نے چشمے کی اوٹ سے اسد کو گھورا' وہ سب سمجھ گئی تھیں۔ ان کی نیت بھانپ گئی تھیں کہ وہ شذرا کے چکر میں ہے اور ایسا تو وہ ماں بیٹی مر کر بھی نہ ہونے دیتیں۔

"ضرور جایئے گا۔ اگر وہ گھسنے دیں تو۔ لیکن میرے لیے نہیں صائمہ باجی کے لیے کوئی جگہ ضرور بنا آیئے گا امی! بے وقعت ہونے کا ان کو شوق ہے مجھے نہیں۔"

اسد کھول رہا تھا صائمہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ گئی۔

"میری جگہ تو پہلے ہی بنی ہوئی ہے ڈیئر اسد! میں تو تمہارے لیے اس گھر میں جگہ بنانا چاہتی ہوں۔"

"آپ کو مبارک ہو۔ مجھے نہیں چاہیے اس گھر میں جگہ۔"

"ہاں ہاں میں سب جانتی ہوں۔ تم کیا چاہتے ہو' کس کو چاہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو اسد' اس زبان دراز شذرا سے تمہاری شادی تو درکنار اسے تمہاری ملازمہ بھی نہیں رکھوں گی' اگر نسیمہ نے ایسا کچھ کہا تو ناکوں چنے چبوا دوں گی اسے۔"

زاہدہ بیگم کا مارے غصے کے برا حال تھا۔

"امی جان! اب تو معاملہ دو طرفہ ہونے لگا ہے۔ شذرا بیگم بھی تو مہربان ہونے لگی ہیں۔ آپ کے خوبرو بیٹے پر اس روز خود پانی پیش کیا گیا تھا۔ کہاں یہ حال تھا کہ۔"

"باجی! آپ اور امی تو بیٹھے بٹھائے کسی کو بھی قصوروار ٹھہرا دیں۔" آخر کہاں تک ضبط کرتا وہ چلا اٹھا۔

"خاموش رہو۔ اس بات سے انکار کرتے ہو کہ تم شذرا کو پسند نہیں کرتے' اسے نہیں

چاہتے' گھر سے غائب رہ کر تمہارا زیادہ تر وقت وہاں نہیں گزرتا۔ بولو جواب دو۔"

صائمہ اس کے سامنے تن کر کہہ رہی تھی۔ اس نے نظریں جھکا لیں۔ انکار تو وہ کسی بات سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی خاموشی پر ماں بہن تپ گئیں۔

"اپنے دماغ سے اس کا بھوت اتار دو اسد بیٹے! تمہاری شادی شذرا سے مر کر بھی نہیں کروں گی' اکلوتے بیٹے ہو میرے۔ اس کمینی نے تو چٹیا پکڑ کر باہر نکال دینا ہے مجھے۔ تمہاری شادی وہیں ہو گی جہاں ہم چاہیں گے۔"

وہ تو اور بھی بہت کچھ بولتی رہیں۔ اس نے چابی اٹھائی اور باہر آ گیا۔

"میرے خدا میں کیا کروں۔ ماں بہنیں اسے قبول کرنے کو تیار نہیں' اور وہ مجھے...... لیکن میں اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

انہی سوچوں میں گم اس نے بیل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھولنے والے ہاتھ شذرا ہی کے تھے اور...... وہ سامنے کھڑی تھی۔ سرخ پرنٹڈ سوٹ میں وہ اسے دیکھے گیا۔

"یہ لڑکی تو چاہتوں کے قابل ہے' نفرتوں کے تو نہیں۔"

"دروازہ کھل گیا ہے۔"

گزشتہ حادثات و واقعات نے جہاں بہت کچھ بدلا تھا وہاں شذرا کے رویے میں بھی تبدیلی رونما ہوئی تھی' مگر اتنی بھی نہیں کہ وہ کسی خوش فہمی کا شکار ہو جاتا۔

"یہ دروازہ تو مجھے بھی کھلا نظر آ رہا ہے' مگر میں کسی اور دروازے کے کھلنے کا منتظر ہوں۔"

اسد کی شوخ نگاہوں اور گہری بات کا شذرا نے کیا اثر لیا۔ اسد کوئی اندازہ نہیں لگا سکا اور اس کے پیچھے اندر آ گیا۔

"پھپھو اور باقی سب کہاں ہیں؟"

اسد اندر باہر جھانکتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"امی اور عمیر بھیا تو بڑے ماموں کے ہاں گئے ہیں۔ انہوں نے بلایا ہے۔ زیب باجی اور صدف بازار گئی ہیں' شانی سو رہی ہے۔"

وہ ادھر ادھر چیزیں رکھتی تفصیل بتاتی اسد کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ دل کھول کر اس انجان بے خبر لڑکی کے سامنے رکھ دے۔ آج اس سے بہت سی باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔ مگر پھر وہ خواہش دبا کر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا پھر میں بھی چلتا ہوں۔"

"چائے نہیں پئیں گے؟"

بے ساختہ ہی یہ جملہ شذرا کی زبان سے پھسلا' اسد تو حیرت اور خوشی کی چمک لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ خود بھی حیران رہ گئی تھی۔ کیونکہ اس نے ارادتاً نہیں پوچھا تھا۔

"چائے...... ہاں چائے۔"

وہ شوخ ہونے لگا۔ شذرا کچھ جھینپ سی گئی۔ بلکہ اب غصہ آنے لگا کہ کیوں کہہ دیا چائے کا۔

"بالکل چائے اور چاہ کی طلب کس کو نہیں ہوتی' مل جائے تو نوازش ہو گی۔"

وہ اپنی ہی بات کی گرفت میں آ چکی تھی' نہ چاہتے ہوئے بھی اسے چائے بنانا پڑی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اس کے لیے خاص طور پر چائے بنا رہی تھی اور دل میں خود کو کوس بھی رہی تھی کہ کیا ضرورت تھی آفر کرنے کی' اور اسد خوشگوار احساس کی لطافتوں میں کھویا اسے اپنے لیے چائے کا اہتمام کرتے دیکھ رہا تھا۔ بظاہر اخبار سامنے تھا مگر نگاہیں اس کی نقل و حرکت پر مرکوز تھیں۔

''شانی تو خوب سوئی۔''

وہ جیسے ہی چائے رکھ کر واپس جانے لگی۔ تو اسد نے سلسلہ کلام کا آغاز کر دیا۔

''ان کے سر میں درد تھا' اس لیے سو رہی ہیں۔''

وہ مختصر جواب دے کر واپس جانے لگتی تو وہ کوئی نہ کوئی بات نکال لیتا۔

''ہوں علی بھائی کی یاد آ رہی ہو گی' ان کو گئے بھی تو کافی دن ہو گئے ہیں۔ کوئی فون آیا۔ ان کے آنے کا۔''

وہ یوں ہی بات بڑھا رہا تھا۔ حالانکہ اسے ساری خبر تھی علی کے بارے میں۔

''ہاں فون آیا تھا' کل پرسوں تک آ جائیں گے۔''

وہ جواب دے کر واپس پلٹی تا کہ شانی کو بھی چائے دے آئے۔

''شذرا!'' اسد نے عجیب سے لہجے میں پکارا تو وہ مڑ کر دیکھنے لگی۔

''وہ جواد یاد ہے تمہیں۔''

وہ یہ بات کہنا تو نہیں چاہتا تھا' مگر پھر بھی بے تکے پن سے نکل گئی یہ بات شذرا کی تیوری پر بل آ گئے...... ایک بار پھر پرانی شذرا کی جھلک نظر آنے لگی۔

''بہت یاد آتا ہے' اس لیے کہ اچھے لوگ ہمیشہ یادوں میں رہتے ہیں۔''

اس کی بات...... اسد کو اچھی نہیں لگی' وہ تپ گیا۔

''چلو مان لیا وہ اچھا ہے تو کیا تمہاری یادوں میں محفوظ ہے۔ وہ تمہیں کیوں یاد کرتا ہے۔ تم تو ذرا بھی اچھی نہیں ہو۔''

ہمیشہ کی طرح اسد نے اسے برا کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی۔

''تم......'' اور اس سے قبل کہ دونوں میں جو گزشتہ حادثات و واقعات کی وجہ سے خیر سگالی کی فضا قائم ہو گئی تھی' پھر کسی نئے ہنگامے کی نذر ہوتی۔ نسیمہ بیگم اور عمیر آ گئے۔ دونوں ہی چپ چپ تھے' شذرا کا دل بیٹھ گیا۔

''امی خیریت تو ہے ناں۔'' شذرا آہستگی سے امی کے قریب آ گئی۔

''پھپھو خیریت تو ہے آپ تو خاصی پریشان سی لگ رہی ہیں۔''

اسد بھی ان کے قریب آ گیا۔

''ایسی پریشانی کی بات بھی نہیں' اس جمعہ کو ماموں جان نے زیب اور شعیب کے نکاح کا اعلان کر دیا ہے۔''

''کیا...... کیا پھر؟ نہیں۔'' شذرا چیخ سی پڑی۔

اس واقعے کے بعد تو سب کو یقین ہو گیا تھا کہ اب شعیب اور زیب کا رشتہ ختم ہو گیا ہے مگر آج

اچانک اس خبر نے شذرا کو بہت دکھ دیا۔ کیونکہ وہ بلال اور زیب کے دل کا حال جانتی تھی۔

''امی! اب نہیں۔ بہت ہو گیا۔ ماموں جان سے اس ناسمجھی کی توقع تو نہیں تھی۔''

''شذرا! اب کچھ نہیں ہو سکتا' پہلے ہی بہت کچھ ہو چکا ہے' شعیب موت کے منہ سے لوٹا ہے' نہ میں نے پہلے کچھ کہا تھا نہ اب بولوں گی جب شادی کرنا ہی ہے...... تو پھر واویلا کیسا' سب اپنے دل و دماغ کو کنٹرول میں رکھ کر ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکاح کی تیاریاں کرو' میں کوئی غلط بات نہ سنوں۔''

نسیمہ بیگم فیصلہ کن لہجے میں بولتی باہر نکل گئیں۔ شذرا رو پڑی۔

''امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ شذرا! ٹھیک ہے' دکھ تو مجھے اس بات کا ہے کہ زیب اس رشتے پر خوش نہیں مگر اب معاملہ انسانیت کا آ گیا ہے' جتنی شعیب کو اب ہماری محبت اور توجہ کی ضرورت ہے' اس سے قبل نہ تھی' اب اگر چھوڑ دیا گیا تو وہ تمام عمر احساس کمتری کی اندھیری وادی میں بھٹکتا رہے گا۔ زیب کے ساتھ اس کا تعلق اسے ایک اچھا انسان بننے میں مدد دے گا۔ اس لیے اب کوئی بات نہ ہو۔''

نکاح کے اس اعلان نے زیب کو نیم جاں سا کر دیا۔ وہ تو سمجھی تھی۔ اب قصہ ختم مگر اب مشکل یہ تھی کہ کوئی کچھ بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ خود عمیر اب ایسا چاہتا تھا۔ اس نے سسکیوں کو دبا لیا۔ آنسو روک لیے۔

''زیب!'' اس نے پلٹ کر دیکھا تو بلال کھڑا تھا۔ اس کے ضبط کے بند ٹوٹنے لگے۔ وہ بھی کچھ دیر اسے خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''اس طرح مت کرو زیب! اس میں نہ تمہارا قصور ہے اور نہ میرا اختیار۔ شاید قسمت کو یہی منظور ہے تو ہم کیا کریں۔ حالات کا بہاؤ کبھی ڈبو دیتا ہے اور کبھی ساحل پر پھینک دیتا ہے' جب موت ہی ہمارا مقدر ہے تو پھر شکوہ کس سے کریں' اس لیے پلیز حوصلے اور صبر سے کام لو۔''

اسے صبر کی تاکید کرتا ہوا' وہ خود اندر سے بے حوصلہ ہو رہا تھا۔

''ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں' اور یہ کسی اچھے وقت کا سوچ کر تمہارے لیے خریدی تھی۔ تمہاری امانت ہے۔ یہ رکھ لو۔''

بلال نے جیب سے چھوٹی سی نازک سی انگوٹھی نکال کر زیب کے ہاتھ پر رکھ دی' اور...... کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ زیب کی دھندلی آنکھوں میں اس کا ویران وجود سما گیا۔

☆......☆......☆

آسیہ بیگم کی خواہش تھی کہ فائزہ اور شعیب کا نکاح ایک ہی دن ہو' مگر شوکت صاحب نے سختی سے منع کر دیا شوکت صاحب نے کہہ دیا تھا کہ زیب کا نکاح ان کے گھر میں ہو گا' ان کی یہ منطق کسی کی سمجھ میں نہیں آئی' نکاح سے پہلے زیب کو گھر بلا لیا تھا۔ نکاح سے ایک دن قبل علی بھی آ گیا۔ تو زیب اسے دیکھ کر خوب روئی' وہ بھی گھبرا گیا' اسے شوکت صاحب کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔

''یار تیمور! یہ تو کوئی تک نہیں ضد البتہ ضرور ہے' اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خود۔''

''علی! تمہیں بھی کچھ کہنے سننے کی ضرورت ہے' تمہیں خود اندازہ ہونا چاہیے کہ اب شعیب کو اچھے رویے کی محبتوں کی کتنی ضرورت ہے' ورنہ وہ۔''

''مت کرو میرے ساتھ بچوں والی باتیں۔ کچھ نہیں ہوتا اسے۔ جب اتنا جان لیوا حادثہ۔ اس

کا کچھ نہیں بگاڑ سکا تو۔ اور پھر اسے راہ راست پر لانے کے لیے اس کی زندگی کی بھینٹ چڑھانے کے لیے ہماری ہی بہن رہ گئی تھی۔ واہ ماموں جان کیا خوب انصاف ہے آپ کا۔"

علی کو تو غصہ آرہا تھا' جو منہ میں آیا بولے گیا۔

"صبر کرو میری بہن! اب کیا ہوسکتا ہے۔" علی نے روتی ہوئی زیب کے سر پر ہاتھ رکھا اور باہر نکل گیا۔

نکاح کی تیاریوں میں زاہدہ بیگم اور صائمہ پیش پیش تھیں۔ خوب کام بھی کر رہی تھیں۔ اور چھیڑ چھاڑ بھی' جبکہ شذرا بجھی بجھی سی تھی۔ اس تمام عرصے میں شعیب نہ جانے کہاں غائب رہا۔ ایک آدھ بار نظر بھی آیا تو بہت اکتایا اور بیزار سا۔ جس روز نکاح تھا' اس رات کو صائمہ نے خوب ہنگامہ کیا۔ ڈھولک پر گاتی اور ناچتی رہی۔

"ارے بھئی شذرا! تم لوگ تو بہنیں ہو دلہن کی۔ شعیب کی سالیاں ہو اور یوں مہمان بن کر بیٹھی ہو...... آؤ گاؤ۔"

صائمہ نے شوخی سے شذرا اور صدف کو گھسیٹ لیا۔ اسد کو اس وقت صائمہ بہت بری لگ رہی تھی' کتنی بے حس ہے یہ لڑکی کہ سب کچھ جانتے ہوئے یوں کر رہی ہے۔ اگلے روز نکاح تھا۔ کوئی خاص ایکسائٹمنٹ نہیں تھی...... سب ہی لگے بندھے ہر کام کر رہے تھے' جیسے جیسے نکاح کا وقت قریب آرہا تھا۔ زیب کا دم گھٹ رہا تھا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا' جیسے اسے دار پر چڑھایا جا رہا ہو۔ شذرا مستقل اس کا ہاتھ تھامے بیٹھی تھی۔ اس کا دل جل رہا تھا وہ کچھ بھی تو بہن کے لیے نہیں کرسکتی تھی۔

"ارے بھئی لڑکیو......! زیب ابھی تک یوں ہی بیٹھی ہے۔ چلو صائمہ تیار کرو دلہن بناؤ۔" نسیمہ بیگم نے بڑے پیار سے زیب کی پیشانی پر پیار کرتے ہوئے کہا تو صائمہ فوراً تیار ہوگئی۔

"آؤ اٹھو دلہن رانی۔"

فطرتاً حاسد صائمہ نے زیب کا ہاتھ پکڑ کر ذرا جھٹکے سے اٹھایا مگر اسی وقت شذرا نے زیب کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔

"آپ رہنے دیں ہم خود تیار کر لیتے ہیں' آئیں فائزہ باجی۔"

شذرا نے ایک ہاتھ سے زیب کو پکڑا اور فائزہ کے ساتھ اٹھ گئی۔

"ہونہہ! بدتمیز لڑکی! نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔ اور ہمارے اسد صاحب اس کے چکروں میں ہیں۔ ہونہہ دیکھ لوں گی۔"

صائمہ کی غصے میں کی گئی سرگوشی اتنی بلند تھی کہ قریب بیٹھی صدف نے صاف سن لی۔ وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی اسے کچھ کچھ شک تھا کہ اسد شذرا کو چاہتا ہے' مگر آج تو یقین ہو گیا تھا۔ نہ جانے کیوں اسے عجیب طرح کی خوشی ہونے لگی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

☆......☆......☆

خاندان کے جتنے لوگ تھے سب جمع تھے' بلال چپ چپ بیٹھا تھا علی تو خاصا ناراض تھا اسی لیے وہ تو کسی کام میں حصہ نہیں لے رہا تھا بلکہ مہمان بنا منہ پھلائے بیٹھا تھا۔ اس کے پاس ہی بلال بیٹھا تھا کہ عمیر آ گیا۔

"یار بلال! لوگ تو مجھ سے خفا ہیں۔ احمق ہیں' نادان ہیں' سمجھتے نہیں مصلحت کو۔ وہ تو کسی کام کو ہاتھ لگائیں گے نہیں۔ تم تو آؤ یار۔"

عمیر نے کن انکھیوں سے علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بلال! ہم احمق نادان ہیں۔ سب کچھ ہیں مگر ظالم نہیں ان کی طرح۔" علی نے اسی طرح غصے سے کہا۔

"نہیں یار علی! ظلم نہیں بس قدرت کے فیصلے ہیں' جن کو ماننے پر ہم سب مجبور ہیں۔ آؤ اس وقت ہمیں صبر' ضبط سے کام لینا ہے۔"

بلال کی اس بات کے جواب میں علی نجانے اسے کیا سناتا کہ سامنے سے شوکت صاحب' آسیہ بیگم' زاہدہ بیگم' نسیمہ بیگم اور ظہیر صاحب آ گئے۔

"کیوں بھئی بچو! تیاری کہاں تک پہنچی۔"

"ہماری طرف سے تیاری مکمل ہے ماموں جان! قاضی صاحب بھی آئے بیٹھے ہیں۔"

"گڈ نسیمہ! جاؤ زیب بیٹی کو کمرے میں لے آؤ۔ مگر دیکھو جلدی کرو پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔"

شوکت صاحب کے احکامات کے مطابق ہر کام ہو رہا تھا۔ دلہن بنی زیب کو جب لایا گیا تو کچھ دیر کے لیے بلال کا دل ڈول گیا۔

"بھئی عمیر بیٹے! اب کس بات کا انتظار ہے قاضی صاحب کو بلاؤ۔"

شوکت صاحب کی آواز گونجی تو زیب کا دل بیٹھنے لگا۔

"قاضی صاحب تو تیار ہیں ماموں جان! مگر شعیب نجانے کہاں ہے۔ اپنے کمرے میں بھی نہیں' بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ گھر میں ہی نہیں۔ نجانے اس وقت وہ کہاں چلا گیا۔ آپ کہیں تو اس کے کسی دوست کے ہاں جا کر پتا کر لیتے ہیں۔"

"عمیر بیٹے! شعیب گھر میں ہے یا نہیں۔ کہاں ہے کہاں نہیں اس کا پتا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"شوکت بھائی! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ اس وقت جبکہ اس کا نکاح ہونے والا ہے اس کی موجودگی...... ضروری نہیں۔"

شوکت صاحب کی اس بات پر سب ان کو یوں دیکھنے لگے' گویا ان کا دماغ چل گیا ہو۔ نسیمہ بیگم کو زندگی میں پہلی بار بھائی کی اس بے تکی بات پر غصہ آیا۔

"اگر نکاح شعیب کا ہوتا تو اس کی موجودگی ضروری ہوتی' مگر اس وقت میں نے یہ اہتمام اپنی بچی زیب کے نکاح کا کیا ہے۔ میری بیٹی کا نکاح برخوردار بلال کے ساتھ ہو رہا ہے' مجھے یقین ہے بڑوں اور بچوں کو اس نکاح پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا لہٰذا قاضی صاحب کو اندر بلایا جائے۔"

شوکت صاحب نے اپنی بلند آواز میں گویا خوشگوار دھماکا کیا۔ سب دم بخود رہ گئے' کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی' سب بے یقینی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھ کر تصدیق چاہ رہے تھے' سب کے دل اب خوشی کے ساتھ دھڑک رہے تھے' مرجھائے چہرے چمک اٹھے تھے' بلال اور زیب کو تو یوں لگ رہا تھا گویا ان کی موت کا فیصلہ واپس لے لیا گیا ہو۔

"بھائی جان! یہ سب کیا ہے آپ نے تو شبہ بھی نہیں ہونے دیا کہ آپ کیا چاہتے ہیں' کیا کر رہے ہیں۔"

نسیمہ بیگم کی آواز میں لرزش کے ساتھ شکوہ تھا۔ جو کچھ ہوا تھا' وہ اتنا معمولی تو نہیں تھا۔

"نسیمہ یہ درست ہے کہ میں زیب کو بہو بنانا چاہتا تھا' حالات سے ناواقفیت کی بناء پر میں نے دونوں کے درمیان جو رشتہ طے کیا تھا وہ شعیب کے اپنے کردار کی وجہ سے اسی روز ختم ہوگیا تھا۔ جس روز اس بچی فریا نے ساری بات بتائی تھی۔ خدا کی قسم بہن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا بیٹا اس حد تک ناخلف ہے تو میں ہرگز ایسا کوئی فیصلہ نہ کرتا۔ بہر حال میں بے حد خوش ہوں کہ عمیر بیٹے نے بڑی فرمانبرداری کا ثبوت دیا ہے اور جب مجھے اپنے بچوں کی خوشی کا پتا چل گیا تھا تو کیسے ممکن تھا کہ میں کوئی تکلیف دہ فیصلہ کرتا۔ میں ظہیر بھائی اور رابعہ بھابی کا مشکور ہوں اور اپنی شریک حیات آسیہ کا احسان مند ہوں کہ اس تمام سلسلے میں اس نے میرا ساتھ دیا۔ بلال میاں یہاں آؤ میرے پاس۔"

ہال کمرے میں سناٹا سا چھایا ہوا تھا۔ صرف شوکت صاحب کی آواز گونج رہی تھی' ساری حقیقت جان کر سب خوش ہوگئے تھے۔ ہر چہرا کھل اٹھا تھا۔ شوکت صاحب بلال کی طرف ہاتھ بڑھائے کھڑے تھے اور وہ جس کے دل کی کلی کھل اٹھی تھی۔ وہ جھینپ رہا تھا۔

"جاؤ بھئی کیوں قبر کھدوانے پر تلے ہو۔ جلدی جاؤ سسر صاحب کو اپنی غلطی کا احساس نہ ہو جائے۔"

علی نے بلال کو آگے دھکا دیا۔ عمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے کر دیا۔

"آؤ بیٹے! تم جیسے سعادت مند بیٹے ایسے ہی انعامات کے لائق ہوتے ہیں۔ مبارک ہو عمیر بیٹا! قاضی صاحب کو بلاؤ ہم اپنی بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہوں۔"

شوکت صاحب بلال کو پکڑ کر وہاں لائے' جہاں زیب خوشی سے دھڑکتے دل کو سنبھالے گم بیٹھی تھی۔

"ظہیر بھائی! اجازت ہے اعتراض تو نہیں۔"

شوکت صاحب نے مڑ کر ظہیر صاحب اور رابعہ بیگم کی طرف دیکھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بھائی صاحب! اول تو آپ نے سب کچھ سب کی رضا سے کیا ہے' اگر اچانک بھی یہ سب کرتے تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ بسم اللہ کریں۔ اللہ مبارک کرے ہم سب کو یہ خوشی کی گھڑی۔"

پھر ان ہی رنگ برساتی گھڑیوں میں نکاح مکمل ہوگیا۔ زیب اور بلال زندگی کی شاہراہ کے ہمسفر بنا دیئے گئے۔ ہر کوئی خوش اور شاداں تھا۔ آسیہ بیگم نے جو کچھ زیب کے لیے بنایا ہوا تھا' بڑے پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب اسے دے دیا۔

نکاح کے بعد مبارک سلامت کا ہنگامہ شروع ہوگیا۔

"نسیمہ! بیٹی کی خوشی مبارک ہو۔" آسیہ بیگم بہت افسردہ تھیں' مگر سب کی خوشی کا خیال کر کے وہ نسیمہ بیگم کی طرف بڑھیں' جن کے حواس ہی کام نہیں کر رہے تھے۔

"آپ کو بھی مبارک ہو بھابی جان! میں کہاں مبارک کی مستحق ہوں۔"

نسیمہ بیگم ان کے ساتھ لگ کر رو پڑیں' دل تھا کہ خدا کے حضور شکرانے کے سجدے کر رہا تھا۔

"مبارک ہو۔ زیب! بھابی تو پھر بھی تم میری ہی بنی ہو ناں۔"

فائزہ نے زیب کا گھونگھٹ ہٹا کر زیب کو پیار کیا۔

"مسز بلال بن کے تو تم اور بھی حسین لگ رہی ہو زیب بلال۔"

ڈرامے کے اس ڈراپ سین نے صائمہ اور زاہدہ بیگم کی سٹی گم کر دی تھی۔ اس وقت زیب جس پر دل کی خوشی نے اور ہی رنگ پیدا کر دیا تھا' بے حد حسین لگ رہی تھی' صائمہ اور زاہدہ بیگم کی نظر بد کی گرفت میں تھی۔

"کیوں بلال میاں بلکہ دولہا میاں اس ساری کارروائی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔" علی نے پوچھا۔

"میں تو اسے معجزہ ہی سمجھتا ہوں علی! جو اللہ تعالیٰ کی رضا سے رونما ہوتا ہے۔" بلال کا دل اللہ کا شکر ادا کر رہا تھا۔

"واہ دولہا میاں بڑی خوشی ہوئی آپ کے خیالات جان کر اب ذرا ہم دلہن کے پاس جا کر آپ کے بارے میں رائے لیتے ہیں۔"

ہر کوئی خوش اور شوخ ہو رہا تھا۔ فرخ اور خبیب اپنا کام کر رہے تھے' ہر کسی کے الٹے سیدھے پوز کیمرے میں بند کر رہے تھے۔

"حاضرین! اب دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا دیا جائے' تاکہ ہم ان کے اچھے اچھے پوز لے سکیں۔"

خبیب نے ماہر فوٹو گرافر کی طرح خود ہی بلال کو زیب کے ساتھ لا بٹھایا۔ زیب مزید سمٹ گئی' ابھی پہلی تصویر کے لیے پوز تیار ہوا ہی تھا کہ ایک دم دروازہ کھلا اور شعیب اندر داخل ہوا۔ حلیے سے حلیے میں بڑھی شیو اور الجھے بالوں کے ساتھ وہ کئی راتوں کا جاگا ہوا لگ رہا تھا۔ سب کے دل یکبارگی رک گئے۔ اب نجانے کیا ہنگامہ ہو..... شعیب آہستہ آہستہ بلال کی طرف بڑھ رہا تھا۔

☆.....☆.....☆

سب کے دل کسی بھی ناخوشگوار واقع کے خوف سے دھڑک رہے تھے۔ زیب کو تو اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ شعیب یہ سب محسوس کر رہا تھا۔ وہ آہستگی سے چلتا ہوا بلال کے سامنے آ کر رک گیا۔ بلال کسی بھی قسم کی صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

شعیب نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور پھر خاندان بھر کے لوگوں کو دیکھنے لگا جن میں خود اس کے والدین اور بھائی بہن سہمے ہوئے اسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ ابھی کوئی خونی کھیل شروع کر دے گا۔ یہ سب سوچ کر ایک ہلکی سی مسکراہٹ شعیب کے ہونٹوں پر آ گئی۔

''آج ان ہونیوں کا دن ہے۔ میرے والد نے آج آپ سب کو بھی حیران کر کے انوکھی خوشی دی ہے۔ تو میں بھی تو ان ہی کا بیٹا ہوں ناں۔ سوچا جب آج ہو رہا ہے تو میں بھی سب کو حیران کر دوں۔ کیوں بلال؟''

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟ آپ سب کیوں سہمے ہوئے ہیں۔ بابا میں کوئی حیوان یا درندہ تو نہیں کہ ابھی سب کو چیر پھاڑ کر رکھ دوں گا۔ گو کہ چند گھنٹے قبل میرا ارادہ ایسا ہی خونی کھیل کھیلنے کا تھا۔ شکست کے احساس نے واقعی درندہ سا بنا دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ میں سب کچھ تہس نہس کر دوں اور اسی ہذیانی کیفیت میں۔ میں نے زور سے مکہ شیشے پر مارا شیشہ ٹوٹ گیا اور میرا ہاتھ اور بازو شدید زخمی ہو گیا۔''

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ اور بازو اوپر کیا جس پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

''میرا بچہ کب کیسے ہوا یہ کہا بھی تھا مت جاؤ دوست کے ہاں۔'' آسیہ بیگم تڑپ کر آگے بڑھیں مگر اس نے اسی زخمی ہاتھ سے انہیں آگے آنے سے روک دیا۔

''امی! حوصلہ رکھیے میری بات تو پوری ہونے دیں تو میں بتا رہا تھا کہ زخمی ہاتھ سے خون بھی بہہ رہا تھا اور ٹیسوں کی شدت سے مجھ پر غنودگی سی طاری ہو گئی اور اسی غنودگی میں مجھے محسوس ہوا جیسے کسی نئی کیفیت کا نزول ہو رہا ہو عجیب سی روشنی پھیل رہی ہو۔ پھر جیسے اللہ کی رحمت برسنے لگی۔ اور پھر دھند چھٹنے لگی نفرت کی حسد کی بغاوت کی۔ میں نفرت اور حسد کی دلدل سے باہر آ چکا تھا۔ محبت کی سحر بے حد حسین اور نئی تھی مجھے محبت کے اس نئے احساس کے ساتھ میں نے دیکھا تو مجھے سب لوگ بے حد اچھے لگے سب سے محبت محسوس ہونے لگی۔ میں نے اس احسان پر اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ادا کیا اور یہاں آ گیا۔ ایسے کیا دیکھ رہے ہو یار بلال گلے لگ جاؤ۔ بڑا کٹھن سفر طے کر کے آیا ہوں۔''

گھمبیر آواز میں بولتے بولتے شعیب نے بازو پھیلا کر بلال کو ساتھ لگا لیا تو گویا لگا جیسے واقعی کوئی دھماکا ہوا ہو خوشیوں کا مسرتوں کا ایک بار پھر مبارک سلامت کا شور اٹھا۔ بڑے چھوٹے اس اچانک اور انوکھی خوشی مل جانے پر بے حد خوش تھے۔

''بہت بہت مبارک ہو بلال! نئی خوشیوں کا سفر مبارک ہو!؟''

شعیب نے بڑے خلوص سے بلال کو مبارک باد دی۔

''شکریہ شعیب! مگر تمہیں شاید اندازہ نہیں کہ تمہاری آمد سے اس انداز میں شمولیت سے یہ خوشی کتنی خوبصورت ہو گئی ہے۔''

بلال نے بھی بڑے خلوص سے اسے بھینچا سب کی خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ بلال کے بعد شعیب عمیر کی جانب بڑھا۔

''یار عمیر! تم سے تو میں معذرت کا حق بھی نہیں رکھتا۔ میری وجہ سے تم اور پھپھو اتنے دکھی ہوئے۔ تم بے گھر ہوئے۔''

آج اعتراف جرم کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ کل تک جس جرم سے وہ تسکین حاصل کیا کرتا تھا۔

''ایسا نہ کہو شعیب! ماضی کے اس اذیت ناک باب کو بند کر چکا ہوں۔ اب ہمیں کتاب حیات پر نئے باب رقم کرنے ہیں۔ محبتوں کے چاہتوں کے باب کسی سوری کی ضرورت نہیں۔ ہر شکوہ شکایت بھول کر بس گلے لگ جاؤ۔''

عمیر نے بے ساختہ اس کے لیے بازو پھیلا دیے۔ دونوں کتنی ہی دیر گلے لگے رہے خواتین خوشی میں آئے ہوئے آنسو صاف کرنے لگیں۔ عمیر کے بعد شعیب کی نظریں دلہن بنی زیب پر ٹھہریں۔ وہ اسے کچھ دیر دیکھتا رہا۔ پھر آہستگی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

''زیب! جو کچھ ہوا اسے بھول جاؤ۔ تم میری بہن ہی نہیں بلال کے رشتے سے بھابی بھی ہو۔''

زیب نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں آپ نے سب کی خوشی دوبالا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں دے۔''

واقعی شعیب کے آ جانے سے خوشی دوبالا ہو گئی تھی اور لڑکوں نے خوب ہنگامہ کیا۔ اب تک جو بڑوں کے ادب میں خاموشی تھی۔ پٹاخوں سے ختم کر دی گئی تھی۔ شعیب سے سب ہی یوں مل رہے تھے۔ جیسے وہ کوئی میدان مار کر آیا ہو۔

''میں نے اس طرح تمہاری واپسی کا سوچا بھی نہیں بیٹے۔ میرے خدا کا احسان ہے کہ۔'' شوکت صاحب اسے ساتھ لگا کر رو سے پڑے۔

''پتے آپ نے تو ہمیشہ میرے بیٹے کو غلط سمجھا ہے۔''

آسیہ بیگم نے شعیب کو ساتھ لگاتے ہوئے شکایت بھری نظروں سے شوہر کو دیکھا۔ سب سے ملنے کے بعد شعیب کی نظر علی پر پڑی۔ وہ اس کے قریب آ گیا۔

''یار علی! سوری میں تمہارے ساتھ بھی بڑی بدتمیزی کرتا رہا ہوں۔''

"تو کوئی ایسی بات نہیں۔ میں بھی بدلہ اتار لیا کرتا تھا۔ گالیاں کوسنے دے دے کر پیچھے سے۔ راز کی بات بتاؤں میں اپنے تکیے کا نام شعیب رکھ لیا کرتا تھا اور خوب پٹائی کیا کرتا تھا۔ لاتیں گھونسے مار مار کر بھرکس نکال دیا تھا تمہارا۔ کئی تکیے پھاڑے ہیں۔"

علی کی اس بات پر بے ساختہ قہقہہ کرنے میں پچھلی خوشگوار فضا کو مزید خوشگوار بنا گیا۔

☆......☆......☆

"ویسے صدف! کتنی انہونی بات ہوئی ہے ناں شعیب بھائی والی ناممکن ممکن ہو گیا۔"

شنذرا اور صدف بالکونی میں کھڑی اس روز والے واقعے پر تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔ شنذرا کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ شعیب جیسا بندہ راہ راست پر آ سکتا ہے۔

"کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہوتی شنذرا باجی اللہ تعالیٰ تو بڑے بڑے فرعونوں کو راہ راست پر لانے پر قادر ہے۔ یہ تو پھر شعیب بھائی تھے۔"

"یہ جذبے ہی انسان کو خوبصورت یا بدصورت بناتے ہیں۔ تم نے دیکھا تھا شعیب بھائی کتنے اچھے لگ رہے تھے مجھے تو وہ اس وقت خاندان کے تمام مردوں سے زیادہ خوبرو لگے تھے۔"

شنذرا جو سب سے زیادہ بددل تھی۔ شعیب کی طرف سے اس کا دل صاف ہو چکا تھا۔

"اس لیے کہ ان کے اندر کی نفرت بھی ختم ہو چکی تھی اور ہمارے اندر کی بھی۔"

"بیل ہو رہی ہے۔" شنذرا چونکی۔

"جی ہاں اور فون کی بھی بیل ہو رہی ہے۔ آپ فون سنیے میں باہر دیکھ کر بتاتی ہوں۔ بتاؤں گی۔"

آج دونوں گھر میں اکیلی تھیں۔ اس لیے خوب باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ صدف باہر کی طرف گئی۔ شنذرا فون سننے لگی۔

"ہیلو!"

"آپ۔ آپ کہاں سے ٹپک پڑے اتنے عرصے کے بعد۔"

شنذرا فرخ کے اس مہربان دوست ارمان کی آواز پہچان کر چیخ پڑی۔

"واہ کیا بات ہے۔ کتنی خوبصورتی سے آپ نے اتنا عرصہ غائب رہنے کا شکوہ کیا ہے۔ وہ دراصل میں ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔ اور!"

وہ اسے چڑانے والے انداز میں ہنسا تو وہ آپے سے باہر ہو گئی۔

"آپ ملک سے باہر رہیں یا دنیا سے باہر۔ مجھے اس سے کیا!"

وہ حسب عادت چلائی تو وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔

"خیر آپ تغافل برتیں تو الگ بات ہے ورنہ تو میں ساری حقیقت جانتا ہوں۔ اچھا لڑائی چھوڑیں زیب باجی کا نکاح مبارک ہو۔"

وہ بڑی اپنائیت سے مبارکباد دے رہا تھا۔ اسے فرخ پر غصہ آنے لگا کہ گھر کی ہر بات اس بندے کو بتا دیتا ہے۔

"ٹھیک ہے۔ اس کے احسانات ہیں فرخ پر مگر میں جانتی ہوں۔ کس لیے یہ سب کرتا رہا ہے۔ اب بھیا سے کہہ کر اس کی رقم واپس کر دیں گے۔ بدتمیز آدمی۔"

وہ ریسیور تھامے اس سے نجات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"مس شنذرا مراد! کہاں کھو گئیں آپ۔ میں نے باجی کے نکاح کی مبارک باد دی ہے آپ کے نہیں کہ شرما رہی ہیں۔"

"آپ انتہائی بدتمیز ہیں۔"

"اب ہم جیسے بھی ہیں آپ کے ہیں۔" وہ بڑے خوبصورت انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس کا ٹھہرا ہوا گمبھیر لہجہ شنذرا کی دھڑکنوں کو منتشر ضرور کر جاتا وہ چونک سی جاتی۔

"آپ فضول آدمی ہیں۔ خبردار جو آئندہ فون کیا ہو تو۔ بھائی کو بتا دوں گی اور!"

"یہ تو آپ کا احسان ہوگا مجھ پر میں بھی سوچ رہا تھا کہ آپ کے بھائی سے بات کس طرح کی جائے۔" وہ زچ کرنے والے انداز میں...... کہہ رہا تھا۔ اور وہ کھول رہی تھی۔

"آپ۔...... آپ!"

"بے حد چارمنگ اور اسمارٹ ہوں۔ ایک نظر دیکھ لیں گی تو اپنی قسمت پر رشک کریں گی کہ کس بندے نے چاہا ہے ہمیں۔"

وہ خوبصورت لہجے میں چھیڑے جا رہا تھا اسے۔

"آپ آئندہ فرخ کے لیے کچھ نہیں کریں گے سمجھے اور آپ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں میں سب جانتی ہوں۔ آپ یہ کیوں کر رہے ہیں۔"

وہ بری طرح طیش میں آ گئی۔

"جانتی ہیں تو پھر بندے کے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا۔"

"آپ" غصے میں وہ بول بھی نہ پائی۔

"آپ غصے میں اور بھی اچھی لگتی ہیں۔ ویسے آپ نکاح والے روز بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔"

"آپ نے کیسے دیکھا؟" اسے حیرت ہوئی کہ یہ کہاں تھا۔ اس نے کہاں سے دیکھ لیا۔ یقیناً اسد نے بتایا ہوگا۔

"ظاہر ہے آنکھوں سے دیکھا ہے۔" وہ بھی اسے تنگ کرنے پر تلا تھا۔

"اور آپ کی آنکھیں وہاں کہاں آ گئیں۔"

"شنذرا! آپ کو نہیں معلوم میری نظریں ہر وقت آپ کے آس پاس ہوتی ہیں آپ کے پاس دیدہ بینا نہیں۔"

"میں سب جانتی ہوں۔ یہ اسد کا بچہ سب کچھ بتاتا ہوگا۔ یہ انتہائی بدتمیز آدمی ہے۔"

"ارے آپ تو ناحق اسد کے خلاف ہیں، وہ تو آپ کو بہت پسند کرتا ہے۔"

وہ اسے طیش دلا رہا تھا۔

"لیکن وہ شخص زہر لگتا ہے مجھے۔"

اس نے برملا اپنی نفرت کا اظہار کر دیا۔

"جی ہاں، اس کی وجہ بھی مجھے معلوم ہے۔ اس کی وجہ جواد ہے۔"

''کیا کیا اس نے آپ کو جواد کے بارے میں بھی بتا دیا۔''

مارے غصے کے شذرا کا برا حال ہو گیا کہ وہ ایک غیر شخص کو گھر کے اندر کی باتیں بتاتا ہے۔

''ارے جناب! صرف جواد کا کیا وہ تو آپ کا کھایا پیا تک مجھے بتاتا ہے۔''

وہ اس کا پارہ انتہا تک پہنچا کر اب اس کے غصے سے محظوظ ہو رہا تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم دونوں۔'' وہ ریسیو چیخنے لگی۔

''آں۔ آں ابھی فون بند نہ کرنا۔ میں تمہارے لیے بڑا اچھا گفٹ لے کر آیا ہوں۔ اسد کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ قبول کر لینا۔''

وہ شوخ لہجے میں جلتی پر تیل ڈالتا ہوا بولا۔ اس نے زور سے ریسیور پٹخ دیا۔

''ذلیل کمینہ! میں سمجھی تھی کہ یہ بدل گیا ہے۔ مگر یہ۔ یہ ہرگز نہیں بدل سکتا۔ بھیا سے ضرورت شکایت کروں گی حد ہوتی ہے کسی بات کی۔ ایک غیر بندے کو سب کچھ بتایا ہوا ہے۔ اور بچوں کے سامنے کیسی اداکاری کرتا ہے۔''

وہ تب سے کھول رہی تھی۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو اسد کا سر توڑ دیتی۔

''ہیں۔ ہیں یہ کس کی خاطر خدمت ہو رہی ہے۔ اس کی عدم موجودگی میں۔''

فرخ جو ابھی آیا تھا۔ اس کی آواز سن کر ادھر ہی آ گیا۔

''تمہارے اسد بھیا کی جن کی عظمت کے گن گاتے پھرتے ہو تم۔'' اسے اس وقت اسد پر شدید غصہ آ رہا تھا۔

''میں کیا ہر کوئی ان کی عظمت کے گن گاتا ہے۔ میں تو سمجھا تھا آپ بھی ان کی عظمت کی قائل ہو گئی ہوں گی مگر خیر اب کیا ہوا ہے جو آپ یوں۔''

''فرخ! میرے سامنے مت کیا کرو ایسی باتیں۔ معلوم ہے تمہارے اس عظیم صاحب نے ارمان کے سامنے کیسی کیسی باتیں کی ہوئی ہیں۔ گھر کی باتیں، میری باتیں اور ... اور۔''

غصے میں الفاظ بھی اس کا ساتھ نہ دے رہے تھے۔ فرخ اس کی حالت دیکھ رہا تھا۔ اسے ہنسی بھی آ رہی تھی۔ مگر کوئی وضاحت نہیں کر سکتا تھا۔ وعدے کی زنجیر پہنائی ہوئی تھی اسعد نے اسے وہ چپ ہی رہا۔

''اور تمہارے دوسرے عظیم صاحب جن کے بڑے احسانات ہیں تم پر۔''

''آپ ان کے احسانات سے انکار کر سکتی ہیں۔ خدا کی قسم باجی! اللہ نے ان کو وسیلہ بنا دیا تو آج میں کامیاب ہوں ورنہ خوار ہو رہا ہوتا۔''

''ہاں تو اگر انسان کسی پر احسان کرے تو اسے احسان ہی رہنے دینا چاہیے۔ بے لوث احسان ہونا چاہیے نا کہ اس کے صلے میں انسان اپنے احسان مندی سے کچھ توقع رکھے۔''

''انہوں نے آج تک مجھ سے کوئی توقع نہیں رکھی۔ بے حد اچھے بے لوث اور مخلص بندے ہیں اگر ایسے اور بھی بندے ہو جائیں تو۔''

''فرخ! چپ ہو جاؤ۔'' فرخ مستقل ان دونوں کی تعریف کر کے جلتی پر تیل ڈال رہا تھا۔ اس کی قوت برداشت جواب دے گئی تو وہ چیخ پڑی۔ فرخ چڑ گیا۔ اس نے خاموشی اختیار کی آگے جانے کو

بڑھا پھر پلٹا۔

آپ کو ان کی عظمت کا اندازہ ہی نہیں ہے۔''

کہہ کر باہر نکل گیا اور وہ کھولتی رہ گئی۔

☆......☆......☆

''امی! امی! ارے بھئی لڑکیو کہاں ہو۔''

علی گھر میں داخل ہوتے ہی چلایا تو امی کے کمرے میں موجود سب پریشان ہو گئے۔

''خیریت تو ہے علی بیٹا!'' نسیمہ بیگم نے گھبرا کر علی کو دیکھا وہ پریشان حال چلا آ رہا تھا۔

''خیریت رخصت ہو گئی امی جان! پریشانی' شامت بذریعہ جہاز تشریف لا رہی ہے بچا لیں مجھے امی جان چھپا لیں مجھے۔''

وہ باقاعدہ ان کے پیچھے چھپنے کی کوشش کرنے لگا۔ یہ صورت حال کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی مگر چونکہ اس جملے میں مونث کا صیغہ استعمال ہوا تھا۔ اسی لیے شالی شاکی اور شکی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کون آ رہی ہے؟'' اس نے شاکی لہجے میں پوچھا تو علی غصے سے اس کی طرف گھوما۔

''کون آ رہی ہے۔ ابا جان آ رہے ہیں۔''

''کیا! ابا جان!'' شالی کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔

''جی ہاں۔ آپ ... ابا جان ہائے۔''

وہ شالی کی نقل اتار رہا تھا کہ جس پر اسے بری طرح تکلیف ہونے لگی۔

''بھائی صاحب آ رہے ہیں تو یہ خوشی کی بات ہے اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے بھلا کس فلائٹ سے آ رہے ہیں۔ زیب بیٹا ماموں جان کے کھانے کا اہتمام کرو۔ فرخ سے کہو قیمہ لے آئے۔''

نہیں...... نہیں امی جان قیمہ بازار سے منگوانے کی کیا ضرورت ہے قیمہ تو بقلم خود آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ اور قصائی صاحب تو تشریف لا ہی رہے ہیں۔''

وہ عجیب ڈراما سی صورت بنا کر بولا تو شالی سمیت عام لڑکیوں کو ہنسی آ گئی۔ اس پر وہ مزید چڑ گیا۔

''دیکھا...... دیکھا امی جان آپ نے یہ بہنوں کا اور مستقبل کی بیگم کا حال ہے کہ بندے کے گلے پر چھری پھرنے والی ہے اور یہ ہنسی کر رہی ہیں۔''

وہ فرش پر ہی سر پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گیا۔

''توبہ کرو بیٹے کیسی بدفال منہ سے نکال رہے ہو۔''

امی نے سرزنش کی۔

''امی جان یہ بدفال نہیں ہے حقیقت ہے۔ ابا جان نے کہا ہے میں کراچی آ کر تمہارا قیمہ اپنے ہاتھوں سے بناؤں گا۔ اب لاکھ سمجھایا کہ ابا جان آپ کو بڑا گوشت راس نہیں آتا۔ بدہضمی ہو جاتی ہے مگر وہ بضد ہیں تو بس ایک ہی رٹ نکاح کیوں کیا؟! لاکھ سر مارا کہ ابا جان ایک آدھ نکاح تو بندہ اپنی مرضی سے کرتا ہی ہے۔ کر لیں گے دو اور نکاح آپ کی مرضی سے ... کیوں لڑکی۔''

وہ شوخی سے شانی کی طرف گھوما۔ وہ خفا ہو کر باہر نکل گئی۔

"علی بھائی! آپ بہت خراب ہیں۔ ہماری بہن کو خفا کر دیا۔"

شندرا شانی کے پاس باہر چلی گئی۔

"ارے شانی! علی بھیا تو مذاق کر رہے تھے۔ ان کی عادت کا تمہیں پتا تو ہے۔ اس میں رونے والی کیا بات ہے؟"

شندرا نے کمرے میں آ کر دیکھا تو شانی تکیے میں سر چھپائے بری طرح رو رہی تھی۔

"نہیں شندرا! میں ان کی بات کا برا کیوں مانوں گی۔ رونا تو مجھے اپنی قسمت پر آ رہا ہے میری بھی کیا زندگی ہے نہ ماں نہ باپ اور نہ کوئی بہن بھائی۔ ایک لاوارث لڑکی سے نکاح کی سزا تو ملے گی علی کو۔" وہ بری طرح خوفزدہ تھی۔

"بڑے دکھ کی بات ہے شانی! ہمارے ہوتے ہوئے تم نے اتنی بڑی بات کہہ دی۔ اس کا مطلب ہے ہماری محبتوں میں ضرور کوئی کمی ہے جب ہی تو تم نے یہ بات کہی ہے۔ دیکھو پلیز، عمیر بھیا کے سامنے ایسی بات نہ کرنا۔ وہ تو تمہیں ہم سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کو بہت دکھ ہوگا۔"

شندرا کے لہجے میں شکوہ تھا۔ شانی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بھی نمی تھی۔

اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ناحق اس نے ایسی بات کی جبکہ ان سب نے اتنی چاہت اتنی محبت دی تھی کہ شاید سگے بھی نہ دے سکتے۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔

"آئی ایم سوری شندرا! تم لوگوں کی چاہت ہی تو میری زندگی ہے اور تمہیں بھیا تو میری جان ہیں ان کا دل دکھانے کا تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ بس ذرا علی کے والد کا سوچ کر پریشانی ہو رہی ہے۔ اگر انہوں نے مجھے قبول نہ کیا تو۔"

یہ ہی سوچ کر اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

"کیوں نہ کریں گے بھئی۔ اللہ تعالیٰ سے اچھی امید رکھنی چاہئیں۔ دیکھنا کچھ نہیں ہوگا اور تم کوئی فٹ پاتھ پر تو بیٹھی نہیں ہو چلو اٹھو فریش ہو جاؤ۔ وہ جو سوٹ تم نے باجی کے نکاح پر پہنا تھا وہ ہی پہن لو۔ انشاء اللہ تمہیں وہ بے حد پسند کریں گے۔"

شندرا کی محبت بھری تسلیوں کے باوجود وہ اپنی پریشان کن سوچوں میں گھری پڑی رہی۔

☆.....☆.....☆

"علی! کیا حماقت ہے۔ انکل کئی بار بلا چکے ہیں اندر آؤ۔"

علی کے والد آ چکے تھے۔ شانی کا دل تو دھڑ دھڑ کر ہی رہا تھا۔ علی بھی چھپا ہوا تھا بالکل ایسے ہی جیسے بچے چوری کرنے کے بعد والدین سے چھپتے پھرتے ہیں۔

"نہیں جاؤں گا۔ ماریں گے۔" وہ بچوں کی طرح ٹھنک رہا تھا۔

"ایک تو تم ایئرپورٹ پر ان کو لینے نہیں گئے۔ اور اب سامنے بھی نہیں جا رہے۔ چلو اٹھو۔" عمیر نے اسے بازو سے پکڑ کر اندر کی طرف دھکیلا، مگر وہ پھر باہر آ گیا۔

"کیسے جلاد قسم کے دوست ہو یار! دوست تو دوستوں کے لیے جان تک دے دیتے ہیں اور ایک تم ہو کہ دوست کی خاطر گدھا مرغا نہیں بن سکتے۔ جاؤ یار! دیکھ لیا تیرا پیار ہائے دیکھ لیا تیرا پیار۔"

وہ منہ لٹکائے مصنوعی آنسو پونچھ کر عمیر کو گھورتا ہوا کمرے کی طرف بڑھا جبکہ شندرا زیب شانی فرخ ہنس رہے تھے۔

"بند کرواؤ اپنی بتیسیاں اور خبردار جو کسی نے کونوں کھدروں سے جھانک کر میری پٹائی کا تماشا دیکھا تو ایسا وقت کسی پر بھی آ سکتا ہے۔ اور میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ جو ابا حضور قسم کی قوم ہوتی ہے۔ آخر خود کو سمجھتی کیا ہے۔"

وہ بول رہا تھا اسی وقت ابا جان نسیمہ بیگم کے ساتھ باہر نکل آئے اور عین اس کے سر پر آ کھڑے ہوئے۔ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ وہ اس کے سر پر کھڑے ہیں۔ باقی سب کا مارے ہنسی کے برا حال تھا۔ شانی تو ان کو دیکھتے ہی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"اور تم لوگ کیا سمجھ رہے ہو۔ میں اس قوم سے ڈرتا ہوں۔ ناں۔ ناں اور ابا جان تو مجھے ہرگز کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ انہوں نے میری امی سے پسند کی شادی کی ہے۔ پتا ہے جب ابا جان نے امی کو پروپوز کیا تو انکار ہو گیا۔ انہوں نے دریا میں کود جانے کی دھمکی دی تب جا کر نکاح ہوا۔"

وہ بڑی ڈھٹائی سے ابا جان کے نکاح کی داستان سنا رہا تھا۔ اب برداشت جواب دے گئی تو ابا جان نے کان پکڑ لیا۔

"نکاح تو تم نے ہی پڑھایا تھا، یاد نہیں۔"

ابا جان نے اسٹیئرنگ کی طرح اس کا کان گھمایا تو اس کے ہوش ٹھکانے آ گئے۔

"جی ہاں..... جی نہیں، میرا مطلب ہے۔"

"تمہارا مطلب میں خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ میاں صاحب زادے! ان کو کونوں کھدروں سے جھانکنے سے منع کر رہے تھے ناں۔ اب یہ براہ راست تمہارا تماشا دیکھیں گے۔ ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔ ابھی چمڑی ادھیڑ کر سامنے رکھوں گا کھال سب کے تو۔"

"نہیں نہیں ابا جان! ایسا غضب نہ کیجیے گا۔ شیم شیم ہو جائے گی بچوں کے سامنے..... امی جان سے پوچھیے، میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

اس نے بمشکل اپنے کان آزاد کرائے، دوسروں کا ہنس ہنس کے برا حال ہو رہا تھا۔

"خدا کا شکر ادا کر بہن صاحبہ نے مجھے ساری بات بتا دی ہے۔ ورنہ کانوں کے بغیر گاؤں لے جاتا تو گاؤں کے بچے پیچھے لگ جاتے۔"

"چلیں بھائی صاحب اب معاف کر دیں یوں بھی اس نے کوئی ایسا غلط کام نہیں کیا بلکہ یہ تو عین کار ثواب ہے اس کا اجر آپ کو بھی ملے گا۔"

"جی ہاں۔ ان کو اجر ملے گا۔ ایک غریب کے کان لمبے کرنے کا۔ اب میں ہاتھی تو نہیں کہ اتنے لمبے لمبے کان لٹکائے پھروں۔ حد ہو گئی۔"

علی نسیمہ بیگم کی حمایت پر شیر ہو گیا اور منہ میں بڑبڑانے لگا۔

"جاؤ بیٹا! لڑکی کو لاؤ۔"

ابا جان نے نجانے کس کو کہا تھا۔ علی جھٹ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ابھی لایا ابا جان!" وہ جلدی سے شانی کے کمرے کی طرف لپکا۔

''تم یہیں بیٹھو نا ہنجار۔'' ابا جان کی چھڑی میں اس کی گردن پھنس گئی۔

''نا ہنجار کس کو کہہ رہے ہیں۔ ملازم کو ساتھ لائے ہیں کیا۔'' وہ بولا۔

شذرا صدف ہنس پڑیں۔

''نہیں۔ یہ تمہارا ہی تو نک نیم ہے' بھول گئے کیا۔ جاؤ تیمور بیٹا! لڑکی کو لے کر آؤ۔''

ابا جان کے کہنے پر تیمور باہر نکل گیا۔

''ابا جان! حلیہ تو درست۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے ان کو دیکھا۔

''کیوں یہاں کیا ہے ہمارے حلیے کو!''

ابا جان نے گھوم کر اپنے آپ کو دیکھا۔

''اب اس عمر میں آپ کو کوئی پسند کرنے سے رہا۔ کسی بھی حلیے میں رہیں۔ میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ ایک تو کان لمبے اور سرخ کردیے بال بکھرے ہوئے اڑی رنگت چھڑی پھنسی گردن میں آخر وہ میری۔''

''چپ رہو بدتمیز' شرم لحاظ نہیں رہا۔ چلو جاؤ حلیہ درست کرو۔''

ابا جان نے اپنی چھڑی اس کی گردن سے نکالی۔ اس نے جھٹ فرخ کی جیب سے کنگھی لی۔ بال سنوارے اسی وقت شابی عمیر کی اوٹ میں بڑے سے دوپٹے میں خود کو چھپائے سر جھکائے آ گئی۔ وہ جھجک کر دور ہی کھڑی ہو گئی۔

''گھبراؤ نہیں بیٹی! یہاں آؤ ہمارے پاس۔ اب تو تم ہماری بہو ہو۔''

ابا جان نے شابی کی طرف ہاتھ آگے بڑھایا۔ علی جلدی سے ان کے برابر آ کر بیٹھ گیا' ابا جان اسے گھورنے لگے۔

''میں نے اپنی بہو کو بلایا تھا۔''

''وہ تو کوئی بات نہیں ابا جان آپ مجھے اپنی بہو ہی سمجھئے۔''

''چپ رہو ناخلف اولاد! کھڑے ہو جاؤ۔ تم آؤ بیٹی!''

ابا جان نے علی کو ڈانٹ کر کھڑا کیا اور شابی کو اپنے قریب بٹھایا۔ وہ تو خود ہی آگے بڑھی۔

''آداب!'' اس کی آواز مارے گھبراہٹ کے بمشکل ہی حلق سے برآمد ہوئی۔

''جیتی رہو بیٹی! آؤ بیٹھو۔ گھبراؤ نہیں۔ اب تم ہماری عزت ہو' ماشاء اللہ۔''

ابا جان نے خود کھڑے ہو کر اس کے سر پر پیار کیا اور اپنے برابر بٹھایا پہلی ہی نظر میں ان کو وہ پسند آ گئی تھی۔ اور علی اترا رہا تھا۔

''دیکھنا ابھی میری پسند کی کیسے داد دیتے ہیں۔''

علی اترا کر فرخ اور شذرا سے کہہ رہا تھا کہ ابا جان نے سن لیا۔ اسی وقت ان کی چھڑی حرکت میں آئی جو اس کے سر پر آ کر ٹن سے پڑی۔ اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے اور قبل اس کے کہ وہ آنکھیں بھینچ کر کے عمیر پر گرتا۔ نیا آرڈر جاری ہو گیا۔

''بیٹا جی! میرا خیال ہے فی الحال اتنی داد کافی ہے۔ باقی اپنی ماں اور بہن سے وصول کر لینا۔ اب باہر جاؤ۔''

''جی اچھا ابا جان! لیکن آپ ایک ہی رہتے تو اچھا تھا۔ اب چار چار ابا جان۔ اف کس دروازے سے جاؤں۔ یار عمیر اتنے دروازے کیوں بنا ڈالے ہیں کمرے کے' ہٹو فرخ پیچھے راستہ دو۔''

علی آنکھیں ٹیڑھی کیے راستے میں پڑی کرسی کو فرخ کہہ کر ہٹاتا ہوا آگے بڑھا۔ اور دیوار سے ٹکرا گیا۔ ابا جان سمیت سب ہنس پڑے۔

''ہنس کیوں رہے ہو تم لوگ! کیا سمجھتے ہو۔ مجھے دروازہ نظر نہیں آیا۔ یہ رہا دروازہ ہم سب اندر ہیں اور کنڈی لگی ہوئی ہے یار عمیر! ہمیں کسی نے اندر بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی ہے۔''

وہ نشے میں دھت لوگوں کی طرح ٹٹول کر کنڈی کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور وہ کھل نہیں رہی تھی۔ عمیر آگے بڑھا۔

''یہ دروازہ ہے یہاں سے آپ باہر چلیں۔ شاباش میری جان اور اب اندر جھانکنے کی بھی ضرورت نہیں۔''

عمیر نے اسے باہر کی طرف زبردستی دھکیل دیا تو وہ غصے سے اسے دیکھنے لگا۔

''وقت ہے۔ وقت ہے بیٹے اڑ دکھا لو۔ کبھی تو پہاڑ تلے آؤ گے ہی۔''

اس نے غصے سے آستینیں اوپر چڑھائیں' عمیر نے زبان دکھا کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ اس پر پاؤں مارنے لگا مگر ایسی چوٹ لگی کہ وہیں پاؤں پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور کان لگا کر سننے کی کوشش کرنے لگا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔

''دیکھو شابی اب بیٹی! گھبراؤ نہیں۔ اب تو میں تمہارا بھی والد ہوں۔ ساری داستان نسیمہ بہن سنا چکی ہیں میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کی شادی کے بہت ارمان ہیں ہمیں اور اس کے لیے خاندان میں بہت سی لڑکیاں تھیں۔ یہ جس کو منتخب کرتا۔ وہی اس کے نام کر دی جاتی۔ بہرحال اب یہ بحث بے معنی ہے۔ اب تم میری بیٹی ہو' بہو ہو۔ یہ بتاؤ کہ علی کے بارے میں تمہاری ذاتی رائے کیا ہے؟''

اس کے جھکے سر پر ہاتھ رکھے بڑے حلیم اور شفیق لہجے میں وہ اس سے پوچھ رہے تھے اور شابی کی دھندلی آنکھوں میں اپنی گزشتہ زندگی گھوم گئی۔ کیا تھا اس کے دامن میں نہ ماں کی ممتا نہ باپ کا پیار نہ کسی بہن کی چاہت نہ بھائی کا مان۔ کتنی تنہا تھی وہ۔ اس کی ہچکی بندھ گئی۔

''بیٹی! میں یہ ہی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کسی قسم کی زبردستی تو نہیں کی گئی' تمہاری خوشی اور رضا شامل ہے ناں۔''

وہ بڑے پیار سے پوچھ رہے تھے۔ شابی رو دی۔

''رو مت بیٹی! میرے دل پر بیٹیوں کے آنسو تیر بن کر لگتے ہیں۔ شاباش تم جو کہنا چاہتی ہو۔ کہو۔''

انہوں نے پھر پیار سے پوچھا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کتنی ناشکری ہے اللہ تعالیٰ نے اسے کتنے چاہنے والے دیے ہیں جو سگے تو نہیں۔ مگر اپنوں سے بڑھ کر محبت اور عزت دینے والے ہیں۔

عمیر جس نے اسے واقعی بڑے بھائی والا مان دیا ہے۔ اور علی وہ تو وہ بندہ تھا جسے دیکھ کر اپنے سینے میں کسی دل نامی شے کی موجودگی کا احساس ہوا تھا۔ وہ اس کی چاہت تھا۔ اور جب دشمنوں نے اس کی طرف میلی نظر سے دیکھا تو وہ اس کی ڈھال بن گیا۔ اس علی کے بارے میں ابا جان پوچھ رہے

تھے، کچھ تو بار حیا سے زبان رکی ہوئی تھی۔ اور کچھ اسے علی کی عظمت بیان کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

"شابی بیٹی! بھائی صاحب تمہارا جواب سننا چاہتے ہیں۔ بیٹی بزرگوں کو زیادہ انتظار نہیں کرانا چاہیے۔"

نسیمہ بیگم نے اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا اور عمیر اس کے قریب آ گیا تو اس نے مضبوطی سے عمیر کے ہاتھ تھام لیے۔

"ابا جان! علی میرے محسن ہیں۔ کیونکہ عورت کو اپنی عزت اپنی جان سے زیادہ پیاری ہوتی ہے اور جو مرد اس کی عزت کا محافظ بن جائے۔ اس کا سر ننگا ہونے سے بچالے تو اس سے زیادہ عظیم مرد کوئی نہیں ہوتا۔ علی بے حد اچھے اور شریف انسان ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے علی جیسا ساتھی عطا کیا۔ اور یوں بھی علی میرے اس بھائی کے دوست ہیں جن کے لیے میں جان بھی دے سکتی ہوں۔"

وہ بڑی آہستگی سے نرمی سے بولتی رہی۔ وہ جب تک بولتی رہی عمیر نے اس کے ہاتھ تھامے رکھے۔ کیونکہ یہ اس کی بچپن کی کمزوری تھی کہ جب بھی کوئی مشکل مرحلہ ہوتا تو عمیر اس کے ہاتھ تھام لیا کرتا اور وہ اعتماد سے بات کر جاتی۔ اس کی بات سے ابا جان بے حد خوش ہو گئے۔

"جیتی رہو بیٹی! خوش رہو ویسے مجھے اس سے اتنی سمجھداری کی توقع تو نہیں تھی۔ بہر حال اللہ نے اس کے ذریعے سے ایک نیک کام کروایا ہے تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔ نسیمہ بہن! اب آپ یہ بتائیں کہ ہماری امانت ہمیں کب دے رہی ہیں۔"

ابا جان کا اشارہ رخصتی کی طرف تھا۔ نسیمہ بیگم نے عمیر کی طرف دیکھا۔

"انکل! شابی اب آپ ہی کی بیٹی ہے جب آپ چاہیں۔ آ کر لے جائیں کیوں امی!"

عمیر نے تائید کے لیے امی کی طرف دیکھا۔ شابی اٹھ کر چلی گئی۔

"بھائی صاحب بات یہ ہے کہ میں نے اپنی دوسری بیٹی کا نکاح کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ہی دن رخصت کروں۔ اللہ تعالیٰ بس مجھے توفیق دے۔"

"آمین مگر بہن ذرا جلدی کام ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے۔"

"انشاء اللہ انکل! آپ کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔"

"اچھا چلو۔ اللہ تعالیٰ خیر کا وقت لائے۔"

وہ دل سے دعا کرتے اٹھ گئے۔

☆......☆......☆

ڈوبتے سورج کی نرم نرم...... کرنوں کو دیکھتے ہوئے تیمور مستقل تجلی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنا عرصہ ہو گیا تھا۔ اس سے ملے ہوئے، اسے دیکھے ہوئے، اس کی آواز سنے ہوئے۔ آواز کے ساتھ ہی اسے خیال آیا کہ فون کرے۔ اس نے جھجکتے ہوئے اس کا نمبر ملایا۔

"ہیلو!" دوسری طرف تجلی ہی تھی۔ دل دھڑک اٹھا۔ اس نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ہیلو۔ ہیلو بولیں بھئی نمبر ملایا ہے۔ تو بات کریں۔"

دوسری طرف تجلی اس کی خاموشی سے تنگ آ کر بولی مگر نجانے کیوں اسے بات کرنا مناسب نہیں لگا۔ وہ چپ ہی رہا۔

"اگر بات کرنے کی جرأت نہیں تھی تو فون کیوں کیا تھا۔ نجانے لوگ رانگ کال کرتے وقت یہ کیوں نہیں سوچتے۔ کوئی کس حال میں ہو۔"

تجلی کو کیا خبر تھی کہ اس کی سماعتیں جس کی آواز کو سننا چاہتی ہیں۔ دوسری طرف وہی ہے جس کے لیے وہ اتنے دنوں سے بے چین تھی۔

کیسی مجبوری ہے تجلی کہ ہم بات بھی نہیں کر سکتے، چپ کی یہ کیسی دیوار حائل ہے۔ میرے اور تمہارے بیچ۔ کہیں تم بیمار تو نہیں۔ تمہاری آواز بھی فریش نہیں لگ رہی تھی۔

اس نے پھر نمبر ملایا کہ اب بات کرے گا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔ !" وہ پھر بولتی رہی مگر اتنی سی دیر میں اس کی انا آڑے آ چکی تھی کہ وہ کیا سوچے گی۔ وہ پھر چپ رہا بس یہی جی چاہتا تھا۔ وہ ہیلو ہیلو کہتی رہے اور وہ سنتا رہے۔

"نجانے کون بدتمیز ہے۔ اسٹوپڈ۔"

تجلی نے دوبارہ ریسیور پٹخ دیا اور وہ گہری سانس لے کر کتنی ہی دیر ریسیور کو دیکھتا رہا۔

"خیریت ان کا فون آیا تھا یا کیا تھا۔"

علی نجانے کب آ کر اس کی پشت پر کھڑا ہو گیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" تیمور نے سوال پلٹا۔

"تم نے فون کیا ہوگا مگر بات نہیں کی ہوگی اور وہ بیچاری ہیلو۔ ہیلو کہتی رہ گئی ہوگی۔"

"کتنا سمجھتا ہے علی مجھے۔" تیمور نظریں جھکا کر چپ رہا۔

"ارے اللہ کے بندے اگر اس بڑھاپے میں نمبر ملانے کی ہمت کر ہی لی تھی تو بات بھی کر لیتے۔"

"کیا بات کرتا۔" وہ بیڈ پر ہاتھوں کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"یہی کہ آجکل سیمنٹ بجری کا کیا ریٹ جا رہا ہے۔ کیا بات کرتا۔ ارے احمق! بات کرتے کچھ دل کی کہتے۔ کچھ دل کی سنتے۔" اس کی بات پر علی کو غصہ آ گیا۔

"ہاں دل کی کہتا تو وہ شٹ اپ کہہ کر فون پٹخ دیتی۔"

"ہاں معلوم ہے مجھے، تم دونوں اسی خاموشی کے سمندر میں غرق ہو جاؤ گے جب تک منہ سے کچھ پھوٹو گے نہیں۔ کیسے ایک دوسرے کے دل کا حال جان پاؤ گے۔ بات کیسے بڑھے گی۔"

علی کو ان دونوں کی یہ چپ بری طرح کھلتی تھی۔

"جب بات آگے بڑھانی ہی نہیں تو پھر دلوں کے حال جاننے سے کیا فائدہ!"

تیمور نے باہر پھیلتے سایوں میں کچھ تلاش کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں بات کیوں آگے نہیں بڑھانی، شادی نہیں کرنی؟ کنوارا مرنے کا ارادہ ہے؟"

"اونہہ! شادی تجلی فاروق احمد کی وہ بھی میرے ساتھ۔ یہ اپر کلاس کے لوگ ہمیں تو انسان بھی نہیں سمجھتے۔"

''میاں مجنوں! محبت کی ٹرین میں کوئی کلاس نہیں ہوتی سب ایک ہی کلاس میں سفر کرتے ہیں۔ چلو فی الحال اپنی شادی کو چھوڑو یہ بتاؤ۔ آمنہ آپا کی شادی میں شرکت کرنی ہے کہ نہیں۔ لڑکیاں تو بڑی ایکسائیٹڈ ہو رہی ہیں۔''

''نہیں یار! برا لگتا ہے۔ کیا سوچیں گے اس کے گھر والے۔ کہ سارے اٹھ کر آ گئے ہیں۔''

نجانے کیوں چاہنے کے باوجود تیمور نجل کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے انکار پر علی کمر پر ہاتھ رکھ کر سامنے آن کھڑا ہوا۔

''سچی بات تو یہ کہ یہ شادی بے حد اہم ہے ہمارے لیے۔ لڑکیاں اپنی بھابی کو دیکھنا چاہتی ہیں۔ اس لیے یہ آئیڈیا ڈراپ کسی صورت نہیں ہو سکتا۔ رائٹ۔ دوسری بات یہ کہ ان لوگوں نے پوری فیملی کو انوائیٹ کیا ہے۔ لہٰذا فیملی کا جانا کوئی معیوب بات نہیں۔ ہاں اگر ایک دو بندے کو بلایا ہوتا تو تیسرا بندہ ہرگز نہ جاتا۔ لہٰذا آپ اپنی چونچ بند رکھیں۔''

''علی... علی! تم سمجھتے کیوں نہیں۔''

تیمور اس کا خوفناک قسم کا پروگرام سن کر پریشان ہو گیا۔ اور اسے معلوم تھا۔ وہ لڑکیوں کو سب کچھ بتا چکا ہے اور کوئی توقع نہیں کہ وہاں بھی کوئی کارنامہ انجام دے ڈالے۔ اس لیے وہ گھبرا رہا تھا۔

''خاموش تم... میں سب سمجھتا ہوں۔ اب اگر تم نے چوں چرا کی تو میرے ابا جان کو دیکھا ہے ناں۔ کتنے خوفناک ہیں۔ میں بھی ان کی طرح خوفناک بن کر ... ابا جان کہتے کہ ... خوفناک پرندہ ہوتا ہے اور اس کی دم سے ہرگز نہیں لٹکنا چاہیے ورنہ بچے ڈر جاتے ہیں۔''

علی ابا جان کی برائی کرنے لگا تو سامنے سے وہ آ گئے اور ان کو دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح مہمل الفاظ زبان سے پھسلتے چلے گئے اور وہ چھڑی گردن تک پہنچنے سے پہلے باہر بھاگ گیا تیمور اور ابا جان ہنس پڑے۔

☆ ... ☆ ... ☆

عمیر کے منع کرنے کے باوجود علی نے لڑکیوں کو تیار کرا لیا تھا۔ مگر زیب نے جانے سے انکار کر کے عمیر کو خاصا سکون بخشا تھا۔

''بھئی زیب صاحب! آپ کیوں نہیں جا رہیں۔''

علی اس کے سر پر سوار تھا۔

''بس وہ علی بھیا مناسب نہیں لگتا کہ اتنے سارے۔''

''ارے چپ کرو لڑکی! میں سب سمجھتا ہوں لڑکیوں کے بہانے۔ صاحب کا فون آنا ہوگا یا خود تشریف لا رہے ہوں گے۔ بولو یہ حقیقت ہے کہ نہیں۔''

علی اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ وہ شرمندہ سی ہو گئی کیونکہ وہ صحیح کہہ رہا تھا۔

''توبہ ہے علی بھائی! آپ تو!'' وہ جھینپتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''میرا خیال ہے صدف! تم بھی نہ جاؤ۔''

عمیر نے صدف کی طرف دیکھا جو بڑے چاؤ سے بھابی کو دیکھنے کے لیے تیار ہوئی تھی۔ وہ مسکین سی صورت بنا کر علی کو دیکھنے لگی۔

''بڑے میاں! تم اپنی چونچ بند رکھو۔ بچی کا دل توڑ کر رکھ دیا۔ میرے ساتھ اڑی تڑی کی تو پورے محلے کو تیار کر لوں گا۔ یہ لوٹائی اور لگا کر ای سے نظر اتروا لینا۔ محترمہ کی نظر بھی لگ سکتی ہے۔ ارے بھئی لڑکیو! جلدی کرو۔''

علی نے ٹائی اس کی طرف اچھالتے ہوئے اسے توصیفی نظروں سے دیکھا جو سیاہ ڈنر سوٹ میں بہت جچ رہا تھا۔ اسے گھورتا ہوا تیمور باہر نکل رہا تھا کہ سامنے سے آتے اسد پر نظر پڑی اس نے بھی سیاہ ڈنر سوٹ پہن رکھا تھا۔

''کیا تم بھی جا رہے ہو؟'' عمیر رو دینے کو تھا۔

''جی ہاں جا رہا ہوں علی بھیا نے خاص طور پر مجھے دعوت دی تھی۔ ویسے بتائیں لگ کیسا رہا ہوں؟'' اسد نے ذرا سا اس کی طرف جھک کر پوچھا۔

''علی بھیا نے دعوت دی ہے۔ علی بھیا کا ولیمہ ہے۔ تو لے جائیں محلے بھر کو۔ میں نہیں جا رہا۔ حد ہو گئی یار! جان نہ پہچان۔ پوری بارات اٹھ کر چلی جا رہی ہے۔''

تیمور علی کو گھورے جا رہا تھا۔ جو بڑے چاؤ سے فرخ اور اسد کے کوٹ میں ادھ کھلے گلاب کی کلی لگا رہا تھا۔ اس نے چڑانے والی نظروں سے عمیر کو دیکھا جس کا بس چلتا تو اسے چبا جاتا۔

''جان نہ پہچان میں جنونی عشق ہم نے پہلی بار دیکھا ہے میاں۔ بہرحال بارات تو انشاء اللہ ایک نہ ایک دن جانا ہی ہے۔ چلو اسی بہانے پریکٹس ہو جائے گی۔ کیوں کیا خیال ہے؟'' علی شوخی سے اس کی طرف جھکا پوچھ رہا تھا۔

''بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری بارات!'' اس نے تپ کر کہا۔

''اور دولہا۔ ارے بھئی لڑکیو کہاں ہو تم لوگ؟''

عمیر نے گھور کر دیکھا تو علی لڑکیوں کو پکارنے لگا۔

''توبہ ہے علی بھیا! آپ تو ہنگامہ کر دیتے ہیں۔ اب لڑکیوں کو تیاری میں کچھ وقت لگتا ہی ہے اور!''

رائل بلیو جھلملاتے لباس اور قدرے گہرے میک اپ میں بولتی ہوئی شذرا کی پہلی نظر اسد پر پڑی۔ وہ اتنا جچ رہا تھا کہ باوجود غصے اور نفرت کے کچھ نہ بول سکی۔ البتہ حیرت ضرور ہوئی کہ یہ کیوں جا رہا ہے اسد نے بھی اس کے خوبصورت سراپے پر بے نیازی نظر ڈالی اور لاپروائی سے چیونگم چباتا رہا۔ اس کا یہ انداز ہی تو شذرا کو تپا جاتا تھا۔ اسے ارمان کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ اسد تو تمہاری ہر بات بتاتا ہے۔

وہ غصے سے اسے گھورتے ہوئے جلدی سے باہر نکلی تاکہ علی کی گاڑی میں بیٹھ سکے مگر پتا چلا کہ علی شانی صدف اور فرخ کو لے کر جا چکا تھا۔ لہٰذا اسے اور عمیر کو اسد کی گاڑی ہی میں جانا پڑا اس نے بیٹھ کر بڑے زور سے دروازہ بند کیا۔ اسد نے مڑ کر اسے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا پھر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے خواہ مخواہ ہی اترا رہا تھا۔

''ہاں یار اسد! یاد آیا۔ بارہا سوچا اس سلسلے میں تم سے بات کروں مگر یاد ہی نہیں رہتا۔ وہ میں تمہارے دوست ارمان سے ملنا چاہتا ہوں۔''

عمیر کہہ رہا تھا۔ شذرا کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"جی!" اسد نے بھی گھبرا کر عمیر کو دیکھا۔

"ہاں...... ہاں بھئی فرخ تو اس کی بے حد تعریف کرتا ہے کہ اس نے بڑا ساتھ دیا ہے فرخ کا۔ میں ذاتی طور پر اس سے مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

عمیر بات کر رہا تھا اور اسد آئینے میں اسے دیکھ رہا تھا۔ شنذرا بہت نروس ہو رہی تھی اس ذکر سے اور ٹشو سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔ اسے شرارت سوجھی۔

"ارمان! جی ہاں وہ چیز ہی ایسی ہے کہ اس کی ہر کوئی تعریف کرتا ہے بہت چارمنگ اسمارٹ خوبرو لڑکا ہے۔ لڑکیاں تو اسے بے حد پسند کرتی ہیں۔"

شنذرا نے اس کی پشت کو گھورا۔ وہ آئینے میں دیکھ کر شوخی سے مسکرا دیا۔

"اچھا!" عمیر ساری کہانی سے بے نیاز بولا۔

"جی ہاں عمیر بھیا! فرخ پر تو وہ کسی خاص وجہ سے مہربان ہے۔ وہ وجہ بھی آپ کو بتا دوں گا میں۔"

اسد کو موقع ملا ہوا تھا شنذرا کو جلانے کا اور اس کی جان پر بنی ہوئی تھی اب نجانے کیا بک دے۔

"بھیا! آپ نے گفٹ تو رکھ لیا تھا ناں!" وہ عمیر کی توجہ اس موضوع سے ہٹانا چاہتی تھی اور اس کی یہ گھبراہٹ ہی اسد کو محظوظ کر رہی تھی۔

"عمیر بھیا! ارمان بڑا اچھا لڑکا ہے۔ وہ تو اکثر گھر پر فون کرتا رہتا ہے۔ آپ سے کبھی بات نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ تو خود بھی آپ سے ملنا چاہتا ہے اور میرے اندازے کے مطابق وہ آپ سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہے۔"

وہ اس کی گھبراہٹ سے لطف اندوز ہوتا مزے سے کہہ رہا تھا جبکہ شنذرا کا دل چاہ رہا تھا کوئی بھاری چیز مار کر اس کا سر پھوڑ دے اور اگر اس وقت گاڑی میں عمیر نہ ہوتا تو وہ اللہ سے دعا کرتی۔ اسد کی گاڑی کسی بہت بڑے ٹرالر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ خواہ اس کی بھی جان چلی جائے۔

"اچھا حیرت ہے۔ کبھی اتفاق نہیں ہوا فون پر بات کرنے کا۔ میرا خیال ہے۔ وہ علی کھڑا ہے۔ ہمارا ہی انتظار ہو رہا ہے۔ یہاں لے آؤ۔ گاڑی نکالنے میں آسانی ہوگی۔"

پی سی کی کار پارکنگ میں گاڑی رکی عمیر نکل کر علی کی طرف بڑھ گیا۔ شنذرا کا دوپٹہ دروازے میں پھنس گیا۔ اسد جو گاڑی لاک کر چکا تھا۔ مڑ کر دیکھا تو وہ دوپٹے میں الجھی ہوئی تھی۔

"اب میں تمہیں کہاں کہاں سے بچاؤں۔ ارمان کا ذکر کر دیا ہے۔ بہانے سے بھیا کے سامنے اور کیا۔"

"شٹ اپ!" وہ جو اس کا دوپٹہ نکال کر ہاتھ میں پکڑے کھڑا تھا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے دوپٹہ اس کے ہاتھ سے چھینا اور آگے بڑھ گئی۔ اور وہ مسکراتا ہوا دور تک اسے دیکھتا رہا۔ نجانے کیوں اسے ستا کر مزا آتا تھا اسے۔

☆......☆......☆

مہوش استقبال کے لیے گیٹ پر کھڑی تھی۔

"آداب بھابی!" تیمور اور علی ایک ساتھ بولے۔

"یہ کوئی وقت ہے آنے کا۔ سب سے آخر میں آئے ہو تم لوگ۔ تجل کا موڈ سخت آف ہے۔ اس کا کوئی دوست نہیں آیا۔"

"ارے بھابی! آپ فکر ہی نہ کریں۔ تجل کے موڈ کو ہم ابھی آن کیے دیتے ہیں کیوں تیمور!" علی نے تیمور کو ٹہوکا مارا۔ تیمور تپ گیا۔ وہ جانتا تھا علی اسے چڑانے کے لیے ایسی حرکتیں کر رہا ہے۔ مہوش باقی لوگوں سے مل رہی تھی۔

"اندر تو چلو، خبر تو تم لوگوں کی تجل لے گی۔"

مہوش نے بڑی معنی خیز نظروں سے تیمور کو دیکھا تو وہ نظر چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ اور پھر نگاہیں جس چہرے پر ٹھہریں تو ہٹنا بھول گئیں سنہری جھلملاتے لباس میں ماتھے پر چھوٹا سا چمکتا ہوا ٹیکہ لگائے وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ تیمور کی نظریں خود پر محسوس کر کے دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ جی تو چاہتا تھا۔ یہ خوبصورت لمحات امر ہو جائیں مگر ٹھہرنا وقت کی ...... سرشت نہیں۔ وہ ان سب کی طرف بڑھی۔

"اب کیا سزا دی جائے آپ لوگوں کو اتنی لیٹ آنے کی۔ علی آپ سے تو یہ امید نہ تھی۔" تجل نے شاکی نظروں سے علی کو دیکھا۔

"جی ہاں۔ ایک پتلی گردن کا بکرا میں ہی تو ہوں جس میں ہر سائز کا پھندا فٹ آتا ہے۔ پوچھئے اپنے ان میرا مطلب ہے۔ دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔"

علی کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ مہوش کا خیال کر کے بات بدل گیا۔ تجل بھی کچھ سمجھ کے چپ سی ہو گئی۔

"آپ کی تو وہی باتیں ہیں۔ یہ بتائیں آنٹی اور زیب کیوں نہیں آئے؟"

وہ کارڈ دینے گئی تھی تو۔ سب کو بڑے اصرار سے آنے کا کہہ آئی تھی۔

"لو کر لو بات۔ اب بار بار تم ایسی بات کر رہی ہو۔ تجل بی بی! کہ میں ان صاحب کو گھورنے پر مجبور ہوں۔ تم تو سب کو کہہ آئی تھیں۔ میں نے بچوں کو تیار ہونے کو کہا۔ تو ان کے پتے پر براہ راست چوٹ پڑی۔ کہنے لگے محلے والوں کو بھی لے جاؤ تو بی بی کچھ بندوں کو مجبوراً ڈراپ کرنا پڑا۔"

علی نے بڑی ڈھٹائی سے سارا الزام تیمور کے سر رکھ دیا۔ حالانکہ باقی لوگ اپنی ذاتی وجوہات کی بناء پر نہیں آئے تھے۔ تجل کو غصہ آ گیا۔ آخر تیمور اتنا کیوں کتراتا ہے۔ تعلق بڑھانا نہیں چاہتا۔ اس کا منہ بن گیا۔

"تو ان ہی کو ڈراپ کر دیتا تھا۔"

تجل نے کچھ ایسے کہا کہ اک سایہ سا بڑی خاموشی سے تیمور کے چہرے پر سے گزر گیا۔

"تجل باجی! آپ تو بالکل گڑیا لگ رہی ہیں۔"

شنذرا نے ڈرتے ڈرتے تیمور کو دیکھتے ہوئے تجل کی تعریف کی تو تجل بس دھیمے سے انداز میں مسکرا پڑی۔

"تھینکس۔ تم لوگ بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

بہت زیادہ لوگ نہیں تھے۔ بڑی سادگی نظر آ رہی تھی۔ لڑکیاں تو دولہا دلہن سے لے کر ہر لڑکی کے کپڑے دیکھ کر تعریف و تنقید کر رہی تھیں۔ علی اور اسد نجانے کس بحث میں الجھے ہوئے تھے جبکہ تیمور کی نظریں تجل کے ساتھ ساتھ گھوم رہی تھیں۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ کئی بار جا کر اس نے دلہن بنی آمنہ کو پیار کیا تھا۔ آج کا دن تو اس کی زندگی کا خوبصورت ترین دن تھا اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا کہ کبھی اس کی کسی بہن کی شادی ہو سکتی ہے...... کچھ تیمور اور اس کے گھر والوں کے آنے کی خوشی چہرے پر کرنیں بکھیر رہی تھی۔ اس وقت بھی وہ نجانے کن سوچوں میں گم تھا کہ تجل دل کی کسی خواہش کی تکمیل میں تیمور کے برابر والی سیٹ پر آن بیٹھی۔ تیمور نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا تو اس کے چہرے پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ تھی۔

''کیا سوچا جا رہا تھا؟'' تجل کو بھی اپنی بات کا احساس تھا کہ اسے ایسا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ شاید اسی کے ازالے کے لیے وہ اس کے قریب آ بیٹھی تھی۔ اس کی بات کے جواب میں تیمور شاکی نظروں سے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

''یہی کہ مجھے نہیں آنا چاہیے تھا۔ ڈراپ ہو جانا چاہیے تھا۔'' اس کا گمبھیر لہجہ بہت شاکی تھا۔ تجل کو نجانے کیوں بے حد خوشی ہوئی تھی۔

''ارے! آپ نے تو میری بات کو دل پر لے لیا۔''

وہ ذرا سا سر ہلا کر ہنسی تو اس کی بندیا کی چمک تیمور کی آنکھوں میں اتر گئی۔

''دل پر تو ہم نے اور بھی بہت کچھ لیا ہوا ہے۔ مگر''

وہ بے حد محتاط اور انا پرست تھا۔ تنہائی میں بھی اس سے دل کی بات نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اسے پتا تھا جیسے اس کا دل بہت غلط جگہ اٹک گیا ہے وہ تجل کے معیار کا نہیں۔

''مگر......'' آج تجل بھی اس کے منہ سے سب کچھ سن لینے کی تمنائی تھی۔

''مگر یہ کہ ہمیں اور کچھ نہیں تو نکاح کے چھوارے ہی کھلا دیں۔''

وہ بڑی خوبصورتی سے بات ٹال گیا۔ تجل کے دل میں کھلی کونپلیں مرجھا گئیں۔

''ضرور!'' اسے بھی خود پر اختیار تھا۔ ضبط کا دامن تو اس نے بھی کبھی تنہائی میں بھی نہیں چھوڑا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ چھواروں اور اپنے پپا کے ساتھ آ گئی وہ اسی بہانے تیمور کا تعارف کروانا چاہتی تھی۔

فاروق صاحب کو دیکھ کر یہ سب کھڑے ہو گئے۔

''یہ میرے پپا ہیں۔ اور پپا یہ!''

''جیتے رہو بھئی بچو۔ شاید میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے۔''

سب کے سلام کا جواب دیتے فاروق صاحب کی نظریں تیمور پر رک کر سوچنے لگیں کہ کہاں دیکھا ہے۔

''جی میں۔''

''ہاں یاد آیا۔ تم تو ہمارے آفس میں ملازم تھے ناں؟''

ان کا لہجہ تو سادہ سا تھا نہ تو اس میں تحقیر تھی اور نہ ہی اپنی بڑائی کا تاثر مگر تیمور کو بہت برا لگا تھا ان کا انداز جیسے کہہ رہے ہوں تم ملازم ہو کر یہاں آئے ہو۔ تمہاری یہ جرأت۔

شاید محبت کرنے والے چہرے پڑھنے کا ہنر بھی جان جاتے ہیں۔ تجل کو احساس ہو گیا تھا کہ تیمور کو پپا کی بات بری لگی ہے۔

''جی پپا! یہ آپ کے آفس میں کام کرتے تھے مگر اب یہ میرے مہمان ہیں۔ میرے دوست کی حیثیت سے آئے ہیں اور!''

''اوکے...... اوکے بے بی! میں نے کب کچھ کہا ہے۔ بیٹھو بیٹا! اور بے بی تم اپنے دوستوں کا خیال رکھنا۔''

فاروق صاحب اسے مہمانوں کی خاطر مدارات کا کہہ کر چلے گئے مگر تیمور کو اب ایک پل بھی رکنا دشوار ہو رہا تھا۔ کھانا بھی اس نے بے دلی سے کھایا۔

''میرا خیال ہے۔ ہمیں اب چلنا چاہیے۔'' کھانا کھاتے ہی وہ جانے کو تیار ہو گیا۔

''اتنی جلدی مت کرو۔ لڑکیوں کے بیگوں کی چیکنگ ہو جائے گی کہ کہیں بوٹیاں تو چرا کر نہیں لے جا رہیں۔ کچھ دیر خاموشی سے بیٹھے رہو۔''

علی نے حسب عادت کہا تو وہ چپ ہو گیا۔

''آپ خفا تو نہیں!'' نجانے کیوں تجل کو لگ رہا تھا اسے پپا کی بات بری لگی ہے۔

''کیوں یہ آپ نے کیسے جانا؟'' وہ مڑ کر اس کی...... آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''بس میں نے محسوس کیا ہے آپ کو پپا کی بات بری لگی ہے۔ دراصل پپا!''

''اچھا آپ محسوس کرنے کی حس بھی رکھتی ہیں۔ اگر واقعی تو۔ محسوس کرنے کے لیے تو اور بھی کچھ ہے۔''

وہ اس کی بات کاٹ کر بڑی گہری بات کہہ گیا جو سیدھی تجل کے دل میں اتر گئی۔

☆......☆......☆

''فائزہ! یہ شعیب نظر نہیں آ رہا کہاں ہے؟''

عمیر بھی ابھی آیا تھا اور جب سے دوستی ہوئی تھی۔ دونوں بہت گھل مل گئے تھے۔

''ان کے سر میں شدید درد تھا۔ ٹیبلٹ دے کر آئی تھی۔ کمرے میں ہوں گے اپنے۔''

''اچھا میں وہیں چلا جاتا ہوں۔''

عمیر ہلکی سی دستک دے کر اندر آ گیا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھے نجانے کیا سوچ رہا تھا۔

''شعیب! کیسی طبیعت ہے؟''

''آؤ عمیر آؤ۔ ٹھیک ہوں بس ذرا سر میں درد تھا۔ بیٹھو۔'' شعیب نے اس کے لیے جگہ بنائی۔

''یار شعیب! میں نے محسوس کیا ہے۔ تم اب بھی الگ تھلگ رہتے ہو۔ یار! اب ایسی بھی بات ہے مجھے تو احساس ہی اب ہوا ہے کہ اپنے پیاروں سے جدا رہ کر کتنی ویران زندگی گزاری ہے۔ اور تم نے قریب تر رہ کر بھی۔ خیر اب تو۔''

''نہیں عمیر! اب تو ایسی بات نہیں لیکن میں...... تم سے ایک مشورہ کرنا چاہتا ہوں کیونکہ اس کے بغیر میں بالکل بھی سکون محسوس نہیں کر سکوں گا۔''

''ایسی کیا بات ہے؟'' عمیر نے الجھے الجھے سے شعیب کو دیکھا۔

''عمیر میں! میں نے فریا کے ساتھ سب سے زیادہ زیادتی کی ہے' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ میرے دل پر بہت بوجھ ہے۔''

''اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ فریا بے حد اچھی لڑکی ہے۔ تم اس سے ملو۔ محبت کرنے والوں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے وہ مان جائے گی۔'' یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی۔ وہ خاموش نظروں سے عمیر کو دیکھتا رہا۔

''ایسا کرو' پہلے اسے فون کرو' بعد میں اس سے ملنے جانا۔ اب میں چلتا ہوں۔ دیکھو کیا تاریخ مقرر ہوئی ہے۔''

بڑے مخلصانہ انداز میں شعیب کو مشورہ دیتا ہوا عمیر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد کتنی دیر تک شعیب ٹہلتا رہا۔ معافی تلافی کے لیے الفاظ جمع کرتا رہا۔ اسے منانے کی ترکیبیں سوچتا رہا پھر ڈرتے ڈرتے فریا کے گھر کا نمبر ڈائل کر دیا۔ بیل جا رہی تھی مگر کوئی اٹھا نہیں رہا تھا۔ اور پھر جب وہ رکھنے لگا تو کسی نے ریسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو۔ ہیلو کون صاحب؟'' دوسری طرف گھر کا ملازم تھا۔ شعیب نے اس کی آواز پہچان لی تھی۔

''ہیلو اشرف! میں ہوں شعیب!'' اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ شرم بھی آ رہی تھی اتنے عرصے بعد فون کر رہا تھا۔ جبکہ پہلے تو خوب آنا جانا تھا۔ سب جانتے تھے کہ فریا کی زندگی میں اس کی کیا اہمیت ہے۔ اسی لیے سب اس کو اہمیت دیتے تھے۔

''ارے شعیب میاں! کیسے ہو بیٹا! اتنا عرصہ کہاں رہے؟''

اشرف بابا خوش ہو کر بولے۔ اب وہ کیا جواب دیتا۔

''بس اشرف بابا وہ۔ اچھا یہ بتائیں کہ فریا سے بات کروا سکتے ہیں۔ آپ تو جانتے ہی ہوں گے وہ مجھ سے بے حد خفا ہیں۔ آپ بات کروا دیں۔''

وہ شرمندہ لہجے میں بول رہا تھا۔ اشرف بابا گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

''فریا بٹی سے کیسے بات کرو گے میاں اب۔ وہ تو ایک گھنٹہ قبل ہی امریکہ جانے کے لیے ایئرپورٹ گئی ہیں۔ ایک بجے ان کی فلائٹ ہے۔''

بابا اسے تفصیل بتا رہے تھے اور شعیب کو محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ تہی دامن ہو گیا ہو۔ اس نے ٹوٹے دل سے ریسیور رکھ دیا۔ نظریں دیوار پر لگے وال کلاک کی طرف اٹھیں۔

''ابھی تو وقت ہے۔ ایئرپورٹ جایا جا سکتا ہے۔''

وہ برق رفتاری سے اٹھا۔ کارنر سے گاڑی کی چابی اٹھائی۔ باہر نکلا تو بڑے کمرے میں سب جمع تھے۔ اور غالباً تاریخ مقرر ہو چکی تھی اسی لیے مبارک سلامت کا شور ہو رہا تھا۔ وہ دبے پاؤں باہر آ گیا۔ گاڑی پورچ سے نکالی اور فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔ اسے اس وقت صرف ایئرپورٹ پہنچنے کی جلدی تھی۔ وہ فریا کو ہر صورت منانا چاہتا تھا۔

''فریا! میں تمہیں مناؤں گا ہر صورت' تم نے آج تک میری کوئی بات ٹالی نہیں ہے۔ اب بھی مان جاؤ گی۔ مجھے معلوم ہے۔ تم مجھے چاہتی ہو۔ میں نے ہی حماقت کی تھی۔''

وقت تو اسے یوں لگ رہا تھا جیسے معمول سے زیادہ تیزی سے بھاگ رہا ہو۔ اسی وقت بریک چرچرائے۔ اس نے گاڑی روک کر دیکھا تو ٹائر پنکچر ہو چکا تھا۔ اس نے سر تھام لیا۔

''مصیبت!'' اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔ اور برق رفتاری سے ٹائر تبدیل کیا۔ جتنی تیزی سے وقت گزر رہا تھا۔ اتنی ہی تیزی سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ بھاگم بھاگ وہ ایئرپورٹ پہنچا مگر اس کی ساری بھاگ دوڑ فضول گئی۔ اس کی نگاہوں میں جو منظر تھا۔ اس میں فریا اپنے والدین کو خدا حافظ کہہ کر اندر جا چکی تھی۔ اس نے ...... آگے بڑھ کر ہاتھ ہلانا چاہا۔ مگر وہ رخ موڑ چکی تھی۔ وہ بے بسی سے پیر پٹخ کر رہ گیا۔ دل میں اسے منا لینے کی حسرت لیے' اس سے معافی مانگ لینے کی تمنا لیے وہ اس کی پشت کو حد نظر تک دیکھتا رہا اور جب آنکھوں میں اترنے والی دھند میں منظر دھندلانے لگا تو وہ بوجھل دل لیے بھاری قدموں سے لوٹ آیا۔

☆......☆ ......☆

''واہ بھئی واہ کیا قسمت پائی ہے ہماری پھپھو کی بیٹیوں نے۔ کتنے مزے سے شادی ہو رہی ہے بلال اور زیب کی ہونہہ!'' حسب معمول صائمہ جل کر ان کی شادی کا تذکرہ کر رہی تھی۔

''ارے بھیا! اب تو نسیمہ اور اس کی بیٹیوں کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں ...... میں نے نوٹ کیا ہے رابعہ بیگم جمال کے لیے صدف کا رشتہ لیں گی ایک ہماری قسمت ہے کہ مجال ہے کوئی ڈھنگ کا لڑکا ہمیں بھی مل جائے۔ اپنی تو قسمت ہی خراب ہے۔''

عابدہ بیگم نے تھک ہار کر قسمت کو الزام دیا تو اسد جو بیٹھا ان کی باتیں سن سن کر کڑھ رہا تھا۔

''آپ کی قسمت خراب نہیں امی! نیت خراب ہے۔ ورنہ خاندان میں بہت اچھے لڑکے تھے۔'' وہ بھی جب بات کرنے پر آتا تو ایسی کھری سناتا کہ کچھ دیر کے لیے ماں بیٹی سناٹے میں آ جاتیں۔

''اونہہ! خاندان کے لڑکے' مائی فٹ! ہمارا گھٹیا خاندان تو ملنے کے قابل ہی نہیں' ایک سے ایک لڑکا پڑا ہے دنیا میں۔''

صائمہ نے انتہائی نفرت سے پیر زمین پر مارتے ہوئے نفرت کا اظہار کیا۔

''ہاں جیسے وہ تمہیں ہی تو پوچھیں گے۔'' وہ بھی چڑ جاتا۔

''دیکھ لینا' کسی بڑے گھرانے میں نہ صرف اپنے لیے جگہ بناؤں گی بلکہ تمہارے لیے بھی۔''

صائمہ کو بڑا گھمنڈ تھا اپنی اونچی اونچی دوستیوں پر۔

''میں نے کئی بار کہا ہے کہ میرا نام نہ لیا کرو ایسی فضول باتوں میں۔''

وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

''ہاں تمہیں تو ہمیشہ خاندان سے عشق رہا ہے۔ ہمیں کیا۔ امی! میں نائلہ کی برتھ ڈے پر جا رہی ہوں ذرا دیر ہو جائے گی۔''

وہ بن سنور کر اپنے جانے کی اطلاع دے رہی تھی۔ درحقیقت ساجد کی برتھ ڈے تھی اور اس نے صائمہ کو ساحل پر بلایا تھا۔ وہ باہر نکلی تو کچھ ہی ...... فاصلے پر اپنی ریڈ کرولا لیے ساجد اس کا منتظر تھا۔

''یار! اتنی دیر۔ کچھ احساس ہے کب سے سوکھ رہا ہوں حضور کے انتظار میں۔''

ساجد نے بڑے جان نثارانہ انداز میں کہتے ہوئے اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔

"سوری۔ گھر سے نکلتے دیر تو ہو ہی جاتی ہے۔ یہ تمہارا برتھ ڈے گفٹ!"

صائمہ نے ایک گفٹ پیک اس کی طرف بڑھایا تو ساجد کا قہقہہ گاڑی کی فضا میں گونج گیا۔

"کیوں ہنسے کیوں؟" صائمہ کو عجیب سا لگا۔

"ارے یار! برتھ ڈے کس کافر کی ہے' یہ تکلف کیوں کیا ہے؟"

"پھر تم نے جھوٹ بولا تھا؟"

"ہاں تمہارے ساتھ کے لیے' تمہارے قرب کے لیے۔ آج میں تم سے وہ سب کچھ کہوں گا جو کہہ نہ سکا صائمہ! صائمہ! تم کیا چیز ہو' تمہیں اندازہ ہی نہیں۔"

ساجد چھچھورا سا نو دولتیے گھرانے کا لڑکا تھا۔ نائلہ کے ہاں ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے صائمہ کو حسب عادت لفٹ کرائی تو ظاہری نمود و نمائش کی طلب گار صائمہ جھکتی چلی گئی۔ آج وہ برتھ ڈے کا بہانہ کر کے اسے یہاں لے آیا تھا۔

"ویسے تم نے یہ غلط کیا!" صائمہ خفا سی ہوگئی۔

"ابھی پتا چل جائے گا کہ غلط کیا ہے یا درست۔ میں اپنی جان کو ڈھیر ساری شاپنگ کر کے منالوں گا۔" وہ بڑا جذباتی ہو رہا تھا۔ اور پھر دونوں نے شام ساحل پر گزاری اور پھر شاپنگ کرائی رات گہری ہو رہی تھی۔

"اب چلیں!"

"کہاں؟" ساجد نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ارے بھئی گھر!" وہ اندر سے گھبرا رہی تھی۔

"گھروں میں سہیلیوں کے ہاں آنے کا بہانہ کر کے آنے والی لڑکیاں اتنی جلدی تھوڑی جایا کرتی ہیں' چلی جانا۔"

☆......☆......☆

وہ گاڑی انجانے راستوں کی طرف لے جا رہا تھا۔ صائمہ کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"ساجد۔ ساجد! کہاں جا رہے ہو؟" اس نے خوفزدہ نظروں سے ساجد کو دیکھا۔

"دیکھو صائمہ! جب کوئی لڑکی خود کو مرد کے سپرد کر دیتی ہے تو پھر اسے یہ نہیں پوچھنا چاہئے کہ کہاں لے جا رہے ہو۔ یار! اعتماد بھی کسی چڑیا کا نام ہوتا ہے اور پھر تم نے تو بتایا تھا تمہیں تمہاری امی کی طرف سے کھلی چھٹی ہے۔ پھر یہ گھبراہٹ کیسی؟"

ساجد نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا اس کی پیشانی پر پسینہ آ رہا تھا۔

"مگر آزادی کی بھی تو ایک حد ہوتی ہے۔ ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں۔ ان سب کا برا حال ہو رہا ہوگا۔ امی کیا جواب دیں گی ابو اور اسد کو۔"

پچھتاووں کے ناگ صائمہ کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

"بھئی، اس میں جواب دہی کی کیا بات ہے۔ جو مائیں اپنی بیٹیوں کی سرگرمیوں سے اس حد تک ناواقف ہوتی ہیں اور ان کو آزادی دے دیتی ہیں کہ جاؤ بیٹی جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ تو میرے خیال میں ان کو ہر قسم کے انجام کے لئے تیار رہنا چاہئے اور یہ تم اتنی خوفزدہ کیوں ہو رہی ہو۔ بھئی، میں تم کو کھا تھوڑی جاؤں گا۔ دیکھو میں نے تم سے شادی کا وعدہ کیا ہے۔ سیدھی ہو کر بیٹھو۔ دروازہ کھل گیا تو گر جاؤ گی۔"

ساجد نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ مزید پیچھے ہٹ گئی۔ وہ جان چکی تھی کہ وہ زندگی کی سب سے بڑی غلطی کر چکی ہے۔ دل انجانے اندیشوں سے لرز رہا تھا۔ آنکھیں خوف سے پھیل رہی تھیں۔ ابو، اسد سب کا خیال آ رہا تھا...... بارہ بج رہے تھے۔ اسد تو اسے کسی صورت معاف نہیں کرے گا اور اگر کچھ ہو گیا تو...... تو......

"گاڑی روک دو ساجد! میرا خیال ہے میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی کی ہے۔"

وہ خوف سے لرزتی آواز میں بولی تو ساجد اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"گاڑی تو میں روکوں گا مگر اپنی منزل پر۔ رہی بات پہچان میں غلطی کی تو...... میرا ذاتی خیال ہے کہ عورت میں ایسی حس قدرتی طور پر موجود ہوتی ہے کہ وہ پہچان سکے کہ مرد کی نگاہوں میں اس کے لئے کیا ہے اور عورت یہ پہچان نہ سکے تو۔"

"بکواس بند کرو ساجد' گاڑی روکو۔ تم جیسے مکار، دغاباز مرد کو پہچاننا ایک لڑکی کے بس میں

کہاں ہوتا ہے۔" وہ رونے لگی۔

"اونہوں یہ نہ کہو صائمہ مشتاق! صرف ایسی لڑکیاں مرد کو نہیں پہچان سکتیں جن کی آنکھوں پر دولت کے لالچ کی اور اونچی اڑان کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ تم اپنی کلاس بدلنا چاہتی ہوناں۔ بہت امیر بننا چاہتی ہو۔ ہر سال گاڑی کا ماڈل بدلنا چاہتی ہو۔ اپنی سالگرہ یا شادی کی سالگرہ ملک سے باہر منانا چاہتی ہو۔ زیورات میں لدی رہنا چاہتی ہو تو میں تمہاری یہ خواہش پوری کر سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ! مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ گاڑی روکو ورنہ میں شور مچادوں گی۔"

صائمہ کو اب یقین ہو گیا تھا کہ وہ ذلت کی دلدل میں گر جانے والی غلطی کر چکی ہے۔ اس نے چیخ کر کہا تو وہ بڑے خبیث انداز میں ہنسا۔ اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"دیکھو صائمہ! تم نہ تو کم عمر ہو اور نہ ہی اتنی معصوم کہ سمجھ نہ سکو۔ ایسی صورت حال میں جس میں تم ہو، بدنامی لڑکی ہی کی ہوتی ہے۔ ہر کوئی تمہیں ہی کہے گا کہ تم اس کے ساتھ آئیں ہی کیوں۔ نہ۔ نہ۔ صائمہ! ایسا نہ کرنا تمہارے اپنے دامن پر چھینٹے پڑیں گے۔ یہ مرد کا معاشرہ ہے جہاں عورت جتنی بھی مظلوم ہو، قصوروار ہی گردانی جاتی ہے۔ لہٰذا خاموشی زیادہ بہتر ہے شور سے۔"

وہ خبیث تھا مگر بات درست کر رہا تھا۔ صائمہ نے غصے اور بے بسی سے اپنے بال نوچ لیے۔

"میرے خالق! میرے مالک! اللہ پاک جی۔ تیری گناہ گار بندی ہوں۔ اعتراف ہے مجھے اپنے گناہوں کا۔ مگر میرے رب! تیرا کرم...... تو میرے گناہوں سے بے شمار گنا زیادہ ہے۔ مجھے معاف کر دے میرے مالک...... مجھے محفوظ رکھ اس شیطان سے۔ میری عزت تیرے حوالے ہے۔ پروردگار مجھے بچالے۔"

وہ دل ہی دل میں اپنے رب کے حضور...... گڑگڑانے لگی۔ اس وقت اسے اپنی زندگی میں کیے گئے تمام گناہ یاد آ رہے تھے۔ ہر زیادتی یاد آ رہی تھی۔ وہ پانی ہوئی جا رہی تھی اپنے خالق حقیقی کے حضور۔

"دیکھو ساجد! مجھے یہیں اتار دو۔ میں جیسے تیسے چلی جاؤں گی۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں پلیز۔" وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑے منت کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکیاں بعد میں اس طرح پچھتانے سے پہلے سوچ سمجھ کر قدم کیوں نہیں اٹھاتیں۔ مگر میں ذرا خود غرض قسم کا مرد ہوں۔ موقع پرست ہوں۔ موقع گنواتا نہیں ہوں اور پھر میری منزل تو اب قریب ہی ہے۔"

وہ اس کی کسی بھی بات، کسی بھی منت سے متاثر ہوئے بغیر گاڑی چلاتا رہا۔ نجانے کون سی جگہ تھی۔ ایک بجنے والا تھا۔ صائمہ کا دل خوف سے دھڑکنا بھول رہا تھا۔ اسد اور ابو کا خوف، بدنامی کا خوف، خاندان کا خوف، اس کی نبضیں ٹوٹنے لگیں۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ تب اس نے فیصلہ کر لیا۔

"ٹھیک ہے ساجد! تم جیسے شیطان پر اعتبار کر کے زندگی کی سب سے بڑی غلطی ضرور کر چکی ہوں۔ بدنامی اگر میرے نام لکھی ہی گئی ہے تو میں تمہیں تمہارے عزائم میں کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ مت روکو گاڑی، میں اتر رہی ہوں۔ مجھے ایسی زندگی نہیں چاہئے۔"

صائمہ نے گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی تو ساجد نے جھٹ اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"کیا کر رہی ہو صائمہ! مر جاؤ گی دیکھو۔"

"اب مجھے یہ زندگی چاہئے بھی نہیں۔"

وہ اسے روک رہا تھا اور صائمہ دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسی ہاتھا پائی میں گاڑی غیر متوازن ہو کر سڑک سے نیچے اتر آئی۔ عین اسی وقت روڈ پر کسی گاڑی کے بریک چرچرائے۔ گاڑی تیزی سے ریورس ہوئی اور ان کے سامنے آ رکی اور منظر اسی گاڑی کی ہیڈ لائٹ میں روشن اور واضح ہو گیا۔

"صائمہ!" شعیب کے دوست کے والد کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ اس وقت ہاسپٹل ہی سے آ رہا تھا اور کافی دیر سے وہ اس گاڑی کو چیک کر رہا تھا۔ اسے شک سا گزرا تھا کہ لڑکی کچھ جانی پہچانی سی ہے اور اس کے ساتھ زبردستی کی جا رہی ہے۔ اس نے صائمہ کو ساجد کے تھپڑ لگاتے ہوئے بھی دیکھ لیا تھا اسی لئے وہ آہستگی سے آ رہا تھا۔ ممکن ہے کسی کو اس کی ضرورت پڑ جائے لیکن اسے کیا خبر تھی کہ یہ اس کے اپنے خاندان کی عزت صائمہ ہے۔ وہ اتر کر برق رفتاری سے آگے بڑھا۔ ساجد، صائمہ کو گاڑی میں بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ذلیل کمینے! چھوڑ دو مجھے۔ دھوکے باز۔ مجھے پتا ہوتا کہ تم ایسے ہو تو...... تو......"

"اب چھوڑو پرانی باتیں۔ چلو آؤ...... اور......"

ساجد آگے نجانے کیا کہتا۔ شعیب کا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور اس کا مکہ ساجد کا جبڑا ہلا گیا اور وہ دور جا گرا۔

"شش۔ شعیب تم۔" شعیب کی گاڑی کی لائٹ میں صائمہ اسے دیکھ کر...... اس سے لپٹ گئی۔

"دور ہٹو اور گاڑی میں چل کر بیٹھو۔"

شعیب نے انتہائی غصے اور حقارت سے صائمہ کو الگ کیا تو وہ بھاگتے ہوئے گاڑی میں جا بیٹھی۔ شعیب ساجد کی طرف بڑھا جو اٹھ رہا تھا۔

"کسی بھی مرد کو شیطان بننے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہئے کہ اگر وہ کسی کی بیٹی، بہن کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے تو اس کی اپنی عزت بھی خراب ہو سکتی ہے مگر تم جیسے بے غیرت مرد شاید اس بات کا شعور نہیں رکھتے۔"

شعیب کا دوسرا مکہ ساجد کے حواس چھین لے گیا۔ وہ گر پڑا۔ شعیب نے واپس آ کر اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ سنبھالا۔ پیچھے بیٹھی صائمہ رو رہی تھی اور اپنے رب کا شکرانہ ادا کر رہی تھی۔

اس کا پورا وجود ہچکیوں کی زد میں تھا۔ وہ خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ شعیب نے دروازہ کھول کر شعلے برساتی نگاہوں سے اسے دیکھا یہ کتنی مختلف صائمہ تھی۔ وہ غرور سے تنی گردن خودسری، فسادی سی صائمہ آنسوؤں کے سمندر میں کہیں گم ہو گئی تھی۔ شعیب کو اتنا غصہ آ رہا تھا کہ اس کا جی چاہا کہ اس کا گلا دبا دے۔

"شعیب! شعیب میں۔ میں آگے اس لئے نہیں بیٹھی کہ میں۔ میں تمہارے برابر بیٹھنے کے قابل نہیں۔ شعیب! خدا کی قسم۔ تم فرشتہ ہو، تم نہ آتے تو...... تو......" صائمہ نے سر دلرزتے ہاتھ شعیب کی پشت پر رکھ دیئے تو وہ بھنا کر مڑا۔

"بکواس بند کرو اور پیچھے ہٹ کر خاموشی سے بیٹھی رہو۔"

شعیب نے نفرت سے اس کے ہاتھ جھٹکے اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

"میں نفرت کے ہی لائق ہوں شعیب! مجھے جتنی سزا ملے کم ہے، وہ روئے جارہی تھی۔ شدت ضبط اور غصے سے شعیب کا برا حال تھا۔

"جی تو میرا بھی چاہ رہا ہے صائمہ کہ تمہارا گلا گھونٹ دوں مگر میں اپنے ہاتھ...... تمہارے خون سے گندے کرنا نہیں چاہتا۔ تم۔ تم جیسی لڑکیاں جو...... سطحی خواہشوں کی تکمیل میں اچھائی برائی کی پہچان بھول جاتی ہیں۔ تم جیسی لڑکیاں ننگ خاندان ہوتی ہیں جو خاندان کی عزت کو اپنی خواہشوں کی بھینٹ چڑھا دیتی ہیں۔

اور تم صائمہ مشتاق تم نے تو کوئی کسر ہی نہیں چھوڑی۔ ہمارے خاندان میں ہر اچھے انسان سے حسد کرنا۔ ان میں پھوٹ ڈلوانا۔ دوسروں کی عیب جوئی کرنا، تمہارے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ میں نے کبھی زیب کے متعلق نہیں سوچا تھا۔ تم نے زیب کا خیال میرے دل میں اس طرح ڈالا کہ میں فریا جیسی اچھی اور مخلص لڑکی کو بھول گیا۔ اس کے ساتھ بے وفائی کی۔ دوسری طرف زیب اور بلال کی پاکیزہ چاہت کے درمیان آ گیا۔ میں برا تو تھا۔ تم نے شرطیں لگا لگا کر مجھے مزید برا بنا دیا۔ پھر خاندان میں تم نے بخشا کس کو ہے۔ پھوپھو کو کچوکے لگاتی رہیں۔ شنزرا جیسی معصوم لڑکی پر الزام لگائے۔ ہر کسی کی عیب جوئی تمہارا وتیرہ ہے۔ اپنی کلاس بدلنے کے جنون میں تم بگڑے ہوئے رئیس زادوں سے دوستیاں کرتی رہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ ایسے لڑکے تم جیسیوں کے ساتھ شادی کریں گے۔ ارے تم جیسیوں کا یہ صرف مذاق اڑاتے ہیں۔ بے وقوف بناتے ہیں۔ تم جیسی لڑکیوں کا ایسا ہی انجام ہونا چاہیے تھا۔ ان سا منہ دکھاؤ گی اب گھر جا کر۔ کیا بہانا بناؤ گی۔ ہاں کہہ دینا میں تمہیں لے گیا تھا۔ تم سے کیا بعید ہے جو اپنے کردار کی حفاظت نہ کر سکے۔ اسے دوسروں کے کردار کی کیا پروا ہوتی ہے۔"

گاڑی کی خاموش فضا میں صائمہ کی ہچکیاں گونج رہی تھیں۔ شعیب کے اندر صائمہ کے لئے جتنا غصہ، جتنی نفرت تھی، وہ الفاظ میں ڈھل کر شعلوں کی طرح صائمہ کو جھلسا رہی تھی۔ مگر وہ خطا کار تھی۔ اپنی صفائی میں کہنے کے لئے اس کے پاس کچھ نہیں تھا۔

"چپ کیوں ہو گئے شعیب! جتنا چاہو برا بھلا کہو۔ لڑکی کے کردار کی تعمیر تو ماں کرتی ہے ناں شعیب! میری ماں نے جیسے میری تربیت کی میں اسی سانچے میں ڈھلتی چلی گئی۔ میں نے جو کچھ کیا۔ ان کی بیٹیوں کی کردار کشی کی۔ میری ماں نے میری حوصلہ افزائی کی اور میں۔ مجھے اعتراف ہے اپنی غلطیوں کا۔ میں حاضر ہوں چاہے تو مجھے جان سے مار ڈالو۔ لیکن اللہ کے واسطے میری پاک دامنی کی گواہی دے دینا۔ میں بہت بری ہوں شعیب۔ شعیب۔ پلیز۔"

ایک تو اتنا بڑا حادثہ، اوپر سے شعیب کی باتیں، اپنے گناہوں کا احساس اور روانی سے بہتے آنسوؤں نے اس پر بے ہوشی سی طاری کر دی۔ شعیب کو ترس آنے لگا۔

"حواس بحال کرو صائمہ...... تین بج رہے ہیں۔ اب تو تمہارا انتظار بھی ختم ہو چکا ہوگا۔"

"شعیب پلیز مجھے گھر نہ لے کر جاؤ۔ میں...... کیونکر سامنا کر پاؤں گی ابو کا۔ اسد کا۔ مجھے یہیں مار کر پھینک جاؤ اور کہہ دینا۔ میں حادثے کا شکار ہو گئی ہوں۔ یا اللہ کاش مجھے اسی وقت موت آ جائے۔"

وہ ایک بار پھر شدت سے رونے لگی۔ گھر کا منظر اس کی نگاہوں میں گھوم رہا تھا۔

☆......☆......☆

"تین...... تین بج رہے ہیں۔ کم بخت عورت! کس نائلہ کی سالگرہ پر بھیج دیا ہے اسے۔ بتا دو ورنہ آج تم نہیں یا میں نہیں۔ بتاؤ کس کے ساتھ بھیجا ہے۔"

زندگی میں پہلی بار مشتاق احمد اپنی چہیتی بیوی کے ساتھ اس انداز میں مخاطب ہوئے تھے۔ ان کی عزت ان کی غیرت داؤ پر لگی تھی۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ ان کی برداشت جواب دیتی جارہی تھی۔ خود زاہدہ بیگم کی حالت یہ تھی کہ لبوں پر جان اٹکی ہوئی تھی۔ خشک ہونٹوں سے دعائیں پڑھ رہی تھیں۔

"او امی! اگر اسے بھیج ہی دیا تھا تو میرے لئے قبر بھی تیار کر لی ہوتی امی...... میں تو اس رات کے بعد نکلنے والے سورج کا سامنا نہیں کر سکتا...... اسے کہاں ڈھونڈوں، کچھ تو پتا نشان ہوتا۔" اسد کے حواس جواب دے رہے تھے۔

"مت گھما اب تسبیح۔ ذلیل عورت اولاد کو برے بھلے کی تمیز بھی نہیں سکھائی۔ تجھے بتائے بغیر تو وہ کوئی کام نہیں کرتی۔ بتا کہاں گئی ہے۔"

مشتاق احمد کا ہاتھ ہوا میں لہرایا قریب تھا کہ زاہدہ بیگم کا جبڑا توڑ جاتا۔ اسد نے باپ کی کلائی راستے میں تھام لی۔

"مت کریں آپ بھی یہ ڈرامے بازی ابو۔ آپ بھی اس کھیل میں برابر کے شریک ہیں۔ بے خبر رہ کر، آج تک جو بھی امی نے کیا۔ یا کہا آپ نے آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا۔ ابو آپ کا...... سب سے زیادہ آپ کا قصور ہے۔"

اسد ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو رہا تھا۔ وہ غصے میں بھرا باہر آیا تو دیکھا...... صائمہ ندامت سے جھکی گردن اور اشکوں میں بھیگے چہرے کے ساتھ شعیب کے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔ اسد کے تن بدن سے شعلے بلند ہونے لگے۔

"لو آپ آ گئیں محترمہ صائمہ مشتاق صاحبہ! برتھ ڈے پارٹی ختم ہو گئی۔ اتنی جلدی۔ شعیب بھائی آپ کہاں سے پکڑ لائے ہیں ان کو۔ یہ تو نائلہ کی برتھ ڈے پر گئی تھیں۔" اسد نے طنزیہ انداز میں کہا۔ مشتاق صاحب دل پر ہاتھ رکھے زمین پر بیٹھے تھے۔

"ابو۔ ابو جان میں۔ میں......"

صائمہ کا برا حال تھا اس کا بس چلتا تو اس وقت زمین شق ہو جاتی اور وہ اس میں سما جاتی۔ وہ ابو کے سامنے گڑگڑانے لگی۔ زاہدہ بیگم بل کھاتی ناگن کی طرح صائمہ پر جھپٹیں۔

"خبردار جو اپنے ناپاک ہاتھ لگائے اپنے باپ کو۔ تیرے جیسی بے شرم، بے حیا لڑکی پیدا ہوتے ہی مر جاتی تو اچھا تھا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی بے غیرت لڑکی۔" انہوں نے جنونی انداز میں صائمہ کو مارنا شروع کر دیا۔

"ہوش میں آئیں چچی جان۔" شعیب نے زاہدہ بیگم کو پیچھے ہٹانا چاہا۔

"امی! مار ڈالیں مجھے۔ مگر ایک خنجر اپنی تربیت، اپنے ضمیر کے سینے میں اتاریے۔ امی! بیٹی کے

کردار کی تشکیل کی ذمے داری ماں کی ہوتی ہے اور میری ماں نے میرے کردار کی ایسی تشکیل کی ہے کہ میں اپنی نظروں میں گر گئی ہوں۔ امی! آپ میری ہم راز رہی ہیں۔ میری آنکھوں میں خواب آپ نے سجائے۔ مجھے اونچا اڑنے پر آپ نے اکسایا۔ آپ ہی چاہتی تھیں کہ میری شادی کسی بہت امیر گھرانے میں ہو۔ آپ نے ہی مجھے رئیس زادوں سے ملنے اور دوستیاں کرنے کی اجازت دی۔ مجھے اجازت تھی کہ ان کے ساتھ میں جہاں چاہوں جاؤں۔ آج بھی آپ کو پتا تھا کہ میں ساجد کے ساتھ گئی ہوں۔ امی! آپ نے خاندان کے خلاف میرے دل میں زہر بھرا۔ پھوپھو اور زیب کی نفرت بھری...... آپ جیسی ماؤں کو سرزنش کا کوئی حق نہیں۔"

بولتے بولتے۔ صائمہ پر غشی طاری ہوگئی۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

"ہما! پانی لاؤ۔" شعیب نے نیچے بیٹھ کر صائمہ کا سر تھام لیا۔ صبا اور ہما جو ڈری سہمی کھڑی تھیں، جلدی سے پانی لے کر صائمہ کی طرف بڑھیں۔

"باجی۔ باجی۔ یہ پانی پئیں۔" دونوں رو رہی تھیں۔

"زاہدہ بیگم۔" ہچکیوں اور سسکیوں کی فضا میں مشتاق صاحب کی گرجدار آواز گونجی تو زاہدہ بیگم یکدم کھڑی ہوگئیں۔

"جی۔" مردہ سی آواز آنسوؤں میں بھیگی ہوئی تھی۔

"ابھی اور اسی وقت اپنی بیٹی کو لے کر میرے گھر سے نکل جاؤ ورنہ۔"

غم و غصے سے ان کے دماغ کی نسیں پھٹ رہی تھیں۔

"چچا جان۔ آپ کو اندازہ ہے آپ نے کتنی بڑی بات عمر کے کس موڑ پر کردی ہے۔" شعیب اٹھ کر ان کے قریب آ گیا۔

"انسان کو ٹھوکر کھا کر ہی ہوش آتا ہے۔ اس عورت نے مجھے برباد کردیا ہے۔ خاندان سے بھی دور کردیا۔ میں اس کے کہنے میں آ کر بیوہ بہن اور یتیم بچوں کا حق مارتا رہا۔ اولاد کی ایسی تربیت کی کہ اب میں کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔" وہ تڑپ رہے تھے۔ شعیب نے ان کو صوفے پر بٹھا دیا۔

"گستاخی معاف چچا جان۔ اگر چچی جان کی تربیت غلط تھی تو آپ کی بے خبری بھی صحیح نہیں تھی۔ جن گھروں کے مرد بے خبری کی چادر اوڑھ لیتے ہیں، ان کو اس قسم کی صورت حال کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ایک غلطی تو آپ کر ہی چکے ہیں چچا جان! اب ایسی غلطی مت کریں کہ جس کا اس عمر میں ازالہ ممکن نہ ہو۔"

وہ اس کے شانے پر سر رکھ کر رو پڑے۔

"پلیز چچا جان میری بات غور سے سنیں اور اعتبار کریں۔ اب یہ بحث فضول ہوگئی ہے کہ ہمیں یہ دن کیوں دیکھنا پڑا۔ اہم بات یہ ہے کہ صائمہ بے قصور ہے۔ گھر میں جھوٹ بول کر ساجد کے ساتھ جانے تک کی تو اس کی غلطی ہے، اس سے آگے نہیں۔"

"کیسے بے قصور ہے یہ۔ گھر میں جھوٹ بول کر ایک غیر مرد کے ساتھ جانا یہ قصور نہیں گناہ نہیں؟ اس سے کہو اس گھر میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں۔"

"میں مانتا ہوں چچا جان! ساجد کے ساتھ جانا...... اس کی غلطی ہے لیکن ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر

ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے صائمہ کو بچالیا۔ میں اپنے دوست کے والد کی عیادت کر کے آ رہا تھا کہ ساجد کی گاڑی پر نظر پڑ گئی۔ صائمہ کو اس میں دیکھ کر جو حالت میری ہوئی تھی اس کا اظہار ممکن نہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے کرم کیا ہے۔ اللہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ آپ بھی دل بڑا کریں۔"

شعیب، مشتاق صاحب کو سمجھا رہا تھا۔ کچھ فاصلے پر سوجی آنکھوں سے صائمہ، شعیب کو دیکھ رہی تھی۔

"اف میرے خدا۔ میں کس قدر بری ہوں۔ میں جن کو بے عزت کرتی رہی وہ میری عزت بچا رہے ہیں۔" اس کا سر ندامت سے جھکنے لگا تو اپنے باپ کے بھیگے چہرے پر نظریں جم گئیں۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور ان کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"ابو...... ابو! مجھے معاف کردیں۔ خدا کے واسطے مجھے معاف کردیں ابو۔ ابو! میں آپ کی گناہ گار ہوں۔ مجھے معاف کردیں۔ ابو میری جان لے لیں مگر نفرت سے منہ نہ موڑیں۔ ابو پلیز مجھے معاف کردیں۔"

معاف کردینے کی درخواست کی تو ان کا لرزتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر آ رکا۔ پھر وہ اٹھ کر جانے لگے تو زاہدہ بیگم نے پاؤں پکڑ لئے۔

"آپ کی اصل گناہ گار تو میں ہوں مشتاق۔ مجھے جو سزا دیں قبول ہے۔ میں آپ کی بیوی، بہن اور بچوں کی مجرم ہوں۔ آپ کے اعتماد کی مجرم ہوں۔ میں نادم ہوں۔ میں تو اندھی بہری تھی۔ آج چوٹ لگی ہے تو...... تو سب سمجھ میں آ گیا ہے۔"

آگ ان کے دامن کو لگی تو وہ تڑپ اٹھیں۔ شوہر کے پاؤں سے لپٹی وہ معافی مانگ رہی تھیں۔ مشتاق صاحب کے دل میں ابھی اتنی وسعت نہیں آئی تھی کہ وہ اتنی جلدی ان کو معاف کردیتے۔ وہ پاؤں چھڑا کر آگے بڑھ گئے۔ اس قیامت خیز رات کی سحر ہونے تک ماحول کی کثافت ختم نہیں ہوئی تھی۔

شعیب، اسد کو لے کر نیچے آ گیا۔ گھر میں بالکل ایسی ہی کیفیت پائی جارہی تھی جیسے کوئی مر گیا ہو۔

"صبا! ہما! ناشتہ لگاؤ۔ چچی جان اور چچا جان آئیں ناشتہ کریں۔"

صائمہ سوچ رہی تھی کہ وہ تو اتنی گناہ گار ہے پھر بھی اللہ پاک نے کتنا کرم کیا۔ شعیب سب کو سنبھالنے کے لئے موجود ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو۔ اف میرے خدا...... اس نے خوف سے آنکھیں میچ لیں۔

اب سب خاموش بیٹھے تھے۔ اسی وقت فون کی بیل ہوئی۔ صائمہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ زاہدہ بیگم نے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو زاہدہ! شعیب یہاں تو نہیں آیا؟" دوسری طرف آسیہ بیگم تھیں۔

"جی۔ جی بھابی یہیں ہے۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں اس کی آواز بھرا گئی۔ شعیب نے ریسیور ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ہیلو امی! میں یہاں ہوں۔ رات سے ہی یہاں۔"

"اچھا فون تو کردیتے۔ خیریت تو تھی رات کو آئے کیوں نہیں؟" آسیہ بیگم زاہدہ بیگم کی آواز

سن کر فکر مند ہوگئیں۔

صائمہ نے خوف سے کان بند کر لیے کہ ابھی ساری داستان خاندان بھر میں پھیل جائے گی۔

"جی امی! یہ ہوا کہ کل اسد کچھ دوستوں کے ساتھ پکنک پر گیا ہوا تھا۔ رات کافی گزر گئی مگر وہ نہیں لوٹا۔ اب گھر والوں کی تو جو حالت ہوتی ہے۔ آپ کو اندازہ ہے۔ تقریباً تین ساڑھے تین بجے وہ گھر آیا تو سب کی جان میں جان آئی۔ بس میں بھی اسی لئے رک گیا۔ آپ کو فون کرنے کا ہوش ہی نہیں رہا۔"

شعیب نے بات ہی کچھ ایسی بنائی تھی۔ مشتاق صاحب، زاہدہ بیگم، اسد تو ممنون نظروں سے اسے دیکھ ہی رہے تھے۔ صائمہ کا بس چلتا تو اس کے پیر بھی چوم لیتی۔

"اچھا خیریت سے تو ہے ناں؟ اسد تو ٹھیک ہے ناں؟"

آسیہ بیگم تو بری طرح گھبرا گئیں اسد کے بارے میں سن کر۔

"جی امی! ایسی کوئی بات نہیں۔ وہ اصل میں ان لوگوں کی گاڑی شہر سے باہر خراب ہوگئی۔ بڑی مشکلوں سے گھر تک پہنچے۔ اچھا امی! میں ابھی تھوڑی دیر میں آجاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ خدا حافظ۔"

ماں کو مطمئن کر کے وہ پھر ان لوگوں کی طرف آگیا جن کے چہروں سے ندامت اور ممنونیت ٹپک رہی تھی۔ خاص کر زاہدہ بیگم تو مارے ندامت کے گڑے جارہی تھیں۔ صائمہ جو قالین پر صوفے کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی۔ شرم سے چہرا چھپالیا۔

"کل رات ہونے والا حادثہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بہت تکلیف دہ تھا۔ لیکن ضروری نہیں کہ اس کا اشتہار لگایا جائے۔ آپ کیا غلطی کرنے جارہی تھیں۔ خاندان میں بات پھیلتی تو مزید کیا سے کیا باتیں نہ ہوتیں۔"

"مگر بیٹا زخم بھی تو اپنوں کو دکھائے جاتے ہیں۔"

"جی ہاں اگر زخم دکھانے والے ہوں۔ بہرحال اس واقعے کی خبر تھا کے بعد مجھے ہے اور مجھ سے آگے کہیں نہیں جائے گی۔ لہٰذا اپنی عزت نفس کا خود خیال رکھیں..... باخبر رہیں مگر تحمل کے ساتھ۔ میں چلتا ہوں اب چچی جان۔"

شعیب نے ذرا سا گھوم کر دیکھا۔ صائمہ کی نظریں ندامت سے جھکی تھیں۔

"جیتے رہو شعیب! سدا سلامت رہو۔ خدا تمہیں اتنی خوشیاں دے کہ تم سے سنبھالی نہ جائیں۔" مشتاق صاحب نے اٹھ کر اسے ساتھ لگالیا۔ خاموشی سے چند آنسو اس کی پشت میں جذب ہوگئے۔

"چلو اسد بھئی، امی بہت پوچھ رہی تھیں۔ اکلوتے ہوناں ذرا سی بات پر پریشان ہوگئیں۔ چلو مل آؤ۔ میری باتوں سے ان کی تسلی نہیں ہوگی۔"

شعیب دیکھ رہا تھا۔ اسد ابھی تک بہت ڈسٹرب ہے، اسی لئے وہ اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔

"نہیں شعیب بھائی! میں ان کا سامنا کیونکر کر پاؤں گا۔"

"فضول باتیں مت کرو۔ کسی کو کیا خبر کیا ہوا ہے۔ ہاں اپنی پکنک کی کہانی سنا دینا اگر تم چاہو۔ اب چلو۔" اس کے اصرار پر وہ اٹھ گیا۔

☆......☆......☆

شوکت صاحب کا گھر خاندان کا مرکز کہلاتا تھا جہاں سب غمی خوشی پر جمع ہو جاتے تو میلہ سا لگ جاتا۔ سب خوش تھے۔ سب کے رویے نارمل اور حسب معمول تھے۔ مگر زاہدہ بیگم اور صائمہ کا رویہ ایک دم ہی سب کو چونکا گیا تھا۔ وہ غرور، وہ طنطنہ جانے کہاں گیا تھا۔ بات بے بات سب پر طنز کرنا۔ دوسروں کی خوشی پامال کرنا۔ آج تو یہ سب شرمندہ سی مسکراہٹ میں ڈھلا ہوا تھا۔ صائمہ کام میں پیش پیش تھی۔ نسیمہ بیگم کو خصوصاً سلام کیا۔ خاص کر شنذرا کو ساتھ لگا کر پیار کیا۔ اس وقت شنذرا پر پل سوٹ میں بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ وہ سب کے لئے چائے کے برتن رکھ رہی تھی۔ کچھ فاصلے پر کھڑی صائمہ اسے مستقل دیکھ رہی تھی اور اس بات کا شنذرا کو بھی احساس تھا، وہ ڈر رہی تھی۔ اب نجانے کیا دھماکا کردے۔

"شنذرا۔" بالآخر صائمہ نے چپ کو توڑا۔

"جی۔" اس نے مڑ کر خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ ہمیشہ کی طرح اہم موقع پر صائمہ حسب عادت کوئی بدمزگی نہ پھیلا دے۔

"کیا تم مجھ سے بہت خفا ہو۔ ہاں ہونا بھی چاہئے۔ کچھ کم زیادتی تو نہیں کی میں نے تمہارے ساتھ۔ ہے ناں۔"

وہ پورے خلوص اور..... اپنے گناہوں کے اعتراف کے ساتھ اس کی طرف بڑھی تو وہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"نن۔ نہیں تو صائمہ باجی! میں کیوں خفا ہونے لگی۔" خوف سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"تم آج بہت پیاری لگ رہی ہو۔ بلکہ ہو ہی پیاری۔"

صائمہ مشتاق کا یہ رویہ یہ نرمی یہ انداز وہ بھی شنذرا مراد کے ساتھ بھلا کہاں ہضم ہوسکتا تھا۔

"جی شش۔ شکریہ۔" وہ ہکلائی۔ وہ دعا کرنے لگی خدا کرے کوئی آجائے۔

"صائمہ بیٹے! جلدی کرو۔ مردانے میں چائے چائے ہو رہا ہے۔ ارے شنذرا! بیٹی! تم یہاں ہو۔ نظر ہی نہیں آئیں۔ ماشاءاللہ کیسی پیاری لگ رہی ہے میری بچی۔"

دوسری طرف سے آنے والی زاہدہ بیگم تھیں۔ جن کے شیریں لہجہ نے رہی سہی کمی پوری کردی۔ وہ بے ہوش ہونے کو تھی۔

"جی..... جی میں یہاں تھی آداب۔" شنذرا نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"جیتی رہو۔ ماشاءاللہ خدا نصیب اچھے کرے۔ خدا غارت کرے مجھے کیسے کیسے ستم ڈھائے ہیں میں نے بچی پر۔"

انہوں نے آگے بڑھ کر شنذرا کو گلے سے لگالیا۔ تو اس نے ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ اسے لگا جیسے اب یہ لوگ زہر کو گلقند میں لپیٹ کر کھلائیں گی مگر خدا کی ہدایت نے ان کی دنیا ہی بدل دی ہے، یہ وہ کب جانتی تھی۔

"مامی! میں۔ میں چائے لے جاؤں۔"

اس نے خوفزدہ نظروں سے مامی کو دیکھا جہاں دنیا ہی بدلی ہوئی تھی۔

"جاؤ چندا! خدا قدم قدم پر خوشیاں نصیب کرے۔"

"یا اللہ میرے حال پر رحم فرما۔"

وہ بے قابو ہوتے حواس اور لرزتے ہاتھوں سے ٹرے لے کر آگے بڑھی تو دروازے میں سینے پر ہاتھ باندھے ہونٹوں پر بڑی شریر مسکراہٹ لئے اسد ایستادہ تھا۔

"راستہ دو۔" وہ اپنے اکھڑ پن پر اتر آئی۔

"نہ دوں تو۔" وہ بھی حسب عادت ستانے کے موڈ میں تھا۔

"تو میں ابلتی ہوئی چائے اوپر انڈیل دوں گی۔"

"چلو یوں ہی سہی...... آزما لیتے ہیں۔ تم خنجر آزماؤ۔ ہم اپنا جگر آزماتے ہیں۔"

"تم اچھی طرح جانتے ہو، میں جو کہتی ہوں کر گزرتی ہوں۔"

شنذرا نے دھمکی دی تو وہ مزید شوخ ہو گیا۔

"آپ آزما کر تو دیکھیں۔"

اور پھر قبل اس کے کہ وہ واقعی چائے اس کے پاؤں پر انڈیلتی۔ رابعہ بیگم آ گئیں۔ اسد فوراً راستے سے ہٹ گیا۔ شنذرا چائے لے کر نکل گئی۔ چائے دینے کے بعد وہ فائزہ اور زیب کے پاس آ گئی جو نجانے کیا کھسر پھسر کر رہی تھیں۔

"خیریت تو ہے۔ تمہارا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے۔" انہوں نے اس کے ہونق چہرے کو دیکھا۔

"وہ ناں صائمہ باجی اور زاہدہ مامی کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر مجھے تو سو فیصدی یقین ہے۔"

"آہستہ بکو۔ ہوا کیا ہے۔"

جواباً شنذرا نے ساری بات دہرا دی۔

"ہاں کچھ شک تو مجھے بھی ہے زاہدہ مامی اور صائمہ کے رویے میں نمایاں فرق تو میں نے بھی محسوس کیا ہے ان میں وہ بات ہی نہیں رہی۔ نہ کسی پر طنز کیا نہ کوئی لڑائی والی بات کی۔ اور وہ نجانے کس بات پر امی سے معافی بھی مانگ رہی تھیں۔ میں تو خود حیران ہوں اور صائمہ تو لگتا ہی نہیں کہ یہ پہلے والی صائمہ ہے۔ خدا خیر ہی کرے کوئی نیا ہنگامہ خیز ڈراما تو تیار نہیں کیا ان لوگوں نے۔"

زیب نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

"اس تبدیلی پر حیرت تو مجھے بھی ہے مگر مجھے یقین ہے کہ یہ ڈراما نہیں حقیقت ہے۔ وہ لوگ واقعی بدل گئی ہیں۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" وہ تینوں ابھی بات کر ہی رہی تھیں کہ صائمہ آ گئی۔ یہ تینوں سنبھل گئیں۔ صائمہ کو یقین تو تھا کہ اسی کے بارے میں بات ہو رہی ہوگی مگر وہ سوائے خاموشی کے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

"میں جانتی ہوں تم لوگ ہماری تبدیلی پر حیران ہو مگر زیب! اللہ تعالیٰ جب بھی ہدایت دے دے۔ میں تو سب کی مجرم ہوں۔ تمہیں اور بلال کو کتنا تنگ کیا ہے مگر خدا نے پھر بھی تم دونوں کو ملا دیا۔ یہ

ہے تم لوگوں کی اچھائی کا انعام اور میری برائی کا انجام۔" بولتے بولتے وہ ٹھہر گئی۔ وہ خوفناک منظر نگاہوں میں گھوم گیا تو اس نے چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکنے لگی۔

"صائمہ! صائمہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ ہم تمہاری بہنیں ہیں۔ ایسی کیا بات ہے کہ تم یوں دکھی ہو رہی ہو۔" زیب نے بڑھ کر اسے ساتھ لگا لیا تو وہ کھل کر رو پڑی۔

"صائمہ باجی! پانی پی لیں۔" شنذرا جلدی سے پانی لے آئی۔

"صائمہ! کیا ہوا ہے۔" فائزہ نے اس کے آنسو صاف کیے۔ ان لوگوں کی توجہ اور محبت پا کر وہ بہل گئی۔

"تم لوگ خفا تو نہیں ہو ناں مجھ سے۔" وہ رندھی ہوئی آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"کمال کرتی ہو تم بھی۔ بھئی ماضی میں جو ہوا، ہم بھی بھلا چکے ہیں۔ تم بھی بھول جاؤ۔ صرف یہ یاد رکھو کہ آج سے ہماری فائزہ پرائی ہونے جا رہی ہے۔"

زیب نے پیار سے صائمہ اور فائزہ کو ساتھ لگا لیا۔

"مبارک ہو فائزہ! خدا تم کو ایسی بے شمار خوشیاں عطا کرے جن پر میرا کوئی حق نہیں۔"

ایک بار پھر آنسوؤں کا گولہ حلق میں اٹک گیا تو وہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر بھاگی مگر راستے میں شعیب سے ٹکرا گئی۔

"اوہو! کیا...... کیا ہو گیا ہے بھئی؟ دیکھ کر چلنا سیکھ لو اب تو۔"

شعیب کا جملہ تھا کہ تیر جو صائمہ کے دکھے دل میں ترازو ہو گیا۔

"ہاں، دیکھ کر چلتی تو ٹھوکر کیوں کھاتی۔" ڈبڈبائی آنکھیں، بھیگا لہجہ۔ شعیب کو شدت سے احساس ہوا کہ اسے یہ بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔ وہ تو ابھی آبلہ پا تھی۔ روح تک گھائل تھی اس کی۔ وہ ایسی بات کی کہاں متحمل ہو سکتی تھی۔ پھر تمام وقت وہ اپنے اس جملے کی معذرت کے لئے اسے تلاش ہی کرتا رہ گیا مگر وہ جانے کہاں جا چھپی تھی۔

فائزہ کی تاریخ طے ہو چکی تھی۔ مبارک سلامت کے شور میں لڑکیوں کو ابھی سے اپنے لباسوں کی فکر ہونے لگی۔

"اس دفعہ میرا خیال ہے۔ شنذرا ہم شادی والے روز سب ایک جیسے رنگ کے لباس پہنیں تاکہ پتا چلے دلہن کی بہنیں......"

"شنذرا! تمہارا فون ہے۔" ثمرا کی بات ابھی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ جمال نے شنذرا کو فون کا کہا اور وہ یہ سوچتی ہوئی اٹھ گئی کہ یہاں فون اس کے لئے کون کر سکتا ہے۔

"ہیلو کون۔"

"کون مجھے پسند نہیں۔ آئس کریم کھاؤں گا۔" دوسری طرف ارمان تھا۔ وہ تپ گئی۔

"تم...... تم۔" غصے سے حسب عادت حالت غیر ہونے لگی۔

"آں...... آں۔ بری بات ہے بھئی۔ ایک مشرقی لڑکی کو اپنے ہونے والے "ان" کو تم نہیں کہنا چاہئے۔" وہ بھی حسب عادت جلانے والے موڈ میں تھا۔

"شٹ اپ۔" وہ چیخی۔

"لگتا ہے تمہیں اس سے زیادہ انگریزی نہیں آتی۔ کوئی بات بھی کرو۔ شٹ اپ۔ خیر سنو، اسد نے تو میری بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے۔ بتا رہا تھا کہ اس نے تیمور بھائی کے سامنے میرا ذکر کر دیا ہے اور بتا رہا تھا کہ انہوں نے مجھ سے ملنے کی خواہش کی۔ بولو کر دی ناں اسد نے میری مشکل آسان۔ اللہ اسے خوش رکھے۔ بے حد اچھا، اسمارٹ اور خوبرو بندہ ہے اور مخلص اس قدر کہ بتا نہیں سکتا۔ سچ اسد تو۔"

وہ اسے چڑانے والے انداز میں اسد کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا۔

"بند کرو یہ اسد نامہ۔" میں سب جانتی ہوں اس کمینے کی چالوں کو۔ لیکن یاد رکھو، تم اس کے ذریعے میرے گھر میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

"گھر میں نہ سہی دل میں تو ہو سکتا ہوں ناں۔" جلتی پر تیل ڈال کر شعلے دیکھنا اسے بھی بہت اچھا لگتا تھا۔

"مر جاؤ تم دونوں۔" ضبط حد سے گزر جاتا تو وہ بددعا دے کر مطمئن ہو جاتی۔ ریسیور پٹخ کر وہ کتنی ہی دیر بیٹھی فون کو گھورتی رہی۔ خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔ مگر رہ رہ کر اسد ہی پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر گھر کا بھیدی تو وہی تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں تیمور بھیا سے سب کچھ کہہ دوں گی۔ وہ میرے بھائی ہیں اعتماد ہے ان کو مجھ پر۔"

وہ یہ فیصلہ کر کے باہر آنے لگی تو سامنے سینے پر ہاتھ باندھے زیر لب خوبصورت مسکراہٹ لیے اسد اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کس کا فون تھا۔" وہ خبر لینے والے انداز میں پوچھ رہا تھا۔ وہ دانت کچکچا کر رہ گئی۔

"اسی کا جس کو تم نے گھر کی ہر بات بتائی ہوئی ہے۔ شرم نہیں آتی تمہیں غیروں کو گھر کی باتیں بتاتے ہوئے۔"

اس نے کھا جانے والے انداز میں کہا۔

"اچھا تم غیروں کو چاہو تو کوئی بات نہیں۔ میں غیروں سے بات بھی نہیں کر سکتا۔"

وہ بھی لڑاکا انداز میں کمر پر ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس جملے پر تو اسد کو جان سے مار دینا اس کا حق بنتا تھا مگر بے بسی نے مزید غصہ دلا دیا۔

"میں...... میں اسے چاہوں گی۔" غصے کی شدت سے دھواں نکلنے لگا اس کے کانوں سے۔

"اچھا تو پھر کسے چاہو گی؟" وہ قدرے جھکا اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا اور قریب تھا کہ وہ جواب کسی اور ہی انداز سے دیتی کہ زینب اور جمال آ گئے۔

"لو کیا کہا تھا میں نے۔ دونوں چونچیں لڑاتے ہوئے پائے جائیں گے۔ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو اور وہاں بلال بھائی اور زیب باجی نکاح کی ٹریٹ دے رہے ہیں۔ سب جا رہے ہیں۔ لڑائی ختم کرو ورنہ یہیں چھوڑ جائیں گے۔"

"سب جا رہے ہیں؟" شنزرا نے پوچھا۔

"ہاں سب سوائے شعیب بھائی کے۔ چلو نکلو اب جلدی کرو۔"

اور پھر چند سیکنڈ میں گھر میں سناٹا ہو گیا۔ شور مچانے والی پارٹی جا چکی تھی۔ بزرگ اب ان کے

مستقبل کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ شعیب کے سر میں درد تھا۔ وہ آ کر کمرے میں لیٹ گیا۔ اسی لئے وہ سب کے ساتھ نہیں گیا تھا۔ ابھی وہ نیم غنودگی میں تھا کہ اسے لگا جیسے کسی نے آہستگی سے دروازہ کھولا اندر آ گیا۔

"صائمہ تم...... تم سب کے ساتھ نہیں گئیں؟"

اس نے آنکھیں کھولیں تو اداس، ویران چہرے اور بھیگی پلکوں کے ساتھ صائمہ حزن وملال کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ وہ حیران نظروں سے اسے دیکھتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔ میں نہیں گئی۔ تم جو نہیں گئے۔" وہ گہرا سانس لے کر آگے بڑھ آئی۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران تھا۔

"مطلب یہ کہ مجھے تم سے بات کرنا تھی۔ معذرت کرنا تھی۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو صائمہ! معذرت تو مجھے تم سے کرنی تھی۔ اس وقت میں نے تم سے جو کہا حالانکہ یقین جانو میرا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ تمہاری دل آزادی کرتا۔ وہ تو محض ایک بے دھیانی میں نکلا ہوا جملہ تھا۔

شعیب واقعی شرمندہ تھا۔

"ارے نہیں شعیب! تم ایک جملے کی دل آزادی کی معذرت کر رہے ہو اور میں نے تو نجانے کتنی بار اپنے جملوں سے کتنے دلوں کو گھائل کیا۔ مگر کبھی معذرت نہیں کی۔ کبھی سوری نہیں کی۔ شعیب یوں تو میں ہر کسی کی گناہ گار ہوں۔ لیکن میں نے سب سے زیادہ تم سے زیادتی کی ہے۔ تمہیں راہ سے بے راہ کر دیا۔ فریا جیسی اچھی، مخلص لڑکی کو تم سے دور کر دیا۔"

فریا کے ذکر پر شعیب نے ایک کرب سے بھرا سانس لیا۔

"چھوڑو اس ذکر کو۔

گزر گیا جو زمانہ اسے بھلا ہی دو

جو نقش بن نہیں سکا اسے مٹا ہی دو

"کوئی اور بات کرو صائمہ۔"

"تمہارا کتنا بڑا ظرف ہے شعیب کہ میری وجہ سے تم...... تم سب کچھ گنوا بیٹھے۔ خاندان بھر کی نظروں میں ذلیل ہو گئے اور جب میری عزت پر بات آئی تو تم ڈھال بن گئے۔ سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر تم نے۔ نہیں شعیب! تم بے حد عظیم ہو۔ میں اس قابل بھی نہیں کہ تمہارا شکریہ ہی ادا کر سکوں۔ ندامت مجھے سکون نہیں لینے دیتی۔ جب تک تم دل سے معاف نہ کر دو۔"

وہ رو رہی تھی اور معذرت کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتا رہا۔ ایک ٹھوکر نے اسے کتنا بدل کر رکھ دیا تھا وہ گہرا سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔

"اصل بات تو یہ ہے صائمہ کہ تم نے مجھے راہ سے بے راہ کیا۔ یہ غلط ہے۔ اصل میں جب بے راہ ہونے والے میں برائی کو روکنے کی صلاحیت کم ہوتی ہے تو وہ برائی کر بیٹھتا ہے۔ اکسانے والا یا بہکانے والا قصوروار نہیں ہوتا۔ رہی اس روز والی بات تو صائمہ تم تو میرے اپنے گھر کی عزت تھیں۔ اس وقت کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تو میں اس کی مدد ضرور کرتا اور اب چھوڑو شکریہ، معذرت۔ یہ سب اب ماضی

ہو چکا ہے۔ خوش رہا کرو اور خدا کا شکر ادا کیا کرو بس۔"

وہ بڑے خلوص سے اسے سمجھا رہا تھا اور صائمہ احسان مندی کے تاثرات لئے اپنے آنچل سے چہرا صاف کررہی تھی۔ آنسوؤں سے دھلا چہرا، بھیگی آنکھیں لئے وہ بہت پرکشش سادہ اور ہمیشہ سے مختلف بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ چہرا صاف کرتے ہوئے اٹھ رہی تھی۔ شعیب کی نظریں مستقل اس کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ آہستگی سے چلتی دروازے تک گئی۔

"صائمہ!"

"ہوں۔" شعیب کی آواز پر وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"مجھ سے شادی کرو گی؟"

یہ بات تھی کہ دھماکا۔ کم از کم صائمہ کو تو کمرا لرزتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ آنکھیں حیرت و بے یقینی کے ساتھ پھیلائے اسے دیکھے گئی جو اپنی بات اپنے فیصلے کا یقین بن کر اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس نے بھی یہ پختہ ارادہ مضبوط فیصلہ چند لمحے قبل ہی کیا تھا۔

"صائمہ! ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ میں سنجیدہ ہوں۔"

شعیب نے حیرت سے پھیلی اس کی آنکھوں میں بے یقینی کو پڑھتے ہوئے اپنا سوال دہرایا۔ وہ کیا جواب دیتی کہ آج کتنی ان ہونی، ہونی ہوگئی تھی کہ کبھی یہ شخص اس کی دست طلب میں تھا۔ اس کی فرسٹ چوائس تھا۔ وہ شعیب کی چاہت میں کیا کچھ کر گزرتی۔ خط لکھتی۔ فون کرتی مگر وہ سرد مہری سے جواب دے کر ٹھنڈا کر دیتا اور اب وہی شخص اس کا طلب گار بنا کھڑا تھا۔ وہ اپنی کم مائیگی، اپنے گناہوں اور قدرت کی فیاضی کو برداشت نہ کرسکی۔ وہ وہیں دروازے کے پاس نیچے بیٹھ کر شدت سے رونے لگی۔ شعیب سمجھا، شاید اسے اس کی بات بری لگی ہے۔

"صائمہ! تمہیں میری بات بری لگی ہے کیا؟" اس نے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا۔

"نہیں شعیب! کہاں تم کہاں میں؟ تم نے میرے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے اتنا بڑا فیصلہ کیسے کرلیا۔"

"نہیں صائمہ! ایسا نہ کہو میں کون سا پارسا رہا ہوں۔ ہم دونوں کا ماضی تاریک ہی رہا لیکن جب کوئی گناہ گار توبہ کرلیتا ہے تو پاک ہو جاتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں اجنبی ہیں زندگی کی شاہراہ پر پہلی بار ملے ہیں۔ میں نے تمہیں پسند کیا ہے اور اب اپنانا چاہتا ہوں۔ تمہارا طلب گار ہوں۔"

وہ واقعی پورے خلوص سے اس کی طرف ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا اور وہ سوچ رہی تھی۔ اف میرے خدا۔ تو اس قدر مہربان۔ میں خطا ہی خطا، تو عطا ہی عطا۔ جو شخص کبھی میری دست طلب میں تھا اسے آج میرا سوالی بنایا۔ میرے مولا میں تیرا شکر کیونکر ادا کرسکتی ہوں۔ سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ اس کا رواں رواں خدا کی حمد و ثناء کرنے لگا۔

"صائمہ! میں جواب کا منتظر ہوں۔ تمہاری اس خاموشی کو انکار سمجھوں یا۔" شعیب نے اس کا سرد ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا شعیب!" یہ خواب ہے کہ حقیقت۔ دعا ہے کہ حاصل دعا۔ مجھے یقین نہیں آرہا۔" اس کی آواز رندھ گئی۔ شعیب شوخی سے مسکرا دیا۔

"اچھا تو تم کو یقین نہیں آرہا۔ آ جائے گا۔"

اور پھر اس سے ایک گھنٹے بعد شوکت صاحب اور آسیہ بیگم کی طرف سے صائمہ کو شعیب کی دلہن بنانے کے اعلان کو انتہائی حیرت و استعجاب اور بے یقینی سی خوشی کے ساتھ سنا گیا۔ خبر ایسی دھما کا خیز تھی کہ سب دم بخود رہ گئے۔

"یار شعیب! یہ سب کیا ہے۔ اتنا دھما کا خیز سرپرائز۔ یہ ہوا کیسے؟"

بلال اور تیمور گلے لگے مبارک باد دے رہے تھے۔

"بھئی دل آنے کی بات ہے جب جو لگ جائے پیارا۔" شعیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شعیب بھائی آپ۔ آپ۔" اس سے آگے اسد کچھ نہ کہہ سکا۔

"صائمہ! مجھے یقین نہیں آرہا تم میری بھابی بن رہی ہو۔" فائزہ، صائمہ سے لپٹی ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

"خدایا تیرا شکر ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ساری اولاد کے حساب برابر کردیئے۔ میرے بچو اپنی طرف سے تو میں نے پورے انصاف سے جائیداد تقسیم کی ہے لیکن پھر بھی کسی کو شکایت ہو تو بتاؤ۔"

فاروق صاحب نے اپنے اردگرد بیٹھے بچوں کو دیکھا۔

"جی نہیں۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" سب ہی کی ایک زبان تھی۔

"اور فاطمہ کے حصے کی جائیداد سے ان لڑکیوں کے لئے ٹرسٹ قائم کرنا چاہتا ہوں جن کی شادی جہیز نہ ہونے کے باعث نہیں ہو پاتی۔"

"پپا! میرا حصہ بھی اسی ٹرسٹ میں لگادیں۔ میں امریکہ سیٹل ہونا چاہتا ہوں۔"

راحیل نے بہت تھکے اور مجروح لہجے میں کہا اور اٹھ کر اندر چلا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ سب ہی وہاں سے اٹھ گئے۔ مہوش جانے لگی تو فاروق صاحب نے اسے روک لیا۔

"مہوش بیٹی! مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ تم رک جاؤ۔"

"جی پپا۔" وہ ان کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

"بیٹا یوں تو زندگی جیسی بے اعتبار چیز کا کبھی بھی اعتبار نہیں ہوتا مگر بڑھاپے میں تو ہر آہٹ موت کی محسوس ہوتی ہے۔ اب اور تو کوئی مسئلہ نہیں مگر بیٹا! میں چاہتا ہوں تم کے فرض سے فارغ ہو کر روضہ پاک اقدس کی گلیوں میں کھو جاؤں جا کر۔ وہ بیگ صاحب کا بیٹا فیضان ایم بی اے کر کے آیا ہے اور اسی مقصد کے لئے انہوں نے کل رات ڈنر پر بلایا ہے۔ تم دیکھ لینا بہت اچھے لوگ ہیں۔"

"جی بہتر پپا۔" مہوش سوچ میں ڈوبا سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں بھابی! ناممکن میں تو سونے کے اس پنجرے سے رہائی چاہتی ہوں۔ دم گھٹتا ہے میرا یہاں اور دوسرا پنجرہ میرے لئے تیار کیا جارہا ہے۔ آپ پپا سے انکار کردیں پلیز۔" نجل کو پتا چلا تو اس نے صاف انکار کردیا۔

"انکار تو میں کردوں نجل! مگر جس کی خاطر تم یہ خوشیاں ٹھکرا رہی ہو اس نے کیا دیا ہے تمہیں۔ سوائے بے اعتنائی کے، کج ادائی کے۔"

"محبوب کچھ بھی دے دے بھابی! وہی عزیز ہوتا ہے۔"

تجل نے آہستگی سے کہا اور کھڑکی کھول کر کھڑی ہو گئی۔ مہوش اس کے قریب چلی آئی۔

"دیکھو تجل! میرا خیال ہے تم یک طرفہ محبت کا شکار ہو اور وہ وقت گزرنے پر آپ ہی ختم ہو جاتی ہے اور پھر تیمور نے کون سا تمہیں اپنی محبتوں کا اعتبار دیا ہے۔ اب تک اس نے اپنی پسندیدگی کا اظہار تک تو کیا نہیں۔"

حقیقت یہ تھی کہ مہوش اب تیمور کی طرف سے خاموشی سے بددل ہو چکی تھی۔

"جذبے اظہار کے محتاج تو نہیں ہوتے کہ انسان چیخ چیخ کر اپنی محبت کا اظہار کرے تب ہی پتا چلے کہ اس کو محبت ہے۔ وہ کچھ نہ کہے اظہار نہ بھی کرے تب بھی مجھے یقین ہے کہ میرے جذبے یک طرفہ نہیں ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میرے جذبے مرنے یا مرجھانے کے بجائے مزید نکھرنے لگے ہیں۔ مہکنے لگے ہیں اور پھر ملاپ ضروری تو نہیں اور یوں بھی میں روحوں کے ملاپ کی قائل ہوں۔"

وہ تیمور کے تصور میں کھوئی بولے گئی۔

"نہیں تجل! اسے اگر تم سے محبت ہے تو اسے آگے بڑھنا چاہئے۔ کچھ کرو ورنہ تمہیں پپا کا فیصلہ قبول کرنا پڑے گا۔ کیونکہ پپا ہر حال میں اب تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تم کچھ نہیں کہتیں تو میں خود تیمور سے بات کر لیتی ہوں۔"

"کیا۔ کہا۔ آپ اس سے بات کریں گی۔ دوسرے معنوں میں میرے لئے اس سے محبت کی بھیک مانگیں گی۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس سے پہلے میں مر جانا قبول کروں گی۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"اچھا چلو چھوڑو فی الحال شاپنگ کو جانا ہے۔ نبیل تو چلے گئے ہیں۔ ہمیں خود ہی جانا پڑے گا۔"

"اوہو بھابی! میرا قطعی موڈ نہیں۔ آپ انتظار کر لیں ناں بھائی کا۔"

تجل کا اس وقت بالکل بھی موڈ نہیں تھا اور مہوش اسے اس لئے لے جانا چاہتی تھی کہ تنہائی میں وہ ضرور روتی۔

"نہیں چلو اٹھو۔"

مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔

"کیا مصیبت ہے بھابی! آپ کو شاپنگ بھی کوئی خاص نہیں کرنا تھی۔ میری شام بھی برباد کی۔" وہ سخت بور ہو رہی تھی۔

"کیا مشکل ہے بھئی۔ تم دلچسپی لو۔ پسند کرو کوئی چیز۔ کوئی جوتی کپڑے۔"

"سب کچھ تو ہے اور بہت زیادہ ہے۔ فی الحال قطعی دل نہیں چاہ رہا۔"

مہوش کپڑے دیکھ رہی تھی۔ وہ بور ہو کر ایک طرف ہونے لگی تو کسی سے ٹکرا گئی۔ ٹکرانے والے کو جو پلٹ کر دیکھا تو آنکھوں میں جگنو چمکنے لگے۔ ٹکرانے والے کے چہرے پر بھی روشنیاں رقصاں ہو گئیں۔

"اوہیلو کیسا حسین اتفاق ہے کہ آپ لوگوں سے ملاقات ہو گئی۔"

وہ دونوں تو ابھی اس اتفاقی ملاپ پر بولے بھی نہیں تھے کہ علی کی نظر بھی ان پر پڑ گئی۔

"یہ ملاپ کے حسین اتفاق شاپنگ سنٹرز یا کسی تقریب ہی میں کیوں ہوتے ہیں۔" مہوش

دونوں کے سلام کا جواب دیتی ہوئی آگے آ گئی۔

"دل سے دل کو راہ جو ہوتی ہے بھابی۔ سمجھا کریں ناں۔"

علی نے معنی خیز نظروں سے تیمور اور تجل کو دیکھا۔

"میں تو خیر خوب سمجھتی ہوں۔ اب آگے بھی بات بڑھے تو بات ہے۔" مہوش بول رہی تھی۔

تجل نے ٹہوکا مار کر چپ کرایا۔

"اور بھابی آپ کیسی ہیں۔" تیمور اب مہوش سے مخاطب تھا۔

"ٹھیک ہوں بھائی! تم لوگ تو عید کے چاند کی طرح ہی نظر آتے ہو۔ کبھی آ جایا کرو ناں تم لوگ۔" وہ بڑے خلوص سے کہہ رہی تھی۔

"ہم تو چلیں ہو سکتا ہے کسی وجہ سے نہ آ سکتے ہوں۔ آپ ہی ہمیں میزبانی کا شرف بخش دیں بھی۔"

تیمور نے کن اکھیوں سے تجل کو دیکھتے ہوئے کہا جو شاپنگ کیا ہوا سامان دیکھ رہی تھی۔

"ارے بھئی! میں تو سو بار آؤں مگر یہ تجل ہے ناں۔ یہ ہی منع کر دیتی ہے۔"

"ان کو کیا تامل ہے ہمارے گھر آنے میں۔ کیوں جی کیوں نہیں آنا چاہتیں آپ ہمارے گھر؟ بتاؤ تجل بی بی ورنہ میں اپنے آپ کو اٹھا کر چھت سے دے ماروں گا۔"

علی اپنے مخصوص لڑاکا انداز میں کمر پہ ہاتھ باندھے پوچھ رہا تھا۔ اس کے انداز پر مسکراتی ہوئی تجل ابھی کوئی جواب بھی نہیں دے پائی تھی کہ تیمور بول پڑا۔

"ان سے یہ سوال کرنے سے پہلے اپنے گھر کو تو دیکھ لو ایسے مہمانوں کے اسٹینڈرڈ کا ہے کہ نہیں۔"

یہ بات تجل کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی مگر اس کی بات سے یہ ضرور اندازہ ہو گیا کہ وہ دونوں ابھی اتنے ہی دور اور اجنبی تھے۔ تعلق پر محیط ڈھیر سارے ماہ و سال بھی کوئی تبدیلی نہیں لا سکے تھے۔

"کیا خوب دوسروں کے خیالات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں آپ۔ یہ فن میرے خیال میں آپ ہی کو آتا ہے۔"

وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ الفاظ بھیگ گئے۔ پلکیں نم ہو گئیں جن کو چھپانے کے لئے وہ باہر دیکھنے لگی۔

"ارے یہ فن مجھے بھی آتا ہے دوسروں کے خیال کی ترجمانی کا، مثلاً اب دیکھو بھابی ہمیں آئس کریم کھلانا چاہ رہی ہیں۔ کیوں بھابی! یہ ہی سوچ رہی تھیں ناں آپ۔"

"پہلے کام تو کرو پھر آئس کریم ملے گی۔ جاؤ، یہ شاپنگ کا سامان گاڑی میں رکھ آؤ۔ یہ لو چابی۔"

"چابی اب گدھا گاڑیوں کی بھی چابیاں ہونے لگیں حیرت ہے۔"

علی، مہوش کے ہاتھ سے اکارڈ کی چابی لیتے ہوئے ہنسا۔

"لیکن اب سامان گدھے پیٹھ کے بجائے ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں حیرت ہے۔" مہوش بھی اسی کے انداز میں بولی تو وہ کھسیانا ہو کر تیمور کو گھورنے لگا۔

"سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے تمہاری خاطر۔"

اس کی بات پر تیمور نے خفا خفا سی تجل کو دیکھا جو منہ پھلائے لاتعلق سی کھڑی تھی۔ آئس کریم کھاتے ہوئے بھی اس کا موڈ آف رہا۔

"ویسے بھابی! ہم جب بھی شاپنگ سنٹر میں ملے۔ آپ کوئی خاص شاپنگ کر رہی ہوتی ہیں۔ آج تو خیر ہے ناں۔"

"ہاں بھئی۔ یہ تو ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم تمہیں جلد ہی ایک تقریب میں انوائٹ کریں گے۔"

"کیوں نبیل بھائی شادی کر رہے ہیں کیا؟"

علی کے بے ساختہ جملے پر وہ تینوں مسکرا پڑے۔

"یہاں نہ ہوتے تو اتنے اتنے جوتے لگاتی ناں کہ ہوش ٹھکانے آ جاتے۔ ہمیں چھوڑو۔ اب اپنی بلکہ تم علی کیوں۔ اب تو صرف ہمیں ان لوگوں کی فکر کرنی چاہئے۔ تجل کی تو انشاءاللہ۔"

"بھابی پلیز، چلیں اٹھیں۔ بہت دیر ہو گئی ہے۔"

تجل سمجھ گئی تھی کہ اب مہوش اس کے پروپوزل کے بارے میں بات کرے گی۔ اس لئے وہ ہنگامی انداز میں کھڑی ہو گئی۔

"یہ آپ کی نند کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ مجال ہے جو کوئی کل سمجھ میں آ جائے۔"

علی نے اچانک اس کے اٹھ جانے اور تیمور کا خیال کر کے اسے گھورا جو مکمل طور پر خفا تھی۔

"او کے بے بی! تم جاؤ۔ گاڑی میں بیٹھو۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

مہوش نے جس خیال سے اسے بھیجا تھا، وہ بھی خوب جانتی تھی مگر اب بحث بھی فضول تھی۔ اس لئے وہ اٹھ گئی۔ تیمور کی نگاہیں دور تک اس کے پیچھے گئیں۔

"علی! تم مجھے گھر پر کسی وقت فون کرنا۔ نمبر تو ہے تمہارے پاس۔"

مہوش نے میز پر سے اپنا پرس اٹھاتے ہوئے ذرا رازداری سے کہا تو وہ بے مزا سا منہ بنا کر اس کو دیکھنے لگا۔

"بس اتنی سی بات کے لئے بچی کو خفا کیا ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ کوئی توپ شوپ چلانے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ کوئی ایسا بم پھوڑنا چاہتی ہیں کہ آس پاس کی عمارت لرز کر ڈھے جائے خوشی سے۔"

علی نے تیمور کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کچھ کچھ سمجھ رہا تھا۔ اک خوشگوار سا احساس رگ و پے میں اتر گیا۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے ضرور فون کرنا۔ میں انتظار کروں گی۔"

مہوش نے جاتے جاتے پھر تاکید کی۔

"جی مجھے بھی آپ سے کچھ کہنا ہے۔ نبیل بھائی سے چوری چوری۔"

اس کی بات پر مہوش مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی اور علی، تیمور کی طرف مڑ گیا۔

"ہوں کچھ غور فرمایا آپ نے معاملہ کچھ سیریس ہے۔"

"ہاں شاید۔" تیمور دروازہ کھول کر اس کے برابر بیٹھتے ہوئے بولا تو علی کو آگ لگ گئی۔

"میں کہہ رہا ہوں معاملہ گڑبڑ لگ رہا ہے۔ کچھ کرنے کے بجائے ہاں شاید۔" علی نے منہ

بگاڑ کر اس کی نقل اتاری۔

"کیا کروں۔ میں..... کیا کر سکتا ہوں۔" سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر تیمور نے گہرا سانس لیا۔

"کچھ نہیں کر سکتے تو پھر کم از کم اتنی ٹھنڈی آہیں بھر کر خوشگوار علاقے کو انٹارکٹکا نہ بناؤ۔ کیا کر سکتا ہوں۔" علی نے خفگی سے منہ موڑ لیا۔

☆......☆......☆

"بھابی! یہ زیادتی ہے اگر وہ مرد ہو کر کچھ چاہنے کے باوجود آگے نہیں بڑھ رہا تو۔ تو آپ مجھے نیچا کیوں دکھانا چاہتی ہیں۔ اس شخص نے اتنے سالوں میں ایک بار بھی کچھ نہیں کہا، میں تو۔ میں تو۔"

تجل کو اس بات میں بھی اپنی انسلٹ ہی محسوس ہوتی تھی کہ تیمور آج تک خود سے آگے نہیں بڑھا تھا، کھل کر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔

"دیکھو تجل! تمہیں بہرحال ایک فیصلہ تو کرنا ہے۔ اگر تم تیمور کی طرف بڑھنے نہیں دیتی ہو تو پھر فیضان کے پروپوزل میں کوئی برائی نہیں۔"

"خدا کے لئے بھابی! اب اس شخص کا نام نہ لینا۔ مجھے شادی ہی نہیں کرنی نہ فیضان سے اور نہ کسی اور سے۔ وہ بھی زندہ رہتے ہی ہیں جو شادی نہیں کرتے۔"

وہ سسک پڑی۔

"تجل! خدا کے لئے ایسا پاپا کے سامنے نہ کہہ دینا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اب وہ کوئی صدمے والی بات برداشت نہیں کر سکتے۔ وہ تو فاطمہ کے صدمے سے نکل نہیں پائے اور آمنہ کی کامیاب شادی پر وہ اب نئے سرے سے خود کو کوسنے لگے ہیں کہ انہوں نے ناحق اپنی بیٹیوں کو خوشیوں سے دور رکھا۔ اب تو وہ بہت جلد تمہاری شادی کر دینا چاہتے ہیں اور فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔"

بھابی اسے سوچوں کے جنگل میں بھٹکتا چھوڑ کر چلی گئی۔

"میرے خدا! میں کیا کروں۔ یہ شخص کیوں تڑپا رہا ہے مجھے میری جانب ہاتھ کیوں نہیں بڑھاتا..... میں ڈوب رہی ہوں اور وہ کنارے کھڑا تماشا دیکھ رہا ہے۔ میرے ڈوبنے کا۔ وہ بے بسی سے بستر پر گر گئی۔

☆......☆......☆

"کیا سوچا جا رہا ہے؟" تیمور اندر آیا تو علی کچھ سوچ رہا تھا۔

"بھائی کو فون کرنے کا سوچ رہا ہوں۔" وہ سیدھا ہو گیا۔

"اوہ!" تیمور نے گہرا سانس لیا اور باہر دیکھنے لگا۔

"بے کار ہے۔" وہ واپس علی کی طرف پلٹا۔

"ہاں بے کار ہے۔ تم دونوں میری سمجھ سے بالاتر ہو۔ تم دونوں کا وہی حال ہوگا کہ

کچھ وہ کھنچے کھنچے رہے کچھ ہم تنے تنے

اسی کشاکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

اپنے اپنے مورچوں میں محبت کی سرد جنگ میں تم دونوں ہار جاؤ گے۔ کھو دو گے ایک دوسرے

کو۔ بتائے دے رہا ہوں تمہیں۔"

"اس جنگ کا اس کے سوا انجام ہو بھی کیا سکتا ہے۔"

اک سایہ سا تیمور کے چہرے پر لہرا گیا۔ تجل اس کے لئے کیا تھی۔ یہ وہی جانتا تھا۔

"دیکھو تیمور! مجھ سے زیادہ تمہیں کوئی نہیں جانتا اور میں جانتا ہوں کہ تم اسے کھو کر بہت تنہا ہو جاؤ گے اور تجل بھی خوش نہیں رہ سکے گی...... اپنی انا کے بت توڑ کیوں نہیں دیتے۔ یار آگے بڑھو۔ ورنہ......"

علی یوں تو مذاق میں ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہی رہتا تھا۔ آج بڑی سنجیدگی سے سمجھا رہا تھا اور وہ اپنے مخلص دوست کو دیکھے جا رہا تھا۔

"دیکھو علی! تجل میرے لئے کیا ہے، یہ تم اچھی طرح جانتے ہو لیکن میرے اور اس کے درمیان طبقاتی فرق ہے۔ اس نے شہزادیوں جیسی زندگی بسر کی ہے۔ بھلا میں اس کو ایسی زندگی دے سکتا ہوں اور پھر اس کے والد صاحب مجھے داماد کی حیثیت سے قبول کرلیں گے جن کا پہلا داماد ایک مل اونر ہے اور جو مجھے اس روز کہہ رہے تھے، ارے تم تو ہمارے ملازم تھے۔"

"تو ملازم کہہ دینے سے کیا توہین ہو گئی۔ ملازم تو سب ہی ہوتے ہیں اور پھر جب تم نے ملازم کی حیثیت سے ان کے ہاں کام کیا تھا تو وہ یہ تو کہنے سے رہے کہ ارے یہ تو ہمارے ہاں باس رہے ہیں۔ اور یوں بھی اس میں ان کی، بے چاری بیٹی کا قصور کیا ہے۔"

"اس کا قصور فقط یہ ہے کہ وہ ایک دولت مند باپ کی بیٹی ہے۔ وہ اگر کسی غریب باپ کی بیٹی ہوتی تو...... تو میں اس کے باپ کے پاؤں پکڑ کر بھی منالیتا مگر اب میں خود پر جبر تو کرسکتا ہوں اور کچھ نہیں کرسکتا۔"

تیمور کے لئے یہ درد نیا نہیں تھا اور نہ ہی یہ فیصلہ نیا تھا وہ تو شروع سے اس بات کے لئے تیار تھا کہ اسے تجل سے دور ہی رہنا ہے۔

"یہ فلمی ڈائیلاگ چھوڑو، تم میں کمی کیا ہے اور پھر تم کون سا فقیر ہو کہ ان کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکتے۔ اور پھر زندگی پڑی ہے تمہارے سامنے۔ تم بھی کوشش کر کے ان کے مقابل آن کھڑے ہو سکتے ہو۔ اگر یہ ہی بات تمہیں روکے ہوئے ہے تو۔"

"علی! جہاں تک بات آگے بڑھنے کی، ترقی کرنے کی، ان کے مقابل آنے کی ہے تو یہ بات ناممکن نہیں لیکن اس کے لئے میری اسٹیبلشمنٹ میں جتنا وقت درکار ہے۔ اتنا شاید تجل انتظار نہ کرسکے۔"

اس نے سینے پر ہاتھ باندھ لئے اور سیدھا لیٹ کر آنکھیں بند کرلیں جہاں چھم سے تجل اتر آئی۔

"یار تیمور! کچھ تو کرو۔ اسے کوئی سرا تھماؤ تو سہی۔ اس کا ظرف ہی آزماؤ۔ اس کے جذبوں کی پرکھ ہی ہو جائے گی کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو علی۔" وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کسی کے ظرف کو آزمانا انتہائی کم ظرفی ہوتی ہے اور وہ بھی کسی اور کا نہیں تجل کا۔ ناممکن۔"

"بھاڑ میں جاؤ تم دونوں۔ پاگل کر کے رکھ دیا ہے۔"

علی خفا ہو کر باہر نکل گیا۔ تیمور گہرا سانس لے کر تجل کے خیالوں میں کھو گیا۔

تم سے تم کو مانگنے حوصلہ نہ تھا
خودداریوں نے راہ سے لوٹا دیا ہمیں

اک بھیگی سی حزیں سی شام تیمور کے اندر اتر آئی۔

☆......☆......☆

"بھابی! میری تو خود سمجھ میں نہیں آتا۔ ادھر وہ بندہ ہے کہ کہتا ہے کہ تجل نے جس انداز میں زندگی گزاری ہے وہ زندگی شاید میں نہ دے سکوں۔ تو یہ خود غرضی ہوگی اور جب تک وہ تجل کے اسٹینڈرڈ تک پہنچے تو شاید تب تک تجل انتظار نہ کرسکے۔ اب آپ بتائیں کیا کیا جائے۔" علی فون پر بات کرنے کے بجائے خود ہی پہنچ گیا تھا۔ مہوش کے پاس۔

"میں تو خود بہت پریشان ہوں علی کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے بھی ہیں اور آگے بڑھتے بھی نہیں۔ رہی بات اسٹینڈرڈ کی تو جسے محبت کی دولت میسر ہو، اسے اور کیا چاہئے۔ ادھر پپا ہیں کہ وہ فیضان کو مس کرنا نہیں چاہتے اور میں یہ چاہتی ہوں کہ تیمور کی جانب سے بات آگے بڑھے تو میں پپا سے بات کروں۔ تم آنٹی کو تو لاؤ۔"

"نہیں بھابی سوری۔ جب تک ہمیں انکل کی طرف سے مکمل یقین دہانی نہیں مل جاتی کہ وہ انکار نہیں کریں گے اور نہ ہی کوئی غلط بات کریں گے۔ تب تک ہم امی کو درمیان میں نہیں لائیں گے۔ تجل ذان کو بے حد پسند ہے۔ وہ تو سو بسم اللہ پڑھ کر آئیں گی۔ لیکن اگر یہاں کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی۔ یہ نہ تیمور برداشت کرسکے گا اور نہ میں۔ اس لئے پہلے ہمیں اخلاقی معاملات خود ہی طے کر لینے چاہئیں پھر امی تو کیا خاندان بھر کے بزرگ آجائیں گے۔"

"اچھا کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہے۔ میں تجل کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتی۔ وہ تیمور کے علاوہ کسی اور کے ساتھ خوش رہ بھی نہیں سکتی۔ پپا سے بات کروں گی۔ لیکن اس سے پہلے تیمور اور تجل کی ایک ملاقات نہ کروا دی جائے۔"

"گڈ آئیڈیا۔" مہوش کی بات پر علی خوش ہو گیا۔

☆......☆......☆

علی اور مہوش کی کوششوں کے صلے میں دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے خاموش تھے۔ ہلکے گرین سوٹ میں قدرے گہرے میک اپ میں وہ تیمور کے دل میں اترتی جا رہی تھی۔ دونوں چپ بیٹھے تھے۔ بس ماحول کی خاموشی سرگوشیاں کرتی گزر رہی تھی۔

"فیضان کیسا بندہ ہے۔" بالآخر تیمور نے فیضان کے نام سے چپ کی مہر توڑی تو تجل فیضان کے نام پر چڑ گئی۔

"فیضان کیسا بندہ ہے، مجھے اس میں کوئی انٹرسٹ نہیں اور نہ ہی میں یہاں فیضان پر بات کرنے آئی ہوں اور اگر آپ کو ایسی ہی باتیں کرنی ہیں تو میں چلتی ہوں۔"

وہ جو کچھ اور ہی سوچ کر آئی تھی۔ فیضان کا نام سن کر تپ گئی اور واقعی کھڑی ہو گئی۔

"نہیں تجل! یہاں آج میں صرف اپنے اور تمہارے بارے میں بات کرنے آیا ہوں۔ آج

احساسات کو زبان دینے کا وقت آ گیا ہے تو اظہار میں کسی قسم کی منافقت سے کام نہیں لوں گا۔ میں یہ ہاتھ ہمیشہ کے لئے تھامنا چاہتا ہوں تجل۔"

تجل کی آنکھیں بے اختیار اس کی طرف اٹھ گئیں جیسے کہہ رہی ہوں کہ پھر آگے کیوں نہیں بڑھتے۔

"تجل! آج میں پوری صداقتوں کے ساتھ اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تمہیں روح کی تمام تر گہرائیوں اور پاکیزگی کے ساتھ چاہا ہے۔ تمہیں اپنانا میری زندگی کا سب سے خوبصورت خواب ہے۔ مگر۔"

تجل نے چونک کر تیمور کو دیکھا جس کا چہرا ویران تھا۔

"مگر۔" تجل نے آہستگی سے اپنا ہاتھ الگ کرلیا۔

"مگر یہ کہ تم...... تک پہنچنے کے لئے فاصلہ بہت طویل ہے اور جب تک میں اس کو طے کروں۔ شاید تم انتظار نہ کرسکو۔ تم کرنا بھی چاہو تو تمہارے پپا۔"

یہ اتنی بڑی سچائی تھی کہ وہ خود بھی نظریں نہ چرا سکی۔

"ایک بات کہوں تیمور؟" اس نے نظریں اٹھا کر تیمور کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اس کا ہی عکس لہرا رہا تھا۔

"ہوں کہو۔" تیمور نے میز پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"جس کو چاہا جائے، اس کی خاطر تو انسان سب کچھ کرلیتا ہے ناں۔"

"میں بھی سب کچھ کرنے کا ظرف رکھتا ہوں۔" تیمور نے یقین دلایا۔

"تو پھر اگر مجھ تک پہنچنے کے لئے آپ کو کوئی کمپرومائز کرنا پڑ گیا تو کرلیں گے۔" وہ یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں اس کو دیکھ رہی تھی۔

"تعلق کے کسی موڑ پر کمپرومائز کرنا پڑا تو میں رک کر سوچوں گا کہ کہیں یہ کمپرومائز میری غیرت، میری انا، میری خودداری کی قیمت تو نہیں۔ اگر ایسا ہی ہوا تو......"

"اچھا میں چلتی ہوں۔" تجل ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆......☆......☆

وہ ایک دم ہی کھڑی ہوگئی، اور بیگ کاندھے پر لٹکا لیا۔ دائمی جدائی کے کرب کی دھند میں کھڑا تیمور اسے دیکھ رہا تھا۔ جب معاملہ عزت کا ہو تو مرد سمجھوتہ نہیں کر پاتا۔ جدائی کے اس موڑ پر کھڑے دونوں ایک جیسے احساسات و جذبات کے کرب کو محسوس کر رہے تھے۔

"تجل......!" اس کی گمبھیر آواز پر تجل نے پلٹ کر دیکھا۔ ضبط کے باوجود آنکھوں کے کنارے تر ہو چکے تھے۔ شدت ضبط سے چہرا سرخ ہو رہا تھا۔

"تجل! میں تو اس آزمائش پر پورا نہیں اتر سکا لیکن اگر میں ایسے ہی کمپرومائز کیلئے تمہیں کہوں' تم اس چمکتے ہوئے پرآسائش محل سے خالی ہاتھ باہر آ جاؤ تو میں آگے بڑھ کر تمہیں تھام لوں گا۔ میرے خواب جزیرے میں تمہیں آسائشوں کی کمی تو ہو سکتی ہے مگر عزت' محبت اور توجہ کی نہیں کیا تم ایسا...... کرسکتی ہو۔"

وہ اس کے سامنے کھڑا اس کی آنکھوں میں امڈتے سیلاب کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگا رہا تھا کہ کتنا مشکل تھا اس کیلئے کوئی بھی فیصلہ کرنا۔ اس کی بات پر تجل نے اسے دیکھا آنسوؤں کو اندر اتارا اور آگے بڑھنے لگی۔

"میرے پپا بے حد دکھی ہیں۔ میں اب ان کو مزید دکھ نہیں دے سکتی۔"

لاکھ ضبط کے باوجود وہ آواز کی لغزش چھپا نہ سکی۔ تیمور کو شروع ہی سے ایک بات کا شک تھا کہ تجل کو اپنی یہ زندگی بہت زیادہ عزیز ہے۔ اسی لیے تو وہ اس کی طرف بڑھ نہ سکا۔ اسی لیے تو اس نے اپنے جذبوں کو اپنے تک محدود رکھا ہوا تھا مگر وہ اس سلسلے میں کسی قسم کے کمپرومائز کیلئے ہرگز تیار نہیں تھا۔ وہ تو خود کو ظاہر بھی کرنا نہیں چاہتا تھا مگر علی اور مہوش نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا تھا۔

"دیکھو تجل! میں نہ تو کسی کے ظرف کو آزمانے کا قائل ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ کوئی میرے ظرف کو آزمائے اور نہ ہی لفظوں کا ہیر پھیر مجھے پسند ہے۔ میں بات صاف لفظوں میں کرنے کا عادی ہوں۔ تم بھی اپنی خواہش کو اپنے پپا سے منسوب نہ کرتیں تو اچھا تھا۔ صاف کہہ دیتیں کہ میں اس سنہری پنجرے سے باہر نہیں آنا چاہتی ہوں۔ پپا کے دکھ کی آڑ لینے کی کیا ضرورت تھی۔ خدا حافظ"۔

وہ اسے گہری دھند میں چھوڑ کر تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

☆......☆......☆

تیمور سے مل کر آنے کے بعد سے وہ مستقل بستر پر پڑی قطرہ قطرہ بہہ رہی تھی۔ شدت گریہ سے آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ مہوش اندر آئی اور لائٹ آن کر دی۔

"بھابی پلیز' لائٹ آف کر دیں۔" اس نے آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔ مہوش اس کے قریب چلی آئی اور اس کا سر گود میں رکھ کر بیٹھ گئی تو طوفان میں شدت آ گئی۔ مہوش نے رونے دیا تاکہ دل کا غبار ہلکا ہو جائے۔

"اندھیرے تنہائی کا احساس بڑھا دیتے ہیں۔ تم کیوں خود کو ختم کرنا چاہتی ہو؟" اس نے بڑے پیار سے اس کے چہرے پر چپکے بال پیچھے کیے۔

"یہ تنہائی تو اس نے میرا مقدر بنا دی ہے بھابی! جسے میں نے ...... ٹوٹ کر چاہا۔ کیسے کیسے خواب دیکھے تھے اس کی خاطر مگر وہ ...... وہ اپنی انا کا پجاری نکلا۔ کتنی عزیز ہے اسے اپنی انا' اپنی خودداری اور میرے جذبے کتنے بے وقعت ہیں اس کے نزدیک' بھابی! وہ مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے مگر میری خاطر زندگی سے چھوٹا سا کمپرومائز نہیں کر سکتا۔ وہ میری خاطر پپا کی بات نہیں مان سکتا۔ کیسی محبت ہے اس کی کیسی چاہت ہے اس کی۔"

تجل بہت دکھی ہو رہی تھی۔

"تم اسے غلط نہ سمجھو تجل! وہ بے حد خوددار لڑکا ہے اور مردوں کو اپنی غیرت زیادہ عزیز ہوتی ہے؟ مہوش نے اسے سمجھانا چاہا۔

"رہنے دیں بھابی! محبت میں لوگ سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ یہ شخص محبت میں ایک سمجھوتا نہیں کر سکا۔ جس میں اسی کا فائدہ ہے۔ میں کیسے یقین کروں کہ وہ مجھ سے سچی محبت کرتا ہے۔ سچی محبتیں کرنے والے تو جان سے گزر جایا کرتے ہیں۔ بھابی! اور یہ پپا کی ذرا سی بات نہیں مان سکتا۔" وہ اس وقت مکمل طور پر خود غرض ہو رہی تھی۔

"تجل میری جان! اس وقت تم شدید غصے میں ہو۔ اس لیے کوئی بھی درست بات تمہاری عقل میں نہیں آئے گی۔ کیا اس کے سچا ہونے کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ تمہیں صرف تمہیں چاہتا ہے۔ تمہاری دولت' جائیداد کی اسے ذرا بھی پروا ہوتی تو وہ گھٹیا مردوں کی طرح تمہارے پیچھے لگ جاتا اور تمہاری توجہ پانے کیلئے وہ او چھے ہتھکنڈے بھی استعمال کر سکتا تھا۔ وہ صرف تمہیں چاہتا ہے۔ اسے صرف تم چاہیے ہو اور مجھے یقین ہے کہ اگر پپا اپنی اس ضد کو چھوڑ دیں کہ وہ تمہارے شوہر کو گھر داماد بنائیں گے تو وہ تمہیں اپنانے کو تیار ہو گا۔" مہوش اپنے دھیمے انداز اور لہجے میں اسے سمجھا رہی تھی دل پر پڑی گرد اترنے لگی تھی مگر پھر غصہ حاوی ہو گیا۔

"بھابی! بات تو پھر وہی ہے کہ اگر وہ مجھے چاہتا تو سب کچھ گوارا کر سکتا تھا۔"

"نہیں تجل! کسی بھی غیرت مند مرد کیلئے ایسی آفر قابل قبول نہیں ہوتی۔ وہ اپنی محبت سے دستبردار تو ہو سکتا ہے مگر بیوی کا دست نگر نہیں ہو سکتا۔ بہرحال تم دل چھوٹا کیوں کرتی ہو ہر مسئلے کا حل ہوتا ہے۔ میں پپا اور تیمور سے بات کروں گی۔"

مہوش نے پیار سے اس کا ہاتھ تھاما۔ تجل نے بھیگی پلکوں سے مہوش کو دیکھا۔ آنکھیں رگڑیں اور آہستگی سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس کھڑی ہو گئی۔ پٹ کھول کر گہرا سانس لیا۔ رات کی رانی کی خوشبو جو

فضا میں رچی تھی۔ اس کے اندر اتر گئی۔ اس نے گہرا سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔

"بھابی! پلیز آپ نہ اس سے کچھ کہیں اور نہ پپا سے' مجھے تیمور سے محبت کی' اس کے ساتھ کی بھیک نہیں چاہیے اور نہ پپا سے رحم کی بھیک چاہیے میں اتنی بھی کمزور نہیں ہوں۔"

آواز کی لغزش کے ساتھ بے شمار تارے ٹوٹ کر دامن میں جذب ہو گئے۔ اس نے آنکھیں سختی سے بھینچ لیں۔

☆......☆......☆

مہوش خود بھی احساس کی اس کیفیت سے گزر چکی تھی۔ اس لیے وہ چاہتی تھی کہ تجل نارسائی کا کرب نہ اٹھائے۔ تب ہی تو وہ پپا کو ہر قسم کے دلائل دے کر منانا چاہتی تھی۔

"پپا! تیمور بے حد اچھا' سلجھا ہوا قابل لڑکا ہے۔ خوددار بھی بے حد ہے اور سب سے بڑھ کر تجل کو پسند ہے۔ اس لیے آپ۔"

وہ کافی دیر سے پپا کو منانے کی کوشش کر رہی تھی اور یہ تمام کوششیں وہ تجل سے چھپا کر کر رہی تھی۔ اس کی وکالت اور دلائل پر فاروق صاحب بھی متاثر ہو گئے۔ یوں بھی اب ان کے دل پر اپنی کسی بیٹی کو اداس دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

"مہوش بیٹا! تمہاری بات بے حد مقدم ہے میرے لیے۔ تم نے تو جنت بنا دیا ہے میرے گھر کو تیمور کو میں جانتا ہوں۔ بہت قابل اور ذہین لڑکا ہے اور اگر تجل بھی اسے پسند کرتی ہے تو میرے لیے اور خوشی کی کون سی بات ہو سکتی ہے لیکن میری بچی نازوں پلی ہے۔ میرے داماد کو میرے اسٹیٹس کا تو ہونا چاہیے۔ میں اپنی بچی کو جانتا ہوں وہ اسے وہ کچھ نہیں دے سکے گا۔ اسے تو اپنی زندگی کی ابتدا کرنی ہے۔ کوئی دولت' جائیداد تو ہے نہیں نہ وسیع بزنس ہے پھر تجل ...... نہیں بیٹی! میرا دل نہیں مانتا مجھے وہ لڑکا پسند ضرور ہے مگر اسے میرے اسٹیٹس تک آنے کیلئے میرے پاس آنا ہو گا۔ میری بات ماننا ہو گی۔ کیا قباحت ہے اس میں بھئی تجل کا جو بھی حصہ ہے وہ اس کے شوہر ہی کا تو ہو گا اور پھر آج کل تو نوجوان محنت سے جی چراتے ہیں۔ شارٹ کٹ کی عادت اختیار کرتے ہیں اور پھر پکا پکایا تر نوالہ ...... کھانے سے کون شخص انکار کر سکتا ہے ...... یہ کس قسم کا نوجوان ہے کہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کر رہا ہے۔"

"پپا! آپ شاید اسے سمجھے نہیں کہ وہ واقعی بہت مختلف نوجوان ہے۔ وہ پکی پکائی کھانے کے بجائے اپنے قوت بازو سے معاشرے میں اپنا مقام بنانا چاہتا تھا۔ وہ بیوی کی دی ...... ہوئی سنہری بیساکھی کے سہارے چلنا نہیں چاہتا۔ وہ بہت خوددار ہے اور تجل کو بے حد پسند بھی کرتا ہے۔"

"کیا مطلب ہے بیساکھی۔ ارے بھئی اسے سمجھاؤ یہ ہماری بیٹی کا حصہ ہے۔ بھیک تو نہیں دے رہے اسے کہ اس کی انا پر چوٹ پڑے گی۔ پسند کرتا ہے تو کیا اسے خبر نہیں کہ خالی محبتوں سے پیٹ نہیں بھرا کرتے اور پھر معاشرے میں مقام بنانے کیلئے اسے جتنا وقت درکار ہے تو کیا میں اتنا انتظار کر سکتا ہوں ...... میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اب اپنی بچیوں کی خوشیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ یہ بزنس' یہ جائیداد جو تجل کا حق ہے۔ وہ تو اسے ملے گا۔ اس سے کہو وہ اس بات کو سمجھے ...... میں یہ چاہتا ہوں کہ وہ معاشرے میں اسی مقام پر کھڑا ہو جہاں میں ہوں۔ میرا بڑا داماد بھی میرے برابر کھڑا ہے۔ تو میں پھر یہ کیونکر گوارا کر سکتا ہوں' میری سب سے چھوٹی ...... بیٹی اپنی آئندہ زندگی ...... میں زندگی کی ضروریات کو ترستی رہے۔

نہیں میں اس کی بات ہرگز مان نہیں سکتا۔"

پپا نے قطعی فیصلہ سنا ڈالا تو مہوش مایوس ہو گئی۔ اس نے اٹھتے ہوئے پلٹ کر ان کو دیکھا۔

"پپا! اگر وہ آ جائے تو آپ اسے آرام سے سمجھا دیجئے گا ہو سکتا ہے وہ مان جائے۔"

"ہاں بلاؤ تو اگر صاحب عقل ...... ہے تو اسے مان جانا چاہیے۔ بلاؤ میں۔میں خود بات کروں گا۔ اچھا لڑکا تو ہے وہ مگر یہ جو آج کل کے جوانوں پر خودداری کا بھوت سوار ہے ...... ناں تو گولڈن چانس مس کر جاتے ہیں۔ خیر اسے بلاؤ آئی ہوپ کہ میں اسے قائل کر لوں گا۔"

مہوش خوش ہو گئی۔ نجانے اسے کیوں یقین تھا کہ تیمور ...... اس کی بات مان جائے گا۔

"لیکن سنو مہوش بیٹا!"

"جی پپا ...... "وہ جاتے جاتے پلٹی۔

"بیٹی! یہ یاد رکھو کہ اگر وہ نہ آیا یا آ کر ہماری بات نہ مانی تو تمہیں اور نجل کو ہمارا فیصلہ قبول کرنا ہو گا رائٹ۔"

"ٹھیک ہے پپا وہ ضرور آئے گا۔"

مہوش پپا کی بات پر اندر تک لرز گئی تھی مگر یہ تمام کارروائی صرف مہوش نے اپنے تک محدود رکھی۔ پپا سے بات کر لینے کے بعد وہ اب تیمور کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔"

"تیمور! میرے بھائی! تم آ ؤ تو وہ خود بھی کمپرومائز ...... پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ ایسا کرنا ان کے سامنے ان کی ہر بات مان جانا بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا بعد میں تم اپنی مرضی کرنا۔"

مہوش ہر قیمت پر چاہتی تھی کہ دونوں کا ملاپ ہو جائے۔

"بھابی! آپ کے خلوص کا بے حد شکریہ لیکن ان سے کہہ دیں۔ میں اپنی قوت بازو پر بھروسہ رکھنے والوں میں سے ہوں۔ میرے خدا نے مجھے سب کچھ عطا کر رکھا ہے۔ میں خوشحال اور مطمئن زندگی بسر کر رہا ہوں۔ نجل کیلئے بہت جگہ ہے اس زندگی میں، اگر وہ آنا چاہے تو ...... ورنہ اس کے سنہری پنجرے کا قیدی بن کر زندگی نہیں گزار سکتا اور یوں بھی جو صورت آپ نے بتائی ہے۔ میں اس کا قائل نہیں۔ میں اپنے گھر کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھوں گا تو اس میں زندہ کیسے رہ پاؤں گا۔ سوری"

تیمور کو غصہ تو بہت آیا تھا کہ مہوش کیسی پیشکش کر رہی ہے مگر وہ لحاظ کر گیا۔ یوں بھی وہ اس بات کو گھٹیا سمجھتا تھا ...... کہ اپنے نفس کی خاطر اپنی غیرت و انا کا سودا کر دیا جائے۔

"اوہو ایک تو تم افلاطون بہت ہو۔ چلو آ ؤ تو سہی کوئی نہ کوئی صورت تو نکلے گی ہی۔ میں پپا سے بات کروں گی کہ تم پر کسی قسم کا دباؤ نہ ڈالیں اور اچھا خیر میں انتظار کر رہی ہوں۔ کل شام پانچ بجے تم یہاں پہنچ رہے ہو۔ یہ میرا حکم ہے۔"

اور پھر اس کا جواب سنے بغیر ریسیور رکھ دیا۔ پلٹی تو سامنے نجل کھڑی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتے ہوئے اس کے قریب آ گئی اور مہوش کو شانوں سے تھام لیا۔

"آپ ...... بھابی! آپ اپنی انرجی برباد کر رہی ہیں بس، حاصل جستجو کچھ نہیں ہو گا۔"

"انسان کو آخری دم تک کوشش کرنا چاہیے اور نتیجہ خدا پر چھوڑ دینا چاہیے۔ دیکھنا وہ ضرور آئے گا۔"

"ناممکن" نجل مہوش سے زیادہ تیمور کو سمجھتی تھی۔

"دیکھ لینا۔" مہوش نے ہلکی ...... سی امید کے سہارے کمزور لہجے میں کہا۔

"موہوم امید کی ناؤ کو طوفان میں اتار کر یہ توقع رکھنا کہ کنارے تک جا اترے گی۔ حماقت ہے کہ نہیں بھابی۔" نجل کی پلکیں بھیگنے لگیں۔

☆......☆......☆

مہوش بولائی سی پھر رہی تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ نجل کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ کھڑکی کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ دھوپ ڈھلنے لگی تھی۔ سائے پھیلنے لگے تھے۔ مایوسیوں کی صورت پھر سائے گہرے ہوتے گئے اس کے آنے کی امید ہی ختم ہو گئی تو اس نے پلٹ کر دیکھا کمرے میں کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ وہ شل ٹانگوں کے ساتھ بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ آنکھوں کے کناروں سے گرم پانی بہہ نکلا۔ مہوش بھی مایوس ہو کر اس سے نظریں چرا کر اپنے کمرے میں جا لیٹی تھی۔ نجل نے کمرے کی لائٹ بھی آن نہیں کی تھی۔ وہ بے سدھ پڑی تھی کہ فون کی بیل ہوئی۔ کتنی ہی دیر بیل ہوتی رہی۔ کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا مجبوراً اٹھنا پڑا۔

"ہیلو ......" بھیگی ہوئی آواز تیمور کو بتا گئی کہ کوئی کس کرب سے گزر رہا ہے۔ ہمتیں تو اس کی بھی جواب دے رہی تھیں مگر وہ جھکنے ...... کیلئے تیار نہ تھا۔

"میں ہوں نجل ...... بھابی ...... نجل بھابی سے معذرت کرنا چاہتا ہوں۔ پلیز تم معذرت کر لینا میری طرف سے۔"

"یہ کام آپ خود بھی کر سکتے ہیں۔" نجل کا بھیگا لہجہ سخت ہو گیا۔

"نہیں۔ جس خلوص و محبت سے وہ ہمارے ملاپ کیلئے کوشش کر رہی ہیں۔ میرے جواب سے ان کا دل ٹوٹ جائے گا اور میں ان کا دل توڑنا نہیں چاہتا۔"

"حیرت ہے حالانکہ آپ اس کام میں ماہر ہیں۔"

نجل کیا ...... تلخ ہنسی تیمور کے دل کو راکھ کر گئی۔ کس قدر چاہتا تھا وہ نجل کو اس کے باپ نے روایتی انداز میں اس کی محبت کو آزمایا تھا۔

"پلیز نجل! اگر تم دکھی ہو تو ...... کیا میرے زخموں سے ٹیسیں نہیں اٹھ رہیں۔ بہر حال بھابی سے کہہ دینا تمہارے پپا سے کہہ دیں۔ میں کسی صورت سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ مجھے اپنی انا، اپنی خودداری، اپنی محبت سے زیادہ عزیز ہے، رہی بات تمہاری تو ......"

گو کہ نجل نے ضبط کی انتہا کر دی تھی مگر اس کی خاموش ہچکیوں کی صدا تیمور کے زخموں پر نمک بن کر برس رہی تھی۔ وہ بھی کچھ دیر کیلئے چپ ہو گیا۔ جدائی کے اس موڑ پر وہ خود بھی بے حوصلہ ہو رہا تھا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا نجل کہ تمہیں ہم نے چاہا تھا، تمہیں ملتے تو اچھا تھا۔" لیکن اس کی قیمت بہت زیادہ تھی جو میں ادا نہیں کر سکا لیکن میرے دست طلب میں کل بھی تم ہی تھیں۔ آج بھی ہو اور کل بھی رہو گی۔ اس لیے اس سنہری پنجرے میں جب تمہارا دم گھٹنے لگے اور تم محبت بھری آزاد فضا میں سانس لینا چاہو تو بڑے یقین سے اعتماد کے ساتھ خالی ہاتھ چلی آنا۔ عمر کے کسی بھی حصے میں، کسی بھی موڑ پر میرے دل اور گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے رہیں گے اور تم مجھے اپنا منتظر پاؤ گی۔ خدا حافظ۔"

دوسری طرف سے دل کے تاروں کو چھونے والی گمبھیر آواز بند ہو چکی تھی مگر اس آواز اس لہجے کا غبار پانی بن کر تجل کی آنکھوں میں اتر آیا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر اس برسات میں بھیگتی رہی۔ ذرا دھند چھٹی تو وہ بوجھل قدموں سے مہوش کے کمرے میں آ گئی۔

"ارے تجل آؤ...... بیٹھو۔" مہوش اس سے نگاہیں نہیں ملا پا رہی تھی۔

"میں نے آپ سے کہا تھا ناں بھابی! کہ محبتیں بھیک میں دی یا لی نہیں جاتیں۔ یہ تو اعزاز ہوتی ہیں۔ انعام ہوتی ہیں اور انعام تو اہل لوگوں کو دیا جاتا ہے نااہل لوگوں کو تو نہیں دیا جاتا ناں۔ جائیے پپا سے کہہ دیں۔ مجھے فیضان کا رشتہ منظور ہے۔" وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

فاروق احمد کو اور کیا چاہیے تھا۔ تجل کی رضا پاتے ہی انہوں نے فیضان کے گھر والوں کو دعوت دے دی۔ مہمانوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ راحیل بھی تجل کی شادی کیلئے رک گیا۔ سب کچھ ہو رہا تھا۔ ہر بات پپا اور فیضان کی پسند کی ہو رہی تھی۔ پپا بے حد خوش تھے کہ ان کی لاڈلی بیٹی ایک بڑے گھرانے میں نئی زندگی کی ابتدا کرنے جا رہی تھی۔ تجل نے حالات کے سمندر میں ہاتھ پیر ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے۔ اب نہ اسے ڈوب جانے کا اندیشہ تھا اور نہ بچ جانے کی خواہش تھی۔

☆......☆......☆

تجل کو جواب دے کر تیمور کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ گویا دل خالی ہو گیا ہو۔ دھڑکن تک کی آواز ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی اس کیفیت سے صرف علی آشنا تھا جو اس وقت اس کے پاس موجود تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔" علی کتنی دیر سے خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم روتے ہوئے کیسے لگتے ہو۔"

"تمہیں روتا ہوا لگ رہا ہوں' دیکھو آنکھیں خشک ہیں۔" تیمور نے خشک اور ویران آنکھوں سے علی کو دیکھا۔

"ضروری نہیں کہ آنسو نظر آئیں۔"

"فضول باتیں نہ کرو یہ بتاؤ تم گئے نہیں شانی کو لے کر۔"

"ایسے وقت میں جب تمہیں میرے شانوں کی ضرورت ہو میں کہاں اور کیسے جا سکتا ہوں۔"

"ہاں علی! شاید تم درست کہہ رہے ہو۔ جب نارسائی محرومی کا کرب' اذیت ناک صورت اختیار کر لیتا ہے تو دوست کے شانے کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔"

درد میں ڈوبا تیمور کا گہرا سانس کمرے کی فضا کو بھی سوگوار بنا گیا۔ تیمور علی کے گلے جا لگا۔

"مردوں والا فیصلہ کیا ہے تو مرد بنو۔ میں کل اسد کے ساتھ طارق روڈ گیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اتفاقی ملاقات ہو گئی تجل سے خوب خوش تھی۔ شادی ہو رہی ہے"۔ تیمور نے علی کو دیکھا۔

"وہ خوش نہیں تھی۔ علی وہ خوش ہو ہی نہیں سکتی۔ میں اسے جانتا ہوں۔ یوں بھی مسکرا دینے کا نام خوشی تو نہیں ہوتا۔"

اس کے لہجے کا سوز کمرے کی خاموشی کو بھی دکھی کر گیا۔ محبتوں کی یقین کی منزل پر وہ کھڑا بڑے اعتماد سے کہہ رہا تھا۔ علی دکھ کے احساس کے ساتھ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس کا شانہ دبایا اور باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

"دیکھ لو صدف! یہ ندا کی بچی ابھی تک نہیں آئی اور مجھے کوفت ہو رہی ہے انتظار کی اور اگر میں تیار نہ ہوتی تو کتنی لڑتی ہے۔"

شذرا تیار ہو کر ٹہلتے ہوئے ندا کا انتظار کر رہی تھی جس کے ساتھ اس نے آج شاپنگ کیلئے جانا تھا اور وہ نہیں آئی تھی۔

"بھئی سو طرح کی مجبوریاں ہوتی ہیں ہو سکتا ہے جمال بھائی نہ لے کر آ رہے ہوں۔"

"ہاں یہ بھی ممکن ہے۔ یہ لڑکے مانتے کب ہیں اور جمال تو۔"

"خیر جمال بھائی ایسے تو نہیں۔" صدف نے کہا تو سادگی سے تھا مگر شذرا شوخ ہو گئی۔

"اوہو! بڑی طرف داریاں ہو رہی ہیں اور جمال کے ساتھ بھائی کی دم لگانا چھوڑ دو۔ اس لیے کہ ظہیر ماموں نے تمہیں جمال کیلئے مانگ لیا ہے اور......"

اور وہ سرخ پڑتی صدف کو نجانے اور کتنا چھیڑتی کہ فون کی بیل ہوئی۔

"جائیے فون آ گیا ہے ندا بی بی کا۔" صدف نے شکر ادا کیا۔

"دیکھنا اب یہ کوئی نہ کوئی بہانا گھڑ لے گی۔ بدتمیز کہیں کی۔" اس نے بولتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔

"ہیلو بدتمیز...... کچھ احساس ہے۔ میں بن ٹھن کر کس قدر بے قراری سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ اب کوئی بہانا نہیں سنوں گی۔ فوراً آ جاؤ۔" وہ ریسیور اٹھاتے ہی بولے گئی۔

"واؤ...... زہے نصیب آپ یعنی شذرا...... اور یوں بن ٹھن کر میری منتظر ہوں اور میں نہ آؤں ایسی تو کوئی بات نہیں' کون کافر بہانا بنائے گا۔ ریسیور رکھو میں ابھی آیا۔"

"اوہ ارمان...... یہ تم ہو۔"

دوسری طرف ندا کے بجائے ارمان تھا۔ شذرا کی جان ہی تو جل گئی۔

"جی اسے ہی تو کہتے ہیں کہ دل سے دل کو راہ ہوتا۔ یہ ہی تو محبت کی دلیل ہے کہ ادھر میں بے قرار تھا ملنے کو اور ادھر تم بے قراری سے منتظر تھیں۔ واہ میرے مولا کیا قسمت بنائی ہے۔"

ارمان اسے جلانے والے انداز میں شوخی سے بڑے دل آویز لہجے میں بول رہا تھا۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں میں اپنی کزن کا انتظار کر رہی تھی۔"

"کزن...... اوہ اچھا آپ اسد کا انتظار کر رہی تھیں۔ ابھی کچھ دیر قبل تو میرے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور شاید آپ ہی کا ذکر کر رہا تھا کہہ رہا تھا کہ وہ میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ ہمیں مل کر شاپنگ کرنے جانا ہے۔ گویہ ٹھاٹھ ہیں آپ کے لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اسد جسے میں اپنا دوست سمجھے بیٹھا ہوں اور وہ میرا ہی رقیب روسیاہ بن رہا ہے۔"

وہ اپنے مخصوص چڑانے والے انداز میں بولے جا رہا تھا۔ شذرا کھول اٹھی۔

"چپ رہیے۔"

"اوہ اچھا ڈکشنری سے شٹ اپ کا اردو ترجمہ ڈھونڈ لیا ہے۔ خیر اچھی بات ہے۔ شٹ اپ تمہارے منہ سے اچھا بھی نہیں لگتا تھا۔ ویسے ایک بات تو بتاؤ میں جب بھی فون کرتا ہوں۔ تم ہی ریسیو

کرتی ہو۔ یہ حسن اتفاق ہے یا تم میرے فون کے انتظار میں ہر وقت فون کے ساتھ ہی چپکی بیٹھی رہتی ہو۔" وہ بڑے اطمینان سے ہنس ہنس کر اسے جلا رہا تھا۔ اس کی اس بات پر شنذرا کا دماغ ہی تو گھوم گیا۔

"یہ حسن اتفاق نہیں ہوتا۔ میری بدقسمتی ہوتی ہے اور اس وقت میں اپنی کزن ندا کا انتظار کر رہی تھی۔

اور یہ آپ کو کس نے حق دیا ہے اس قسم کی باتیں کرنے کا۔"

اس کے اختیار میں ہوتا تو فون کے تاروں سے اسے گھسیٹ کر چبا جاتی۔

"حق کی بات نہ کرو شنذرا امراو! ابھی تو میرے حقوق بہت محدود ہیں اور ان ہی حقوق کا دائرہ کار وسیع کرنے کیلئے تو میں امی اور بہنوں کو بھیج رہا ہوں۔"

"خبردار جو تم نے ایسی حرکت کی۔" وہ چلائی۔

"ارے واہ کیوں نہ کروں۔ عمر بیتی جا رہی ہے۔ بڈھا ہو رہا ہوں۔ اب کب تک انتظار کروں گا۔ شادی تو مجھے تمہارے ساتھ ہی کرنی ہے۔ ارے لڑکی تمہیں اندازہ ہی نہیں۔ میں تمہیں کتنی شدت سے چاہتا ہوں اور مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میری محبت یکطرفہ نہیں تم بھی......"

"شٹ اپ"

"کیا ہو گیا ہے شنذرا! آہستہ چلاؤ۔ ابھی کان کا پردہ پھٹ جاتا تو مجھے اپنے رقیب اسد سے علاج کروانا پڑتا۔ ویسے ایک اطلاع ہے تمہارے لیے اسد بھی تمہیں پروپوز کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے کہہ رہا تھا۔ اب تو کوئی مسئلہ بھی نہیں رہا۔ امی اور بہنیں گفٹ سے شنذرا کیلئے تیار ہو جائیں گی لیکن میں چاہتا ہوں اس کی ماں بہنوں سے میری۔"

"مر جاؤ تم دونوں خدا کرے۔" شنذرا زچ ہو کر رو پڑی۔

"سوچ لو دونوں صورتوں میں نقصان تمہارا ہی ہو گا۔"

وہ چڑانے والی ہنسی ہنس رہا تھا۔

"تم دونوں انتہائی گھٹیا انسان ہو۔" اس کی یہ ہمیشہ کی رائے تھی ان دونوں کے بارے میں۔

"سوچ لو۔ ایسا نہ ہو رائے بدلنی پڑ جائے۔"

"میں مر کر بھی نہیں بدلوں گی اپنی رائے۔"

"خیر تمہارے تو اچھے برے سب بدلیں گے یہ رائے۔ امی کے سامنے ڈھنگ سے آنا۔ دوپٹہ پھیلا کر ذرا جھک کر سلام کرنا آخر کو وہ میری ماں ہیں۔"

وہ جلتی پر تیل ڈال رہا تھا۔

"ایک بار آنے تو دو ان کو' دیکھ لوں گی۔" اس نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"اچھا سنو۔ وہ تمہارا گفٹ امانت ہے میرے پاس اسد کے ہاتھ بھیج دوں گا۔ امید ہے بہت پسند آئے گا۔ تمہیں پرفیسی پسند ہے ناں۔"

"تم......تم"

"خدا حافظ! پھر بات ہو گی۔"

الفاظ اس کے غصے میں دب کر رہ گئے اور وہ مسکرا کر پھر بات کرنے کی نوید اسے دیتا ہوا فون

بند کر گیا۔

"مر جائے خدا کرے۔ شرم نہیں آتی ایسے لوگوں کو' مطلب کیلئے دوسروں سے ہمدردیاں کرتے ہیں۔ پھر صلہ مانگتے ہیں۔"

وہ تلملاتی ہوئی باہر نکلی تو ندا آ چکی تھی۔

"ہو گئیں آپ فون سے فارغ یہ کیا سلسلہ ہے بھئی کس سے..... راز و نیاز ہو رہے تھے۔"

ندا شوخی سے اس کی طرف بڑھی' جو اس وقت سلگ رہی تھی۔

"فضول بکواس نہیں کرو۔ یہ وہ ہی کمینہ تھا جو دوسروں کی مدد کرتا ہے اپنے مقاصد کیلئے۔"

"اوہ ارمان کا فون تھا۔ بندہ بڑا زبردست ہے غیب بتا رہا تھا۔"

ندا نے شوخی سے ارمان کی حمایت کی۔ شنذرا خونخوار بلی کی طرح اس کی طرف لپکی۔

"خبردار! جو اس کمینے کی حمایت کی ہو تو اور گواہی کس کی دے رہی ہو۔ غیب کی جس کا دماغ اور نظر اگر درست ہوتی تو تمہیں ہرگز پسند نہ کرتا۔"

"اچھا تو کیا تمہیں کرتا۔" ندا بھی چھیڑے جا رہی تھی۔

"بکو مت' جانا ہے تو چلو' ورنہ میں نہیں جاؤں گی۔"

"پہلے شکل تو درست کرو۔"

ندا نے اس کے گال چھوئے اور دونوں ہنس دیں۔

☆......☆......☆

شاپنگ کے معاملے میں ندا بہت ہی جھگڑالو واقع ہوئی تھی۔ ذرا سی چیز پر بھی اتنی بحث کرتی اور ہر دکان پر کھڑے ہو کر بلا مقصد ہی چیزوں کے بارے میں پوچھتی بھاؤ تاؤ کرتی اور پھر چھوڑ چھاڑ کر آگے بڑھ جاتی اور یہ بات شنذرا کو ناگوار گزرتی تھی۔ اس لیے وہ اس کے ساتھ شاپنگ کیلئے نہیں آتی تھی۔ اور اس وقت بھی وہی ہو رہا تھا۔ شنذرا سخت بور ہو رہی تھی۔

"چلو' بس بھی کرو' ندا! تم تو ساتھ لانے والے کو زچ کر دیتی ہو۔"

"بس شنذرا آؤ۔ ذرا برتھ ڈے کارڈ دیکھ لیتے ہیں۔ غیب کی برتھ ڈے آ رہی ہے ناں۔" ندا بڑی سی دکان میں گھس گئی۔

"کیا مصیبت ہے۔ کیا ضرورت ہے۔ یہ برتھ ڈے پر اس چغد کو کارڈ اور گفٹ دینے کی۔ فضول حرکتیں۔" شنذرا چڑ گئی۔

"تمہارے دل کی پتھریلی چٹانوں سے محبت کے چشمے نہیں پھوٹے ناں۔ ان لطافتوں کو محسوس نہیں کیا ناں جب کرو گی تب پتا چلے گا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔"

سر سے پیر تک غیب کے عشق میں ڈوبی ندا خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"اچھا مسز مجنوں! جلدی کارڈ نکالو' کافی دیر ہو رہی ہے۔"

ندا کو کوئی کارڈ پسند ہی نہیں آ رہا تھا۔ شنذرا بھی بور ہوتے ہوئے کارڈ دیکھ رہی تھی کہ کسی سے ٹکرا گئی اور ٹکرانے والے کا پاؤں اس کی ہیل کے نیچے دب گیا۔ اس نے جلدی سے پاؤں اٹھایا اور نظریں اٹھا کر زخمی ہونے والے کو دیکھا۔ چہرے پر شرمندگی طاری کر لی۔ تاکہ معذرت کر سکے مگر جب نظروں

کے سامنے اسد کو پایا تو چہرے کے تاثرات یکسر بدل گئے۔ نرمی اور ندامت کے بجائے سختی اور نفرت چہرے پر آ گئے ارمان کی باتوں کی وجہ سے وہ اس سے مزید چڑنے لگی تھی۔ وہ نیچے بیٹھ کر اپنا پیر ...... سہلا رہا تھا۔ شذرا آگے بڑھ گئی تو وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔

"نہ سوری نہ معذرت' محترمہ! میرا پاؤں بری طرح کچلا گیا۔ یہ دوسروں کو کچلنے کا ٹھیکہ آپ ہی نے کیوں لے رکھا ہے۔ ارمان سے بات کیا ہو گئی ہے۔ دوسرا کوئی نظر ہی نہیں آتا۔" وہ مستقل بڑبڑا رہا تھا۔

"ارے اسد تم!" ندا اسے دیکھ کر ایک دم ہی خوش ہو گئی۔

"ارے ندا! ہاں میں۔" اسد نے برا سا منہ بنا کر اس کی نقل اتاری تو ندا نے ایک نظر شذرا اور دوسری اسد پر ڈالی۔

"یہ تم تپے ہوئے کیوں ہو؟"

"پاؤں کچل کر رکھ دیا ہے آپ کی کزن نے اور ...... سوری کا مرہم بھی نہیں لگایا۔"

اسد نے قریب کھڑی شذرا کو گھورا' جو اس کی موجودگی کو نظر انداز کر رہی تھی۔

"ہم یہاں ہیں۔ یہ اطلاع آپ کو کس نے دی۔"

ندا نے بڑی معنی خیز نظروں سے اسد کو گھورا۔

"کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں کارڈ لینے آیا تھا دوست کیلئے تم لوگوں سے ملاقات محض اتفاقیہ ہے۔"

وہ صاف مکر گیا۔ حالانکہ اس نے گھر فون کیا تو صدف نے کہا وہ شاپنگ کیلئے جا چکی ہیں اور وہ ان کے پیچھے آیا تھا۔

"کچھ فلمی سا اتفاق نہیں ہو گیا ہے یہ۔"

ندا نے شذرا اور ...... اسد کو دیکھ کر شوخی سے کہا۔

"دعا کرو اینڈ بھی فلمی سا ہو جائے کہ میں اور ہیروئن ہاتھوں میں ہاتھ لیے یہ گانا گائیں۔
چلو کہیں دور یہ سماج چھوڑ دیں۔"

اسد نے شوخی سے شذرا کو دیکھتے ہوئے جو ہاتھ ہوا میں لہرایا تو ہاتھ ایک بڑے میاں کے جا لگا ان کی ٹوپی اور چشمہ نیچے جا گرا۔

"اوہ سوری انکل وہ۔" اسد نے شرمندہ ہو کر ان کی ٹوپی ان کو تھمائی۔

"اجی چپ رہو' استغفار لاحول ولا۔ کیا وقت آ گیا لڑکے لڑکیوں ہواؤں میں لہراتے ناچتے پھرتے ...... ہیں لگتا ہے کوئی مرض لاحق ہو گیا ہے۔ میرا چشمہ کہاں گیا۔"

بڑے میاں نے اچھی خاصی سنا ڈالیں' باقی لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔ اسد پریشانی میں چشمہ تلاش کر رہا تھا۔ جو نجانے کہاں جا چھپا تھا۔ دوکان دار بھی چشمہ تلاش کرنے لگا۔ شذرا کو سخت غصہ آ رہا تھا اس چویشن پر دل میں خوب اسد کو کوس رہی تھی۔

"اف توبہ کہاں چلا گیا بھائی صاحب! ذرا پیچھے ہٹیے گا۔"

"میں آپ کو بھائی صاحب نظر آ رہی ہوں۔"

جینز اور جیکٹ میں لمبی چوڑی خاتون اسد کی بات پر مڑیں تو وہ شرمندہ سا کھڑا ہو گیا۔

"سوری میڈم! ذرا ہٹیے گا یہاں انکل کا چشمہ گر گیا ہے۔"

"اوہ نو تو وہ کسی کا چشمہ تھا۔ میں بھی کہوں کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تو ہے سوری یہ تو ٹوٹ چکا ہے۔"

خاتون نے پاؤں ہٹایا تو چشمے کا ماتم کرتا ہوا فریم پڑا تھا۔

"میں ...... میں بے حد معذرت خواہ ہوں انکل! کہ میری وجہ سے آپ کا چشمہ ناگہانی بوجھ کا شکار ہو کر ختم ہو گیا۔ میں شرمندہ ہوں۔" وہ نادم ہو گیا۔

"ارے چپ رہو میاں! میرا نقصان کروا دیا۔ نجانے آج کل کے نوجوانوں کو کیا ہو گیا ہے۔"

"میں نے کہا ناں میں معذرت چاہتا ہوں۔ نادانستگی میں یہ سب ہوا ہے۔ یہ چشمہ نیا بنوا لیجیے گا۔" اسد نے پیسے آگے بڑھائے۔

"ارے صاحب کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ٹوٹنے والی چیز تھی ٹوٹ گئی اور بن جائے گا۔ آئیے ابا جان! پہلے چشمہ ہی خرید لیتے ہیں۔"

بڑے میاں کے صاحبزادے آگے بڑھے اور ان کو لے گئے۔ اسد شرمندہ سا مڑا تو وہ دونوں غائب تھیں۔ شذرا نے موقع غنیمت جانا تھا اور باہر چلی گئی تھیں۔ وہ جلدی سے باہر آیا۔

"کہاں کہاں پڑیں۔" ندا نے شوخی سے پوچھا۔

"یار بچت ہو گئی۔ بڑے میاں کے بیٹے نے آ کر بات ختم کر دی۔ ورنہ انکل تو خاصے غصے میں تھے۔"

"چلو ندا! کوچ آ رہی ہے۔" شذرا نے ندا کا شانہ ہلایا۔

"کیا مطلب ہے کوچ آ رہی ہے۔ یہ گاڑی میں نے گدھوں گھوڑوں کیلئے نہیں خریدی۔ حسیناؤں کیلئے ہے۔ ویسے تمہیں خوش فہمی کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ندا کو کہہ رہا ہوں۔"

وہ شذرا کی طرف جھکا اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہہ رہا تھا۔ جہاں سے شعلے نکل رہے تھے۔

"میں بھی کسی گدھے کے ساتھ گدھا گاڑی میں بیٹھنے کے بجائے منی بس میں لٹک کر جانا زیادہ پسند کروں گی۔" وہ بھی شذرا تھی جس کے پاس گولہ بارود کی کمی ہرگز نہیں تھی۔

"اوہو بھئی' گھر ہو یا باہر تم دونوں لڑتے جھگڑتے رہتے ہو۔ نجانے زندگی کیسے گزارو گے۔ شذرا! چلو آؤ کہاں بسوں میں دھکے کھائیں گے چلو بیٹھو۔"

ندا نے اس کا ہاتھ کھینچ کر پچھلی سیٹ پر بٹھایا۔ شذرا کو بھی یوں روڈ پر تماشا لگانا مناسب نہ لگا۔

وہ بیٹھ گئی تو اسد باہر نکل کر منہ پھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"اب کیا ہو گیا ہے؟" ندا نے اسے گھورا۔

"اب آپ لوگ اتنی بھی حسینائیں نہیں کہ مجھ جیسا خوبرو اسمارٹ بندہ آپ کا ڈرائیور بنے۔"

اس نے منہ پھلا کر کہا۔ ندا اس کی اس شرارت کا مطلب خوب سمجھ رہی تھی مگر شذرا کو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

''اچھے بھائی دیر ہو رہی ہے۔ چلے چلو ناں۔ میرے پاؤں تو سوچ کر کپا ہو رہے ہیں۔''
''ناممکن' گاڑی ایک انچ نہیں چلے گی نہ آگے نہ پیچھے۔''
وہ گاڑی سے ٹیک لگائے تنا کھڑا تھا۔
''اوہو! کیا مشکل ہے اسد پلیز چلو ضد نہ کرو۔''
''ارے واہ کمال کرتی ہو۔ ڈرائیور سمجھ رکھا ہے میں کچھ نہیں جانتا۔ ایک بندی شرافت کے ساتھ آگے آ جائے۔'' وہ اسی طرح تنا کھڑا کہہ رہا تھا شنذرا چڑنے لگی۔
''شرافت آج کل چھٹی پر گیا ہوا ہے اکیلے ہی بیٹھ جاؤ۔''
ندا اس کی اس حرکت کا مطلب بڑی اچھی طرح سمجھ رہی تھی مگر شنذرا کے تیور بھی ایسے نہیں تھے کہ اسے آگے جانے کو کہتی۔
''کوئی مسئلہ پاش نہیں چلے گی چلو آؤ تم۔''
اسد نے دروازہ کھول کر ندا کا ہاتھ پکڑ کا باہر گھسیٹا۔
''اسد کیا کر رہے ہو۔ سینڈل نے میرے پاؤں زخمی کر دیئے ہیں۔ ایک قدم بھی نہیں اٹھا سکتی۔ شنذرا پیاری بہن! وہ تو ضدی ہے ماننے کا نہیں تم چلی جاؤ۔''
''ناممکن.....'' حسب توقع اس نے سختی سے انکار کر دیا۔
''پلیز شنذرا! تم بھی ضد پر اڑ گئیں تو رات یہیں ہو جائے گی۔ چلی جاؤ میری خاطر۔''
ندا نے منت بھرے لہجے میں کہا تو کچھ دیر شنذرا ندا کو گھورتی رہی پھر ایک قہر نگاہ اسد پر ڈالی جو اکڑا کھڑا تھا۔ پھر اسے کوستی ہوئی اٹھ کر آگے آ گئی۔ اسد شوخی اور اطمینان سے اس کے برابر بیٹھ گیا اور جانے کس احساس کی خوشبو کو روح میں اتارتا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا شنذرا کا غصے اور ضبط سے سرخ چہرہ اور اس پر آتی لٹیں اسے کتنی اچھی لگ رہی تھیں۔ وہ مستقل اسے کوس رہی تھی اور اسے اس بات کا احساس بھی تھا۔
''مجھے کوسنے دینے کی ضرورت نہیں' اکلوتا ہوں ماں باپ کا۔''
اسد نے گیئر بدلتے ہوئے اس کی طرف مڑ کر دیکھا تو وہ باہر دیکھنے لگی۔
''ندا میرا ایک دوست ہے بڑا ہی خوبرو اور اسمارٹ۔''
اسد نے کن انکھیوں سے اسے دیکھتے ہوئے مخاطب ندا کو کیا تو شنذرا چوکنی ہو گئی۔
''لیکن میرے لیے تو یہ خبر بے کار ہے۔'' ندا نے لاپروائی سے کہا۔
''یار! میری سمجھ میں نہیں آتا تم لڑکیاں اتنی بے وقوف اور خوش فہم کیوں ہوتی ہیں۔ میں اپنے دوست کی بات کر رہا ہوں کہ اتنا اچھا میرا دوست تھا مگر اب رقیب بن بیٹھا ہے۔''
وہ شنذرا کو مستقل کن انکھیوں سے دیکھ رہا تھا جس کے ہاتھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ حلق خشک ہو گیا تھا۔
''کون ہے بھئی ایسا دوست؟''
''ہوں' میرا خیال ہے تم نہیں جانتیں لیکن شنذرا جانتی ہے کیوں ارمان کو جانتی ہو ناں؟''
وہ اپنی بات کی تصدیق کیلئے پورے کا پورا اس کی طرف گھوما تو اس کا جی چاہا بلیوں کی طرح

اس کا منہ نوچ لے۔
''میں تمہیں اس قابل نہیں سمجھتی کہ تمہاری کسی بدتمیزی کا جواب دوں۔'' وہ ہر ممکن ضبط سے بولی۔
''اچھا یہ کیا بات ہے بھئی ہماری تو باتیں بھی بدتمیزی لگتی ہیں اور وہ گھامڑ جو ایک عرصے سے فول بنا رہا ہے تمہیں اور تم بڑے مزے سے گھنٹہ گھنٹہ بھر اس سے باتیں کیا کرتی ہو۔ اگر تمہیں وہ یا اس کی باتیں بری لگتیں تو تم اس کی آواز سنتے ہی فون بند کر سکتی تھیں۔ مگر جناب! اپنے حسن کے قصیدے کس کو برے لگتے ہیں۔ خیر میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں یہ اس کی ہابی ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنی ماں بہنوں کو کسی وقت بھی بھیج سکتا ہے۔''
''اسد! مر جاؤ تم''
شنذرا ایک دم پھٹ پڑی اور دوسرے ہی لمحے شنذرا کی جانب کا دروازہ کھل چکا تھا۔ ندا کی چیخ نکل گئی۔ خود اسد کے حواس معطل ہونے لگے۔
اس نے جلدی سے بریک لگائے اور دوسرے ہاتھ سے شنذرا کو مضبوطی سے تھام لیا۔ دروازہ لاک کیا اور لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے اسے دیکھا جو غصے سے سرد پڑ گئی تھی۔
''تمہاری موت کم از کم میں افورڈ نہیں کر سکتا۔''
اسد نے اس کے کان کے قریب ہی سرگوشی کی۔ سرد ہاتھ جو ہنگامہ کی وجہ سے اس نے پکڑ لیا تھا چھوڑتے ہوئے دوبارہ اسٹیئرنگ سنبھال لیا۔ ذرا سی دیر میں کیا ہو گیا تھا۔ وہ خود خوف زدہ ہو گیا تھا۔
''اسد! تم بہت برے ہو۔ ابھی کچھ ہو جاتا تو.....'' ندا نے سنجیدگی سے ڈانٹا۔
''اب تو قبول کرنا پڑے گا ہی' جیسا بھی ہوں۔''
اسد نے ایک نظر باہر کی طرف دیکھتی اور اپنے آنسو ضبط کرتی شنذرا پر ڈالی۔

☆.....☆.....☆

''امی کیا سوچ رہی ہیں؟''
صائمہ چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے ان کے قریب ہی تخت پر بیٹھ گئی جہاں ابھی وہ عصر کی نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی مستقل سوچے جا رہی تھیں۔
''سوچنا کیا ہے صائمہ! میں تو اپنے خدائے لاشریک کا شکر ادا کرتے ہوئے بھی شرماتی ہوں کہ ہم کہاں سر سے پیر تک گناہگار' خطاکار' حق داروں کی حق تلفی کرنے والے اور کہاں میرے رب العزت نے نہ صرف بخش دیا بلکہ اتنا نواز بھی دیا کہ دامن تنگ پڑنے لگا ہے۔''
یہ حقیقت تھی کہ صائمہ والے واقعے کے بعد اور شعیب کے ساتھ صائمہ کے رشتے والی اللہ کی نوازش نے زاہدہ بیگم جیسی حاسد اور فسادی عورت کو سیدھی راہ دکھا دی تھی۔
''امی! کچھ ایسا ہی حال میرا بھی ہے۔ اتنی شرمندہ اور نادم ہوتی ہوں اپنے اللہ پاک سے کہ میں تو اس کی ایک نظر عنایت کے لائق بھی نہیں تھی۔ کہاں میرے مولا نے میری خواہش کو حقیقت بنا دیا۔ مگر امی اللہ تو خالق و مالک ہے۔ جب وہ اپنی رحمت کے صدقے بخشتا ہے تو نوازتا ہی چلا جاتا ہے۔ ہم اس قابل تو نہیں مگر ہمیں اس کی پاک ذات کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ اور''

''ارے بھئی یہ کیا میٹنگ ہو رہی ہے ماں بیٹی میں۔''

مشتاق صاحب ابھی ابھی آفس سے آئے تھے ادھر ہی آ گئے۔

''یہ سوچ رہی ہوں مشتاق صاحب! کہ میرا منہ تو اس قابل نہیں مگر آپ نسیمہ جاجی سے بات کریں۔ اسد شنذرا کو پسند کرتا ہے۔ میں بھی اب شنذرا کو اپنی بہو بنا کر اپنی زیادتیوں کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔''

''نہیں زاہدہ بیگم! تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ میرا منہ اس لائق ہے۔ ارے سب سے زیادہ مجرم تو میں ہی ہوں ان کا میں نے ان کے ساتھ کیا نیکی کی ہے۔ کیا حق ادا کیا ہے۔ بیوہ بہن تھی۔ یتیم بچے تھے مگر'' وہ ابھی تک اس ملال سے باہر نہیں نکلے تھے۔

''لیکن اس میں آپ کا قصور کیا تھا میں ہی......''

''نہیں زاہدہ! تم کچھ بھی کہتیں اگر میں اچھا ہوتا تو ہرگز ان کے ساتھ زیادتی نہ کرتا۔ مجھے یاد ہے کہ میں کیسے کیسے ان کے مان توڑ دیا کرتا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک بار عمیر کی فیس کیلئے انہوں نے میرے سامنے ہاتھ پھیلایا میری بیوہ مجبور بہن ہاتھ پھیلائے کھڑی تھی اور... جیب بھری ہونے کے باوجود میں نے صاف انکار کر دیا تھا۔ بیوگی' مجبوری کی ماری میری یہ بہن خالی ہاتھ لیے ہٹ گئی تھی۔ اف میرے خدایا۔''

مشتاق صاحب آج وہ پرانا واقعہ یاد کر کے آبدیدہ ہو گئے۔

''ابو! ٹھیک ہے زیادتیاں تو ہوئی ہیں مگر پھپھو اور ان کے بچوں کے دل بہت بڑے ہیں۔ پھپھو تو خیر ہمیشہ ہی جان قربان کرتی رہی ہیں۔ اور باقی سب بھی تو بہت اچھے ہیں۔ خاص کر شنذرا جس کے ساتھ ہم نے اتنی برائیاں زیادتیاں کیں۔ وہ اب ہم سے اتنے پیار اور اچھے طریقے سے ملتی ہے کہ شرم سے ہماری نگاہیں جھک جاتی ہیں۔ آپ ان سے بات کریں۔''

''بالکل صائمہ درست کہہ رہی ہے مشتاق! اور سچی بات تو یہ ہے کہ اسد کی شادی سے زیادہ مجھے اس بات کی خوشی ہوگی کہ میں اس بچی شنذرا کے ساتھ محبت کر کے اپنی زیادتیوں کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں۔ بس مشتاق صاحب! آپ نسیمہ باجی سے بات کریں۔ میں تو ان کے پاؤں تک چھولوں گی۔ اپنی شنذرا کیلئے۔''

زاہدہ بیگم بڑے خلوص اور محبت سے کہہ رہی تھیں۔

''ٹھیک ہے میں بات کروں گا۔ باجی سے لیکن میرا خیال ہے پہلے شوکت بھائی اور آسیہ بھابی سے بات کر لی جائے۔ وہ خاندان کے بڑے ہیں۔ وہ بات کریں گے تو زیادہ بہتر رہے گا۔''

''کیا بات ہے بڑے سر جڑے ہوئے ہیں سب کے۔''

ہاسپٹل سے اسد آیا تو سیدھا ادھر ہی چلا آیا۔ جہاں پر یہ تینوں سر جوڑے بیٹھے تھے۔

''آؤ میرے چاند! تمہاری شادی کی بات ہو رہی تھی۔ میں نسیمہ باجی سے شنذرا کو مانگ لوں یہ ہم سب کی خوشی ہے بیٹے۔''

زاہدہ بیگم نے بڑے پیار سے اسے دیکھا تو وہ بڑے فریش موڈ میں آیا تھا۔ ان کی بات پر ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''ابو! امی سے کہہ دیں کہ پھپھو کے گھر اس بات کیلئے نہ جائیں۔''

اس کے سنجیدہ لہجے میں کیا تھا وہ تینوں نہیں سمجھ پائے۔ البتہ ان کے دل بجھ کر رہ گئے۔

''ایسے ہی کر رہا ہے ابو! ورنہ شنذرا کو بہت چاہتا ہے یہ''

جاتے جاتے اسد نے بھی صائمہ کی آواز سن لی تھی مگر وہ سیدھا باہر آ گیا۔

☆......☆......☆

''شنذرا جلدی کرو بھئی فرخ کتنی دیر سے بلا رہا ہے۔''

''بس باجی! ابھی آئی!'' شنذرا نے آئینے میں دیکھتے ہوئے ہلکے شیڈ کی لپ اسٹک لگائی اور باہر آ گئی تو پہلی نظر اندر آتے اسد پر پڑی جس کی آنکھوں میں اسے دیکھتے ہی شوخیاں ناچنے لگتی تھیں۔

''زیب باجی! کہیں جا رہی ہیں آپ۔'' اسد اب ایڑیوں پر گھوم کر زیب کی جانب مڑ چکا تھا۔

''ہاں شاپنگ کے لیے جا رہے ہیں۔ فرخ نیچے انتظار کر رہا ہے۔ یہ شنذرا ہے ناں۔'' زیب نے شنذرا کو گھورا۔

''میں تو تیار ہوں چلیے ناں۔'' شنذرا درمیان میں کھڑے اسد سے بچتے ہوئے نکلنے لگی تو اسد پھر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔

''آپ کہاں جا رہی ہیں زیب باجی! آپ جائیے میرا خیال ہے ان کے مہمان آئے ہیں۔ ابھی میرے سامنے تین خواتین کو صدف نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔''

اسد نے شوخی سے شنذرا کو دیکھا تو اچانک ہی اسے ارمان کی ماں' بہنوں کا خیال آیا۔ اس کے دماغ کی رگیں تن گئیں۔

''اف! یہ خواتین کہاں سے ٹپک پڑیں۔ میں چلتی ہوں شنذرا! تم رکو صدف اکیلے میں گھبرا جاتی ہے فائزہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔''

زیب تو جان چھڑا کر جلدی سے چلی گئی شنذرا پاؤں پٹخ کر رہ گئی۔

''ارے بھئی صدف! بڑے بڑے لوگ آئے ہیں۔ غالباً ارمان کی ماں' بہنیں ہیں اچھی سی چائے لانا۔ ہو سکتا ہے شنذرا کی سسرال بن جائے۔''

وہ مسلسل اسے چھیڑے جا رہا تھا۔

''بکومت......'' وہ چیخی۔

''ہاں یہ ادائیں مت دکھاؤ ہمیں۔ ارمان صاحب کو اتنی لفٹ کروائی ہے تو انہوں نے اپنی ماں' بہنوں کو بھیج دیا ہے۔ ناں میں خوب جانتا ہوں۔ یہ لش پش تیاری بھی ان ہی کیلئے ہوئی ہے۔''

''بھاڑ میں جاؤ تم......'' وہ دھاڑی۔

''تمہارے بغیر تو کہیں بھی نہیں جاؤں گا۔''

اس کی شوخیاں' شرارتیں شنذرا کی برداشت سے باہر تھیں۔

''امی!......'' وہ زور سے چیخی۔

''ہاں شنذرا بیٹی! اندر آؤ۔'' امی اندر ہی سے بولیں۔

''جائیے۔ لگتا ہے ارمان کے ارمان پورے ہونے کا وقت آ گیا ہے۔ اچھی لگ رہی ہو۔ پسند

کر لی جاؤ گی۔ جاؤ۔"

وہ ہلکے سے میک اپ میں غصے میں دہکتے منہ کے ساتھ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ اسد نے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شدت جذبات سے دانت پیس کر آگے بڑھ گئی۔ بولی کچھ نہیں مگر اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا کہ ارمان کی ماں، بہنوں کے ارمان پورے کرے گی۔ کھری کھری سنا کر وہ اندر چلی گئی۔ بڑی اچھی خواتین تھیں۔ وہ آہستگی سے سلام کر کے بیٹھ گئی۔ امی کا بھی خوف لاحق تھا۔ وہ صورت حال دیکھ کر بات کرنا چاہتی تھی۔

"جیتی رہو۔ کیا کرتی ہو بیٹا؟" خاتون بڑے پیار سے پوچھ رہی تھیں۔ اس کا جی چاہا، گلا پھاڑ کر کہے جھک مارتی ہوں، مگر امی کا لحاظ کرنا پڑا۔

"جی کچھ نہیں سمپل بی اے کیا ہے۔" کوشش کے باوجود اپنا لہجہ نرم نہ کر سکی۔ حالانکہ امی نے گھورا بھی مگر اس نے نظریں نہیں ملائیں ان سے۔

"اچھا، بھلا کس کالج سے کیا ہے۔ مجھے لگتا ہے میں نے کالج میں آپ کو دیکھا ہے۔"

لڑکیوں میں سے ایک لڑکی بڑی چاہت سے اٹھ کر اس کے قریب آن بیٹھی۔ شنذرا غصے میں کھسک کر پیچھے ہٹ گئی۔

"میں نے پرائیویٹ کیا ہے۔" انتہائی سخت لہجہ تھا اس کا۔

"صدف ...... صدف بیٹے! شنذرا تم ذرا بیٹھو میں صدف کو دیکھتی ہوں۔ کیا کر رہی ہے۔"

نسیمہ بیگم اٹھ کر باہر آگئیں۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں شنذرا نے بھی خونخوار نظروں سے ان حلیم سی خاتون اور پیاری سی لڑکیوں کو دیکھا۔ آستینیں اوپر چڑھائیں اور کھڑی ہو گئی۔

"دیکھو محترمہ! میں کوئی اچھی وچھی لڑکی نہیں ہوں۔ انتہائی بری اور کسی حد تک آدم خور قسم کی لڑکی ہوں اور وہ جو آپ لوگوں کا لڑکا ارمان ہے لنگور ہے۔ کہیں مجھے مل جائے تو منہ سوچ لوں گی اس اونٹ کا آخر اسے کس بات پر گھمنڈ ہے۔ میں ...... میں اسے۔"

"ہیں ...... ہیں بیٹی یہ کیا۔"

خاتون سمیت لڑکیاں بری طرح خوف زدہ ہو گئیں کہ ابھی تو یہ نارمل تھی اب اچھی بہکی باتیں کیوں کرنے لگی ہے۔

"مجھے بیٹی بنانے کی ضرورت نہیں آخر وہ بندر اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے۔ میں اس کا خون کر دوں گی۔ نہیں تو خود کو مار لوں گی۔ مگر اس سے شادی نہیں کروں گی۔ ہاں کہہ دیا ہے میں نے اور امی سے میرے رشتے کی بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

وہ بار بار دروازے کی طرف بھی دیکھ رہی تھی کہ امی نہ آجائیں مگر نہیں جانتی تھی کہ اسد جھری سے سارا تماشا دیکھ رہا ہے...... وہ بے چاری خواتین تو بے ہوش ہونے لگی تھیں پھر خوف زدہ ہو کر کھڑی ہو گئیں۔

"چچ ...... چچ ...... دیکھنے میں کتنی نارمل لگتی ہے مگر ہے پاگل۔"

"ہاں میں پاگل ہوں، چلی جائیے ورنہ تھوبڑے کا نقشہ بدل کر رکھ دوں گی۔"

وہ گلدان لے کر لڑکی کی طرف بڑھی تو وہ سب باہر نکل گئیں ...... شنذرا کھڑی کچھ دیر سانس

بحال کرتی رہی اور امی کا سامنا کرنے کیلئے خود کو تیار کرتی رہی اور جب نارمل ہو گئی تو بال درست کر کے باہر آنے لگی۔ اسد جلد سے وہاں سے ہٹ کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔ وہ باہر آئی تو مسخرے پن سے مسکراتا ہوا اس کے سامنے آگیا۔

"کیا رہا رزلٹ؟ پسند کر لی گئیں یا ریجیکٹ۔"

"یہ اپنے اس باگڑ بلے کمینے دوست سے پوچھ لینا۔ اس کی ماں، بہنیں جا کر خوب اچھی طرح بتائیں گی اسے اور تم تو کبھی نہ سدھرنے والی مخلوق ہو۔"

"اور جو امی نہ سدھرنے والی مخلوق سے عمر بھر کا واسطہ پڑ گیا تو۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پوچھ رہا تھا۔

"اسی دن اپنا گلا دبا لوں گی۔"

"ہائیں شنذرا کہاں چلی گئیں وہ خواتین؟" نسیمہ بیگم ڈرائنگ روم میں دیکھ کر آئیں تو شنذرا چور سی بن گئی۔ البتہ اسد خوب شیر ہو گیا۔

"چلی گئی ہیں امی!" اس نے چور نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔

"مگر کیوں؟ ابھی تو ڈھنگ سے تعارف بھی نہیں ہوا تھا اور چلی بھی گئیں۔"

"جائیں گی کیوں نہیں پھپھو! جب ان کو ڈیل کیا جائے گا۔ خونخوار پنجوں کا رخ جب ان کے میک اپ زدہ چہرے کی جانب ہو گا تو آپ تو جانتی ہی ہیں کہ اپنا میک اپ خواتین کو کتنا عزیز ہوتا ہے۔ سو وہ چلی گئیں۔"

اسد نے اس کے چور چہرے کو دیکھتے ہی گول مول سی بات کر دی مگر وہ سمجھ نہ سکیں۔

"کیا مطلب؟ شنذرا ......؟"

"ارے چھوڑیں پھپھو! آپ تو جانتی ہی ہیں شنذرا کتنی ناسمجھ ہے۔ اگر سمجھ نام کی کوئی چیز ان کے دماغ میں پائی جاتی تو بہت سارے مسائل حل ہو جاتے۔ دکھ تو یہ ہی ہے کہ یہ کچھ سمجھتی نہیں نہ کبھی باتیں اور نہ ان کہی باتیں۔"

وہ پھپھو کو ساتھ لگائے اس کے قریب سے گزرتا ہوا کہہ گیا۔ وہ بس اس کی پشت کو گھورتی رہ گئی۔ وہ کبھی بھی اس شخص کو نہیں سمجھ پائی تھی۔"

دوسری شام وہ چائے بنا رہی تھی۔ باقی سب تو شوکت صاحب کے ہاں گئے ہوئے تھے وہ اور صدف گھر پر تھیں۔ صدف کو تھوڑی حرارت تھی۔ وہ لیٹی ہوئی تھی۔ چائے لے کر برآمدے میں آرہی تھی کہ فون کی بیل بج اٹھی اس نے کپ میز پر رکھا۔

"ہیلو!"

"اوہ ہیلو شنذرا! ہاؤ آر یو۔" دوسری طرف شوخ اور پرجوش آواز والا ارمان تھا۔ وہ کھولنے لگی۔"

"کیوں فون کیا۔ اپنی ماں، بہنوں کی اتنی مدارات کے باوجود بڑے ڈھیٹ ہیں۔" اس نے خاصے تلخ اور طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ارے شنذرا ...... شنذرا تمہیں اندازہ نہیں تم میری ماں بہنوں کو کس قدر پسند آئی ہو۔"

"کیا؟" شذرا بے ہوش سی ہونے لگی...... کیونکہ جو سلوک اس نے کیا تھا اس کے بعد تو کوئی بھی اسے پسند نہیں کر سکتا تھا۔

"ہاں...... اس میں پریشان ہونے والی بات نہیں' کیونکہ ہماری ماں اور بہنوں کو بھی دبو اور ڈرپوک نیک پروین قسم کی لڑکیاں قطعی پسند نہیں۔ ان کو تم جیسی ہنگامہ خیز جنگجو قسم کی لڑکیاں پسند ہیں۔ انہوں نے جو تمہارے خونخوار پنجے دیکھے تو ان کو ازحد مسرت ہوئی اور انہوں نے تمہیں وہیں پسند کر لیا اور گھر آ کر مجھے بھی شاباش دی کہ میں نے ان کی پسند کے عین مطابق لڑکی پسند کی ہے۔ ارے تم چپ کیوں ہو۔ مبارکباد دو ناں مجھے اور ہاں تمہیں بھی مبارک ہو۔ آخر مجھ جیسا خوبرو اسمارٹ بندہ تمہیں مل رہا ہے۔ ارے یہ کیا شرما رہی ہو۔ پگلی کہیں کی۔"

وہ بڑے مزے سے چڑا رہا تھا۔

"شٹ اپ! آپ کی ماں بہنیں مر کر بھی مجھے پسند نہیں کر سکتیں۔"

"یقین نہیں آ رہا ناں میں جانتا تھا اسد درست ہی کہتا تھا کہ تم احساس کمتری کا شکار لڑکی ہو۔ تمہیں کیونکر یقین آ سکتا ہے کہ مجھ جیسے خوبرو بندے نے تمہیں پسند کیا ہے اور پروپوز کیا ہے۔ ارے بھئی میں تو ڈبل مبارکباد کا مستحق ہوں ایک تو میں نے اپنے رقیب اسد کو شکست دی ہے۔ دوسری طرف تمہیں جیت لیا ہے۔ کیوں ہے ناں زبردست جیت۔ چلو چھوڑو یہ بتاؤ کہ رونمائی میں کیا لینا پسند کرو گی۔"

وہ اس کے ضبط کی آخری سرحد عبور کر چکا تھا۔

"تمہارا سر۔" شذرا کو غصہ تو اتنا تھا کہ سامنے ہوتا تو یقینا قتل ہو جاتا۔

"اجی آپ سر کی بات کرتی ہے۔ ہمارا دل' جگر' پھیپھڑے سب آپ ہی کا تو ہے ویسے میں نے رونمائی کو سرپرائز رکھا ہے۔ دیکھو گی تو اچھل پڑو گی۔"

"اف میرے خدایا!" اس نے ریسیور پٹخ دیا۔ نجانے کیوں اسے رونا آ رہا تھا اور وہ شدت سے روئی بھی کہ اسد کتنا کمینہ ہے کہ کزن ہو کر بھی اسے ایک غیر مرد کے سامنے ذلیل کر رہا ہے۔ نجانے کیوں اسے اپنے دل میں اسد کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا مگر ارمان کے اس پروپوزل نے جیسے اسے توڑ سا دیا تھا۔ اس نے کچھ دیر رونے کے بعد کوئی فیصلہ کر کے آنسو صاف کر لیے تھے۔

"ٹھیک ہے میں ارمان ہی سے شادی کروں گی۔" اس نے جیسے خود سے کہا اور پھر آنکھوں میں دھند اتر آئی جس کا مطلب اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

☆......☆......☆

اس وقت جبکہ گھر میں اسد اور شذرا کے رشتے کے بارے میں سوچا جا رہا تھا اور بات تکمیل کے مراحل میں تھی کہ جواد اور اس کی امی فلمی انداز میں آ گئے تو اسد...... بجھ سا گیا۔ جبکہ جواد بہت خوش اور فریش تھا اور خاندان میں آنے والی تبدیلی پر بہت خوش ہوا تھا۔

"یار اسد! یہاں تو کایا ہی پلٹی ہوئی ہے۔ بڑا خوشگوار چینج آیا ہے۔"

"ہاں یار! بس اللہ کا کرم ہوا ہے ورنہ جتنے حالات الجھے ہوئے تھے۔ ہماری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا مگر اللہ نے حالات بدلے کہ سب حیران رہ گئے۔"

"اسد! شذرا کیسی ہے؟"

جواد نے ایک دم ہی پوچھ لیا تو اسد گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا۔

"ہوں ٹھیک ہے بالکل ٹھیک"

"تو چلیں اس سے ملنے کیلئے۔" جواد جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔

"چلو......" اسد کو ٹال کرنا اچھا نہیں لگا۔

☆......☆......☆

جواد پہلے بھی آ چکا تھا۔ اس لیے سب سے متعارف تھا البتہ عمیر سے پہلی بار مل رہا تھا۔ دونوں کو ایک دوسرے سے مل کر خوشی ہوئی تھی۔ سب ہی بڑے خوش ہوئے تھے مگر یہ بات اسد ہی محسوس کر سکتا تھا کہ جواد کی متلاشی نگاہیں شذرا کو ڈھونڈ رہی ہیں جو بڑے ماموں کے ہاں گئی ہوئی تھی۔

"بیٹا! پاکستان لوٹنے کے کیا ارادے ہیں تم لوگوں کے؟"

"بس پھپھو! دعا کریں میری سسرال پاکستان میں بن جائے تو آ جائیں گے۔"

جواد نے یوں ہی سادے سے لہجے میں بات کہی تھی مگر نجانے کیوں اس کی ہر بات اسد کے دل پر ترازو ہو رہی تھی۔

"کیوں نہیں بیٹا! اللہ سب کا اچھا کرے۔ اس کی پاک ذات سے امیدیں رکھنی چاہئیں۔"

اسی وقت شذرا فرخ کے ساتھ آ گئی۔ ایک زمانے کے بعد شذرا اور جواد آمنے سامنے تھے اور حیرت و خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور اسد ان دونوں کے چہروں پر کچھ پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"ارے جواد! آپ یہ اچانک کیسے آنا ہوا۔"

شذرا کے چہرے پر خوشی کی کرنیں اور آواز میں خوشی کے جلترنگ تھے۔ اسد اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"بس دیکھ لیں۔ آپ تو بھول گئیں مگر ہم نے یاد رکھا کیسی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک بیٹھئے ناں۔" دونوں کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ اسد دوبارہ اندر نہیں آیا۔

"ویسے یہ بات تو ہے کہ آپ نے خوب یاد کیا ہر موقع پر بڑھ چڑھ کے پر کارڈ بھیجتے رہے اب شکریہ قبول کریں۔"

اس کے ساتھ ہی شذرا کے ذہن میں آئی مس یو کا کارڈ بھی گھوم گیا مگر کارڈز کا سن کر جواد کچھ سوچ میں پڑ گیا کیونکہ اس نے کوئی کارڈ نہیں بھیجا تھا مگر کارڈ کا راز دار فرخ یہ جملہ سن چکا تھا۔ اسد نے بات سنبھالنے کیلئے اسے اندر بھیج دیا۔

"ارے جواد بھائی آپ تو یہیں کے ہو گئے ہیں باہر موسم بڑا دلکش ہو رہا ہے چلیے ذرا گھومنے چلتے ہیں سب جا رہے ہیں۔"

اور جواد کچھ نہ سمجھتے ہوئے فرخ کے ساتھ باہر نکل گیا۔

☆......☆......☆

جواد کے آ جانے سے اسد کچھ چپ چپ سا رہنے لگا تھا۔ نجانے کیوں اسے یقین تھا کہ اب اگر وہ شذرا کا طلبگار ہو گا تو وہ ہرگز انکار نہیں کرے گی۔ یوں ہی اس نے شذرا کا نمبر ملا دیا۔ اتفاق سے

اسی نے ریسیو کیا۔

"پھپھو! پھپھو......" وہ جان بوجھ کر انجان بن گیا۔

"یہ میں ہوں۔" وہ اکھڑپن سے بولی۔

"اوہو! یہ تم ہو یہ تم ہر وقت فون کے ساتھ کیوں چپکی رہتی ہو کسی اور کو بھی فون ریسیو کرنے دیا کرو۔ سمجھا ہر بیل پر ارمان کا فون کا گمان ہوتا ہوگا لیکن ...... آج تو جواد سے ملاقات ہوگئی ہے۔ ارمان کے فون کی اتنی اہمیت نہیں ہونی چاہیے۔ بہر طور اولڈ از گولڈ ہوتا ہے۔ خوب پرانی یادیں تازہ کی گئی ہوں گی۔ بڑا اچھا وقت گزرا ہے تم دونوں کا تو۔"

"ہاں ...... ہاں گزرا ہے اچھا وقت بے حد اچھا انسان ہے وہ اور ارمان بھی بے حد اچھا انسان ہے مگر ...... تم سب سے برے ہو۔ تم مجھے آخر سمجھتے کیا ہو؟ میں اتنی گھٹیا لڑکی ہوں دونوں میں سے جو بھی مجھے پروپوز کرے گا میں ہاں کردوں گی۔"

☆......☆......☆

شذرا! یہ کیسی محبت ہے میری کیسے جذبے ہیں میرے جن میں اثر نام کو نہیں۔ یہ کیسی آتش ہے جس نے مجھے تو جلا کر راکھ کر ڈالا ہے اور تم تک اس کی آنچ نہیں پہنچی۔ یعنی کہ میرے مقابلے میں تم کسی کا بھی ساتھ قبول کر سکتی ہو۔ خواہ وہ جواد ہو یا وہ فرضی کردار ارمان۔"

وہ کم مائیگی کے اس احساس کے ساتھ ریسیور تھامے جانے کتنی ہی دیر بیٹھا رہتا کہ جواد آ گیا جو کہیں جانے کو تیار تھا۔

"آؤ جواد! کہیں جا رہے ہو؟" یوں تو اس وقت اسے جواد سے شدید نفرت اور رقابت سی محسوس ہو رہی تھی مگر چونکہ مہمان تھا۔ اس لئے اپنے جذبات چھپا کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں یار! میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ پھپھو کے ہاں جانا تھا۔"

"پھپھو کے ہاں!" اسد نے اس کی تیاری کو دیکھتے ہوئے حیرت زدہ لہجہ اختیار کیا۔

"ہاں امی کو لے کر جا رہا ہوں تم بھی چلو۔"

جواد جیبوں میں ہاتھ ڈالے کہہ رہا تھا۔ اک سرد سی لہر اسد کے اندر اتر گئی تو گویا وہ وقت آن پہنچا کہ جواد شذرا کو پروپوز کرنے جا رہا ہے اور شذرا کو بھی یقیناً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"سوری یار جواد!" میں۔ میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ ہاسپٹل جا رہا ہوں۔ ایمرجنسی ہے۔ ابھی ہاسپٹل ہی سے فون آیا تھا۔ راستے تو تمہیں معلوم ہیں ہی۔ خود ہی لے جاؤ آنٹی کو۔"

اسد نے گہرا سانس لیا اور الماری کھول کر کپڑے نکالنے لگا بلاوجہ ہی۔

"اچھا چلو جیسی تمہاری مرضی۔ میں تو سوچ رہا تھا۔ کمپنی رہے گی۔"

جواد نے دھواں فضا میں پھیلایا۔

"ہاں سوری یار، مائنڈ نہ کرنا۔ یہ گاڑی کی چابی لے لو۔"

اسد نے گاڑی کی چابی اس کی طرف بڑھائی۔

"اور تم!" جواد جاتے جاتے پلٹا۔

"ڈونٹ وری بائیک سے چلا جاؤں گا۔ خدا حافظ۔"

☆......☆......☆

وہ چابی دے کر خدا حافظ کہتا ہوا باتھ روم میں گھس گیا اسے جانا تو کہیں تھا نہیں۔ جواد کے جانے کے بعد وہ بالکونی میں آن کھڑا ہوا تو یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور جواد کی غلط بیانی پر غصہ بھی آیا کہ

کہہ رہا تھا امی بھی جائیں گی، وہ اکیلا ہی گاڑی نکال رہا تھا اور اس کے دیکھتے ہی دیکھتے گاڑی فراٹے بھرتی نظروں سے اوجھل ہوگئی، اس نے گہرا سانس لے کر ستون سے ٹیک لگالی نجانے کیوں شنذرا دور ہوتی ہوئی محسوس ہورہی تھی، گھبرا کر وہ اپنے ایک دوست کے ہاں چلا گیا مگر دل کی بے کلی نے وہاں بھی قرار نہ لینے دیا۔ عجیب طرح کی رقابت آمیز جلن تھی جو دل کو بے چین کررہی تھی لے جواد کا لوٹ کر آنا ہی خطرے سے خالی نہیں لگا تھا اور اب وہی ہورہا تھا۔ گو کہ وہ لاکھ دل کو سمجھاتا کہ جذبے کسی پر مسلط تو نہیں کئے جاسکتے، یہ تو بے ساختہ کیفیت ہے...... اور جب شنذرا اس احساس کے لمس سے بے نیاز ہے تو وہ خود کو کیوں اس پر مسلط کرے، مگر پھر بھی بے سکونی نے گھیرا ہوا تھا۔ وہ دوست سے معذرت کرکے آگیا۔

سورج ڈوب رہا تھا۔ سائے گہرے ہورہے تھے۔ طارق روڈ سے گزرتے ہوئے اسے خیال آیا۔ غیب کی برتھ ڈے نزدیک ہے، تو گفٹ لیا جائے۔ وہ بائیک کو ایک جگہ پارک کرکے آیا تو جیسے اسے کرنٹ سا لگا۔ شنذرا اور جواد گول گپے کے ٹھیلے کے پاس گاڑی کھڑی کرکے ہاتھوں میں پلیٹیں لئے کھڑے تھے۔

شنذرا جواد کی کسی بات پر دل کھول کر ہنس رہی تھی۔ کتنی خوبصورت لگ رہی تھی وہ یوں ہنستی ہوئی.. رقابت کا احساس اسے بھڑکا گیا۔ اس کا جی چاہا، جواد کو جان سے مار ڈالے مگر وہ بڑے ضبط سے آگے بڑھا۔

''ہیلو جواد!'' اس نے شنذرا کے قریب ہوکر قدرے بلند آواز میں کہا تو دونوں چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ اک انجانی سی ندامت کا احساس تو جواد کو بھی ہوا مگر شنذرا اندر سے سرد پڑ گئی نجانے کیوں وہ چور سی بن گئی۔ گویا رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔

''اوہ ہیلو آؤ۔ آؤ ہاسپٹل نہیں گئے تھے؟''

''نہیں۔ طبیعت کچھ خراب تھی۔ میں نے فون کردیا کہ نہیں آسکتا پھر یاد آیا کہ غیب کے لئے گفٹ خریدنا ہے تو وہ ہی لے لیا جائے، تم نے حد کردی یار۔ اگر تم لوگوں کا طارق روڈ ہی کا پروگرام تھا تو بتادیتے، میں بھی ساتھ ہی آجاتا۔ خیر سوری میں نے تم لوگوں کو ڈسٹرب کردیا۔''

اسد کی چبھتی نگاہوں کی زد میں بولڈ سی شنذرا کے ہاتھوں میں نمی سی اتر آئی تھی، نجانے کیا بات تھی کہ وہ چور سی بن گئی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ ہمارا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا اور دوسری بات یہ کہ تم نے خود کہا تھا ہاسپٹل جارہا ہوں اس لئے میں اکیلا ہی۔''

''تو دیکھ لو کتنا فائدہ ہوا۔ رنگین کمپنی مل گئی تمہیں۔''

اس کے طنزوں کی توپ کا رخ شنذرا ہی کی طرف تھا اور کتنی عجیب بات تھی کہ اسے بالکل برا نہیں لگ رہا تھا۔

''تو جوائن کرونا تم بھی ہماری کمپنی۔ پلیٹ بنواؤں!''

جواد اس کے احساسات بھی سمجھ رہا تھا اور اپنی جگہ پر وہ خود بھی درست تھا۔

''نہیں شکریہ جواد! میں کمپنی بھی اپنے معیار کی پسند کرتا ہوں، تم اکیلے ہوتے تو الگ بات تھی۔ چلتا ہوں خدا حافظ!''

اس کے تلخ لہجے کی کڑواہٹ اس کی تیز نگاہوں کی کاٹ سیدھی شنذرا کے دل میں پیوست ہوگئی

اسے معلوم تھا۔ وہ اسے ہی چوٹ کرکے آگے بڑھ گیا ہے مگر آج اسے کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔ اس نے پلیٹ واپس رکھ دی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' جواد اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبر تھا۔ جو اسد کے آنے اور جانے کے بعد عجیب سی ہوگئی تھی۔

جواد کو گول گپے بے حد پسند تھے اس نے ایک گول گپا منہ میں رکھتے ہوئے پوچھا مگر شنذرا نے پھر نہیں لیا۔ اسی وقت غیب اور ندا آگئے۔ دراصل غیب اور ندا ہی کو شاپنگ کرنا تھی اور وہ دونوں ہی جواد اور شنذرا کو مجبور کرکے لائے تھے، جواد کا بھی خاص موڈ نہیں تھا اور شنذرا تو بالکل بھی نہیں آنا چاہ رہی تھی مگر ندا نے مجبور کردیا تھا اور پھر خود وہ دونوں شاپنگ کرنے چلے گئے اور یہ دونوں گاڑی میں بور ہوتے رہے پھر جواد گول گپے لے آیا مگر کیا خبر تھی کہ ہمیشہ کی طرح آج بھی اتفاقی ملاقات ہوجائے گی۔ حالانکہ وہ اسد کے یوں آجانے کو اہمیت بھی نہیں دینا چاہ رہی تھی مگر پھر بھی گم صم سی ہوگئی تھی۔

''سوری یار! تم لوگوں کو انتظار کرنا پڑا۔ عورتوں کی شاپنگ کو تم جانتے ہو، لینی ایک چیز ہوگی مگر پوری دکان کا پوسٹ مارٹم بھی اپنا حق سمجھتی ہیں۔ سارا قصور ندا کا ہے۔''

غیب نے سارا الزام ندا پر لگاتے ہوئے پیکٹ پیچھے رکھے۔

''قصور کسی کا بھی ہے۔ جلدی چلو۔ اب کافی دیر ہورہی ہے۔''

شنذرا چڑی ہوئی تھی، منہ پھولا ہوا تھا۔ غیب اور ندا نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر جواد کو۔

''یہ ان کی دم پر کس نے پاؤں رکھ دیا۔''

غیب نے جواد سے پوچھا۔

''ابھی تو کوئی بات نہیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے اسد بھی آیا تھا۔''

''اسد!'' غیب اور ندا ایک ساتھ بولے، ایک دوسرے کو دیکھا پھر شنذرا کو دیکھا گویا اب وہ شنذرا کے موڈ آف ہونے کی وجہ سمجھ چکے تھے۔

''ہاں کہہ رہا تھا کہ اسے تمہارے لئے کوئی گفٹ لینا ہے۔''

''گفٹ اور میرے لئے۔ کیا لیا تھا؟ بتاؤ بھائی!'' غیب اس کے قریب ہوکر پوچھ رہا تھا۔

''ہمیں کیا معلوم، وہ تو رکا ہی نہیں۔ بتا کر چلا گیا۔''

''ہوں!'' غیب نے بڑی گہری ذومعنی ہوں کی اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔ شنذرا گھر آکر بھی گم صم سی رہی۔

''یہ تمہیں ہوا کیا ہے۔ کیوں منہ پھلا رکھا ہے۔'' ندا نے ٹوکا۔

''تم دونوں جلدی نہیں آسکتے تھے، اب وہ موصوف تو یہی سمجھ بیٹھے ہوں گے کہ میں اکیلی ہی جواد کے ساتھ گئی تھی۔''

''اچھا تو یہ وجہ ہے پریشانی کی!''

ندا نے شوخی سے اسے دیکھا اور اس کے قریب آکر بغور اس کا چہرہ دیکھنے لگی جیسے اس کی دل کی بات پڑھنے کی کوشش کررہی ہو۔

''ارے بھئی آگیا تھا تو کیا ہوا۔ کچھ بھی سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے۔ اس کی شخصیت کی طرح اس

کی سوچ کی بھی تمہیں پروا نہیں ہونی چاہئے۔ تمہیں کیا فرق پڑتا ہے۔"

ندا کا لہجہ کھوجی بھی تھا اور ہلکا سا طنزیہ بھی، شنزرا اسے دیکھنے لگی۔

"فرق۔ فرق پڑتا ہے ندا تمہیں نہیں پتا وہ میرے بارے میں کیسی سوچ رکھتا ہے اور جواد کے بارے میں تو یوں بھی وہ نجانے یہ شخص کیا چاہتا ہے۔ کیوں اذیت دیتا ہے مجھے اپنے ہر عمل سے، ہر بات سے۔"

وہ روہانسی ہوگئی، تو ندا خاموش ہوگئی۔

☆......☆......☆

شنزرا باجی! ذرا فون ریسیور کریں۔ کتنی دیر سے بیل ہورہی ہے؟"

صدف کچن میں کھڑی رہی تھی اور شنزرا نے تو دانستہ فون اٹھانا چھوڑا ہوا تھا اور صدف غالباً آٹا گوندھ رہی تھی۔ مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔

"ہیلو!" آواز میں بےزاری نمایاں تھی۔

"ہیلو ارمان بات کررہا ہوں۔"

"تعارف کرانے کی ضرورت نہیں۔" شنزرا کھول کر رہ گئی۔

"ہاں بہار اپنا تعارف آپ ہوا کرتی ہے۔ خیر کیسی ہو؟"

"جیسی بھی ہوں۔ آپ کو پروا نہیں ہونی چاہئے۔" وہی اکھڑپن تھا اس کے لہجے میں۔

"محترمہ! تمہاری پروا میرے علاوہ کسی اور کو ہو ہی نہیں سکتی۔ بہرحال میں تم سے یہ نہیں پوچھوں گا کہ تم جواد کے ساتھ کیوں گئی تھیں گھومنے۔"

"......آپ کو یہ سب پوچھنے کا حق بھی نہیں، جہاں مرضی جس کے ساتھ...... جاؤں۔ آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے۔"

"حقوق کی بات نہ کرو شنزرا مراد میرے علاوہ یہ حقوق کسی کو حاصل ہو بھی نہیں سکتے، میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ جواد کی تمہاری زندگی میں کیا حیثیت اور اہمیت ہے۔"

وہ آج بہت سنجیدہ تھا، وہ آج اس کے دل کی بات جان لینا چاہتا تھا۔

"جواد، جواد، مجھے معلوم ہے اس اسد کے بچے نے آپ کو ساری باتیں بتادی ہوں گی۔"

اس کی رگوں میں خون کھولنے لگا کہ اسد ایک غیر مرد کو اس کے بارے میں ساری رپورٹ کیوں دیتا ہے۔

"اونہو! اسد کے بچے نے نہیں۔ خود اسد نے بتایا ہے کہ اس روز طارق روڈ پر تم دونوں۔ گول گپے کھا رہے تھے۔ تم نے سفید لباس زیب تن کررکھا تھا۔ غالباً جواد کی پسند پر، کیوں درست ہے کہ نہیں؟"

لفظوں کے ہیر پھیر سے وہ نجانے کیا اگلوانا چاہ رہا تھا۔

"ہرگز نہیں، سفید لباس میں نے خود اپنی مرضی سے پہنا تھا اور میرے لئے جواد کی پسند وناپسند اتنی اہم بھی نہیں۔ اس لئے کہ جواد پہلے بھی میرا اچھا دوست تھا اور اب بھی وہ صرف میرا دوست ہے، اس نے ہمیشہ میری عزت کی ہے اور اگر کبھی محبت اور عزت میں انتخاب کا وقت آیا تو میرا انتخاب عزت ہوگی محبت نہیں۔"

"گویا جواد اگر تمہیں پروپوز کرے گا تو تم!"

"وہ مجھے اچھی طرح سمجھتا ہے۔ ماضی میں پروپوز کیا تھا۔ میں نے انکار کردیا۔ اب وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔ اسے معلوم ہے، میں اس سے شادی کرنا نہیں چاہتی۔"

"ہوں تو یہ بات ہے!" ڈھیر سارا اطمینان اس کے اندر اتر گیا، وہ جو اتنے دنوں سے رقابت کی آگ میں جل رہا تھا اس اطمینان بخش جواب پر پرسکون ہوگیا۔ پھر کچھ دیر خاموشی رہی۔

"اچھا شنزرا! اسد بھی اچھا لڑکا ہے، اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اسد انتہائی بدتمیز، گھٹیا، خودغرض اور خود پرست قسم کا انسان ہے، دوسروں کو ڈی گریڈ کرنا تو گویا اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ انتہائی نفرت ہے اس کم ظرف انسان سے مجھے۔ اس کم ظرف کے مقابلے میں، میں کسی کو بھی گوارا کرسکتی ہوں۔ خواہ وہ آپ ہی کیوں نہ ہوں ارمان صاحب!"

شنزرا کے نفرت آگیں لہجے میں زہر میں۔ بجھا تیر سیدھا اسد کے دل میں اتر گیا۔ لائن اسی وقت کٹ گئی، اس نے ریسیور رکھ دیا۔ مزید کچھ کہے سنے بغیر۔ وہ جتنا اس کے قریب جانے کی کوشش کرتا، وہ اتنا ہی دور ہوجاتی۔ آج کل گھر میں شنزرا موضوع گفتگو تھی۔ اس لئے وہ اسے کھوج رہا تھا اور جتنا کھوج رہا تھا۔ اتنا الجھ رہا تھا اور اس سے بڑھ کر اذیت کیا ہوگی کہ وہ اس کے مقابلے میں کسی کو بھی گوارا کرسکتی تھی۔ خواہ وہ ارمان ہی کیوں نہ ہوتا۔

"اف کس قدر بدگمان ہو تم شنزرا! تمہیں ذرا بھی احساس نہیں، میں تمہاری نفرت کی برف کے نیچے دب کر ختم ہوجاؤں گا شنزرا! اور تمہیں پتا تک نہیں چلے گا کہ میں نے کتنی شدت سے تمہیں چاہا ہے؟ مگر اس میں تمہارا کیا قصور، میرے ہی جذبوں میں اتنی تپش نہیں تھی کہ تمہاری نفرت کی برف کو پگھلا سکتے۔ ارمان۔ ہونہہ ارمان بھی گوارا ہے۔"

اسد کو اپنے ہی فرضی کردار سے نفرت محسوس ہونے لگی، وہ خود سے لڑتا رہا۔ کتنی دیر کمرے میں ٹہلتا رہا، سوچتا رہا۔ پھر باہر آگیا۔ زاہدہ بیگم اور صائمہ کا موضوع گفتگو بھی شنزرا ہی تھی۔

"امی! یہ جواد اپنی امی کو لے کر آیا ہے تو یہ اچھی بات نہیں۔ آپ پھپھو سے شنزرا کی بات کیوں نہیں کرلیتیں۔ شنزرا پر بہرحال ہمارا حق زیادہ ہے اور فرض کریں جو جواد کی امی بھی پہنچ گئیں تو پھپھو کے لئے تو مسئلہ ہوجائے گا۔ وہ فیصلہ نہیں کرپائیں گی اور امی میں سمجھتی ہوں کہ جتنی زیادتیاں ہم نے شنزرا کے ساتھ کی ہیں اس کا ازالہ ہم اسے اتنی محبت اور عزت دے کر کرسکتے ہیں اور یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہم اسے اسد کی دلہن بنا کر لے آئیں۔"

"بات تو تمہاری بھی درست ہے، میں آج ہی مشتاق کے ساتھ باجی سے بات کرنے جاؤں گی، واقعی ایسا نہ ہو۔ ہم سوچتے رہ جائیں اور جواد!"

"کوئی کہیں نہیں جائے گا امی! میں نے کہہ دیا ہے۔ پھپھو شنزرا کی شادی جواد سے کریں، یا کسی اور سے مگر آپ میرے لئے وہاں نہیں جائیں گی۔"

اسد کے لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ ماں بیٹی حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"اسد! یہ کیا کہہ رہے ہو تم۔ تمہیں تو شنزرا پسند تھی۔"

صائمہ اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ اس کا چہرا ہاتھوں میں تھام لیا۔ تو اسد نے نظریں چرالیں۔

''ہونہہ پسند صائمہ باجی! وہ اس وقت تو میں آپ لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے کہہ دیا کرتا تھا، ورنہ اس لڑکی میں بدتمیزی حد درجہ بھری ہوئی ہے کسی کی عزت، ذلت کا اسے احساس ہی نہیں، یوں بھی میں کسی ڈاکٹر لڑکی سے شادی کروں گا تاکہ......''

''مت کرو ایسی باتیں اسد! تمہارے الفاظ، تمہارا کھوکھلا لہجہ، تمہارا...... دل اور تمہاری آنکھوں میں موجود سچائی کا ساتھ نہیں دے رہے۔ ہم نفرت، حقارت اور مخالفت کا صحرا عبور کر کے آئے ہیں اور ہم کو احساس ہوا ہے کہ محبت ہی خوشی، محبت ہی زندگی ہے، شنذرا بے حد اچھی اور معصوم لڑکی ہے زبان کی کھری، دل کی سچی۔ یہ تو ہم ہی لوگوں نے ان سب کو نہیں سمجھا تھا ورنہ تو وہ۔''

''وقت وقت کی بات ہوتی ہے صائمہ باجی! بس کہہ دیا ناں آپ لوگ شنذرا کے متعلق پھپھو سے بات نہیں کریں گی۔ میں نے کہہ دیا ہے...... اور ہاں اب میں منیب کے پاس جا رہا ہوں۔ ہوسکتا ہے دیر ہو جائے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رات اسی کے ساتھ رہ جاؤں، خدا حافظ۔''

وہ دل جلا تھا ماں اور بہن کو حیران اور پریشان کر کے آگے بڑھ گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆......☆......☆

''شنذرا باجی! کیا بات ہے، میں دیکھ رہی ہوں۔ آپ کچھ الجھی سی رہنے لگی ہیں۔ یوں جیسے کوئی فیصلہ کرنا چاہتی ہوں اور کر نہ پا رہی ہوں۔''

صدف نے اس کی الجھی کیفیت کو پڑھ لیا تھا۔ وہ جب سے ارمان سے بات ہوئی تھی، بہت پریشان تھی، اسد سے اسے شدید نفرت محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ کسی کو بھی گوارا کر سکتی تھی، اسد کے مقابلے میں۔

''صدف! میرا ایک کام کرو۔''

''کیسا کام۔'' صدف نے تکیہ پر غلاف چڑھا کر بیڈ پر رکھتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

''یہی کہ امی سے کہہ دو، ارمان کی ماں بہنیں اگر آئیں تو ان کو ہاں کہہ دیں۔''

''ارمان کی ماں بہنیں کب آئی تھیں؟'' صدف نے مسکرا کر اس کی پشت کو دیکھا، جو کھڑکی کھولے آسمانوں پر اڑتے پرندوں کو دیکھ رہی تھی۔

''وہی جو آئی تھیں، اور میں نے ان کے ساتھ بدتمیزی کی تھی۔''

''کمال کرتی ہیں آپ بھی، وہ ارمان کی ماں بہنیں کب تھیں۔''

''پھر......'' حیرت و استعجاب کے تاثرات لئے شنذرا اس کی طرف گھومی۔

''وہ لوگ تو نیچے والے فلور پر نئی آئی تھیں۔ آتے جاتے امی سے ملاقات ہوگئی تھی۔ امی نے گھر آنے کو کہا تو وہ لوگ آ گئیں اور آپ نے ان کو مار کر بھگا دیا۔ اس کے بعد ان کی آپ کے بارے میں رائے تھی کہ آپ پاگل ہیں۔ کئی اچھے اور ماہر ڈاکٹرز کا ایڈریس بھی دے دیا تھا۔ بڑی مشکل سے ان کو یقین دلایا کہ آپ کو غلط فہمی ہوگئی تھی۔ اس لئے ایسا ہوا، آپ نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔''

''وہ ارمان کی ماں بہنیں نہیں تھیں تو۔ تو اس نے کیوں کہا کہ تم میری ماں بہنوں کو بہت پسند آئی ہو۔''

شنذرا، ارمان کی اس حرکت پر الجھ کر رہ گئی، جس نے اسے خود بتایا تھا کہ اس کی امی اور بہنیں آئیں گی، اور جب وہ لوگ آ کر چلی گئیں تو اس نے کہا کہ تم ان کو پسند آئی ہو۔

''ارے چھوڑیں شنذرا باجی! یوں ہی مذاق میں کہہ دیا ہوگا۔''

صدف کے منہ سے بات تو نکل ہی چکی تھی، اب بات سنبھالنا مشکل ہو رہی تھی۔ شنذرا مشکوک نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

''مذاق میں کہہ دیا ہوگا۔ میں، میں ان کمینوں کے مذاق۔ کے لئے ہوں۔''

''آپ تو بے وجہ ہی بات کو بڑھا رہی ہیں شنذرا باجی! حالانکہ ایسی کوئی سنگین بات نہیں ہوئی۔''

''سنگین! تمہیں اندازہ نہیں صدف! اس بات کی سنگینی کا، میں اس ذلیل ارمان کو کبھی معاف نہیں کروں گی، اور یہ اسد جو خاندان بھر کا ہیرو بنا پھرتا ہے، کمینے کا منہ نوچ لوں گی، جواب میرے سامنے آیا تو۔''

شنذرا انتہائی غصے میں تھی۔ صدف نے زیادہ بحث فضول سمجھی۔ وہ باہر نکل گئی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' جواد اس کی اندرونی کیفیت سے بے خبر تھا جو اسد کے آنے اور جانے کے بعد عجیب سی ہوگئی تھی۔

☆......☆......☆

اسد منیب کے ہاں سے واپس آیا تو جواد کو اپنے کمرے میں اپنا منتظر پا کر وہ کچھ حیران سا ہوگیا۔

''جواد! خیریت تو ہے ناں۔''

''کوئی بھی مریض کسی ڈاکٹر کا انتظار کر رہا ہو تو خیریت کہاں ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب!''

جواد معنی خیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تو اسد کچھ پریشان سا ہوگیا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''لیکن اسد! میں سب کچھ سمجھتا ہوں، تمہارے تیور، تمہارا لہجہ، تمہاری باتیں، سب سمجھتا ہوں، تمہارے ہاں مہمانوں کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا جاتا ہے یا صرف اس سلوک کا مستحق مجھے ہی سمجھا گیا ہے۔''

جواد نے ایک ہی جملے میں اس کے بدصورت رویے کا اسے احساس دلا دیا تو کچھ دیر کے لئے اسد کی نگاہیں ندامت سے جھک گئیں۔ واقعی وہ بھی رقابت کے احساس میں مغلوب ہو کر میزبانی کے فرائض ہی بھول گیا تھا۔

''سوری یار جواد! میں...... میں دراصل۔'' اسے اپنے دفاع کے لئے بہانا بھی نہیں مل رہا تھا۔

''نہیں اسد! کسی ندامت یا معذرت کی قطعی ضرورت نہیں، جذبوں کے جس موڑ پر تم کھڑے ہو وہاں یہ سب جائز ہے۔ تم نے پھر بھی بڑے پن کا ثبوت دیا۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو شاید۔ خیر اس وقت تم سے انتہائی اہم بات کرنے آیا ہوں، یا یوں کہہ لو کہ کچھ مانگنے آیا ہوں۔ امید ہے انکار نہیں کرو گے۔''

جواد کا بات کرنے کا انداز واقعی بڑا اچھا تھا۔ شنذرا نے تعریف کردی تھی، تو اسے غصہ آگیا

تھا۔ لیکن وہ کیا مانگنے جا رہا تھا وہ ڈول سا گیا۔

"کیا بات ہے جواد! غیروں کی طرح بات کیوں کر رہے ہو۔ اعتماد کے ساتھ بات کرو۔

میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ لیکن پھر بھی کہو۔"

"پہلے وعدہ کرو انکار نہیں کرو گے۔"

جواد بھی نجانے کس بات کے لئے اسے تیار کر رہا تھا، اسد کو تو گھبراہٹ ہونے لگی۔

"کہو جواد!" اس نے ڈولتے دل کے ساتھ کہا۔

"میں تمہارے چہرے سے اور آنکھوں میں خوف زدہ تحریر سے اچھی طرح جان چکا ہوں کہ تم کیوں خوف زدہ ہو، لیکن دوست! ایسی کوئی بات نہیں۔ شنذرا بہت اچھی لڑکی ہے اور ماضی میں وہ میری..... خواہش بھی رہی ہے۔ مگر اسد! میں چاہتوں میں زبردستی کا قائل نہیں۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ میں اس سفر میں تنہا ہوں، لہٰذا میں نے شنذرا کا خیال دل سے نکال دیا اور اسے بہت اچھی دوست بنالیا اور بس۔"

"بس....." اس کے صاف سچے لہجے کے جواب نے چوری نظروں سے جواد کو دیکھا جو اس کے مقابل کھڑا اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

ہاں۔ بس اس لئے کہ ہزار نفرتوں، حقارتوں کی دبیز برف میں بھی تمہاری چاہت کی حسرت کو محسوس کیا ہے۔ میں تو یہاں صرف اور صرف ہما کی خاطر آیا ہوں۔"

جواد آج حیرت ناک انکشاف کر رہا تھا کہ اسد کو جیسے تاریک جنگلوں میں جگنو چمکتے نظر آنے لگے تھے۔

"ہما کی خاطر۔" اس نے خودکلامی کے سے انداز میں دہرایا۔

"ہاں اسد! ماضی میں جو کچھ بھی ہوا میں سمجھتا ہوں اس ڈرامے میں سب سے زیادہ زیادتی ہما ہی کے ساتھ ہوئی۔ وہ معصوم سی لڑکی ہماری ڈرامابازی کا شکار ہوئی ہے..... میں جیسا بھی تمہارے سامنے ہوں، امی کو لندن سے صرف اور صرف ہما کی خاطر یہاں لے کر آیا ہوں۔ بات اس لئے نہیں کی کہ یہاں آ کر دیکھا تو سارا ماحول ہی بدل چکا تھا۔ آنٹی زاہدہ اور باجی صائمہ بھی بدل گئی ہیں۔ اس لئے خوف زدہ ہوں کہ کہیں امی بات کریں اور انکار نہ ہو جائے۔ اس لئے سوچا پہلے تم سے بات کرلوں، اگر تم مجھے کسی قابل سمجھتے ہو تو....."

"جواد..... تم نے اتنے دن یہ بات چھپائے رکھی، اللہ کا شکر ہے ماحول میں مثبت تبدیلی آئی ہے۔ رہی تمہاری قابلیت کی بات تو جواد، خدا کی قسم تم پر تو اتنا اعتماد ہے کہ اگر شنذرا سے بھی کہتے تو دکھ تو ہوتا مگر یہ اطمینان بھی ہوتا کہ تم اس کی عزت کرو گے، اور ہما تو..... یہ ہما کی خوش قسمتی ہے کہ اسے تم جیسا ساتھی ملے۔ میں بے حد خوش ہوں، جواد بے حد۔" اسد نے خوشی سے جواد کو گلے لگالیا۔

☆.....☆.....☆

جواد کی خواہش کا پتا جب گھر میں چلا تو زاہدہ بیگم بے اختیار سجدہ ریز ہوگئیں۔

"میرے مہربان رب عظیم میں کس قدر گناہ گار اور تیری پاک ذات کس قدر مہربان۔ میں نے

یہ سب کچھ ہی تو چاہا تھا۔"

"لیکن امی! غلط طریقے سے نہیں انسان کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے خدا سے رجوع کرنا چاہئے، اور اگر ہو سکے تو مثبت انداز میں کوشش کرنی چاہئے۔ میں ہمیشہ یہی کہتا رہا ہوں ناں، آپ لوگوں سے۔ بہرحال اللہ کا شکر ہے۔ سارے کام اچھے ہو رہے ہیں۔ سب کچھ حسب منشا ہو رہا ہے۔"

اسد ان کے قریب جائے نماز پر بیٹھ گیا۔

"اسد بیٹے! میرے اللہ پاک نے اتنا فضل کیا ہے مجھ پر..... کہ شکر..... ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ بس اک خواہش ہے کہ اپنی شنذرا کو تمہاری دلہن بنا......"

"امی! پلیز چھوڑیں یہ باتیں۔" اسد اکتا کر اٹھنے لگا تو انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔

"کیوں چھوڑ دوں بیٹا! جب ہم غلطی پر تھے تو تم اس کے سامنے ڈھال بن جاتے تھے اس سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے، اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کی روشنی عطا کی ہے تو تم۔ کیا بات ہے؟ اس وجہ سے تو میں بھی خوف زدہ ہوئی تھی، مگر خدا نے وہ مسئلہ بھی حل کردیا۔ اب تم ایسی بات کیوں کر رہے ہو، کیوں انکار کر رہے ہو شنذرا کے لئے؟"

زاہدہ بیگم آج اصل بات جان لینا چاہتی تھیں۔ اب اسد کیا بتاتا۔

"کہاں میں انکار کر رہا ہوں امی! مگر فی الحال آپ میرا اور شنذرا کا ذکر چھوڑ دیں۔ مناسب وقت آنے پر میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔"

وہ جلدی سے وہاں سے ہٹ گیا تاکہ وہ مزید جرح نہ کرسکیں۔ اسد اپنے کمرے میں آگیا۔ شنذرا کی مستقل ہٹ دھرمی نے اسے زچ کرکے رکھ دیا تھا۔

"کہنے کو تو میں بھی نہیں جھکوں گا تمہارے سامنے شنذرا۔ اختیار ہے مجھے اپنے آپ پر۔ تم اگر میرے مقابلے میں کسی کو بھی گوارا کرسکتی ہو تو میں..... میں کیوں جھکوں تمہارے سامنے۔ میرے جذبے اگر تم پر اثر نہیں کرسکے تو..... تو پھر سب باتیں بے معنی ہیں۔ بے معنی ہیں۔"

اسد نے پرفیوم اٹھا کر..... پھینک دیا، اور باہر نکل آیا۔

☆.....☆.....☆

"تیمور بیٹے! اجل کا کبھی تم نے نام نہیں لیا بیٹا! اب میں چاہتی ہوں، گھر میں بڑی بہو آجائے تو میں ذمہ داریاں اسے سونپ کر آرام کروں۔"

اتنے ڈھیر سارے دنوں بعد امی نے یادوں کے سمندر میں اجل کے نام کا پتھر اچھالا تو بے شمار یادیں لہروں کی صورت میں ابھر کر سطح پر آگئیں۔

"امی! ابھی آپ ایسا سوچیں بھی مت۔" وہ اس ذکر سے کترا گیا۔

"کیوں بیٹا! اتنی پیاری بچی ہے۔ اس کی بھابی بھی بڑی اچھی ہے۔ کوئی ایسا غرور، تکبر تو نظر نہیں آیا مجھے ان میں۔"

"امی! بہت سی چیزیں ہماری نظروں سے اوجھل ہوتی ہیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ان کا وجود نہیں ہے۔ اصل میں وہی سب کچھ ہوتی ہیں۔ بہرحال ہمیں کسی سے کیا، امی ابھی تو مجھے پڑھنا ہے۔"

وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس ہرجائی کا ذکر طول پکڑے۔

"پھر پڑھنا ہے، کتنا پڑھنا ہے تم کو ابھی۔ ایم اے تو کرلیا ہے اور جاب بھی تمہیں اچھی تنخواہ کی مل گئی ہے پھر......"

جس طبقے سے وہ تعلق رکھتی تھیں۔ وہاں ایم۔اے کرکے اچھی ملازمت مل جانا ہی کامیابی سمجھا جاتا تھا۔ اس لحاظ سے تو ان کا بیٹا کامیاب تھا۔ مگر وہ بھولی بھالی سی خاتون نہیں جانتی تھیں کہ دنیا کے تقاضے کیا ہیں اور نجل جس دنیا کی باسی تھی۔ وہاں کے اصول ہی اور تھے۔

"امی! آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میرے اور نجل کے درمیان کیا فرق ہے اور جب تک میں اس کے برابر آؤں گا۔ تب تک وہ یا اس کے گھر والے انتظار نہیں کرسکتے۔ اس لئے اس قصے کو بھول جائیں۔"

اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جانے کس کو بہلایا، امی کو یا خود کو۔

"لیجئے بھیا! آپ کے پسندیدہ گرم گرم سموسے۔ شنزرا باجی چائے یہیں لے آئیں۔"

فرخ شاپر میز پر رکھ کر شنزرا کو چائے کا کہنے لگا۔

"واہ۔ یہ ہوئی ناں بات، بلاؤ صدف کو۔ ہم سارے بہن بھائی آج مل کر چائے پئیں گے۔ آجاؤ بھئی لڑکیو۔"

تیمور خود اس وقت نجل کی...... یادوں کے حصار سے نکلنا چاہتا تھا۔ اس نے آواز دے کر سب کو بلایا تو شنزرا اور صدف چائے بنا کر لے آئیں، وہ لوگ وہیں بیٹھ گئے۔

"ارے امی! آپ کہاں چلیں بیٹھیے ناں۔"

تیمور نے...... امی کا ہاتھ پکڑ کر ان کو بٹھانا چاہا۔

"نہیں بیٹا! تم لوگ پیو چائے۔ میں نماز پڑھ لوں۔ عصر تنگ ہورہی ہے، یوں بھی میں اپنے رب عظیم کا شکر تو ادا کرلوں۔ جس نے میرے بچوں کو پھر ایک چھت تلے اکٹھا کیا ہے۔ خدا کرے تم لوگوں میں یوں ہی محبت رہے۔"

امی کے جانے کے بعد تیمور ان لوگوں سے ہلکے پھلکے انداز میں باتیں کرتا رہا۔

"ہاں یاد آیا یار فرخ! تم نے اپنے دوست سے ملوانے کا وعدہ کیا تھا۔ کیا نام ہے ارمان! کب ملوا رہے ہو۔ یار ملواؤ اس کے تو بڑے احسانات ہیں ہم پر، شکریہ تو ادا کروں۔"

کسی کے دھیان میں بھی نہیں تھا۔ تیمور اچانک ارمان کا ذکر لے آئے گا۔ شنزرا کے ہاتھ میں چائے کا کپ لرز گیا۔ فرخ نے بھی ایک نظر شنزرا پر ڈالی۔

"وہ بندہ انسانیت کی خوبصورت تصویر ہے۔ بھیا نہ تو وہ احسان جتاتے ہیں اور نہ شکریہ قبول کرتے ہیں۔"

"ہونہہ! کس قدر بکا ہوا ہے وہ فرخ اس اداکار کے آگے۔ ایسا شیشے میں اتارا ہے بچے کو۔ ابھی بتادوں ناں بھیا کو۔ اس کے احسانات کا مطلب تو ساری پارسائی دھری رہ جائے موصوف کی۔"

راکھ ہوتی شنزرا سوچ رہی تھی۔

"پھر تو میں ضرور ملوں گا بھئی، ایسے اچھے لوگوں سے تو ضرور ملنا چاہئے۔ ضرور ملواؤ اس سے۔" تیمور تو بضد تھا۔ ارمان سے ملنے پر شنزرا کو مستقل اس کے ذکر سے کوفت ہونے لگی۔ وہ وہاں سے

اٹھنے لگی۔ اسی وقت اسد بڑے خوشگوار موڈ میں اندر داخل ہوا۔ ایک بھرپور نگاہ شنزرا پر ڈالی اور آگے آگیا۔

"السلام علیکم تیمور بھائی! لگتا ہے بڑے وقت پر آیا ہوں۔ سموسے، چائے، واہ۔" وہ ایک دم ہی چٹخارے بھرتا آگے بڑھا۔

"چائے ختم ہوچکی ہے۔" شنزرا اپنی نفرت کہاں چھپا سکتی تھی۔

"چائے اور بھی بن سکتی ہے جاؤ شنزرا! اسد کے لئے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔"

تیمور کو بھی شنزرا کا انداز اچھا نہیں لگا۔ وہ اب کچھ نہیں کہہ سکتی تھی، فوراً اٹھ گئی۔ مگر جاتے جاتے فرخ اور اسد کے جملے کانوں میں اتر گئے۔

"اسد بھائی! بھیا ارمان سے ملنا چاہتے ہیں کہ اس کے احسانات کا شکریہ ادا کرسکیں۔"

فرخ کی معنی خیز نگاہوں نے اسد کو دیکھا۔ تو اسد نے بلند آواز میں کہنا شروع کردیا تاکہ شنزرا بھی سن لے۔

"ارے تیمور بھائی! چھوڑیں ایویں سا بندہ ہے۔ انتہائی فلرٹ، بدتمیز آدمی ہے۔ لڑکیوں کو پٹانا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ فون کرکر کے لڑکیوں کو بے وقوف بناتا ہے، ہاں یہ ہے کہ پرسنالٹی بہت اچھی ہے، اسی کو کیش کراتا رہتا ہے، اور لڑکیاں فول بنتی ہیں۔"

وہ شنزرا کو سنانے کے لئے اونچی آواز میں ارمان کی برائیاں کررہا تھا اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ وہ کھول اٹھی تھی۔ جی تو یہی چاہ رہا تھا کہ ابھی جاکر بھیا کے سامنے اس کے کرتوت بھی کھول کر رکھ دے۔ مگر اسے معلوم تھا اس اداکار نے امی کی طرح بھائی کو بھی شیشے میں اتار لیا تھا۔

"ایسے نہیں کہتے یار اسد! دوست کے عیب نہیں دیکھے جاتے، اور اس طرح سوچ کر ہمیں اس کی نیکی برباد نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا کرو ملواؤ تو اس سے، میں خود دیکھنا چاہتا ہوں، کہ اس کے قول وفعل میں کیا تضاد ہے۔"

تیمور اس کے باوجود ارمان سے ملنے کے لئے بضد تھا۔ نجانے کیوں اسے بھی دال میں کالا کالا نظر آرہا تھا۔

"ٹھیک ہے بھیا! ملوادوں گا، اور پھر آپ جو بھی فیصلہ کریں گے۔ مجھے منظور ہوگا۔ ویسے ہوسکتا ہے آپ کے سمجھانے سے سمجھ جائے۔"

اسد نے شنزرا کو برتن اٹھانے کے بہانے اندر آتا دیکھ کر کہا۔

"شنزرا! چائے نہیں بنی ابھی۔" تیمور نے پھر چائے کا پوچھا۔

"بھیا! رکھی تو ہے بن جائے گی تو لے آؤں گی۔"

"رہنے دیں تیمور بھائی! اس طرح جلے دل کے ساتھ چائے بنے گی تو کیا وہ پینے کے لائق ہوگی۔ رہنے دیں۔ میں ہوٹل میں جاکر پی لوں گا۔"

وہ زیادہ ہی اہمیت بنانے کے چکروں میں مسکین بن گیا۔ تو شنزرا کھول کر رہ گئی۔

"ہوٹل سے پی کر ہی آیا کرو۔ جتانا ضروری ہے کیا؟"

وہ آخر کہاں تک ضبط کرتی۔ اس نے پلٹ کر جملے کا جواب دیا۔

"یہ تم دونوں ہر وقت ایک دوسرے کے خلاف جنگ پر آمادہ کیوں رہتے ہو۔ آخر یہ دشمنی کب ختم ہوگی۔"

"دیکھیں تیمور بھائی! جب اللہ کو منظور ہو۔"

اسد نے باہر نکلتی شذرا کو دیکھا، جس کے چہرے سے اس کی نفرت ظاہر ہو رہی تھی۔ پھر کافی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔

"ارے بھئی شذرا! چائے نہ ہوئی پائے ہوگئے۔ لے آؤ بھئی بندہ چائے کی آس میں بڈھا ہو رہا ہے۔" تیمور نے اندر سے ہانک لگائی۔

"میں دیکھتا ہوں۔" فرخ اٹھنے لگا۔

"تم رہنے دو، میں خود دیکھتا ہوں۔" اسد کھڑا ہوگیا۔

"لگتا ہے تمہیں بھی سنے بغیر قرار نہیں آتا۔" تیمور مسکرایا۔

"کیا کروں تیمور بھیا! عادت سی ہوگئی ہے۔"

وہ شوخ سی دھن پر سیٹی بجاتا ہوا کچن میں آ گیا۔

"ہوں، یہ ہوئی ناں بات، ابھی سے میرے کاموں کی عادت ڈال لو تاکہ بعد میں دقت نہ ہو۔"

وہ شوخ گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پر حقارت اور نفرت تھی۔ اس نے اس بات کو اہمیت نہیں دی۔ اپنے کام میں لگی رہی۔

"پکوڑے نہیں بنا رہی ہو میرے لئے؟" وہ اس کے مقابل کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"اسد۔ اسد پلیز! پل پل مارنے سے بہتر ہے، ایک ہی بار مار دو۔ تمہاری تسکین تو ہو جائے گی۔"

ایک تو تیمور کی ڈانٹ، اوپر سے اسد کی باتیں۔ وہ پھوٹ پڑی۔ ضبط کا بند توڑتے آنسو رخساروں پر پھیل گئے۔ اسد ایک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں کیا خبر شذرا! میری تسکین کس بات میں ہے۔ مجھے خوشی کس بات سے حاصل ہوسکتی ہے۔

دیکھو شذرا! زندگی خوشبو ہے اور خوشبو صرف محسوس کی جاسکتی ہے۔ خواہ وہ جذبوں کی مہک ہو، یا پرفیوم کی۔ پھر پرفیوم بڑے ارمانوں سے تمہارے رومیو نے تمہارے لئے بھیجا ہے۔ قبول کرو، مجھے تفصیل بھی بتانی ہے جاکر۔"

اسد اس کا پسندیدہ پرفیوم کو برا اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ اس کی باتیں، اس کا لہجہ ارمان اور اس کی ملی بھگت اس کے حواس معطل ہونے لگے۔

"تم دونوں گھٹیا ترین آدمی ہو۔ مر جاؤ تم دونوں۔"

شذرا نے پرفیوم لے کر اسد کی طرف پھینکا۔ جو اس کے سینے سے ٹکرا کر اس کے پیروں میں گر کر ٹوٹ گیا۔ شیشے کی کئی کرچیاں اسد کے پیروں میں پیوست ہوگئیں، اور خون رسنے لگا۔ اس نے شذرا کو دیکھا جس کے چہرے پر خفگی کے باوجود نمی اتری ہوئی تھی۔

پرفیوم کی بوتل ٹوٹنے کی آواز اندر گئی تو تیمور، فرخ باہر بھاگے۔

"کیا ہوا اسد؟ شذرا! خیریت تو ہے ناں۔" تیمور نے شذرا سے پوچھا تو وہ جواب دیئے بغیر مڑ گئی پھر وہ اسد کی طرف بڑھا جبکہ فرخ ساری کہانی سمجھ چکا تھا۔

"ارے تیمور بھائی! کچھ بھی نہیں ہوا۔ یہ پرفیوم لایا تھا کسی دوست کے لئے، یہاں فریج سے پانی نکالنے لگا تو ہاتھ سے پرفیوم کی بوتل گر کر ٹوٹ گئی۔ بس اتنی سی ہے داستان۔"

اسد نے انتہائی عام سے لہجے میں بتایا تو تیمور مطمئن ہوگیا۔

"اچھا پیر ہٹاؤ زخم آ گئے ہیں کرچیاں لگنے سے۔"

"چھوڑیں تیمور بھائی۔ یہ تو محبت کے زخم ہیں۔ بڑے معتبر ہوتے ہیں وہ زخم۔ وہ گھاؤ جو دل پر لگتے ہیں، روح پر لگتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔ اچھا خیر شذرا! چائے بن گئی ہے تو دے دو یا جاؤں۔"

وہ زخمی...... لہجے میں بولتا ایک دم سیدھا ہوا اور نارمل انداز میں شذرا سے چائے کا کہہ کر باہر نکل گیا۔ پیچھے ہی فرخ اور تیمور چلے گئے، شذرا کو شدید قسم کا رونا آ رہا تھا۔ نجانے کیوں وہ ہمیشہ ہی اسد کے رویے سے الجھ جایا کرتی تھی۔

وہ چائے دینے کے بجائے ٹھنڈے فرش پر بیٹھی روتی رہی۔

☆......☆......☆

اسد تو اسی وقت پاؤں کا بہانہ بنا کر جا چکا تھا۔

"بھائی! آپ کو اسد بھائی کی گھڑی ہوئی کہانی پر اعتبار آ گیا؟"

اس کے جانے کے بعد فرخ تیمور کے برابر آن بیٹھا۔ آج اس نے بھی سب کچھ کہہ دینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"کیا مطلب گھڑی ہوئی کہانی۔ بھئی، سیدھی سی بات ہے۔ بوتل گر کر ٹوٹ گئی بس۔"

تیمور اندر کی بات سے قطعی ناواقف تھا۔ انجان پن سے بولا۔

"حقیقت اس کے برعکس ہے بھیا۔"

"الجھاؤ مت۔ حقیقت بتاؤ کہ اسد اور شذرا کے درمیان یہ کیا ان بن چلتی رہتی ہے۔ شذرا کا رویہ تمام کزنز کے ساتھ نارمل بلکہ اچھا ہے جبکہ اسد کے ساتھ نہایت برا۔ حالانکہ اسد بے حد اچھا لڑکا ہے ہمارے خاندان کا۔"

"حقیقت یہ ہے بھیا! کہ اسد بھائی اور شذرا باجی! میں دشمنی سی ہے۔ شذرا باجی اسد بھائی کو بے حد برا سمجھتی ہیں جبکہ اسد بھائی کے کردار کے دوسرے رخ سے صرف میں ہی واقف تھا۔ اب اور لوگ بھی ہیں مگر آپ ناواقف ہیں۔"

"پھر وہی پہیلی۔" تیمور چڑ گیا۔

"اسد کا دوسرا کردار کیا ہے۔ بتاؤ۔"

"بھائی ارمان کا کوئی وجود نہیں۔"

"کوئی وجود نہیں۔ کیا مطلب؟"

"مطلب یہ بھائی کہ اسد اور ارمان ایک ہی کردار کے دو نام ہیں۔"

''کیا؟'' تیمور کھڑا ہو گیا، انکشاف ہی دھماکا خیز تھا۔

''جی بھائی! یہ ڈراما ہمیں مصلحتاً کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے اسد بھائی کو ہمارا سہارا بنایا۔ وہ میرا فرضی دوست ارمان بن کر ہماری کفالت کرتے رہے، اور ایسے وقت میں جب ہمارا سایہ بھی ہمارا دشمن تھا۔ انہوں نے دوست بن کر ہمارا ساتھ دیا۔ انہوں نے مجھے قسم دی اور وعدہ لیا کہ جب تک وہ نہ کہیں کسی کو کچھ نہ بتاؤں۔ وہ ارمان بنے رہے، شنذرا باجی ان سے نفرت کرتی رہی۔ مگر اب مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور آپ بھی بار بار پوچھتے تھے تو جاتے جاتے میں نے اسد بھائی سے اجازت لے لی، انہوں نے قسم بھی ختم کر دی، اور وعدہ بھی واپس لے لیا، تاکہ میں آپ کو بتا سکوں اور یہ بھی کہا ہے کہ آپ شنذرا باجی کو کوئی سرزنش نہ کریں۔''

فرخ بتا رہا تھا اور تیمور حیرت سے اس کا منہ دیکھ رہا تھا۔

''اسد اچھا لڑکا ہے۔ اتنا تو میں جانتا تھا مگر وہ اس حد تک پرخلوص ہو سکتا ہے، یہ نہیں جانتا تھا۔ ناحق اس نے خود کو پردے کے پیچھے رکھا۔ میرا سر تو اس کے سامنے جھک سا گیا۔''

وہ دونوں بھائی اسد کی قصیدہ گوئی میں مصروف تھے، اور نہیں جانتے تھے کہ شنذرا یہ ساری باتیں سن چکی ہے۔ وہ چائے لے کر آئی تھی۔ ساری داستان اس کی سماعتوں سے اتر کر ایک ایک پردہ ہٹاتی چلی گئی، اتنا بڑا انکشاف اسد اور ارمان ایک ہی کردار کے دو نام اور...... اف میرے خدا۔ یہ سب میرے ہی ساتھ کیوں ہوا۔ وہ بالکونی میں آ گئی۔ پچھلے واقعات کسی فلم کی طرح اس کی نگاہوں کے سامنے گھوم رہے تھے اور ہر سین میں اسد ہیرو کے روپ میں ملا، اس کی اعلیٰ ظرفی اس کی باتیں اس کا نوک جھوک......

''اسد......! اسد! یہ تم نے کیا کیا تم نے اس کھیل کے لئے مجھے ہی منتخب کیوں کیا...... اپنی نفرتوں، حقارتوں کے لئے بھی تم نے میرا انتخاب کیا۔ اپنی محبتوں اور احسانات کے لئے بھی تم نے میرا ہی انتخاب کیا۔ مجھے بیوقوف بنانے کے لئے بھی میرا ہی انتخاب کیا۔ کیوں کیا؟''

احساس شکست اور اسد کی عظمت اور پھر اس کی اداکاری دوہری شخصیت کا سوچ سوچ کر اسے رونا آ رہا تھا۔ وہ خود کو بہت چھوٹا تصور کر رہی تھی۔

وہ نجانے کب تک بالکونی میں کھڑی رہتی کہ فرخ باہر نکل آیا۔

''ارے شنذرا باجی آپ۔ یہاں کیا کر رہی ہیں۔ اور یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے کیوں رو رہی ہیں؟'' فرخ نے اس کے سرد ہاتھ تھام لئے۔ تو وہ اس کا بازو پکڑ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی چھت پر لے آئی فرخ گھبرا سا گیا۔

''شنذرا باجی! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ خیریت تو ہے ناں۔'' وہ گھبرائی آواز میں بولا۔

''تم نے اسد کے بارے میں مجھے کیوں نہیں بتایا کہ اسد ہی ارمان ہے اور''

''اس کا مطلب ہے آپ نے سب کچھ سن لیا ہے۔''

''فرخ! تم نے زیادتی کی ہے۔ میرے ساتھ، مجھے پہلے کیوں نہیں بتا دیا۔ میں لاعلمی میں سب کچھ کرتی رہی۔ بتا دیتے تو ایسا کیوں ہوتا۔''

نفرت اور عداوت کی جگہ اب ندامت نے لے لی تھی۔

''پہلی بات تو یہ کہ آپ کو اگر بتا بھی دیتا تو آپ...... ہرگز یقین نہیں کرتیں اور دوسری بات یہ

کہ اسد بھیا نے قسم دے کر منع کیا ہوا تھا۔ وہ تو بھائی جان کے پوچھنے پر میں نے اسد بھائی کی اجازت سے بتا دیا تھا۔ اچھا چلیں، اب تو پتا چل گیا ہے۔ اب دیکھ لیں گے۔ آپ کس طرح پیش آتی ہیں ان سے.. چلیں فی الحال تو نیچے چلیں، کافی ٹھنڈ ہو رہی ہے۔''

فرخ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا رہا تھا۔

''نہیں فرخ! تم جاؤ، میں آ جاتی ہوں۔'' اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔

''جلدی آ جایئے گا۔ ایسا نہ ہو، صبح اکڑی ہوئی پائی جائیں۔''

فرخ چلا گیا اور خنک فضا میں تاروں کی چھاؤں میں اسد کو سوچنا کبھی اتنا بھی اچھا لگ سکتا ہے اس بات کا اسے احساس نہیں تھا۔ اس کی باتیں اور اپنی حرکتیں یاد کر کے وہ نادم ہوتی رہی۔

☆......☆......☆

''ہوں تو گویا اسد میاں کا ڈراما ختم ہو گیا۔''

''کیا مطلب، تمہیں پتا تھا کہ......؟''

''ہاں۔ بہت پہلے سے۔'' ندا مسکرائی۔

''کتنے ذلیل ہو تم لوگ ندا! مجھے بتایا بھی نہیں۔'' وہ خفا ہو گئی، ندا سے جس کو اس نے بڑے چاؤ سے ہمراز بنایا تھا۔

''کیسے بتاتے، اسد نے سختی سے منع کر رکھا تھا۔''

''ٹھیک ہے۔ اب میں بھی موصوف کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کر دوں گی۔''

شنذرا کو غصہ آ رہا تھا کہ اسے سب نے مل کر بےوقوف بنایا تھا۔

''کوئی کسر رہ گئی ہے کیا؟'' ندا نے چوٹ کی۔

''ہاں رہ گئی ہے۔ بس اب میں کسی سے بات نہیں کروں گی۔''

''عجیب لڑکی ہو۔ بجائے اپنی غلطی ماننے کے۔ سوری کرنے کے، اکڑ رہی ہو۔ تمہیں ہر حال میں اسد سے سوری کرنی چاہئے...... کچھ احساس ہے کہ وہ کتنا اچھا لڑکا ہے اور کتنا ذلیل کیا ہے تم نے اسے، تمہیں اس سے معذرت کرنی چاہئے۔''

''معلوم ہے مجھے۔ کرلوں گی جب مناسب وقت آئے گا۔''

''مناسب وقت۔ کون سا مناسب وقت؟'' ندا نے شوخی سے اسے چھیڑا تو وہ اسے مارنے کو دوڑی مگر باہر سے آتے اسد سے ٹکرا گئی اور چنبیلی کی وہ کلیاں جو ندا نے ہی اس کی جھولی میں ڈالی تھیں۔ اسد کے آگے ڈھیر ہو گئیں۔ نگاہیں آپ ہی جھک گئیں۔ اس کا یہ نیا انداز اسد کے لئے بھی نیا تھا۔

''واہ کیا خوبصورت فلمی ٹکراؤ ہے۔ کیا سواگت کیا ہے ہیروئن نے۔ ویسے اسد یہ سارے خوبصورت فلمی اتفاقات تمہارے ساتھ ہی کیوں ہوتے ہیں۔'' ندا شوخی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''تم جیسوں کو جلانے کے لئے۔'' ساتھ ہی اسد کلیاں اٹھانے کے لئے جھکا عین اسی وقت شنذرا بھی جھکی۔ دونوں کے سر پھر ٹکرا گئے۔ ندا ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی۔

''لیجئے ایک اور فلمی اتفاق ہو گیا۔''

''ندا! تم انتہائی فضول ہو۔ اور خبردار جو زبان کھولی ہو تو۔''

شذرا نے معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے ندا کو کچھ سمجھایا۔

"حد ہوگئی اسد! تم ان لوگوں کو بلانے آئے تھے، یہیں کے ہو رہے۔ اوہو! یہاں تو فلمی سین چل رہے ہیں۔"

منیب کافی انتظار کے بعد خود ہی بولتا ہوا آ گیا تو صورت حال دیکھ کر شوخ نظروں سے شذرا اور اسد کو دیکھا۔ جن کے ہاتھوں میں کلیاں تھیں۔

"زبردست سین ہوئے ہیں منیب! تم تو اب آئے ہو۔ پتا ہے کیا ہوا۔"

ندا منیب کو تفصیل بتانے لگی تو شذرا نے ٹوک دیا۔

"زیادہ کامیڈین بننے کی ضرورت نہیں۔" شذرا کا لہجہ بہت سخت تھا۔ اس کا یہ اکھڑ پن اسد کو بھی برا لگا۔ اس کا موڈ بھی آف ہوگیا۔

"شذرا مراد! تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟"

اس کی بات پر شذرا نے پلٹ کر سفید شلوار سوٹ میں خوبرو، اسمارٹ اسد کو دیکھا، جس نے چند دنوں میں دل کی بستی پر قبضہ کرلیا تھا یا سدا سے قابض تھا۔ وہ اندازہ نہیں لگا پائی تھی۔ اب وہ اسے کیسے بتاتی کہ وہ تو کچھ بھی نہیں سمجھتی۔ اس کے سامنے خود کو بھرم رکھنا اس کی فطرت تھی، اسے اپنا وقار بہر حال عزیز تھا۔ اس لئے جواب دیئے بغیر پلٹ گئی۔

☆......☆......☆

"تجل! اٹھو۔ یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، تم نے کتنے دنوں سے نہ کھانا پینا اور نہ پہننا اوڑھنا، ویسے ہی کتنے رہ گئے ہیں شادی میں۔ اٹھو جوس پی لو۔"

مہوش ان دنوں میں اس کے بہت قریب آ گئی تھی، ہر وقت اس کا خیال رکھتی اور تجل کا یہ حال تھا کہ اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اپنا وجود ہی ختم کرلیتی۔

"بھابی...... اس جوس میں تھوڑا سا زہر بھی ملا دیں۔"

اس کی بوجھل سسکیوں سے فضا بھی بوجھل ہونے لگی تو مہوش تڑپ کر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"خدا نہ کرے تجل! ایسی بدفال کیوں منہ سے نکالتی ہو۔"

"بھابی ایسی زندگی جس میں پیار و محبت کی رتی برابر مہک نہ ہو۔ دولت جائیداد کے جھگڑے ہوں، مجھے نہیں چاہئے ایسی زندگی۔ خدا سے دعا کریں بھابی کہ کوئی معجزہ ہو جائے۔ زہر لگتا ہے یہ شخص فیضان اور اس کے گھر والے۔ آ جاتی ہیں ساری چڑیلیں زیور لاد کر۔ بھابی یہاں تو پھر بھی سانس لے سکتی تھی۔ وہاں تو...... اور بھی، کاش۔ کاش بھابی۔"

تجل شدید قسم کے ذہنی دباؤ کا شکار تھی۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو شادی رکوا دیتی۔ وہ نماز میں بھی شدت سے دعا کرتی کہ اس کی زندگی میں وہ لمحہ نہ آئے۔

"تجل پلیز، ایسا مت کرو۔ تم نے خود ہی تو فیضان کے حق میں فیصلہ دیا تھا۔ اب پپا کو پتا چلے گا تو انہیں یقیناً دکھ ہوگا۔ اب جو ہوا ہونے دو اور پھر ایسی کوئی خاص خرابی بھی نہیں فیضان میں۔"

مہوش دیر تک تجل کو سمجھاتی رہی مگر اس کے دل بے قرار کو قرار نہیں آ رہا تھا۔

"مہوش۔ مہوش بیٹی۔"

"تجل! میرا خیال ہے پپا ادھر ہی آ رہے ہیں۔ آنسو پونچھ لو۔ تمہیں پتا ہے۔ وہ کتنے حساس ہوگئے ہیں، اور تمہاری آنکھ میں آنسو تو وہ کسی صورت نہیں دیکھ سکتے۔"

مہوش کے کہنے پر تجل اٹھ کر واش روم میں چلی گئی۔ مہوش باہر آ گئی۔

"مہوش بیٹی! میں اس لئے مشکل سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آیا ہوں کہ ابھی ابھی احسان صاحب کا فون آیا تھا۔ وہ لوگ نکاح کے معاملات حق مہر وغیرہ طے کرنے آ رہے ہیں۔ تم رات کے کھانے کا اہتمام کرلینا۔"

"جی بہتر پپا! آپ بالکل بھی فکر نہ کریں۔ میں آتی ہوں۔"

☆......☆......☆

"بھئی واہ مہوش بیٹی! مزا آ گیا کھانے کا۔"

احسان صاحب کو کھانا واقعی بڑا پسند آیا تھا۔ فیضان کی والدہ اور بہن بھی آئی تھیں۔

"آیئے احسان صاحب! تشریف رکھیے۔ اب چائے چلے گی یا کافی۔"

فاروق صاحب بے حد خوش تھے کہ اب ان کی سب سے چھوٹی لاڈلی بیٹی دلہن بن رہی تھی اور وہ اپنے ماضی کی تلخیوں کو خوشی کی شیرینی میں بدلنا چاہتے تھے۔

"ٹھنڈ زیادہ ہو رہی ہے، ایسے میں قہوہ زیادہ لذت دیتا ہے۔"

مہمانوں کے لئے قہوہ تیار کرکے مہوش تجل کے پاس آ گئی۔

"جی تو فاروق صاحب! اب ذرا حق مہر کی باتیں ہو جائیں۔ فیضان کہتا ہے کہ ہر معاملہ پہلے طے ہونا چاہئے، تاکہ اس روز کوئی جھگڑا نہ ہو۔"

"جی ہاں، کیوں نہیں۔ آپ جیسا چاہیں گے، ویسا ہی ہوگا۔ خدا کا فضل ہے مجھ پر۔ آپ بات تو کریں۔ میں اپنی بیٹی کی خوشی کی خاطر سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"یہ ہوئی ناں بات۔ دیکھیں فاروق صاحب! فیضان میرا اکلوتا بیٹا ہے، ایک عرصے سے ملک سے باہر ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اب وہ ملک ہی میں سیٹل ہو۔ یقیناً آپ بھی ایسا ہی چاہیں گے۔"

"جی۔ جی کیوں نہیں۔ یہ تو آپ نے اچھی خبر سنائی کیونکہ اب اس عمر میں...... میں اپنی بیٹی کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا......" فاروق صاحب کو واقعی اس خبر سے بہت خوشی ہوئی تھی، ورنہ تو اس کی جدائی کے خیال سے افسردہ رہتے تھے۔

"لیکن اس کے لئے فیضان کی ایک شرط ہے۔ شرط بھی کیا، حق بات ہے میرے خیال میں آپ کو اس کی بات مان لینی چاہئے۔"

"آپ بات تو کریں احسان صاحب! ایسی کیا بات ہے؟"

"بات کوئی خاص نہیں فاروق صاحب حق مہر آپ جتنا چاہیں لکھوالیں۔ مگر فیضان کی یہ شرط ہے کہ تجل بیٹی کا حصہ چونکہ شادی کے بعد اسی کو ملے گا...... اس لئے تجل کا حصہ فیضان کے نام کر دیا جائے تاکہ وہ آسانی سے ملک میں بزنس شروع کرکے سیٹل ہو سکے۔ وہ نکاح سے پہلے جائیداد کی تقسیم چاہتا ہے۔ اس لئے آپ تجل کا حصہ فیضان کے نام کردیں تاکہ عین شادی کے روز گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

احسان صاحب کاروباری انداز میں بول رہے تھے۔ مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی بات ایک

باپ کے دل پر بجلی بن کر گری ہے۔ جنہوں نے بڑے ارمانوں سے بیٹی کی خوشی چاہی تھی، مگر یہ شخص اس کی خوشیوں کی قیمت لگا بیٹھا تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئے۔ انہوں نے عدیل اور نبیل کی طرف دیکھا۔ جن کی کیفیت بھی باپ جیسی تھی۔

"میں نے ایسی کیا بات کہہ دی ہے صاحب! کہ آپ سوچ میں پڑ گئے ہیں۔ آپ نے بیٹی کا حصہ تو دینا ہی ہے۔"

"جی ہاں انکل، مگر وہ تو ہماری بہن کا حق ہے اسی کو ملے گا، اور اسی کے نام ہوگا۔"

راحیل نے قدرے خشک اور فیصلہ کن لہجے میں کہا تو احسان صاحب اسے دیکھنے لگے۔

"دیکھو میاں! ایسے معاملات میں کمپرومائز کرنا ہی پڑتا ہے۔ اب جب لڑکا آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہے، تو آپ اس کی یہ شرط مان لیں، ہرج ہی کیا ہے؟"

"اول تو یہ احسان صاحب! کہ ہم نے کوئی شرط عائد نہیں کی، دوسری یہ بات کہ ہم بھی کسی قسم کی شرط کو نہیں مانیں گے۔"

عدیل اور نبیل نے بھی متفقہ فیصلہ سنا دیا۔

"سوچ لیں۔ شادی میں چار دن ہی تو رہ گئے ہیں۔ جتنا چاہیں حق مہر لکھوالیں، مگر فیضان کی شرط اپنی جگہ رہے گی کہ تجل کے حصے کی جائیداد تجل کے بجائے اس کے نام کی جائے گی۔"

احسان صاحب تو آج ہی فیصلہ کن بات کرنے کا ارادہ لے کر آئے تھے۔

"احسان صاحب آپ!" راحیل کچھ سوچ کر کھڑا ہو۔ ساتھ ہی فاروق صاحب بھی کھڑے ہوگئے۔

"ٹھیک ہے احسان صاحب! ہمیں سوچنے کا وقت دیں۔ انشاء اللہ کوئی بہتر حل نکل آئے گا اس مسئلے کا۔"

"چلیے دیکھ لیتے ہیں۔ فاروق صاحب! لیکن یہ سوچ لیجئے گا کارڈ چھپ چکے ہیں۔ لوگوں کو جواب ہم ہی نہیں آپ کو بھی دینا ہے۔ ساری باتیں سوچ کر مجھے کل تک بتا دیں اور یہ بھی بتا دوں کہ فیضان اپنی بات کا پکا ہے۔ خدا حافظ۔"

اور وہ نشست بڑی بدمزگی پر ختم ہوگئی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد ان لوگوں پر سوچ کے دروازے وا ہو گئے تھے۔

"میرے خیال میں تو اس میں کوئی ہرج نہیں بیٹا! ہم..... کو دینا ہی ہے اس کا حصہ۔ یوں بھی شادی کے بعد سب فیضان ہی کا تو ہوگا، ہمیں جذباتی نہیں ہونا چاہئے۔"

فاروق صاحب نے اپنا ووٹ ان کے حق میں دے دیا تھا۔

"نہیں پپا! میرے خیال میں اس بات کو یہیں ختم کر دیں تو بہتر ہے۔"

راحیل نے فوراً ہی اس رشتے کو ختم کرنے کا کہہ دیا۔ جس سے نبیل اور عدیل بھی متفق تھے۔

"پپا! شادی عمر بھر کے نباہ کا نام ہے اور جب شروع ہی میں اس قسم کی باتیں ہوں، تو آئندہ کسی بہتری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ یہ ان کی کمینگی کی چھوٹی سی جھلک تھی۔ آئندہ نجانے کیا کیا تقاضے کریں گے۔ میں تو اب اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ عدیل بھی اس رشتے سے منحرف ہوگیا۔

"مجھے تو خیر فیضان پسند ہی نہیں تھا۔ اول درجے کا چھچھورا ہے، اور لالچی حد سے زیادہ۔ چونکہ آپ کو پسند تھا، اس لیے میں چپ رہا۔ لیکن اب چپ نہیں رہوں گا۔ ہماری بہن کی زندگی کا معاملہ ہے۔ کوئی مذاق نہیں، جو ابھی سے شرائط عائد کر رہا ہے۔ کل کو نجانے تجل کو کس طرح تنگ کرے۔"

اب فاروق صاحب بھی حقیقت پسندی سے سوچ رہے تھے اور ان چند دنوں میں شادی کی تیاریوں کے بجائے تجل کے مستقبل کے بارے میں سوچتے ہوئے سب اسی فیصلے پر پہنچے کہ رشتہ ختم کر دیا جائے۔ تجل کے لئے اچھے رشتوں کی کیا کمی تھی۔ اس رشتے سے انکار کا سنتے ہی تجل خدا کے حضور سجدہ ریز ہوگئی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ قید سے رہا ہوئی ہو۔

وہ بے حد خوش تھی۔ اس رشتے کے دوران اس نے بڑا کٹھن اور اذیت ناک وقت گزارا تھا۔ وہ خدا کا جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

"بھابی..... بھابی! میں بے حد خوش ہوں۔" وہ مہوش سے لپٹ گئی۔

"میں بھی بہت خوش ہوں۔ میں تو پپا کی وجہ سے چپ تھی، ورنہ تو وہ گھٹیا سا آدمی مجھے بھی پسند نہیں آیا تھا۔ بظاہر دیکھنے میں کتنا اچھا نظر آتا تھا اور اندر سے کتنا برا نکلا۔"

"اصل بات ہی اندر کی ہوتی ہے بھابی! اجلے کپڑے پہن لینے سے من کی سیاہی تو ختم نہیں ہو سکتی۔ بہرحال ہمیں کیا۔ بھاڑ میں جائے۔ مجھے تو میرے خدا نے بچا لیا ہے۔ یہ احسان کیا کم ہے۔ سچ بھابی! آج مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے خدا نے نئی زندگی دی ہو، جیسے کال کوٹھڑی سے مجھے رہائی دلا دی ہو۔ بھابی! آج ہم گھومنے جائیں گے۔ شاپنگ بھی کریں گے اور کھانا بھی باہر کھائیں گے۔"

خوشی سے وہ مہوش کی بانہوں میں جھول گئی۔ وہ بے حد خوش تھی۔

"ہاں ضرور، خدا تمہیں یوں ہی خوش رکھے ہمیشہ۔" مہوش نے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"آمین۔" تجل نے صدق دل سے آمین کہا۔

اس رشتے کے ختم ہونے کے بعد زندگی میں اک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ فاروق صاحب تو چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح وہ پھر شادی کے لئے تیار ہو جائے، اور ایک دو اچھے رشتے تھے ان کی نظر میں، مگر وہ انکار کر رہی تھی۔

"بیٹا! میں چاہتا ہوں۔ میری زندگی میں تم اپنے گھر کی ہو جاؤ۔"

"پپا! مجھے ایسا گھر نہیں چاہئے جو مجھے تحفظ نہ دے سکے۔ جس کو میری نہیں، میری جائیداد کی ضرورت ہو۔ آپ کے حلقے میں کوئی ایسا ہے جس کو صرف میری ضرورت ہو، جس کی نگاہیں میری دولت، جائیداد پر نہ ہوں۔ سوری پپا! مجھے ایسا سنہری پنجرہ نہیں چاہئے۔"

تجل کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔ پھر انہوں نے لاکھ چاہا مگر تجل شادی کے لئے تیار نہیں ہوئی۔

"او۔ کے بے بی! اب میں تم پر کوئی فیصلہ مسلط نہیں کروں گا۔ خدا تمہارے حق میں بہتر کرے گا۔"

فیضان کو پرکھ لینے کے بعد خود فاروق صاحب کو بھی احساس ہونے لگا تھا کہ سب کچھ دولت ہی نہیں ہوتی۔ اچھی زندگی کے لئے عزت اور محبت بھی بے حد ضروری ہوتی ہے۔ انہوں نے تجل کو اس کی

خواہش کے مطابق اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ اک کمی سی تو تھی تجل کی زندگی میں، مگر وہ پھر بھی مطمئن تھی۔

☆......☆......☆

تجل کی برتھ ڈے تھی اور تیمور کی نظروں میں ماضی کا وہ منظر گھوم گیا، جب انہوں نے یونیورسٹی میں تجل کی برتھ ڈے منائی تھی۔ حنا اور علی نے خوب انجوائے کیا بھی تھا، اور کرایا بھی تھا۔ تجل کو اس نے بڑی سوچ بچار کے بعد نازک سا بریسلٹ دیا تھا۔ اور وہ اس نے اکثر اس کی نازک کلائی میں دیکھا تھا اور جن دنوں دونوں کی بات چل رہی تھی۔ اس نے بہت خوبصورت سی نازک سی انگوٹھی لی تھی۔ مگر وہ لمحات آئے ہی نہیں۔ اس وقت بھی وہ مستقل انگوٹھی کو دیکھتے ہوئے مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کی شادی کا خیال بھی تکلیف دیتا رہا۔ اس نے چابی اٹھائی اور شندرا اور فرخ کو بتا کہ ساحل پر آ گیا۔ نرم نرم لہروں کے ساتھ ڈوبتے سورج کی کرنوں کو دیکھتے ہوئے وہ نرم ریت پر ننگے پاؤں چلتا رہا۔ سوچتا رہا، اور نجانے کب تک سوچتا رہتا کہ اس نے اپنے شانے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا۔ چونک کر پلٹا تو حیرت اور خوشی کی روشنی پھیل گئی۔ سامنے تجل زندگی بن کر مسکرا رہی تھی۔

''تجل تم......'' وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا ورنہ تو حیرت سے زبان گنگ ہو رہی تھی۔

''ہاں میں۔ کوئی شبہ ہے۔'' تجل اس کی حیرت اور خوشی کے احساس کو اپنے اندر اتارتے ہوئے مسکرائی۔

''مجھے اپنے جذبوں کی صداقت پر کبھی بھی شبہ نہیں رہا مگر تم یہاں کیسے؟''

تیمور کو واقعی اپنی بصارت پر شبہ ہو رہا تھا۔

''تم نے خود ہی تو کہا تھا تیمور کہ جب کبھی میرا دم سنہری پنجرے میں گھٹنے لگے اور آزاد فضا میں سانس لینا چاہوں تو تمہارے پاس خالی ہاتھ چلی آؤں۔ زندگی کے کسی بھی موڑ پر تم میرے منتظر ہو گے۔ تو میں چلی آئی ہوں۔ تم میرے منتظر نہیں تھے یا میری واپسی کی امید نہیں تھی؟'' تجل اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ جہاں لگن کی خوشی کی قندیلیں روشن ہو گئی تھیں۔

''نہیں تجل! نہ تو میرا انتظار ختم ہوا تھا اور نہ ہی امید کی کرنیں معدوم ہوئی تھیں۔ لیکن وہ تمہاری شادی۔''

''تیمور! ان لوگوں کو میری ضرورت نہیں تھی۔ میری دولت اور جائیداد کی ضرورت تھی، اور باپ، بھائیوں کو میری ناقدری منظور نہ تھی۔ تو میں نے پپا سے کہہ دیا کہ میں اس کے پاس جا رہی ہوں، جس کو آپ کی دولت نہیں چاہئے۔ جسے صرف میری ضرورت ہے۔ پپا نے دعاؤں کے ساتھ اجازت دے دی، پھر میں نے گھر فون کیا تو پتا چلا کہ آپ ساحلوں کے گیت سننے پہنچے ہوئے ہیں، تو میں سیدھی یہیں چلی آئی۔''

وہ نرم کرنوں اور ملائم لہروں کے سے لہجے میں بول رہی تھی، اور تیمور بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''تجل! یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب ہو گیا ہے۔ تم...... تم میری ہو کر آ گئی ہو۔''

تیمور نے اسے بے یقینی سے دیکھا تو وہ مسکرا پڑی۔

''حیرت ہے، حالانکہ خدا پر...... مجھے کامل یقین ہے اپنی وے میرا برتھ ڈے گفٹ۔''

تجل نے شوخی سے اس کے آگے ہاتھ پھیلایا تو تیمور نے جیب سے وہی انگوٹھی نکال کر اس کی مخروطی انگلی کی نظر کر دی۔ نازک سی انگوٹھی نے اس کے ہاتھ کو اور خوبصورت بنا دیا تھا۔

''تجل! اب تم میری ہو۔ پتا ہے۔ امی تمہیں کتنا یاد کرتی ہیں اور تمہیں بہو بنانے کو کتنا بے چین ہیں۔ ہم انشاء اللہ اپنی زندگی کی ابتداء سچائی کی بنیادوں پر رکھیں گے۔ تمہیں اتنی محبت، عزت اور خوشیاں دوں گا، کہ تم خوش ہو جاؤ گی۔''

گمبھیر لہجے میں ڈھلے خواب حیا کی سرخیاں بن کر تجل کے رخساروں پر پھیل رہی تھی اور نازک ہاتھ اس کے مضبوط ہاتھ میں تحفظ محسوس کر رہا تھا اور وہ خدا کا شکر ادا کر رہی تھی۔ سورج کی بنفشی کرنوں کے ساتھ ہی وہ بھی مسکرا دیے۔

☆......☆......☆

شندرا نے کسی پر بھی یہ بات واضح نہیں ہونے دی تھی کہ وہ اسد اور ارمان کے ڈرامے سے آگاہ ہو گئی ہے۔ خصوصاً اسد کو تو گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ شندرا سب کچھ جان چکی ہے نہ ہی فرخ نے اسے کچھ بتایا تھا۔ تب ہی تو اس نے ارمان بن کر پھر شندرا کو فون کر دیا۔

''کیسی ہو؟''

''بہت اچھی ہوں۔ خوبصورت ہوں۔ اسمارٹ ہوں۔'' شندرا اترائی۔

''کس نے خوش فہمی کا شکار کر دیا؟'' ارمان نے چڑایا۔

''ہیں کچھ لوگ!'' شندرا نے ہنسی دبائی۔

''جانتا ہوں۔ اسد کے علاوہ ایسی حماقت کون کر سکتا ہے۔''

''اسد تو خیر ہے ہی۔ خود اپنے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟ خیر چھوڑیں۔ پرسوں آپ کی برتھ ڈے ہے۔ اپنا نمبر دے دیں، تاکہ وش تو کر سکوں۔''

''میری برتھ ڈے کا تمہیں کس نے بتایا؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ضروری تو نہیں ہر بات بتا دی جائے۔ کچھ باتیں تو خود بخود پتا چل جاتی ہیں۔''

شندرا کا انداز اس کے لئے مشکوک اور حیرت انگیز تھا۔

''شندرا!''

''جی!'' شندرا نے بڑی لگاوٹ سے ''جی'' کہا تو نجانے کیوں اسد کے اندر کچھ ہونے لگا۔

''تمہارے رویے میں تبدیلی۔''

''خوشگوار تبدیلی ہے ناں۔ مجھے معلوم تھا آپ کو یہ تبدیلی پسند آئے گی۔ چلیے بتائیں ناں آپ اپنی برتھ ڈے ارینج کر رہے ہیں یا نہیں۔''

''ہاں کر رہا ہوں۔ ہوٹل میں آؤ گی۔'' اسد کا لہجہ تلخ سا ہونے لگا تھا۔ وہ حقیقت سے بے نیاز یہی سمجھ رہا تھا کہ شندرا ارمان کی باتوں میں آ گئی ہے۔ اسے ارمان سے حسد ہونے لگا۔

''ہاں، ہاں آؤں گی۔ کیوں نہیں آؤں گی۔ آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں۔ ایسے تو حالات نہیں۔''

''ٹھیک ہے آجانا۔'' ساتھ ہی اسد نے اسے ہوٹل کے بارے میں بتادیا۔
''اچھا تو گفٹ کیا پسند کریں گے؟''
''گفٹ۔ اونہہ! تمہارے پاس مجھے دینے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں۔''
نجانے کیوں شذرا کے اس رویے سے اسد کا دل ٹوٹنے لگا تھا۔
''مشکل تو یہی ہے۔ آپ کچھ نہیں جانتے اور سنیے میں اتنی بھی کنگال نہیں۔ جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔ بہت کچھ ہے میرے پاس۔ بہت اچھا سا گفٹ لاؤں گی، ویسے ایک بات تو بتائیں؟''
''کیا؟'' اسد نے اکھڑپن سے کہا اور اس کا یہ انداز شذرا کو بہت بھا رہا تھا۔ بڑا مزہ آرہا تھا اسے تنگ کرنے میں۔
''یہی کہ آپ نے تو کہا تھا کہ آپ کی امی اور بہنوں کو میں پسند آگئی ہوں وہ پھر دوبارہ تو آئیں ہی نہیں۔'' اس نے بمشکل ہنسی دبائی۔
''مجھے نہیں معلوم۔ ویسے ایک اطلاع دے دوں تمہیں۔ میں نے اسد کو بھی انوائٹ کیا ہے۔''
''اچھا! ارے واہ یہ تو اور بھی اچھی بات ہوگی۔ دیکھ لیجئے گا۔ جل کر راکھ ہو جائے گا۔ مجھے آپ کے ساتھ دیکھ کر بہت برائیاں کرتا تھا آپ کی لیکن میں نے بھی جان لیا ہے کہ آپ کیا چیز ہیں۔ مجھے بہت قدر ہے آپ کی۔''
وہ بڑی لگاوٹ سے اس کی تعریف کر رہی تھی۔ وہ راکھ ہوکر رہ گیا۔
''اچھا پھر میں انتظار کروں گا۔ خدا حافظ۔''
اسد نے فوراً ہی ریسیور رکھ دیا۔
''ہوں اب آؤ گے ناں اوقات پر اسد صاحب! کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے، بہت تنگ کرلیا آپ نے، اب میری باری ہے۔''
شذرا نے ریسیور رکھتے ہوئے مسکرا کر سوچا۔

☆......☆......☆

''نہیں شذرا! وہ خفا ہو جائے گا تم سے۔''
''اچھا اس کے ساتھ مل کر تم لوگ مجھے تو فول بنا سکتے تھے۔ اسے نہیں بنا سکتے۔ میرے ساتھ مل کر ٹھیک ہے۔ وہی تم لوگوں کا سگا ہے، میں تو کچھ نہیں لگتی ناں۔''
شذرا نے جب منیب اور ندا کو اس ڈرامے میں شریک کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کردیا جس پر وہ خفا ہوگئی، منیب اور ندا نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
''عجیب مشکل ہے تم دونوں کی، ایک دوسرے کو تنگ کرنے کے چکروں میں تم لوگوں نے ہمیں پیس ڈالا ہے۔ ٹھیک ہے اب تم جیسا کہو گی، ویسا کریں گے۔''
ندا اور منیب نے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا تو شذرا خوش ہوگئی۔
''اچھا میں تو چلتا ہوں۔ ندا تم پھر فرخ کے ساتھ آجانا۔ مجھے کام ہے۔''
منیب چلا گیا۔ شذرا بے حد خوش تھی۔ منیب کے جانے کے تھوڑی دیر بعد اسد آگیا۔
شذرا نے اسے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ شوخ ہوگئی۔ اسے سنانے کو ندا سے باتیں کرنے لگی۔

''سچ ندا! اتنے اچھے ہیں ارمان کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔ کیا آواز ہے ان کی اور بات کرنے کا انداز اتنا دلفریب کہ جی...... بندہ گھنٹوں بات کرتا رہے اور اس سے بڑھ کر وہ مجھے اتنا چاہتے ہیں کہ حد نہیں۔''
ذکر در پردہ گو کہ اسد ہی کا تھا مگر شذرا کے منہ سے اسے اس ذکر سے بھی جلن ہونے لگی۔
وہ جھٹ اندر آگیا۔
''ہیلو۔ ہیلو کیا ہو رہا تھا؟'' اسد نے بمشکل لہجہ خوشگوار بنایا۔
''ارمان کی قصیدہ گوئی ہو رہی تھی۔'' ندا نے بور سا منہ...... بنایا تو۔ اسد طنزیہ سی مسکراہٹ لیے شذرا کے مقابل آن کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا جن میں اب عجیب سی چمک پیدا ہوگئی تھی۔
''تو گویا ارمان صاحب نے دیگر لڑکیوں کی طرح تمہیں بھی اپنی باتوں کے جال میں الجھالیا۔ اپنی امارت اور گلیمر کے شیشے میں اتار لیا ہے۔''
''ہاں سر سے پیر تک!'' شذرا نے آنکھیں بند کرکے بڑے جذب سے کہا تو وہ تپ کر رہ گیا۔
''تم سے اتنے ہی گھٹیا پن کی توقع کی جا سکتی ہے شذرا۔ کہ تم جیسی سطحی لڑکیاں چمکتی چیز کو ہی سونا سمجھ کر اپنالیتی ہیں، ہیرے کی پہچان ان کو کبھی بھی نہیں ہوتی۔''
وہ ایک ایک لفظ چبا کر ادا کر رہا تھا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو جواباً شذرا تھپڑ رسید کردیتی مگر اب تو اسے عجیب طرح کا سکون مل رہا تھا۔ اسد کو چڑا کر تنگ کرکے مزا آرہا تھا۔
''ارمان تو تمہارا دوست ہے اور تم نے خود ہی تو اسے میرے بارے میں سب کچھ بتایا ہوا ہے۔ اسے خود ہی میرے پیچھے لگایا اور اب جبکہ میں بھی اسے چاہنے لگی ہوں۔ پسند کرنے لگی ہوں تو تم جلنے لگے ہو۔''
وہ جلتی پر مسلسل تیل انڈیل رہی تھی۔ اسد راکھ ہوکر رہ گیا۔
''جلتی ہے میری جوتی۔ تم اور تمہارا ارمان مائی فٹ۔''
اسد نے زور سے پاؤں پٹخا اور باہر نکل گیا۔ ایک عجیب طرح کا اطمینان سکون شذرا کے رگ و پے میں اتر گیا۔ لگ رہا تھا آہستہ آہستہ زخم بھرنے لگے ہیں جو اسد نے لگائے تھے وہ اس کے جانے کے بعد دیر تک ہنستی رہی۔
''بہت ذلیل ہو تم!'' ندا نے چڑ کر ڈانٹا۔
''ہاں مگر اس سے کم، ندا! تم لوگوں کو اس سے بڑی ہمدردی ہو رہی ہے اور جب وہ اس طرح مجھے ذلیل کرتا تھا۔ تب تو تم لوگوں نے کبھی اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ اب بڑی ہمدردی ہو رہی ہے اس سے۔''
شذرا نے شکوہ کیا تو ندا چپ ہوگئی۔
''اچھا بابا! جو تمہارے جی میں آئے کرو۔ بدلہ لو اس سے۔ لیکن فی الحال باہر نکلو اتنا اچھا موسم ہو رہا ہے۔''
وہ دونوں باہر نکلیں تو سب کہیں باہر جانے کو تیار ہو رہے تھے۔
''چلو صدف جلدی سے تیار ہو جاؤ۔''

"سب گھومنے جا رہے ہیں۔ واہ موسم کا مزا آ جائے گا۔"
شذرا نے بڑی خوشی کا اظہار کیا تو اسد اس کے قریب آ گیا۔
"مگر افسوس کہ ہم تمہیں نہیں لے جا رہے۔"
"اچھا! مجھے بھی کوئی شوق نہیں تم لوگوں کے ساتھ جانے کا!"
"چلو بھئی، جلدی کرو، سب گاڑیوں میں بیٹھ چکے ہیں۔"
منیب نے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر آگے کیا۔ تو اسد آگے بڑھنے لگا مگر شذرا نے ہاتھ چھڑا لیا۔
"سوری منیب! میں تو نہیں جا سکتی۔ میں ذرا مارکیٹ تک جاؤں گی۔ ایک دوست کی کل برتھ ڈے ہے، گفٹ خریدنا ہے، تم لوگ جاؤ۔"
اس نے اسد کو چڑانے کے لئے کہا اور واپس آ گئی اور وہ کھولتا ہوا گاڑی میں بیٹھ گیا۔

☆......☆......☆

شذرا نے بھی پوری طرح ٹھان لی تھی کہ اسد سے گن گن کر بدلے لے گی۔ اس نے سارے تیر جو اسد نے اس کی طرف اچھالے تھے، سنبھال کر رکھے ہوئے تھے، وہ اس کی احسان مند ضرور تھی کہ اس نے ان کی انا مجروح کیے بغیر یہ سب کیا مگر اپنا حساب بھی تو اسے برابر کرنا تھا۔ اسی لئے وہ اسد کے پسندیدہ رنگ کے لباس میں ہلکے سے میک اپ میں منیب کی منت کر کے ارمان کے بتائے ہوئے ہوٹل پہنچ چکی تھی اور جس ٹیبل پر اس نے بیٹھنے کو کہا تھا بیٹھ چکی تھی۔
"ہیلو!" اسد نے آ کر آہستگی سے کہا۔ تو شذرا نے بھی مسکرا کر اس کا سواگت کیا۔
"ہیلو! اس کا مطلب ہے مہمان تو آ گئے ہیں میزبان غائب ہے۔"
شذرا نے سیاہ پینٹ اور سفید شرٹ میں خوبرو سے اسد کو دیکھا۔
"لگتا ہے، آج تمہارے ارمانوں پر اوس ڈال دی ارمان صاحب نے۔ شذرا مراد! فول بنا گیا ہے وہ تمہیں۔" اس نے میز پر رکھے اس کے نازک ہاتھ کو دیکھا۔
"کوئی بات نہیں۔ کبھی انسان فول بن جاتا ہے اور کبھی بنا دیتا ہے اور پھر انسان جب کسی کو پسند کرتا ہے تو اس کی خطائیں بھی معاف کر دینے کا ظرف رکھتا ہے اور میں ارمان کی تمام خطائیں معاف کر سکتی ہوں۔"
وہ بڑے جذب سے خود کو ارمان کے عشق میں ڈوبا ہوا ظاہر کر رہی تھی۔
"تمہیں معلوم ہے، میری برتھ ڈے بھی آج ہی ہے۔" اسد نے جتایا۔
"اچھا مجھے تو خبر نہیں اور یوں بھی غیر ضروری باتوں کی طرف میرا دھیان جاتا نہیں۔" شذرا کا ہر ہر انداز دل جلانے والا تھا۔ اسد کھول کر رہ گیا۔
"ہیلو اسد! سوری۔ میں ذرا لیٹ ہو گئی۔ اصل میں ایک ایمرجنسی ہو گئی تھی۔ اس لئے لیٹ ہو گئی پھر بازار گئی تمہارا گفٹ لیا۔ ہیپی برتھ ڈے۔"
ایک بے حد خوبصورت نازک سی کومل سی لڑکی گفٹ اسد کی طرف بڑھا رہی تھی۔ اس کی آمد سے شذرا بے خبر تھی، عجیب سا سایہ لہرایا۔ اسی وقت اسد نے اسے دیکھا مگر اس نے جلد ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا۔

"اوہ۔ تھینکس ڈاکٹر امبر! تمہیں میری برتھ ڈے ہمیشہ یاد رہتی ہے اور بن بتائے تم مجھے گفٹ دے دیتی ہو، خیر ان سے ملو۔ یہ میری فرسٹ کزن شذرا ہیں یہ بھی کسی کی برتھ ڈے پر آئی تھیں مگر وہ موصوف پہنچے نہیں۔ غالباً پیدل آ رہے ہیں اور شذرا یہ ڈاکٹر امبرین ہیں۔ بے حد اچھی دوست ہیں میری۔ میری خوشیوں اور غموں کی ساتھی بھی۔"
اسد نے بڑا جتا جتا کر تعارف کرایا تو شذرا جو ڈاکٹر امبرین کو دیکھ کر گم صم سی ہو گئی تھی۔ کھڑی ہو گئی۔
"ہیلو کیسی ہیں آپ؟" شذرا نے امبرین کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
"بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ بیٹھیے ناں!" امبرین خود بھی بیٹھ گئی شذرا کو بھی بیٹھنے کو کہا مگر وہ کھڑی رہی۔
"اب بیٹھ بھی جاؤ۔ سنسان راہوں پر انتظار کے دیپ کب تک جلاؤ گی۔ اب نہیں آئے گا وہ۔ بیٹھو میں کھانا منگواتا ہوں۔"
اسد کی بات پر شذرا نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے گھورا۔
"کھانا آپ صرف اپنے اور ڈاکٹر صاحبہ کے لئے منگوایئے میں چلتی ہوں۔"
شذرا نے میز پر سے اپنا بیگ اٹھایا اور امبرین کو خدا حافظ کہہ کر وہ چلی گئی۔ اسد کی نظروں نے آخری حد تک اس کا تعاقب کیا۔
"بہت بری بات ہے اسد! کسی معصوم کو یوں تنگ کرنا، کتنی پیاری اور سادہ سی لڑکی ہے ختم کرو اب یہ ڈرامہ۔" اس کے جاتے ہی امبرین نے اسد کی خبر لے ڈالی۔
"دوست ہی رہو۔ ناصح نہ بنو۔ شکر گزار ہوں تمہارا اور تمہارے شوہر کے تعاون کا۔ کچھ احساس ہے محترمہ نے مجھے کتنا تڑپایا ہے۔ تڑپنا اگر آتا ہے ہمیں تو تڑپانا بھی آتا ہے۔ ابھی کچھ حساب برابر ہو جائے تو۔"
اسد بڑے مزے سے اسے ستانے کا پروگرام بنا رہا تھا کہ ڈاکٹر سلیم بھی آ گیا جو کہ امبرین کا شوہر تھا۔
"یار! وہ لڑکی تو بڑے غصے میں تھی۔"
"غصہ تو محترمہ کی ناک پر دھرا رہتا ہے۔ یہ بتاؤ کیسی لگی۔"
"اسد سلیم کی رائے پوچھ رہا تھا۔"
"اے ون۔ بہت اچھی لگی، بس اب جلدی سے میٹھے چاول کھلا دو شادی کے۔"
"بہت بے صبرے ہو تم۔ میٹھے چاولوں میں تو کچھ وقت ہے۔ فی الحال ہوٹل کا بے مزا کھانا ہی کھاؤ۔" ساتھ ہی اسد نے کھانے کا آرڈر دے دیا۔

☆......☆......☆

شذرا اور اسد کا تو ابھی پروگرام تھا کہ ایک دوسرے کو خوب فول بنائیں گے مگر دونوں کے اس کھیل کا ڈراپ سین اس روز ہو گیا جب ندا شذرا سے الجھ پڑی۔
"شذرا! یہ کیا بچپنا ہے۔ تم بھی بچی نہیں ہو۔ اسد بھی ڈاکٹر بن گیا ہے مگر اس کے

دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے چکروں میں غلط حرکتیں کر رہے ہو، پہلے اسد تمہیں فول بناتا رہا۔ اسد سے ارمان بن کر اب تم ساری حقیقت جان لینے کے بعد کہ اسد ہی ارمان ہے، تم ارمان کو اہمیت دے رہی ہو، اور اسد کو فول بنا رہی ہو، ختم کرو یہ سب ڈراما، ورنہ ہم بزرگوں کو سب کچھ بتا دیں گے۔"

ندا نے اسے بزرگوں کی دھمکی دے دی۔

"اس نے ایک عمر تک مجھے فول بنایا ہے۔ اب میری باری ہے، میں بھی اسے تنگ کروں گی، چڑاؤں گی پھر پوچھوں گی کیسا محسوس ہوتا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے۔ مجھے ڈبل کراس کیا جا رہا ہے۔ شنذرا میری حقیقت جان گئی ہے، وہ جان بوجھ کر مجھے فول بناتی رہی ہے اور ندا، غیب وغیرہ بھی اس ڈرامے میں شریک ہیں۔"

وہ لوگ نہیں جانتے تھے اسد ساری بات سن چکا ہے، وہ ایک دم ہی اندر آ گیا اور تالیاں بجانے لگا۔

"ویل ڈن۔ قابل داد ہیں آپ سب، بہت اچھے طریقے سے فول بنایا گیا ہے مجھے۔ غیب اور ندا مجھے یہ توقع تو نہیں تھی تم لوگوں سے!"

اسد کو بے حد دکھ پہنچا تھا اس وقت، بہت غصے میں تھا، شنذرا بری طرح سہم گئی بالکل ایسے ہی جیسے چوری کرتے رنگے ہاتھوں پکڑی گئی ہو۔ نادم سی کھڑی تھی۔

"انسان کو اتنا بھی بے اعتماد نہیں ہونا چاہیے۔"

"اسد! میری بات تو سنو۔ ہم تم دونوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ اگر تم دوست اور کزن ہو تو شنذرا بھی ہے تم دونوں اگر ایک دوسرے کے ساتھ زیادتی کر رہے ہو، فول بنا رہے ہو تو ہمارا کیا قصور ہے۔ شنذرا!"

"شنذرا۔ شنذرا کیا چیز ہے یہ۔ آخر تم اپنے آپ کو سمجھتی کیا ہو؟ نفرت ہے مجھے تم سے اور خود سے کہ آئندہ کوئی مجھ سے بات کرنے کی کوشش نہ کرے۔ میرا کسی سے تعلق نہیں۔"

اسد کی آواز بیٹھ گئی۔ اس نے کھا جانے والی نظروں سے شنذرا کو گھورا جو اس وقت سہمی ہوئی بچی لگ رہی تھی۔ اسد نے راستے میں پڑی کرسی کو ٹھوکر ماری اور غصے میں باہر نکل گیا۔ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"شنذرا! اسد کا ایسا کوئی قصور نہیں تھا جس کی اسے سزا دی جاتی، بہرحال تم نے بھی اسے تنگ کر کے اپنا حساب برابر کر لیا ہے۔ ہمیں اب اسے منانا ہے ہر صورت میں۔"

غیب کو اسد کی حالت دیکھ کر بہت دکھ پہنچا تھا۔ اس نے شنذرا کو حکم دینے والے انداز میں کہا۔ شنذرا تو خود ہی ہار سی گئی تھی۔ آج اسد کا روپ بہت نیا انوکھا اور دل میں اتر جانے والا تھا۔ اسے زندگی میں پہلی بار وہ اتنا اچھا اور اپنا لگا کہ وہ اسے ہر صورت میں منا لینا چاہتی تھی۔

"ہاں اسے منانا ہے ہر قیمت میں، ہر صورت میں۔"

اس نے گویا خود سے کہا اور اٹھ گئی اور اس وقت وہ عصر کی نماز سے فارغ ہوئی تھی کہ فرخ گھبرایا ہوا آیا کہ اسد کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ اس نے دل تھام لیا۔

"خدایا خیر، کیسا ہے میرا بچہ۔ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں ہائے میرا بچہ!" نسیمہ بیگم تو بالکل ہی

ہمت ہارنے لگیں۔

"امی خدا کا شکر ہے کہ جان بچ گئی ہے۔ چوٹیں بھی زیادہ نہیں آئیں۔ آپ چلیے سب لوگ ہاسپٹل پہنچ چکے ہیں۔"

اور پھر کسی نے اس سے پوچھا تک نہیں کہ وہ جائے گی کہ نہیں۔ وہ تو بس جانماز پر سجدہ ریز ہو کر خدا سے اسد کی زندگی اور صحت کی دعا کرنے لگی، اسے تو اس بات کا ادراک ہی اب ہوا تھا کہ وہ اسد کو کس حد تک چاہتی ہے۔

☆......☆......☆

اسد کا ایکسیڈنٹ واقعی بڑا جان لیوا تھا۔ مگر خدا نے کرم کیا ...... سارا خاندان امڈ پڑا تھا۔ بس ایک شنذرا ہی تھی جو اب تک چاہنے کے باوجود اسے دیکھنے نہیں جا سکی تھی۔ حالانکہ کتنا دل چاہ رہا تھا اسے دیکھنے کو۔ جو اس کی خطائیں معاف کرتا آیا تھا، بلکہ اس کی خطائیں بھی اپنے نام لکھواتا آیا تھا۔ کتنا بڑا ظرف تھا اس شخص کا یا پھر محبت کا اعجاز تھا کہ وہ اس کے لئے اتنا ظرف رکھتا تھا۔ اب زیادہ تر ...... وہ اسد کے بارے میں سوچتی رہتی۔ کسی نے جھوٹے منہ بھی اسے چلنے کو نہیں کہا تھا۔

"فرخ۔ میں۔ میں بھی ہاسپٹل جانا چاہتی ہوں۔"

اس روز مجبور ہو کر فرخ سے کہہ ہی دیا۔

"وہ پہلے ہی زخم زخم ہیں شنذرا بی بی!" فرخ نے بھی تیزی سے جواب دیا تو وہ سسک پڑی۔

"فرخ! میں اتنی بری ہوں کیا؟ کیا میں ہی زخم لگاتی رہی ہوں میری روح جو زخموں سے گھائل ہے۔ اس کا تو کسی کو خیال نہیں آیا۔"

وہ باقاعدہ رونے لگی ایک تو اسد کا دکھ اوپر سے ان لوگوں کے رویے کا صدمہ، فرخ کو دکھ ہونے لگا۔

"اچھا چلیں۔ آج جب سب لوگ ہو کر آ جائیں گے تو میں چپکے سے آپ کو لے جاؤں گا۔ کسی اور سے آپ ذکر نہ کیجئے گا۔" فرخ آہستگی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ شنذرا خوش ہو گئی۔

☆......☆......☆

اس وقت وہ ہاسپٹل میں اس کے کمرے کے سامنے کھڑی تھی۔ فرخ اسے چھوڑ کر دانستہ چلا گیا تھا۔ اب اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی اندر جانے کی۔ اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ اس روز اس کی وجہ سے وہ غصے سے نکلا تھا اور حادثے کا شکار ہو گیا تھا پھر بھی اس نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھول دیا۔ اب اسد کافی حد تک ٹھیک تھا اور فرخ کی اطلاع پر کہ شنذرا آ رہی ہے اور بھی سنبھال گیا تھا۔ اس نے کن انکھیوں سے اسے اندر آتے دیکھ لیا اور ایک دم ہی کراہنے لگا۔

"ہائے۔ اف۔ غیب یار! بے حد تکلیف ہے کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ مر ہی جاتا تو اچھا تھا، میری کسی کو ضرورت ہی کیا ہے۔ ہائے۔ اف غیب، غیب۔"

اسد دانستہ ایسی باتیں کر رہا تھا۔ شنذرا کو اس کی ٹیسیں اپنے دل میں اٹھتی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ آہستگی سے اس کے قریب آ گئی۔

"اسد! کیسی طبیعت ہے؟" اس نے آہستگی سے اسد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

اسد کا دل تو یہ چاہا کہ اس لمحے کو قید کرے مگر اسے ہمیشہ ہی خود پر ضبط رہا تھا۔

"کس کس زخم کا احوال پوچھیں گی آپ، یہاں تو دکان لگی ہوئی ہے زخموں کی۔" بڑا کاری وار تھا شذرا تڑپ اٹھی مگر ضبط کر گئی۔

"وہ۔ دراصل میں۔"

"مجھے نیند آرہی ہے۔" اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ اسد نے نیند کا کچھ اس انداز میں کہا جیسے اسے کہہ رہا ہو مجھے نیند آرہی ہے۔ لہٰذا تم جاؤ۔ اس سے بھی اب مزید ضبط نہ ہوا۔ اور اس سے قبل آنسو ضبط توڑ کر رخساروں پر پھیلے بھرم کے ٹوٹتے ہی وہ وہاں سے اٹھ کر باہر آ گئی۔

☆.....☆.....☆

اسد بالکل ٹھیک ہو گیا تھا اس خوشی اور شکرانے کے طور پر زاہدہ بیگم نے قرآن خوانی اور میلاد شریف بھی کرایا۔ شذرا کو انہوں نے سب سے زیادہ اہمیت دی۔ لیکن اسد اب بہت سخت ہو چکا تھا۔ وہ اس کے قریب جانا چاہتی، بات کرنا چاہتی تو وہ وہاں سے ہٹ جاتا۔ اب تو اسے یقین ہو چکا تھا کہ اسد ڈاکٹر امبرین کا ہو چکا ہے۔

"او کے منیب! میں چلوں گا۔ امبرین میرا انتظار کر رہی ہو گی۔"

اس نے شذرا کو سنانے کی غرض سے بلند آواز میں کہا۔

"اتنے ذلیل مت بنو۔ اگر کوئی جھک جائے تو اس طرح نہیں کرنا چاہیے۔"

منیب نے اسے ٹوکا تو وہ مسخرے پن سے ہنسنے لگا۔

"بہت مزا ہے تڑپنے اور تڑپانے میں۔ محترمہ کے کس بل نکل جانے دو۔" اسے نرم پڑتا دیکھ کر اسد خوب اترانے لگا تھا۔

"نکل تو گئے ہیں یار! اور کس طرح نکلیں گے۔"

"تمہیں کیا ہے۔ ذرا اہمیت ہونے دو میری۔"

اسد کی نگاہیں مستقل شذرا پر تھیں جو بظاہر تو کام کر رہی تھی مگر اس کا دھیان اسی طرف تھا کہ وہ کیا باتیں کر رہا ہے۔

اسد اور شذرا کے درمیان جو ڈراما ہو رہا تھا وہ ختم ہو چکا تھا اور دونوں کی اعلانیہ جنگ بھی ختم ہو چکی تھی۔ اب سرد جنگ جاری تھی۔ شذرا تو اب اس کو بھی ختم کرنا چاہتی تھی جبکہ اسد اس آنکھ مچولی سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اس روز بھی اسد آیا تو فرخ گھر پر نہیں تھا اسد نے اس پر ایک نگاہ ڈالی اور واپس مڑنے لگا۔

"اسد!" زندگی میں پہلی بار اس نے اسد کو تو یوں پکارا کہ اسد پگھلنے لگا مگر مضبوط رہا۔

"کہیے!" انتہائی سخت اور نارمل رویہ تھا اس کا۔

"وہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" وہ چاہتی تھی اب اس بوجھ کو اتار پھینکے۔

"کیا کہنا ہے؟ فی الحال تو میرے پاس وقت نہیں۔ کام سے جا رہا ہوں۔"

اسد اپنی اتراہٹ میں شذرا کے مزاج کو بھول گیا اور آگے بڑھنے لگا مگر اتنی دیر میں شذرا کا خون گرم ہو چکا تھا۔ وہ جو..... ذرا نرم پڑ رہی تھی۔ اسد کے احسانات کا خیال کر کے وہ سوری کرنا چاہ رہی

تھی۔ وہ اتنا ہی اترا رہا تھا اور شذرا کہاں یہ نخرے برداشت کر سکتی تھی۔ اس نے بھی فیصلہ کر لیا تھا۔ بگڑتا ہے تو بگڑے۔ وہ تیزی سے آگے بڑھتے اسد کے پیچھے بھاگی، اور ایک دم ہی اس کا بازو پکڑ کر..... سیدھی سامنے کھڑی ہو گئی، چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اسد نے پہلے اس کے ہاتھوں کی گرفت میں اپنا بازو دیکھا۔ اک عجیب طرح کی طمانیت کا احساس ہوا اسے۔ یوں لگا جیسے اس وقت کل جہاں کی خوشیاں اس کی گرفت میں ہوں مگر وہ تنا رہا۔

"یہ کیا حرکت ہے بھئی؟ چھوڑو میرا بازو!"

اس نے نہ چاہتے ہوئے بازو چھڑانے کے لئے ہلکا سا دباؤ ڈالا اس نے چھوڑ دیا۔

"مجھے بھی تمہارا ہاتھ پکڑنے کا کوئی شوق نہیں اور یہ تم خود کو سمجھتے کیا ہو۔ چیز کیا ہو تم۔ میں اگر معذرت کرنا چاہ رہی تھی تو تم سمجھ بیٹھے کہ میں قدموں میں گر جاؤں گی۔ ہرگز نہیں۔ بھاڑ میں جاؤ تم، نہیں کرنی مجھے معذرت کم ظرف انسان۔"

شذرا کافی دنوں سے اس کی بے اعتنائیاں برداشت کر رہی تھی۔ آج انتہا ہو گئی تو ساری ندامت، شرمندگی اور معذرت کو اس نے بھاڑ میں جھونک کر کھری کھری سنا ڈالیں اور جل تھل ہوتی آنکھیں لئے وہاں سے بھاگ آئی اور بالکونی میں کھڑی ہو کر شدت سے رونے لگی، وہ نہیں جانتی تھی۔ اسد خاموشی سے اس کو روتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ جب اس کی ہچکیاں بندھ گئیں تب وہ آگے بڑھا اور اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی جانب کر لیا۔

"بس اتنی سی برداشت تھی۔ ذرا سوچو تو تم بچپن سے اب تک میرے ساتھ کیا کرتی آئی ہو، میرے خلوص کو غلط رنگ دیتی آئی ہو۔ کیسے کیسے گھاؤ لگائے ہیں تم نے، مگر میں نے کوئی شکوہ شکایت نہ کی تم سے۔ اس لئے کہ اس لئے شذرا! کہ خدا کی قسم اس دل میں بڑا احترام ہے تمہارا۔ بڑی قدر ہے اس دل میں تمہاری۔ تمہارا یہ دہشت گرد قسم کا انداز ہی تو مجھے پسند ہے۔ تمہاری عزت، تمہارا وقار بے حد عزیز ہے مجھے۔ میں جانتا تھا تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔ تمہارا رویہ کیوں بدل گیا ہے، تم اپنے رویے کی معذرت کرنا چاہتی تھیں مگر خدا جانتا ہے میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ تم خدا کے علاوہ کسی کے سامنے جھکو، تم اسی طرح دھانسو انداز ہی میں اچھی لگتی ہو۔

مجھے تمہارا یہی انداز پسند ہے اور اسی لئے تو میں تمہیں تنگ کر رہا تھا کہ تم اپنے پرانے انداز پر لوٹ آؤ۔ اور سنو مجھ سے زیادہ نہ تمہیں کوئی جانتا ہے نہ پہچانتا ہے۔ اسی لئے تو میں تمہارے کردار کے شفاف آئینے میں اپنی تصویر لگانا چاہتا تھا مگر تم نے ہمیشہ اسد کے الفاظ کو اہمیت دی لیکن کبھی بھی اس کی آنکھوں میں اپنی تصویر نہیں دیکھی نہ ہی اس دل میں اتر کر کبھی جھانکا کہ جہاں تم ہی تمہیں۔ بس ہر وقت نفرت کی عینک لگائے مجھے دیکھتی رہتیں۔ میرا بھی تو حوصلہ ہے ناں، تمہاری اتنی نفرت برداشت کرتا رہا ہوں اور تم سے میری ذرا سی بے اعتنائی برداشت نہیں ہو سکی۔"

وہ اس کے دونوں سرد ہاتھ ہاتھوں میں لیے بول رہا تھا اور شذرا کو اس کے ایک ایک لفظ پر یقین آ رہا تھا اور وہ خود کو بہت معتبر تصور کر رہی تھی۔ اس کا دل خدا کے حضور سجدہ ریز ہو رہا تھا۔

"بہت برے ہو تم!" وہ خفا خفا سی بولی۔

"اونہوں، تم نہیں آپ۔ کیونکہ سرکاری ذرائع کے مطابق میرا گریڈ بڑھنے والا ہے۔" وہ شوخ

"کیا مطلب؟" وہ جان کر انجان بن گی۔

"مطلب یہ کہ یہ انگوٹھی امی ابا بڑی بڑے چاؤ سے لائی تھیں اپنی بہو کو پہنانے کے لئے، میں نے اپنی جیب میں رکھ لی اور کسی ایسے ہی خوبصورت لمحے کا منتظر تھا جو آج خدا نے دے دیا۔"

اور ساتھ ہی اسد نے انگوٹھی اس کی نازک انگلی میں پہنادی تو اس کے چہرے پر بے شمار رنگ بکھر گئے۔

"اسد تم۔ میرا مطلب آپ بہت!" وہ کچھ کہنے والی ہی تھی کہ اس کی شوخ نگاہوں کی وجہ سے چپ ہوگئی۔

"اب جیسا بھی ہوں، قبول تو کرنا پڑے گا ہی۔ اچھا چلو آؤ سب کے آنے سے پہلے کھسک جائیں ورنہ سارے بدتمیز تنگ کریں گے۔"

اسد جونہی شنذرا کا ہاتھ پکڑ کر باہر آیا تو خاندان کے سارے کزنز موجود تھے۔

"تو یہ ہے صورت حال۔ ہمیں ڈراما دکھاتے رہے اور خود۔"

منیب اور جمال اسد سے لپٹ گئے۔

"یہ ڈرامے کا ہیپی اینڈ ہے ناں۔" اسد نے شنذرا کی طرف دیکھا جو شرمائے جا رہی تھی اور پھر مبارک سلامت میں شور ہنگامہ شروع ہوا تو اسد شنذرا کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لایا۔ دونوں خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔

(ختم شد)